# فتاویٰ امجدیہ

حصہ اوّل - دوم

تصنیف

صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی صاحب اعظمی قدس سرہ العزیز

باہتمام

قاری رضاء المصطفےٰ اعظمی خطیب نیو میمن مسجد بولٹن مارکیٹ کراچی

دار العلوم امجدیہ
مکتبہ رضویہ
آرام باغ روڈ، کراچی

امام جمعہ جو پہلے ہی سے کھڑا ہے اس کیلئے بوقت اقامت بیٹھ جانا حدیث و فقہ سے ثابت نہیں صـ ۲۹۶، ۲۹۹

عورتیں زیارت قبور کو نہ جائیں صـ ۳۲۲

ایسا جس کے پاس زمین و دکان بہت قیمتی مگر اسکی آمدنی سے گزر اوقات نہیں تو زکوٰۃ اس کو دے سکتے ہیں صـ ۲۸۷

Marfat.com

رضویہ جلد نمبر

ٹوپی پہنے ہوئے اعتبار نہیں ص ۳۹۹ اول اعتکاف میں فنائے مسجد حکم مسجد میں ہے ص ۳۹۹

مسئلہ کا معلوم نہ ہونا عذر نہیں ص ۳۸۲ اول

اختلاف مطالع معتبر نہیں ص ۳۹۲ عرب کی رویت ہند میں معتبر ہے ص ۳۹۲

جائے نماز پر رومال (چادر) رکھنے میں حرج نہیں ص ۲۶۵

کم از کم عمر بلوغ لڑکے کیلئے بارہ سال اور یہی مراھق ہے ص ۱۵۸

آوارہ و شیر ... کرنے والے کے پیچھے نماز ص ۱۲۸ ص ۱۸۱

صاع ص ۳۸۲ دوسو ستر تولے. درھم ۳ ماشہ ۱ ۱/۵ رتی ہے. ص ۲۸۲

جج نکاح ختم نہیں کرسکتا ص 280 دوم

سنت غیر موکدہ میں درود، دعا اور تیسری رکعت کے اول میں تعوذ پڑھنا ص ۷۳

نماز جنازہ میں ہاتھ کھول کر سلام پھیرنا چاہیئے ص ۲۱۷

نااہل کمیٹی کو امام کے نصب و عزل کا اختیار نہیں بلکہ ایسے کو مسجد کی تولیت سے معزول کرنا چاہیئے ص ۱۱۴

Marfat.com

العلم خزائن ومفاتيحها السّؤال

# فتاویٰ امجدیہ

## جلد اوّل

تصنیف

صدر الشریعہ حضرت علّامہ مفتی محمد امجد علی صاحب اعظمی علیہ الرّحمۃ والرّضوان

(مصنف بہار شریعت)

تبییض: حضرت مولانا عبدالمنّان صاحب کلیمی ● ترتیب وتعلیق مولانا آل مصطفےٰ مصباحی

باھتمام

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی ابن حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ خطیب نیو میمن مسجد کراچی ۲

مکتبہ رضویہ آرام باغ روڈ کراچی ۱ فون: ۲۱۶۴۶۴ ۲۶۲۷۸۹۷

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں


| | |
|---|---|
| کتاب | فتاویٰ امجدیہ (جلد اول) |
| تصنیف | صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی |
| تعلیق | حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی |
| ترتیب | حضرت مولٰنا عبد المنان کلیمی |
| کتابت | مولوی محمد نظام الدین |
| بار دوم | شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ، مطابق دسمبر ۱۹۹۸ء |
| تعداد | ایک ہزار |
| طباعت | فرید آرٹ پریس کراچی |
| ناشر | دار العلوم امجدیہ، آرام باغ روڈ، کراچی |
| نگرانِ طباعت | محمد حمزہ۔ محمود اختر |
| پیشکش | نبیرۂ صدر الشریعہ حافظ قاری مصطفیٰ سرور اعظمی |
| قیمت | |


## ملنے کے پتے

شبیر برادرس، ۴۰۔ اردو بازار۔ لاہور

پروگریسیو بکس، ۴۱۔ اردو بازار۔ لاہور

مسلم کتابوی، دربار مارکیٹ۔ لاہور

مکتبۂ قاسمیہ برکاتیہ، ہوم اسٹیڈ ہال۔ حیدرآباد

Marfat.com

# کلمۂ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نہایت افسوس وندامت کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ جس کتاب کو بہت پہلے منظر عام پر آجانا چاہیے تھا۔ وہ بہت تاخیر اور شدید انتظار کے بعد آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ تصنیف وتالیف اور طباعت واشاعت ایسا دشوار گذار سفر اور خار دار وادی ہے جس کو آسانی سے طے کر لینا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ صرف طباعت واشاعت کا مرحلہ ہوتا تو کچھ سوچا بھی جاتا، یہاں کئی مرحلوں سے گذرنا تھا۔ یہ توفیق ہے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا کہ آج ہم فقہ حنفی کی جامع ومستند کتاب "فتاویٰ امجدیہ" جلد اول کی زیارت سے مستفیض ہو رہے ہیں اور اس کے مطالعہ سے اپنی آنکھوں کے اندر جلا اور دلوں کے اندر سرور پا رہے ہیں

---

جس کسی نے بھی فقہ حنفی کی مشہور ترین کتاب "بہار شریعت" کا مطالعہ کیا ہوگا اس کے لئے فتاویٰ امجدیہ کی جامعیت اور اسکی معنوی خوبیوں اور علمی محاسن کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے فتاویٰ امجدیہ دراصل مسائل واحکام کے اعتبار سے ایک دوسری بہار شریعت ہے اور دلائل وعلل کی حیثیت سے فتاویٰ رضویہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

---

دائرۃ المعارف الامجدیہ اگرچہ اپنی عمر کے لحاظ سے نہایت کمسن ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس ادارہ نے ابتک جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اس کی اجمالی فہرست بھی پیش کی جائے تو اس کے لئے چند صفحات چاہئیں شاید آپ کو یاد ہوگا کہ ۲۰ر اپریل ۱۹۷۸ء کو فقیہ اعظم ہند صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ پر نہایت کامیاب علمی دینی سیمینار منعقد ہو چکا ہے جس نے سنی صحافت میں نیا رنگ اور نوجوان ارباب علم وفضل میں کام کرنے کی نئی امنگ پیدا

Marfat.com

کی ہے اور جو لوگ مدتوں سے احساس کمتری اور جمود و تعطل کے شکار تھے ان کے اندر بھی کام کرنیکا کچھ شوق پیدا ہوا۔ ساتھ ہی فقیہ اعظم ہند اور مجدد مائۃ حاضرہ پر کام کرنے کے مختلف نئے گوشے بھی سامنے آئے ۔ دائرۃ المعارف الامجدیہ کی کامیابی و ترقی کی ضمانت ہند و پاک کے اکابر علماء کے وہ تاثرات ہیں جن میں انھوں نے دائرہ کو عصر حاضر کی اہم ضرورت، دنیائے سنیت کی آبرو، تصنیف و تالیف کے میدان میں ہماری کوتاہیوں کا کفارہ۔ جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے اور نیک خواہشات کا اظہار فرمایا ہے۔

ہماری تسکین کے لئے یہ تاثرات اور مدحیہ کلمات کافی تھے جیسا کہ ابتک ہوتا آیا ہے لیکن ارکان دائرہ نے اپنا یہ نصب العین بنا لیا ہے کہ جبتک ہم بہار شریعت، فتاویٰ امجدیہ، حاشیہ طحاوی شریف کی تصحیح و تکمیل اور حیات امجد کی تدوین اور ان سب کتابوں کی طباعت و اشاعت کا کام نہیں کر لیتے ہیں تو گویا کہ دائرہ نے کچھ نہیں کیا۔ دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ ہم کو عزم و استقلال کی دولت لازوال سے سرفراز فرمائے۔ اس سلسلہ میں ہم عوام اور ارباب علم و فضل سے صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ کتاب خریدیئے اور پڑھیے اور اپنے دوستوں کو بھی اس امر کی ترغیب دیجئے۔ اور اگر خدا توفیق دے تو اسکے اعزازی ممبر بھی بن جایئے یہ ادارہ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا تعاون ہے۔

اب ہم اخیر میں ان تمام ارباب علم و فضل و اصحاب ثروت کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے ہر طرح کا علمی و مالی تعاون فرما کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم جملہ ارکان دائرہ سے دین کی خدمت لے اور غیب سے ہماری مدد فرمائے اور ہمارے جملہ مصنفین و محققین اور معاونین کو صحت و سلامتی کے ساتھ شاد و آباد رکھے خصوصاً مخدومنا المکرم نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی و محب محترم فاضل جلیل حضرت مولانا عبدالمنان صاحب کلیمی جنکی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں تعلیق و ترتیب کے مرحلوں سے گزر کر علم و تحقیق کا یہ گلدستہ آپ تک پہنچا ہے۔

علاء المصطفیٰ قادری جنرل سکریٹری دائرۃ المعارف الامجدیہ
مورخہ ۲۱؍ جولائی ۱۹۷۹ء

Marfat.com

# عرضِ مرتّب

## باسمہ تعالیٰ

ارکان دائرۃ المعارف الامجدیہ نے سب سے پہلے حیات امجد کی تدوین اور فتاویٰ امجدیہ کی ترتیب وتبویب سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ چنانچہ حیات امجد سے متعلق مقالات کے حصول کی ذمہ داری محب کرم جناب مولانا علاء المصطفیٰ صاحب قادری کو سونپی گئی اور فتاویٰ امجدیہ کی ترتیب وتبویب کا اہم فریضہ میرے ذمہ آیا۔ الحمدللہ کہ ارکان دائرہ کا یہ اقدام مبارک ثابت ہوا اور نہایت مشقت وجانفشانی کے باوجود یہ دونوں کام اپنے آخری مراحل کو پہونچ گئے۔

حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ کے دار المطالعہ میں ۲۰×۲۶ سائز کے سولہ ۱۶ سو صفحات پر مشتمل فتاویٰ امجدیہ کی دو ضخیم جلدیں اور کچھ اوراق مجھے ملے جس کا پہلا فتویٰ مورخہ ۲ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ اور سب سے آخری فتویٰ وفات سے صرف چوبیس ۲۴ روز پیشتر مورخہ ۸ شوال ۱۳۶۶ھ کا تحریر کردہ ہے گویا کہ سترہ ۱۷ سو صفحات پر مشتمل حقائق ومعارف اور فقہ حنفی کا یہ عظیم ترین سرمایہ صرف ستائیس ۲۷ برس کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جسکی پہلی جلد از کتاب الطہارۃ تا کتاب الحج آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

راقم السطور اپنی کم علمی وبے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے قطعاً اس لائق نہیں تھا کہ فتاویٰ امجدیہ کی ترتیب وتبویب کے اہم فریضہ کے انجام دینے کی جسارت کرسکتا لیکن ہمارے استفادہ وافادہ کے لئے آغوش امجد کی تربیت یافتہ دو ایسی اہم شخصیتیں (یعنی مخدومنا المکرم علامہ مفتی شریف الحق امجدی واستاذنا المعظم علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری) موجود ہیں جو ہماری تمام علمی مشکلات حل کرنے کے لئے کافی ووافی ہیں۔ چنانچہ ان حضرات پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے ہم نے فتاویٰ امجدیہ کی تبییض وتبویب کا کام شروع کردیا جہاں کوئی مشکل مقام آتا ان حضرات سے استصواب رائے کرلیتے۔ آخر کار چند ماہ کی مختصر مدت میں جلد اول کی ترتیب وتبویب کا کام مکمل ہوچکا اب صرف کتابت وطباعت کا نمبر تھا۔

خیال یہ ہوا کہ استاذ گرامی اگر اس مبیضہ پر نظر ثانی فرمادیں اور مناسب مقامات پر کچھ حواشی وتعلیقات کا اضافہ فرمادیتے تو اچھا ہوتا استاذ گرامی اس کے لئے تیار بھی ہوگئے اور نظر ثانی وحواشی وتعلیقات کا کام ہونے لگا کہ اچانک موصوف کی شدید علالت اور کثرت مصروفیات تکمیل سے مانع ہوگئیں۔ اسی اثنا میں جہاں جہاں آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا تھا وہ اصل کتاب میں موجود ہے قارئین ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

Marfat.com

پھر ہم نے اس اہم کام کی تکمیل کے لئے اس نابغہ روزگار شخصیت کی خدمات جلیلہ حاصل کیں جنکو دنیائے سنیت نائب مفتی اعظم ہند سے جانتی ہے اور فقہ وافتا میں جن کو حضرت مصنف علیہ الرحمۃ والرضوان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ نے ہماری گذارش قبول فرمالی اور نہایت تیزی سے نظر ثانی اور تعلیق کا کام ہونے لگا ادھر کاتب کا بھی انتظام کر لیا گیا۔ یہانتک کہ بحسن وخوبی ۲۴ر جولائی ۱۹۷۹ء کو اسکی کتابت پروف ریڈنگ اور دیگر ساری چیزیں مکمل کر لی گئیں۔ اصل کتاب اور اسکی تعلیق کے متعلق کچھ عرض کرنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔ پھر بھی کتاب کی عظمت واہمیت اور اسکی علمی وفقہی حیثیت جاننے کیلئے اکابر علمائے اسلام کے وہ رشحات قلم کافی ہیں جو شریک کتاب ہیں۔

ہم نے اسکی تصحیح واصلاح کا کافی خیال رکھا پھر بھی ہم یقین واعتماد کلی کے ساتھ یہ نہیں عرض کر سکتے کہ یہ نقل وکتابت کی غلطیوں سے خالی ہے۔ دنیا کی کم ہی ایسی کتاب ہوگی جو نقل وکتابت کی غلطیوں سے محفوظ و مامون ہو پھر ہم یہ کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اگر کسی قسم کی غلطی ہمارے قارئین کو نظر آئے تو فوراً ہمیں مطلع فرمائیں نہایت خندہ پیشانی اور شکریہ کے ساتھ اسکی تلافی کی ہر ممکن سعی کیجائیگی۔ اس سلسلہ میں ہم یہ بھی عرض کر دینا مناسب اور ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر اس مجموعے اور تعلیق میں کسی بھی قسم کی لفظی ومعنوی فروگذاشت نظر آئے تو یہ ہماری اور ناشر وکاتب کی بے توجہی اور لاپرواہی پر محمول کیا جاسکتا ہے مصنف اور صاحب تعلیق کا دامن اس سے بالکل پاک وصاف ہوگا۔

فتاویٰ امجدیہ کی ترتیب وتبویب کے وقت ہمارے سامنے فتاویٰ رضویہ اور بہار شریعت موجود تھیں اور جا بجا اصل مسودہ میں بھی فتاویٰ کی تبویب ہو چکی تھی جس سے ہم کو کافی سہولت ہوئی۔ پھر بھی اگر مسائل متعلقہ ابواب سے خارج ہوں تو ہم اپنے ارباب علم وفضل سے اسکی بھی نشاندہی چاہتے ہیں تاکہ آئندہ کام کرنے میں ہمارے لئے آسانیاں ہوں۔

اسکی فہرست میں بھی ہم نے کافی غور وخوض اور حزم واحتیاط سے کام لیا ہے تاکہ فہرست کتاب کی مکمل آئینہ دار اور افادیت سے بھرپور ہو۔ ارادہ تھا کہ مسائل ضمنیہ کی بھی ایک فہرست دیدیجائے لیکن قلت وقت اور کثرت کار کی وجہ سے اسکی مکمل فہرست تیار نہ کی جاسکی۔

اب ہم جملہ ارکان دائرہ کی طرف سے ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنے رشحات قلم سے ہم سب کو نوازا اور فتاویٰ امجدیہ کی افادیت میں گوناگوں اضافہ فرمایا خصوصاً استاذ الاساتذی ممتاز المفسرین علامہ عبد المصطفےٰ الازہری فقیہ عصر علامہ مفتی شریف الحق امجدی محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفےٰ قادری اور بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی مدظلہم العالی جن کا وجود مسعود ہم سب کے لئے نعمت غیر مترقبہ اور ہمارے عروج وترقی کی بھرپور ضمانت ہے۔

Marfat.com

آخر میں ہم عزیزان گرامی مولوی فروغ احمد الاعظمی سلمہٗ، مولوی اسد اللہ حبیبی سلمہٗ، مولوی خواجہ محمد اکرام الدین سلمہٗ متعلمین دار العلوم اہلسنت شمس العلوم گھوسی کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے جنھوں نے تسوید وتبییض اور پروف ریڈنگ وغیرہ میں ہمارا بھرپور تعاون کیا اور ہر طرح ہمارا ساتھ دیا۔ دعا ہے کہ رب کریم اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل ان عزیزوں کو صحت وسلامتی کے ساتھ رکھے اور علم نافع وعمل صالح کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ اور حضرت مولٰنا سید شاہ شمیم گوہر صاحب الہ آبادی کا بھی شکریہ ادا کرنا ہمارے اوپر ضروری ہے جنہوں نے طباعت واشاعت کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی فرمائی۔ آمین ثم آمین وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ عبد المنان کلیمی

دار العلوم اہلسنت شمس العلوم گھوسی۔ مورخہ ۲۶ رجولائی ۱۹۷۹ء مطابق ۳۰ رشعبان ۱۳۹۹ھ

# نقشِ اوّل

## بقیۃ السلف ممتاز المفسرین حضرت علامہ عبد المصطفیٰ الازہری دامت برکاتہم القدسیہ سابق شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ سیدنا محمد رسولہ الکریم وعلیٰ الہٖ وصحبہٖ اجمعین

حضرت صدر الشریعۃ بدر الطریقۃ سیدی وسندی ووالدی مولانا المفتی الحکیم ابو العلیٰ محمد امجد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ علم شریعت کی مہارت اور حدیث پاک کی تعلیم وتنقیح، علوم عقلیہ پر تعلیم وتدریس کا عبور اور تمام علوم دینیہ پر کامل دسترس، یہ ایسی باتیں ہیں جن کو سارے ہی اہل علم اور اہلسنت جانتے ہیں آپ کی مشہور عالم کتاب "بہار شریعت" کے محققانہ مسائل اور ترجیحی جزئیات سے پورا برصغیر ہند وپاکستان آج استفادہ کر رہا ہے۔ مفتیان کرام کے لئے حوالہ تلاش کرنے فتاویٰ دینے اور کتب کے تتبع کا بہترین ذریعہ ہے۔

Marfat.com

حضرت صدر الشریعہ سے مختلف زبانوں میں لوگوں نے سوال کئے اور فتوے پوچھے آپ نے سفر میں حضر میں وطن میں اور باہر ہر جگہ تحریراً و تقریراً بیشمار فتاویٰ عطا فرمائے ۔ ان میں کے بعض اہم حصہ دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہے لیکن آخر میں آپ نے ایک یا دو جلدیں خاص کرا کے فتاویٰ کے لئے سفید کاغذ کی تیار کرائیں اور انمیں اپنے فتاویٰ اندراج کرائے۔ خاص کر اجمیر شریف آخری برسوں میں ۔ اور ان فتاویٰ کی اکثر و بیشتر نقول محدث پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب کے ہاتھوں کی ہوئی ہے ـــــ آپ کے فتاویٰ ادلہ و ترجیحات و عبارات فقہیہ پر مشتمل تھے جناب مولانا عبد المنان کلیمی فاضل اشرفیہ نے ان کو ترتیب فقہی کے ساتھ مرتب کیا اور برادر عزیز حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب نے ان فتاویٰ پر اپنے مفید حواشی کا اضافہ کیا۔

اور برادر زادہ مولوی علاء المصطفیٰ اسلمہ نے ان تمام امور کو اپنی کوششوں سے پروان چڑھایا اور بہترین کتابت کرائی اور اب یہ فتاویٰ طباعت کے مرحلہ سے گزرنے والے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان سب حضرات کو علمی فکری ذہنی دینی، دنیاوی برکتیں عطا فرمائے اور ان کو آئندہ بھی دین و شریعت کی اعلیٰ خدمت کی توفیق بخشے۔

یہ فقیر ۱۸ سال کے بعد اپنے سابق گھر قادری منزل احباب و اعزہ سے ملنے کے لئے آیا اور طائرانہ نظر سے اس مسودہ کو دیکھا مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ حضرت قبلہ والد ماجد کی ایک علمی یادگار کو ان عزیزوں دوستوں نے پردۂ خفا سے منصۂ شہود پر لاکر کھڑا کر دیا اور علماء اور دین دار لوگوں کو اس کتاب سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔

دائرۃ المعارف الامجدیہ اپنی اس گراں بہا پیشکش پر لائق تحسین و تبریک ہے اَللّٰھُمَّ زِد فَزِد یہ خدمت دین بمصداق حدیث صحیح من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین ( بخاری شریف جلد اول ص۱۶) اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کے مخلصین کے لئے ارادہ خیر فرما چکا ہے۔ اور سعادت ان کو بخش دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کو بھی دینی و دنیاوی نعمتوں سے مالا مال فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اکرم الصلوۃ والتسلیم۔

الفقیر محمد عبد المصطفیٰ الازہری غفرلہ شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ عالمگیر روڈ کراچی ۵

پاکستان

حال وارد قادری منزل قصبہ گھوسی ضلع اعظمگڈھ

اترپردیش ۔ انڈیا

تحریراً فی ۲۶ ر شعبان معظم ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۲ ر جولائی ۱۹۷۹ء

Marfat.com

# تعارف

## ممتاز الفقہاء محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور (اعظم گڈھ) یوپی انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت صدر الشریعۃ قدس سرہٗ العزیز ایک فکر ساز مدرس، ماہر فقیہ اور عظیم متکلم تھے۔ سارے ہند و پاک کے اہلسنت کی تمام تر درسگاہیں آپ ہی کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ سے آباد ہیں۔ صاحب فکر فعال و متحرک اساتذہ آپ ہی کی پیداوار ہیں۔ آپ اپنے دور میں تمام علما ساز اداروں کے صدر الصدور کی حیثیت رکھتے تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی نصاب کمیٹی میں آپ کو بھی اسی بنا پر شامل کیا گیا تھا۔ اور آپکے مشورے سے ایک شاندار نصاب مدوّن ہوا تھا

ایک طرف آپ نے تدریسی خدمت سے علمائے کبار کی ایک فوج تیار کی تو دوسری طرف بہار شریعت کی تصنیف کے ذریعہ اردو داں علماء و عوام کی دینی مشکلات کو حل فرمادیا اور صاحب فکر مدرسین و طلبہ کیلئے حاشیہ طحاوی کی تصنیف کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ تقاضائے وقت پر گہری نظر رکھتے آپ ہی اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کے طرز فکر اور طریقہ کا کے منفرد وارث تھے۔

اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز نے آپ ہی کے متعلق ارشاد فرمایا کہ

"آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیگا اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتاء سنا کرتے ہیں اور جو جواب دیتا ہوں، لکھتے ہیں۔ طبیعت اخاذ ہے۔ طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔" (الملفوظ)

Marfat.com

ایک بار اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز نے بعض علمائے اعلام کی موجودگی میں آپ کو اور حضرت مفتی اعظم قبلہ کو منصب افتا و قضا پر مامور فرماتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "ان دونوں کو نہ صرف مفتی بلکہ شرع کی جانب سے ان دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں کہ ان کے فیصلے کی وہی حیثیت ہوگی جو ایک قاضی اسلام کی ہوتی ہے"۔ پھر اپنے سامنے تخت پر بیٹھا کر قلم، دوات وغیرہ سپرد کیا (خود نوشت سوانح)

آپ اعلیٰحضرت کے زمانے میں بھی حسب ضرورت افتا کا کام انجام دیتے رہے۔ اور اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد قضا و افتا میں یکتائے روزگار شمار کیے جاتے۔

اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد ایک خواب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"اسکے بعد بلا تکلف میں اس خدمت افتا وغیرہ کو انجام دیتا رہا اور یہ سمجھ لیا کہ جس طرح اعلیٰحضرت نے اپنی حیات میں لوگوں کے سامنے اس کام کو تفویض فرمایا تھا اب بھی اس کام کو مجھ سے لینا چاہتے ہیں اور جو کچھ دشواریاں ہونگی اسمیں وہ خود مددگار ہونگے۔ چنانچہ کبھی باوجود اپنی کم بضاعتی کے اس سلسلے میں دشواری پیش نہیں آئی، فللّٰہ الحمد"۔ (خود نوشت سوانح)

یہی وجہ ہے کہ اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد بلا انکار نکیر حضرت صدر الشریعۃ ہی خدمت افتا کے امام ملنے جاتے تھے۔ اس دور کے اجلۂ علما بھی آپ ہی کی طرف رجوع فرماتے۔

حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ اپنے ایک مکتوب مورخہ، محرم ۴۰ھ میں مالِ وقف سے متعلق ایک سوال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"باوجود ورق گردانی کتاب الوقف کے وہ صورت مجھے نہ سوجھی پس آپ کی طرف رجوع کی ضرورت پیش آئی"۔

اسی طرح سراج الفقہاء مولانا سراج احمد صاحب مکنپوری علیہ الرحمہ نے بھی حضرت صدر الشریعۃ قدس سرہ العزیز سے کئی اہم مسائل میں استفتا کیا ہے۔ "فتاویٰ امجدیہ" میں ان کی نقول موجود ہیں۔

حضرت صدر الشریعۃ قدس سرہ العزیز جب اپنے آخری سفر حج کو روانہ ہوئے تو شاہ گنج اسٹیشن سے بخار ہو گیا اور بریلی شریف پہنچتے پہنچتے بخار نے اتنی شدت پکڑ لی کہ اکثر بیہوشی کا سا عالم ہوتا اس وقت بریلی میں مولانا مجیب الاسلام صاحب اوردی خدمت و عیادت میں مصروف تھے ان کا بیان ہے کہ انھیں ایام میں حضور مفتی اعظم ہند قبلہ کی خدمت

Marfat.com

میں چند مسائل کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی جواب مستحضر نہیں ہے اور سفر حج کی تیاریوں کی وجہ سے کتاب دیکھنے کی فرصت بھی نہیں۔ حضرت صدر الشریعہ کے سامنے مسائل پیش کر دو۔ وہ مسائل حضرت صدر الشریعہ کو سنائے گئے آپ نے اسی شدت مرض کے عالم میں بستر علالت پر لیٹے ہی لیٹے تمام سوالات حل فرما دیئے۔

حضرت صدر الشریعہ کے علمی استحضار، فقہی بصیرت پر بطور نمونہ یہ چند شہادتیں ہیں جن سے آپ کی عام مقبولیت پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کے فکری قوی خارجی اثرات سے متاثر نہ ہوتے تھے۔

# "فتاویٰ امجدیہ"

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ العزیز کے فتاویٰ کی صحیح تعداد کیا ہے، کسی کو نہیں معلوم۔ زیادہ تر آپ کی فرصت کے اوقات بھی سوال وجواب اور دینی تربیت ہی میں صرف ہوتے، روزانہ زبانی طور پر سیکڑوں مسائل آپ سے عوام وخواص معلوم کرتے تھے۔ لیکن کسی نے ان کو قلمبند کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ورنہ ہمارے پاس دینی معلومات کا ایک شاندار ذخیرہ ہوتا۔

تحریری فتاویٰ کا حال بھی تقریباً ایسا ہی ہے کیونکہ ہمارے پاس آپ کے فتاویٰ کی جو نقول ہیں وہ ۷، ربیع الاول سنہ ۱۳۴۲ھ سے شروع ہوتی ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کے دور میں آپ نے منصب افتاء پر جو کچھ کارنامے انجام دیئے ان کا کوئی ریکارڈ محفوظ نہیں رکھا گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران جب کاغذ ناپید ہو رہا تھا اس دور میں بھی کاغذ نہ ہونے کی بناء پر بیشتر فتاویٰ کی نقول تیار نہ ہو سکیں۔ یعنی ہمارے پاس "فتاویٰ امجدیہ" کی جو نقول ہیں انہیں حضرت صدر الشریعہ کے تمام فتاویٰ کا مجموعہ کسی طرح نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن جو ہے وہ بھی ایک عظیم فقہی سرمایہ ہے۔

حضرت صدر الشریعہ کے فتاویٰ حسب ضرورت مختصر بھی ہیں اور طویل بھی، بعض بعض فتاویٰ کئی کئی صفحات پر مشتمل ہیں جنہیں ایک رسالہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

فتاویٰ امجدیہ کتاب وسنت کی تائیدات سے مزین ہیں۔ تحقیق کے مواقع پر فتاویٰ میں تو حدیثوں کا سیلِ رواں موجیں مارتا نظر آتا ہے، اسی طرح ان میں قواعد اصولیہ اور فقہی کلیات وجزئیات اور نظائر وشواہد

Marfat.com

کے ذکر میں بھی کسی طرح کی کمی نہیں ہے۔ ندرتِ استدلال وحسن استنباط دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ فتاویٰ امجدیہ یقیناً فتاویٰ رضویہ کا ایک تتمہ ہے۔

فتاویٰ امجدیہ میں نئے پیدا شدہ مسائل کے مواد بھی موجود ہیں۔ مثلاً لائف انشورنس، لاٹری اور لاؤڈ اسپیکر پر نماز، سیاست حاضرہ اور الیکشن وغیرہ سے متعلق احکام شرعیہ کا مدلل بیان موجود ہے۔ فتاویٰ امجدیہ کی محفوظ نقول میں فقہ کے ہر باب سے متعلق فتاویٰ موجود ہیں۔ جگہ جگہ رسم المفتی کا بیان بھی فتاویٰ میں موجود ہے۔ مثلاً ائمہ کی ترجیح کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔ حالات کے تغیر سے حکم شرع متغیر ہو سکتا ہے۔ مفتی صرف اپنے مذہب کے مطابق فتویٰ دے، وغیرہ وغیرہ، یونہی فتاویٰ میں غیر منقح اور پیچیدہ مسائل میں تنقیح و ترجیح کا مواد بھی بھرپور ہے۔

بلاشبہہ فتاویٰ امجدیہ فقہ کی معتبر و مستند کتابوں میں سے ایک ہے، دور حاضر کے علماء و اصحابِ افتاء کے لئے بھی یہ کتاب ایک رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔

فتاویٰ کی زبان نہایت سادہ نپے تلے مختصر الفاظ پر مشتمل ہے۔ تفصیلی تعارف ان شاء المولیٰ تعالیٰ آئندہ ضرور پیش کیا جائے گا۔

والسلام

**ضیاءُ المصطفیٰ قادری**

Marfat.com

# پیغام

## بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی مد ظلہ العالی
## شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

۷۸۶

حضرت صدر الشریعہ، بدر الطریقہ، مولانا شاہ محمد امجد علی صاحب قدس سرہ العزیز ہندوستان کے ان علمائے اعلام میں سے تھے جن کے علم وفضل، زہد واتقاء کی روشنی نے پورے برصغیر میں چودھویں صدی کے نصف آخر کو روشن ومنور کر رکھا ہے جن کے خوان حکمت ودانائی کے ریزہ خوار، اور آفتاب علم ومعرفت کے مقتبس پوری دنیا میں ستاروں کی طرح روشن اور منتشر ہیں۔

کردار سازی میں آپ کو امامت کا درجہ حاصل تھا۔ کم ہی محروم القسمت ہوں گے، جو آپ کی صحبت سے بے فیض اٹھے ہوں ورنہ جو ذرہ اٹھا آفتاب ہوا۔ جو قطرہ چمکا در شاہوار بنا۔ جو کلی چٹکی گلعذار ومشکبار رہی۔ آج پورے غیر منقسم ہندوستان میں اہلسنت وجماعت کے قائدین کی اکثریت، بلا واسطہ یا بالواسطہ آپ سے منسلک ہے۔

معقولات میں آپ کو شرف تلمذ استاذ الاساتذہ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ ہدایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جونپوری سے حاصل ہے۔ جو بلا واسطہ حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ تکمیل معقولات کے بعد حضرت استاذ کے ارشاد کے بموجب تکمیل فن حدیث کے لئے اپنے وقت کے یکتائے روزگار، محدث عظیم وجلیل مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کی بارگاہ سے اختصاص کی سند کے ساتھ فائز ہوئے۔ پھر قسمت نے وہاں پہونچا دیا جہاں علم ومعارف بصائر وحکم، خود اپنی زبان سے اپنی حقیقت بیان کرتے تھے۔ اور چودھویں صدی میں دین کا علم بلند کرنے کے لئے قدرت کی طرف سے اٹھائے

Marfat.com

گئے تھے۔ میری مراد مجدد اعظم حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ عنہ سے ہے۔ وہاں آپ کے باطنی جوہر خوب چمکے، اور خصوصیت کے ساتھ فقہ میں آپ کو اصحاب فتویٰ کا درجہ ملا۔

ذاتی اور ذہنی خوبیوں کا یہ عالم تھا کہ خود فرماتے ہیں، کسی کتاب کا یاد کرنے کی نیت سے تین دفعہ دیکھ لینا کافی ہوتا تھا۔ ان وہبی اور کسبی خوبیوں کے اجتماع نے آپ کی ذات کو فقید المثال اور وحید العصر بنا دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اس برصغیر میں آپ کی جد وجہد کے وہ اثرات مرتب ہوئے جس کی طرف ہم نے ابتدائی سطور میں اشارہ کیا۔

سیکڑوں قابل فخر شاگردوں کے ساتھ آپ نے کئی بلند پایہ قلمی یادگاریں بھی چھوڑیں جنہیں "بہار شریعت" ایک نادر روزگار شاہکار ہے۔ اور اس میں بیک وقت کئی خوبیاں ایسی فراہم ہوگئی ہیں، کہ شاید دنیا کی کسی زبان میں بھی فقہ حنفی کی کوئی ایسی کتاب نہ ہوگی جو ان اوصاف کی بیک وقت جامع ہو۔

(۱) جملہ ابواب فقہ میں مسائل ضروریہ کا استقصار (۲) مفتیٰ بہ اور صحیح و رجیح مسائل کا التزام (۳) ترتیب مسائل اور حسن بیان۔ بہار شریعت کی خوبیوں میں سے یہ چند خصوصیات ہیں۔

دوسری کتاب :- امام طحاوی کی "شرح معانی الآثار کی شرح"، خود اصل کتاب اس پایہ کی ہے کہ سنن و مسانید کے پورے مجموعہ میں موضوع کی طرفگی کے لحاظ سے کوئی کتاب اس کی ہمسر نہیں۔ حدیث کی مبارک روشنی میں اختلافی مسائل فقہ کے مطالعہ کے لئے پورے ذخیرہ حدیث میں یہ تنہا کتاب ہے۔

سخت حیرت ہے کہ امام طحاوی قدس سرہ العزیز کی جلالت شان اور فن حدیث میں ان کا رتبہ عالی مسلم ہوتے ہوئے بھی جو اعتنار انکی اس بلند پایہ کتاب کے ساتھ ہونی چاہئے۔ طبقہ علمار و شراح میں اس کا دسواں حصہ بھی نہیں پایا جاتا۔ حد یہ کہ حنفی علمار نے بھی اس کی شروح یا حواشی کا کوئی خاص اہتمام نہ کیا۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس عظیم ذخیرہ حدیث کی شرح شروع فرمائی جو مشیت ایزدی سے مکمل نہ ہو سکی، پھر بھی جتنی ہو چکی ہے اتنی ہی شائع ہو جائے تو عام واقف کاروں کا خیال یہ ہے کہ بہار شریعت کی طرح اس کا بھی ایک منفرد مقام ہوگا۔

تیسری کتاب :- آپ کے فتاوی کا مجموعہ ہے۔ جو بیشتر ابواب فقہ پر مشتمل ہے، اور احکام اور دلائل شرعیہ کا ایک بیش قیمت گنجینہ ہے۔

Marfat.com

فتاوی کو دیگر کتب فقہ پر ایک خاص ترجیح تو یہ حاصل ہوتی ہے، کہ یہ عملی زندگی سے زیادہ قریب ہوتے ہیں جبکہ فقہ کی دیگر کتابیں پیش آمدہ مسائل کے لئے پیشگی لائحہ عمل ہوتی ہیں۔ پھر ان میں مسائل کی ترتیب اور ان کا بیان منطقی تقسیم اور عقلی ترتیب کی بنیاد پر ہوتا ہے، جبکہ فتاوی میں سائل کی نفسیات اور واقعاتی دروبست کا لحاظ جواب میں ضروری ہوتا ہے، جس کی وجہ سے فتاوی کی افادی حیثیت کہیں بلند ہوجاتی ہے۔

حضرت صدر الشریعہ مولانا شاہ امجد علی صاحب قدس سرہ العزیز کا مقام فقہ میں کتنا بلند تھا۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے ایک شاگرد رشید سید العلماء مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"آپ کو فقہ کے جمیع ابواب کے تمام جزئیات ان کی تفصیلی دلائل کے ساتھ مستحضر تھے"۔

امام اہلسنت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ خاص طور سے ان کے تفقہ کے مداح ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا۔ وجہ یہی ہے کہ وہ استفتاء سنایا کرتے ہیں۔ اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں۔ طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے

(الملفوظ اول ص۱۰۳)

اور یہ تو ابتداء کا حال ہے، اخیر میں تو ایک مجمع عام میں تخت پر بٹھا کر اپنی قائم مقامی کا اس طرح اعلان فرمایا

"اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا، اس کی بنا پر میں ان دونوں (مفتی اعظم، صدر الشریعہ) کو اس کام پر مامور کرتا ہوں۔ نہ صرف مفتی بلکہ شرع کی جانب سے ان دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں، کہ ان کے فیصلہ کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو ایک قاضیِ اسلام کی ہوتی ہے"۔ اور اپنے سامنے تخت پر بٹھا کر اس کام کے لئے قلم اور دوات وغیرہ سپرد فرمایا۔ (صدر الشریعہ کی خود نوشت سوانح عمری)

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا بالکل مشکل نہیں ہے۔ کہ جو کتاب ایسے عبقری صفت انسان کے قلم سے عالم وجود میں آئی ہو، اس کا فقہی رتبہ کس طرح بلند ہوگا۔ تنقیح مناط، تخریج دلائل، دقت نظر، اور حقیقت رسی تو اس اسکول کا خاصہ ہے۔ جس سے صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق رہا ہے۔

Marfat.com

اس لئے اگر یہ کہا جائے تو بالکل درست ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے فقہ حنفی کے ذخیرہ میں ایک مفید اضافہ ہو گا۔

یہ سُنکر بے حد خوشی ہوئی کہ دَائِرَۃُ الْمَعَارِفِ الْاَمْجَدِیَّۃ کے ارباب بست وکشاد نے اپنی جدوجہد کا آغاز صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس مبارک کتاب سے کیا ہے، جو آپ کی پوری زندگی کے فقہی جوابات پر مشتمل ہے ـــــ

دعاء ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان حضرات کی سعی کو مشکور فرمائے۔ اور اس مُبارک کتاب کو مقبولِ انام بنائے اس کا فائدہ پورے عالمِ اسلام کے لئے عام وتام فرمائے۔ آمین

عبد المنان اعظمی
دار العلوم اشرفیہ
مبارکپور اعظم گڈھ
۲۱ر ذیقعدہ سنہ ۱۳۹۹ھ

Marfat.com

# مختصر حالات مصنف ماخوذ

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی بن حکیم مولٰنا جمال الدین بن مولٰنا خدا بخش بن مولٰنا خیر الدین قدست اسرارہم (۱۲۹۶ھ - ۹ - ۱۸۷۸ء) میں مدینۃ العلماء گھوسی ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے جد امجد بعد ازاں اپنے بڑے بھائی مولٰنا صدیق رحمۃ اللہ علیہ سے علوم وفنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر استاذ الاساتذہ مولٰنا ہدایت اللہ خاں رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۶ھ - ۱۹۰۸ء) سے اکتساب فیض کے لئے مدرسہ حنفیہ جونپور میں داخل ہوئے۔ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد حجۃ العصر مولٰنا شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ (م ۱۳۳۴ھ — ۱۹۱۶ء) کی خدمت میں مدرسۃ الحدیث (پیلی بھیت) میں حاضر ہو کر درس حدیث لیا اور سند فراغت حاصل کی۔ زمانہ طالب علمی ہی میں آپ کی علمی صلاحیت وحسن لیاقت کا شہرہ ہو چکا تھا اس کے بعد حاذق الملک حکیم عبد الولی جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے علم طب حاصل کیا۔ ۲۴ھ سے ۲۷ھ تک حضرت محدث سورتی کے مدرسہ میں درس دیا۔ پھر ایک سال تک پٹنہ میں مطب کرتے رہے۔

اس اثناء میں اعلٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کو دار العلوم منظر اسلام بریلی کے لئے ایک لائق وفائق مدرس کی ضرورت پیش آئی استاذ گرامی حضرت محدث سورتی کے ارشاد پر حضرت صدر الشریعہ مطب چھوڑ کر بریلی تشریف لے گئے۔ ابتداء درس وتدریس کا کام شروع کیا۔ بعد ازاں مطبع اہلسنت کا انتظام اور رجاعت رضاء مصطفٰے کے شعبہ علمیہ کی صدارت کے فرائض بھی آپ کے سپرد کر دیئے گئے۔ افتاء کی مصروفیات اس کے علاوہ تھیں۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں اعلٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اور جلد ہی خلافت سے نوازے گئے۔ تقریباً ۱۸ برس شیخ کامل کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوئے۔ اور کمال عروج کو پہونچے — اعلٰحضرت فاضل بریلوی ودیگر اکابر علماء فتاوٰی کے سلسلے میں آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔

آپ نے ابتدائے شباب سے تدریس کا کام شروع کیا اور آخر حیات تک جاری رکھا اور ایسے نابغہ روزگار افراد تیار کئے جن پر علم وفضل کو بھی ناز ہے۔ طویل عرصہ تک دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف میں فرائض تدریس انجام دیئے۔

Marfat.com

(۱۳۴۳ھ – ۱۹۲۴ء) میں بحیثیت صدر مدرس دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف چلے گئے۔ (۱۳۵۱ھ – ۱۹۳۲ء) میں پھر بریلی شریف آئے۔ اور تین سال تک قیام کیا۔ بعد ازاں نواب حاجی غلام محمد خاں شروانی رئیس ریاست دادوں ضلع علیگڈھ کی دعوت پر بحیثیت صدر مدرس دار العلوم حافظیہ سعیدیہ میں تشریف لے گئے اور سات سال تک بہ کمال حسن و خوبی فرائض تدریس انجام دیئے

آپ نے دادوں ضلع علیگڈھ میں قیام کے دوران امام ابو جعفر طحاوی حنفی قدس سرہٗ (۳۲۱ھ – ۹۳۳ء) کی حدیث کی مشہور کتاب شرح معانی الآثار پر عربی میں حاشیہ لکھنا شروع کیا اور سات ماہ کی مختصر مدت میں نصف اول پر مبسوط حاشیہ تحریر فرمادیا۔

آپ کی دوسری تصنیف فتاویٰ امجدیہ ہے جو علمی و فقہی تحقیقات پر اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کی تیسری تصنیف بہار شریعت وہ شہرۂ آفاق تصنیف ہے جسے بجا طور پر فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کہا جاسکتا ہے اس کے کل سترہ حصے بارہا طبع ہو کر قبولیت عام کی سند حاصل کر چکے ہیں اس کتاب سے نہ صرف عوام بلکہ علماء کے لئے بھی سہولت پیدا ہو گئی۔

حضرت صدر الشریعۃ بریلی شریف کے قیام کے دوران ۱۳۳۷ھ/۱۹۲۲ء میں پہلی مرتبہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ دوسری دفعہ حرمین شریفین کی حاضری کے خیال سے بمبئی پہونچے تھے کہ ۲ ذلقعدہ ۶ ستمبر دوشنبہ ۱۳۶۷ھ – ۱۹۴۸ء رات کو بارہ بجکر ۲۶ منٹ پر عالم جاودانی کی طرف تشریف لے گئے۔ درج ذیل آیت مبارکہ مادۂ تاریخ ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | ۳ | ۶ | ۷ | ھ |

شاعر مشرق شفیق جونپوری نے چہلم کے موقع پر بطور ہدیہ عقیدت یہ قطعہ پیش کیا ہے:-

سلامی جابجا ارض و سما دیں　　مہ و خورشید پیشانی جھکادیں
تیرے خدام اے صدر شریعت　　جدھر جائیں فرشتے سر جھکادیں

Marfat.com

# کتاب الطہارۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

**مسئلہ** (۱) مسئولہ عبدالقادر سلمہٗ طالب علم مدرسہ اہلسنت بریلی شریف، ۱۱ ربیع الآخر ۳۲ھ۔

"میدان محشر میں تمام لوگ سفید ہوں گے، اس کے کیا معنی ہیں تمام بدن سفید ہوں گے یا صرف اعضائے وضو"

## الجواب

روز قیامت اس امت کے اعضائے وضو آثار وضو سے سفید و روشن ہوں گے اور یہ اس امت کی خصوصیات سے ہے، حدیث میں فرمایا اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یُّطِیْلَ غُرَّتَہٗ فَلْیَفْعَلْ۔ بیشک میری امت قیامت کے دن اس حال میں بلائی جائے گی کہ آثار وضو سے منھ اور ہاتھ پاؤں روشن ہونگے، تو جس سے ہوسکے کہ اپنی روشنی کو دراز کرے (کہ مواضع فرض سے زیادہ پر پانی بہائے) تو کرے رواہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور صحیح مسلم شریف کی روایت انھیں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لے گئے اور یہ فرمایا السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون فرمایا مجھے آرزو ہے کہ ہم نے اپنے بھائیوں کو دیکھا ہوتا، صحابہ نے عرض کیا کیا ہم حضور کے بھائی نہیں، فرمایا تم میرے اصحاب ہو اور ہمارے بھائی



Marfat.com

وہ ہیں جو ابتک نہیں آئے، عرض کی جو ابتک آپ کی امت سے آیا نہیں اُسے حضور کیسے پہچانیں گے۔ ارشاد فرمایا بتاؤ تو کسی کے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے گھوڑے ہوں، اور سیاہ گھوڑوں میں ملجائیں تو کیا اپنے گھوڑے نہ پہچانیگا۔ عرض کی ہاں، پہچانے گا۔ فرمایا اِنَّھُمْ یَاْتُوْنَ غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ میری امت کے لوگوں کے وضو کے سبب منھ اور ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے۔ اور بھی اس مضمون کی روایتیں کتب حدیث میں مذکور ہیں، مگر تمام بدن کا سفید ہونا نظر فقیر میں کسی روایت سے ثابت نہیں، اور احادیث میں غرّہ اور تحجیل کا بیان اس امر کو چاہتا ہے کہ باقی بدن ایسا نہ ہوگا، کہ جب تمام بدن ایسا ہی ہے تو غرّہ و تحجیل نہیں اور وضو کی اس سے فضیلت بھی ثابت نہ ہوگی، حالانکہ یہ حدیث فضائل وضو میں ہے،

واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کے یعنی پورب کے مسجد کے لوٹے بہ نسبت پچھم کے لوٹوں کے نصف ہوتے ہیں اور زید محض اس خیال سے کہ پورے طور پر سنت ادا ہو، وضو کے لئے دو لوٹے لیتا ہے۔ عمرو کا اعتراض ہے کہ یہ اسراف ہے، اگر بہت کفایت سے کام لیا جائے کہ موسم گرما میں ایک لوٹے سے بھی وضو ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں زید کا دو لوٹا لینا اسراف ہوا یا نہیں۔

## الجواب

حکم یہ ہے کہ اگر بطور سنت وضو کرنا چاہے تو اعضائے غَسل[1] میں ہر عضو بلکہ اس کے ہر حصے پر سے تین تین بار پانی بہہ جائے یونہی مضمضہ و استنشاق تین تین بار کرے اور سب سے پہلے تین بار دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے، اور پان کھاتا ہے اور تین کلیوں میں منھ صاف نہ ہوا تو اتنی کلیاں کرے کہ منھ صاف ہو جائے، اور مسواک بھی تین بار پہلے دھوئے اور تین مرتبہ بعد استعمال وہ امور جنہیں تثلیث سنت ہے، اگر انہیں تین بار سے زیادہ کیا تو اسراف ہے، اور اعضائے وضو میں پانی ڈالنے میں اگر بے احتیاطی کرے کہ بلاوجہ پانی بہاتا ہے اور بیکار گراتا ہے تو اسراف ہے۔ اور حدیث میں جو آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مکوک[عـہ] سے وضو فرماتے، اس سے مقصود تحدید نہیں کہ اس پر زیادت جائز نہ ہو جیسا کہ حلیہ وغیرہ میں اس کی تشریح ہے۔ بہر حال وضو میں ادائے سنت کا خیال رکھے اور اسراف سے بچے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

عـہ علاوہ ازیں اسی ارشاد مَن استطاع ان یطیل غرتہ فلیفعل کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ جہاتک وضو میں اعضاء دھوئے جائینگے اتنے ہی روشن ہوں گے۔ امجدی۔ [1] غَسل غین کے فتحہ کے ساتھ دھونے کے معنیٰ میں۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ اعضا جن کا وضو میں دھونا امور ہے، نہانے کے معنیٰ میں غُسل ہے، غین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ امجدی۔ عـہ ڈیڑھ صاع رضویہ جلد اول صفحہ ۱

Marfat.com

**مسئلہ** (۴) ایک شخص وضو کے اندر مسح کرنا بھول گیا اس کو اعضائے وضو کے خشک ہونے کے بعد یاد آیا تو اس نے عمرو سے دریافت کیا کہ مجھے وضو کے اعادہ کی ضرورت ہے یا محض مسح کرلوں تو عمرو نے جواب دیا کہ وضو کے اعادہ کی ضرورت نہیں محض مسح کافی ہے، زید عمرو کا مخالف ہے اور کہتا ہے کہ وضو ہرگز درست نہیں اس لئے کہ وضو کا ایک رکن باقی رہ گیا ہے، دوسرے وضو کا پے درپے دھونا شرط ہے یعنی اگر وضو اتنی دیر میں کیا کہ ہاتھ دھو رہا تھا کہ مُنہ خشک ہوگیا یا پیر دھونے تک ہاتھ خشک ہوگیا تو وضو نہیں ہوا اذا فات الشرط فات المشروط لہٰذا اس کو وضو کے اعادہ کی ضرورت ہے بغیر جدید وضو کے نماز نہ ہوگی، لہٰذا اب علمائے ربانی وحامیان دین رحمانی کے خدمات مقدسہ میں گذارش ہے کہ اس مذکورۃ بالا مسئلہ کی تحقیق معتبر کتب حنفیہ سے فرمائی جائے، نیز زید وعمرو ان دونوں میں جو حق پر ہو اس کا اظہار اور ناحق کا اُبطلان فرمایا جائے، بَیِّنُوْا عِنْدَ النَّاسِ تُوْجَرُوْا عِنْدَ اللہِ تَعَالیٰ:۔

## الجواب

بیشک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے بغیر مسح کے وضو نہ ہوا اگر بعد میں جو مسح کیا اس سے فرض وضو ادا ہوگیا جو نماز ایسے وضو سے پڑھی جائے، ہو جائے گی کہ وضو میں ترتیب شرط نہیں، ترتیب سنت ہے یہ فوت ہوگئی، یونہی پے درپے دھونا بھی سنت ہے۔ دُرمختار بیان سنن وضو میں ہے والترتیب والولاء بکسر الواو غسل المتاخر او مسحہ قبل جفاف الاول بلا عذر حتی لو فنی ماءہ فمضی لطلبہ لاباس بہ ومثلہ الغسل والتیمم اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ولار کی سنیت اس وقت ہے جب عذر نہ ہو اور اگر کسی عذر سے پے درپے نہ کیا تو خلاف سنت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ بھولنا بھی عذر ہے، البتہ ترتیب کی سنیت فوت ہوگئی مگر اس پر استحقاق ملامت نہیں کہ یہ فعل بلا قصد ہوا، پھر بھی اگر خلاف سے بچنے کے لئے سرے سے وضو کرے تو بہتر ہے، مگر نہ کیا اور صرف مسح پر اکتفا کرلیا جب بھی نماز ہو جائے گی کذا فی الدُّر۔ اور عبارتِ مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غسل میں بھی وِلار سنت ہے جیسا جواب اول میں ذکر کیا گیا کہ کلی کرلینے سے جنابت دور ہو جائے گی، سرے سے غسل کی حاجت نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

**مسئلہ** (٤) مسئولہ مولوی زاہد خاں صاحب شروانی سلمہٗ از بھیکم پور ضلع علی گڈھ ١٢ر جنوری ۴۲ء
"اَیْنَ بَاتَتْ یَدُہٗ" حدیث کا مفصل مطلب بیان فرما دیجئے، سخت ضرورت ہے۔

# الجواب

حدیث اَیْنَ بَاتَتْ یَدُہٗ کے متعلق علماء نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ ملک حجاز ایک گرم ملک ہے اور وہاں کے لوگوں کی عادت ڈھیلے سے استنجا کرنے کی تھی۔ سونے میں پسینہ آتا اور اندیشہ ہوتا کہ موضع نجاست پر ہاتھ لگ جائے اس لئے یہ حکم دیا گیا کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو دھولے تاکہ یہ احتمال ہی نہ پیدا ہو کہ شاید موضع نجاست پر ہاتھ پہنچا ہو اور نجس ہو گیا۔ یہ حکم مجمع علیہ ہے کہ قبل ادخال ہاتھوں کو دھونا چاہئے۔ رہا یہ کہ غمس ید کی نہی نہی تنزیہہ ہے یا تحریم، اسمیں اختلاف ہے۔

جمہور اس کے قائل ہیں کہ یہ نہی نہی تنزیہہ ہے۔ اور یہ حکم قیام من النوم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جہاں بھی نجاست ید میں شک ہو، وہاں قبل ادخال ہاتھوں کے دھونے کا حکم ہے، چاہے رات میں سو کر اٹھا ہو یا دن میں سو کر اٹھا ہو یا بغیر سوئے ہی یہ احتمال پیدا ہو گیا ہو، کیونکہ شک کی حالت میں اگر پانی میں ہاتھ ڈالدیا تو پانی کی نجاست کا احتمال پیدا ہو جائے گا، اگرچہ محض احتمال اور شک کی بنا پر اس کی نجاست کا حکم نہیں دیا جا سکتا، مگر پھر بھی ایسے احتمال کے پیدا ہونے سے بچنا ہی چاہئے۔

اس حدیث میں نجاست اور مظنہ نجاست سے بحث ہے۔ رہا پانی کا مستعمل ہونا یہ ایک امر آخر ہے۔ ہمارے نزدیک چونکہ وضو میں نیت شرط نہیں، لہذا بغیر نیت وضو بھی اگر ہاتھ پانی میں پڑ جائے تو اس کے لئے غسل ہی کا حکم ہے اور وہ پانی مستعمل ہو جائے گا۔ اس کی مکمل تحقیق اعلحضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمائی ہے۔ مَنْ شَاءَ فَلْیَرْجِعْ اِلَیْھَا ــــــــ وھو تعالیٰ اعلم

---

---

ع٥ اسی لئے یہ واجب نہیں، سنت ہے۔ اگر ہاتھ کا نجس ہونا یقینی ہوتا تو اس موقع پر ہاتھ دھونا فرض ہوتا۔ امجدی۔
عـ٥ جلد اول از ۲۳۳ تا ۲۵۲۔ امجدی۔

Marfat.com

**مسئلہ** (۵) از ریاست جے پور مرسلہ جناب قاضی شمس الدین صاحب ہیڈ ماسٹر مڈل اسکول بیراٹھ۔
کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ بہار شریعت حصّہ دوم میں وضو کے مستحبات میں بعد وضو میانی کو تر کرنا درج فرمایا گیا ہے، اس سے کیا فائدہ؟

## الجواب

بہار شریعت حصّہ دوم مستحبات وضو میں یہ لکھا ہے کہ بعد وضو میانی پر پانی چھڑک لے، اس کا فائدہ دفع وسوسہ ہے کہ مبادا نماز میں یہ وسوسہ نہ پیدا ہو کہ قطرہ آگیا ہے، جس کی ٹھنڈک معلوم ہو رہی ہے، اور اگر پانی چھڑک لیا ہے اور یہ وسوسہ پیدا ہوا تو ساتھ ہی خیال بھی آئے گا کہ قطرہ نہیں ہے بلکہ ہم نے خود پانی چھڑکا ہے۔ یہ ادب حدیث[ع] میں بھی آیا ہے۔ ردالمحتار مندوبات وضو میں ہے و رش الماء علی الفرج وعلی السراویل بعد الوضوء۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۶) مرسلہ جناب محمد محفوظ اللہ صاحب رجسٹرار فائزن گو پنشنر قصبہ سورون چودھری محلہ ضلع ایٹہ ۱۱ رجمادی الاولیٰ ۵۵ھ۔ "وضو کرنے کی حالت میں اگر کوئی مسلمان السلام علیکم کہے تو اس کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں۔ اسی طرح[ع] اذان ہوتی ہو تو وضو کی حالت میں اس کا جواب دینا چاہئے یا نہیں۔

## الجواب

اثنار وضو میں کلام دنیا مکروہ ہے جبکہ بغیر حاجت ہو۔ درمختار میں ہے وعدم التکلم بکلام الناس الا لحاجۃ تفوتہ۔ جواب سلام کے متعلق ممانعت نظر فقیر سے نہیں گذری، ظاہر یہی ہے کہ سلام کا جواب دیا جائے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۷) مرسلہ مولوی سیّد عبد الغنی صاحب رضوی ڈیڈوانہ ریاست جودھپور مارواڑ۔
"السلام علیکم! بعد قدمبوسی عرض ہے کہ اگلے سال جب آپ کا فتویٰ یہاں پر آیا تھا۔ جب یہاں کے مخالفوں کی حجت ختم ہوئی تھی۔ اب اس سال پھر آپ کو تحریر کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیش ہوا کہ بڑا استنجار کرنا بھول گیا، اور وضو

---

ع کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا بال توضأ ونفح فرجہ (جناب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب پیشاب کرتے وضو کرتے اور اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑکتے۔ ابوداؤد ونسائی (امجدی)، ع حالت وضو میں اذان کا جواب دے، ممنوع اثنار اذان میں کلام دنیا ہے، اذان کا جواب کلام دنیا سے نہیں۔ کتب فقہ کا مفہوم معتبر ہے۔ امجدی

Marfat.com

بنالیا، اب یاد آیا کہ استنجا کیا تھا، اب استنجار کیا تو اب وضو دوبارہ دوہرایا جائے یا نہیں۔ اس کے جواب میں میں نے کتاب بہار شریعت جو آپ کی تصنیف کردہ ہے۔ حصہ دوم میں یہ مسئلہ تحریر ہے کہ بڑا استنجا بھول گیا، وضو بنالیا اب اسکو یاد آیا تو وضو تو نہیں ٹوٹا مگر وضو بنانا مناسب ہے۔ اس پر یہاں یہ سوال پیش کیا کہ وضو نہیں ٹوٹا تو پھر وضو بنانا مناسب کیوں لکھا، یہ غلط ہے۔ وضو نہیں بنانا چاہئے۔ لہذا یہ عرض ہے کہ وضو بنانا جو آپنے مناسب فرمایا، اسکی دلیل تحریر کر دیجئے مع ثبوت کے، تاکہ بہار شریعت کے مسائل پر حرف نہ آئے۔ اور یہاں یہ جاہل آدمی کہتے ہیں کہ یہ تو مولوی صاحب نے اپنی رائے لگا دی ہے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

## الجواب

وضو کے بعد بڑا استنجار پانی سے کیا، اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت میں وضو ٹوٹے گا اور ایک صورت میں نہیں۔ اور بہار شریعت میں دونوں صورتیں لکھی ہیں۔ اگر پانی سے مسنون طریقہ پر استنجار کرے گا، یعنی پاؤں پھیلا سانس کا زور نیچے کو دیکر، وضو جاتا رہے گا۔ اور اگر ایسے نہیں کرے گا تو نہ جائے گا۔ درمختار میں ہے استنجی المتوضی ان علی وجہ السنۃ بان ارخی انتقض والا لا۔ پہلی صورت میں وضو ٹوٹ جانے کی وجہ علامہ شامی نے یہ تحریر فرمائی لعل وجھہ انہ یخرج بارخائہ نفسہ الشرج الداخل وھو لا یخلو عن رطوبۃ النجاسۃ ثم رأیتہ منقولا عن خط البزازی فی ھامش نسختی البزازیۃ مع التصریح بان المراد بوجہ السنۃ ما ذکرہ الشارح من الارخاء۔ اب رہی یہ بات کہ دوسری صورت میں بہار شریعت میں وضو کر لینا مناسب لکھا ہے۔ اگر وضو ٹوٹ جاتا تو وضو کرنا مناسب نہیں لکھا جاتا، بلکہ ضروری بتایا جاتا۔ اگر اعتراض کرنے کی جگہ مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو وہ زیادہ مفید ہوتی ہے۔ استنجار کرنے میں شرمگاہ کو چھونا ہوتا ہے اور مس فرج میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ اور حدیثیں بھی اسمیں مختلف آئی ہیں، اگرچہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مسلک ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا، مگر چونکہ بہت سے علمار و ائمہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے، لہذا وضو کر لینے کو مناسب بتایا تاکہ اس کی طہارت اور صحت نماز میں کسی کو شک و اختلاف باقی نہ رہے اور جہاں اختلاف سے بچنے کی صورت نکل سکتی ہے وہاں اختلاف سے بچنا مستحب ہے[عہ]۔ —— واللہ تعالیٰ اعلم

---

عہ کما فی مسئلۃ الوضوء بعد اکل لحم الجزور۔ امجدی

Marfat.com

**مسئلہ** (۸) از ریاست جے پور مرسلہ جناب قاضی شمس الدین صاحب ہیڈ ماسٹر مڈل اسکول بیراٹھ۔
کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ گھوڑے کے گوشت کھانے پر وضو کرنا درج فرمایا گیا (بہار شریعت) میں ایسا کیوں۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک گھوڑے کے گوشت کھانے سے بالکل وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیا اسکی یہ وجہ ہے کہ جس طرح گھوڑے کے دودھ میں سُکر ہے، اسکے گوشت میں بھی سُکر ہے، یا اور کوئی وجہ ہے۔

## الجواب

بہار شریعت حصہ دوم میں اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو مستحب بتایا گیا ہے، گھوڑے[عہ] کا گوشت کھانے پر وضو کا استحباب مذکور ہونا میرے خیال میں نہیں، اونٹ کا گوشت کھانا بعض ائمہ کے نزدیک ناقض وضو ہے۔ اور ہمارے نزدیک نہیں، مگر خلاف سے بچنا اولیٰ ہے جبکہ اسمیں اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔ درمختار میں ہے واکل جزور وبعد کل خطیئة وللخروج من خلاف العلماء۔ ردالمحتار میں ہے لقول بعضھم بوجوب الوضوء منه وھذا یدخل فی عموم قوله بعد وللخروج من خلاف العلماء افادہ ط دوسری جگہ درمختار میں فرمایا یندب للخروج من الخلاف لاسیما للامام لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذھبه۔ ردالمحتار میں ہے مراعاۃ الخلاف عندنا مندوبة۔

واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۹) مرسلہ مولوی قاضی محمد قاسم صاحب مدرس مدرسہ، از سیالکوٹ پنجاب یکم جمادی الاولیٰ ۳۲ھ۔
"بے وضو درود شریف پڑھنا کیسا ہے، مفصل تحریر فرمائیں۔"

## الجواب

درود شریف وضو بے وضو ہر حال میں پڑھ سکتے ہیں، بے وضو تو بے وضو، جنب وحائض کو بھی درود شریف پڑھنا جائز ہے، اگرچہ[عہ] ان کے لئے کُلی کر کے پڑھنا بہتر ہے۔ درمختار میں ہے ولاباس لحائض وجنب بقراءۃ ادعیة ومسّھا

---

عہ میں نے بہار شریعت کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اسمیں کہیں یہ نہیں کہ گھوڑے کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنا مستحب ہے۔ امجدی
عہ حدیث شریف میں ہے ان النبی صلی اللہ علیه وسلم رخص للجنب اذا اراد ان یاکل او یشرب او ینام ان یتوضأ وضوءہ للصلوٰۃ رواہ الترمذی عن عمار بن یاسر رضی اللہ عنھما وصححه۔ مولٰنا ضیاء المصطفیٰ صاحب مدظلہ العالی۔

Marfat.com

وحلها و ذکرہ اللہ تعالیٰ ۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۰) مسئولہ حافظ حیات احمد صاحب متصل سرائے خام بریلی ، ۲ صفر ۱۳۴۳ھ ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ وضو کے لئے نابالغ بچوں سے پانی بھروا کر منگوانا جائز ہے یا نہیں ۔

## الجواب

والدین کے سوا دوسرے کسی کو بچوں سے مفت پانی بھروانا جائز نہیں ، نہ وضو کے لئے نہ اور کسی کام کیلئے ، کہ کوئیں کا پانی جس نے بھرا اس کی ملک ہو جاتا ہے ، لہٰذا بچہ مالک ہو گیا ، اور بچہ اپنی ملک کو ہبہ کر نہیں سکتا ۔ لہٰذا اگر دوسرے کو اپنی خوشی سے دے جب بھی وہ نہیں لے سکتا ۔ ہاں اگر وہ بچہ اُس کا نوکر ہے ، اور نوکری کے وقت میں پانی بھر لایا ۔ بھشتی کے لڑکے کہ پانی بھرنے کے لئے ماہوار پر رکھے جاتے ہیں ، ان کا بھرا ہوا پانی اُس شخص کی ملک ہوگا جس کا نوکر ہے ۔ والتفصیل فی الفتاوی الرضویہ [۵] ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (غسل) (۱۱) مسئولہ عبدالغنی خاں و نصرالدین خاں صاحبان ڈگی بازار محلہ دیوالیاں اجمیر شریف ، ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۶ھ ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ بکر نے غسل کیا اور اسمیں کلی کرنا بھول گیا اور اسی وضو سے اپنے پانچوں نمازوں کو ادا کیا ۔ بعد نماز عشاء کے اُسے یاد آیا ۔ اُس نے اس مسئلہ کو عمرو سے دریافت کیا کہ میری نماز ہوئی یا نہیں عمرو نے کہا ، نماز فجر کے سوا سب نمازیں درست ہو گئیں ۔ زید اس کے خلاف اسطرح کہتا ہے کہ نماز درست نہیں ہوئی اسلئے کہ نماز کے لئے پاکی شرط ہے ، چونکہ اس کا غسل درست نہیں ہوا اسلئے کہ اس نے فرض غسل کو ادا نہ کیا تو اُس کا غسل ہی نہ ہوا اور جب غسل ہی نہ ہوا تو نماز جنابت کی حالت میں حرام ہے ، لہٰذا نماز نہ ہوئی ۔

## الجواب

اگر بکر جنب تھا یعنی اُس پر غسل فرض تھا اور کلی کرنا بھول گیا تو طاہر نہ ہوا کہ غسل کا ایک فرض اسکے ذمہ باقی رہ گیا ۔

---

۵ جلد اول ص۲۲۱ تا ص۲۳۰ امجدی

Marfat.com

پھر اگر غسل کے بعد وضوئے جدید کیا جیسا کہ اکثر لوگ کر لیتے ہیں اور اس وضو میں کلی کر لی تو پاک ہو گیا، تمام نمازیں ہوگئیں۔ اور اگر کلی نہ کی تو اب بھی ناپاک ہی ہے، جب تک کلی نہ کریگا پاک نہ ہوگا اور جب کلی کر لیگا جنابت دور ہو جائیگی۔ پھر اگر زید نے پانچوں نمازیں بغیر وضو کئے ہوئے اور بغیر کلی کے ادا کی ہیں جیسا کہ سوال سے یہی ظاہر ہے تو کوئی نماز ادا نہ ہوئی۔ اگر اور نمازیں ظہر سے عشا تک کلی کے بعد پڑھی ہیں اور یہی عادۃً ظاہر ہے کیونکہ ظہر وغیرہ کے وقت تو نیا وضو کیا ہی ہوگا، اگرچہ ممکن ہے کہ صبح کا وضو عشا تک باقی رہے، مگر عادۃً دشوار ضرور ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وضو میں کلی کی ہوگی اگرچہ وضو میں کلی فرض نہیں، مگر سنت تو ہے۔

بہر حال اگر کلی ہوگئی غسل ہو گیا، نمازیں اسکی بعد کی ادا ہوگئیں پھر سے جدید غسل کی حاجت نہیں، نہ کلی میں قصداً ازالۂ جنابت کی ضرورت کہ غسل و وضو میں نیت شرط نہیں، بلکہ اگر بڑے بڑے گھونٹ سے پانی پی لیا کہ منہ کے تمام حصوں پر پانی گذر گیا جب بھی جنابت دور ہو گئی۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے الجنب اذا شرب الماء ولم یمجہ لم یضرہ ویجزیہ عن المضمضة اذا اصاب جمیع فمہ کذا فی الظہیریہ۔ درمختار میں ہے ویکفی الشرب عبا لانہ المج لیس بشرط فی الاصح۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲) مرسلہ کفایت حسین صاحب رضوی صالح نگر ۴ ربیع الاول ۴۵ھ۔

"عورت کو بچہ پیدا ہوا تو وہ عورت حد نفاس کے فارغ ہونے تک نماز، روزہ سے تو بری ہے لیکن وہ عورت اگر عقیقہ والے دن جنکو بعض چھٹی بھی کہتے ہیں، نہائے تو کیا اسکو کچھ نفع صفائی کے طریقہ میں نہیں ہوگا کیونکہ زچہ خانہ کے اندر جو نجاست جسم و کپڑوں وغیرہ پر ہوتی ہے وہ دھل جاتی ہے اور کپڑے صاف بدل دیئے جاتے ہیں اور پھر گھر کے ہر قسم کے کام کرنے لگتی ہے۔ عمرو کا قول ہے کہ چلّہ کے اندر نہائے گی تو پہلے سے بھی اور زیادہ ناپاک ہو جائے گی۔

# الجواب

نجاست دو قسم کی ہے، ایک حقیقیہ جیسے پاخانہ پیشاب خون وغیرہ۔ دوسری حکمیہ جیسے احتلام و جماع وغیرہ سے جو نجاست کا حکم ہوتا ہے۔ چھٹی کے دن جو غسل ہوتا ہے اس سے وہ گندگی جو بدن پر لگی ہو، زائل ہو جائیگی، مگر وہ نجاست حکمیہ جو نفاس والی کے لئے ہے وہ جب تک خون بند نہ ہو یا چالیس دن پورے نہ ہوں اسوقت نہانے سے زائل نہ ہوگی بلکہ اسپر غسل اسوقت فرض ہوتا ہے جب نفاس ختم ہو۔ نظافت اور صفائی کے لئے اسوقت سے قبل بھی نہا سکتی ہے، عمرو کا قول غلط ہے

Marfat.com

کہ نجاست بڑھ جائے گی، نجاست حکمیہ نہ بڑھے گی نہ گھٹے گی اور نجاست حقیقیہ اسکے بدن پر ہو تو زائل ہوگی اور صفائی بھی حاصل ہوگی ۔ ـــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳) از قصبہ فتح کھلڈا ضلع بلڈانہ سی پی مرسلہ محمد اسلم خاں صاحب ۱۲؍ رجب ۴۶ھ ۔

"حالت جنابت میں سلام کرنا اور اس کا جواب دینا اور کھانا پینا کیسا ہے، ناجائز ہونے کی صورت میں یہ سوال کہ سحری کا وقت کم ہے اور غسل کرنے تک وقت جانے کا گمان غالب ہو تو کیا کرے ۔

## الجواب

بہتر یہ ہے کہ وضو کرلے اور نہ کیا جب بھی ناجائز و گناہ نہیں اور کلی بھی نہ کی ہو تو جو پانی منہ سے لگا مستعمل ہوجائیگا اور مستعمل پانی کا پینا مکروہ ہے، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان جنبا فاراد ان یاکل اوینام توضأ وضوءہ للصلوٰۃ ۔ رد المحتار میں ہے ولجنب عند اکل وشرب ونوم ووطی سحری کا وقت تنگ ہو تو وضو کرکے کھائے اور اتنا بھی وقت نہ ہو تو کلی کرلے[ع۵] ـــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۴) از قصبہ فتح کھلڈا ضلع بلڈانہ سی پی مرسلہ محمد اسلم خاں صاحب ۱۲؍ رجب ۴۶ھ ۔

"بغیر غسل کے عورت سے دوسری بار ہمبستری کرنا درست ہے یا نہیں، اور اگر جائز ہے اور کئی بار ہمبستری کی ہو تو غسل کرتے وقت چند غسل کرے یا ایک ہی غسل کافی ہے ایک ہی نیت سے ۔

## الجواب

بہتر یہ ہے کہ وضو کے بعد دوسری مرتبہ ہمبستری کرے، حدیث میں ہے:۔ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمْ اَھْلَہٗ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ یَّعُوْدَ فَلْیَتَوَضَّأْ بَیْنَھُمَا وُضُوْءًا (رواہ مسلم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ) اور چند بار ہمبستری کی ہو جب بھی ایک ہی غسل واجب ہے ایک ہی غسل کریں۔ صحیح مسلم شریف میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرماتی ہیں کان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَطُوْفُ عَلٰی نسائہ بغسل واحد یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج سے ہمبستری کے بعد ایک ہی غسل فرماتے

ع۵ سلام وجواب بھی حالت جنابت میں جائز ہے اگرچہ بہتر یہی ہے کہ طہارت کے ساتھ ہو، جنب کو غسل کا موقع ملا اور غسل کیا تو حالت جنابت میں کھانا محتاجی لاتا ہے ۔ امجدی

Marfat.com

تھے۔ اور نیت بھی متعدد کرنے کی حاجت نہیں کہ سبب واحد ہے، پھر تعددِ نیت بے معنیٰ ـــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی بیوی کے سامنے بالکل برہنہ نہاتا ہے، جائز ہے یا نہیں۔

## الجواب

بیوی کے سامنے برہنہ ہونے میں حرج نہیں، البتہ کمال حیا یہ ہے کہ بے ضرورت بیوی کے سامنے بھی برہنہ نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۶) ہندو پر غسل فرض ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

## الجواب

جب اسلام[ع۵] لانے کا ارادہ ہو تو نہائے ـــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۷) آمدہ از شیر پور ضلع بریلی، مرسلہ مولوی عبدالمجید صاحب امام، سُنہری مسجد۔

"جس پر غسل فرض ہے کیا اس کی زبان نجس سمجھی جائے گی، مسئلہ مذکورہ میں "اللہ" کہہ سکتا ہے یا نہیں، نیز سلام اور اس کا جواب دے سکتا ہے یا نہیں۔

## الجواب

جس پر غسل فرض ہے نہ وہ شخص نجس ہے نہ اسکی زبان، حدیث میں ارشاد ہے المومن لا ینجس جنابت ایک نجاست حکمیہ ہے نہ کہ نجاست حقیقیہ، حالت جنابت میں قرآن مجید پڑھنے اور مسجد میں داخل ہونے اور قرآن چھونے کی ممانعت ہے، قرآن مجید پڑھنے کے سوا دیگر اذکار کی اجازت ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ کلی کرے۔ جنب سلام کر سکتا ہے، سلام کا جواب دے سکتا ہے جنب کے لئے اللہ کہنا جائز ہے۔ ـــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (میاہ) (۸) مسئولہ مولوی احسان علی سلمہ، طالب علم مدرسہ اہلسنت ۴ ربیع الآخرہ سنہ ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:۔

---

ع۵ اسلام لانے کے بعد پورا غسل کرنا مستحب ہے۔ بہار شریعت حصہ دوم صلا ۔ درمختار اور ردالمحتار میں ہے واذا ان اسلم طاهرا فمندوب ای بان کان اغتسل او اسلم صغیرا - واللہ تعالیٰ اعلم- امجدی

Marfat.com

اگر محدث و جنب یا حائض کا کوئی عضو انگلی یا ناخن وغیرہ ایک گھڑے یا ایک لوٹے پانی میں لگ جائے تو اُس پانی سے وضو وغسل ہوسکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو بھشتی جو عام طریقے سے مشک میں ڈول سے پانی ڈالتے وقت مشک کے منھ کو پکڑ کر ڈالتے اور پانی اُن کے ہاتھ سے لگتا ہوا جاتا ہے، اُس پانی سے بھی وضو نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ بھشتی اکثر بلکہ کُل بے وضو ہوتے ہیں، علیٰ ہٰذا القیاس بوقت وضو جو قطرے لوٹے میں گرتے ہیں۔ اور اُس پانی کو پینا کیسا ہے۔

# الجواب

بے وضو کے اعضائے وضو میں سے کوئی عضو اگرچہ انگلی یا پورا یا ناخن اور جنب اور وہ حائض یا نفسا جو حیض یا نفاس سے پاک ہوچکی ہے، مگر ابھی غسل نہیں کیا ہے، ان کا کوئی عضو بے دُھلا ہوا اگر ماءِ قلیل یعنی دہ در دہ سے کم غیر جاری میں پڑجائے، تو وہ سارا پانی مستعمل ہوگیا، جبکہ بغیر ضرورت شرعیہ پڑا ہو، اور وہ پانی وضو یا غسل کے قابل نہ رہا، اور اگر ضرورتِ شرعیہ سے ہو، مثلاً بڑے برتن میں پانی ہے، اور کٹورا وغیرہ اسمیں گرگیا اُس کے نکالنے کے لئے بقدر ضرورت اس میں ہاتھ ڈالا، تو مستعمل نہ ہوگا، کہ یہ معاف ہے، یعنی جبکہ وہاں کوئی ایسا نہ ہو، جو ہاتھ ڈالکر نکالتا، نہ کوئی دوسرا برتن ہے جس سے یہ خود نکالتا، نہ وہ برتن جس میں پانی ہے جھکانے کے قابل کہ جھکا کر اُس سے پانی لے لیتا۔

پانی کے مستعمل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک وضو یا غسل میں نیت شرط نہیں، لہٰذا جس حصہ بدن کے ساتھ حدث کا تعلق ہے، وہ جب پانی سے ملاقی ہوگا، تو اتنے سے حدث مرتفع ہوجائے گا، اور جب اس پانی نے رفع حدث کیا تو مستعمل ہوگیا کہ مستعمل ہونے کے لئے نیت رفع حدث شرط نہیں۔ فتح القدیر میں ہے لو ادخل المحدث او الجنب او الحائض التی طھرت الید فی الماء للاغتراف لا یصیر مستعملاً للحاجة بخلاف ما لو ادخل المحدث رجله او راسه حیث یفسد الماء لعدم الضرورة وفی کتاب الحسن عن ابی حنیفة ان غمس جنب او غیر متوضئ یدیه الی المرفقین او احدی رجلیه فی اجانة لم یجز الوضوء منه لانه سقط فرضه عنه و ذالک لان الضرورة لم یتحقق فی الادخال الی المرفقین فتاویٰ امام قاضیخاں میں ہے اتفق اصحابنا رحمھم اللہ تعالیٰ فی الروایات الظاھرة علی ان الماء المستعمل فی البدن لا یبقی طھورًا واختلفوا ھل یصیر مستعملاً لسقوط الفرض اذا قصد التبرد او اخراج الدلو من البئر قال ابو حنیفة و ابو یوسف رحمھما اللہ تعالیٰ یصیر مستعملاً وقال محمد رحمه اللہ تعالیٰ فی المشھور عنه لا۔ نیز اسی میں ہے اذا غسل اطراف اصابعه ولم یغسل عضوا تامًا ما اشار الحاکم

Marfat.com

فی المختصر الیٰ انه یصیر مستعملا۔ اور اگر دھلا ہوا حصۂ بدن پانی میں پڑا، یعنی دھونے کے بعد سے ابتک اس عضو پر حدث طاری نہ ہوا، کہ حدث طاری ہونے کے بعد وہ دھلا ہوا بے دھلا ہوگیا، تو اب جبکہ دھلا ہوا ہے، پانی میں پڑنے سے رفع حدث نہ ہوگا، اور اس صورت میں مستعمل ہونے کے لئے یہ ضرور ہے، کہ بہ نیت تقرب اُس عضو کا پانی میں ڈالنا ہو، مثلاً باوضو شخص نے کھانا کھانے کے لئے بہ نیت ادائے سنت ہاتھ دھوئے یا باوضو نے بہ نیت ثواب وضو کیا۔ درمختار میں ہے لایجوز بماء مستعمل لاجل قربة ای ثواب او لاجل رفع حدث۔ اور حائض یا نفاس والی کا جبتک حیض یا نفاس منقطع نہ ہو ان کا ہاتھ اگر پانی میں پڑا تو نہ رفع حدث ہوا نہ ادائے قربت، لہٰذا مستعمل نہ ہوا۔ فتاویٰ ہندیہ میں لو وقعت الحائض فی البئر ان کان بعد انقطاع الدم ولیس علیٰ اعضائها نجاسة فهی کالجنب وان کان قبل انقطاع الدم فهی کالرجل الطاهر لانها لاتخرج من الحیض بهذا۔ کذا فی الخلاصة وهکذا فی فتاوی قاضیخاں۔

ہاں اگر حائض اوقات نماز فرض یا تہجد وچاشت میں وضو کرکے ذکر و درود شریف میں مشغول ہو کہ عادت نہ چھوٹے تو یہ اس کے لئے مستحب ہے، اور اب پانی مستعمل ہوجائے گا۔ درمختار میں ہے او حائض لعادة عبادة۔ ردالمحتار میں فرمایا قال فی النهر قالوا لوضوء الحائض یصیر مستعملا لانه یستحب لها الوضوء لکل فریضة وان تجلس فی مصلاها قدرها کی لاتنسی عادتها ومقتضیٰ کلامهم اختصاص ذالك بالفریضة وینبغی انها لو توضأت لتهجد عادی او صلاة ضحیٰ وجلست فی مصلاها ان یصیر مستعملا لمرادة لهم هـ واقرہ الرملی وغیرہ ووجهه ظاهر فلذا اجزم به الشارح فاطلق العبادة تبعًا لجامع الفتاویٰ فانه قال یستحب لها ان تتوضأ فی وقت الصلاة وتجلس فی مسجدها تسبح وتهلل مقدار ادائها لئلا تزول عادة العبادة۔ اور ماء مستعمل طاہر غیر مطہر ہے، یعنی اگر خود کسی چیز میں لگ جائے یا اچھے پانی میں پڑجائے تو جیسے وہ شے پہلے پاک تھی اب بھی پاک ہے، مگر اس سے نجاست حکمیہ کا ازالہ نہیں ہوسکتا، یعنی وضو اور غسل کے کام کا نہ رہا جیسا کہ عبارت منقولہ درمختار سے ظاہر ہے۔ عالمگیری میں ہے اتفق اصحابنا ان الماء المستعمل لیس بطهور حتیٰ لایجوز التوضی به واختلفوا فی طهارته، قال محمد هو طاهر وهو روایة عن ابی حنیفة وعلیه الفتویٰ کذا فی المحیط۔ اور نجاست حقیقیہ اس سے دور کرسکتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے یجوز تطهیر النجاسة بالماء وبکل مائع طاهر یمکن ازالتها به ومن المائعات الماء المستعمل وهذا قول محمد وروایة عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ وعلیه الفتویٰ، هکذا فی الزاهدی۔

اب رہا یہ امر کہ بہشتی کا بھرا ہوا پانی مستعمل ہوگیا یا نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ مستعمل نہیں کہ اولاً نامعلوم پر حکم نہیں لگایا

Marfat.com

جاسکتا، یہ کہاں سے معلوم کہ اس وقت بہشتی کے ہاتھ دھلے ہوئے نہ تھے، نرا وہم مسائل طہارت و نجاست میں معتبر نہیں بلکہ اس معاملہ میں ظن مجرد کا بھی لحاظ نہیں، کتب فقہ میں بکثرت ایسے جزئیات مذکور ہیں، پُرانا استعمالی جوتا کنویں میں گر جائے جبتک اُس کا نجس ہونا معلوم نہ ہو، نجاست آب کا حکم نہ دیں گے، تو جب نجاست میں ایسے خیالات پر بنائے کار نہیں، تو استعمالی آب میں کہ یہ اخف ہے، کیونکر ایسے اوہام معتبر ہوں گے، لہٰذا پانی اپنی اصلی حالت طہارت و طہوریت پر باقی رہے گا۔ اللہ عزّ وجل فرماتا ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا، اور فرماتا ہے وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ۔ ثانیاً اگر معلوم بھی ہو کہ یہ بے وضو ہے اور اُس کا ہاتھ دھلا ہوا نہیں جب بھی مستعمل نہیں کہ مشک میں ڈالتے وقت پانی حالت جریان میں ہوتا ہے اور آب جاری تو نجس کی ملاقات سے بھی نجس نہیں ہوگا بلکہ نجس چیز پہ گذرے تو اُسے پاک کردے گا، تو اگر اُس کا ہاتھ نہ دھلا تھا تو اب دُھل گیا، اور پانی چونکہ جاری ہے، لہٰذا مستعمل نہ ہوا۔ ثالثاً اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ پانی مستعمل ہوگیا، تو صرف پہلی دفعہ جو پانی اُس کے ہاتھ پہ گرا وہ مستعمل ہوگا، نہ وہ پانی جو ابھی ڈول سے باہر بھی نہیں ہے، اور یہ بہ نسبت اُس کے زائد ہے اور مار مستعمل جب غیر مستعمل میں ملے، اور غیر مستعمل غالب ہو، تو مطہر رہے گا۔ رابعاً اگر یہ بھی فرض کرلیا جائے کہ وہ سارا ڈول مستعمل ہوگیا، تو اس کے بعد مشک میں اور ڈول تو غیر مستعمل پڑے۔ اور غالب یہ ہے، لہٰذا کل مطہر ہے، کہ مار مستعمل جب مار غیر مستعمل میں ملجائے، تو جبتک غیر مستعمل مقدار میں زیادہ ہے، مطہر ہے، یہی حکم اس وقت بھی ہے، جب وضو کے قطرے لوٹے میں گرے، کہ جبتک یہ قطرات لوٹے کے پانی کے برابر نہ ہوں، اس سے وضو جائز ہے۔ درمختار میں ہے او ماءً مستعمل فبالاجزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز التطہیر بالکل والا لا وھذا یعم الملقی والملاقی ۔ ردالمحتار میں ہے کالماء المستعمل عند محمد فیجوز الوضوء بالماء مالم یغلب علیہ محیط۔ آب مستعمل کا پینا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے یکرہ شربہ والعجن بہ تنزیہا للاستقذار۔

والله تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۹) مرسلہ حاجی عبداللطیف ایوب صاحب از ٹمرنی ۱۷ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ

(۱) بے وضو آدمی جب پانی پیتا ہے تو اوپر کے لب کا باہری حصہ (جس کا وضو میں دھونا فرض ہے) پہلے پانی سے لگتا ہے تو گویا کہ انسان کے پیٹ میں پہلے مستعمل ہو کر پانی گیا، خلاصہ تحریر فرمائیں۔

(۲) بہار شریعت میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اعضائے وضو دھو کر ہاتھوں میں جو تری باقی رہتی ہے اس سے مسح جائز ہے حالانکہ وہ تری مستعمل ہو جاتی ہے، مسح نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ مسجد میں مستعمل ہونے کی وجہ سے وضو کی تری ٹپکانا

Marfat.com

مکروہ ہے۔

(۳) پاک پانی میں بے وضو کا کوئی حصہ جس کو وضو میں دھونے چاہئیں، دھونے کے ارادے سے پڑنے یا پانی اُٹھانے اور رکھنے میں ہاتھ پڑ جانے سے مستعمل ہو جاتا ہے جیسا کہ بہار شریعت میں ہے کہ بالقصد یا بلا قصد بھی پانی میں لگنے سے مستعمل ہو جاتا ہے۔

**الجواب** (۱) اگر لوٹے کی ٹوٹی سے پانی پیا جب تو اس کا احتمال ہی نہیں، اور کٹورے یا گلاس سے پینے میں اگر بے احتیاطی کرے گا تو البتہ ہونٹ کا بیرونی حصہ پانی میں ڈوبے گا، ورنہ نہیں[۵]، اور اگر پہلے کلی کر چکا ہے اور اس کے بعد حدث واقع نہ ہوا تو اب بیرونی حصہ جو پیشتر دھل چکا ہے، پانی میں پڑا تو مستعمل نہ ہوا، کہ دھلا ہوا حصہ بغیر قصد تقرب پانی میں پڑنے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) تری جو اعضا میں دھونے کے بعد باقی ہے وہ مستعمل نہیں، جب عضو سے ٹپکے گی، اسوقت اُسے مستعمل ہونے کا حکم دیا جائے گا، اور موضع مسح پر اُس تری کا صرف کرنا ویسا ہی ہے، جیسا ہاتھ میں پانی لیکر منھ پر ڈالنا، لہٰذا اس سے مسح جائز ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ واللہ اعلم

(۳) اٹھانے رکھنے میں بھی اگر بے دُھلا ہاتھ گھڑے یا لوٹے میں ڈالا مستعمل ہو جائے گا۔ اور اسکی کامل تحقیق فتاویٰ رضویہ جلد اول رسالہ النمیقۃ الانقیٰ میں دیکھئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** ( ) مسئولہ منشی شوکت علی صاحب از محلہ ذخیرہ بریلی ۵ رذی الحجہ ۴۳ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا مسئلہ ذیل میں :-

"نل کا پانی جیسا کہ بمبئی وکمپ و ریلوے وغیرہ پر ہوتے ہیں پینا جائز ہے یا نہیں، یا کچھ کراہیت ہے یا نہیں"

**الجواب** نل کا پانی بلا کراہیت پینا جائز ہے، ممانعت یا کراہت کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۲۳) مسئولہ عبد الغفار صاحب طالب علم از شہر بریلی محلہ قلعہ ۷ ربیع الاول شریف ۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دہ در دہ حوض میں کلی کرنا یعنی کلی کا پانی حوض میں چھوڑ دینا اور وضو کا تمام پانی اس میں گرانا جائز ہے یا نہیں، زید کا کہنا ہے جائز نہیں ہے، بلکہ حوض ناپاک ہو جاتا ہے۔ بحوالہ کتاب ارشاد ہو اور عبارت بھی منقول ہو۔

[۵] علاوہ ازیں ہونٹ بند کرنے میں جو ہونٹ کا حصہ باہر ہوتا ہے اسی کے پانی میں پڑنے سے پانی مستعمل ہوگا۔ اندرونی حصہ پڑنے سے نہیں پانی پینے میں بیرونی حصے کے [illegible]

Marfat.com

**الجواب** ۔ کلی یا وضو کا پانی آب مستعمل ہے، اور آب مستعمل طاہر غیر مطہر ہے، نجس نہیں اگر حوض میں گر گیا تو حوض ناپاک نہ ہوگا، کہ جب یہ خود ناپاک نہیں دوسرے کو کیا ناپاک کرے گا، اور جبکہ حوض دہ در دہ ہے تو نجاست پڑنے سے بھی ناپاک نہ ہوگا، نہ کہ وضو کے پانی سے۔ درمختار میں ہے وھو طاہر ولو من جنب وھو الظاھر۔ ردالمحتار میں ہے رواہ محمد عن الامام وھذہ الروایۃ ھی المشھورۃ عنہ واختارہ المحققون قالوا علیھا الفتوی ومشائخ العراق نفوا الخلاف وقالوا انہ طاھر عند الکل وقد قال فی المجتبی صحت الروایۃ عن الکل انہ طاھر غیر طھور۔ نیز درمختار میں ہے۔ وکذا یجوز براکد کثیر کذالک ای وقع فیہ نجس لم یر اثرہ ولو فی موضع وقوع المرئیۃ بہ یفتی بحر۔ یہ تو حوض ہے، اگر لوٹے میں وضو کے قطرے ٹپکے تو ناپاک نہ ہوگا، بلکہ جبتک ماء مستعمل غالب نہ ہو وضو بھی جائز۔ ہاں کلی کا پانی قذر[۱] ہے، قصداً حوض میں نہ ڈالے کہ اس میں تنفر عوام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۲۴) از دھوراجی کاٹھیاوار مرسلہ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب ۲۰ر صفر ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ باوڑی میں سور گر گیا باوڑی کا عرض طول دس دس ہاتھ کا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور اسمیں پانی اس قدر کثیر ہے کہ اس کا نکالنا دشوار ہے اور اس میں چشمے جاری ہیں سور کو باوڑی میں گرتے ہوئے دیکھا مگر واپس نکلتے نہیں دیکھا۔ اس واقعہ کو دس روز ہوئے مگر اس کا باوڑی میں ہونا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اب اس باوڑی کے پانی کے لئے کیا حکم ہے۔ آیا وہ پانی پاک ہے یا اس میں سے بحکم شرع شریف پانی نکال کر پاک کیا جاوے بینوا توجروا

**الجواب** ۔ سطح آب جب دہ در دہ ہے یعنی طول وعرض دس دس ہاتھ ہیں تو نجس چیز کے گرنے سے پانی نجس نہ ہوگا درمختار میں ہے وکذا یجوز براکد کثیر کذالک ای وقع فیہ نجس لم یر اثرہ ولو فی موضع وقوع المرئیۃ بہ یفتی بحر۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے الماء الراکد اذا کان کثیراً فھو بمنزلۃ الجاری لا یتنجس جمیعہ بوقوع النجاسۃ فی طرف منہ الا ان یتغیر لونہ اوطعمہ او ریحہ۔ نیز اسی میں ہے والفاصل بین الکثیر والقلیل انہ اذا کان الماء بحیث یخلص بعضہ الی بعض بان تصل النجاسۃ من الجزء المستعمل الی الجانب الآخر فھو قلیل والا فکثیر قال ابو سلیمان الجوزجانی ان کان عشرا فی عشر فھو مما لا یخلص وبہ اخذ عامۃ المشائخ رحمھم اللہ تعالیٰ کذا فی المحیط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[۱] قذر کے معنیٰ گھناؤنے کے ہیں۔ امجدی

Marfat.com

**مسئلہ** (۲۵) از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد مرسلہ حاجی عبداللطیف ایوب صاحب جمادی الآخرہ ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نجس پانی سے بھرے ہوئے برتن کو تھوڑا سا مستعمل پانی ڈالکر بہا دینے سے وہ پانی نجس ہی رہے گا یا مستعمل ہوجائے گا کہ نجاست حقیقی دھونے کے قابل ہوجاوے۔

**الجواب**۔ بظاہر یہ پانی پاک ہوجائے گا اگرچہ اس کا جزئیہ نظر فقیر سے نہیں گذرا اس لئے کہ جب فقہاء کرام بہنے والی چیز نجس کے پاک کرنیکا یہ قاعدہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کی مثل پاک چیز اس پر اسقدر ڈالیں کہ بہہ جائے تو پاک ہوجائیگی حالانکہ وہ مطہر نہیں[۵] ہے تو معلوم ہوا کہ نجس پانی کے طاہر کرنے کے لئے مطہر پانی کا ڈالکر بہانا ضروری نہیں۔ ردالمحتار میں ہے فی القھستانی اول فصل النجاسات مایدل علیہ حیث ذکران المائع کالماء والدبس وغیرھا طھارتہ اما بجرائہ مع جنسہ فیختلطابہ کمار وی عن محمد کما فی التمرتاشی واما بالخلط مع الماء الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پاک پانی سے بھرے ہوئے برتن میں نجاست غیر مرئی پڑکر برتن چھلک کر اوپر سے کچھ بھر جائے اور اوصاف ثلثہ میں سے کوئی ظہور میں نہ آیے تو وہ پانی پاک ہیگا یا ناپاک ہویگا۔

**الجواب**۔ جب برتن میں نجاست پڑگئی تو پانی نجس ہوگیا نجاست کا غیر مرئی ہونا یا اوصاف میں تغیر نہ آنا اُسکو نجاست سے نہیں روکتا، یوں ہی اس پانی کا چھلک جانا بھی اُسے پاک نہ کرے گا تاوقتیکہ اس پر پاک پانی اتنا نہ ڈالا جائے کہ بہ جائے پاک نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۷) از بہادر گنج دہلی مرسلہ جناب قاضی زین العابدین صاحب ۳ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ۔

"حضور نے بہار شریعت حصہ دوم صفحہ ۲۹ ماء مستعمل کے باب میں تحریر فرمایا ہے کہ انگلی کا ایک پور پانی میں بقصد یا بلا قصد پڑجائے تو پانی مستعمل ہوجائے گا اور اُس سے وضو ناجائز ہوگا۔ عرض یہ ہے کہ ایسی احتیاط بہت ہی مشکل ہے خصوصاً اکثر مقام پر جہاں گھڑے سے پانی کھینچا جائے اور اس کو ہاتھ سے لیا جائے جب لانے والا اس کا کنارا اہتمام کرلائے گا تو یقیناً اسمیں چند انگلیاں داخل ہوجائیں گی۔ دوسری گذارش یہ ہے کہ جناب کی عبارت عالمگیری کی اس عبارت کے خلاف ہے

ویشترط ادخال عضو تمام لصیرورۃ الماء مستعملاً فی روایۃ المعروف الخ وبادخال الاصبع والاصبعین لایصیر مستعملاً

---

[۵] مطہر سے مراد مزیل حدث ہے اس لئے کہ ہر مائع مطہر نجاست حقیقیہ ہے۔ ماء مستعمل مطہر اس معنی کر نہیں کہ وہ مزیل حدث نہیں مگر نجاست حقیقیہ پاک کرنے والا ہے۔ درمختار میں ہے یجوز رفع نجاسۃ حقیقیۃ عن محلھا بماء ولو مستعملاً بہ یفتی۔ امجدی

Marfat.com

الخ عالمگیری فصل الثانی فیما لا یجوز به التوضی عالمگیری کی اس روایت میں نہایت یسر ہے جناب کی کتاب میں اسکا حوالہ بھی نہیں ہے، امید کہ تسلی بخش جواب عطا فرمائیں گے۔

**الجواب**۔ بے پرواہی دوسری چیز ہے ورنہ اس پر عمل کرنے میں بالکل دقت و اشکال نہیں ہے گھڑے سے پانی بھرنے والے کو بھی کوئی دشواری نہیں ہے کیونکہ اگر وہ باوضو ہے جب تو انگلی یا ہتھیلی پڑنے میں کوئی حرج نہیں اور بے وضو ہو تو اتنا حصہ ہاتھ کا دھولے جس کو پانی میں ڈالنا ہے اس کی نجاست حکمیہ زائل ہو جائے گی[عہ] اور پانی میں ڈالنے سے مستعمل نہ ہوگا کہ اب ہاتھ کا پڑنا نہ زوال نجاست کے لئے ہے اور نہ بہ نیت تقرب البتہ بہار شریعت میں اس کے متعلق کوئی حوالہ نہیں ہے۔ اور حصہ دوم میں جس طرح دیگر مسائل میں کتابوں کا حوالہ نہیں ہے اسیں بھی نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق فتاویٰ رضویہ جلد اول رسالہ النمیقۃ الانقیٰ میں کتابوں کے حوالے و عبارات اور اس قول کی ترجیح سب کچھ اسیں پائینگے۔

واللہ تعالٰی اعلم

**مسئلہ** (۲۸) مسئولہ مولوی احسان علی سلمہ طالب علم مدرسہ اہلسنت ۲۴ ربیع الآخر ۴۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مینڈک اگر کنویں میں مرجائے یا مر کر پھول پھٹ جائے ان دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے۔

**الجواب**۔ پانی کا مینڈک بلکہ خشکی کا بھی جبکہ بہت بڑا نہ ہو جسیں خون سائل ہوتا ہے اگر کنویں میں مرجائے یا مرا ہوا گر جائے بلکہ پھول پھٹ جائے تو بھی پانی پاک ہے اور اس سے وضو و غسل جائز مگر جب ریزہ ریزہ ہو کر اس کے اجزاء پانی میں مل جائیں تو اس پانی کا پینا حرام ہے[عہ] اور اگر خشکی کا بڑا مینڈک جس میں خون سائل ہو پانی میں مرجائے تو نجس ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے یجوز رفع الحدث بما ذکر وان مات فیہ مائی مولد کسمک وسرطان وضفدع الا بریا لہ دم سائل وھو مالا سترۃ لہ بین اصابعہ فیفسد فی الاصح کحیۃ بریۃ ان لہا دم والالا وکذا الحکم لو مات ماذکر خارجہ والقی فیہ فی الاصح فلو تفتت فیہ نحو ضفدع جاز الوضوء بہ لاشربہ لحرمۃ لحمہ یعنی حدث کا دور کرنا ان چیزوں سے جائز ہے جن کا ذکر کیا گیا اگرچہ اس میں ایسا جانور مرگیا جس کی پیدائش پانی میں ہوتی ہے جیسے مچھلی اور کیکڑا و مینڈک مگر خشکی کا وہ

---

عہ اور اگر وہ بے وضو ہے اور ہاتھ دھونے کے لئے پانی نہیں، جہاں تک ہو سکے گھڑے کو اوپر سے پکڑے، اور اگر اسکی قدرت نہ ہو تو معاف ہے، جیسا کہ جب کسی برتن میں پانی ہو اسے جھکانا دشوار ہو اور کوئی چھوٹا برتن نہ ہو جس سے پانی نکالے تو ہاتھ ڈال کر پانی لینے کی اجازت ہے اور پانی مستعمل نہ ہوگا، کما فی مسئلہ عہ امجدی۔ عہ اس بنا پر نہیں کہ پانی ناپاک ہوگیا بلکہ اسوجہ سے کہ مینڈک کا کھانا پینا حرام ہے جب مینڈک کے اجزاء ریزہ ریزہ ہو کر پانی میں مل گئے ہیں اور پانی پیئے گا تو مینڈک کے اجزاء بھی پانی کے ساتھ پیٹ میں جائیں گے، اور یہ حرام ہے۔ امجدی

Marfat.com

مینڈک جس میں بہتا ہوا خون ہوتا ہے۔ خشکی کا مینڈک وہ ہے جس کی انگلیوں کے درمیان میں جھلی نہ ہو، اسکے مرنے سے اصح یہ ہے کہ پانی ناپاک ہو جائے گا، جیسے جنگلی سانپ جس میں خون ہو۔ اور اگر خون نہ ہو تو پانی فاسد نہیں۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ پانی کے باہر مرا اور پانی میں ڈالدیا گیا، اصح یہی ہے۔ اور اگر مینڈک کے مثل کوئی جانور پانی میں ریزہ ریزہ ہوگیا تو اس سے وضو جائز ہے مگر پینا جائز نہیں، اس لئے کہ اس کا گوشت حرام ہے۔ صح واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۹) مرسلہ عابد حسین صاحب از آبو روڈ کھرارتی جامع مسجد ۶ رجادی الاولیٰ سنہ ۱۳۴۲ھ۔

"یہ امر دریافت طلب ہے کہ ایک چوہا کوئیں میں گر پڑا اور خبر اس وقت ہوئی جبکہ پانی بو دینے لگا اور چوہے کے کچھ بال پانی میں مل گئے، ایسی حالت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے جبکہ کنویں کا پانی ٹوٹتا ہی نہ ہو۔ اور کس وقت تک کی نماز کا اعادہ کیا جائے اور نمازیوں کو اپنے کپڑے دھلنا چاہئے یا نہیں اور غسل کرنا چاہئے یا نہیں اور اس پانی سے جو کھانا وغیرہ پکایا گیا ہے اور جس گھڑے وغیرہ میں پانی بھر اگیا ہے ان کا کیا حکم ہے۔

**الجواب**۔ جس وقت سے خبر ہوئی اس وقت سے کنویں کے نجس ہونے کا حکم دیا جائے گا، تیسیراً اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ درمختار میں ہے "وقالا من وقت العلم فلا یلزمھم شیء قبلہ قیل وبہ یفتیٰ"۔ لہٰذا اس سے پہلے کی نمازوں کا اعادہ واجب نہیں، اور اس سے پہلے بدن یا کپڑوں میں پانی لگا ہے، اُن کے دھونے کی ضرورت نہیں اور جو کھانا پکایا گیا ہے، پاک ہے، برتن وغیرہ بھی سب پاک ہیں، ہاں اگر معلوم ہونے کے بعد وہ پانی بدن یا کپڑے میں لگا تو پاک کیا جائے، اگرچہ جس کے بدن یا کپڑے میں لگا، اُسے معلوم نہ تھا کہ پانی ناپاک ہوگیا ہے، یونہی علم کے بعد گھڑوں میں بھرا گیا تو ہر برتن پاک کر لئے جائیں، اور معلوم ہونے کے بعد جو کھانا پکایا گیا ہے، وہ کتے کو کھلادیں، درمختار میں ہے "وما عجن بہ فیطعم للکلاب" اور کنویں کا پانی کل نکالا جائے، اور جبکہ پانی ٹوٹتا ہی نہیں تو اندازہ کر لیا جائے، اس وقت کنویں میں جتنا پانی ہو، نکال دیں پاک ہو جائے گا، مثلاً اس وقت کنویں میں ہزار ڈول پانی ہے تو ہزار ڈول نکالنے سے پاک ہو جائیگا اگرچہ ہزار ڈول نکالنے کے بعد بدستور ہزار ڈول پانی موجود ہو، اور یہ کہ کتنا پانی ہے، اُس کے معلوم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی لکڑی یا رسی سے پانی ناپ لیں پھر نہایت پھرتی کے ساتھ مثلاً سو ڈول نکالیں اور پھر ناپیں جتنا کم ہو، اُسی حساب سے نکال ڈالیں، مثلاً پہلے دس ہاتھ تھا اور سو ڈول نکالنے کے بعد ناپا تو نو ہاتھ ہوا، تو معلوم ہوا کہ ہزار ڈول کل پانی ہے، بس اسی قدر نکال ڈالیں۔ درمختار میں ہے "وان تعذر نزح کلہا لکونہا معینا فبقدر ما فیہا وقت ابتداء النزح قالہ الحلبی"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

**مسئلہ** (۳۰) مرسلہ حکیم احمد حسین و محمد حسین صاحبان از سکندر پور ضلع بلیا ۵ رجادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ۔

"کسی کنویں میں جوتا گر جائے اور نہ نکلے، زمانہ تین چار ماہ کا گزر جائے تو کیا کیا جائے۔

**الجواب**۔ اگر معلوم ہو کہ جوتا نجس تھا تو اُسے پہلے نکالے، پھر تمام پانی کھینچیں، اب کنواں پاک ہوگا، اور اگر نہ نکال سکیں تو تمام پانی نکالا جائے، پاک ہو جائے گا۔ اور اگر ناپاک ہونا معلوم نہیں تو بیس[عہ۱] ڈول پانی نکال ڈالیں پانی پاک ہے طریقہ محمدیہ و حدیقہ ندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے سئل الامام الخجندی عن رکیة وهی البئر وجد فیها خف ای نعل تلبس ویمشی بها صاحبها فی الطرقات لا یدری متیٰ وقع فیها ولیس علیه اثر النجاسة هل یحکم بنجاسة الماء قال لا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے لو وقعت فی البئر خشبة نجسة او قطعة ثوب نجس وتعذر اخراجها وتغیبت فیها طهرت الخشبة والثوب تبعا لطهارة البئر کما فی الظهیریه۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۱) مسئولہ مسلمانان محلہ سہسوانی ٹولہ شہر کہنہ بریلی شریف ۱۰ رشوال ۱۳۴۱ھ۔

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسجد کے کنویں سے چمار پانی بھرے اور غسل کرے تو اُس پانی سے وضو وغیرہ میں حرج ہوگا یا نہیں، چمار کو مسجد کے کنویں سے پانی بھرنے دینا چاہیے یا نہیں، ایک مسلمان مسجد کے کنویں سے پانی بھرنے اور نہلانے کی اجازت دیتا ہے۔

**الجواب**۔ کنویں سے اگر چمار نے پانی بھرا اور غسل کیا تو فقط اتنی بات پر پانی کے نجس ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا، مگر پھر بھی ہندؤں خصوصاً چماروں سے اگر احتراز ہو تو بہتر ہے، کہ اُن کے یہاں طہارت و نجاست میں امتیاز نہیں اور نجس برتن کنویں میں ڈالنے کو برا نہیں جانتے،　　واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۲) مسئولہ ابرار حسین صاحب　　۲۰ رمحرم ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کنویں میں ایک اوپلا گر گیا، اُس کو نکالنا چاہا، مگر نکل نہ سکا بلکہ نیچے تہہ میں بیٹھ گیا، اس صورت میں کیا حکم ہے، اور کنویں کا پانی ٹوٹنا ممکن[عہ۲] ہے بینوا توجروا۔

---

عہ۱ ردالمحتار میں ہے فی الخانیہ لو وقعت الشاة وخرجت حیة ینزح عشرون دلوا لتسکین القلب لا للتطهیر حتی لو لم ینزح وتوضأ جاز۔ جیسے بکری پاک ناپاک ہر جگہ اٹھتی بیٹھتی ہے، اسی طرح جوتا ہر جگہ پہنچتا ہے جس طرح یہاں بیس ڈول کا حکم ہے اسی طرح طمانیت قلب کے لئے بیس ڈول نکالنے کا حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم　امجدی عہ ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قدور المجوس قال انقوها غسلا واطبخوا فیها۔ دوسری روایت میں انھیں سے ہے انه قال یا رسول اللہ انا بارض اهل الکتاب فنطبخ فی قدورهم ونشرب فی آنیتهم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لم تجد وا غیرها فارحضوها بالماء۔ مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب مدظلہ العالی

عہ صفحہ ۲۳ پر

Marfat.com

**الجواب** ۔ عین نجاست اگر کنویں میں گرجائے تو اس کو نکالنے کے بعد پانی نکالا جائے، اور اگر اس کا نکالنا متعذر ہو، تو جبتک یہ گمان نہ ہو کہ گل سڑکر مٹی ہوگئی ہوگی اُس وقت تک پانی پاک نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:۔

ینزح کل مائہا بعد اخراجہ الا اذا تعذر کخشبۃ او خرقۃ متنجسۃ ۔ ردالمحتار میں ہے واشار بقولہ متنجسۃ الیٰ انہ لابد من اخراج عین النجاسۃ کلحم میتۃ وخنزیر اھ قلت فلو تعذر ایضاً ففی القہستانی عن الجواہر لو وقع عصفور فیہا فعجزوا عن اخراجہ فمادام فیہا فنجسۃ فتترک مدۃ یعلم انہ استحال وصار حمأۃ وقیل مدۃ ستۃ اشہر اھ مگر مینگنی اوپلا اگر گرجائے تو بوجہ ضرورت فقہاء نے معافی کا حکم دیا ہے، کہ اس میں پانی نکالنے کی حاجت نہیں جبتک زیادہ نہ ہو۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے وبعر الابل والغنم اذا وقع فی البئر لایفسد مالم یکثر ھکذا فی فتاویٰ قاضی خاں رفی الجامع الصغیر الصحیح انہ لافرق بین الصحیح والمنکسر والرطب والیابس کذا فی الخلاصۃ ولا فرق بین الروث والخثی والبعر ھکذا فی الھدایۃ ولا فرق بین آبار المصر والفلوات کذا فی التبیین وھوالصحیح لان الضرورۃ قد تقع فی الجملۃ فی المصر ایضاً کما فی الحمامات والرباطات کذا فی محیط السرخسی ہاں اگر چاہیں تو تطییب قلب کے لئے بیس[۲] ڈول نکال دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۴۳) کنویں میں مینڈک گرا اور پیٹ پھٹ گیا اور مرگیا یا خون نکل آیا مگر مرا نہیں۔ اس صورت میں کتنا پانی نکالا جائے، اسی طرح چوہے، چھچوندر اور کوّے کے گرنے سے کتنا پانی نکالا جائے۔

**الجواب** ۔ مینڈک کے پھولنے یا پھٹنے سے پانی ناپاک نہ ہوگا، ہاں جنگلی بڑے مینڈک جن میں خون ہوتا ہے، یہ چوہے کے حکم میں ہے، چوہا یا چھچوندر کے مرنے سے بیس سے تیس[۳] ڈول تک نکالیں، اور پھولا یا پھٹا ہو تو کل اور کوّا گرکر مرگیا تو چالیس سے ساٹھ تک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[۲] اگر اوپلا زیادہ تھا تو کل پانی نکالا جائے، کنواں ٹوٹتا نہیں تو اندازہ کرلیا جائے کہ اس میں کتنا پانی اوپلا گرنے کے وقت تھا۔ مثلاً پانسو ڈول ہزار ڈول اتنا نکال دیا جائے۔ اسکی ترکیب اوپر گزری۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ جس ڈول سے پانی نکالنا مقصود ہے اس کا مربع نکال لیا جائے، اور کنویں میں جتنی دور تک پانی تھا اس کا مربع نکال کر حساب لگالیا جائے کہ اس ڈول سے اتنا پانی کنویں میں تھا۔ قلیل وکثیر کا معیار فقہاء نے کچھ نہیں مقرر فرمایا۔ اُسے مبتلیٰ بہ پر چھوڑ دیا۔ درمختار میں ہے القلیل المعفو عنہ مایستقلہ الناظر والکثیر بعکسہ وعلیہ الاعتماد۔ امجدی۔ [۳] نورالایضاح ومراقی الفلاح میں ہے وان مات فیہا دجاجۃ او ھرۃ او نحوھما فی الجثۃ ولم تنتفخ لزم نزح اربعین دلوا۔ وان مات فیہا فارۃ او نحوھا کعصفور ولم تنتفخ لزم نزح عشرین دلوا۔ اور ظاہر ہے کہ جنگلی بڑا مینڈک جتنے میں چوہے کے برابر ہے اور کوّا، مرغی کے برابر واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

Marfat.com

**مسئلہ** (۳۴) از شہر اندور محلہ نیا پورہ مرسلہ ماسٹر عبد الغفار صاحب دوکاندار ۱۵ رجمادی الاولیٰ ۸۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ کنویں میں ایک کچھوا مر گیا اور پھول گیا یا پھٹ گیا اور پانی میں بدبو آنے لگی، لوگوں سے وضو نہیں کیا جاتا، اب یہ پانی پاک ہے یا نہیں اور اس سے وضو کرنا کیسا ہے اور جو لوگ اس پانی سے وضو کرتے ہیں ان کی نماز کامل ہوئی یا نہیں۔

**الجواب**۔ کچھوا پانی کا جانور ہے پانی میں پیدا ہوتا ہے اور پانی میں رہتا ہے ایسے جانور کے پانی میں مرجانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا بلکہ گل سڑ جانے پر بھی پانی پاک رہتا ہے۔ لہذا جن لوگوں نے اُس پانی سے وضو کیا اُن کے وضو کو باطل اور نماز کو فاسد و ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اگر پانی میں بدبو آگئی ہے تو تنظیف و تطییب قلب کے لئے اتنا پانی نکلوا دینا چاہئے کہ بدبو جاتی رہے، کیونکہ بدبو سے بچنا بہتر ہے، جس طرح لہسن، پیاز پاک ہے مگر بدبو کی وجہ سے کچے کا کھانا مکروہ قرار پایا، بلکہ اگر پانی میں اتنی بدبو پیدا ہو گئی کہ وضو و غسل کے بعد بدن سے بدبو آنے لگی تو ایسی حالت میں وضو کر کے مسجد میں جانا منع ہو گا، اگرچہ پانی ناپاک نہیں ہے وضو ہو جائے گا۔ اور اگر پھٹ کر اس کے اجزا پانی میں مل گئے تو اگرچہ پانی ناپاک نہیں ہے مگر اس پانی کا پینا ناجائز ہے درمختار میں ہے ویجوز رفع الحدث بماذکر وان مات فیہ غیر دموی کزنبور وعقرب وبق ومائی مولد کسمک وسرطان وضفدع فلو تفتت فیہ نحو ضفدع جاز الوضوء بہ لا شربہ لحرمۃ لحمہ۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کنویں سے پھٹا ہوا گرگٹ نکلا تو کنویں کا تمام پانی نکالا جائے گا یا نہیں، اور تمام پانی نکالنے کی صورت میں اگر اس طرح نکالا گیا کہ ایک روز دن بھر پانی کھینچا گیا مگر وقفہ دیکر، یہاں تک کہ نصف ڈول گدلا آنے لگا پھر دوسرے دن بھی ایسا ہوا۔ بہرحال اندازہ کے مطابق کنویں کا کل پانی نکل گیا لیکن نیا پانی آتا رہا اور متواتر نہیں کھینچا گیا، ایسی حالت میں کنواں پاک ہوا یا نہیں۔

**الجواب**۔ اس صورت میں کل پانی نکالنے کا حکم ہے۔ اور جو کنواں ایسا ہے کہ اس کا کل پانی نکالا جا سکتا ہے یعنی پانی کی آمد اتنی نہ ہو کہ جتنا نکالتے ہیں اتنا ہی آجاتا ہے اور کل پانی نکالنے میں کنواں کے پھٹنے اور گرجانے کا گمان بھی نہ ہو تو وہاں کل نکالنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اتنا نکل جائے کہ نصف ڈول نہ بھرے، لہذا اگر اتنا نکال لیا تھا تو پہلے دن پاک

حاشیہ۔ حدیث میں ہے فان الملئکۃ تتاذی مما یتاذی بہ الناس ۔ مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب، مدظلہ العالی

Marfat.com

ہوگیا اگرچہ وقفہ کے ساتھ نکالا ہو، اور اگر کچھ کمی رہ گئی تھی مثلاً ابھی نصف ڈول بھرتا تھا اور چالیس یا پچاس ڈول اور نکالے جاتے تو نہ بھرتا مگر نکالا نہیں تو دوسرے دن پھر سے کل پانی نکالنے کی ضرورت نہیں، بلکہ جتنے ڈول باقی رہ گئے تھے وہ نکال لیں کنواں پاک ہوجائے گا۔ اور اگر کنویں میں آمد زیادہ ہو یا شکستہ ہونے کا گمان ہو تو نجس ہونے کے وقت جتنا پانی کنویں میں موجود ہو نکال ڈالیں پاک ہوجائے گا، اس کی تفصیل بہار شریعت میں دیکھ لیجئے۔ درمختار میں ہے یلزم الماء الی حد لا یملأ نصف الدلو یطہر الکل تبعًا ولو نزح بعضہ ثم زاد فی الغد نزح قدر الباقی فی الصحیح ــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۶) ہنود کو نہلا کر کنویں میں گھسایا تو کتنا پانی نکالنا چاہئے۔ اور بغیر نہلائے گھسا تو کتنا نکالنا چاہئے۔

**الجواب**۔ نہلا کر پاک کپڑا پہنا کر گھسایا تو احتیاطاً بیس[ا] ڈول[عہ] اور اگر بے نہلائے گھسا اور معلوم ہے کہ پیشاب کیا ہے یا اپنا وہی کپڑا پہنے ہوئے ہے جسے پیشاب کرکے باندھے ہوا تھا۔ تو کل پانی نکالا جائے۔ اور کچھ معلوم نہ ہو تو ناپاکی کا حکم نہ دیں گے مگر احتیاطاً کل پانی نکالیں[عہ]۔ ــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۷) جو مسلمان پابند صوم وصلوٰۃ ہوں وہ کنویں میں گھسیں تو کتنا پانی نکالنا چاہئے وضو سے ہوں، یا بے وضو۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ پاک ہے تو کچھ نہیں اور اگر بے وضو ہے اور بقدر ضرورت پانی کے اندر داخل ہوا تو پانی مستعمل بھی نہ ہوا۔ اور قدر ضرورت سے زیادہ اعضائے وضو پانی میں پڑے تو پانی مستعمل ہوگیا۔ بیس[ل] ڈول نکالنا کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۸) جس مسلمان نے پیشاب کرکے ڈھیلے سے استنجا کیا، پانی سے نہیں، وہ کنویں میں گھسا تو کتنا پانی نکالنا چاہئے۔

**الجواب**۔ صحیح[ت] یہ ہے کہ کل پانی نکالا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۹) جس مسلمان نے پاخانہ پھر کر ڈھیلے سے استنجا کیا اور پانی سے نہیں، وہ کنویں میں گھسا تو کتنا پانی نکالنا چاہئے۔

**الجواب**۔ کل پانی۔ ــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

---

ا۔ تطییب قلب کیلئے۔ امجدی۔ حاشیہ عہ یہاں احتیاطاً کل پانی نکالنے، کلی حکم اس وجہ سے ہے کہ عادت ہے کہ پیشاب کرکے طہارت نہیں کرتے تو ان کے کپڑے اور بدن کے ناپاک ہونیکا احتمال قوی ہے۔ ردالمحتار میں ہے ان الکافر اذا وقع فی البئر وھو حی نزح الماء لانہ لا یخلو من نجاسۃ حقیقیۃ او حکمیۃ اقول لعل نزحھا للاحتیاط، تامل۔ امجدی۔ ل۔ ردالمحتار میں ہے مذہب محمد انہ یسلبہ الطھوریۃ وھو الصحیح عند الشیخین فینزح منہ عشرون لیصیر طھورًا۔ دو سطر بعد ہے، فینزح ادنی ما ورد بہ الشرع وذالک عشرون احتیاطا عن البدائع۔ امجدی۔ ت۔ غنیہ ہے وان کانت علیٰ بدنہ او ثوبہ نجاسۃ حقیقیۃ او کان مستنجیا بنحو حجر دون ماء تنجس الماء کلہ۔ نیز شامی میں ہے المستنجی بالحجر اذا دخل الماء فانہ ینجسہ لان غیر المائع لم یعتبر مطہرا فی البدن الا فی المنی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

**مسئلہ** (۴۰) عورتوں کو لہنگا پہنکر جیسا ہنود کے یہاں پہنتے ہیں کنویں پر چڑھکر پانی بھرنا چاہئے یا نہیں، یونہی تہبند باندھکر۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ کنویں سے پانی بھرنے میں کوئی حرج نہیں مگر مسلمان عورتوں کو لہنگا پہننا، ناجائز ہے کہ ہنود سے مشابہت ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۴۱) محی الدین صاحب عرف لعل محمد ڈاکخانہ قصبہ منڈوا ضلع فتحپور ہسوہ ۲۵ رجادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ

"ہمارے یہاں جتنے کنویں ہیں کسی میں احتیاط نہیں، پاک اور ناپاک گھڑے ڈالے جاتے ہیں، ہندو، مسلمان سب بھرتے ہیں، اپنی حکومت نہیں کہ عوام کو نجس اور ناپاک گھڑے ڈالنے سے منع کیا جائے، اور نہ اپنے پاس اتنا سرمایہ کہ بذاتِ خاص کنواں تعمیر کرایا جائے۔ ایسی حالت مجبوری میں کیا کرنا چاہئے، کس امام کے مسئلہ پر عمل کرنا چاہئے اور اس مسئلہ کا مضمون کیا ہے۔

**الجواب**۔ ناپاک گھڑے اگر کنویں میں ڈالے جاتے ہوں تو کنواں ناپاک ہوجائے گا، مگر جب تک ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو محض احتمال نجاست ہونا کافی نہیں۔ محض شبہہ کی وجہ سے نجاست کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ اگر وہاں مسلمان کے خاص کنویں نہیں ہیں تو مساجد کے کنویں ضرور مسلمانوں کے ہوں گے، ان کو ہی نجاست سے محفوظ رکھا جائے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۴۲) از مارواڑ جنکشن مرسلہ غلام احمد صاحب قادری رضوی امام مسجد ۵ رجب ۱۳۵۶ھ۔

"کوا کنویں میں گر گیا ہے اور کہیں کنویں کے دروں میں گھس گیا بہت تلاش کیا پتہ نہ لگا اب ہندو لوگ اس کنویں سے پانی پیتے ہیں، مسلمانوں نے بند کر رکھا ہے، اور یہی کنواں نزدیک ہے مسلمانوں کو بڑی تکلیف ہے، یہ کنواں کتنے روز بند رکھا جائے۔

**الجواب**۔ اگر معلوم ہے کہ کوا کنویں میں ہی رہ گیا، اس سے نہیں نکلا اور اسمیں مرگیا تو جب غالب گمان ہوجائے کہ سڑ کر مٹی ہوگیا، اس وقت کنواں[عــ۵] پاک ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے لو وقع عصفور فیہا فعجزوا عن اخراجہ فمادام فیہا فنجسۃ فتترک مدۃ یعلم انہ استحال وصار حمأۃ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۴۳) از خانقاہ سراجیہ برکت آباد محلہ برکت پورہ مقام مالیگاؤں ضلع ناسک مرسلہ عبدالرحمٰن۔

۱۸ ربیع الآخر ۱۳۵۹ھ ہجری

(۱)۔ کبھی کبھی کنویں میں پختہ اینٹ کا ٹکڑا جو نجاست میں تھا، اور کلوخ کا پختہ ڈھیلا، یا نجاست میں پڑا ہوا لوہا، جوتا،

---

حاشیہ۔ حدیث من تشبہ بقوم فہو منہم۔ مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب مدظلہ العالی۔ حاشیہ[عــ۵]۔ یعنی جس وقت جانور سڑ کر مٹی ہوجائے تو پورا پانی نکالنے سے پاک ہوگا۔ پانی نکالے بغیر ہی پاک ہونا مراد نہیں۔ وصرح بہ فی البحر فی بہار شریعت وہذا ہو المفہوم من ردالمحتار۔ واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

چپل اور گیند وغیرہ تھوڑا تھوڑا گرا کرتا ہے۔ زید کہتا ہے کہ مذکورہ چیزوں کا کنویں سے نکالنا ضروری نہیں کیونکہ پانی نکالتے نکالتے خود ہی دھل گئی۔ بکر کہتا ہے، پہلے مذکورہ چیزوں کو نکال لینا چاہئے، اگر اندر پڑی رہ گئی اور بقدر نجاست پانی نکالا گیا، تو پانی پاک نہ ہوگا بلکہ جوں کا توں رہے گا۔ جناب مفتی صاحب! آپ کی تحقیق میں کس کا کہنا صحیح ہے، کس کا غلط۔

ع۲۔ ایک بے نمازی بچہ والی عورت جو ہوش و حواس سے تھی ڈوبنے کی غرض سے جان بوجھ کر کنویں میں گری، اور تین چار گھنٹے بعد وہ زندہ نکال لی گئی۔ اس حال میں کہ اس کے ہوش و حواس سب درست تھے۔ تو اس کنویں کا پانی پاک ہے یا نجس۔

**الجواب**[۱]۔ پہلے اس چیز کو کنویں سے نکالیں اس کے بعد پانی نکالیں، ہاں جو چیزیں خود نجس نہیں ہیں، بلکہ نجاست لگنے سے ہیں، اگر ان کا نکالنا دشوار ہے تو پانی نکالنے کے بعد طہارت کا حکم دیا جائے گا۔ درمختار میں ہے۔ ینزح کل ماءھا بعد اخراجہ الا اذا تعذر کخشبۃ او خرقۃ متنجسۃ فینزح الماء الی حد لا یملأ نصف الدلو یطھر الکل تبعا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**الجواب**[۲]۔ اگر اس کے کپڑے نجس تھے، یا بدن پر نجاست لگی تھی، یا پاخانہ پیشاب نکل گیا تو کل پانی نکالا جائے۔ اور اگر کسی نجاست کا علم نہیں ہے تو بیس ڈول نکال لیں ـــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۴۴) مرسلہ حکیم ابو محمد عبد الرزاق صاحب امام مسجد از موڑہ محلہ کرستان پاڑہ ۱۴ رجادی الاخریٰ سنہ ۱۳۴۱ھ

"اس وقت جو سوتی اور اونی موزے رائج ہیں ان پر مسح جائز ہے یا نہیں، مسافر ہو یا مقیم"

**الجواب**۔ یہ موزے جو عموماً سوتی یا اونی پہنے جاتے ہیں، ان پر مسح کافی نہیں، پاؤں دھونا لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۴۵) از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۲۲ مرسلہ مولوی احمد خاں سلمہٗ یکم ذی الحجہ ۵۴ھ۔

"صاحب عذر کے لئے موزوں پر مسح کی مدت کتنی ہے۔ معذور نے صبح کے وقت وضو کرکے موزہ پہنا تو وہ بحالت اقامت ایک دن ایک رات، اور سفر میں تین دن تین رات مسح کرسکتا ہے یا نہیں، براہ کرم کسی قدر تفصیل فرمائی جائے۔

**الجواب**۔ معذور کے لئے مسح موزہ میں وہی تمام احکام ہیں جو صحیح کے لئے ہیں۔ اگر مقیم ہے تو ایک دن ایک رات مدت مسح ہے۔ اور مسافر ہے تو تین دن تین راتیں۔ صبح کے وقت موزہ طہارت کاملہ پر پہنا اس کا وضو طلوع آفتاب سے جاتا رہا۔ لہٰذا اس وقت سے یعنی طلوع آفتاب سے مدت مسح شمار ہوگی۔ اور دوسرے دن طلوع آفتاب سے بوجہ عذر وضو منقوض ہوگا، مدت مسح بھی ختم ہو جائے گی، یعنی اب مسح نہیں کرسکتا، موزہ کا اُتارنا لازم ہے (اور پاؤں دھونا فرض ہے) واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

**مسئلہ** (۴۶) کیا فرماتے علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید جماع کی غرض سے اپنی بیوی کے پاس گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی حائضہ ہے، تو زید نے اعلام کے لئے کہا، اس پر اسکی بیوی نے انکار کیا لیکن زید نے جبراً اپنی بیوی کے ساتھ اعلام کیا اور کہا اگر تو نے کسی سے کہا تو جان سے مار ڈالوں گا۔ اب وہ عورت اپنے گھر پر ہے اور اسی خوف سے سسرال جانا نہیں چاہتی کہ مار نہ ڈالے۔ ایسی صورت میں شارع علیہ السلام کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب۔** حالت حیض میں ناف سے گھٹنوں تک کسی مقام سے استمتاع حرام ہے، نہ کہ وطی فی الدبر کہ یہ اشد حرام، سید المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اُوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نساؤکم حرث لکم فأتوا حرثکم الآیہ اقبل وادبر واتق الدبر والحیضۃ پیچھے کے مقام اور حیض میں جماع کرنے سے بچو، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ملعون من اتی امرأتہ فی دبرھا ملعون ہے وہ جو اپنی عورت سے پیچھے کے مقام میں وطی کرے رواہ احمد وابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور فرماتے ہیں ان الذی یاتی امرأتہ فی دبرھا لاینظر اللہ الیہ جو ایسا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہ فرمائیگا رواہ فی شرح السنۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور روایت ترمذی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں ہے لاینظر اللہ الی رجل اتی رجلا او امرأۃ فی الدبر جو شخص مرد یا عورت کے پیچھے کے مقام میں وطی کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا۔

عورت کو وہاں جانے میں جبکہ اپنی جان کا خوف ہے تو جبتک کافی اطمینان نہ کرلے اور شوہر اس حرکت خبیثہ سے باز نہ آئے اُس وقت تک اُس کے یہاں جانے سے اپنے کو روکے ———— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۴۷) مرسلہ مولوی غلام محی الدین الجیلانی علیگڈھی مدرس اول مدرسہ جامع مسجد کرنال شریف۔

عورت کے پیشاب کے مقام سے جو سفید رطوبت نکلتی ہے کیا وہ بھی پاک ہے، بہار شریعت میں رطوبت کو پاک لکھا ہے، سفید اور غیر سفید کی کوئی تفصیل نہیں۔

**الجواب۔** فرج خارج[۱] کی رطوبت ناپاک نہیں ہے، عموماً یہ رطوبت سفید ہی ہوتی ہے رد المحتار میں ہے واما رطوبۃ الفرج

[۱] فرج خارج کی ہو یا داخل کی دونوں کی رطوبت پاک ہے۔ درمختار میں ہے ان رطوبۃ الفرج طاھرۃ عندہ، اسکے تحت رد المحتار میں ہے ای الداخل اما الخارج فرطوبتہ طاھرۃ بالاتفاق۔ نعم یدل علی الاتفاق کونہ لہ حکم خارج البدن فرطوبتہ کرطوبۃ الفم والانف والعرق الخارج من البدن ص۱۱۳ اقول وقد صرح ص۲۳۳ ولذ النقل فی التاترخانیۃ ان رطوبۃ الولد عند الولادۃ طاھرۃ وکذا السخلۃ اذا خرجت من امھا وکذا البیضۃ فلا یتنجس بھا الثوب ولا الماء اذا وقعت فیہ لکن یکرہ التوضی بہ للاختلاف وکذا الانفخۃ ھو المختار (ص۲۹ پ)

Marfat.com

الخارج نظاھرۃ اتفاقا الخ وفی منہاج الامام النووی رطوبۃ الفرج لیست بنجسۃ فی الاصح قال ابن حجر فی شرحہ وھی ماء ابیض متردد بین المذی والعرق یخرج من باطن الفرج الذی لایجب غسلہ بخلاف مایخرج مما یجب غسلہ فانہ طاھر قطعا ومن وراء باطن الفرج فانہ نجس قطعا ککل خارج من الباطن کالماء الخارج مع الولد او قبیلہ الخ....

**مسئلہ** (۴۸) مسئولہ حافظ علی احمد خاں صاحب از بریلی محلہ جبولی ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو مرض کی وجہ سے ہر وقت پیشاب کا قطرہ آتا ہے، وہ کس طرح نماز پڑھے گا۔

**الجواب** ۔ اگر یہ مرض حد عذر کو پہونچ گیا ہو، یعنی ایک وقت پورا ایسا گزر گیا کہ طہارت کے ساتھ فرض نماز ادا نہ کرسکا، تو وہ معذور ہے، وقت میں ایکبار وضو کرے اور جتنی چاہے اُس وضو سے نماز پڑھتا رہے، اس قطرہ کے آنے سے اُس کا وضو نہ جائے گا، بلکہ اس کا وضو خروجِ وقت سے ٹوٹے گا، پھر جب تک اندر وقت کے ایکبار بھی قطرہ آتا رہے گا، وہ معذور ہی ہے اور اُس کے لئے معذور کے احکام، اور اگر پورا وقت گذر گیا اور قطرہ نہ آیا، تو اب معذور نہ رہا۔ پھر اگر پاک کپڑے سے نماز ادا کرسکتا ہے، تو پاک سے ادا کرے۔ اور بغیر قدر مانع کے ادا نہیں کرسکتا ہے، تو اُسی حالت میں پڑھے جہانتک تقلیل نجاست ممکن ہو عمل میں لائے، اور جو نا ممکن ہو معاف ہے لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا اور اگر شخص روئی وغیرہ رکھکر قطرہ بقدر ادائے فرض روک سکتا ہے، تو ایسا کرنا واجب ہے، بلکہ اگر رکوع سجود کرنے سے قطرہ آتے ہیں اور کھڑا

(بقیہ ص ۲۸) یہ حکم اسوقت ہے کہ شرمگاہ کی رطوبت کے ساتھ کوئی نجاست نہ ہو مثلاً خون یا مذی یا منی۔ اسی میں اسی صفحہ پر ہے وھذا اذا لم یکن معہ دم ولم یخالط رطوبۃ الفرج مذی او منی من الرجل والمرأۃ۔ یونہی اسی میں ہے کہ اندرون شرمگاہ کی رطوبت اگر بدن یا کپڑے پر لگ جائے تو دھولیں تاکہ اختلاف علماء سے بچیں طحطاوی علی المراقی میں ہے لاینجس المائع وقوع بیضۃ طریۃ من بطن دجاجۃ ولا وقوع سخلۃ من بطن امہا ولو کانت رطبۃ ما لم یعلم ان علیھا قذرا لان رطوبۃ المخرج لیست بنجسۃ۔ رہ گئی رحم کی رطوبت تو اس کے بارے میں کوئی تصریح کہیں نہیں ملی، مگر ابھی ردالمحتار سے گزرا کہ پیدائش کے وقت بچے کے جسم پر جو رطوبت ہوگی وہ پاک ہے اور یہی حکم بکری کے بچے اور انڈے کا بھی ہے۔ اس سے ظاہر کہ رحم کی رطوبت بھی پاک ہے۔ جد الممتار میں اس کے تحت ہے، ظاھرہ ان رطوبۃ الرحم ایضا طاھرۃ بخلاف ما تقدم من ابن حجر من ان الخارجۃ من وراء باطن الفرج نجس ۔ علاوہ ازیں قاضی خاں سے اُسی میں ہے، قال فی مسئلۃ السخلۃ انہا لا تفسد الماء علی قیاس قول ابی حنیفۃ، اسے نقل کرکے جد الممتار کی منہیہ میں فرمایا، فھذا النص منہ ان عدم الافساد فبنی علی طھارۃ تلک الرطوبۃ فی نفسھا لا لعدم الانفصال فانہا قضیۃ مجمع علیھا غیر مختصۃ بقول الامام کما لایخفی۔ اھ امجدی

Marfat.com

یا بیٹھا رہے تو نہیں آتے، تو بجائے رکوع وسجود اشارہ کرے، درمختار میں ہے یجب ردّ عذرہ او تقلیله بقدر قدرته ولو بصلاته مؤمئا و بردہ لا یبقی ذا عذرٍ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۴۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید کو بواسیر کا عارضہ ہے اور قریب قریب ہر وقت پانی بہتا رہتا ہے، تو کیا یہ کافی ہوگا کہ پاخانہ کے مقام پر کپڑا باندھ لیا جائے اور ہر وقت تازہ وضو کرکے نماز پڑھے، کتنے وقت تک یہ پانی جاری رہنے پر معذور کے حکم میں ہو سکتا ہے۔ اور معذور کی تعریف کیا ہے۔

**الجواب** - ہر وقت جب رطوبت خارج ہوتی رہتی ہے تو معذور ہے، ایک وقت میں جو وضو کیا اس وقت میں اس وضو سے جتنی نمازیں چاہے پڑھے، اس رطوبت کے خارج ہونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ معذور کی تعریف اور اسکے باقی احکام بہار شریعت حصہ دوم میں دیکھ لیجئے، جو آپ کے پاس غالباً موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۵۰) از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۲۲ مرسلہ مولوی احمد خاں سلمہٗ یکم ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ۔

"ایسا شخص جسے کچھ روز تک تو تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد حدث ہو جایا کرتا ہے اور کچھ دنوں اسکے خلاف، تو وہ صاحب عذر ہوگا یا نہیں ـــــ **مسئلہ** (۵۱) صاحب عذر کا وضو خروجِ وقت سے جاتا رہتا ہے، یا جس وقت میں وضو کیا ہے، اس وقت کی نماز ادا کرنے کے بعد۔

**الجواب[۱]** - معذور ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ نماز کا پورا ایک وقت اس حالت میں گذر گیا کہ طہارت کے ساتھ نماز فرض نہ پڑھ سکا۔ ایک وقت ایسا ہونے کے بعد وہ صاحب عذر ہوگا۔ اس کے بعد اگر وقت کے اندر ایک مرتبہ بھی وہ حدث ہو جایا کرے، تو صاحب عذر رہے گا، ہاں اگر پورا وقت نماز عذر سے خالی گذر گیا، صاحب عذر نہ رہا، اب پھر صاحب عذر اسوقت ہوگا کہ پہلی حالت پیدا ہو جائے، یعنی پورا وقت اس طرح گذرا کہ طہارت کے ساتھ فرض نماز ادا نہ کرسکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**الجواب[۲]** - صاحب عذر کا وضو خروج وقت سے جاتا ہے، اس وقت کی نماز ادا کرنے سے نہیں جاتا جبتک نماز کا وقت خارج نہ ہو جتنی نمازیں چاہے پڑھتا رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۵۲) مرسلہ اسمٰعیل صالح محمد صاحب از رانا واؤ ضلع کاٹھیاوار ۴ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ۔

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دھوبی کو اگر ناپاک کپڑا دیا جائے تو پاک ہو کر آتا ہے یا نہیں، مولوی محمد حسین صاحب

حاشیہ - ۵ حدیث عمران بن حصین انی کنت رجلا مبسورًا - حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب مدظلہٗ العالی

Marfat.com

سورت والے سے سُنا گیا ہے کہ ناپاک ہو کر آتا ہے، اور راناواڈ کے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ پاک ہو کر آتا ہے۔

**الجواب** - بہتر تو یہی ہے کہ پاک کر کے دھوبی کو کپڑے دیئے جائیں، اور ناپاک کپڑا دیا تو دھل کر پاک ہو جائے گا، مگر جبکہ نجاست مرئیہ قابل زوال تھی، اور زائل نہ ہوئی کہ یوں اگر خود بھی دھوتا تو پاک نہ ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۵۳) مرسلہ حاجی عبداللطیف ایوب صاحب بر دکان حاجی خانو حاجی ولی ٹمرنی ۹ رجادی الآخر ۴۲ھ

"گذارش یہ ہے کہ بہار شریعت میں نجس چیزوں کے پاک کرنے کے باب میں یہ مسئلہ ہے کہ جو کنکری زمین کے اوپر ہے خشک ہونے سے پاک نہ ہوگی۔ پوچھنا یہ ہے کہ کوئی ایسی زمین نہ ہوگی جہاں کنکریاں نہ ہوں اور شہر سے متصل کی جگہ اور عام راستے جہاں پر لوگوں کا چلنا پھرنا ناپاک ترجوتوں سے اور جانوروں کا اکثر وہاں ٹھہرنا جہاں بول و براز کرتے ہوں کوئی زمین ایسی ہوتی نہیں جس کو جھاڑو و دیکر صاف کی گئی ہوں، اور ریتے کی جگہ، تو کل ریتے کی کنکریاں زمین کے اوپر ہی ہوتی ہیں، تو ایسی جگہ نماز و قتیہ یا نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، کیونکہ ایسی جگہ کی کنکریوں کے بارے میں جانوروں کے پیشاب سے ناپاک ہونے کا احتمال ہوتا ہے، کہ اکثر جانوروں کا گذر اور ٹھہرنا ہوتا ہے، اور لوگوں کا ناپاک ترجوتوں سے چلنا پھرنا بھی ہوتا رہتا ہے اور ایسی کوئی زمین نہیں جہاں کنکریاں نہ ہوں کہ سوکھ جانے سے پاک مان لیا جائے اور ایسی جگہ ہمارے دھوراجی میں ندی کا میدان ریت کا ہے، اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، کہ وہاں اکثر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، وہاں جاڑوں کے دنوں میں اکثر جانوروں کی گذرگاہ رہتی ہے جہاں کی سب کنکریاں زمین سے جدا ہیں اور اس جگہ بغیر بارش پانی نہیں گرتا کہ دھوئی جائے تو کیا حکم ہے۔

**الجواب** - نجاست کے معاملہ میں یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب تک نجس ہونا معلوم نہ ہو نجاست کا حکم نہ دیں گے، یہاں تک کہ فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ استعمالی جوتہ اگر کنوئیں میں گر جائے تو جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ ناپاک تھا۔ نجاست آب کا حکم نہیں حالانکہ یہ کس قدر مظنہ نجاست ہے، تاتارخانیہ و طریقہ محمدیہ و حدیقہ ندیہ میں ہے سئل الامام الخجندی رحمہ اللہ تعالیٰ عن رکیتہ دھی بئر وجد فیہا خف اونعل تلبس ویمشی بہا صاحبہا فی الطرقات لایدری متی وقع فیہا ولیس علیہ اثر النجاسۃ ھل یحکم بنجاسۃ الماء قال لا۔ اس کے نظائر کتب فقہ میں بکثرت ہیں، لہٰذا زمین پر جس جگہ کوئی اثر نجاست معلوم نہ ہوتا ہو، محض یہ خیال کہ یہاں ناپاک جوتا آیا ہوگا، یا کسی جانور نے پیشاب پاخانہ کر دیا ہوگا، یہ اوہام بالکل معتبر نہیں، وہ جگہ پاک ہے، اور وہاں نماز جائز، ہاں اگر معلوم ہو کہ انھیں کنکریوں پر پیشاب وغیرہ پڑا ہے، اور پانی نہیں برسا کہ دُھل کر پاک ہو جائیں اور یہ وہی کنکریاں ہیں تو ایسی کنکریوں پر جو کہ زمین پر پڑی ہیں، اس میں گڑی نہیں ہیں، نماز جائز نہیں، جبکہ مواضع سجود پر بقدر مانع مس کریں، اور

Marfat.com

یہ معلوم ہو ناکہ یہ وہی ہیں، اس کے دو ہی طریقے ہیں، یا اُن پر اثر نجاست موجود ہے یا اُس وقت سے ابتک ہماری نگاہ کے سامنے ہیں، ورنہ کیا معلوم کہ وہی ہیں کہ اکثر کنکریاں پاؤں لگنے سے اِدھر کی اُدھر ہو جاتی ہیں، بچے وغیرہ اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر پھینک دیا کرتے ہیں، جانوروں کی ٹھوکروں سے ہٹ جایا کرتی ہیں۔ نیز اور بہت سے اسباب ہیں، جب تک وہ دونوں باتیں نہ ہوں کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ وہی ہیں اور جب اوپر نجاست معلوم ہے تو نجس ہے۔ عالمگیری میں ہے الحصیٰ حکمه حکم الارض اذا کان فیها واما اذا کان علی وجه الارض لا تطهر کذا فی المحیط وهکذا فی منیة المصلی۔ درمختار میں ہے وتطهر بیبسها وذهاب اثرها کلون وریح لاجل صلوٰة علیها لا لتیمم بها وحکم اٰجر مفروش وخص وشجر وکلأ قائمین فی الارض کذالك ای کارض فیطهر بجفاف وکذا کل ما کان ثابتا فیها لاخذه حکمها باتصاله بها فالمنفصل یغسل لا غیر۔ ردالمحتار میں ہے مثله الحصا اذا کان متداخلا فی الارض کما فی المنیة وفی التاترخانیة اما اذا کان علیٰ وجه الارض لا تطهر اھ۔ اور ندی کے کنارے ریتے کا میدان یا اور کوئی ریتے کی جگہ ہو، وہ زمین کے حکم میں ہے کہ سوکھ کر پاک ہے کہ ریتہ مثل گرد کے ہے، اور گرد تابع زمین ہے، کنکری کے مثل نہیں۔ علامہ شامی اسی ردالمحتار میں فرماتے ہیں والظاهر ان التراب لا یتقید بذالك والا لزم تقیید الارض التی تطهر بالیبس بما لا تراب علیها تأمّل۔ اور اگر ایسی جگہ نماز پڑھنی پڑے جہاں نجس کنکریاں ہوں تو کوئی کپڑا وغیرہ بچھالیں یا ان ناپاک کنکریوں کو ہٹادیں پھر نماز پڑھیں، اس میں کیا دقت ہے۔ سڑکوں اور عام راستوں پر نجاست پڑتی رہتی ہے، تو ایسی جگہ کون نماز پڑھتا ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اگر تھوڑا پانی برسا کہ کنکریاں نہ دُھلیں تو ناپاک رہیں، پھر ان کی کیچڑ کپڑے وغیرہ کو لگے گی اور اس میں حرج ہے۔ لہٰذا علمائے کرام نے راستہ کی کیچڑ کو معاف لکھا ہے، اگر کپڑے پر لگ جائے، نجس نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے طین الشارع عفو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۵۴) مرسلہ ابرار احمد صاحب برق چشتی از مونگیر محلہ توپخانہ بازار یکم ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ حالت جنابت میں جو پسینہ جسم سے نکلتا ہے، وہ پاک ہے یا ناپاک۔ اور بعض اوقات اس پسینے سے جو کپڑے تر ہو جاتے ہیں، وہ ناپاک ہو جاتے ہیں یا نہیں۔ ان کپڑوں سے نماز ہو سکتی ہے؟ یا پاک کرنیکی ضرورت ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** ۔ جُنب کا پسینہ پاک ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے عرق[۵] کل شیٔ معتبر بسؤره کذا فی الهدایه

---

[۵] اور آدمی کا جوٹھا پاک ہے اگرچہ وہ جنب ہو، ہدایہ میں ہے عرق کل شیٔ معتبر بسؤره لانهما یتولدان من لحمه (ص ۳۳ ج ۱)

Marfat.com

مگر جس جگہ نجاست لگی ہو وہاں پسینہ نکل کر اگر کپڑا تر ہو جائے تو اس نجاست کی وجہ سے کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔ ادھر ناپاک ہونا اس نجاست کی وجہ سے ہے، نہ پسینہ کی وجہ سے، اگر پسینہ کی جگہ پانی ہوتا جب بھی یہی حکم تھا ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۵۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا روئی دھنکنے سے اور پلنگ کے باندھ ادھیڑنے سے پاک ہو جاتے ہیں۔

**الجواب۔** روئی دھنکنے سے پاک ہو جاتی ہے جبکہ جتنی نجس تھی اُتنی یا اُس سے زیادہ دھنکنے میں اُڑ گئی ہو، ورنہ نہیں۔ رد المحتار میں نہر سے ہے وکذا الندف ومن عدہ شرط کون النجس مقدار قلیلا یذھب بالندف والا فلا یطھر کذا فی البزازیة۔ اور پلنگ کے باندھ پلنگ کے ادھیڑنے سے پاک نہ ہوں گے، طہارت کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۵۶) مسئولہ عنایت اللہ صاحب از اسٹیشن کلاں بریلی ۳ رجادی الاولیٰ ۳۳ھ۔

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمی ہوئی چربی میں کتے نے مُنہ ڈالا اور کھائی، اب اس کا کیا حکم ہے"

**الجواب۔** جہاں سے کھائی وہاں آس پاس سے نکال کر پھینک دیں باقی پاک ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۵۷) از بھیلواڑہ۔ میواڑ مرسلہ جناب مولوی محمد رمضان صاحب پیش امام مسجد چوڑیگراں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ مسئلہ میں کہ سفید رنگ کا پرندہ جس کو بگلا کہتے ہیں، اُس کی بیٹ پاک ہوتی ہے؟ یعنی پرند بگلا کا پیشاب پاخانہ نجس ہے یا نہیں اور اگر نجس ہے تو نجاست غلیظہ ہے یا خفیفہ۔

**الجواب۔** بگلا کی بیٹ پاک ہے اس لئے کہ جو پرند ہوا میں اُڑتے ہیں اور حلال ہیں اُن کی بیٹ پاک ہے۔ درمختار میں ہے وخرء مایذرق فیہ فان ماکولا فطاھر والا فمخفف ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۵۸) از بھیلواڑہ میواڑ مرسلہ جناب مولوی محمد رمضان صاحب پیش امام مسجد چوڑیگراں۔

---

(بقیہ ص ۴۲) فلذا احد ھا حکم صاحبہ وسور الآدمی ومایوکل لحمہ طاھر لان المختلط بہ اللعاب وقد تولد من لحم طاھر ویدخل فی ھذا الجواب الجنب والحائض والنفساء۔ نور الایضاح اور مراقی الفلاح میں ہے الاول سور طاھر مطھر بالاتفاق من غیر کراھة فی استعمالہ وھو ماشرب منہ آدمی لیس بفمہ نجاسة لما روی مسلم عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کنت اشرب وانا حائض فانا ولہا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیضع فاہ علی موضع فی ــ ولا فرق بین الکبیر والصغیر والمسلم والکافر والحائض والجنب۔ امجدی۔ ص۵ رد المحتار میں ہے نقوھر نحو سمن جامد من جوانب النجاسة۔ واللہ تعالیٰ اعلم، امجدی۔ ص۵ بہار شریعت میں ہے جو پرند ہوا میں اونچے اڑتے ہیں۔ اور درمختار کی منقولہ بالا عبارت کا ترجمہ یہ ہے:۔ جو پرند ہوا میں بیٹ کرتے ہیں، رد المحتار میں اسکے تحت فرمایا کحمام وعصفور جیسے کبوتر اور گوریا، اسکا مقتضیٰ یہ ہے کہ بگلا کی بیٹ ضرور پاک ہے۔ غنیہ کی عبارت نے تو اسکو بالکلیہ صاف کر دیا، لکھتے ہیں واما خرء مایوکل لحمہ من الطیور سوی الدجاجة والبط والاوز ونحوھا فطاھر کالحمام والعصفور ونحوھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے صحن کے قریب درخت ہے جس کی ٹہنیاں مسجد کے صحن پر جھکی ہوئی ہیں اور وضو کرنے کی جگہ اور کنویں پر بھی لٹک رہی ہیں، اس درخت پر بگلے گھونسلے بنا کر بچے دیئے ہوئے ہیں، ہر وقت نمازیوں کے اوپر اُن کے پاخانے پڑتے ہیں، احتمال ہے کہ کنویں میں بھی پڑتے ہوں گے، نماز پڑھتے ہوئے بھی اکثر اُن کا پاخانہ نمازیوں کے اوپر پڑ جاتا ہے، گذارش یہ ہے کہ کیا اُن کے گھونسلوں کو بچوں سمیت پھینک دیا جائے یا یونہی نماز پڑھتے رہیں۔ **مسئلہ (۵۹)** اسی طرح سے کبوتر، کوا، چیل، فاختہ، مینا، طوطا وغیرہ کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

**الجواب** - بگلے کی بیٹ اگرچہ نجس نہیں مگر گندگی ضرور ہے اور مسجد کو گندگی سے بھی بچانا چاہئے، بگلے جب گھونسلے لگانے لگیں اُس وقت گھونسلوں کو نوچکر پھینک دیا جائے کہ بچے کرنے اور گندگی کی نوبت نہ آنے پائے۔ درمختار میں ہے ولاباس برمی عش خفاش وحمام لتنقية۔ ردالمحتار میں ہے جواب سوال حاصله انه صلی اللہ علیہ وسلم قال اقروا الطير على مكانتها فازالة العش مخالفة الامر فاجاب بانه للتنقية وهى مطلوبة فالحديث مخصوص بغير المساجد ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**الجواب** - کبوتر، مینا، فاختہ کی بیٹ پاک ہے اور کوا، چیل کی نجاست خفیفہ اور اُن کے گھونسلے بھی پھینک دیئے جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۶۰)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ولایتی صابون استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں، جو لوگ ولایت سے آئے ہیں کہتے ہیں کہ وہاں جانور ذبح نہیں کئے جاتے، آیا ہر کسی کے کہنے پر اعتماد کیا جائے گا، یا کوئی متشرع آدمی بیان کرے۔

**الجواب** - نصاریٰ نے بہت زمانہ دراز سے موافق شرع جانور کو ذبح کرنا ترک کر دیا ہے۔ یہ لوگ بغیر تسمیہ ایسے ہی جانوروں کو جھٹکا مار کر کھاتے ہیں۔ کتب فقہ میں مذکور ہے النصرانى لاذبيحة له۔ اور یورپ میں ذبح شرعی نہ ہونے کی خبر بالکل متواتر ہے، ایسی خبر اثبات کے لئے گواہان عادل کی ضرورت نہیں کہ اس کے بیان کرنے والے دو چار شخص نہیں بلکہ سینکڑوں ہیں، لہٰذا وہ جانور مردار ہیں اور ان کی چربی بھی ناپاک ہے۔ اور اگر اس کا صابون بنایا گیا ہو، تو اس کا استعمال ناجائز ہے[ع] ——— واللہ تعالیٰ اعلم

---

ع فی الدر ویطهر زيت تنجس بجعله صابونا۔ قال تحته العلامة الشامي۔ ثم هذه المسئلة قد فرعوها على قول محمد بالطهارة بانقلاب العين الذى عليه الفتوىٰ واختاره اكثر المشائخ خلافا لابى يوسف كما فى شرح المنية والفتح وغيرهما وعبارة المجتبیٰ جعل الدهن النجس فى صابون يفتىٰ بطهارته لانه تغير والتغير يطهر عند محمد ويفتى به اه۔ وظاهره ان دهن الميتة كذالك لتعبيره بالنجس دون المتنجس الا ان يقال هو خاص بالنجس لان العادة فى الصابون وضع الزيت دون بقية الادهان تامل۔ ثم رايت فى شرح المنية ما يؤيد الاول حيث قال وعليه يتفرع ما لو وقع انسان او كلب فى قدر الصابون فصار صابونا يكون طاهرا لتبدل الحقيقة اه اقول قد يما ما يختلج فى صدرى ان فى الصابون لا يتغير الحقيقة بل يكون فيه انجماد فكيف ينطبق عليه فلما انتهيت الى هذه المسئلة فى الامجدية تحيرت كيف افتى خلاف تصريح الشامى۔ ولكن لما تفكرت (صفحہ ۴۵ پر)

Marfat.com

**مسئلہ** (۶۱) حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب از مقام دھوراجی ضلع کاٹھیاوار ۱۶ر محرم ۴۲ھ۔

"ہر آدمی سے کئی آدمی طاقتور ہوتے ہیں تو کمزور کا نچوڑا طاقتور کے حق میں کب پاک سمجھا جائے اگر پانی کم کی نسبت ہو تو تھوڑا پانی میں پہلی بار کپڑا ڈالنے سے پانی نجس ہو جائے گا، ہاں اگر تھوڑا پانی تینوں مرتبہ جدید میں دھونے کے بارے میں ہو ٹھیک ہو سکتا ہے یہ صرف میری ناقص سمجھ ہے اصحیح کیا ہے؟

**الجواب**۔ نجاست مرئیہ سے طہارت کے لئے ازالہ شرط ہے۔ اگر ایک بار میں زائل ہو جائے تو ایک ہی مرتبہ دھونے میں پاک ہو جائے گی۔ اور تین بار سے زیادہ کی ضرورت ہو تو زیادہ دھوئے۔ درمختار میں ہے یطھر محل نجاسة مرئیة بقلعھا ای بزوال عینھا واثرھا ولو بمرة او بما فوق ثلث فی الاصح۔ عالمگیری میں ہے دار التھا ان کانت مرئیة بازالة عینھا واثرھا ان کانت شیئا یزول اثرہ ولا یعتبر فیہ العدد کذا فی المحیط۔ اور نجاست غیر مرئیہ ہے اور وہ شئی نچوڑنے کے قابل ہے تو تین بار دھوئے اور ہر بار نچوڑے، اور نچوڑنے کی حد یہ ہے کہ اگر پھر نچوڑے تو قطرہ نہ ٹپکے اور اسمیں خود اس کی قوت کا اعتبار ہے۔ اور اگر دوسرا جو زیادہ قوی ہے اس کے نچوڑنے سے قطرہ ٹپکے گا تو قوی کے لئے پاک نہ ہوگا، اور اس کمزور کے لئے پاک ہو گیا۔ درمختار میں ہے وقدر بغسل وعصر ثلثا فیما ینعصر مبالغا بحیث لا یقطر ولو کان لو یعصر غیرہ قطر طھر بالنسبة الیہ دون ذلک الغیر۔ ردالمحتار میں ہے لان کل احد مکلف بقدرتہ ووسعہ ولا یکلف ان یطلب من ھو اقوی لیعصر ثوبہ شرح المنیة قال فی البحر خصوصا علی قول ابی حنیفة ان قدرة الغیر غیر معتبرة وعلیہ الفتوی۔ اور یہ حکم اس وقت ہے جب وہ شخص صاحب وسوسہ ہو ورنہ غلبہ ظن حاصل ہونے سے پاک ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے ویطھر محل غیرھا بغلبة ظن غاسل لو مکلفا والا فمستعمل۔ نیز یہ حکم اس وقت ہے جب تھوڑے پانی میں دھویا ہو۔ اور اگر حوض کبیر میں دھویا ہو، یا بہت سا پانی اس پر بہایا یا بہتے پانی میں دھویا تو نچوڑنے کی شرط نہیں۔ درمختار میں ہے اما لو غسل فی غدیر او صب علیہ ماء کثیرا او جری علیہ الماء طھر مطلقا بلا شرط عصر وتجفیف وتکرار غسل ھو المختار۔

والله تعالیٰ اعلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) رایت ان ھذا الذی افتی بہ فی الامجدیة تحقیقہ وقد اشار الی ھذا العلامة الشامی بعد اسطر حیث قال: وقد یقال ان الدبس لیس فیہ انقلاب حقیقة لانہ عصیر جمد بالطبخ۔ اقول فکذلک الصابون وقد صرح بذلک فی جد الممتار حیث قال اعلم انہ لیس بابن الزیت وبین الصابون الا الانعقاد بضربہ برشنات من ماء الغلی والنورة لکن المقام بعد غیر محرر فلیحرر۔ ثم اقول مبنی ذلک ان بانقلاب العین یکون النجس طاھرا وفی الصابون لا یکون انقلاب العین بل یکون انجماد الاجزاء بعضھا ببعض فکیف یحکم بطھارة النجس الذی وقع فیہ۔ فیکون ما افتی بہ فی الامجدیة صحیحا انظر جد الممتار علی الشامی صفحہ ۲ للامام احمد رضا البریلوی قدس سرہ ۲۲ قلمی)

Marfat.com

**مسئلہ** (۶۲) از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد مرسلہ حاجی عبداللطیف ایوب صاحب جمادی الآخرہ ۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ ۱۶۱ میں ایک شخص کے پوچھنے مسائل بیل کے پیشاب وگوبر سے بچنے کی دشواری کے جواب میں اعلیٰحضرت قبلہ نے گوبر کو نجاست خفیفہ فرمایا ہے تو گوبر سے نہ بچ سکنے کی حالت میں خفیفہ میں شمار کیا جاتا ہوگا ورنہ بہت سی کتابوں میں گوبر کو نجاست غلیظہ لکھا ہوا ہے۔

**الجواب**۔ گوبر اگر ماکول اللحم کا ہو تو اس کی نجاست غلیظہ وخفیفہ میں اختلاف ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غلیظہ ہے، اور صاحبین کے قول میں نجاست خفیفہ ہے، بلکہ امام محمد نے آخر زمانہ میں فرمایا کہ پاک ہے اور اس مسئلہ میں تصحیحین مختلف ہیں، کسی نے قول صاحبین کو ترجیح دی اور کسی نے امام کا قول اختیار کیا۔ درمختار میں ہے د فی الشرنبلالیۃ قولہما اظہر۔ ردالمحتار میں فرمایا ہے لکن فی النکت للعلامۃ قاسم ان قول الامام بالتغلیظ رجحہ فی المبسوط وغیرہ۔ اور چونکہ اس زمانہ میں نماز کا بہت کم خیال رہتا ہے معمولی باتیں بھی چھوڑنے کے لئے عذر ہو جاتی ہیں، خصوصاً جانور پالنے والے گاڑی چلانے والے اس سے بدقت بچ سکتے ہیں، انکی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز نے نجاست خفیفہ کا حکم دیا بلکہ مجبوری اور عذر صحیح کی صورت میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول اخیر پر بھی عمل کرنے کی اجازت دیدی ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۶۳) مرسلہ سید ضمیر الدین احمد صاحب از الہ آباد محلہ دارا گنج ۲۰ رجمادی الآخرہ ۴۹ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتا کو کیوں نجس فرمایا گیا ہے۔

**الجواب**۔ کتا حرام ہے اور جس نے اسے پیدا کیا اُسی نے اسکی حرمت کا حکم دیا، اسکی شان ہے یَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ۔ اور اسکی حکمت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خصائل ذمیمہ دیکھئے۔ ہمیشہ اپنی جنس یعنی دوسرے کتوں کو دیکھکر دوڑتا ہے اور حملہ کرنا چاہتا ہے۔ کتنی ہی زیادہ شی اس کے کھانے کے لئے ڈالی جائے مگر دوسرے کتے کو کبھی کھانے نہ دے گا عین نماز فجر کے وقت جب تمام جانور خدا کی یاد کرتے ہیں یہ سوتا ہے وغیر ذالک۔ ہمارے مذہب میں کتا نجس العین نہیں، صرف اُس کا لُعاب نجس ہے اور اسکی نجاست اسکی سمیت وغیرہ کی وجہ سے ہے ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۶۴) ہندو نجس ہے یا پاک ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ باعتبار عقیدہ ناپاک[۵] ہے ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

---

عہ۵ قال اللہ تعالیٰ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

**مسئلہ** (۶۵) ہنود کو قرآن عظیم چھونا بغیر حائل کپڑا یا حائل کپڑا درست ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** - ان کے ہاتھ میں قرآن مجید نہ دیا جائے ــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۶۶) مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب بر مکان ظہور میانجی محلہ برکت پورہ خانقاہ برکاتیہ مالیگاؤں ناسک

۲ر جمادی الاُخریٰ ۱۳۶۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اہلسنت اس مسئلہ میں کہ کنویں میں کیڑے مرنے کے واسطے سرکاری کمیٹی یعنی میونسپلٹی انگریزی دوا ڈالتی ہے جس سے تمام پانی لال ہو جاتا ہے اور مزا بھی کڑوا ہو جاتا ہے۔ آیا یہ پانی پاک ہے یا ناپاک، اگر پاک ہے تو کیا دلیل ہے۔

**مسئلہ** (۶۷) فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص۲۷ میں لکھا ہے کہ جتنے رنگ ولایتی ہیں سب میں شراب کا جزر رہتا ہے ہم نے اس فتاویٰ میں جو لکھا ہے ایک واقف کار آدمی سے سنا ہے، جناب مولانا صاحب یہ بات جو فتاویٰ میں تحریر ہے یہ بات آپ کی تحقیق میں سچ ہے یا خلاف۔ اگر خلاف ہے تو کیا دلیل ہے، مع دلیل تحریر فرمائیں۔

**مسئلہ** (۶۸) زید کہتا ہے، ولایتی رنگ سے جو کپڑا یا سوت رنگا ہوا ہے وہ نجس ہی رہتا ہے۔ بکر کہتا ہے تین مرتبہ پانی سے دھونے پر پاک ہو جائے گا، آیا بکر کا کہنا صحیح ہے یا غلط۔

**مسئلہ** (۶۹) بہار شریعت میں کنویں کے بیان میں لکھا ہے کہ جس وقت سے نجاست کو دیکھا گیا ہے اسی وقت سے نجاست کا حکم ہے۔ جناب مولانا صاحب! دریافت طلب یہ ہے کہ مثلاً وضو کے حمام میں پانی بھرا جا رہا ہے اور لوگ وضو کر رہے ہیں۔ اور کوئی وضو کر کے نماز بھی پڑھ رہا ہے۔ اور کوئی پانی بھر کے اپنے مکان لے جا رہا ہے۔ کہ اسی اثنا میں یکایک سڑا ہوا چوہا نکل آیا تو اب اس سے پہلے کا جو بھی پانی حمام میں ہے۔ یا جن جن کے مکان میں جا چکا ہے، اُس پانی کے لئے کیا حکم ہے، یعنی پاک ہے یا نجس خلاصہ تحریر فرما دیں تاکہ بخوبی معلوم ہو جائے۔

**الجواب** - پانی صاف کرنے اور کیڑے مارنے کے لئے جو دوا کنویں میں ڈالی جاتی ہے، اگرچہ اس سے پانی کا رنگ بدل جاتا ہے اور پانی میں سرخی آجاتی ہے، مگر اس کی رنگت اتنی نہیں ہوتی کہ اس سے کپڑا رنگا جا سکے اور نہ اسکی وجہ سے وہ آب مطلق سے خارج ہو کر شئ دیگر ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ پانی پاک بھی ہے اور پاک کرنیوالا بھی، اسکو ناپاک کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اگر دلیل شرعی سے یہ بات ثابت ہوتی کہ وہ دوا ناپاک ہے تو پانی کو ناپاک کہا جاتا، مگر اس کے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں محض وہم اور شبہہ کی بنا

Marfat.com

یہ پاک چیز کو ناپاک نہیں کہا سکتا پانی کے ناپاک ہونیکی تفصیل ہم نے بہار شریعت حصّہ دوم کے ضمیمہ میں ذکر کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**الجواب** [۲] ۔ ولایتی رنگوں کے ناپاک ہونے کا کوئی ثبوت نہیں محض بعض لوگوں کا کہہ دینا کافی نہیں جب تک شرعی ثبوت نہ ہو۔ پھر اس رنگ میں ابتلاء عام ہے۔ عورتیں عموماً اس رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہنتی ہیں اور انہیں نمازیں پڑھتی ہیں، کبھی کپڑے کونا کا تر چیز پانی وغیرہ میں پڑ جاتا ہے کبھی بھیگا ہاتھ کپڑے پر لگتا ہے پھر اسی ہاتھ کو پانی میں ڈالتی ہیں اور چیزیں چھوتی ہیں۔ اگر اسکے ناپاک ہونے کا حکم دیا جائے تو نہ ان کی نماز ہو، نہ گھر کی چیزیں پاک رہیں، نہ کھانا اور پانی پاک رہے، سب ناپاک ہو جائیں۔ اسی طرح مرد بھی عمامہ وغیرہ اس رنگ سے رنگا استعمال کرتے ہیں، اور وضو کرتے وقت بھیگا ہاتھ سر پہ مسح کرتے عمامہ سے لگاتے ہیں، پھر لوٹے کو چھوتے ہیں، اور دوسرے کپڑے کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ اگر اس رنگ کے ناپاک ہونے کا حکم دیا جائے تو بڑی مشکل ہو گی۔ ایسی دشواری کے موقعہ پر شرع مطہر نے عموم بلویٰ کا اعتبار کیا ہے۔ لہٰذا اس کے ناپاک ہونیکا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ اس مسئلہ کی کامل تحقیق اعلیحضرت قبلہ قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ "اَلْاَحْلیٰ مِنَ السُّکَّرْ" میں فرمائی ہے۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**الجواب** [۳] ۔ زید کا قول بالکل غلط ہے اول تو وہ رنگ ناپاک ہی نہیں، اور ناپاک ہوتا بھی تو دھونے سے پاک ہو جاتا، وہ دھونے سے بھی نجس ہی رہے گا، اس کے کوئی معنی نہیں۔ درمختار میں ہے بل یطھر ما صبغ او خضب بنجس بغسلہ ثلاثا والاولیٰ غسلہ الیٰ ان یصفو الماء۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**الجواب** [۴] ۔ ایسی حالت میں کہ جانور کے گرنے کا وقت معلوم نہ ہو کب سے نجاست کا حکم دیا جائے گا، دو قول ہیں:۔ ایک یہ کہ تین دن تک کی نمازیں لوٹائی جائیں۔ اور تین دن کے اندر جس چیز کو یہ پانی لگا ہے وہ ناپاک ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جس وقت سے پھولا پھٹا ہوا جانور دیکھا گیا ہے اُس وقت سے ناپاک قرار دیا جائے۔ اس قول دوم میں آسانی ہے، لہٰذا اسی پر عمل ہے۔ پس جو پانی سقایہ وغیرہ میں بھرا جا چکا ہے یا جو لوگ گھروں کے لئے لیگئے ہیں، یا غسل، وضو کر چکے ہیں، ان کے جسم اور کپڑوں کے ناپاک ہونیکا حکم نہیں دیا جائے گا۔ درمختار میں ہے ویحکم بنجاستہا من وقت الوقوع ان علم والا فمذ یوم ولیلۃ ان لم ینتفخ ولم یتفسخ ومذ ثلثۃ ایام ولیالیہا ان انتفخ او تفسخ استحسانا وقالا من وقت العلم فلا یلزمہم شیئ قبلہ قیل وبہ یفتیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۷۰) مرسلہ عبد الغفور صاحب دفتر اَنجُمَنْ اشَاعَۃُ الْحَقْ بنارس ۲ر شعبان المعظم ۱۳۴۶ھ

"عام استعمالی جوتا کا کیا حکم ہے پاک ہے یا ناپاک۔

**الجواب** ۔ استعمالی جوتا میں اگر نجاست نہ لگی یا لگی مگر اس نے پاک کر لیا یا اس کے علم میں نجاست لگنا نہیں ہے تو ان صورتوں

Marfat.com

میں پاک ہے اور اگر اس کے علم میں یہ ہے کہ نجاست لگی تھی اور پاک نہیں کیا تھا تو ناپاک ہے۔ ———— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۷۱) از بہار پور معماران مرسلہ محمد رضا ۸ صفر ۶۶ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے غسل خانہ میں پیشاب یا پاخانہ امام مسجد کو یا عام نمازیوں کو کرنا درست ہے یا نہیں۔ اور فرش غسل خانہ پر لوٹا رکھنا کیسا ہے، لوٹا گندہ ہو یا نہیں۔

**الجواب** ۔ غسل خانہ میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، اور پاخانہ پھرنا بہت زیادہ بُرا۔ حدیث میں وارد ہوا لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ مُسْتَحَمِّہٖ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْہِ اَوْ یَتَوَضَّأُ فِیْہِ فَاِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْہُ کوئی شخص نہانے کی جگہ پر پیشاب نہ کرے پھر وہاں غسل کرے اس سے اکثر وسوسے پیدا ہوتے ہیں ———— دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا اتقوا الملاعن الثلٰثة البراز فی الموارد وقارعة الطریق والظل تین چیزیں جو لعنت کی سبب ہیں ان سے بچو، گھاٹ پر پاخانہ پھرنا اور بیچ راستہ میں اور سائے میں جہاں لوگ اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ وجہ ممانعت و لعنت ان جگہوں میں پاخانہ پھرنے کی یہ ہے کہ لوگوں کے لئے یہ تکلیف و ایذا کا سبب ہے اور ظاہر ہے کہ غسل خانہ میں پاخانہ پھرنے سے مصلیوں کو کس قدر ایذا پہنچے گی۔ اس حدیث کے تحت مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرمایا: قوله الملاعن الخ ای مجالب اللعن لان احصابہا یلعنهم المار لفعلهم القبیح اولانهم افسدوا علی الناس منفعتهم فکان ظلمًا وکل ظلمٍ ملعون اگر غسل خانہ کا فرش پاک ہے تو اس پر لوٹا رکھ سکتے ہیں، ورنہ نہیں ———— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۷۲) ٹاٹ پر بچہ نے پیشاب کر دیا اس کو خوب طرح سے تین مرتبہ پانی بہا کر دھو دیا گیا، وہ پاک ہو گیا؟

**الجواب** ۔ ٹاٹ اگر پتلا ہے جو نچوڑنے کے قابل ہے تو تین بار دھونے اور اچھی طرح نچوڑنے سے پاک ہو جائے گا۔ اور اگر موٹا ہے کہ نچوڑنے کے قابل نہیں تو دھو کر اُسے لٹکا دے کہ کُل پانی ٹپک جائے۔ جب پانی ٹپکنا موقوف ہو جائے، پھر دھو کر لٹکا دیں، اسی طرح تین مرتبہ کرنے سے پاک ہو جائے گا ———— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۷۳) مرسلہ منشی عبد الرزاق خانصاحب حیرت از بمبئی چھتری سورنگ محلہ وڈا کھانہ ۹ ع۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و فقہائے شرع متین اس صورت میں کہ ہمیشہ زید کی یہ عادت رہی ہے کہ بلا کسی مرض کے تین یا پانچ یا سات ڈھیلوں سے استنجاء خشک کر لیتا ہے اور استبراء بھی کرتا ہے مگر جب پانی سے استنجاء کرتا ہے تو ضرور پیشاب کے دو چار قطرے آہی جاتے ہیں، پھر مٹی کے بعد پانی سے استنجاء کرے تب بھی دو چار قطرے آجاتے ہیں، ہاں اگر پانی سے استنجاء اور متصلاً مٹی یا کپڑہ سے استبراء کیا تو مطلقاً قطرے آنا بند ہو جاتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں زید پہلے پانی سے اور بعد میں مٹی سے طہارت حاصل کر سکتا ہے، اور جمع بین الماء والحجر کی

Marfat.com

فضیلت پاسکتا ہے، اور بلا کراہت اسکی امامت درست ہوسکتی ہے۔ بینوا توجروا بالثواب۔

**الجواب** ۔ ڈھیلے سے استنجا سنت ہے، اور ڈھیلے کے بعد پانی سے طہارت کرنا افضل جبکہ مخرج سے نجاست ایک درم سے زیادہ تجاوز نہ کر گئی ہو، ورنہ دھونا واجب ہے، اور جب زید کی حالت یہ ہے کہ اگرچہ استنجاء واستبراء کرلیتا ہے، پھر بھی پانی کے بعد قطرے آجاتے ہیں تو پانی سے طہارت کا اس کے لئے کوئی محصل نہ رہا، اور اسکے لئے اس تکلیف کی کچھ حاجت نہیں کہ ڈھیلے سے پھر پانی سے طہارت کرے، پھر ڈھیلے لے، اور جب یہ عذر موجود ہے تو اس سے افضلیت کا مطالبہ بھی نہیں، ہاں اگر نجاست علاوہ مخرج درم سے زائد پھیلی ہوئی ہے تو اس وقت ضرور پانی سے دھوئے کہ ڈھیلے سے طہارت نہ ہوگی، اور دھونے کے بعد ڈھیلے وغیرہ سے قطرات سکھالے۔ درمختار میں ہے والغسل بالماء بعدہ ای الحجر بلا کشف عورۃ عند احد سنۃ ویجب ای یفرض غسلہ ان جاوز المخرج نجس مانع ویعتبر القدر المانع لصلاۃ فیما وراء موضع الاستنجاء اھ ملتقطا۔ اور اسکی امامت میں کوئی کراہت نہیں کہ کراہت ترک سنت سے ہوتی ہے، اور پانی لینا صرف افضل ہے، نہ کہ سنت اور یہ مستحب بھی بیرون نماز ہے، نہ کہ داخل نماز، اور اس کا ترک مع العذر ہے، نہ کہ بلا عذر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۷۴) مسئولہ جعفر احمد بنگالی طالب علم مدرسہ منظر اسلام مسجد بی بی جی بریلی شریف۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید یعنی پیش امام شرم کے مارے راستہ میں پیشاب نہیں کرتے ہیں لہذا غسلخانہ میں پیشاب کرتے ہیں بعد کو پانی بہا دیتے ہیں۔ آیا زید کے لئے یہ فعل شرعاً جائز ہے یا نہیں، جواب سے مشکور فرمائیں۔

**الجواب** ۔ غسلخانہ میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، حدیث میں اسکی ممانعت آئی اور اسکی وجہ سے نہانے والوں کو وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔ حدیث میں ارشاد فرمایا لا یبولن احدکم فی مستحمہ ثم یغتسل فیہ او یتوضأ فیہ فان عامۃ الوسواس منہ

**مسئلہ** (۷۵) مسئولہ حضرت مولنا مولوی سید محمد میاں صاحب از مارہرہ مطہرہ ۲۲ ربیع الاول شریف سنہ ۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بدن میں قدر مانع بلکہ اس سے زائد نجاست حقیقیہ لگی ہے اور دھونے سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہے تو نماز کیسے پڑھے، اس کا کوئی جزئیہ نظر میں ہو تو لکھا جائے، اور آیا تیمم غسل نجاست حقیقیہ کا بھی ہوسکتا ہے یا نہیں

بینوا توجروا۔

**الجواب** ۔ اگر پانی سے دھونا مضر ہو، مگر اور کسی چیز سے اس کا ازالہ مضر نہ ہو، مثلاً دوا کا جوشاندہ یا سرکہ یا کوئی عرق تو ان سے ازالہ کرلیا جائے کہ نجاست حقیقیہ کی طہارت کے لئے پانی ہونا ضروری نہیں، بلکہ ازالہ درکار ہے، چاہے وہ کسی مزیل سے ہو اور یہ بھی نہ ہوسکے کہ مرض بڑھنے کا ظن غالب ہے، اگرچہ پانی کے سوا کسی اور شئی سے زائل کرے تو مجبوری اور عفو ہے، یہانتک کہ اوروں کے سامنے

Marfat.com

سترکھولنا بھی عفو کے لئے عذر ہے۔ عالمگیری میں ہے تطهیر النجاسة من بدن المصلی وثوبه والمکان الذی یصلی علیه واجب هٰذا اذا کانت النجاسة قدرًا مانعًا وامکن ازالتها من غیر ارتکاب ما هو اشد حتیٰ لو لم یتمکن من ازالتها الا بابداء عورته للناس یصلی معها ولو ابداها للازالة فسق هٰکذا فی البحر۔ تیمم صرف نجاست حکمیہ کا مزیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

# کتاب الصلوٰۃ

**مسئلہ** (۷۶) مسئولہ جناب عبدالعزیز صاحب از ٹانڈہ ضلع فیض آباد ۲۸ رجب ۱۳۴۱ھ۔

"ایک مسلمان عمدًا نماز قضا کرتا ہے، اور باقی افعال بہت اچھے ہیں یعنی جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، زنا کرنا، اور برے کاموں سے پرہیز کرتا ہے، تو اب یہ شخص اسلام سے خارج ہوا یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب** ۔ جو شخص قصدًا ترک نماز کرے، وہ بعض صحابہ وائمہ کے نزدیک کافر ہے، اور بعض احادیث کے ظاہر سے یہی مستفاد اور اصح یہ ہے کہ کافر نہیں، مگر فاسق فاجر مرتکب اشد کبیرہ مستحق نار وغضب جبار ہے، تارک صلوٰۃ کے بارے میں بکثرت آیات واحادیث میں نہایت شدید وعیدیں وارد ہیں، وہ فورًا توبہ کرے، اور نماز کی پابندی اپنے اوپر لازم کرے، اور جلد سے جلد فوت شدہ نمازیں قضا کرے، کہ موت کا وقت معلوم نہیں، اور روز قیامت سب سے پہلے اسی کا حساب دینا ہوگا، حدیث میں فرمایا اول ما یحاسب به العبد یوم القیٰمة الصلوٰة۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے کو تنبیہ کریں، اور نمازی بنانے کی کوشش کریں، ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۷۷) مسئولہ عبدالحمید طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۱۲ ربیع الآخر ۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص نماز نہ پڑھے باوجودیکہ اس سے نہایت عاجزی وانکساری سے کہا جائے اور اس پر بھی نہ پڑھے، اسکے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے۔

**الجواب** ۔ جو ایک وقت کی نماز قصدًا ترک کرے وہ فاسق گنہگار مستحق عذاب نار وغضب جبار ہے، نہ کہ وہ جو بالکل پڑھتا ہی نہ ہو، شرعی جو سزا اسکے لئے ہے، وہ یہاں کون دے، اسکی سزا قید ہے، یہانتک کہ سچی توبہ کرے یا قید ہی میں مرجائے، اور امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ فرماتے ہیں کہ جو ایک وقت کی بھی چھوڑے قتل کر دیا جائے۔ درمختار میں ہے:۔

وتارکها عمدًا مجانةً فاسق یحبس حتی یصلی وقیل یضرب حتیٰ یسیل منه الدم وعند الشافعی یقتل بصلوٰة واحدة

Marfat.com

رد المحتار میں ہے دکن اعند مالك و احمد۔ اب مسلمان اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اُس سے میل جول ترک کر دیں، نہ اپنے پاس اُسے بیٹھنے دیں نہ اُس کے پاس خود بیٹھیں، جب عاجزی سے کہنے پر وہ توجہ نہیں کرتا تو جہانتک سختی برت سکتے ہوں برتیں، تاوقتیکہ توبہ نہ کرے، اُس کے ساتھ یہی معاملہ جاری رکھیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۷۸) مسئولہ عبد الرحمٰن از شہر کہنہ ۲۰ رجادی الاولیٰ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ سورج نکل آیا تھا مگر دھوپ اچھی طرح سے نہیں پھیلی تھی، زید مسجد میں بیٹھا ہوا کچھ وظیفہ پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں دو لڑکے نوعمر جنکی عمر تخمیناً ایک کی ۱۴ سال دوسرے کی ۱۸ سال ہوگی، اُنھوں نے سقایہ سے پانی لیکر وضو کرنا شروع کیا اور قہقہہ مارتے جاتے تھے، اور یہ کہتے جاتے تھے کہ ایک جوڑنے پڑھا تو مگر اُسکی آواز ملی نہ دوسرے کی خیر تیسرے کی کچھ ملتی تھی مگر سیارا تمھارا اگلا خوب ملا، تو میں نے جلکر اُن سے کہا کہ تمھارے اوپر افسوس کرتا ہوں کہ وہ منبر جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے اُس پر لوگ جاکر بیٹھتے ہیں بے وضو، اور نماز تک نہیں پڑھتے ہیں اور پھبکیاں اڑاتے ہیں، گلا ملانے اور آواز ملانے کی تاکید کر رہے ہو، کیا تم کو نماز کی ہدایت نہیں ہے، تم کو شرم نہیں آتی کہ اب قضا نماز پڑھنے آئے ہو کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی۔ اور میلاد شریف پڑھنے کے لئے منبر پر جا بیٹھتے ہو، ان سے یہ الفاظ اس لئے کہے گئے تاکہ ان کو شرم معلوم ہو اور یہ نماز کے پابند ہو جائیں۔ اگر یہ میرا اعتراض شرع کے خلاف ہے اور جو حکم ہو اس سے زید توبہ کرنے کے لئے تیار ہے، اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ ہم جو چاہیں وہ کریں زید نے یہ کہا کہ میں دس پانچ مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ تم صبح کی نماز قضا پڑھتے ہو اور تمھارے والد نے بھی یہ کہا کہ تم آٹھ بجے اٹھتے ہو، اور اب تم کو کیا غرض یہ بھی میں نے کہا تھا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو سود لیتے ہیں اور جوا کھیلتے ہیں اور شراب پیتے ہیں اور زنا بھی کرتے ہیں، ان میں اور ہنود میں کیا فرق ہے، ایسے آدمیوں کی ہم کو کیا ضرورت ہے، جو ہم دعا مانگیں اور کہتے یہ ہیں کہ ہم سنی ہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ بلا عذر شرعی ایک وقت کی بھی نماز قضا کر دینا سخت کبیرہ گناہ ہے، اور تارک نماز شرعاً مستحق سزا ہے، اور فاسق و فاجر ہے، ایسے کو منبر کو بیٹھانا حرام، اس سے میلاد پڑھوانا گناہ، اور سننا ناجائز۔ مجلس خیر اُس سے پڑھوائیں جو فاسق و فاجر نہ ہو۔ اگر اُسے معلوم ہے کہ دیر کر کے سونے سے صبح کی نماز قضا ہو جائے گی، تو جلد سو رہے بلا وجہ دیر تک نہ جاگے۔ اور مسجد میں قہقہہ لگانا اور فضول باتیں کرنا بھی ناجائز ہے، زید نے جو اُنھیں نماز کی ہدایت کی بہت اچھا کیا امر بالمعروف واجب ہے قال اللہ تعالیٰ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ گناہ کرنے سے[عہ] آدمی کافر نہیں ہوتا نہ سنی ہونے سے خارج ہوتا ہے، مگر بے نماز مسلمان گویا تصویر بے جان ہے، ایسے کے لئے

عہ سود لینے والا جوا کھیلنے والا شراب پینے والا زنا کرنے والا، بدترین فاسق فاجر ہے مگر کافر نہیں۔ جس نے یہ کہا ان میں اور ہنود میں کیا فرق ہے وہ توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

دعا جائز ہے، خصوصًا یہ دعا کہ خدا انھیں ہدایت دے اور عمل خیر کی توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۷۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکے اور لڑکی پر کس عمر میں روزہ نماز فرض ہوتی ہے۔

**الجواب** ۔ روزہ نماز فرض اسوقت ہوں گے جب یہ بالغ ہوجائیں، اس کے لئے عمر کی تحدید نہیں بلکہ فرضیت میں بلوغ کا اعتبار ہے، لڑکی کم ازکم نو سال میں بالغ ہوسکتی ہے اور لڑکا کم ازکم بارہ سال میں، اور دونوں کی اکثر مدت بلوغ پندرہ سال ہے، یہ حکم فرضیت کا ہے، اور نماز پڑھنے کا حکم انھیں اس وقت سے کیاجائے جب سات سال کی عمر ہوجائے، حدیث میں فرمایا[۵] مُرُوْا صِبْیَانَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ اِذَا بَلَغُوْا سَبْعَ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْھُمْ عَلَیْھَا اِذَا بَلَغُوْا عَشَرَ سِنِیْنَ یعنی سات برس کے ہوجائیں تو انھیں نماز کا حکم دو، اور دس برس کے ہوجائیں تو مار کر پڑھواؤ اور روزے کے متعلق ان کے جسم وجثہ کا لحاظ کرکے جب وہ اس حد کو پہنچ جائیں کہ روزہ کی طاقت انمیں آجائے تو روزہ رکھوانا شروع کردیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۸۰) مرسلہ غلام محی الدین صاحب نمبر پالی مارواڑ دنیاز محمد ٹوپی ساز پالی مارواڑ زیر جامع مسجد ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ
علمائے دین ومفتیان شرع متین اس حدیث کے متعلق کیا فرماتے ہیں، آیا یہ حدیث صحیح ہے اور سند کے ساتھ ہے یا ضعیف ہے۔ یا اس حدیث کی کوئی اصل ہی نہیں، حدیث یہ ہے:۔

"روی ان النبی جلس یومًا مع اصحابہ فجاء شاب من العرب الی باب المسجد وھو یبکی فقال مایبکیك یاشاب فقال یارسول اللہ مات ابی ولیس لہ کفن ولاغاسل فامر النبی ابابکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما فذھب الی المیت فرأیاہ مثل الخنزیر الاسود فرجعا الی النبی علیہ السلام فقال رأیناہ مثل الخنزیر الاسود یارسول اللہ فقام الی الجنازۃ فدعا فصار المیت علی صورتہ الاولیٰ وصلی علیہ الصلوٰۃ وارادوا الدفن فرأوہ کالخنزیر الاسود فقال یاشاب ای عمل کان یعمل ابوك فی الدنیا فقال کان تارك الصلوٰۃ فقال یا اصحابی انظروا حال من ترك الصلوٰۃ یبعثہ اللہ یوم القیٰمۃ مثل الخنزیر الاسود نعوذ باللہ تعالیٰ منھا۔ (ترجمہ) روایت ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز اپنے اصحاب کو لیکر بیٹھے تھے کہ ایک جوان عرب روتا ہوا دروازہ مسجد پر آیا، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جوان تو کیوں روتا ہے، اس نے کہا میرے والد نے وفات پائی اور ان کو کفن اور غسل دینے والا کوئی نہیں ہے

[۵] رواہ ابوداؤد عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۔ امجدی

Marfat.com

حضرت رسول مقبول نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حکم دیا، پس یہ دونوں مُردے کے پاس گئے، اور کیا دیکھتے ہیں، وہ مثل کالے سُوّر کے ہے، پس دونوں حضرت کے پاس لوٹ آئے، اور کہا کہ نہیں دیکھا ہم نے اسکو مگر مثل کالے سور کے، یارسول اللہ۔ پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کے پاس کھڑے ہوکر دعا مانگی، پس وہ مُردہ اصل صورت پر ہو گیا۔ پھر حضرت نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ لوگوں نے اس کو دفن کرنا چاہا، اتنے میں پھر وہ کالے سور کی طرح دکھائی دینے لگا۔ تب حضرت نے فرمایا کہ اے جوان تیرا باپ دنیا میں کیا کام کرتا تھا۔ جوان نے کہا بے نمازی تھا۔ پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے اصحاب دیکھو حال بے نمازی کا، اُٹھائے گا اللہ اسکو قیامت کے دن کالے سور کی طرح، بحوالہ بہجۃ الانوار۔ یہ حدیث ایک واعظ صاحب پیرجی نے بیان کیا، اس پر ایک شخص نے کہا، کہ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضور آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کے لئے بھی دعا فرمائیں اس کا بیڑا پار ہے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ حضور کے دعا کرنے سے ذرا سی دیر کے لئے وہ اصل صورت پر ہو پھر ویسی ہی اسکی شکل ہو جائے۔ علاوہ اس کے جس جنازہ کی نماز آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھا دیں اور وہ بدبخت ہی رہے، ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس کے متعلق بالکل دلائل کے ساتھ جواب عطا فرمائیں۔ چونکہ ایسے لوگ وعظ کہہ کہہ کر لوگوں کو بدعقیدہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم دے۔ آمین، ثم آمین

**الجواب۔** درۃ الناصحین میں یہ روایت بہجۃ الانوار کے حوالہ سے لکھی ہے، بہجۃ الانوار نہ یہاں ہے نہ اس کے متعلق مجھے یہ علم ہے کہ وہ کس مرتبہ کی کتاب ہے، کہ آیا اس میں صحیح روایات ہی کو لکھا ہے یا ہر رطب و یابس کو بلا امتیاز جمع کر دیا ہے۔ بہرحال یہ روایت نہ تو صحاح ستہ میں ہے، نہ اور کسی کتاب میں میری نظر سے گذری ہے۔ روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس کا واقعہ بتایا گیا اگرچہ تصریح نہیں ہے مگر الفاظ سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ کا واقعہ ہے، اور ظاہر یہ بھی ہے کہ وہ شخص صحابی ہوگا۔ پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ صحابی ہوکر کیسے تارک الصلوٰۃ ہوگا، جبکہ منافقین بھی اس زمانہ کے نماز پڑھا کرتے تھے بلکہ جماعت میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں لقد رأیتنا وما یتخلف عن الصلوٰۃ الا منافق قد علم نفاقہ او مریض ان کان المریض لیمشی بین رجلین حتی یاتی الصلوٰۃ۔ میں نے دیکھا یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں کہ نماز سے پیچھے نہ رہ جاتا مگر وہ منافق جس کا نفاق معلوم تھا یا بیمار اور مریض جو دو شخصوں کے درمیان چل کر نماز کو آتا۔ لہٰذا کسی صحابی کی نسبت تارکِ صلوٰۃ ہونے کا وہم نہیں کیا جاسکتا۔ خصوصاً جبکہ تمام اہلسنت اس بات پر متفق ہیں کہ الصحابۃ کلھم عدول وثقات سب صحابہ عادل و ثقہ ہیں۔ اور ترک نماز گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے عدالت

Marfat.com

جاتی رہتی ہے اگر کسی صحابی یا صحابیہ سے کوئی کبیرہ ہوا بھی ہے تو انھوں نے توبہ کرلی ہے، جیسا کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے لیے حضور نے ارشاد فرمایا کہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ اور عورت غامدیہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی کہ اگر تمام مدینہ والوں پر تقسیم کیا جائے تو سب کے لئے وسیع ہو جائے۔ یا عورت مخزومیہ کی نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حَسُنَتْ توبتھا اسکی توبہ اچھی ہوئی۔ پھر بڑی بات اس روایت میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے اسکی صورت ٹھیک ہوگئی مگر نماز جنازہ کے بعد جب دفن کا ارادہ کیا تو پھر خنزیر کی شکل ہوگئی۔ اگر حضور کی دعا مقبول ہوئی اور اسکی حالت اچھی ہوگئی، پھر نماز کے بعد وہی حالت پیدا ہوگئی، اس کے کوئی معنیٰ نہیں، کیونکہ نماز جنازہ میں سب کے لئے دعائے مغفرت کیجاتی ہے۔ چاہئے تو یہ کہ بعد نماز جنازہ اور بہتر حالت ہوتی نہ کہ صورت جو مسخ ہوگئی تھی اور دعا سے یہ عذاب مسخ اٹھا لیا گیا، پھر اسی عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ جس بندے سے عذاب اٹھائے اسکو پھر اسی عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔

بالجملہ اگر یہ روایت سند سے مروی ہوتی تو سند دیکھکر حکم لگایا جاتا کہ کیسی ہے، مگر اصول مذہب کے بظاہر خلاف ہے لہٰذا قابل اعتبار نہیں۔ ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۸۱) از دھوراجی کاٹھیاوار مرسلہ احمد عبد الشکور مرسلہ عبد الغفار ۱۶ ر شوال ۶۶ھ۔

"حدیث اربعین نمبر ۱۳ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اعان تارک الصلوٰۃ بشیءٍ فکانما زنیٰ بامہ الف مرات۔ حدیث نمبر ۱۴ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اعان تارک الصلوٰۃ بلقمۃ واحدۃ من طعام او شربۃ من ماء فکانما ھدم الکعبۃ بیدہ الف مرات۔ حدیث نمبر ۱۵ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اعان تارک الصلوٰۃ لو بکلمۃ واحدۃ فکانما قتل الانبیاء جمیعا اولھم آدم علیہ السلام و آخرھم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم"۔

عرض یہ ہے کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں یا غلط، اگر صحیح ہیں تو اس کا کیا مطلب ہے، یہ اکثر مسجدوں میں چھپوا کر لگاتے ہیں اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں۔ صاف وضاحت کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

**الجواب** - یہ احادیث جو سوال میں مذکور ہیں، کتب صحاح اور ان کے علاوہ بھی دیگر کتب متداولہ میں میری نظر سے نہیں گذریں، معلوم نہیں یہ اربعین کس کی ہے اور اس کتاب والے نے ان حدیثوں کو کس کتاب سے نقل کیا ہے، بظاہر ان پر وضع کے آثار نمایاں معلوم ہوتے ہیں، مگر تحقیق کے ساتھ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ موضوع حدیثیں ہیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

**مسئلہ** (۸۲) مرسلہ حاجی عبداللطیف ایوب صاحب ۵ رجب ۴۲ھ۔

" مدینہ طیبہ کے سفر میں بعض وقت بمجبوری قافلہ نہ ٹھہرنے کی وجہ سے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء ملا کر پڑھنا جائز ہے' یہ صرف مدینہ طیبہ کے لئے یا ہر کہیں جہاں قافلہ چھوٹ جانے اور خوف کے مقام پر دو دو نمازیں ملا کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ مثلاً ریل چلنے میں عصر کا وقت ہے اور معلوم ہے کہ مغرب تک نہ ٹھہرے گی، تو اُس عصر کو مغرب کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔

**الجواب** - ہمارے مذہب میں جمع بین الصلاتین جائز نہیں اگر ممکن ہو تو مذہب سے خروج نہ کیا جائے اور مدینہ طیبہ کے راستہ میں بعض دفعہ مجبور ہونا پڑتا ہے' اس مجبوری کے وقت مذہب غیر پر عمل کرے، اور اگر کہیں ایسی ہی مجبوری لاحق ہو تو وہاں بھی اسپر عمل کر سکتے ہیں، ریل پر[۵] جب وقت جاتا دیکھیں تو چلتی گاڑی میں پڑھ لیں پھر ٹھہرنے کے بعد پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[۵] چلتی ریل گاڑی پر فرائض واجبات اور سنت فجر صحیح نہیں، جیسے چلتے ہوئے چھکڑے پر یا چلتی ہوئی کشتی پر جبکہ کشتی سے اتر کر خشکی پر نماز پڑھنا ممکن ہو۔ اسکی علت یہ ہے کہ نماز صحیح ہونے کے لئے قرار علی الارض شرط ہے۔ لہذا ان صورتوں میں قرار نہ ہو نماز درست نہیں۔ فتح القدیر میں ہے و فے الایضاح وان کانت موقوفة فی الشط وهی علی قرار الارض فصلے قائما جاز لانها اذا استقرت علے الارض فحکمها حکم الارض ۔ فان کانت مربوطة ویمکنه الخروج لم تجز الصلوٰة فیها لانها اذا لم تستقر فهی کالدابة۔ اھ ۔ بخلاف ما اذا استقرت فانها کالسریر بحر الرائق میں ایضاح سے اسے نقل فرما کر لکھا واختاره فی المحیط والبدائع ۔ درمختار میں ہے، ولو صلی علی دابة فی شق محمل وهو یقدر علے النزول بنفسه لا تجوز الصلوٰة علیها اذا کانت واقفة (وفی الشامیة تحتها) وکذا لو سائرة بالاولی (الا ان تکون عیدان المحمل علی الارض بان رکز تحته خشبة (فی الشامیة) وهذا لو بحیث یبقی قرار المحمل علی الارض لا علی الدابة فیصیر بمنزلة الارض زیلعی۔ فتصح الفرضیة فیه قائما کما فی نور الایضاح) واما الصلوٰة علے العجلة ان کان طرف العجلة علی الدابة وهی تسیر او لا تسیر فهی صلاة علی الدابة (وفی الشامیة) اما اذا کانت تسیر فظاهر واما اذا کانت لا تسیر وکانت علی الارض وطرفها علے الدابة فمشکل لانها فی حکم المحمل اذا رکز تحته خشبة فتکون کالارض ۔ وقد یفرق بانها اذا کان احد طرفیها علی الارض والآخر علی الدابة لم یصر قرارها علی الارض فقط بل علیها وعلی الدابة بخلاف المحمل لانه انما تصح الصلوٰة علیه اذا کان قراره علی الارض فقط بواسطة الخشبة لا علے الدابة) وان لم یکن طرف العجلة علے الدابة جاز لو واقفة لتعلیلهم بانها کالسریر هذا کله فی الفرض والواجب بانواعه وسنة الفجر۔ (فی الشامیة) قوله لو واقفة کذا قیده فی شرح المنیة ولم اره لغیره یعنی اذا کانت العجلة علی الارض ولم یکن شیئ منها علی الدابة وانما الهاجبل مثلا تجرها الدابة به تصح الصلاة علیها لانها حینئذ کالسریر الموضوع علے الارض ومقتضی هذا التعلیل انها لو کانت سائرة فی هذه الحالة لا تصح الصلاة علیها بلا عذر ۔ وفیه تامل ——

ان ساری عبارتوں کا حاصل یہ نکلا:۔ کشتی اگر کنارے بندھی ہے' اگر زمین پر ٹکی ہے تو نماز فرض درست اور اگر ٹکی نہیں اور کشتی سے اتر کر خشکی پر نماز پڑھ سکتے ہیں تو نماز فرض درست نہیں۔ علت یہ بیان کی کہ قرار علی الارض نہیں ۔ جانور پر محمل ہے' محمل میں نماز پڑھی نماز فرض نہ ہوئی جانور کھڑا ہو یا چل رہا ہو۔ ہاں اگر جانور کھڑا ہو اور محمل زمین پر ٹکی ہو تو درست، علت وہی قرار علی الارض ۔ گاڑی جانور کھینچ رہا ہے اس کا کچھ حصہ زمین پر کچھ جانور پر ہے' نماز نہ ہوئی اسلئے کہ استقرار علی الارض نہ ہوا حتی کہ جانور کھڑا ہو نماز نہ ہوئی اسلئے کہ پوری گاڑی زمین پر ٹکی نہیں کچھ زمین پر ہے کچھ جانور پر گاڑی کا کوئی حصہ جانور پر نہیں اگر گاڑی کھڑی ہے تو نماز درست' چل رہی ہے تو درست نہیں۔ سبب وہی قرار و عدم قرار جن صورتوں (مشتے پر)

Marfat.com

**مسئلہ** (۸۳) مرسلہ قاضی محمد عبد الرزاق صاحب از بانٹوہ کاٹھیاوار ۷ر محرم الحرام ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ظہرین وعشائین کی ابتدار وانتہار کیا ہے۔ اور اسکی کراہیت کس وقت کے ساتھ خاص ہے اور سایہ اصلی جو ہر موسم میں تبدیل ہوتا ہے شریعت میں اسکی معین مقدار کیا ہے۔ اور عصر لوقت مثلین ادا کیجائے تو جائز ہے یا نہیں، مذہب حنفی کے مطابق جواب ہو۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** - آفتاب ڈھلنے سے ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اور جبتک علاوہ سایہ اصلی دو مثل سایہ نہ ہو ظہر کا وقت باقی رہتا ہے، اور جب دو مثل ہوگیا، عصر کا وقت آیا اور غروب تک عصر کا وقت رہتا ہے، ظہر کا وقت اول سے آخر تک بالکل اسمیں کوئی جزء مکروہ نہیں، ہاں جاڑوں میں تعجیل مستحب ہے، اور گرمیوں میں تاخیر۔ سایہ اصلی نصف النہار کے وقت جو سایہ ہوتا ہے وہ ہے، اور موسم وبلد کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، بلکہ بعض جگہ بعض موسم میں ہوتا بھی نہیں، جہاں جس روز جو سایہ اصلی ہو اُسی کا اعتبار ہے، عصر کا وقت آفتاب زرد ہوجانے پر مکروہ ہوجاتا ہے علاوہ سایہ اصلی دو مثل ہونے پر اگر عصر کی نماز شروع کی گئی تو ہوگئی اور دو مثل سے قبل شروع کی تو نہیں ہوئی، مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور جبتک شفقِ ابیض غروب نہ کرے رہتا ہے۔ مگر ستاروں کے خوب نکل آنے پر مکروہ وقت ہوجاتا ہے اور بعد شفق ابیض وقت عشار شروع ہوتا ہے، اور طلوع فجر تک رہتا ہے، مگر بعد نصف شب مکروہ ہے ـــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶) میں زمین پر قرار ہے نماز صحیح، اور جن صورتوں میں زمین پر قرار نہیں نماز درست نہیں۔ رہ گیا حضرت علامہ شامی کا تامل وہ خود ان کے ارشادات سے مندفع ہے۔ اس سے پہلے فرما چکے ہیں۔ انما تصح الصلاۃ علیہ اذا کان قرارہ علی الارض فقط۔ اس سے چند سطر پہلے فرما چکے ہیں، بحیث یبقی قرار المحل علی الارض۔ ان ارشادات کا صاف وصریح مطلب یہی ہے کہ فرائض وواجبات کی صحت کیلئے قرار علی الارض لازم ہے۔ اور گاڑی جب چل رہی ہے تو قرار علی الارض تو دور ہے سرے سے قرار ہی نہیں۔ علاوہ ازیں۔ اس تامل کے چند سطر بعد اس تامل کی بنیاد خود ہی ڈھا دی فرماتے ہیں، والحاصل ان کلا من اتحاد المکان واستقبال القبلۃ شرط فی صلاۃ غیر النافلۃ عند الامکان لا یسقط الا بعذر۔ اور ظاہر ہے کہ گاڑی جب چل رہی ہے، تو مکان متحد نہیں اسلئے چلتی گاڑی میں فرائض، واجبات، سنت فجر صحیح نہیں۔ ہاں اگر وقت جا رہا ہے تو پڑھ لے بعد میں اعادہ کرلے، کہ جہاں مجبوری من جہۃ العباد ہوتی ہے یہی حکم ہے۔ ایک شخص اپاہج ہے قیام، رکوع، سجدہ نہیں کرسکتا ہے اشارے سے نماز پڑھی اگر تندرست ہوجائے تو اعادہ نہیں۔ اور اگر کسی نے ہاتھ پاؤں باندھ دے تو حکم ہے کہ اشارہ سے نماز پڑھے، رہائی کے بعد اعادہ کرے۔ شامی میں ہے قولہ لا یعید ای فی سقوط الشرائط الارکان لعذر سماوی بخلاف ما لو کان من قبل العبد۔ درمختار میں ہے ثم ان نشاء الخوف بسبب عبد اعاد الصلوٰۃ والا لا لانہا سماوی اس کے تحت شامی میں ہے، وقع فی الخلاصۃ وغیرہ الاسیر منعہ العدو من الوضوء والصلوٰۃ یتیمم ویصلی بالایماء ثم یعید ـــ ریل گاڑی میں استقرار علی الارض کا فوت ہونا من جانب العباد ہے، اس لئے بدرجہ مجبوری نماز پڑھ لے، اور بعد میں اعادہ کرے، واللہ تعالیٰ اعلم - امجدی -

Marfat.com

**مسئلہ** (۸۴) مسئولہ جناب ظہور الحق صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ موضع سچھورہ تحصیل کھیر ضلع علیگڈھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس شخص کے لئے کیا حکم ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے اور عوام الناس کو سکھلاتا ہے کہ نماز جمعہ کا وقت دو بجے ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد جمعہ نہیں ہو سکتا۔

**الجواب** ۔ حنفیہ کے نزدیک جمعہ و ظہر دونوں کا وقت ایک ہے یعنی علاوہ سایہ اصلی دو مثل سایہ ہونے تک ان بلاد میں ہمیشہ دو بجے کے بعد بلکہ تین کے بعد تک وقت رہتا ہے۔ بحر الرائق میں ہے (الجمعۃ کالظہر وقتاً واستحباباً ـــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۸۵) مسئولہ حاجی ایوب صاحب از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد۔
عرفات میں ظہر وعصر اور مزدلفہ میں مغرب وعشار ایک ساتھ جو پڑھنے کا حکم ہے کیا وہاں کی مقررہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ یہ حکم خاص ہے، یا اپنے اپنے ڈیرے میں بھی ساتھ پڑھی جا سکتی ہے، یا ہر ایک وقت کی نماز اپنے اپنے وقت میں جدا جدا۔

**الجواب** ۔ عرفات میں وقت ظہر میں عصر پڑھنے کے لئے شرط یہ ہے کہ امام کے ساتھ پڑھے، اگر تنہا پڑھی یا اپنی جماعت الگ کی تو اب عصر کی نماز قبل وقت نہیں پڑھ سکتا، خواہ تنہا یا اپنی جماعت ڈیرے میں کی، یا مسجد میں۔ درمختار میں ہے شرط لهذا الجمع الامام الاعظم او نائبه۔ مزدلفہ[۵] کی مغرب وقت عشار میں پڑھنے کے لئے یہ شرط نہیں ڈیرے میں پڑھی یا جماعت کے ساتھ بہر حال مغرب وقت عشار میں پڑھی جائے ـــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۸۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آفتاب نکلتے وقت جو کلام پاک پڑھنے کی ممانعت ہے آیا آفتاب نکلنے پر کتنا بلند ہو جائے تو شروع کرنا چاہئے، اگر پہلے سے پڑھ رہا ہو تو کتنی دیر تک انتظار کرے۔

**الجواب** ۔ اوقات مکروہہ یعنی طلوع وغروب واستوار کے وقت قرآن کی تلاوت ممنوع نہیں بلکہ افضل واولیٰ یہ ہے کہ ان اوقات میں تلاوت کو ترک کرے اور درود شریف وغیرہ اذکار میں مشغول ہو کر ان اوقات میں انہیں اشتغال تلاوت میں اشتغال سے افضل ہے۔ درمختار میں ہے وفیه عن البغیة الصلوٰة فیها علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم افضل من قرأة القران وکانه لانها من ارکان الصلوٰة فالاولیٰ ترك ما کان رکناً لها ـــــــــــ

[۵] درمختار میں ہے وحط العشائین باذان واقامة لان العشاء فی وقتها لم تحتج للاعلام کما لا احتیاج هنا للامام رد المحتار قلتها) فلو صلاهما منفرداً جاز۔ امجدی

Marfat.com

یہ وقت مکروہ طلوع سے اسوقت تک ہے کہ آفتاب پر نظر خیرہ ہونے لگے جس کی مقدار تجربہ سے بیس منٹ ثابت ہوئی ہے، لہٰذا اتنی دیر تک تلاوت کو موقوف رکھنا افضل ہے ۔۔۔۔۔۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۸۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ یہ مسئلہ لکھا ہے کہ کسی نے نماز فجر کی نیت کی اور آفتاب نہیں نکلا تھا کہ سجدہ کرلیا اب دوسرے سجدہ کے وقت نکل آیا تو نماز ہوگئی اسی طرح عصر کی نماز ہے کہ آفتاب تھا اور نیت باندھ لی ایک سجدہ کے بعد آفتاب غروب ہوگیا، دوسرا سجدہ اسی حالت میں کیا، نماز ہوگئی لیکن قضا نمازوں کے بیان میں لکھا ہوا ہے کہ نمازِ فجر وجمعہ وعیدین کہ ان میں سلام سے پہلے ہی وقت نکل گیا تو نماز جاتی رہی۔ صحیح کیا ہے ؟

**الجواب** یوں ہیں وقت مکروہ آفتاب کی آخری کرن غائب ہونے سے بیس منٹ پہلے سے شروع ہوجاتا ہے۔ استواء سے مراد صرف وقت زوال نہیں، بلکہ ضحوہ کبریٰ سے لیکر زوال تک پورا وقت مراد ہے۔ درمختار میں ہے کرہ صلوٰۃ مطلقا مع شروق واستواء وغروب الاعصر یومہ۔ قال الشامی قولہ مع شروق وما دامت العین لاتحار فیہا فہی فی حکم الشروق کما تقدم فی الغروب انہ الاصح بحر قولہ استواء التعبیر بہ اولیٰ من التعبیر بوقت الزوال لان وقت الزوال لاتکرہ فیہ الصلاۃ اجماعاً بحر۔ عن الحلیہ ای لانہ یدخل بہ وقت الظہر کما مر۔ وفی شرح النقایۃ للبرجندی قد وقع فی عبارات الفقہاء ان الوقت المکروہ ہو عند انتصاف النہار الی ان تزول الشمس ولایخفی ان زوال الشمس انما ہو عقیب انتصاف النہار بلا فصل وفی ہذا القدر من الزمان لایمکن اداء الصلاۃ فیہ ۔۔۔ فلعل المراد انہ لایجوز الصلاۃ بحیث یقع جزء منہا فی ہذا الزمان او المراد بالنہار ہو النہار الشرعی وہو من اول طلوع الصبح الی غروب الشمس وعلی ہذا یکون نصف النہار قبل الزوال بزمان یعتد بہ۔ اھ اسماعیل ونوح وحموی وفی القنیۃ واختلف فی وقت الکراہۃ عند الزوال فقیل من نصف النہار الی الزوال لروایۃ ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نہی عن الصلاۃ نصف النہار حتی تزول الشمس قال رکن الدین الصباغی وما احسن ہذا لان النہی عن الصلاۃ فیہ یعتمد تصورہا فیہ اھ وعزی القہستانی القول بان المراد انتصاف النہار العرفی الی ائمۃ ماوراء النہر وبان المراد انتصاف النہار الشرعی وہو الضحوۃ الکبریٰ الی الزوال الی ائمۃ خوارزم اھ اقول فی حدیث ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دلالۃ واضحۃ علی ان المراد ہہنا بنصف النہار نصف النہار الشرعی لان بین نصف النہار العرفی وزوال الشمس لیس زمان ممتد یکون فیہ غایۃ مُغیا انما یکون زوال الشمس بعد نصف النہار الشرعی متصلا بلا فصل فتعین ان یکون المراد فی الحدیث بنصف النہار ہو نصف النہار الشرعی یعنی الضحوۃ الکبریٰ۔ وقد ترجح ہذہ القول بقول رکن الدین الصباغی ما احسن ہذا۔ وہذا من الفاظ الافتاء۔ قال فی الرضویۃ۔ ویؤیدہ ما فی الشامی عن الطحطاوی عن ابی السعود الحموی عن البرجندی عن الملتقط فی باب الکسوف انہا اذا انکسفت بعد العصر او نصف النہار دعوا ولم یصلوا ای لکراہۃ النفل فی الوقتین ووجہ التائید ظاہر لیس بخلاف۔ غرض جب علماء میں اختلاف ہے اور ایک امام اجل نے اس قول (یہاں مراد نصف النہار شرعی ہے) کو ترجیح دی اور اس کے خلاف ترجیح منقول نہ ہوئی تو احتیاط اسی پر عمل کرنے میں ہے ۔۔۔ طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک جو وقت ہے اس کے نصف پر ضحوہ کبریٰ ہے۔ وقت مکروہ ضحوہ کبریٰ سے شروع ہوکر نصف النہار حقیقی تک رہتا ہے یعنی طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک جو وقت ہے اسکے نصف تک۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ امجدی

Marfat.com

**الجواب** ۔ اگر نماز فجر میں آفتاب طلوع ہوگیا اگرچہ قعدہ میں اگرچہ تشہد کے بعد نماز جاتی رہی یہ پہلا مسئلہ صحیح نہیں مذہب حنفی کے خلاف ہے البتہ نماز عصر میں اگر آفتاب غروب ہو جائے تو نماز ہو جائے گی کہ اس نے نماز ناقص وقت میں شروع کی اور ناقص ہی ادا کی، تو جیسی شروع کی ویسی ہی ادا کی لہٰذا ہوگئی، بخلاف فجر کے تو اس کا کوئی وقت ناقص نہیں بلکہ سب کامل ہے تو اس نے کامل شروع کی اور کامل ہی اس پر واجب ہوئی اور اثنائے نماز میں آفتاب نکل آیا تو ناقص ادا ہوئی، لہٰذا جیسی واجب ہوئی تھی یعنی کامل ویسی اس نے ادا نہ کی اس وجہ سے نماز نہ ہوئی، اس قسم کے مسائل بہار شریعت دیکھکر نکال لیا کیجئے۔

**مسئلہ** (۸۸) مالابدمنہ باب الاوقات کے حاشیہ پر درج ہے کہ جمعہ کے روز استوار آفتاب کے وقت نماز پڑھنا جائز ہے کذا فی الاشباہ و درمختار شاید اسوقت النفال یا سنن پڑھنے کے لئے جواز ہے نہ نماز فریضہ لیکن مجمع المسائل حصہ اول مصنفہ اعلیٰحضرت بریلوی صـ۱۳ اور اعلیٰحضرت کے ملفوظات حصہ اول میں وقت استوار بروز جمعہ نماز پڑھنا جائز لکھا ہے اور اشباہ کے مؤلف کے لئے لکھا ہے کہ وہ حاوی قدس تھے جنھوں نے حضرت یوسف سے روایت لکھی ہیں گویا وہ یوسفی ہوئے، لہٰذا احناف کے نزدیک بوقتِ استوار آفتاب بروز جمعہ نماز پڑھنا صحیح و معتمد ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ مالابدمنہ میں حوالہ درمختار کا دیا ہے اور اعلیٰحضرت نے مجمع المسائل میں بھی درمختار کا حوالہ دیا ہے، لہٰذا درمختار دوبارہ ملاحظہ فرما کر اطلاع بخشیں کہ بوقت استوار آفتاب النفال پڑھنا درست ہے یا نہیں۔

**الجواب** ۔ مجمع المسائل اعلیٰحضرت کے فتاویٰ کا مجموعہ نہیں ہے غالباً یہ مولوی حشمت علی بریلوی نے اپنے فتاوے جمع کئے ہیں، درمختار میں بروز جمعہ وقتِ استوار نماز کا جائز ہونا امام ابویوسف رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا اور اسی کو اصح اور معتمد کہا متن میں مطلقاً وقت استوار کو وقت کراہت لکھا ... اور صاحب درمختار نے امام ابویوسف کے قول کا استثنار کرکے اسکی تصحیح کی، عبارت یہ ہے (واستواء) الا یوم الجمعۃ علی قول الثانی المصحح المعتمد کذا فی الاشباہ ونقل الحلبی عن الحاوی ان علیہ الفتویٰ ۔ مگر اس تصحیح پر ردالمحتار میں اعتراض کیا ہے اعترض بان المتون والشروح علی خلافہ کہ متون اور شروح سب اسکے خلاف پر ہیں، لہٰذا اسکی تصحیح صحیح نہیں[ے] پس صاحب درمختار نے اگرچہ قول امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصحیح کی کہ نوافل

---

ے بلکہ صحیح و معتمد یہی ہے کہ وقت استوار جمعہ کے دن بھی نماز مکروہ ہے ۔ شامی میں ہے لکن شراح الہدایۃ انتصروا لقول الامام واجابوا عن الحدیث المذکور باحادیث النہی عن الصلاۃ وقت الاستواء فانہا محرمۃ واجاب فی الفتح بحمل المطلق علی المقید وظاہرہ ترجیح قول ابی یوسف ووافقہ فی الحلیۃ کما فی البحر لکن لم یعول علیہ فی شرح المنیۃ والامداد علی ان ہذا لیس من المواضع التی یحمل فیہا المطلق علی المقید کما یعلم من کتب الاصول وایضا فان حدیث النہی صحیح رواہ مسلم وغیرہ فیقدم بصحتہ واتفاق الائمۃ علی العمل بہ وکونہ حاظرا ولذا امنع علمائنا عن سنۃ الوضوء وتحیۃ المسجد ورکعتی الطواف ونحو ذالک (صـ۲۵۱ بر)

Marfat.com

وقت استوار میں جائز ہیں مگر قول مصح ومعتمد وہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ بروز جمعہ مطلقاً وقت استوار میں نماز ممنوع ہے کہ قول امام ثانی کی تصحیح کا مدار حاوی قدسی پر ہے اور حاوی قدسی کے مصنف ہر جگہ قول امام ابو یوسف ہی کو اختیار کرتے ہیں، لہذا اس باب میں یہ تصحیح بلحاظ ان کے مذہب کے ہے ــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۸۹) مرسلہ جناب عبد الرحمٰن صاحب ولد عبد القادر متصل خانقاہ شریف محلہ برکت پورہ مالیگاؤں سٹی ضلع ناسک

۴ رجب ۱۳۸۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۸/۱۷ میں عصر کے وقت کا بیان ہے، کہ فلاں ماہ فلاں ہفتہ میں اتنے بجکر اتنے منٹ تک عصر کا وقت رہتا ہے۔ جناب مولٰنا صاحب اسمیں "ان بلاد کا لفظ لکھا ہے" تو ان بلاد میں کون کون شہر داخل ہیں، اور کون کون خارج یا اس سے کل ہندوستان مراد ہے۔

**الجواب**۔ ان بلاد سے مراد بریلی اور اسکے قریب کے دوسرے شہر یا وہ شہر واضلاع جن کا عرض البلد بریلی کے برابر یا کچھ کم وبیش ہے۔ ــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۹۰) از بمبئی گول پیٹھا اسلام پورہ اسٹریٹ للو بھائی دیوی داس کی چال پہلا مالہ مرسلہ اسمٰعیل ابن الغفور ۶ رجب ۱۳۶۰ھ

"وہ جگہ کونسی ہے جہاں لوگوں کو عشار کی نماز نہیں ملتی ہے۔ مغرب کی نماز پڑھکر فارغ ہوتے ہیں اور سورج طلوع ہو جاتا ہے۔

**الجواب**۔ جہاں غروب آفتاب اور طلوع آفتاب میں صرف اتنا وقفہ ہو کہ مغرب کی نماز پڑھ لی جائے، وہاں نہ آبادی ہے نہ وہاں انسان رہ سکتا ہے، ہاں وہ جگہیں جہاں شفق ڈوبتے ہی فجر طلوع کر آئے یا دونوں میں چند منٹ کا فاصلہ ہو ایسی بہت سی جگہیں ہیں۔ بلغار[عہ] میں ایسا ہوتا ہے، اور لندن میں بعض دنوں میں ایسا ہوتا ہے ــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

(حاشیہ صفحہ ۵۰) فان الحافظ مقدم علی المبیح۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے الملفوظ میں یہ منقول ہے کہ فرمایا، ہاں دربارۂ نوافل اسی حدیث (جمعہ کے دن جہنم بھڑکایا نہیں جاتا) کی بنا پر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روز جمعہ وقت زوال کراہت نہ مانی۔ اشباہ میں اسے صحیح ومعتمد رکھا، مگر یہ حادی تنہا سے ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ صاحب حاوی یوسفی المذہب ہیں ہر جگہ قول امام ابو یوسف کو ہی لافذ کہتے ہیں۔ ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب جس پر تمام متون وشروح ہیں۔ اطلاق منع ہے اور یہی صحیح ومعتمد ہے، لہذا سائل کا یہ لکھنا کہ ملفوظات حصہ اول میں وقت استوار بروز جمعہ نماز پڑھنا جائز لکھا ہے، غلط ہے۔ اس کا امکان ظاہر ہے کہ سائل دنا، لکھنا رہ گیا ہو۔ وہ لکھنا چاہتا تھا (ناجائز) اور لکھ گیا جائز!

وَاللّٰہُ تعالیٰ اَعْلَمُ

امجدی

عہ درمختار میں ہے "وفاقد وقتہا کبلغار، فان فیہا یطلع الفجر قبل غروب الشفق فی اربعینیۃ الشتا۔ قال محشیہ الشامی صوابہ فی اربعینیۃ الصیف۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

**مسئلہ** (۹۱) مرسلہ عبدالحکیم خاں صاحب جمعدار ساکن چھاؤنی بلارم دکن رسالہ ۳ کیولری ۲۶ شوال ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس وقت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک آتا ہے تو انگوٹھے جو چومتے ہیں، کیسا ہے۔

**الجواب** - جب اذان میں مؤذن اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے تو مستحب ہے کہ سننے والا انگوٹھوں کو بوسہ دے، ردالمحتار میں ہے وفی کتاب الفردوس من قبل ظفری ابہامیہ عند سماع اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ فی الاذان انا قائدہ ومدخلہ فی صفوف الجنۃ۔ اور مسئلہ کی تحقیق تام رسالہ منیر العین میں ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۹۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین وخلیفہ مرسلین مسائل ذیل میں کہ :-

(۱) - اگر کوئی شخص بہ نیت ثواب صحیح طریقے سے اذان اور تکبیر کہہ سکتا ہے، لیکن کچھ نمازی یونہی یا اور کسی وجہ سے مانع ہوں، تو کیا یہ شخص اذان اور تکبیر کہنے پر مُصِر ہو سکتا ہے ؟

(۲) - ڈاڑھی منڈانے والا یا نابالغ بلند آواز اور صحیح طریقے سے اذان اور تکبیر ادا کرتا ہے، تو دے سکتا ہے یا نہیں۔

**الجواب** ۱ - جب یہ شخص ثواب کے لئے اذان کہتا اور الفاظ اذان صحیح ادا کرتا ہے، تو لوگ اُسے اذان سے کیوں روکتے ہیں، اگر بلاوجہ منع کرتے ہوں تو اُنھیں ایسا نہ چاہئے، اور اس صورت میں یہ شخص اصرار کر سکتا ہے، مگر جبکہ فتنہ کا اندیشہ ہو تو باز رہے، اور اگر وجہ صحیح سے منع کرتے ہوں تو اصرار کی کوئی وجہ نہیں۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۲ - نابالغ اگر سمجھ والا ہے تو بلا کراہت اذان دے سکتا ہے، مگر بالغ اذان کہے تو بہتر ہے۔ درمختار میں ہے ویجوز بلا کراھۃ اذان صبی مراھق۔ ردالمحتار میں ہے المراد بہ العاقل وان لم یراھق کما ھو ظاھر البحر وغیرہ۔ فتاویٰ عالمگیری میں نہایہ سے ہے اذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراھۃ فی ظاھر الروایۃ ولکن اذان البالغ افضل۔ ڈاڑھی منڈانے والا فاسق ہے[عـه] اور فاسق کی اذان مکروہ۔ تنویر الابصار میں ہے ویکرہ اذان فاسق (ملخصًا)، عالمگیری میں ہے ویکرہ اذان الفاسق ولا یعاد[عـه] ہکذا فی الذخیرۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عـه درمختار میں ہے یحرم علی الرجل قطع لحیتہ - یونہی ایک مُشت سے کم کرانے والا بھی فاسق ہے - فتح القدیر میں ہے اما الاخذ دون ذالک کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد. ایک مشت سے کم ڈاڑھی کرنا جیسا بعض مغاربہ اور ہیجڑے قسم کے مرد کرتے ہیں، اسے کسی نے جائز نہیں کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عـه ہکذا فی الھندیۃ ولکن فی القھستانی واعلم ان اعادۃ اذان الجنب والمرأۃ والمجنون والسکران والصبی والفاجر والماشی والمنحرف عن القبلۃ واجبۃ لانہ غیر معتد بہ وقیل مستحبۃ فانہ معتد بہ الا انہ ناقص وھو الاصح کما فی التمرتاشی وقال فی البحر وینبغی ان لا یصح اذان الفاسق بالنسبۃ الی قبول قولہ والاعتماد علیہ لما قدمنا من انہ لا یقبل قولہ (ص ۵۳ پر)

Marfat.com

**مسئلہ** (۹۳) مرسلہ مولوی نجیب الرحمٰن صاحب از موضع پیوارگھاٹ ڈاکخانہ پن پن پٹنہ ۴ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ

"بے وقت اذان ہونے یا غلط ہونے پر جماعت کا اعادہ واجب ہے ؟"

**الجواب** - قبل از وقت اذان اذان ہی نہیں، اگرچہ اذان فجر ہو، بلکہ اگر قبل وقت شروع کی، اور وقت میں ختم کی تو اس کے بھی اعادہ کا حکم ہے - درمختار میں ہے فیعاد اذان وقع بعضہ قبلہ تو یہ جماعت بغیر اذان پڑھی گئی، یونہی اگر اذان غلط ہوئی تو دوبارہ اُسکی تصحیح چاہئے، اور اذان سنّت مؤکدہ ہے، بلکہ بعض نے واجب کہا، اور اصح اول ہے، اور جو جماعت بغیر اذان ہوئی مکروہ ہوئی - عالمگیری میں ہے ویکرہ اداء المکتوبۃ بالجماعۃ فی المسجد بغیر اذان واقامۃ کذا فی فتاویٰ قاضیخاں - اور ایسی جماعت کا اعادہ بہتر ہے کہ جو نماز خلاف سنّت ادا ہوئی اُس کا اعادہ بہتر، مگر فجر وعصر ومغرب میں اعادہ نہ چاہئے، کہ فرض ادا ہوچکا ہے، اور یہ جواب پڑھے گا نفل ہے، اور فجر وعصر کے بعد نفل نہیں، اور مغرب میں نفل کا تین رکعت ہونا لازم آئے گا بس طرح اگر کوئی بغیر جماعت ان نمازوں کو پڑھ چکا ہے، پھر مسجد میں جماعت قائم دیکھی تو ان تین میں شریک نہ ہو اور ظہر وعشاء میں شریک جماعت ہو، کما ھو مصرح فی غیر ما کتاب ——— واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

**مسئلہ** (۹۴) مرسلہ حامی سنّت منشی محمد عبدالعزیز خاں صاحب از کلکتہ ذکریا اسٹریٹ ۵ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ بڑی مسجد میں نئے امام صاحب کے کہنے پر لوگ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ پر کھڑے ہوتے ہیں اور قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ پر امام تکبیر کہتے ہیں، اسمیں چند وہابی معترض ہیں کہ ایسی بڑی جماعت میں اتنے قلیل وقت میں صف برابر نہیں ہوتی اسلئے امر فضیلت کیلئے امر کراہت کا احتمال جائز نہیں۔ بینوا توجروا ۔

**الجواب** - یہ مسئلہ نہایت واضح اور عامۂ کتب معتبرہ میں اس کا ذکر ہے، اور نہیں تو شرح وقایہ ہی دیکھئے، فرماتے ہیں و یقوم الامام والقوم عند حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ - مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی اس کے حاشیہ "عمدۃ الرعایہ" میں لکھتے ہیں ای مواضعھم الی الصف وفیہ اشارۃ الی انہ اذا دخل المسجد یکرہ لہ انتظار الصلوۃ قائما بل یجلس فی موضع ثم یقوم عند حی علی الفلاح وبہ صرح فی جامع المضمرات - اس مسئلہ کے متعلق عبارات جمع کیجائیں تو بہت طول ہو - بعض عبارات پر اقتصار کیا جاتا ہے مجمع الانہر

(بقیہ حاشیہ ص۵۲) فی الامور الدینیہ - قال الشامی علی ھامشہ کذا فی النھر ایضا وظاھرہ انہ یعاد وایضا ھو قدس سرہ صرح فی رد المحتار فیعاد اذان الکل ندبا علی الاصح کما قدمنا عن القھستانی فلذالک صرح فی بہار شریعت - خنثیٰ و فاسق اگرچہ عالم ہی ہو اور نشہ والے اور پاگل اور ناسمجھ بچے اور جنب کی اذان مکروہ ہے ان سب کی اذان کا اعادہ کیا جائے - لاہور، کانپور اور دہلی کی مطبوعہ بہار شریعت میں حوالہ درمختار کا ہے - یہ کاتب کی مہربانی اور ناشرین کی غفلت کا نتیجہ ہے - اللہ عزوجل ان ناشرین کو ہدایت دے بہار شریعت چھاپ کر اپنے خزانے بھر لئے ہیں مگر اس کا ناس لگا کر رکھ دیا ہے - ایسی ایسی فاش غلطیاں ہیں کہ کتاب محرّف ہو کے رہ گئی ہے - واللہ تعالیٰ اعلم - امجدی

Marfat.com

میں ہے واذا قال المؤذن فی الاقامۃ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ قام الامام والجماعۃ عند علمائنا الثلثۃ للاجابۃ وقال الحسن وزفر اذا قال قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ قاموا الی الصف۔ جب خود امام اعظم وصاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما رہے ہیں تو اب ان کے مقلد کو چون وچرا کی کیا گنجائش۔ عام لوگوں میں خلاف سنّت یہ رواج پڑ گیا ہے کہ اقامت شروع ہونے سے پہلے ہی کھڑے ہوجاتے ہیں اور بوجہ جہالت بیٹھنے والے پر ملامت کرتے ہیں اور سنّت قدیمہ کو اپنی ناواقفی سے نئی بات سمجھتے ہیں، حالانکہ فقہاء تصریح فرماتے ہیں کہ بیشتر سے انتظار نماز میں کھڑا رہنا مکروہ ہے۔ "جامع المضمرات" کی عبارت بحوالہ عمدۃ الرعایہ سُن چکے۔ یکرہ مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے ان کان المؤذن غیر الامام وکان القوم مع الامام فی المسجد فانہ یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حَیَّ عَلَی الْفَلَاح عند علمائنا الثلثۃ وھو الصحیح الخ بلکہ اگر کوئی شخص مسجد میں اس وقت آیا کہ اقامت ہورہی ہے، تو سنّت یہ ہے کہ بیٹھ جائے اور کھڑا رہنا مکروہ ہے۔ اُسی میں ہے اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کذا فی المضمرات۔ درمختار میں ہے، دخل المسجد والمؤذن یقیم یقعد الی قیام الامام فی مصلاہ۔

وہابیہ کو جب اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق ہی نہیں، تو اُن کی آرزو ہوگی کہ سنّت پر عمل نہ ہو، اور اس کے لئے طرح طرح کے حیلے نکالیں گے، پہلے ہی سے کیوں نہیں صف برابر کرکے بیٹھتے۔ اور افضل یہ ہے کہ بعد ختم اقامت امام نماز شروع کرے اگرچہ بعد قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ بھی شروع کرنا جائز ہے کما فی الغنیہ اور اگر صف[۵] سیدھی نہ ہوئی تو امام اتنا انتظار کرسکتا ہے کہ صف درست ہوجائے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۸۵) مسئولہ محمد علی طالب علم مدرسہ اہلسنّت ۱۲ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ صبح صادق کا وقت کے بجے سے شروع ہوتا ہے، اور اگر فجر کی اذان ۴ بجے دیدی گئی ہو تو جائز ہے یا ناجائز۔ اگر ناجائز ہے تو دوبارہ اذان دی جائے گی یا نہیں۔

**الجواب** ۔ صبح صادق بلکہ تمام اوقات روزمرہ مختلف ہوتے ہیں گھنٹے منٹ کے ساتھ ایسی تحدید کہ روز وہی رہے کیونکر ممکن، آجکل موسم سرما میں یہاں پانچ بجے کے بعد صبح صادق ہوتی ہے، اور وہ اذان کہ قبل وقت ہوئی صحیح نہیں، پھر دوبارہ وقت میں کہی جائے، تنویر الابصار میں ہے فیعاد اذان وقع قبلہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

[۵] قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حَیَّ عَلَی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ فیصفوا ویسووا الصفوف وبجاذ وابین المناکب نماز یوں کو چاہئے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوں پھر صف باندھیں اور صفوف کو سیدھی کریں مونڈھوں کو برابر کریں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

**مسئلہ** (۸۶) مسئولہ عبد العزیز خاں از شہر کہنہ بریلی ۲۰ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ۔

"اذان مسجد کے داہنی طرف کہنی چاہیئے یا بائیں طرف، نیز مسنون اذان کا کہنا کس طرف ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** ۔ اذان مئذنہ پر ہونی چاہیئے، اور اگر مئذنہ بنا نہ ہو تو فصیل وغیرہ کسی اونچی جگہ پر ہو، پھر اگر داہنی طرف نمازیوں کی زیادہ تعداد ہو تو داہنی طرف اور بائیں طرف زیادہ رہتے ہوں تو بائیں جانب بہتر ہے، اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ اذان بائیں طرف ہونی چاہیئے بالکل غلط ہے، داہنے بائیں کی تخصیص نہیں، بلکہ وہ جگہ اختیار کریں کہ اسمع للجیران ہو، فتاویٰ عالمگیری میں ہے السنۃ ان یؤذن فی موضع عال یکون اسمع لجیرانہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۸۷) از الہ آباد چوک مرسلہ حاجی عبد الحمید صاحب سوداگر ۱۵ ر صفر ۱۳۴۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز کے لئے صفوں کا برابر کرنا اور سیدھا کرنا ضروری امر ہے یا اثنائے اقامت میں امام ومقتدین کے لئے نماز میں کھڑا ہونا جیساکہ بعض کتب فقہیہ میں مذکور ہے "القیام حین قیل حی علی الفلاح وشروع الامام مذ قیل قد قامت الصلوٰۃ اور اگر کوئی امام تسویہ صفوف سے اثنائے اقامت میں کھڑے ہونے کو مہتم بالشان خیال کرے اور اپنے اسی رائے پر ہٹ کرے تو اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے۔

**الجواب** ۔ صفوں کا برابر کرنا مسنون ہے، حدیث میں ہے "لتسون صفوفکم اولیخالفن اللہ بین وجوھکم" صفوف کو سیدھا نہ کرنے میں اندیشہ ہے کہ لوگوں میں مخالفت پیدا ہو جائے۔ اور وقت اقامت بیٹھا رہنا جیساکہ عامہ کتب معتبرہ فقہ متون وشروح وفتاویٰ میں مذکور ہے، امام وقوم اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن[۵] حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ کہے اسکی بھی پابندی کی جائے نہ اسکی وجہ سے اُسے ترک کریں نہ اُس کی وجہ سے اِسے کہ ان دونوں میں منافات نہیں، زمانہ موجودہ میں عام طور پر رواج ہو گیا ہے کہ جبتک امام مصلیٰ پر کھڑا نہ ہو جائے تکبیر نہیں کہتے گویا یہ تصور کر لیا ہے کہ تکبیر اس سے قبل جائز ہی نہیں یہانتک کہ اگر دو تین مقتدی ہوں کہ اگر وہ اِدھر اُدھر بھی بیٹھے ہوں تو برابر کرتے کیا دیر لگتی ہے، اسمیں بھی اپنے اسی قانون کی پابندی کرتے ہیں، یہ بالکل بے اصل ہے، اگر جماعت کثیرہ بھی ہے تو لوگ پہلے ہی سے اسطرح بیٹھیں کہ صفوف کے سیدھا کرنے میں دیر نہ لگے تاکہ کسی سنت ومستحب کا ترک کرنا نہ پڑے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[۵] دو روایت ہے کہ حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ پر کھڑا ہو، یا حَیَّ عَلَی الْفَلَاح پر۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے دونوں میں یہ تطبیق دی کہ حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ پر اٹھنا شروع کرے اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح پر سیدھا کھڑا ہو جائے۔ عالمگیری سے گزرا کہ کھڑے ہو کر اقامت سننا مکروہ ہے۔ اسلئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کا خیال رکھیں، کھڑے ہو کر اقامت ہرگز نہ سُنیں، واللہ تعالیٰ اعلم ۔ امجدی

Marfat.com

**مسئلہ** (۸۷) از گابی مرسلہ عبد الکریم حاجی ہاشم ۲۰ رصفر ۴۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ جماعت نماز کے لئے تثویب بعد الاذان کہنا کیسا ہے کتب معتبرہ فقہ حنفیہ میں اسکے معنی اور کیا غایت اور کیا حکم شرعی اور اس کے لئے کیا کیا الفاظ لکھے ہیں۔

**الجواب**۔ متاخرین نے تثویب کو مستحسن فرمایا اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے دوبارہ نماز کیلئے اعلان کیا جائے تاکہ جو لوگ اذان سنکر نماز کے لئے نہیں آئے انھیں یاد دہانی ہو جائے کہ اب آ جائیں اور اس کے لئے کسی خاص لفظ کی نہیں بلکہ وہاں کے لوگوں نے جو لفظ بھی اس کے لئے مقرر کر لیا ہو جائز ہے۔ درمختار میں ہے ویثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بماتعارفوہ ردالمحتار میں ہے التثویب العود الی الاعلام بعد الاعلام درر۔ نیز اسی میں ہے قولہ فی الکل ای کل الصلوۃ لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ قال فی العنایۃ احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ما تعارفوہ فی جمیع الصلوۃ سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر وما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن اھ قولہ بماتعارفوہ کتنحنح او قامت قامت او الصلوۃ الصلوۃ ولو احدثوا اعلاما مخالفا لذالک جاز نھر عن المجتبیٰ ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ امور دین میں لوگ سست ہو گئے ہیں اس وجہ سے متاخرین نے تثویب کو مقرر کیا اور تثویب مغرب کے سوئی تمام نمازوں میں کی جائے اور مسلمان جس امر کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور تثویب کے لئے جو الفاظ مقرر کر لئے جائیں جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے والتثویب حسن عند المتاخرین فی الصلوۃ الا المغرب ھکذا فی شرح النقایۃ للشیخ ابی المکارم وھو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلوۃ بین الاذان والاقامۃ وتثویب کل بلدۃ علی ما تعارفوہ اما بتنحنح او بالصلوۃ الصلوۃ او قامت قامت لانہ للمبالغۃ فی الاعلام وانما یحصل ذالک بما تعارفوہ کذا فی الکافی ـــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۸۸) مرسلہ حافظ ارشاد خیر صاحب دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ وسط شہر میں ایک مسجد مسلمانوں کے گنجان محلہ میں واقع ہے جس میں مؤذن اور امام دونوں موجود ہیں، پنجگانہ نماز جماعت کے لئے ان مساجد میں اذان دیجاتی ہے لیکن بخلاف اس کے مسجد مذکور میں صبح کی جماعت بغیر اذان اکثر ہو جاتی ہے، بروئے حکم شرع اطہر نماز جماعت میں بلا اذان کہے کوئی نقص واقع ہوتا ہے یا کیا اور اذان کے کہنے کا موذن اور مسلمانوں کے ذمہ کوئی مواخذہ ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

Marfat.com

**الجواب** - صلوات خمسہ جبکہ جماعت سے ادا کی جائیں تو اذان سنت مؤکدہ ہے عہ اور اسکی تاکید بہت زائد ہے یہاں تک کہ بعض ائمہ وجوب کے قائل ہیں اور اس کا ترک موجب اثم ہے۔ غنیہ میں ہے "الاذان سنۃ فی قول عامۃ الفقہاء وکذا الاقامۃ وقال بعض مشائخنا واجب لقول محمد لو اجتمع اھل بلدۃ علی ترکہ قاتلناھم علیہ"، نیز اسی میں ہے "وفی الدرایۃ عن علی ابن الجعد عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وابی یوسف رحمہ اللہ صلوا فی الحضر الظہر والعصر بلا اذان واقامۃ اخطؤا السنۃ واثموا ثم ھما سنۃ للصلوات الخمس اداء وقضاء اذا صلیت بجماعۃ" - نیز اذان شعائر اسلام سے ہے اسکو ہرگز ترک نہ کیا جائے اور جب مؤذن نوکر ہو تو اس کے لئے پانچوں وقت اذان کہنا ضرور ہے اور نہ کہے تو علیحدہ کر دیا جائے اسکی جگہ دوسرا رکھا جائے۔

**مسئلہ** (۸۹) از بنارس محلہ کچی باغ مرسلہ خان بہادر خاں صاحب مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین عبارت ذیل میں، صاحب در مختار فرماتے ہیں "والقیام للامام والمؤتم حین قیل حی علی الفلاح ان کان الامام بقرب المحراب والا فیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظہر وان دخل من قدام قاموا حین یقع بصرھم علیہ الا اذا اقام الامام بنفسہ فی مسجد فلا یقفوا حتی یتم اقامتہ ظہیریۃ وان خارجہ قام کل صف ینتھی الیہ"۔ تحریر بعض لوگ عبارت مذکورہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہے کہ امام محراب کے پاس ہو اور اگر صف سے دور ہو یا مسجد سے باہر ہو تو جس صف کے پاس امام پہونچے اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں عام اس سے کہ تکبیر شروع ہو یا نہ ہو، اسی بنا پر جب مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو صف سے قریب ہو کر کہتے ہیں کہ اے مقتدیو! کھڑے ہو جایا کرو، جب میں تمہارے پاس آجایا کروں۔ بعض مقتدیوں نے کہا ابھی مکبر نے حی علی الفلاح نہیں کہا ہے ہم کیونکر کھڑے ہوں۔ یہ تو اس وقت ہے جبکہ مکبر حی علی الفلاح کہہ لی ہو اور امام موجود نہ ہو۔ تو محض مکبر کے حی علی الفلاح پر نہ کھڑے ہوں بلکہ امام کا انتظار کریں، اس پر بہت زور دیا جا رہا ہے کہ نہیں یہ مطلب ہرگز نہیں ہے، بلکہ میں جب قبل حی علی الفلاح آیا کروں تو بھی کھڑے ہو جانا تم لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ عبارت مذکورہ کا مطلب ہے کہ امام جب محراب کے قریب ہو تو حی علی الفلاح پر اٹھے اور اگر ایسا نہیں ہے تو دو صورت ہے، اگر بعد حی علی الفلاح آیا ہے تو جس صف سے گذرے اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں اور قبل حی علی الفلاح کے امام آیا ہے تو اس کو بھی بیٹھ جانا چاہئے، کیونکہ انتظار اقامت کھڑے ہو کر مکروہ ہے جیسا کہ صاحب طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں تحریر فرمایا ہے "واذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ ودخل رجل المسجد فانہ یقعد ولا ینتظر قائما فانہ

عہ بلا اذان جماعت اولیٰ مکروہ اور خلاف سنت ہے، فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۵۰۹ - اذان سنت مؤکدہ کفایہ ہے - اگر ایک کہہ دے تو سب سے ساقط، اور اگر کوئی نہ کہے تو سب گنہگار - شامی میں ہے "واستظھر فی البحر کونہ سنۃ علی الکفایۃ بالنسبۃ الی کل اھل بلدۃ"، واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

اذان کی تاکید

Marfat.com

مکروہ کما فی المضمرات قہستانی ویفہم منہ کراھۃ القیام ابتداء الاقامۃ والناس عنہ غافلون اور پھر جامع الرموز میں ہے ویقوم الامام والقوم عند حیّ علی الفلاح وفی الاصل وغیرہ الاحب ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن وھذا قول العلماء الثلثۃ وھو الصحیح۔ چند عبارت کے بعد فرماتے ہیں وفی الکلام ایماء خفی الی انہ لو دخل المسجد احد عند الاقامۃ یقعد لکراھۃ القیام والانتظار کما فی المضمرات۔ عالمگیری نے کچھ اضافہ کرکے تشریح کی ہے ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حیّ علی الفلاح کذا فی المضمرات، اور اگر قبل حیّ علی الصلوٰۃ کے محض امام کے آنے پر خود امام اور لوگ کھڑے ہوجائیں، تو صاحب مضمرات کی عبارت کا مطلب باطل ہوجاتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ جب امام قرب محراب میں ہو تو حیّ علی الصلوٰۃ پر وہ خود اور مقتدین اٹھیں اور بعدم موجودگی امام وقت حیّ علی الصلوٰۃ مقتدی نہ اٹھیں، بلکہ امام جب صف سے قریب ہوجائے تو اہل صف اولے مقتدی اٹھیں، تو صاحب مضمرات اور صاحب، درمختار دونوں کی عبارتوں کا مطلب صحیح باقی رہے گا۔ دوسرے صاحب طحطاوی کی عبارت لفظ رَجُلٌ، اور جامع الرموز کی عبارت میں لفظ اَحَدٌ جو آیا ہے وہ مطلق ہے، یعنی امام اور مقتدی دونوں کو شامل ہے یا محض مقتدی اس سے مراد ہیں، لہٰذا عبارات مذکورہ کا جو صحیح مطلب ہے تحریر فرمائیں اور یہ بھی فرمائیں کہ عمل کیا ہونا چاہیے، اور بوقت اقامت بیٹھنا اور حیّ علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑا ہوجانا ہے۔

کوئی نیا مسئلہ ہے یا پرانا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلے سے تو کہیں کسی کو ہم نے بیٹھتے نہیں دیکھا یہ نیا مسئلہ ہے میں تو بیٹھونگا مفصل جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں تاکہ یہ مرحلہ طے ہوجائے۔

**الجواب**۔ عبارت درمختار بہت واضح وظاہر ہے اور مسئلہ بھی نہایت صاف ہے، بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں روایات مختلف ہوتی ہیں یا ائمہ مذہب یا مشائخ میں اختلاف ہوتا ہے، ایسے مسائل میں ترجیح وتصحیح کی ضرورت پڑتی ہے اور جہاں اختلافات نہ ہوں یا روایات مختلف نہ ہوں اور متون تک میں مذکور ہوں، وہاں قیل وقال کی ضرورت نہیں۔ یہ مسئلہ حاضرہ ایسا ہے کہ خود امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول اس کے متعلق موجود، اور ائمہ ثلثہ بالاتفاق فرما رہے ہیں کہ اس وقت امام اور مقتدی کھڑے ہوں، جب مکبر حیّ علی الصلوٰۃ یا حیّ علی الفلاح کے شروع سے کھڑا ہوجانا نہ مذہب امام اعظم ہے نہ صاحبین کا قول۔ پس حنفی کو چون وچرا کی اصلاً گنجائش نہیں۔ ہمارے ائمہ میں امام حسن بن زیاد اور امام زفر نے اگرچہ ائمہ ثلاثہ کا خلاف کیا ہے مگر وہ بھی یہ نہیں کہتے ہیں کہ پہلے ہی سے کھڑے ہوجائیں، بلکہ ان کے نزدیک قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ پر کھڑے ہوں۔ ردالمحتار میں ہے قال فی الذخیرۃ یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حیّ علی الفلاح عند علمائنا الثلثۃ وقال الحسن بن زیاد وزفر اذا قال

Marfat.com

المؤذن قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ قاموا الی الصف واذا قال مرۃ ثانیۃ کبّر والصحیح قول علمائنا الثلثۃ۔ ان دونوں ائمہ نے بھی اس طرح نہ کہا جیسا آجکل حنفی عوام کرتے ہیں کہ وقت اقامت تمام جماعت و امام کا کھڑا ہوجانا ضروری سمجھتے ہیں یا کم ازکم مستحب جانتے ہیں یہانتک کہ مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کی پیروی کرنے پر فساد کے لئے تیار ہوجاتے یا ناراض ہوتے ہیں، غالباً یہ انکار عدم واقفیت پر مبنی ہے، مگر بتا دینے کے بعد اس کی طرف رجوع نہ کرنا خلاف انصاف ہے۔ عام طور پر لوگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہیں، اس وجہ سے اسے نیا کہتے ہیں۔ ورنہ جو حکم عامہ کتب مذہب متون و شروح و فتاویٰ میں مذکور ہو اور وہ بھی اس تصریح کے ساتھ کہ ائمہ ثلاثہ کا یہ قول ہے، اسے نیا کہنا عجب ہے، امام کے قول کے خلاف حنفی کو عمل کرنا نیا ہے نہ کہ قول امام کو نیا اور حادث کہا جائے اگر مشائخ یا علماء کا استخراج ہوتا جب بھی نیا نہ کہلاتا نہ کہ امام اعظم کے ارشاد کو نیا کہکر رد کیا جائے، یہ حنفی سے نہایت بعید ہے۔ درمختار کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وقت اقامت اگر امام قریب محراب میں ہو تو حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ پر کھڑے نہ ہوں بلکہ جس صف کے پاس امام وہ کھڑی ہوجائے، والا فیقوم کا مطلب یہ نہیں کہ اقامت سے پہلے جب امام آئے تو اس کے آنے سے ہی لوگ کھڑے ہوجائیں اس لئے کہ وہ الا مخفف ہے وان لم یکن کذالك کا جس کا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ صورت متقدمہ ہو تو حکم یہ ہے، اور یہاں صورت متقدمہ یہ تھی کہ اقامت اسوقت کہی گئی کہ امام قرب محراب میں نہ ہو لہذا اگر قبل اقامت امام آیا تو نہ اُس کے آنے پر لوگ کھڑے ہوں نہ اس عبارت سے اسے کوئی تعلق

**ثانیاً۔** قبل اقامت امام کے آنے پر مقتدیوں کا کھڑا ہونا، اُس کی دو صورتیں ہیں. تعظیم امام کے لئے یہ کھڑا ہونا ہے یا نماز کے لئے، بر تقدیر اول خود امام کا لوگوں کو اپنی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کا حکم دینا سخت معیوب و مذموم ہے، نیز یہ کہ زیر بحث نہیں، کلام اس قیام میں ہے جو نماز کے لئے ہو نہ کہ امام کے لئے۔ اور بر تقدیر ثانی انتظارُ الصلوۃ قائماً ہوا، اور فقہاء اس کو مکروہ کہتے ہیں، لہٰذا یہ بھی نہیں ہوسکتا تو امام کے آنے پر کھڑا ہونا اگرچہ قبل اقامت ہو، درمختار کی عبارت کا مقصود نہیں ہوسکتا۔ اگر کہا جائے انتظار الصلوۃ قائماً سے قیام طویل مراد ہے اور یہاں تھوڑی دیر کھڑا ہونا پڑے گا. لہٰذا مکروہ نہیں، تو جواب یہ ہے کہ امام کے آنے پر فوراً اقامت ہوکر نماز شروع ہوجانا کیا ضرور ہے، بسا اوقات کچھ لوگ وضو کرتے ہوتے ہیں جن کا انتظار ہوتا ہے یا وقت مقرر میں کچھ منٹ باقی ہوتے ہیں جنکے پورے ہونے کا لحاظ کیا جاتا ہے، پھر ایسی صورت میں امام و مقتدی سب کھڑے کھڑے کب تک پریشان ہوں گے۔ اور اگر فوراً اقامت ہوکر نماز شروع ہو بھی جائے تو اتنی دیر تک کہ قیام بلکہ اس سے کم کو بھی (مثلاً اقامت ہوتے وقت مسجد میں آیا) فقہاء مکروہ بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بیٹھ جائے اور وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ یہ انتظار قائماً ہے اور یہ مکروہ جب اثنائے اقامت میں آنے والے کے لئے کھڑا رہنا انتظار قائماً میں داخل ہے تو پہلے ہی سے کھڑا ہوجانا انتظار قائماً میں بدرجہ اولیٰ داخل۔ عالمگیری میں ہے اذا دخل الرجل عند الاقامۃ

Marfat.com

یکرہ لہ الانتظار قائماً ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح کذا فی المضمرات۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے دخل المسجد وھو یقیم یقعد ولا یقف قائماً الی وقت الشروع۔

ثالثاً۔ اگر امام کا مسجد میں آنا بھی قیام مقتدی کو چاہتا ہو عام ازیں کہ اقامت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو تو جب امام خود تکبیر کہے اس صورت میں فقہا کیوں حکم فرماتے ہیں کہ جب تک تکبیر ختم نہ کرے مقتدی کھڑے نہ ہوں، خود اسی درمختار میں اسی جگہ اس عبارت سے متصل یہ فرمایا الا اذا اقام بنفسہ فی مسجد فلا یقفوا حتی یتم اقامتہ ظہیریہ۔ اسی طرح بحرالرائق میں بھی اسی ظہیریہ سے نقل فرمایا یہاں امام موجود ہے اور خود کھڑا بھی ہے مگر مقتدی کو حکم ہے جب تک تکبیر پوری نہ ہو بیٹھے رہیں، تو معلوم ہوا کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا اس وقت ہے کہ امام موجود ہو اور دوسرا شخص اقامت کہہ رہا ہو، اور امام موجود نہ ہو تو حی علی الفلاح پر کھڑے نہ ہوں بلکہ اس کے آنے پر اور امام تکبیر کہے تو تکبیر کے ختم ہونے پر۔

رابعاً۔ یہ مضمون کہ حی علی الفلاح پر جب امام وہاں نہ ہوں کھڑے نہ ہوں بلکہ امام کے آنے پر کھڑے ہوں، حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی، یعنی اگر میرے آنے سے پہلے اقامت ہو جائے تو جب تک مجھے آتا ہوا نہ دیکھو کھڑے نہ ہو، امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں لابد فیہ من التقدیر، تقدیرہ لا تقوموا حتی ترونی خرجت فاذا رأیتمونی خرجت فقوموا۔ یہ حدیث صاف کہہ رہی ہے کہ اقامت ہو جانے کے بعد مقتدی کھڑے نہ ہوں جب تک امام نہ آجائے۔ نیز اس عمدۃ القاری میں ہے وقال ابو حنیفۃ ومحمد یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ فاذا قال قد قامت الصلوٰۃ کبر الامام لانہ امین الشرع وقد اخبر بقیامہا فیجب تصدیقہ واذا لم یکن الامام فی المسجد فذھب الجمھور الی انھم لا یقومون حتی یروہ۔ اس عبارت میں دونوں حکموں کو ایک ساتھ بیان کرنا اور حتی یروہ کو عدم قیام کی غایت قرار دینا اسی وقت چسپاں ہوگا جب امام کے آنے سے پہلے اقامت ہونے پر محمول کریں، ورنہ عبارت غیر مرتبط ہوگی کما لا یخفی۔ بدائع الصنائع میں اولاً یہ تحریر فرمایا والجملۃ فیہ ان المؤذن اذا قال حی علی الفلاح فان کان الامام معھم فی المسجد یستحب للقوم ان یقوموا فی الصف۔ اس کے بعد امام زفر و حسن بن زیاد کا قول واستدلال اور اس کا جواب ذکر کر کے فرمایا ھذا اذا کان الامام فی المسجد فان کان خارج المسجد لا یقومون مالم یحضر لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تقوموا فی الصف حتی ترونی خرجت "اقامت ہونے کے متعلق یہ دو حکم بیان کرتے ہیں، ایک اسوقت

Marfat.com

تک کے لئے کہ امام مسجد میں ہو۔ دوسرا اس حالت کے متعلق کہ امام خارج مسجد ہو، اور حدیث سے اس حکم کو ثابت کرتے اور حدیث ہم اوپر بیان کر چکے کہ اس میں اقامت کو شرط کیا ہے پھر قبل اقامت امام کے آنے پر کھڑا ہونا کہا جائے تو نہ حدیث سے ثابت ہوگا نہ اقامت کے متعلق یہ دو حکم ہوں گے۔ اور اقوال علماء کو اختلاف پر حمل کرنا جبکہ اتحاد درست ہو، درست نہیں۔

**مسئلہ** (۹۰) از دھوراجی کاٹھیاوار مدرسہ مسکینیہ مٹاری کی مسجد مرسلہ مولوی حشمت علی سلمہ اللہ تعالٰے

## ۲۶ جمادی الاخرہ سنہ ۴۶ھ

"مولوی ابراہیم صاحب ساکن کچی باغ بنارس آج کل مسئلہ جلوس بوقت اقامت کے خلاف بہت کچھ زور لگا رہے ہیں، اُس کا ایک مطبوع استفتار میرے پاس بھی آیا ہے، اُسیں جس قدر عبارات اپنے لئے مفید سمجھ کر لکھی ہیں، وہ سب حقیقۃً اُن کے مدعا کے خلاف ہیں، مگر ایک مغالطہ البتہ سمجھ میں نہیں آیا جو اُنھیں کی عبارت درج ذیل میں ہے وہ یہ ہے:۔

"فقہ میں جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح پر کھڑے ہو جائیں، وہاں امام ومقتدی دونوں کے واسطے لکھا ہے مگر حضرت فاضل بریلوی فتاوی رضویہ جلد دوم ص۵۰۹ میں لکھتے ہیں یہ حکم قوم کے لئے ہے ص۵۱۱ امام کے لئے اس میں خاص کوئی حکم نہیں، مقتدیوں کو حکم ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنیں ص۵۱۱ مقتدیوں کو حکم یہ ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنیں، حضرت فاضل بریلوی کی یہ تخصیص قوم کی بظاہر عموماً کتب فقہیہ ونیز بہار شریعت کی تصریحات کے خلاف ہے، حیرت کہ بہار شریعت کے آخر میں حضرت فاضل بریلوی ممدوح کی تصدیق موجود ہے اب فرمائیں کون صحیح ہے"

حضور والا اس مغالطہ کا حل کسی خادم سے لکھوا کر روانہ فرمائیں۔

**الجواب** ۔ فتاوی رضویہ کی ان عبارات کو کتب فقہیہ کے خلاف بتانا بالکل غلط وباطل ہے، سائل نے جس قسم کے سوال کئے ہیں، اُن کے موافق جوابات تحریر فرمائے ہیں، سوال وجواب دونوں کو دیکھنا چاہیے نہ یہ کہ ایک جملہ جواب کا دیکھا اور اُس کو عام قرار دیکر کتب فقہ کے خلاف کہدیا، ص۵۰۹ کا محصل یہ ہے کہ امام حجرہ میں تھا اور تکبیر شروع ہوگئی اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح یا ختم تکبیر کے وقت مصلے پر پہنچے گا تو اُس صورت میں بیٹھ جائے یا چل کر مصلے پر جائے، جواب میں فرمایا، بیٹھنے کی حاجت نہیں یونہی، بعد خطبہ جمعہ امام کا جلوس منقول نہیں صورت اولٰی میں امام ابھی تک اپنی جگہ پر پہنچا ہی نہیں، پھر بیٹھنے کی کیا ضرورت، مقتدی بیٹھے ہیں بیٹھے رہیں۔ امام جب اُن کے آگے ہو جائے:، اُس وقت کھڑے ہوں اور صورت ثانیہ

Marfat.com

میں مقتدی بیٹھے ہیں بیٹھے رہیں اور امام کھڑا ہے اس کا جلوس ثابت نہیں۔ یہ حکم کسی کتاب کے مخالف نہیں امام کو حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا حکم اُس وقت ہے جب وہ قرب محراب میں بیٹھا ہو، نہ یہ کہ حجرہ میں بیٹھا ہو، جب بھی بیٹھا ہے اور وقت تکبیر آرہا ہے تو بیٹھ جائے ص۱۱۵ کا مطلب یہ ہے کہ امام بھی کھڑا ہے اور مقتدی بھی تو تکبیر شروع ہوتے وقت مقتدی بیٹھ جائیں، سائل یہی پوچھتا ہے اُس کی عبارت یہ ہے کہ "امام و مقتدی کو کھڑا رہنا چاہئے یا بیٹھ جانا چاہیے، کھڑا رہنا اسی وقت کہا جاسکتا ہے جب پہلے سے کھڑا ہو اگر بیٹھا ہوتا تو یہ کہتا کہ کھڑا ہو جانا چاہیے، نیز بیٹھ جانا اُسی وقت کہہ سکتے ہیں جب کھڑا ہو ورنہ یہ کہتا کہ بیٹھے رہنا چاہئے نہ یہ کہ بیٹھ جانا اور ریشک اس صورت میں امام کے لئے کوئی حکم کسی کتاب میں نہیں ص۱۱۳ کا بھی یہی حاصل ہے کہ لفظ "بیٹھ کر سنیں" اس سے ظاہر یہی ہے کہ کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں، اور بیٹھ کر سنیں اگر یہ ہوتا کہ بیٹھے ہوئے سنیں اور پھر یہ فرمایا ہوتا کہ مقتدیوں کے لئے یہ حکم ہے تو کتب فقہ کے خلاف کہا جاسکتا تھا مگر جب یہ نہیں تو کتب فقہیہ کے خلاف بتانا سراسر غلط و خلاف واقع ہے۔ ھذا ما سنح لی ــــــــــ وہو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۹۱) از محلہ　تلہ شہر ہوڑہ مرسلہ مولوی عبدالکریم صاحب ۱۵ر رجب ۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ "جس وقت اذان مروج نہ تھی اُس وقت مصلیوں کے بلانے کی کونسی صورت اختیار کی گئی تھی، اور زید کہتا ہے کہ مسجدوں میں جو گھڑیاں لگی ہوئی ہیں اسمیں گھنٹہ کی آواز برآمد ہوتی ہے اور یہ مشابہت مشرکین ہے، لہٰذا اگر گھڑی رکھی جائے تو وہ جسمیں آواز نہ ہوتی ہو، ورنہ ناجائز۔ تو کیا زید کا قول حق بجانب ہو سکتا ہے اور گھنٹہ والی گھڑی میں واقعی کوئی کراہیت شامل ہے۔

**الجواب** ۔ جبتک اذان کا حکم نہ تھا لوگ خود وقت کا خیال کر کے مسجد میں حاضر ہو جاتے مگر جب اسمیں دقت ہونے لگی تو حضور کی خدمت میں عرض کیا گیا اور آپسمیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مشورہ کیا کہ اعلان کا کیا طریقہ ہونا چاہئے، پھر عبداللہ بن زید بن عبد ربہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خواب دیکھا جسمیں فرشتہ نے اذان کی تلقین کی۔

بجنے والی گھڑی رکھنے میں کوئی گناہ نہیں کہ اس کی آواز کفار کے گھنٹوں سے ممتاز ہوتی ہے یہ اور طرح کی آواز ہوتی ہے جس کو سُنکر بلا توقف آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ مَندر کا گھنٹہ نہیں ہاں اگر کسی گھڑی کی آواز اس کے ساتھ مشابہ ہو تو اُس کا رکھنا مکروہ ہوگا ــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۹۲) از اجمیر شریف　۱۳ر ذی الحجہ ۴۶ھ

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

اذان کے وقت جب مؤذن اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتاہے تو لفظ محمد رسول اللہ پر دونوں انگوٹھوں کو چومنا کیساہے اور یہ فعل آیا کرنا چاہیے یا نہیں۔

**الجواب** ۔ اس وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا جائز ومستحب ہے[۵] رد المحتار میں ہے یستحب ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشھادۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وعند الثانیۃ منھا قرۃ عینی بک یا رسول اللہ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائدا لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد اھ قھستانی ونحوہ فی الفتاوی الصوفیۃ وفی کتاب الفردوس من قبل ظفری ابھامیہ عند سماع اشھد ان محمدا رسول اللہ فی الاذان کنت انا قائدہ ومدخلہ فی صفوف الجنۃ۔

**مسئلہ** (۹۳) از بنارس محلہ کچی باغ مرسلہ حفیظ الرحمٰن صاحب ۷ محرم الحرام ۴۷ھ

علماء دین ارشاد فرمائیں کہ اذان ثانی جو بین یدی الخطیب ہوتی ہے، اس کے متعلق اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے فتاوی انیقہ مسمی بفتاوی رضویہ میں بڑے شدومد کے ساتھ فرمایاہے کہ یہ اذان بھی خارج از مسجد ہونی چاہیے مسجد میں ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے جب بین یدی سے اندرون مسجد مراد لیا تو اس کا جواب شافی یہ دیا گیا کہ بین یدی قریب وبعید دونوں میں مستعمل ہے لیکن بعض کتابوں میں قریب منہ اور عند المنبر کی تصریح ہے۔

چنانچہ جامع الرموز کے الفاظ یہ ہیں بین یدیہ ای بین الجھتین المسامتتین لیمین المنبر او الامام ویسارہ قریبا منہ ووسطھما بالسکون فیشتمل ما اذا فی زاویۃ قائمۃ الخ مبسوط للسرخسی جلد اول ۱۳۴ میں ہے فکان الطحاوی یقول ھو الاذان عند المنبر بعد خروج الامام فانہ ھو الاصل الذی کان للجمعۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ بعدہٗ حسن ابن زیاد کے قول کو نقل فرمایا فکان الحسن بن زیاد یقول المعتبر ھو الاذان علی المنارۃ لانہ لو انتظر الاذان عند المنبر یفوتہ اداء السنۃ وسماع الخطبۃ الخ اسی کے مثل حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت فرمائی روی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ الخ کما فی الکفایۃ شرح الھدایۃ۔ اور حاشیہ ہدایہ پر بھی اسی عبارت

---

[۵] اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے مندرجہ ذیل رسائل کا مطالعہ کریں۔ منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین، نہج السلامۃ فی حکم تقبیل الابھامین فی الاقامۃ۔ ابر المقال فی قبلۃ الاجلال۔ امجدی

Marfat.com

کو مولٰنا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے، پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہاں قریبًا منہ اور عِندَ المِنبَر سے کتنا فاصلہ خطیب اور مؤذن کے درمیان ہو جو قریبًا اور عِندَ المِنبَر کا مصداق بنے۔ نیز یہ بھی فرمائیے کہ ہمارے یہاں بعض مسجدیں تین در اور اکثر دو در کی ہوتی ہیں اس کے بعد صحنِ مسجد، تو اگر بیرون صحن دیجائے تو عند المنبر اور قریبًا کا فرمانا فقہائے کرام کا کیونکر صادق آسکتا ہے۔ اور یہ خصوصیت صرف اذان خطبہ میں پائی جاتی ہے تو جملہ اور اذانیں جو منارہ پر ہوتی ہیں ان سے اسے کیا علاقہ جبکہ اس کے جُدا احکام کے الفاظ موجود ہوں۔ ان تصریحات فقہار نے مجھے تذبذب میں محو کر دیا ہے۔ لہٰذا مفصل جواب بدلائل الفاظ فصحاء عرب اور لغات مرحمت فرمائیے، تاکہ اطمینان ہو کہ عند المنبر اور قریبًا منہ سے یہاں بعد صحن مسجد جو حقیقت میں منبر اور خطیب سے دور ہے اس پر اطلاق عند المنبر اور قریبًا منہ کا باعتبار کلام بلغاء عرب آسکتا ہو۔

بینوا توجروا :-

**الجواب** - فقہاء کرام نے مسجد میں اذان کہنے کو مکروہ فرمایا ہے لا یؤذن فی المسجد[عہ۱] دیکھو ان یؤذن فی المسجد[عہ۲] اور اسی قسم کی بہت کثرت سے عبارات کتب فقہ میں آپ کو ملیں گی مگر کسی جگہ اذان جمعہ یا کسی اذان کا استثناء آپ کتب فقہ میں نہ پائیں گے، اگر اذان جمعہ اس حکم سے مستثنیٰ ہوتی تو کسی کتاب میں ضرور استثناء مذکور ہوتا، ہر جگہ مطلق حکم نہ بیان کیا جاتا، البتہ اذان جمعہ میں ایک خصوصیت ہے وہ یہ کہ محاذی منبر بین یدی الخطیب ہونی چاہیئے۔ چنانچہ فقہاء کرام اس تخصیص کو ذکر کرتے ہیں اگر داخل مسجد ہونا بھی اسکے خصوصیات سے ہوتا تو اس کا بھی ذکر ہوتا لہٰذا اس حکم میں وہ عام اذان کے شامل ہے رہا لفظ عِندَ المِنبَر یا قریبًا منہ یہ اندرون مسجد ہونے کے لئے خاص نہیں داخل خارج دونوں پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے، لہٰذا اس سے تخصیص نہیں ہوسکتی، قرب و بعد امور اضافیہ سے ہیں، بعض مرتبہ اُس شئی کو بھی قریب کہا جاتا ہے جو مسافت بعیدہ رکھتی ہو، مگر دوسری چیز اس سے بھی زیادہ دور ہے، لہٰذا اسے قریب کہتے ہیں، چونکہ دیگر اذانیں منارہ پر ہوتی ہیں اور یہ محاذی منبر، تو اگرچہ منبر سے کچھ فاصلہ ہے، مگر اور اذانیں کے اعتبار سے ضرور قریب ہے، اس اعتبار سے قریب ہے اگرچہ بیرون مسجد ہے۔ اگر آپ تفصیل چاہتے ہوں، تو رسائل اذان مثلاً وقایہ اہل السنۃ سلامۃ اللہ لاہل السنۃ وغیرہما کا مطالعہ کیجئے، تمام شکوک کا شافی جواب انہیں موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۹۴) ازمقام آنند ضلع کھیڑا مرسلہ جناب منشی باقر علی صاحب مدرس مدرسہ اسٹیشن ۹ رجمادی الاخری ۱۳۴۹ھ

---

عہ۱ فتاویٰ خانیہ مصری ج۱ ص۴۰، فتاویٰ خلاصہ قلمی ص۴۲، خزانۃ المفتیین قلمی فصل فی الاذان ہندیہ مصری ج۱ ص۵۵، البحر الرائق مصری ج۱ ص۲۶۸، شرح نقایہ علامہ برجندی ص۸۴، فتح القدیر مصری ج۱ ص۱۷۱ -

عہ۲ طحطاوی علی المراقی ص۱۲۸ - امجدی

Marfat.com

علمائے دین و شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ظہر کی اذان کے بعد یا جمعہ و عشار کی اذان کے بعد باآواز بلند یہ کلمات کہتا ہے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا خیر خلق اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا عیسیٰ روح اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا موسیٰ کلیم اللہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا آدم صفی اللہ۔ حالانکہ اذان کے بعد تو حدیث میں یہ دعا اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ الخ آیا ہے نہ یہ کہ یہ کلمات مذکورہ، اور جو صاحب مذکورہ کلمات پڑھتے ہیں، وہ اور عوام ان کلمات کو لازم کرلئے ہیں اس لئے کہ جو منع کرتا ہے اسکو برا بھلا کہتے ہیں اور ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ صبح و ظہر و عصر و عشار کی اذان کے بعد مذکورہ صلوٰۃ کہنا چاہئے، صرف مغرب کی اذان کے بعد نہ کہنا چاہئے۔ کون منع کرتا ہے ضرور کہنا چاہئے۔ کیا اس شخص کا یہ فعل صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین یا ائمہ مجتہدین سے منقول ہے یا نہیں۔ اگر منقول نہیں ہے تو یہ امر احداث فی الدین ہے اور بدعت و ممنوع ہونا چاہئے، اور بدعت و ممنوع نہیں ہے تو ذیل کی عبارت کا کیا مطلب ہے، خدا کو حاضر و ناظر سمجھکر لکھئے۔ وہ عبارت یہ ہے:۔ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ) قال علیہ السلام مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَۃً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُھَا مِنَ السُّنَّۃِ (رواہ احمد، مشکوٰۃ)۔ اخبر عبد اللہ بن مسعود بالجماعۃ الذین کانوا یجلسون بعد المغرب وفیھم رجل یقول کبروا اللہ کذا وکذا و سبحوا اللہ کذا وکذا واحمدوا اللہ کذا وکذا فیفعلون فحضرھم فلما سمع ما یقولون قام فقال انا عبد اللہ بن مسعود فو الذی لا الٰہ غیرہ لقد جئتم ببدعۃ ظلماء او لقد فقتم علیٰ اصحاب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام علماً (مجالس الابرار) اس روایت سے صاف طور پر ظاہر ہوگیا کہ ان لوگوں کا یہ فعل باوجودیکہ ذکر الٰہی اور تکبیر و تہلیل و تسبیح ہی تھا مگر چونکہ اس کی وضع وہیئت ایسی مقرر کی گئی تھی جس کا ثبوت شریعت مطہرہ سے نہ تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ناجائز و بدعت تھا اس مذکورہ پر بدعت کا حکم لگانے کی وجہ یہ تھی کہ یہ اہتمام و اجتماع کرنا حدود شریعت سے تجاوز کرنا تھا، ذکر اللہ تو محبوب و مطلوب ہے ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ بطور خود جس قدر چاہے ذکر اللہ کرے لیکن یہ اختیار نہیں کہ ایک جدید صورت ایجاد کرے۔ بینوا توجروا

**الجواب**۔ اذان کے بعد جو دعا احادیث میں وارد ہے اس کا پڑھنا اتباع سنت و موجب برکات ہے۔ اس کے پڑھنے کے لئے احادیث میں شفاعت کا وعدہ فرمایا گیا ہے، اس دعا کے بعد اگر وہ کلمات جو سوال میں مذکور ہیں کہے تو اصلاً حرج نہیں بلکہ جائز و افضل ہے، کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر درود و سلام پڑھنا موجب ثواب و برکات اور درود کے ثواب جو احادیث میں وارد

Marfat.com

ہیں، اس کا مستحق ہے۔ احادیث میں درود پڑھنے کی فضیلت موجود ہے اور اذان کے بعد درود کی ممانعت نہیں، لہذا ان اوقات میں بھی ممنوع نہیں اور یہ اوقات بھی اس کلیہ میں داخل ہیں۔ مطلق کے جواز ثابت ہونے کے بعد افراد و جزئیات کے لیے مستقل علیحدہ دلیل ضروری جاننا نظم شرع کو درہم برہم کرنا ہے، ہاں یہ البتہ ضروری ہے کہ خصوصیت ممنوع ہونے کے لئے دلیل ضرور چاہئے اور اسوقت اس خاص کا مطلق سے استثنا ہوگا، عدم جواز کا یہ حیلہ تراشنا کہ عوام اسے لازم جانتے ہیں بالکل مہمل و پادر ہوا ہے، ہرگز عوام کا یہ خیال نہیں کہ ایسا نہ کریں گے تو نماز نہ ہوگی، نہ یہ کہ اسکے نہ کرنے پر گناہ ہوگا پھر لازم کہاں ہوا، ہاں یہ ضرور ہے کہ منع کرنے والے کو برا کہتے ہوں گے، مگر اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ اسے لازم و واجب جانتے ہیں، برا کہنا تو اس لئے ہے کہ وہ جائز چیز کو ناجائز بتاتا ہے اور یہ بات تو ہر مباح میں بھی ہے کہ جو اسے ناجائز و ممنوع کہے گا برا کہا جائیگا۔ تو کیا اس سے ہر مباح واجب ہو جائیگا، یا مباحات شرعیہ کو لوگ منع کرتے رہیں اور سنا کرے کچھ نہ بولے اور انکار کرے تو مباح کو واجب کر لیا، لہٰذا وہ مباح نہ رہا ممنوع ہوگیا، یہ تو مباحات کے ممنوع کرنیکا اچھا نسخہ ہاتھ آیا کہ اس سے تمام مباحات ممنوع قرار دیئے جائیں وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

اس مختصر تقریر کو غور و فکر کرکے سمجھنے کے بعد اسکو ناجائز و بدعت قبیحہ کہنے والے ایمان و انصاف سے بولیں کہ اذان کے بعد درود شریف پڑھنا کس حدیث میں منع آیا۔ کس صحابی نے منع کیا، یا تابعین و تبع تابعین یا ائمہ مجتہدین میں کس نے ناجائز کہا اگر ایسا نہیں اور یقینا ایسا نہیں تو یہ حکم ممانعت احداث فی الدین و بدعت قبیحہ ہے یا نہیں، ضرور ہے اور وہ تمام احادیث جو مجوزین کے حق میں ذکر کی گئیں، سب مانعین کے حق میں ہیں۔ مجالس الابرار کی روایت اگر صحیح ہو تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اذانِ مغرب کے بعد قبل نماز ان لوگوں نے ایسا کیا ہوگا اور اس فعل سے نماز مغرب میں تاخیر ہوتی اس وجہ سے ایسا فرمایا یا نمازِ مغرب کے بعد ان لوگوں نے ذکر جہر کرنا شروع کیا ہوگا، اور دوسرے لوگ سنت و نوافل میں مشغول ہوں گے۔ ان کا ہیئت مجموعی کیساتھ ذکر جہر کرنا انکے انتشار کا سبب ہوگا۔ اس وجہ سے منع کیا ہوگا ورنہ یہ صورتیں نہ ہوں تو احادیث میں بعد صلوات خمس اذکار وارد ہیں، ان کے انکار کے کیا معنیٰ، کیا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنتِ ثابتہ کا انکار کریں گے، ان کے کلام کے ایسے معنیٰ لینا انکی سخت توہین ہے۔

بالجملہ یہ صلوٰۃ و سلام جو سوال میں مذکور ہے جائز ہے، کسی دلیل شرعی سے اسکی ممانعت نہیں۔ اب نجدیوں نے موقوف کر دیا ہے، ورنہ صدیوں سے حرمین طیبین مکہ و مدینہ دیگر بلاد اسلامیہ میں رائج و معمول بنا رہا، اور علماء و مشائخ اسے بنظر استحسان دیکھتے رہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن، لہذا یہ جائز و مستحسن ہے۔ درمختار عہ

عہ درمختار ہی کی تخصیص نہیں، ہدایہ، فتاویٰ قاضی خاں، البحر الرائق، عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں اسکے جواز بلکہ استحسان کی تصریح ہے۔ یہ اصل میں تثویب ہے۔ ہدایہ میں ہے والمتاخرون استحسنوہ فی الصلوات کلھا لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ۔ ہندیہ میں ہے والتثویب (منہ)

Marfat.com

میں ہے التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبع مائۃ واحدی وثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الا المغرب ثم فیھا مرتین وھو بدعۃ حسنۃ۔ علما جب اسی اس ہیئت خاصہ کے ساتھ بدعتِ حسنہ کہتے ہیں، تو اسے بدعت سیئہ قرار دیکر منع کرنا سخت غلطی ہے　　واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۹۵) جس وقت اذان پڑھی جائے تو جو کھڑا ہے بیٹھ جائے یا جو بیٹھا ہے کھڑا ہو جائے اور جو لیٹا ہے بیٹھ جائے یا جس صورت سے ہے اسی صورت پر رہے، یا جو صورت افضل ہو۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ اختیار ہے ــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۹۶) امام مصلیٰ پر نہیں ہے، مسجد کے صحن میں کھڑا ہے یا بیٹھا ہے یا بیرون مسجد حجرہ میں ہے اور مکبر نے اقامت شروع کر دی، یہ جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب**۔ تکبیر شروع کر دینا جائز ہے اور یہی طریقہ زمانہ رسالت میں تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجرہ میں ہوتے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تکبیر کہدیا کرتے تھے، بوقت تکبیر امام کا مصلیٰ پر ہونا نہ واجب نہ سنت نہ مستحب مصلیٰ پر ہو یا نہ ہو دونوں برابر ــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۹۷) زید بحث کرتا ہے کہ صلوٰۃ چند سال سے کیوں اعلیحضرت عظیم البرکت نے جاری کرائی، اعلیحضرت تو چودہ سال میں مفتی ہوگئے تھے اور ترسٹھ سال کی عمر میں وصال ہوا اور تیرہ سو ترپن (۱۳۵۳) برس سے اسلام جاری ہے۔ مدت اسلام میں صلوٰۃ کیوں نہیں جاری ہوئی، مع دلیل ثابت کریں۔ بینو توجروا

**الجواب**۔ صلوٰۃ کے معنیٰ درود کے ہیں درود ہمیشہ سے جب سے آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا نازل ہوئی۔ مسلمانوں میں جاری ہے قرآن وحدیث نے اس کے لئے کوئی وقت معین نہیں کیا کہ مثلاً نماز کے وقت نہ پڑھی جائے یہ بحث بالکل بیکار ہے، رہا یہ خاص طریقہ کئی سو برس سے حرمین طیبین میں بلا نکیر جاری رہا۔ جیسا کہ صاحب درمختار نے تصریح فرمائی التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبع مائۃ واحدی وثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الا المغرب ثم فیھا مرتین وھی بدعۃ حسنۃ۔

---

(بقیہ حاشیہ ص۶۶) حسن عند المتاخرین فی کل صلوٰۃ الا فی المغرب ھکذا فی شرح النقایۃ للشیخ ابی المکارم وھو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلوٰۃ بین الاذان والاقامۃ وتثویب کل بلدۃ علی ما تعارفوہ اما بالتنحنح او بالصلوٰۃ الصلوٰۃ او قامت قامت لانہ للمبالغۃ فی الاعلام وانما یحصل ذالک بما تعارفوہ کذا فی الکافی۔ واللہ تعالیٰ اعلم، امجدی

Marfat.com

خلاصہ یہ ہے کہ اذان کے بعد حضور پر سلام بھیجنا ۱۳۰۱ھ میں پیر کے دن عشاء کی نماز میں شروع ہوا اور یہ نئی بات ہے مگر اچھی ہے یہ کہنا کہ اعلیحضرت نے جاری کی ہے، جہالت ہے۔ ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۹۸) از برہانپور ضلع کھنڈوا محلہ سنوارہ مرسلہ عبدالرب ولد غلام محمد صاحب ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس مسجد میں اذان کے لئے خاص مقام بنایا ہوا نہ ہو تو اس مسجد میں دائیں جانب اذان کہی جائے یا بائیں جانب۔

**الجواب** ۔ اذان اس جانب کہی جائے جدھر پڑوس والوں کو زیادہ سنائی دے، اور دونوں جانب یکساں ہو تو جدھر چاہے اختیار ہے۔ ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۹۹) محمد کامل صاحب بنارس　　یکم محرم الحرام ۱۳۶۱ھ

بعد اذان باوجود قدرت وحفظ کے اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ کی جگہ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً الخ کے پڑھنے پر اصرار کرتا ہے۔

**الجواب** ۔ بعد اذان اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ الخ کے پڑھنے کی بہت فضیلت احادیث میں مذکور ہے اور اس پر وعدۂ شفاعت فرمایا ہے، ان فضائل کو قصداً جان بوجھ کر چھوڑنا محرومی کی دلیل ہے ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جس طرف جی چاہے منھ کر کے نماز پڑھ لی جائے ہو جائے گی اور اگر نہیں ہوتی تو اس کا ثبوت کلام پاک سے دو کہ بلا کعبہ کی طرف منھ کئے ہوئے نماز نہیں ہوگی۔

**الجواب** ۔ اگر کعبہ کی طرف نماز میں منھ کرنا ضروری نہ ہوتا تو کعبہ مسلمانوں کا قبلہ کیوں ہوتا، اب تو تمام جہان قبلہ ہو جائے گا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کہ پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے تو خواہ مخواہ قبلہ کی کیوں تحویل کی گئی، اور لوگوں کو طعن کرنے کا کیوں موقع دیا گیا، اور بہت سے لوگ اس کا انکار کر کے مرتد کیوں ہو گئے۔ اب تک کسی فرقہ نے قبلہ کا انکار نہ کیا تھا اس وجہ سے تمام فرق مدعیان اسلام اہل قبلہ کہے جاتے تھے۔ اور حدیث مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا میں مسلمانوں کا اہل کتاب کفار سے قبلہ سے امتیاز تھا، چلئے یہ بھی اب رخصت ہوا۔ آجکل آزادی کا زمانہ ہے جس کا جو جی چاہتا ہے بکتا ہے، احکام اسلام کی حفاظت تو بڑی چیز ہے، صاف طور پر ان سے روگردانی وانکار ہوتا ہے پھر بھی سچے پکے مسلمان باقی رہتے ہیں۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ، اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ تحویل قبلہ کی خبر بعض مساجد میں اس وقت

Marfat.com

پہونچی کہ مسلمان نماز میں تھے اور کہنے والے نے خبر سنائی تو ان لوگوں نے یہ بھی گوارہ نہ کیا کہ اپنی یہ نماز تو پوری کر لیں، بلکہ نماز ہی میں کعبہ کی طرف منھ کر لیا، چنانچہ وہ مسجد ابتک مدینہ طیبہ میں "مسجد ذو القبلتین" کے نام سے مشہور ہے، اب یہ زمانہ ہے کہ مسلمانوں کے اجماعی اور متواتر مسئلہ کا جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ سے ابتک چلا آیا ہے، انکار کیا جاتا ہے، اور اگر قرآن مجید ہی سے ثابت کرنے کی ضرورت ہے تو آیت موجود ہے فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ہم تمھیں اے محبوب اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے تم پسند کرتے ہو تو اپنے منھ کو مسجد حرام کی جانب کر دو۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبلہ خاص اتنا ضروری امر تھا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ کعبہ کی طرف منھ کرنے کا حکم ہو جائے، مگر جب تک حکم نہ ہوا آپ نے باوجود پسند کے ادھر سے منھ نہ پھیرا، اگر ہر جانب نماز ہو جایا کرتی تو حکم الٰہی کے انتظار کے کیا معنیٰ، جدھر آپ کا دل چاہتا پڑھتے، مگر آپ نے ایسا نہ کیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ نماز میں خصوصیت قبلہ کی ضرورت ہے اور فرماتا ہے وَاَيْنَمَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ "کہیں بھی تم ہو اس مسجد حرام کی طرف منھ کر کے نماز پڑھو" ایسے صاف و صریح حکم ہونے کے بعد کسی زیادہ وضاحت کی بالکل ضرورت نہیں، شاید اس کو یہ دھوکہ لگا ہو کہ قرآن مجید میں یہ آیت بھی ہے فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ حالانکہ یہ رد ہے ان لوگوں کا جو یہ کہتے تھے کہ جب قبلہ بیت المقدس تھا تو اس کی تحویل کی کیا وجہ۔ ان کو جواب یہ دیا گیا کہ جب تک اللہ کے حکم سے تم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ جہت تھی، اب کہ کعبہ کو قبلہ کیا اب یہ جہت ہے۔ یا یہ آیت اُن لوگوں کے بارے میں ہے جن کو قبلہ کا صحیح پتا نہ چلے کہ کدھر ہے تو جدھر تحری کر کے نماز پڑھیں گے نماز ہو جائے گی کہ اگرچہ کعبہ کی طرف منھ حقیقۃً نہ ہوا مگر وہ اپنے خیال میں جبکہ کعبہ کی طرف منھ کر رہے ہیں اور حقیقت سے ناواقف ہیں تو وہ اسی کے مامور ہیں اور تعمیل حکم اپنے ظن غالب سے کر چکے، لہٰذا ان کی نماز قبلہ ہی کی طرف قرار پائے گی اور نماز ہو جائے گی کہ انھوں نے حکم الٰہی سے انحراف نہ کیا اور اسکی تعمیل کا ارادہ کیا اتنے ہی کے مکلف تھے وبس کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اور انھوں نے تعمیل میں وسعت صرف کر لی اور جو بات وسعت سے خارج ہے اس کا مطالبہ نہیں۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۰۱) از دھوراجی ٹھکانہ کپڑا بازار کاٹھیاواڑ مرسلہ جناب عبد اللطیف ایوب صاحب ۲۲ر شوال ۴۹ھ۔

"جو شخص نماز پڑھنے میں کعبہ معظمہ کی جہت سے ۴۵ درجہ جنوب یا شمال کی طرف پھر جاوے اسکی نماز نہ ہوگی، تو ایک صاحب کا کہنا یہ ہے کہ مغرب کی سمت سے انڈیا کے ہر ایک شہر کے واسطے برابر ہے یعنی ۴۵ درجہ مگر میرا کہنا یہ ہے جو شہر کعبہ معظمہ سے دس پانچ درجہ پھرا ہو مثلاً بمبئی شہر کعبہ معظمہ سے شمال کی طرف دس درجہ ہٹا ہوا واقع ہو تو بمبئی میں نماز پڑھنے والا اگر چھتیس ۳۶ درجہ شمال کی طرف

Marfat.com

پھر کر پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی اس واسطے کہ چھتیس یہ اور خود شہر دس درجہ ہٹ کر واقع ہے تو کل چھیالیس درجہ کعبہ معظمہ سے پھر جانا ہوا، اب ان باتوں میں کونسی بات صحیح ہے۔

**الجواب** - کعبہ معظمہ سے ۴۵ درجہ سے زیادہ منحرف ہونے سے استقبال فوت ہوجاتا ہے، لہٰذا تمام انڈیا میں مغرب کو کعبہ تصور کرنا غلط ہے۔ لہٰذا دس[عہ] درجہ جو جگہ شمال کو ہٹی ہوئی ہے، وہاں نقطۂ مغرب سے ۳۵ درجہ انحراف پر ۴۵ درجہ ہوجائیں گے۔ اور ۳۵ درجہ سے اگر کچھ بھی زیادہ انحراف ہوگیا تو نماز نہ ہوگی۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۰۲) اعلیحضرت بریلوی سے ملفوظ حصہ اول میں درج ہے کہ "نمازی کو داہنے شانہ پر قطب ستارہ لینا اکی تحقیق نہیں الخ" اس میں عرض یہ ہے کہ بوقت تعمیر مسجد قطب ستارہ کس طرح اور کہاں سمجھا جائے اور لیا جائے۔ اور جنگل میں اگر نمازی اپنے داہنے شانہ پر قطب ستارہ نہ رکھے تو قبلہ کا رُخ کس طرح سمجھا جائے۔

**الجواب** - اس قسم کے سوالات اگر آپ بھیجیں تو کتاب کے صفحات بھی لکھدیا کریں تاکہ جواب تحریر کرنے میں کتابوں کی تلاش[عہ] میں وقت صرف نہ ہو"۔

"نماز میں استقبال قبلہ شرط ہے اور عرض البلاد کے مختلف ہونے سے اس کی جہت مختلف ہوگی۔ قطب تارہ کا داہنے شانہ کے سامنے ہونا ہر جگہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے البتہ ہندوستان میں قطب تارہ داہنے شانہ پر لینے سے جہت قبلہ حاصل ہوجاتی ہے[عہ] اور صحت نماز کے لئے اس قدر کافی ہے۔ اسی بنا پر یہ مشہور ہے کہ نماز میں قطب تارہ داہنے شانہ پر ہو ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۰۳) از باسنی متصل ناگور مارواڑ مرسلہ محمد غیاث الدین کمہاروی ۲۰ صفر ۱۳۴۵ھ۔

"اگر پیش امام مصلی پر کھڑا ہو اور مقتدی کے نیچے کچھ بچھا نہ ہو تو کیسا ہے۔

**الجواب** - جائز ہے کچھ حرج نہیں۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۰۴) مصلی کے اوپر قالین کی جانماز بچھا کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب** - درست ہے جبکہ پیشانی دبنے سے اُس کے روئیں مانع نہ ہوں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

---

عہ شمال یا جنوب کو ہٹا ہوا ہونا خرض موقع کے اعتبار سے ہے نہ کہ عرض البلد سے۔ مولانا ضیاء المصطفےٰ صاحب مدظلہ العالی۔

عہ یعنی تقریبی جو نماز کی صحت کے لئے کافی ہے۔ ہندوستان کے کسی بھی مقام پر قطب تارہ داہنے مونڈھے لیکر نماز پڑھیں تو سمت قبلہ سے انحراف نہ ہوگا۔ کعبہ مقدسہ ۴۵ درجے کے اندر اندر ہوگا۔ یہ الملفوظ میں بھی بالاختصار وہیں ہے جہاں سے سائل نے لیا ہے۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ منھ کی طرف منھ کرکے اس طرح کھڑے ہوں کہ قطب داہنے شانے پر ہو تو جہت محاذی وجہ (مونھ) ہو وہی سمت قبلہ ہے، حالانکہ یہ تحقیق نہیں۔ البتہ ہندوستان میں تقریب کے لئے کافی ہے۔ حصہ اول ص۲۳ مطبوعہ لکھنؤ۔ امجدی

Marfat.com

**مسئلہ** (۱۰۵) مسئولہ مولوی احسان علی طالب علم مدرسہ اہلسنت ۱۳ر جمادی الاولیٰ ۳۰ھ۔

"سنتوں کے پڑھنے کے بعد کسی قسم کا کلام کرسکتے ہیں یا نہیں، اگر کریں تو کیا حرج ہے۔ بینوا توجروا

**الجواب**۔ سنت و فرض کے درمیان کلام کرنے سے ثواب میں کمی ہوجاتی ہے، درمختار میں ہے ولو تکلم بین السنۃ والفرض لایسقطہما ولکن ینقص ثوابہما۔ بحر الرائق میں ہے ولو تکلم بعد الفریضۃ ھل تسقط السنۃ قیل تسقط وقیل لاتسقط ولکن ثوابہ انقص من ثوابہ قبل التکلم۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو سنت فجر کے بعد کلام کرتے دیکھا، فرمایا اما ان تذکر اللہ واما ان تسکت یاد خدا کر، یا چپ رہ، ذکرہ فی عدۃ الفتاویٰ۔

**مسئلہ** (۱۰۶) مرسلہ مولوی محمد امین صاحب از تھانہ بھمڑی ۱۶ر ذی الحجہ ۴۱ھ۔

"اطراف بمبئی وغیرہ میں امام بعد فرض وسنن ونوافل ہاتھ اٹھاکر دعا مانگتے ہیں اور قوم آمین آمین کہتی ہے۔ یہ دعا مانگنا عند الشرع کیا ہے۔

**الجواب**۔ جائز ہے، کہ مطلق دعا جس کا قرآن وحدیث میں حکم ہے، یہ اسی کی ایک فرد ہے۔ اور بعد نماز اقرب الی الاجابۃ ہے اور مجمع کا آمین کہنا سبب حصول مطلب۔ والله تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۰۷) مرسلہ مولوی یار محمد صاحب از دہلی محلہ چوڑی والان ۲ر محرم ۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زادکم اللہ شرفاً وتعظیماً لدیہ۔ اس مسئلہ میں کہ بعد سنت ونوافل دعا کرنا کیسا ہے، اور امام زور سے الفاتحہ کہکر پکارتے ہیں، یہ پکارنا کیسا ہے۔ بینوا بیانا شافیا اجرکم اللہ تعالیٰ اجرا وافیا

**الجواب**۔ نمازوں کے بعد دعائیں کوئی مضائقہ نہیں، مطلقاً دعا امر محمود ہے، قرآن وحدیث میں اس کا حکم وارد قال اللہ تعالیٰ، اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ جس وقت چاہے دعا کرے اُسی کے تحت میں داخل یونہی بعد سنت ونوافل فاتحہ پڑھنا اور امام کا بلند آواز سے الفاتحہ کہنا، اس کے ممانعت کی بھی کوئی وجہ نہیں، بلا دلیل شرعی کسی امر کو ممنوع بتادینا، اللہ ورسول پر افتراء اور خود شارع بننا ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ والله تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۰۸) از شہر کہنہ بریلی ۲۲ محرم ۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ مقتدی کو سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ پڑھنے کے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا چاہیے یا نہیں۔

Marfat.com

**الجواب** ۔ مقتدی کے لئے صرف سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنا ہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ تابع قرارت ہے اور مقتدی پر قرارت نہیں۔ یونہی بِسْمِ اللّٰہِ ۔ درمختار میں ہے وتعوّذ لقراءة لا المقتدی لعدمها وکما تعوّذ سمّی غیر المؤتم۔ ہاں مسبوق یعنی جس مقتدی کی کوئی رکعت جاتی رہی، جب وہ اپنی پڑھے تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اور بِسْمِ اللّٰہِ پڑھے کہ اب اس کے ذمہ قرارت ہے۔ ــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۰۹) نماز پنجگانہ اور سنتوں کے بعد امام زور سے دعا مانگتا ہے، اور مقتدی آمین پکارتے ہیں، اور ختم دعا کے بعد فاتحہ بھی سب لوگ پڑھتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب** ۔ دعا کا آہستہ ہونا بہتر، اور امام اگر کچھ بلند آواز سے دعا کرے، اور مقتدی آمین کہیں، اس میں بھی حرج نہیں، اور بعد ختم فاتحہ پڑھنا بھی جائز۔ ــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۱۰) مسئولہ عبد الغفار صاحب طالب علم از شہر بریلی محلہ قلعہ ۷، ربیع الاول شریف ۱۳۴۲ھ۔

"نیت باندھنے کے بعد سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنے میں جملہ لَآ اِلٰہَ غَیْرُكَ پر انگشتِ شہادت اُٹھانا جائز ہے یا ناجائز، بحوالہ کتاب ارشاد ہو۔ بینوا توجروا۔"

**الجواب** ۔ کلمۂ لَآ پر داہنے ہاتھ کی ایک انگلی یعنی انگشتِ شہادت اُٹھا سکتے ہیں ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۱۱) مسئولہ عبد الرحمٰن از شہر کہنہ ۲۰، جمادی الاولیٰ۔

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے یہ کہا کہ ایسے آج تک میں نے کسی عالم کو دعا مانگتے نہیں سُنا کہ "اللہ سنّیوں کی لاج رکھے" بلکہ باہر مسجد جا کر امام صاحب نے یہ کہا، کیا نئی بات زید نے یہ کہا کہ میں نے دہلی وغیرہ میں نماز پڑھی، مگر کسی عالم نے یہ دعا بالخصوص نہیں مانگی، بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے، بلکہ جمیع امت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے مانگی، زید نے اپنی جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے یہ کہا کہ سنّی ہندوستان میں اور عرب میں حضور خود موجود تھے، تو کیا عرب کے واسطے دعا نہیں مانگنا چاہئے، تو عمرو نے یہ جواب دیا کہ عرب تمہاری دعا کی پرواہ نہیں رکھتے ہیں، زید نے یہ بھی کہا کہ حضور پیر مرشد مولانا احمد رضا خاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے اکثر صبح کی نماز ادا کی، مگر اُن کی زبان سے کبھی نہیں سُنا، کہ اللہ سنّیوں کی لاج رکھے۔ ایک شخص نے کہا کہ تم کو یہ دعا مانگنا کیوں بُرا معلوم ہوا تو زید نے کہا کہ مجھ کو بُرا کیوں معلوم ہوتا مگر یہ نئی بات اور نئی دعا ہے، اس سبب سے میں نے یہ کہا کہ، اللہ سنّیوں کی لاج رکھے، اور تمام مسلمانان عرب و عجم کے واسطے کرنا روا ہے، اگر اسمیں زید سے کوئی قصور

Marfat.com

شرعی ہو تو توبہ کرے۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ آج کل اپنے کو مسلمان کہنے والے بکثرت ایسے بھی ہیں جو یقیناً مسلمان نہیں، جنھیں علمائے عرب وعجم نے کافر کہا، وہابیہ، روافض، قادیانی کیا اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے، اور باوجود اس کے کفر بھی بکتے ہیں، سچے مسلمان اور نجات پانیوالا گروہ یہی گروہ اہلسنت وجماعت ہے، یہی حق پر ہے، اسی کے فتح ونصرت وغلبہ کی دعا مانگی جائے، عرب شریف میں سنی ہی ہیں، اِدھر اُدھر سے اگر کوئی بدمذہب گیا بھی تو تقیہ کرلیتا ہے، یہ دعا صرف ہندوستان کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام جہان کے سنیوں کو شامل ہے، یہ دعا کوئی نئی دعا نہیں، جس پر زید کو تعجب ہوا۔ زید کا یہ کہنا اعلیحضرت قبلہ قدس سرہٗ ایسا نہیں کرتے تھے، غلط ہے، بکثرت سنیوں کے لئے دعا کرتے تھے اگرچہ نماز کے بعد بلند آواز سے دعا نہیں مانگتے تھے، کہ زید کو سننے کا اتفاق ہوتا۔ عمرو کا یہ کہنا کہ عرب والے تمھاری دعا کی پرواہ نہیں رکھتے، غلطی ہے، کون مسلمان نہیں چاہتا کہ ہمارے دوسرے بھائی مسلمان ہمارے لئے دعا کریں، خصوصاً آجکل کہ مسلمانان عرب پر خبثا ئے نجدیہ کا تسلط ہے، وہ سنیوں کو بہت سخت ایذائیں دیتے اور طرح طرح ستاتے ہیں، آجکل خصوصیت کے ساتھ اہل عرب کے لئے دعا کی جائے، کہ ان نجدیہ وہابیہ سے وہ ملک پاک ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۱۲) مسئولہ عبدالعزیز خاں صاحب از شہر کہنہ بریلی ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۴۳ھ۔

سُبحانَکَ اللّٰھُمَّ کے لا پر اور دعائے قنوت کے لا نشرک کے کلمہ لا پر انگشت شہادت اٹھانا مستحب ہے یا نہیں اور اس کا عام حکم شریعت میں کیا ہے۔

**الجواب** ۔ ثنا میں انگشتِ شہادت اُٹھانا بہتر ہے کہ یہ اشارہ بیانِ توحید ہے، حدیث میں ہے" ایک صاحب دو انگلیوں سے اشارہ کرتے تھے، اُن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اَحِدْ، اَحِدْ، ایک سے اشارہ کرو۔ ایک سے اشارہ کرو۔ اور مقصود یہ ہے کہ زبان سے اللہ عزوجل کی توحید بیان کی دل میں اس کا اعتقاد ہے، جوارح سے بھی اشارہ ہو کہ جنان ولسان وارکان سب موافق ہوں۔ دعائے قنوت میں یہ اشارہ کرنا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۱۳) مسئولہ حاجی ایوب صاحب از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۴۳ھ۔

" سنت مستحب مثلاً قبل عصر وقبل عشار چار چار رکعت پڑھتے ہیں، ان کے بیچ کے قعدہ میں درود ودعا اور تیسری رکعت کے شروع میں تعوذ اور تسمیہ پڑھنا چاہئے یا نہیں، پڑھنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔

**الجواب** ۔ سنت غیر مؤکدہ میں درود ودعا اور تیسری رکعت کے اوّل میں تعوذ پڑھنا چاہئے۔ کہ اُن کے نہ پڑھنے کا حکم صرف

Marfat.com

فرض و واجب و سنت مؤکدہ میں ہے، درمختار میں ہے وکذا ترك الزيادة فيه۔ ردالمحتار میں ہے ای فی الفرض و السنة المؤكدة لانها فی النفل مطلوبة۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۱۴) مرسلہ منشی محمد عبدالعزیز خاں صاحب از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۲۳۔

"مولٰنا صاحب زید مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مہربانی کرکے بہت جلد بواپسی ڈاک کتاب غنیہ کے اس صفحہ کا نمبر لکھ بھیجیں جس کا حوالہ آپ نے اپنے جواب فتویٰ مسئولہ میں دیا ہے، اور جس میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ "افضل یہ ہے کہ بعد ختم اقامت امام نماز شروع کرے، شرح وقایہ میں ہے ويشرع عند قد قامت الصلوٰة" اس کے حاشیہ پر مولوی عبدالحی لکھتے ہیں قوله عند ای قبيله عند ابی حنيفة و محمد و بعده عند ابی یوسف والخلاف فی الافضلية، اس حاشیہ و متن کتاب کا کیا مطلب ہے، اس سے تو قول امام رحمۃ اللہ علیہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ کے وقت امام اللہ اکبر کہے۔

**الجواب**۔ فقیر نے جو مسئلہ لکھا کہ بعد ختم اقامت شروع کرنا چاہیئے، یہی صحیح ہے، شرح مجمع میں اسکو اعدل المذاهب کہا، اور خلاصہ میں اسے اصح فرمایا، درمختار میں ہے وشروع الامام فی الصلوٰة مذ قيل قد قامت الصلوٰة ولو اخر حتى اتمها لا باس به اجماعاً وهو قول الثانی والثلثة وهو اعدل المذاهب كما فی شرح المجمع لمصنفه وفی القهستانی معزيا للخلاصة انه الاصح، اور طحطاوی علی المراقی میں بحوالہ نہر اسے حق کہا، نیز یہی من حیث الدلیل قوی ہے۔ اولاً، جواب اقامت مستحب ہے، اور قد قامت الصلوٰۃ کا جواب اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا ہے اور جب اسی لفظ پر شروع کرے گا تو جواب کیونکر دے گا، اور اس کے بعد کے الفاظ کا بھی جواب رہنا ظاہر۔ ثانیاً، امام کے ساتھ مقتدیوں کا شروع کرنا سنت ہے، یعنی اس کے بعد بلا تاخیر۔ حدیث میں ہے اذا کبّر فکبّروا۔ تو اگر امام نے قَدْ قَامَتْ پر شروع کر دیا تو مؤذن کی یہ سنت فوت ہوگئی۔ اور بعد ختم شروع کرنے میں یہ سنت مکبر بھی پائے گا، اور اگر اس کو حاصل کرے تو اقامت پوری نہیں ہوتی۔ تو ختم پر شروع کرنے میں امام و مقتدی کو اقامت کا جواب میسر ہوگا، اور مکبر کو وہ سنت حاصل ہوگی، لہٰذا یہی افضل ہے، اور عبارت شرح وقایہ اُس روایت کی بنا پر ہے کہ افضل قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کے وقت شروع کرنا ہے، اور اس کا جواب عبارت درمختار سے ظاہر ہے کہ ترجیح اس روایت کو ہے، اور یہی امام و صاحبین سے مروی، یا اس عبارت شرح وقایہ میں محض جواز بلا کراہت کا حکم ہے نہ یہ کہ افضل یہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۱۵) مرسلہ مولوی عبدالحی سلمہ، از ہلدوانی منڈی ضلع نینی تال ۱۵ صفر ۱۳۴۵ھ۔

"علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور نماز کے ختم میں درود شریف

Marfat.com

قصداً چھوڑ جاتا ہے، پس وہ شخص ایسا کرنیوالا کافر ہے یا مؤمن، فقط بینوا توجروا من اللہ تعالیٰ۔

**الجواب** ۔ نماز میں درود شریف پڑھنا سنّت مؤکّدہ ہے، کہ قصداً ترک کرنا بُرا ہے اور ایسا شخص مستحق ملامت و عتاب ہے اگر یہ ترک بہ علت وہابیت نہ ہو تو کافر نہیں بلکہ فاسق بھی اس وجہ سے نہیں کہہ سکتے۔ ———— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۱۶) از گالی مرسلہ عبدالکریم حاجی ہاشم ۲۰ صفر ۴۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ بعد نماز عشار شب جمعہ و بعد نماز جمعہ یہ درود شریف صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قبلہ رو دست بستہ مؤدبانہ بآواز میانہ باصف اجماعت کھڑے ہوکر سو مرتبہ پڑھنا اور شروع اَعُوْذُ بِاللّٰہِ، بِسْمِ اللّٰہِ اور اس آیت کریمہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا سے کرنا شرعاً کیا حکم ہے۔

**الجواب** ۔ درود شریف پڑھنا افضل اعمال سے ہے اس کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترمذی نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اَدْنَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً سب سے زیادہ مجھ سے قریب روز قیامت وہ شخص ہوگا جس نے زیادہ مجھ پر درود پڑھی۔ دوسری حدیث نسائی نے انھیں سے روایت کی کہ فرمایا: تم مجھ پر درود پڑھو کہ تمھاری درود مجھکو پہنچتی ہے تم جہاں کہیں ہو۔ نیز اسی نسائی میں بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ فرمایا: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَّحُطَّتْ عَنْہُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَّرُفِعَتْ لَہٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائیگا اور اس کی دس خطائیں معاف کیجائیں گی اور دس درجے بلند کیے جائینگے جس سے جہاں تک ہو سکے اسکی کثرت کرے کہ یہ اللہ کو محبوب ہے، خصوصاً اوقات فاضلہ و متبرکہ میں اس کا پڑھنا زیادہ باعث ثواب، اور جمعہ و شب جمعہ میں درود شریف پڑھنا محبوب و پسندیدہ ہے، ردالمحتار میں ہے نص العلماء علی استحبابھا فی مواضع یوم الجمعۃ ولیلتھا الخ علماء نے چند مواضع میں درود شریف کو مستحب فرمایا ہے، انھیں میں سے روز جمعہ و شب جمعہ ہے۔ قبلہ رو دست بستہ پڑھنا یہ ایک ادب ہے اور جہانتک ادب کی مُراعات کیجائے افضل ہے اور مجمع میں پڑھنا سبب ازدیاد خیر ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے انا عند ظن عبدی بی فمن ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی ومن ذکرنی فی ملاءٍ ذکرتہ فی ملاءٍ خیر منھم اگر بندہ مجھے دل میں یاد کرے، میں اُسے اپنے نفس میں یاد کروں اور اگر کسی مجمع میں یاد کرے تو میں اُسے ایسے مجمع میں یاد کروں جو اُن سے بہتر ہے۔ بالجملہ جو صورت سوال میں مذکور ہے جائز ہے، اسمیں کوئی شرعی خرابی نہیں۔ ———— واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

**مسئلہ** (۱۱۷) از الٰہ آباد مرسلہ سید ضمیر الحسن صاحب رضوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید ہر نماز فرض کے بعد رُخ پھیر کر دعا مانگتا ہے، بکر کہتا ہے کہ حدیث میں صرف ان نمازوں کے بعد رُخ پھیرنے کا حکم ہے جن کے بعد سنّت نہ ہو. مثلاً فجر و عصر۔ ساتھ ہی زید یہ بھی کہتا ہے کہ حدیث میں ہے کہ ہر نماز کے بعد رُخ پھیرنا مستحب ہے، لہٰذا شریعت کے صحیح حکم سے مطلع فرمائیں۔

**الجواب** ۔ حدیث شریف میں مطلقاً انصراف وارد ہوا، فجر و عصر کی تخصیص نہیں اور انصراف یعنی داہنے بائیں یا مقتدیوں کی طرف منھ کرنا تینوں صورتیں احادیث سے ثابت. کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی صلٰوۃ اقبل علینا بوجھہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز پڑھ لیتے تھے تو ہماری طرف منھ کر لیتے (رواہ البخاری عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) دوسری روایت یوں ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم داہنی طرف انصراف فرماتے ۔ رواہ مسلم عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احببنا ان نکون عن یمینہ یقبل علینا بوجھہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جب ہم نماز پڑھتے تو حضور کی داہنی طرف ہونا ہمیں محبوب ہوتا کہ ہماری طرف منھ کر کے بیٹھیں گے رواہ مسلم عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ. حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لایجعل احدکم للشیطان شیئاً من صلٰوتہ یریٰ ان حقاعلیہ ان لاینصرف الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیراً ینصرف عن یسارہ. اپنی نماز میں سے کچھ حصہ شیطان کے لئے کوئی نہ کرلے ۔ اسکی صورت یہ ہے کہ یہ یقین کرلے کہ داہنے ہی طرف پھرنا ضروری ہے میں نے بہت مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف انصراف فرماتے دیکھا (رواہ البخاری ومسلم) یہ چند حدیثیں ذکر کردی گئیں جن سے انصراف کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے، اور کسی حدیث میں تقیید فجر و عصر نظر فقیر میں نہیں، بلکہ ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جس نماز کے بعد نوافل ہیں اس میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصراف فرمایا ازرق بن قیس کہتے ہیں صلی بنا امام لنا یکنی ابارمثۃ قال صلیت ھٰذہ الصلوٰۃ او مثل ھٰذہ الصلوٰۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وکان ابوبکر و عمر یقومان فی الصف المقدم عن یمینہ وکان رجل قد شھد التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوٰۃ فصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن یمینہ وعن یسارہ حتی رأینا بیاض خدیہ ثم انفتل کانفتال ابی رمثۃ یعنی نفسہ فقام الرجل الذی ادرک معہ التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوٰۃ یشفع فوثب عمر فاخذ بمنکبیہ فھزہ ثم قال اجلس فانہ لن یھلک اھل الکتاب الا

Marfat.com

یمکن بین صلٰوتہم فصل فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بصرہ فقال اصاب اللہ بک یا ابن الخطاب ہمارے امام پورمثہ نے نماز پڑھائی پھر یہ کہا کہ یہی نماز یا اس جیسی نماز میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی تھی، حضور نے نماز پوری کر کے بائیں سلام پھیرا پھر انصراف فرمایا جیسے میں نے کیا، ایک شخص جس نے حضور کے ساتھ تکبیر اولیٰ پائی تھی سلام کے بعد ہی نماز دوگانہ کے لئے کھڑا ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے مونڈھے پکڑ کر ہلائے اور فرمایا کہ بیٹھ جا، اہل کتاب اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں میں فاصلہ نہ ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم مبارک اٹھا کر دیکھا اور فرمایا اے ابن خطاب خدا نے تمہارے ساتھ حق رکھا ہے یعنی تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام کے بعد فوراً نماز کے لئے کھڑا نہ ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ وہ نماز تھی جس کے بعد نوافل پڑھنا منع نہ تھا اور اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انصراف فرمایا۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا قول ہے کہ نماز مغرب کے بعد دعا مانگتے ہوئے کھڑا ہو جانا چاہئے کیونکہ وقت قلیل ہوتا ہے اور دوسری سنت ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا ہی عمل فرماتے تھے یا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں، زید امام کے سلام پھیرنے کے بعد فوراً دعا مانگتا ہوا اٹھ جاتا ہے اور امام کی متابعت نہیں کرتا، ایا ایسا کرنا کیسا ہے

**الجواب** - جس نماز کے بعد سنتیں ہیں ان میں سلام کے بعد مختصر دعاؤں پر اکتفا کرے تاکہ سنتوں میں زیادہ تاخیر نہ ہو زیادہ تاخیر کو ہمارے فقہائے کرام مکروہ فرماتے ہیں۔ درمختار میں ہے ویکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ اور بعض احادیث میں بھی آیا ہے کہ حضور اس دعا کے بقدر سلام کے بعد بیٹھے رہتے مثلاً مسلم و ترمذی میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم لم یقعد الا بقدر ما یقول اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذا الجلال والاکرام یعنی سلام کے بعد حضور بقدر اس دعا کے بیٹھے رہتے۔ اور مسلم کی دوسری روایت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ہے کہ اذا انصرف عن صلاتہ استغفر ثلثاً وقال اَللّٰھُمَّ انت السَّلَامُ الخ یعنی سلام کے بعد تین بار استغفار پڑھتے اور یہاں مقصود تحدید نہیں ہے کہ صرف اتنا ہی پڑھے، اس پر زیادت اصلاً نہ کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ زیادہ تاخیر نہ کرے اس لئے کہ صحیح بخاری و مسلم میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول

---

ف محقق ابن امیر الحاج حلیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں، ذخیرہ کے حوالے سے اذا کان فرغ الامام من صلوٰتہ اجمعوا علی انہ لا یمکث فی مکانہ مستقبل القبلۃ سائر الصلوات فی ذالک علی السواء قال وقد صرح غیر واحد بانہ یکرہ ذالک۔ اس پر فقہاء نے اجماع فرمایا کہ امام اپنی نماز سے فارغ ہو کر اپنی جگہ قبلہ رو نہ بیٹھے، تمام نمازیں اس میں برابر ہیں، ایک ہی نے نہیں بہت حضرات نے تصریح کی ہے کہ یہ (سلام پھرنے کے بعد امام کا قبلہ رو بیٹھنا) مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

فی دبر کل صلوٰۃ مکتوبۃ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ یعنی حضور ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے اور ظاہر ہے کہ یہ پہلی دعا سے زیادہ ہے اس وجہ سے ردالمحتار میں فرمایا و قول عائشۃ بمقدار لا یفید انہ کان یقول ذالک بعینہ بل کان یقعد بقدر ما یسعہ ونحوہ من القول تقریباً فلا ینافی ما فی الصحیحین من انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقول فی دبر کل صلوٰۃ مکتوبۃ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وحدہ الحدیث بالجملہ۔ ان احادیث وعبارات فقہ سے ثابت ہوا کہ اتنی دیر تک بیٹھے۔ پس زید کا قول دعا مانگتے ہوئے کھڑا ہو جانا چاہئے، حدیث وفقہ دونوں کے خلاف ہے کہ حدیث میں بمقدار اس دعا کے بیٹھنا ثابت ہے، اور فقہاء بھی یہی کہتے ہیں، بلکہ بعض احادیث میں تو نمازوں کے بعد کے لئے طویل دعائیں بھی آئی ہیں جس کی تاویل ہمارے فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ یہ ادعیہ سنن کے بعد پڑھی جائیں بلکہ سوال ۱۱۸ میں ابوداؤد حدیث مذکور ہوئی کہ سلام کے بعد ایک شخص فوراً سنتوں کے لئے کھڑا ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان کا شانہ پکڑ کر بٹھا دیا اور فرمایا کہ نمازوں کے درمیان فصل نہ ہونے کی وجہ سے اگلے لوگ ہلاک کئے گئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عمر کی تصویب فرمائی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فوراً کھڑا نہ ہونا چاہئے بلکہ امام احمد کی روایت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ جو شخص مغرب وصبح کی نماز کے بعد بغیر پاؤں موڑے یہ دعا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ دس۱۰ مرتبہ پڑھے، اس کے دس گناہ مٹائے جائیں گے، اور دس درجے بلند کئے جائیں گے۔ اور اس کی ہر مکروہ سے حفاظت ہوگی اور شیطان رجیم سے حفظ ہوگا اور شرک کے سوا کوئی گناہ اُسے ضرر نہ دیگا اور باعتبار عمل وہ سب سے افضل ہوگا، مگر وہ جو اس سے افضل کہے پھر زید کا مغرب کے ساتھ خاص کرنا بالکل بے دلیل ہے، بلکہ یہ حکم ہے کہ تاخیر نہ کیجائے مغرب اور ان تمام نمازوں میں جن کے بعد سنن ہیں یکساں ہے۔ اور مغرب کا وقت کم ہے تو کیا اتنا کم ہے کہ دعا پڑھتے پڑھتے ختم ہو جائے گا۔ ہندوستان میں ایک گھنٹہ اٹھارہ۱۸ منٹ سے کم کبھی نہیں ہوتا مگر سلام کے بعد امام کی متابعت ضرور نہیں البتہ جماعت کے ساتھ دعا مانگنا بہتر ہے کہ امید اجابت ہے۔ ——— واللہ تعالٰی اعلم

**مسئلہ** (۱۱۹) ظہر ومغرب وعشاء کے فرض کے بعد امام کا دائیں یا بائیں جانب موڑ کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں۔ کتب میں جن حدیثوں سے اس انحراف پر دلیل لائے ہیں، ان حدیثوں میں بعض نماز کے ساتھ خصوصیت ظاہر نہیں ہے۔ بلکہ تمام نماز کے لئے حکم عام معلوم ہوتا ہے باایں ہمہ آگے ارشاد فرماتے ہیں ھذا الذی ذکرنا من التخییر بین الانصراف والجلوس مستقبلاً اذا

Marfat.com

لم یکن بعد الصلوٰۃ المکتوبۃ التی اتمھا تطوع کالفجر والعصر یہ تخصیص کس بنا پر ہے، بینوا توجروا

**الجواب** ۔ ان نمازوں میں بھی دائیں بائیں انصراف کر کے دعا مانگنا جائز بلکہ احادیث کے اطلاق سے یہی ثابت اور سنت ہے البتہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں انہیں مختصر دعا مانگے اور فجر وعصر کے بعد ادعیہ طویلہ واذکار کثیرہ کی بھی اجازت ہے۔ غنیہ وغیرہا میں جو تخییر ذکر کرتے ہیں ان میں جلوس سے مراد جلوس طویل ہے، چنانچہ حلیہ میں تصریح ہے کہ جن نمازوں کے بعد سُنن ہیں ان کے بعد بھی انصراف کرے کہ علت مشترک ہے اور احادیث کے اطلاق سے یہی ثابت ۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۲۰) از ضلع بلیا مرسلہ مولوی عبد العظیم صاحب ۶ ربیع الاول ۵۰ھ

مَاقولکمُ ایہا العلماء الکرام فی ھذہ المسائل رحمکم اللہ الملک العلام :۔

"بیٹھ کر نماز پڑھنے میں حد رکوع کیا ہے اگر اتنا جھکا کہ سر اور زمین میں ایک بالشت یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا تو کیا اس کی نماز میں نقصان آگیا ؟ بینوا توجروا

**مسئلہ** (۱۲۱) رکوع اور سجدہ میں جو الصاق کعبین سنت لکھا ہے اس سے کیا مراد ہے پورے قدموں کا آپسیں ملادینا یا صرف ٹخنوں ہی کا ملانا، اگر صرف ٹخنوں ہی کا ملانا مراد ہے تو رکوع میں خیر آسانی ہو گی لیکن سجدہ میں جہاں تک فقیر نے تجربہ کیا ہے مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ سجدہ میں انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف بھی کرنے کا ہے اور ظاہر اس سے یہی ہے کہ تمام انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف رہے نہ بعض کا، اور الصاق کعبین میں دونوں پاؤں کی صرف ایک ایک یا دو دو انگلیاں قبلہ رو رہتی ہیں باقی نہیں بہرحال ان دونوں سنتوں میں ایک ضرور ترک ہو جاتی ہے ۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ بیٹھکر نماز پڑھنے میں رکوع کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ پیشانی گھٹنوں کی سمت میں آجائے۔ رد المحتار میں ہے وفی حاشیۃ القتال عن البرجندی۔ ولوکان یصلی قاعدا ینبغی ان یحاذی جبھتہ قدام رکبتیہ لیحصل الرکوع۔

**اقول** ۔ یہاں محاذات سے مراد سمت میں ہونا ہے نہ کہ اتنا جھکنا کہ پیشانی کی زمین سے بلندی گھٹنے کے بالائی حصہ کے برابر ہو جائے! فالا یراد الذی اورد ہ العلامۃ الشامی بقولہ لعلہ محمول علی تمام الرکوع الخ ساقط ولعلہ اشار الی ھذا بقولہ تامل ۔ بہرحال اتنا جھکنا کہ پیشانی اور زمین میں ایک بالشت یا کم کا فاصلہ رہا موجب نقصان نہیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**الجواب** ۔ درمختار میں رکوع کے اندر الصاقِ کعبین کو سنت تحریر کیا اور ردالمحتار میں سید ابو السعود سے نقل کیا کہ وہ بحوالہ در سجود میں بھی الصاق کو سنت لکھتے ہیں ۔ اس پر علامہ شامی اعتراض کرتے ہیں، کہ یہ شارح نے درمختار میں لکھا نہ در منتقی

Marfat.com

میں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ کسی غیر کے کلام میں بھی میں نے اس کو نہیں پایا۔ پھر اس کی ایک ضعیف سی توجیہ بھی کرتے ہیں، مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی سنیت کا ماخذ کیا ہے مجھے خیال ہے کہ بہار شریعت میں اسی درمختار کے حوالہ سے میں نے الصاق کو سنن میں شمار کیا تھا۔ مگر اعلیحضرت قبلہ نے اُسے نکال دیا[عہ۵]۔ میرا خیال ہے کہ اگر الصاق سنت کہا جائے تو شاید بایں معنیٰ ہو کہ دونوں ٹخنوں محاذات ہونا چاہئے نہ کہ چپکا دیے جائیں، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ نماز جماعت میں ایک شخص اپنے کعب کو دوسرے کعب سے الصاق کیا کرتا تھا، اس کے معنیٰ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ الصاق سے مراد محاذات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۲۲) زیر ناف ہاتھ باندھنے کی کیا وجہ ہے۔ بینوا توجروا

**الجواب**۔ نفس کو مغلوب کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۲۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مابین سجدتین اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ الخ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب**۔ مابین سجدتین نوافل میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاعْفِنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ پڑھنا مسنون ہے اور حدیث ابوداؤد جس میں یہ دعا وارد ہے، عند الحنفیہ نوافل پر محمول ہے اور فرائض میں اگر منفرد ہو یا مقتدی تھوڑے ہوں اور معلوم ہو کہ ان پر گراں نہ ہوگا تو اس کے پڑھنے میں حرج نہیں بلکہ پڑھنا مستحب و مندوب ہے کیونکہ ائمہ حنفیہ نے اس کی کہیں ممانعت نہیں فرمائی اور حنبلیہ کے نزدیک اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ کہنا واجب ہے کہ بغیر اس کے نماز ہی باطل ہے اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر اپنے مذہب کے خلاف کرنا لازم نہ ہو تو رعایت اختلاف مستحب ہے یعنی اس طرح عمل کرے کہ دوسرے کے نزدیک باطل نہ قرار پائے۔ درمختار میں ہے ولیس بینھما ذکر مسنون علی المذھب وما ورد محمول علی النفل۔ ردالمحتار میں ہے قال ابویوسف سالت الامام ایقول الرجل اذا رفع راسه من الرکوع والسجود اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ قال یقول ربنا لك الحمد وسکت ولقد احسن فی الجواب اذلم ینه عن الاستغفار (نھر وغیرہ) اقول بل فیه اشارۃ الی انه غیر مکروہ اذ لو کان مکروھا نھی عنه کما ینھی عن القراءۃ فی الرکوع والسجود وعدم کونه مسنونا لاینافی الجواز کالتسمیة بین الفاتحة والسورۃ بل ینبغی ان یندب الدعاء بالمغفرۃ بین السجدتین خروجا من خلاف الامام احمد لابطاله الصلوٰۃ

عہ۵ الملفوظ حصہ چہارم مطبوعہ لکھنؤ ص۵۸ پر ہے۔ عرض ـــ درمختار کبیری صغیری وغیرہ میں لکھا ہے کہ رکوع میں دونوں ٹخنوں کو ملانا سنت ہے۔ ارشاد :- لم یثبت۔ کہیں ثابت نہیں دس بارہ کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے، اور سب کا منتہیٰ زاہدی ہے۔ اھ فتاویٰ رضویہ سوم ص۵۵ پر اسکے خلاف اس کے مسنون ہونے کی تصریح ہے۔ اور اس پر وارد شبہات کا جواب بھی، مگر وہ فتویٰ بہت پہلے کا ہے سوال کی تاریخ ۹ رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ ہے۔ اور الملفوظ کا ارشاد ۱۳۳۶ھ کے بعد کا ہے۔ اور بہار شریعت کی تصحیح ۱۳۳۰ھ کے بعد کی ہے اس لیے معتبر و معتمد یہی ہے جو الملفوظ میں ہے۔ اور جو حضرت صدر الشریعۃ نے بیان فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم الامجدی

Marfat.com

بترکه عامداً ولم ار من صرح بذالك عندنا لكن صرحوا باستحبابه مراعاة الخلاف

واللّٰہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۲۴) مرسلہ محمد حبیب حسین صاحب و محفوظ الکریم بانکی پور دریاپور ۱۳ رجادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں :-

امام کے لئے بعد فراغ فرائض انحراف عن القبلہ ایمن وایسر پہلو پر ہوکر دعا مانگنا ہر ایک پنجگانہ فرض کے بعد مستحب ہے یا بعض کے بعد۔ زید کہتا ہے کہ ہر ایک پنجگانہ فرض کے بعد انحراف عن القبلہ کرنا مستحب ہے۔ خالد کہتا ہے کہ صرف عصر اور فجر کی نماز کے بعد مستحب ہے۔ دلیل میں فتاویٰ درمختار مطبع احمدی کی یہ عبارت پیش کرتا ہے وفی الخانية يستحب للامام التحول ليمين القبلة يعني يسار المصلي لتنفل۔ نیز نور الایضاح نزل الثوی تقریر ترمذی شریف بحوالہ فتح القدیر شرح منیہ کبیری وغیرہ پیش کرتا ہے۔ عبارت مذکورہ بالا کا واضح مطلب و احناف فقہاء کرام کا محقق و مفتیٰ بہ قول مع حوالہ کتب نقل عبارت کے ساتھ تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔ بینوا توجروا

**الجواب** - فرائض کے بعد سنن پڑھنے میں کچھ فاصلہ کرنا چاہئے۔ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام فصل کیا کرتے تھے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے فان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم امرنا بذلك ان لا نوصل بصلوٰة حتى نتكلم او نخرج (رواه مسلم) اور فرائض وسنن میں فصل طویل بھی مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے ويكره تاخير السنة الا بقدر اللهم انت السلام الخ اس امر میں فقہائے حنفیہ کا قول یہ ہے کہ احادیث میں ایسی نمازوں کے بعد جو اذکار طویلہ وارد ہیں ان سے یہ مراد ہے کہ رواتب کے بعد وہ اذکار پڑھے جائیں۔ معلوم ہوا کہ فصل طویل مکروہ ہے ورنہ اس تاویل کی حاجت نہ تھی۔ ردالمحتار میں ہے واما ما ورد من الاحاديث في الاذكار عقيب الصلوٰة فلا دلالة فيه على الاتيان بها قبل السنة بل يحمل على الاتيان بها بعدها لان السنة من لواحق الفريضة وتوابعها ومكملاتها فلم تكن اجنبية عنها فما يفعل بعدها يطلق عليه انه عقيب الفريضة۔ اب رہی یہ بات کہ ان فرائض کے بعد جو اذکار قلیلہ یا دعائیں پڑھی جائیں، وہ قبلہ رو امام بیٹھے ہوئے پڑھے یا اس کے لئے انحراف عن القبلہ ہونا چاہئے۔ انحراف کے متعلق جو کچھ احادیث نظر فقیر سے گذری ہیں، ان حدیثوں سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ صرف فجر و عصر میں انحراف ہوتا تھا باقی نمازوں میں نہ تھا، لہٰذا بلا دلیل شرعی اس انحراف کو مقید نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً صحیح بخاری میں سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذا صلى صلوٰة اقبل علينا بوجهه۔ صحیح مسلم شریف میں

Marfat.com

براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احببنا ان نکون عن یمینہ یقبل علینا بوجہہ۔ بلکہ بظاہر ان احادیث سے عموم سمجھا جاتا ہے بلکہ ابوداؤد کی ایک حدیث سے صراحۃً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس نماز کے بعد نوافل ہیں، اس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انحراف فرمایا ہے۔ ازرق بن قیس سے مروی کہتے ہیں صلی بنا امام لنا یکنی ابا رمثۃ قال صلیت ھٰذہ الصلوٰۃ او مثل ھذہ الصلوٰۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال وکان ابوبکر وعمر یقومان فی الصف المقدم عن یمینہ وکان رجل قد شھد التکبیرۃ الاولیٰ عن الصلوٰۃ فصلی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثم سلم عن یمینہ وعن یسارہ حتی رأینا بیاض خدیہ ثم انفتل کانفتال ابی رمثۃ یعنی نفسہ فقام الرجل الذی ادرک معہ التکبیرۃ الاولیٰ عن الصلوٰۃ یشفع فوثب عمر فاخذ بمنکبیہ فھزہ ثم قال اجلس فانہ لن یھلک اھل الکتاب الا انہ لم یکن بین صلٰوتھم فصل فرفع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بصرہ فقال اصاب اللہ بک یا ابن الخطاب۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کو منع کرنا اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے فرض وسنّت میں فصل نہ کیا اور اس کی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تصویب فرمائی، اگر وہ نماز فجر وعصر ہوتی تو نماز ہی سے ممانعت کی جاتی نہ کہ فصل کو منع کیا جاتا۔ اور یہ حدیث بیان کر رہی ہے کہ اس نماز میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انحراف فرمایا تھا۔

پس معلوم ہوا کہ انحراف امام فجر وعصر کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اس حدیث کو امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی فتح القدیر میں ذکر فرمایا، اور یہ بتایا کہ جو لوگ فرض وسنّت میں وصل کے قائل ہیں۔ ان کا قول اس حدیث کے خلاف ہے۔ اور جو یہ کہتے ہیں کہ بقدر اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ کے مکث کرے، اُن کے قول پر اس حدیث سے اعتراض نہیں ہوتا کہ اس حدیث سے حدیث فصل طویل ثابت نہیں۔ فتح القدیر کی عبارت یہ ہے ولا یرد علی الثانی اذ قد یجاب بان قولہ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ الخ فصل فمن ادعی فصلا اکثر منہ فلینقلہ۔ امام ابن ہمام کی اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس نماز کو فجر وعصر کا غیر قرار دیتے ہیں۔ اور یہ کہ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ پڑھنے میں بھی امام کو انحراف چاہئے۔ لہٰذا جن فقہائے کرام نے یہ تصریح فرمائی کہ جن نمازوں کے بعد سنن ہیں ان میں بعد سلام صرف بقدر اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ توقف کرے جیسا کہ درمختار میں ہے ویکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ۔ ان روایات فقہیہ سے کہیں ایسا ثابت نہیں کہ حالت اولیٰ پر بیٹھے ہوئے یہ کلمات کہے بلکہ فقہائے کرام نے انحراف کی جو علت بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ نئے آنے والے کو شبہہ نہ ہو کہ ابھی جماعت ختم

Marfat.com

نہیں ہوئی ہے۔ اور وہ اقتدار کی نیت کرکے کہیں شامل نہ ہوجائے۔ یہ علت بتائی ہو کہ امام کو ہر نماز میں منحرف ہونا چاہئے، جبکہ کتب مذاور نہ میں فقہائے کرام کی تخصیص نہیں ملتی کہ جن نمازوں کے بعد سنن ہیں، ان میں انحراف نہیں کیا جائے۔ اور احادیث اس باب میں مطلق ہیں، بلکہ جن نمازوں کے بعد سنن ہیں ان میں بھی انحراف حدیث سے ثابت اور قول اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ اور انحراف میں تنافی نہ ہونا امام ابن ہمام کی تصریح سے ثابت۔ لہٰذا یہ انحراف تمام فرائض کے بعد امام کرے۔ اور یہی سنت ہے، بلکہ حلیہ شرح منیہ میں یہ تصریح ذخیرہ سے نقل فرمائی، اور حالت اولیٰ پر جلوس کو مکروہ بتایا۔ سائر الصلوات فی ذالك علی السواء وقد صرح غیر واحد بانه یکره ذالك۔ درمختار کی جو عبارت سوال میں منقول ہے اس کو اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں اس عبارت کا محصل یہ ہے کہ امام اسی جگہ نوافل نہ پڑھے بلکہ اس جگہ سے ہٹ کر پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۲۵) مسؤلہ محمد کامل صاحب پسر فتح محمد امان اللہ پورہ بنارس یکم محرم ۶۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ بعد نماز فرض متصلاً ۳ بار حق حق کہنا، یا ۳ بار لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا بلند آواز سے ضرب لگانا کسی حدیث یا فقہ حنفی کی کسی معتبر کتاب سے ثابت ہے یا نہیں۔ اگر ثابت ہے تو بحوالہ کتب عبارت نقل فرمائیے۔

**مسئلہ** (۱۲۶) بعد ختم نماز فرض حدیثوں میں ۳ مرتبہ استغفار کا حکم آیا ہے اور مختلف اذکار کے پڑھنے کا ثبوت بھی ہوا ہے۔ کیا بعینہٖ انھیں اذکار کا پڑھنا سنت ہوگا۔ یا کچھ تغیر وتبدل کرنا بھی سنت ہوگا۔

**الجواب** - ذکر جہر کی مختلف صورتیں ہیں بعض حالتوں میں جائز وبہتر اور بعض میں مکروہ جبکہ اس کا صحیح مقصد ہو اور نمازیوں کو اس سے تشویش نہ ہو اور سونے والوں کو ایذا نہ ہو اور ریا کی مداخلت سے خالی ہو تو جائز ہے، اور نماز کے بعد ذکر کا جواز احادیث سے ثابت ہے، صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کنا نعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بالتکبیر۔ دوسری روایت میں ہے ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبة کان علیٰ عهد النبی صلے اللہ تعالیٰ علیه وسلم وقال ابن عباس کنت اعلم اذا انصرفوا بذالك اذا سمعته۔ ردالمحتار میں فتاویٰ خیریہ سے ہے والجمع بینهما بان ذالك یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال کما جمع بذالك بین احادیث الجهر والاخفاء بالقرأة ولا یعارض ذالك حدیث خیر الذکر الخفی لانه حیث خیف الریاء او تأذی المصلین او النیام فان خلا مما ذکر فقال بعض اهل العلم ان الجهر افضل لانه اکثر

Marfat.com

امراء لتعدی فائدتہ الی السامعین و یوقظ قلب الذاکر فیجمع ھمہ الی الفکر ویصرف سمعہ الیہ ویطرد النوم و یزید النشاط۔ جب مطلقاً ذکر جائز ہے تو وہ ذکر بھی جائز ہے جو سوال میں مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**الجواب** ۔ وہ اذکار جو احادیث میں وارد ہیں ان کے سوا دوسرے اذکار بھی جائز ہیں مگر جو احادیث میں ہیں وہ افضل ہیں

**مسئلہ** (۱۲۷) مسئولہ محمد کامل صاحب بنارس یکم محرم الحرام ۶۱ھ۔

اگر کوئی شخص بجائے اللہ اکبر کے اَجَلُّ وَاَعْظَمُ اور رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْکَبِیْر اور سجدہ میں رَبِّیَ الْاَکْبَرُ اور سَلَامٌ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ کہنے پر مداومت اور اصرار کرے تو یہ خلاف سنت ہے یا نہیں اور اس کا یہ قول ہے کہ قرآن مجید میں اَلسَّلَامُ نہیں آیا ہے بلکہ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ آیا ہے اور یہی بہتر ہے۔

**الجواب** ۔ اگرچہ اَللّٰہُ اَجَلُّ وَاَعْظَمُ سے بھی تحریمہ ہو جائے گا اور نماز میں داخل ہو جائے گا مگر ایسا کرنا مکروہ ہے اور حدیث کے خلاف ہے کہ ارشاد فرمایا وتحریمھا التکبیر۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے لو شرع بالتسبیح او بالتھلیل صح ولکن الاولیٰ ان یشرع بالتکبیر کذا فی التبیین وھل یکرہ الشروع بغیرہ اختلف المشائخ بعضھم قالوا یکرہ و الاصح ھکذا فی الذخیرۃ والمحیط والظھیریۃ۔ ردالمحتار میں ہے فان الاصح انہ یکرہ الافتتاح بغیر اللّٰہ اکبر عند ابی حنیفۃ کما فی التحفۃ والذخیرۃ والنھایۃ وغیرھا اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کی جگہ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ کہنا بھی خلاف سنت و مکروہ ہے ردالمحتار میں ہے فان قال اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ او السلام او سَلَامٌ عَلَیْکُمْ او عَلَیْکُمُ السَّلَامُ اجزاہ وکان تارکاً للسنۃ وصرح فی السراج بکراھۃ الاخیر اھ۔ قلت تصریحہ بذالک لاینافی کراھۃ غیرہ ایضاً مما خالف السنۃ۔ اور اس کا یہ کہنا کہ قرآن مجید میں اَلسَّلَامُ نہیں آیا ہے، غلط ہے، قرآن مجید میں ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۲۸) نماز میں سجدہ کی حالت میں ناک اور پیشانی کا زمین سے لگا رہنا ضروری ہے، یا پیشانی زمین سے لگنے کے بعد اٹھ جانا چاہیے۔ اور جو ایسے نماز پڑھتا ہے۔ کہ ناک نہ لگے یا ناک محض چھو جائے بعد میں پیشانی لگ جائے اور ناک اٹھ جائے اس کی نماز کیسی ہے۔

**الجواب** ۔ سجدہ میں پیشانی کا زمین پر جمنا فرض ہے، اور ناک اس طرح جمانا کہ جو حصہ ناک کا نرم ہے اس کے دبنے کے بعد ناک کی ہڈی زمین پر جم جائے۔ یہ واجب اگر ناک کی نوک زمین سے چھو گئی اور ہڈی نہ لگی نماز واجب الاعادہ ہوئی۔ حدیث میں ارشاد ہوا امرت ان اسجد علیٰ سبعۃ اعظم واشار الی انفہ۔ یعنی پیشانی زمین پر لگنے کا یہ مطلب ہے کہ ناک کی ہڈی بھی زمین

Marfat.com

پر لگ جائے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۲۹) مرسلہ عبد الغفور صاحب دفتر انجمن اشاعت الحق بنارس ۲ر شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ۔

"عورتوں کے لئے نماز میں سجدہ کی حالت میں پیر اور پیر کی انگلیوں کے متعلق کیا حکم ہے۔"

**الجواب** ۔ عورتوں کو بھی سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں لگانا چاہیے، اس حکم میں عورتوں کا استثنا میری نظر سے نہیں[عـ۵] گذرا ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۳۰) صف اور مصلیٰ بچھانے میں مصلیٰ کا کچھ حصہ صف کے اوپر رہتا ہے بعض اوقات نیچے بھی ہو جاتا ہے لہٰذا مصلیٰ کا کچھ حصہ صف کے اوپر رہنا چاہیئے یا صف کے نیچے یا صف سے علیحدہ یا تمام طریقے جائز ہیں۔ جس مصلیٰ کا ذکر ہوا ہے وہ چٹائی ہے جس پر امام کھڑا ہوتا ہے ۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** ۔ سب طرح جائز ہے مگر امام کو مقتدیوں کی صف سے زیادہ فاصلہ پر نہ کھڑا ہونا چاہیئے۔ مقتدی کے موضع سجود اور موضع قیام امام میں اگر فاصلہ ہو تو اتنا ہو کہ بکری کا بچہ گذر جائے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۱۳۱) مسئولہ مولوی عبد الکریم صاحب طالب علم درجۂ اولیٰ مدرسہ اہلسنت ۷ر ربیع الاول شریف ۱۳۶۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں :۔

کلام مجید کو مخارج سے ادا کر کے نماز میں پڑھنا فرض ہے یا سنت یا مستحب۔

(۲) جو شخص مخارج کو ادا نہیں کرتا ہے اُس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں اور اگر وہ نماز پڑھا رہا ہو تو اسکی اقتدا کرنا چاہیئے یا نہیں۔

(۳) اور جو شخص مخارج کے ادا کرنے کی سعی ہمیشہ کرتا رہتا ہے مگر ادا نہیں ہوتی تو اس کی نماز اور اسکی اقتدا جائز ہے یا نہیں۔

(۴) اور جس شخص میں اس قدر استطاعت و قدرت ہے کہ سعی و کوشش سے مخارج کو ادا کرے گا پھر وہ کوشش نہیں کرتا تو اسکے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں اُس پر شارع علیہ السلام کا کیا حکم ہے، جواب بحوالۂ کتب ہونا چاہیئے ۔ بینوا توجروا

**بینوا توجروا**

عـ۵ اس لئے عورتیں بھی اس عموم میں داخل ہیں۔ یونہی یہ بھی کہیں نہیں کہ وہ انگلیوں کا پیٹ زمین پر لگائیں، مگر عموم حکم سے استدلال کیا جاتا ہے کہ جب ان کا استثنا نہیں۔ حالانکہ جو ان کی وضع خاص ہے اُسے فقہاء نے بیان فرمایا۔ تو اگر عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہوئیں تو اس کو بھی ضرور بیان فرماتے۔ وقد استدل بعض الافاضل بما نقله الشامی عن البحر انها لا تنصب اصابع القدمين كما ذكره فی المجتبیٰ۔ فيه نظر لان فی البحر عدلا من خصائص المرأة حيث قال ۔ ويزاد على العشر انها لا تنصب اصابع القدمين۔ فان كان المراد به بسط بطون الاصابع وتوجيه رؤسها نحو القبلة فلا خصوصية للمرأة الرجال فی هذا الحكم مثلهن فليحرر ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ امجدی

Marfat.com

**الجواب** (۱) قرآن مجید مطلقاً صحیح پڑھنا فرض ہے، نماز میں ہو، یا بیرون نماز، اس طرح کہ حروف مخارج سے نکالے جائیں اور وہ صفات جن سے ایک مخرج کے چند حروف باہم ممتاز ہوتے ہیں اُن کی بھی رعایت کی جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھو، تصحیح حروف تو بڑی چیز ہے، علمائے کرام تو تجوید کو بھی واجب کہتے ہیں، بلکہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ترتیل کی تفسیر تجوید سے فرمائی، امام شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد بن محمد جزری مقدمہ جزریہ میں فرماتے ہیں وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِیْدِ حَتْمٌ لَازِمٌ ؛ مَنْ لَّمْ یُجَوِّدِ الْقُرْاٰنَ اٰثِمٌ۔ لِاَنَّہٗ بِہِ الْاِلٰہُ اَنْزَلَا ؛ وَھٰکَذَا مِنْہُ اِلَیْنَا وَصَلَا تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنا لازم حتمی ہے جو قرآن کو تجوید کے ساتھ نہ پڑھے گنہ گار ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی قرآن کو نازل فرمایا اور ایسا ہی قرآن ہم تک پہونچا۔ ان کے صاحبزادے تجوید کی رعایت کرنے پر شرح میں فرماتے ہیں اذا لم یراع ذالک فکانہ قرأ القراٰن بغیر لغۃ العرب والقراٰن لیس کذالک فھو قاریٔ ولیس بقاریٔ بل ھادم وعدم قراءتہ اولیٰ من قراءتہ وھو بھا من "اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا" ومن الداخلین فی قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "رُبَّ قَارِیٍٔ لِّلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ" یعنی جس نے تجوید کی رعایت نہ کی، تو گویا غیر زبان عرب میں قرآن پڑھا، حالانکہ قرآن غیر عربی نہیں، تو بظاہر قرآن پڑھتا ہے اور فی الحقیقت قرآن پڑھنے والا نہیں، بلکہ ہادم ہے اور اس کا نہ پڑھنا پڑھنے سے بہتر ہے، اور اس طرح قرآن پڑھکر وہ اُن لوگوں میں ہوا، جن کی زندگی دنیا میں کوشش بیکار ہوگئی۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیک کام کرتے ہیں، اور ایسا پڑھنے والا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں داخل ہے "بہت قرآن پڑھنے والے وہ ہیں، جن پر قرآن لعنت کرتا ہے، اعاذنا اللہ تعالیٰ منھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**ج(۲)** (۲) جو شخص مخارج سے نہیں ادا کرتا، اس کے پیچھے اس شخص کی نماز نہیں ہو سکتی، جو صحیح پڑھ سکتا ہے، اور خود اُسکی نماز ہوگی یا نہیں، اس کی دو صورتیں ہیں جو ۳ اور ۴ کے جواب سے ظاہر ہوں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**ج** (۳) جو شخص صحیح پڑھنے پر قادر نہیں، اُسے حکم ہے کہ پوری کوشش صرف کرے، اور زمانہ کوشش میں اُس کی خود نماز ہو جائے گی، اور اس جیسا کوئی دوسرا ہو یعنی جو حرف یہ ادا نہیں کر سکتا ہے دوسرا بھی اسی حرف کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کی امامت بھی کر سکتا ہے، اور اگر صحیح خواں کی اقتدار کر سکتا ہو، یا بقدر فرض قرآن مجید کا وہ حصہ پڑھ سکتا ہے، جس میں وہ حرف نہ ہو، جسے ادا نہیں کر سکتا۔ یا کوشش نہیں کرتا، تو ان تین حالتوں میں جبکہ غلط پڑھے گا، تو خود اس کی نماز بھی نہ ہوگی، اور جب خود اس کی نہ ہوئی تو دوسرے کی اُس کے پیچھے کیونکر ہوگی۔ درمختار

Marfat.com

میں ہے ولا یصح اقتداء غیر الالثغ بہ ای بالالثغ علی الاصح کما فی البحر عن المجتبیٰ وحرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جہدہ دائما حتما کالامی فلا یؤم الا مثلہ ولا تصح صلاتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جہدہ او وجد قدر الفرض مما لا لثغ فیہ ھذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف توتلے کی اقتدا اُس کے لئے صحیح نہیں، جو توتلا نہ ہو، اصح مذہب یہی ہے، ایسا ہی بحر میں مجتبیٰ سے ہے، اور حلبی اور ابن الشحنہ نے یہ تحریر فرمایا کہ وہ الثغ اپنی ہمیشہ پوری کوشش کرنے کے بعد امّی (ان پڑھ) کے مثل ہے، وہ صرف اپنے ہی جیسے کی امامت کرسکتا ہے، اور اگر اچھے پڑھنے والے کی اقتدا کرسکتا ہے، تو اس کی اپنی نماز بھی صحیح نہیں ہوتی ہے، یا کوشش کرنا ترک کردے، یا بقدر فرض ایسی آیتیں پڑھ سکتا ہو، جن کو توتلے پن کے بغیر پڑھ سکتا ہو، یعنی صحیح ادا کرسکتا ہو، الثغ کے بارے میں یہی صحیح اور مختار ہے، ایسا ہی حکم اُس شخص کا ہے، جو حروف میں سے کسی حرف خاص کو صحیح ادا کرنے پر قادر نہ ہو۔

ردالمحتار میں فرمایا، قولہ دائما ای فی أناء اللیل واطراف النہار فما دام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر فصلاتہ جائزۃ وان ترک جہدہ فصلاتہ فاسدۃ کما فی المحیط وغیرہ قولہ حتما ای بذلا حتما فہو مفروض علیہ قولہ فلا یؤم الا مثلہ یحتمل ان یراد المثلیۃ فی مطلق اللثغ فیصح اقتداء من یبدل الراء المہملۃ غینا معجمۃ بمن یبدلہا لاما وان یراد المثلیۃ فی خصوص اللثغ فلا یقتدی من یبدلہا غینا الا بمن یبدلہا غینا وھذا ھو الظاہر کاختلاف العذر فلیراجع ح قولہ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف وذالک کالرحمٰن الرحیم والشیتان الرجیم والآلمین وایاک نابد وایاک نستئین السرات انأمت فکل ذالک حکمہ مامر من بذل الجہد دائما والا فلا تصح الصلاۃ بہ۔ ہمیشہ کوشش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دن اور رات کے اوقات میں کوشش کرے جب تک کوشش کرکے سیکھ رہا ہو، اُس زمانہ کی اُس کی نماز جائز ہے، اور اگر کوشش چھوڑ دے، تو اُس کی نماز فاسد ہے، ایسا ہی محیط وغیرہ میں ہے، یہ جو کہا گیا کہ وہ صرف اپنے ہی جیسے کی امامت کرسکتا ہے، اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ وہ مطلقا لثغ میں اُس کا مثل ہو، اس تقدیر پر وہ شخص جو رار مہملہ کو غین معجمہ سے بدلتا ہے، یہ اُس کی اقتدا کرسکتا ہے جو رآر کی جگہ لام پڑھتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خصوص لثغ میں اُس کا مثل ہو، لہٰذا رآر کو غین پڑھنے والا اُس شخص کی اقتدا نہیں کرسکتا جو رار کو لام پڑھتا ہو، یہی ظاہر ہے، جیسا کہ دو معذور جن کے عذر مختلف ہوں، اُن میں بھی ایسا ہی ہے، الثغ کا جو حکم ہے، یہی حکم

Marfat.com

اُس شخص کا ہے، جو حروف میں سے کسی حرف کے تلفظ پر قادر نہ ہو جیسے کوئی یوں پڑھے الرھمٰن الرھیم، الشیتان الرجیم المین، وایاك نابدُ وایاك نستئین، السراط، انامت تو ان سب کا حکم وہی ہے، جو گذر گیا، کہ اگر ہمیشہ کوشش کرے تو نماز ہوگی، ورنہ نہیں، فتاویٰ علامہ خیر الدین رملی میں ہے امامۃ الالثغ للمغائر؛ تجوز عند البعض من اکابر وقد اباہ اکثر الاصحاب ؛ لما الغیرہ من الصواب ۔ وقلت نظما غابر الزمان ؛ یزری بنظم الدر والجمان ۔ امامۃ الالثغ بالفصیح ؛ فاسدۃ فی الراجح الصحیح ۔ قال فی البحر بعد کلام کثیر والحاصل ان امامۃ الانسان لمماثلہ صحیحۃ الا امامۃ المستحاضۃ والضالۃ والخنثیٰ المشکل لمثلہ ولمن دونہ صحیحۃ ولمن فوقہ لاتصح مطلقاً اھ ۔ نیز اسی فتاویٰ خیریہ میں ہے الراجح المفتی بہ عدم صحۃ امامۃ الالثغ لغیرہ ممن لیس بہ لثغۃ ۔ ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

**ج** (۴) اس کا حکم ماسبق سے بخوبی ظاہر ہوگیا کہ نہ خود اسکی نماز صحیح ہے، نہ دوسرا اسکی اقتدا کر سکتا ہے، جب شریعت مطہرہ یہ حکم دیتی ہے، کہ جو قدرت نہ رکھتا ہو، وہ دن رات کوشش کرے، پھر بھی صحیح نہ ادا کر سکے، تو زمانہ کوشش کی نماز ہو جائیگی، تو جو باوجود قدرت صحیح ادا نہیں کرتا، اس کی شناعت کا کیا پوچھنا، یہ شخص تارک فرض ہے، اور اگرچہ بظاہر نماز پڑھتا ہے، مگر بے نماز ہے اور نماز ترک کرنے پر جو وعیدیں ہیں ان کا مستحق، اور جان بوجھکر قصداً کلام اللہ کو بدلنا چاہتا ہے ۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو صحیح پڑھنے کی توفیق دے ۔ ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۳۲) مسئولہ حافظ علی حسین صاحب فرنیچر مرچنٹ از سرائے حکیم علی گڈھ ۱۴ر شوال ۱۳۴۱ھ

علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں :۔ زید امام ہے، اُس نے نماز جمعہ پڑھائی، دوسری رکعت میں سورۂ ھَلْ اَتٰاكَ پڑھی، تَصْلیٰ نَارًا حَامِیَۃً کے بجائے تَصْلیٰ نَارً احَامِیَۃٌ ادا کیا ہے، کیا اس اعرابی غلطی سے نماز ہوگئی یا نہیں، زید شامی کا حوالہ دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ اگر کیسی بھی اعرابی غلطی ہو جائے، اور معنیٰ بدل جائے، نماز ہو جائے گی، شامی کے قول کو علمائے امام صاحب نے رد کیا ہے یا نہیں، اور زید یہ بھی کہتا ہے، قرارت کوئی چیز نہیں عــہ، اور یہ بھی کہتا ہے کہ فقہ کے مقابلے میں اگر کوئی معتبر حدیث مل جائے گی، تو ہرگز نہیں مانوں گا ۔ یہ جائز ہے یا نہیں ۔

---

ــہ مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص صحیح ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے پھر بھی صحیح نہیں ادا کرتا تو وہ ضرور بالقصد قرآن مجید کو غلط پڑھتا ہے، اور قرآن مجید غلط پڑھنا قصداً اُسے بدلنا ہے، مگر چونکہ اس کی نیت تحریف قرآن کی نہیں بلکہ وہ سستی اور لاپرواہی سے ایسا کرتا ہے، اسلئے کافر تو نہ ہوگا، البتہ شدید گنہ گار ضرور ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم ۔ امجدی ۔ عــہ قرارت بمعنیٰ تجوید کا مطلقاً انکار کفر ہے کہ یہ ارشاد ربانی ورتل القرآن ترتیلا (بقیہ صفحہ ۹۰ پر)

Marfat.com

**الجواب** - صورت مذکورہ میں یہ غلطی ایسی نہیں کہ نماز فاسد ہو، مگر جب اعرابی غلطیاں ایسی ہوں کہ تغیر معنی لازم آئے تو متقدمین کے نزدیک نماز فاسد ہوجاتی ہے، اور متاخرین میں بھی اختلاف ہے، اور اس صورت میں احتیاط یہ ہے کہ نماز فاسد ہونے کا حکم دیا جائے۔ شامی میں ہے ومثال مایغیر اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓءُ بضم ھاء الجلالۃ وفتح ھمزۃ العلماء وھو مفسد عند المتقدمین واختلف المتاخرون فذھب ابن مقاتل ومن معہ الی انہ لایفسد والاول احوط وھذا اوسع کذافی زاد الفقیر لابن الھمام۔ زید کا یہ کہنا کہ قرارت کوئی چیز نہیں، غلط ہے، تصحیح حروف ضروری ہے، کہ اگر ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھا اور معنی فاسد ہوگئے، نماز جاتی رہی، اگر صحیح حرف ادا نہیں ہوتے تو حکم ہے کہ پوری کوشش کرکے تصحیح حروف کرے، ورنہ اُس کی نماز ہوگی ہی نہیں۔ درمختار میں الشغ کا حکم بیان فرمایا، ولاتصح صلاتہ اذا امکنتہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جھدہ او وجد قدر الفرض مما لالشغ فیہ اس کے بعد فرمایا، ھذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالشغ وکذا من لایقدر علی التلفظ بحرف من الحروف او لایقدر[2] الخ کے تحت فرمایا وذالک کالرحمٰن الرحیم والشیتان الرجیم والالمین وایاک نابد وایاک نستئین السرات انأمت فکل ذالک حکمہ مامر من بذل الجھد دائما والا فلاتصح الصلوٰۃ بہ۔ اور اگر قرارت سے مراد مد وشد واظہار واخفار وغنہ وترقیق وتفخیم وغیرہا ہیں تو اگرچہ ان کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی، مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی چیز نہیں۔ جزریہ میں ہے والاخذ بالتجوید حتم لازم من لم یجود القراٰن اٰثم۔ احادیث پر عمل کرنا بغیر مدد فقہ، یہ مجتہد کا کام ہے، مقلد کے لئے مجتہد کا قول سند ہے، اور مجتہد نے جو کچھ فرمایا وہ احادیث ہی سے فرمایا، حدیث کے الفاظ دیکھ لینے سے کام نہیں چلتا، اُس کے معنی کی پوری واقفیت مجتہد کو ہوتی ہے، ہمارے لئے ائمہ کے اقوال عمل کے لئے بس ہیں۔

وَاللّٰہُ تعالٰی اَعْلَمُ

[2] علیٰ اخراج الفاء الا بتکرار [illegible] وکذا من لایقدر

(بقیہ ص۸۸ عـہ) کا انکار ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے، تجوید بنص قطعی واخبار متواترہ سید الانس والجان علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام واجماع تمام صحابہ وتابعین وسائر ائمہ کرام علیہم الرضوان المستدام حق وواجب وعلم دین شرع الٰہی ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ ورتل القراٰن ترتیلا اسے مطلقاً ناحق بتانا کلمہ کفر ہے۔ العیاذ باللّٰہ تعالیٰ، ہاں جو اپنی ناواقفی سے کسی خاص قاعدے کا انکار کرے وہ اس کا جہل ہے اسے آگاہ اور متنبہ کرنا چاہئے۔ وہو اعلم ص۱۱۱ ج۳۔ امجدی۔ عـہ غیر مجتہد پر مجتہد کی تقلید واجب ہے، اور اس زمانے میں اس پر اجماع امت ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ان کے علاوہ اور ائمہ مجتہدین کی جائز نہیں، اسلئے کہ ان ائمہ اربعہ کا مذہب مع تمام جزئی تفصیل کے بحفاظت موجود ہے، بخلاف ان ائمہ اربعہ کے علاوہ کہ ان کا مذہب آج محفوظ ہی نہیں۔ پھر ان کی تقلید کی اجازت بیکار ہے۔ بعض لوگ یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم ان چاروں میں سے کسی ایک کی تقلید نہیں کرتے بلکہ ان چاروں میں جس کا مذہب احادیث کے مطابق پاتے ہیں اسکی تقلید کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تقلید نہیں ہوئی۔ تقلید کے معنی ہیں، کسی کی بات بلادلیل ماننا۔ جب آپ کسی کی بات اسلئے مانتے ہیں کہ وہ آپکے زعم میں حدیث کے مطابق ہے، تو یہ بلادلیل ماننا نہ ہوا بلکہ اپنے گمان کے مطابق دلیل سے ماننا ہوا۔ پھر یہ تقلید نہ ہوئی۔ ۱۲م

Marfat.com

**مسئلہ** (۱۳۳) مرسلہ نور محمد طالب علم مدرسہ مسجد قدیم چتوڑ گڈھ میواڑ ۳ رجادی الاخریٰ ۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ امام ہر سہ نماز جہری میں مسلسل الحمد سے قرأت شروع کرے اس طرح کہ مقتدیوں پر گراں نہ گذرے اور اثنائے نماز میں جہاں آیت سجدہ آئے وہاں سجدۂ تلاوت بھی کرے یہاں تک کہ سال میں دو مرتبہ قرآن مجید ختم کرے، تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں، اور ہر روز متفرق طور پر قراءت کرنے کے بجائے مذکورۂ صورت اختیار کرنے میں زید مستحق ثواب ہوگا یا نہیں۔ اور کسی جاہل مقتدی کا یہ کہنا کہ اس طرح مسلسل فرضوں میں قرآن مجید کا پڑھنا اور سجدۂ تلاوت کرنا کہیں دنیا میں دیکھا نہ سُنا، اور صورت مذکورہ کے ترک کرنے پر مصر ہونا۔ اسکو مستحق گناہ اور قابل ملامت بنائیگا یا نہیں۔ نیز آنحضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کا گاہے نماز مغرب میں سورۂ اعراف پڑھنا صحیح ہے یا نہیں۔ جہلاء کا یہ اعتراض کرنا کہ مغرب کا بہت ہی مختصر وقت ہے۔ سورۂ اعراف میں چوبیس رکوع ہیں کیونکر پڑھے گئے ہوں گے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نماز فجر میں سورہ بقر پڑھنا لکھا ہے تو کیا صبح صادق کے بعد ہی نماز شروع کر دی تھی، بسم اللہ جو جزو قرآن ہے اس ختم میں جہر کے ساتھ کسی جگہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب** اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ حضر میں مسنون یہ ہے کہ فجر وظہر میں طوال مفصل پڑھے۔ اور عصر وعشاء میں اوساطِ مفصل۔ اور مغرب میں قصار مفصل۔ یہی تمام متون مثلاً قدوری وکنز ومجمع الانہر ووقایہ ونقایہ وتنویر وغیرہا میں مذکور، اور اسی کو امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تحریر فرما کر بھیجا، امام ابن الہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح القدیر میں مصنف عبد الرزاق سے نقل فرماتے ہیں کتب عمر رضی اللہ عنہ الی ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اقرأ فی المغرب بقصار المفصل وفی العشاء بوسط المفصل وفی الصبح بطوال المفصل ہدایہ میں فرمایا والاصل فیہ کتاب عمر الی ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ رد المحتار میں کافی سے نقل فرمایا وھو کالمروی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ لان المقادیر لا تعرف الا سماعًا اھ مگر انھیں سورتوں کو معین کر لینا کہ اس کے سوا کبھی دوسری سورت نہ پڑھے، مکروہ ہے، بلکہ احیانًا اور سُور بھی پڑھتا رہے کہ عوام کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ انھیں کا پڑھنا ضرور ہے۔ ہدایہ میں ہے ویکرہ ان یوقت بشیء من القرآن بشیء من الصلوات لما فیہ من ھجر الباقی وایھام التفضیل۔ اور یہ طریقہ کہ سوال میں مذکور ہے اگرچہ جائز ہے یعنی نماز ہو جائے گی۔ مگر اس پر مداومت کرنا اور اسی کا التزام کر لینا ضرور مُوہم ہے کہ اس سے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یوں مسلسل

(بقیہ ص۸۹) بلکہ اپنی رائے پر عمل ہوا۔ تفصیل کیلئے انتصار الحق۔ النہی الاکید اور پاسبان کے عقائد نمبر کا مطالعہ کریں واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

پڑھنا مسنون ہوگا اور کم ازکم بہتر ہوگا، ورنہ اس کا التزام کیوں ہوتا اور پھر اس کو جہری نمازوں کے ساتھ مخصوص کرنا بھی، اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ مقتدیوں کو بھی پورا ختم سنانا ہے، ورنہ تخصیص کے کیا معنی اور اسی بنا پر بسم اللہ کو جہر سے پڑھنے کو دریافت کیا۔ لہٰذا یہ صورت خاصہ نہ مسنون ہے نہ مستحب ہے، بلکہ یہ خصوصیت والتزام مثل تعیین کے ہے، اور ایہام تفضیل موجود تو بظاہر کراہت سے خالی نہیں، فقہائے کرام نے تو یہاں تک فرمایا کہ جو سورتیں جن نمازوں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں انھیں تبرکاً پڑھے مگر احیاناً اور سورتیں بھی پڑھے ورنہ کراہت ہے۔ فتح القدیر میں ہے قال الطحاوی والاسبیجابی ھذا اذا راٰہ حتمًا لایجوز غیرہ اما لو قرأ للتیسیر علیہ او تبرکًا بقراءتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلا کراھۃ لکن بشرط ان یقرء غیرھما احیاناً لئلا یظن الجاھل ان غیرھا لایجوز۔ تو جب ماثورات ومرویات میں التزام کو مکروہ فرماتے ہیں تو یہ التزام خاص کیوں مکروہ نہ ہو، نیز یہ بھی ہے کہ پوری سورت کو بہ نسبت جزء کے پڑھنا بہتر ہے۔ ردالمحتار میں ہے صرحوا بان الافضل فی کل رکعۃ الفاتحۃ وسورۃ تامۃ عالمگیری میں ہے الافضل ان یقرأ فی کل رکعۃ الفاتحۃ وسورۃ تامۃ فی المکتوبۃ۔ اور اس صورت مذکورہ میں غالباً جزء سورت پڑھا جائے گا، نیز ختم کے قرب میں فجر وعشا میں بلاوجہ چھوٹی سورتیں پڑھے گا، اور سنت کا ترک لازم آئے گا، یا جمع بین السور کرے گا اور یہ بھی مکروہ ہے۔ نماز مغرب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سورۂ اعراف شریف پڑھنا نسائی شریف میں بروایت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مذکور ہے، مگر یہ فعل بیان جواز کے لئے ہے، اور وہ بھی اُس وقت کہ مقتدیوں پر گراں نہ ہو ورنہ کراہت ہو تو دوسری روایات افتاں انت سے ممانعت ثابت، بلکہ بچوں کے رونے کی آواز سُن کر صرف معوذتین پر فجر میں اقتصار فرمایا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سورۂ اعراف پڑھنے سے اس سورت کے ایک جزء کا پڑھنا مراد ہو نہ کہ پوری سورت۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح معانی الآثار (باب القراءۃ فی صلوٰۃ المغرب) میں پہلے یہ حدیث ذکر کی سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقرء فی المغرب بالطور۔ اور وہ حدیثیں ذکر کیں جنھیں سورہ والمرسلات اور سورہ اعراف مغرب کی نماز میں پڑھنا مذکور ہے، اس کے بعد فرمایا یجوز ان یکون یرید بقولہ قرء بالطور قرء ببعضھا وذالک جائز فی اللغۃ ویقال ھذا فلان یقرء القراٰن اذا کان یقرء شیئاً منہ۔ بسم اللہ جہر سے ایکبار تراویح میں پڑھنا سنت ہے، کہ اُس میں ختم قرآن مجید سنت ہے، اگر جہر سے نہ پڑھے گا تو مقتدی اُس سنت سے محروم رہجائیں گے اور نماز مفروضہ میں ختم سنت نہیں تو جہر بالتسمیہ کی کوئی وجہ نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۴۴) مسئولہ محمد نورالحق طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۲ رجب ۳۲ھ۔

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ شخصے در صلاۃ مغرب در سورہ والتین والزیتون بجائے فما یکذبک اگر

فَمَنْ یُّکَذِّبُ بخواند نمازش بر وفق شرع جائز شود یا نہ، بینوا توجروا بالدلیل۔

**الجواب** ۔ نماز او جائز و صحیح شدہ کہ دریں صورت معنیٰ فاسد نمی شود و بنائے مسائل زلت القاری در صحیح و بطلان نماز بر عدم فساد معنیٰ و فساد ست کما لایخفیٰ علی من طالع الکتب و یک تفسیر ایں آیت چنیں کردہ شدہ است کہ مَا بمعنیٰ مَنْ است در تفسیر کبیر آوردہ والثانی وھو اختیار الفراء انہ خطاب مع محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والمعنیٰ فَمَنْ یُّکَذِّبُكَ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بعد ظھور ھٰذہ الدلائل بالدین پس فساد معنیٰ چگونہ خواہد شد و نماز چرا باطل شود ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۳۵) مسئولہ منشی شوکت علی صاحب از محلہ ذخیرہ بریلی ۵ رذی الحجہ ۴۳ھ۔

"امام کے پیچھے مقتدی کو قرارت الحمد اور سورہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں، نماز سرّی ہو یا جہری، بینوا توجروا

**الجواب** ۔ مقتدی نہ فاتحہ پڑھے نہ سورہ بلکہ چپ رہے[عہ]۔ حدیث میں ہے وَاِذَا قُرِءَ فَانْصِتُوْا ۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے نماز جہری ہو یا سرّی دونوں کا ایک حکم ہے ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۳۶) از مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں قصاب باڑہ ضلع ناسک مرسلہ محمد حسین صاحب مدرس ۲۹ رجب ۴۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو اَللّٰهُ الصَّمَدُ کے ساتھ وصل کرنا، اور اَحَدٌ کے بعد نون قطنی پڑھنا، اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے ساتھ وصل کرنا، اور اِهْدِنَا کے ہمزہ کو ساقط کرنا از روئے قواعد تجوید درست ہے یا نہیں۔ اور اگر اس طرح نماز میں پڑھا جائے تو نماز درست ہوگی یا نہیں، اور اسی طرح کُفُوًا اَحَدٌ کو تکبیر انتقالی کے ساتھ ملانا اور لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا جائز ہے یا نہیں۔ اور شامی جلد اول مطبوعہ مصر ۱۳۲۳ھ میں جو یہ عبارت ہے وعن ابی یوسف انہ قال ربما ترکت وربما وصلت وذکر فی التاتارخانیہ تفصیلاً حسنًا وھو انہ اذا کان اٰخر السورۃ

---

عہ قرارت خلف الامام بہت مشہور اختلافی مسئلہ ہے اور اس زمانے میں غیر مقلدین نے اسے اور اہمیت دیدی ہے، مگر اسی ایک مسئلہ پر اگر کوئی منصف طرفین کے دلائل بنظر غائر دیکھے تو اسپر غیر مقلدین کے عمل بالحدیث کا ادعا کاذب سمجھ میں آجائے گا، اور واضح ہو جائے گا کہ عمل بالحدیث اصل میں حنفی کرتے ہیں غیر مقلدین قرارت خلف الامام کرکے ۔ دو جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ایک عمل بالقرآن کا ترک، دوسرے بہت سی احادیث پر عمل کا ترک۔ برخلاف احناف کے کہ بحمدہ تعالیٰ وہ قرارت خلف الامام نہ کرکے قرآن مجید کی اس آیت پر بھی عامل ہیں اور ان احادیث پر بھی جنیں سورہ فاتحہ پڑھنے کی تاکید آئی ہے، اسلئے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا من صلے خلف امام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ ۔ جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے ۔ تو امام کی قرارت مقتدی کیلئے بھی قرارت ہے۔ رواہ الامام محمد فی الموطا و غیرہ فی غیرہ ۔ اسپر غیر مقلدین کی جرح اور تنقید کے مفصل جوابات فتح القدیر وغیرہ میں پوری تحقیق کے ساتھ موجود ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں مقتدی اگرچہ قرارت نہیں کرتا مگر حکما قاری ہے، اسطرح دونوں قسم کی احادیث پر عمل ہوگیا مقتدی کا قرارت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ درمختار میں ہے فان قرء کرہ تحریما ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ امجدی

Marfat.com

ثناء مثل کبر تکبیرا فالوصل اولی والا فالفصل اولی مثل اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔ اس کا کیا مطلب ہے۔؟

**الجواب۔** نَسْتَعِیْنُ کو اِھْدِنَا سے وصل کرنا جائز ہے۔ اور جب وصل کیا جائے تو ہمزہ کو ضرور ساقط کرنا ہوگا، کہ اِھْدِنَا کا ہمزہ وصلی ہے، اور بصورت وصل اسکو باقی رکھنا لحن ہوگا۔ اور جب نَسْتَعِیْنُ پر وقف کریں تو ہمزہ کو ضرور پڑھنا ہوگا، ورنہ ابتدا بسکون ہوگا، اور یہ متعذر ہے۔ آج کل عام طور پر پڑھنے والے سانس نہیں توڑتے اور آیت پر سکون کر دیتے ہیں اور اس کو وقف سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ وقف ہے نہ وصل، بلکہ اس کو سکتہ کہتے ہیں۔ اور مواضع سکتہ قرآن میں متعین ہیں، یہ انہیں سے نہیں، عبارت شامی کا مطلب ظاہر ہے کہ ختم قرارت جملہ ثنا پر ہو تو تکبیر کے ساتھ وصل کرنا اولیٰ ہے ورنہ فصل اولیٰ۔ لہٰذا سورۂ اخلاص کو تکبیر کے ساتھ وصل کرنا اولیٰ ہے۔ اور جو صورت سوال میں مذکور ہے اس طرح پڑھنا بہتر ہے۔ خود یہ فقیر بھی وصل کے ساتھ پڑھتا ہے۔ اور اعلیحضرت قدس سرہٗ بھی اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ اور بہت سی معتبر کتابوں میں اس تفصیل حسن کو اختیار کیا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے قال القاضی الامام السعید النجیب ابوبکر اذا فرغت من القراءۃ وترید ان تکبر للرکوع ان کان الختم بالثناء فالوصل باللّٰہ اکبر اولی وان لم یکن بالثناء فالفصل اولی کقولہ تعالیٰ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ ھٰکذا فی التاتارخانیۃ۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۳۷) از گرمکال ڈاک خانہ نرائن پٹنہ ریاست حیدر آباد دکن مرسلہ مولوی اسرار الرحمٰن صاحب

۱۸ ررجب سنہ ۴۶ ۱۳ھ

"کتاب سیر الاولیاء مطبوعہ محب ہند دہلی فیض بازار کے صفحہ ۳۹۲ باب ہفتم سطر ۷ میں قرارت سورہ فاتحہ خلف الامام کے لئے حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے یہ کتاب اہلسنت کے ہاں مستند ہے کیا اسپر عمل کیا جائے؟

**الجواب۔** حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ عین شریعت تک واصل تھے اور ایسے حضرات اگرچہ مقلد ہوں مگر مجتہد بھی ہوتے ہیں اور بعض مسائل میں اپنے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں اور ہمارے لئے تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک کافی ہے۔ اسی پر ہم عامل اور اسی پر فتویٰ دیتے ہیں درمختار میں ہے ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل۔ ردالمحتار میں ہے وکذا العمل بہ۔ اگرچہ حضرت نے اس قول کو ترجیح دی اور اسپر عمل فرمایا، مگر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کو حق مقتدی میں قرارت حکمی پر حمل کیا، کہ دوسری حدیث میں ہے من کان لہ الامام فقراءۃ الامام قراءۃ لہٗ۔ اور بہت سی ایسی احادیث ہیں جن سے مقتدی کو قرارت کرنا ممنوع ثابت ہوتا ہے اور جب خود قرآن پاک میں ارشاد ہوا اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا تو مقتدیوں کو انصات ہی واجب ہے اور اس حدیث کو قرارت حکمی پر حمل کرنا ضرور

Marfat.com

ورنہ حدیث آیت کے معارض ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۳۸) مسئولہ مولوی سید رشید الدین صاحب بریلوی ۲۱ر صفر ۱۳۴۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں :۔

مغرب کی اول رکعت میں سورہ کافرون پڑھی اور دوسری میں سہواً اِذَا جَآءَ (سورہ نصر) پڑھنا چاہتا تھا کہ سہواً اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ زبان پر جاری ہوگیا۔ اور لفظ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ نکل گیا تو زید نے اسی سورت کو پڑھا اور ترک کرکے اِذَا جَآءَ وغیرہ بعد کی سورت نہیں پڑھی اس صورت مذکورہ میں بکر کہتا ہے کہ نماز لوٹانا چاہئے نماز نہیں ہوئی، اس پر زید نے کہا کہ چونکہ سہواً زبان پر دوسری سورت اوپر کی جاری ہوگئی اس لئے اب اسی کو پڑھنا چاہئے اس کو ترک کرکے دوسری سورت اِذَا جَآءَ وغیرہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے ہاں اگر قصداً وارادۃً ایسا کرے تو البتہ نماز میں کراہت آتی اور نماز مکروہ ہوتی۔ اس کے جواب میں بکر نے کہا کہ قصداً وعمداً ایسا کرے تو نماز ترتیب قرآنی کے خلاف ہونیکی وجہ سے بالکل نہ ہوگی۔ اور نماز فاسد ہوجائیگی۔ اور سہواً جاری ہونے کی صورت میں بھی نماز بالکل نہ ہوتی۔ یعنی نماز واجب الاعادہ ہے۔ اور سہواً خلاف ترتیب زبان پر جاری ہونے کی صورت میں اس کو ترک کرکے بعد والی سورت کو پڑھنا چاہئے تھا اس بارہ میں بھی زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا۔ ؟

اور علاوہ نماز قرآن شریف خلاف ترتیب پڑھنا بیچ آیت وغیرہ میں پڑھا جانا کیسا ہے۔ اور نیز نوافل میں خلاف ترتیب پڑھنا کیسا ہے، یعنی نوافل میں رخصت اور اجازت ہے یا نہیں

**الجواب** ۔ ترتیب کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا واجب ہے اور خلاف ترتیب پڑھنا مکروہ تحریمی۔ درمختار میں ہے ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرء منکوسا یعنی بیچ میں ایک چھوٹی سورت چھوڑ دینا یا خلاف ترتیب پڑھنا مکروہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے بان یقرأ فی الثانیۃ سورۃ اعلیٰ مما قرأ فی الاولیٰ لان ترتیب السور فی القرأۃ من واجبات التلاوۃ یعنی منکوس پڑھنے کے یہ معنی ہیں کہ دوسری میں پہلی سے اوپر کی سورت پڑھے اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ قرأت میں ترتیب سور واجبات تلاوت سے ہے مگر یہ کراہت و ترک واجب اُسوقت ہے کہ قصداً خلاف ترتیب پڑھا اور اگر بھول کر پڑھا یا پڑھنا کچھ چاہتا تھا زبان سے دوسری سورت جاری ہوگئی تو کراہت نہیں اور اسوقت حکم یہ ہے کہ جو سورہ شروع کر دی ہے اسی کو پورا کرے اسے چھوڑ کر دوسری سورت پڑھنا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے فی القنیۃ قرأ فی الاولیٰ الکٰفرون وفی الثانیۃ الم تر او تبت ثم ذکر یتم یعنی پہلی رکعت میں سورہ کافرون پڑھی اور دوسری میں الم تر یا تبت پڑھنی شروع کر دی پھر یاد آیا تو اسکو پورا کرے۔ ردالمحتار میں ہے افاد ان التنکیس او الفصل بالقصیرۃ

انما یکرہ اذا کان عن فصل فلو سہوا فلا کما فی شرح المنیۃ اذا انتفت الکراھۃ فاعراضہ عن التی شرع لا ینبغی وفی الخلاصۃ افتتح سورۃ وقصد سورۃ اخری فلما قرأ اٰیۃ او اٰیتین واراد ان یترک تلک السورۃ و یفتتح التی ارادھا یکرہ اھ و فی الفتح ولوکان ای المقرئ حرفا واحداً یعنی صاحب درمختار کی عبارت سے معلوم ہوا کہ خلاف ترتیب یا فصل کرنا اسوقت مکروہ ہے جب قصداً ہو اور اگر سہواً ہو تو مکروہ نہیں، ایسا ہی شرح منیہ میں ہے اور جب کراہت نہیں تو جسے شروع کر دیا اس سے اعراض کرنا نہ چاہئے۔ اور خلاصہ میں ہے ایک سورت شروع کی حالانکہ اس کا ارادہ دوسری سورۃ کا تھا اور ایک یا دو آیت پڑھنے کے بعد یاد آیا اب یہ چاہتا ہے کہ اسے چھوڑ دے اور جس کا ارادہ تھا اُسے پڑھے تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اور فتح القدیر میں ہے اگرچہ ایک ہی لفظ پڑھا ہو اسے چھوڑنا مکروہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولو قرأ فی رکعۃ سورۃ وقرأ فی الرکعۃ الاخریٰ سورۃ اخریٰ بینھما سورۃ اوقرء سورۃ فوق السورۃ فالمختار انہ یمضی فی قرأتہا ولا یترک ھکذا فی الذخیرۃ افتتح سورۃ وقصد سورۃ اخریٰ فلما قرأ اٰیۃ او اٰیتین اراد ان یترک السورۃ ویفتتح التی ارادھا یکرہ وکذا لو قرء اقل من اٰیۃ وان کان حرفا۔ اس عبارت کا حاصل بھی وہی ہے جو ردالمحتار کا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ جب ترتیب کے ساتھ پڑھنا واجب ہے تو اگر سہواً ترتیب فوت ہوجائے تو آیا سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں، اس کے متعلق فقہائے کرام یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس صورت میں نہ سجدہ سہو لازم ہوتا ہے اور نہ اعادہ اس لئے کہ ترتیب واجبات نماز سے نہیں ہے اور سجدہ سہو یا اعادہ کا حکم واجبات نماز کے ترک میں ہے۔ ردالمحتار میں ہے انھم قالوا یجب الترتیب فی سور القراٰن فلو قرأ منکوسا اثم لکن لا یلزمہ سجود السہو لان ذالک من واجبات القرأۃ لا من واجبات الصلٰوۃ کما ذکرہ فی البحر فی باب السہو یعنی فقہائے کرام فرماتے ہیں سور قرآن میں ترتیب واجب ہے لہذا اگر قصداً خلاف ترتیب پڑھا گنہگار ہوا، مگر سجدہ سہو لازم نہیں اس لئے کہ ترتیب واجبات قرات سے ہے واجبات نماز سے نہیں، ایسا ہی البحر الرائق باب السہو میں ہے۔ نیز اسی ردالمحتار میں ہے قولہ بترک الواجب ای من واجبات الصلوٰۃ الاصلیۃ لا کل واجب اذ لو ترک ترتیب السور لا یلزمہ شئ مع کونہ واجبا یعنی سجدہ سہو اس واجب کے ترک سے لازم ہوتا ہے کہ وہ واجبات نماز سے ہو نہ کہ ہر واجب سے اس لئے کہ اگر ترتیب سور کو ترک کردے تو کچھ بھی لازم نہیں باوجودیکہ یہ واجب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے واذا قرأ فی الرکعۃ الاولی سورۃ وقرأ فی الرکعۃ الثانیۃ سورۃ قبلھا فلا سہو علیہ کذا فی المحیط یعنی اگر پہلی رکعت میں کوئی سورہ پڑھی اور دوسری میں اس سے پہلے کی سورت پڑھی تو اس پر سجدۂ سہو نہیں، ایسا ہی محیط میں ہے، نیز عالمگیری میں ہے اذا اراد ان یقرأ فی صلاتہ سورۃ فاخطأ فقرأ سورۃ اخریٰ لا سہو علیہ کذا

Marfat.com

فی فتاوی قاضیخاں یعنی ایک سورت پڑھنا چاہتا تھا اور غلطی سے دوسری سورت پڑھ دی تو سجدہ سہو نہیں، ایسا ہی فتاوی قاضیخاں میں ہے، یہ حکم فرائض کا ہے کہ قصداً خلاف ترتیب پڑھنا مکروہ ہے اور نوافل میں خلاف ترتیب پڑھنے کی اجازت ہے. درمختار میں ہے ولا یکرہ فی النفل شیٔ من ذالک یعنی نفل میں خلاف ترتیب پڑھنا یا درمیان سے ایک چھوٹی سورت کا چھوڑ دینا مکروہ نہیں۔ بیرون نماز تلاوت کرنے میں بھی رعایت ترتیب واجب ہے جیسا کہ اوپر کی منقولہ عبارت سے ثابت ہے البتہ اگر تلاوت میں کچھ پڑھنے کے بعد وقفہ کیا اور سکوت کے بعد پھر تلاوت شروع کی تو اس صورت میں ترتیب واجب نہیں یعنی پہلے جو کچھ پڑھا تھا اسکے ماقبل کی سورت یا آیات بعد میں پڑھ سکتا ہے یونہی بیچ آیت اگر ایک شخص پڑھے تو ترتیب لازم ہے اور کئی شخص پڑھنے والے ہوں تو دوسرے پر لازم نہیں کہ پہلے کے بعد سے پڑھے بلکہ اسکو اختیار ہے جہاں سے چاہے پڑھے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۳۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے فرض کی نیت کی اور بجائے دو رکعت کے تین رکعت بھری پڑھ گیا تو اب چوتھی بھری پڑھے یا خالی۔؟

**الجواب**۔ چوتھی خالی پڑھے بھری پڑھنے کی ضرورت نہیں اور نماز ہوگئی اور سجدہ سہو بھی واجب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۴۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اگر نماز انگریزی، فارسی، اردو، یا کسی اور زبان میں پڑھے تو کیا نقصان ہے۔ اگر مانع صحت ہے تو قرآن وحدیث سے ثابت کرو۔ انگریز جسے عربی نہیں آتی تو وہ کیا کرے۔؟

**الجواب**۔ اللہ عزوجل قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے فاقرءوا ما تیسر من القراٰن جو کچھ تم سے ہو سکے قرآن میں پڑھو اور قرآن نام ہے النظم الدال علی المعنی کا جیسا کہ ائمہ نے تشریح فرمائی صرف معنی کا نام قرآن نہیں یعنی اگر وہ معنی دوسرے الفاظ میں ادا کئے جائیں تو اس عبارت کو قرآن نہ کہیں گے، اگرچہ وہ عربی ہی عبارت ہو۔ اور نہ اس عبارت کو خدا کا کلام کہیں گے کہ کلام خدا منزل ہے اور معجز ہے اسکے لئے قرآن میں فرمایا گیا وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ اور ظاہر ہے کہ یہ عبارت نہ معجز ہے نہ متحدی بہ ہے نہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ جبرئیل علیہ السلام اسے لائے پھر یہ کیونکر قرآن ہوئی۔ لہذا جب قرآن نہیں تو اس کا پڑھنا باوجود قدرت کیونکر کافی ہو سکتا ہے۔ پس جبکہ عربی عبارت جو اس نظم کا غیر ہو اگرچہ مطلب اس کا یہی ہے قرآن نہیں۔ تو فارسی اردو انگریزی کیونکر قرآن ہو سکیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا انا انزلنٰہ قرءٰنا عربیا بلسان عربی مبین پھر غیر عربی کس طرح قرآن ہو سکے گی، لہذا دوسری زبان میں ترجمہ پڑھنے سے نماز نہ ہوگی، کہ امر الٰہی کی تعمیل نہ ہوئی ہاں اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس نظم عربی پر قادر نہ ہو تو وہ غیر عربی میں پڑھ سکتا ہے نہ اس وجہ سے کہ اس نے قرآن پڑھا بلکہ بوجہ اس کے

Marfat.com

کے اس پر قرارت فرض نہیں وہ بجائے قرارت جو کچھ ذکر کرلیتا کافی ہوتا۔ اور جبکہ قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تو اگرچہ قرآن نہیں مگر دوسری زبان میں قرآن کا مطلب ہے، لہذا ایسے کا پڑھنا کافی ہوگا۔ عٰہ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۴۱) از مقام راجگڑھ ریاست الور محلہ امام چوک مرسلہ ممتاز علی نواب صاحب ۲ رجادی الاولےٰ ۱۳۵۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ظہر کی چاروں رکعت سنت میں الحمد مع سورت پڑھنا چاہیے اور بقیہ رکعتوں میں صرف الحمد پر اکتفار کرنا چاہیے۔

**الجواب** - ظہر کی سنتوں میں چاروں رکعت بھری پڑھی جائیں۔ یعنی ہر ایک میں فاتحہ کے بعد ضم سورت واجب ہے۔ درمختار بیان واجبات صلوٰۃ میں ہے۔ وضم سورۃ فی الاولیین من الفرائض وفی جمیع رکعات النفل وکل الوتر۔ اور نفل اس مقام پر عام ہے سنت موکدہ وغیر موکدہ کو بھی شامل ہے، اسی وجہ سے فقہار قرارت کے مسئلہ میں سنت موکدہ کو ذکر ہی نہیں کرتے۔ کیونکہ نفل کہدینے کے بعد اس کی ضرورت نہ رہی۔ اسی درمختار میں ہے۔ کل سنۃ نافلۃ ولاعکس۔ ردالمحتار میں ہے والکل یسمّی نافلۃ لانہ زیادۃ علی الفرض لتکمیلہ۔ بلکہ ردالمحتار میں اس امر کی تصریح ہے کہ سنت ظہر وجمعہ باب قرارت میں کل شفع صلوٰۃ علیٰ حدۃ کا حکم رکھتی ہے اس کی عبارت یہ ہے نعم اعتبر واکون کل شفعۃ صلوٰۃ علیٰ حدۃ فی حق القراءۃ۔

پس معلوم ہوا کہ ظہر اور جمعہ کی چار رکعت والی سنتوں میں ہر رکعت میں سورت ملائی جائے گی۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۴۲) از شہر بنارس، مرسلہ جناب راحت علی صاحب، ۱۴ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعد سورہ فاتحہ نماز میں آیت لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ الآیۃ پڑھی۔ عمر کہتا ہے کہ اس کے پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی کیونکہ اس میں تین آیت نہیں ہے جبتک تین آیت نہ ہوگی نماز نہ ہوگی۔ لہذا علمار کرام سے مستفتی ہے کہ نماز ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** - نماز درست ہوگئی تین آیت پڑھنا واجب ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ تین چھوٹی آیتیں ہوں۔ یا ان کے برابر بلکہ اگر آدھی آیت تین چھوٹی آیات کے برابر ہو جب بھی نماز ہو جائے گی۔ تین چھوٹی آیت کی مثال فقہار نے یہ دی ہے ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَکْبَرَ۔ کہ ان آیات کے حروف کل تیس ہیں لہذا اگر تیس حروف کی ایک آیت پڑھ دی تو واجب ادا ہو گیا

عٰہ اسلئے کہ ترجمہ قرآن کریم ذکر الٰہی ہے۔ جسے قرآن مجید کی کوئی آیت یاد نہیں۔ اسے نماز میں بقدر قرارت مفروضہ کھڑا رہنا فرض اور بقدر قرارت واجبہ کھڑا رہنا واجب اس وقت چپ کے کھڑے رہنے سے بہتر ہے کہ ذکر کرے۔ یہ ذکر تسبیح وتہلیل ہو یا کچھ اور۔ اس صورت خاص میں اس نے اگر قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تو اس کی اجازت دی ہے۔ درمختار میں ہے او قرأ بہا عاجزا فجائز اجماعا [illegible]

یا بعض مسلمان کہتے ہیں کہ ظہر کی دو رکعت میں الحمد مع سورہ پڑھنا چاہیے

Marfat.com

ادا ہوگیا۔ درمختار میں ہے وضم اقصر سورۃ کالکوثر اوماقام مقامھا وھو ثلث اٰیات قصار نحو ثم نظر ثم عبس وبسر ثم ادبر واستکبر وکذا لوکانت الاٰیۃ او الاٰیتان تعدل ثلثا قصارا ذکرہ الحلبی۔ ردالمحتار میں ہے فلو قرأ اٰیۃ طویلۃ قدر ثلثاین حرفا یکون قد اتی بقدر ثلث اٰیات ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۴۳) زید قرآن شریف چھوٹی مصری لہجہ سے پڑھتا ہے اور وہ امامت میں سورہ کوثر میں کوثر کے (ر) کو زبر پڑھتا ہے اور وقف نہیں کرتا ہے بلکہ وَانْحَرْ پر وقف کرتا ہے، لہٰذا از روئے شرع قرارت کا کیا حکم ہے۔

**الجواب**۔ اگر وقف نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں، صحیح وَانْحَرْ ہے۔ وَالنحر آپ نے غلط لکھا ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۴۴) ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب**۔ امام کو نہ چاہیئے۔ نوافل تنہا پڑھے تو جمع کر سکتا ہے جیسا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمع فرمائی ہیں۔

**مسئلہ** (۱۴۵) ایک شخص نے فرضوں میں درمیان میں ایک سورہ چھوڑ کر دوسری سورہ پڑھا، اس کو کہا گیا کہ ایسا نہ چاہیئے اس شخص نے نہیں مانا دوسرے روز پھر اسی طرح پڑھا۔

**الجواب**۔ اگر درمیان کی سورت بڑی ہے اس وجہ سے چھوڑ دی تو کوئی حرج نہیں۔ مثلاً پہلی میں وَالتین اور دوسری میں انا انزلنا پڑھی اور اگر بیچ والی سورت بڑی نہیں ہے تو قصداً چھوڑنا مکروہ ہے۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۴۶) مسئولہ مولوی سردار احمد طالب علم مظفر پوری بہار یوپی، بریلی گلی لوہاران مسجد بجرانی۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۷) وعلیہ الفتوی۔ اسی میں ہے ومفروضہ وواجبہ ومسنونہ ومندوبہ بقدر القراءۃ فیہ۔ اس کے تحت ردالمحتار میں ہے فھو بقدر اٰیۃ فرض وبقدر الفاتحۃ وسورۃ واجب وبطوال المفصل واوساطہ وقصارہ فی محالھا مسنون والزیادۃ علی ذالک فی نحو تھجد مندوب۔ پھر ہر مسلمان مکلف پر ایک آیت کا یاد کرنا فرض ہے۔ اور سورہ فاتحہ اور ایک چھوٹی سورہ یا اس کی مقدار یاد کرنا واجب۔ درمختار میں ہے۔ وحفظھا فرض عین وحفظ جمیع القراٰن فرض کفایۃ وحفظ فاتحۃ الکتاب وسورۃ واجب۔ ردالمحتار میں ہے ای اقصر سورۃ او مایقوم مقامھا من ثلاث اٰیات قصار۔ اسلئے ایسے شخص پر لازم ہے کہ دن رات محنت کرکے قرآن مجید کو یاد کرے۔ اور یہ کوئی مشکل کام نہیں تو جب ہو تو چند گھنٹوں میں ماتجوزبہ الصلوٰۃ کی مقدار یاد کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

عہ بلکہ اگر آیت پوری بھی نہ ہو اور تین چھوٹی آیتوں کی مقدار قرارت ہوجائے نماز ہوجائے گی۔ ردالمحتار میں ہے، لکن التعلیل الاخیر ربما یفید اعتبار العدد فی الکلمات او الحروف ویفید قولھم لو قرأ اٰیۃ تعدل اقصر سورۃ جاز وفی بعض العبارات تعدل ثلاثا قصارا ای کقولہ تعالیٰ ثم نظر ثم عبس وبسر ثم ادبر واستکبر وقدرھا من حیث الکلمات عشر ومن حیث الحروف ثلاثون فلو قرأ اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لاتاخذہ سنۃ ولا نوم یبلغ مقدار ھٰذہ الاٰیات الثلاث فعلی ما قلنا لو اقتصر علی ھٰذا المقدار فی کل رکعۃ کفی عن الواجب۔ اسی میں واجبات میں ہے وھٰذا یفید ان بعض الاٰیۃ کالاٰیۃ فی انہ اذا بلغ قدر ثلث اٰیات قصار یکفی مگر چونکہ اسمیں علماء کا اختلاف ہے اسلئے پوری آیت پڑھے، ایک آیت سے کم نہ پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے پہلی رکعت میں سورہ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ تک پڑھا۔ اس کے بعد بھول گیا اور کسی نے لقمہ بھی نہ دیا، زید رکوع میں چلا گیا۔ پھر دوسری رکعت میں سورہ یٰسٓ ط علیٰ صراط مستقیم تک پڑھا، نماز ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ ضم سورہ واجب ہے اور اس سے مراد اقصر سورہ یا تین چھوٹی آیات یا ان کے مساوی ہے صورت مذکورہ میں اگرچہ پہلی رکعت میں تین آیتیں نہ پڑھیں مگر چونکہ جو کچھ پڑھا ہے تین آیات قصیرہ کے برابر ضرور ہے اسلئے واجب ادا ہوگیا اور نماز ہوگئی، قرآن مجید میں تین آیات قصیرہ جو ایک جگہ مجتمع ہوں وہ یہ ہے ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ان سے زیادہ مختصر آیات مجتمعہ دوسری جگہ نہیں۔ ان آیات یا ان کی مقدار ایک آیت یا بعض آیت کا پڑھ لینا کافی ہے۔ درمختار میں ہے وضم اقصر سورۃ کالکوثر اوما قام مقامھا وھو ثلث اٰیات قصار نحو ثم نظر ثم عبس وبسر ثم ادبر واستکبر وکذا لو کانت الاٰیۃ اوالاٰیتان تعدل ثلثا قصارا ذکرہ الحلبی آیات مذکورہ کو علامہ شامی نے تیس حروف پر مشتمل بتایا اور یہ فرمایا وھی ثلثون حرفا فلو قرء اٰیۃ طویلۃ قدر ثلثین حرفا یکون قد اتی بقدر ثلث اٰیۃ۔ مگر آیت مذکورہ کے حروف اگر ملفوظ شمار کئے جائیں تو انتیس۲۹ ہوتے ہیں اور مکتوب گنے جائیں تو ستائیس ہوتے ہیں، تیس کسی طرح نہیں ہوتے ہاں اگر ملفوظ ومکتوب دونوں شمار کئے جائیں تو تیس ہوں گے۔ مگر دونوں شمار کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ملفوظ حروف گنے جائیں کہ قرارت کا تعلق تلفظ سے ہے نہ کہ کتابت سے۔ بہرحال جو کچھ سوال میں مذکور ہے وہ اس کے برابر بلکہ زائد ہے۔ لہٰذا نماز مکروہ تحریمی نہیں ہوئی۔ ردالمحتار میں ہے ذکر الحلبی فی شرح الکبیر علی المنیۃ ان قرء ثلث اٰیۃ قصارا اوکانت الاٰیۃ اوالاٰیتان تعدل ثلث اٰیۃ قصار خرج عن حد الکراھۃ المذکورۃ یعنی کراھۃ التحریم۔ قال الشارح فی شرحہ علی الملتقی ولم ار لغیرہ وھو مھم منہ یسر عظیم لدفع کثرۃ التحریم الخ قلت صرح بہ فی الدرر ایضا حیث قال وثلث اٰیات قصار تقوم مقام السورۃ وکذا الاٰیۃ الطویلۃ ــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۴۶) مسئولہ محمد اسمٰعیل ولد النو ڈوٹا نکی ڈنکن روڈ لاہوری دربار ہوٹل ۲۷۲؎ بمبی۔

اللہ تعالیٰ نے تین وقتوں کی نماز میں قرارت بالجہر کا حکم دیا اور دو میں قرارت بالسر کا حکم دیا۔

**الجواب** ۔ صحیح بخاری شریف میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے قرء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیما امر وسکت فیما امر وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا وَلَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ حضور اقدس

ع احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتدا ظہر وعصر میں بھی بلند آواز سے قرارت کرتے تھے اس پر مشرکین تمسخر کرتے اسلئے آہستہ پڑھنے لگے۔ امجدی

Marfat.com

علیہ وسلم فیما امر وسکت فیما امر وما کان ربک نسیا، ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جہاں جہر کا حکم تھا جہر کیا اور جہاں آہستہ کا حکم تھا آہستہ پڑھا اور خدا بھولنے والا نہیں اور تمہارے لئے رسول اللہ کی پیروی ہے ـــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۴۶) مرسلہ محمد اسمٰعیل ولد الغوڈنکن روڈ لاہوری دربار ہوٹل ۲۷۲ بمبئی ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ

لوگ یہ کہتے ہیں کہ تمہارے مولانا صاحب نے یہ کیا جواب دیا، کہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ جہاں پر خدا نے آپکو آہستہ کا حکم دیا آہستہ پڑھا، جہاں جہر سے پڑھنے کا حکم دیا جہر کیا۔ مگر اللہ نے آپ کو آہستہ پڑھنے کا حکم کس واسطے دیا۔

**الجواب** ۔ یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم کسی مصلحت سے ہوتا ہے، خواہ وہ مصلحت معلوم ہو یا نہ ہو۔ عوام کی توجہ اس طرف ہونی چاہیے، کہ احکام شرعیہ کی پابندی کریں اس بحث میں نہ پڑیں کہ کیوں ہے۔ اور کس لئے ہے۔ جو کچھ جواب میں لکھا گیا وہ میرا نہیں بلکہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے علم وحکمت کے دقائق بیان کرنے کے لئے کوئی محل ہوتا ہے حکم شرع کے سامنے سر جھکانا چاہیے اور عمل کی کوشش کرنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۴۷) از نیڈون ضلع گڑھوال صدر بازار مرسلہ محمد سعید ماسٹر ۸ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ

بخدمت شریف حضرت مولانا صاحب دام اقبالہ۔ بعد سلام مسنون گذارش یہ ہے کہ یہاں گذشتہ جمعہ کو امام صاحب نے پہلی رکعت میں سورہ والتین شریف پڑھی اور دوسری میں سورہ اخری چھوڑ کر انا انزلناہ شریف پڑھی تو نماز ہوئی یا نہیں۔ اگر ہوئی تو کراہت سے یا بلاکراہت۔ بہت جلد تحریر فرمایا جائے تاکہ جمعہ میں لوگوں کو سنادیا جائے۔

**الجواب** ۔ بلاکراہت نماز ہوگئی کہ پہلی رکعت میں ایک سورہ پڑھنا اور دوسری میں ایک سورہ چھوڑ کر قرأت کرنا اسوقت مکروہ ہے، جبکہ وہ درمیان والی سورہ چھوٹی ہو۔ اور اگر بڑی سورہ ہو تو کراہت نہیں۔ درمختار میں ہے ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ۔ ردالمحتار میں ہے اما بسورۃ طویلۃ بحیث یلزم منہ اطالۃ الرکعۃ الثانیۃ اطالۃ کثیرۃ فلا یکرہ۔ اعلیحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے جدالممتار حاشیہ ردالمحتار میں تحریر فرمایا۔ اما بسورۃ طویلۃ الخ کسورۃ العلق بین التین والقدر وقد کانت حادثۃ الفتوی ـــــــ وہو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۴۸) از پورنیہ کشنگنج بازار سوداگرپٹی مرسلہ امام جامع مسجد ۸ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ۔

عام ازیں کہ حافظ قرآن ہو یا عالم یا عوام الناس بقدر علم قرأت وبحیثیت تعلیم وغیر تعلیم ادائیگی مخرج بالترتیل بقاعدہ کلیہ ہر شخص

Marfat.com

کلام الٰہی جان بوجھکر پڑھا کرتا ہے۔ مگر خوا مخواہ کسی نے سمجھ لیا اور کہدیا، قرارت غلط کرتے ہیں، حالانکہ سیکڑے پنچانوے کو الفاظ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ اور بعض کا یہ گمان کرنا۔ (۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے الحمد کا دال اور للہ کا لل ایک جگہ ملا کر دلل سمجھ لیا۔ (۲) لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے للہ کا ہ رب سے ملا کر ھرب موضوع کر لیا۔ (۳) اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے کنع۔ (۴) وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے کنس۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ سے دنس وضع کر لیا، کہ یہ شیاطین کے نام گڑھکر دوسری کی قرارت کو غلط سمجھ لیا۔ خوامخواہ ایسی تہمت دینے پر کیا حد شرع ہے، اور اس کے ایمان کے بارے میں کیا حکم ہے، حالانکہ پڑھنے والوں کا اس کا وہم بھی نہ تھا۔ خلاصہ جواب باصواب بالتشریح عنایت فرمایا جائے؟

**الجواب**۔ قرآن عظیم کو صحیح طور پر ادا کرنا کہ ہر حرف اپنے مخرج سے صحیح طور پر ادا ہو اور ہر حرف دوسرے حرف سے صحیح طور پر ممتاز ہو واجب ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔ امام جزری نے اپنے رسالہ میں فرمایا والاخذ بالتجوید حتم لازم من لم یجود القراٰن اٰثم۔ اور اگر کسی نے قرآن مجید کی تلاوت میں غلطی کی ہے اور اس پر کسی نے بتایا تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ بتانے والے سے جھگڑا نہ کیا جائے۔ اگر واقع میں وہ ٹھیک کہتا ہے تو مان لیا جائے، اور اگر اس کے سننے میں غلطی ہوئی ہے پڑھنے والے نے حقیقت میں صحیح پڑھا ہے۔ تو اس سے یہ کہدینا چاہئے کہ میں نے غلط نہیں پڑھا۔ جھگڑا کرنا۔ کسی کی طرف سے ہو، بہت بری چیز ہے۔ رہا یہ کہنا کہ سورہ فاتحہ میں سات جگہ شیطان کا نام ہے یہ بالکل غلط ہے۔ جس کو بعض لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے، اور اسی بنا پر وہ لوگ بلاوجہ سکتہ کرتے ہیں۔ الحمد کہکر کچھ وقفہ کے بعد للہ پڑھتے ہیں علیٰ ھٰذا القیاس یہ سب اوہام باطلہ ہیں شرعاً ان کا کوئی وجود نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۴۹) مسئولہ غلام نبی صاحب معمار محلہ ذخیرہ بریلی ۱۸ ربیع الاول سنہ ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلمان نے کچھ کپڑا مثلاً دری یا چادریں وغیرہ چرائیں، وہ چرا کر ایک شخص کے یہاں امانۃً اس وعدہ پر رکھ آیا کہ کچھ دنوں کے بعد آدھے کا میں مالک۔ اور آدھے کے تم، پھر کچھ عرصے کے بعد مال تقسیم کرنے گیا، مگر زید کو اس شخص نے نہیں دیا، پھر زید محلہ کی مسجد کے امام کو مذکورہ بالا باتوں سے آگاہ کر کے چلا آیا کہ میرا مال تقسیم کرا دو امام صاحب نے اس وقت تو ٹالدیا۔ پھر تنہائی میں توقع پاکر اسی چوری کے مال کو خود لے آئے، اور اس کو اپنے استعمال میں لائے ہیں، میں نے اور چند اشخاص نے دیکھا، کہ امام صاحب نے اسی چوری کے مال کو استعمال کرتے ہیں، اور زید نے جب طلب کیا، تو جواب دیا کہ میں لے آیا اور اب تم کو نہیں دوں گا، شرع کا جو حکم ہو مجھ پر لگاؤ۔ تو اس امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اور شرع

Marfat.com

کا کیا حکم ہے ــــــــــــــــ

**الجواب**۔ جب امام کو معلوم ہے کہ یہ مال چوری کا ہے، پھر اُسے استعمال بھی کرتا ہے، تو یہ ناجائز و گناہ ہے، اور لوگوں کے علم میں اگر علانیہ استعمال کرتا ہو[عـه] تو امامت سے معزول کر دیا جائے۔ اور مال کی نسبت شرع مطہر کا یہ حکم ہے کہ جس کا ہے اُسے واپس دے ــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۵۰) مرسلہ محمد اسحٰق صاحب مدرس از دہام پور ضلع بجنور ۴ ربیع الآخر ۱۳۴۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حافظ ہے، اور ایک ناخواندہ اور ناخواندہ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے، اور صاحب ترتیب ہے، اور حافظ نماز کا پابند نہیں ہے اور بدعتی ہے چالیسواں دسواں کرتا ہے اور میلاد میں بھی شامل ہوتا ہے اور اگر ان کاموں کو انکار کرتے ہیں اس کو تو یوں کہتا ہے کہ میں ایسا ہی کروں گا، تو اب نماز پڑھانے میں بہتر کون ہوگا، حافظ یا انپڑھ

**الجواب**۔ امام وہ ہوگا جو جمیع شرائط صحت نماز کا جامع ہو، مثلاً صحت اعتقاد وصحت طہارت وضو وغسل وصحت قرأت جو شخص انپڑھ ہے، اگر وہ صحیح الاعتقاد ہے، وضو وغسل اُس طرح کرتا ہے جس طرح حکم ہے اور کچھ سورتیں قرآن کی اُسے یاد ہیں جن کے حروف مخارج سے ادا کرتا ہے، تبدیل حروف کر کے معنیٰ فاسد نہیں کرتا، اور مسائل نماز فرائض و واجبات و مکروہات سے واقف ہے اور انکی رعایت بھی کرتا ہے، اور فاسق معلن بھی نہیں ہے، تو یہ احق ہے اور اگر یہ ان باتوں کا جامع نہیں ہے، تو ایسے امام کو تلاش کریں جنمیں یہ باتیں ہوں، اور حافظ اگر تارک صلاۃ ہے، تو فاسق ہے اور فاسق مُعلن کی امامت مکروہ تحریمی و گناہ ہے۔ حاشیہ علائی میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعًا۔ رہا سائل کا یہ کہنا کہ حافظ بدعتی ہے چالیسواں دسواں کرتا ہے اور میلاد شریف میں بھی شامل ہوتا ہے، یہ اس حافظ پر الٹا الزام ہے، ان امور کو بدعت کہنا وہابیہ کا شیوہ ہے، جو خود مبتدع بلکہ ان کے بہت اکابر کی علمائے حرمین طیبین نے تکفیر فرمائی، نہ یہ امور بدعت، نہ ان کی وجہ سے حافظ، بدعتی اور اگر وہ ان پڑھ ان امور کو بدعت کہتا ہے تو بظاہر وہابی ہے، اور ہرگز امامت کا صالح نہیں ــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۵۱) مسئولہ جناب محمد یحییٰ صاحب از بھینڈر میواڑ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۸ھ۔

---

[عـه] اسلئے کہ اب یہ فاسق معلن ہو گیا۔ اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ غنیہ میں ہے وفیہ اشارۃ الی انھم لو قدموا فاسقا یأثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلوۃ وفعل ماینافیھا بل ھو الغالب بالنظر الی فسقہ ولذا لم یجز الصلوۃ خلفہ اصلا عند مالک ورِوایۃ عن احمد۔ اور درمختار میں ہے کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔ لہذا جب سے اس نے چرایا ہوا کپڑا پہنا ہے، اس وقت سے جتنی نمازیں اسکے پیچھے پڑھی ہیں سب کا اعادہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی۔

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ہے، جو قوم سے فقیر ہے اردو فارسی کچھ جانتا ہے گمان ہے کہ دینی مسائل سے بھی واقفیت رکھتا ہوگا، پھر بھی چار عیبوں سے اجتناب نہیں کرتا، اور جب کوئی ان عیبوں کی طرف توجہ دلاتا ہے، تو اس کے ردعمل میں سخت سست کہنے کے علاوہ زدوکوب کی نوبت آجاتی ہے۔ (۱) بعد وضو مسجد میں ڈاڑھی چڑھاتا ہے اور اسی طرح نمازیں پڑھاتا ہے (۲) نماز میں سہو ہوتا ہے لیکن سجدہ سہو نہیں کرتا مثلاً ترک واجب یا تاخیر فرض وغیرہ (۳) وضو کرنے میں بارہ سیر سے زائد پانی صرف کرتا ہے۔ (۴) قرارت اتنی طویل کرتا ہے کہ مقتدی پریشان ہو جاتے ہیں، نیز الف پر مد ہو یا نہ ہو راگ کے ساتھ کھینچتا ہے بطور الحان۔ تو کیا ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے اور یہ امام اس حدیث (ثلاثۃ لعنہم اللہ من تقدم قوما وھم لہ کارھون) اخرجہ الحاکم فی مستدرکہ) کے تحت آتا ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔

بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا کاملا

**الجواب** - ڈاڑھی چڑھانا حرام ہے، نسائی شریف میں رویفع بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یا رویفع لعل الحیاۃ ستطول بک بعدی فاخبر الناس انہ من عقد لحیتہ او تقلد وترا او استنجیٰ برجیع دابۃ اوعظم فان محمدا منہ بری — اے رویفع میں امید کرتا ہوں کہ میرے بعد تیری زندگی طویل ہو تو لوگوں کو خبر کر دے کہ جو اپنی ڈاڑھی چڑھائے، یا کمان کا چلہ گلے میں لٹکائے، یا جانور کے پاخانہ یا ہڈی سے استنجا کرے۔ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیزار ہیں، شیخ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لمعات میں فرماتے ہیں من عقد لحیتہ الاکثرون علی ان المراد تجعید اللحیۃ بالمعالجۃ وانما کرہ ذالک لانہ فعل من لیس من اھل الدین وتشبہ بہم وقیل کانوا یعقدون فی الحراب فی زمن الجاھلیۃ تکبرا وتعجبا فامروا بارسالہا وذالک من فعل الاعاجم وقال التوریشتی ! یفتلونہا کذا فی مجمع البحار۔ والاول ھو الوجہ. مجمع البحار میں ہے عقد ای جعدھا بالمعالجۃ ونھی عنہ لما فیہ من التشبہ بمن فعلہ من الکفرۃ۔ یعنی ڈاڑھی چڑھانا اُن کا فعل ہے جو اہل دین سے نہیں، اور چونکہ کافروں سے تشبہ ہے لہٰذا ممانعت فرمائی، نیز یہ فعل مسجد میں کرنا اور زیادہ قبیح ہے کہ مسجد خانۂ خدا میں ایسا فعل نہایت بیباکی کی دلیل ہے، اور اس شخص کا سجدہ سہو لازم آنے کی صورت میں سجدہ سہو نہ کرنا بھی گناہ ہے، کہ سہواً ترک واجب میں سجدہ سہو واجب، اور ترک واجب گناہ۔ ردالمحتار میں ہے وظاہر کلامہم انہ لولم یسجد یأثم بترک الواجب ولترک سجود السہو نجب وفیہ نظر بل، یأثم لترک الجابر فقط اذ لا اثم علی الساھی نعم ھو فی صورۃ العمد ظاھر وینبغی ان یرتفع ھذا الاثم

Marfat.com

باعادتہا نہر اور جب اس شخص کی یہ حالت ہے تو کیا توقع ہے کہ نماز کا اعادہ کرتا ہو۔ حالانکہ ایسی صورت میں اعادہ واجب ہے۔ درمختار میں ہے کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتہا اور جب وہ شخص اس کا عادی ہے تو فاسق بھی ہے۔ درمختار میں ہے ولہا واجبات لا تفسد بترکہا وتعاد وجوبا فی العمد والسہو ان لم یسجد لہ وان لم یعدہا یکون فاسقا اثما۔ اور وضو میں ادائے سنت سے زیادہ پانی خرچ کرنا اسراف ہے، امام احمد و ابن ماجہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی، افی الوضوء سرف کیا وضو میں اسراف ہے فرمایا نعم وان کنت علی نہر جار، ہاں اگرچہ نہر جاری پر ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے بارے میں سوال کیا، حضور نے تین تین بار وضو کرکے دکھایا اور فرمایا وضو اس طرح ہے فمن زاد علی ھذا نقد اساء وتعدی وظلم جس نے اس پر زیادتی کی اس نے برا کیا، اور حد سے گذرا اور ظلم کیا۔ رواہ النسائی وابن ماجہ وابوداؤد ومعناہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔ ہاں اگر تین بار سے زیادہ اطمینان قلب حاصل کرنے کے لئے دھویا تو مضائقہ نہیں، بشرطیکہ بطور وسوسہ نہ ہو کہ وسوسہ کی صورت میں اس کی طرف التفات نہ چاہیے، بلکہ اس کے خلاف کرنا چاہیے درمختار میں ہے ولو زاد لطمانینۃ القلب لا باس بہ۔ ردالمحتار میں ہے لانہ امر محرک مایریبہ الی مالا یریبہ وینبغی ان یقید ھذا بغیر الموسوس اما ھو فیلزمہ قطع مادۃ الوسواس عنہ وعدم التفاتہ الی التشکیک لانہ فعل الشیطان وقد امرنا بمعاداتہ ومخالفتہ، حتی قدر مسنون سے زیادہ کرنا مطلقاً مکروہ تحریمی ہے اگرچہ مقتدیوں پر گراں نہ ہو اور اگر ضرورت ہو کہ مقتدیوں میں کوئی بیمار وغیرہ ہو تو امام اس کا لحاظ کرے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایکبار نماز عشاء میں قراءت طویل کی، جب اسکی شکایت دربار رسالت میں گزری، تو ارشاد فرمایا افتان انت یامعاذ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بچّہ کے رونے کی آواز سنتے تو نماز میں تخفیف فرمادیتے، کہ اس کے رونے سے اسکی ماں پریشان ہوگی۔ نیز ارشاد فرماتے ہیں اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فیہم السقیم والضعیف والکبیر واذا صلی احدکم لنفسہ فلیطول ماشاء۔ غرض یہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تخفیف کا حکم فرمایا، اور اطالت پر غضب فرمایا۔ درمختار میں ہے ویکرہ تحریما تطویل الصلوٰۃ علی القوم زائد علی قدر السنۃ فی قراءۃ واذکار رضی القوم اولا لاطلاق الامر بالتخفیف نہر۔ وفی الشرنبلالیۃ ظاھر حدیث معاذ انہ لا یزید علی صلوٰۃ اضعفہم مطلقا ولذا قال الکمال الا الضرورۃ وصح انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قرء بالمعوذتین فی الفجر حین سمع بکاء صبی۔ بالجملہ یہ شخص امامت سے معزول کیا جائے کہ اُسے امام بنانا گناہ، اور اسکے

Marfat.com

پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ پڑھی تو پھیرنی واجب، شرح علائی میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعًا۔

**مسئلہ** (۱۵۲) مسئولہ شفاء الرحمٰن سلمہٗ طالب علم مدرسہ اہلسنت ۱۹ ر شعبان المعظم ۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ زید عمرو بکر وغیرہم محض ایک دنیاوی مخاصمت مثلاً شادی بیاہ کی وجہ سے خالد جو عالم سنت و جماعت ہے، اور امام مسجد ہے، اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، اور جماعت میں تفریق کرتے ہیں، کیا ان لوگوں کی نماز خالد عالم متبع سنت کے موجود ہوتے ہوئے غیر عالم کے پیچھے ہوگی یا نہیں، ایسا کرنا اُن لوگوں کو جائز ہے یا نہیں، اور جماعت کے تفریق کرنے والے پر محض دنیاوی معاملات پر از روئے شرع شریف کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ محض دنیاوی مخاصمت کی بنا پر عالم کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور جماعت میں تفریق کرنا ناجائز ہے، ہاں اگر امام میں کوئی ایسا نقصان آگیا کہ صالح امامت نہ رہا، تو اس امام کی امامت ناجائز ہے، درمختار میں ہے ولو امّ قومًا وھم لہ کارھون ان الکراھۃ لفساد منہ اولانھم احق بالامامۃ منہ کرہ ذالک تحریمًا لحدیث ابوداؤد لایقبل اللہ صلاۃ من تقدم قومًا وھم لہ کارھون وان ھو احق لا والکراھۃ علیھم کسی قوم کی امامت کی اور لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں، اگر لوگوں کا بُرا جاننا امام کی کسی خرابی کی وجہ سے ہے، یا اس لئے کہ وہ لوگ بہ نسبت اس امام کے امامت کے زیادہ حقدار ہیں تو اس کا امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُس شخص کی نماز مقبول نہیں جو کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اُسے ناپسند کرتے ہیں اور اگر وہ امام ہی امامت کا زیادہ حقدار ہے تو مکروہ نہیں اور کراہت کا وبال ان لوگوں پر ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے وھم لہ کارھون ای لمعنی مذموم للشرع وان کرھوا خلاف ذالک فالعیب علیھم ولاکراھۃ اور عالم متبع سنت کے ہوتے ہوئے غیر عالم کو امام بنایا تو بُرا کیا، جبکہ یہ غیر عالم صالح امامت ہو، ورنہ غیر عالم کو جو صالح امامت نہ ہو امام بنانا جائز ہی نہیں۔ درمختار میں ہے ولو قدموا غیرالاولیٰ اساؤا اگر ایسے کو امام بنایا جو غیر اولیٰ ہے تو ان لوگوں نے بُرا کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۵۳) مسئولہ مولوی شفاء الرحمٰن سلمہٗ طالب علم مدرسہ اہلسنت درجہ سوم ۱۹ ر شعبان المعظم ۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک ایسی عورت سے نکاح کیا جو عوام بلکہ ہر خاص و عام میں متہم بزنا ہے، یا ایسی کہ جس کو حمل زنا سے بچہ پیدا ہوا تھا، یا ایسی کہ علانیہ طوائف تھی یہ نکاح جائز ہے یا نہیں، زید کے ساتھ دینی معاملات کرنا چاہیے یا نہیں، مثلاً امام بنانا سلام کرنا زید جبکہ عالم دین ہے تو اس کے موجود ہوتے ہوئے غیر عالم نماز پڑھائے اور زید عالم کو امامت سے معزول کردیا جائے محض ایسے نکاح کی وجہ سے عوام کا غیر عالم کو امام بنالینا کیسا ہے، مع حوالہ کتب فقہ و حدیث و قرآن جواب مرحمت فرمائیں۔

Marfat.com

**الجواب** - زانیہ سے نکاح جائز ہے، اور نیت محمودہ کے ساتھ کہ اس سے نکاح کرلیا جائے گا تو بُرے کاموں سے پرہیز کرنے لگے گی، اصلاً حرج نہیں قال اللہ تعالیٰ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اب وہ عورت تمام افعالِ شنیعہ سے باز آئے، اور اگر اب بھی وہ افعال کرتی ہو اور شوہر تاحد مقدور منع نہ کرتا ہو، تو دیوث ہے اور ایسے کو امام بنانا گناہ ہے اور اگر عورت تائب ہوگئی تو شوہر کی امامت میں اصلاً حرج نہیں، اور ایسی حالت میں معزول کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اور عالم کے ہوتے ہوئے غیر عالم کو امام بنانا بُرا ہے، جب کہ وہ عالم شرائطِ امامت کا جامع ہو۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۵۴) مرسلہ قاضی محمد یعقوب صاحب سب انسپکٹر پولیس از اودی پور میواڑ ۲۶ ربیع الاول شریف ۱۳۴۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:-

زید نے محض اس نیت سے کہ قبر پر مردہ دفن ہونے کے بعد خشک اور پاک مٹی ڈالنے پر کراہت کی نظر سے ہاتھ دھونا ممنوع ہے، بکر کو کسی کتابی یادداشت پر ہاتھ دھونے سے منع کیا تو کیا زید اس طرح کہنے پر توبہ نہ کرنے کی حالت میں امامت سے روکا جاسکتا ہے اور کیا زید کو عام مجمع میں توبہ کرنا لازم ہے۔ اور توبہ نہ کرنے پر کفر عائد ہوسکتا ہے یا نہیں۔

**الجواب** - مٹی دینے کے بعد جو کچھ ہاتھ میں خاک لگی ہے اختیار ہے کہ دھو ڈالیں یا جھاڑ دیں، نہ دھونا واجب نہ ناجائز، ہاں اگر نہ دھونا اپنے لئے بدشگون تصور کرتے ہوں یا اسے منحوس جانتے ہوں، جیسے بعض عوام ان گھڑوں کو توڑ ڈالتے ہیں جن سے پانی لے کر میت کو نہلاتے ہیں، تو ایسے فاسد خیالات اور توہمات سے اجتناب لازم، اور زید کا ان کو ہاتھ دھونے سے روکنا کوئی ایسا امر نہیں جس پر توبہ لازم، اور معاذ اللہ توبہ نہ کرنے پر کفر عائد ہونا کیونکر ہوسکتا ہے، کفر تو گناہ کبیرہ سے توبہ نہ کرنے پر بھی نہیں، اور زید کا یہ فعل مانع امامت بھی نہیں کہ محض اتنے کہہ دینے پر کہ ہاتھ نہ دھوو، قابل امامت نہ رہا، فاسق یا کافر ہوگیا، مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے افترا ءات و اختراعات سے بچیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۵۵) مرسلہ محمد حبیب الرحمٰن خانصاحب از کوکرا ضلع کھیری ۲۶ ربیع الاول شریف ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک نابینا حافظ ہیں، جو نہایت عابد و صالح اور متقی و پرہیزگار ہیں، اور موضع کے تمام مسلمانوں کے مقابلے میں مسائل نماز سے بہت واقف ہیں، ایسی صورت میں امامت کا مستحق کون ہے کیا ایسی صورت میں بھی نابینا کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔ موضع کے لوگ ان کے پیچھے نہیں پڑھتے ہیں اور یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اندھے کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، جبکہ یہاں کے لوگ نہ قرآن صحیح پڑھ سکتے ہیں نہ مسائل نماز سے واقف ہیں۔ ایسی صورت میں امامت کا مستحق شرعاً کون ہے نیز کراہت اور

Marfat.com

ناجائز کے فرق کو بھی واضح فرمادیا جائے۔

**الجواب** - نابینا کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، جبکہ دوسرے لوگ مسائل طہارت ونماز میں اس سے زائد یا اس کے برابر ہوں، اور اگر سب سے زائد یہی علم رکھتا ہو، تو اس کی امامت میں اصلاً کراہت نہیں، بلکہ اس صورت میں اسی کو امام بنانا بہتر ہے۔

بحر الرائق میں ہے قید کراھة امامة الاعمیٰ فی المحیط وغیرہ بان لایکون افضل القوم فان کان افضلھم فھو اولی۔

مکروہ تنزیہی[عـہ] ناجائز نہیں ہوتا مگر اس سے بچنا بہتر، اور کرنا برا ہے، مگر گناہ نہیں۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۵۶) مرسلہ قاضی محمد یعقوب صاحب از اودی پور میواڑ ۲۶ ربیع الاول شریف ۱۳۴۸ھ

بکر بسلسلۂ علاج اپنی بیوی اور ایک خورد سالہ بچی کے ساتھ زید کے مکان پر قیام کیا، چند دنوں بعد یہ ظاہر ہوا کہ زید بکر کی عورت کے ساتھ ناجائز تعلق پیدا کر لیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی مشہور ہو گیا، کہ زید بکر کی عورت کو اپنی زوجیت میں لینے کے لئے بکر کو زہر کھلا کر ہلاک کر دیا، بکر کے فوت ہو جانے کے بعد اسکی عورت زید ہی کے مکان پر رہی، چند دنوں کے بعد بکر کے رشتہ داروں نے زید اور زوجہ بکر پر زہر سے مروانیکا دعویٰ کیا، دراں مقدمہ مدعی بھی فوت ہو گیا، اور اس وقت تک بکر کی عورت زید کے مکان پر ہے۔ علاوہ ازیں گورنمنٹ کے پاس بکر کے چند سو روپے تھے جن کو حاصل کرنے کے لئے زید نے بکر کی عورت کی طرف سے یہ فریبانہ چال چلی کہ بکر کی عورت بکر کے نام پر بیٹھی ہے حالانکہ بکر کی عورت زید کے قبضہ میں بطور عورت ہے، جس کو چند سال کا عرصہ بھی ہو چکا ہے اور عام اعلان کے ساتھ نکاح کیا ہے نہ مطابق قانونِ حکومت نکاح ثانی کی اجازت ہی لی ہے، اور امامت بھی کرتا ہے اور نام نہاد مولوی کی حیثیت سے بھی مشہور ہے، نہ عالم ہے نہ اس کے پاس کوئی سند ہے، تو کیا ایسے کو امام بنانا درست ہے، اور جن لوگوں نے اسکے پیچھے نماز پڑھی ہے، ان کے متعلق کیا حکم ہے۔ اور ایسا شخص وعظ کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے یا نہیں۔

**الجواب** - اگر واقع میں زید نے بکر کو زہر دیکر مار ڈالا تو فاسق، فاجر، مرتکب کبیرہ، مستحق عذاب نار، وغضب جبار ہے۔ حق اللہ وحق العبد دونوں میں گرفتار ہے، اور بکر کی عورت سے ناجائز تعلق کا بھی یہی حکم ہے، کہ اگر نکاح بعد عدت نہیں کیا، اور اس سے وطی کرتا ہے، تو اُن دونوں کو زانی اور زانیہ ہونے میں کیا شبہ۔ بہرحال اگر صورت واقعہ یہی ہے، تو اُس کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے

---

عـہ مکروہ کی دو قسمیں ہیں، مکروہ تحریمی ومکروہ تنزیہی۔ مکروہ تحریمی کا ارتکاب ناجائز و گناہ ہے۔ شامی میں ہے۔ صرح العلامه ابن نجیم فی رسالته المؤلفة فی بیان المعاصی بان کل مکروہ تحریما من الصغائر۔ بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ اس کا ارتکاب گناہ نہیں خلاف اولیٰ ہے۔ اور ناجائز عام ہے حرام قطعی مکروہ تحریمی دونوں پر اس کا اطلاق ہے تفصیل کے لئے بہار شریعت حصہ دوم ص۹ کا مطالعہ کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

نماز مکروہ تحریمی، کہ پڑھنی گناہ اور پڑھی تو پھیرنی واجب۔ شرح علائی میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً اور اسکو منبر پر بٹھانا اور اس سے وعظ کہلانا بھی ناجائز۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ اور جبکہ جاہل بھی ہے تو اس کا اہل بھی نہیں حدیث میں ہے لا یقص الا امیر او مامور او مختال۔ ــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۵۷) مسئولہ قاسم علی خاں از قصبہ اسلام پور ریاست جے پور ۱۵ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ

یہاں غیر مقلدین اور وہابیوں کا بہت زور شور ہے، کیا ہم اہلسنت و جماعت ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

**الجواب** ۔ وہابیوں اور غیر مقلدوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے کہ یہ لوگ کفری عقائد رکھتے ہیں کما حققہ امام اہلسنت فی رسالۃ النھی الاکید بما لا مزید علیہ[عہ]۔ ــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۵۸) مسئولہ علی بخش صاحب سنی حنفی ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ امام باڑہ کے دروازہ پر جہاں قبرستان ہے اور مقتدیوں کے آگے قبر پڑتی ہے، اور بعض مقتدی قبر ہی پر کھڑے ہوتے ہیں، اور امام باڑہ کے متولی سے اجازت بھی نہیں لی جاتی اور عیدگاہ سے تخمیناً ڈیڑھ سو گز کے فاصلہ پر ہے، عیدگاہ کی جماعت توڑنے کی غرض سے قصداً یہاں نماز عید سے پہلے یا بعد کو نماز پڑھی جاتی ہے، اور امام وہ ہوتا ہے جس نے ہندو مسلمان کے اتحاد قائم رکھنے کے لئے مندر میں جا کر اپنی تصویر کھنچوائی ہے تو کیا ایسی جگہ اور ایسے امام کے پیچھے عیدین کی نماز جائز ہے یا مکروہ اور حرام وغیرہ وغیرہ اور جن سنی مقتدیوں نے یہاں عیدین کی نماز پڑھی انکی ہوئی یا نہیں۔ اگر نہیں ہوئی تو اب کونسی صورت ہے۔

(۲) زید بکر سے بوجہ معاملات دنیوی دلی رنجش اور قلبی عداوت رکھتے ہیں، اور ایک مسجد خاص میں زید کبھی امام ہو کر نماز پڑھاتا ہے اور کبھی کسی کی اقتدا کرتا ہے، تو اس مسجد میں بکر کا نماز پڑھنا کیسا ہے اور زید کے پیچھے یا زید کے ہمراہ جبکہ دونوں ایک امام کے مقتدی ہوں بکر کی نماز ہوتی ہے یا نہیں۔

**الجواب** ۱۔ قبرستان میں ایسی جگہ نماز پڑھنا کہ قبریں آگے ہوں، منع و ناجائز ہے اور اسمیں یہود و نصاریٰ کی مشابہت ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی قبور کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے۔ صحیحین میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرضِ وفات میں فرمایا لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد۔ خدا کی لعنت ہو

عہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں یہ رسالہ چھپا ہوا ہے۔ امجدی

Marfat.com

یہود و نصاریٰ پر کہ انھوں نے قبور انبیاء کو مساجد بنایا۔ صحیح مسلم شریف میں جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاءھم وصالحیھم مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد انی انہاکم عن ذالک اگلے لوگوں نے انبیاء، صالحین کی قبور کو مساجد بنایا، خبردار تم قبروں کو مساجد نہ بنانا، میں تمھیں اس سے منع فرماتا ہوں، ابوداؤد و ترمذی و دارمی ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا الارض کلہا مسجد الا المقبرۃ والحمام، ترمذی وابن ماجہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یصلی فی سبعۃ مواطن فی المزبلۃ والمجزرۃ والمقبرۃ وقارعۃ الطریق وفی الحمام وفی معاطن الابل وفوق ظھر بیت اللہ۔ بحر الرائق میں ہے تکرہ الصلوٰۃ فی معاطن الابل والمزبلۃ والمجزرۃ والمغتسل والحمام والمقبرۃ وعلی سطح الکعبۃ وذکر فی الفتاویٰ اذا غسل موضعا فی الحمام لیس فیہ تمثال وصلی بہ لاباس بہ وکذا فی المقابرۃ اذا کان فیھا موضع اخر اعد للصلوٰۃ ولیس فیہ قبر ولا نجاسۃ۔ ردالمحتار میں ہے ولاباس بالصلوٰۃ فیھا اذا کان فیھا موضع اعد للصلوٰۃ ولیس فیہ قبر ولا نجاسۃ کما فی الخانیۃ ولا قبلتہ الی قبر حلیہ۔ اور قبر پر کھڑا ہونا حرام ہے اور جب قبروں پر کھڑے ہوتے ہیں تو ضرور قبروں کو روندتے بھی ہوں گے اور قبروں پر بیٹھتے بھی ہوں گے اور یہ سب حرام، قطع نظر اس سے کہ نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، خود ان افعال کا دوسرا گناہ ہے کہ ان افعال سے مُردوں کو اذیت ہوتی ہے اور مُردوں کو ایذا دینا ویسا ہی حرام ہے جیسے زندوں کو تکلیف دینا۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیوتہ۔ مؤمن کو موت کے بعد ایذا دینا ویسا ہی ہے جیسا زندگی میں تکلیف دینا، اور حدیث میں ہے المیت یوذیہ فی قبرہ ما یوذیہ فی بیتہ۔ مراقی الفلاح میں ہے انھم یتاذون بخفق النعال جوتوں کی سخت آواز سے بھی مردے اذیت پاتے ہیں، اور عید کا ہنگامہ اور اسمیں ہر قسم کے لوگوں کا اجتماع کس قدر قبرستان کا پامالی اور مُردوں کی ایذا کا سبب ہوگا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر۔ آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا کہ کپڑے جلا کر جلد تک پہنچ جائے، یہ قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے، رواہ مسلم و ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نیز فرماتے ہیں لان امشی علی جمرۃ او سیف احب الی من ان امشی علی قبر مسلم، آگ یا تلوار پر چلنا مجھے زیادہ پسند ہے، اس سے کہ کسی مسلمان کی قبر پر چلوں، رواہ ابن ماجہ عن عقبۃ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فتاویٰ عالمگیریہ و فتح القدیر و بدائع و بحر الرائق و درمختار و ردالمحتار وغیرہا عامہ اسفار میں ان امور

Marfat.com

کی ممانعت مذکور اور زیادہ تفصیل درکار ہو تو امام اہلسنت رضی اللہ عنہ کا رسالہ "اہلاک الوہابین" مطالعہ کریں، اور بلاوجہ شرعی عیدگاہ کی جماعت توڑنا یعنی اُس کے مقابل میں ایک دوسری جماعت اس لئے قائم کرنا کہ وہاں کے نمازی کم ہو جائیں یہ بھی ناجائز ہے، اور اس میں وہ اسلامی شوکت کہ اجتماع میں تھی کم ہوتی ہے، مگر جب کفار سے اتحاد کی ٹھہری تو شوکت اسلام مٹانے اور شعائر اسلام پامال کرنے پر کیا گلہ کہ یہ امور تو امتیاز بین المسلمین والکفار کیلئے ہیں اور انھیں اتحاد اور ایک ہو جانا منظور تو امتیازی امور کا کھونا ضرور، اور مندر میں جانا بھی منع ہے، کہ وہ مجمع شیاطین ہے۔ تاتارخانیہ پھر بحر پھر ردالمحتار میں ہے یکرہ للمسلم الدخول فی البیعۃ والکنیسۃ وانما یکرہ من حیث انہ مجمع الشیاطین لا من حیث انہ لیس لہ حق الدخول اھ قال فی البحر والظاھر انھا تحریمیۃ لانھا المرادۃ عند اطلاقھم وقد افتیت بتعزیر المسلم لازم الکنیسۃ مع الیھود اھ فاذا حرم الدخول فالصلوۃ اولی وبہ ظھر جھل من ید خلھا لاجل الصلوۃ فیھا، پھر اس امام کا تصویر کھنچوانا حرام و اشد حرام ہے، احادیث اس بارہ میں بکثرت وارد، کہ تصویر بنانا حرام، اور قیامت کے دن اُس پر نہایت سخت عذاب ہوگا، اُن میں سے بعض یہ ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، ان الذین یصنعون ھٰذہ الصور یعذبون یوم القیٰمۃ یقال لھم احیوا ما خلقتم، جو لوگ تصویریں بناتے ہیں انھیں قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا، اُن سے کہا جائے گا جو تم نے بنایا ہے، اُسے زندہ کرو۔ رواہ البخاری ومسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما اور فرمایا اشد الناس عذابا عند اللہ یوم القیٰمۃ الذین یضاھون بخلق اللہ سب سے سخت تر عذاب خدا کے نزدیک بروز قیامت انھیں ہوگا، جو اللہ کے پیدا کرنے کے ساتھ مشابہت کرتے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ ہے، ان من اشد الناس عذابا یوم القیٰمۃ الذین یصورون ھٰذہ الصور بیشک جن لوگوں پر قیامت کے دن سخت تر عذاب ہوگا۔ ان میں سے وہ لوگ ہیں، جو تصویریں بناتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے ان اصحاب ھٰذہ الصور یعذبون یوم القیٰمۃ فیقال لھم احیوا ما خلقتم وقال ان البیت الذی فیہ الصور لاتدخلہ الملٰئکۃ۔ ان تصویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا ان سے کہا جائے گا جو تم نے بنایا ہے، اُسے زندہ کرو، اور فرمایا جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں، اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، روی ھٰذہ الروایات البخاری ومسلم عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا اور فرمایا کل مصور فی النار یجعل لہ بکل صورۃ صورھا نفسا فیعذبہ فی جھنم ہر مصور جہنم میں ہے، اور اس نے جتنی تصویریں بنائیں، ہر تصویر کے بدلے میں ایک نفس ہوگا، جو اُسے جہنم میں عذاب دیگا رواہ البخاری ومسلم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما وفی روایۃ للبخاری عنہ قال لا احدثک الا ما سمعت

Marfat.com

من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سمعتہ یقول من صور صورۃ فان اللہ معذبہ حتی ینفخ فیہ الروح ولیس بنافخ فیہا ابداً، جو تصویریں بنائے گا اللہ اُسے عذاب دیگا یہانتک کہ اُس میں روح پھونکے اور ہرگز کبھی نہ پھونک سکے گا، نیز ارشاد فرمایا قال اللہ تعالیٰ ومن اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی فلیخلقوا ذرۃ ولیخلقوا شعیرۃ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُن سے زیادہ ظالم کون جو میری بنائی ہوئی کی مثل پیدا کرنے چلے، وہ ایک چھوٹی چیونٹی تو بنادیں، اور ایک جَو تو پیدا کردیں، رواہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فرمایا لاتدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولاصورۃ جس گھر میں کتا اور تصویر ہوتی ہے اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ عن ابی طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نیز حدیث میں آیا، یخرج عنق من النار یوم القیٰمۃ لہ عینان یبصر بہما واذنان یسمعان ولسان ینطق بہ یقول انی وکلت بثلثۃ بمن جعل مع اللہ الٰہا اٰخر وبکل جبار عنید وبالمصورین، روز قیامت جہنم سے ایک گردن نمودار ہوگی جس کی آنکھیں ہونگی، جن سے دیکھیں گی، اور کان ہونگے کہ سنیں گے، اور زبان ہوگی جس سے بولے گی، وہ کہے گی مجھے تین قسم کے لوگ سپرد کئے گئے، وہ جس نے خدا کے ساتھ دوسرے کو خدا مانا، اور ہر ظالم سرکش اور تصویر بنانے والے، رواہ الترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان اشد الناس عذابا یوم القیٰمۃ من قتل نبیا او قتلہ نبی او قتل احد والدیہ والمصورون وعالم لم ینتفع بعلمہ روز قیامت سب سے سخت عذاب اُسے ہوگا، جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا اُسے کسی نبی نے قتل کیا، یا جس نے اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کیا، اور تصویر بنانے والے، اور وہ عالم جس نے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا، رواہ البیھقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور وہ امام اگرچہ خود تصویر نہیں کھینچتا، مگر جب اس نے تصویر کھنچوائی تو اس حرام کا باعث ہوا، اور اس گناہ میں وہ مصوّر کا شریک ہے اور معصیت پر اعانت کرنے والا۔ قال اللہ تعالیٰ: تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، اور جب وہ امام ہندو مسلم اتحاد کا حامی ہے۔ تو صرف مندر میں جانے اور تصویر کھنچوانے پر کیا بس کرتا ہوگا، دیگر محرمات شرعیہ جو آجکل حامیان اتحاد عمل میں لائے ہیں، وہ بھی کرتا ہوگا ایسا ہے تو اُسے امام نہ بنانا چاہیے۔ ــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲)

**جــ** ۔ جبکہ محض دنیوی عداوت ہے اور زید قابل امامت ہے، تو بکر زید کے پیچھے نماز پڑھے کچھ کراہت نہیں، بلکہ محض دنیوی عداوت کی بناپر اس کے پیچھے نماز چھوڑ دینے سے خود بکر پر الزام ہے، درمختار میں ہے ولوام قوما وھم لہ کارھون

ان الکراھۃ لفساد فیہ او لانھم احق بالامامۃ کرہ لہ ذالک تحریما لحدیث ابی داؤد لا یقبل اللہ صلاۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون وان ھو احق لا والکراھۃ علیھم۔ اور دنیوی عداوت کی بنا پر تین دن سے زیادہ جدائی اور قطع تعلق جائز بھی نہیں، نہ کہ اس حد کی کہ جس مسجد میں وہ نماز پڑھے یہ اُس کے ساتھ بھی نماز نہ پڑھے، اُس کی اقتدا تو درکنار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، لا یحل للرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلث لیال یلتقیان فیعرض ھٰذا و یعرض ھٰذا وخیرھما الذی یبدأ بالسلام، آدمی کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رہے، کہ دونوں ملیں تو یہ اس سے منہ پھیرلے، اور وہ اس سے اعراض کرے، اور ان دونوں میں اچھا وہ ہے، جو ابتدا بسلام کرے، رواہ البخاری ومسلم عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور فرماتے ہیں دبّ الیکم داء الامم قبلکم الحسد والبغضاء ھی الحالقۃ لا اقول تحلق الشعر ولکن تحلق الدین، اگلی امتوں کی بیماری تمھاری طرف چلی، یعنی حسد و عداوت یہ مونڈنے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ بال مونڈتی ہے، لیکن وہ دین کو مونڈتی ہے، رواہ الامام احمد والترمذی عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ باہمی عداوت کو دور کریں، اور مل کر رہیں، کہ اسی میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

**مسئلہ** (۱۵۸) مرسلہ مولوی سید رشید الدین احمد امام مسجد جامع ضلع نرسنگھ پور (سی پی) ۲۶ رجب المرجب ۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہل شہر نے جامع مسجد کے جملہ امور انتظامیہ کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی، اور اس کمیٹی پر اعتماد کرتے ہوئے تمام اختیارات بھی سونپ دیئے، چنانچہ ایک پیش امام عالم سنی حنفی مقرر موجود ہے، لیکن پورا حافظ نہیں، البتہ حفظ کرنے کی کوشش کر رہا ہے، چنانچہ نصف قرآن سے زائد حفظ بھی کر چکا، اور قرآن شریف درست و صحیح موافق تجوید و ترتیل بھی پڑھتا ہے، لیکن اب کمیٹی محض اس وجہ سے اس کو امامت سے علٰحدہ کرنا چاہتی ہے، کہ وہ پورا حافظ نہیں اور رمضان شریف میں ختمی تراویح کے لئے دقت ہوتی ہے، حالانکہ حافظ درست خواں جو موافق تجوید پڑھتے ہیں، اور مخارج و صفات کا لحاظ کریں، اور متشبہ الصوت میں فرق کر سکیں، کمیاب ہیں، علاوہ ازیں بعض وہابیہ و دیوبندیہ عقائد کے ہوتے ہیں، چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ بیشتر کئی ایسے امام آئے جو دیوبندی وہابی عقائد رکھتے تھے، اگرچہ بعض عالم و حافظ بھی تھے، اور بعض مذہب اہلسنت کے کم علم اور غیر مجود جو پورے طور پر اوقات نماز سے بھی ناواقف تھے، غرضکہ کمیٹی اس بات کی کچھ پرواہ نہیں کرتی، کہ پیش امام کس عقیدہ کا ہے۔ اور کیسا ہے، صرف حافظ ہونا چاہیئے، نیز بوقت تقرری یہ معاہدہ ہوا تھا کہ جبتک قرآن شریف پورا حفظ نہ ہوگا،

Marfat.com

روپے ماہوار دیئے جائیں گے، اور بعد حفظ پچیس روپے ہو جائیں گے۔ اور مدت حفظ کی بھی کوئی تحدید اور تعیین نہیں ہوئی تھی پس ان حالات کے پیش نظر صرف حفظ نہ کرنے کی وجہ سے عالم موصوف کو امامت سے برطرف کرنا صحیح اور درست ہے جبکہ یہ سنی و درست خواں حافظ رمضان شریف میں تراویح پڑھانے کے لئے انتظام کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے، نیز یہ بھی واضح فرما دیا جائے کہ اس صورت میں یہ کمیٹی مسلمانوں کی خیر خواہ ہے، یا بدخواہ، اور اس سے قبل جو امام بدمذہب، جاہل، مذبذب، اوقات نماز سے ناواقف، اور غیر مجود رکھے گئے تھے، جن سے تمام مسلمانوں کی نماز فاسد و باطل ہوئی۔ اس کی ذمہ دار کمیٹی ہوئی یا نہیں۔ اور عند اللہ و عند الناس یہ کمیٹی جوابدہ ہو گی یا نہیں۔ اور ایسے اماموں کے پیچھے جو مذکور ہوئے، نماز درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** - احق بالامامۃ وہ ہے، جو طہارت و نماز کے مسائل کا ان سب میں زیادہ علم رکھتا ہو، پھر وہ جو قرآن مجید زیادہ اچھا پڑھتا ہو، یعنی باتجوید پڑھتا ہو، درمختار میں ہے، والاحق بالامامۃ تقدیما بل نصبا الاعلم باحکام الصلوٰۃ فقط صحۃ و فسادا بشرط اجتنابہ للفواحش الظاہرۃ ثم الاحسن تلاوۃ و تجویدا للقراءۃ، اور نفس تصحیح حروف کہ ہر حرف دوسرے سے صحیح طور پر ممتاز ہو، یہ شرائط امامت سے ہے، کہ اگر اتنی تصحیح بھی نہ ہو تو وہ صحیح پڑھنے والوں کا امام ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ اگر کوشش نہیں کرتا، اور بے پرواہی برتتا ہے، تو خود اس کی ہی نماز نہ ہو گی، اوروں کی اس کے پیچھے کب ہو، اور ہندوستان میں اکثر یہی صورت پائی جاتی ہے، کہ اگر کوشش کریں اور خیال رکھیں تو صحیح ادا کر لیں، اور اگر کوشش کرنے پر بھی کسی خاص حرف کو صحیح ادا نہیں کر سکتا، تو خود اس کی ہو جائیگی، یا اس کے پیچھے ایسے کی نماز ہو جائے گی، کہ یہ دوسرا بھی اسی حرف کو صحیح ادا نہیں کر سکتا، مثلاً ایک (ث) ادا نہیں ہوتا دوسرے سے (ع) تو ایک دوسرے کی امامت نہیں کر سکتا، درمختار میں ہے ولا یصح اقتداء غیر الالثغ بہ الثغ بالالثغ علی الاصح، کما فی البحر عن المجتبیٰ و حرر الحلبی و ابن الشحنۃ انہ بعد بذل جہدہ دائما حتما کالامی فلا یؤم الامثلہ ولا تصح صلاتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جہدہ او وجد قدر الفرض مما لا لثغ فیہ ہذا ہو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف، ردالمحتار میں ہے، وذالک کالرحمٰن الرحیم والشیطان الرجیم والآلمین وایاک نابد وایاک نستئین السرات وانامت فکل ذالک حکمہ ما مر من بذل الجہد دائما والا فلا تصح صلاتہ بہ، اور امام مذکور جبکہ عالم بھی ہے، اور قرآن مجید باتجوید پڑھتا ہے، تو محض اس بنا پر کہ حافظ نہیں، اسے معزول کرنا جائز نہیں، آخر یہ کونسا گناہ ہے، کیا حافظ ہونا شرط امامت ہے، کہ بغیر اس کی امامت صحیح نہیں، کیا جب اسے مقرر کیا تھا، اس وقت اس نے اپنا حافظ ہونا ظاہر کیا تھا، اور حافظ سمجھ کر امام بنایا تھا

حد (ث) دونوں ادا نہیں ہوتا اور یہ بھی اس صورت میں ہو گا جب کہ کسی صحیح خواں کی اقتدا میسر نہ ہو سکے ورنہ صحیح خواں کے ہوتے ہوئے اسے امام نہ کیا تو اگرچہ دن رات کوشش کرتا ہو خود اس کی نماز نہ ہو گی اور اگر ایک سے

Marfat.com

لہٰذا کمیٹی کو امامت سے معزول کرنیکا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں، ردالمحتار میں بحر الرائق سے ہے واستفید من علم صحۃ عزل الناظر بلا جنحۃ عدمھا لصاحب وظیفۃ فی وقف بغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ کمیٹی تو کمیٹی اگر بلا وجہ شرعی حاکم اسلام معزول کرنا چاہے، تو نہیں کرسکتا، فتاویٰ خیریہ میں ہے قد صرح العلماء بانہ لا یجوز عزل الناظر ولا عزل صاحب وظیفۃ ما بغیر جنحۃ ولو عزلہ الحاکم لا ینعزل بغیر جنحۃ وللقاضی الباءۃ علی وظیفتہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور جب اہل کمیٹی کو اتنی بھی واقفیت نہیں، کہ کون قابل امامت ہے، اور کون نہیں اہلسنت و بدمذہب کو جان سکیں، توان کو سرے سے باختیار خود عزل و نصب امام کا اختیار ہی نہیں، اور جان بوجھ کر نا اہل کو امام بناتے اور اور مسلمانوں کی نمازیں تباہ و برباد کراتے ہیں، تو حکم اور سخت ہے، ایسی حالت میں یہ لوگ ہرگز مسجد کی تولیت کے قابل نہیں، اور مسلمانوں پر لازم، کہ دیندار اور دیانتدار کو تولیت سپرد کریں، اور ایسوں کو معزول کریں کہ یہ لوگ نااہلوں پر وقف کی آمدنی صرف کرتے، اور اہل کو بلا وجہ شرعی معزول کرتے، اور ایسوں کو امام بناتے ہیں، جن کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی، درمختار میں ہے، وینزع وجوبا بزازیۃ لو الواقف درر فغیرہ الاولی غیر مامون او عاجزا بحر پھر ردالمحتار میں ہے وان کان غیر مامون اخرجھا من یدہ وجعلھا فی ید من یثق بدینہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۵۹) مسئولہ جناب محمد حنیف صاحب مدرس مدرسہ نورالہدیٰ مقام پوکھریرا ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفرپور، ۲۷ر شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ

داڑھی منڈانے والا فاسق معلن ہے یا نہیں، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے یا کس قسم کی، ہر وہ نماز جو مکروہ تحریمی ہوجائے، عام یہ ہے کہ کسی امام کے فسق کی وجہ سے یا رکن کے فوت سے وہ واجب الاعادہ ہے یا نہیں،

**الجواب** - داڑھی ایک مشت سے کم کرنا حرام، حدیث میں ارشاد ہوا احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ - درمختار میں ہے، یحرم علی الرجل قطع لحیتہ، فتح القدیر و بحر الرائق و شرنبلالیہ و درمختار میں ہے الاخذ من اللحیۃ وھی دون القبضۃ کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد واخذ کلھا فعل مجوس الاعاجم والیھود والھنود وبعض اجناس الافرنج یعنی ایک مشت سے کم کرنا کسی کے نزدیک حلال نہیں اور سب لے لینا یہ مجوسیوں اور ہندوؤں اور بعض فرنگیوں کا فعل ہے، شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں حلق کردن لحیہ حرام ست وروش فرنج و ہنود وجوالقیان ست، کہ ایشاں را قلندریہ گویند، اس مسئلہ کی تفصیل درکار ہو تو

Marfat.com

اعلیحضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز کا رسالہ لمعۃ الضحیٰ دیکھا جائے کہ آیات واحادیث واقوال فقہاء سے بکمال بسط وتفصیل اس کی حرمت کا اس میں بیان ہے، غرض ڈاڑھی منڈانا حرام، اور بعد اصرار کبیرہ وفسق، حدیث میں ہے لاصغیرۃ علے الاصرار رواہ فی مسند الفردوس عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اور بالاعلان ہونا خود عیاں، عیاں را چہ بیاں اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ، اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ پڑھنی گناہ اور پڑھی تو پھیرنی واجب، حاشیہ علائی میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہم اھانتہ شرعاً، ردالمحتار میں ہے، واما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لایھتم لامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیہم اھانتہ شرعاً ولا یخفی انہ اذا کان اعلم من غیرہ لاتزول العلۃ فانہ لایؤمن ان یصلی بھم بغیر طھارۃ کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال بل مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لما ذکرنا قال ولذالک لم تجز الصلوۃ خلفہ اصلا عند مالک وروایۃ عن احمد، درمختار میں ہے، کل صلوۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۶۰) مسئولہ مولوی عبدالجبار صاحب طالب علم مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف ۲۰ رشعبان ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ (۱) امام حق کس کو کہتے ہیں (۲) امام حق کے لئے کیا کیا شرائط ہونے چاہئیں (۳) محلہ کی مسجد میں صرف نماز جمعہ کے لئے کوئی امام مقرر کیا جائے، اسکو امام حق کہیں گے یا نہیں۔ اگر اس کو امام حق نہیں کہیں گے تو اس کو کونسا امام کہیں گے۔

**الجواب** (۱و۲)۔ امام حق، مسجد محلہ کے امام کو کہتے ہیں، جس کو اہل محلہ یا متولی مسجد نے امامت کے لئے مقرر کیا جو اس مسجد میں نماز پنجگانہ پڑھاتا ہو، اُس کے لئے کوئی خاص شرائط نہیں، بلکہ وہی جو مطلقاً امام کے لئے ہیں، اس کے لئے بھی ہیں، ردالمحتار میں ہے ھوامام المسجد الخاص بالمحلہ۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

**ج (۳)**۔ جو صرف جمعہ پڑھانے کے لئے امام ہو، وہ امام جمعہ ہے امام حق اُسے نہ کہیں گے، کہ حق بمعنی گروہ ہے، اور امام مسجد محلہ چونکہ اُس خاص محلہ کا امام ہے، لہٰذا اسے امام حق کہتے ہیں، بخلاف امام جمعہ کہ اُسی خاص محلہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اگر شہر میں ایک ہی جمعہ ہوتا ہے، تو وہ اُس وقت کے لئے سارے شہر کا امام ہے، اور اگر چند جمعہ ہوتے ہیں تو جتنے محلوں کا ایک جمعہ ہے، وہ اس وقت میں اُن سب محلوں کا ایک امام ہے۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۶۱) مرسلہ ظہیر صاحب　　از میرٹھ　　۲۰ رشوال　　۱۳۴۱ھ

Marfat.com

کیا مندرجہ ذیل صورتوں میں زید کو مسجد کا امام مقرر کرنا اُس کی اقتدا کرنا اور اس سے نماز جنازہ و نکاح پڑھوانا درست ہے ؟ اگر ناجائز ہے تو اس مسجد کے نمازی اور متولی زید کی حرکات ذیل سے باخبر ہونے پر بھی اس کو امامت سے خارج نہ کریں تو شریعت مطہرہ ان پر کیا حکم لگاتی ہے۔ بینوا توجروا

(۱) زید نے مسجد کی سفیدی و صفائی کے لئے پیشہ ور طوائفوں کے حرام کمائی سے چندہ لیا۔

(۲) زید چند پیسوں اور گلگلوں کے لالچ میں بازاری رنڈیوں اور ان کے تبعہ و لحقہ کو منت کا طاق بھرنے کے لئے برہنہ پاؤں اور بے طہارت مسجد کے اندر جانے دیتا ہے۔

(۳) زید جوان ہے اور اس کے کمرہ خاص میں اکثر مسلمان اور مشتبہ ہندو جوان عورتیں گنڈا اور تعویذ لینے آتی ہیں اور علاوہ دیگر نسوانی تمناؤں کے اکثر اولاد کی بھوکی بھی ہوتی ہیں اور ہندوؤں میں ایک مسئلہ نیوگ کا ہے یعنی اگر کسی عورت کا شوہر نامرد ہو اور اولاد پیدا کرنے پر قادر نہ ہو تو عورت کسی اور شخص سے استقرار حمل کرا سکتی ہے ؟

(۴) زید بلا اجازت شوہر اس کی منکوحہ کو کار خدمت کے حیلہ سے رکھ لیا ہے اور اس کو شوہر کے پاس نہیں جانے دیتا ہے۔

**الجواب** ۔ حرام مال مسجد میں صرف کرنا ناجائز ہے، حدیث میں فرمایا لا یتقبل اللہ الا الطیب زید نے ایسا کیا ہے تو توبہ کرلے، اور چند بار کرنے، پھر توبہ نہ کرنے پر امامت سے معزول کر دیا جائے، بازاری عورتوں کا طاق بھرنے جانا یہ زید کا فعل نہیں، اگر زید قدرت رکھتا ہو، تو روک دے، کہ اُن کا اس طرح آنا احترام مسجد کے خلاف ہے، زید کے یہاں عورتوں کا تعویذ کے لئے آنا یہ کوئی ایسا امر نہیں ہے، کہ اس کے سبب امامت سے معزول کرنے کا حکم دیا جائے، اور ہندوؤں کے یہاں نیوگ کا مسئلہ ہونا زید کو متہم نہیں کرتا، ایسے اوہام بعیدہ قابل اعتبار نہیں، مگر جبکہ ان عورتوں کے آنے سے لوگوں کو خاص سبب سے زید کی طرف شبہہ ہوتا ہو تو چاہئے، کہ عورتوں کا آنا روک دے، حدیث میں ہے اتقوا مواضع التھم، دوسرے کی عورت کو کار خدمت کے لئے زید کا نوکر رکھنا کوئی جرم نہیں، اگر اس کے شوہر کو منظور نہ ہو ہر طرح لیجا سکتا ہے، ہاں اگر زید عورت مذکورہ کو بہکاتا ہو، اور عورت کو ایسی باتیں سکھاتا ہو، کہ وہ شوہر کے یہاں بلاوجہ نہ جائے، تو گنہگار ہے ایسا ہے تو توبہ کرے۔ بہر حال امور مذکورہ ایسے نہیں کہ مطلقاً زید کے فسق کا حکم دیا جائے، اور امامت سے معزول کیا جائے،

والله تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۶۱) مسئولہ حافظ نبی صاحب از نینی تال یکم ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ ہجری۔

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پیش امام سے رنج رکھتا ہے، نہ اس کے پیچھے نماز پڑھتا ہے، ادھر جماعت ہوتی ہے اُدھر زید نماز پڑھتا ہے، اور یہ کہتا ہے، کہ ہم حافظ ہیں اور امام ناظرہ خواں اور حافظ کی نماز ناظرہ خواں کے پیچھے نہیں ہوتی ہے جبکہ ناظرہ خواں کلام اللہ بہت عمدہ پڑھتا ہے، اور اس کے پیچھے جملہ مسلمان، سادات، اور حافظ نماز ادا کرتے ہیں اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟

**الجواب**۔ زید نے محض غلط کہا کہ میری نماز غیر حافظ کے پیچھے نہیں ہوتی۔ امام کے لئے نہ حافظ ہونا شرط ہے، نہ واجب، جبکہ غیر حافظ کو لوگوں نے امام مقرر کیا ہے، تو زید اگرچہ حافظ ہے، اُسی کے پیچھے پڑھے جماعت کا ترک بلا وجہ شرعی گناہ ہے، اور اس پر زیادتی، یہ کہ جماعت ہوتی رہتی ہے، اور شریک نہیں ہوتا، اپنی الگ پڑھتا ہے، زید کو توبہ کرنی چاہئے، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے قال عامۃ مشائخنا انہا (الجماعۃ) واجبۃ وفی المفید تسمیتہا سنۃ لوجوبہا بالسنۃ۔ درمختار میں ہے وقیل واجبۃ وعلیہ العامۃ ای عامۃ مشائخنا وبہ جزم فی التحفۃ وغیرہا۔ قال فی البحر وہو الراجح عند اہل المذہب۔ ردالمحتار میں ہے، قال فی النہر ہو اعدل الاقوال واقواہا ولذا قال فی الاجناس لا تقبل شہادتہ اذا ترکہا استخفافاً ومجانۃ۔

**مسئلہ** (۱۶۲) [1] کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ کے پیچھے بالغ کی اقتدا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مشائخ بلخ کی ایک روایت ہے، کہ نابالغ کے پیچھے تراویح، سنت اور نفل جائز ہے حقیقت حال سے مطلع فرمائیں۔

**الجواب**۔ بالغ کے امام کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، ردالمحتار میں نور الایضاح سے ہے، وشروط الامامۃ للرجال الاصحاء ستۃ اشیاء الاسلام والبلوغ والعقل والذکورۃ والقراءۃ والسلامۃ من الاعذار، لہذا نابالغ کے پیچھے بالغ کی مطلقاً کوئی نماز نہ ہوگی، درمختار میں ہے، ولا یصح اقتداء رجل بصبی مطلقاً ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح ہاں مشائخ بلخ تراویح وسنن ونوافل میں نابالغ اگر بالغ کی امامت کرے، تو جائز بتاتے ہیں، مگر مختار واصح وظاہر الروایۃ یہی ہے کہ ناجائز ہے اور یہی قول عامہ ائمہ ہے، اور یہ بات مسلّم ہے کہ ظاہر الروایۃ سے عدول نہ کیا جائے گا، فتاویٰ عالمگیری میں ہے وعلی قول ائمۃ بلخ یصح الاقتداء بالصبیان فی التراویح والسنن المطلقۃ کذا فی فتاوی قاضی خان المختار انہ لا یجوز فی الصلوات کلہا کذا فی الہدایۃ وہو الاصح ہکذا فی المحیط وہو قول العامۃ وہو ظاہر الروایۃ ہکذا فی البحر الرائق۔ وہو تعالیٰ اعلم

Marfat.com

**مسئلہ** (۱۶۳) مرسلہ عبدالستار صاحب پارچہ فروش ساہوکاراں لین بازار ہلدوانی نینی تال ۴ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیش امام جامع مسجد کے متعلق کچھ لوگوں نے یہ عذر کیا کہ ہم امام صاحب کے پیچھے عید الفطر نہیں پڑھیں گے، چونکہ یہ امام صاحب قبور کا طواف کرتے ہیں، اور مزامیر کے ساتھ قوالی سنتے ہیں اور خلیفۃ المسلمین کے واسطے دعا نہیں مانگتے اور ٹھٹھوا نہیں پہنتے۔ تو اس ٹنک کو رفع کرنے کے لئے عید الفطر سے ایک روز قبل عید گاہ میں مسلمانان ہلدوانی کا ایک جلسہ ہوا، اس جلسہ میں تقریباً تین سو آدمی جمع تھے، اس جلسہ میں ان آدمیوں سے دریافت کیا گیا کہ تم لوگوں کو امام صاحب کے پیچھے نماز عید الفطر ادا کرنے میں کیا عذر ہے۔ توان لوگوں نے وہی عذر پیش کیا جو اوپر بیان کیا گیا ـــ اس کے بعد امام صاحب سے معلوم کیا گیا تو امام صاحب نے سوال اول کا یہ جواب دیا کہ ہم قبور کا طواف نہیں کرتے بلکہ عرس کے موقع پر قرآن شریف پڑھکر بزرگوں کی روح کو ایصال ثواب کرتے ہیں، اور دوسرے سوال کا یہ جواب دیا کہ اس سے قبل مزامیر کے ساتھ قوالی سنتے تھے، اب نہیں سنتے ہیں، اور نہ میرا یہ عقیدہ ہے، تیسرے سوال کا جواب حاضرین نے یہ دیا کہ ہم لوگوں نے خلیفۃ المسلمین کے لئے دعا مانگتے سنا ہے، چوتھے سوال کا جواب اہل جلسہ نے یہ دیا کہ ٹھٹھوا پہننا کوئی ضروری نہیں ہے، اس جلسہ میں دو مولوی بھی تھے، ان لوگوں سے بھی پوچھا گیا کہ اب اس امام صاحب کے متعلق کیا حکم ہے۔ توان دونوں مولوی نے یہ جواب دیا، کہ بلا کراہت اس امام کے پیچھے نماز جائز ہے، اس کے بعد جملہ معترضین نے تسلیم کر لیا، اور یہ وعدہ کیا کہ کل ہم لوگ اس امام صاحب کے پیچھے عید الفطر ادا کرینگے، مزید براں جن لوگوں کو اعتراض تھا ان لوگوں نے یہ کہا کہ امام صاحب توبہ کر لیں، امام صاحب نے سبھوں کے سامنے توبہ بھی کیا، لیکن عید الفطر کے روز ان لوگوں نے جن کو عذر تھا اس امام صاحب کے پیچھے نماز نہیں پڑھی، اور سب کے سب مذکورہ دو مولویوں کے ساتھ شارع عام پر عید الفطر ادا کی۔

**الجواب**۔ امام پر جو الزام جا یا بیجا لگائے گئے امام نے اُن سے برارت ظاہر کی اور لوگوں کے کہنے سے اس نے توبہ بھی کر لی تو اب پھر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا، اور مسلمانوں میں تفریق کرنے کے لئے جدید جماعت قائم کرنا، ناروا ہے، خصوصاً نماز عید کہ اُسکا امام ہر شخص نہیں ہو سکتا، اس کا امام وہی ہو سکتا ہے، جو جمعہ کا امام ہو سکتا ہے، اور جمعہ کا امام بادشاہ اسلام ہوگا، یا اس نے جسے مقرر کیا ہو، اور یہ نہ ہوں تو عوام نے جسے امام مقرر کیا ہو، وہ پڑھائے، درمختار میں ہے۔ نصب العامۃ الخطیب غیر معتبرۃ مع وجود من ذکر اما مع عدمھم فیجوز للضرورۃ۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں ضرورت نہیں کہ ایک امام موجود ہے، اور وہ نماز پڑھا رہا ہے۔ بلاوجہ شرعی اسکی مخالفت میں یہ دوسری جماعت قائم کی گئی، غرض یہ نئی جماعت عید جو قائم کی گئی، ناجائز اور یہ نماز بھی راستہ پر پڑھی گئی۔ شارع

Marfat.com

عام پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے وکذا تکرہ فی اماکن کفوق کعبۃ وفی طریق ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۶۴) مرسلہ مولوی مصباح القیوم صاحب رضوی از اورنگ آباد بلند شہر ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک غیر مقلد صاحب ریاست ہونے کی وجہ سے مسلمانان حنفی المذہب کو اپنی اقتدار پر بالجبر مائل کرتا ہے، اور جمعہ بھی پڑھاتا ہے، اور کچھ وعظ و نصیحت بھی کرتا ہے، علاوہ ازیں یہ شخص تقلید ائمہ اربعہ کا منکر ہے، اور مقلدین پر طعن کرتا ہے، اور نماز وغیر نماز میں ڈاڑھی نوچتا ہے، یہانتک کہ ایک ایک رکن میں کئی کئی بار ڈاڑھی نوچتا ہے یہانتک کہ نوچ نوچ کر ایکدم صاف کر دیا ہے، اور نماز میں دونوں پاؤں بچھا کر بیٹھتا ہے، تو کیا ایسے کی امامت درست ہے۔

(۲) جس جگہ لوگ ایک مدت سے جمعہ پڑھتے رہے ہوں، اب وہاں ایک وہابی غیر مقلد غلبۂ ریاست کی وجہ سے جمعہ خطبہ پڑھاتا ہو، تو کیا سنی حنفی المذہب کے لئے یہ جائز ہے کہ کسی دوسری مسجد میں جمعہ قائم کریں۔

**الجواب** (۱) - فرقہ غیر مقلد گمراہ و بددین و مبتدع ہے اور اہلسنت سے خارج ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں من شذ عن جمهور اهل الفقه والعلم والسواد الاعظم فقد شذ فیما یدخله فی النار فعلیکم معاشر المؤمنین باتباع الفرقة الناجیة المسماة باهل السنة والجماعة فان نصرة الله تعالیٰ وحفظه وتوفیقه فی موافقتهم وخذلانه وسخطه فی مخالفتهم وهذه الطائفة الناجیة قد اجتمعت الیوم فی مذاهب اربعة وهم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون رحمهم الله تعالیٰ ومن کان خارجا عن هذه الاربعة فی هذه الزمان فهو من اهل البدعة والنار اور بد مذہب کو امام بنانا ناجائز وگناہ کہ امام بنانا تعظیم ہے اور اہل بدعت کی تعظیم حرام، حدیث میں فرمایا من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام جس نے بد مذہب کی توقیر کی، اُس نے اسلام ڈھانے پر مدد کی، غنیہ شرح منیہ میں ہے، المبتدع فاسق من حیث الاعتقاد وهو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانه فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع صغیری میں ہے یکرہ تقدیم الفاسق کراهة تحریم وعند مالك لا یجوز وهو روایة عن احمد وکذا المبتدع ۔ ردالمحتار میں ہے المبتدع تکره امامته بکل حال ۔ طحطاوی علی الدر میں ہے الکراهة فیه تحریمیة علی ما سبق، اور اُس غیر مقلد کا مقلدین پر طعن کرنا فسق علی ہے، اور فاسق کو امام بنانا ناجائز وگناہ ، کما مر۔ یونہی اُس کا ڈاڑھی نوچ کر صاف کر دینا بھی فسق ہے، کہ یہ اسکی عادت ہے، حدیث

Marfat.com

میں فرمایا احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ۔ اور یہ شخص اگر بدمذہب نہ بھی ہوتا، تو ایک ایک رکن میں تین تین بار ڈاڑھی پر ہاتھ لے جانا اور نوچنا عمل کثیر ہے۔ اور عمل کثیر مفسد نماز، تو جب امام کی نماز خود ہی نہ ہوئی، تو اُس کے پیچھے مقتدیوں کی کیونکر ہو۔ درمختار میں ہے ویفسدھا کل عمل کثیر۔ ردالمحتار میں ہے وکذا اقول من اعتبر التکرار ثلثا متوالیۃ فانہ یغلب الظن بذالک فلذا اختارہ جمہور المشائخ۔ اور مبتدع کے پیچھے نماز کا مکروہ تحریمی ہونا اس صورت میں ہے جب اس کی بدعت مکفرہ نہ ہو ورنہ اس کے پیچھے نماز اصلاً نہ ہوگی، اور غیر مقلدین پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم،[ع۵] والتحقیق التام فی رسالۃ شیخنا النھی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید من شاء الاطلاع فلیرجع الیھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اولاً جس طرح ممکن ہو اُس کو امامت سے علیحدہ کریں، اور یہ نہ کرسکیں تو اپنی نماز کسی دوسری مسجد میں پڑھیں اُسکے پیچھے پڑھکر کیوں گنہ گار بنیں، فتح القدیر میں ہے یکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتھا علی قول محمد المفتی بہ لانہ بسبیل الی التحویل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۶۵) مرسلہ مولوی عبدالعزیز صاحب امام مسجد کلس داخلی سیر ضلع ہزارہ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

امام حی کا حق کب تک ہے اگر امام محلہ کا انکار ہو جائے یا فوت ہو جائے تو قوم نے دوسرا امام مقرر کیا، عرصہ دس بارہ برس رہا پھر وہ اپنی رضا سے چلا گیا پھر قوم نے ایک اور امام مقرر کیا مگر جو پہلے تھا وہ فوت ہو گیا، تو اس کے لواحقین سے ایک شخص نے آکر جھگڑا کیا اب اُس مقرر کردہ امام عالم کو معزول کر کے اس کو امامت مل سکتی ہے یا نہیں۔

**الجواب** - جب امام مرگیا یا اُس نے امامت سے دست برداری کرلی تو اُس کی امامت ختم ہوگئی اور یہ کوئی مال و ترکہ نہیں جسمیں وراثت جاری ہو، تیسرے امام کو بلاوجہ شرعی معزول کرنا جائز نہیں۔ ردالمحتار میں ہے واستفید من عدم صحۃ عزل الناظر بلا جنحۃ عدمھا لصاحب وظیفۃ فی وقف لغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۶۶) مسئولہ رحیم بخش صاحب از شیو پوری تحصیل فرید پور بریلی ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

(۱) مجھ پیش امام کو موضع لدھولی کے لوگوں نے شریعت کی بات بتلانے اور بُرے کاموں سے روکنے کی وجہ سے عید اضحیٰ کی نماز پڑھانے سے روک دیا اور کسی دوسرے شخص کو امام بنایا۔

(۲) میں پیش امام بروز جمعہ چار پانچ آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے مسجد گیا، جب نماز سے فارغ ہو کر آیا تو موضع لدھولی

ع۵ ہمارے زمانے کے غیر مقلدین لزوم سے بڑھکر التزام کی حد میں آچکے ہیں، انکے پیچھے نماز قطعاً درست نہیں تعصا سے بھی بدتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

کے لوگوں نے ہم لوگوں کو پکڑ کر بطور حراست ایک گھنٹہ بٹھایا۔ اور سب کے سب آمادہ فساد ہو گئے، اور کہنے لگے تم نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں کیوں آئے تم شرع کیوں نکالتے ہو اب اگر آؤ گے تو مار ڈالیں گے

**الجواب** (۱) ۔ بلا وجہ شرعی امام اول کو معزول کرنا اور اُس کی جگہ دوسرے کو امام بنانا ناجائز ہے، اور امام اگر لوگوں کو بُری باتوں سے منع کرتا ہے، اور احکام شرعی کی طرف ہدایت کرتا ہے تو یہ اُس سے ناراض ہونے کا سبب نہیں بلکہ اور خوش ہونا چاہئے، مگر جن لوگوں کے دلوں میں خوفِ خدا و رسول نہ ہو شیطان کی پیروی کرنا چاہیں وہ ضرور احکام شرع کو سُنکر گھبراتے ہیں، اور بد کہتے ہیں ان لوگوں پر توبہ فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) کسی مسلمان کو بلا وجہ شرعی تکلیف دینا حرام ہے، حدیث میں ہے من اٰذیٰ مسلماً فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ جس نے مسلمان کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو ایذا دی اور مسجد سے روکنا بھی حرام۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِہَا اُس سے زیادہ ظالم کون جس نے اللہ کی مسجدوں میں خدا کے نام لئے جانے سے روکا، اور اُن کی بربادی میں کوشش کی، یہ سب لوگ گنہ گار ہیں توبہ ان پر فرض ہے، اور امام سے معافی مانگنی ضروری ہے۔

**مسئلہ** (۱۶۷) ایک ایسا شخص جو پنجگانہ جماعت سے نہیں پڑھتا ہے اور جمعہ کے دن امام بن کر جمعہ پڑھاتا ہے تو کیا ایسے کی اقتدا درست ہے۔

**الجواب** ۔ جماعت واجب ہے، اور اس کا ترک گناہ، اور ترک کی عادت فسق، اور یہ چونکہ بالاعلان ہے، لہٰذا اسکو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ پڑھنی گناہ، اور پڑھی ہو تو پھیرنی واجب۔ واجب ہے کہ دوسرے کو امام مقرر کریں، اگر کسی وجہ سے لوگ اُسے معزول نہ کر سکتے ہوں، تو دوسری جگہ پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۶۸) مسئولہ قاضی عبدالعزیز صاحب از فرید پور بریلی ۱۹ر ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص مسجد کا امام ہو کر سودی اسٹام لکھتا ہو، اور جھوٹی گواہی دیتا ہو، اور رشوت لیتا ہو، کیا اُسکے پیچھے نماز درست ہے، اور اُس کا پڑھایا ہوا نکاح جائز ہے۔

**الجواب** ۔ سودی دستاویز لکھنا حرام ہے، حدیث صحیح میں ارشاد فرمایا لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٰکل الربٰو وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت

Marfat.com

فرمائی سود لینے اور دینے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اسکی گواہی دینے والوں پر اور فرمایا وہ سب برابر ہیں رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یونہی جھوٹی گواہی دینا بھی حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قال عدلت شہادۃ الزور بالاشراک باللہ ثلث مرات ثم قرأ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلّٰہِ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ عن خریم بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ شخص فاسق ہے، اگر معلن بھی ہو تو اُسے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اس کا نکاح پڑھایا ہوا درست ہے، مگر اس سے نہ پڑھوایا جائے تو اچھا ہے۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۶۹) مسئولہ نواب وحید احمد خاں صاحب محلہ قلعہ بریلی۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ جماعت ہو رہی ہے، لیکن زید کو امام کا حال معلوم نہیں، صحیح العقیدہ ہے یا نہیں۔ یا وہ ارکان نماز مثلاً سجدہ میں زمین سے انگلیوں کا پیٹ لگانا جانتا ہے یا نہیں اور اگر جانتا بھی ہے تو ادا کرتا ہے یا نہیں تو اس صورت میں زید جماعت میں شریک ہوگا یا نہیں۔؟

(۲) ایک شخص فرض پڑھ رہا ہے۔ زید مسجد میں داخل ہوا لیکن دل اس کے پیچھے پڑھنے کو نہیں چاہتا ہے، صرف اس گمان سے کہ یہ بدعقیدہ ہے، حالانکہ زید اسے نہیں جانتا، بکر کہتا ہے کہ مسلمان پر بدگمانی حرام ہے، زید کو چاہئے کہ خواہ مخواہ اس کو بدعقیدہ نہ سمجھے نماز پڑھ لے، پھر عقائد دریافت کرے، اگر وہ واقعی بدعقیدہ ہے تو نماز پھیر لے، زید کہتا ہے کہ اگر دل نہ کہے تو نہ پڑھے، اس پر بکر جواب دیتا ہے، دل کا اعتبار نہیں ـــــ ان دونوں میں کون حق پر ہے۔

(۳) زید نے امام کے پیچھے نماز پڑھی، مگر سنتوں میں یہ دیکھا کہ امام کی انگلیاں زمین سے نہیں لگتی ہیں، تو زید کیا کرے اور اگر ایسی جگہ ہو جہاں بتا بھی نہیں سکتا مثلاً ریاست رامپور وغیرہ تو ایسی صورت میں زید کو کیا کرنا چاہئے، یہ بھی واضح ہو کہ اس امام کے پیچھے بہت سے عالم بھی نماز پڑھ چکے ہیں۔

**الجواب** (۱) محض اوہام پر بنائے کار نہیں، جبتک ظن غالب نہ ہو، ترک جماعت نہ کرے، امام کے ساتھ نیک گمان کرے، اور جماعت میں شریک ہو جائے، پھر اگر بعد میں امام کی نماز کا فساد ظاہر ہو تو پھر پڑھ لے۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اگر بدعقیدہ ہونے کا گمان غالب ہو تو اقتدا نہ کرے لان الظن ملتحق بالیقین پھر اگر اس میں ایسی بدعقیدگی کا گمان ہے، جو کفر تک لیجانیوالی ہے، مثلاً وہابیت قادیانیت وغیرہا تو اگرچہ وہ واقع میں ایسا نہ ہو مگر جب زید کا گمان

Marfat.com

ہے تو اقتدا صحیح نہیں، اور اس صورت میں نماز ہو گی ہی نہیں، کہ جب گمانِ مقتدی میں نمازِ امام نماز ہی نہیں، پھر اقتدا کیونکر ہو سکے، کہ اقتدا کے معنیٰ ہیں اپنی نماز کو نمازِ امام کے ساتھ ربط دینا، تو جب امام کی نماز ہی نہیں تو ربط کس کے ساتھ دے گا۔
رد المحتار میں ہے، وکذا لو کانت صحیحۃ فی زعم الامام فاسدۃ فی زعم المقتدی لبنائہ علی الفاسد فی زعمہ فلا یصح بیشک مسلمان پر بدگمانی حرام ہے، مگر جبکہ کسی قرینہ سے اُس کا ایسا ہونا ثابت ہوتا ہو، تو اب حرام نہیں، مثلاً کسی کو بھٹی میں آتے جاتے دیکھکر اُسے شراب خور گمان کیا، تو اس کا قصور نہیں اُس نے موضع تہمت سے کیوں اجتناب نہ کیا، بکر کا یہ کہنا کہ بدگمانی حرام ہے، بدگمانی نہ کرنی چاہئے، بیشک اگر کوئی وجہ نہ ہو جس کی بنا پر بدگمانی کیجا سکے تو یہ قول صحیح ہے، مگر جبکہ زید اُسے بدعقیدہ گمان کر رہا ہے، تو اس کے پیچھے نماز کیونکر پڑھے، اقتدا میں دل کے گمان کا اعتبار ہے، اور اگر مجرد وہم ہے تو قابل اعتبار نہیں واللہ تعالیٰ اعلم
(۳) اگر اُس کی عادت ایسی ہونا معلوم ہوتا ہے، کہ ایک انگلی بھی سجدہ میں نہیں جاتا تو ضرور نماز پھیرے، اور کبھی جاتا ہے کبھی نہیں جب بھی اعادہ کرے زید اُسے مسئلہ بتا دے ماننے اور عمل کرنے کا اُسے اختیار ہے اور بتانے میں اس کا لحاظ رکھے کہ فتنہ و فساد نہ ہو، ورنہ اپنی پھیرے اور اس کے پیچھے پھر نہ پڑھے، اور امام کا عالم ہونا یا عالم کا اس کے پیچھے پڑھنا اس کے اس فعل کو جائز نہ کر دے گا۔
واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۷۰) مسئولہ مولوی آفتاب الدین صاحب طالب علم مدرسہ اہلسنت بریلی شریف ۲ ربیع الاول ۴۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع خیر المرسلین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص ذاتی مفاد کے لئے اس نیت سے جھوٹ بولے کہ اصل مالک سے مال غصب ہو کر غیر مالک کو مل جائے اور دوسروں کو آمادہ بھی کرے، تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے اور اس کی اقتدا کیسی ہے۔ اور جو اشخاص اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے۔

**الجواب**۔ جھوٹی گواہی دینا حرام وکبیرہ ہے، حدیث میں ہے صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلاۃ الصبح فلما انصرف قام قائما فقال عدلت شہادۃ الزور بالاشراک باللہ ثلث مرات ثم قرأ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ رواہ ابو داؤد واحمد والترمذی) اور دوسرے مسلمان کو اس پر آمادہ کرنا یہ دوسرا گناہ ہوا جبتک یہ شخص توبہ نہ کرے اس کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۷۱) مرسلہ مولوی محمد عبد الغفور صاحب از بنچہ ضلع شاہ پور پنجاب ۲۶ ربیع الاول ۴۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ زید بروز عید اضحیٰ احکام و فضائل قربانی بیان کرتے

Marfat.com

ہوئے ذکر کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے امتحان کے بعد شام کی طرف سفر کیا. راستہ میں فرعونِ مصر کے ظلم نے حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا امتحان لینا چاہا، مگر خدا پاک نے ظالم کے مکر کو چلنے نہ دیا. الٹا اسے سزا ملی پس اُس نے ایک خادمہ ہاجرہ نامی عطا کی. پھر حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیدی جن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، وہ واقعہ بموجب صحاح خمسہ بخاری شریف مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ بیان کیا فدعا الذی جاء ھا فقال لہ انک انما جئتنی بشیطان واحد تأتنی بانسان فاخرجھا من ارضی واعطاھا ھاجر فاقبلت تمشی فلما رآھا ابراھیم علیہ السلام قال مھیم قالت خیرا کف اللہ ید الجبار داخدم خادما الحدیث اخرجہ الخمسۃ الا النسائی تیسیر الوصول ص۲۶۷ عمرو نے کہا کہ ہاجرہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھی، خادمہ نہ تھی، عمرو کے بھائی بھتیجہ وخالد نے کہا کہ زید نے انبیاء علیہم السلام کو خصوصاً حضرت اسمٰعیل اور سرور کائنات کو گالی دی اور توہین کی، زید آریہ شدھی ہے. کافر ہے.

پس دریافت طلب یہ ہے کہ کیا زید پر کفر لازم آتا ہے، یا نہیں. بموجب حدیث ولا یرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کس پر توبہ لازم ہے. اور عمرو وبکر محض نفسانیت کی وجہ سے علیحدہ مسجد جمعہ بنائیں. تو اسمیں نماز درست ہے یا نہیں اور اس مسجد پر مسجد ضرار کا حکم مرتب ہوگا یا نہیں.

**الجواب** . زید نے ہرگز انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہین نہیں کی، خواہ مخواہ زبردستی اُس کے سر توہین کا الزام رکھکر اُسے کافر کہنا، اور اُس کے پیچھے نماز ناجائز سمجھنا شدید ظلم ہے. زید نے تو ایک حدیث صحیح بیان کی، خود حدیث کے الفاظ یہ ہیں فاخدمہا ھاجر رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجمع البحار میں اس کے معنیٰ یہ لکھے ای جعلھا خادمًا - کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ای وھب لھا خادمًا اسمھا ھاجرۃ وھی ام اسمٰعیل علیہ السلام یعنی حضرت سارہ کو اُس بادشاہ نے ایک خادمہ دی جن کا نام ہاجرہ ہے، اور وہ اسمٰعیل علیہ السلام کی ماں ہیں، زید کا بیان بالکل اسی عبارت کرمانی کے موافق ہے، اور اگر فرض کیا جائے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں، تو یہ زید کے بیان کے منافی کب ہے اس لئے کہ اُس نے خدمت ہی کے لئے دی تھی، خادم کر کے عطا کی تھی کہ حدیث میں لفظ اخدمہا اس معنیٰ پر صراحۃً دلالت کرتا ہے. پھر زید نے کیا توہین کی عمرو وغیرہ معترضین پر لازم، کہ توبہ کریں اور زید سے معافی مانگیں اور جماعت وجمعہ میں بلاوجہ شرعی تفریق نہ کریں، اور فساد ذات البین ونفسانیت کو دور کریں، کہ فساد ذات البین دین کو تباہ کرنے والا ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ رشتۂ اخوت کو مضبوط کریں. اور آپس کی نزاع سے دشمنانِ دین کو قوت پہنچانے کے سبب نہ بنیں. واللہ الموفق وہو اعلم

Marfat.com

**مسئلہ** (۱۷۲) مسئولہ سیّد شرف الدین متعلم مدرسہ اہلسنت بریلی شریف ۱۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بی بی یا ماں یا ہمشیرہ یا لڑکی وغیرہ عام طور پر باہر نکلتی ہیں، یا دروازے سے ہاتھ نکال کر غیر محرم سے خرید و فروخت کرتی ہیں، تو کیا ایسی صورت میں زید قابل امامت ہے ؟

(۲) بکر شرع کے خلاف ڈاڑھی رکھتا ہے، اُس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں ؟

**الجواب** (۱) - جن کے یہاں کی یہ عورتیں اگر پردے کے ساتھ نکلتی ہیں، یعنی موٹی چادر یا برقع اوڑھکر کہ تمام بدن چھپا ہو یا صرف منھ اور ہاتھ کھلے ہیں. باقی تمام بدن چھپا ہے، اُن پر کچھ الزام نہیں، اور اگر کلائی یا بال وغیرہ وہ اعضاء جن کا چھپانا فرض ہے، کھولے ہوئے غیر محرم کے سامنے ہوتی ہیں، اور مرد اُسے روکتا ہے اور ممانعت میں پوری کوشش کرتا ہے جب بھی اس پر الزام نہیں کہ اس کے ذمہ جو تھا ادا کر چکا، لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی - اور اگر منع نہیں کرتا، یا معمولی طور پر کہدیتا ہے پوری کوشش سے روک تھام نہیں کرتا. تو گنہگار ہے اور اسکی وجہ سے فاسق ہے اسکو امام بنانا مکروہ تحریمی

(۲) اگر ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرانے کا عادی ہے تو فاسق مُعلن ہے اُس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۷۳) مرسلہ عبدالحکیم صاحب محلہ مصری بازار شہر کانپور ۳۰ رجب ۱۳۴۲ھ -

(۱) زید سیّد ہے لیکن فقیہ نہیں. اگر ایسی صورت میں زید فقیہ اور نجیب الطرفین و دیگر اقوام مسلم مصلی ہوں تو حق امامت شرعاً کس کو ہے۔

(۲) حق تعیین امام اندر وقف نامہ زید کو حاصل نہیں. علاوہ ازیں صرف شخص واحد زید کو بلا رضا مندی جمہور مصلّیان شرعاً حق تعیین امام کو حاصل ہے یا نہیں۔

(۳) نماز تراویح کے لئے کسی ایسے حافظ کا متعین کرنا جو نذرانہ واجرت لے کیسا ہے. جبکہ خود نمازیوں میں ایسے حافظ موجود ہیں جو بلا کسی نذرانہ واجرت کے نماز تراویح کے لئے تیار ہیں. نیز تراویح پڑھانے کا حق کس کو پہنچتا ہے۔

(۴) متولی مسجد کو مال موقوفہ سے حافظوں کو نذرانہ واجرت دیکر تراویح پڑھوانا کیسا ہے۔

**الجواب** (۱) - امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو مسائل نماز و طہارت کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو، بشرطیکہ فواحش و معاصی سے بچتا ہو اگرچہ کسی قوم کا ہو، درمختار میں ہے والاحق بالامامۃ تقدیما بل نصبا الاعلم باحکام الصلوٰۃ فقط صحۃ وفسادا بشرط اجتنابہ للفواحش الظاھرۃ اگر عالم کو امام نہیں بناتے تو بُرا کرتے ہیں، اُسی میں ہے،

Marfat.com

ولو تقدم غیرہ الاولی اساء ولا اثم ہاں اگر احیانا عالم آگیا تو حقدار امام راتب ہے، اگرچہ عالم نہیں جبکہ صالح امامت ہو ـــ تنویر الابصار میں ہے وصاحب البیت اولی بالامامۃ من غیرہ. درمختار میں ہے ومثلہ امام المسجد الراتب واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) تعیین امام و مؤذن کا حق بانی مسجد یا اسکی اولاد کو ہے، مگر جبکہ اہل محلہ نے ایسے کو منتخب کیا، جو بانی مسجد کے منتخب سے بہتر ہے، تو اہل محلہ نے جسے پسند کیا وہ امام بنایا جائے اور اگر دونوں برابر ہیں تو بانی مسجد کا پسند کیا ہوا بہتر ہے۔ غنیہ میں فتاویٰ بزازیہ وخلاصہ سے ہے ان تنازع البانی فی نصب الامام والمؤذن مع اھل المحلۃ فان کان من اختیارہ اھل المحلۃ اولیٰ من الذی اختارہ البانی فاختیار اھل المحلۃ اولیٰ لان ضررہ و نفعہ عائد الیھم وان کان سواءً فاختیار البانی اولیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اجرت پر تراویح میں ختم پڑھوانا جائز نہیں، اور جب ایک شخص بلا اجرت پڑھنے کو تیار ہے تو اب اجرت پر بدرجہ اولے ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) اجرت ناجائز، اور نذرانہ میں حرج نہیں، جبکہ المعروف کالمشروط کی حد کو نہ پہنچے، اور اگر پیشتر صراحۃً کہدیا تھا کہ کچھ نہ دینگے پھر بعد میں نذر دی تو اب حرج نہیں، کہ الصریح یفوق الدلالۃ مگر مال وقف سے اُسوقت دیا جاسکتا ہے جبکہ واقف نے یہ مصرف بھی وقف میں ذکر کیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۰۴) مسئولہ شفیق احمد صاحب از محلہ ملوکپور بریلی ۲۷ رصفر ۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں معشوق اللہ صاحب کی مسجد میں ایک مولانا جو مزار شریف کے متولی بھی ہیں امامت کرتے ہیں، اُن کی یہ حالت ہے، کہ گنڈہ تعویذ کثرت سے کرتے ہیں، اور جو عورتیں گنڈہ تعویذ کرانے کو آتی ہیں، ان سے مذاق کرتے ہیں، اور ہندوؤں کے منتر جس میں رامچندر، لچھمن، سیتا، گرونانک اور لونا چاری کے نام آتے ہیں، پڑھتے ہیں اور ناٹک وسوانگ بھی دیکھتے ہیں، اور ڈاڑھی مطابق شرع شریف کے نہیں رکھتے۔ جو شخص ان سے ڈاڑھی شرع کے مطابق رکھنے کو کہتا ہے تو وہ اسکو یہ جواب دیتے ہیں کہ ڈاڑھی ہی کے بڑھانے میں بزرگی ہے تو سکھوں کی ڈاڑھی لمبی ہوتی ہے اُن کو بھی بزرگ ماننا چاہئے اور یہ صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ مسجد اور مسجد کے متعلق جتنی چیزیں ہیں وہ میری ملکیت ہیں، باوجود اسکے کہ یہ صاحب ان ہی حرکات سے ایک دفعہ تائب ہو چکے ہیں، پھر وہی حرکات کرتے ہیں۔ اور یہ تمام مذکورہ باتیں اہل محلہ ثابت کرنے کو تیار ہیں۔

Marfat.com

پس ایسی صورت میں اوّل ایسے افعال کے مرتکب پر کیا حکم شرعی ہے۔ دوّم ایسا شخص امامت کے قابل ہے یا نہیں سوّم مسجد اور مالِ مسجد کسی شخص مثلاً امام وغیرہ کی ملکیت ہو سکتی ہے یا نہیں، اور جو شخص مسجد اور مال مسجد کو مثل اپنی ملکیت کے تصرف میں لائے اس پر کیا حکم شرع شریف ہے۔ چہارم ایسے شخص کو مسجد میں رکھنا چاہیے یا نہیں۔ پنجم ایسے شخص کو حقہ و پانی پلانا، کھانا کھلانا، اس سے اتحاد و اتفاق و وداد رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ ششم اور جو شخص اسکی اعانت کرے اور اس سے دوستی رکھے اسپر کیا حکم شرعی ہے۔ ان تمام سوالات کا جواب بحوالہ آیاتِ قرآنی اور احادیث سے تحریر فرمایا جائے۔

**الجواب** - جن منتروں میں الفاظ کفر و شرک ہوں یا شیاطین سے استعانت پر مشتمل ہوں وہ کفر ہیں، شرح فقہ اکبر میں ہے لا یجوز الاستعانۃ بالجن فقد ذم اللہ الکافرین علیٰ ذالک فقال وَاَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ۔ ایسے ہی تعویذات کی نسبت حدیث میں ارشاد ہوا ان الرقی والتمائم والتولۃ شرکٌ۔ عورتوں سے مذاق کرنا حرام ہے۔ ناٹک دیکھنا بھی حرام ہے کہ اُس میں ناچ اور گانا بھی ہوتا ہے۔ اور یہ حرام ہے۔ مرد، عورتوں کی صورت بنتے ہیں اور حدیث میں اس پر لعنت فرمایا لعن اللہ المتشبھین بالنساء اور پوڈر وغیرہ لگا کر صورتوں کا مثلہ کرتے ہیں، اور یہ حرام، حدیث میں فرمایا ولا تمثلوا۔ کتب فقہ میں ہے المثلۃ حرامٌ۔ اور یہ تماشائی اُن کی اعانت کرتا ہے کہ اگر یہ لوگ دیکھنے کو نہ جائیں تو یہ تماشے کیوں ہوں۔ اللہ عزّ وجل فرماتا ہے وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ یہ شخص تکثیر سواد کرتا ہے۔ اور حدیث میں فرمایا من کثّر سواد قوم فھو منھم۔ یہ شخص ایسے ناجائز کام میں مال ضائع کرتا ہوگا کہ عموماً پیسے روپے دیکر لوگ ناٹک دیکھتے ہیں۔ اللہ عزّ وجل فرماتا ہے اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ۔ اور فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ بالجملہ اس میں حُرمت کے چند وجوہ ہیں اور سوانگ تو ہندوؤں کی خالص مذہبی بات ہے جس میں وہ اپنے دیوتاؤں کی نقلیں بناتے ہیں اور گاتے بجاتے ہیں اس میں شریک ہونا بھی حرام ہے۔ ڈاڑھی حدِ شرع سے کم کرنا حرام ہے۔ درمختار میں ہے قطع اللحیۃ مثلہ فی حق الرجال۔ اور فہائش پر اس کا سکھوں کی مثال دینا سخت جرأت ہے، اور اس میں پہلوئے کفر ہے۔ مسجد اسکی یا کسی کی ملک نہیں، قرآن مجید فرماتا ہے اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ یہ شخص غاصب اور مفتری ہے۔ یونہی اسبابِ مسجد وقف ہیں، وہ اس کی ملک کیونکر ہو سکتے ہیں۔ الوقف لا یملك۔ لہٰذا بربنائے وجوہ مذکورہ بالا اس پر توبہ[عہ] فرض ہے اور بحالتِ موجودہ میں اس کا امام بنانا گناہ اور اسکے پیچھے نماز ناجائز۔ مسجد اور مال مسجد کسی کی ملک نہیں ہو سکتے، جو شخص ان میں ناجائز تصرف کرے قابلِ سزا ہے۔

---

[عہ] توبہ ایک اجمالی حکم ہے، اسکی تفصیل یہ ہے کہ یہ شخص جب ایسے منتر پڑھتا ہے جن میں دیوتاؤں سے استعانت ہے تو کافر ہے۔ اس تقدیر پر (بقیہ)

Marfat.com

ایسے شخص کو مسجد سے فوراً علٰحدہ کر دیا جائے کہ جب یہ اپنی مِلک سمجھتا ہے تو اسبابِ مسجد کو ضائع کر دے گا۔ اس سے میل جول ناجائز اور جو جان کر اس کی اعانت کرے، وہ بھی گنہ گار ہے کہ اعانت علی الاثم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۷۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز میں آہ۔ کرتا ہے، یا کبھی روتا ہے، کبھی ہنستا ہے اور کبھی اُس کا ایک پَیر اور کبھی دونوں پَیر اُٹھ جاتا ہے، اگر اس شخص سے دریافت کرتے ہیں کہ تم کیوں ایسا کرتے ہو تو وہ شخص جواب دیتا ہے مجھے بے اختیاری سے ہوتا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب**۔ ہنسی اگر آواز سے ہے تو مفسدِ نماز ہے پھر قہقہہ کی حد کو ہو تو ناقضِ وضو بھی، اور اگر آواز پیدا نہ ہو صرف تبسم ہو تو نہ مبطلِ نماز نہ ناقض وضو، اور پہلی صورت میں اُسکی خود بھی نماز نہ ہوگی، امامت کیا کر سکے۔ اور آہ اُدہ کرنا یا آواز سے رونا نماز کو فاسد کرتا ہے مگر جبکہ اضطرار ہو تو مفسد نہیں۔ درمختار میں ہے والانین والتاوہ والتافیف والبکاء بصوت لوجع او مصیبۃ الا لمریض لا یملک نفسہ عن انین وتاوہ لانہ حینئذٍ کعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وان حصل حروف للضرورۃ۔ طحطاوی علی المراقی میں ہے ومحل الفساد بہ عند حصول الحروف اذا امکنہ الامتناع عنہ اما اذا لم یمکنہ الامتناع عنہ فلا تفسد بہ عند الکل کما فی الظہیریۃ کالمریض اذا لم یمکنہ منع نفسہ عن الانین والتاوہ لانہ حینئذٍ کالعطاس والجشاء اذا حصل بہما حروف۔ اور جب بلا اختیار ہے تو امامت بھی کر سکتا ہے اور پاؤں کا اُٹھانا مکروہ ہے جب اختیار سے نہیں، مجبوری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۷۶) مسئولہ حافظ محمد اسمٰعیل صاحب از صدر بازار بریلی ۲۷ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ایک مسجد میں ہر فرقہ کے لوگ نماز پڑھتے ہیں، اور بحیثیت قومیت اعلیٰ۔ ادنیٰ مختلف ہیں۔ ایسی صورت میں کون امامت کے لائق ہے۔

(۲) قوم قصاب، بقر قصاب، بھٹیارہ امامت کر سکتا ہے یا نہیں اُن کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب** (۱)۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ سب نمازی سنی ہیں اور مختلف قوم کے ہیں، لہٰذا ان میں امام وہ بنایا جائے جو نماز و طہارت کے مسائل سب سے زیادہ جانتا اور قرآن مجید صحیح پڑھتا ہو، اور فاسق مُعلن نہ ہو اگرچہ یہ کسی قوم کا ہو، اور اگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷) اسکی توبہ یہ ہے کہ اس سے برأت ظاہر کرے تجدید ایمان کرے اگر بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی کرے، جب مکمل توبہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

چند شخص ایسے ہوں تو انہیں جو زیادہ اچھا پڑھتا ہو، پھر وہ جو زیادہ ورع والا ہو، یعنی حرام تو حرام، شبہات سے بھی بچتا ہو، پھر زیادہ عمر والا، پھر وہ جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں، پھر زیادہ وجیہ، پھر وہ جو شرف نسب ہونے میں بہتر ہو۔ تنویر الابصار میں ہے والاحق بالامامۃ الاعلم باحکام الصلوٰۃ ثم الاحسن تلاوۃ ثم الاورع ثم الاسن ثم الاحسن خلقاً ثم الاحسن وجھاً ثم الاشرف نسباً ——— واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اگر ان میں شرائطِ امامت پائے جائیں تو کر سکتے ہیں، بلکہ اگر تمام حاضرین میں انھیں کو زیادہ علم ہے تو انھیں کو امام معین کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۷۷) از کلکتہ معرفت عبدالعزیز خانصاحب زکریا اسٹریٹ ۱۲۲ مرسلہ شاہ محمد صاحب ۳ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند شخص مسلمان ہیں کہ ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر دربارہ مذہب اسلام رخنہ اندازی کرتے ہیں حتیٰ کہ امام معین کے ہوتے ہوئے عید الاضحیٰ کی نماز غیر امام کو لیکر جماعت سے علیحدہ پڑھی جو کہ کبھی اس طرف نہ آیا تھا اور اس کے عقیدے سے بھی کوئی واقف نہیں نہ اس امام کی زبان سے کوئی واقف اگرچہ وہ عربی کیوں نہ ہوں اور چند روپیہ کا معاہدہ بھی ہوا نماز پڑھا دینے کے لئے اور پنجوقتی نماز امام معین کے پیچھے برابر پڑھتے ہیں ابتک لیکن چند تو نماز عید الاضحیٰ کی شرعاً جائز ہو گی یا نہیں۔ اب امام نے جو مسئلہ بتلایا کہ تم لوگوں نے ایسا کیوں کیا تو ہر نوع کا یعنی برے برے الزام امام معین پر قائم کر جاتے ہیں حالانکہ امام معین کے ساتھ جماعت کثیرہ موجود ہے۔

**الجواب**۔ ہندوؤں سے میل جول اور وہ بھی اس قسم کا کہ اسلام میں رخنہ ڈالا جائے، یہ مسلمان کا کام نہیں قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ "تم میں کا جو کوئی اُن کی موالات کرے وہ انھیں میں سے ہے" بلا وجہ شرعی جماعت میں تفریق اور اجماع مسلمین میں جو شان و شوکت تھی اُسے کم کرنا یہ بھی ناجائز، نماز عیدین کے وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے ہیں، ان میں ایک شرط یہ ہے کہ امام بادشاہِ اسلام ہو یا قاضی یا ان کا نائب، اور اگر یہ نہ ہو جیسا کہ یہاں بلاد ہندوستان میں تو عام لوگوں نے جسے امام مقرر کر لیا ہو وہ نماز پڑھائے اور عام لوگوں کا مقرر کرنا اس وقت جائز ہے جب ضرورت ہو، اور اگر ضرورت نہ ہو تو امام مقرر کرنے کا حق نہیں۔ درمختار میں ہے نصب العامۃ الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمھم فیجوز للضرورۃ۔ اور ظاہر ہے کہ صورت مستفسرہ میں کوئی ضرورت نصب امام کی نہ تھی تو یہ دوسری جماعت کہ بلا وجہ شرعی ہوئی ناجائز ہے امام معین یا کسی پر بہتان باندھنا حرام ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم

Marfat.com

**مسئلہ** (۱۷۸) از نانذیر مرسلہ موسیٰ عبداللہ صاحب ۲۸ ذیقعدہ ۴۲ھ۔

ٹوپی پہن کر امامت کرنی جائز ہے یا کیا اور فضیلت کس میں ہے؟

**الجواب** ۔ عمامہ باندھکر نماز پڑھنا افضل ہے حدیث میں اسکی بہت فضیلت آئی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمامہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ٹوپی پہنکر بھی جائز ہے اس میں بھی کراہت نہیں اور ننگے سر نماز مکروہ ہے جب کہ بطور سُستی و کسل ہو اور اگر بہ نیت عاجزی و تذلل برہنہ سر نماز پڑھی تو مستحب ہے اور اگر بہ نیت اہانت ہو تو کفر ہے، درمختار میں ہے کرہ صلاتہ حاسراً ای راسہ للتکاسل ولاباس بہ للتذلل واما للاھانۃ بھا فکفر ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے وتکرہ الصلوٰۃ حاسراً راسہ اذا کان یجد العمامۃ وقد فعل ذالک تکاسلاً وتہاوناً بالصلوٰۃ ولاباس بہ اذا فعلہ تذللاً وخشوعاً بل ھو حسن، کذا فی الذخیرۃ ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۷۹) از کاٹھیاوار کتیانہ غوث الوریٰ ہوٹل مرسلہ محمد بنیاد حسین صاحب شاکر ۲۹ رجب ۴۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین ایسے مقررہ مستقل تنخواہ دار امام کے متعلق جو حسب ذیل افعال کا دیدہ و دانستہ مرتکب ہوتا ہے۔

(۱) اپنے فرض منصبی کے کما حقہٗ ادائیگی میں غفلت برتتا ہو مصلیوں کی خوشنودی اور ناراضگی کی پرواہ نہ کرتا ہو۔ اکثر مصلی اس کی نامشروع حرکات کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھتے ہوں۔

(۲) انگریزی تعلیم کی وجہ سے مسائل دینیہ کو اپنے سوء ظن کی وجہ سے خلاف شرع سمجھتا ہو مثلاً فوٹو کھچانا بریں خیال فاسد فوٹو کھچاتا ہو اور دوسروں کو ترغیب دیتا ہو اور فوٹو سے مکان آراستہ کرتا ہو۔

(۳) سنتِ رسول کے بجائے سنتِ انگلینڈ کا پیرو ہو، یعنی سر میں انگلش فیشن بال رکھتا ہو، سوٹ کوٹ وغیرہ یعنی انگلش لباس پہنتا ہو، کرکٹ فٹ بال کھلاتا اور کھیلتا ہو، اور اس کا معاوضہ یعنی اس کا الاؤنس لیتا ہو، شیروانی و صافہ کے باوجود صرف قمیص اور ترکی ٹوپی سے نماز جماعت ٹرخا دیتا ہو۔

(۴) سونے چاندی کے بٹن استعمال کرتا ہو۔

(۵) دونوں کان چھیدے ہوئے ہوں، اور اس میں زیور کی قسم سے چاندی کی کیل پہنتا ہو۔

(۶) وَلَا الضَّآلِّیْنَ کو وَلَا الظَّآلِّیْنَ پڑھتا ہو یعنی ضاد کو مشتبہ الصوت بالظاء یا بالذال پڑھتا ہو۔ یہ افعال جائز

Marfat.com

رہیں یا ناجائز۔ کیا اس کے پیچھے مقتدیوں کی نماز بلا کسی نقصان و اکراہ کے ہوجاتی ہے۔ بینوا توجروا

**الجواب۔** امام مذکور کا معزول کردینا واجب، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ پڑھنی گناہ، اور پڑھی تو اعادہ واجب تصویر کھنچوانا حرام، اور اس کو بروجہ اعزاز رکھنا بھی حرام، اور لوگوں کو ترغیب دینا بھی حرام تر، احادیث اس باب میں بہت ہیں صحیح حدیث میں ارشاد ہوا لایدخل الملئکۃ بیتاً فیہ صورۃ۔ نصاریٰ و فساق کی وضع اختیار کرنا ناجائز۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا حکم دیا، اور اُن کی مشابہت سے منع فرمایا۔ کان میں زیور پہننا یا اُسمیں کیل ڈالنا مردوں کو لئے حرام۔ ضاد کو ظا پڑھنا ما انزل اللہ تعالیٰ کے خلاف پڑھنا ہے، اور قصداً ایسا کرنا حرام اور بہت جگہ نماز بھی فاسد، بلکہ اندیشۂ کفر۔ اس کی کامل تحقیق اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ میں ہے۔ ان تمام امور میں صرف چاندی سونے کے بٹن جبکہ بغیر زنجیر ہوں جائز ہیں۔ اور زنجیر حرام۔ درمختار میں ہے عن السیر الکبیر لاباس بازرار الدیباج و الذھب۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۸۰) از بیکانیر ورکشاپ لال گڑھ مرسلہ خلیل احمد صاحب ۲۹ ذیقعدہ ۴۵ھ۔

ذیل کے بارے میں اہل شریعت کا کیا حکم ہے کہ ورکشاپ کے قریب میں ایک مسجد ہے جسمیں ملازمین نماز جمعہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں، جہاں کے پیش امام حروف کی ادائیگی نہیں کرپاتے تو کچھ لوگوں کے اعتراض پر امام مسجد نے ایک ملازم کو جس کی تجوید صحیح تھی اپنی جگہ متعین کردیا تو کچھ ملازمین نے یہ اعتراض کیا کہ ملازمین کے پیچھے جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

عرض ہے کہ جو امام مقرر ہے اس میں اتنی قابلیت نہ ہو یعنی پورے مسائل سے واقف نہ ہو اور بعض ملازمین ان سے زیادہ واقفیت رکھتے ہوں اور امام اجازت دے تو وہ نماز جمعہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں۔

**الجواب۔** جب امام صحیح نہیں پڑھتا تو اُسے امام بنانا جائز نہیں، ضروری ہے کہ کسی دوسرے کو امام مقرر کیا جائے۔ جو امامت کی اہلیت رکھتا ہو، ورکشاپ کی ملازمت کوئی ایسی چیز نہیں کہ اسکی امامت جائز نہ ہو، اُن کا یہ اعتراض کہ ملازمین کے پیچھے نماز جائز نہیں، غلط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۸۱) از گورہٹی ورکس شاپ ڈاک خانہ رنگس ضلع ہوگلی مرسلہ تجمل حسین صاحب ۲۹ ذیقعدہ ۴۵ھ

کیا حکم ہے مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں جو کہ جوان ہو لیکن اسکی ڈاڑھی مونچھ نہ نکلی ہو جس کی وجہ سے لوگ اُسے بالغ نہ سمجھتے ہوں حالانکہ وہ بالغ ہے۔

Marfat.com

**الجواب** ۔ اَمرَد کے پیچھے جبکہ وہ خوبصورت بھی ہو، نماز مکروہ ہے، درمختار میں ہے کذا تکرہ خلف امرد ، ردالمحتار میں ہے الظاہر انہا تنزیہیۃ ایضاً والظاہر ایضاً کما قال الرحمتی ان المراد بہ الصبیح الوجہ لانہ محل الفتنۃ مگر جبکہ مقتدی اس کے بالغ ہونے میں شک کرتا ہو اور اسکی صورت اور جثہ سے مقتدی کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالغ نہیں، پھر اقتدا کرتا ہے یعنی اُسے ناقابلِ امامت جان کر اُس کے پیچھے پڑھتا ہے تو اُس کی نماز ہوگی ہی نہیں، کہ جس کے پیچھے اُس نے نماز پڑھی اُس کے زعم میں اسکی اقتدا نہیں ہو سکتی جیسے مقتدی نے اپنے دانست میں قبلہ کی جہت کے خلاف منھ کیا یا قبل از وقت شروع کردی اور واقع میں قبلہ ہی کی طرف منھ تھا اور وقت ہو چکا تھا تو نماز نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۸۲) از جگدل ضلع چوبیس پرگنہ مرسلہ حافظ فتح محمد صاحب ، ۷ محرم الحرام ۴۶ھ۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص دنیاوی معاملات میں خصوصاً روپے کے لین دین میں لوگوں کو مغالطہ دیکر ایک ہفتہ کے لئے روپیہ لیتا ہو اور وعدہ خلافی کر کے ایک یا دو ماہ کے بعد بمشکل روپیہ دیتا ہو اور امانت میں خیانت کرتا ہو، ظالموں اور بدمذہبوں کی امداد کرتا ہو اور انکی صلاح و مشورہ میں رہتا ہو اور مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈال کر ذلیل کرتا ہو اور اکثر ظالموں کی صحبت میں رہ کر گلی کوچہ اور بازار و چائے خانہ وغیرہ کی سیر کرتا ہو خصوصاً چائے خانہ میں بیٹھکر ہر باتوں پر قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو تصدیق کراتا ہو اور جاہل و ظالم کی خوشامد کرتا ہو اور قرآن شریف غلط پڑھتا ہو، ذ، ظ، ض، ص، س، ث، ط، ت، ح، ہ، اخفار اظہار وغیرہ کا لحاظ نہ رکھتا ہو، اور نہ صحیح کرنیکی کوشش کرتا ہو اور دنیا کے کاموں میں نہایت چست و چالاک ہو، ایسے لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے اور ان کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں۔

(۲) زید بے تنخواہ نماز پڑھادیا کرتا ہے لوگ عیالدار سمجھکر چرم قربانی و فطرہ عیدسے دو، ایک زر دیدیا کرتے ہیں اب چند دنوں سے غیر مقلدوں نے لوگوں کو ورغلانا شروع کیا کہ فطرہ عید و چرم قربانی کھانیوالوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہے صحیح حکم کیا ہے۔

**الجواب** (۱) ۔ وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے حدیث میں اسے علامات منافق سے فرمایا، ارشاد ہوا آیۃ المنافق ثلث اذا حدث کذب واذا وعد خلف واذا اؤتمن خان (رواہ البخاری ومسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اسی طرح امانت میں خیانت کرنا بھی حرام و کبیرہ، آیات قرآنیہ اس کی حرمت پر ناطق، احادیث کثیرہ اس باب میں وارد ایک حدیث اوپر مذکور ہوئی، دوسری حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا اذا ائتمن خان واذا حدث کذب واذا عاھد غدر واذا خاصم فجر۔ ظالموں اور بدمذہبوں سے میل جول رکھنا اور اُن کی مدد کرنا اور اُن کے پاس اٹھنا بیٹھنا بھی حرام قال اللہ تعالےٰ لَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ وقال تعالیٰ وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وقال تعالیٰ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ یونہی مسلمانوں کو دھوکا دینا اور ذلیل کرنا بھی ناجائز، حدیث میں ہے من غشنا فلیس منا اور جھوٹ بولنا کسے نہیں معلوم کہ سخت گناہ کبیرہ ہے یہاں تک کہ قرآن مجید میں اس پر لعنت وارد ہوئی اور جھوٹی قسم قصداً کھانا اس سے سخت حکم رکھتا ہے قال اللہ تعالیٰ لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِكُمْ۔ حدیث میں فرمایا الکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین وقتل النفس اوالیمین الغموس رواہ البخاری عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

غرض شخص مذکور متعدد وجوہ سے فاسق و فاجر ہے اسکو امام بنانا گناہ اور اُسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، حاشیہ علائی میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب اھانتہ شرعاً اور جبکہ قرآن مجید غلط پڑھتا ہو اور تصحیح حروف کی کوشش بھی نہیں کرتا تو خود اسکی نماز بھی نہیں ہوگی اُس کے پیچھے دوسروں کی کہاں ہو۔ ردالمحتار میں ہے فمادام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر علیہ فصلاتہ جائزۃ وان ترک جھدہ فصلاتہ فاسدۃ کذا فی المحیط وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اگر زید مالک نصاب نہیں تو صدقہ فطر اُس کو دینا اور اُس کا لینا جائز ورنہ ناجائز اور چرم قربانی دینے لینے میں اصلاً قباحت نہیں جس صورت میں اُسے فطرہ لینا جائز ہے اُسپر کچھ الزام نہیں اور یہ کہنا کہ اس صورت میں اسکے پیچھے نماز جائز نہیں بالکل غلط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۸۳) از کراچی گارڈن روڈ مرسلہ محمد دین صاحب معلم عربی کیمپ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:۔

(۱) ڈاڑھی کتروانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے جبکہ حد شرع سے چھوٹی ہو (۲) جو امام بوقت سجدہ اپنے دونوں پاؤں اٹھالیتا ہو (۳) جو امام چار پانچ مرتبہ کھجلاتا ہو اور شملہ کے ساتھ کھیلتا ہو اور واسکٹ کے بٹن کھولتا ہو (۴) جو امام فرقہ نجدیہ کے ساتھ بیٹھتا ہو اور اس کی ناپاک حرکت پر خاموش رہتا ہو (۵) جو امام یا مؤذن سود خواروں کے گھروں

Marfat.com

کی روٹی کھاتا ہو اور اُن کی خوشامد کرتا ہو اور اگر مسجد میں آئے تو انکی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا ہو (۶) جو امام بغیر کسی عذر کے مسجد میں نماز جنازہ پڑھاتا ہو اور منع کرنے پر یہ جواب دیتا ہو کہ مکہ مکرمہ کی مسجد میں پڑھایا جاتا ہے (۷) جو امام کہ اس کو خونی بواسیر ہو تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں، قرآن و حدیث و فقہ سے اس کا جواب دیا جائے۔

**الجواب** ۔ سوال میں بعض وہ باتیں ہیں کہ اگر وہ نماز میں پائی جائیں تو نماز فاسد ہو جائے تو جب امام کی نماز جاتی رہی تو مقتدیوں کی کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے کہ مقتدیوں کی نماز کا صحیح ہونا امام کی نماز پر موقوف ہے مثلاً سجدہ کے وقت دونوں پاؤں کا زمین سے اُٹھا رہنا کہ اس صورت میں سجدہ نہ ہوا جب سجدہ نہ ہوا تو نماز نہ ہوگی سجدہ میں پاؤں کی ایک انگلی لگنا فرض ہے۔ درمختار میں باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے ومنها السجود بجبهته وقدميه ووضع اصبع واحدة منهما شرط۔ ردالمحتار میں ہے افاد انه ان لم يضع شيئاً من القدمين لم يصح السجود۔ بحرالرائق میں ہے حقيقة السجود وضع بعض الوجه على الارض مما لا سخرية فيه فدخل الانف وخرج الخد والذقن واما اذا رفع قدميه في السجود فانه مع رفع قدميه بالتلاعب اشبه منه بالتعظيم والاجلال۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولو سجد ولم يضع قدميه على الارض لا يجوز ولو وضع احدهما جاز مع الكراهة ان كان بغير عذر كذا في شرح المنية لابن امير الحاج ووضع القدم بوضع اصابعه وان وضع اصبعاً واحدة۔ یونہی اگر ایک رکن کے اندر تین بار کھجلاتا ہے یا بٹن کھولتا ہے تو عمل کثیر ہے اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، تمام کتابوں میں عمل کثیر کو مفسد نماز لکھا ہے اور شملہ کے ساتھ اگر فعل عبث کرتا ہے ایک دو دفعہ ہے تو مکروہ تحریمی ورنہ وہی عمل کثیر اور مفسد نماز۔ درمختار میں ہے وكره عبثه به اى بثوبه وبجسده للنهى۔ ردالمحتار میں ہے وهى كراهة تحريم كما فى البحر۔ اور ایسی نماز جو مکروہ ہو اس کا اعادہ واجب۔ درمختار میں ہے كل صلاة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها۔ اور اگر وہابیوں سے صرف میل جول وہ امام رکھتا ہے مگر خود اُسمیں وہ عقائد نہیں تو گنہ گار ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اور اسمیں وہابیہ کے عقائد بھی ہیں تو وہابی ہے اس کو امام بنانا بالکل ناروا یونہی اسکی ڈاڑھی حد شرع سے کم کرنا جب اس کی عادت ہو تو فاسق مُعلن، اور فاسق مُعلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔ حاشیہ علائی میں ہے فى تقديمه تعظيمه وقد وجب عليهم اهانته شرعاً۔ فاسق کے پیچھے نماز ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ فرض ادا ہو جاتا ہے نہ یہ کہ اُس کو خواہ مخواہ امام بنایا جائے اسکے پیچھے نماز ضرور مکروہ ہوگی۔ غرض یہ امام ضرور امامت سے

Marfat.com

معزول کیا جائے اور اُس کی جگہ کسی صالح سنّی مسلمان کو جو ارکان و واجبات کی مُراعات کرتا ہو مقرر کیا جائے۔ اور اگر بواسیر کی وجہ سے معذور ہو گیا کہ ہر وقت رطوبت یا خون بہتا رہا کہ نماز کے ایک وقتِ کامل کو گھیر لیا اور اب بھی کوئی پورا وقت نماز کا ایسا نہیں گذرتا کہ اُس میں ایک دفعہ بھی نہ بہے تو ایسا شخص ان لوگوں کی امامت نہیں کر سکتا جو اس مرض سے معذور نہیں، اور اگر یہ شخص معذور کی حد کو نہیں پہنچا تو امامت کر سکتا ہے جبکہ کوئی دوسری خرابی اُس میں نہ ہو۔ نماز جنازہ ہمارے نزدیک مسجد میں پڑھنا مطلقاً ممنوع ہے، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد نبوی کے سامنے ایک جگہ تھی جس میں نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی اگر مسجد اس کام کے لئے ہوتی تو اُس کے پاس ایسی جگہ کیوں مہیا کی گئی۔ نیز دیگر احادیث میں وارد کہ جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے اس کے لئے کچھ (ثواب) نہیں یا اس کی نماز نہیں۔ درمختار میں ہے وکرھت تحریماً وقیل تنزیھاً فی مسجد جماعۃ ھو ای المیت فیہ وحدہ او مع القوم واختلف فی الخارجۃ عن المسجد وحدہ او مع بعض قوم والمختار الکراھۃ مطلقاً خلاصۃ بناء علیٰ ان المسجد انما بنی للمکتوبۃ و توابعھا کنافلۃ وذکر وتدریس علم وھو الموافق لاطلاق حدیث ابی داؤد من صلی علیٰ میت فی المسجد فلاصلوٰۃ لہ ردالمحتار میں ہے ھذہ روایۃ ابن ابی شیبۃ وروایۃ احمد وابی داؤد فلا شیء لہ وابن ماجۃ فلیس لہ شیء وروی فلا اجر لہ وقال ابن عبد البر ھی خطأ فاحش والصحیح فلا شیء لہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۸۴) مرسلہ شیخ محمد شفیع صاحب منصرم محکمہ مال ریاست اودے پور

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں باب کہ زید حافظ قرآن ہے اور اکثر تراویح میں قرآن شریف ختم کرتا ہے لیکن یہ شخص روزہ نہیں رکھتا جب چند لوگوں نے ترک صوم کے متعلق دریافت کیا تو کہتا ہے مجھے خاص مرض لاحق ہے حالانکہ ظاہراً اس پر کسی مرض کا اثر نمایاں نہیں۔ دوسرا عذر یہ ہے کہ دن میں یاد کر کے رات میں سناتا ہوں جس کا فی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس وجہ سے مجبور ہوں۔ اور جس وقت وہ قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس کے منہ میں پان تمباکو ہوتی ہے ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے اور ایسا شخص قابل امامت ہے علاوہ ازیں غیبت وبہتان کی اسکی عادت ہے۔

نماز تراویح میں آخر قرآن کی سورتیں بعض جگہ پڑھی جاتی ہیں (الم تر) سے الناس تک اور لم یکن سورہ الناس تک۔ اور بعض جگہ سورۂ رحمن سے نماز ختم کی جاتی ہے، تو سب سے زیادہ فضیلت کس میں ہے۔ بروئے فقہ وحدیث صحیح مشرح طور سے تحریر فرمائیں۔

Marfat.com

**الجواب** ۔ اگر واقعی وہ ایسا مریض ہے کہ روزہ اس کے لئے مضر ہوتا ہے تو اُس کو رمضان میں افطار کی اجازت ہے اور اتنے دنوں کے روزے دوسرے دنوں میں رکھنا فرض ہے، فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ اور اگر ایسا مریض نہ ہو تو روزہ چھوڑنا حرام اور یہ شخص فاسق، مرتکب کبیرہ ہے۔ اور اگر قرآن مجید یاد کرنے کے لئے روزہ چھوڑتا ہے تو اس صورت میں بھی روزہ نہ رکھنا حرام وفسق ہے، روزے سے قبل یاد کرے سنت کے لئے فرض نہیں چھوڑا جا سکتا، جن صورتوں میں فاسق ہے اگر وہ ہوں تو اُس کو امام بنانا گناہ، اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، اگر وہ غیبت وبہتان کا عادی ہے، جب بھی مرتکب کبیرہ ہے، اور علی الاعلان ہو تو اُس کو امام بنانا گناہ۔ اور تراویح تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں، ان میں افضل یہ ہے کہ ہر رکعت میں پوری سورت پڑھی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲) (۱۸۵) زید امامت کرتا ہے چند بدمعاش اُس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، اُسکی نیت ہوتی ہے کہ امام غلطی کریں اور ہم اُس کی برائی کریں بلکہ بعض بعض وقت مغالطہ دینے کی غرض سے لقمہ دیتے ہیں، اور بعد نماز وہ لوگ امام کا تمسخر کرتے ہیں، اور خود امام ہونا چاہتے ہیں حالانکہ وہ اہل حرفت سے ہیں اور جاہل ہیں اور بعض قرآن کے پڑھے ہوئے نجیب الطرفین ہیں۔ نجیب الطرفین امام کے نسبت یہ اُن کا خیال ہے، ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ یہ لوگ سخت بے باک اور گنہ گار ہیں، نماز اس لئے نہیں کہ اسمیں ایسی مہمل حرکات کی جائیں قال اللہ تعالیٰ لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ اگر یہ لوگ ایسی حرکات شنیعہ کے عادی ہیں تو انھیں امام نہ بنایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۸۶) از ٹیٹا گڈھ ۲۴ پرگنہ مرسلہ جناب رحمت حسین وپیر محمد صاحبان ۳۰ رجب ۱۳۴۶ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید حافظ قرآن ہے نماز تراویح واکثر نماز فرض بھی پڑھا دیا کرتا ہے زید نائب قاضی بھی ہے نکاح وغیرہ بھی پڑھا دیا کرتا ہے۔ زید نے اپنے بھائی کے سالے کی لڑکی سے ناجائز تعلق پیدا کیا بعدہٗ اپنے پاس لاکر رکھ لیا بغیر نکاح وطلاق کے، اس لڑکی سے ایک دو بچے بھی ہوئے، تو کیا ایسی صورت میں وہ امامت کر سکتا ہے، اور اُس سے نکاح پڑھوانا کیسا ہے۔

**الجواب** ۔ صورتِ مستفسرہ میں زید فاسق مُعلن ہے اور اسکو امام بنانا ناجائز وگناہ اور اُس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی جس کا اعادہ واجب، حاشیہ شرح علائی درد المحتار میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہ اھانتہ شرعاً اس کا پڑھایا ہوا نکاح اگرچہ منعقد کہ اُس کے لئے صالح وپرہیزگار ہونا شرط نہیں مگر جب اس سے بہتر دوسرے موجود ہو

Marfat.com

تو ایسے شخص سے یہ کام کیوں لیا جائے بلکہ اس سے میل جول بھی نہ کیا جائے قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۸۷) از بنارس کچی باغ مرسلہ جناب نورالحق صاحب پسر منشی محمد حسن حاجی صاحب ۹ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ

جو شخص باراتوں میں مردوں سے دف بجوائے خواہ تال وسم کے ساتھ ہو یا بغیر تال وسم کے، اس قسم کی باراتوں میں جو شخص شرکت کرے تو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں، اور اگر ناجائز ہے تو مکروہ تحریمی ہے یا نہیں، اور نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں اور اگر مکروہ تحریمی نہیں تو حکم شرعی کیا ہے۔

**الجواب**۔ شادیوں میں دف بجانا جائز بلکہ مندوب، عید و شادی کے موقع پر دف کا بجانا حدیث سے ثابت ہے بلکہ ان مواقع کے غیر میں بھی اگر دف بجایا جائے تو ناجائز نہیں کہا جا سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے سئل ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ عن الدف اتکرھہ فی غیر العرس بان تضرب المرأۃ فی غیر فسق للصبی قال لا اکرھہ واما الذی یجیٔ منہ اللعب الفاحش للغناء فانی اکرھہ کذا فی محیط السرخسی ولا باس بضرب الدف یوم العید، کذا فی خزانۃ المفتین واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۸۸) (۱) از بانس بریلی ڈاک خانہ امبریٹ نگر ساکن صالح نگر مرسلہ جناب کفایت حسین صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ضرورت سے یا بے ضرورت چشمہ لگا کر نماز پڑھانا یا امامت کرنا کیسا ہے۔ **مسئلہ** (۲)۔ ہاتھ میں گھڑی لگا کر نماز پڑھنا یا امامت کرنا کیسا ہے۔

**الجواب** (۱)۔ چشمہ لگا کر نماز پڑھنا جائز ہے ضرورت سے ہو یا بغیر ضرورت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**ج** (۲) اگر گھڑی چمڑے کے تسمہ یا فیتہ سے بندھی ہو تو باندھ کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر کسی دھات[ع] سونے چاندی پیتل وغیرہ سے بندھی ہے تو نماز مکروہ ہوگی اُسے اُتار کر نماز پڑھنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

ع کراہت کی علت یہ ہے کہ کسی دھات کی چین باندھنا اگرچہ گھڑی کے ساتھ ہو ناجائز ہے جیسا کہ احکام شریعت اور الملفوظ میں ہے۔ اور حرام شی پر ملتبس ہو کر نماز مکروہ ہے شرح مقدمہ غزنویہ۔ پھر فتاویٰ القرویہ میں ہے تکرہ الصلوٰۃ فی ثوب الحریر وعلیہ ایضا لانہ محرم علیہ لبسہ فی غیر الصلوٰۃ ففیہا اولیٰ قال فی الرضویۃ وقولہ وعلیہ ایضا مبنی علی قولہما من حرمۃ افتراش الحریر والا فھو جائز عند الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لان المحرم لبسہ لا سائر وجوہ الانتفاع کما فی ردالمحتار وغیرہ نعم تکرہ الصلوٰۃ علیہ وان جاز افتراشہ لان الصلوٰۃ لیست موضع الترفہ وھذہ الکراھۃ تنزیھۃ۔ اقول وانی الی الاٰن فی تردد فی عدم جواز بند الساعۃ من حدید کان او نحاس او صفر وان کان من فضۃ لانہ قال فی الدرالمختار ولا یتحلی الرجل بذھب وفضۃ مطلقا الا بخاتم ومنطقۃ وحلیۃ سیف منہا ای الفضۃ اذا لم یرد بہ التزین دنیہا ولا یکرہ فی المنطقۃ حلقۃ حدید او نحاس وعظم۔ وقال الامام احمد رضا قدس سرہ فی الطیب الوجیز فی بیان الاشیاء التی یجوز من الفضۃ (۱۰) یہ بھی چاندی کی پیٹی (۱۱) عاشق معشوق (۱۲) تلوار کا پرتلہ وغیرہ

Marfat.com

**مسئلہ** (۱۸۹) ازمقام کھرداڈاکخانہ ٹینٹا گڑھ ضلع چوبیس پرگنہ مرسلہ محمد طاہر حسین صاحب میاں باڑی ذام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو مولوی قاضی وحنفی ومسجد کا امام ہے اور مالی حیثیت سے اہل نصاب ہے، ایسی حالت میں مال صدقات زکوٰۃ صدقۃ الفطر چرم قربانی نذر وغیرہ خود جمع کرتا ہے اور کھاتا ہے اور جھوٹ بولنا اور گالی دینا، امانت میں خیانت کرنا، مسلمانوں کا مال دھوکا وفریب سے کھانا، اسلام کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنا، وعدہ خلافی کرنا، چغلی کرنا، یہ تمام علاماتِ نفاق اُسکی ذات میں موجود ہیں، ایسے شخص کو امام مقرر کرنا چاہئے یا نہیں۔ اور اگر ایسا شخص امام مقرر شدہ ہو تو اُس کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں، بینوا توجروا

**الجواب**۔ جبکہ عمرو مالک نصاب ہے تو اُسے زکوٰۃ وصدقات واجبہ مثلاً صدقۂ فطر ونذر اپنے لئے لینا ناجائز وحرام ہے اور اُسکو دینے سے زکوٰۃ وصدقۂ فطر وغیرہا ادا بھی نہ ہوں گے، دینے والوں پر شرعی مطالبہ بدستور باقی رہیگا قال اللہ تعالیٰ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ الآیۃ۔ اور چرم قربانی غنی کو بھی دے سکتے ہیں، اس کے لئے مصرف زکوٰۃ ہونا شرط نہیں جب وہ شخص اُن افعال کا مرتکب ہے جو سوال میں مذکور ہیں تو اُسے امام مقرر کرنا ناجائز ہے اور اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پڑھی ہو تو لوٹانی واجب، وہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کو امامت سے معزول کر دیں اور کسی لائق امامت کو امام بنائیں ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۹۰) ازمقام بیراٹھ یوسف غازی کا تھانہ ریاست الور راجپوتانہ مرسلہ نذیر خاں چھوٹے خاں

۳ صفر المظفر، ۱۳۴۸ھ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کسی مسجد میں پنجوقتہ امامت کرتا ہے اُس کے دو لڑکے جوان وعاقل علانیہ زنا کرتے ہیں، وہ امام صاحب اپنے لڑکوں کے ساتھ شامل ہو کر کھانا کھاتے ہیں اور تعلقات روزمرہ ضروریات واختلاط وابستہ رکھتے ہیں اور شامل رہتے ہیں، آیا ایسے امام کے لئے صورت مذکورہ بالا میں شرعاً کیا حکم ہے۔

**الجواب**۔ امام کو چاہئے کہ جب اُن کے لڑکے ایسے کبیرہ شدیدہ کے مرتکب ہیں تو اُن سے علٰحدگی اختیار کریں قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ اور حدیث میں ارشاد فرمایا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ

---

حقق فی ہند المساعۃ علی صفحۃ ۱۱۲ فقال تر بہتر اس سے احتراز ہے وہو لا یفید عدم الجواز۔ احکام شریعت والملفوظ لا یساوی الطیب الوجیز فی الضبط والحرز فہو عندی مرجح علی احکام شریعت والملفوظ۔ فلیتأمل ولیحرر واللہ تعالیٰ اعلم　۱ مجدی

Marfat.com

**مسئلہ** (۱۹۱) از امام نگر ضلع بالیسر مرسلہ ملا مجیب الرحمن صاحب ۵ رصفر المظفر ۱۳۴۸ھ۔
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص قرآن شریف غلط پڑھتا ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز جیسا کہ وَلَا الضَّالِّیْنَ ط کی مد نہ کھینچنا یا ض کو ظ پڑھنا، غرضیکہ قرآن شریف غلط پڑھتا ہو۔

**الجواب** ۔ غلطیاں بعض ایسی ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور بعض سے فاسد نہیں ہوتی، جو غلطی ایسی ہے کہ اُس سے معنیٰ فاسد ہو جائیں اُس سے نماز فاسد ہوگی ورنہ نہیں، ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنے سے اکثر جگہ معنیٰ فاسد ہو جاتے ہیں اور نماز جاتی رہتی ہے اور بعض جگہ نہیں، مگر یہ اُس صورت میں ہے کہ بلا قصد ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھا اور قصداً ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنا قرآن کو بدلنا اور تحریف کرنا ہے اور یہ یقیناً حرام ہے بلکہ اسمیں احتمال کفر ہے اور اگر وہ ایسا شخص ہے کہ اُس سے وہ حرف ادا نہیں ہوتا تو خود اُس کی نماز ہو جائیگی بشرطیکہ کوشش کرتا رہے کہ صحت کے ساتھ ادا ہو اور کوشش نہ کرے تو خود اسکی نماز بھی نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے ولو زاد کلمۃ او نقص کلمۃ او نقص حرفا او قدمہ او بدلہ باٰخر لم تفسد مالم یتغیر المعنی الا ما یشق تمیزہ کالضاد والظاء فاکثرھم لم یفسدھا اور جو بے پرواہی سے غلط پڑھتا ہے یا تصحیح حروف کی کوشش نہیں کرتا اُس کی اپنی نماز بھی نہ ہوگی وہ امامت کس طرح کر سکتا ہے۔

بالجملہ امام کے لئے بقدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ تصحیح ضروری ہے اور غلط پڑھنے والے کے پیچھے صحیح خواں کی نماز نہیں ہوتی۔ درمختار میں ہے وحرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائماً حتما کالامی فلا یؤم الامثلہ ولا تصح صلاتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جھدہ او وجد قدر الفرض مما لا لثغ فیہ ھذا ھو الصحیح المختار فے حکم الالثغ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف ۔ یہ حکم حروف کی صحت اور غلطی کا ہے، ان کے علاوہ اگر مد و شد و اظہار و اخفاء وغیرہا ضروریات تجوید کی اگر مراعات نہ کی تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اس کے پیچھے اقتدا صحیح ہے واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۹۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے نماز فجر میں قبل جماعت اس خیال سے فرض پڑھ لی کہ جو صاحب فرض پڑھانے والے تھے وہ ڈاڑھی کترواتے تھے، نیز خیالات بھی ان کے کچھ وہابیوں کی جانب جھکے ہوئے تھے لیکن بعد کو عمرو نے زید ہی کو نماز پڑھانے کو کھڑا کر دیا، زید بوجہ شرم نہ کہہ سکا کہ میں فرض پڑھ چکا ہوں بلکہ فرض پڑھا دیئے، ایسی حالت میں شرع شریف میں زید کے لئے کیا حکم ہے۔

**الجواب** ۔ زید جبکہ فرض نماز پڑھ چکا تھا تو ہرگز اسے امام بننا جائز نہ تھا کہ اولاً وہ متنفل ہے اور متنفل کے پیچھے فرض

Marfat.com

والوں کی اقتدا صحیح نہیں، اُس نے لوگوں کی نمازیں خراب کیں، ثانیاً چونکہ وہ نمازِ فجر پڑھ چکا تھا، اب اُسے نفل نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی کہ یہ وقت نفل نماز کا نہیں، زید توبہ کرے اور تمام مقتدیوں کو جو اس نماز میں شریک تھے خبر کردے کہ مجھ سے ایسا ہوا تم اُس دن کی نمازِ فجر پڑھ لو ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۹۳) از ریاست پالن پور موضع ڈسہ محلہ میران مرسلہ جناب مولوی محمد ظہور احمد صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک محلہ کی مسجد کا پیش امام ہے محلے کے چند اشخاص اس سے خوش ہیں، بقیہ تمام ناراض ہیں، علاوہ ازیں دوسرے محلوں کے تمام مسلمان ناراض ہیں اور زید کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اور زید جھوٹ بولتا ہے اور لوگوں کو دھوکا بھی دیتا ہے، زید کے محلے کے ایک شخص کا انتقال ہوگیا اور اسکے بچے یتیم ہوگئے، زید نے ان یتیم بچوں کا مکان ایک رشتہ دار سے خرید لیا اور دوسرے کے نام رجسٹر ڈکرالیا، محلے میں جب یہ خبر ہوئی تو زید سے پوچھا گیا تو زید نے جواب دیا، میں نے نہیں لیا، حالانکہ فی الحال وہ اسی مکان میں رہتا ہے، مذکور پیش امام کی وجہ سے محلے میں ہر وقت فساد ہوتا ہے اور تمام محلہ مقدمہ بازی میں خراب ہو رہا ہے۔ چند اشخاص اس کے پشت پناہ بنے ہوئے ہیں، جو ان کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ بقیہ اپنے گھروں میں یا دوسری مسجدوں میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ایسے شخص کے پیچھے ازروئے شرع شریف نماز پڑھنا کیسا ہے، اور ایسے شخص کو مسجد کی پیش امامت سے الگ کیا جائے یا نہیں۔

**الجواب** ۔ جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ و فسق ہے اور جھوٹ کی بُرائی اور قباحت سے کون واقف نہیں۔ اور جھوٹ بولنے والا فاسق ہے اگر وہ علانیہ اس کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو فاسق معلن ہے، اور فاسق معلن کو امام بنانا ناجائز اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔ ردالمحتار میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعًا، لہٰذا اگر زید میں یہ بدخصلت ہو تو اسکو معزول کرکے دوسرے متقی صالح امامت کو امام بنائے اور ایسی حالت میں اس کی اعانت و طرفداری ناجائز ہے قال اللہ تعالیٰ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ نیکی اور پرہیزگاری پر باہم اعانت کرو، گناہ اور ظلم پر اعانت نہ کرو“ اور جبکہ زید سے عموماً اہل محلہ متنفر ہیں اور یہ تنفر خود زید کی حرکات کے سبب سے، تو ایسے امام کی نسبت حدیث میں یہ آیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ثلثۃ لاتجاوز صلاتھم اذانھم العبد الاٰبق حتی یرجع وامرأۃ باتت وزوجھا علیھا ساخط وامام قوم وھم لہ کارھون تین شخص ہیں کہ ان کی نماز کانوں سے تجاوز نہیں ہوتی (قبول نہیں ہوتی)، غلام بھاگا ہوا جب تک واپس نہ آئے اور عورت جو اس حالت میں رات گذارے کہ

Marfat.com

اس کا شوہر ناراض ہے اور کسی قوم کا امام جبکہ وہ لوگ اس سے کراہت کرتے ہوں (رواہ الترمذی عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) دوسری حدیث یہ ہے کہ ارشاد فرمایا ثلٰثۃ لا تقبل منھم صلاتھم من تقدم قوماً وھم لہ کارھون، الحدیث تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ انہیں ایک وہ شخص ہے جو کسی جماعت کا امام بن جائے اور وہ لوگ اُسے ناپسند کرتے ہوں (رواہ ابو داؤد وابن ماجہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تیسری حدیث یہ ہے کہ ارشاد فرمایا ثلٰثۃ لا ترفع لھم صلاتھم فوق رؤسھم شبراً رجل اَمَّ قوماً وھم لہ کارھون، الحدیث تین شخصوں کی نماز سر سے ایک بالشت بھی اونچی نہیں جاتی، ایک وہ مرد کہ کسی قوم کی امامت کرے اور وہ لوگ اُسے ناپسند کرتے ہوں (رواہ ابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بالجملہ اگر زید کی یہی حالت ہے جو سوال میں مذکور ہے تو اسکو امامت سے جُدا کر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱) (۱۹۴) از سورئی جے پور کشن پور بازار مرسلہ جناب حامد حسن صاحب ۲۳ محرم الحرام ۴۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ ایک مشہور عالم ہے جو نماز کی تکبیراتِ انتقال میں بجائے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے اَللّٰہُ اَکْبَدُ کہتا ہے حالانکہ دوسری جگہ (ر) صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کرتا ہے، دریافت کرنے پر کوئی بات نہیں بتلاتے۔

(۲) زید رکعت اولیٰ کے سورۂ فاتحہ میں مَغْضُوْبِ کے (ض) کو مشابہ ظاء، اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے (ض) کو مشابہ دال پڑھتا ہے۔ اور دوسری رکعت میں جملہ اول کی (ض) کو دال اور جملہ ثانیہ کے (ض) کو ظاء پڑھتا ہے، باقی قرأت قرآن پاک میں اپنی حسب مرضی جہاں جو جی چاہے گا پڑھے گا۔

(۳) زید آیات سجدہ کی تلاوت پر سجدہ نہیں کرتا، اندرونِ نماز ہو یا بیرون نماز اور نماز میں قصداً آیت سجدہ پڑھی اور بعد اختتام آیت فوراً رکوع کر لیا، اور بیان کیا کہ رکوع کر دینے سے سجدہ باقی نہیں رہتا، اور بیرون نماز اس کی بھی ضرورت نہیں۔ ہر چند دریافت کیا گیا مگر کوئی عبارت فقہ وحدیث دکھانے سے عاجز رہا۔ ایسی صورت میں نماز کے متعلق کیا حکم ہے اور ایسے شخص کو امام بنانا چاہیئے یا نہیں۔

**الجواب** (۱) اَکْبَرُ کی (ر) کو دال پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ہر حرف کو صحیح طور پر ادا کرنا لازم ہے، اور ایک حرف کی جگہ دوسرا پڑھنے میں اگر معنیٰ فاسد ہوتے ہیں تو نماز نہ ہوگی اور قصداً پڑھنا بہر حال حرام وگناہ ہے کہ تحریف کلام اللہ ہے، غرض جب اسکی یہ حالت ہے تو امامت نہیں کر سکتا

Marfat.com

(۳) سجدۂ تلاوت واجب ہے، درمختار میں ہے یجب بسبب تلاوۃ من اربع عشرۃ اٰیۃ۔ البتہ اگر آیتِ سجدہ نماز میں پڑھی اور فوراً رکوع کر دیا اور رکوع میں سجدہ کی نیت کر لی تو اس رکوع سے بھی سجدہ ادا ہو جاتا ہے اور اگر رکوع میں نیت نہیں کی اور اسکے بعد سجدہ کر لیا تو اسی سجدۂ نماز سے سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو گیا۔ درمختار میں ہے و

تؤدی برکوع صلاۃ اذا کان الرکوع علی الفور من قراءۃ اٰیۃ او اٰیتین وکذا الثلث علی الظاہر کما فی البحر ان نواہ

ای کون الرکوع لسجود التلاوۃ علی الراجح وتؤدی بسجودھا کذلک ای علی الفور وان لم ینو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۹۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں، کیا از روئے شرع بغیر اہلیت امامت مسجد میں توریث جائز ہے، اور باپ کے بعد پسر کو حق امامت بغیر شروط امامت حاصل ہوتا ہے۔

(۲) زید جو امامت کی اہلیت نہیں رکھتا اپنے باپ کی امامت کے زمانہ میں، ایک ریاست سے پانچسو روپیہ سالانہ حق امامت مقرر کرا دیا ہے، باپ کے مرجانے کے بعد محض اس روپیہ کے لالچ میں خود امام مقرر ہو گیا ہے، حالانکہ ایک روز بھی اپنی نااہلی کی وجہ سے امامت نہیں کرتا نہ اہل شہر اس کی اقتدا کرتے ہیں، بلکہ زید اس رقم مقررہ میں سے کچھ معاوضہ دے کر ایک اجیر مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ نماز پڑھائے، باقی کُل روپیہ خود کھاتا ہے، جو کہ اصل امام کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ پس اس کا اس روپیہ کو اپنے صرف میں لانا جائز ہے یا نہیں۔ اور ایسے شخص کی معاونت کہ آئندہ بھی پاتا رہے جائز ہے یا نہیں۔

(۳) زید مذکور تارکِ صلوٰۃ وتارک جماعت، اور ایک پیر سے لنگڑا ہے کہ حالتِ قیام میں ایڑی زمین سے نہیں لگتی۔ اور ایک ہاتھ سے لُولا ہے کہ نیت کے وقت اس کے ہاتھ کانوں تک یا منھ تک نہیں پہونچتا، بائیں ہاتھ سے لکھتا اور کھاتا ہے۔ لہٰذا یہ مستحق امامت ہے یا نہیں اور اسکو اپنی طرف سے اجیر مقرر کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں۔

(۴) جبکہ شہر و محلہ میں چند ایسے اشخاص بلامعاوضہ نماز پڑھانے کے لئے مل سکتے ہیں جو متقی و پرہیزگار اور امامت کے اہل ہوں، محض روپیہ کی وجہ سے گریز کرتے ہوں۔ ایسی صورت میں کسی اجیر کو بطور ملازم رکھکر نماز پڑھوانا، اور بعض مسلمانوں کو اس امر میں ساعی رہنا کہ زید مذکور ہی فرضی امام رہے، عند الشرع کیا ہے۔

(۵) زید مذکور جو اپنی طرف سے نماز پڑھانے کے لئے اجیر رکھتا ہے ان کی مقررہ اجرت اس وقت تک نہیں دیتا جبتک کہ مطالبہ باہمی سے گذر کر معاملہ حکومت تک نہ پہونچ جائے۔ پس زید کا نماز پڑھانے پر بھی اجرت ادا نہ کرنا زید کو مفسد و غاصب نہیں قرار دیتا۔ ایسے شخص کو امامت سے علٰحدہ کرنا چاہئے یا نہیں۔

Marfat.com

(۶) زید نے لطمع نفسانی اپنے نابالغ لڑکے کو جسکی عمر پانچ سال ہے، امام بنا دیا یعنی ایک دستاویز لکھدیا کہ میں جامع مسجد کا امام وخطیب ہوں میں اپنی طرف سے اپنے لڑکے فلاں کو امام وخطیب اور متولی مقرر کرتا ہوں اور اس پر اہل شرع کے دستخط ہیں، اور اسی کے ساتھ ایک درخواست بھیجتا ہے جسمیں یہ لکھا گیا ہے کہ امامت کی مقررہ رقم اسی کو نام منتقل کردی جائے جس پر شہر کے امراء ورؤساء کے دستخط ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کی دغابازی حد کو پہونچی یا نہیں۔ جبکہ کاغذ میں امام جدید کی عمر ظاہر نہیں کی گئی ہے۔ کیا ایسا نابالغ بعد بلوغ نا اہل ہوں تو امام بن سکتا ہے، بینوا توجروا۔

**الجواب** (۱) وراثت مال میں جاری ہوتی ہے، اور امامت مال نہیں جسمیں وراثت جاری ہو۔ اگر امام کی اولاد ہو جب بھی محض اس وجہ سے امام نہ ہوگی کہ اس کا باپ امام تھا، بلکہ باپ کے مرنے کے بعد اگر متولی واہل مسجد نے اسکی اولاد کو امام مقرر کیا تو امام ہے اور دوسرے کو امام مقرر کیا تو دوسرا امام ہوگا۔ صرف امام کا بیٹا ہونا امامت کیلئے کافی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جب زید کبھی نماز پڑھتا ہی نہیں تو امام بھی نہیں اور امامت کی تنخواہ کا بھی مستحق نہیں کہ اجرت کے لئے عمل ضروری ہے اور کام کیا ہی نہیں تو تنخواہ کس چیز کی لے گا ——— واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) جب وہ نہ امام ہے نہ نماز پڑھاتا ہے تو یہ سوال فضول ہے، ہاں اگر مطلب یہ ہے کہ اسکو امام مقرر کیا جائے یا نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تارک نماز ہونیکی وجہ سے فاسق ہے، اور فاسق کو امام مقرر کرنا ناجائز ہے۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) فرضی امام کوئی چیز نہیں، امام وہ ہے جو نماز پڑھائے، اور مسجد کا روپیہ بلا وجہ کسی کو دینا ناجائز ہے، اور اس کے لئے سعی کرنا بھی ناجائز ——— واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) جب زید امام ہی نہیں تو امامت سے علٰحدہ کرنے کے کیا معنیٰ، البتہ بلا وجہ اس کو مسجد کا روپیہ دینا ناجائز ہے۔ وہو اعلم

(۶) جبکہ لڑکے کی عمر پانچ سال ہے تو وہ کس طرح امام ہو سکتا ہے اور اس کو امام وخطیب مقرر کرنا اور اس کی تنخواہ اسکو دلانا جائز نہیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱) (۱۹۶) مرسلہ جناب محمد باب اللہ صاحب پیش امام مسجد از مقام حاجی نگر چٹکل، ضلع چوبیس پرگنہ۔

ایسا شخص جو عام لوگوں سے نماز وطہارت کے مسائل زیادہ جانتا ہے اور علم بھی زیادہ ہے، علماء کی صحبت سے ذوق رکھتا ہے۔ قرآن عظیم بھی صحیح پڑھتا ہے، ساٹھ ستر برس کی عمر ہے، دانت وغیرہ بھی درست ہے، جہانتک خیال کیا جاتا ہے متقی بھی ہے۔ ایسا شخص امامت کر سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

Marfat.com

(۲) امام اگر صاحب نصاب نہ ہو یا ہو مگر دین میں مستغرق ہے، اس کو صدقہ فطر یا زکوٰۃ کی رقم یا صدقہ میت لینا جائز ہے، یا ناجائز، اور ان صدقات کے لینے سے اس کی امامت میں کوئی نقص واقع ہوگا یا نہیں، جبکہ امامت کا معاوضہ سمجھکر نہیں لیتا، اور دینے والوں کا بھی ایسا خیال نہیں۔ بینوا توجروا

(۳) ایسا شخص جنکی صفات اوپر مذکور ہوئیں، اسپر جھوٹا الزام لگاکر امامت سے علیحدہ کرنا حتیٰ کہ اسپر بیٹی کے ساتھ زنا کا اتہام لگانا کیا حکم رکھتا ہے۔ ان اتہام لگانے والوں کی کیا سزا ہے، جس کا ثبوت شرعی تو درکنار، رواج وپنچائت کے طور پر بھی ثابت نہ کر سکے۔ نیز شخص مذکور کی بی بی خود موجود ہے اور اس کا داماد بھی، اور اس کی لڑکی سسرال میں رہتی ہے جہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، جبکہ اس کا شوہر گھر پر موجود ہے، اس کے مکان پر شکایت کا کوئی ذکر نہیں۔ اسپر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ لڑکا امام کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے، گواہوں سے زبردستی کہلایا جاتا ہے، گواہ بھی صرف ایک آدمی ہے وہ بھی صاف انکار کرتا ہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے سب جھوٹ ہے۔ اور جو مولوی صاحبان اتہام لگانے والوں کی تائید ومتابعت اور پیروی کرتے اور خود بھی اس اتہام کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے، عندالشرع وعنداللہ دونوں کی کیا سزا ہے۔ بینوا توجروا

(۴) ایسے الزام کے ثبوت کے لئے ایک شخص کو گواہی دینے پر آمادہ کرنا اور اگر وہ گواہی دینے سے انکار کرے تو اس کو دھمکی دینا کیسا ہے۔ اور اگر گواہی دے اور وہ بھی سماعت کی نہ چشم دید کی، تو کیا ایسی گواہی کی بنا پر ثبوت ہوجائیگا

**الجواب** (۱) امام کے لئے یہی چاہیئے کہ مسائل نماز وطہارت سے واقف ہو اور اسپر عامل ہو اور فاسق معلن نہ ہو، فواحش سے بچتا ہو، ایسا ہے تو اسکی امامت میں حرج نہیں اور جب سب لوگوں سے یہی شخص بہتر ہے تو یہی متعین ہے۔ واللہ اعلم

(۲) ایسا شخص صدقہ فطر اور زکوٰۃ لے سکتا ہے جبکہ لینا اور دینا اجرت امامت میں نہ ہو۔ امامت میں اس کی وجہ سے کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) زنا کی تہمت لگانے والا جبکہ چار مردوں کو گواہ نہ پیش کر سکے جو چشم دید زنا کرتے دیکھنا بیان کریں، تو اسّی درّے کا شرعی مستحق ہے اور فاسق ہے اور اس کی گواہی ہمیشہ کے لئے نامقبول، اور گواہ بھی اسی سزا کا مستحق ہے جبکہ چار سے کم ہوں اب کہ حکم شرعی جاری نہیں، مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے شخص سے مقاطعہ کریں، اس کے ساتھ کھانا پینا، ملنا جلنا چھوڑ دیں

(۴) جھوٹی گواہی پر آمادہ کرنا حرام اور گواہی دے تو یہ بھی اسی سزا کا مستحق ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

**مسئلہ** (۱۴۷) از کوہ مری مرسلہ باشندگان کوہ مری بذریعہ حکیم عبدالخالق صاحب ۸ رجمادی الاولیٰ ۴۹ھ
مورخہ ۷ راکتوبر کو ۶ بجے شام کوہ مری آریہ سماج مندر میں ایک جلسہ اس غرض سے منعقد ہوا کہ کوہ مری کی بستی میں ممبران پنچائت کا انتخاب کیا جائے جہاں تقریباً ایک سو آدمی کا مجمع تھا، کام کے شروع میں مغرب کی اذان ہوئی تو مولوی محمد سعید صاحب امام جامع مسجد اس مجمع میں موجود تھے جنھوں نے اذان کا کوئی خیال نہ کیا، یہاں تک کہ نماز کا وقت ضائع ہوگیا۔ پھر تو مسلمان اذان سن کر نماز پڑھنے کے لیے چلے گئے۔ امام مسجد موصوف کی بے توجہی کی وجہ سے بھی باقی مسلمانان جو وہاں موجود تھے ان کی نماز بھی قضا ہوگئی۔ سب مسلمان اسی خیال میں تھے کہ امام مسجد اٹھیں تو ان کے ساتھ ہم بھی نماز ادا کریں، حالانکہ مولوی سعید صاحب کا اس اجلاس میں رہنا غیر ضروری تھا انکا کوئی ذاتی کام نہ تھا، بلکہ لاپرواہی سے انھوں نے اپنی نماز بھی ضائع کردی اور ساتھ ہی باقی مسلمانوں کی قضا کرا دی۔ آیا ایسا مولوی امامت کے لائق ہے یا نہیں، از روئے شریعت ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ نماز کا قضا کر دینا بلا عذر شرعی سخت گناہ کبیرہ ہے، قرآن و حدیث میں اسکی سخت مذمت آئی خصوصاً ایسے کا قضا کرنا کہ اسکی وجہ سے دوسروں کو بھی قضا کر دینے کا حیلہ مل گیا، سب لوگوں پر توبہ لازم ہے اور امام اگر توبہ نہ کرے تو امامت سے معزول کر دیا جائے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۴۸) از دار الافتاء قادریہ مسکر بنگلور ۱۰۲ دھرم راج اسٹریٹ مرسلہ مولوی سید حیدر شاہ ۲۰ شوال ۴۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس امر میں کہ قضائت یا امامت موروثی ہے یا شرطی اگر قاضی کا لڑکا محض بے علم ہو تو پھر بھی قاضی شہر ہو سکتا ہے یا نہیں اور امام مسجد یا عیدین کا لڑکا بے علم ہو نماز کے صحت و فساد سے واقف نہ ہو قرآن مجید بھی غلط پڑھتا ہو اور مذہب سے بھی واقفیت نہ ہو تو ایسے شخص کو امام مسجد یا امام عیدین بنا سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر کسی جگہ امام عیدین بے علم ہو اور نماز میں کراہت کے درجے سے فساد تک کی نوبت پہونچتی ہو اور ہزارہا لوگوں کی نماز خراب ہوتی ہو تو ایسے امام کو قائم رکھنا چاہیئے یا بدل دینا چاہیئے۔ اگر کوئی صاحب علم ان خرابیوں کی وجہ سے اس بے علم امام کی اقتدا نہ کر کے علیحدہ کسی جگہ شہر کی کسی مسجد اعظم میں نماز عید ادا کرے تو شرعاً درست ہے یا نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ ان وجوہات سے بھی نماز عید مسجد میں مطلقاً ناجائز ہے تو یہ کہنا صحیح ہے یا غلط۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ ہندوستان میں عام طور پر جس کو قاضی کہتے ہیں یعنی نکاح پڑھانے والے کو، یہ کوئی قاضی نہیں۔

Marfat.com

عرف شرع میں اس کو قاضی نہیں کہہ سکتے جس سے چاہیں نکاح پڑھوا دیں اور اس رسمی قاضی کو اس پر دعویٰ کا کوئی حق نہیں اور یہ ضروری نہیں کہ باپ سے نکاح پڑھواتے تھے تو بیٹے سے بھی پڑھوائیں خصوصاً جبکہ وہ بے علم ہے، بہت ممکن ہے کہ ایجاب و قبول کے الفاظ صحیح طور پر ادا نہ کرے اور نکاح منعقد نہ ہو۔ اور اگر سوال میں قاضی سے مراد قاضی شرع ہو تو یہ ایک عہدہ ہے کہ بادشاہ اسلام کی جانب سے دیا جاتا ہے اور اس کے بہت کچھ اختیارات ہوتے ہیں، اس کے لئے قاضی سابق کا بیٹا ہونا کافی نہیں، بلکہ نیابت و تقلید ضرور ہے۔ جس طرح جج کا بیٹا جج نہیں ہے جب تک اسے بادشاہ جج نہ بنائے یونہی قاضی کا بیٹا خود بخود قاضی نہیں ہے۔ اور جاہل کو قاضی نہ بنانا چاہئے۔ معلوم نہیں کہ اپنی بے علمی کی وجہ سے کیا کچھ کر گذرے خصوصاً جب عالم موجود ہو۔ حدیث میں ہے من قلد انسانا عملا وفی رعیته من هو اولی منه فقد خان الله ورسوله وجماعة المسلمین۔ اور امامت بھی ایک عہدہ ہے جس شخص کو اہل مسجد یا متولی مسجد نے اس کے لئے منتخب کیا۔ اور امام بنایا وہ امام ہوگا یہ کوئی پدری ترکہ نہیں ہے کہ باپ مر گیا تو بیٹا وارث ہو گیا اور ایسے کو امام بنانا ہرگز جائز نہیں جو نماز کی صحت و فساد کو بھی نہ جانتا ہو اور قرآن مجید بھی صحیح نہ پڑھتا ہو اور اس نے غلط قرآن مجید پڑھا تو نماز ہوگی ہی نہیں جبکہ فساد معنی لازم آئے۔ اور جب امام کی نہ ہوئی تو مقتدیوں کی بھی نہ ہوگی، درمختار میں شرائط امامت میں فرمایا وصحة صلاة امامه یعنی امام کی نماز صحیح ہو اسی وقت مقتدی کی بھی نماز صحیح ہو سکتی ہے ورنہ نہیں، ردالمحتار میں شرائط امامت میں شمار کیا کہ والقراءة والسلامة من الاعذار کالرعاف والفافاة والتمتمة واللثغ وفقد شرط کطهارة وستر عورة۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر امام صحیح نہیں پڑھتا ہے تو صحیح خواں کے موجود ہوتے ہوئے وہ امام ہو ہی نہیں سکتا۔ درمختار میں ہے والاحق بالامامة تقدیما بل نصبا الاعلم باحکام صحة وفسادا۔ لہٰذا بے علم کو امام بنانا نہیں چاہئے۔

پس سوال میں جس امام کا ذکر ہے اسکو معزول کر کے کسی لائق امامت کو امام بنانا ضروری ہے اور اگر با اختیار لوگ ایسا نہ کریں تو گنہگار ہوں گے اور لوگوں کی نماز خراب ہونے کا وبال ان کے ذمہ بھی ہوگا۔ اور اس صورت میں عالم دین کو چاہئے کہ اپنی جماعت علیحدہ قائم کرے اور جمعہ و عیدین کی نماز مطابق شرع ادا کرے، اور یہ کہنا کہ مسجد میں عید کی نماز ناجائز ہے غلط ہے خصوصاً جبکہ ان وجوہ سے ہو تو اصلاً حرج نہیں بلکہ یہی کرنا چاہئے　　واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۸۹) از کلکتہ مچھوا بازار اسٹریٹ نمبر ۵ باڑی عبدالواحد سردار مرسلہ جناب حافظ بشیر الدین صاحب ۲۵ شعبان ۵۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کنجڑہ کے سات متولی ہیں۔ ان میں سے ایک متولی عبدالحمید کے مقدمہ

Marfat.com

کی بابت ایک مدعی مولوی راحت حسین بہاری نے مجھ خاکسار پر جرم عائد کیا کہ امام مسجد کنجڑہ کو میٹنگ میں نے یہ کہتے سنا کہ ہم قرآن حدیث کے فیصلوں کو نہیں مانتے، اور طرفہ برآں کہ مولوی راحت حسین نے حلف بھی اٹھایا، حالانکہ اس میٹنگ میں حضرات علمائے کرام و متولیان ذوالاحترام و معززین محلہ و مصلیان مسجد بھی موجود تھے، ان حضرات نے کہا، اور اب بھی بیان دینے کے لئے تیار ہیں کہ امام نے ہرگز ہرگز ایسا لفظ نہیں کہا، اور خاکسار بھی حلف اٹھانے کے لئے تیار ہے، بلکہ خاکسار کی عقیدت تو یہ ہے کہ مسلمان ہونے کی حالت میں ایک شرابی یا جواڑی وغیرہ بھی اپنی زبان سے ایسے الفاظ نہیں نکال سکتے چہ جائیکہ یہ خاکسار۔ مگر مولوی راحت حسین اور عبدالحمید کے جگری دوست بضد تھے کہ کسی نے سُنا یا نہ سُنا ہم نے تو سُنا، لاؤ قرآن کے تیسوں پارے میں اٹھاؤں، بعدہٗ عبدالحمید دو گواہ اور تیار کرکے لائے، جنمیں کا ایک خاکسار کا قدیمی دشمن تھا۔ ان دونوں نے بھی میرے متعلق مولوی راحت حسین جیسے کلمات کہتے ہوئے حلف اٹھائے۔ حضرت مولٰنا محمد مشتاق احمد صاحب کانپوری نے مجھ خاکسار کو ان تینوں شخصوں کے حلف اٹھانے پر امامت سے معزول کر دیا۔ اور مدعی اور گواہوں سے کسی قسم کی جرح تک نہ کی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا شریعت میں دو گواہوں کی گواہی اور ایک مدعی جو پہلے اس مسئلہ میں حَکَم بنا تھا۔ آج مدعی بنکر حلف اٹھا رہا ہے۔ خواہ اپنے پاس دیانت نہ رکھتے ہوں اور مدعیٰ علیہ کے دشمن ہوں۔ ہر حال میں معتبر ہیں یا نہیں۔ بالفرض مدعی اور گواہوں کا قول کسی وجہ سے معتبر بھی ہو جائے، تو کیا میں ہر حال میں مسجد مذکور اور دنیا کی کسی مسجد کا امام نہیں بن سکتا۔ اور گواہوں اور مدعی کے حلف اٹھا لینے سے کسی مسجد کی امامت کر سکتا ہوں نہ مسلمان ہو سکتا ہوں؟

**الجواب** ۔ مدعی یا گواہوں سے حلف لینا ان سے قسمیں کھلانا شرع سے ثابت نہیں حلف منکر پر ہوا کرتا ہے نہ کہ مثبت پر حدیث مشہور البیّنۃ علی المدّعی والیمین علیٰ من انکر۔ اس پر شاہد عدل ہے بلکہ یمین میں جس چیز کی نفی کرتا ہے اس کے ضد کے اثبات کو ذکر کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ ہدایہ میں ہے والاصح الاقتصار علی النفی لان الایمان علی ذالک فقد دل علیہ حدیث القسامۃ باللہ ما قتلتم ولا علمتم لہ قاتلا۔ بیشک کسی دعویٰ کے اثبات کے لئے گواہوں کی ضرورت ہے ورنہ ہر شخص جو چاہے دعویٰ کر بیٹھے اور یہ بھی ضروری ہے کہ گواہ قابل اعتماد ہوں ورنہ جھوٹے گواہ ہر معاملہ میں پیش کئے جا سکتے ہیں اور ان سے حقوق الناس کا اتلاف ہو سکتا ہے، لہٰذا گواہوں کا معتبر ہونا ضروری۔ اور اس کا لحاظ بھی کیا جائیگا، کہ گواہوں اور مدعی یا مدعیٰ علیہ میں کیسے تعلقات ہیں، اسی وجہ سے باپ کی بیٹے کے حق میں، یا بالعکس شہادت نامقبول ہے۔ صورت مستفسرہ میں گواہ اور مدعیٰ علیہ کے درمیان چونکہ ایک زمانہ دراز سے عداوت چلی آئی ہے، ایسی حالت میں مدعیٰ علیہ

Marfat.com

کے خلاف اُس کی گواہی نامقبول ہے جبکہ عداوت دنیوی ہو۔ حدیث میں ارشاد ہوا لا تجوز شہادۃ خائن ولا خائنۃ ولا مجلود حدا ولا ذی غمر علی اخیہ[1]۔

بالجملہ اگر بینہ عادلہ سے امام مذکور سے ایسے کلمات ثابت ہوں تو اس پر عدم جواز امامت کا حکم کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ اور جبکہ امام ان کلمات سے برارت ظاہر کرتا ہے اور ان کلمات کو کفری بتاتے ہوئے تبرّی کرتا ہے تو اسکی امامت میں کوئی حرج نہیں وہ اس مسجد کا بھی امام ہو سکتا ہے اور دیگر مساجد کا بھی ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۹۰) (۱) زانی کی امامت کیسی ہے۔ (۲) منجم کی امامت کیسی ہے۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۱و۲۔ ان کی امامت مکروہ تحریمی ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۹۱) عشار کی نماز پڑھنے سے قبل سو جائے تو کیا ثواب کم ہو جاتا ہے، عشار کی نماز پڑھنے سے قبل امام سو جائے تو امام عشار کی نماز پڑھائے گا یا وہ مقتدی جو سویا نہ ہو۔ بینوا توجروا ———

**الجواب**۔ قبل نماز عشار قصداً سونا منع ہے مگر جو امام ہے وہ سو گیا تو امامت کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۹۲) مسلمان کو بھنگ یا دیگر نشہ والی چیز کی تجارت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں یا جو مسلمان علم دین جانتا ہے اور اپنے آپ کو مولوی کہلاتا ہے وہ بھنگ کی تجارت کرے اسکو مولوی کہنا درست ہے یا اسکے پیچھے نماز پڑھنا یا دیگر اس کی بات تسلیم کرنا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا ———

**الجواب**۔ بھنگ کی تجارت بایں معنی کہ دوا کے لئے بیچتا ہے یہ جائز ہے اور پینے والوں کے ہاتھ بیچنا ناجائز و حرام ہے۔ شق ثانی میں اس کو امام نہ بنایا جائے اور مولوی بھی نہ کہا جائے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۹۳) از قصبہ بھوجپور ڈاکخانہ تلسانہ ضلع مراد آباد محلہ رنگریزانی مرسلہ اللہ بخش صاحب مؤمن زادہ۔

ایک شخص حافظ قرآن ہے اس نے اپنی زوجہ کو کسی رنج کی وجہ سے طلاق دے دی وہ عورت حاملہ بھی تھی۔ شوہر نے یہ کہا کہ میرا حمل نہیں ہے، لہٰذا وہ عورت اپنے باپ کے یہاں چلی گئی، اسی اثنا میں دو تین سال تک رہی لوگوں نے حافظ مذکور سے چند بار بطور پنچائت کے کہا، اپنی عورت کو کیوں نہیں بلاتے ہو، اس نے جواب دیا کہ میرے کام کی نہیں ہے، میں نے اسکو طلاق دیدی ہے، میں نہیں لاؤں گا۔ اس کا جو مزاج چاہے کرے۔ اب بعد گذرنے دو برس کے وہ اپنی اسی بیوی کو اپنے مکان پر لے آیا مع ایک لڑکے کے۔ اب وہ بغیر نکاح کے اپنے گھر رکھتا ہے۔ از روئے شرع ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

[1] ترمذی ص۲۳۵ ج۲ ہادی النیر ۱۲ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

**الجواب** - اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے اور اس کو امام بنانا گناہ، ایسا شخص فاسق ہے۔ وہو اعلم

**مسئلہ** (۱۹۴) مرسلہ مسلمانان فتحپور ہنسوہ۔

فتح پور کے فرقہ وہابیہ میں سے چند لوگوں نے شہر میں یہ خبر شائع کر رکھی ہے کہ اعلیحضرت عظیم البرکت مولانا مولوی حاجی قاری احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے فتاویٰ رضویہ شریف میں لکھا ہے کہ جولاہوں اور منہاروں کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے، ان لوگوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہیے، لہٰذا ہم مسلمانان فتحپور کی عرض ہے کہ اس قسم کا مضمون اعلیحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کسی کتاب میں تحریر فرمایا ہے یا نہیں۔ امید کہ جواب باصواب سے ہم مسلمانوں کی تسلّی و تشفّی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

**الجواب** - امامت نماز کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں کہ اسی قوم کا آدمی نماز پڑھائے بلکہ اس کے لئے علم و تقویٰ اور کچھ دیگر شرائط ہیں کہ وہ جس میں پائی جائیں، وہ امامت کر سکتا ہے، اگرچہ وہ کسی قوم کا ہو۔ اور وہ شرائط نہ پائے جائیں تو امام نہ بنایا جائے خواہ وہ کوئی ہو۔ صحیح مسلم شریف ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "یؤم القوم اقرأھم کتاب اللہ فان کانوا فی القرأۃ سواء فاعلمھم بالسنۃ فان کانوا فی السنۃ سواء فاقدمھم ھجرۃ فان کانوا فی الھجرۃ سواء فاقدمھم سنا یعنی حاضرین میں مستحق امامت وہ ہے جس کو کتاب اللہ کا زیادہ علم ہو۔ اور اگر اس میں برابر ہوں تو وہ جو سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زیادہ علم رکھتا ہو، اور اس میں برابر ہوں تو وہ جس نے ہجرت پہلے کی ہو، اور اسمیں بھی برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو۔ دوسری روایت مسلم کی ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا احقھم بالامامۃ اقرأھم زیادہ حقدار وہ ہے جو زیادہ پڑھا ہوا ہے۔ ابو داؤد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لیؤذن لکم خیارکم ولیؤمکم اقرأکم اچھے لوگ اذان کہیں اور کتاب اللہ کے عالم امامت کریں۔ صحیح بخاری شریف میں عمرو بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فاذا حضرت الصلوٰۃ فلیؤذن احدکم ولیؤمکم اکثرکم قرأنا۔ جب نماز کا وقت آجائے تو کوئی اذان کہدے اور جس کے پاس قرآن کا علم زیادہ ہو وہ امامت کرے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، کہتے ہیں لما قدم المھاجرون الاولون المدینۃ کان یؤمھم سالم مولیٰ ابی حذیفۃ وفیھم عمر وابو سلمۃ بن عبد الاسد یعنی جب مہاجرین اولین مدینہ میں تشریف لائے تو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کے غلام آزاد کردہ سالم ان کی امامت کرتے تھے اور حضرت عمرؓ اور ابو سلمہ جیسے بزرگ بھی انہیں موجود تھے۔

ان چند احادیث سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ امامت کسی قوم کا خاص حق نہیں ہے نہ اس سے کوئی قوم محروم رکھی جاسکتی ہے بلکہ عہد نبوت میں یہ عہدہ غلاموں کو بھی دیا گیا ہے۔ اب ہم بعض کتب فقہ حنفی کی طرف توجہ کرتے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہوسکے کہ ہمارے امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس باب میں کیا ارشاد ہے، فقہ کی نہایت معتبر و مستند کتاب ہدایہ میں ہے ۔ اولی الناس بالامامۃ اعلمھم بالسنۃ فان تساووا فاقرأھم لقولہ علیہ السلام یؤم القوم اقرأھم لکتاب اللہ فان کانوا سواء فاعلمھم بالسنۃ واقرأھم کان اعلمھم لانھم کانوا یتلقونہ باحکامہ فقدم فی الحدیث ولا کذلک فی زماننا فقدمنا الاعلم فان تساووا فاورعھم لقولہ علیہ السلام من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی فان تساووا فاسنھم لقولہ علیہ السلام لابن ابی ملیکہ ولیؤمکما اکبرکما سنا ولان فی تقدیمہ تکثیر الجماعۃ سب سے زیادہ امامت کے لئے بہتر وہ شخص ہے جس کو سنت کا علم زیادہ ہو اور اگر اس میں کئی آدمی برابر ہوں تو جسے قرآن زیادہ یاد ہو اور حدیث میں اقرار کو اس لئے مقدم فرمایا کہ اس زمانۂ پاک میں قرآن کو احکام کے ساتھ سیکھنے کا طریقہ تھا، لہٰذا جس کو قرآن زیادہ یاد تھا وہی اعلم بھی ہوتا تھا اور ہمارے زمانہ میں ایسا نہیں ہے، لہٰذا ہم نے اعلم کو مقدم کیا اور اگر علم میں چند اشخاص برابر ہوں تو وہ امامت کا سزاوار ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے پھر وہ جس کی عمر زیادہ ہو۔ درمختار میں ہے والاحق بالامامۃ تقدیما بل نصبا مجمع الانھر الاعلم باحکام الصلوٰۃ فقط صحۃ وفسادا بشرط اجتنابہ للفواحش الظاھرۃ وحفظہ قدر فرض وقیل واجب وقیل سنۃ ثم الاحسن تلاوۃ وتجویدا للقراءۃ ثم الاورع ای الاکثر اتقاء للشبھات والتقوی اتقاء المحرمات ثم الاسن ای الاقدم اسلاما فیقدم شاب علی شیخ اسلم* ثم الاحسن خلقا ثم الاحسن وجھا ای اکثرھم تھجدا زاد فی الزاد ثم اصبحھم ای اسمحھم وجھا ثم اکثرھم حسنا ثم الاشرف نسبا

* [illegible]

خلاصہ یہ ہے کہ حقدار امامت وہ ہے جو نماز کے احکام کو زیادہ جانتا ہو کہ کس صورت سے صحیح ہوتی ہے اور کب فاسد ہوجاتی ہے بشرطیکہ فواحش ظاہرہ سے اجتناب رکھتا ہو اور بقدر فرض بلکہ واجب بلکہ سنت قرآن یاد ہو اسی کو صاحب فتح نے اختیار کیا ہے اور یہی اظہر ہے کذا فی الشامی) پھر وہ کہ قرآن کی تلاوت اچھی طرح موافق قواعد تجوید کرتا ہو پھر زیادہ ورع والا یعنی حرام تو حرام شبہات سے بھی بچتا ہو پھر وہ جس کی عمر اسلام میں زیادہ گذری ہو پھر وہ جس کے

Marfat.com

اخلاق زیادہ پاکیزہ ہوں پھر وہ جو تہجد زیادہ پڑھتا ہو پھر وہ جو زیادہ خوبصورت ہو پھر وہ جو باعتبار حسب زیادہ ہو پھر وہ جو باعتبار نسب زیادہ شریف ہو۔ یہ مسئلہ عموماً تمام کتب فقہ متون وشروح وفتاویٰ میں مصرح ہے کہ احق بالامامۃ اعلم پھر اقرأ پھر اورع ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ علم وورع کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں جو اس فضیلت کو حاصل کرے اُس کے لئے یہ امتیاز وخصوصیت ہوگی کما قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ وکما قال اللہ تعالیٰ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا وقال تعالیٰ ھَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ۔ جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرم وہ ہیں جو پرہیزگار ومتقی ہو اور عالم کے برابر غیر عالم نہیں تو جو شخص اس فضیلت کا حامل ہے بلاشبہ اُسی کو تقدم حاصل ہے، اس لئے فقہاء کرام نے جن لوگوں کی امامت کو مکروہ بتایا اُس کی علت فقدان علم وتقویٰ کو قرار دیا۔ ہدایہ میں ہے ویکرہ تقدم العبد لانہ لایتفرغ للتعلم والاعرابی لان الغالب فیھم الجھل والفاسق لانہ لا یھتم لامر دینہ والاعمیٰ لانہ یتوقی النجاسۃ وولد الزنا لانہ لیس لہ اب یثقفہ فیغلب علیہ الجھل اسی کے مثل الانہر وغیرہ دیگر کتب میں بھی مذکور ہے۔

پس معلوم ہوا کہ مدار کار علم وتقویٰ ہے نہ کہ اس قسم کی باتیں جن کا ثبوت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ فقہاء کے اقوال میں۔ جب قرآن وحدیث وفقہاء کے ارشادات سے ثابت ہوگیا کہ امامت نماز کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں نہ یہ کہ فلاں شخص چونکہ فلاں قوم کا لھذا اُس کے پیچھے نماز ناجائز ومکروہ کہ یہ کہنا قرآن وحدیث وفقہ سب کے خلاف ہے۔ جو شخص اعلیحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی طرف ایسی نسبت کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ انھوں نے ایسا فرمایا، نہایت درجہ کا کذاب دروغ باف مفتری بیباک ہے، نہ اعلیحضرت نے یہ بیہودہ بات کہی نہ وہ کہہ سکتے تھے، وہ قرآن وحدیث کے عامل اور ان کے تمام مسائل کا مدار فقہ حنفی پر تھا معاذ اللہ وہ ایسی بات کیونکر فرما سکتے ہیں اگر کہنے والا ذرہ برابر دین ودیانت رکھتا ہے تو اس کو چاہئے کہ فتاویٰ رضویہ میں کہیں بھی لکھا دکھا دے کہ انھوں نے جولاہوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو منع کیا ہے، بلکہ فتاویٰ رضویہ جلد اول میں تو وہ صاف لفظوں میں تصریح فرماتے ہیں کہ فتویٰ ہمیشہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول پر دیا جائیگا اور اس کو روشن دلائل سے ثابت کیا ہے جس کا یہ قول موجود ہو اس کی طرف ایسی بدبات کی نسبت کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔

جہانتک میرا خیال ہے، یہ بہتان وہابیہ خذلھم اللہ تعالیٰ نے اٹھایا ہے کیونکہ ان دشمنان خدا ورسول کی خباثت وشقاوت کا چونکہ اعلیحضرت نے پورے طور پر رد فرمایا اور ان کی عبارات سے مسلمانوں پر ظاہر کر دیا کہ یہ فرقہ اللہ ورسول کی جناب میں نہایت بیباک وگستاخ ہے اور مسلمانوں پر ان کی شقاوت قلبی کا اظہار ہوگیا اور تمام مسلمان ان سے نفرت وبیزاری کرنے لگے تو ان سے

Marfat.com

یہ تو ہوا نہیں کہ اپنی گستاخیوں سے توبہ کرتے ناصح کا شکر ادا کرتے افترار وبہتان پر اُتر آئے اور ایسی بیہودہ باتیں تراشنے لگے تاکہ لوگ اعلیحضرت سے متنفر ہوکر ان کی بات نہ سنیں اور ان لوگوں کی وہابیت پر پردہ پڑ جائے مگر یاد رکھیں کہ مسلمان اتنے غافل نہیں کہ وہابیہ کے ان کوتکوں سے وہ ایک عالم ربّانی اللہ ورسول سے محبت رکھنے والے سے بیزار ہوجائیں کیونکہ بحمدہ تعالیٰ مسلمان جانتے ہیں کہ اہل حق کا کام افترار کرنا نہیں بلکہ اس قسم کا افترار کرنا بے ایمان لوگوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۔ جھوٹا افترار وہی کرتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے" مسلمان ایسے لوگوں کی بیہودہ اور لغو باتوں کی طرف توجہ نہ کریں اور اسلام کے صحیح راستہ پر چلیں اور ایسے گمراہوں سے بچیں ایسوں ہی کے لئے حدیث میں فرمایا اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ تم اپنے کو اُن سے دور رکھو اور اُن کو اپنے سے دور کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھیں گمراہ کردیں اور فتنہ میں ڈالدیں" اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ ھٰؤُلَاءِ الضَّالِّیْنَ الٰہی تو ہمیں ان گمراہوں سے بچا ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۹۵) مرسلہ ظہور بخش صاحب ممبر مسجد بیجنا تھ پارہ رائے پور سی پی ۲۲ جمادی الثانی ۵۵ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ مسجد بیجنا تھ پارہ رائے پور سی پی میں مقررہ پیش امام باتنخواہ حافظ سید رحمت علی صاحب تھے ۳۶ھ میں ایک فارم انڈین نیشنل پالیسی کمپنی کلکتہ سے نکلا، اس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک فارم ایک روپیہ چودہ آنہ میں خریدا جاتا تھا جس میں ڈاک خرچ وغیرہ شامل ہے ایک فارم خریدنے والے کو چار فارم کمپنی سے آتے تھے ایک فارم کے پیچھے اس شخص کو جس کا نام فارم میں پہلے نمبر پر ہوتا تھا ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کیا جاتا تھا، اسی طرح دور مسلسل جاری رہنے سے ایک فارم خریدنے والے کو ایک ہزار چوبیس روپیہ ملتا تھا۔

معترض کہتا ہے کہ یہ جوا اور سود ہے جو کہ شریعت میں حرام ہے مگر خریدار مذکور یہ کہتا ہے کہ یہ فارم کی تجارت ہے اور ایک روپیہ چودہ آنہ کا ایک ہزار چوبیس روپیہ ملنا محنت شاقہ کا نتیجہ ہے، لہٰذا شریعت مطہرہ میں اس مسئلہ کیلئے کیا حکم ہے اور یہ فعل از قسم جوا اور سود ہے یا نہیں اور اس کے فاعل کی کیا سزا ہونی چاہیے۔

(۲) حافظ صاحب موصوف ملازم مسجد ہونے کے قبل ہی سے لاٹری کا بھی کام کرتے تھے وہ اس طرح کہ لاٹری کے ٹکٹ فروخت کیا کرتے تھے اور فی ٹکٹ کمیشن فروختگی ملتا تھا، اس کمیشن کی قیمت سے لاٹری کمپنی کے قاعدے کے موافق (یعنی ایک کاپی میں چند ٹکٹ ہوتے ہیں، اتنے ٹکٹ اگر فروخت کریگا تو ایک ٹکٹ فروخت کرنے والے کا ہوتا ہے، اب اس ٹکٹ

Marfat.com

کو وہ یا تو اپنے نام پر کٹائے یا فروخت کرکے اسکی قیمت رکھ لے) خرید لیتے تھے اس کے بعد ایک تاریخ معینہ تک وہ تمام کاپیاں کمپنی کو چلی جایا کرتی ہیں اور تاریخ مقررہ پر کمپنی لاٹری کھولتی ہے جسمیں کسی کو پہلا انعام اور کسی کو دوسرا انعام ملتا ہے جس کے نام سے لاٹری کھلتی ہے اور ہزاروں اور کروڑوں خریداروں کو نام نہ نکلنے پر کچھ بھی نہیں ملتا۔ مندرجہ بالا صورت کو علمائے کرام جوا بتلاتے ہیں مگر حافظ صاحب موصوف اس کو امداد باہمی فرماتے ہیں، لہٰذا مندرجہ بالا صورت جوا کی ہے یا امداد باہمی کی اور فاعل کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔

(۳) امام صاحب یعنی حافظ صاحب موصوف نے سوال نمبر ایک میں اتنی شرکت کی کہ اوقات نماز جماعت وغیرہا کے بھی پابند نہ رہے اور جب جماعت شاکی ہوئی تو حافظ صاحب نے جمعہ میں اعلان کیا کہ میرے اوپر ایک جنون سوار ہے جس سے میں برابر نماز میں شریک نہیں ہوتا اور جماعت کو بھی تکلیف ہوتی ہے اس لئے میں مستعفی ہوتا ہوں تاکہ جماعت کی شکایت دور ہو، مسجد کمیٹی دوسرا انتظام کرے، لہٰذا کمیٹی نے اُن کو علحدہ کرکے ایک سُنّی مولوی صاحب کو مقرر کیا اور بعد چند ماہ ان کو مستقل کر دیا کہ جب تک کوئی حافظ نہ مل جائے یا تعمیر مسجد مکمل نہ ہو جائے اس وقت تک مولوی صاحب مستقل طور پر امامت کریں گے۔ اب اگر مولوی صاحب کو بلاعذر شرعی کمیٹی یا جماعت علحدہ کرکے امام سابق کو مقرر کرے تو وہ شرعاً جائز ہوگا یا نہیں اور شریعت کس کی امامت کو ترجیح دیتی ہے۔

(۴) فارم کی کثرت ہونے کے سبب امام سابق کے فارم بکنے میں کمی ہوئی اور خریداروں نے ایک ایک ہزار چوبیس روپیہ طلب کرنا شروع کیا تو حافظ نے اس کام کو چھوڑ کر پھر امامت کی طرف رجوع کیا اور مسجد کمیٹی کو درخواست دی کہ میں اپنے افعال سے تائب ہوتا ہوں کہ مجھے امامت کی جگہ دی جائے مگر مسجد کمیٹی نے انکی درخواست مسترد کر دی کہ ہم کو آپ کی امامت کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ نے بہت خراب کام کیا ہے اور بہت سے لوگوں کا روپیہ یہ کہکر لیا ہے کہ تم کو اس فارم کے خریدنے سے ایک ہزار چوبیس روپیہ ملے گا، جسمیں ہندو مسلمان بیوہ وغیرہ سبھی شامل ہیں، نہ تو آپ نے اُن کا روپیہ واپس کیا نہ روپیہ دلوایا۔ لہٰذا درخواست نامنظور کی جاتی ہے، کمیٹی کی یہ کارروائی مطابق شریعت ہے یا نہیں۔

(۵) بعد نامنظوری درخواست امام صاحب نے بصورت اپیل جمعہ میں ایک مختصر سی تقریر کی اور آیت قرآنیہ پڑھ کر ترجمہ کیا کہ اللہ عزوجل اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ "بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے توبہ کر لینے پر معاف ہو جاتا ہے اور اس بندہ پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے" لہٰذا میں اپنی جماعت کے سامنے توبہ کرتا ہوں، جماعت گواہ رہے کہ میں علی الاعلان آپ حضرات کے سامنے

Marfat.com

اللہ پاک اور اسکے حبیب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار پاک میں توبہ کرتا ہوں اور استغفار کرتا ہوں اور جماعت سے بھی معافی چاہتا ہوں، امید ہے کہ جماعت میری اس توبہ اور معافی کو قبول فرما کر مجھے امامت کی جگہ عنایت فرمائیگی، میں آئندہ ایسا فعل نہ کروں گا جس پر جماعت نے متاثر ہو کر اکثریت کے ساتھ یہ فیصلہ کی کہ حافظ صاحب کو امامت کے لئے رکھ لیا جائے مگر دو چار آدمیوں کو جو باجماعت نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں، اختلاف تھا اور ہے، لہٰذا معترضین کو کس طرح خاموش کیا جائے اور جماعت کی یہ کارروائی جائز ہے یا نہیں، حافظ صاحب کا صرف توبہ کرنا اور معافی مانگنا کافی ہے یا شریعت کوئی سزا بھی دے گی۔

(۶) حافظ صاحب کی تقرری درخواست کو جماعت کی اکثریت نے منظور فرما کر کمیٹی کے پاس اپنی تجویز پیش کی جس پر مسجد کے سکریٹری نے کمیٹی کو طلب کیا اور حافظ صاحب کے تقرری کا معاملہ پیش کیا۔ درمیان بحث جناب ظہور بخش صاحب نے فرمایا کہ یہ عبادت کا معاملہ ہے، لہٰذا بہتر ہوگا کہ باہر کے کسی سُنّی عالم سے فتویٰ طلب کر لیا جائے اور جو حکم شریعت کا ہو اس پر کمیٹی اور جماعت عمل کرے کیونکہ حافظ صاحب نے دو گناہ عند اللہ و عند الناس کیا ہے، ایک کے لئے توبہ ہے دوسرے کیلئے جبتک خریداروں کو روپیہ واپس نہ کر دیا جائے میرے نزدیک اُن کی اقتدا افضل نہیں ہے، لہٰذا میں اُن کی اقتدا نہ کروں گا، مگر ان کے علاوہ تمام ممبران نے متفق ہو کر شریعت کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے حافظ صاحب کا تقرر کر لیا، لہٰذا دریافت طلب امر ہے کہ کمیٹی اور جماعت نے جائز کارروائی کی یا ممبر ظہور بخش صاحب کا کہنا درست ہے۔

امید کہ حضور براہ کرم نفاق بین المسلمین کا خیال فرماتے ہوئے مندرجہ بالا سوالات کے جوابات مع حوالجات کتب جلد از جلد مرحمت فرمائیں تاکہ جمعہ کو ممبری سے استعفا مع جوابات سُنا دیا جائے کیونکہ حافظ صاحب کا تقرر کمیٹی کے فیصلہ کیمطابق یکم ستمبر ۳۶ء سے ہوگا اور وہ نماز باجماعت پڑھائیں گے۔ بینوا توجروا

**الجواب** (۱) ۔ ظاہر ہے کہ فارم کی خریداری سے اس کاغذ کی خریداری مقصود نہیں کہ اس کاغذ کی بیع نہیں کی جاتی، بلکہ یہ فارم یادداشت کا پرچہ ہے، اور ایک روپیہ چودہ آنے میں جو چیز خریدی جاتی ہے وہ ایک ہزار چوبیس روپے ہیں کیونکہ اگر خریدار کو معلوم ہو جائے کہ ان داموں کے مقابل میں محض یہ کاغذ کا پرچہ ہے، تو ہرگز خریدنے کا قصد نہ کریگا جس طرح دستاویز کی خریداری میں مقصود اس دین کی خریداری ہے جو اس دستاویز میں درج ہے، نہ کہ اس کاغذ کی۔ اسی طرح عرف میں ٹکٹ خریدنا بولتے ہیں، حالانکہ وہ بیع نہیں، بلکہ ریلوے کا پیشگی کرایہ ادا کرنیکی رسید ہے، اس وجہ سے جتنا کرایہ ہوتا ہے

Marfat.com

اتنا ہی ٹکٹ کی قیمت میں دینا ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے سفر نہ کرنے کی صورت میں رقم واپس ملتی ہے۔ اور سفر ختم ہونے پر ٹکٹ واپس دینا ہوتا ہے۔ پس صورت مستفسرہ میں اگر اس عقد کو بیع شمار کریں تو یقیناً سود ہے کہ اولاً جو کچھ دیا جاتا ہے مبیع اس سے بہت زائد ہے، اور روپے کی روپے سے بیع میں مساوات شرط ہے۔ حدیث صحیح مشہور ہے الفضة بالفضة مثلاً بمثلٍ یداً بیدٍ والفضل ربا۔ یعنی چاندی کی چاندی سے بیع ہو تو برابر برابر ہوں، اور دست بدست ہوں، اور زیادتی سود ہے۔

دوسری وجہ سود کی یہاں یہ بھی ہے کہ یہاں تقابض بدلین مجلس عقد میں ضروری ہے جیسا کہ حدیث مذکور کا لفظ یداً بیدٍ اس امر کو ظاہر کر رہا ہے، اور جس مجلس میں روپیہ دیا جائے اسی مجلس میں اس کے عوض کا روپیہ نہ لیا جائے، تو اگرچہ دونوں جانب سے مساوات ہے، یہ بھی سود ہے جبکہ چاندی کی چاندی سے بیع ہو، جیسا کہ دوسری حدیث میں اس مسئلہ کو واضح فرمایا ہے الربا فی النسیئة۔ اور اگر اس کو بیع قرار نہ دیں تو یہ جوا ہے، اور یہ بھی حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) لاٹری ایک قسم کا جوا ہے اس کے ٹکٹ بیچنا بھی حرام کہ ٹکٹ بیچنے کا مطلب جوئے کے شر کا فراہم کرنا ہے، جس کا صاف مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو جوے کی ترغیب دی جائے اور اس حرام کام پر آمادہ کیا جائے، اور یہ بحکم قرآن حرام۔ قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ______ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۳) جب امام موصوف بالاعلان یہ کرتا تھا تو کمیٹی پر لازم تھا کہ ایسے امام کو فوراً امامت سے معزول کر دیتی، یہ انتظار ہرگز جائز نہ تھا کہ وہ استعفا پیش کرے تو معزول کیا جائے کہ ایسے کو امام بنانا ناجائز و گناہ اور اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ۔ رد المحتار میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً۔ اس امام کو معزول کر کے کمیٹی نے سُنّی عالم کو امام مقرر کیا بہت خوب کیا اور اس جدید امام کو بلا وجہ شرعی امامت سے معزول کرنا درست نہیں۔ اوّلاً تو پہلا امام جب بوجہ شرعی معزول کیا گیا تو اس کا استحقاق ہی نہ رہا۔ دوم عالم کو امامت میں حافظ پر ترجیح ہے۔ تمام کتب فقہ میں تصریح ہے کہ عالم احق بالامامت ہے۔ سوم مقرر کر دینے کے بعد اسے کس جرم میں علٰحدہ کیا گیا۔ رد المحتار میں بحر الرائق سے ہے۔ واستفید من صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمھا لصاحب وظیفة فی وقف بغیر جنحة وعدم اھلیة۔ کمیٹی نے ایسا کیا تو یہ کمیٹی کا صریح ظلم ہے، اس دوسرے امام کو ہی برقرار رکھنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۴) کمیٹی کا یہ جواب اور یہ کارروائی بالکل درست ہے۔ کہ اولاً وہ جگہ خالی ہی نہیں جسکی امام سابق نے درخواست

Marfat.com

کی کیونکہ بلا وجہ شرعی امام مقررہ کو علٰحدہ کرنا جائز نہیں. کمیٹی نے جو وجہ بیان کی وہ صحیح و معقول ہے کہ امام کے ذمہ لوگوں کے مطالبات باقی ہیں، بغیر دیئے یا معاف کرائے ان سے کیونکر سبکدوشی ہوسکتی ہے، اور توبہ کی صحت کے لئے گناہ سے باز آنا اور صاحب حق کا حق ادا کرنا یا معاف کرانا ضروری ہے ــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۵) بیشک توبہ سے ہر گناہ معاف ہوجاتا ہے حدیث میں ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ مگر حقوق العباد تلف کرنے کی صورت میں صرف زبانی توبہ کافی نہیں، بلکہ جن کے حقوق ان کے ذمہ ہیں ادا کریں یا معاف کرائیں، جماعت کا معاف کردینا کوئی چیز نہیں، بلکہ جن کے روپے لئے ہیں وہ معاف کریں، مگر اس معافی کے بعد ان کو اس وقت جگہ ملیگی جب امامت کی جگہ خالی ہو نہ کہ بلا وجہ ایک امام کو معزول کرکے امام بنایا جائے ــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۶) کمیٹی اور جماعت کی یہ کارروائی غلط ہے، ظہور بخش نے جو کچھ کہا صحیح ہے کہ امام سابق نے دو گناہ کئے ہیں جن لوگوں نے ان کو روپے دیئے ہیں، وہ امام سابق سے مطالبہ کرسکتے ہیں، اپنے روپئے واپس لینے کا حق رکھتے ہیں کہ عقد کا تعلق عاقد سے ہوتا ہے ــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۹۶) مرسلہ جناب ابوالبرکات صاحب کانپور محلہ گوالٹولی بر دکان شیخ کلو تمباکو فروش ۲۲ اکتوبر ۳۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید امامت کرتا ہے اور اپنی استعداد کے مطابق اپنے علم میں بالکل درست تلاوت کرتا ہے، اکثر حفاظ بھی سنتا ہے اور اقتدا بھی کی ہے، اکثر و بیشتر اقتدا کرنے آتے ہیں، مگر کوئی شخص معترض نہیں ہوا کہ تم تلاوت غلط کرتے ہو. بکر کا قول ہے کہ تم مخارج ادا نہیں کرتے ہو، اس لئے کسی کی بھی نماز نہیں ہوتی ہے، کیونکہ کلام پاک سورۂ مزمل میں آیا ہے آیت وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا جس کے معنی بھی یہ بتاتے ہیں کہ ترتیل واجب ہے، ترتیل کے لغوی و اصطلاحی کیا معنیٰ ہوتے ہیں، مفصل طریقہ پر تحریر فرمائیں، اور ایسے امام کی اقتدا میں نماز ہوتی ہے یا نہیں، اکثر لوگ وہ حفاظ جلد تلاوت کرتے ہیں، خصوصاً تراویح کی حالت میں. ایسے حفاظ کی اقتدا میں نماز تراویح ہوگی یا نہیں، اسکو شرح طور پر تحریر کریں. شرط امامت کیا ہے۔؟

**الجواب** ۔ قرآن مجید کلام الٰہی ہے جو عربی زبان میں نازل ہوا۔ قال صدر الشریعۃ فی التوضیح القرآن ھو النظم الدال علی المعنیٰ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا۔ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ۔ پس قرآن پڑھنے کا یہ مطلب ہے کہ اس عبارت کو اس طرح پڑھی جائے کہ اس میں تبدیل و تغیر نہ ہونے پائے، ورنہ اکثر جگہ وہ الفاظ بے معنیٰ ہوجائینگے

Marfat.com

یا معنیٰ فاسد ہو کر کچھ کا کچھ ہو جائے گا، لہٰذا اس کو اسی طور پر ادا کرنا لازم ہے، جس کو قرآن کہا جائے اور اسکے لئے یہ ضرور ہے کہ ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کیا جائے، مثلاً ث۔ س۔ ص۔ ذ۔ ز۔ ظ۔ ح۔ ہ۔ ء۔ ع کہ ان حروف میں اگر امتیاز نہ ہو تو وہ لفظ ہی نہ رہا جو جبرئیل علیہ السلام نے پڑھا، اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی جس کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ۔ حفاظ کا بیشتر اقتدا کرنا یہ اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اس نے صحیح پڑھا، کہ آج کل اکثر حفاظ خود غلط پڑھتے ہیں اور اپنے زعم باطل میں تصور کرتے ہیں کہ ہم نے صحیح پڑھا، یعنی حروف غلط ادا کرنے کو وہ غلطی ہی نہیں سمجھتے، بلکہ اگر غور سے سُنا جائے تو حروف کھا جاتے ہیں۔ اول و آخر کے حروف پڑھتے اور بیچ کے حرف ایک دم حذف کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کا اقتدا کرنا اور خاموش رہنا صحت کی کیونکر دلیل ہو سکتی ہے۔ اگر واقعی اس نے صحیح پڑھا تھا اس وجہ سے حفاظ نے اعتراض نہیں کیا ممکن ہے اس وقت صحیح پڑھا ہو، کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صحیح پڑھنے پر قادر ہوتا ہے مگر دوسرے وقت بوجہ بے توجہی صحیح ادا نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان آیات میں وہ حروف نہ تھے جن کو صحیح ادا نہیں کرتا — بہر حال بکر کا اعتراض اگر صحیح ہے یعنی زید صحیح نہیں پڑھتا ہے۔ حروف کو مخارج سے نہیں ادا کرتا، تو زید کی امامت درست نہیں، زید پر لازم ہے کہ قرآن مجید صحیح پڑھے، ما انزل اللہ میں تغیر نہ کرے۔ امام جزری فرماتے ہیں والاخذ بالتجوید حتم لازم من لم یجود القرآن آثم۔ تنویر الابصار و درمختار میں ولا غیر الالثغ بہ ای الالثغ علی الاصح کما فی البحر عن المجتبیٰ۔ ردالمحتار میں ہے فی المغرب ھو الذی یتحول لسانہ من السین الی الثاء۔ وقیل من الراء الی الغین او اللام او الیاء۔ زاد فی القاموس، او من حرف الی حرف۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ الثغ کے پیچھے غیر الثغ نہیں پڑھ سکتا، الثغ وہ ہے جو سین کی جگہ ثا، پڑھے یا رار کی جگہ غین یا لام یا ی پڑھے — قاموس میں کہا کہ جو شخص ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھے وہ بھی الثغ ہے، ایسے شخص کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اپنی ساری کوشش تصحیح حروف میں صرف کرے، اس کے بعد وہ اُمّی کے مثل ہے کہ اب وہ اپنے مثل کی امامت کر سکتا ہے اور اس کی خود نماز صحیح ہے، جبکہ کوئی صحیح خواں ایسا دستیاب نہ ہو، جس کے پیچھے نماز پڑھتا، اور نہ ایسی آیتیں اُسے یاد ہیں جن کو صحیح ادا کر سکے، اور اگر صحیح خواں امام ملتا ہے یا بقدر فرض صحیح پڑھ سکتا ہے اور اس نے بغیر تصحیح حروف خود پڑھی تو اسکی اپنی نماز بھی نہ ہوگی، امامت کرنا درکنار۔ درمختار میں ہے حرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائما حتما کالامی فلا یؤم الامثلہ ولا تصح صلاتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جھدہ او وجد قدر الفرض مما لا لثغ فیہ

Marfat.com

ھذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لایقدر علی التلفظ بحرف من الحروف او لایقدر علی اخراج الفاء الا بتکرار۔ لہٰذا جو شخص رحمٰن کو رہمان۔ رحیم کو رہیم۔ صراط کو سراط۔ انعمت کو اناَمت پڑھے اس کا یہی حکم ہے جو ذکر کیا گیا، کذا فی رد المحتار۔

ترتیل کے چند معانی مفسرین نے بیان کئے ہیں، ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا یعنی پڑھنے میں جلدی نہ کرنا، اور تمام حروف وحرکات کو واضح کرکے پڑھنا۔ تفسیر جمل حاشیہ جلالین میں خطیب سے نقل کیا ہے ای اقرأہ بترتیل وتؤدۃ وتبیین حروف واشباع حرکات بحیث یتمکن السامع من عدھا۔ صاوی میں ہے والمعنیٰ اقرأہ بترتیل وتؤدۃ وسکینۃ ووقار۔ جلدی پڑھنا اگر اس طرح ہے کہ حروف والفاظ کھا جاتا ہو۔ جب تو اسکے پیچھے نماز ہوگی ہی نہیں، کہ اسکی خود نماز صحیح نہیں امام کیسے ہوسکتا ہے۔ اور اگر حروف کے حقوق ادا کرتا ہے تو اس کو امام بنا سکتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ قال الامام اذا کان امامہ لحانا لاباس بان یترک مسجدہ ویطوف۔ وکذلک اذا کان غیرہ اخف قرأۃ واحسن صوتا۔ نیز اسی میں ہے لاینبغی للقوم ان یقدموا فی التراویح الخوشخوان ولکن یقدموا الدرستخوان۔ نیز اسی میں ہے ویکرہ الاسراع فی القرأۃ وفی اداء الارکان کذا فی السراجیۃ وکلما رتل فھو حسن کذا فی فتاوی قاضیخان امامت کے شرائط اور دیگر مسائل کی تفصیل بہار شریعت میں دیکھ کر معلوم کی جائے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۹۷) از محلہ ناگوری سلاوٹان جودھپور مرسلہ سید ریاض الحسن صاحب ۱۳ر شعبان المعظم ۵۵ھ

کیا ارشاد ہے علمائے اہلسنت کا مسائل ذیل کے متعلق :-

(۱) ایک لڑکا حافظ قرآن جو ختم شعبان المعظم تک ۵۶ھ گیارہ سال نو ماہ چھبیس دن کا ہوجائے گا، اس کے پیچھے نماز فرض وتراویح جائز ہے یا نہیں۔ نیز لڑکا و لڑکی کس عمر میں بالغ ہوتے ہیں۔ بینوا توجروا

(۲) مراہق کے پیچھے نماز فرض وتراویح کا کیا حکم ہے۔ نیز لڑکا لڑکی کس عمر میں مراہق ہوتے ہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب** (۱) لڑکے کا بلوغ کم سے کم بارہ سال کے عمر میں ہوتا ہے اور لڑکی کا بلوغ کم سے کم نو سال کی عمر میں، اس کے پیچھے نہ نماز فرض جائز ہے نہ تراویح نہ نوافل کیونکہ یہ لڑکا یقیناً نابالغ ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

ج(۲) مراہق وہ لڑکا ہے جو اقل عمر بلوغ کو پہنچ گیا، مراہق میں دونوں احتمال ہیں، یہ بھی احتمال ہے کہ وہ بالغ ہو اور یہ بھی کہ نابالغ ہو، اگر مراہق اپنے کو بالغ کہتا ہو اور ظاہر حال اسکی تکذیب نہ کرتا ہو تو اسکے قول کو مان کر بلوغ کا حکم دیا جا

Marfat.com

یعنی اس صورت میں کہ اس عمر کے دوسرے لڑکے بالغ ہو گئے ہوں۔ درمختار میں ہے وادنی مدتہ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ولہا تسع سنین فان راھقا بان بلغا ھذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم یکن بھما الظاھر۔ ردالمحتار میں ہے وان کان مراھقا ویعلم ان مثلہ لا یحتلم لا تجوز قسمۃ ولا یقبل قولہ لانہ یکذب ظاھرا وتبین لھذا ان بعد اثنتی عشرۃ سنۃ اذا کان بحال لا یحتلم مثلہ اذا اقر بالبلوغ لا یقبل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۱)** (۱۹۸) از خانقاہ سراجیہ برکت آباد محلہ برکت پورہ مقام مالیگاؤں ضلع ناسک مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب

۱۸ ربیع الآخر ۱۳۵۹ھ

جمعہ کی نماز جن پر واجب نہیں، مثلاً مسافر یا نابینا، امام مسجد کی موجودگی اور امام کی مرضی و اجازت سے نماز جمعہ پڑھا دیا تو نماز جمعہ ہوگی یا نہیں، اور امام کو کوئی عذر نہیں ہے۔

**س (۲)** مسجد کا امام ہے وہ کلام پاک اس طرح پڑھتا ہے کہ کہیں مدّ ادا کرتا ہے کہیں نہیں، اور جہاں مدّ نہیں ہے وہاں مدّ کی طرح پڑھتا ہے۔ ایسے امام کی نماز ہوئی یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز کیسے ہوتی ہے، ہم نے سُنا ہے ایک عالم فاضل اور بزرگ سے کہ قرآن شریف سے جان کر ایک حرف کا گھٹا دینا کفر ہے۔ اور فتاویٰ مجموعہ مولانا عبدالحی لکھنوی میں یہی بات لکھی ہوئی میں نے دیکھا، جو آپ کی تحقیق میں ہو، خلاصہ تحریر فرمائیں۔

**س (۳)** مسجد میں ایک اجنبی آیا وہ امامت کر رہا ہے یا کرنے جا رہا ہے، اس کا عقیدہ سنّی ہے یا نہیں، اسکے سنّی یا وہابی معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے، لاعلمی کی وجہ سے اسکی اقتدا درست ہے یا نہیں۔

**الجواب (۱)** ۔ اگر امام کی اجازت سے اس نے نماز جمعہ پڑھائی، نماز ہو گئی۔ درمختار میں ہے ولا یصلح للامامۃ فیھا من صلح لغیرھا فجازت لمسافر وعبد ومریض وتنعقد الجمعۃ بھم ای بحضورھم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**ج (۲)** قرآن مجید میں کسی حرف کو بڑھانا یا کم کرنا اگر بالقصد ہو تو تحریف و کفر ہے۔ مگر مد کرنے یا نہ کرنے میں نہ حرف کی زیادتی ہے نہ کمی ہے، بلکہ حرف کی ادا میں آواز کا کم یا زیادہ ہونا ہے، یعنی جو آواز جلد ختم کرنا تھا دیر میں ختم کی، یا دیر تک جانی تھی جلدی ختم کر دی۔ اس طرح پڑھنا اگرچہ غلطی میں شمار ہے مگر اس سے کفر کا حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ نماز فاسد ہونیکا بھی حکم نہیں دیا جائے گا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے واما ترک المد ان کان لا یغیر المعنی بان قرأ اولئک بلا مد وانا اعطینٰک بلا مد، لا تفسد وان کان یغیر بان قرأ سواء علیھم بترک المد۔ وکذا فی قولہ دعاء ونداء، المختار انھا

لاتفسد کما فی ترک التشدید ھٰکذا فی الخلاصہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۳) جب اس کا بدمذہب ہونا معلوم نہیں ہے تو اقتدا کر سکتے ہیں۔ؑ کسی شخص کا بدمذہب ہونا جب ہی معلوم ہو سکتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی بات پائی جائے جس سے عقیدہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۱۹۹)** آمدہ از طعلوالہ ضلع گورداس پور براستہ قادیان مغلان مرسلہ سید عبدالعزیز بخاری و سید عبدالغفور نقوی صاحبان

س (۱) جس طعام پر اللہ تعالیٰ کا کلام پاک پڑھا گیا ہے، اگر اس کو کوئی حرام سمجھے اور خنزیر کے برابر کہے تو کیا ایسا شخص مسلمانوں کا امام ہو سکتا ہے۔

س (۲) کیا ایسے شخص کے ساتھ یا پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

**الجواب (۱)** ۔ ہرگز نہیں اسکے پیچھے نماز ناجائز بلکہ باطل محض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) اس کے ساتھ نماز نہ پڑھی جائے حدیث میں ہے ولا تصلوا معھم اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا اپنی نماز کو باطل و برباد کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۲۰۰)** از شیش گڈھ ضلع بریلی مرسلہ عبداللطیف صاحب۔

جو شخص پیچھے بند اسٹرنیجا کوٹ پہن کر نماز پڑھے یا پڑھائے تو اسکی نماز ناجائز ہے یا امام ہونا ناجائز ہے یا سیاہ خضاب کر کے امامت کرے تو امامت اسکی ناجائز ہے۔؟

**الجواب** ۔ اگر وہ کوٹ اس قسم کا ہے جو کفار اور فجار کی خاص وضع میں شمار کیا جاتا ہو تو اس کو پہننے سے احتراز چاہیئے، خصوصاً نماز میں وہ بھی حالت امامت میں، سیاہ خضاب کی احادیث میں ممانعت آئی ہے، فرمایا غیروا الشیب واجتنبوا السواد۔ اگر سیاہ خضاب کا عادی ہو تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۲۰۱)** مرسلہ محمد یعقوب صاحب بنارس محلہ کمن گڑھا ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ

---

ؑ یہ حکم اس بنا پر ہے کہ اصل اسلام اور سنی ہونا ہے۔ اسلئے جبتک بدعقیدگی کی کوئی بات ظاہر نہ ہو سنی مسلمان ہی مانیں گے۔ تقاضائے احتیاط یہ ہے کہ کسی اجنبی کو امام نہ بنایا جائے۔ اسلئے کہ اگر یہ واقعی بدمذہب ہے اور بعد میں پتہ چلا تو نمازوں کو پھر پڑھنا پڑے گا۔ نیز سنی ہی کو امام بنانا کیا ضرور اگر کوئی سنی ہی مگر قرآن مجید صحیح نہیں پڑھتا یا ارکان صحیح نہیں ادا کرتا یا وضو صحیح نہیں کرتا تو اسکے پیچھے نماز درست نہیں۔ اسلئے امام اسی کو بنایا جائے جس کا عقیدہ معلوم ہو، یہ بھی معلوم ہو کہ نہ عقیدے میں خرابی ہے اور نہ اور کوئی ایسی خرابی ہے جسکی وجہ سے اسکی اقتدا میں خلل پڑ سکتا ہے۔ یہ بنظر احتیاط ہے ورنہ اصل حکم وہی ہے جو فتویٰ میں مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ امجدی

Marfat.com

زید ولد الزنا ہے اور بعد بلوغ زنا بالجبر میں مبتلا بھی ہوا مگر اب زید مولوی کی صورت میں ہے اور کچھ علم دین بھی حاصل کر لیا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں زید امامت کے لائق ہے یا نہیں۔ اور اگر نماز پڑھا دے تو نماز درست ہے یا نہیں، دلیل قوی سے جواب مرحمت فرمائیں، بینوا توجروا

**الجواب** ۔ ولد الزنا کی امامت کے متعلق فقہائے کرام نے فرمایا کہ اس کی امامت مکروہ ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس کو علم سیکھنے کا موقع نہیں ملتا، کیونکہ اس کا کوئی باپ نہیں، جو اس کو تعلیم میں مشغول کرے اور جبکہ وہ شخص باوجود ولد الزنا ہونے کے علم حاصل کر چکا تو اسکی امامت میں کراہت نہیں مگر چونکہ وہ زنا کے ساتھ متہم ہے تو جب تک تائب نہ ہو اسے امام نہ بنانا چاہیئے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۰۲) مسئولہ عبد الغفور سکریٹری صاحب انجمن اشاعت الحق بازار سدانند بنارس ۹ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جو شخص افیون کا عادی ہو اسکو امام بنانا کیسا ہے اور اس کے پیچھے نماز کیسی ہے اور اس نے نماز پڑھادی تو اس کا مسجد میں اعلان کر دینا کہ ان کے پیچھے نماز نہ ہوئی دہرائی جائے تاکہ افیون کھانے سے بچے کیسا ہے۔

(س۲) تمباکو پان وغیرہ میں کھانے والے کو امام بنانا کیسا ہے اور اس کے پیچھے نماز کیسی ہوگی۔

(س۳) ایک شخص عالم دین امامت کرتا ہے اگر کسی وقت ان کو پانچ منٹ وضو کرنے میں یا رفع حاجت کی وجہ سے یا کسی اور ضرورت سے دیر ہوگئی اور وقت میں کافی گنجائش ہو تو ان کا انتظار کیا جائے یا نہیں۔

(س۴) جو لوگ نماز کے وقت میں وسعت ہوتے ہوئے عالم دین کی موجودگی میں صرف پانچ منٹ کی تاخیر کی وجہ سے ایسے شخص کو امام بناتے ہیں جو نماز کے مسائل سے پوری طرح واقف نہ ہو، قرآن پاک صحیح نہ پڑھتا ہو، اسکو نماز پڑھانا اور پڑھوانا کیسا ہے۔

(س۵) افیون کھانے والا یہ عذر کرے کہ ہم دوا کھاتے ہیں تو اس کا یہ عذر مقبول ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ افیون کھانا ناجائز و گناہ ہے حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے نھی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن کل مسکر و مفتر ۔ مگر کسی دوا میں اتنی قلیل کہ اس کا اثر ظاہر نہ ہو اور حد تفتیر تک نہ پہونچے، جبکہ کھانے والا اس کے کھانے کی عادت کرے تو یہ فسق و کبیرہ ہے اور اعلان کے ساتھ ہو تو وہ فاسق معلن۔ اسکو امام بنانا ناجائز اور اس

Marfat.com

اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ، ایسی صورت میں اگر اعلان کر دیا گیا تاکہ لوگ اپنی نماز کو لوٹا لیں، اور اس کو امام نہ بنائیں تو یہ اعلان جائز ہے، بلکہ اچھا اور مستحسن کہ مقصود اصلاحِ نماز ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ج تمباکو کھانا یا پینا جائز ہے جبکہ اتنی زیادہ مقدار میں نہ کھائے جو حد تفتیر کو پہنچے یا ایسا حقہ نہ پیئے جس سے غشی آجائے، یا حواس میں فتور پیدا ہو اس کو امام بنانے میں کوئی حرج نہیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) ج امام معین کا انتظار کیا جائے گا بلکہ اگر اسکے بغیر آئے ہوئے کسی دوسرے نے جماعت قائم کر دی اور وہ آکر اس جماعت میں شریک نہ ہوا تو یہ جماعت، جماعت اولیٰ نہیں۔ جماعت اولیٰ وہی ہوگی جسکو امام معین قائم کرے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) ج جو مسائل نماز سے واقف نہیں، اور قرآن مجید صحیح نہیں پڑھتا ہے اسکو امام بنانا درست ہی نہیں، بلکہ اسکے پیچھے نماز ہی نہ ہوگی جبکہ اس نے حروف کی ادا میں ایسی غلطی کی ہو، جس سے معنیٰ فاسد ہوتے ہوں۔ وقت کی قلت اور کثرت کا سوال اس وقت کیا جا سکتا ہے جبکہ اس کی نماز جائز و درست ہو عالم دین جب وہاں کا امام معین ہو تو کسی دوسرے کو اگرچہ یہ دوسرا علم وفضل میں زائد ہو بغیر اس امام معین کی اجازت کے اس افضل کو بھی امام بنانا منع ہے، نہ کہ ایسے کو جو مسائل نماز سے واقف نہیں اور قرآن مجید بھی صحیح نہ پڑھتا ہو۔ حدیث میں ارشاد ہوا لا یؤمن الرجل فی سلطانہ ولا یقعد فی بیتہ علیٰ تکرمۃ الا باذنہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) ج جب کسی معجون یا گولیوں میں افیون کی ایک قلیل مقدار شامل کی گئی کہ ایک خوراک میں اتنی قلیل ہوگی جس سے افیون کے یہ ظاہری اثرات مترتب نہ ہوں تو اس دوا کا کھانا جائز ہے، مگر اس کو افیون کھانا نہیں کہا جاتا، اور جب منفرد ہی کھائی جائے تو ناجائز ہے عہ، اگرچہ دوا کے طور پر ہو ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۰۳) مسئولہ مولوی احسان علی طالب علم مدرسہ اہلسنت ۱۳ر جمادی الاولیٰ سنہ ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں :-

(۱) طاق واندر محراب کے مقتدی کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے، چاہے جگہ اور ہو یا نہیں، نیز دو دو یا تین تین کھڑے ہوں، اور پیچھے مکمل صف ہو، جائز ہے یا نہیں، عیدین وغیرہ میں۔

(۲) دو آدمی ایک ساتھ نماز پڑھتے ہوں، اگر اُسی کے ساتھ تیسرا مل جائے تو بعدہٗ پھر چوتھا مل جائے تو ان دونوں صورتوں میں نماز ہوگی یا نہیں، اگر آگے امام کے بڑھ جانے کی جگہ نہ ہو، اور مقتدی اس قابل نہ ہو کہ پیچھے لے آئے، تو

عہ جب کہ اتنی ہو کہ اس سے حواس میں فتور پیدا ہو جائے۔ تنہا افیون کھانے والے حواس میں فتور پیدا کرنے کیلئے کھاتے ہیں، اور اتنی مقدار میں مزید کھاتے ہیں کہ فتور حواس پیدا ہو اسلئے یہ حکم تحریر فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم - امجدی

Marfat.com

اس چوتھے کو پیچھے تنہا کھڑا ہونا چاہیے یا نہیں۔

**الجواب (۱)** ۔ اگر محراب اتنی وسیع ہو کہ اسمیں امام کے پیچھے ایک صف ہو سکتی ہے، اور امام محراب میں کھڑا ہوا تو مقتدی بھی محراب میں کھڑے ہوں گے ورنہ امام کا تنہا محراب میں کھڑا ہونا بے ضرورت مکروہ ہے۔ اور ضرورت ہو کہ آدمیوں کی کثرت ہے، اور محراب کے اندر امام کھڑا ہوگا تو گنجائش نکل آئیگی، ایسی صورت میں امام کے تنہا کھڑے ہونے میں بھی کراہت نہیں، درمختار میں ہے فلو قاموا علی الرفوف والامام علی الارض او فی المحراب لضیق المکان لم یکرہ کما لوکان معہ بعض القوم فی الاصح وبہ جرت العادۃ فی جوامع المسلمین ۔ ردالمحتار میں ہے قولہ "فلو قاموا الخ" تفریع علی علم الکراھۃ عند العذر فی جمعۃ وعید. قال فی المعراج وذکر شیخ الاسلام انما یکرہ ھذا اذا لم یکن من عذر اما اذا کان فلا یکرہ کما فی الجمعۃ اذا کان القوم علی الرف وبعضھم علی الارض لضیق المکان ۔ وحکی الحلوانی عن ابی اللیث لا یکرہ قیام الامام فی الطاق عند الضرورۃ بان ضاق المسجد علی القوم اھ قولہ کما لو کان" الخ محترز قولہ وانفراد الامام علی الدکان ۔ قال فی البحر قید بالانفراد لانہ لو کان بعض القوم مع الامام فقیل یکرہ ۔ والاصح لا ۔ وبہ جرت العادۃ فی جوامع المسلمین فی اغلب الامصار ۔ کذا فی المحیط اھ وظاھرہ انہ لا یکرہ ولو بلا عذر والا کان داخل فیما قبلہ تامل ۔ اور بلا ضرورت مقتدیوں کو دروں میں کھڑا ہونا مکروہ ہے کہ قطع صف ہے، اور قطع صف ممنوع، حدیث میں ارشاد فرمایا، من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ

**ج (۲)** جب ایک مقتدی ہے تو امام کے برابر داہنی جانب کھڑا ہو، پھر جب دوسرا شامل ہوا تو امام آگے بڑھ جائے، یا مقتدی پیچھے ہٹ جائے، اور اگر یہ بھی امام کے برابر کھڑا ہو گیا، تو نماز مکروہ تنزیہی ہوئی۔ اور اگر قعدہ اخیرہ میں یہ دوسرا مقتدی شامل ہونا چاہتا ہے، تو بائیں جانب بیٹھ جائے، کہ نہ امام آگے بڑھ سکتا ہے، نہ مقتدی پیچھے ہٹ سکتا ہے، اور اگر تیسرا مقتدی اور شامل ہونا چاہتا ہے، اور امام کے داہنے بائیں دو مقتدی ہیں، اور یہ بھی برابر میں کھڑا ہوا، تو مکروہ تحریمی ہے بلکہ اگر امام نہ آگے بڑھے نہ مقتدی پیچھے ہٹیں، تو یہ تنہا پیچھے کھڑا ہو جائے، کہ مجبوری ہے۔ درمختار میں ہے ویقف الواحد محاذیا لیمین امامہ علی المذھب فلو وقف عن یسارہ کرہ اتفاقا والزائد یقف خلفہ فلو توسط اثنین کرہ تنزیہا وتحریما لو اکثر ۔ طحاوی علی الدر میں ہے کرہ تحریما لو اکثر ترک الواجب دل علی ذالک قولہ فی الھدایۃ فی وجہ کراھۃ امامۃ النساء لانھا لا تخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف ۔ ردالمحتار میں ہے اذا اقتدی بامام فجاء آخر

تنزیہی کما فی البہار۔ امجدی

واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

يتقدم الامام موضع سجوده. كذا فى مختارات النوازل. وفى القهستانى عن الجلابى ان المقتدى يتأخر عن اليمين الى خلف اذا جاء اخر اھ. وفى الفتح ولو اقتدى واحد بآخر فجاء ثالث يجذب المقتدى بعد التكبير ولو جذب التكبير لا يضره وقيل يتقدم الامام اھ ومقتضاه ان الثالث يقتدى متأخرا ومقتضى القول بتقدم الامام انه يقوم بجنب المقتدى الاول والذى يظهر انه ينبغى للمقتدى التأخر اذا جاء ثالث فان تأخر والاجذبه الثالث ان لم يخش افساد صلاته فان اقتدى عن يسار الامام يشير اليهما بالتأخر وهو اولى من تقدمه لانه متبوع ولان الاصطفاف خلف الامام من فعل المقتدين لا الامام فالاولى ثباته فى مكانه وتأخر المقتدى ويؤيده ما فى الفتح عن صحيح مسلم قال جابر رضى الله تعالى عنه سرت مع النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فى غزوة فقام يصلى فجئت حتى قمت عن يساره فاخذ بيده فادارنى عن يمينه فجاء ابن صخر حتى قام عن يساره فاخذ بيديه جميعا فدفعنا حتى اقامنا خلفه اھ. وهذا كله عند الامكان والا تعين الممكن. والظاهر ايضا ان هذا اذا لم يكن فى القعدة الاخيرة والا اقتدى الثالث عن يسار الامام لا تقدم ولا تأخر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۰۴) مسئولہ مولوی امام بخش طالب علم درجہ اولیٰ مدرسہ اہلسنت ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز فجر کا وقت موجود ہے، اور لوگ جماعت کے منتظر ہیں ایک شخص نے اس خیال سے کہ جماعت ہونے تک نماز کا وقت نہ رہیگا، تنہا فرض پڑھ لیا، اس کے بعد جماعت کھڑی ہوئی، وہ شخص جماعت میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں۔

(۲) مسجد میں دوڑ کر جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے۔

**الجواب** (۱) جب اس نے فرض پڑھ لئے، تو اب جماعت میں شامل ہونا جائز نہیں، کہ اب جو پڑھے گا نفل ہے اور نماز فجر کے بعد نفل ناجائز۔ درمختار میں ہے وكذا الحكم من كراهة نفل بعد طلوع فجر سوى سنته، بلکہ حکم یہ ہے کہ یہ شخص مسجد سے چلا جائے، اگرچہ اقامت ہوچکی ہو، کہ جماعت میں شریک ہونا بھی ناجائز ہے، اور مسجد میں ایسے وقت ٹھہرنا بھی ناجائز۔ درمختار میں ہے من صلى الفجر والعصر والمغرب فيخرج مطلقا وان اقيمت لكراهة النفل بعد

الاوليين وفى المغرب احد المحظورين، البتيراء او مخالفة الامام بالاتمام وفى النهر ينبغى ان يجب خروجه

Marfat.com

لان کراھة مکثه بلا صلوٰة اشد ۔ ــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) دوڑ کر نہ چلے، اگرچہ رکعت جاتی رہنے کا خیال ہو، اب جو لے پڑھ لے اور جتنی رکعتیں فوت ہوگئیں انھیں بعد میں پڑھ کے پوری کرلے، حدیث میں ارشاد فرمایا اذا اقیمت الصلوٰة فلا تأتون تسعون وأتوھا تمشون وعلیکم السکینة فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا (رواہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه) وفی روایة المسلم، فان احدکم اذا یعمد الی الصلوٰة فھو فی صلاة جب نماز قائم ہوجائے تو دوڑ کر نہ آؤ، بلکہ چل کر آؤ اور اطمینان اپنے اوپر لازم رکھو، جو امام کے ساتھ ملجائے پڑھ لو اور جو جاتی رہے اُسے پوری کرلو کہ جب کوئی شخص نماز کا قصد کرتا ہے تو وہ نماز میں ہے ــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۰۵) مرسلہ مولوی عبدالکریم صاحب از چتور گڑھ علاقہ اودیپور میواڑ ۵ رجادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ

اگلی صف میں تین چار مرد کھڑے ہیں، اور لڑکے پوری صف کے ہیں، اور جماعت ختم ہونے تک اور مرد آکر ملنے والے ہیں، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے، اگر لڑکے صف اول کو پورا کرتے ہیں تو پیچھے مردوں کو آکر کھڑا ہونا پڑتا ہے، اور جگہ خالی چھوڑتے ہیں تو لڑکوں کے آگے یا صف چیر کر مردوں کو آنا پڑتا ہے، ورنہ اگلی صف میں جگہ چھوڑ کر مردوں کو لڑکوں کے پیچھے صف لگانا پڑتا ہے، کیا کرے۔

**الجواب** ۔ لڑکے اپنی دوسری صف لگائیں اور بعد میں آنے والے مرد صف چیر کر یا کنارے کچھ جگہ ہو تو اُدھر سے آکر صف اول میں شامل ہوں، اگرچہ بچوں کے آگے سے گذرنا پڑے، لان الصف الاول لا حق فیه للصبیان وسترة الامام سترة لمن خلفه ــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۰۶) مسئولہ جناب ثابت علی صاحب از ٹانڈہ (فیض آباد) ۱۸ رصفر المظفر ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسائل بینوا بسند الکتاب وتوجروا عند اللہ بغیر حساب

(۱) ۔ محراب کی کیا تعریف ہے ۔

(۲) ۔ امام جماعت اولیٰ مسجد کے صحن میں محراب کے سامنے نماز پڑھاتا ہے، نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں ۔

(۳) ۔ بعد جماعت امام کو کس طرف ہٹ کر سنت ادا کرنی چاہئے ۔

(۴) ۔ ایک مسجد میں تین شخص آئے ایک امام بنا، دو مقتدی، اور محراب کے نزدیک نماز ادا کئے بعدہ بیس آدمی

Marfat.com

مع امام راتب آئے اب اس امام کو محراب کے نزدیک یا محراب کے سامنے دور ہو کر نماز پڑھنا چاہیے یا نہیں۔

**الجواب** (۱) حقیقۃ محراب وسطِ مسجد کا نام ہے، اور یہ طاق معروف چونکہ وسط میں بنایا جاتا ہے اس لئے اُس کو محراب کہتے ہیں، مبسوط پھر معراج پھر ردالمحتار میں ہے السنۃ ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان۔ اور حدیث میں ارشاد ہوا توسطوا الامام وسدوا الخلل۔ امام کو بیچ میں رکھو اور کشادگی کو بند کرو۔ اس ارشاد کی تعمیل اصل مقصود ہے۔ درمختار میں ہے ویقف وسطاً لہٰذا مسجد کے جس حصہ میں اندر یا باہر نماز ہو امام ایسی جگہ کھڑا ہو کہ وسط صف کے محاذی ہو کہ ارشاد حدیث پر عمل ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) صحن مسجد مسجد صیفی ہے، اگر جماعت صحن میں قائم ہو تو اُسی ارشاد حدیث و فقہ پر عمل کرے، کہ وسط صف کے محاذی کھڑا ہو، عالمگیری میں ہے وینبغی للامام ان یقف بازاء الوسط فان وقف فی میمنۃ الوسط او فی میسرتہ فقد اساء لمخالفۃ السنۃ، ھٰکذا فی التبین۔ اگر وسط صف محراب معروف کے محاذی ہو، تو وہی جگہ ہے ورنہ اندرونی محراب کی محاذات نہیں لیجائیگی، کہ وسط میں قیام نہ ہوگا، اور وسط میں قیام نہ ہوگا تو کراہت ہے ورنہ نہیں، اور کراہت بھی اسی صورت میں ہے، کہ امام راتب جماعت کثیرہ کے ساتھ نماز پڑھاتا ہو، کہ وسط مسجد میں اگر کھڑا نہ ہو تو صف کے وسط میں نہیں ہوگا کہ اُسی صورت میں ترک سنت ہے، ورنہ کراہت کی کوئی وجہ نہیں، ردالمحتار میں ہے والظاہر ان ھٰذا فی الامام الراتب لجماعۃ کثیرۃ لئلا یلزم عدم قیامہ فی الوسط فلو لم یلزم ذالک لایکرہ تامل اھ اقول ولعلہ اشارۃ الی ان الامام لو لم یقف فی الوسط لقلۃ الجماعۃ ثم بعد الشروع اجتمع الناس وکمل الصف فلزم عدم توسط الامام وھو مکروہ وخلاف السنۃ ففی ھٰذہ الصورۃ وان لم یکن الکراھۃ فی الحال لکن یلزم فی المآل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) سلام کے بعد امام کو چاہئے کہ اپنی جگہ سے ہٹ کر سنت یا نفل پڑھے داہنے بائیں آگے پیچھے جو چاہے اختیار کرے، درمختار میں ہے ویکرہ للامام التنفل فی مکانہ۔ عالمگیری میں ہے ولا یتطوع فی مکان الفریضۃ ولکن ینحرف یمنۃ ویسرۃ او یتاخر وان شاء رجع الی بیتہ یتطوع فیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) مسجد محلہ میں اگر کچھ لوگ امام راتب سے پہلے جماعت کرکے پڑھ گئے، تو اُن کی جماعت جماعتِ اولیٰ نہیں، جماعت اولیٰ یہ ہے جو امام راتب پڑھائیگا، اور اس صورت میں محراب سے ہٹ کر امام کو کھڑے ہونے کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ محراب

Marfat.com

میں کھڑا ہو یعنی وسط میں کما ہو مفہوم کلام العلامۃ الشامی المار ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۰۷) مسئولہ سید فرزند علی صاحب محلہ ملوکپور بریلی ۱۰ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو کوئی صف پوری ہونے کے بعد آئے تو وہ کسی دوسرے کو کیسے اپنا شریک کرے گا نیت باندھ کر یا بغیر نیت باندھے ہوئے۔ بینوا توجروا

**الجواب**۔ جب صف پوری ہونے کے بعد کوئی شخص آیا تو انتظار کرے، اگر کوئی دوسرا آجائے، تو دونوں صف کے پیچھے کھڑے ہو جائیں، اور اگر کوئی دوسرا نہ آیا، یہانتک کہ رکوع کا وقت آگیا، تو جماعت میں سے اس شخص کو کھینچے کا اشارہ کرے جسے اس مسئلہ کا علم اسکے خیال میں ہو، وہ پیچھے ہٹ جائے تو اس کے ساتھ کھڑا ہو، ورنہ تنہا کھڑا ہو جائے، ناواقف کو نہ کھینچے کہ وہ اپنی نماز کھو بیٹھے گا، ردالمحتار میں ہے ان وجد فی الصف فرجۃ سدھا والا انتظر حتی یجیئ اٰخر فیقفان خلفہ وان لم یجیٔ حتی رکع الامام یختار اعلم الناس بھٰذہ المسئلۃ فیجذبہ ویقفان خلفہ ولو لم یجد عالماً لما یقف خلف الصف بحذاء الامام للضرورۃ اور اگر کسی کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا تو تکبیر تحریمہ سے قبل اور بعد دونوں صورتیں جائز ہیں، فتاویٰ عالمگیری صـ۹۳ـج۱ میں ہے قام عن یمین الامام فجاء ثالث وجذب المؤتم الی نفسہ قبل ان یکبر للافتتاح حکی عن الشیخ الامام ابی بکر طرخان انہ لاتفسد صلاۃ المؤتم جذبہ الثالث الی نفسہ قبل التکبیر او بعدہ کذا فی المحیط وفی الفتاوی العتابیۃ ھو الصحیح کذا فی التاتارخانیۃ ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۰۸) مسئولہ مولوی آفتاب الدین متعلم مدرسہ اہلسنت والجماعت بریلی شریف ۲۵ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سجدۂ سہو کے تشہد میں اقتدا صحیح ہے یا نہیں، مع دلائل ارشاد فرمائیے۔

**الجواب**۔ اقتدا صحیح ہے کہ ابھی تک وہ اسی نماز میں ہے خارج نہیں ہوا، بلکہ وہ مصلی جس پر سجدۂ سہو واجب ہوا، اگر بقصد خروج من الصلوٰۃ سلام پھیر دے جب بھی بالکل نماز سے خارج نہ ہوا، بلکہ اس کا خروج موقوف ہے اگر سجدہ سہو کر لیا، نماز میں آگیا ورنہ باہر ہو گیا جبکہ کوئی منافی صادر ہوا ہو، اور پہلی صورت میں اگر کسی نے اس کی اقتدا کی تو صحیح ہے، درمختار میں ہے سلام من علیہ سجود سھو یخرجہ من الصلوٰۃ خروجا موقوفا ان سجد عاد الیھا والا لا وعلی ھٰذا فیصح الاقتداء بہ، نیز اسی میں ہے ویسجد للسھو ولو مع سلامہ نادیا للقطع لان نیۃ تغییر المشروع لغو مالم یتحول عن القبلۃ او یتکلم ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

**مسئلہ** (۲۰۹) مرسلہ رضا حسن صاحب از موضع چھپیا ڈاکخانہ اوترلہ ضلع گونڈہ ۲۴ رذی الحجہ ۴۲ھ

حنفیوں کی جماعت میں اگر وہابی غیر مقلد شریک ہو کر نماز پڑھیں تو کیا حنفیوں کی نماز میں کوئی نقصان تو نہیں ہوگا۔

**الجواب**۔ غیر مقلدین پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم، اس کا بیان کوکبہ شہابیہ و رسالہ النہی الاکید میں دیکھئے۔ لہٰذا ان کا جماعت اہلسنت میں شامل ہونا قطع صف ہوگا اور یہ مکروہ۔ وہو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۱۰) مرسلہ مولوی عبدالعزیز خانصاحب از ذکریا اسٹریٹ کلکتہ ۲ رمحرم الحرام ۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عید میں پچاس قدم آگے اور پچاس قدم پیچھے ایک ہی وقت میں دو جماعتیں ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ ایک امام معین ہو دوسرا غیر معین۔ بینوا توجروا

**الجواب**۔ نماز عید کے لئے بھی امام شرط ہے جس طرح جمعہ کیلئے اور امام سلطان اسلام ہوگا یا اس کا نائب یا قاضی اور جہاں یہ نہ ہوں تو عام لوگوں نے جس کو امام مقرر کر لیا ہو، وہ نماز پڑھائیگا۔ صورت مسئولہ میں جبکہ امام معین موجود ہے پھر دوسرے امام کو قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا امام معین نے جو پڑھایا ہے وہی صحیح ہے اور دوسری جماعت ناجائز[عہ]

**مسئلہ** (۲۱۱) مسئولہ حافظ علی احمد خاں صاحب بریلی محلہ جسولی ۷ ربیع الآخر ۴۳ھ۔

نماز مغرب کے علاوہ اور وقتوں کی نماز میں مقتدی وضو کرتے رہ جاتے ہیں، روزمرہ کے نمازی، اس حالت میں امام کو دس پانچ منٹ تک توقف کرنا کہ وضو کرنے والے بھی شریک جماعت ہو جائیں، اور تکبیر اولیٰ میں شریک ہو جائیں جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب**۔ اس انتظار میں کچھ حرج نہیں کہ اعانت علی البر ہے قال اللہ تعالیٰ وتعاونوا علی البر والتقوی۔ غنیہ میں ہے وینبغی للمؤذن ان ینتظر الناس وان علم بضعیف مستعجل اقام لہ، ہاں رئیس کا اسکی ریاست کیوجہ سے انتظار نہ کرے، اسی میں ہے ولا ینتظر رئیس المحلۃ لان فیہ ریاء وایذاء لغیرہ۔ مگر لوگوں کو چاہئے کہ خوامخواہ دیر نہ کریں جس کی وجہ سے اور نمازیوں پر گرانی ہو، اگر اتفاقاً دیر ہو جائے تو اور بات ہے، مگر بعض لوگ قصداً آنے میں دیر کرتے ہیں، ان کا مقصود تکبیر اولیٰ ملنا ہوتا تو دیر نہ کرتے۔ بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے جائیں گے تو دیر تک رہنا پڑیگا ایسوں کے لئے دیر کرنا کچھ مفید نہیں، بلکہ جتنی تاخیر کیجائے، یہ دیر میں آنا زیادہ کردیں گے، کہ جلد نماز سے فارغ ہو کر چلدیں۔

عہ اس معنی کر کہ وہ سرے سے ہوگی ہی نہیں۔ اذا فات الشرط فات المشروط۔ ان لوگوں کے سر نماز عید کے چھوڑنے کا وبال ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

ایسوں کے لئے تاخیر کچھ مفید نہیں کہ یہ جلد آنا اختیار نہ کریں گے، اور مقتدیوں پر انتظار گراں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۱۲) مسئولہ حاجی ایوب صاحب از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد ۲۰ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ۔

نماز کا اعادہ کرنے والے کے پیچھے اقتدا درست ہے یا نہیں۔

**الجواب**۔ اگر اعادہ نماز بر بنائے ترک واجب ہے یعنی نماز مکروہ تحریمی ہوئی ہے، تو نیا مقتدی فرض پڑھنے والا اس کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا، کہ امام کا فرض ادا ہو چکا ہے، مگر چونکہ ناقص طور پر ادا ہوا اس لئے اس نقصان کو دفع کرنے کے لئے اعادہ کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۱۳) از کلکتہ ذکریا اسٹریٹ ۲۲ مرسلہ مولوی عبد العزیز خاں صاحب۔

(۱) فرض کے نماز کے بعد تجارتی ضرورت سے بغیر امام کے ہمراہ دعا مانگے چلا آنا کیسا ہے، کیونکہ دعا میں شامل ہونے سے لوگ سنتیں شروع کر دیتے ہیں اور نکلنے کے لئے جگہ نہیں ملتی۔

**الجواب**۔ امام کے ساتھ دعا میں شریک ہونا کچھ ضرور نہیں مگر بہتر ہے کہ جماعت کے ساتھ دعا کی جائے، کہ بہ نسبت تنہائی کے قبول ہونے کی زیادہ امید ہے اگر ضرورت ہو تو مختصر دعا کے بعد چلا جائے ختم دعا تک انتظار کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۱۴) از مارواڑ کچامن سیٹی مرسلہ محمد عبد الشکور صاحب ۲۹ رجادی الاخریٰ ۱۳۴۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امّا بعد۔ ماتقولون ایها العلماء الکرام فی ان المولوی امیر علی صاحب المرحوم المغفور مترجم الهدایة والفتاوی العالمگیریة کتب فی ترجمة الهدایة التی سماها بعین الهدایة فی ص ۵۳۳ ان اعادة الصلوٰة مکملة للصلوٰة التی ادیت مع الکراهیة التحریمیة ولا یجوز اقتداء الذی لم یکن مع الامام ابتدأ فما الوجه لعدم صحة الصلوٰة للمقتدی الجدید بینوا دلائله وبراهینه من کتب الحدیث والفقه الحنفی بیانا شافیا۔ جزاکم الله تعالیٰ خیر الجزاء۔

**الجواب**۔ اعلم ان الاقتداء هو ربط صلوٰته بصلوٰة الامام فلابد له من ان تکون صلوٰة الامام متحدة بصلوٰة المقتدی بان تکون صلاتهما واحدة او تکون صلوٰة الامام متضمنة لصلوٰة المقتدی کاقتداء المتنفل بالمفترض فان الفرض مقید والنفل مطلق (والمطلق) داخل فی المقید واذا عرفت هٰذا فاعلم ان الذی صلی الفرض مع ترک الواجب

Marfat.com

فقد ادّیٰ فرضہ لکن بترک الواجب صارت صلوٰتہ ناقصۃ ووجب علیہ الاعادۃ لجبر النقصان فلما استغل بالاعادۃ فھو لیس بمفترض لان الفرض سقط من ذمّتہ بل ھو یتمّ ویکمّل الفرض ومن لم یصل الفرض یؤدّی فرضہ فلو اقتدیٰ بہ یلزم التغایر بین صلاتھما ولم یوجد معنی الاقتدیٰ ای الربط وایضا یلزم بناء الاقوی علی الاضعف وھو لا یجوز۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۱۵) از قصبہ فتح کھلڈا ضلع بلڈانہ سی پی مرسلہ محمد اسلم خاں ۱۲ رجب ۴۶ھ

ایک ہی مسجد میں ایک منبر پر جمعہ وعید کی دوسری جماعت ایک ہی امام یا کسی دوسرے سے ہوسکتی ہے یا نہیں

**الجواب**۔ ایک مسجد میں جمعہ یا عید کی متعدد جماعتیں نہیں ہوسکتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۱۶) از کچامن سٹی مارواڑ مرسلہ جناب محمد عبد الشکور صاحب ۴ ار رجب المرجب ۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہٰذا میں ہیجڑا مرد ہے یا عورت، اگر مرد ہے تو اسکو نماز میں مردوں کی پہلی یا دوسری یا تیسری صف میں کھڑے ہونے میں کیا قباحت ہے اور اس کے مرنے پر مرد کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا عورت کی حالانکہ درمختار کی عبارت سے یہ مرد ثابت ہوتا ہے۔ کتاب الحظر کے اخیر میں والخصی والمجبوب والمخنث الی الاجنبیۃ کالفحل الخ اس کو واضح طور پر حدیث اور فقہ کی کتابوں سے بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا الی یوم الحساب۔

**الجواب**۔ جب ہیجڑا مرد ہے اس کو عورت کیوں کر کہہ سکتے ہیں، جماعت میں یہ مردوں ہی کی صف میں کھڑا ہوگا، صف میں کھڑا ہونے سے منع نہیں کیا جاسکتا، رہا جنازہ اس میں مرد عورت کا کچھ فرق نہیں نہ یہ ضروری ہے کہ ۴؎ مرد ہے یا عورت اور اگر کوئی تخصیص کرنا ہی چاہے، تو اسے مرد تصور کرے کہ وہ مرد ہے، نیز جنازہ کی جو مشہور ومعروف متداول دعا ہے، وہ مرد عورت دونوں کے لئے یکساں ہے، پھر اس کے لیے بھی تخصیص کی حاجت نہیں ہاں اگر وہ دعائیں پڑھنا چاہے جن میں مذکر ومؤنث کے ضمائر کا اختلاف ہے، یا ہیجڑا بچہ ہے تو ان صورتوں میں ان کے لئے مذکر کے صیغے پڑھے جائیں، درمختار کی صحیح عبارت یہ ہے والخصی والمجبوب والمخنث فی النظر الی الاجنبیۃ کالفحل یعنی عورت اجنبیہ کے جن مواضع کی طرف دیگر مردوں کو نظر کرنا حرام ہے انھیں بھی حرام کیونکہ ان میں بھی شہوت موجود ہوتی ہے جاع پر قادر ہوتے ہیں لہذا ان کو غیر اولی الاربہ میں داخل کرکے معاملہ نظر میں عورت کے حکم میں نہیں شمار کرسکتے، یہ مسئلہ عامہ کتب فقہ میں یونہی ہے اور یہی صحیح ہے اور جن علماء نے فحل کے حکم میں نہیں لیا ہے وہ صرف مسئلہ نظر الی الاجنبیۃ کے بارے میں لیتے ہیں باقی صف میں قیام کے

۴؎ مرد یا عورت کی مخصوص نیت کی جائے بلکہ نیت نماز جنازہ کافی ہے فواد بیت

Marfat.com

متعلق کسی نے بھی مردے انھیں خارج نہیں کیا مخنث کے بارے میں ایک حدیث صحیح جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے صحیح میں روایت کیا ہے، یہ ہے عن ام سلمۃ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان عندھا و فی البیت مخنث فقال المخنث لاخی ام سلمۃ عبد اللہ بن ابی امیۃ ان فتح اللہ لکم الطائف غداً ادُلّک علی ابنۃ غیلان فانھا تقبل باربع وتدبر بثمان فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخلن ھٰذا علیکم مجبوب یا خصی کے متعلق مجھے اس وقت کوئی حدیث یاد نہیں اور ان کا حکم بھی وہی ہے جو مخنث کا ہے۔ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۱۷) از بنارس محلہ کچی باغ مرسلہ نور الحق ولد منشی حاجی محمد حسن صاحب ۹ر محرم الحرام ۴۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں

کہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص۴۹۹ میں بحوالہ شرح نقایہ لکھا ہے کہ درجہ بدلا ہوا ہونا خلاف سنت ہے مگر اس میں یہ عبارت نہیں ملتی لہٰذا اگر یہ مسئلہ کسی اور کتاب میں یا اسی کتاب میں لکھا ہو تو عبارت سے مطلع فرمایئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کل مسجد ایک درجہ ہے، یہ صحیح ہے یا غلط۔

**الجواب**۔ امام ومقتدی کا مکان واحد ہونا شرط صحت اقتدا ہے یعنی اگر امام ایک مکان میں ہو اور مقتدی دوسرے میں تو اقتدا ہی صحیح نہیں، مسجد مکان واحد ہے اگر اسکے ایک حصہ میں امام ہو اور دوسرے میں مقتدی تو اسکو حقیقۃً اختلاف نہیں کہا جاسکتا اور نہ یہ مانع صحت اقتدا ہے مگر یہ کلام جواز وعدم جواز کے متعلق ہے، رہا یہ کہ ایسا کرنے میں کراہت بھی ہے یا نہیں اس سے اس کو تعلق نہیں کہ حکم صحت اقتدا سے یہ لازم نہیں کہ کراہت بھی نہ ہو۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کل مسجد ایک درجہ ہے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ مکان واحد ہے اس کے ہر حصہ میں اقتدا ہوسکتی ہے تو یہ صحیح ہے، اور یہ مطلب ہو کہ اگر امام ایک درجہ میں ہو اور تمام مقتدی دوسرے درجہ میں تو اس میں کراہت بھی نہیں کہ یہ درجات کا اختلاف اصلاً معتبر نہیں، تو غلط ہے کہ اگرچہ یہ حقیقۃً اختلاف مکان نہیں کہ مانع اقتدا ہو مگر اختلاف مکان سے اس کو مشابہت ہے اور یہ سبب کراہت ہے ہدایہ میں ہے ویکرہ ان یقوم فی الطاق لانہ یشبہ صنیع اھل الکتاب من حیث تخصیص الامام بالمکان محراب مسجد اگرچہ اسی حصہ مسجد میں ہے پھر اسکو تخصیص مکان قرار دیکر مکروہ فرمایا تو اگر بالکل درجہ ہی بدلا ہو تو بدرجۂ اولیٰ تخصیص مکان ہوگی اور یہ صورت بھی مکروہ ہوگی، کفایہ شرح ہدایہ میں قال شمس الائمۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وفیہ طریقان احدھما انہ

ـــــــــــــــــــ

ــہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث مذکور کے تحت ہے، ھٰذا یدل علیٰ منع المخنث والخصی والمجبوب من الدخول علی النساء۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

اذا دخل الطاق صار ممتازا عن القوم فی المکان لانہ فی معنی بیت اٰخر وذالک صنیع اھل الکتاب والتشبہ بھم مکروہ والوجہ الثانی ماحکی عن الفقیہ ابی جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ لانہ یشتبہ علی من عن یمینہ وعن یسارہ حالہ وقال شمس الائمۃ السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ من اختار الطریقۃ الاخیرۃ لم یکرہ عند عدم الاشتباہ وان کان مقام الامام فی الطاق بان کان علی جانبی الطاق فرجۃ ومن اختار الطریقۃ الاولیٰ قال یکرہ فی الوجھین جمیعا وقال ھٰذا ھو الوجہ۔ عنایہ میں ہے وانما اختار المصنف الوجہ الاول لانہ مطرد بخلاف الثانی اور امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ مجرد محراب میں کھڑا ہونا سبب کراہت نہیں کہتے بلکہ اسوقت مکروہ کہتے ہیں جب وہ جگہ بلند ہو، مگر صاحب بحر نے اس پر اعتراض کردیا کہ ظاہر الروایۃ میں مطلقا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اور جو وجہ صاحب فتح نے بیان کی تھی، اس پر صاحب بحر نے وار کردیا اور ظاہر یہی ہے کہ محرر المذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ جب اسکو مطلقا ذکر فرماتے ہیں تو اُسکی ایسی وجہ قرار دینا کہ بعض صورت میں کراہت ہو اور بعض صورت میں نہیں، صحیح نہیں۔ نیز انھوں نے یہاں جامع صغیر میں دو مسئلے بیان فرمائے ایک محراب میں کھڑا ہونا دوسرا بلند جگہ کھڑا ہونا، تو اگر صاحب فتح کی توجیہ صحیح مانی جائے تو لازم ہے کہ مسئلہ محراب کا ذکر بے فائدہ ہو کہ وجہ کراہت محراب نہ ہوئی بلکہ بلندی اور بلندی کا مسئلہ جب خود مذکور ہے تو محراب کے ذکر کی کیا حاجت، لہٰذا محراب میں کھڑے ہونے کی علت کراہت وہی امتیاز وتخصیص من حیث المکان ہے صرح محمد فی الجامع الصغیر بالکراھۃ ولم یفصل فاختلف المشائخ فی سببھا فقیل کونہ یصیر ممتازا عنھم فی المکان لان المحراب فی معنی بیت اٰخر وذالک صنیع اھل الکتاب واقتصر علیہ فی الھدایۃ واختارہ الامام السرخسی وقال انہ الاوجہ وقیل اشتباہ حالہ علی من فی یمینہ ویسارہ فعلی الاول یکرہ مطلقا وعلی الثانی لایکرہ عند عدم الاشتباہ وایّد الثانی فی الفتح بان امتیاز الامام مطلوب وتقدمہ واجب وغایتہ اتفاق الملتین فی ذالک وارتضاہ فی الحلیۃ وایدہ لکن نازعہ فی البحر بان مقتضی ظاہر الروایۃ الکراھۃ مطلقا وبان امتیاز الامام المطلوب حاصل بتقدمہ بلا وقوف فی مکان اٰخر ولھذا قال فی الولواجیۃ وغیرھا اذا لم یضق المسجد عن خلف الامام لاینبغی لہ ذالک لانہ یشبہ تباین المکانین انتھی یعنی وحقیقۃ اختلاف المکان تمنع الجواز فشبھۃ الاختلاف توجب الکراھۃ والمحراب وان کان من المسجد فصورتہ وھیئتہ اقتضت شبھۃ الاختلاف اھ ملخصا قلت ای لان المحراب انما بنی علامۃ لمحل قیام الامام لیکون قیامہ وسط الصف کما ھو السنۃ لا لان یقوم فی داخلہ فھو وان کان من بقاع المسجد لکن اشبہ مکانا اٰخر

Marfat.com

فادرث الکراھۃ۔ تبیین الحقائق میں ہے وانما کرہ لمافیہ من التشبہ باھل الکتاب من حیث تخصیص الامام بالمکان وحدہ وھذا لان المحراب یشبہ اختلاف المکانین خلاصہ یہ کہ قیام امام اندرون محراب مکروہ ہے اور وجہ کراہت بنا بر قول منصور یہ ہے کہ محراب اگرچہ مسجد ہے مگر اختلاف مکان سے اسے مشابہت ہے لہٰذا اسمیں کھڑا ہونا مشابہ اہل کتاب ہوا اور یہ مکروہ اور اگر درجہ بدلا ہو تو اس میں بھی یہی علت موجود تو خلاف سنت ہونا ظاہر یہاں شرح نقایہ موجود نہیں[5] مگر فہم مسئلہ کے لئے یہ عبارات کافی ہیں، واللہ الموفق سواء السبیل وھو حسبی ونعم الوکیل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۱۸) از ہوڑہ بالو تالاب مرسلہ جناب غلام نبی و محمد خدا دین ۶ ربیع الاول شریف ۴۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ جذامی یا سفید داغ کو جماعت میں شامل ہونے سے کوئی حرج تو نہیں حکم کیا ہے۔

**الجواب** ۔ جذامی یا سفید داغ والے کو مسجد میں آنا مکروہ ہے اور اگر آجائیں اور جماعت میں شامل ہوں، تو نماز میں کوئی خرابی نہیں، ردالمحتار احکام مسجد میں ہے والمجذوم والابرص اولیٰ بالالحاق۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۱۹) کھانسی یعنی دمہ والا جومنٹ منٹ پر آتی ہے جس کی وجہ سے قرارت سننا مقتدیوں کیلئے دشوار ہو ایسے شخص کو جماعت میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

**الجواب** ۔ کھانسی یا دمہ والے کو جماعت میں شامل ہونے سے روکنا۔ اس کا کوئی جزئیہ نظر فقیر سے نہیں گذرا واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۲۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دروازے پر مسجد ہے اور وہ بلا وجہ جماعت ترک کرتا ہے اور مکان میں نماز پڑھ لیتا ہے، اسکی نماز ہوتی ہے یا نہیں، شرع شریف کا کیا حکم ہے۔

**الجواب** ۔ جماعت واجب ہے اور اس کا ترک بلا وجہ شرعی گناہ خصوصاً ایسے شخص کے لئے کہ مسجد دروازہ پر ہے اسے مسجد ترک کرنا بہت معیوب ہے ایک حدیث میں آیا ہے لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد کہ ایسے کی نماز کامل نہیں، مکان میں نماز ہوجاتی ہے باطل نہیں ہوتی، مگر ترک جماعت کا گناہ ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[5] فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص۲۹۹ پر یہ ہے:- امام اور جملہ مقتدیوں کا درجہ بدلا ہوا ہونا خلاف سنت ہے کما فی شرح النقایہ۔ شرح نقایہ دو ہے، ایک برجندی کی دوسرے ملا علی قاری کی۔ برجندی یہاں بھی نہیں، ملا علی قاری کی شرح ہے۔ اسمیں یہ ہے کہ (ذکرہ تخصیص الامام بمکان) بان یکون الامام علیٰ مکان مرتفع والقوم تحتہ وقدر بقلتہ الرجل وقیل بذراع وقیل بما یقع بہ الامتیاز وکذا یکرہ ان یکون الامام وحدہ قائما فی المحراب لان ذالک یشبہ فعل اھل الکتاب حیث یخصون امامھم بمکان علیٰ حدۃ۔ اس سے یہ حکم صاف واضح ہے کہ امام تنہا مسجد کے ایک درجے میں ہو اور کل مقتدی دوسرے درجے میں ہوں تو کراہت ہے۔ مگر غالباً اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے شرح نقایہ سے برجندی مراد لیا ہے، اسلئے کہ عند الاطلاق وہی متبادر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

**مسئلہ** (۲۲۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں اس قدر آدمی ہیں کہ گنجائش باقی نہیں ایسی حالت میں دروں میں جماعت کھڑی ہوسکتی ہے یا نہیں۔ درجب خارج مسجد سمجھا جاتا ہے توجب تک مسجد بھر نہ جائے دروں میں نہیں کھڑے ہوسکتے اور بلا وجہ امام در میں کھڑا ہوکر نماز پڑھائے تو نماز ہوگی یا نہیں۔

**الجواب**۔ دروں میں کھڑے نہ ہوں کہ مکروہ ہے ہاں اگر مصلیوں کی کثرت ہے کہ مسجد بھر گئی اور آدمی باقی ہیں تو دروں میں کھڑے ہوں کہ یہ کھڑا ہونا بضرورت ہے اور مواضع ضرورت مستثنیٰ ہیں در خارج مسجد نہیں ہے اسیں کھڑا ہونا اس وجہ سے مکروہ وممنوع ہے کہ صف قطع ہوتی ہے اور یہ ممنوع ہے۔ امام کو در میں کھڑا ہونا خلاف سنت ہے اور نماز ہوجائیگی۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۲۲) از جے پور بیرون اجمیری دروازہ متصل مدرسہ تعلیم الاسلام مرسلہ حکیم عبدالناصر صاحب قادری ۸ رجمادی الثانی ۴۹ھ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص باوجود عالم ہونے کے قصداً اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں (ص) کے کسرہ کو فتحہ سے بدل دیتاہے اور صراط الذین میں (ص) کے کسرہ کو ضمہ سے تبدیل کردیتا ہے اور اسکو مضموم پڑھتاہے، دریافت کرنے پر جواب دیتاہے کہ میں (ص) اصل مخرج سے نکالنا چاہتاہوں اور جو لوگ (ص) کو اصل مخرج سے ادا کرنے پر قادر نہیں، بالکسر پڑھتے ہیں، حالانکہ شخص مذکور تجوید سے ناواقف ہے۔ اسی طرح وہ عالم دین ہونے کے باوجود جماعت ثانیہ کو ناجائز بتاتا ہے حالانکہ مسجد شارع عام پر ہے اور دلیل میں علماء دیوبند کا فتویٰ پیش کرتاہے۔ کیا جماعت ثانیہ قطعاً منع ہے، اور ایسی مسجد میں جو شارع پر واقع ہو اور لوگ ہر وقت آتے جاتے رہتے ہوں

**الجواب**۔ بالقصد قرآن مجید کو غلط پڑھنا تبدیل کلمات اللہ ہے اور یہ حرام وسخت حرام بلکہ کفر ہے اور اس کا یہ کہنا کہ جو لوگ اصلی مخرج سے ادا کرنے پر قادر نہیں بالکسر پڑھتے ہیں بالکل غلط ہے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ (ص) کو کسرہ پڑھا جاسکتا نہیں۔ لہٰذا یہ کسرہ غلط ہے تو قرارت متواترہ کو غلط بتاتاہے اور یہ نرا جہل اور بددینی ہے مسجد محلہ[عہ] میں اذان واقامت کے ساتھ جماعتِ ثانیہ کرنا مکروہ ہے اور راستہ کی مسجد میں یا جس مسجد میں امام وموذن مقرر نہ ہوں انمیں کراہت نہیں۔ درمختار میں ہے ویکرہ تکرار الجماعۃ باذان واقامۃ فی مسجد محلۃ لافی مسجد طریق او مسجد لا امام لہ ولا مؤذن۔ شارع عام

عہ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق اور کامل توضیح اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے رسالہ "القطوف الدانیہ عن احسن الجماعۃ الثانیۃ" میں ملاحظہ کریں۔ امجدی

Marfat.com

کی مسجد جہاں لوگ ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں، اسمیں جماعت ثانیہ ہرگز مکروہ نہیں، بلکہ اس مسجد میں جماعت ثانیہ اذان و اقامت کے ساتھ جائز بلکہ افضل ہے۔ بلکہ مسجد محلہ میں بھی اگر بغیر اذان و اقامت جماعت ثانیہ ہیأت اولیٰ بدلکر قائم کیجائے تو کراہت نہیں، ردالمحتار میں ہے۔ ویکرہ تکرار الجماعة فی مسجد محلة باذان و اقامة الا اذا صلی بہا فیہ اولا غیر اھلہ و اھلہ لکن بمخافتة الاذان ولو کرر اھلہ بدونہما او کان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن ویصلی الناس فیہ فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان و اقامة علحدة کما فی امالی قاضیخاں نحوہ فی الدرر والمراد بمسجد المحلة مالہ امام وجماعة معلومون کما فی الدرر وغیرہا قال فی المنبع التقیید بالمسجد المختص بالمحلة احتراز من الشارع وبالاذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلة جماعة بغیر اذان حیث یباح اجماعاً اھ۔ دیوبندیوں کا فتویٰ قابل اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۲۳) زید مسجد کے نزدیک رہتا ہے اور پنجوقتہ بلاناغہ اذان سنتا ہے مگر مسجد میں آکر فرضوں کو جماعت سے ادا نہیں کرتا بلکہ گھر میں پڑھتا ہے اور نہ کوئی شرعی عذر رکھتا ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے۔

**الجواب**۔ مسجد میں فرض پڑھنا سنت اور جماعت واجب بلا وجہ شرعی ان کو ترک کرنے والا گنہگار۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۲۴) فجر ہی کی سنتوں کا یہ حکم ہے کہ اس صف پر نہ پڑھی جائے جس پر جماعت پڑھی جاتی ہو یا ہر سنت کا۔

**الجواب**۔ یہ حکم نہ فجر کی سنت کا ہے نہ دوسری سنتوں کا صف پر سنت پڑھ سکتے ہیں، ہاں جب جماعت کھڑی ہو جائے، اور گمان غالب ہو کہ سنت پڑھکر جماعت میں شریک ہو سکتا ہے، تو فجر کی سنت دوسری جگہ علٰحدہ پڑھکر جماعت میں شامل ہو اور دوسری نمازوں میں سنت پڑھنے کی اجازت نہیں نہ اس جگہ نہ علٰحدہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۲۵) مقتدی امام کے پیچھے نیت کرکے کھڑا ہوا جب مقتدی بیٹھنے لگا امام نے سلام پھیر دیا۔ مقتدی شامل جماعت ہوا یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب**۔ بیٹھنے سے قبل سلام پھیر دیا تو شامل جماعت نہ ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ**۔ (۲۲۶) محمد حبیب حسین صاحب و محفوظ الکریم بانکی پور دریا پور ۱۳ رجادی الاولیٰ ۵۶ھ مقتدی اور امام کے لئے حَیَّ عَلَی الْفَلَاح پر کھڑا ہوجانا اور قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ پر تحریمہ باندھ لینا ہر وقت

Marfat.com

مستحب اور ضروری ہے یا کسی تعذر مثلاً صف بندی کی درستگی کی بنا پر ضروری اور مستحب نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب۔** فقہائے کرام نے یہ حکم امام و مقتدی کے لئے مطلقاً بیان کیا ہے، اس قسم کی کوئی تقیید نہیں کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں اور تسویہ صف میں کوئی منافات نہیں ہے اور بڑے بڑے شہروں اور بڑی مسجدوں میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس حکم پر عمل کرنا تسویہ صف کے لئے مانع نہیں ہے۔ میں نے خود کلکتہ کی بڑی مسجد میں بارہا دیکھا ہے مقتدیوں کو چاہئے کہ پہلے سے درست ہو کر بیٹھیں، کہ دونوں حکموں پر عمل ہو۔ ہاں اگر تسویہ صف نہ ہوا ہو تو اسکی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے تسویہ صف کیا جائے[ؔ] اور اسکو ہرگز ترک نہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۲۷) مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب چتوڑی ارادپور میر توڑ مدرسہ اسلامیہ ۱۱ رجادی الاولیٰ ۵۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسبوق جو قعدہ اخیرہ میں شامل ہوا، اور تشہد پورا کرنے سے قبل امام نے سلام پھیر دیا، تو تشہد پورا کر کے اُٹھے یا فوراً اور تشہد پورا کرنے کی کیا دلیل ہے، کتاب سے جزئیہ کی تصریح چاہئے۔ بینوا توجروا

**الجواب۔** پورا تشہد پڑھ کے اُٹھے کہ ہر قعدہ بقدر تشہد اور قعدہ میں پورا تشہد واجب، تو اب واجب ہونیکے بعد کونسا مسقط پایا گیا کہ ساقط ہو، قعدۂ اولیٰ میں باوجود اس کے کہ مقارنت امام واجب تھی، مگر چونکہ دوسرے واجب کے معارض ہوئی، ساقط ہوئی، حالانکہ قعدہ اولیٰ کا وجوب خود مختلف فیہ ہے۔ اگرچہ اصح وجوب ہے، پھر بھی تشہد پورا کرنیکا حکم ہے، تو قعدۂ اخیرہ کہ فرض ہے اور فرائض میں امام کی متابعت واجب، لہذا یہ قعدہ اگرچہ بذاتہ اسپر نہ تھا، مگر متابعت امام سے واجب ہو گیا، اور ہر قعدہ میں تشہد واجب جیسا کہ کتب فقہ سے ظاہر، تو بغیر تشہد پورا کئے اٹھنا ترک واجب ہوگا کما ہو الظاہر۔ اور قعدہ اخیرہ میں تو فوراً اٹھنا سنت بھی نہیں، اگرچہ تشہد پڑھ چکا ہو، بلکہ مستحب یہ ہے کہ تاخیر کرے کہ ممکن ہے کہ امام کو سہو ہوا ہو، اور سجدہ سہو کرے، اور جب یہ ہے تو بغیر تشہد پورا کئے کیونکر اٹھنا جائز ہوگا۔ مسئلہ بہت واضح ہے، مگر آپ جزئیہ چاہتے ہیں، لہذا جزئیہ نقل کرتا ہوں:۔

شلبیہ علی الزیلعی میں ہے قال الفقیہ ابو اللیث فی النوازل اذا ترک الامام التشہد وقام او سلم فی اخر الصلوٰۃ المختار عندی انہ یتم تشہدہ وان لم یفعل اجزأہ۔ ورأیت فی موضع اٰخر المسبوق اذا فرغ الامام من قرأۃ التشہد ولم یفرغ ھو قیل یتم التشہد وقیل لا یتم لانہ انما یأتی بالتشہد ھٰھنا متابعۃ للامام وقد انقطعت التابعۃ بسـ

ؔ یعنی اقامت کے بعد، یہ مطلب نہیں کہ اثنائے اقامت میں کھڑے ہو کر صف درست کریں۔ امام کو چاہئے کہ صف سیدھی ہونے کا انتظار کرے۔ قد قامت الصلوٰۃ پر نماز شروع کرنے کا حکم استحبابی نہیں، یہ اجازت جواز کے درجے میں ہے۔ مستحب یہی ہے کہ اقامت پوری ہونیکے بعد نماز شروع کی جائے ؎

؎ موطا امام محمد میں ہے۔

Marfat.com

الامام وقد قیل یتم لانہ بمنزلۃ ذکر واحد فلو قطعہ تبطل بخلاف تسبیحات الرکوع والسجود لان کل تسبیحۃ ذکر علی حدۃ اھ درمختار میں ہے بخلاف سلامہ قبل تمام المؤتم التشہد فانہ لایتابعہ بل یتمہ لوجوبہ ولو لم یتم جاز۔ ردالمحتار میں ہے وشمل باطلاقہ مالو اقتدیٰ بہ فی اثناء التشہد الاول او الاخیر فحین قعد قام امامہ او سلم ومقتضاہ انہ یتم التشہد ثم یقوم ولم ارہ صریحا ثم رأیتہ فی الذخیرۃ ناقلا عن ابی اللیث المختار عندی انہ یتم التشہد، وان لم یفعل اجزأہ اھ وللہ الحمد۔ رہا یہ امر کہ جائز اور اجزأہ سے یہ دھوکا نہ ہو، کہ پڑھ لینا اولیٰ بہتر ہے، نہیں، نہیں، بلکہ یہ جواز مع کراہۃ التحریم ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے، کہ تشہد واجب ہے، تو اس کا ترک مفسد نماز نہیں، بلکہ نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اور جواز بایمعنیٰ محاورہ فقہاء میں شائع، کما لایخفیٰ علی من تتبع کلماتہم، ردالمحتار میں اسی کی شرح میں فرمایا جاز ای صح مع کراھۃ التحریم کما افادہ ح پھر علامہ طحطاوی وغیرہ نے جو اس پر اعتراض کیا تھا۔ اس کا جواب دیا، اور آخر میں فرمایا قولہم لایتابعہ یدل علی بقاء وجوب الاتمام وسقوط المتابعۃ تاکد ماشرح فیہ علی مایعرض بعدہ وکذا ما قدمناہ عن الظہیریۃ وحینئذ فقولہم ولو لم یتم جاز معناہ صح مع الکراھۃ التحریمیۃ ویدل علیہ ایضا تعلیلہم بوجوب التشہد اذ لو کانت المتابعۃ واجبۃ ایضا لم یصح التعلیل کما قدمناہ فتدبر وانا اقول وباللہ التوفیق وان لم یکن الجواز مع کراھۃ التحریم فلا یکون الجواز لان فی القعدۃ الاولی متابعۃ الامام واجبۃ وقد حکم الفقیہ ابو اللیث باتمام التشہد وترک المتابعۃ فبای وجہ تسقط المتابعۃ ان لم یکن الاتمام واجبا ومعلوم ان السنن تترک وتسقط اذا عارضت المتابعۃ ثم کیف یعم الاتمام اذا لم یکن واجبا ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۲۸) مسئولہ آفتاب الدین طالب علم مدرسہ اہلسنت ۲۴ رجادی الاخریٰ ۴۶ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام تشہد پڑھ رہا تھا اس صورت میں ایک شخص آکر حالت قیام میں اقتدا کر کے بیٹھنے کے لئے دونوں زانو زمین پر رکھا ہی تھا، کہ امام نے سلام پھیر دیا، اس شخص کی اقتدا درست ہے یا نہیں۔

**الجواب** ۔ اگر فوراً بلا توقف امام نے سلام پھیر دیا تو اقتدا صحیح نہ ہوئی، کہ اقتدا کے لئے کسی جز نماز میں مشارکت ضرور ہے۔ ردالمحتار میں ہے انہا اتباع الامام فی جزء من صلاتہ ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۲۹) از قصبہ فتح کھلڈا ضلع بلڈانہ سی پی مرسلہ محمد اسلم خاں ۱۲ ر رجب ۴۶ھ۔

Marfat.com

تنہا آدمی یا مسبوق اپنی باقی نماز جہر سے پڑھے یا آہستہ۔

**الجواب** ۔ منفرد آدمی جہر سے پڑھ سکتا ہے بلکہ اولیٰ ہے کہ اگر دوسرا شخص آگیا تو اس کے ساتھ شریک ہو جائیگا اور دونوں کو جماعت کا ثواب ملے گا، مسبوق جہر سے نہ پڑھے کہ دوسروں کو دھوکا ہوگا اور اسے منفرد سمجھ کر شریک ہو جائینگے

**مسئلہ** (۲۲۹) از چوری پٹی دیناج پور مرسلہ جناب حاجی شیخ عظیم اللہ انصاری صاحب کیراف شیخ فصیح اللہ عاشق علی انصاری ۵ صفر المظفر ۱۳۴۳ھ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسبوق نے چار رکعت والی فریضہ نماز کی آخری رکعت میں شرکت کی دریں صورت امام کے سلام پھیرنے کے بعد جو تین رکعت نماز اسے ادا کرنی ہے ان میں کے رکعتوں میں بعد سورہ فاتحہ سورہ ضم کریگا، موافق حکم خدا اور رسول واضح طریق پر بیان فرمائیں۔

**الجواب** :- ان تین میں سے دو پہلی میں ضم سورہ واجب ہے اور ان میں کی پہلی کے بعد قعدہ کرے کہ قعدہ دو رکعت پر ہوتا ہے اور اسکی دو رکعتیں ہو چکیں، فتاوی عالمگیری میں ہے انه یقضی اول صلاته فی حق القرأة و آخرها فی حق التشهد حتی لو ادرك ركعة من المغرب قضی ركعتين وفصل بقعدة فيكون بثلث قعدات وقرأ فی كل فاتحة وسورة ولو ترك القرأة فی احدهما تفسد ولو ادرك ركعة من الرباعية فعليه ان يقضی ركعة يقرأ فيها الفاتحة والسورة ويتشهد ويقضی ركعة اخری كذلك ولا يتشهد۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۳۰) اگر مسبوق امام کو رکوع میں پائے تو کس طرح تکبیر تحریمہ کہکر رکوع ادا کرے اور اگر رکوع فوت ہونے کا خوف ہو تو کس طرح امام کی متابعت کی جائے۔

**الجواب** ۔ اگر امام کو رکوع میں پایا تو سیدھا کھڑا ہونے کی حالت میں تکبیر تحریمہ کہے پھر دوسری مرتبہ اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے اگر تکبیر تحریمہ کہتا ہوا رکوع میں چلا گیا یعنی تکبیر اس وقت ختم ہوئی کہ حد رکوع تک پہنچ گیا ہے کہ ہاتھ بڑھائے تو گھٹنوں تک پہنچ جائیں تو نماز جاتی رہی پھر سے ادا کرے کذا فی الدر المختار وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۳۱) مرسلہ عزیزی مولوی غلام یزدانی سلمہ از جو دھپور مارواڑ ۵ صفر ۱۳۵۹ھ۔

فرض نماز میں نقصان آیا اور نماز اعادہ کی گئی اس نماز میں وہ شخص شریک ہو سکتا ہے یا نہیں جس نے فرض نہیں پڑھا یعنی نیا مقتدی شامل ہو سکتا ہے یا نہیں اور یہ نماز خالی پڑھی جائیگی یا اسکی سب رکعتیں بھری پڑھی جائیں، اور جہری

Marfat.com

نماز ہو اور جماعت کے ساتھ اعادہ کیا جائے تو جہر کیا جائے یا نہیں۔
(۲) نماز عیدین میں جس مسبوق کی ایک رکعت چھوٹ گئی وہ جب اپنی پڑھے گا تو پہلے تکبیر کہے گا یا قرأت کرے گا، علامہ شامی کی عبارت سے اس امر کی ترجیح ہو رہی ہے کہ پہلے قرأت کرے گا۔ کلیہ مشہورہ اس امر کا مقتضی ہے کہ پہلے تکبیرات کہی جائیں اگرچہ صحابہ سے اس کی تائید ثابت نہیں لیکن تائید اور قول کا نہ ہونے سے نفی کا ثبوت نہیں ہوتا اور توالی تکبیرات میں مجھے کوئی قباحت متصور نہیں ہوتی، البتہ علامہ شامی نے نفی کی تائید میں حضرت مولیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول پیش فرمایا ہے جس سے یہی اولیٰ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تکبیر کہی جائے، مگر حضور نے بہار شریعت میں اس مسئلے کو مجمل ذکر فرمایا ہے کہ جب وہ اپنی پڑھنے کھڑا ہو کہے، جس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ قرأت کے بعد کہے بلکہ اس امر کا ترشح ہوتا ہے کہ پہلے کہے، تو دریافت طلب یہ ہے کہ حضور کے خیال مبارک میں کون صورت راجح ہے۔

**الجواب** (۱) مفترض اس شخص کی اقتدا نہیں کر سکتا جو بوجہ نقصان نماز کا اعادہ کر رہا ہے خواہ یہ اعادہ واجب ہو یا مندوب۔ شق دوم میں وجہ ظاہر ہے کہ امام متنفل ہے اور مقتدی مفترض۔ مفترض متنفل کی اقتدا نہیں کر سکتا۔ صورت اولیٰ کہ اعادہ واجب ہے، یہ بھی اسوقت ہے کہ جب اصل فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو چکا ہو، ترک واجب یا فعل کراہت تحریم کی وجہ سے اسے اعادہ کا حکم ہوا۔ تو یہ شخص مفترض نہیں کہ فرض پڑھ چکا کہ یہ اعادہ جبر نقصان کے لئے ہے نہ کہ ادائے فرض کے لئے ورنہ اُسے اعادہ نہ کہتے بلکہ ادا کرنا کہا جاتا۔ تو جب یہ شخص فرض نہیں ادا کرتا ہے بلکہ فرض کی تکمیل کر رہا ہے تو مفترض اقتدا نہیں کر سکتا کہ اقتدا کے لئے اتحادِ نماز شرط ہے، درمختار میں ہے واتحاد مکانهما وصلاتهما۔ ردالمحتار میں ہے قال فی البحر والاتحاد ان یمکنه الدخول فی صلاته بنیة صلاة الامام فتکون الامام متضمنة لصلوة المقتدی اھ فدخل اقتداء المتنفل بالمفترض لان من لافرض علیه لو نوی صلاة الامام المفترض صحت نفلاً و لان النفل مطلق والفرض والمطلق جزء المقید فلا یغایرہ کما فی شرح المنیه۔ اعادہ میں نماز اسیطرح پڑھی جائیگی جس طرح فرض پڑھتے ہیں یعنی دو خالی دو بھری اور جہری ہو تو جہر کے ساتھ، سری ہو تو سراً کہ یہ نماز نفل نہیں بلکہ اسی فرض کی تکمیل ہے

واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) نماز عیدین میں جسکی پہلی رکعت جاتی رہی وہ جب اسکو ادا کرے تو بہتر یہی ہے کہ پہلے قرأت کرے بعد میں تکبیرات کہے، کلیہ اس امر کو مقتضی نہیں کہ پہلے تکبیر کہی جائے۔ پہلی رکعت میں تکبیرات کا تقدم اس وجہ سے تھا کہ تکبیر تحریمہ سے اسکا الحاق

Marfat.com

بہ نسبت تکبیر رکوع کے اولیٰ تھا، بحر الرائق میں ہے فی الرکعۃ الاولیٰ تخللت الزوائد بین تکبیرۃ الافتتاح وتکبیرۃ الرکوع فوجب الضم الی احدھما والضم الی تکبیرۃ الافتتاح اولیٰ لانھا سابقۃ وفی الرکعۃ الثانیۃ الاصل فیہ تکبیرۃ الرکوع لاغیرۃ فوجب الضم الیھا ضرورۃ کذا فی المحیط۔ اس عبارت سے بھی یہی ثابت کہ بعد میں کہے کیونکہ مسبوق کی اس رکعت میں تکبیر افتتاح ہی نہیں دراصل اس رکعت میں تکبیر رکوع ہے لہٰذا اسی کے ساتھ ضم کیجائے۔ جب قیاس اس امر کو مقتضی ہے کہ قرارت کے بعد کہی جائیں تو اس کے ترک کے لئے صحابہ کرام کا قول یا فعل درکار تھا اور جب یہ موجود نہیں بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول قیاس ہی کا مؤید ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور علامہ شامی اور ائمہ کی عبارت کا مطلب واضح ہوگیا دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ دونوں رکعتوں کی قرارت میں موالات مندوب ہے، عامہ متون میں ہے ویوالی بین القرأتین اور موالات بین التکبیرات خلاف اجماع ہے۔ غنیہ ذوی الاحکام میں ہے ان البدائۃ بالتکبیرات تؤدی الی الموالات بین التکبیرات وھو خلاف الاجماع اسی وجہ سے صاحب درمختار نے قرارت کو مقدم کرنے کی یہی وجہ لکھی ولو سبق برکعۃ یقرأ ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیر۔ اور بحر الرائق میں بھی یہی کہا کہ یصیر موالیا بین التکبیرات اور علامہ شرنبلالی نے تکبیرات کو مؤخر کرنے کو ظاہر الروایۃ کہا اور مقدم کرنے کو نوادر کی روایت بتایا اور ظاہر ہے کہ ظاہر الروایۃ کو نوادر پر مقدم و ترجیح ہے ان کی عبارت غنیہ میں یہ ہے ویوالی بین القرأتین اقول الا ان یکون مسبوقا برکعۃ ویری رائ ابن مسعود فیقرأ اولا ثم یکبر تکبیرات العید وفی النوادر یکبر اولا (الی ان قال) وجہ الظاھر الخ وھو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۳۲) مسئولہ یاد علی صاحب وارثی مہنداول ضلع بستی ۷ رمحرم ۶۷ھ۔

زید ظہر کے وقت جماعت میں اسوقت شامل ہوا جبکہ امام پہلی رکعت پڑھ چکا تھا، یعنی دوسری رکعت میں شامل ہوا اب جب امام قعدہ اخیرہ میں تشہد و درود و دعاء ماثورہ پڑھکر سلام پھیرے تو زید اسوقت صرف تشہد پڑھکر بیٹھا رہے یا امام کی اقتدا کرے یعنی درود شریف و دعاء ماثورہ یہ بھی پڑھے اور جب امام دوسری جانب سلام پھیرے اسوقت اٹھکر اپنی پہلی رکعت جو چھوٹ گئی تھی پوری کرے، جواب بحوالہ کتب ہو۔

**الجواب** ۔ مسبوق یعنی جسکی کوئی رکعت چھوٹ گئی ہے وہ امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ میں درود و دعا نہ پڑھے کہ وہ خود جب اپنی پڑھے گا تو قعدہ اخیرہ میں یہ چیزیں ادا کرے گا، اور یہ قعدہ اسکی نماز کا اخیر قعدہ نہیں۔ عالمگیری میں ہے وان المسبوق ببعض الرکعات یتابع الامام فی التشہد الاخیر واذا اتم التشہد لا یشتغل بما بعد من الدعوات

Marfat.com

یعنی مسبوق تشہد سے فارغ ہونے کے بعد تشہد کے بعد کی چیزوں میں مشغول نہ ہو۔ رہا یہ کہ امام کے قعدہ اخیرہ میں مسبوق کیا کرے۔ اس میں فقہار کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض یہ فرماتے ہیں کہ ٹھہر ٹھہر کر تشہد کے الفاظ ادا کرے کہ امام کے درود و دعا سے فارغ ہونے تک یہ اپنا تشہد ختم کرے۔ اور بعض فقہار یہ فرماتے ہیں کہ مسبوق اپنے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد کلمۂ شہادت یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کی تکرار کرے یہانتک کہ امام سلام پھیر دے۔ اور بعض فقہار یہ بھی فرماتے ہیں کہ سکوت کرے، درمختار میں ہے واما المسبوق فیترسل لیفرغ عند سلام امامه وقیل یتم وقیل یکرر کلمة الشهادة۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے عن ابن شجاع انه یکرر التشهد ای قوله اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وهو المختار کذا فی الغیاثیة والصحیح ان المسبوق یترسل فی التشهد حتی یفرغ عند سلام الامام کذا فی الوجیز للکردری وفتاوی قاضیخان وهکذا فی الخلاصة وفتح القدیر اور بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر مسبوق تشہد پڑھے اور باوجود اس کے امام کے فارغ ہونے سے پہلے اگر تشہد سے فارغ ہو گیا تو کلمۂ شہادت کی تکرار کرے کہ ترسل سے مقصد یہی تھا کہ یہ بیکار نہ رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۳۳) از جودھپور مارواڑ مرسلہ محمد حسین صاحب امام مسجد ۱۱ر شعبان ۵۰ھ۔

اگر امام مقیم درمیان نماز میں بے وضو ہو جائے اور کسی مسافر کو خلیفہ کر دے تو وہ مسافر امام قصر کریگا یا نہیں۔

**الجواب** ۔ مسافر نے جب مقیم کی اقتدا کرلی تو اب اسے چار رکعت پڑھنا فرض ہے، امام اگر اُسے خلیفہ بنائے جب بھی چار ہی پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۳۴) مسئولہ محمد اسد اللہ طالب علم مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف ۱۰ر جمادی الاخریٰ ۵۱ھ

اگر نماز میں جنت کی یاد سے یا نار کی یاد سے باآواز بلند کوہ کاہ کرے، تو فقہار کے نزدیک نماز جائز ہے یا نہیں، اور اگر اس صورت میں نماز کی جگہ سے ہٹ جائے تو جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ ذکر جنت و نار پر اگر گریہ طاری ہوا اور آہ اُف وغیرہا الفاظ زبان سے نکل گئے، تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر ایک دو قدم ایسی حالت میں آگے یا پیچھے ہٹ گیا، جب بھی حرج نہیں، درمختار میں ہے لا لذکر جنة او نار، ردالمحتار میں ہے لان الانین ونحوه اذا کان بذکرهما صار کانه قال اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ ولو صرح به لا تفسد صلاته۔ واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

**مسئلہ** (۲۳۵) ۱۲ر شعبان ۱۳۴۱ھ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ امام کو نماز فرض بالجہر میں سہو ہونیکی حالت میں مقتدی کو قرأت میں صحیح اصلاح دینا جائز ہے یا نہیں، ونیز لقمہ دینے کی صورت میں کس کی نماز باطل ہوگی۔ بینوا توجروا

**الجواب**۔ مقتدی نے امام کو صحیح لقمہ دیا، اور امام نے لے لیا تو نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوگی، نہ امام کی، درمختار میں ہے بخلاف فتحہ علیٰ امامہ فانہ لا یفسد مطلقاً لفاتح واٰخذ بکل حال ہاں اگر امام نے قرأت میں غلطی کی تو فوراً لقمہ نہ دے انتظار کرے کہ امام خود ہی صحیح کرلے یا دوسری جگہ کی آیت پڑھکر نماز کی تکمیل کرلے، جبکہ اُس آیت کو اس کے ساتھ ملانے میں معنیٰ فاسد نہ ہوں، یا تین آیت کی قدر پڑھ چکا ہے تو لقمہ کی حاجت نہیں امام رکوع کردے، ہاں اگر غلطی اس قسم کی ہے، جس سے معنیٰ فاسد ہوتے ہیں، اور نماز فاسد ہوتی ہے، تو لقمہ دیدے اگرچہ تین یا زیادہ پڑھ چکا ہو، ردالمحتار میں ہے یکرہ ان یفتح من ساعتہ کمایکرہ للامام ان یلجئہ الیہ بل ینتقل الیٰ اٰیۃ اخریٰ لایلزم من وصلھا مایفسد الصلاۃ اوالی سورۃ اخریٰ اویرکع اذا قرء قدر الفرض کما جزم بہ الزیلعی وغیرہ وفی روایۃ قدر المستحب کما رجحہ الکمال بانہ الظاھر من الدلیل واقرہ فی البحر والنھر ونازعہ فی شرح المنیۃ ورجح قدر الواجب بشدۃ تاکدہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۳۶) مسئولہ حافظ بنے صاحب از نینی تال یکم ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید حافظ کلام اللہ ہے، رمضان المبارک میں عشاء مع تراویح پڑھکر فارغ ہوگیا، ایک دوسری جگہ نماز تراویح ہورہی ہے، زید نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہوگیا، جماعت کے حافظ کو متشابہ لگا زید نے بتایا کیا ایسی صورت میں نماز میں قصور آگیا۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ جبکہ زید نے نماز میں شرکت کرلی تو لقمہ بھی دے سکتا ہے، لقمہ دینے کے لئے امام کے ساتھ نماز میں شریک ہونا شرط ہے، یہ شرط نہیں کہ جس قسم کی امام کی نماز ہو اسی قسم کی مقتدی کی بھی ہو، درمختار میں ہے بخلاف فتحہ علیٰ امامہ فانہ لا یفسد مطلقاً لفاتح واٰخذ بکل حال۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۳۷) از مقام کوسال پورہ مارواڑ مرسلہ مولا بخش صاحب امام مسجد ڈاکخانہ گوڑیہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ عورت لہنگا پہنکر نماز پڑھے یہ درست ہے یا نہیں۔

**الجواب**۔ لہنگے سے بھی نماز ہوجائیگی جبکہ ستر ہوجاتا ہو مگر یہ ہندوؤں کا لباس ہے مسلمان عورتیں اس سے

Marfat.com

اجتناب کریں نماز و بیرون نماز پائجامہ پہننے کی عادت رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۳۸) از کوسال پورہ ملک مارواڑ ڈاکخانہ گوڑیہ مرسلہ پیرزادہ سید مولا بخش صاحب ۳ ذی الحجہ ۴۳ھ۔

**نمبر ۱** فتویٰ جناب کا ملا کل حالات مندرجہ بالا سے مطلع ہوا مگر آپ نے ہم کو ایک شک میں ڈال دیا وہ یہ کہ لہنگا پہننے سے نماز ہوجاتی ہے ہم کو شک ہے کہ لہنگا سے نماز کیونکر ہوجاتی ہے کیا لہنگا سنت ہے یا فرض یا واجب ہے اگر اس خیال سے کہ آدمی تہبند سے نماز پڑھتے ہیں ویسا ہی لہنگا ہوتا ہے تو تہبند کو سُنا گیا ہے کہ سنت ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند باندھا تھا تو کیا بھلا لہنگا بھی بی بی صاحبہ نے پہنا تھا اگر شاید پہنا ہی ہوگا تو نیچے پائجامہ ہوگا اگر لہنگا جائز ہے تو علمائے دین کیوں منع فرماتے ہیں جب عورت لہنگا پہنے تو مرد دھوتی پہن کر نماز پڑھے تو کیا حرج ہے۔

**نمبر ۲** اول تو لباس ہندو کا ہے، دوسرے حدیث میں آیا ہے کہ "جو شخص دنیا میں جس لباس سے ہوگا وہ شخص قیامت کے دن بھی اسی لباس سے اٹھے گا جب لہنگے اور دھوتی میں کوئی حرج نہیں ہے تو پھر کیوں علمائے دین منع کرتے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ علمائے دین خود اپنی بیویوں کو لہنگا نہیں پہناتے اور خود بھی دھوتی کیوں نہیں باندھتے اس کا خلاصہ تشریح سے فرمادیں مختصر سے کم سمجھ میں آئے گا اور حوالہ کتاب کا بھی فرمادیں کہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ لہنگا سے نماز ہوجاتی ہے۔

**نمبر ۳** نماز تو ہر حالت میں جائز ہے لہنگا بھی نہیں ہو اور دھوتی بھی نہیں ہو تو لنگوٹ لگا کر نماز پڑھیں تو بھی نماز ہوجائے گی میرا خاص مطلب یہ ہے کہ لہنگا پہننے سے ثواب یا عذاب کچھ ہے یا نہیں۔ اس کی ضرورت ہے۔

**الجواب** - آپ نے مسئلہ کو غور سے نہ دیکھا ورنہ یہ سوالات پیدا نہ ہوتے نماز کے لئے ستر عورت فرض ہے جب ستر عورت ہوجائے نماز ہوجائے گی مگر چونکہ یہ کفار کا لباس ہے اس لئے ممنوع ہے اور حکم ہے کہ اس سے اجتناب و پرہیز کریں اور جب اجتناب کا حکم دیا گیا تو خود ہی معلوم ہوگیا کہ اوس کا پہننا گناہ ہے[عہ]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

عہ یہ تشبہ بالکفار ہوا۔ حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم۔ اور جب لہنگا پہننا گناہ ہوا تو اگر چہ اسے پہنکر نماز ہوجاتی ہے یعنی فرض ساقط ہوجاتا مگر نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہونا چاہیے جیسا کہ ریشمی کپڑے پہنکر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۲۲ پر ہے — فی الواقع ریشمین کپڑا پہنکر نماز مکروہ تحریمی ہے کہ اسے اتار کر پھر پڑھنا واجب۔ کما ھو معلوم من الفقہ فی غیر ما موضع۔ شرح مقدمہ غزنویہ پھر فتاویٰ الفقریہ میں ہے۔ تکرہ الصلوٰۃ فی ثوب الحریر وعلیہ لانھا محرم علیہ لبسہ فی غیر الصلوٰۃ ففیھا اولیٰ فان صلی فیھا صحت صلاتہ لان النھی لا یختص بالصلوٰۃ انتھی اقول وقولہ وعلیہ ایضًا مبتنٍ علی قولھما من حرمۃ افتراش الحریر والا فھو جائز عند الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لان المحرم لبسہ لا استعمالہ

**مسئلہ** (۲۳۹) از بڑودہ مرسلہ حاجی عثمان ابن ابوبکر ۳۲؁ھ ۱۱ ربیع الاول شریف۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر آدمی فرض نماز میں ہو اور حضور اسے یاد فرمائیں فوراً جواب دے اور حاضر خدمت ہو اور یہ شخص کتنی ہی دیر تک حضور سے کلام کرے بدستور نماز میں ہے اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا، کیا یہ بات صحیح ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** - نماز میں اگر کوئی شخص مشغول ہو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یاد فرمائیں تو جواب دینا واجب ہے، صحیح بخاری شریف میں ابوسعید بن معلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کنت اصلی فدعانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم اجبہ حتی صلیت ثم اتیت فقال مامنعک ان تاتی الم یقل اللہ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ (الحدیث) یعنی میں نماز پڑھتا تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھے بلایا اور میں حاضر نہیں ہوا جب پڑھ چکا تو حاضر ہوا ارشاد فرمایا کیوں نہ آیا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اے ایمان والو اللہ اور رسول کو جواب دو جب وہ تمہیں بلائیں یعنی اس حکم میں کوئی قید نہیں لہٰذا نماز وبیرون نماز ہر حالت میں اجابت واجب ہے، رہا نماز کا فاسد نہ ہونا اس کے متعلق امام بدرالدین محمود عینی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں قال صاحب التوضیح وصرح اصحابنا فقالوا من خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ لو دعی انسانا وھو فی الصلوٰۃ وجب علیہ الاجابۃ ولا یبطل صلاتہ ـــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۴۰) از بریلی بہار پور مرسلہ سید ایوب علی صاحب یکم ذی الحجہ ۴۴؁ھ۔

جس مکان میں آئینے قدآدم چارطرف لگے ہوں اس مکان میں نماز ہوجائے گی یا نہیں۔

**الجواب** - آئینہ سامنے ہو تو نماز میں کراہت نہیں کہ سبب کراہت تصویر ہے اور وہ یہاں موجود نہیں اور اگر اسے تصویر کا حکم دیں تو آئینہ کا رکھنا بھی مثل تصویر ناجائز ہوجائے حالانکہ بالاجماع جائز ہے، اور حقیقت امر یہ ہے کہ وہاں تصویر ہوتی ہی نہیں بلکہ خطوط شعاعی آئینہ کی صقالت کی وجہ سے لوٹ کر چہرہ پر آتے ہیں گویا یہ شخص خود اپنے کو دیکھتا ہے نہ یہ کہ آئینہ میں اسکی صورت چھپتی ہو۔ ـــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۴۱) از سکندر پور ضلع بلیا مرسلہ مولوی عبدالعظیم صاحب ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲؁ھ۔

(بقیہ ص۱۸۳) الانتفاع کما فی ردالمحتار وغیرہ نعم تکرہ الصلوٰۃ علیہ وان جاز انتر اسلہ لان الصلوٰۃ لیست موضع الترفہ وھذا الکراہۃ تنزیہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

نماز میں قرآن عظیم دیکھ کر پڑھنا عبادت علی العبادت ہونے کے سبب مفسد نماز ہے یا نہیں۔

**الجواب** ۔ اگرچہ مصحف شریف کی طرف نظر کرنا عبادت ہے مگر اسمیں دیکھ کر پڑھنا خارج سے تعلم ہے، اور یہ منافی نماز، جیسے زبان سے حالت نماز میں امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرنے سے نماز فاسد ہو جائیگی، اگرچہ یہ دونوں عبادت ہیں مگر چونکہ منافی نماز ہیں، لہٰذا نماز فاسد، یونہی کسی کو سلام کرنا، یا سلام کا جواب دینا وغیرہ وغیرہ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۴۲) از ٹیٹا گڈھ ۲۴ پرگنہ مرسلہ جناب شیخ رحمت حسین و پیر محمد صاحبان ۳۰ رجب ۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص ایک جگہ نماز ادا کر رہے ہوں اور ایک شخص آگے امام ہو کر نماز پڑھاتا ہو اتفاق سے امام کے سامنے سے ایک کتا یا ایک عورت چلی گئی، مقتدیوں میں سے ایک نے بآواز بلند نیت توڑ کر کہا کہ امام صاحب نیت توڑ دیجئے سامنے سے کتا یا عورت چلی گئی اور وہ شخص علٰحدہ جا کر نماز پڑھنے لگا لیکن امام اور بقیہ مقتدیوں نے نماز پوری کی، لہٰذا ان میں سے کن کن کی نماز ہوئی اور جس نے علٰحدہ جا کر نماز پڑھی اس پر کفارہ ہے یا نہیں۔

**الجواب** ۔ مصلی کے آگے سے گذرنا گناہ ہے، حدیث میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یقف اربعین خیراً لہ من ان یمر بین یدیہ اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو معلوم ہوتا کہ اس پر کیا گناہ ہے تو چالیس برس تک کھڑا رہنے کو گذرنے سے بہتر جانتا رواہ البخاری ومسلم عن ابی جہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ کعب احبار کہتے ہیں لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یخسف بہ خیراً لہ من ان یمر بین یدیہ اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو معلوم ہوتا کہ اسپر کیا گناہ ہے تو زمین میں دھنسا دیئے جانے کو گذرنے سے بہتر جانتا مگر آگے سے کوئی چیز گذر جائے تو مصلی کی نماز باطل نہیں ہوتی نہ عورت یا کتے کے آنے سے نماز باطل ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے لا یقطع الصلوٰۃ شئ وادرؤا ما استطعتم فانما ھو شیطان کسی چیز کے گذرنے سے نماز نہیں جاتی اور جہانتک ہو سکے اسے دفع کرو کہ وہ شیطان کا کام کرتا ہے رواہ ابو داؤد عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو داؤد والنسائی نے فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی وہ کہتے ہیں اتانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ونحن فی بادیۃ لنا ومعہ عباس فصلی بالصحراء لیس بین یدیہ سترۃ وحمارۃ لنا وکلبۃ تعبثان بین یدیہ فما بال بذالک ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم اپنے گاؤں میں تھے اور حضور کے ہمراہ حضرت عباس بھی تھے حضور نے صحرا میں نماز پڑھی اور سامنے کوئی

Marfat.com

سترہ بھی نہ تھا اور ہماری گدھی اور کتیاں حضور کے سامنے کھیل رہی تھیں مگر حضور نے اسکی کچھ پرواہ نہ کی صحیحین میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، کہتے ہیں اقبلت راکبا علی اتان وانا یومئذ قد ناهزت الاحتلام ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بالناس بمنیٰ الی غیر جدار فمررت بین یدی بعض الصف فنزلت وارسلت الاتان ترتع ودخلت الصف فلم ینکر ذالک علی احد میں گدھی پر سوار ہوکر آیا اور اسوقت میں قریب بلوغ تھا اور صف کے بعض حصہ سے گذر گیا پھر میں اترا اور گدھی کو چھوڑ دیا وہ چرنے لگی اور میں صف میں داخل ہوگیا کسی نے مجھ پر انکار نہ کیا۔ نیز صحیح بخاری ومسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی، کہتی ہیں کنت انام بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورجلای فی قبلته فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی واذا قام بسطتهما قالت والبیوت یومئذ لیس فیها مصابیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے اور میں حضور کے سامنے سوئی ہوتی تھی اور میرے پاؤں حضور کے قبلہ میں ہوتے سجدہ کرنا چاہتے اشارہ فرماتے میں سمیٹ لیتی اور جب سجدہ سے اٹھتے میں پاؤں پھیلا لیتی اور اس وقت مکانوں میں چراغ نہیں ہوتے تھے نیز انھیں سے بخاری شریف میں مروی کہتی ہیں۔ فقد رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی وانی علی السریر بینه وبین القبلة مضطجعة فتبدو لی الحاجة فاکرہ ان اجلس فاوذی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فانسل من عند رجلیه نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم، نماز پڑھتے ہوتے اور حضور اور قبلہ کے درمیان میں لیٹی ہوتی تھی پھر اگر کوئی حاجت پیش آتی میں بیٹھنا پسند نہ کرتی تھی کہ حضور کو تکلیف ہوگی حضور کے پاؤں اقدس کی جانب سے سرک جاتی تھی، ان روایات حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت یا کتے کا گذرنا قاطع نماز نہیں ہے، درمختار میں ہے لا یفسد مرور مار بین یدیه مطلقاً ولو امرأۃ او کلبا۔ توجب نماز نہیں باطل ہوئی تو اس کو قصداً نماز توڑنا اور جماعت کے خلاف اپنی الگ پڑھنا ناجائز تھا لاعلمی میں اس نے ایسا کیا[عہ]۔ ممکن ہے اسکو کسی نے ایسا ہی بتادیا ہو، صحیح مسئلہ بتادیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۱)** (۲۴۳) از ہردہ ضلع ہوشنگ آباد مرسلہ حاجی عبداللطیف صاحب ۲۲ ذیقعدہ ۴۶ھ

امام کو علاوہ قرارت کے کسی رکن میں سہو مثلاً کھڑا ہونا چاہئے تھا بیٹھ گیا، بیٹھنا تھا کھڑا ہوگیا تو مقتدی تسبیح یا تکبیر کہکر متنبہ کرسکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کرنے پر مقتدی کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں۔

**مسئلہ (۲)** جو مقتدی سجدے میں بلا عذر کسی پاؤں کی ایک انگلی کا بھی پیٹ زمین سے نہ لگاتا ہو تو اسکی نماز باطل ہوگی یا نہیں

عہ اس شخص کی بھی نماز ہوگئی، اس پر کوئی گناہ نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ الجدی

Marfat.com

اگر ہوگی تو ایسا مقتدی امام کو لقمہ دے اور امام لقمہ لے تو خارج نماز کا لقمہ لینا ہوا تو اس صورت میں تمام کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں۔

**الجواب** (۱) مقتدی کو ایسے موقعہ پر جبکہ امام کو متوجہ کرنا ہو سبحٰن اللہ یا اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا جائز ہے جس سے امام کو خیال ہو جائے اور نماز کو درست کرے، صحیح بخاری شریف وغیرہ کی حدیث ہے مالی رأیتکم اکثرتم التصفیق من نابہ شیٔ فی صلاتہ فلیسبح فانہ اذا سبح التفت الیہ وانما التصفیق للنساء اس صورت میں نماز فاسد ہونا درکنار مکروہ بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) سجدہ میں ایک انگلی کا پیٹ لگانا ضرور ہے ورنہ سجدہ نہ ہوگا، درمختار میں ہے د وضع اصبع واحدۃ منھما شرط نیز اسی میں ہے دیفترض وضع اصابع القدمین ولو واحدۃ نحو القبلۃ والا لم یجز والناس عنہ غافلون اور جب سجدہ نہ ہوا نماز نہ ہوئی مگر یہ شخص نماز سے باہر نہیں ہوا ہے جب تک سلام کلام منافی صلوٰۃ کوئی عمل نہ کرے اُسوقت تک نماز ہی میں ہے کہ اگر صحیح طور پر اس کے بعد سجدہ کرے نماز ہو جائیگی یعنی فرض ادا ہو جائے گا لہٰذا اگر ایسا شخص امام کو لقمہ دے اور امام لے تو یہ خارج نماز کا لقمہ دینا نہیں اور لقمہ لینے سے امام کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

**مسئلہ** (۲۴۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی ہمشیرہ یا ماں یا بیوی کے برابر کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں۔

**الجواب** - اگر نماز میں تحریمۃً واداءً اشتراک ہو اور تمام وہ شرائط جو اس صورت میں نماز فاسد ہونے کے لئے ہیں پائے جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی، عورت کا زوجہ ہونا یا محارم سے ہونا اس باب میں کوئی اثر نہیں رکھتا درمختار میں ہے اذا حاذتہ امرأۃ ولو امۃ اس کے تحت میں ردالمحتار میں فرمایا ولا وجہ[عہ] للمبالغۃ بالامۃ ولعلھا ولو امۃ بھاء الضمیر وعبارتہ فی الخزائن ولو محرمہ او زوجتہ وخرج بہ الامرد اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اگر فرض نماز میں تین آیت صحیح ہو، اور باقی آیتوں میں زیر و زبر کی غلطی ہو جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔

**الجواب** - جس غلطی سے فساد معنیٰ ہو اس سے نماز فاسد ہو جائیگی۔ اور جس سے معنی فاسد نہ ہوں، نماز فاسد

---

عہ اقول الوجہ وجیہ ھو ان الاختلاط بالامۃ اکثر من غیرھا فلعل متوھم یتوھم ان لا یفسد الصلاۃ لمحاذاتھا فلازالۃ ھذا التوھم قال ولو بالامۃ واللہ تعالیٰ اعلم - امجدی

Marfat.com

نہ ہوگی دونوں صورتیں تین آیت سے قبل ہوں یا بعد اسمیں فرق نہیں۔ دونوں کا ایک حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۴۶) از پالی مارواڑ علاقہ جودھپور مرسلہ جناب عبدالرحمٰن صاحب ۹ رجمادی الاولیٰ ۴۹ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرارت کو راگنی کے ساتھ پڑھنا اور قرارت میں بہت ٹھہرنا کیا حکم رکھتا ہے۔ اور غلط پڑھتا ہے، امام ہے۔

**الجواب**۔ راگنی سے پڑھنے کے یہ معنی کہ راگ بنانے میں حروف کم وبیش کرتا ہے یہ حرام ہے اور معنی فاسد ہونے کی صورت میں نماز بھی فاسد ہے اور اگر راگنی کا یہ مطلب ہے کہ آواز بنا کر پڑھتا ہے کہ پڑھنے سننے میں اچھا معلوم ہو تو حرج نہیں بلکہ بہتر ہے غلط پڑھنے میں معنیٰ فاسد ہوں تو نماز نہ ہوئی ورنہ ہو جائے گی جبکہ قصداً نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۴۷) مرسلہ سید ضمیر الدین صاحب از الہ آباد ۲۰ رجمادی الاخریٰ ۴۹ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر پیچھے دھوتی کھونسی ہو مگر ڈھیلی ہو نماز ہوگی یا نہیں۔ اور ایسی حالت میں جب کوئی مسلمان دھوتی پہنے ہو بلا دھوتی کے کچھ کھولے ہوئے جبکہ کچھ تنگ ہو، نماز پڑھی تو نماز ہوئی یا نہیں۔

**الجواب**۔ اگر دھوتی ایسی بندھی ہے کہ ایک ران کی چوتھائی کھلی ہوئی ہے، یا دونوں میں اتنی کھلی ہے کہ مجموعہ چوتھائی کی قدر ہے اور اسی حالت میں نماز شروع کردی یا اثنا ر نماز میں بقدر تین تسبیح یہ مقدار کھلی رہی جب تو نماز ہی بالکل نہ ہوئی۔ اگر ایسا نہیں بلکہ اس طرح بندھی کہ ستر ڈھکا ہوا ہے۔ تو نماز مکروہ تحریمی ہوئی کہ کفِ ثوب ہے حدیث میں ہے دان لا اکف ثوباً

**مسئلہ** (۲۴۸) از پورنیہ سید باڑہ مرسلہ جناب مولوی شمس العالم صاحب ۱۳ رجب ۵۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ مقتدی نے مسافر کی اقتدا کی امام نے چار رکعت پڑھی مقتدی نے بھی ساتھ دیا، مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں۔

**الجواب**۔ مقتدی مقیم نے اگر چار رکعتی فرض میں امام مسافر کی متابعت کی تو مقتدی کی فرض نماز جاتی رہی، کہ امام ان رکعتوں میں متنفل ہے۔ اور وہ مقتدی مفترض اور مفترض متنفل کی اقتدا نہیں کرسکتا۔ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ولا یصح اقتداء مفترض لمتنفل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱) (۲۴۹) فرض نماز میں امام بھولا اور مقتدی نے لقمہ دیا۔ فرض ہوا یا نہیں۔ اور اگر لقمہ نہ دیا اور غلط پڑھتا چلا گیا تو فرض ہوا یا نہیں۔

Marfat.com

**مسئلہ** (۲۵۰) فرض میں امام نے مقتدی کا لقمہ نہ لیا اور رکوع میں چلا گیا تو مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں۔

**الجواب** ۔ فرض میں بھی لقمہ دینا جائز ہے لقمہ دینے والے اور سننے والے دونوں کی نماز درست ہے۔ اور اگر امام نے لقمہ نہ لیا اور غلطی ایسی ہے جس سے معنی فاسد ہوتے ہیں تو کسی کی نماز نہ ہوئی اور اگر ایسی غلطی نہیں ہے کہ معنی فاسد ہوں تو نماز ہو گئی وہو تعالیٰ اعلم

ج۔ امام غلط پڑھکر رکوع میں چلا گیا اور مقتدی کا لقمہ نہیں لیا جب بھی وہی حکم ہے وہو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۵۱) انگریزی بوٹ جوتے پر اگر مسح جائز ہے تو اس کے واسطے نماز کا کیا حکم ہے کہ وہ اتار کر پڑھ سکتے ہیں یا پہنے ہوئے ہی پڑھ سکتے ہیں۔ اور خاص ضرورت کے وقت یا عام حالت میں پڑھ سکتے ہیں۔

**الجواب** ۔ انگریزی بوٹ جوتے پر مسح جائز ہے جبکہ وہ ایسے ہوں کہ ان سے ٹخنے چھپے ہوں کہ ان پر موزہ کی تعریف صادق آتی ہے رہا یہ امر کہ ان کو پہنکر نماز جائز ہے یا نہیں اگر ان کے پنجے اتنے نرم ہوں کہ سجدہ میں انگلیاں قبلہ رو ہو سکتی ہوں اور دبتی ہوں تو نماز ہو جائیگی اور اگر انگلیاں بالکل کھڑی رہتی ہوں تو سجدہ نہ ہوگا اور نماز بھی نہ ہوگی کہ سجدہ میں ایک انگلی کا پیٹ لگنا شرط و فرض ہے اور اگر بعد مسح وہ جوتا اتار دیا تو مسح جاتا رہا پاؤں دھونا فرض ہوگا یہ حکم نفس نماز کا ہے مگر جوتا پہن کر مسجد میں جانا بہرحال مکروہ ہے کذا فی العالمگیریہ۔ وہو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۵۲) پاخانہ پھرنے کے بعد ڈھیلوں سے استنجا کر لیا اور پانی سے استنجا کرنا بھول گیا اور نماز پڑھ لی تو نماز ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا ــــ اگر ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پاخانہ کے مقام کو ہاتھ سے نہ دیکھا کہ تری ہے یا نہیں اس صورت میں بغیر پانی سے استنجا کئے نماز پڑھ لی، ہوئی یا نہیں۔ یونہی پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلے سے استنجا کر لیا اور پانی سے نہیں کیا اور نماز پڑھ لی، تو نماز ہوئی یا نہیں۔

**الجواب** ۔ اگر مخرج سے نجاست متجاوز نہ ہو تو پانی سے استنجا مستحب ہے اور درہم سے کم متجاوز ہو تو سنت اور بقدر درہم متجاوز ہو تو واجب۔ پہلی صورت میں نماز میں بالکل حرج نہیں۔ دوسری میں خلاف سنت، تیسری میں واجب الاعادہ اور درہم سے زیادہ ہو تو ہوگی ہی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۵۳) مسئولہ مولوی شفاء الرحمن طالب علم مدرسہ اہلسنت بریلی ۲۰ جمادی الاولیٰ ۴۳ھ
تاڑ کے پتے کی بنی ہوئی چٹائی پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب

---

عہ لقمہ دینے والے کی بھی ہو گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عہ اسی تفصیل کے ساتھ کہ غلطی اگر ایسی ہے کہ معنی فاسد ہو گئے تو سب کی نماز گئی۔ اور اگر ایسی غلطی نہیں تو سب کی ہو گئی، واللہ تعالیٰ اعلم　امجدی

Marfat.com

**الجواب** ۔ تاڑی بیشک حرام ہے، کہ اسمیں نشہ ہوتا ہے۔ اس کے پتے کی چٹائی میں کچھ مضائقہ نہیں جس طرح انگور جائز اور شراب حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۵۴) مرسلہ سید غلام جیلانی صاحب سلمہٗ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ ۷ ربیع الآخر ۱۳۵۵ھ

آلہ مکبر الصوت امام کے سامنے رکھا جائے، تاکہ جملہ مقتدیوں کو امام کی قرارت وغیرہ تکبیرات کا حال معلوم ہو، جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو کس دلیل سے۔

**الجواب** ۔ اس کے ناجوازی کی وجہ ابتک ذہن میں نہیں آئی ہے۔ بعضوں نے اسے تعلیم من الخارج قرار دیا ہے، مگر فقیر کے نزدیک یہ غلط ہے۔ اسکو تعلیم من الخارج اسوقت کہہ سکتے ہیں کہ یہ آلہ خود بخود بولتا، اور وہ آواز اسی کی آواز ہوتی۔ مگر ایسا نہیں، بلکہ یہ آواز حقیقۃً اس قاری کی آواز ہے کہ اگر آلہ نہ ہوتا تو تھوڑی دور پہونچ کر ہوا میں منتشر ہو جاتی، اس آلہ نے اُسے دور تک پہونچایا جس طرح ٹیلیفون پر بات کرنیوالے کی آواز سیکڑوں کوس پہونچتی ہے جو حقیقۃً اسی کی آواز ہوتی ہے، ٹیلیفون کی آواز نہیں ہوتی، ٹیلیفون وہاں تک پہونچانے کے لئے واسطہ ہے، اسی طرح یہ آلہ مکبر الصوت امام کی آواز پہونچانے کا ذریعہ ہے۔ اور آواز وہی ہے جو امام کے منہ سے نکلی۔ لہٰذا تعلیم من الخارج قرار دیکر نماز کو فاسد قرار دینا غلط ہے، مگر نماز میں یہ جدت اچھی نہیں معلوم ہوتی جو طریقہ سلف صالحین کا ہے اس سے عدول اچھا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۵۵) مسؤلہ محمد اسمٰعیل ولد الغو دوٹانکی ڈنکن روڈ لاہوری دربار ہوٹل بمبئی ۲۷ء

بمبئی کے اندر مسجدوں میں ریڈیو سے خطبہ سنایا جاتا ہے جماعت بھی ہوتی ہے، جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب** ۔ آلہ مکبر الصوت سے خطبہ سننے میں حرج نہیں مگر اسکی آواز پر رکوع سجود کرنا مفسد نماز ہے۔[ع۵] واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۵۶) مرسلہ محمد اسمٰعیل ولد الغوبسا ہو ولا دوٹانکی ڈنکن روڈ لاہوری دربار ہوٹل بمبئی ۲۷ء

لوگ یہ کہتے ہیں کہ ریڈیو سے خطبہ سننا آپ کے مولانا نے کونسی دلیل سے ثابت کیا ہے بیان فرمادیں۔

---

ع۵ پہلا فتویٰ خود بتا رہا ہے کہ اس وقت تک الاؤڈ اسپیکر کی حقیقت اچھی طرح منکشف نہ تھی۔ اور جب اسکی حقیقت واضح ہوگئی تو یہ فتویٰ دیا فساد صلاۃ وجہ تلقن من الخارج ہے۔ اسلئے کہ لاؤڈ اسپیکر کی ساخت کے ماہرین کا کہنا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر متکلم کی آواز کے مثل دوسری آواز پیدا کرتا ہے، تو نمازیوں کو جو آواز سنائی دے رہی ہے وہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز ہے۔ اور اگر اسے صحیح نہ مانا جائے تو بھی کم از کم اتنا ضرور ہے کہ ہارن سے نکلنے والی آواز میں خارج کا مکمل عمل دخل ہے فقہاء نے صدی (آواز بازگشت) کو فرمایا کہ لانہا محاکاۃ دلیس بقراءۃ (غنیۃ طحطاوی علی المراقی) صرف اسی بنا پر کہ صدی میں اگرچہ بعینہٖ آواز متکلم سنائی دیتی مگر اس میں خارج کا عمل دخل ہے اگرچہ اضطراری اور بہت قلیل۔ خارج کے اس اضطراری و قلیل دخل نے بعینہٖ متکلم کی آواز کو محاکاۃ کی حکم میں کر دیا۔ تو لاؤڈ اسپیکر میں بالقصد والاختیار خارج کا اثر ہے۔ اور وہ بھی بہت زائد تو ہارن سے جو تکبیر سنائی دے رہی ہے وہ تکبیر نہیں محاکاۃ ہے اسلئے اس پر التفات کرنا تلقن الخارج اور بلاشبہہ مفسد صلاۃ ہے، من شاء التفصیل فلیرجع الی فتاوینا واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

Marfat.com

مخدومی معظمی مکرمی جناب مولانا صاحب دیوبندی[عہ] یہ کہتے ہیں کہ ہمارے مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے نماز اور خطبہ سب ریڈیو سے سننا پڑھنا ناجائز ہے۔ آپ کے مولانا صاحب امجد علی کونسی دلیل سے ریڈیو سے خطبہ سننا جائز کیا کچھ خلاصہ جواب نہ دیا۔ حضور اسی واسطے میں نے دوبارہ سوال لکھا ہے ان لوگوں نے مجھے بہت حیران کر رکھا ہے۔

**الجواب** - جمعہ کے لئے خطبہ شرط ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ تمام حاضرین جمعہ خطبہ سنیں۔ اگر جماعت کثیر ہے اور امام کا خطبہ دور والوں نے نہیں سنا جب بھی نماز ہو جائے گی، یہ نہیں کہ جنھوں نے خطبہ نہ سنا اور ان تک آواز نہ پہونچی ان کی نماز نہ ہو[عہ] لہٰذا اگر آلہ مکبر الصوت لگا گیا اور دور والوں کو اس آلہ کے ذریعہ سے آواز آئی تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے امام سے خطبہ نہیں سنا اور ہم نے بیان کر دیا کہ جس نے خطبہ نہیں سنا اسکی بھی نماز ہو جائے گی۔ جو لوگ ناجائز بتاتے ہیں ان کو ناجائز ہونے کی دلیل بیان کرنی چاہئے: اسے ہم سے دلیل مانگنے کی کوئی وجہ نہیں۔ آپ ان سے پوچھئے کہ جس نے امام کی آواز نہ سنی اور آلہ کے ذریعہ سے اس کے کان میں آواز آئی اس کا جمعہ کیوں نہیں ہوگا۔　　　　واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۵۷) از شہر کہنہ بریلی محلہ ربڑی ٹولہ مرسلہ احمد یار خاں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ زید کہتا ہے کہ ایک شخص نے عمر بھر نماز پڑھی اور پڑھیگا۔ اور اس نے ایک وقت کی نماز قصداً ترک کر دی تو اسکی عمر بھر کی نمازیں اکارت ہو جائیں گی اور کوئی نماز قبول نہ ہوگی۔ اسکی تشریح فرمادیجئے۔ بینوا توجروا

**الجواب** - ایک وقت کی قصداً نماز ترک کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ مگر میری نظر میں کوئی ایسی حدیث نہیں جس کا یہ مضمون ہو کہ اسکی ساری نمازیں اکارت اور برباد گئیں۔　　　　واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۵۸) مرسلہ مولوی غلام رشید صاحب از ناگپور مومن پورہ ۱۵ ذی الحجہ ۶۶ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سورہ زلزال کی دو آخری آیتیں یعنی فَمَنْ یَّعْمَلْ الآیہ اور وَمَنْ یَّعْمَلْ الآیۃ کو کسی نے ترتیب بدلکر نسیاناً ہر دو میں سے مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا تو ایسی شکل میں

---

عہ صرف تھانوی صاحب ہی نہیں۔ مولوی حسین احمد ٹانڈوی اور مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کا بھی یہی فتویٰ ہے، ملاحظہ کریں۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد پنجم ص۱۹۵ تا نہایت ص۲۰۰۔ امجدی

عہ اور نہ وہ خطبہ سننے کے ثواب سے محروم ہوں گے۔ حصول ثواب کے لئے حضور کافی ہے اگرچہ دوری کیوجہ سے خطیب کی آواز نہ سنائی دیتی ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

نماز ہوئی یا نہیں، اور ترتیب میں اس قسم کی غلطی موجب فساد ہے یا نہیں، جواب میں ہر دو آیتوں کا بالاختصار تعین کر دیا جائے تاکہ معاند مجادل کے لئے کسی قسم کا سہارا لینے کی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔

**الجواب** ۔ سورہ زلزال کی پچھلی دونوں آیتیں اگر سہواً خلاف ترتیب پڑھ دی گئیں یعنی پہلی جگہ شَرًّا یَّرَہٗ پڑھا اور بعد میں خَیْرًا یَّرَہٗ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی [ف]۔ کہ اس صورت میں معنی کا فساد نہیں لازم آتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۵۴) مرسلہ جناب عبداللطیف خاں صاحب دوکاندار روبرو ڈال رحیم خانصاحب محلہ چھٹی ٹولہ اٹادہ یوپی ۷ رشوال ۶۷ھ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدگاہ میں نماز یا خطبہ عید کے لئے محراب میں یا منبر پر مکبرہ فون (آلہ نشر الصوت) لاؤڈ اسپیکر لگانا جائز ہے یا نہیں لگانے والا شرعی مجرم ہے یا مستحق ثواب۔ امام عید کا آلہ مذکور پر نماز پڑھنا یا منبر پر اپنے منہ کے سامنے لگا کر خطبہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اگر ناجائز ہے تو ایسا کرنے والوں کے لئے کیا حکم ہے

**الجواب** ۔ خطبہ کی حالت میں آلہ مکبر الصوت لگانے میں کوئی حرج نہیں مگر نماز کی حالت میں امام کا اس آلہ کو استعمال کرنا درست نہیں اس آلہ کے ذریعہ سے جن لوگوں نے تکبیرات کی آواز سنکر رکوع و سجود کیا ان کی نمازیں نہیں ہوئیں واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۵۵) مرسلہ عبداللطیف خاں دوکاندار روبرو ڈال رحیم خانصاحب محلہ چھٹی اٹادہ یوپی ۸ رشوال ۶۷ھ

عیدگاہ میں بدنظمی کی وجہ سے صدہا اشخاص کی نماز میں امام کی نماز سے اختلاف ہوا، وہ یوں کہ جب امام نے سلام پھیرا تو مقتدیاں رکوع و سجود میں تھے کوئی قیام میں تھا۔ ان حضرات نے تکبیرات زوائد و انتقال کی آواز میں بوجہ بدنظمی نہ سنی تھیں تو ایسی صورت میں ان حضرات کی نماز ہوئی یا نہیں اس بدنظمی کا متولی ہی سبب واحد ہے جس نے مکبر مقرر نہ کئے۔

**الجواب** ۔ امام کے سلام پھیرنے کے وقت جو لوگ رکوع و سجود میں تھے اگر انھوں نے بعد کے ارکان و واجبات نماز پورے کر کے سلام پھیر دیا تو ان کی نمازیں ہوگئیں اور اگر امام کے سلام پھیرتے ہی ان لوگوں نے اپنی نمازیں قطع کر دیں تو ان کی نمازیں نہیں ہوئیں، مکبر مقرر کرنا متولی کے فرائض میں نہیں، اگر متولی نے نہیں مقرر کیا تھا تو مقتدیوں میں خود ہی لوگوں کو چاہئے تھا کہ جب امام کی آواز نہیں پہنچتی ہے تو متعدد لوگ تکبیرات کہتے کہ سب لوگوں کو امام کا حال معلوم ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۵۶) مرسلہ حافظ عبدالمجید خانصاحب از ضلع اعظم گڑھ ڈاکخانہ ندوا سرائے موضع صسنہ ۹ محرم ۱۳۲۱

---

ف ۔ اور نماز میں کراہت بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

Marfat.com

اگر بوقت فجر یا ظہر یا عصر یا نیز کسی وقت اگر امام سنت نہ پڑھے بغیر سنت پڑھے نماز پڑھانے جبکہ وقت تنگ ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز ہوگی یا نہیں۔

**الجواب** ۔ اگر وقت تنگ ہے کہ سنت میں مشغول ہوگا تو وقت جاتا رہے گا اور نماز قضا ہو جائیگی تو اس حالت میں لازم ہے، سنت ترک کرکے فرض نماز ادا کرے، اور اگر اتنا وقت ہے کہ سنت پڑھکر فرض وقت کے اندر پڑھ لیگا تو سنت مؤکدہ کو ترک نہ کرے، ردالمحتار میں ہے السنۃ المؤکدۃ قریبۃ من الواجب فی لحوق الاثم کما فی البحر ویستوجب تارکھا التضلیل واللوم کما فی التحریر ای علی سبیل الاصرار بلا عذر کما فی شرحہ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۵۷) مسئولہ علی بخش صاحب ۱۷ رجادی الاخریٰ ۴۱ھ

ہرن کے چمڑے پر نماز پڑھتے ہیں، سجدہ اُس چمڑے کے دم کی حصہ کے طرف کرنا چاہیے یا سر کے حصہ کی طرف۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ اختیار ہے، سر کے حصہ کی طرف سجدہ ہو، یا اس کا عکس ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۵۸) مرسلہ عبدالعزیز صاحب از ٹانڈہ ضلع فیض آباد ۲۵ ر ذی الحجہ ۴۱ھ۔

شریعت کا کیا ارشاد ہے کہ تہبند کے نیچے لنگوٹ باندھکر نماز پڑھنا کیسا ہے۔

**الجواب** ۔ لنگوٹ باندھکر نماز پڑھنا بلاکراہت جائز ہے[عہ] ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۵۹) مسئولہ حافظ علی احمد صاحب از جسولی بریلی ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کل کپڑے موجود ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں نیم آستین کی بنڈی یا بنیائن پہنکر نماز پڑھنا کیسا ہے، جبکہ کہنیاں کھلی ہوں۔

**الجواب** ۔ جس کے پاس کپڑے موجود ہوں اور صرف نیم آستین یا بنیائن پہنکر نماز پڑھتا ہے، تو کراہت تنزیہی ہے اور کپڑے موجود نہیں تو کراہت بھی نہیں، معاف ہے، اور اگر کرتے یا اچکن کی آستین چڑھاکر نماز پڑھتا ہے تو نماز مکروہ تحریمی ہے، درمختار میں ہے وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل وصلٰوتہ فی ثیاب بذلۃ یلبسھا فی بیتہ ومھنتہ ای خدمتہ ان لہ غیرھا والا لا ——— واللہ تعالیٰ اعلم

---

عہ لنگوٹ میں اگرچہ کپڑا موڑا جاتا ہے اور گھرلیا جاتا ہے، مگر یہ کف ثوب نہیں۔ کف ثوب غیر معتاد طریقے پر کپڑے کے گھرنے اور موڑنے کو کہتے ہیں۔ کما فی الرضویہ صفحہ ۴۴۶ ج ۳ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

Marfat.com

**مسئلہ** (۲۶۰) مرسلہ حافظ سید محمد اکرام الدین صاحب امام مسجد از محلہ ڈھوری محال بنارس ۷ ربیع الاول

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں امام مسجد کے دالان کے دَر میں کھڑا ہوا اور مقتدی برآمدہ میں۔ اور وہ دالان برآمدہ سے آٹھ انگل اونچائی پر ہے تو کیا ایسی صورت میں امام کی اقتدا درست ہے

(۲) امام کے پاس مصلیٰ ہے اور مقتدی کے پاس کچھ نہیں، تو کیا اس حال میں امام کی اقتدا صحیح ہے۔

(۳) امام مسجد کے دالان کے در میں ہو اور مقتدی باہر ہوں تو کیا حکم ہے۔

(۴) جو کوئی موزے پر پائتابہ پہنے ہوئے مثل نعلین کے ہو وہ نماز کے وقت کیا کرے اور اسکی اقتدا کیسی ہے۔

**الجواب** (۱) ۔ امام کا در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، ردالمحتار میں ہے والاصح ماروی عن ابی حنیفۃ انہ قال اکرہ ان یقوم بین الساریتین اور امام کا بلند جگہ کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے، جبکہ بلندی حد امتیاز کو ہو، اور آٹھا انگل یا چھ انگل کی مقدار ضرور اتنی ہے کہ دور سے امتیاز ہو جائے گا۔ تنویر الابصار بیان مکروہات میں ہے وانفراد الامام علی الدکان۔ درمختار میں بحوالہ فتح اسکی مقدار بقدر امتیاز فرمائی اور اسی کو اوجہ کہا، اور بدائع میں اسی کو ظاہر الروایۃ فرمایا، اور حلیہ میں اسی کو ترجیح دی۔ درمختار میں ہے وقیل مایقع بہ الامتیاز وھو الاوجہ ذکرہ الکمال وغیرہ ردالمحتار میں ہے وھو ظاھر الروایۃ کما فی البدائع قال فی البحر والحاصل ان التصحیح قد اختلف والاولی العمل بظاھر الروایۃ واطلاق الحدیث اھ وکذا رجحہ فی الحلیۃ　　واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اگر امام جانماز وغیرہ پر ہو تو یہ ضروری نہیں کہ مقتدی کے پاس جانماز ہو اسمیں اصلاً عدم جواز بلکہ کراہت بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اقتدا صحیح ہے مگر کراہت ہے جیسا کہ جواب سوال اول میں مذکور ہوا۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) موزہ پہنکر نماز پڑھنے میں اصلاً کوئی حرج نہیں، اور چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے۔ اور ایک دن رات مقیم اور تین دن تین راتیں مسافر ان پر مسح کر سکتا ہے تو اگر نماز کے وقت اُتارنا ضروری ہو تو مسح کیونکر کر سکتا ہے کہ موزہ اُتارنے سے مسح جاتا رہتا ہے کما ھو مصرح فی کتب الفقہ۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۶۱) مسئولہ　از　شہر بریلی　۲۹ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام صاحب نماز کے وقت عمامہ نہیں باندھتے عذر فرماتے ہیں کہ میرا سر گھومتا ہے، اور مقتدیوں میں ایک صاحب باندھتے ہیں۔ ایسی حالت میں نماز صحیح ہے یا مکروہ۔

Marfat.com

**الجواب** - اگر مقتدی کے سر پر عمامہ ہے امام کے نہیں تو اسکی وجہ سے نماز میں کوئی کراہت نہیں، اور مقتدی کو نماز باعمامہ کا ثواب ملے گا ـــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۶۲) مسئولہ حافظ علی احمد صاحب از بریلی محلہ جسولی ۷ ربیع الآخر ۳۳ھ

مقتدیوں کو امام کی تابعداری سے جماعت میں امام سے پہلے سجدہ یا رکوع میں جانا جائز ہے یا ناجائز۔

**الجواب** - امام سے پہلے رکوع یا سجدہ میں جانا ناجائز وگناہ ہے اور نماز مکروہ پھر جبکہ یہ رکوع وسجود میں تھا اور امام بھی آگیا کہ شرکت امام کے ساتھ ہوگئی تو نماز بکراہت ادا ہوگئی، اور اگر امام کے آنے سے پہلے اس نے سر اٹھایا تو وہ رکوع یا سجدہ جاتا رہا، بعد سلام امام یہ مقتدی ایک رکعت اور پڑھے، ورنہ نماز نہ ہوگی کما ھو مذکور فی کتب الفقہ حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایھا الناس انی امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام ولا بالانصراف فانی اراکم امامی ومن خلفی رواہ مسلم عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ - نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الذی یرفع راسہ ویخفضہ قبل الامام فانما ناصیتہ بید الشیطان - جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا یا جھکاتا ہے۔ اسکی چوٹی شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے ـــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۶۳) از بنارس کچی باغ مرسلہ نور الحق ولد منشی حاجی محمد حسن صاحب ۹ محرم الحرام ۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ بہار شریعت جلد سوم صہ ۱۴۳ میں ہے کہ امام کا تنہا بلند جگہ کھڑا ہونا مکروہ ہے، بلندی کی مقدار یہ ہے کہ دیکھنے میں جسکی اونچائی ظاہر امتیاز ہو پھر یہ بلندی اگر قلیل ہو تو کراہت تنزیہیہ ورنہ کراہت بظاہر تحریم - سوال یہ ہے کہ قلیل وکثیر کی مقدار معتبر ومفتیٰ بہ کیا ہے - بینوا توجروا

**الجواب** بلند مقام پر امام کو تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے، یہ امر کہ کس حد کی بلندی سے کراہت ہوتی ہے اسمیں تین قول ہیں، ایک یہ کہ قامت انسان سے متجاوز ہو تو کراہت ہے، دوم بقدر ذراع، سوم بقدر امتیاز - قول اول امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول اور امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی بلکہ امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ قامت سے کم میں کراہت نہیں - تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قامت کی قدر ہو تو مکروہ - لہذا اسکو قول رابع قرار دے سکتے ہیں، قول دوم کو اکثر نے اختیار کیا اور اسپر اعتماد کیا اور قول سوم اطلاق حدیث کے مطابق ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے - چونکہ اس مسئلہ میں تصحیحات مختلف ہیں لہٰذا ظاہر الروایۃ کو ترجیح دیجائیگی - ابو داؤد میں یہ حدیث

Marfat.com

ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدائن میں نماز پڑھانے کے لئے بلند جگہ کھڑے ہوگئے اور تمام مقتدی نیچے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اُتار لائے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا الم تسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا ام الرجل القوم فلا یقم فی مکان ارفع من مقامھم او نحو ذالک فقال عمار لذالک اتبعتک حین اخذت علیٰ یدی کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سُنا کہ جب قوم کا امام ہو تو اُن سے اونچی جگہ نہ کھڑا ہو عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا اسی وجہ سے میں نے اتباع کیا جب تم نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ فتح القدیر میں ہے واختلف فی مقدار الارتفاع الذی تتعلق بہ الکراھۃ فقیل قدر القامۃ وقیل ما یقع بہ الامتیاز وقیل ذراع کالسترۃ وھو المختار والوجہ اوجھیۃ الثانی لان الموجب وھو شبھۃ الازدراء یتحقق فیہ غیر مقتصر علیٰ قدر الذراع۔ درمختار میں ہے وقدر الارتفاع بذراع ولاباس بمادونہ وقیل ما یقع بہ الامتیاز وھو الاوجہ ذکرہ الکمال وغیرہ۔ ردالمحتار میں ہے قولہ وقیل الخ وھو ظاھر الروایۃ کما فی البدائع قال فی البحر والحاصل ان التصحیح قد اختلف والاولیٰ العمل بظاھر الروایۃ واطلاق الحدیث اھ وکذا رجحہ فی الحلیۃ جب یہی ظاہر الروایۃ ہے اور یہی اطلاق حدیث کا مقتضیٰ اور پھر اسی میں احتیاط بھی ہے تو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ اس روایت میں صرف امتیاز کو مقدار کراہت بتایا گیا ہے تو اسکی تحدید پیمانہ کے ساتھ نہیں کی جاسکتی بلکہ وہ مقدار قلیل بھی کہ بظاہر ممتاز ہو کراہت کے لئے کافی ہے مثلاً تین چار انگل کی بلندی بھی قابل امتیاز ہے یہ بھی مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۶۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قالین یا دری جو اکثر ہندؤں کے یہاں سے منگنی آتی ہے، اگرچہ خشک ہو اور اس کا نجس ہونا بھی ثابت نہ ہو تو بھی اُسپر نماز نہیں ہوسکتی، اس کے علاوہ بھی اگر اور کوئی کپڑا ہو یا تخت وزمین ہو اور بالکل خشک ہو جماعت قائم ہے امام آگے نہیں بڑھ سکتا ہے، مقتدی پیچھے ہٹ سکتے ہیں، اور پیچھے کپڑا یا قالین جو بچھا ہے وہ خشک ہے اس کا نجس ہونا معلوم نہیں ہے۔ اور اگر مقتدی پیچھے نہ ہٹے تو امام کے داہنے بائیں پانچ چھ آدمی ہوجاتے ہیں۔ اگر ایسی حالت میں محض اسی خیال سے کہ قالین نجس ہوگا مقتدی نہ ہٹے اور امام کے برابر تین آدمی داہنی طرف اور دو آدمی بائیں طرف کھڑے ہوگئے۔ ایسی حالت میں نماز ہوئی یا نہیں۔ اور بتانے پر نماز نہ دُہرائی گئی تو نماز اور نمازیوں کے متعلق شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ مکرر یہ کہ کسی چیز پر شبہہ کرنا کہ یہ نجس ہوگی جائز ہے یا نہیں۔

Marfat.com

**الجواب** ۔ اشیائے طاہرہ میں نجاست چونکہ عارضی ہے لہٰذا جبتک کسی چیز کا نجس ہونا معلوم نہ ہو نجس نہیں قرار دے سکتے۔ کافر یا مشرک کے یہاں کی کوئی چیز ہونا اُس کے نجاست کے لئے مستلزم نہیں، ہاں اگر معلوم ہے کہ یہ چیز نجس ہے کہ اُس نے خود دیکھا ہے یا معتبر خبر سے نجس ہونا ثابت ہوا تو بیشک نجس ہے مگر خواہ مخواہ یہ سمجھ لینا کہ نجس ہوگی عند الشرع معتبر نہیں، اور اگر اسکی نجاست میں شک ہے تو بھی نجس نہیں کہہ سکتے، ایسی چیز کا دھونا بہتر ہوگا اور اُسکے بغیر نماز پڑھی جب بھی ہو جائیگی۔ درمختار میں ہے ما یخرج من دار الحرب کسنجاب ان علم دبغه بطاهر فطاهر او بنجس فنجس و ان شك فغسله افضل، ردالمحتار میں ہے لان الاخذ بما هو الوثيقة فی موضع الشك افضل اذا لم يؤد الی الحرج و من ههنا قالوا لا باس بلبس ثياب اهل الذمة والصلوٰة فيها الا الازار والسراويل فانه يكره الصلوٰة فيها لقربها من موضع الحدث وتجوز لان الاصل الطهارة وللتوارث بين المسلمين فی الصلوٰة بثياب الغنائم قبل الغسل وتمامه فی الحلية زمین اگر نجس ہو خشک ہو کر پاک ہو جاتی ہے مگر کپڑا یا تخت یا قالین نجس ہو جائیں تو خشک ہونے سے پاک نہ ہوں گے بلکہ پاک کرنے کی ضرورت ہوگی، یہ اُسوقت ہے جب نجس ہو ورنہ صرف یہ وہم کہ ناپاک ہوگا قابلِ اعتبار نہیں نہ اس بنا پر نجاست کا حکم دیں گے۔

دو مقتدی ہو تو امام کے پیچھے کھڑے ہوں اُن کو امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے، اور دو سے زائد ہوں تو ان کے لئے امام کے پیچھے کھڑا ہونا واجب ہے اور امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تحریمی، اگر آگے جگہ ہو تو امام بڑھ جائے، ورنہ مقتدی پیچھے ہٹ جائیں، درمختار میں ہے والزائد يقف خلفه فلو توسط اثنين كره تنزيها وتحريما لو اكثر۔ ردالمحتار میں ہے افاد ان تقدم الامام امام الصف واجب كما افاده فی الهداية والفتح۔ اور جب نماز مکروہ تحریمی ہوئی تو اعادہ واجب۔ درمختار میں ہے كل صلوٰة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۶۵) از بانس بریلی شریف ڈاکخانہ انبریٹ نگر ساکن صالح نگر مرسلہ جناب کفایت حسین صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ ہاتھ میں گھڑی لگا کر نماز پڑھنا یا امامت کرنا کیسا ہے۔

**الجواب** ۔ اگر گھڑی چمڑے کے تسمہ یا فیتہ سے بندھی ہو تو باندھکر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر کسی دھات سونے چاندی پیتل وغیرہ سے بندھی ہے تو نماز مکروہ ہوگی اُسے اُتار کر نماز پڑھنی چاہیے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

**مسئلہ** (۲۶۶) از موضع برھولی ڈاکخانہ مانگ ضلع سلطان پور مرسلہ جناب خدا بخش صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ منبر شریف پر ٹوپی رومال شیروانی چادر وغیرہ رکھ کے الگ نماز پڑھنا خلاف ادب ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ منبر پر ٹوپی وغیرہ رکھنے میں حرج نہیں مگر برہنہ سر نماز پڑھنا اگر بقصد عجز و انکسار نہ ہو تو مکروہ ہے یونہی ہر وقت کے پہننے کے کپڑوں میں جس کو ثیاب بذلہ کہتے ہیں نماز پڑھنا جبکہ دوسرے اچھے کپڑے موجود ہوں مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۶۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بوڑھا ہے ایک سجدہ کرنے کے بعد اچھے طریقہ پر بیٹھ نہیں سکتا جب تک پالتھی مار کر نہ بیٹھے لہٰذا وہ پہلے سجدہ ہی کے بعد جھکا رہتا ہے دوسرے سجدے میں بیٹھ سیدھی کرتا ہے، ایسی حالت میں نماز ہوئی یا نہیں، لیکن اگر چاہے تو کر سکتا ہے البتہ امام کا ساتھ دینا مشکل ہوگا نیز تنہا بھی اگر اس طریقہ سے پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں۔

**الجواب** ۔ پہلے سجدہ سے اٹھنے کے بعد جب تک سیدھا بیٹھ نہ لے دوسرے سجدے میں نہ جائے حدیث ہے کہ جب تک اطمینان سے بیٹھ نہ جائے دوسرا سجدہ نہ کرے بغیر اطمینان کے ساتھ بیٹھنے کے بعد جو نماز پڑھتا ہے گنہگار ہوتا ہے اور نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوتی ہے اور امام کا ساتھ نہ دے سکے تو نہ دے مگر سیدھا ضرور بیٹھے کہ امام کی معیت کے لئے واجبات نہیں ترک کئے جائیں گے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۶۸) از ڈیسہ ریاست پالن پور مرسلہ جناب محمد عمر صاحب پیش امام مسجد صدر بازار ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پیش امام کو ٹوپی پہنکر امامت کرنا حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی۔ اور امام کے لئے کسی مخصوص ٹوپی کی ضرورت ہے یا ہر ٹوپی کا ایک ہی حکم ہے۔

**الجواب** ۔ صرف ٹوپی پہن کر امامت کرنا نہ حرام ہے نہ مکروہ تحریمی نہ مکروہ تنزیہی البتہ ٹوپی پر عمامہ باندھنا زیادہ ثواب ہے۔ اور جو نماز عمامہ کے ساتھ پڑھی جائے وہ اُس نماز سے افضل ہے جو بغیر عمامہ پڑھی گئی۔ اور اس حکم میں امام و مقتدی دونوں کا ایک حکم ہے۔ امام کے لئے عمامہ کی خصوصیت نہیں نہ یہ کہ امام کے لئے زیادہ تاکید ہو مقتدیوں کے لئے کم ہر قسم کی ٹوپی جائز ہے مگر جو ٹوپی کفار و فساق کی علامت ہو اسکو نہ پہننا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۶۹) صف اول میں جگہ ہوتے ہوئے دوسری صف میں نماز ادا کی، نماز ہوئی یا نہیں۔

Marfat.com

**الجواب** - صف اول میں جگہ ہوتے ہوئے دوسری صف میں کھڑا ہونا مکروہ ممنوع ہے، حدیث میں فرمایا ولاتعذ - درمختار میں ہے کرہ کقیامہ فی صف خلف صف فیہ فرجۃ - ردالمحتار میں ہے ھل الکراھۃ فیہ تنزیھیۃ او تحریمیۃ ویرشد الی الثانی قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ومن قطعہ قطعہ اللہ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۷۰) ازکھنڈدہ امام باڑہ قصبان کالمان محلہ اہلی پورہ مرسلہ ولد امیر علی صاحب ۱۱ رجادی الثانی ۱۳۵۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ :-

نماز میں امامت کی حالت میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ ٹوپی پر ایک چھوٹا سا کپڑا لپیٹ لیا جاتا ہے، اسکی کیا اصلیت ہے۔

**الجواب** - تین پیچ اگر اس کپڑے سے لپیٹے جائیں تو عمامہ کے حکم میں ہے ورنہ کچھ نہیں[عہ۵]۔ وہو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۷۱) عام رواج ہے کہ لوگ جس وقت مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں، تو پہلے صف میں بیٹھ جاتے ہیں، بعد کو نیت باندھتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں، یا واجبات سے ہے۔ بینوا توجروا

**الجواب** - آتے کے ساتھ اگر وقت مکروہ نہ ہو تو بیٹھنے سے قبل دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے، اگر بیٹھ جانا پھر کھڑا ہونا اگر کسی وجہ سے نہ ہو تو محض لغو ہے[عہ۶] ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۷۲) از رانی کھیت مرسلہ مولوی قاری جلیل الدین صاحب الہ آباد ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ

امام کو کسی غلطی پر سُبْحَانَ اللہِ کے بجائے اَللہُ اَکْبَر کہکر آگاہ کیا تو مقتدی کا یہ فعل کیسا ہے مقتدی کے نماز میں کوئی قصور تو نہیں واقع ہوتا۔

**الجواب** - کوئی حرج نہیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۷۳) ازبہار پور معماران مرسلہ محمد رضا ۸ صفر ——— ۶۶ سنہ ہجری۔

شروانی کے بٹن کھول کر امام کو نماز جماعت پڑھانا درست ہے یا نہیں اور مقتدیوں کی نماز میں کوئی حرج

---

عہ۵ بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ ٹوپی کے کنارے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں اور پوری ٹوپی کھلی رہتی ہے۔ یہ اعتجار ہے۔ اس طرح نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے۔ ویکرہ الاعتجار وھو شد الراس بالمندیل او تکویر عمامتہ علی راسہ وترک وسطھا مکشوفا۔ اس کے تحت طحطاوی میں ہے ای لف العمامۃ حول الراس و ابداء العامۃ۔ فقولہ "وترک وسطھا" راجع الی تفسیر الشرح ایضا۔ المراد انہ مکشوف عن العمامۃ لامکشوف اصلا لانہ فعل مالا یفعل واللہ تعالیٰ اعلم

عہ۶ لغو ہونے کے ساتھ ساتھ اسمیں ایک نقص بھی ہے، اگر بغیر بیٹھے سنت پڑھ لیگا تو یہ سنت تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوجائیگی۔ اور بیٹھ گیا تو محروم رہا واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

Marfat.com

تو واقع نہیں ہوا۔

**مسئلہ** (۲) ۔ امام کو کندھے پر چادر اوڑھکر نماز پڑھانا کیسا ہے اور سر سے اوڑھکر پڑھنا کیسا ہے اور مقتدیوں کی نماز ہوجائے گی یا نہیں۔

**الجواب** (۱) ۔ شروانی کے اگر تمام بٹن کھول کر نماز پڑھی تو نماز میں کراہت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) چادر اوڑھنے میں بہتر یہ ہے کہ سر سے اوڑھے اس طرح سے اوڑھنا مطابق سنت ہے اور کندھے سے اگر اوڑھی جب بھی نماز ہوجائے گی، نماز میں کراہت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۷۴) بنارس ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ سنہ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ امام سائبان کے اندر ہو اور مقتدی باہر ہو اس حالت میں نماز کیسی ہوگی۔

**الجواب** ۔ اگر صرف تنہا امام ہی سائبان کے اندر ہو اور سب مقتدی باہر ہوں تو اس صورت میں کراہت لازم آئیگی۔ [عہ]

**مسئلہ** (۲۷۵) بنارس ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ سنہ ہجری

فجر و ظہر میں کوئی بلا سنت پڑھے نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں اگر پڑھائے تو ایسی حالت میں نماز کیسی ہوگی۔

**الجواب** ۔ اگر اتنا وقت باقی ہے کہ سنت پڑھ لینے کے بعد فرض ادا کریگا تو سنتوں کے پڑھنے کے بعد نماز پڑھائے۔ فجر کی سنت کا تاکد بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ قریب بوجوب ہے بلکہ بعض فقہا اسکے وجوب کے قائل ہیں اگر سنت فجر بغیر پڑھے ہوئے امامت کرے تو اس کا ترک لازم آئیگا کہ اب اسکی قضا بھی نہیں۔ اور بلا شبہ بغیر عذر سنت فجر کا ترک اسارت ہے اور ظہر کی سنتیں اگرچہ بعد فرض پڑھ لیگا مگر بلا عذر اُسکو اسکی جگہ سے ہٹانا بھی بُرا ہے کہ سنت قبلیہ میں اصل سنت یہی ہے کہ وہ فرض سے قبل پڑھی جائے جماعت قائم ہوچکنے کے بعد مقتدی کا جماعت میں مشغول ہونا اور سنت کا مؤخر کرنا عذر شرعی کی وجہ سے ہے مگر بلا وجہ امام کا مؤخر کرنا سنت کے خلاف ہے ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۷۶) مسئولہ عبدالمجید صاحب از آگرہ ضلع شاہ آباد ۱۶ر شوال ۱۳۴۱ھ

عہ نقایہ کے باب مکروہات الصلوٰۃ میں ہے وتخصیص الامام بمکان۔ اور ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں امام کی ایک مکان کے ساتھ تخصیص ہوگی فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۴۱۵ میں ہے۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ امام کے لئے تخصیص مکان کی کراہت میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ مثلاً وہ مکان مسقف میں ہو اور مقتدی صحن میں۔ شرح نقایہ میں ہے واما بان یکون فی صفۃ وصحن وسط الدار مثلا کما فی الجواہر ولما بان یقوم فی المسجد والامام فی طاق یحتذ فی المحراب واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

بابُ الوتر والنوافل

اگر کوئی شخص رمضان میں عشاء کی نماز مکان میں اکیلا پڑھے تو وہ شخص وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔

**الجواب** ۔ جو شخص نماز عشا رمضان میں تنہا پڑھے وہ جماعت میں شریک نہ ہو، اُسے چاہیے کہ وتر بھی تنہا پڑھے، ردالمحتار میں ہے اذا لم یصلی الفرض معہ لایتبعہ فی الوتر۔ وہو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۷۷) مرسلہ سید حسن اشرف صاحب از پرانی بستی ضلع بستی ۱۹ جمادی الاول ۴۲ھ۔

اگر کوئی شخص خواندہ دعائے قنوت کے بجائے تین بار سورہ اخلاص شریف پڑھے تو کیا حکم ہے۔ اسکی نماز ہوگی یا نہیں۔

**الجواب** ۔ دعائے قنوت وتر میں واجب ہے، اور قنوت صرف وہی نہیں جو اس نام سے مشہور ہے، اس دعا کا پڑھنا سنت ہے، اور اگر کوئی دوسری دعا پڑھی جب بھی ادا ہوگیا۔ درمختار بیان واجبات نماز میں ہے وقراءۃ قنوت الوتر وھو مطلق الدعاء۔ ردالمحتار میں ہے القنوت الواجب یحصل بای دعاء کان فی النہر واما خصوص اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ فسنۃ فقط حتی لو اتی بغیرہ جاز اجماعاً۔ نیز ردالمحتار باب الوتر میں ہے ذکر فی البحر عن الکرخی ان القنوت لیس فیہ دعاء موقت لانہ روی عن الصحابۃ ادعیۃ مختلفۃ ولان المؤقت من الدعاء یذہب برقۃ القلب و ذکر الاسبیجابی انہ ظاہر الروایۃ۔ اور اگر کوئی دعا یاد نہ ہو تو تین بار اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ کہے قالہ الامام ابو اللیث ذکرہ فی ردالمحتار اور سورۂ اخلاص ذکر خالص ہے، اسکے پڑھنے سے واجب ادا نہ ہوگا کہ واجب دعا ہے، اور چونکہ قصداً ترک واجب ہوا لہٰذا نماز واجب الاعادہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۷۸) مسئولہ مستری نبی بخش از بریلی محلہ نیلگران ۸ ربیع الاول شریف ۴۳ھ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سُبْحٰنَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ بعد وتر کہنا جائز ہے یا نہیں، اور اگر ہے تو کس ترکیب سے۔ اور فضیلت کیا ہے اور اگر زور سے کہنے کا حکم ہے تو نمازی کی نماز میں خلل تو نہیں پڑتا ہے۔

**الجواب** ۔ بعد سلام وتر سُبْحٰنَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ تین بار کہنا سنت ہے، دو بار آہستہ اور تیسری بار جہر کے ساتھ مگر نہ اس قدر جہر سے کہ لوگوں کی نماز میں خلل آئے، اور قدوس کے داد کو تیسری بار میں دراز کرے یعنی مد پڑھے۔ حدیث میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم فی الوتر قال سُبْحٰنَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ ثلث مرات یطیل و فی روایۃ للنسائی عن عبدالرحمٰن بن ابزی عن ابیہ کان یقول اذا سلم سُبْحٰنَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ ثلثاً ویرفع صوتہ فی الثالثۃ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** ۲۷۹ از نانڈیر مرسلہ مولٰی عبداللہ صاحب ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ

تہجد گذار رمضان شریف میں بعد تراویح کے وتر واجب جماعت سے ادا کر سکتا ہے یا نہیں۔

Marfat.com

**الجواب** - جس کو یہ بھروسہ ہو کہ آخر شب میں اُٹھ جائے گا اُسے وتر آخر شب میں تہجد کے بعد پڑھنا بہتر ہے ورنہ اول شب ہی میں سونے سے پہلے پڑھ لے رمضان وغیر رمضان کا کچھ فرق نہیں، رمضان میں بھی آخر شب میں پڑھنا بہتر ہے اور تراویح کے بعد ہی پڑھ لیا جب بھی جائز ہے، درمختار میں ہے ویستحب تاخیر الوتر الی اٰخر اللیل لواثق بالانتباہ والا فقبل النوم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۸۰) وتر کی نماز میں تیسری رکعت میں بعد سورہ فاتحہ و سورہ اخلاص پڑھنے کے دونوں ہاتھ بالکل نیچے زانو تک چھوڑ کر بعد اٹھاکر کانوں تک لیجاکر باندھے یا فقط ناف کے اوپر ہی سے اٹھاکر کانوں تک پہنچاکر پھر ناف پر باندھے۔

**الجواب** - ہاتھ لٹکانا ثابت نہیں بلکہ ہاتھ کھول کر کانوں تک لیجائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۸۱) مرسلہ محمد حسین صاحب امام مسجد لوہاران جودھپور خاص ۱۱ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ وتر کی تین رکعتیں ہی پڑھنا مستقل ہیں یا ایک پڑھنا بھی جائز اور دو پڑھنا بھی درست، اس مسئلہ کی کیا صورت ہے صحیح طور سے کس طرح سمجھا جائے۔

**الجواب** - وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں احادیث اس باب میں کثیر ہیں صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث پر اکتفا کرتا ہوں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلثا قالت عائشۃ فقلت یارسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی۔ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کیسی ہوا کرتی تھی، ام المومنین نے فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ ہوتی۔ چار رکعت پڑھتے یہ نہ پوچھو کہ وہ کتنی اچھی ہوتیں اور کتنی لمبی ہوتیں پھر چار پڑھتے نہ پوچھو کہ وہ کیسی اچھی ہوتیں اور کتنی لمبی ہوتیں پھر ان کے بعد تین رکعت پڑھتے ام المومنین کہتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ حضور وتر سے پہلے سوجاتے ہیں ارشاد فرمایا اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا، غیر مقلدین اس حدیث سے تراویح کی آٹھ رکعتیں ہونے پر استدلال کرتے ہیں حالانکہ حدیث کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ وہ زمانہ ہے جو رمضان وغیر رمضان دونوں

Marfat.com

میں پڑھی جاتی ہے یعنی نماز تہجد تراویح کو رمضان کے ساتھ خصوصیت ہے تراویح غیر رمضان میں کہاں پڑھی جاتی ہے تراویح کی آٹھ رکعات پر حدیث دلالت بھی نہیں کرتی مگر اس باب میں تراویح کے آٹھ رکعت ہونے میں یہ حدیث غیر مقلدین کے نزدیک قابل اعتبار و حجت ہے اور آٹھ کے بعد تین رکعتوں کا وتر ہونا اس حدیث سے صاف اور واضح طور پر سمجھا جاتا ہے اس امر میں حدیث صحیح بخاری قابل اعتبار نہیں (یعنی غیر مقلدین کے نزدیک) وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۸۲) مرسلہ ملا محمد اسمٰعیل سنجان ضلع ٹھانہ ۱۸ ربیع الاول ۶۱ھ۔

وتر واجب تین رکعت ہے دو رکعت مع سورت اور تیسری رکعت میں الحمد اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ شریف پڑھ کر کان تک ہاتھ اٹھانے کی کیا وجہ ہے۔

**الجواب** - تکبیر قنوت میں ہاتھ اٹھانے کی یہ وجہ ہے کہ حدیث میں ایسا ہی آیا ہے۔[۵] واللہ تعالیٰ اعلم

## رسالہ

# التحقیق الکامل فی حکم قنوت النوازل

**مسئلہ** (۲۸۳) مسئولہ مولوی محمد صدیق صاحب صدر مدرس مدرسہ غریبیہ مالیگاؤں ضلع ناسک ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بلا و مصیبت کے زمانہ میں علماء حنفیہ نے جو نماز فجر میں قنوت پڑھنے کی اجازت تحریر فرمائی ہے یہ قنوت قبل الرکوع ہے یا بعد الرکوع ہے، علامہ شامی علیہ الرحمہ نے بعد الرکوع ہونے کو اظہر بتایا مگر بہار شریعت میں اس قنوت کا قبل الرکوع پڑھنا تحریر فرمایا ہے۔ نیز اعلیحضرت قدس سرہٗ العزیز نے بھی ملفوظ جلد دوم ص ۹۲ میں فرمایا، طریقہ اس کا یہ ہے کہ دوسری رکعت میں الحمد سورت کے بعد اللہ اکبر کہہ کر دعائے قنوت

[۵] عبادات توقیفیہ ہیں۔ شرع سے جیسے ثابت ہو ویسے ہی ادا کرنا لازم ہے، عقل کو اس میں دخل نہیں۔ ویسے یہاں کہا جا سکتا ہے کہ وتر کی اخیر رکعت میں ابتداءً قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور بعد میں دعائے قنوت، ان دونوں کے مابین امتیاز و فصل کو ظاہر کرنے کے لئے تکبیر و رفع یدین کا حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ دعا مانگے یا آمین کہیں اس مسئلہ کو بالتفصیل بیان کیا جائے تاکہ اطمینان ہو۔

(۲) یہ دعا نماز فجر میں ہاتھ باندھ کر پڑھی جائے یا دعا کے وقت ہاتھ چھوڑ دے۔

(۳) یہ دعائے قنوت جہر کے ساتھ پڑھی جائے یا آہستہ۔

(۴) امام جہر سے پڑھے یا آہستہ۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ دعائے قنوت میں ہم حنفیہ وشافعیہ کے مابین چند اختلافات ہیں۔ اول یہ کہ یہ دعا قبل رکوع ہے یا بعد رکوع۔ دوسرے یہ کہ وتر میں قنوت آیا پورے سال میں ہے یا صرف ماہ رمضان کے نصف اخیر میں۔ سوم یہ کہ وتر کے غیر میں دعائے قنوت پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ وتر میں د عا قنوت کا قبل رکوع ہونا ظاہر ہے۔ ابن ماجہ نے ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر ویقنت قبل الرکوع۔ اور نسائی کی روایت انھیں سے یہ ہے کان یوتر بثلث یقرأ فی الاولیٰ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی وفی الثانیہ قُلْ یٰاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وفی الثالثۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ویقنت قبل الرکوع۔ نیز خطیب نے عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قنت فی الوتر قبل الرکوع۔ اور ابو نعیم نے حلیہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی اوتر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بثلث وقنت فیھا قبل الرکوع اور طبرانی نے اوسط میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ کان یوتر بثلث رکعات ویجعل القنوت قبل الرکوع۔ ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعائے قنوت کا محل قبل رکوع ہے۔ مگر یہ سب احادیث نماز وتر کے بارے میں ہیں کہ نماز وتر میں دعائے قنوت کا محل قبل رکوع ہے۔ بعض شافعیہ قنوت بعد الرکوع پر حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استدلال کیا جس کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قنت بعد الرکوع مگر ان کا یہ استدلال صحیح نہیں۔ کیونکہ خود انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح بخاری شریف میں عاصم احول نے روایت کی سألت انس عن القنوت فی الصلوٰۃ قال نعم فقلت اکان قبل الرکوع او بعدہ قال قبلہ قلت فان فلانا اخبرنی عنک انک قلت بعدہ قال کذب انما قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الرکوع شھراً۔ بعد رکوع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قنوت پڑھنا صرف ایک مہینہ تک تھا اس کے بعد ترک فرما دیا جیسا کہ کلمۂ حصر انما اس پر دلالت کرتا ہے بلکہ خود انھیں سے یہ بھی مروی ثم ترکہ۔ اس حدیث کو نسائی نے قتادہ سے اور ابو داؤد نے انس ابن سیرین سے یہ دونوں انس ابن مالک سے روایت کرتے

Marfat.com

یہ روایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ساکت ہے کہ یہ قنوت (جو بعد رکوع تھا) نماز فجر میں تھا یا نماز وتر میں، اگر نماز وتر میں تھا جب تو یہ امر صاف ظاہر ہوگیا کہ نماز وتر میں قنوت بعد الرکوع صرف ایک ہی مہینہ حضور نے پڑھا وبس۔ اور اگر یہ قنوت نماز فجر میں تھا اور روایتوں سے ایسا ہی ظاہر ہوتا بھی ہے تو اس سے وتر میں قنوت بعد الرکوع پر استدلال ساقط۔ علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ درمختار میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں قال انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الصبح بعد الرکوع یدعو علی احیاء من العرب رعل وذکوان وعصیۃ حین تقتلوا القراء وھم سبعون او ثمانون رجلا ثم ترکہ ظھر علیھم۔ بلکہ خود صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابن سیرین نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی جس میں نماز فجر کی تصریح ہے سئل انس بن مالک اقنت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الصبح قال نعم فقیل او قنت قبل الرکوع قال بعدہ یسیرا۔ قنوت فجر کے متعلق ائمہ حنفیہ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے[عـہ۵] جیسا کہ بدائع الصنائع میں مذکور ہے روی ابن مسعود وجماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قنت فی صلوٰۃ الفجر شھراً کان یدعو فی قنوتہ علی رعل وذکوان وکان یقول اللھم اشدد وطاءک علی مضر واجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف ثم ترکہ فکان منسوخا دل علیہ انہ اروی انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقنت فی صلوٰۃ المغرب کما فی صلوٰۃ الفجر وذالک منسوخ بالاجماع وقال عثمان النھدی صلیت خلف ابی بکر وخلف عمر کذالک فلم ار احداً یقنت فی صلوٰۃ الفجر۔ اور فتاویٰ قاضیخاں میں فرمایا ولو صلی خلف من یقنت فی صلوٰۃ الفجر لا یقنت لان القنوت فی صلوٰۃ الفجر منسوخ۔ اور ہدایہ میں بھی امام اعظم وامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل عدم متابعت فی القنوت میں ذکر فرمایا لھما انہ منسوخ۔ تنویر الابصار میں ہے ویاتی الماموم قنوت الوتر لا الفجر۔ اس کے تحت میں درمختار میں فرمایا لانہ منسوخ اسی طرح کتب کثیرہ متداولہ مشہورہ میں اس کی منسوخیت کی تصریح پائی جاتی ہے، بلکہ اسی وجہ سے اکثر متون میں یہی فرمایا ولا یقنت فی غیرہ اسمیں نازلہ وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں کیگئی۔ اور دوسرا قول جو اکثر شراح کی عبارات سے ظاہر ہے، وہ یہ ہے کہ قنوت فجر نازلہ کے لئے تھا اور اس کا ترک فرمانا بربنائے رفع علت تھا لہٰذا جب کبھی پھر نازلہ ہو تو قنوت پڑھا جائے گا، چنانچہ ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انما لا یقنت عندنا فی صلوٰۃ الفجر من غیر بلیۃ اما لو وقعت بلیۃ فلا باس بہ بلکہ خلفاء راشدین اور دیگر کبار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی فجر میں نازلہ کی صورت میں قنوت ثابت ہے لہٰذا حضرت انس

عـہ۵ اور اس کے نسخ پر حدیث کے اس ارشاد "ثم ترکھا" پر استدلال کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا کہ حضور نے ترک کر دیا، یا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ترک فرمانے کی تصریح سے مراد قنوتِ فجر کا منسوخ ہونا نہیں، بلکہ مصیبت شدیدہ کی صورت میں پڑھا اور جب وہ مصیبت جاتی رہی پڑھنے کی علت نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ حنفیہ کے دونوں قولوں میں یہ تطبیق دی جاتی ہے کہ جو فجر میں قنوت کا انکار کرتے ہیں انکی مراد مداومت سے انکار ہے۔ اور اگر صورت نازلہ میں پڑھا جائے اس کی ممانعت نہیں اور اس کے منسوخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نازلہ نہونے کی صورت میں منسوخ ہے نہ یہ کہ عدم نازلہ کی صورت میں بھی یعنی عموم حکم منسوخ ہے، نہ کہ نفس حکم منسوخ ہو اور بعض ائمہ نے یہ بھی فرمایا کہ جن روایتوں میں نمازِ فجر میں قنوت کا ذکر آیا ہے وہاں قنوت سے مراد طولِ قیام ہے کہ اس لفظ کے یہ معنیٰ بھی ہیں بلکہ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا افضل الصلوٰۃ طول القنوت۔ اور چونکہ نمازِ فجر تمام نمازوں سے لمبی ہوتی ہے۔ اسوجہ سے اسمیں قنوت کا ذکر آیا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایقنت الا اذا دعا لقوم اودعا علی قوم۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نازلہ کی صورت میں حضور نے فجر کی نماز میں قنوت پڑھا، مگر اس قنوت کا بعد الرکوع ہونا صرف ایک مہینہ تک رہا، کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت سی روایتوں سے نمازِ فجر میں قنوت پڑھنا جہاں ثابت ہوتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قنوت قبل الرکوع ہے بعد الرکوع صرف ایک مہینہ تک تھا، اس کے بعد ترک فرمادیا اور جب کہ حنفیہ اس قنوت کو قنوت نازلہ پر حمل کرتے ہیں۔ تو حدیث قنوت نوازل کر یہی ثابت کی کہ نازلہ کی صورت میں بھی قنوت قبل الرکوع پڑھا جائے گا اس وجہ سے امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں قنوت کا قبل الرکوع ہونا ثابت فرمایا اور نمازِ فجر میں قنوت سے انکار کیا۔ حدیث قنوت نوازل پر محمول فرمایا جس کا ظاہر یہی ہے کہ نمازِ فجر میں بھی قنوت قبل الرکوع ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ درمختار میں بعد ذکر قول امام طحاوی فرماتے ہیں وظاهرہ انه لو قنت فی الفجر لبلية انه يقنت قبل الركوع ابوالسعود عن الحموی۔ اور یہی قنوت قبل الرکوع من حیث الدلیل ظاہر اور یہی قول قوی معلوم ہوتا ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تخییر کو اختیار فرمایا اور حاشیہ درمختار میں یہ ذکر کیا قلت وقد ورد فعله قبله وبه قال الامام مالك وبعده وبه قال الامام الشافعی فمقتضی الظاهر التخيير۔ اقول بلاشبہہ بعد الرکوع بھی قنوت وارد ہوا مگر وہ ایک مہینہ سے زیادہ متجاوز نہ ہوا جیسا کہ عبداللہ ابن مسعود وانس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہم کے ارشادات سے ثابت۔ اور باوجود اس تصریح کے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قنوت فجر کا بیان فرمانا اور اس کا قبل الرکوع ہونا اس امر کو واضح کرتا ہے کہ نازلہ کی صورت میں بھی قنوت بعد الرکوع نہیں۔

Marfat.com

رہا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بعد الرکوع قنوت کا قول کرنا وہ مطلقاً ہے نازلہ ہو یا غیر نازلہ فجر ہو یا وتر سب میں وہ بعد الرکوع کے قائل ہیں۔ اگر ان کا یہ قول موجب تخییر ہو تو وتر میں بھی حنفیہ کو قنوت میں تخییر چاہئے اور اگر یہ اختلاف ائمہ تخییر کا سبب بن جایا کرے تو صرف قنوت نازلہ ہی کی کیا تخصیص بکثرت مسائل وہ ہیں جن میں مابین مجتہدین اختلاف پائے جاتے ہیں۔ ان سب میں یہ کہدینا صحیح ہو جایا کرے تو چاہئے کہ سب میں ہی تخییر کا قول کر دیا جائے۔ اور اس کا مقتضائے نظر بتا کر ترجیح کا دروازہ بند کر دیا جائے اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار وحاشیہ بحر الرائق میں قنوت بعد الرکوع ہونے کو ظاہر تر تحریر فرمایا اور ردالمحتار کی عبارت یہ ہے حل القنوت ھٰذا قبل الرکوع او بعدہ لم ارہ والذی یظھرلی ان المقتدی یتابع امامہ الا اذا جھر فیؤمن وانہ یقنت بعد الرکوع لا قبلہ بدلیل ان ما استدل بہ الشافعی علی قنوت الفجر وفیہ التصریح بالقنوت بعد الرکوع حملہ علماؤنا علی القنوت للنازلۃ ثم رایۃ الشرنبلالی فی مراقی الفلاح صرح بانہ بعدہ واستظھر الحموی انہ قبلہ والاظھر ما قلناہ[عہ۵]۔ علامہ شامی کا یہ فرمانا کہ شافعیہ نے جن حدیثوں سے استدلال کیا ان کو ہمارے علماء نے نازلہ پر حمل کیا اس سے قنوت نازلہ کا بعد الرکوع ہونا ظاہر تر معلوم ہوتا ہے یہ قول قابل نظر ہے کہ ہمارے علماء نے قنوت کے قبل الرکوع ہونے پر احادیث سے استدلال فرمایا اور شافعیہ کے استدلال کی جو حدیثیں تھیں ان کے متعلق یہ فرمایا کہ یہ صرف ایک مہینے تک کے لئے ہوا اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ترک فرمایا، جیسا کہ عبد اللہ ابن مسعود وانس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشادات سے ظاہر ہے امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور امام ملک العلماء ابو مسعود کاشانی نے بدائع الصنائع میں قنوت بعد الرکوع کا انکار فرمایا اور قبل الرکوع ہونے کو ثابت کیا اور اس کو نازلہ کے ساتھ خاص نہیں رکھا، ہاں ہمارے علماء نے قنوتِ فجر کی اجازت کو ضرور نازلہ پر محمول کیا ہے جس کا یہ مقصد ہے کہ احادیث میں جو قنوتِ فجر کا ذکر آیا ہے اس سے مراد قنوت نازلہ فی الفجر ہے نہ یہ کہ بعد الرکوع ہونا بھی درصورت نازلہ ہے، بلکہ ہمارے علماء کے نزدیک قومہ یعنی رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد قنوت کا محل ہی نہیں، اسی وجہ اس صورت میں کہ کوئی شخص بغیر قنوت پڑھے ہوئے رکوع میں چلا جائے تو اس کے لئے یہ درست نہیں کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد اس نے قنوت پڑھ لیا جیسا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے غیر روایۃ الاصول میں مروی ہے تو ان کے نزدیک وہ رکوع منتقض

---

عہ۵ فقیر نے بہار شریعت میں بصورت نازلہ نماز فجر میں قنوت کا قبل رکوع ہونا تحریر کیا مگر اس میں حوالہ شرنبلالی کا دیا اس مسئلہ کی تحریر کے وقت یہ معلوم ہوا کہ شرنبلالی بعد الرکوع کے قائل ہیں۔ اصل مسودہ بہار شریعت کا نکلوا کر دیکھا گیا اس میں پہلے یہ عبارت لکھی ہوئی تھی کہ قنوت نازلہ بعد الرکوع ہے اور شرنبلالی کا حوالہ اعلیٰحضرت قدس سرہ نے بعد الرکوع قلم زد کرا دیا اور بجائے اس کے قبل رکوع بنایا مگر غلطی سے شرنبلالی کا جو حوالہ تحریر تھا وہ قلم زد نہیں ہوا۔ لہذا لوگوں کو چاہئے کہ بہار شریعت میں شرنبلالی کو قلم زد کر کے اس کی جگہ پر حموی لکھ لیں ۱۲ منہ مدفیوضہ

Marfat.com

ہوگیا قنوت پڑھنے کے بعد پھر رکوع کرے، بدائع الصنائع جلد اول صـ۲۷۴ میں ہے واما حکم القنوت اذا فات عن محلہ فنقول اذا نسی القنوت حتی رکع ثم تذکر بعد ما رفع راسہ من الرکوع لا یعود و یسقط عنہ القنوت وان کان فی الرکوع فکذٰلک فی ظاہر الروایۃ وروی عن ابی یوسف فی غیر روایۃ الاصول انہ یعود الی القنوت لان لہ شبہا بالقرأۃ فیعود کما لو ترک الفاتحۃ او السورۃ ولو تذکر فی الرکوع او بعد ما رفع راسہ منہ انہ ترک الفاتحۃ او السورۃ یعود وینتقض رکوعہ کذا ھھنا اور بحر الرائق جلد دوم صـ۴۳ میں بھی اسی بدائع الصنائع کا حوالہ دیتے ہوئے اس مسئلہ کا ذکر فرمایا بلکہ اس پر اتنا اور اضافہ کیا وصححہ فی الخانیۃ یعنی اس ظاہر الروایۃ کو کہ اب اس پر سے قنوت ساقط ہوگیا امام قاضیخاں نے صحیح بتایا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ذکر فرمایا لو نسی القنوت فتذکر فی الرکوع فالصحیح انہ لا یقنت فی الرکوع ولا یعود الی القیام ھکذا فی التاتارخانیۃ فان عاد الی القیام وقنت ولم یعد الرکوع لم تفسد صلوتہ کذا فی البحر الرائق واما اذا رفع راسہ من الرکوع ثم تذکر فانہ لا یعود الی قرأۃ ما نسی بالاتفاق کذا فی المضمرات۔ اور درمختار میں ہے ولو نسیہ ای القنوت ثم تذکرہ فی الرکوع لا یقنت فیہ لفوات محلہ ولا یعود الی القیام علی الاصح لان فیہ رفض الفرض للواجب فان عاد الیہ وقنت ولم یعد الرکوع لم تفسد صلوتہ لکون رکوعہ بعد قرأۃ تامۃ وسجد للسہو قنت اولا لزوالہ عن محلہ۔ یہ چند عبارتیں نہایت کافی ووافی ہیں۔ دوسری عبارتیں لکھنے کی ضرورت نہیں درمختار کا یہ لفظ لفوات محلہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ محل قنوت، قیام ہے نہ کہ قومہ کہ اگر قومہ بھی محل قنوت ہوتا تو رکوع میں چلے جانے سے محل کا فوت ہونا لازم نہیں آتا اور قیام ہی محل قنوت ہے اس کو امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں نہایت واضح دلائل سے ثابت فرمایا۔[عہ] نیز یہ کہ اگر حنفی نے شافعی کے پیچھے نماز فجر میں اقتدا کی اور امام نے رکوع کے بعد اپنے مذہب کے مطابق قنوت پڑھا تو اس حنفی کے لئے اس صورت میں امام کی متابعت میں قنوت پڑھنا نہیں رہا یہ کہ مقتدی حنفی چپکا کھڑا رہے یا بیٹھ جائے، اسمیں مختلف اقوال ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ ہاتھ چھوڑ کر خاموش کھڑا رہے، بکثرت کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے اور اس موقعہ پر کسی کتاب میں یہ نہیں فرمایا کہ اگر نازلہ کا زمانہ ہو تو یہ مقتدی حنفی بھی امام کے پیچھے قنوت نازلہ پڑھے، لہذا معلوم ہوا کہ اگر یہ قنوت نازلہ بعد الرکوع ہوتا جس کو علامہ شامی نے اظہر بتایا تخییر ہوئی جس کو علامہ سید احمد طحطاوی نے ذکر فرمایا تو ضرور اس موقعہ پر علماء تصریحا فرماتے اور

[عہ] امام ابن ہمام نے غیر مبہم نہایت واضح الفاظ میں تصریح فرمائی۔ ولما ترجح ذالک خرج مابعد الرکوع من کونہ محلا للقنوت۔ چند سطر بعد پھر دہرایا یحقق خروج القومہ عن المحلیۃ بالکلیۃ۔ جب قنوت کا قبل رکوع ہونا راجح ہوچکا تو بعد الرکوع قنوت کا محل نہ رہا۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ قومہ قنوت کا قطعاً محل نہیں ـــ فتاویٰ رضویہ جلد سوم صـ۵۰۸ پر ہے اقول بل الحق بالقبول ما قال السید الحموی لقول الفتح ولما ترجح ـــ صـ۵۰۸ پر ہے اور ہمارے نزدیک بعد رکوع قنوت کا محل ہی نہیں۔ قبل رکوع چاہئے ـ صـ۵۱۵ پر ہے تحقیق یہ ہے کہ فجر کی دوسری رکعت میں بعد قرارت قبل رکوع ہو ـــ علاوہ ازیں اور جگہوں پر بھی ہے۔

Marfat.com

اس محل پر اس مسئلہ کو علی الاطلاق نہ بیان کرتے بلکہ خود علامہ سید احمد طحطاوی و علامہ سید ابن عابدین شامی بھی جو تخیر یا بعد الرکوع کو اظہر کہتے ہیں وہ بھی اس موقع پر خاموش گذر جاتے ہیں نازلہ کی تخصیص نہیں فرماتے۔ ہدایہ میں ہے فان قنت الامام فی صلوٰۃ الفجر یسکت من خلفه عند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ وقال ابو یوسف رحمه الله یتابعه لانه تبع لامامه والقنوت مجتهد فیه ولهما انه منسوخ لامتابعة فیه ثم قیل یقف قائما لیتابعه فیما تجب متابعته وقیل یقعد تحقیقا للمخالفة لان الساکت شریك الداعی والاول اظهر۔ فتاویٰ خانیہ برحاشیہ عالمگیری ص۲۲۵ میں ہے ولو صلی خلف من یقنت فی صلوٰۃ الفجر لا یقنت لان القنوت فی صلوٰۃ الفجر منسوخ وقال ابو یوسف رحمه الله تعالیٰ یقنت ـــ بحر الرائق جلد دوم ص۴۵ میں ہے قوله لا الفجر ای لا یتبع المؤتم الامام القانت فی صلوٰۃ الفجر وهذا عند ابی حنیفة ومحمد وقال ابو یوسف یتابعه لانه تبع لامامه والقنوت مجتهد فیه لهما انه منسوخ فصار کما لو کبر خمسا فی الجنازة حیث لا یتابعه فی الخامسة اذا لم یتابعه فقیل یقعد تحقیقا للمخالفة لان الساکت شریك الداعی بدلیل مشارکة الامام فی القرأة واذا قعد فقدت المشارکة (الی ان قال فی الهدایه) علامہ شامی کا یہ فرمانا کہ قنوت فجر میں جو حدیثیں وارد ہوئیں، ان کو ہمارے علماء نے نوازل پر محمول کیا ہے۔ اور نوازل کی حدیثوں میں قنوت بعد الرکوع آیا ہے، یہ علی الاطلاق صحیح نہیں، قنوت نازلہ کی بعض حدیثیں وہ ہیں جن میں قنوت کا قبل رکوع ہونا مذکور ہے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قنوت فجر کی حدیث کے راوی ہیں، اور وہ رکوع کے بعد زیادہ سے زیادہ ایک ماہ قنوت پڑھنا بیان کرتے ہیں، پھر اس کا ترک فرمانا ذکر کرتے ہیں۔ اور بعض حدیثوں میں اس ایک ماہ کے سوا قبل الرکوع قنوت کا ہونا بیان کرتے ہیں۔ اس قنوت کو بھی ہمارے علماء نے نازلہ ہی پر محمول کیا ہے۔

اور امام ابوجعفر طحاوی عبدالرحمن ابن ابزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ان عمر قنت فی صلوٰۃ الغداة قبل الرکوع بالسورتین۔ نیز وہی طارق بن شہاب سے راوی قال صلیت خلف عمر صلوٰۃ الصبح فلما فرغ من القرأة فی الرکعة الثانیة کبر ثم قنت ثم کبر فرکع اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قنوت نازلہ ہی کی صورت میں تھا، جس کو امام ابوجعفر طحاوی علیہ الرحمۃ نے شرح معانی الآثار میں بیان کیا ہے، نیز امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعبدالرحمن سے وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی انه کان یقنت فی صلوٰۃ الصبح قبل الرکوع یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز صبح میں رکوع سے قبل قنوت پڑھتے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہ قنوت نازلہ وجنگ ہی کی وجہ سے تھا۔ پس جب کہ ہمارا مذہب قنوت قبل الرکوع کا ہے

Marfat.com

تو درصورت نازلہ نماز صبح میں بھی اگر یہ قنوت پڑھا جائے تو اس کو قبل الرکوع ہی ہونا چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**الجواب** ۔ دعائے قنوت نازلہ کی صورت میں بھی ہاتھ باندھے ہوئے پڑھی جائے جس طرح قنوت وتر ہاتھ باندھکر پڑھتے ہیں کہ ہاتھ باندھنے یا چھوڑنے کے متعلق کتب فقہ میں یہ قاعدہ کلیہ ذکر فرمایا ہے کہ جس قیام میں ذکر طویل مسنون ہو اس میں ہاتھ باندھ لیا جائے اور جہاں ایسا نہ ہو وہاں ارسال کرے۔ اسی وجہ سے نماز عید میں پہلی تکبیر کے بعد چونکہ ثنا پڑھی جاتی ہے لہذا ہاتھ باندھ لئے جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد کی تکبیروں میں نیز رکعت ثانیہ کی تمام تکبیرات زوائد میں ہاتھ چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ ہدایہ میں فرمایا ثم الاعتماد سنۃ القیام عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ حتی لا یرسل حالۃ الثناء والاصل ان کل قیام فیہ ذکر مسنون یعتمد فیہ ومالا فلا ھو الصحیح ویعتمد فی حالۃ القنوت وصلوٰۃ الجنازۃ ویرسل فی القومۃ وبین تکبیرات الاعیاد۔ درمختار میں ہے وھو سنۃ قیام لہ قرار فیہ ذکر مسنون فیقع حالۃ الثناء وفی القنوت وتکبیرات الجنازۃ لا فی قیام بین رکوع وسجود لعدم القرار ولا بین تکبیرات العید لعدم الذکر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**الجواب** ۔ دعائے قنوت کو جہر کے ساتھ یا آہستہ پڑھنے میں علمائے حنفیہ کے مختلف اقوال ہیں۔ مختار یہی ہے کہ آہستہ پڑھی جائے کہ آداب دعا میں اخفا مناسب تر ہے۔ ہدایہ میں اخفا ہی کو مختار فرمایا۔ اور محیط میں اس کو اصح بتایا۔ بدائع الصنائع جلد اول صـ۲۷۴ میں ہے واما صفۃ القنوت من الجہر والمخافتۃ (الیٰ ان قال) واختیار مشائخنا بما وراء النہر الاخفاء فی دعاء القنوت فی حق الامام والقوم جمیعا لقولہ تعالیٰ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً وقول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیر الدعاء الخفی۔ بحر الرائق جلد دوم صـ۴۴ میں ہے ولم یقید المصنف القنوت بالمخافتۃ للاختلاف فیہ قال فی الذخیرۃ واستحسنوا الجہر فی بلاد العجم للامام لیتعلموا کما جہر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالثناء حین قدم علیہ وفد العراق۔ ونص فی الہدایۃ علی ان المختار المخافتۃ وفی المحیط علی انہ الاصح وفی البدائع واختار مشائخنا۔ درمختار میں ہے وقنت فیہ مخافتا علی الاصح مطلقا ولو اماما لحدیث خیر الدعاء الخفی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ع۴ اس کا جواب ع۳ میں دیکھ لیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۸۴) مسئولہ متعلین مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور ضلع اعظم گڈھ۔

---

ع۵ اگرچہ یہ تفصیل وتر کے قنوت کے بارے میں ہے، مگر یہی حکم قنوت نازلہ کے لئے بھی ہے، کیونکہ جیسے وہ دعا ہے یہ بھی دعا ہے۔ وتر کے قنوت کے اخفا کی علت، دعا ہی ناہے۔ اور یہ بھی دعا لہذا اسے بھی سراً ہی پڑھیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوازل کی صورت میں حنفیہ کے نزدیک فرض نمازوں میں قنوت پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور یہ قنوت صرف جہری نمازوں میں ہے یا جہری اور سری دونوں میں اور سب جہری نمازوں میں جائز ہے یا صرف فجر ہی میں حدیث و فقہ سے جو محقق قول ہو تحریر کیا جائے، کتابوں کے صفحات اور عربی عبارتوں کے ترجمے بھی ضرور تحریر کر دیئے جائیں۔ بینوا توجروا

**الجواب** - الحمد للہ علی الذات عظیم الصفات الصلوۃ والسلام علی سید الکائنات محمد المصطفیٰ صاحب الآیات البینات وعلیٰ آلہ واصحابہ المختصین بالخصائص والکرامات۔

اما بعد! حضرت امام اعظم اور ان کے صاحبین امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ سے کتب میں نازلہ وحادثہ کی صورت میں قنوت پڑھنے کی کوئی روایت نظر فقیر سے نہیں گذری عامہ متون میں یہ تصریح ہے کہ ولا یقنت فی غیرہ یعنی نماز وتر کے غیر میں قنوت نہ پڑھا جائے مگر بکثرت احادیث سے نماز فجر میں قنوت پڑھنا ثابت ہے بلکہ بعض حدیثوں میں نماز مغرب یا عشاء میں بھی قنوت پڑھنا آیا ہے لہذا پہلے ہم ان حدیثوں کو ذکر کرتے ہیں جن میں وتر کے سوا فرض نمازوں میں قنوت کا ذکر ہے اس کے بعد ائمہ حنفیہ کے اس بارے میں جو کچھ ارشادات ہیں بیان کئے جائیں گے۔ فرائض میں قنوت پڑھنے کے متعلق حضرت انس اور ابو ہریرہ و عبداللہ بن عمر و عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن مسعود و براء بن عازب و خفاف بن ایماء و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیثیں مروی ہیں۔

**حدیث (۱)** صحیح بخاری شریف جلد اول ص۱۳۶ میں ایوب نے محمد ابن سیرین سے روایت کی قال سئل انس بن مالک اقنت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الصبح قال نعم فقیل او قنت قبل الرکوع قال بعد الرکوع یسیرا یعنی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز صبح میں قنوت پڑھا ہے فرمایا ہاں کہ پوچھا گیا کیا قبل الرکوع قنوت پڑھا فرمایا رکوع کے بعد چند روز تک، اس حدیث کو مسلم نے اپنے صحیح میں اور نسائی نے سنن میں بھی روایت کیا۔ بعض شراح نے یسیراً کے یہ معنی بیان کئے کہ رکوع سے تھوڑے زمانے کے بعد یعنی اعتدال تام کے بعد اور بعض نے یہ معنی بیان کیا کہ چند دنوں تک قنوت پڑھا ہے۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف جلد سوم ص۲۱۸ میں ہے قال الکرمانی ای زمانا یسیرًا ای قلیلا وھو بعد الاعتدال التام وقال الطرقی اراد یسیرا من الزمان لا یسیرا من القنوت لان ادنی القیام یسمّی قنوتا فاستحال ان یوصف بالحقارۃ۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یسیرا سے مراد یہ ہے کہ یہ قنوت پڑھنا بعد الرکوع

Marfat.com

صرف چند دنوں تھا جیسا کہ عبد الواحد نے عاصم سے اور وہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے اسمیں اِس لفظ کی جگہ شھرا کا لفظ واقع ہوا ہے یعنی قنوت بعد الرکوع صرف ایک مہینہ تک تھا، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اسی ط۱۳۶ پر عاصم کی روایت ان لفظوں کے ساتھ ذکر کی ہے قال سئلت انس بن مالک عن القنوت فقال قد کان القنوت قلت قبل الرکوع او بعدہ قال قبلہ قال فان فلانا اخبرني عنك انك قلت بعد الرکوع قال کذب انما قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد الرکوع شھرا اراہ کان بعث قوما یقال لھم القراء زھاء سبعین رجلا الی قوم من المشرکین دون اولئك و کان بینھم وبین رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عھد فقنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یدعو علیھم میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قنوت کے متعلق سوال کیا انھوں نے فرمایا قنوت پڑھنا ہوا ہے میں نے پوچھا کہ رکوع سے قبل یا بعد انھوں نے فرمایا کہ رکوع سے قبل، میں نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ ہی سے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھنا بتایا ہے، فرمایا اس نے غلط کہا، حضور نے رکوع کے بعد صرف ایک ہی مہینہ قنوت پڑھا ہے، راوی حدیث نے بیان کیا کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو جن کو قرار کہا جاتا تھا جو قریب ستر آدمی کے تھے مشرکین کی ایک قوم کی طرف بھیجا تھا یہ قوم ان کے سوا تھی جن کی ہلاکت کی حضور نے دعا فرمائی ان کے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مابین معاہدہ ہو چکا تھا حضور نے قنوت پڑھا اور اس میں ان کی ہلاکت کی دعا کی، نیز امام بخاری نے ثابت بن یزید سے وہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی جو صحیح بخاری جلد اول ط۴۴۹ میں ہے کہ اس میں بھی قنت شھرا بعد الرکوع واقع ہوا۔ نیز ابو مجلز کی انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بایں لفظ صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے کہ عن انس بن مالك قال قنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شھرا یدعو علی رعل و ذکوان یعنی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک قنوت پڑھا اس میں رعل و ذکوان کی ہلاکت کی دعا فرماتے تھے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان دونوں روایتوں میں یسیرا کی جگہ شھرا کا لفظ واقع ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں یسیرا کا یہی مطلب ہے کہ کچھ دنوں نماز صبح میں بعد رکوع قنوت پڑھا ہوا ہے نہ کہ رکوع کے کچھ بعد یا تھوڑی دیر تک قنوت پڑھا تھا۔ الاحادیث یفسر بعضھا بعضا ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر ہوا کرتی ہے جب اس معنی کی دوسری روایتوں میں ہیں یہ تصریح مل رہی ہے تو دوسرے معنوں کی طرف عدول کرنے کی کچھ حاجت نہیں بلکہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا دوسرے صحابہ کرام مثلا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایک ماہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھا ہے رہا یہ کہ عاصم اور ابو مجلز کی روایت میں صحیح کا ذکر نہیں تو اسکا

صحیح بخاری جلد اول

Marfat.com

نسبت یہ کہا جائے گا کہ محمد بن سیرین کی زیادت ہے اور ثقہ کی زیادت مقبول ہوا کرتی ہے بلکہ ابو داؤد نے محمد بن سیرین سے اسی حدیث انس کو بایں لفظ روایت کیا عن انس بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت شہرًا ثم ترکہ۔ ایک احتمال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس روایت میں بھی لفظ شہرًا ہی تھا مگر نساخ کی تصحیف سے بجائے شہرًا کے یسیرًا ہو گیا اور کتابوں میں اس قسم کی تصحیفات کا ہو جانا کچھ مستبعد نہیں مگر تصحیف کا قول کرنے کی ہمیں کچھ حاجت نہیں روایت بالمعنی کا دروازہ بہت وسیع ہے کسی نے شہرًا کہا اور کسی نے یسیرًا کہا بلکہ بعض روایتوں میں عشرین یومًا اور بعض میں ثلاثین صباحًا واقع ہوا، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد سوم ص۴۱۹ میں فرمایا (ان ھذا الحدیث روی عن انس من وجوہ خلاف ذالک فروی اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی طلحۃ عنہ انہ قال قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثین صباحًا یدعو علی رعل وذکوان وعصیۃ وروی قتادۃ عنہ نحوا من ذالک وروی عنہ حمید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما قنت عشرین یوما وروی عنہ عاصم انہ قنت شہرًا وانہ قبل الرکوع) اور اسی حدیث انس رضی اللہ عنہ کو امام بخاری نے اپنی صحیح جلد اول ص۱۷۳ میں محمد بن فضیل سے وہ عاصم احول سے روایت کرتے ہیں (عن انس قال قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہرا حین قتل القراء فما رأیت رسول اللہ علیہ وسلم حزن حزنا قط منہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قراء شہید کئے گئے ایک مہینہ تک قنوت پڑھا میں نے حضور کو اس سے زیادہ غمگین کبھی نہیں دیکھا اس روایت میں بھی بجائے یسیرًا کے لفظ شہرًا واقع ہوا، نیز امام بخاری نے صحیح بخاری جلد دوم ص۵۸۶ میں حدیث انس کو بروایت عبد الواحد عاصم احول سے ذکر کیا (قال سألت انس ابن مالک عن القنوت فی الصلوٰۃ فقال نعم فقلت کان قبل الرکوع او بعدہ قال قبلہ قلت فان فلانا اخبرنی عنک انک قلت بعدہ قال کذب انما قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الرکوع شہرًا انہ کان بعث قوما یقال لہم القراء وہم سبعون رجلا الی ناس من المشرکین وبینہم وبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عہد قبلہم فظہر ہؤلاء الذین کان بینہم وبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عہد فقنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الرکوع شہرًا یدعو علیہم) میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز میں قنوت سے متعلق سوال کیا انھوں نے فرمایا ہاں میں نے عرض کیا رکوع سے پہلے ہوا یا بعد میں فرمایا رکوع سے قبل میں نے کہا فلاں نے آپ ہی سے روایت کرتے ہوئے مجھے خبر دی ہے کہ آپ نے رکوع کے بعد قنوت کا ہونا بیان فرمایا ہے، حضرت انس نے فرمایا اس نے غلط کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد صرف ایک مہینہ قنوت پڑھا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو جن کو قراء کہا جاتا تھا اور

Marfat.com

وہ ستر اشخاص تھے مشرکین کے کچھ لوگوں کی طرف بھیجا تھا اور ان کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین معاہدہ تھا یہ کفار جن سے معاہدہ تھا قراء پر غالب آئے تو حضور نے رکوع کے بعد ایک مہینہ قنوت پڑھا جن میں ان کفار کی ہلاکت کی دعا کرتے تھے اور بھی ص۵۸۶ میں حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کئی طریقوں سے ذکر فرمایا۔ عبد العزیز نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی (قال بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبعین رجلا لحاجة یقال لھم القراء فعرض لھم حیان من بنی سلیم رعل و ذکوان عند بئر یقال لھا بئر معونة فقال القوم واللہ ما ایاکم اردنا انما نحن مجتازون فی حاجة للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقتلوھم فدعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰة الغداة وذالک بدء القنوت وما کنا نقنت قال عبد العزیز وسال رجل انسا عن القنوت ابعد الرکوع او عند فراغ من القراءة قال لا بل عند فراغ من القراءة) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر اصحاب کو جنھیں قراء کہا جاتا تھا ایک کام کے لئے بھیجا تھا دو قبیلے بنی سلیم کے جن کو رعل و ذکوان کہا جاتا تھا وہ اُن قراء کے مقابلے کے لئے ایک کنویں کے پاس جس کو بئر معونہ کہا جاتا تھا پیش آئے تو قوم یعنی قراء نے ان سے یہ کہا ہم تم سے لڑنے کا ارادہ نہیں کیا ہے ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کام کے لئے یہاں سے گزر رہے ہیں ان لوگوں نے ان قراء کو شہید کر ڈالا اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک نماز فجر میں انکی ہلاکت کی دعا کی اور یہیں سے قنوت کی ابتدا ہوئی اس سے پہلے ہم بھی قنوت نہیں پڑھتے تھے، عبد العزیز کہتے ہیں کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے یہ سوال کیا کہ قنوت رکوع کے بعد ہے یا قرارت سے فارغ ہونے کے وقت، انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رکوع کے بعد نہیں بلکہ قرارت سے فارغ ہونے کے وقت، ان دونوں روایتوں میں بھی لفظ شھرًا واقع ہوا بلکہ عبد العزیز کی روایت میں یہ لفظ دو جگہ واقع ہوا ہے اور عبد العزیز کی روایت میں قنوت بعد الرکوع ہونیکا مطلقًا ذکر نہیں، امام بخاری نے ہشام سے اور وہ قتادہ سے حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایت کیا (قال قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شھرا بعد الرکوع یدعو علی احیاء من العرب) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھا جس میں عرب کے چند قبائل کی ہلاکت کی دعا کرتے۔ اس روایت میں نماز فجر کا ذکر نہیں اور لفظ شھرًا واقع ہوا ہے پھر دوسری روایت سعید کی قتادہ سے وہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر کی (ان رعلا و ذکوان وعصیة وبنی لحیان استمدوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی عدو فامدھم بسبعین رجلا من الانصار کنا نسمیھم القراء فی زمانھم کانوا یحتطبون بالنھار ویصلون باللیل حتی کانوا ببئر معونة قتلوھم وغدروا بھم فبلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقنت شھرا یدعو فی الصبح علی احیاء من احیاء العرب علی رعل و ذکوان وعصیة وبنی لحیان

رعل و ذکوان اور عصیہ اور بنی لحیان نے اپنے دشمنوں پر غلبہ پانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگی تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مدد کے لئے ستر انصاریوں کو بھیجا تھا جن کو ہم لوگ اپنے زمانہ کے قراء کہتے تھے وہ لوگ دن میں جنگل سے لکڑیاں لاتے تھے اور رات میں نماز پڑھتے تھے، جب وہ بئر معونہ میں پہونچے تو ان کفار نے انھیں قتل کر ڈالا اور عہد شکنی کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہونچی تو ایک مہینہ تک صبح کی نماز میں قنوت پڑھا جس میں عرب کے قبائل میں سے چند قبائل کی ہلاکت کی دعا فرماتے رعل اور ذکوان اور عصیہ اور بنی لحیان کی۔ اس روایت میں نماز صبح کا ذکر ہے اور لفظ شہرا بھی واقع ہوا ہے اس کے بعد ایک دوسری روایت اسحٰق ابن عبداللہ ابن ابی طلحہ سے حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذکر کی جس میں ثلثین صباحاً کا لفظ واقع ہوا۔

بالجملہ صحیح بخاری میں یہ حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ طرق کثیرہ سے مروی ہے جن میں کے چند طریقے ذکر کر دیئے گئے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قنوت فجر بعد الرکوع صرف چند دنوں تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا جن کی مقدار زیادہ سے زیادہ تیس دن ہے لہٰذا جس روایت میں یسیراً واقع ہوا ہے یا تو وہ تصحیف نساخ ہے یا روایت بالمعنیٰ ہے۔ بہر حال کرمانی کا یہ قول کہ رکوع کے کچھ بعد یعنی اعتدال تام کے بعد قنوت پڑھا جس سے شاید وہ اپنے اس مذہب کی تائید کرنا چاہتے ہیں کہ یہ قنوت بعد الرکوع منسوخ نہیں بلکہ اب بھی پڑھا جائے گا۔ ان روایتوں سے یہ قول کرمانی رد اور ساقط ہوتا ہے یسیراً کے یہی معنیٰ ہیں کہ یہ قنوت صرف چند دنوں کے لئے تھا جس پر بعض روایتوں میں کلمۂ انما دلالت کرتا ہے۔

**تنبیہ**۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثیں تمام کتب صحاح میں اور شرح معانی الآثار وغیرہا میں مذکور ہیں مگر ہم نے ان روایتوں کے ذکر میں صرف صحیح بخاری شریف پر اکتفا کیا اور اسی کو کافی سمجھا۔ یہاں تک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قنوت کے بارے میں جتنی روایتیں مذکور ہوئیں ان میں بہت سی وہ ہیں جن میں نماز فجر کا ذکر ہے اور بعض میں نماز فجر کا ذکر نہیں مگر قتادہ کی ایک روایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی ہے (قال کان القنوت فی الفجر والمغرب) یعنی قنوت کا پڑھنا فجر اور مغرب میں ہوا ہے اس روایت کو امام بخاری نے اپنی صحیح جلد اول ص۱۱۰ و ص۱۳۶ میں اور امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار جلد اول ص۱۴۳ میں ذکر فرمایا۔

**حدیث** (۲) صحیح بخاری جلد اول ص۱۱۰ میں ابو سلمہ کی روایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے (قال لاقربن صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان ابو ہریرۃ یقنت فی الرکعۃ الاخرۃ من صلوٰۃ الظہر وصلوٰۃ العشاء وصلوٰۃ الصبح

Marfat.com

بعد ما یقول سمع اللہ لمن حمدہ فیدعو للمؤمنین ویلعن الکفار) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز قریب کرتا ہوں یعنی پڑھ کر تمہیں دکھاتا ہوں تو وہ نماز ظہر اور نماز عشاء اور نماز فجر میں قنوت پڑھتے تھے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہنے کے بعد اس قنوت میں مومنین کے لئے دعا کرتے اور کفار پر لعنت کرتے بعض شراح نے بیان کیا کہ اس حدیث میں مرفوع صرف اتنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت پڑھا رہا یہ کہ سب نمازوں میں قنوت پڑھنا یہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر موقوف ہے یعنی انھیں کا فعل ہے نہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سب نمازوں میں قنوت پڑھنا ثابت ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ موقوف نہیں بلکہ کل مرفوع ہے علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد سوم ص۱۳۵ میں فرمایا (قیل المرفوع من ھذا الحدیث وجود القنوت لا وقوعہ فی الصلوٰۃ المذکورۃ فانہ موقوف علی ابی ھریرۃ والظاھر ان جمیعہ مرفوع یدل علیہ لا قربن صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی روایۃ مسلم لاقربن لکم صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور ابوداؤد اور نسائی نے اپنی سنن میں اور امام ابوجعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں ذکر کیا مگر امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کسی روایت میں ظہر کا ذکر نہیں حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بخاری نے کتاب التفسیر ص۶۵۵ میں ان لفظوں کے ساتھ ذکر کیا (ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یدعو علی احد او یدعو لاحد قنت بعد الرکوع فربما قال سمع اللہ لمن حمدہ اللھم ربنا لک الحمد اللھم انج الولید بن الولید وسلمۃ بن ھشام وعیاش بن ابی ربیعۃ اللھم اشدد وطأتک علی مضر واجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف یجھر بذالک وکان یقول فی بعض صلوٰتہ فی صلوٰۃ الفجر اللھم العن فلانا وفلانا لاحیاء من العرب حتی انزل اللہ لیس لک من الامر شیئ) الآیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کی ہلاکت کی یا کسی قوم کے فائدہ کیلئے دعا کرنے کا ارادہ کرتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے بسا اوقات سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہنے کے بعد یہ فرماتے اے اللہ ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے۔ اے اللہ مضر پر سخت گرفت کر اور ان پر ایسی قحط سالیاں کر جیسی یوسف علیہ السلام کے زمانے میں ہوئی اس کو جہر کے ساتھ کہتے اور کبھی اپنی نماز فجر میں یہ کہتے اے اللہ فلاں اور فلاں پر لعنت کر عرب کے چند قبائل کے لئے یہاں تک کہ آیہ کریمہ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْئٌ نازل ہوئی صحیح مسلم شریف جلد اول ص۲۳۷ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بروایت یحییٰ بن ابی کثیر عن ابی سلمہ اس طرح ہے (ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت بعد الرکعۃ فی صلوٰۃ شھرا اذا قال سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ یقول فی قنوت اَللّٰھُمَّ انج الولید بن الولید اَللّٰھُمَّ انج ابا سلمۃ بن ھشام اللھم انج عیاش بن ابی ربیعۃ اَللّٰھُمَّ انج المستضعفین من المؤمنین اَللّٰھُمَّ اشدد وطأتک علی مضر اَللّٰھُمَّ اجعلھا علیھم سنین کسنی

Marfat.com

یوسف قال ابوھریرۃ ثم رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الدعاء بعد فقلت اری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد ترک دعاء لھم قال فقیل دما تراھم قد قدموا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے بعد ایک مہینہ قنوت پڑھا سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد اپنے قنوت میں یہ کہتے رہے اے اللہ ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور کمزور مسلمانوں کو نجات دے اے اللہ مضر پر اپنی پکڑ سخت کر اور ان پر قحط سالیاں کر جیسی یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالیاں ہوئیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بعد میں دعا فرمانا ترک کر دیا میں نے یہ کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہوں کہ ان کے لئے دعا ترک کر دی اس کے جواب میں کسی نے کہا تم یہ نہیں دیکھتے کہ وہ لوگ (جن کے لئے دعا فرماتے تھے) آگئے شرح معانی الآثار میں اس طرح ہے (قال ابوھریرۃ فاصبح ذات یوم فلم یدع لھم فذکرت ذالک فقال اوما تراھم قد قدموا) یعنی ایک دن صبح کو حضور نے دعا نہیں کی میں نے اس کو ذکر کیا تو ارشاد فرمایا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ وہ لوگ آگئے یعنی جس کام کے لئے دعا تھی وہ پورا ہو گیا اب حاجت باقی نہ رہی، نیز صحیح مسلم شریف جلد اول میں اسی صفحہ پر ہے کہ سعید بن المسیب وابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی (کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول حین یفرغ من صلوۃ الفجر من القرأۃ ویکبر ویرفع راسہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ ثم یقول وھو قائم اللھم انج الولید بن الولید وسلمۃ بن ھشام وعیاش بن ربیعہ والمستضعفین من المؤمنین اللھم اشدد وطأتک علی مضر واجعلھا علیھم کسنی یوسف اللھم العن لحیان ورعلا وذکوان وعصیۃ عصت اللہ ورسولہ ثم بلغنا انہ ترک ذالک لما انزل لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ اَوْ یُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کی قرارت سے جب فارغ ہوتے اور تکبیر کہتے اور سر اٹھاتے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہنے کے بعد حالت قیام میں یہ کہتے اے اللہ ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور کمزور مومنین کو نجات دے اے اللہ مضر پر اپنی پکڑ سخت کر اور ان پر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے جیسی قحط سالیاں کر لحیان اور رعل اور ذکوان اور عصیہ پر لعنت کر جنھوں نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی (زہری کہتے ہیں) کہ پھر ہم کو یہ خبر پہونچی کہ جب آیت کریمہ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الآیہ نازل ہوئی تو حضور نے اس کو ترک فرما دیا بلغنا سے آخر تک زہری کا قول ہے جیسا کہ امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار جلد اول ص۱۴۱ پر زہری تک سند ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے (ثم قال فیہ ثم قد بلغنا انہ ترک ذالک حین انزل علیہ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الآیہ فصار ذکر نزول ھذہ الآیۃ الذی کان بہ النسخ من کلام الزھری لا مما رواہ عن سعید وابی سلمۃ عن

Marfat.com

ابی ھریرۃ حدیث (۳) امام بخاری نے اپنی صحیح جلد دوم ص۵۸۲ میں سالم سے وہ اپنے والد عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی (انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع راسہ من الرکوع من الرکعۃ الاٰخرۃ من الفجر یقول اللّٰھم العن فلانا وفلانا وفلانا بعد ما یقول سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد فانزل اللہ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الی قولہ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سُنا جبکہ حضور فجر کی پچھلی رکعت میں رکوع سے سر اٹھاتے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد کہنے کے بعد یہ کہتے اے اللہ فلاں اور فلاں اور فلاں پر لعنت کر تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ کو فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ تک نازل فرمایا یہ روایت زہری کی ہے اور اسی کے مثل امام بخاری نے کتاب التفسیر ص۶۵۵ میں بھی زہری کی یہ روایت ذکر کی ہے اور کتاب الاعتصام ص۱۰۹۱ میں اور نسائی ج۱ ص۱۶۲ میں جو روایت مذکور ہے اس میں فلانا وفلانا کے بعد من المنٰفقین کا لفظ زیادہ کیا ایسا ہی امام ابوجعفر طحاوی نے بھی شرح معانی الآثار جلد اول ص۱۴۲ پر ذکر کیا اور حنظلہ ابن ابی سفین کی روایت سَالِم عَنْ اَبِیْہِ سے یہ ہے (کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعو علی صفوان بن امیۃ وسھیل بن عمرو والحارث بن ھشام فنزلت لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الی قولہ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کی ہلاکت کی دعا کرتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الی قولہ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ)

حدیث (۴) صحیح مسلم شریف جلد اول ص۲۳۷ وسنن ترمذی ونسائی وابوداؤد وبیہقی ومسند امام احمد شرح معانی الآثار میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی واللفظ لمسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقنت فی الصبح والمغرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور مغرب میں قنوت پڑھتے تھے، ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد یہ کہا (حدیث البراء حدیث حسن صحیح واختلف اھل العلم فی القنوت فی صلوٰۃ الفجر فرای بعض اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم القنوت فی صلوٰۃ الفجر وھو قول الشافعی وقال احمد واسحاق لا یقنت فی الفجر الا عند نازلۃ تنزل بالمسلمین فاذا نزلت نازلۃ فللامام ان یدعو لجیوش المسلمین) یہ حدیث حسن صحیح ہے نماز فجر میں قنوت کے بارے میں اہل علم نے اختلاف کیا بعض اہل علم صحابہ وغیرہم نماز فجر میں قنوت کے قائل ہیں اور یہی امام شافعی کا قول ہے اور احمد اور اسحاق یہ فرماتے ہیں جب تک نازلہ نہ ہو فجر میں قنوت نہ پڑھے جب کوئی نازلہ پیدا ہو تو امام (امیر المومنین) کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مسلمانوں کے لشکر کے لئے دعا کرے۔ ابن جوزی نے کہا کہ امام احمد نے یہ فرمایا لا یروی عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ قنت فی المغرب الا فی ھذا الحدیث۔ یعنی نماز مغرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

سے قنوت پڑھنا صرف اسی حدیث میں مروی ہوا، مگر ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ مغرب میں قنوت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے جس کو امام بخاری اور امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہما نے ذکر کیا۔

**حدیث (۵)** صحیح مسلم شریف جلد اول ص۲۳۷ میں خفاف ابن ایماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ اللھم العن بنی لحیان ورعلا وذکوان وعصیۃ عصوا اللہ ورسولہ غفار غفر ھا اللہ واسلم سالمھا اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں یہ کہا اے اللہ لعنت کر بنی لحیان اور رعل وذکوان وعصیۃ پر جنھوں نے اللہ ورسول کی نافرمانی کی غفار کی اللہ مغفرت فرمائے اور اسلم کو اللہ سلامت رکھے اور مسلم کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضور نے رکوع سے سر اٹھا کر یہ فرمایا خفاف بن ایماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کو امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی متعدد طریقوں سے شرح معانی الآثار جلد اول ص۱۴۲ میں ذکر فرمایا ہے۔

**حدیث (۶)** امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ شرح معانی الآثار جلد اول ص۱۴۳ میں عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی قال قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثین یوما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس دن تک قنوت پڑھا، اس حدیث کو بزار نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے معجم میں اور عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں بھی روایت کیا ہے۔

**حدیث (۷)** امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ شرح معانی الآثار جلد اول ص۱۴۲ میں عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع راسہ من الرکعۃ الاخرۃ قال اللھم انج ثم ذکر مثل حدیث ابی ھریرۃ۔ اور ان کی روایت میں اتنا زیادہ ہے فانزل اللہ عزوجل لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ قال فما دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدعاء علی احد یعنی اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کسی کی ہلاکت کی دعا نہیں کی۔

**حدیث (۸)** ابوداؤد نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی قال قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شھرا متتابعا فی الظھر والعصر والمغرب والعشاء وصلوٰۃ الصبح اذا قال سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ من الرکعۃ الاخرۃ یدعو علی احیاء من بنی سلیم علی رعل وذکوان وعصیۃ ویؤمن من خلفہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر وعصر ومغرب وعشاء ونماز صبح میں ایک ماہ تک پے در پے قنوت پڑھا اس میں بنی سلیم کے چند قبائل رعل وذکوان وعصیۃ کی ہلاکت کی دعا کرتے اور مقتدی آمین کہتے، نماز میں قنوت سے متعلق یہ احادیث ذکر کی گئیں ان میں بعض حدیثوں میں یہ تصریح بھی مذکور ہے کہ آیت کریمہ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ کے نزول کے بعد پھر حضور نے دعا نہیں کی اور بعض حدیثیں اس سے ساکت ہیں۔

Marfat.com

ائمہ مجتہدین قنوت کے بارے میں مختلف ہیں، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ہمیشہ نماز فجر میں قنوت پڑھا جائیگا یہانتک کہ شافعیہ اس کے ترک پر سجدۂ سہو کے قائل ہیں جیساکہ نووی شرح صحیح مسلم صـ۲۳۷ میں فرماتے ہیں لو ترك القنوت فی الصبح سجد للسهو علامہ عینی نے قنوت فجر کے بارے میں صحابہ وائمہ مجتہدین کے مذاہب کے بیان میں یہ تحریر فرمایا وهو مذهب ابن سیرین وابن ابی لیلی والشافعی واحمد واسحق یقولون القنوت فی الفجر بعد الرکوع وحکاه ابن المنذر عن ابی بکر الصدیق وعمر وعثمان وعلی رضی الله تعالیٰ عنهم فی قول فجر میں قنوت پڑھنا ابن سیرین وابن ابی لیلیٰ وامام شافعی وامام احمد واسحاق کا مذہب ہے یہ لوگ رکوع کے بعد قنوت کے قائل ہیں اور ابن منذر اس کو ابوبکر صدیق وعثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حکایت کرتے ہیں کہ ان کا بھی ایک قول یہ ہے بہت سے صحابہ کرام وائمہ مجتہدین قنوت فجر کے قائل نہیں ہیں امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین کا یہی مذہب ہے۔ علامہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں عند ابی حنیفة القنوت فی الوتر خاصة قبل الرکوع وحکی ابن المنذر عن عمر وعلی وابن مسعود وابی موسیٰ الاشعری وبراء بن عازب وابن عمر وابن عباس وانس وعمر بن عبد العزیز وعبیدة السلمانی وحمید الطویل وعبد الله بن المبارك امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قنوت خاصکر وتر میں ہے اور رکوع سے پہلے ہے ابن منذر نے حضرت عمر وحضرت علی وابن مسعود وابوموسیٰ اشعری وبراء بن عازب وابن عمر وابن عباس وانس وعمر بن عبد العزیز وعبیدۃ السلمانی وحمید الطویل وعبد اللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں قال لم یقنت النبی صلی الله علیه وسلم الا شهرا ولم یقنت قبله ولا بعده۔ دوسری روایت یہ ہے قال قنت رسول الله صلی الله علیه وسلم شهرا یدعو علی عصیة وذکوان فلما ظهر علیهم ترك القنوت یعنی حضور نے صرف ایک مہینہ تک قنوت پڑھا نہ اس کے قبل پڑھا نہ اس کے بعد پڑھا اور ان کفار پر غالب آنے کے بعد قنوت پڑھنا ترک فرمادیا اور خود عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے۔

نیز عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی فرمایا ما رأیت احداً یفعله۔ میں نے کسی کو قنوت پڑھتے نہیں دیکھا یعنی ہمیشہ

اور حضرت ابومالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قلت لابی یا ابت انك قد صلیت خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم وخلف ابی بکر وخلف عمر وخلف عثمان وخلف علی ههنا بالکوفة قریباً من خمس سنین افکانوا یقنتون فی الفجر فقال ای بنی محدث میں نے اپنے والد سے دریافت کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور حضرت ابوبکر وحضرت عمر وحضرت عثمان کے پیچھے اور حضرت علی کے پیچھے یہیں کوفہ میں تقریباً پانچ برس کیا یہ حضرات قنوت پڑھتے تھے اور انھوں نے کہا اے میرے بیٹے یہ بدعت ہے۔

ع [illegible]

Marfat.com

اس حدیث کو امام ابوجعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اور ابوداؤد کے سوا اصحاب سنن نے اور بیہقی و ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ راویان حدیث قنوت میں صرف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہیں جو قنوت فجر کے قائل ہیں جیسا کہ اعرج سے مروی ہے کہ کان ابوھریرۃ یقنت فی الصبح۔ لہٰذا ان کو قنوت کے منسوخ ہونے کا یا تو علم ہی نہیں ہوا اس لئے وہ اس پر مداومت کرتے تھے جیسا کہ شرح معانی الآثار میں ہے یحتمل ان یکون نزول ھٰذہ الآیۃ لم یکن ابوھریرۃ علمہ فکان یعمل علی ما کان علمہ من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقنوتہ الی ان مات لان الحجۃ لم تثبت عندہ بخلاف ذالک یعنی قنوت پر ابوہریرہ کے مداومت کرنے میں احتمال ہے کہ ان کو اس آیت کے نزول کی خبر ہی نہ ہوئی، لہٰذا جو کچھ بھی انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا تھا اپنے انتقال تک اسی پر عمل کیا کیونکہ اس کے خلاف کی ان کے نزدیک دلیل ثابت نہیں ہوئی یا یہ کہا جائے کہ حضرت ابوہریرہ کا قنوت یہ قنوت معروف نہ تھا جو بعد الرکوع کیا جاتا ہے بلکہ وہ کسی قوم کے لئے دعا یا بدعا کرنا تھا جیسا کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کیا قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقنت فی صلوۃ الفجر الا ان یدعو لقوم او علیٰ قوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے مگر جب کہ کسی قوم کے لئے دعا کرنا ہوتا۔

چنانچہ ان کی ایک حدیث جو اوپر مذکور ہو چکی ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا نہیں کی میں نے اس کو حضور سے ذکر کیا تو ارشاد فرمایا اوما تراھم قد قدموا کہ جن کے لئے دعا کی جاتی تھی وہ تو آگئے اب قنوت کی حاجت باقی نہیں رہی اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن سے حدیث قنوت بطرق کثیرہ مروی ہے (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے)

ان کی حدیثوں سے بھی صرف اتنا ثابت کہ بیس روز یا ایک مہینہ یا چند دنوں یہ قنوت تھا بلکہ ان کی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ (ثم ترکہ) اس کو نسائی نے قتادہ سے اور ابوداؤد نے انس ابن سیرین سے روایت کیا جس کا ظاہر یہ ہے کہ ایک مہینہ کے بعد حضور نے قنوت پڑھنا ترک فرمادیا اور کسی کام کو کرنے کے بعد ترک کر دینا بظاہر دلیل نسخ ہے پھر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض روایتوں سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بعد الرکوع اگرچہ قنوت نہیں ہے مگر نماز فجر میں قنوت ہے تو اس کے متعلق یہ کہا جائیگا کہ یا تو قنوت سے مراد طول قیام ہے یا مطلق دعا کہ قنوت کا استعمال ان معانی میں بھی ہوتا ہے یا بصورت نازلہ قبل رکوع قنوت پڑھنا ہے جس کو ہم نے اپنے فتاویٰ میں ثابت کیا ہے کہ قنوت نازلہ بھی قبل رکوع ہے نہ کہ بعد رکوع ہاں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت یہ بھی آئی ہے جس کو امام ابوجعفر نے شرح معانی الآثار میں اور دارقطنی نے سنن میں اور اسحاق ابن راھویہ نے مسند میں اور عبدالرزاق نے مصنف میں ذکر کیا۔

Marfat.com

ربیع ابن انس کہتے ہیں کہ میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کسی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مہینہ قنوت پڑھا تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا مازال رسول اللہ علیہ وسلم یقنت فی صلوۃ الغداۃ حتی فارق الدنیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز فجر میں قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔

اول تو یہ روایت تمام ان روایتوں کے مخالف ہے جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باسانید صحیحہ مروی ہیں، پھر یہ کہ اس روایت کو ابوجعفر رازی نے ربیع ابن انس سے روایت کیا ہے اور ناقدین نے ان کی روایتوں پر بہت کچھ کلام کیا ہے، لہٰذا یہ روایت اس قابل نہیں کہ اس کو حجت بنایا جاسکے۔ قال ابن المدینی کان یخلط وقال ابن معین کان یخطی وقال احمد لیس بالقوی وقال ابوزرعۃ کان یھم کثیرا وقال ابن حبان کان ینفرد بالمناکیر عن المشاھیر وقال الفلاس سیئ الحفظ ابن مدینی نے کہا کہ ان کی روایتوں میں خلط ہوتا ہے اور یحیٰ ابن معین کہتے ہیں یہ غلطیاں کیا کرتے تھے امام احمد نے کہا یہ قوی نہیں ہے اور ابوزرعہ نے کہا ان کو وہم بہت ہوتا تھا اور ابن حبان نے کہا یہ مشاہیر سے منکر روایتیں تنہا روایت کیا کرتے تھے اور فلاس نے کہا ان کا حافظہ کمزور تھا۔

اتنی شدید جرحوں کے بعد ان کی روایت کیونکر قابل اعتماد ہوسکتی ہے اور اس میں تمام وہ تاویلیں ہوں گی جو اوپر ہم حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں بیان کر آئے ہیں تاکہ خود حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایتوں میں باہم مناقضہ نہ رہے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو قنوت کے متعلق صاف فرماتے ہیں لم یقنت قبلہ ولا بعدہ اور خود وہ نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے جیسا کہ علقمہ نے جو ان کے ایک شاگرد جلیل ہیں فرمایا وکان ابن مسعود لا یقنت فی صلوۃ الغداۃ۔ اور اسود کہ یہ بھی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد جلیل ہیں فرماتے ہیں کان ابن مسعود لا یقنت فی شیئ من الصلوۃ الا الوتر فانہ کان یقنت قبل الرکوع یعنی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتر کے سوا کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم جہاں وہ قنوت فجر کی روایت کرتے ہیں اسی کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی روایت کرتے ہیں فانزل اللہ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ الآیۃ جس سے قنوت فجر کا منسوخ ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کے بعد یہ بھی فرماتے ہیں ثم ما دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلدعاء علی احد اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی ہلاکت کی دعا نہیں کی۔

اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قنوت پڑھنے والے پر انکار فرمایا کرتے تھے اور یہ فرمایا ما احفظہ عن احد من اصحابی۔ اور خفاف بن ایما رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اسی قنوت کا ذکر ہے جس کو عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ذکر کیا ہے اور ان دونوں حضرات نے اس کا نسخ بیان کیا ہے لہٰذا ان کی روایت میں اگرچہ ذکر نسخ نہیں ہے مگر یہ بھی منسوخ ہی ہے اور براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں فجر کے ساتھ مغرب کا بھی ذکر ہے اور مغرب میں قنوت بالاجماع منسوخ ہے جیسا کہ امام طحاوی فرماتے ہیں ففی اجماع مخالفنا لنا علی ان ما کان یفعله فی المغرب من ذالك منسوخ لیس لاحد یفعله ان یفعله دلیل علی ان ما کان یفعله فی الفجر ایضا کذالك ۔ پس ثابت ہوا کہ جس طرح قنوت مغرب منسوخ ہے قنوت فجر بھی منسوخ ہے۔

یہاں تک کلام احادیث قنوت کے متعلق تھا۔ اب ہم بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اقوال و اعمال جو قنوت کے بارے میں وارد ہیں، ذکر کرتے ہیں، اوپر ہم ابو مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کی حدیث ذکر کر چکے انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور حضور نے قنوت نہیں پڑھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے قنوت نہیں پڑھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انھوں نے قنوت نہیں پڑھا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انھوں نے قنوت نہیں پڑھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انھوں نے قنوت نہیں پڑھا اور انھوں نے اس کو محدث اور بدعت بتایا۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مسند میں روایت کی عن حماد عن ابراھیم عن علقمة قال ماقنت ابوبکر ولا عمر ولا عثمان ولا قنت علی حتی حارب اھل الشام فکان یقنت علقمہ کہتے ہیں کہ نہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قنوت پڑھا اور نہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قنوت پڑھا اور نہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قنوت پڑھا اور نہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قنوت پڑھا یہاں تک کہ جب ان کا اہل شام سے محاربہ ہوا تو قنوت پڑھنے لگے۔

امام ابن ہمام نے فتح القدیر جلد اول ص۳۰۷ میں نقل کیا وقد روی عن الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنه انه قنت عند محاربة الصحابة مسیلمة وعند محاربة اھل الکتاب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوا کہ انھوں نے مسیلمہ کذاب اور اہل کتاب کی جنگ کے وقت قنوت پڑھا ہے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قنوت پڑھنے کے متعلق مختلف آثار مروی ہیں:۔

عبید بن عمیر کہتے ہیں صلیت خلف عمر صلوٰۃ الغداۃ فقنت فیھا بعد الرکوع ۔ ایسا ہی عبد الرحمن ابن ابزی نے بھی بیان کیا مگر ان کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے ان عمر قنت فی صلوٰۃ الغداۃ قبل الرکوع کہ نماز صبح میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبل رکوع قنوت پڑھا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی نماز صبح میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قنوت پڑھنا بیان کیا ان کی روایت

Marfat.com

میں قبل رکوع یا بعد رکوع کا ذکر نہیں، ابو رافع کہتے ہیں صلیت خلف عمر بن الخطاب صلوٰۃ الصبح فقرأ بالاحزاب فسمعت قنوتہ وانا فی اٰخر الصفوف میں نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز صبح پڑھی انھوں نے اس میں سورۂ احزاب پڑھی پھر میں نے ان کا قنوت سُنا اور میں پچھلی صف میں تھا طارق بن شہاب کہتے ہیں صلیت خلف عمر صلوٰۃ الصبح فلما فرغ من القرأۃ فی الرکعۃ الثانیۃ کبر ثم قنت ثم کبر فرکع یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے میں نے صبح کی نماز پڑھی دوسری رکعت میں جب قرارت سے فارغ ہوئے تکبیر کہی پھر قنوت پڑھا پھر تکبیر کہی اور رکوع کیا۔

سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قنوت پڑھنا بیان کیا۔ اسود کہتے ہیں ان عمر کان لا یقنت فی صلوٰۃ الصبح عمر رضی اللہ تعالیٰ نماز صبح میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ نیز اسود و عمرو بن میمون کہتے ہیں صلّینا خلف عمر الفجر فلم یقنت ہم نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز فجر پڑھی انھوں نے قنوت نہیں پڑھا، علقمہ و مسروق کہتے ہیں کنا نصلی خلف عمر الفجر فلم یقنت ہم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز فجر پڑھا کرتے تھے انھوں نے قنوت نہیں پڑھا۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مسند میں روایت کی عن حماد عن ابراہیم عن الاسود قال صحبت ابن الخطاب سنین فلم ارہ قانتا فی صلوٰۃ الفجر یعنی اسود فرماتے ہیں کہ میں برسوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں رہا ان کو نماز فجر میں قنوت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور ابن جریر طبری نے تہذیب میں اسود سے روایت کی قال صلیت مع عمر فی السفر والحضر مالا احصی فکان لا یقنت فی الصبح میں نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سفر و حضر میں بیشمار مرتبہ نمازیں پڑھیں وہ فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔

ان روایتوں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قنوت کے بارے میں مختلف عمل ثابت ہوتا ہے قنوت پڑھنا بھی اور نہ پڑھنا بھی معلوم ہوتا ہے کہ کبھی پڑھتے تھے اور کبھی نہیں، اس اختلاف عمل کی کیا وجہ ہے اس کو اسود نے بیان کیا کان عمر اذا حارب قنت واذا لم یحارب لم یقنت کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب جہاد کرتے قنوت پڑھتے اور جس زمانے میں جہاد نہ ہوتا قنوت نہ پڑھتے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک آیت کریمہ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ عدم محاربہ کی صورت میں قنوت فجر کی ناسخ ہے اور محاربہ کی صورت میں قنوت فجر منسوخ نہیں، ابو عبدالرحمن نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت کی کہ وہ نماز فجر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے اور عبداللہ ابن معقل نے یہ کہا کہ حضرت علی و ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز فجر میں قنوت پڑھا کرتے تھے اور ابراہیم نے فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر میں قنوت نہیں پڑھتے سب سے پہلے اس نماز میں قنوت حضرت علی نے پڑھا، نیز ابراہیم نے کہا انما کان علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقنت فیہا ھہنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

کان محاربا فکان یدعو علی اعدائہ فی القنوت فی الفجر والمغرب حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نماز فجر میں یہاں اس لئے قنوت پڑھتے تھے کہ وہ محارب تھے فجر اور مغرب میں قنوت کے اندر اپنے دشمنوں کی ہلاکت کی دعا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قنوت پڑھنا جنگ کی وجہ سے تھا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا عمل ہم اوپر ذکر کر آئے کہ وہ فجر میں قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے اور ابو رجاء نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی قال صلیت معہ الفجر فقنت قبل الرکعۃ میں نے ابن عباس کے ساتھ نماز فجر پڑھی انھوں نے رکوع سے قبل قنوت پڑھا۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں صلیت خلف ابن عمر وابن عباس فکانا لا یقنتان فی صلوۃ الصبح میں نے ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پیچھے نماز صبح پڑھی وہ دونوں حضرات نماز صبح میں قنوت نہیں پڑھتے تھے، نیز انھیں سے مروی ان ابن عباس کان لا یقنت فی صلوۃ الفجر کہ ابن عباس نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ عمران بن حارث کہتے ہیں صلیت خلف ابن عباس فی دارہ الصبح فلم یقنت قبل الرکوع ولا بعدہٗ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے پیچھے ان کے گھر میں صبح کی نماز پڑھی انھوں نے نہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھا نہ بعد میں۔ ابو رجاء نے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قنوت پڑھنا بیان کیا یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ بصرہ میں حضرت علی کی طرف سے والی تھے اور سعید بن جبیر نے جو ان کا قنوت نہ پڑھنا بیان کیا یہ بعد کا واقعہ ہے کہ جب حضرت ابن عباس مکہ میں تھے جس کا حاصل یہ ہوا کہ محاربہ کی صورت میں انھوں نے قنوت پڑھا اور عدم محاربہ کی صورت میں نہیں اور علقمہ بن قیس کہتے ہیں کہ لقیت ابا الدرداء بالشام فسألتہ عن القنوت فلم یعرفہ میں نے ابو الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے شام میں ملاقات کی ان سے قنوت کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے اُس کو نہیں پہچانا یعنی اُن کے نزدیک قنوت پڑھنا ثابت نہیں تھا۔

نافع نے ابن عمر سے روایت کی کان لا یقنت فی شیئ من الصلوات کہ وہ کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ عمرو بن دینار فرماتے ہیں کان عبد اللہ بن الزبیر یصلی بنا الصبح بمکۃ فلا یقنت عبد اللہ بن زبیر مکہ میں ہم کو نماز فجر پڑھاتے تھے اور قنوت نہیں پڑھتے تھے حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ وہ خلیفہ ہوئے تھے اور اُن کے زمانے میں مخالفین سے لڑائیاں بھی ہوئی تھیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے یہ آثار جو ذکر کئے گئے، ان میں کے اکثر آثار وہ ہیں جن کو امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار جلد اول باب القنوت میں ذکر کیا ہے اور بعض کو امام مالک نے مؤطا میں اور بیہقی نے سُنن میں اور عبد الرزاق نے مصنّف میں روایت کیا ہے۔

Marfat.com

پس صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے بعض حضرات تو وہ ہیں جو اس قنوت کے بالکل قائل نہیں نازلہ اور غیر نازلہ کسی حالت میں بھی وہ قنوت پڑھنے کے قائل نہیں، اور بعض حضرات وہ ہیں کہ نازلہ کی حالت میں اس کا پڑھنا روا رکھتے ہیں قدمار حنفیہ کے اقوال سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قنوت مطلقاً منسوخ ہے خواہ نازلہ میں ہو یا غیر نازلہ میں غیر نازلہ کی وہ تخصیص نہیں کرتے، متون کی عبارت ہم اوپر لکھ چکے کہ وتر کے غیر میں قنوت نہیں، صاحب ہدایہ امام اعظم و امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل میں ایک مقام پر فرماتے ہیں لھما انہ منسوخ۔ اور بحر الرائق میں ہے لھما انہ منسوخ۔ اور فتاویٰ خانیہ میں ہے لان القنوت فی صلوۃ الفجر منسوخ،

اسی طرح اس کا نسخ بکثرت کتابوں میں مذکور ہے امام ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں قنوت سے متعلق تمام حدیثوں پر کلام کرنے کے بعد فرماتے ہیں ثبت بما ذکرنا انہ لا ینبغی القنوت فی الفجر فی حال حرب ولا فی غیرہ قیاسا ونظرا علیٰ ما ذکرنا من ذالک وھٰذا قول ابی حنیفۃ ومحمد وابی یوسف رحمھم اللہ تعالیٰ جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے ثابت ہوا کہ فجر میں قنوت نہ لڑائی کے وقت میں پڑھنا چاہئے اور نہ اس کے غیر میں یہی مقتضائے قیاس ونظر ہے اور ابوحنیفہ و محمد و ابو یوسف کا یہی قول ہے۔

اس عبارت میں تصریح ہے کہ حرب و غیر حرب کسی حالت میں قنوت نہ پڑھنا چاہئے مگر جب ہم شراح کے کلام کی طرف نظر کرتے ہیں تو ان کے کلاموں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ائمہ حنفیہ کے نزدیک صرف وہی قنوت منسوخ ہے جو علی الدوام نماز فجر میں بعض مجتہدین پڑھنے کے قائل ہیں خواہ وہ بعد رکوع پڑھتے ہوں جیسا کہ شافعیہ کا مذہب ہے یا قبل رکوع جیسا کہ مالکیہ کا مذہب ہے بلکہ خود امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کلام جو آئندہ ذکر کیا جائے گا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نازلہ کی صورت میں نماز فجر میں قنوت پڑھنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں: امام ابن ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح القدیر جلد اول ص ۳۰۹ میں بعض صحابہ کرام کے حالت جنگ میں قنوت کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں الا ان ھٰذا ینشئ لنا ان القنوت للنازلۃ مستمر لم ینسخ وبہ قال جماعۃ من اھل الحدیث وحملوا علیہ حدیث ابی جعفر عن انس مازال یقنت حتی فارق الدنیا ای عند النوازل وماذکرنا من اخبار الخلفاء یفید تقررہ لفعلھم ذالک بعدہ صلے اللہ علیہ وسلم وماذکرناہ من حدیث ابی مالک وابی ھریرۃ وانس وباقی اخبار الصحابۃ لا یعارضہ بل انما تفید نفی سنیتہ راتبا فی الفجر سوی حادثۃ ابی حمزۃ حیث قال لم یقنت قبلہ ولا بعدہ وکذا حدیث ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ویجب کون بقاء القنوت مجتھدا وذالک ان ھٰذا الحدیث لم یرو عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من قولہ ان لا قنوت فی نازلۃ بعد ھٰذہ بل مجرد العدم

Marfat.com

بعدھا فیتجہ الاجتہاد بان یظن ان ذالك انما ھو لعدم وقوع نازلۃ۔ بعدھا یستدعی القنوت فتکون شرعیۃ مستمرۃ وھو محمل قنوت من قنت من الصحابۃ بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم وبان یظن رفع الشرعیۃ نظرًا الی سبب ترکہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو انہ لما نزل قولہ تعالیٰ لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ ترك واللہ سبحانہ واعلم۔

یہاں سے ہم کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نازلہ کے لئے قنوت مستمر ہے منسوخ نہیں ہوا اسی کو محدثین کی ایک جماعت نے کہا اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث کہ حضور ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے یعنی نوازل کے وقت میں اور ہم نے جو خلفائے راشدین کی حدیثیں ذکر کی ہیں وہ بھی اس قنوت کے تقرر پر دلالت کرتی ہیں کہ انھوں نے حضور کے بعد اس کو کیا ہے اور وہ جو ہم نے ابومالک اور ابوہریرہ اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور باقی صحابہ کی حدیثیں ذکر کیں وہ اس کے معارض نہیں بلکہ اس سے صرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فجر میں ہمیشہ یہ چیز سنت نہیں سوا حدیث ابی حمزہ کے کہ انھوں نے کہا کہ اس کے پہلے بھی قنوت نہیں پڑھا اور بعد میں بھی نہیں پڑھا اور ایسا ہی ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ لہٰذا ضرور ہے کہ قنوت کا نوازل میں پڑھنا ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے اور یہ یوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ اس کے بعد نازلہ میں قنوت نہیں بلکہ اس کے بعد محض قنوت نہ پڑھنا مروی ہے۔

لہٰذا اب یہ اجتہاد ہو سکتا ہے کہ گمان کیا جائے کہ اس واقعہ کے بعد کوئی نازلہ نہ پایا گیا جس کی وجہ سے قنوت پڑھا جاتا، لہٰذا اس کی مشروعیت مستمر ہوئی اور جن صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قنوت پڑھا ان کے قنوت کا یہی محمل ہے اور یہ بھی گمان کیا جا سکتا ہے کہ اس کی مشروعیت ہی اُٹھ گئی جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک کا سبب یہ قرار دیا جائے کہ جب آیت کریمہ لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ نازل ہوئی حضور نے ترک فرما دیا۔

بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۴۴ میں ہے وفی شرح النقایۃ معزیا الی الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوۃ الجھر یعنی اگر مسلمانوں کو کوئی حادثہ پیش آئے تو جہری نمازوں میں امام قنوت پڑھے۔ علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں ابراہیم حلبی کا قول نقل کیا کہ وہ فتح القدیر کی عبارت کا خلاصہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں فتکون شرعیۃ مستمرۃ وھو محمل قنوت من قنت من الصحابۃ بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو مذھبنا وعلیہ الجمھور قال الحافظ ابوجعفر الطحاوی انما لایقنت عندنا فی صلوۃ الفجر من غیر بلیۃ فاذا وقعت فتنۃ او بلیۃ فلا باس بہ فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی نازلہ کے وقت میں قنوت پڑھنے کی مشروعیت باقی ہے یہی ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے امام حافظ ابوجعفر طحاوی نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک

Marfat.com

نماز فجر میں بغیر مصیبت کے قنوت پڑھنا نہیں اور جب فتنہ یا بلا واقع ہو تو اس میں حرج نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو کیا ہے ــ اس کے بعد علامہ شامی فرماتے ہیں ومقتضی ھذا ان القنوت لنازلۃ خاص بالفجر یخالفہ ماذکرہ المؤلف معزیا الی الغایۃ من قولہ فی صلوٰۃ الجہر ولعلہ محرف عن الفجر وقد ورد بھذا اللفظ فی حواشی مسکین وکذا فی الاشباہ وکذا فی شرح الشیخ اسمٰعیل لکنہ عزاہ الی غایۃ البیان ولم اجد المسئلۃ فیہا فلعلہ اشتبہ علیہ غایۃ السروجی بغایۃ البیان ولکن نقل عن البنایۃ من نصہ اذا وقعت نازلۃ قنت الامام فی الصلوٰۃ الجہریۃ وقال الطحاوی لا یقنت عندنا فی صلوٰۃ الفجر فی غیر بلیۃ واما اذا وقعت فلا باس بہ اھ

امام حلبی کے اس قول کا مقتضا یہ ہے کہ قنوت نازلہ فجر کے ساتھ خاص ہے اور صاحب بحر نے غایہ کی طرف نسبت کرکے فی صلوٰۃ الجہر جو فرمایا شاید یہ لفظ فجر کی تحریف ہے اور میں نے حواشی مسکین میں اسی لفظ کو پایا یعنی فی صلوٰۃ الفجر ایسا ہی اشباہ میں ہے اور شیخ اسمٰعیل نے شرح میں بھی ایسا ہی کہا لیکن انھوں نے اس کو غایۃ البیان کی طرف منسوب کیا اور میں نے غایۃ البیان میں اس مسئلہ کو نہیں پایا شاید شیخ اسمٰعیل کو غایۃ البیان اور غایۃ السروجی میں اشتباہ واقع ہو گیا لیکن بنایہ سے انھوں نے یہ نقل کیا کہ جب کوئی نازلہ واقع ہو تو جہری نماز میں امام قنوت پڑھے اور امام طحاوی نے فرمایا ہمارے نزدیک نماز فجر میں بغیر مصیبت کے قنوت نہیں اور جب مصیبت ہو تو حرج نہیں۔

امام طحاوی کی عبارت سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ نماز فجر کے غیر میں قنوت نہیں۔ علامہ شلبی حاشیہ تبیین میں فرماتے ہیں ان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوٰۃ الفجر وبہ قال الثوری واحمد وقال الحافظ ابوجعفر الطحاوی انما لا یقنت عندنا فی صلوٰۃ الفجر من غیر بلیۃ فان وقعت فتنۃ او بلیۃ فلا باس بہ فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذکرہ السید الشریف صاحب النافع فی مجموعہ اگر مسلمان پر کوئی حادثہ پیش آئے تو امام نماز فجر میں قنوت پڑھے اسی کو سفیان ثوری اور امام احمد نے فرمایا حافظ ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہمارے نزدیک نماز فجر میں قنوت پڑھنا بغیر مصیبت نہیں ہے اگر فتنہ یا بلا ہو تو قنوت پڑھنے میں حرج نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا ہے اور سید شریف صاحب نافع نے اس کو اپنے مجموعہ میں ذکر فرمایا اسی طرح علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ درمختار جلد اول ص۲۸۲ میں امام ابوجعفر طحاوی کا قول نقل فرماکر یہ کہا وظاہرہ انہ لو قنت فی الفجر لبلیۃ انہ یقنت قبل الرکوع ابو السعود عن الحموی قلت قد ورد فعلہ قبلہ وبعدہ وبالاول قال الامام مالک وبعدہ وبہ قال الامام الشافعی فمقتضی النظر التخییر وذکر الشرنبلالی انہ یقنت بعد الرکوع اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر فجر میں بلا کی وجہ سے

Marfat.com

قنوت پڑھے تو رکوع سے پہلے پڑھے اس کو ابوالسعود نے حموی سے نقل کیا۔

میں یہ کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا بھی وارد ہوا اس کو امام مالک نے کہا اور رکوع کے بعد بھی وارد ہوا اس کو امام شافعی نے کہا لہٰذا مقتضائے نظر یہ ہے کہ پہلے یا پیچھے پڑھنے میں اختیار ہے، اور شرنبلالی نے یہ ذکر کیا کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھے ہم نے ایک فتویٰ میں اس قنوت کو قبل رکوع ہونے کو ثابت کیا۔ من شاء الاطلاع فلیرجع الیہا۔

درمختار میں فرمایا لایقنت لغیرہ الا لنازلۃ فیقنت الامام فی الجہریۃ وقیل فی الکل۔ وتر کے سوا کسی نماز میں بے قنوت نہ پڑھے مگر کسی حادثہ کی وجہ سے امام جہری نمازوں میں قنوت پڑھ سکتا ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ سب نمازوں میں۔

علامہ سید احمد طحطاوی اس کی شرح میں ص۲۸۳ پر فرماتے ہیں قولہ فیقنت الامام فی الجہریۃ نقلہ فی البحر عن شرح النقایۃ بالعزو الی الغایۃ وکذا نقلہ الشرنبلالی عن الغایۃ بلفظ الجہر کما فی البحر والذی فی ابی السعود عن الشرح المذکور ان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوٰۃ الفجر وھو المتبادر من قول الطحاوی انما لایقنت عندنا فی صلوٰۃ الفجر فی غیر بلیۃ اما اذا وقعت بلیۃ فلاباس ویدل لذلک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت لبلیۃ فی صلوٰۃ الفجر فقط والذی یظھر لی ان قولہ فی البحر ان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوٰۃ الجہر تحریف من النساخ وصوابہ الفجر۔ اس کو بحر میں شرح نقایہ سے غایہ کی طرف نسبت کرکے نقل کیا اور ایسا ہی شرنبلالی نے لفظ جہر جیسا کہ بحر میں ہے غایہ سے نقل کیا اور ابوالسعود نے شرح مذکور سے یہ نقل کیا کہ اگر مسلمانوں کو کوئی حادثہ پیش آئے تو امام نماز فجر میں قنوت پڑھے اور امام طحاوی کے قول سے بھی یہی متبادر ہے کہ ہمارے نزدیک بغیر بلا نماز فجر میں قنوت پڑھنا نہیں ہے لیکن اگر کوئی بلا ہو تو حرج نہیں، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کی وجہ سے صرف نماز فجر میں قنوت پڑھا۔

جو کچھ مجھے ظاہر ہو رہا ہے یہ ہے کہ بحر میں جو لفظ جہر واقع ہوا ہے وہ تحریف کاتبین ہے صحیح یہ کہ بجائے لفظ جہر کے فجر ہو، بلکہ علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں بحر کی یہ عبارت نقل کی ہے الذی فی البحر عن الشمنی فی شرح النقایۃ معزیا للغایۃ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت فی صلوٰۃ الفجر وھو قول الثوری واحمد۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بحر کے اس نسخے میں جو ان کے پاس اس وقت تھا لفظ فجر واقع ہے۔ پھر اس کے بعد علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں فرمایا قال العلامۃ نوح بعد کلام قدمہ فعلی ھذا لایکون القنوت فی صلوٰۃ الفجر عند وقوع النوازل منسوخا بل یکون امرا مستمرا ثابتا ویدل علیہ قنوت من قنت من الصحابۃ بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم فیکون المراد بالنسخ نسخ عموم الحکم لانسخ نفس الحکم علامہ نوح نے

Marfat.com

کہا ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے نماز فجر میں نازلہ واقع ہونے کے وقت قنوت منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ ایک امر مستمر ثابت ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ میں سے بہت سے لوگ وہ ہیں جنھوں نے قنوت پڑھا لہٰذا نسخ سے مراد حکم کے عام ہونے کا نسخ ہے یعنی ہمیشہ قنوت پڑھنا نہ یہ کہ نفس قنوت ہی منسوخ ہے۔

اس کے بعد بحر فرمایا قال فی الملتقط قال الطحاوی انما لا یقنت عندنا فی صلوٰۃ الفجر فی غیر بلیۃ فان وقعت فتنۃ او بلیۃ فلا باس بہ وقال بعض الفضلاء وھو مذھبنا وعلیہ الجمھور۔ ملتقط میں امام ابوجعفر طحاوی کا قول نقل کر کے فرمایا بعض فضلاء نے فرمایا یہ ہمارا مذہب ہے اور اسی پر جمہور ہیں۔

ان سب عبارات سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک قول محقق یہ ہے کہ نازلہ کی صورت میں صرف نماز فجر میں قنوت پڑھا جائے فجر کے سوا کسی دوسری نماز میں قنوت پڑھنا اگرچہ وہ جہری نماز ہو اہل تحقیق کے نزدیک نہیں اور بحر میں جو لفظ فی صلوٰۃ الجہر آیا ہے وہ لکھنے والوں کی تحریف ہے جس کو علامہ سید ابن عابدین شامی نے منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں اور علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں فرمایا بلکہ علامہ شامی نے رد المحتار حاشیہ درمختار جلد اول ص۶۲۸ میں یہی عبارتیں جن کو علامہ سید احمد طحطاوی نے نقل فرمایا ہے نقل فرمانے کے بعد یہ کہا ویؤیدہ ما فی شرح المنیۃ حیث قال بعد کلام لتکون شرعیتہ ای شرعیۃ القنوت فی النوازل مستمرۃ وھو محمل قنوت من قنت من الصحابۃ بعد وفاتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وھو مذھبنا وعلیہ الجمھور قال الحافظ ابوجعفر الطحاوی انما لا یقنت عندنا فی صلوٰۃ الفجر من غیر بلیۃ فان وقعت فتنۃ او بلیۃ فلا باس بہ فعلہ رسول اللہ علیہ وسلم واما القنوت فی الصلوات کلھا للنوازل فلم یقل بہ الا الشافعی وکانھم حملوا ما روی عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ قنت فی الظھر والعشاء کما فی مسلم وانہ قنت فی المغرب ایضا کما فی البخاری علی النسخ لعدم ورود المواظبۃ والتکرار الواردین فی الفجر عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اھ وھو صریح فی ان قنوت النازلۃ عندنا مختص بصلوٰۃ الفجر دون غیرھا من الصلوات الجھریۃ او السریۃ ومفادہ ان قولھم بان القنوت فی الفجر منسوخ نسخ عموم الحکم لا نسخ اصلہ کما نبہ علیہ نوح افندی اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو شرح منیہ میں ہے انھوں نے ایک کلام کے بعد یہ فرمایا کہ نوازل میں قنوت کی مشروعیت مستمر ہے اور جن صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قنوت پڑھا اس کا محمل یہی ہے اور یہ ہمارا مذہب ہے، اور اسی پر جمہور ہیں اور تمام نمازوں میں نوازل کے لئے قنوت کا قول صرف امام شافعی نے کیا ہے ہمارے علماء نے ظہر و مغرب و عشاء میں قنوت پڑھنا جو بعض حدیثوں میں وارد ہوا ہے اس کو نسخ پر محمول کیا کیونکہ مداومت اور تکرار جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز فجر

Marfat.com

میں وارد ہیں ان نمازوں میں وارد نہیں اور یہ کلام صریح ہے کہ قنوت نوازل نماز فجر کے ساتھ خاص ہے اس کے سوا جہری یا سری نمازوں میں نہیں اس کلام کا مفاد یہ ہے کہ ہمارے فقہاء کا یہ قول کہ نماز فجر میں قنوت منسوخ ہے اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ حکم کا عموم منسوخ ہے نہ یہ کہ نفس حکم منسوخ ہے۔

نیز علامہ شامی قول درمختار وقیل فی الکل کے تحت فرماتے ہیں قد علمت ان ھذا لم یقل بہ الا الشافعی وعزاہ فی البحر الی جمہور اھل الحدیث فکان ینبغی عزوہ الیھم لئلا یوھم انہ قول فی المذھب تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ سب نمازوں میں قنوت پڑھنا صرف امام شافعی کا مذہب ہے، اور بحر میں اس کو جمہور محدثین کی طرف منسوب کیا تو اس کو انھیں کی طرف نسبت کرنا چاہیے کہ کہیں یہ وہم نہ پیدا ہو کہ یہ بھی ہمارے مذہب کا ایک قول ہے۔

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۲۱۶ میں فرماتے ہیں واما القنوت فی الصلوات کلھا عند النوازل فلم یقل بہ الا الشافعی ولیس مذھبنا کما صرح بہ العلامۃ نوح نوازل کی وجہ سے تمام نمازوں میں قنوت پڑھنا صرف امام شافعی کا مذہب ہے، اور ہمارا مذہب نہیں جیسا کہ علامہ نوح نے اس کی تصریح کی۔

فقہائے کرام و علمائے اعلام کی ان عبارات مرقومہ بالا سے بہت واضح طور پر یہ واضح ہو گیا کہ نازلہ کے وقت نماز فجر میں قنوت پڑھنا جائز ہے اور اس زمانہ میں جب ہندوستان میں چاروں طرف سے مسلمانوں پر مصائب و آلام کی بارش ہو رہی ہے اگر ائمہ مساجد نماز فجر میں رکوع سے پہلے اور قراءت کے بعد دعائے قنوت پڑھیں تو کوئی حرج نہیں اور اس قنوت میں وہ دعا جو قنوت وتر میں پڑھی جاتی ہے پڑھی جایا کرے جیسا کہ امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شرح معانی الآثار میں روایت کیا عن عبید بن عمر قال صلیت خلف عمر صلوٰۃ الغداۃ فقنت فیھا بعد الرکوع وقال فی قنوتہ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ الخ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز فجر میں قنوت میں اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ آخر تک پڑھا اور اس دعائے قنوت مشہور و ماثور کے بعد یہ دعا بھی پڑھے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ وَانْصُرْھُمْ عَلٰی عَدُوِّکَ وَعَدُوِّھِمْ اَللّٰھُمَّ الْعَنِ الْکَفَرَۃَ وَالْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ وَیُقَاتِلُوْنَ اَوْلِیَاءَکَ اَللّٰھُمَّ خَالِفْ بَیْنَ کَلِمَتِھِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَھُمْ وَاَنْزِلْ عَلَیْھِمْ بَاْسَکَ الَّذِیْ لَا یُرَدُّ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے "اے اللہ میری اور تمام مومنین اور مومنات و مسلمین اور مسلمات کی مغفرت فرما اور اُن کے دلوں میں اُلفت پیدا فرما اور اُن کے آپس کی حالت درست کر دے اور ان کی

Marfat.com

اپنے اور اُن کے دشمنوں پر مدد کر، اے اللہ کفار و مشرکین پر لعنت کر جو تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور تیرے دوستوں سے لڑتے ہیں، اے اللہ ان کی بات میں مخالفت ڈال دے اور اُن کے قدموں کو متزلزل کردے اور اُن پر اپنا وہ عذاب بھیج جو قوم مجرمین سے واپس نہیں ہوتا"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس دعائے منقول میں لفظ کفرۃ اهل الکتاب ہے مگر مناسبت حال کی وجہ سے ہم نے لفظ الکفرۃ والمشرکین لکھا، ھٰذَا مَاتَیَسَّرَ لِیْ والله تعالیٰ اعلم

بحمدہ تعالیٰ قنوت نازلہ کا یہ مسئلہ اور اس کے پہلے قنوت کا بصورت نازلہ قبل رکوع ہونے کا مسئلہ یہ دونوں ملکر ایک رسالہ کی قدر ہو گئے اس کا نام "التحقیق الکامل فی حکم قنوت النوازل" رکھا گیا فقیر اپنی جسمانی کمزوریوں اور خصوصیت کے ساتھ ضعف بصر کی مجبوریوں سے اس قابل نہیں کہ وہ محقق اور مدلل فتویٰ تحریر کر سکے مگر محض اللہ عزوجل کا فضل و کرم تھا جو ایسا فتویٰ ایسی حالت میں اس نے تحریر کرادیا اس فتویٰ کی تحریر میں عزیزی مولوی محمد شریف الحق[عہ] سلمہ سے بہت مدد ملی اور حاشیہ شرح معانی الآثار[عہ] جو پہلے کسی زمانہ میں فقیر نے تحریر کیا ہے اگرچہ وہ صرف نصف جلد اول تک لکھا گیا مگر قنوت کی بحث اس میں موجود ہے اس وجہ سے اُس حاشیہ سے بھی اس فتویٰ میں بہت کچھ مدد ملی۔

اللہ تعالیٰ اس عاجز کی سعی کو قبول فرمائے اور اس سے مسلمانوں کو فائدہ و نفع پہنچائے، آمین ۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَاَفْضَلِ رُسُلِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

---

عہ طحاوی شریف کا یہ حاشیہ عربی زبان میں ہے جو دادوں ضلع علی گڑھ کے زمانہ قیام میں لکھا گیا۔ فقہ و حدیث میں مصنف علیہ الرحمۃ کی اہم ترین علمی یادگار ہے بعنقریب دائرۃ المعارف الامجدیہ کے زیر اہتمام شائع ہونے والا ہے۔ کلیمی

عہ موصوف کی ولادت باسعادت مدینۃ العلماء گھوسی میں ہوئی خانوادہ امجدیہ سے آپ کا تعلق ہے۔ محدث اعظم پاکستان و حضور حافظ ملت علیہما الرحمۃ والرضوان و دیگر اساتذہ دقت سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی۔ حضرت فقیہ اعظم ہند سے بھی آپ کو فقہ و افتاء میں شرف تلمذ حاصل ہے۔ رسائل رضویہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اب تک تین ہزار فتاویٰ تحریر فرما چکے ہیں۔ اکابر علماء نے نائب مفتی اعظم ہند و عمدۃ المحققین کے خطابات سے نوازا ہے۔ ان دنوں مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں صدر مفتی کی حیثیت سے فتویٰ نویسی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ زیر نظر فتاویٰ پر آپ ہی کی علمی و تحقیقی تعلیق ہے۔ کلیمی

Marfat.com

**مسئلہ** (۲۸۹) مرسلہ حکیم ابو محمد عبد الرزاق صاحب آروی امام مسجد از ہوڑہ محلہ کرسٹان پاڑہ ۲۰ صفر ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جن نماز پنجگانہ کے بعد نفلیں پڑھی جاتی ہیں ایا اُن کو التزاماً بیٹھ کر پڑھنا چاہئے یا کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے زید بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا افضل بتاتا ہے، عمر کہتا ہے اگر کوئی عذر کھڑے ہونے سے مانع ہو تو مضائقہ نہیں، مگر زید اپنے قول بلا دلیل شرعی پر اصرار کرتا ہے کیا کوئی حدیث سوائے بعد وتر کے ہے اگر ہو تو ارقام فرمایئے۔ اور بلا دلیل شرعی اصرار کرنا کیسا ہے۔

**س۲** یہاں علی العموم لوگوں کا اعتقاد ہے کہ جب نماز کے لئے مسجد میں جائے تو وضو کر کے بیٹھ جائے۔ اس کے بعد کھڑے ہو کر نماز کی نیت کرے۔ اور اس اعتقاد میں لوگ ایسے پختہ ہیں کہ واجب اور فرض کی طرح اس کے ترک کو گناہ سمجھتے ہیں، بلکہ منع کرنے والوں کو برا کہتے ہیں، تو کیا کہیں اس کا ثبوت ہے۔

**الجواب** (۱) ۔ بغیر عذر نماز نفل کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے، اور بیٹھکر پڑھنا جائز، بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ملے گا، حدیث صحیح میں ارشاد ہوا صلوٰۃ الرجل قاعداً نصف الصلوٰۃ یہ حکم تمام نوافل مطلقہ کا ہے، بعد وتر جو نوافل پڑھے جاتے ہیں اُنکا بھی کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھ کر پڑھنا حضور کے خصائص سے ہے، لہٰذا اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں خود حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور کے لئے ہے، دوسرے کے لئے نہیں، صحیح مسلم شریف میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، حدثت ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال صلوٰۃ الرجل قاعداً نصف الصلوٰۃ قال فاتیتہ فوجدتہ یصلی جالساً فوضعت یدی علی راسہ فقال مالک یاعبد اللہ بن عمر قلت حدثت یارسول اللہ انک قلت صلوٰۃ الرجل قاعداً علی نصف الصلوٰۃ وانت تصلی قاعداً قال اجل ولکنی لست کاحد منکم۔ حدیث کا پچھلا جملہ کہ میں تم جیسا نہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم میں حضور داخل نہیں، اور یہ حضور کے خصائص سے ہے اسی لئے شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :۔

"یعنی ھٰذا الذی ذکرت ان صلوٰۃ الرجل قاعداً علی نصف صلوٰتہ حکم غیری من الامۃ واما انا فخارج عن ھٰذا الحکم ویقبل ربی عنی قاعداً مقدار صلاتی قائماً او ذالک من خصائصی لما اختص بہ من غایتہ التوجہ والحضور والمعرفۃ والقرب فلا تقیسونی علی احد ولا تقیسوا احداً علیّ۔"

درمختار میں ہے ویتنفل مع قدرتہ علی القیام قاعداً اجرہ غیر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم

Marfat.com

علی النصف الا بعذر۔ ردالمحتار میں ہے اما النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فمن خصائصہ ان نافلتہ قاعدا مع القدرۃ علی القیام کنافلتہ قائما۔

بالجملہ زید کا بیٹھکر پڑھنا قابل الزام نہیں کہ اس میں کچھ گناہ نہیں صرف ترک افضل ہے مگر اس کا یہ کہنا کہ افضل بیٹھکر پڑھنا ہے، غلط وجہالت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) بیٹھنے کی کچھ ضرورت نہیں مسجد میں پہنچکر اگر فوراً نماز پڑھنا چاہیں پڑھیں، اور وقت مکروہ نہ ہو، تو تحیۃ الوضو یا تحیۃ المسجد پڑھیں، بلکہ تحیۃ المسجد میں بہتر یہ ہے کہ قبل جلوس ہو اگرچہ جلوس سے ساقط نہ ہوگی۔ حدیث میں ہے اذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یصلی رکعتین۔ ردالمحتار میں ہے والظاہر ان دخولہ بنیۃ صلوٰۃ الفرض لامام او منفرد او بنیۃ الاقتداء ینوب عنہا اذا صلی عقب دخولہ والا لزم فعلہا بعد الجلوس وہو خلاف الاولیٰ کما یاتی فلو کان دخولہ بنیۃ الفرض مثلا لکن بعد زمان یؤمر بہا قبل جلوسہ۔ مراقی الفلاح میں ہے سن تحیۃ المسجد برکعتین قبل الجلوس۔ نیز تحیت کی شان ہی یہ ہے کہ ابتداءً ہو نہ یہ کہ بیٹھنے کے بعد ادا کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۹۰) محمد حبیب حسین صاحب محفوظ الکریم بانکی پور دریاپور ۱۳ رجادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ

نوافل کا کھڑے ہوکر پڑھنا تو یقیناً بیٹھکر پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ لیکن کسی وقت کے نفل کو بیٹھکر پڑھنے میں کھڑے ہوکر پڑھنے جیسا ثواب ملتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ بلا عذر نفل بیٹھکر پڑھنے میں وہ ثواب نہیں جو کھڑے ہوکر پڑھنے کا ہے۔ اور اس حکم میں تمام نوافل کا اشتراک ہے۔ بعض لوگوں نے وتر کے بعد کے نفل کا اس حکم سے استثناء کیا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۹۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید نے فرض عشاء کے بعد دو رکعت سنت پڑھنے کی نیت کی بجائے سلام پھیرنے کے کھڑا ہوگیا یہ خیال کرکے کہ دو رکعت نفل اور پڑھنا ہے وہ بھی اس میں شامل ہو جائیگی ایسی حالت میں نماز سنت و نفل دونوں ہوئیں یا نہیں۔

**الجواب** ۔ بہتر یہ ہے کہ دو رکعت پر سلام پھیر دے اگر سلام نہ پھیرا اور دو رکعتیں اور ملالیں جب بھی نماز ہوگئی[ف] واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۹۲) مرسلہ مولوی سرفراز احمد صاحب از مرزاپور یکم ذی الحجہ ۴۲ھ

---

ف یعنی سنت مؤکدہ اور نفل دونوں ادا ہوگئی واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز تراویح دو دو رکعت بیک سلام مسنون و مفتی بہ ہے یا کہ چار چار اور آٹھ آٹھ رکعت بیک سلام باجماعت، احمد نماز تراویح کو دو دو رکعت بیک سلام ادا کرنا مسنون و مفتی بہ قرار دیتا ہے اور اپنے قول کی تائید میں عبارت فتاویٰ عالمگیری هی خمس ترویحات کل ترویحة اربع رکعات بتسلیمتین اور فتاویٰ قاضیخاں یصلی اهل کل مسجد فی مسجدهم کل لیلة سوی الوتر عشرین رکعة خمس ترویحات بعشر تسلیمات یسلم فی کل رکعتین۔ اور علامہ طحطاوی کی عبارت جو شرح میں ہے هی عشرون رکعة بعشر تسلیمات وهو المتوارث پیش کرتا ہے مگر اس کے برخلاف زید چار چار اور آٹھ آٹھ رکعت بیک سلام ادا کرنا مسنون بتلاتا ہے اور اسی پر عمل کرانے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے فعل کی تائید میں منیۃ المصلی کی یہ عبارت فصل فی النوافل هی جمع نافلة وهی فی اللغة الزیادة وفی الشرع العبادة التی لیست بفرض ولا واجب فهی العبادة الزائدة علی ماهو لازم فتعم السنن المؤکدة والمستحبة والتطوعات غیر الموقتة اور عبارت والزیادة علی ثمان رکعات لیلا واربع رکعات نهارا مکروهة بالاجماع وساقه ثم الافضل فی صلوٰة اللیل والنهار اربع رکعات بتحریمة واحدة عنده وقالا فی اللیل رکعتان والزیادة الخ پیش کرتا ہے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کا استدلال قابل تسلیم ہے یا احمد کا۔ جواب مشرح بحوالہ کتب مرحمت ہو۔ بینوا توجروا

**الجواب**۔ تراویح میں سنت یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے، کتب معتبرہ مذہب میں اسی کی تصریح ہے اور اسی پر عمل امت ہے۔ ہدایہ میں ہے یستحب ان یجتمع الناس فی شهر رمضان بعد العشاء فیصلی بهم امامهم خمس ترویحات کل ترویحة بتسلیمتین ذکر لفظ الاستحباب والاصح انها سنة۔ تنویر الابصار میں ہے وهی عشرون رکعة بعشر تسلیمات۔ درر وغرر میں ہے وهی خمس ترویحات لکل تسلیمتان فتکون التسلیمات عشرا۔ حاشیہ شرنبلالی میں ہے وفی الهدایة والکافی ان السنة فیها عشر تسلیمات وقال فی البحر انه المتوارث۔ جب کافی امام شہید میں کہ یہ جامع کتب ظاہر الروایۃ ہے، اس کی سنیت کی تصریح ہے اور بحر میں اس کو متوارث فرمایا پھر اب زیادہ تصریحات کی کیا حاجت۔

خیر بعض عبارت اور سنئے:- بحر الرائق کی عبارت یہ ہے وارادبالعشرین ان تکون بعشر تسلیمات کما هو المتوارث یسلم علی راس کل رکعتین۔ امام ملک العلماء ابوبکر بن مسعود کاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ بدائع الصنائع میں سنن تراویح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ومنها ان یصلی کل رکعتین بتسلیمة علیحدة۔ امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ مبسوط میں فرماتے ہیں الفصل الثامن فی الزیادة علی قدر المسنون وهو رکعتان بتسلیمة۔

Marfat.com

ان ائمہ مذہب کی تصریحات جلیلہ وجلیہ کے بعد اب مسئلہ بالکل واضح وروشن ہوگیا کہ قول احمد صحیح و درست ہے اور زید کی مؤید ایک روایت بھی نہیں، بلکہ چار رکعت پر اگر کسی نے سلام پھیرا تو یہ البتہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ بعض مشائخ حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ دو ہی رکعتیں ہیں اور بعض نے فرمایا چار ہوئیں، اگرچہ صحیح قول ثانی ہے، مگر زید نے جو صورت سنت قرار دی اس کا سنت ہونا درکنار، بعض فرماتے ہیں کہ دو ہی رکعتیں ہوئیں، اور وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس نے سنت متوارثہ کے خلاف کیا، بدائع میں فرمایا ولو صلی ترویحۃ بتسلیمۃ واحدۃ وقعد فی الثانیۃ قدر التشہد لاشک انہ یجوز علی اصل اصحابنا ان صلوات کثیرۃ تتأدی بتحریمۃ واحدۃ بناء علی ان التحریمۃ شرط ولیست برکن عندنا خلافا للشافعی لکن اختلف المشائخ انہ ھل یجوز عن تسلیمتین او لا یجوز الا عن تسلیمۃ واحدۃ قال بعضھم لا یجوز الا عن تسلیمۃ واحدۃ لانہ خالف السنۃ المتوارثۃ بترک التسلیمۃ والتحریمۃ والثناء والتعوذ والتسمیۃ فلا یجوز الا عن تسلیمۃ واحدۃ وقال عامتھم انہ یجوز عن تسلیمتین وھو الصحیح۔

مبسوط میں ہے لا یخلو اما یقعد علی راس الشفع الاول او لا یقعد فان قعد ففیہ خلاف والاصح انہ یجوز عن التسلیمتین اور زید نے تو چار چار پر بھی اقتصار نہ کیا بلکہ آٹھ آٹھ پڑھنا سنت بتاتا ہے، حالانکہ اس میں امام وصاحبین کا خلاف ہے صاحبین کے نزدیک چار ہی ہوں گی۔ مبسوط میں ہے فان صلی ست رکعات او ثمان رکعات وقعد علی راس کل شفع اختلف فیہ المتقدمون والمتأخرون فالمتقدمون اختلفوا فیما بینھم قال بعضھم المسألۃ علی الخلاف عند ابی یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی یقع عن العدد المستحب وھو اربع رکعات لان الزیادۃ علی الاربع غیر مستحب فی التطوع۔

اور لطف یہ ہے کہ جس عبارت سے سند لایا اس میں آٹھ کا افضل ہونا بھی نہیں نہ کہ سنت ہونا، زید کا عبارت منیہ سے استدلال یہ صحیح نہیں۔ یہ حکم کہ صاحب منیہ نے بیان فرمایا نوافل مطلقہ کا ہے سنن اس میں داخل نہیں اگرچہ سنن پر بھی نفل کا اطلاق آتا ہے مگر بعض احکام میں نفل مطلق سے جدا ہیں سنت فجر و بعد ظہر و مغرب وعشاء کیا چار چار اور آٹھ آٹھ رکعت پڑھی جائیں گی معلوم ہوا کہ وہ حکم ہر نفل کا نہیں۔

دیکھئے خود صاحب منیہ تراویح کی نیت میں احتیاط یہ بتاتے ہیں کہ تراویح وصلاۃ اللیل وغیرہما کی نیت کرے مطلق نفل یا نماز کی نیت سے بعض مشائخ کے نزدیک تراویح ادا نہ ہوگی۔ والاحتیاط فی النیۃ فیھما ان ینوی التراویح او قیام اللیل او سنۃ الوقت لان المشائخ قد اختلفوا فی اداء السنۃ بنیۃ مطلق النفل قال بعض المتقدمین لا یجوز ذالک وان نوی التراویح

Marfat.com

صلوٰۃ مطلقۃ قالوا الاصح انہ لایجوز۔ اور اگر کتب کی طرف مراجعت کیجیے تو بہت سے احکام میں سنت ونفل مطلق کے درمیان فرق معلوم ہوگا۔

اب خاص اسی استدلال کی طرف توجہ کیجیے علماء کیا فرماتے ہیں، غنیہ شرح منیہ میں اس قول کی شرح یوں فرماتے ہیں الافضل فی صلوٰۃ اللیل والنہار من التطوع المطلق من حیث الکیفیۃ کصلوٰۃ الضحیٰ والتہجد ونحوھما اربع رکعات بتحریمۃ واحدۃ وسلام واحد۔ بلکہ خود منیہ ہی کو اگر دیکھا ہوتا تو نفل مطلق کا یہ حکم تراویح میں جاری نہ کرتا۔

اسی میں ہے وان استراح علی خمس تسلیمات قال بعضھم لا باس بہ وقال اکثر المشائخ لا یستحب۔ کہیے یہ اکثر مشائخ غیر مستحب کس کو کہتے ہیں اگر چار چار رکعت پر سلام پھیرا تو بیس ہوگئیں۔ اب استراحت کیوں غیر مستحب ہے، اور آٹھ آٹھ پر سلام پھیرا تو چالیس ہوئیں، یہ کیونکر۔ پھر اسی منیہ میں ہے واذا شکوا انھم صلوا تسع تسلیمات او عشر تسلیمات ففیہ اختلاف والصحیح انھم یصلون بتسلیمۃ اخری فرادیٰ۔ پھر نو اور دس سلام میں کب شک ہوگا جب دو دو پر سلام پھیریں گے یا چار چار اور آٹھ آٹھ پر۔ بات وہی ہے کہ تراویح کے احکام خاصہ تراویح میں دیکھیے نوافل مطلقہ کے تمام احکام اس میں جاری نہ ہوں گے۔ بدائع میں ہے فاما التراویح فانما تؤدی مثنیٰ مثنیٰ لانھا تؤدی بجماعۃ فتؤدی علیٰ وجہ السھولۃ والیسر لما فیھم من المریض وذی الحاجۃ ولا کلام فیہ وانما الکلام فیما اذا کان وحدہ۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق تحت قول متن والافضل فیھما رباع مذکور ہے ولا یمکن الاعتبار بالتراویح لانہ یؤدی بجماعۃ فیراعی فیہ جھۃ التخفیف تیسیراً۔ بحر الرائق میں محیط سے ہے وانما اخترنا فی التراویح مثنیٰ مثنیٰ لانھا تؤدی بالجماعۃ واداؤھا علی الناس مثنیٰ مثنیٰ اخف وایسر۔ صاحبین کے نزدیک صلوٰۃ اللیل دو دو رکعت افضل ہے اور اس کی دلیل میں تراویح کو پیش کرتے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے امام اعظم کی طرف سے یہ جواب دیا والتراویح تؤدی بجماعۃ فیراعی فیھا جھۃ التیسیر۔ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فان الاجماع علی الفصل فیھا۔ تو ظاہر کہ قول زید اجماع کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۹۳) از نانديرمرسلہ موسیٰ عبداللہ صاحب ۲۸ ذی قعدہ ۴۴ھ

تراویح کی نماز میں بعد چار رکعت تسبیح کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں یا اس کی ممانعت ہے۔

**الجواب** تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد چار رکعت کی قدر وقفہ کرے اور اس میں اسے اختیار ہے کہ تلاوت کرے یا تسبیح پڑھے یا تنہا نماز پڑھے یا چپکے رہے اور ظاہر ہے کہ چپکے رہنے سے تسبیح وغیرہ پڑھنا بہتر ہے۔ درمختار میں ہے یجلس ندبا بین کل اربعۃ بقدرھا

Marfat.com

ویجزون بین تسبیح وقرأۃ وسکوت وصلاۃ فرادیٰ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۹۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح میں صرف پہلی مرتبہ سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ پڑھ کر بقیہ انیس ۱۹ رکعتوں میں نہ پڑھے۔

**الجواب** ۔ ہر دو رکعت پر سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ بھی پڑھے اور تعوذ و تسمیہ بھی پڑھے البتہ اگر مقتدیوں پر گراں ہو تو قعدۂ اخیرہ میں دعا ترک کردے اور درود میں اختصار کرکے صرف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ کہے مگر ثنا و تعوذ و تسمیہ ترک نہ کرے۔ درمختار میں ہے ویاتی الامام والقوم بالثناء فی کل شفع ویزید الامام علی التشھد الا ان یمل القوم فیاتی بالصلوۃ ویکتفی باللّٰھم صل علی محمد لانہ فرض عند الشافعی ویترک الدعوات ویجتنب المنکرات ھذرمۃ القرأۃ وترک تعوذ وتسمیۃ وطمانیۃ وتسبیح واستراحۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۹۵) نماز تراویح میں ہر ترویحہ کے دعا وغیرہ سے فارغ ہوکر کھڑے ہوتے وقت صلوٰۃ بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند کہنا کیسا ہے۔

**الجواب** ۔ ترویحہ میں ذکر و دعا و درود شریف و قراءت قرآن و سکوت سب جائز ہے۔ اٹھتے وقت بھی درود شریف کی ممانعت نہیں، اور غالباً بلند آواز سے کہنا بغرض تذکیر ہوگا کہ دوسرے لوگ اسے سنکر درود شریف پڑھیں اور اگر یہ مقصود بھی ہو تو اگر جہر سے پڑھنا باعث تشویش نمازیاں نہ ہو تو حرج نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۱)** (۲۹۶) ناچیز اپنے یہاں سہ روزہ شبینہ کرتا ہے یعنی نماز تراویح کے تین یوم میں پورا کلام پاک ختم کیا جاتا ہے قرآن پڑھنے والے تیس حفاظ ہوتے ہیں، ہر ایک حافظ کو ایک ایک پارہ پڑھنا پڑتا ہے، جو دو رکعت پر مکمل ہوتا ہے۔ عرصہ تین سال سے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ شبینہ ہوتا چلا آرہا ہے۔

اس سال یہ معلوم ہوا کہ اکثر حفاظ صاحبان دیگر مساجد کے امام ہیں، جو تراویح مع وتر ختم کرکے آتے ہیں، اور یہاں دو رکعت نفل کی نیت کرکے تراویح پڑھاتے ہیں۔ تو کیا یہ تراویح صحیح ہوگی، اور علم ہوجانے پر مقتدیوں کو نماز تراویح لوٹانا ہوگی یا انکی نماز ہوگئی۔

**مسئلہ (۲)** جو امام برائے شبینہ دو رکعت تراویح پڑھائے، تو کیا یہ صورت جائز ہے، یا ۱۸ رکعت تراویح پڑھاکر وتر پڑھے نہ بلکہ شبینہ میں شریک ہوکر بقیہ نماز مکمل کرے۔

**مسئلہ (۳)** جو حافظ یا عالم کسی جامع مسجد کا امام ہو اور لوگوں پر یہ خیالات ظاہر کرے کہ نماز تراویح صحیح معنوں میں نفل ہے، بلکہ

Marfat.com

بھی نفل ہے اس لئے بجائے بیسؔ رکعت تراویح کے بائیسؔ یا چوبیسؔ رکعت بھی پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔ تو ایسا شخص کس عقیدہ کا سمجھا جائے گا۔ اور کیا تراویح کو نفل مان کر کمی بیشی کرنے کا کسی حدیث سے ثابت ہے۔

مسئلہ(۳) نماز تراویح میں کس عمر کا لڑکا قرآن سُنا سکتا ہے اور امامت کر سکتا ہے۔

مسئلہ(۴) ایک اعتراض ہے کہ شبینہ سہ روزہ دراصل شبینہ نہیں ہے کیونکہ اس کو ایک شب میں ہونا چاہئے یہ بعد کا ایجاد کیا ہوا ہے اس لئے یہ بدعت ہے۔ بینوا توجروا

**الجواب**(۱) - جب امام نے نماز تراویح پڑھ لی ہے، تو اب اس کو بہ نیت امامت دوسری جگہ تراویح پڑھانا مکروہ ہے مگر مقتدیوں کی نماز بلاکراہت درست ہے، اُن کو اپنی نماز لوٹانے کی کچھ حاجت نہیں۔ محیط پھر تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے ذکر القاضی الامام ابوعلی النسفی فیمن صلی العشاء والتراویح والوتر فی منزله ثم ام قوماً اٰخرین فی التراویح ونوی الامامة کرہ له ذالك للماموین ولو لم ینو الامامة وشرع فی الصلاة فاقتدی الناس به لم یکرہ لواحد منها اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج(۲) تراویح کے متعلق کہ اس کا وقت کب ہے تین قول ہیں، ان میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا وقت مابین نماز عشاء و وتر ہے۔ اس قول کی بنا پر وتر کے بعد تراویح نہیں پڑھی جاسکتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے الثانی انه مابین العشاء والوتر وصححه فی الخلاصة ورجحه فی غایة البیان بانه الماثور المتوارث مگر قول جمہور یہ ہے کہ اس کا وقت بعد نماز عشاء ہے خواہ وتر کے پہلے پڑھے یا بعد یعنی مثلاً اگر مقتدی کی کچھ رکعتیں باقی ہیں اور امام نے تراویح ختم کرکے وتر شروع کر دیا تو وتر کی جماعت میں شریک ہو جائے اور تراویح کی باقی رکعتیں بعد میں پڑھ لے۔ درمختار میں ہے ووقتها بعد صلوٰة العشاء قبل الوتر وبعدہ فی الاصح فلوفات بعضها وقام الامام الی الوتر اوتر معه ثم صلی مافاته۔ اس قول کی بنا پر وتر کے بعد تراویح پڑھی جاسکتی ہے مگر یہ حکم کہ وتر کی جماعت میں شریک ہو جانا بہتر ہے مقتدی کے لئے تھا کہ اگر وہ تراویح پڑھتا ہے تو وتر کی جماعت ہو جاتی ہے اور صورت سوال اس سے علیحدہ ہے کہ امام بلاوجہ تراویح کی دو رکعت چھوڑ کر وتر پڑھتا ہے حالانکہ وتر کا آخر میں ہونا بہتر تھا۔

لہٰذا صورت مستفسرہ میں بنا بر قول جمہور اگرچہ وتر کے بعد تراویح کی نماز ہو سکتی ہے مگر امام کو یہی چاہیے کہ وتر کی افضلیت تاخیر کو ترک نہ کرے اور تراویح پوری کرنے کے بعد وتر پڑھے کہ اس میں خلاف سے بچنا بھی ہے اور بلاوجہ وتر کی تقدیم بھی نہ ہوگی، مگر ایک بات قابل ذکر یہ بھی ہے کہ جو شخص دو جگہ تراویح پڑھائے اس کے لئے یہ چاہیے کہ دوسری جگہ کے لئے پورا ترویحہ یعنی چار رکعت باقی رکھے مثلاً ایک جگہ آٹھؔ دوسری جگہ بارہؔ یا ایک جگہ سولہؔ دوسری جگہ کے لئے پورا ترویحہ یعنی چارؔ اور اگر ایک جگہ اٹھارہؔ دوسری جگہ دو پڑھیں

Marfat.com

تو مستحب کے خلاف ہے۔ عالمگیری میں ہے والافضل ان یصلی التراویح بامام واحد فان صلوھا بامامین فالمستحب ان یکون انصراف کل واحد علی کمال الترویحۃ فان انصرف علی تسلیمۃ لا یستحب ذالک فی الصحیح۔ واللہ تعالٰی اعلم

ج (۳)۔ نفل کے دو اطلاق ہیں، کبھی فرض و واجب کے مقابل میں یہ لفظ بولا جاتا ہے، اس معنی کے لحاظ سے سنت مؤکدہ و غیر مؤکدہ سب کو نفل کہتے ہیں۔ اور اسی کے لحاظ سے فقہاء اپنی کتابوں میں باب الوتر والنوافل لکھتے ہیں اور اس باب میں سنن مؤکدہ کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ اور کبھی فرض و واجب و سنت کے مقابل میں آتا ہے۔
امام کا یہ کہنا کہ نماز تراویح نفل ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں، کہ اس کا یہ مقصد نہیں کہ تراویح سنت نہیں کیونکہ خود ہی کہتا ہے کہ ہر سنت نفل ہے تو تراویح کی سنیت کا انکار نہ ہوا مگر اس کا یہ کہنا کہ بیس کی جگہ چوبیس پڑھے یعنی اس میں کمی بیشی کر سکتا ہے کہ بیس کے بعد جو رکعتیں پڑھی جائیں گی وہ بھی سنت ہونگی یہ غلط ہے بلکہ بیس کے بعد جو کچھ پڑھے گا وہ نفل خالص ہوگی تراویح میں داخل نہ ہوگی، اسی وجہ سے بیس کے بعد تداعی کے ساتھ جماعت کرنا مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے امام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لا یجوز کذا فی محیط السرخسی۔ نیز اسی میں ہے ولو صلی التراویح ثم ارادان یصلوا ثانیا یصلون فرادیٰ کذا فی التتارخانیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

ج (۴)۔ بالغین کے امام کا بالغ ہونا شرط ہے۔ رد المحتار میں ہے وشروط الامامۃ للرجال الاصحاء ستۃ اشیاء الاسلام والبلوغ والعقل والذکورۃ والقراءۃ والسلامۃ من الاعذار۔ لہٰذا نابالغ لڑکا تراویح میں بالغین کا امام نہیں ہوسکتا۔ درمختار میں ہے فلا یصح اقتداء رجل بامرأۃ وصبی مطلقا ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح۔ ہدایہ میں ہے والمختار انہ لا یجوز فی الصلوات کلھا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وھوالاصح ھکذا فی المحیط وھو قول العامۃ وھو ظاھر الروایۃ ھکذا فی البحر الرائق۔ واللہ تعالٰی اعلم

ج (۵)۔ عام طور پر جو اس زمانہ میں شبینہ پڑھا جاتا ہے کہ ایک رات میں پورا قرآن مجید ختم کرتے ہیں، اس پڑھنے کی نوعیت ایسی ہوتی ہے، کہ جلدبازی میں حروف تو حروف الفاظ تک کھا جاتے ہیں۔ قرآن مجید کو صحیح طور پر نہیں پڑھتے اور سامعین میں کوئی لیٹا ہے کوئی چائے نوشی میں ہے کچھ ایسی گت ہوتی ہے جس کی وجہ سے علماء نے اس کے عدم جواز کا حکم دیا ہے اور ایک رات میں پورا قرآن پڑھنا خواص کے لئے تھا، عوام کے لئے یہ حکم ہے کہ کم از کم تین رات میں ختم کرنا چاہئے۔
حدیث میں ارشاد ہوا لم یفقہ من قرأ القرآن فی اقل من ثلث جس نے تین رات سے کم میں قرآن پڑھا وہ سمجھا نہیں

Marfat.com

رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ لمعات حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے ظاہر المنع من ختم القرآن فی اقل من ھذہ المدۃ ولکنھم قالوا قد اختلف عادات السلف فی مدۃ الختم فمنھم من کان یختم فی کل شھر ختمۃ وآخرون فی کل عشرۃ فی کل شھر فی اسبوع الی اربع واکثرون فی یوم ولیلۃ وجماعۃ ثلث ختمات فی یوم ولیلۃ وختم بعض ثمانی ختمات فی یوم ولیلۃ والحق ان ذالک تختلف باختلاف الاشخاص۔

اس زمانہ کی حالت کو دیکھتے ہوئے بمقتضائے حدیث کم ازکم تین راتوں میں ختم کرنا مناسب ہے، شبینہ شرعی لفظ نہیں ہے کہ قرآن مجید کا ایک رات میں پڑھنا سنت اور اس سے زیادہ میں پڑھنا سنت سے مزاحم ہو کر بدعت ہو جائے بلکہ یہ طریقہ اس سے بہت زیادہ اچھا ہے جو ایک رات میں قرآن مجید ختم کیا جا سکتا ہے اس کو اس کا مخالف بتا کر بدعت کہنا سخت غلطی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۹۷) از واریدیا ڈاکخانہ کیناڈ ضلع بہرائچ مرسلہ جناب سید شہاب الدین وسید ظہیر الدین ۱۵ جمادی الاخری ۱۳۵۱ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ بہار شریعت حصہ چہارم تراویح کے بیان صفحہ ۳۷ پر لکھا ہے "ایک بار بسم اللہ شریف جہر سے پڑھنا سنت ہے، اور ہر سورت کی ابتدا میں آہستہ پڑھنا مستحب ہے۔

(۲) متاخرین نے ختم تراویح میں تین بار قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ پڑھنا مستحب کہا ہے اور بہتر یہ ہے کہ ختم کے دن پچھلی رکعت میں الٓمّٓ سے مُفْلِحُوْنَ تک پڑھے۔

**الجواب** ۔ تسمیہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے جو فصل سور کے لئے نازل کی گئی، یہ نہ فاتحہ کا جز ہے نہ کسی دوسری سورت کا، البتہ سورہ نمل میں اس کا جزء ہے مگر وہ پوری آیت نہیں بلکہ جزء آیت ہے۔ درمختار میں ہے وھی اٰیۃ واحدۃ من القرآن کلہ نزلت للفصل بین السور فافی النمل بعض اٰیۃ اجماعاً ولیست من الفاتحۃ ولا من کل سورۃ۔

پس جبکہ یہ ایک آیت ہے اور تراویح میں ختم سنت ہے اور جب جماعت سے ہو تو جہر بھی پورے قرآن کا ہی تاکہ مقتدی بھی پورا قرآن نماز میں سُن لیں۔ لہٰذا ایک بار اس کا جہر مسنون ہوا، اور چونکہ اوائل سور میں جو تسمیہ ہے اسمیں اختلاف ہے کہ جزء سورت ہے یا نہیں۔ اگرچہ ہمارا مذہب یہی ہے کہ جزء نہیں۔ تاہم خلاف سے بچنے کے لئے پڑھنا بہتر ہے، تاکہ خلاف سے خروج ہو، اور اس میں اپنے مذہب کی مخالفت بھی نہیں کیونکہ ہمارے یہاں کراہت اس میں نہیں ہے، اگرچہ سنت بھی

Marfat.com

نہیں ہے۔ درمختار میں ہے لا تسن بین الفاتحۃ والسورۃ مطلقا ولو سریۃ ولا تکرہ اتفاقا اس وجہ سے مستحب کہا اور آہستہ میں وجہ یہ ہے کہ عوام دھوکے میں نہ پڑیں کہ یہ جزء سورت ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم

ج(۲) - سورۂ اخلاص چونکہ ثلث قرآن کے برابر ثواب رکھتی ہے اس لئے اس کو تین بار پڑھنا مستحب بتایا کہ پورے قرآن کا ثواب حاصل ہو جائے اور ختم کے روز آخر رکعت میں مُفلِحُوْن تک پڑھے۔ درمختار میں ہے ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوسا الا اذا ختم فیقرأ من البقرۃ۔

ردالمحتار میں ہے قال فی شرح المنیۃ وفی الولواجیۃ من یختم القرآن[م] بالفاتحۃ وشیئ من سورۃ البقرۃ لان النبی علیہ الصلاۃ والسلام قال خیر الناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتتح۔ وہو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۹۸) از دائرہ شاہ بریر رحمۃ اللہ علیہ ہمت گنج الہ آباد مرسلہ سید محمد صاحب جعفری معروف بہ محی الدین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سورہ والضحیٰ سے آخر قرآن تک جو اَللّٰہُ اَکْبَرُ یا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتا آگیا ہے۔ تراویح میں بھی اس کو کہہ سکتا ہے یا نہیں۔ دوسرے بِسْمِ اللّٰہِ بجہر سورہ کے اوّل میں تراویح میں بالجہر پڑھنا جائز یا نہیں۔ موافق روایت حفص کے جو روایت ہندوستان میں رائج ہے، بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا ہر سورہ کے اول میں ضروری ہے وہ جزء سمجھتے ہیں تو ایسی صورت میں بِسْمِ اللّٰہِ نہ پڑھا جائے تو ان کی روایت کے مطابق قرآن پورا ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر بالسر پڑھا جائے تو سننے والوں کا قرآن کیسے پورا ہوگا، دونوں مسئلوں کو بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

**الجواب** - تراویح اور دوسری نمازوں میں اس کو نہ پڑھا جائے خصوصاً تراویح میں جبکہ ایک رکعت میں متعدد سورتیں پڑھی جائیں گی اگر درمیان میں ان جملوں کو کہا گیا تو سامعین کو اشتباہ ہوگا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرآن پاک کی ایک آیت ہے جو اس لئے نازل کی گئی ہے کہ اوائل سور میں فصل کے لئے لکھی جائے۔

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں یہ کسی سورت کا جز نہیں ہے سوائے سورۂ نمل کے کہ اس کا جزء اور بعض آیت ہے۔ لہٰذا نماز تراویح میں امام کسی ایک سورت کے اول میں اس کو جہر سے پڑھ دے تاکہ سامعین سن لیں اور ان کا ختم پورا ہو جائے ہر سورت کے اول میں جہر سے نہ پڑھے۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کانوا یفتتحون الصلوٰۃ بالحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے شروع کرتے تھے یعنی قرارت میں جہر یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ پس جبکہ

[م] فی الصلوٰۃ اذا ختم من المعوذتین فی الرکعۃ الاولیٰ یرکع ثم یقرأ فی الثانیۃ بفاتحۃ الکتاب

Marfat.com

سورۂ فاتحہ میں بسم اللہ جہر سے نہیں پڑھی جائیگی تو دوسری جگہ بھی نہیں مگر تتمیم ختم کے لئے کسی ایک سورت کے اول میں بالجہر پڑھنا کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۹۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو کہتا ہے کہ نماز تہجد بلا سوئے ہوئے نہیں ہوگی۔ اور زید کہتا ہے کہ جاگنے پر بھی نصف اللیل کے بعد ہو جائیگی۔ اور یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ اس کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے۔

**الجواب** ۔ نماز عشاء پڑھکر سونے کے بعد جب اٹھے تہجد کا وقت ہے، اور یہ وقت طلوع فجر تک ہے۔ اور بہتر وقت بعد نصف شب ہے۔ اور اگر سویا نہ ہو تو تہجد نہیں، اگرچہ جو نفل پڑھے جائیں، صلوٰۃ اللیل انھیں شامل کہ صلوٰۃ اللیل تہجد سے عام ہے۔ ردالمحتار میں ہے وقد ذکر القاضی حسین من الشافعیۃ انہ فی الاصطلاح التطوع بعد النوم وایّد بما فی معجم الطبرانی من حدیث الحجاج بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یحسب احدکم اذا قام من اللیل یصلی حتیٰ یصبح انہ قد تہجد انما التہجد المرء یصلی الصلوٰۃ بعد رقدۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۰۰) از قصبہ سورون ضلع ایٹہ محلہ مسلمانان مرسلہ محمد محفوظ اللہ قانون گو ۲۲ر شعبان ۴۲ھ

اس قصبہ میں ایسا عمل رہا ہے کہ شب برأت میں نوافل وغیرہ پڑھکر تہجد کی نماز باجماعت ادا کی جاتی رہی ہے، لیکن کتب فقہ میں نوافل کی جماعت کا اہتمام و تین آدمیوں سے زیادہ شریک جماعت ہونا مکروہ لکھا۔ پس یہ جماعت تہجد شرعاً مناسب ہے یا ناجائز۔ امید کہ بحوالہ کتب و احادیث مبارکہ جواب مرحمت فرمائیں گے، تاکہ اختلاف دور ہو اور سنت کے موافق عمل ہو۔

**الجواب** ۔ نماز نفل جماعت کے ساتھ علیٰ سبیل التداعی مکروہ ہے۔ اور تداعی کے یہ معنی ہیں کہ تین سے زیادہ مقتدی ہوں۔ اور تین مقتدی ہوں اس میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذالک لو علیٰ سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کما فی الدرر وفی الاشباہ عن البزازیۃ یکرہ الاقتداء فی صلوٰۃ رغائب وبرأۃ وقدر۔ ردالمحتار میں ہے والنفل بالجماعۃ غیر مستحب لانہ لم تفعلہ الصحابۃ فی غیر رمضان۔ وہو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۰۱) مرسلہ سید ضمیر الدین صاحب از الہ آباد محلہ دارا گنج ۲۰ر جمادی الاخریٰ ۳۹ھ۔

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اوابین کی نیت کی اور صرف دو رکعت کی نیت کی، دوسری رکعت میں بجائے سلام پھیرنے کے کھڑے ہوگئے: اور اسی حالت میں پھر دو رکعت کی نیت کرلی اور بجائے دو رکعت کے چار رکعت کی بعد سلام پھیرا۔ کوئی نقص تو نہیں، اور پھر بعد میں دو رکعت اور پڑھ لی۔

**الجواب** ۔ کچھ حرج نہیں، بلکہ صلوٰۃ الاوابین میں علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ دو دو رکعت پر سلام پھیرا جائے، دوسرا یہ کہ چار ایک تحریمہ کے ساتھ اور دو الگ، مگر یہ ضرور ہے کہ دو رکعت پر قعدہ کیا ہو، اور تشہد بھی پڑھا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۰۲) مسئولہ حبیب اللہ صاحب ساکن بھولیا ضلع بریلی ۱۹؍ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ

اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ یہاں ایک پرانی مسجد ہے جس میں ایک ملا نماز پڑھاتے تھے، ایک مرتبہ ان کی بکری ایک کاشتکار کے کھیت میں پڑی، کاشتکار اور ملا میں لڑائی ہوگئی۔ اس وجہ سے ملا نے عید کے دن نماز عید الفطر اور خطبہ پڑھا کر لوگوں سے کہدیا کہ اب مجھے نماز اور میت کا کام نہیں اٹھے گا، اور اس کی وجہ سے ایک نئی مسجد قرار کرلی ہے، اسمیں وہ لوگ نماز پڑھتے ہیں، اور پرانی مسجد انھیں لوگوں سے زیادہ آباد تھی۔ اب وہ ویران ہوگئی اور ہو جائیگی، اور جس جگہ نئی مسجد قرار دی ہے، وہ ایک کاشتکار کی زمین ہے، اور اس نے اجازت نہیں دی ہے۔ اگر درمیان نزاع اس کاشتکار سے کوئی قصور ہوا ہو تو ہم لوگ معافی مانگنے کے لئے تیار ہیں، حالانکہ یہ ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ ایسی صورت میں پرانی مسجد چھوڑ کر دوسری جگہ نماز پڑھنا کیسا ہے۔

**الجواب** ۔ امام کی بکری کاشتکار کے کھیت میں پڑی، اور باہم نزاع ہوئی تو اس کی وجہ سے امامت و نماز میت سے دست برداری کی کوئی وجہ نہیں، اگر کاشتکار نے امام پر زیادتی کی ہے۔ تو معافی مانگے۔ اور اگر امام کا مقصد یہ ہو کہ میرے جانور لوگوں کے کھیت کھاتے رہیں، کوئی کچھ نہ کہے ورنہ میں نماز جنازہ نہیں پڑھاؤں گا اور نہ امامت کروں گا۔ تو یہ سخت ظلم ہے، اور عجب یہ کہ یہاں نماز پڑھانی چھوڑی تو دوسری جگہ نماز پڑھانی شروع کردی، اور جماعت میں تفریق اور مسجد کو ویران کرنا چاہا اور مسجد چھوڑ کر کھیت میں پڑھی۔

قرآن مجید میں ہے اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ نئی مسجد سے مراد وہ کھیت ہے ابھی تک کوئی مسجد نہیں بنی ہے، لہٰذا امام کو چاہیے کہ بلا وجہ شرعی نہ مسجد ترک کرے نہ جماعت میں تفریق کرے اور اسی پرانی مسجد میں نماز پڑھے کہ ایک تو آجکل یونہی نماز میں لوگ سستی کرتے ہیں

Marfat.com

پھر اس تفریق سے اور کمی کا امکان ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۰۳) مسؤلہ محمد حسین صاحب مرادآبادی از اجمیر شریف ۵ر شعبان المعظم ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ انگریزی حکومت میں ہر مذہب کے لوگوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے، ہندو اپنے مذہبی وغیر مذہبی تقریبات میں عام راستہ پر باجا بجاتے ہوئے نکلتے ہیں، جس کے شور سے مسلمانوں کی نماز کو سخت نقصان ہوتا ہے، ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم، کیا مسلمانوں کو خود اپنے طور پر اس باجہ کے روکنے کا حق ہے یا کیا طریقہ ہونا چاہیے، جس سے نمازی اس نقصان سے محفوظ رہ سکیں۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ مسجد کے قریب خصوصاً وقت نماز جبکہ مسلمان نماز میں مشغول ہوں باجا بجانا ضرور مسلمانوں کی دل آزاری وتشویش نمازیاں ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ منع کریں اور روکدیں، اگر کفار نہ مانیں اور فتنہ وفساد پر آمادہ ہوں تو حکومت سے چارہ جوئی کریں۔ باجا تو باجا نمازی کے پاس باتیں کرنی کہ اس کا دل پریشان ہو اور خیال بٹے منع ہے۔

حدیث میں ہے نہیت ان اصلی الی النیام والمتحدثین رد المحتار میں ہے ھو محمول علیٰ ما اذا کانت لہم اصوات یخاف منہا التغلیط او الشغل وفی النائمین اذا خاف ظہور شیئ یضحکہ۔ بلکہ ذکر جہر سے اگر نمازیوں کے خیال پریشان ہوں تو منع کیا جائیگا

**مسئلہ** (۳۰۴) مرسلہ محمد حسین صاحب امام مسجد لوہاراں جودھپور، مارواڑ ۱۴ر شعبان المعظم ۴۲ھ

ایک شخص مسجد میں اور مسجد کے اعلیٰ درجہ کے اندر سوتا ہے، اور کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سب مسجد کے اندر ہے، اور پھر رہوں سے تو کیا ایسا رہنا مسجد میں جائز ہو سکتا ہے یا نہیں۔

**الجواب** ۔ مسجد میں کھانا پینا سونا غیر معتکف[۱] کو جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۰۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بابت نماز جمعہ کے محلہ کی مسجد کو افضل بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ محلہ کی مسجد کا حق بھی زیادہ ہے اور عمرو بہ نسبت محلہ کی مسجد کے جامع مسجد وعیدگاہ کو ترجیح دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جامع مسجد وعیدگاہ میں پڑھنا افضل ہے۔

**الجواب** ۔ نماز جمعہ کے لئے مسجد جامع، مسجد محلہ سے افضل ہے، اور نماز عید کے لئے عیدگاہ سب سے بہتر کہ نماز جمعہ وعید شعائر اسلام سے ہے، اور جتنا اجتماع زیادہ ہوگا اُسی قدر اس کا شعار ہونا زیادہ ظاہر ہوگا، اور نظر کفار میں

---

[۱] معتکف کو جائز ہے، اگرچہ یہ اعتکاف نفل ہو اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے ہو۔ رد المحتار میں ہے واذا اراد ذالک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر ما نوی او یصلی ثم یفعل ما شاء۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

Marfat.com

اسلام و مسلمین کی ہیبت دکھائی دیگی ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۰۶) مرسلہ مولوی محمد بہار الدین صاحب سکندر پور ڈاکخانہ کرنڈا ضلع غازیپور ۲۰ ذیقعدہ ۴۲ھ

یہ دو جملے خطبہ علمی میں ہیں" پاس کی مسجد میں ستائیس کا پاوے ثواب :: پانسو کا مسجد جامع میں گر پڑھے نماز" اخیر کے جملہ میں دو شخصوں کے درمیان سخت نزاع ہے، ایک شخص کہتا ہے پانسو سے مراد پانسو نماز مسجد کا ہے، دوسرا شخص کہتا ہے کہ نہیں بلکہ پانسو رکعت مراد ہیں۔ ان دونوں اقوال میں کس کا قول درست و صحیح ہے، آپ مختصر بھی تحریر فرمائیںگے تو فیصلہ ہوجائے گا۔

**الجواب** ۔ شعر کا مطلب صاف ہے کہ مسجد جامع میں ایک نماز پڑھے تو پانسو کا ثواب پائے، اور مسجد محلہ میں ایک نماز مثل ستائیس کے ہے، مگر حدیث میں پچیس نماز کے مثل ثواب ہے، البتہ نماز جماعت کے بارے میں ایک روایت[ف] ہے کہ وہ تنہا پڑھنے سے ستائیس درجہ افضل ہے۔ ممکن ہے مسجد محلہ کے بارے میں بھی کوئی روایت ستائیس کی ہو جو اس وقت نظر فقیر میں نہیں، مسجد کے بارے میں ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے[عـہ]: صلوٰۃ الرجل فی بیتہ بصلاۃ وصلاتہ فی مسجد القبائل بخمس عشرین صلاۃ وصلاتہ فی المسجد الذی یجمع فیہ بخمسمأۃ صلاۃ وصلاتہ فی المسجد الاقصی بخمسین الف صلاۃ وصلاتہ فی مسجدی بخمسین الف صلاۃ وصلاتہ فی المسجد الحرام بمائۃ الف صلاۃ ۔ وہو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۰۷) مسئولہ حافظ علی احمد خاں صاحب از محلہ جسولی بریلی ، ربیع الآخر ۴۳ھ

مسجد کے اندر مقتدیوں کو آپس میں روزانہ دل لگی مذاق کرنا جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب** ۔ مسجد میں مباح و جائز باتیں بھی منع ہیں اور نیکیوں کو کھا جاتی ہیں، جبکہ کسی مصلحت شرعیہ کے لئے نہ ہوں۔ فتح القدیر میں ہے الکلام المباح فیہ مکروہ یاکل الحسنات ۔ رد المحتار میں مدارک سے ہے الحدیث فی المسجد یاکل الحسنات کما تاکل البہیمۃ الحشیش ۔ مسجد میں بات نیکیوں کو ایسے کھاتی ہے، جیسے چوپایہ گھاس کو کھاجاتا ہے، یہانتک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر اپنی گی ہوئی چیز کو مسجد میں لوگوں سے دریافت کرے، تو اس سے یہ کہو کہ خدا تیری چیز واپس نہ کرے، کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنیں۔ رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالتہ فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا۔ جب اتنی بات کے لئے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حکم ہے، تو دل لگی مذاق کہ اکثر بیہودہ و فحش پر مشتمل ہوتا ہے، کیونکر ممنوع

عـہ گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز ہے۔ اور محلہ کی مسجد میں پچیس۔ اور جامع مسجد میں پانسو۔ اور مسجد اقصیٰ میں پچاس ہزار۔ اور میری مسجد میں پچاس ہزار۔ اور مسجد حرام میں ایک لاکھ ۔

ف حضرت امام بخاری و مسلم سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا صلوۃ الرجل فی الجماعۃ تضعف علی صلوتہ فی بیتہ وفی سوقہ خمسا وعشرین ضعفا [illegible] یعنی جماعت سے نماز پڑھنا گھر میں اور بازار میں پڑھنے کی بہ نسبت پچیس گنا زیادہ ہے اور نسائی میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا صلوۃ الجماعۃ تفضل صلوۃ احدکم وحدہ بخمس وعشرین جزءا اسی میں اسی کے مثل ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے اور صحیحین و موطا و نسائی و ترمذی میں ایک روایت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے

Marfat.com

ونا جائز نہ ہوگا۔ ان لوگوں کو حدیث کا وہی ارشاد سنانا چاہیے، فان المساجد لم تبن لھذا، یعنی مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئیں واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۰۸) جس جگہ آدمی نماز پڑھتے ہوں وہاں قرآن شریف بآواز بلند پڑھنا کیسا ہے۔

**الجواب** - جب لوگ نماز پڑھ رہے ہیں تو وہاں بلند آواز سے تلاوت کرنے میں اُن کے خیالات منتشر ہوں گے بلکہ بعض مرتبہ ایسی صورت میں سہو ہوجاتا ہے، قرأت میں غلطی ہوجاتی ہے اُسے چاہیئے کہ آہستہ پڑھے[۱]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۰۹) مسجد کے اندر جماعت تراویح ہو رہی ہے، اور اس میں اتنی جگہ ہے کہ تین چار جماعتیں ہوسکتی ہیں، لیکن کچھ لوگ گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر پڑھیں تو جائز ہے یا مکروہ، اگر مکروہ ہے تو تنزیہی ہے یا تحریمی۔

**الجواب** - مسجد کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔ اور جب جگہ نیچے موجود ہے، تو نیچے ہی نماز پڑھی جائے۔ ردالمحتار میں ہے ثم رأیتُ القھستانی نقل من مفید کراھة الصعود علیٰ سطح المسجد اھ ویلزم کراھة الصلوٰة ایضاً فوقه فلیتأمل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۱۰) مرسلہ مولوی آفتاب الدین صاحب بنگالی امجدی متعلم دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ بعد نماز جمعہ مسجد میں بیٹھکر پندرہ بیس آدمی کا درمیانی آواز سے درود شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں، قائل کہتا ہے کہ یہ بدعت سیئہ ہے، قائل کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ قرآن ودرود شریف مسجد میں مطلقاً پڑھنا ناجائز ہے چونکہ مسجد برائے ادائے صلوٰۃ موضوع ہے اور درود شریف اور تلاوت نماز میں نہیں ہے۔ لہٰذا مسجد میں تلاوت قرآن شریف ودرود شریف پڑھنا جائز نہیں، بدعت سیئہ ہے اگر باوجود جواز کے کوئی شخص بدعت سیئہ کہے تو بارائے قائل قول ہذا کے شریعت مطہرہ کیا حکم رکھتی ہے اور قائل ہذا کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب** - بلا شبہہ مسجد میں تلاوت قرآن مجید اور درود شریف پڑھنا جائز ومستحسن احادیث سے اس کا جواز ثابت اور جواسے بدعت کہے خود بدعتی ہے ہاں اگر لوگ نماز میں مشغول ہوں تو اتنی بلند آواز سے نہ پڑھے کہ نمازیوں کو انتشار خاطر ہو حدیثیں اس بابت میں بکثرت ہیں بعض ذکر کی جاتی ہیں، صحیح مسلم شریف میں عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی:- کہتے ہیں کہ ہم صفہ میں تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا ایکم یحب ان یغدو کل یوم الی بطحان

---

[۱] جس جگہ اگرچہ مسجد ہی کیوں نہ ہو لوگ نماز پڑھ رہے ہوں یا ذکر میں مشغول ہوں۔ یا کسی کام میں مصروف ہوں وہاں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں حتی کہ جہاں کوئی سویا ہو وہاں بھی بلند آواز سے تلاوت منع ہے۔ ردالمحتار میں ہے فی الفتح عن الخلاصة رجل یکتب الفقه وبجنبه رجل یقرء القرآن فلا یمکن استماع القرآن فالاثم علی القاری وعلیٰ ھذا لو قرأ علی السطح والناس نیام یاثم اھ ای لانه یکون سببًا لاعراضھم عن استماعه اولانه یؤذیھم بایقاظھم - غنیہ میں ہے یجب علی القاری احترامه بان لایقرأ فی الاسواق ومواضع الاشتغال فاذا قرءه فیھا نیکون الاثم علیه دون اھل الاشتغال دفعا للحرج

واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ امجدی

Marfat.com

او العقیق فیاتی بناقتین کوماوین فی غیر اثم ولا قطع رحم فقلنا یا رسول اللہ کلنا نحب ذالک قال افلا یغدو احدکم الی المسجد فیعلم او یقرأ اٰیتین من کتاب اللہ خیر لہ من ناقتین وثلث خیر لہ من ثلث واربع خیر لہ من اربع ومن اعدادھن من الابل) تم میں کون پسند کرتا ہے کہ صبح کو بطحان یا عقیق کو جائے اور دو بڑے کوہان والی اونٹنیاں لائے اس طرح کہ گناہ ہو نہ قطع رحم ہم نے عرض کی اسے تو ہم سب پسند کیے ہیں فرمایا تو صبح کو مسجد میں کیوں نہیں جاتا کہ کتاب اللہ کی دو آیتیں سیکھے یا پڑھے یہ دو اونٹنیوں سے بہتر ہے و تین تین سے بہتر چار چار سے بہتر وعلی ہذا القیاس قرآن مجید اور درود شریف بھی اذکار الٰہی سے ہیں آیات و احادیث سے ان کا ذکر ہونا ثابت اور مسجد میں ذکر کرنا حدیث سے ثابت بلکہ اگر مجمع کے ساتھ ذکر ہو تو اللہ عزوجل ان ذاکرین کیساتھ ملائکہ پر مباہاۃ فرماتا ہے، صحیح مسلم شریف میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی (قال خرج معاویۃ علی حلقۃ فی المسجد فقال ما اجلسکم قالوا جلسنا نذکر اللہ قال اللہ ما اجلسکم الا ذالک قالوا اٰللہ ما اجلسنا غیرہ قال اما انی لم استحلفکم تہمۃ لکم وما کان احد بمنزلتی من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقل عنہ حدیثا منی وان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرج علی حلقۃ من اصحابہ فقال ما اجلسکم ھٰھنا قالوا جلسنا نذکر اللہ ونحمدہ علی ما ھدانا للاسلام ومن بہ علینا قال آٰللہ ما اجلسکم الا ذالک قالوا اللہ ما اجلسنا الا ذالک قال اما انی لم استحلفکم تہمۃ لکم ولکنہ اتانی جبریل فاخبرنی ان اللہ عزوجل یباھی بکم الملائکۃ)

ایک روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں (من جاء مسجدی ھٰذا لم یأت الا لخیر یتعلمہ او یعلمہ فھو بمنزلۃ المجاھد فی سبیل اللہ ومن جاء لغیر ذالک بمنزلۃ الرجل ینظر الی متاع غیرہ) جو میری مسجد میں صرف اسی لئے آئے کہ خیر سیکھے یا سکھائے وہ بمنزلہ اس کے ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور جو اس کے غیر کے لئے آیا وہ بمنزلہ اس کے ہے جو دوسرے کے متاع کی طرف دیکھتا ہے رواہ ابن ماجہ والبیھقی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مسجد میں مطلقاً تلاوت قرآن شریف و درود شریف سے منع کرنا حرام ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے (وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ) اس سے بڑھکر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اس کا نام ذکر کیے جانے سے روکے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں جاتے درود شریف پڑھتے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا دخل المسجد صلی علی محمد وسلم۔[عہ]

---

عہ رواہ الترمذی واحمد وابن ماجۃ عن فاطمۃ بنت الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

Marfat.com

ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری اس حدیث شریف کی شرح میں کہ اگر کوئی گم شدہ چیز مسجد میں ڈھونڈتا ہو تو یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ تیری چیز واپس نہ کرے مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئیں۔ فرماتے ہیں: بل لذکر اللہ تعالیٰ وتلاوۃ القرآن والوعظ۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے فالحاصل ان المساجد بنیت باعمال الآخرۃ مما لیس فیہ توھم اھانتھا وتلویثھا مما ینبغی التنظیف منہ ولم تبن لاعمال الدنیا ولو لم یکن فیہ لوث واھانۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۱۱) ازقصبہ سانگود راجکوٹہ راجپوتانہ مرسلہ الف خاں صاحب دوکاندار ۸ ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ

مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے یہ حکم عام مسجدوں کے لئے ہے یا خاص مکہ معظمہ کے لئے۔

**الجواب** ۔ مسجد کی چھت پر چڑھنا فقہاء نے مکروہ بتایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ضرورت نہ ہو تو نماز بھی مکروہ ہے، مگر جو مسجدیں دو منزلہ بنائی جاتی ہیں اس حکم سے مستثنیٰ رہیں گی کہ اس کی بنا ہی اس غرض سے ہوئی۔ رد المحتار میں ہے رأیت القھستانی نقل عن المفید کراھۃ الصعود علی سطح المسجد اھ ویلزمہ کراھۃ الصلوٰۃ ایضا فوقہ فلیتامل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۱۲) ازکھنڈوہ ضلع نمار مرسلہ جناب حاجی عبد اللطیف صاحب ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۴۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک مسجد ہے اسکی جنوب کی سمت دوسری جگہ مسجد کے واسطے لی گئی ہے تو وہ جگہ ابھی مسجد میں ملائی نہیں گئی کہ اس جگہ میں صحن وغیرہ یا حوض جیسے محلہ والوں کی رائے ہوگی کیا جائیگا ابھی مسجد تنگ پڑتی ہے تو مسجد کی جنوبی دیوار میں دروازہ کرکے خریدی ہوئی جگہ صف سے ملا دی جائے تو اس نئی جگہ میں کھڑے ہونے والے کو یا نئی جگہ میں اکیلا نماز پڑھنے والے کو مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ملیگا یا خارج مسجد کا کہ گھر میں پڑھنے والے کے مثل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نئی جگہ کشادگی کے واسطے فی الحال نماز پڑھنے کے لئے ملانے سے کیا وسط مسجد محراب امام کے لئے دوسری مقرر کی جائے یا پہلے والی وسط کافی ہے۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ وہ جگہ جو مسجد میں اضافہ کرنے کے لئے خریدی گئی ہے جبتک اُسے مسجد نہ کردیں مسجد نہیں ہے اسمیں نماز پڑھنے سے اگرچہ مسجد کا ثواب نہ ملے گا مگر اتنی بڑی جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب ہے اور گھر میں پڑھنے سے یہ بات کہاں حاصل ہوگی، مسجد کرنے کے لئے وہاں عمارت بنانا ضروری نہیں بلکہ اتنا کہدینا کہ ہم نے اسے مسجد کردیا کافی ہے یا اُسمیں ایک بار جماعت کیا تم یا ایک شخص کا نماز پڑھ لینا بھی ضرور ہے علی اختلاف الاقوال مگر جب مسجد کردی جائیگی تو اس کے بعد اسمیں حوض وغیرہ نہیں بنایا جاسکتا۔ لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ مشورہ کرکے حوض وغیرہ ودیگر ضروریات کے لئے جگہ تعیین کرکے باقی کو مسجد کردیں تاکہ اسمیں نماز پڑھنے

Marfat.com

والے مسجد کا ثواب پائیں بعد مسجد کر دینے کے امام ایسی جگہ کھڑا ہو کہ دونوں جانب سے فاصلہ برابر ہو یعنی جنوب کی طرف ہٹ کر ردالمحتار میں ہے لوکان المسجد الصیفی بجنب الشتوی وامتلأ المسجد یقوم الامام فی جانب الحائط یستوی القوم من جانبیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۱۲۱۳) از مراد آباد محلہ اصالتپورہ سوداگر ظروف مرسلہ جناب سید کار علی صاحب ۲۱ ذیقعدہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہمارے گاؤں میں تین قومیں ہیں سید پٹھان ترک سب ڈھائی تین سو مسلمان ہوں گے جن میں کل چالیس پچاس آدمی روزہ نماز کے پابند ہوں گے۔

یہاں ایک مسجد پوری مدت سے بنی ہوئی ہے اور اس مسجد کے نام کچھ آراضی ریاست کی طرف سے وقف ہے جو شخص اس مسجد میں امامت کرتا ہے وہ اس آراضی کی آمدنی کچھ تو مسجد میں صرف کرتا ہے کچھ خود اپنے صرف میں کرتا ہے، یہاں کے کل مسلمان نمازیں اور جمعہ اسی مسجد میں پڑھتے تھے، ترک مسلمانوں نے بوجہ ضد اور سید پٹھانوں سے جھگڑا کر کے اپنی ایک مسجد جدا بنالی ہے اور سب ترک مسلمان جدید مسجد میں نمازیں اور جمعہ پڑھنے لگے۔ ایک سید صاحب مسجد قدیمی میں امامت کرتے ہیں اردو اور قرآن پاک ناظرہ پڑھے ہوئے چند مسائل ضروریہ سے واقف ان کی بیوی پردہ میں رہتی ہیں اور جدید مسجد میں ایک ترک صاحب امامت کرتے ہیں، معمولی اردو اور قرآن شریف ناظرہ پڑھے ہوئے کچھ مسائل سے واقف مگر ان کی بیوی اور عورتیں بے پردہ پھرتی ہیں ہر نامحرم کے سامنے آتی جاتی ہیں کوئی پردہ کی قید نہیں ہے اور خود بھی نماز کے پابند نہیں ہیں۔ پس ایسی صورت میں چند باتیں ذیل کی دریافت طلب ہیں:۔

۱ جو مسجد مسلمانوں نے مسلمانوں کی ضد سے بنائی ہو اس میں نماز جائز ہے یا نہیں۔

۲ جس شخص کی بیوی بے پردہ پھرے اور نماز کا پابند بھی نہ ہو وہ لائق امامت ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو ایسے شخص کے پیچھے جو نمازیں پڑھی ہیں وہ نمازیں ہوئیں یا نہیں۔

۳ صورت مذکورہ بالا میں سید صاحب لائق امامت ہیں یا ترک صاحب جو جدید مسجد میں امامت کرتے ہیں اور ہم لوگ کس کے پیچھے نماز پڑھیں۔

۴ نمازیں اور جمعہ ایک قدیمی مسجد میں پڑھیں یا دونوں مسجدوں میں اس گاؤں میں مردہ کے لئے کفن نہیں ملتا ہے۔

**الجواب** (۱) ۔ اگر واقعی اس مسجد کے بنانے سے محض یہی مقصود ہے کہ پہلی مسجد ویران ہو جائے اور اس کو ضرر پہنچ جائے تو یہ مسجد ضرار ہے اور مسجد ضرار مسجد نہیں مگر مسلمان کی طرف ایسا خیال بہت مستبعد ہے مسلمان کی نسبت یہی خیال کیا جائے گا کہ اس نے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنائی تاوقتیکہ اس کی نیت کا حال معلوم نہ ہو مسجد ضرار کا حکم نہ دیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) بی بی اگر بے پردہ پھرتی ہو اور شوہر باوجود قدرت اُسے منع نہ کرتا ہو تو یہ بھی فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اگر شوہر تاحد قدرت اُسے روکتا ہو مگر وہ نہیں مانتی تو شوہر گنہ گار نہیں، اور اگر وہ شخص پابند نماز نہ ہو تو بلاشبہہ فاسق ہے اور اُسے امام بنانا ناجائز اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ۔ ردالمحتار میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہم اھانتہ شرعًا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۳) امام مسجد دوم کی نسبت جواب نمبر۲ میں گذرا اور امام مسجد اول میں اگر شرائط امامت پائے جاتے ہوں مسائل طہارت نماز سے واقف ہوں اور فسق و فجور سے بچتے ہوں تو اُن کی امامت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۴) گاؤں میں جمعہ فرض نہیں اور نمازیں مسجد اول میں پڑھیں کیونکہ سوال سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد جدید کا امام لائق امامت نہیں[ف]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۱۴) از کچی باغ بنارس مرسلہ جناب بشیر اللہ و سمیع اللہ صاحبان ۳ رجمادی الاخری ۵۳ھ

عرض یہ ہے کہ جناب نے بہار شریعت[حصہ ۳ ص ۱۳۲] میں فرمایا ہے کہ مسجد میں سوال کرنا حرام ہے اور سائل کو دینا بھی منع۔ نیز بہار شریعت صفحہ جلد ہ میں ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مسجد کے سائل کو اگر ایک پیسہ دیا تو ستر پیسے اور خیرات کرے کہ اس ایک پیسے کا کفارہ ہو۔ لیکن صاحب موضح القرآن اس آیت کریمہ وَاِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ۔ پارہ لایحب اللہ ع ۱۱ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی مرتضیٰ کے شان میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار حجرہ مبارک سے مسجد میں آئے تو بعضوں کو دیکھا رکوع میں ہیں اور بعضوں کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کو دیکھا اور فرمایا کسی نے تجھکو کچھ دیا۔ سائل نے سونے یا روپے کی انگوٹھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلائی۔ اور حضرت علی مرتضیٰ کی طرف اشارہ کیا کہ اس رکوع کرنے والے نے رکوع میں دی ہے۔

---

ف سوال اول کے جواب سے ظاہر ہے کہ اگر ان لوگوں کی نیت دوسری مسجد بنانے سے پہلی مسجد کو ویران کرنا نہیں تو یہ مسجد، مسجد ضرار نہیں۔ اور اگر ان لوگوں نے یہ مسجد نماز پڑھنے کے لئے خالص اللہ عزوجل ہی کے لئے بنائی اگرچہ اس پر باعث باہمی رنجش ہوئی کہ آپسی رنجش کی وجہ سے اکٹھا ہونا مناسب نہیں جانا۔ اور نماز بے مسجد ادا کرنی نہ چاہی۔ تو یہ دوسری مسجد نماز ادا کرنے ہی کے لئے بنی اس کے مسجد ہونے اور اس میں نماز جائز ہونا باعث ثواب ہونے میں کوئی شبہہ نہیں لانہ وقف صدر عن اھلہ فی محلہ علی وجھہ۔ اشباہ میں ہے لاھل المحلۃ جعل المسجد الواحد مسجدین والاولی ان یکون لکل طائفۃ مؤذن۔ اس صورت میں کہ اس کا امام امامت کے لائق نہیں تو بھی اس مسجد کو آباد رکھنا فرض۔ لہٰذا ان پر فرض ہے کہ کسی صالح سنی لائق امامت شخص کو امام بنائیں اور اس میں با جماعت نماز پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

امجدی

Marfat.com

اب عرض یہ ہے کہ تفسیر سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا مسجد میں انگوٹھی دینا (اور وہ بھی رکوع میں) باعثِ مدح خالق ہے اگر سائل کو مسجد میں دینا منع ہے تو آیتِ قرآن اس فعل کو موقع مدح میں کیوں ذکر کر رہی ہے۔ اور جب مسجد میں سائل کو دینا بحکم آیتِ مذکورہ باعثِ مدح خالق ہے تو علماء اس فعل کو ممنوع کیوں فرماتے ہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ مسجد میں سوال کرنے کے متعلق علمائے حنفیہ کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مطلقاً ناجائز۔ دوسرا یہ کہ چار شرطوں کے ساتھ جائز ہے اور یہ شرطیں نہ ہوں تو ناجائز۔ شرطِ اول یہ کہ مصلی کے آگے سے نہ گذرے۔ دوم یہ کہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے۔ سوم یہ کہ الحاف کے ساتھ سوال نہ ہو۔ چہارم یہ کہ ضرورت کے لئے سوال کرتا ہو۔ قول دوم کو بزازیہ و نہر وغیرہما میں اختیار فرمایا۔ اور صاحب درمختار نے بھی کتاب الحظر میں اسی قول کو ذکر کیا۔

ردالمحتار میں ہے قال فی النھر والمختار ان السائل ان کان لا یمر بین یدی المصلی ولا یتخطی الرقاب ولا یسأل الناس الحافا بل لامر لابد منه فلا باس بالسوال والاعطاء اھ ومثله فی البزازیة وفیها ولا یجوز الاعطاء اذا لم یکونوا علی تلک الصفة المذکورة قال الامام ابونصر العیاضی ارجوان یغفر الله تعالیٰ لمن یخرجهم من المسجد وعن الامام خلف ابن ایوب لوکنت قاضیا لم اقبل شهادة من یتصدق علیهم اھ وسیأتی فی باب المصرف انه لا یحل ان یسئل شیئا من له قوت یومه بالفعل او بالقوة کالصحیح المکتسب ویأثم معطیه ان علم بحاله لاعانته علی الحرام۔

خلاصہ یہ ہے کہ سائل میں اگر وہ شرائط نہ پائے جائیں تو سوال بھی جائز نہیں اور دینا بھی ناجائز۔ امام ابونصر عیاضی فرماتے ہیں کہ ان کو مسجد سے نکال دے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور امام خلف ابن ایوب فرماتے ہیں کہ اگر میں قاضی ہوتا تو ان لوگوں کی شہادت قبول نہیں کرتا جو ایسے سائل کو دیتے ہیں اور باب المصرف میں ذکر کیا جائے گا کہ جس کے پاس اس دن کے کھانے کے لائق ہو یا وہ اس کے کمانے پر قادر ہو مثلاً تندرست جو کما سکتا ہو اسے سوال حلال نہیں اور دینے والا اگر اس کے حال پر مطلع ہو کر دیگا تو وہ بھی گنہگار ہوگا، کہ حرام پر اعانت کرتا ہے ۔۔ اور قول اول کو صاحب درمختار نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر فرما کر قولِ دوم لفظ قیل سے تعبیر کیا، عبارت یہ ہے ویحرم فیه السوال ویکرہ الاعطاء مطلقا وقیل اور اسی قول اول کو غنیہ میں احوط فرمایا اس کی عبارت یہ ہے وعلم مما تقدم حرمة السوال فی المسجد لانه کنشدان الضالة والبیع ونحوہ وکراھة الاعطاء لانه یحمل علی السوال وقیل لا اذا لم یتخط الناس ولم یمر بین یدی مصل۔ والاول احوط۔

نیز ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں :۔

Marfat.com

ویدخل فی ھذا کل امر لم یبن لہ المسجد من البیع والشراء ونحو ذالک وکان بعض السلف لایری ان یتصدق علی السائل المتعرض فی المسجد۔ اس کے بعد اسی صفحہ میں یہ قول ذکر کیا کہ سائل کو دینے میں حرج نہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ھل احدٌ منکم اطعم الیوم مسکینا فقال ابوبکر دخلت المسجد فاذا انا بسائل فوجدت کسرۃ خبز فی ید عبد الرحمٰن فاخذتہا فدفعتہا الیہ یعنی کسی نے آج مسکین کو کھانا کھلایا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں مسجد میں داخل ہوا ناگاہ مجھے ایک سائل ملا اور میں نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دیکھا اس سے لیکر سائل کو دے دیا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ سائل کو مسجد میں دینا جائز ہے۔ اس استدلال کے جواب میں ملا علی قاری فرماتے ہیں قلت لا دلالۃ فی الحدیث علی انہ کان سائلاً وانما الکلام فیہ وقد قال بعض السلف لا یحل اعطائہ فیہ لما فی بعض الآثار ینادی یوم القیٰمۃ لیقم بغیض اللہ فیقوم سوال المسجد۔ یعنی اس حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ وہ سائل تھا اور کلام سائل میں ہے اور بعض سلف فرماتے ہیں کہ مسجد میں سائل کو دینا حلال نہیں اس لئے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ روز قیامت منادی کی جائیگی "جو شخص اللہ کے نزدیک مبغوض ہے کھڑا ہو جائے تو مسجد کا سائل کھڑا ہو جائے گا۔

**اقول**۔ اس استدلال کا یہ بھی جواب دیا جاسکتا ہے کہ دَخَلْتُ سے مراد ارادۂ دخول ہے یعنی میں مسجد میں داخل ہونا چاہتا تھا کہ مجھے ایک سائل ملا اور ارادۂ فعل کو فعل سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ اذا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ سے ارادۂ قیام مراد ہے۔ پس اس تقدیر پر یہ واقعہ مسجد کا نہ ہوا اور استدلال صحیح نہ ہوا۔ اگر یہ شبہہ کیا جائے کہ حدیث مذکورہ بالا میں تصریح ہے فاذا انا بسائل، پھر ملا علی قاری کا یہ کہنا لادلالۃ فی الحدیث علی انہ کان سائلا صحیح نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ سائل تھا۔ رہا یہ کہ اس نے مسجد میں سوال بھی کیا ہو، یہ ثابت نہیں اور کلام اسی میں ہے کہ جو سائل مسجد میں سوال کرے اُسے دینا حلال نہیں نہ یہ کہ بلا سوال بھی اُسے دینا حلال نہیں اور دونوں میں فرق ظاہر ہے۔

پھر ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ قول ذکر کیا کہ بعض صورتوں میں جائز ہے اور بعض میں ناجائز وفصل بعضھم بین من یوذی بالمرور ونحوہ فیکرہ اعطائہ لانہ اعانۃ لہ علی ممنوع وبین من لایوذی فیستحق اعطائہ لان السوال کانوا یسئلون علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المسجد حتی یروی ان علیاً کرم اللہ تعالیٰ وجھہ تصدق بخاتمہ وھو فی الرکوع فمدحہ اللہ بقولہ یوتون الزکوۃ وھم راکعون۔ یعنی جو سائل لوگوں کو اذیت دیتا ہے مثلاً نمازی کے آگے سے گذرتا ہے یا اس کے مثل کچھ اور حرکت کرتا ہے، اُسے دینا مکروہ ہے، کہ ممنوع پر اعانت ہے۔ اور جو ایسا نہیں کرتا اُسے دینا بہتر ہے

Marfat.com

کہ حضور کے زمانے میں لوگ مسجد میں سوال کرتے تھے جب تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکوع میں اپنی انگوٹھی دے دی تھی۔ جس پر اللہ نے ان کی مدح فرمائی۔

اس قول کا جواب ملا علی قاری اس طرح تحریر فرماتے ہیں اور یہی استفسار کا جواب بھی ہے :- دفیہ انہ لیس فی الحدیث ولا الآیۃ ان اعطاء علی کان فی المسجد یعنی حدیث وآیت، کسی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں دیا تھا۔ **اقول** اور اگر فرض بھی کیا جائے کہ مسجد میں دیا تھا تو یہ ثابت نہیں کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسجد میں سوال کیا تھا اگر حدیث سے ثابت ہوتا ہے تو صرف اتنا کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا اور یہ امر کہ اس نے مسجد میں سوال کیا تھا اس کے متعلق کوئی حدیث نظر سے نہ گذری، اور ملا علی قاری کا یہ فرمانا کہ حدیث سے مسجد میں سوال ثابت نہیں، صاف بتاتا ہے کہ ان کے پیش نظر بھی کوئی ایسی حدیث نہیں ہے، جس سے مسجد میں سوال کی اجازت ثابت ہو۔ تفسیر بیضاوی شریف میں شانِ نزول کو اس طرح نقل کیا دانما نزلت فی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حین سألہ سائل وھو راکع فی صلوٰتہ فطرح لہ خاتمہ۔

اس سے بس اتنا معلوم ہوا کہ سائل کے سوال پر دیا نہ یہ کہ مسجد میں سوال کیا تھا اور اسے دیا بلکہ خود قاضی بیضاوی کا اس شانِ نزول کے متعلق کہنا۔ دان صح، بتاتا ہے کہ اس روایت کی صحت میں بھی انھیں کلام ہے اس لئے آیت میں رکوع کے معنیٰ خشوع وخضوع کے لیتے ہیں، یعنی خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور یہ معنیٰ کہ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں، اس کو بصیغۂ تمریض قیل سے تعبیر کرتے ہیں۔

رہا یہ کہ استفسار میں جو موضح القرآن کی عبارت نقل کی گئی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سائل تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے دیا تھا، پس اگر یہ مضمون حدیث صحیح سے ثابت ہو تو کہا جائیگا کہ سائل کو دیا اس کے یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ اس نے مسجد میں سوال بھی کیا ہو جیسا کہ فاذا انا بسائل سے ثابت نہیں کہ اس نے مسجد میں سوال کیا تھا ویسا ہی یہاں بھی یہ ثابت نہیں کہ اس نے مسجد میں سوال کیا۔ اور اس عبارت سے یہ بھی ثابت نہیں کہ مسجد میں دیا۔

لہٰذا اس عبارتِ موضح القرآن سے مسجد میں سوال کی اجازت ثابت نہیں کہ مسجد میں دیا، اس لئے بہار شریعت حصہ سوم میں یہ لفظ ہے کہ اس سائل کو دینا بھی منع ہے۔ مستفتی سے لفظ (اس) لکھنے سے رہ گیا جس کا یہ مطلب ہو گیا کہ چاہے مسجد میں سوال کرے یا نہ کرے سائل کو مسجد میں دینا منع ہے حالانکہ مطلب یہ تھا کہ مسجد میں سوال کرے تو دینا منع ہے۔ اور اسی کے لئے لفظ اس بڑھایا گیا

Marfat.com

اس عبارت موضح القرآن کے قریب قریب ایک حدیث علامہ خفاجی نے نقل فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے۔[1]

نہ مناکحت کریں گے اور نہ ہم سے بات چیت کریں گے اور یہ امر ہم پر شاق ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا ولی اللہ ورسول ہیں پھر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کی طرف نکلے اور کسی کو قیام میں اور کسی کو رکوع میں پایا اور ایک سائل کو ملاحظہ فرمایا، اس سے فرمایا کسی نے تجھے کچھ دیا اس نے عرض کی ہاں چاندی کی ایک انگوٹھی ملی ہے، فرمایا کس نے دی اس نے کہا اس قیام کرنے والے نے اور ہاتھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کیا حضور نے فرمایا کس حالت میں دی اس نے کہا حالت رکوع میں، اس پر حضور نے تکبیر کہی پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

پس اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب حضور نے سائل سے دریافت کیا تھا، اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیام میں تھے رکوع میں نہ تھے اگرچہ دینا رکوع میں تھا، مگر موضح القرآن کے اس لفظ سے کہ اس رکوع کرنے والے نے دی، یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ اسی وقت دی ہے جبکہ اسی رکوع میں تھے اور یہ رکوع مسجد میں تھا لہٰذا مسجد میں دینا ثابت ہوا اگرچہ فقط لفظ اس ثبوت کے لئے کافی نہیں مگر توہم پیدا ہوتا ہے اور جبکہ علامہ خفاجی نے جو روایت حاکم وغیرہ سے نقل کی اسمیں اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قائم ہونا مذکور ہے تو یہ توہم بہت بعید ہو گیا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بحث کے آخر میں دونوں مقولوں میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ والظاهر ان الخلاف باختلاف عصر وزمان لاختلاف السائلين۔ یعنی علماء میں یہ اختلاف زمانہ کے اختلاف پر مبنی ہے کہ قرون اولیٰ میں سائلین آداب مسجد کی مراعات کرتے تھے اور ضرورت پر سوال کرتے تھے اور اس طرح سوال نہ کرتے تھے کہ ممنوع ہو۔ اور اس زمانہ کے سائلین ایسے نہیں اگر ان کو اجازت دیدی جائے تو کسی امر کی پرواہ نہ کریں گے، اور جائز وناجائز کا خیال نہ رکھیں گے اس لئے ان کے لئے حکم یہی ہے کہ سوال سے روک دیئے جائیں وکم من شيئ يختلف باختلاف الزمان۔

پس چونکہ صاحب غنیہ نے مطلق ممانعت کو احوط فرمایا اور ملا علی قاری نے اس اختلاف کو اختلاف زمانہ پر محمول کیا لہٰذا فقیر نے اسی قول کو اختیار کیا اور اسی کو بہار شریعت میں ذکر کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

**مسئلہ** (۳۱۵) از رانی کھیت جامع مسجد مرسلہ قاری خلیل الدین احمد صاحب ۱۵ رجمادی الاخریٰ ۱۳۴۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل امور میں:۔

وہ مساجد جن کی تعمیر روافض یا وہابی یا قادیانی یا علاوہ ان کے کسی طائفہ ضالہ نے کی ہو اس پر احکام مساجد جاری ہو سکتے

[1] ...صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقالوا یا رسول اللہ ان منازلنا بعیدۃ ولیس لنا مجلس نتحدث فیہ دون ھذا المجلس وان قومنا لما راونا آمنا باللہ ورسولہ ... المسجد والناس بین قائم وراکع فبصر بسائل فقال ھل اعطاک احد شیئا فقال نعم خاتم من فضۃ فقال من اعطاک فقال ذالک القائم

ہیں یا نہیں۔

**سؤ (۲)** مقامی لوگ مدارس مساجد کے اندر اور تعلیم قرآن مجید فرقان حمید اور تعلیم دینیہ کو احترام مساجد کے خلاف تصور کرتے ہوئے مانع تعلیم الٰہی ہیں اور مساجد کے اندر تعلیم کو جدید امر اور بدعت اور بے حرمتی مساجد شمار کرتے ہیں۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ تعلیم جدید ہے۔ اور قرون اولیٰ میں مساجد کے اندر تعلیم دینیہ والٰہیہ نہیں ہوئی یا فی زمانہ ہورہی ہے دلائل و براہین سے مطلع فرمائیں۔

**الجواب (۱)** ۔ وہ گمراہ فرقے جن کی گمراہی حد کفر تک پہنچ چکی ہے جیسے قادیانی وہابی روافض زمانہ ان کی بنائی ہوئی مسجد شرعاً مسجد نہیں[عہ]۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**ج (۲)** مسجد کے اندر علم دین کی تعلیم جائز اور اس کے جواز پر قرآن و حدیث شاہد قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا۔ حدیث میں ہے خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن فی الصفۃ فقال ایکم یحب ان یغدو کل یوم الی بطحان او العقیق فیاتی بناقتین کوماوین فی غیر اثم ولا قطع رحم فقلنا یا رسول اللہ کلنا نحب ذالک قال افلا یغدو احدکم الی المسجد فیعلم او یقرأ اٰیتین من کتاب اللہ خیر لہ من ناقتین وثلث خیر لہ من ثلث واربع خیر لہ من اربع ومن اعدادھن من الابل رواہ مسلم عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی نفسہ تعلیم سے مسجد کی کوئی بے حرمتی نہیں ہے تعلیم کو احترام کے خلاف کہنا غلط ہے۔ البتہ اگر پڑھنے والے یا پڑھانے والے مسجد کی بے حرمتی کرتے ہوں تو ان کو اس سے منع کیا جائے اور روکا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۱۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید حالت اعتکاف میں کسی عذر کی وجہ سے مسجد کے اندر چارپائی بچھا کر لیٹتا ہے یہ فعل از روئے شرع کیسا ہے۔

**الجواب** ۔ مسجد میں چارپائی پر لیٹنا اور سونا عرف نے ادب کے خلاف قرار دیا ہے اور ایسے امور میں شرع مطہر نے عرف کا لحاظ کیا ہے اور اس کے نظائر کتب فقہ میں کثیر ہیں لہذا بلا عذر ایسا نہ کرے اور عذر ہو تو الضرورات تبیح المحظورات کی بنا پر اجازت ہے مگر زید کو چاہیے کہ جن اوقات میں لوگ مسجد کے اندر آتے جاتے ہوں ان اوقات میں چارپائی کو علیحدہ کر دے تاکہ تنفیر عوام اور منازعت نہ واقع ہو کہ اس میں لوگوں کو مبتلا کرنا بہت سخت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

عہ مسجد ہونے کے لئے زمین کا وقف ہونا شرط ہے۔ اور کافر وہ بھی مرتد کا مسجد کے لئے وقف درست نہیں بلکہ مرتد کا کسی کار خیر کے لئے وقف، وقف نہیں اسلئے ان فرقوں کی بنوائی مسجد، مسجد نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

Marfat.com

**مسئلہ** از ۱۰۱ مرسلہ جناب حاجی محمد عظیم اللہ صاحب از چوڑی پٹی دیناج پور ۲۴ صفر المظفر ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد میں دو آئینے ایک سامنے اور ایک دائیں جانب متصل منبر لگے ہیں جن کی لمبائی اور چوڑائی ایک ایک فٹ ہے۔ ان کے بیچ سے فانوس کی ایک شاخ بھی نکلی ہے جو جلنے کے کام نہیں آتی محض زیبائش کے لئے ہے۔ نیز آئینے میں مصلیوں کا چہرہ بصورت قیام بخوبی نظر آتا ہے۔ پس صورت مسئولہ میں کیا حکم ہے ایا مسجد میں ایسا کرنا درست ہے یا نہیں اگر یہ ناجائز ثابت ہو تو ان کو پیچھے کر دینے یا اس پر کپڑا ڈالنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب** ۔ آئینہ میں جو صورت نظر آتی ہے یہ تصویر کے حکم میں نہیں ورنہ جس طرح تصویر کا رکھنا حرام ہے اس کا رکھنا بھی حرام ہوتا اور تصویر کے تمام احکام اس کے لئے بھی ثابت ہوتے مگر ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ آئینہ کی صورت تصویر نہیں۔ لہذا اگر مصلی کے آگے آئینہ ہو تو نماز مکروہ تحریمی نہیں ہوگی۔ اگرچہ نمازی کو اپنی صورت نظر آئے کہ آئینہ میں حقیقۃً صورت منتقش نہیں ہوتی بلکہ آئینہ کی صقالت کی وجہ سے خطوط شعاعی منعکس ہوتے ہیں اور واپس آکر خود اس دیکھنے پر پڑتے ہیں اور یہ اپنے کو دیکھنے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ آئینہ میں میری صورت ہے جسے میں دیکھتا ہوں حالانکہ صورت کو نہیں بلکہ اپنے کو دیکھتا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ آئینہ میں داہنے کو بائیں اور بائیں کو داہنا دیکھتا ہے۔ لہذا ایسی جگہ نماز پڑھنا ممنوع نہیں جہاں انعکاس شعاع کے باعث کوئی چیز نظر آئے۔ یہ حکم نفس آئینہ کا ہے کہ مصلی کے آگے ہونے میں نماز مکروہ تحریمی نہیں رہا مسجد کی دیوار قبلہ میں آئینہ نصب کرنا جس میں مصلی کو اپنی صورت نظر آتی ہے۔ مکروہ ہے کہ اس سے نمازی کا دل بٹتا ہے اور خشوع میں کمی آتی ہے اور ایسی چیز دیوار قبلہ میں نہیں ہونی چاہئے درمختار میں ہے ولاباس بنقشہ خلا محرابہ فانہ یکرہ لانہ یلھی المصلی و یکرہ التکلف بدقائق النقوش ونحوھا خصوصًا فی جدار القبلۃ قالہ الحلبی وفی حظر المجتبی وقیل یکرہ فی المحراب دون السقف والمؤخر۔ انتہی وظاہرہ ان المراد بالمحراب جدار القبلۃ لہذا وہاں سے آئینہ جدا کر دیا جائے یا اس پر کپڑا ڈال دیا جائے کہ نماز میں خشوع جاتے رہنے کا سبب نہ رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عہ نمازی کے آگے تصویر ہونے سے نماز میں کراہت کا سبب یہ ہے کہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔ اور پرستش تصویر کی ہوتی ہے آئینے میں جو صورت نظر آئے اس کی کوئی پرستش نہیں کرتا۔ اس لئے اس کے مکروہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

**مسئلہ** ۱۸ ۱ مرسلہ جناب قاضی عبدالحمید و قاضی عنایت احمد صاحبان جامع مسجد قبلیخانہ از جودھپور مارواڑ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ ترکی ٹوپی سے امامت جائز ہے یا نہیں جو شخص تارک جماعت ہے اس کی نماز ہوگی یا نہیں یعنی ادھر تو جماعت ہو رہی ہے ادھر وہ اپنی الگ نماز پڑھے بعد میں زور زور سے وظیفہ پڑھتا ہے جماعت ہو رہی ہے منع کرنے سے نہیں مانتا۔ ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے۔ مسجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنا مسلمانوں کی غیبت کرنا، علماء دین کی شان میں گالیاں دینا، قرآن پاک کی نقل کرنا ان سب کے بارے میں کیا حکم صادر ہے۔؟

**الجواب**:۔ ترکی ٹوپی آجکل عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے صالح و متقی و فساق سب ہی پہنتے ہیں۔ لہذا اس کا پہننا بھی جائز ہے اور پہن کر نماز پڑھنے میں بھی کوئی ممانعت نہیں بغیر جماعت بھی نماز ہو جاتی ہے مگر بلا وجہ شرعی ترک جماعت کا گناہ اس پر ہے اور یہ اور زیادہ برا ہے کہ جماعت ہو رہی ہے اور وہ شخص اپنی الگ پڑھتا ہے پھر مزید یہ کہ وقت جماعت زور زور سے وظیفہ پڑھ کر مصلیوں کو پریشان کرتا ہے ایسے شخص کو مسجد سے نکال دینا چاہئے۔ مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرنا ناجائز ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ نیکیوں کو اس طرح کھاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔ غیبت یا گالی دینا خصوصًا علماء دین کو حرام اور سخت حرام ہے اور مسجد میں ایسی باتیں اور زیادہ حرام۔ قرآن پاک کی نقل کرنے سے کیا مراد ہے۔ اگر قرآن مجید کے ساتھ استہزا کرتا ہے تو یہ یقینًا کفر ہے اور اگر کسی کے پڑھنے کی نقل کرتا ہے اور مقصود اس شخص سے استہزا کرنا ہے تو یہ بھی ناجائز ہے بالجملہ مسجد ان کاموں کے لئے نہیں ہے اولًا ایسے شخص کو منع کیا جائے، نہ مانے تو مسجد سے روکا جائے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** ۱۹ ۱ ازالہ آباد محلہ محتشم گنج مرسلہ باشندگان محتشم گنج ۶ جمادی الاولی ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے محلہ میں مولوی عیسیٰ صاحب جو اپنے کو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے پیرو اور خلیفہ بتاتے ہیں بعرصہ سات سال سے ایک مکان بنا کر مقیم ہیں۔ یہ مولوی صاحب مذکور فاتحہ، میلاد شریف، گیارہویں شریف وغیرہ کو بدعت و ناجائز و گمراہی بتلاتے ہیں۔ عرس اولیاء اللہ کو بدعت و حرام قرار دیتے ہیں۔ انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنے کو شرک بتلاتے ہیں۔ اذان میں نام رسول کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سن کر انگوٹھے چومنے کو بدعت کہتے ہیں۔ یا رسول اللہ اور یا محمد کہنے کو شرک کہتے

Marfat.com

ہیں عبادت و ریاضت کے ذریعہ رسول اقدس کے برابر ہوسکنے کو ممکن سمجھتے ہیں۔ جماعت ثانی کو بھی ایک مسجد میں ناجائز کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص مسجد ہدایت خاں مرحوم میں (جس میں وہ امامت کرتے ہیں) دوسری جماعت کرنا چاہتا ہے تو نہایت سختی سے مخالفت کرتے ہیں اور جماعت ثانی نہیں ہونے دیتے۔ اور اسی قسم کی بہت سی باتیں جو عقائد اہلسنت کے خلاف ہیں، تبلیغ فرمایا کرتے ہیں۔ اور مولوی صاحب مذکور سات سال سے برابر اپنے عقائد کی تبلیغ فرمارہے ہیں اور اکثر اپنے ہم خیال علماء مثلاً مولوی عبدالمجید صاحب پھلواری وغیرہ کو بلا کر جلسہ وعظ وغیرہ کیا کرتے ہیں۔ اور مولوی صاحب مذکور نے سات سال کے اندر ہمارے محلہ کے سات، آٹھ سنی لوگوں کو اپنا ہم عقیدہ اور ہم خیال بنالیا ہے اور اب انھیں کے ذریعہ نہایت کوشش کے ساتھ لوگوں کو اپنا ہم عقیدہ بنانا چاہتے ہیں۔ اور مولوی عیسیٰ صاحب کا اس مسجد محلہ میں اثر ہے اور خود پیش امام بھی ہے۔ حتیٰ کہ متولی مسجد بھی انھیں ہم عقیدہ ہے اور مولوی صاحب مذکور ہر نماز کے بعد اپنے خیالات فاسدہ کی تلقین کرتے ہیں۔ اور سنیوں کو وہاں جانے سے سنیوں کے عقائد خراب ہوجانے کا اندیشہ اور جنگ و فساد کا خوف ہے۔ لہٰذا یہ مذکورہ بالا باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اور جھگڑے اور فساد کو روکنے اور اپنے کو ان کے اندر جذب ہونے سے باز رکھنے کی غرض سے ہم لوگوں نے علیحدہ جماعت قائم کرلی ہے۔ اور ایک زمین جو وسط محلہ میں واقع ہے اور امام باڑہ کے نام سے موسوم ہے۔ اور منتظم حال کے بزرگوں کی ہے، نماز پڑھنا شروع کردیا ہے۔ اس جماعت میں ۹۵ فیصدی مسلمانان نماز پڑھتے ہیں۔ اور روزانہ ۶۰ ـ ۷۰ آدمیوں کی جماعت ہوجاتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ جگہ باقاعدہ مسجد بنادی جائے اور سب نے (الا مولوی عیسیٰ صاحب کی جماعت کے) امام باڑے کو مسجد سے بدلنے کی اجازت دے دی ہے اور امام باڑے کے منتظم نے اپنی دوسری زمین تعزیہ داری کے لئے علیحدہ مخصوص کردی ہے جیسا کہ اس کے بزرگوں نے کیا تھا یعنی وہ خود بھی تعزیہ داری کرتے تھے اور محلہ کے لوگ بھی اسمیں شریک ہوجاتے تھے۔ لہٰذا حسب ذیل باتیں دریافت طلب ہیں؟

الف:۔ موجودہ امام باڑہ کی زمین پر واقعات حاضرہ کے لحاظ سے نماز باجماعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ب:۔ امام باڑہ پر نماز پڑھنے والوں کو جن کی جماعت مولوی عیسیٰ صاحب کی جماعت سے ۶ گنہ زیادہ ہے، ہوتی ہے۔ جماعت کا ثواب حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ محلہ کے امام باڑے کو جس کی رضامندی ۹۵ فیصدی حضرات نے دے دی ہے مسجد بنالینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**:۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں صاف اور کھلے لفظوں میں رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے جس کی بنا پر اکابر علماء ہندوستان وعلماء حرمین طیبین نے بالاتفاق اس کی تکفیر کی۔ اور یہ فرمادیا کہ جو اس کے قول پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ مانے خود کافر ہے۔ اس کے معتقدین جو اس کے قول پر مطلع ہیں ان کا بھی وہی حکم ہے اور ایسوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے بلکہ ان کے پاس بھی نہ جانا چاہئے۔ حدیث میں ہے ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔ تم اپنے کو ان سے دور رکھو اور ان کو اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کریں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ اور جب کہ وہ شخص وہابیہ کے عقائد باطلہ کی ترویج وتبلیغ کرتا ہے۔ اور وہاں جانے میں فتنہ بھی ہے اور نہ بھی ہوتا تو اس کی گمراہ گری کیا کم فتنہ ہے ایسی صورت میں مسلمانوں کو وہاں ہرگز نہ جانا چاہئے۔ اور محلہ کے مسلمانوں نے جو دوسری جگہ جماعت کا انتظام کرلیا ہے بہت اچھا کیا ان کو یہی کرنا چاہئے تھا بیشک ان کو ان شاء اللہ تعالےٰ جماعت کا ثواب ملے گا۔ اور اس کا بھی ثواب ملے گا کہ وہابی کے پیچھے نماز پڑھنے سے باز آئے اور اپنی نمازوں کو خراب نہ کیا۔ اگرچہ ان کی جماعت چھ گنا تو کیا اس کے برابر بھی مصلی نہ ہوں۔ امام باڑہ کی زمین جس کی ملک ہو اس کی اجازت سے مسجد بنا سکتے ہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** ۳۴۴ از ہوڑہ پنچ تلاب صدر بخشی لائن محمد اسلام میاں کی باڑی مرسلہ عبدالکریم صاحب ۲۲ محرم الحرام ۵۰ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جانب دریا واقع تھی جو سیلاب میں غرق آب ہو کر شہید ہو گئی حتی کہ اس کا کوئی اثر بھی باقی نہ رہا اب پانی نشیب کی طرف لوٹ جانے کے بعد دریا کے کنارے کھودنے پر اینٹیں نکل پڑی ہیں تو کیا ان اینٹوں کو دوسری مسجد میں لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب**:۔ اگر وہ زمین جہاں مسجد تھی اس قابل ہے کہ وہاں دوبارہ مسجد بنائی جا سکتی ہے تو وہ اینٹیں اسی مسجد میں لگائی جائیں۔ اور اگر زمین مسجد بنانے کے کام کی نہ رہی تو یہ اینٹیں دوسری مسجد میں لگا دی جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** ۳۴۵ (الف) احکام شریعت حصہ اول میں اعلیحضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مسجد کبیر کی حد ساڑھے چون ۵۴ ½ گز درج کیا ہے لیکن اسی میں اکاڑی مسجد خوارزم کا مسجد کبیر ہونا بھی درج ہے جو سولہ ہزار ستون پر ہے۔ نیز عرفان شریعت مصنفہ اعلیحضرت بریلوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں سینتالیس اڑتالیس گز کی مسجد کو مسجد کبیر لکھا ہے علاوہ ازیں رسالہ رکن الدین میں پچیس گز کی مسجد کو شامی کے حوالہ سے مسجد کبیر بتلایا ہے۔ لہذا ان اقوال مختلفہ میں کون سا قول راجح ہے۔ (ب) مذکورہ بالا صورتوں میں گزوں کا حساب طول میں ہے یا عرض میں یا مکسر ہے۔

Marfat.com

**الجواب:**۔ (الف) اس قسم کے سوالات آپ بھیجیں تو کتاب کے صفحات بھی لکھ دیا کریں تاکہ جواب تحریر کرنے میں کتابوں کی تلاش میں دقت صرف نہ ہو ورنہ جب تک اتنا وقت نہ ملے کتابوں کی ورق گردانی کی جائے جواب کیسے لکھا جائے۔ مسجد کبیر کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ چالیس ذراع ہے تو کبیر ہے اور اس سے کم ہو تو صغیر۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جامع خوارزم کبیر ہے۔ اور اس سے چھوٹی مسجدیں سب صغیر احکام شریعت میں ساڑھے چودن ۵۴ ½ کو جو کبیر لکھا ہے وہ خود اعلیٰحضرت کی رائے نہیں ہے۔ بلکہ علامہ شامی نے بھی اس کی مقدار چالیس گز لکھی ہے اس کے متعلق یہ بیان کیا کہ یہاں گز سے گز مساحت مراد لینا چاہئے اور اس کی مقدار بیان کر کے یہ تحریر فرمایا کہ اس زعم علامہ پر الخ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ علامہ شامی کے اس قول کو لیا جائے اور گز سے گز مساحت مراد لیا جائے تو ساڑھے چودن کبیر ہے پھر آگے چل کر اسے رد کر دیا کہ یہ علامہ کو جواہر الفتاویٰ کی عبارت سے شبہ گذرا ورنہ جواہر الفتاویٰ میں مسجد صغیر و کبیر کی یہ مقدار نہیں لکھی ہے بلکہ دار صغیر و کبیر کی یہ مقدار ہے۔ احکام شریعت کی اس عبارت میں کوئی تناقض نہیں بلکہ آخر میں صاف طور پر مذکور ہے کہ جامع خوارزم کی مثل مسجد کبیر ہے اور اس کو اختیار فرمایا اور اس کے بیان کو اپنے فتاویٰ پر محمول کیا۔ البتہ عرفان شریعت میں ۴۷، ۴۸ گز لکھا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحدید ہے حقیقتاً تحدید نہیں۔ ممکن ہے کہ اصل سوال میں اتنی بڑی مسجد کے متعلق سائل نے دریافت کیا ہو اور علامہ شامی والا قول آسانی کے لئے اختیار فرما کر اسے بڑی مسجد فرما دیا کہ جب چالیس ذرع کبیر ہے تو سینتالیس اڑتالیس بدرجۂ اولیٰ کبیر ہوگی۔ لہٰذا یہ کوئی تیسرا قول نہیں۔ مگر مجھے جہاں تک علم ہے اعلیٰحضرت کا قول مختار وہی ہے جو احکام شریعت میں ذکر فرمایا اور کئی بار میں نے خود دریافت کیا جواب میں یہی فرمایا کہ مسجد خوارزم کبیر ہے اور اس سے چھوٹی صغیر ہے۔ شامی میں وہی عبارت ہے جو اعلیٰحضرت نے نقل فرمائی پچیس گز شامی میں ہے میں نے نہیں دیکھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ــــــــــــــــــــ

لہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۵۹۵ پر ہے ان دونوں مسئلوں میں مسجد کبیر سے ایک ہی مراد ہے یعنی صدر درجہ عظیم و وسیع مسجد جیسی جامع خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر تھی یا جامع قدس شریف کہ تین مسجدوں کا مجموعہ ہے باقی تمام مساجد جس طرح عامۂ بلاد میں ہوتی ہیں سب ان دونوں حکموں میں تحد ہیں۔ اگرچہ طول و عرض میں سو سو گز ہوں۔ یہ اس پر نص صریح ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا مختار یہی ہے۔ مسجد کبیر سے مراد بہت بڑی مسجد مثل مسجد قدس اور مسجد خوارزم مراد ہے۔ اس کی تحدید چالیس یا ساٹھ گز سے نہیں۔ یہیں اسکی تصریح فرمائی کہ قہستانی میں جواہر کے حوالہ سے جو ساٹھ یا چالیس گز سے تعین مذکور ہے وہ مسجد کے لئے نہیں گھر کے لئے ہے۔ یعنی اگر کوئی گھر ساٹھ یا چالیس گز کا ہے تو وہ کبیر ہے۔ او صحرا کے حکم میں ہے۔ اور اس سے کم ہے تو مسجد صغیر کے حکم میں ہے۔ اسے شامی کے حاشیہ سے نقل فرماتے ہیں: حاصلہ ان الدار الکبیرۃ کالصحراء و الصغیرۃ کالمسجد و ان المختار فی تقدیر الکبیرۃ اربعون ذراعا پوری تحقیق کے لئے فتاویٰ رضویہ کی یہ جگہ ملاحظہ کریں۔

Marfat.com

**الجواب:** (ب) قہستانی نے تکسر لکھا ہے مگر تکسر لینے میں مسجد کبیر کی مقدار بہت کم ہو جائے گی۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** از مقام بالوا کاٹھیا واڑ مرسلہ جناب حاجی غنی صاحب سورملا لوڑ ٹھکانہ حاجی داؤد ۵ ۲ ربیع الآخر ۵۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک مسجد ہے جہاں ایک صاحب مدعی علم ہیں جو مسجد میں شطرنجیاں، دریاں اور غالیچہ بچھانا منع کرتے ہیں اور ناجائز کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہ نسبت شطرنجیوں اور دریوں کے چٹائیوں پر نماز پڑھنا بدرجہا افضل ہے۔ ایک غالی مسجد کا سڑگیا بچھانے نہیں دیا مسجد کی تمام شطرنجیاں وغیرہ رکھ دیا ہے۔ کسی کی مجال نہیں ہے کہ جمعہ وغیرہ کو بچھا دے۔ امام کے لئے ایک قیمتی مصلیٰ تھا۔ اس کو بھی نکال دیا۔ کیا زینت و نظافت اور شان و شوکت کے واسطے خصوصاً روز جمعہ جو سید الایام ہے شطرنجیوں وغیرہ کا بچھانا افضل ہے یا چٹائیوں پر نماز پڑھنا افضل ہے۔

**الجواب:** یہ کہنا کہ دری یا غالیچہ پر نماز ناجائز ہے محض غلط ہے کہ نماز کے لئے چٹائی ہونا ضرور نہیں اور کسی کتاب میں ایسا مذکور نہیں۔ کپڑے کی قسم سے کسی چیز کو بچھا کر نماز کا جائز ہونا کتب فقہ میں مذکور ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دری بھی اسی قبیل سے ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے باب الصلاۃ علی الفراش وصلی انس بن مالک علی فراشہ وقال انس کنا نصلی مع النبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فیسجد احدنا علی ثوبہ۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ زمین پر نماز پڑھے اس کے بعد چٹائی کا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد دری اور کپڑے پر پڑھنے کا۔ لہٰذا دری پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** مرسلہ خادم العلماء خلیل الرحمٰن مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کچی باغ بنارس۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص پیشہ کناسی کرتے ہیں اور کفار کے گھروں کے بول و براز صاف کرتے ہیں اور کفار کی تقریبات میں شہنائی بجاتے ہیں یہی ان کا ذریعہ معاش ہے چنانچہ ان لوگوں کو منع کیا گیا کہ یہ پیشہ شہنائی حرام ہے اس سے باز آجاؤ اور مساجد میں آکر صفوں میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ پیشہ کناسی پر بھی ملازمت ملتی ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو مسجد میں آکر لوٹے سے پانی بھر کر وضو کرنا۔ اور صفوں میں مل کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم لوگ پیشہ کناسی سے اپنی زندگی بسر کرو۔ یا کوئی دوسرا پیشہ اختیار کرو۔ تو ہم لوگ تمہاری اعانت کریں گے۔ اور تمہارے خورد و نوش کا انتظام بھی کر دیں گے تاکہ مسلمانوں میں کوئی فتنہ نہ پیدا ہو۔ مگر جو لوگ ان کو ورغلائے ہوئے ہیں کہ تم جو پیشہ بھی اختیار کرو۔ مسجد میں آنے اور نماز پڑھنے سے مانع نہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کے لئے ازروئے شرع کیا حکم ہے۔ بینوا بالکتاب توجروا بالصواب

Marfat.com

**الجواب:**۔ بول و براز صاف کرنے کا پیشہ نا جائز بھی ہے اور نہائت درجہ کی دنائت ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو قبروں پر گذر فرمایا اس وقت ارشاد فرمایا یعذبان وما یعذبان فی کبیر اما احدھما فیمشی بالنمیمۃ واما الآخر فلا یستنزہ من البول ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی ایسی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا ہے جس سے بچنا دشوار ہو۔ ان میں ایک چغلخور ہے اور دوسرا پیشاب سے بچتا نہ تھا۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہوا استنزھوا من البول پیشاب سے بچو ظاہر ہے کہ پیشاب سے بے احتیاطی کرنا اور اس کی چھینٹوں سے اجتناب نہ کرنا جب سبب عذاب ہے تو ان کا بالقصد اپنے کو بول و براز سے آلودہ کرنا کہاں تک ممنوع و قبیح ہوگا خصوصًا کافروں کی ایسی خدمت انجام دینا نہایت سخت معیوب و مذموم ہے مسلمانوں کو روا نہیں کہ اپنے کو کفار کے سامنے ذلیل صورت میں پیش کریں۔ خصوصًا ایسی حالت ۔۔۔۔ مسجد کا دروازہ ہر مسلمان کے لئے کھلا ہوا ہے جب کہ گندگی کے ساتھ نہ آئے تو اسے مسجد سے نہیں منع کیا جا سکتا۔ اگر وہ پاک و صاف ہو کر مسجد میں آئیں تو آسکتے ہیں۔ مگر جب کہ وہ بول و براز سے آلودہ ہونا اپنا پیشہ قرار دے چکے ہیں۔ تو اگرچہ بظاہر ان کے ہاتھ میں نجاست لگی ہونا معلوم نہیں مگر یہ اطمینان بھی نہیں کہ ہاتھ پاک ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان کے لوٹے چھونے سے ضرور کراہت پیدا ہوگی۔ اور ان کو چاہئے کہ اس سے بچیں اور مسلمانوں کو تشویش میں نہ ڈالیں۔ ان لوگوں پر لازم ہے کہ یہ نا جائز پیشہ ترک کریں۔ اور کوئی دوسرا جائز کام اختیار کریں خصوصًا ایسی حالت میں کہ دوسرے مسلمان ان کی خیر خواہی کی طرف متوجہ ہیں ان کی اعانت کے لئے تیار ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۲۴) جمعہ مسجد میں ایک رکعت پڑھنے کا جو ثواب ہے یہ صرف فرضوں کا ہے یا سنت اور نفل سب کا۔ یوں ہی غیر جمعہ مسجد میں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:**۔ نوافل گھر میں پڑھنا سب سے بہتر ہے مگر جو نفل مسجد کے ساتھ مخصوص ہو جیسے تحیۃ المسجد یا مسجد میں پڑھنا اس کے متعلق آیا ہو۔ جیسے نماز سفر و واپسی سفر سنتیں مسجد میں پڑھ سکتے ہیں مگر بہ نسبت گھر کے زیادہ ثواب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۲۵) مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت السلام علیکم کہنا چاہئے یا نہیں خواہ کوئی جواب دے یا نہ دے کیونکہ جو مشغول نماز و اذکار رہوں گے وہ جواب نہ دیں گے اور جو خالی ہوں گے جواب دینگے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:**۔ حاضرین پر سلام کرنا ہو تو اس وقت کرے جب وہ جواب دے سکتے ہوں یعنی نماز و وظیفہ میں مشغول نہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ** (۲۲۸) از بنارس مورخہ ۱۹ جمادی الاولی ۱۳۵۳ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ چند خاندانی مسلمان حلال خوروں کے ہیں وہ بچوں کے ختنے کراتے ہیں۔ اسلامی طریقہ پر اپنا نکاح کرتے ہیں۔ مُردوں پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ ان کو مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرتے ہیں۔ ذبیحہ کھاتے ہیں، مردار سے بچتے ہیں۔ ان حلال خوروں کی دو عورتیں مہاراجہ کے محل میں پاخانہ کماتی اور ایک عورت مسلمانوں کے یہاں یہ کام کرتی ہے۔ مردوں میں ایک بھی جھاڑو دینے یا پاخانہ کمانے کا پیشہ نہیں کرتا۔ مرد شہنائی بجاتے اور بانس کے پنکھے وغیرہ بناتے ہیں ان کے مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے کا کوئی معاملہ درپیش نہیں ہے۔ وہ وضو تک گھر سے کرکے جمعہ و جماعت اور عیدین کی ادائیگی کے لئے مسجدوں میں جانا چاہتے ہیں۔ علمائے بنارس مثلاً جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب خطیب جامع عالمگیری، جناب مولینا محمد یوسف عباس صاحب صدر المدرسین مدرسہ مطلع العلوم مولینا عبدالرحیم صاحب کچی باغ، مولینا عزیز احمد صاحب نائب مہتمم مدرسہ مطلع العلوم، مولینا محمد یحیٰی صاحب، مولینا نہال الدین صاحب، مولینا حکیم عبدالغفار صاحب امام مسجد چوک، مولینا حکیم محمد حسن صاحب رسول پورہ علوی پورہ شاگرد حضرت مولینا ظفرالدین صاحب فاضل بہاری اور ایک مستقل فتویٰ کچھوچھہ شریف سے بھی صادر ہوچکا ہے جس کے راقم مولینا عبدالرشید صاحب نیجوری اور مصدق حضرت مولینا شاہ سید محمد اشرف صاحبؒ ہیں بستی کی ایک مسجد کے مصلی جن میں ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں۔ اس مسجد میں مذکورہ حلال خوروں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ مولینا محمد ابراہیم صاحب خطیب جامع عالمگیری، مولینا محمد یوسف عباس صاحب اور متعدد علما بہتروں کا بیان لے چکے ہیں۔ ان کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ چکے ہیں۔ ان کو مسجدوں میں نماز پڑھنے کا حکم دے چکے ہیں۔

باوجود ان تمام باتوں کے کچھ مسلمان ان کے داخلہ مسجد کے خلاف ہیں۔ اس لئے از روئے شرع شریف مطلع فرمائیے کہ علمائے کرام کا فتویٰ اور طرز عمل درست ہے یا مخالف مسلمانوں کا اختلاف اور طرز عمل یعنی شریعت کے حکم کے مطابق مذکورہ حلال خوروں کو جمعہ و جماعت اور عیدین کے لئے مسجدوں میں آنے دینا چاہئے یا روکنا چاہئے۔ فقط۔

**الجواب**:۔ اس معاملہ کے متعلق یہاں متعدد بار سوالات آئے اور جوابات دیئے گئے۔ سوالات میں قدرے اختلافات تھے اور ظاہر ہے کہ جیسا سوال ہوگا اسی کے موافق جواب ہوگا۔ مگر اتنا ہر جواب میں لکھ دیا گیا ہے کہ اگر وہ پاک صاف ہوکر مسجد میں آئیں تو آسکتے ہیں۔ مسجد سے بلا وجہ شرعی کسی کو نہیں منع کیا جاسکتا۔ مسجد عبادت کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر بندہ جس کو شریعت مطلع

Marfat.com

نے یہاں آنے کی اجازت دی ہے۔ آسکتا ہے۔ یہاں قومیت کی کوئی تفریق نہیں۔ البتہ نجاست وگندگی و بدبو سے مسجد کو محفوظ رکھنا ضروری چیز ہے کہ یہ احترام مسجد کے خلاف ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلم طہارت و نظافت کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے آئے (اور وہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جن کو فقہائے کرام نے تحت نہی ملا یقربن داخل کیا ہے مثلاً صحابۂ کرام یا ائمہ عظام کی شان میں گستاخیاں کرنے والے) تو اس کو مسجد سے نہیں روکا جاسکتا۔ اور وہ جماعت میں شریک ہو سکتا ہے۔ چونکہ اس وقت جو سوال آیا ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ مرد نہ پاخانہ کماتے ہیں، نہ جھاڑو دینے کا پیشہ کرتے ہیں بلکہ ان کے کام دوسرے ہیں۔ صرف بعض عورتیں وہ کام کرتی ہیں اور وضو بھی وہ گھر سے کرکے آتے ہیں پس اس صورت میں وہ بلاشبہ مسجد میں آنے کے حق دار ہیں اور جمعہ وجماعت میں شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ نیک کام ہیں۔ ان سے ہرگز ان کو منع نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ ان کو یہ ضرور ہدایت کی جائے کہ ان کے یہاں کی جو عورتیں یہ ناجائز پیشے کرتی ہیں ان کو ترک کریں۔ اور شہنائی بجانا بھی حرام ہے اس سے وہ خود باز رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۳۲۸)** نماز میں جائے نماز پر اپنا رومال رکھنا چاہئے یا نہیں اور جوتا ولکڑی وغیرہ مسجد میں لانا درست ہے یا نہیں، بخوف حفاظت۔

**الجواب:۔** جائے نماز پر رومال رکھنے میں کوئی ہرج نہیں۔ مسجد میں جوتا یا لکڑی لانے میں ہرج نہیں۔ مگر جوتے سامنے یا مصلی کے دائیں جانب نہ رکھیں اور اگر سامنے رکھے تو اسے رومال وغیرہ سے چھپادے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۳۲۹)** مسؤلہ عبد الرؤف ساکن پیلی بھیت محلہ شہر محمد۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکے کا نماز کے واسطے مسجد میں آنا حرام ہے یا نہیں، جب کہ وہ پنجگانہ نمازی ہے۔

**مسئلہ** جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا واجب ہے یا نہیں۔ جب کہ اس کی عمر ۱۴ سال ہے اور کلام پاک پڑھ چکا ہے اور روزانہ کلام پاک کی تلاوت کرتا ہے۔ کپڑے وغیرہ سے ہر وقت پاک وصاف رہتا ہے۔ مذہب حنفی اہلسنت وجماعت ہے اور اس لڑکے سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسجد کے لوٹے سے وضو مت کرو۔ گھر سے وضو کرکے آؤ۔ ایسے عمر والے لڑکے کو اور ایسے پاک وصاف پنجگانہ نمازی کو گھر سے وضو کرنا چاہئے۔ یا مسجد میں۔ اگر وہ مسجد میں وضو کرتا ہے تو واجب ہے یا نہیں۔

Marfat.com

**مسئلہ** (۳۳۱) ان اشخاص کے واسطے احکام شرعیہ کیا ہیں جنھوں نے اس لڑکے کو مسجد میں آنے سے منع کیا۔ اور یہ کہا کہ تمہارا مسجد میں آنا حرام ہے اور تم مسجد میں مت آؤ اور اس کے دل کو صدمہ پہنچایا۔

**الجواب**:۔ اتنا بڑا نابالغ لڑکا جو نماز پڑھنا جانتا ہو جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔ مسجد میں آئے گا اور جماعت سے نماز پڑھے گا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے زمانہ اقدس سے آج تک مسلمانوں کا اسی پر عمل ہے۔ وہ صحابہ کرام جو زمانہ اقدس میں نابالغ تھے مثلاً عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ بخاری شریف وغیرہ کی حدیثیں اس پر شاہد ہیں۔ فقہا تمام کتابوں میں تصریح فرماتے ہیں کہ نابالغ لڑکے مردوں کے پیچھے کھڑے ہوں اور تنہا ہو تو مردوں کی صف میں بھی کھڑا ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں مسجد کا استثنا کسی کتاب میں نہیں۔ البتہ اتنا چھوٹا بچہ جس سے مسجد کے ناپاک ہونے کا گمان ہے اس کو مسجد میں نہ لے جانا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم مگر ایسے بچے نماز کے لئے نہیں جاتے ہیں جو نماز پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان کو مسجدوں سے روکنا ناجائز ہے اور ایسے بچوں کو مسجد میں آنا حرام بتانا شریعت پر افترا ہے ایسے قائل پر توبہ کرنا فرض ہے۔ وضو ہر شخص کو گھر سے کرکے آنا بہتر ہے اور مسجد میں جو جگہ وضو کے لئے ہے وہاں بھی وضو کرنا جائز ہے وہ نابالغ لڑکا بھی وہاں وضو کر سکتا ہے۔ بلا وجہ منع نہیں کر سکتے۔ واللہ تعالٰے اعلم۔

**مسئلہ** (۳۳۲) مرسلہ سید محمد زین الدین صاحب علوی خطیب الف کی مسجد احمد آباد ۵ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں دنیوی معاملات کی بابت تقریریں کرنا یا مشورہ یا گفتگو کرنا دو آدمی ہوں یا جماعت کثیر۔ ان پر شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ نیز آداب مسجد کیا ہیں مفصّل بحوالہ کتب واصل عبارت ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

آداب مسجد بہت ہیں ان کی تفصیل درکار ہو تو ہماری کتاب بہار شریعت حصہ سوم دیکھنا چاہئے۔ دنیا کی بات کرنا مسجد میں منع ہے بیہقی نے شعب الایمان میں حسن سے مرسلاً روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے یاتی علی الناس زمان یکون حدیثھم فی مساجدھم فی امر دنیاھم فلا تجالسوھم فلیس للہ فیھم حاجۃ۔ ایک وہ زمانہ آئے گا کہ لوگ دنیا کی بات مسجد میں کریں گے۔ تم لوگ ان کے ساتھ نہ بیٹھنا ایسے لوگوں کی اللہ تعالٰے کو کچھ پرواہ نہیں امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ مؤطا میں روایت کرتے ہیں بنی عمر رحبۃ فی ناحیۃ المسجد تسمی البطیحاء وقال من کان یرید ان یلغط او ینشد شعرا او یرفع صوتہ فلیخرج الی ھذہ الرحبۃ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ نے مسجد کے قریب

Marfat.com

میں ایک چبوترہ سا بنوا دیا تھا۔ اور فرمادیا کہ جس کو بے کار باتیں کرنی ہوں یا شعر پڑھنا ہو، یا آواز بلند کرنا ہو وہ اس چبوترہ پر چلا جائے۔ یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ شریف میں موجود ہیں۔ امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں فرمایا والکلام المباح فیہ مکروہ یأکل الحسنات مسجد میں مباح گفتگو بھی منع ہے ایسا کلام نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** مرسلہ بچو خاں بھیر الواں ڈاکخانہ ضلع رائے بریلی۔

کیا فرماتے ہیں علماء و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ یہ شعر جو ذیل میں تحریر ہے اس کو مسجد میں لگانا چاہیئے اور یہ شعر صحیح ہے یا غلط۔ بے نمازی کیسا ہے شعر یہ ہے:۔

شیطان ہزار درجہ بہتر زبے نماز! کو سجدہ پیش آدم وایں پیش حق نہ کرد

اس کا خلاصہ جواب باصواب عنایت کیا جاوے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** نماز کو قصداً چھوڑنا بہت سخت گناہ اور گناہ کبیرہ ہے اور بے نمازی فاسق ہے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ کافر نہیں ہے یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے اور شیطان لعین قطعاً یقیناً کافر ہے قرآن مجید کی نص قطعی ہے کہ، کان من الکافرین۔ بے نمازی اگرچہ نماز نہیں پڑھتا مگر اس کی فرضیت سے انکار نہیں کرتا۔ اور شیطان نے حکم الٰہی سے انکار کیا اور اسے غلط بتایا۔ لہٰذا بے نمازی کو شیطان کے برابر بھی نہیں کہا جا سکتا نہ کہ اس سے ہزار درجہ بدتر یہ شعر صحیح نہیں۔ اور اس کو مسجد میں نہ لگایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب خانقاہ برکاتیہ مالیگاؤں ناسک ۲ جمادی الآخرہ۔

۱۹ ربیع الاول کو جو استفتاء آپ کو روانہ کیا گیا وہ آپ کو ملا یا نہیں۔ اگر ملا ہے تو کب تک جواب آئے گا۔ مرض برص اور مرض جذامی سے شادی بیاہ، لڑکا لڑکی دینا لینا، ان سے خلط ملط رکھنا، ان کے ہاتھ کا بھرا ہوا پانی اور ان کے ساتھ کھانا پینا، ان کا جوٹھا کھانا، اور ان کے بدن سے بدن ملانا اور ان کو مسجد میں آنے دینے سے اور صف کے اندر کھڑے ہونے سے روکنا وغیرہ شرعاً درست ہے یا نہیں، شرعاً کیسا ہے۔ زید مفتی کہتا ہے کہ ایسے لوگوں سے اگر صف کے اندر داخل ہوں تو نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ زید کا کہنا آپ کی تحقیق میں صحیح ہے یا غلط۔

آپ کا بھیجا ہوا استفتاء ملا۔ میں اپنی بے فرصتی اور کمزوری کی وجہ سے اس کا جواب نہیں لکھ سکا۔ اب اسی کارڈ کے ساتھ اس کو بھی لکھ کر روانہ کرتا ہوں۔ کارڈ اور وہ لفافہ دونوں ایک ساتھ ڈاک میں روانہ ہوں گے۔

Marfat.com

مجذوم یا ابرص سے میل جول اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ناجائز نہیں۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجذوم کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ اور فرمایا کل ثقۃ باللہ، ہاں جو لوگ کمزور عقائد کے ہوں جن کو ان کے ساتھ مخالطت سے یہ خیال پیدا ہونے کا اندیشہ ہو کہ یہ بھی مبتلا ہو جائیں گے۔ ایسوں کے لئے بطور سد ذرائع بدعقیدگی یہ بھی فرمایا گیا ہے فر من المجذوم کما تفر من الاسد اور اسی قبیل سے ان کو مسجد میں آنے سے روکا جائے گا کہ ان کے آنے سے بعض مصلیوں کو پریشانی ہوگی۔ ردالمحتار میں ہے والمجذوم والابرص اولی بالالحاق مگر یہ لوگ اگر شریک جماعت ہو گئے تو نماز میں کراہت اور وہ بھی تحریمی کہنا غلط ہے۔ کراہت تحریم کی کوئی وجہ نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۲۵) از قصبہ میرگنج پٹیا ضلع بریلی مرسلہ جناب عبدالغفور صاحب انصاری۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسجد کی اینٹیں ناپاک جگہ پاخانہ میں لگائیں اور مسجد میں حقہ بھر کر پینا اور پلاتا ہے۔ لہٰذا شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:۔** مسجد کی اینٹوں کو پاخانہ میں نہیں لگانا چاہئے۔ علماء ومشائخ نے فرمایا کہ مسجد کا کوڑا نجاست کی جگہ نہ پھینکا جائے۔ جب کوڑے کے متعلق شریعت میں یہ ادب تحریر فرمایا گیا تو اینٹوں کو خاص پاخانہ میں لگانا کیوں کر ٹھیک ہو سکتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ وہ اینٹیں مسجد کی دیوار یا فرش میں لگی ہوئی تھیں۔ اور اگر مسجد کی اینٹوں سے یہ مراد ہے کہ مسجد کی ملک تھیں اور اس شخص نے ان کو خرید کر پاخانہ میں لگایا تو کوئی حرج نہیں۔ مسجد میں حقہ پینا نہیں چاہئے۔ خصوصاً وہ حقہ جس میں بدبو ہوتی ہے۔ اس سے ملائکہ کو ایذا ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا من اکل من ھذہ الشجرۃ الخبیثۃ فلا یقربن مسجدنا۔ کچا لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت فرمائی اور یہ فرمایا فان الملئکۃ تتاذی مما یتاذی بہ الانس کہ جس چیز سے انسان کو اذیت ہوتی ہے ملائکہ کو بھی اس سے تکلیف ہوتی ہے لہٰذا حقہ پینے والے کے منہ میں اگر بدبو ہو تو جب تک اسے زائل نہ کرے مسجد میں داخل ہونے کی اسے اجازت نہیں پس خاص اندرون مسجد حقہ پینے کی کیونکر اجازت دی جا سکتی ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ اہل عرف کے نزدیک یہ چیز احترام مسجد کے خلاف ہے جس طرح کہ پہلے زمانے میں مسجدوں کے اندر لوگ جوتے پہن کر آیا کرتے تھے مگر متاخرین کے عرف نے اس کو خلاف ادب قرار دیا۔ عالمگیری میں جوتا پہن کر مسجد میں آنے کو مکروہ فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۲۶) مرسلہ جناب عبدالغفور صاحب سکریٹری انجمن اشاعت الحق بنارس، ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں علم دین کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں۔ بعض لوگ جو یہ حدیث سنا دیا کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور کا رومال مسجد میں چھوٹ گیا دوبارہ جب آپ لینے کے لئے تشریف لے گئے تو خداوند قدوس نے فرمایا کہ اے میرے پیارے حبیب کیا مسجد کسی عبداللہ کا گھر ہے۔ یہ حدیث سنا کر بعض عوام کہتے ہیں کہ علم کی تعلیم بھی مسجد میں ناجائز ہے یہ حدیث موضوع ہے یا نہیں۔

مسجد میں علم دین کی تعلیم جائز ہے حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں مسجد نبوی میں علم دین کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور اس وقت سے لے کر اب تک دونوں حرم محترم میں علم دین کی تعلیم بلانکیر جاری ہے حدیثوں سے اس کا جواز ثابت ہے۔ صحیح مسلم شریف میں عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم صفہ میں تھے۔ ارشاد فرمایا ایکم یحب ان یغدو کل یوم الی بطحان او الی العقیق فیاتی بناقتین کوماوین فی غیر اثم ولا قطع رحم فقلنا یارسول اللہ کلنا نحب ذلک قال افلا یغدو احدکم الی المسجد فیعلم او یقرأ آیتین من کتاب اللہ خیر لہ من ناقتین وثلث خیر لہ من ثلث واربع خیر لہ من اربع ومن اعدادھن من الابل۔ یہ حدیث جو سوال میں مذکور ہے میری نظر سے نہیں گذری۔ بظاہر یہ موضوع معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ اگر کسی کی کوئی چیز مسجد میں چھوٹ جائے تو اس کے لینے کے لئے ضرور آدمی جا سکتا ہے اور اپنی چیز مسجد سے لا سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ اگر مسجد میں کوئی چیز رہ جائے تو اب اس کو وہاں سے لانا ممنوع ہے۔ یہ البتہ ہے کہ مسجد میں اپنی گمی ہوئی چیز کو پکار پکار کر لوگوں سے دریافت کرنا ممنوع ہے۔ اور حدیث میں اس کی ممانعت آئی۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا جو شخص کسی کو مسجد میں اپنی گمی ہوئی چیز کو پکارتا ہوا سنے یہ کہدے کہ اللہ اس کو تجھ پر واپس نہ کرے کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئیں۔ بالجملہ مسجد میں تعلیم جائز ہے مگر پڑھنے والوں اور پڑھانے والوں کو مسجد کا احترام ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

Marfat.com

# باب قضاء الفوائت

**مسئلہ** (۳۳۷) مرسلہ جناب محمد رمضان صاحب از آبو روڈ کھراڑی راجپوتانہ ۲۲ جمادی الآخر سنہ ۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر جماعت کی وجہ سے ظہر کی چار رکعت سنت چھوٹ جائے تو کب پڑھے زید رسالہ رکن دین کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ فتوی اسی پر ہے کہ فرض کے بعد فوراً پڑھے۔ بکر کہتا ہے کہ صورت مذکورہ میں، فرض کے بعد کی سنتوں کے بعد پڑھنا چاہئے اگر ایسا نہ کرے گا تو ترتیب جاتی رہے گی۔ بہتر یہی ہے کہ بعد کی سنتوں کے بعد پڑھے۔ اور میں رسالہ رکن دین کو نہیں مانتا جب تک علمائے اہلسنت تصدیق نہ کردیں کہ اس کے کل مسائل حنفی مذہب کے مطابق ہیں۔ کیونکہ آجکل لوگوں نے مسائل ملا دیئے ہیں جس طرح اسلام کی پہلی، دوسری، تیسری کتابیں ہیں۔ لہذا حقیقت حال سے مطلع فرمائیے بینوا توجروا۔

**الجواب**: ظہر کے قبل کی سنتیں جب کہ جماعت کی وجہ سے فوت ہوجائیں تو فرض کے بعد پڑھی جائیں گی۔ رہا یہ امر کہ پہلے یہ پڑھی جائیں یا سنت بعدیہ، اس میں روایتیں مختلف آئیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ پہلے بعد والی پڑھ لیں پھر چار قبل والی پڑھیں کہ قبلیہ تو بہرحال اپنی جگہ پر نہ رہیں پھر بعدیہ کو کیوں بلا وجہ اپنی جگہ سے ہٹائیں گے۔ نیز حدیث سے بھی یہی ثابت۔ امام ابن ہمام علیہ الرحمہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں والاولی تقدیم الرکعتین لان الاربع فاتت عن الموضع المسنون فلا تفوت الرکعتان ایضا عن موضعہما قصدا بلا ضرورۃ وقد روی عن عائشۃ انہ علیہ الصلوۃ والسلام اذا فاتتہ الاربع قبل الظہر قضاہا بعد الرکعتین قال الترمذی حدیث حسن غریب ولذا اتفقوا علی قضائہا کذالک۔ ردالمحتار میں ہے قال فی الامداد وفی فتاوی العتابی انہ المختار وفی مبسوط شیخ الاسلام انہ الاصح لحدیث عائشۃ انہ علیہ الصلوۃ والسلام کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظہر یصلیہن بعد الرکعتین وہو قول ابی حنیفۃ وکذا فی جامع قاضیخان۔ وہو تعالی اعلم۔

**مسئلہ** (۳۳۸) مسئولہ عبد الکریم از ضلع دربھنگہ ڈاکخانہ کمتول موضع بلبا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل میں زید کہتا ہے جس کو سنت فجر نہ ملی ہو وہ فرض کے بعد فوراً ادا کرے۔ اس لئے کہ اکثر ضروریات درپیش ہوتی رہتی ہیں ممکن ہے فوت ہوجائے اور عمرو کہتا ہے کہ طلوع آفتاب

Marfat.com

بعد پڑھے اس لئے کہ اس سے قبل کوئی نماز نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** فجر کے فرض پڑھے اور سنتیں نہ ملیں تو اب بعد فرض قبل طلوع آفتاب نہیں پڑھ سکتا، اگرچہ آفتاب طلوع ہونے میں دیر ہو۔ ہاں بعد بلندی آفتاب اگر چاہے تو پڑھ لے بہتر ہے، مگر اب سنت موکدہ نہ رہیں اور زید کا قول صحیح نہیں۔ اگر ضروریات کی وجہ سے بعد بلندی آفتاب نہ پڑھ سکا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ نہ سنت کا مطالبہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۲۳۹) کسی پر ایک دن کی نماز قضا باقی رہ گئی ہو تو بعد وفات پانچ وقتوں کا فدیہ نصف صاع گیہوں دینا چاہئے، یا وتر سمیت چھ وقتوں کا۔

**الجواب:** ہر روز کی چھ نمازوں کا فدیہ دینا چاہئے پانچ فرض اور ایک وتر کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۲۴۰) مسئولہ حاجی ایوب صاحب۔ از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد۔

زمانہ ناواقفیت میں جو نمازیں پڑھی گئیں ان میں واجب ترک ہوتا رہا۔ مثلاً قومہ نہ کرنا یا حالت سجود میں زمین سے دونوں پاؤں کے تین تین انگلیوں کے پیٹ نہ لگانا۔ تو ان نمازوں کا اعادہ واجب ہے یا نہیں۔

اسی طرح جو شخص فرض ترک کرتا رہا مثلاً پہلے وہ قراءۃ غلط کرتا ہو بعد میں اس نے تصحیح کرلی تو کیا گذشتہ نمازوں کی قضا فرض ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** جو نمازیں اس طرح پڑھیں کہ واجب ترک ہوا۔ ان کا اعادہ کرے۔ درمختار میں ہے کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا اور فرض ترک کیا تو نماز ہوئی ہی نہیں۔ فرض ذمہ پر باقی ہے۔ اور نہ جاننا عذر نہیں۔ اور قراءۃ اگر غلط پڑھتا تھا اور صحیح پڑھنے کی کوشش برابر کرتا رہا تو اس زمانہ کی نمازیں ہوگئیں اور اگر نہ صحیح پڑھا نہ پوری کوشش کی تو نہ ہوئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۲۴۱) از قصبہ فتح کھلڑا ضلع بلڈانہ سی پی مرسلہ محمد اسلم خاں۔ ۱۲ رجب ۱۳۴۶ھ

وقت کی نماز ادا کرنے کے بعد قضا یاد آئی تو کیا کرے۔

**الجواب:** ادا کرنے کے بعد قضا یاد آئی تو کوئی حرج نہیں اور درمیان میں یاد آئے اور وقت میں گنجائش ہو تو صاحب ترتیب[عہ] کی نماز جاتی رہے گی۔ اور صاحب ترتیب نہ ہو تو اس میں بھی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

عہ صاحب ترتیب وہ شخص ہے جس کے ذمہ پانچ وقت سے زائد نمازیں نہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ امجدی۔

Marfat.com

**مسئلہ** (۳۴۲) از موضع برہولی ڈاکخانہ مانک ضلع سلطانپور مرسلہ جناب خدا بخش صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص سے ایک وقت کی نماز قضا ہوگئی دوسرے وقت بھول کر وقتی سنت بغیر قضا پڑھے ہوئے شروع کر دی۔ اثنا نماز میں یاد آیا کہ اس سے پہلے وقت کی نماز قضا ہے تو کیا وہ فاسد ہوگئی یا صرف فرض ہی ہوتا ہے اور وہ ایک پڑھا ہے تو دو کر لے یا تین رکعت پڑھا ہے تو چار کر لے۔ یا نماز سنت میں قضا نماز کے سبب سے کچھ اثر نہیں ہوتا صرف فرض پر ہی ہوتا ہے اور وہ نماز نفل ہوتی ہے یا نہیں یا جتنی کی نیت کی ہے۔ اتنی پوری کر لے یا شفعہ پوری کر کے نماز سے نکل جائے۔

**الجواب:** صاحب ترتیب کے لئے لازم ہے کہ اگر وقت میں گنجائش ہو تو پہلے قضا پڑھے اسکے بعد وقتی ادا کرے۔ اور وقت میں گنجائش ہو اور یاد بھی ہو تو وقتی پڑھنا جائز نہیں۔ یوں ہی اگر اثنا نماز میں یاد آجائے تو وقتی جاتی رہی قضا پڑھ کر وقتی کو بعد میں پھر پڑھے۔ مگر سنت وقت میں اگر مشغول ہونے کے بعد قضا یاد آئی تو سنت فاسد نہ ہوگی۔ سنت پوری کرکے قضا پڑھے۔ پھر وقتی پڑھے۔ خلاصہ یہ کہ قضا سنت میں ترتیب واجب نہیں۔ درمختار میں ہے۔ الترتیب بین[ع] الفروض الخمسۃ والوتر اداء وقضاء لازم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ** (۳۴۳) از نجیب مرسلہ جناب میاں دین محمد صاحب نوشابی ۲۵؍ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زادہم اللہ شرفا وتعظیما مسئلہ ذیل میں۔

ماہ رمضان المبارک اخیر جمعہ کو قضاء عمری[ملہ] یعنی پانچ وقت فجر وظہر وعصر، مغرب وعشاء کی نمازیں بطور قضا پڑھنا اور یہ خیال کرنا کہ ماسبق کی فوت شدہ نمازیں ساقط ہوگئیں، کیسا ہے یا محض اس روز نوافل پڑھنا بغرض عبادت وفضیلت جمعہ

---

ع وجہ استدلال یہ ہے کہ کتب فقہ میں مفہوم مخالف معتبر ہے جب ترتیب فرائض اور وتر کے ساتھ ساتھ خاص ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ سنتوں میں ترتیب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ امجدی ملہ اس قضاء عمری کے ثبوت میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے من قضی صلوٰۃ من الفرائض فی آخر جمعۃ من رمضان کان ذالک جابرا لکل صلوٰۃ فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ۔ یہ حدیث باطل محض موضوع ہے۔ ملا علی قاری موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں باطل قطعا لانہ مناقض للاجماع علی ان شیئا من العبادات لا تقوم مقام فائتۃ سنوات۔ یہ حدیث قطعاً باطل ہے۔ اس لئے کہ یہ اس اجماع امت کے مناقض ہے کہ کوئی عبادت سالہا سال کی فوت شدہ کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔ اقول نیز یہ حدیث مناقض ہے اس صحیح حدیث کے جو صحیحین وغیرہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا من نسی صلوٰۃ فلیصلہا اذا ذکرہا لا کفارۃ لہا الا ذلک۔ جو کسی نماز کو بھول جائے (نہ پڑھی ہو) تو جب یاد آئے پڑھ لے۔ اس کے علاوہ اس کا اور کفارہ نہیں۔ بناء علیہ علامہ عبد الباقی زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں اقبح من ذالک ما اعتید فی بعض البلاد من صلوٰۃ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

**الجواب:** جتنی نمازیں قضا ہوئی ہوں ہر ایک نماز کی جگہ ایک ایک نماز پڑھنا فرض ہے۔ مثلاً اگر پچاس وقت کی نماز ظہر نہیں پڑھی ہے تو قضا میں پچاس ظہر پڑھنا فرض ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ فقط ایک ظہر سے کل ظہر کی قضا ادا ہو جائے۔ اس لئے کہ قضا کے معنی تسلیم مثل الواجب ہیں اور ظاہر ہے کہ پچاس نمازوں کی مثل ایک نماز نہیں۔ درمختار میں قضا کی یہ تعریف مذکور ہے والقضاء فعل الواجب بعد وقتہ تو ایک نماز پڑھنے میں ایک واجب کا فعل ہوا تو ایک ہی کی قضا ہوئی عمر بھر کی تمام قضاؤں کے عوض میں ایک نماز نہیں ہو سکتی۔ اس تعریف کی بنا پر بھی جتنے واجبات ذمہ میں ہوں سب جب تک نہ پڑھے جائیں سب کی قضا نہ ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کل صلوٰۃ فاتت عن الوقت بعد وجوبھا فیہ یلزمہ قضاءھا۔ لہٰذا یہ خیال محض لغو ہے۔ کہ ایک نماز سے عمر بھر کی نمازوں کی قضا ادا ہو جائے گی اور قضائے عمری کی نیت سے جو نماز پڑھی ہے وہ عمر بھر کی قضاؤں کے قائم مقام تو ہوئی نہیں مگر اس سے ایک نماز بھی ذمہ سے ساقط ہوئی یا نہیں اگر اس کے ذمہ متعدد قضا نمازیں ہیں، اور قضاء عمری میں یہ نیت ہے کہ عمر بھر کی مثلاً ظہر کی قضا نمازیں پڑھتا ہوں کسی خاص دن کے ظہر کی نیت نہ کی تو اس نیت سے پڑھنے میں ایک وقت کی بھی قضا نہ ہوئی کہ قضا میں تعیین نماز کی نیت شرط ہے۔ مثلاً فلاں دن کی فلاں نماز۔ اور مطلق ظہر میں چونکہ تعیین وتخصیص نہیں۔ لہٰذا فرض ذمہ سے ساقط نہیں۔ درمختار میں ولا بد من التعیین عند النیۃ لفرض انہ ظھر او عصر قرنہ بالیوم او الوقت اولا ھو الاصح ولو الفرض قضاء لکنہ یعین ظھر یوم کذا علی المعتمد۔ اسی واسطے فقہا فرماتے ہیں جس کے ذمہ متعدد نمازیں ہوں اور دن یاد نہ ہوں وہ قضا میں یہ نیت کرے کہ سب سے پہلی یا سب میں پچھلی فلاں نماز جو میرے ذمہ ہے وہ پڑھتا ہوں کہ اس صورت میں تعیین وتخصیص ہو گئی۔ ہر نماز میں یہی نیت کرے کہ جو پڑھ چکا اب اس کے بعد والی سب میں پہلی یا پچھلی ایک ہی ہوگی۔ درمختار میں ہے والاسھل نیۃ اول ظھر علیہ او آخر ظھر پھر اگر اس نے تعیین کر بھی لی اور یہ نماز جماعت سے ہو تو ہو سکتا ہے کہ امام نے جس خاص دن کی نماز کی نیت کی، اس خاص نماز کی نیت اس نے نہیں کی ہے۔ مثلاً اس روز کی نماز اس کے ذمہ باقی ہی نہیں، یا ہے مگر اس نے اس کی نیت نہیں کی بلکہ اس نے دوسرے دن کی نماز کی نیت کی ہے تو اگرچہ اس نے خاص نماز کی نیت کی مگر چونکہ اقتدا کے لئے اتحاد نماز شرط ہے اور یہ شرط مفقود ہے

---

بقیہ ۱؎ فی ھذہ الجمعۃ عقب صلاتھا زاعمین انھا تکفر صلوات العام او العمر المتروکۃ حرام بوجوہ لا تخفی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض جگہ عادت ہے کہ اس جمعہ (جمعۃ الوداع) کو نماز جمعہ کے بعد پانچوں نمازیں پڑھتے ہیں۔ یہ گمان کرکے کہ سال بھر یا عمر بھر کی چھوٹی ہوئی نمازوں کا کفارہ ہے۔ یہ حرام ہے متعدد وجوہ سے۔ جو ظاہر ہیں۔ یہ وجوہ اصل فتوے میں مفصل موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

لہٰذا اس کی نماز نہ ہوئی۔ درمختار شرائط اقتدا میں ہے واتحاد مکانهما نورالایضاح میں ہے وان لا یکون مصلیاً فرضا غیر فرضہ بالجملہ یہ بہت نادر ہوگا کہ قضاء عمری میں امام اور تمام مقتدیوں نے ایک ہی دن کی نماز کی نیت باندھی ہو اور جب ایسا نہ ہو تو یہ نماز نفل ہوگی جس کو جماعت سے ادا کرتے ہیں اور نماز نفل باجماعت تداعی کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے اور تداعی کے معنی یہ ہیں کہ چار یا چار سے زیادہ مقتدی ہوں۔ درمختار میں ہے یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد اسی واسطے فقہائے کرام صلاۃ الرغائب کہ رجب کی پہلی شب جمعہ میں نوافل باجماعت پڑھتے ہیں مکروہ کہتے ہیں یوں ہیں شب برات یا شب قدر میں نوافل باجماعت تداعی کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے یکرہ الاقتداء فی صلاۃ الرغائب براءۃ وقدر۔ ردالمحتار میں حموی سے ہے وقد صنف العلماء کتبا فی انکارها وذمها وتسفیه فاعلها ولا یغتر بکثرۃ الفاعلین لها فی کثیر من الامصار۔ البتہ یہ متبرک راتیں ہیں۔ ان میں کثرت عبادت مرغوب ہے تنہا نوافل پڑھیں اور جماعت سے پڑھیں تو چار مقتدی نہ ہوں یا دیگر امور خیر کریں، تلاوت قرآن مجید، درود شریف، ذکر الٰہی، وعظ وتذکیر وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

# باب سجود السہو

**مسئلہ (۳۴۴)** مرسلہ مولوی قادر بخش صاحب از چوہڑکوٹ تحصیل بارکھان بلوچستان غرہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ

چوں مقتدی در پسِ امام سہواً ترک واجب کرد، وسجدہ سہو را نکرد، بنا برایں کہ فقہائے کرام فرمودہ :- لا سہو علی المقتدی آیا بسبب ترک واجب ونقصان، کہ بوجہ ترک لازم شدہ است اعادہ نماز بر مقتدی لازم آید؟

**الجواب:** چوں از مقتدی سہواً ترک واجب واقع شد، نہ بروے سجدہ سہو واجب است، نہ اعادہ نماز۔ اعادہ در آں صورت واجب است کہ عمداً ترک واجب کند، یا او از جانب شرع بسجدہ سہو مامور بود ونکند، خواہ نکردن از سہو بود، یا بالقصد یا واجب بود مگر بسبب عدم صلاحیت وقت ساقط شد۔ وایں جا ہیچ از اسباب اعادہ متحقق نہ شدہ۔ درعامہ متون مذکور است ویجب علی المقتدی بسہو امامہ لا بسہوہ اھ ثم قال فی النہر ثم مقتضی کلامہم انہ یعید ما لثبوت الکراہۃ مع تعذر الجابر اھ واقرہ العلامۃ ابن عابدین اقول

وھو سہو منہم اما **اولاً** فلان العلامۃ الشامی نفسہ صرح فیما اذا اسقط سجود السہو بلا صنعہ لا یلزم علیہ الاعادۃ فکیف یحکم بوجوب الاعادۃ فی ھذہ الصورۃ مع انہ لم یجب علیہ اصلا و **ثانیاً** ھذا لیس بمقتضی کلامہم فانہم لم یصرحوا بثبوت الکلام حتی فی ھذہ الصورۃ حتی یلزم الاعادۃ۔ و **ثالثاً** صرح فی رد المحتار فی واجبات الصلوٰۃ تحت قول الشارح تعاد وجوبا فی العمد والسہو ان لم یسجد لہ وینبغی تقیید وجوب الاعادۃ بما اذا لم یکن الترک لعذر کالامی او من اسلم فی آخر الوقت قبل ان یتعلم الفاتحۃ فلا تلزمہ الاعادۃ اھ وانت تعلم انہ فی ھذہ الصورۃ معذور وعذرہ معتبر شرعًا وبھذا بسبب لم یجب علیہ السجود فلیس علیہ الاعادۃ وقال فی واجبات الصلوٰۃ لو قرأ خلفنا مالہ کرہ تحریما ولا تفسد فی الاصح کما قیل باب الامامۃ ولا یلزمہ سجود سہو لو قرأ سہوا فانہ لا سہو علی المقتدی وھل یلزم المعتمد الاعادۃ جزم وتبعہ بوجوبہا فعلم ان الاعادۃ علی المقتدی فی صورۃ العمد لا فی صورۃ السہو وایضا قال فی باب سجود السہو والظاھر ان المقتدی تجب علیہ الاعادۃ کما لو اتکان استوطن بفعل العمد تقرر النقصان بلا جابر من غیر عذر فعلم ان تقرر النقصان بلا جابر اذا کان لعذر۔ وفی السنن عن امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیس علی من خلف الامام سہو فان سہا فعلیہ وعلی من خلفہ۔ فھنا نفی السہو عن المقتدی والظاھر ان النفی نفی الحکم لا نفی الوقوع کما دلت علیہ کلمۃ علی فمعنی الحدیث ان سہو المقتدی لیس لہ حکم ای لیس علیہ السجود ولا الاعادۃ وایضا قال الامام ملک العلماء فی البدائع المقتدی اذا سہا فی صلاتہ فلا سہو علیہ اھ ومعنی ھذا الکلام کما عرفت انہ لیس علیہ السجود ولا الاعادۃ۔ وایضا قال الامام ابو جعفر الطحاوی فی شرح معانی الآثار فی مسئلۃ اقتداء المفترض بالمتنفل اما حکمہ بطریق النظر فانا قد رأینا صلاۃ المامومین مضمنۃ بصلاۃ امامہم بصحتہا وفسادہا لوجب ذلک النظر الصحیح۔ من ذالک انا رأینا الامام اذا سہا وجب علی من خلفہ من السہو ما وجب علیہ ولو سہوا ھم ولم یسہ ھو۔ لم یجب علیہم ما یجب علی الامام اذا سہا ام ولا یخفی علیک ان الامام اذا سہا یجب علیہ السجود فاذا لم یسجد یجب علیہ الاعادۃ وتری ان ھذا الامام الھمام ینفی عن المقتدی ما یجب علی الامام فی السہو فانتفی الامران السجود والاعادۃ وایضا قال بعد ھذا الکلام ثبت ان المامومین یجب علیہم حکم السہو بسہو الامام وینتفی عنہم حکم السہو بانتفائہ عن الامام اھ وھذا اصرح من الاول لان حکم سہو المقتدی منتف عن الامام فاذا انتفی عن الامام فقد انتفی

مع الامام علیہ الاعادۃ وھنا کذلک الظاھر فی الزوارق السندیۃ والبیہقی

Marfat.com

عن المقتدی فی ذا انتفی الحکم راسا فکما لایجب السجود لایجب علیہ الاعادۃ وان اردت اصرح من ھذا تکلمہ فاعلم ان الامام شمس الائمۃ السرخسی قال فی المبسوط سھو المقتدی متعطل اھ وقال الامام ملک العلماء فی البدائع لان سھوہ سھو المقتدی وسھو المقتدی متعطل اھ وایضا قال لانہ مقتد وسھو المقتدی باطل اھ فاذا کان سھوہ متعطلا وباطلا فکیف یلزمہ الاعادۃ لانا اذا حکمنا بالاعادۃ فلم یتعطل ولم یبطل فقد عرفت بحمد اللہ تعالی ان صرائح نصوصھم تحکم بعدم الاعادۃ علی خلاف ما قال صاحب النھر ان مقتضی کلامھم انہ یعید لان الاعادۃ لیس مقتضی کلامھم بل مخالف لنصوصھا تم وللہ الحمد۔ واللہ تعالی اعلم۔

**مسئلہ (۳۴۵)** مسئولہ مولوی احسان علی صاحب طالبعلم مدرسہ اہلسنت بریلی ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ

امام اگر نماز جہری میں آہستہ پڑھ جائے تو سجدہ سہو ہوگا یا نہیں۔

**الجواب:** سجدہ سہو واجب ہوگا جب کہ ایک آیت کے قدر پڑھ لیا ہو۔ لترک الواجب۔ یہ اس صورت میں ہے کہ سہو ایسا ہوا اور قصداً ایسا کیا تو اعادہ واجب کہ سجدہ سہو اسی وقت کافی ہوتا ہے جب سہواً ترک واجب ہوا اور قصداً ترک واجب میں سجدہ سہو نقصان کو پورا نہیں کرسکتا۔ والمسئلۃ مصرحۃ بھا فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر والامر بین لایحتاج الی البیان فان ھذہ السجدۃ تسمی بسجدۃ السھو واذا ترک الواجب عمدا لم یوجد السھو فکیف یسجد لانہ متفرع علی السھو۔ واللہ تعالی اعلم۔

**مسئلہ (۳۴۶)** مسئولہ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب ساکن ٹرلی ضلع ہوشنگ آباد ۸ شوال ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بحالت نماز سجدہ میں دونوں پاؤں کی تین تین انگلیاں کے پیٹ زمین سے لگانا واجب ہے جیسا کہ بہار شریعت میں ہے۔ لیکن اگر چہ سے کم انگلیاں لگے تو اس ترک واجب پر سجدہ سہو کرنا چاہئے یا نہیں نیز ایک انگوٹھا یا دو تین انگلیوں کا سرا زمین سے لگے تو کیا حکم ہے۔

**الجواب:** واجبات نماز سے ہر واجب کے ترک کا یہی حکم ہے کہ اگر سہواً ہو تو سجدہ سہو واجب، اور اگر سجدہ سہو نہ کیا، یا قصداً واجب کو ترک کیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ درمختار میں ہے وتعاد وجوبا فی العمد والسھو ان لم یسجد لہ نیز اسی میں ہے یجب لہ سجدتان بترک واجب سھوا فلا سجود فی العمد اور ایک انگلی بھی اگر زمین پر نہ لگائی تو نماز ہی نہ ہوئی، کہ ایک انگلی کا پیٹ لگنا فرض ہے۔ درمختار میں ہے۔ وضع اصبع واحد منھا شرط۔ واللہ تعالی اعلم

Marfat.com

**مسئلہ** (۳۴۷) مسئولہ حافظ حسین الدین صاحب محلہ ملوکپور بریلی شریف۔ ۹ جمادی الاولیٰ ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر امام کو قرات میں سہو ہوا اور مقتدی لقمہ دے تو امام لقمہ قبول کرے گا یا نہیں۔ اگر قبول کرے تو سجدہ سہو کرے گا یا نہیں اگر سجدہ سہو نہ کیا تو نماز ہوگی یا نہیں۔

**الجواب**:۔ قرات میں اگر ایسی غلطی ہوئی جس سے نماز فاسد ہوتی ہے جب تو اصلاح نماز کے لئے لقمہ ضرور ہے اور اگر ایسی غلطی نہیں جب بھی صحیح لقمہ دے سکتا ہے۔ اور امام لے سکتا ہے۔ اگرچہ تین آیتیں پڑھ چکا ہو۔ اور اس صورت میں سجدۂ سہو نہیں۔ سجدہ سہو اوس صورت میں ہے کہ ترک واجب سہواً ہوا ہو، درمختار میں ہے بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لا یفسد مطلقا لفاتح و اٰخذ بکل حال۔ ردالمحتار میں ہے سواء قرا الامام قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ ام لا انتقل الی اٰیۃ اخری ام لا تکرر الفتح ام لا ھو الاصح ۔نھر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۴۸) مرسلہ دل محمد صاحب حامدی رودی از شہر ہوڑہ محلہ پھانسی تلہ ۱۲ شعبان ۴۲ھ

نماز تراویح میں امام کو کسی نے لقمہ دیا تو امام کو سجدۂ سہو کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۳۴۹) نماز پنجگانہ میں امام سے کوئی آیت یا لفظ چھوٹ جائے تو پھر اوپر سے پڑھے اور سجدہ سہو نہ کرے نماز ہو جائے گی۔

**الجواب**:۔ نماز تراویح میں امام سے غلطی ہوئی اور کسی نے صحیح لقمہ دیا تو سجدہ سہو واجب نہیں۔ وہو تعالیٰ اعلم۔

آیت یا لفظ چھوٹ گئے اور یاد آگئے تو لے پڑھ لینا چاہیے اور سجدۂ سہو اس صورت میں بھی نہیں۔ سجدۂ سہو اس وقت واجب ہوتا ہے کہ کوئی واجبِ نماز بھول کر ترک ہو جائے۔ وہو تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۵۰، ۳۵۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔

•۔ امام نے قرات میں تقدیم و تاخیر کی ہے تو نماز کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں۔

•۔ امام نے نماز میں تین آیتیں پڑھی ہیں۔ اس کے بعد ایک آیت چھوڑ دی تو اس وقت لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں اور نماز لوٹانا ہوگی یا نہیں۔

**الجواب**:۔ سورتوں کو با ترتیب پڑھنا۔ ۔ واجب ہے۔ درمختار میں ہے ویکرہ ان یقرأ منکوسا۔ ردالمحتار

Marfat.com

میں ہے بان یقرأ فی الثانیۃ سورۃ اعلی مماقرأ فی الاولی لان ترتیب السور فی القراءۃ من واجبات التلاوۃ۔ مگر چوں کہ یہ واجبات تلاوت سے ہے واجبات نماز سے نہیں۔ لہٰذا نماز واجب الاعادہ نہ ہوگی کہ اعادہ نماز کا وجوب ترک واجبات صلاۃ میں ہے۔ ہاں قصداً ایسا کرے تو گنہگار ہوگا اور سہواً ہوا تو کراہت نہیں، بلکہ شروع کر دینے کے بعد یاد آیا تو اب اسے نہ چھوڑے۔ درمختار میں ہے قرأ فی الاولی الکٰفرون وفی الثانیۃ الم تر او تبت ثم ذکر یتم رد المحتار میں فرمایا افاد ان التنکیس انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سہوا فلا کما فی شرح المنیۃ۔ اگر یہ واجبات نماز سے ہوتا تو سہواً ترک ہونے پر سجدۂ سہو لازم ہوتا، مگر لازم نہیں تو اعادہ بھی واجب نہیں کہ اعادہ کا حکم اوسی میں ہے۔ نیز اسی رد المحتار میں ہے فلو قرأ منکوسا اثم لکن لا یلزمہ سجود السہو لان ذالک من واجبات القراءۃ لا من واجبات الصلوٰۃ کما ذکرہ فی البحر فی باب السہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**الجواب ۲:** امام سے غلطی ہوئی تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے تین آیت کے پہلے ہو یا بعد، بلکہ اگر وہ غلطی مفسد نماز ہے تو بتانا ضرور ہے۔ ورنہ نماز جاتی رہے گی۔ اور پہلی صورت میں نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ (۳۵۲)** از سکندر پور ضلع بلیا مرسلہ جناب حکیم احمد حسین صاحب۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں بعض حضرات یہ دعا پڑھا کرتے ہیں اللّٰھم اغفر لی وارحمنی واھدنی وارزقنی۔ مگر جناب نے اس کو بہار شریعت میں نہیں لکھا ہے۔ بلکہ شاید دونوں سجدوں کے درمیان صرف سبحان اللّٰہ ایک بار کہنے تک کا وقفہ لکھا ہے اگر اس سے زیادہ دیر ہوگئی تو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ اگر فرصت ہو تو براہ کرم دو کلمہ تحریر ہو۔

**الجواب:** قومہ اور جلسہ میں بقدر ایک تسبیح کے وقفہ سنت ہے۔ اور امام ابن ہمام کے نزدیک واجب اور امام ابو یوسف کے نزدیک فرض۔ درمختار بیان واجبات میں ہے وتعدیل الارکان ای تسکین الجوارح قدر تسبیحۃ فی الرکوع والسجود وکذا فی الرفع منھما علی ما اختارہ الکمال وعند الثانی الاربعۃ فرض اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اللّٰھم اغفر لی کہنا فرض ہے اور ہمارے مذہب میں فرائض نماز کے قومہ اور جلسہ میں کوئی ذکر مسنون نہیں اگر اللّٰھم اغفر لی کہہ لیا جائے تو کراہت بھی نہیں بلکہ نظر بقواعد مذہب مستحب ہونا چاہئے۔ تو جب اپنے مذہب میں کوئی چیز ممنوع نہ ہو اور دوسرے مذہب میں فرض و واجب ہو تو ایسی چیز پر عمل کرنا اختلاف سے بچنے کی وجہ سے اولٰی ہے۔ درمختار میں ہے۔ ولیس بینھما (ای بین السجدتین) ذکر مسنون وکذا لیس بعد رفعہ من الرکوع دعاء الی المذھب وما ورد محمول علی النفل۔ اور رد المحتار میں ہے

Marfat.com

قال ابو یوسف سألت الامام ایقول الرجل اذا رفع راسہ من الرکوع والسجود اللھم اغفرلی قال یقول ربنا لک الحمد وسکت
ولقد احسن فی الجواب اذلم ینہ عن الاستغفار۔ نھر وغیرہ **اقول** بن فیہ اشارۃ الی انہ غیر مکروہ اذا لوکان مکروھاً
لنھی عنہ کما ینھی عن القراءۃ فی الرکوع والسجود وعدم کونہ مسنونا لاینافی الجواز کالتسمیۃ بین الفاتحۃ والسورۃ بل ینبغی
ان یندب الدعاء بالمغفرۃ بین السجدتین خروجاً من خلاف الامام احمد لابطالہ الصلوۃ بترکہ عامدا ولم ار من صرح
بذالک عندنا لکن صرحوا باستحباب مراعاۃ الخلاف۔ نیز اسی میں ہے ثم الحمل المذکور (علی النوافل) صرح بہ
المشائخ فی الوارد فی الرکوع والسجود وصرح بہ فی الحلیۃ فی الوارد فی القومۃ والجلسۃ وقال علی انہ ان ثبت
فی المکتوبۃ فلیکن فی حالۃ الانفراد والجماعۃ والماموموں محصورون لایتثقلون بذالک کما نص علیہ الشافعیۃ
ولا ضرر فی التزامہ وان لم یصرح بہ مشائخنا فان القواعد الشرعیۃ لاتنبوعنہ جو دعا سوال میں مذکور ہے یہ
حدیث ابو داؤد میں بین السجدتین وارد ہے اور اس میں ' وارحمنی ' کے بعد ' عافنی ' بھی ہے۔ بالجملہ صورت مذکورہ میں سجدۂ
سہو واجب نہیں کہ مکروہ ہونا ثابت نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۵۳) از قصبہ فتح گھلاڈا ضلع بلڈانہ سی پی، مرسلہ محمد اسلم خاں ۱۲ ر رجب ۴۶ھ

قرات میں نماز کے اندر کسی نے کوئی کلمہ دو بار، یا سہ بار، دہرا دیا تو کیا سجدہ سہو کرے گا یا درمیان قرات میں کوئی لفظ یا آیت چھوڑ دی تو کیا حکم ہے۔

**الجواب:** اگر غلطی سے دہرایا یا شبہ پڑ گیا تو نماز میں حرج نہیں اور قصداً دہرایا اور معنی فاسد ہو گئے تو نماز جاتی رہی جیسے رب رب العالمین ورنہ ہو گئی جیسے الرحمن الرحیم کی تکرار ہر جگہ صحت معنی و فساد معنی کا اعتبار ہے معنی فاسد ہونے کی صورت میں نماز فاسد، ورنہ ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۵۴) از رنگون مرسلہ جناب ایس ایم علی حسین صاحب ۱۲ ر ذی الحجہ ۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ اگر امام نماز جمعہ کے اندر نیت باندھ کر بعد تکبیر تحریمہ کے بجائے سورۂ فاتحہ بھول سے پہلے سبح اسم با آواز بلند پڑھے اور پھر یاد آ جانے پر سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۂ مذکور کو یعنی سبح للہ مافی السموات پڑھ کر دونوں رکعتیں باقاعدہ ادا کرے تو کیا ان صورتوں میں امام کو سجدۂ سہو لازم آئے گا یا نہیں بینوا توجروا

**الجواب:** فقط اتنا پڑھنے پر سجدۂ سہو واجب نہیں۔ ہاں اگر ایک آیت پڑھ لیتا تو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا۔ اور بعض

Marfat.com

ائمہ نے فرمایا ہے کہ ایک حرف کا پڑھنا بھی موجب سجدہ سہو ہے عالمگیری میں ہے ومن سہا عن فاتحۃ الکتاب فی الاولیٰ او فی الثانیۃ وتذکر بعد ما قرأ بعض السورۃ یعود فیقرأ بالفاتحۃ ثم بالسورۃ قال الفقیہ ابو اللیث یلزمہ سجود السہو وان کان قرأ حرفا ۔ مگر صحیح یہ ہے کہ حرف سے مراد وہ مقدار ہے جس سے ایک رکن ادا ہو جاتا ہے یعنی ایک آیت اور اس سے کم میں سجدۂ سہو واجب نہیں۔ ردالمحتار میں ہے قالوا لو قرأ حرفا من السورۃ ساھیا ثم تذکر یقرأ الفاتحۃ ثم السورۃ ویلزمہ سجود السہو بحر وھل المراد بالحرف حقیقۃ او الکلمۃ یراجع ثم رأیت فی سہو البحر قال بعد ما مر وفیہ ۔ وفی فتح القدیر بان یکون مقدار ما یتادی بہ رکن اھ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۲۵۵)** مسئولہ مولوی سید رشید الدین صاحب بریلوی۔ ۲۱ر صفر ۱۳۴۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل میں۔

کیا ادائے سجدہ سہو کی حنفیہ کے نزدیک چار صورتیں حسب ذیل ہیں یا نہیں۔

اول۔ طریقہ عام یعنی صرف التحیات پڑھ کر اور ایک طرف (داہنے) سلام پھیر کر دو سجدہ سہو کرکے دوبارہ التحیات پڑھ کر درود شریف اور دعا بھی پڑھے اور دونوں طرف سلام پھیر دے۔ دوسرا۔ طریقہ یہ ہے کہ اول التحیات اور درود شریف اور دعا سب پڑھ کر حسب سابق صرف داہنی طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرکے دوبارہ صرف التحیات پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیر دے۔ تیسرا طریقہ یہ کہ اول میں التحیات اور درود اور دعا سب پڑھ کر ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے اور دوبارہ بھی سب التحیات درود و دعا پڑھے اور پھر دونوں طرف سلام پھیرے۔ چنانچہ اس تیسری صورت کے متعلق مولوی رکن الدین صاحب الوری رسالہ رکن الدین میں لکھتے ہیں۔ بحوالہ فتاویٰ عالمگیری۔

سوال:۔ پہلے قعدہ میں سجدہ سہو سے پہلے درود اور دعا بھی پڑھے یا صرف تشہد ہی پڑھ کر ایک طرف سلام پھیر دے۔

جواب:۔ دونوں ہی قعدوں میں درود اور دعا پڑھنا زیادہ احتیاط رکھتا ہے۔ نیز یاد پڑتا ہے کہ بہار شریعت میں بھی یہ صورت مرقوم ہے۔ یہاں کتاب مذکورہ موجود نہیں۔ اس صورتِ ثالثہ کے متعلق زید کا کہنا یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک یہ اور اوپر کی دونوں صورتیں سب جائز ہیں۔ مگر بکر یہ کہتا ہے کہ یہ تیسری صورت صرف شافعیوں کے نزدیک ہے حنفیوں کے نزدیک جائز نہیں یعنی یہ مسئلہ شافعیوں کا ہے حنفیوں کو اس پر عمل کرنا درست نہیں۔ چوتھی صورت جو مختلف فیہ اور ضعیف ہے وہ یہ ہے کہ دونوں طرف سلام پھیر کر پھر سجدہ سہو کرے اور پھر التحیات اور درود و دعا پڑھ کر پھر دونوں

Marfat.com

طرف سلام پھیرے۔ خاص کر تیسری صورت میں قول زید کا صحیح ہے یا بکر کا۔

**الجواب:** سجدہ سہو میں چند اختلافات ہیں حنفیہ کے نزدیک سلام کے بعد ہے اور شافعیہ کے نزدیک قبل سلام ہے اور امام مالک کے نزدیک اگر کسی کمی کے سبب سجدہ ہے تو قبل سلام ہے اور زیادتی کے سبب ہے تو بعد سلام۔

چنانچہ ترمذی شریف میں یہ اختلافات مذکور ہیں۔ حنفیہ میں پھر اختلاف ہے آیا ایک سلام کے بعد سجدہ ہونا چاہئے یا دو سلام کے بعد، قول جمہور یہ ہے کہ ایک سلام کے بعد ہونا چاہئے اور کافی میں اسی کو صواب فرمایا۔ اور امام شمس الائمہ اور امام صدر الاسلام نے دو سلام کو اختیار فرمایا۔ اور ہدایہ میں اس قول کی تصحیح کی جو ایک سلام کہتے ہیں۔ ان میں پھر اختلاف ہے کہ آیا داہنی طرف سلام پھیرنا چاہئے، یا سامنے کو، امام فخر الاسلام قائل ہیں کہ سامنے کو سلام کرے اور باقی ائمہ داہنی طرف کہتے ہیں۔ یہی راجح ہے۔ اور اسی پر عمل ہے۔ درمختار میں ہے بعد سلام واحد عن یمینہ فقط لانہ المعہود وبہ یحصل التحلیل وھو الاصح بحر عن المجتبیٰ سوال میں تین صورتیں جو پہلے تحریر کی ہیں سب درست ہیں ان میں سے کوئی صورت مکروہ بھی نہیں ہے۔ اور یہ سب مذہب حنفی کے مطابق ہیں صورت سوم کو مذہب شافعیہ بتانا اور یہ کہنا کہ حنفی کو اس پر عمل درست نہیں ہے بالکل غلط ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سجدہ کو قبل سلام کہتے ہیں اور اس صورت میں سجدہ بعد سلام ہے پھر ان کا مذہب کیسے ہو سکتا ہے۔ درود و دعا کے بارے میں اختلاف ہے کہ سجدہ سہو سے پہلے جو قعدہ ہے اس میں ہونا بہتر ہے یا اس قعدہ میں جو سجدہ کے بعد ہے۔ فتاویٰ امام قاضیخاں میں ہے من علیہ سہو یصلی علی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی القعدۃ الاولیٰ فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالےٰ وفی قول محمد رحمہ اللہ فی القعدۃ الثانیۃ والاحوط ان یصلی فی القعدتین۔ یعنی امام اعظم، اور ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے کہ سجدہ سے پہلے جو قعدہ ہے اس میں درود پڑھے اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ بعد کے قعدہ میں اور زیادہ احتیاط یہ ہے کہ دونوں میں پڑھے۔ درمختار میں ہے قیل فیہما احتیاطاً احتیاط یہ ہے کہ دونوں میں ہو، اور وجہ احتیاط یہ ہے کہ جو پہلے قعدہ میں پڑھنے کو فرماتے ہیں وہ دوسرے میں پڑھنے کو منع نہیں کرتے۔ اور جو دوسرے میں کہتے ہیں وہ پہلے میں منع نہیں کرتے۔ لہٰذا دونوں میں پڑھیں تاکہ اختلاف سے بچیں۔ اور خلاف سے بچنا بلاشبہ احوط ہے اور جہاں اسکی صورت نکلتی ہے وہاں اس کو اختیار کرتے ہیں۔ اسکی نظیر مسائل فقہیہ میں کثیر ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

## مسئلہ (۲۵۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مغرب کے وقت قرات جہری کے بجائے قرات سری شروع کیا

Marfat.com

الحمد شریف کے بعد یاد آیا کہ قرارت جہری کرنا چاہئے۔ چنانچہ امام نے پھر الحمد شریف کا اعادہ کیا یعنی جہر کے ساتھ پڑھا۔ ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔

**الجواب:۔** امام کو چاہئے کہ سورۂ فاتحہ جب پڑھ چکا تو اب اس کا اعادہ نہ کرے بلکہ اب سورۃ کو جہر سے پڑھے اور ختم نماز پر سجدہ سہو کرے کہ جہر سے پڑھنا امام پر واجب تھا اور یہ واجب امام سے سہواً ترک ہوا۔ اور فاتحہ کی تکرار ترک واجب ہے کہ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان فصل طویل جائز نہیں البتہ چونکہ جہر واجب تھا اور سہواً اس نے آہستہ پڑھا لہٰذا سجدہ سہو کرے ردالمحتار میں ہے لعل وجهه ان فيه التحرز عن تكرار الفاتحة فی ركعة وتاخير الواجب عن محله وهو موجب سجود السهو فكان مكروها وهو اسهل من لزوم الجمع بين الجهر والاسرار فی ركعة نیز اسی میں شرح منیہ سے منقول ہے ان الامام لو سها فخافت بالفاتحة فی الجهرية ثم تذكر يجهر بالسورة ولا يعيد ولو خافت باٰية او اكثر يتمها ولا يعيد۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## مسئلہ (۳۵۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے فرض کی نیت کی اور دیر تک خاموش رہا تھوڑی دیر بعد اس کو یاد آیا تو الحمد شریف زور سے شروع کیا تو ایسی حالت میں سجدہ سہو ہوگا یا نہیں۔

**الجواب:۔** اگر زید ثنا وغیرہ کے بعد سوچتا رہا[عـه] کہ کیا پڑھوں اور اتنا وقفہ اس تفکر میں ہوا کہ ایک رکن ادا کر لیتا۔ یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کے برابر وقفہ کیا تو سجدہ سہو واجب ہے۔ ردالمحتار میں ہے ثم الاصل فی التفكر انه ان منعه عن اداء ركن كقراءة اٰية او ثلث هكذا فی نسخة رد المحتار التی عندنا ولعل فيه سقطا و الصواب ثلث تسبيحات او ركوع او سجود او عن اداء واجب كالقعود يلزمه السهو لاستلزام ذلك ترك الواجب وهو الاتيان بالركن او الواجب فی محله۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## مسئلہ (۳۵۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نماز پڑھتا تھا۔ سورہ فاتحہ

---

عـه اور اگر سوچتا نہ رہا بلکہ آہستہ آہستہ سورہ فاتحہ پڑھتا رہا۔ پھر بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا۔ تو اگر سورۂ فاتحہ کا اکثر حصہ پڑھ لیا تھا پھر شروع سے پڑھنا شروع کیا تو بھی سجدۂ سہو واجب کہ یہ اکثر سورۂ فاتحہ کی تکرار ہوئی اور یہ موجب سجدہ سہو ہے اگر دونوں دفعہ بلا قصد ہوا ہو اور اگر بالقصد تکرار کی تو اعادہ واجب۔ اور اگر سورہ فاتحہ کا اکثر حصہ نہیں پڑھا تھا تو نہ سجدہ سہو ہے نہ اعادہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

Marfat.com

پڑھ کر سورہ یٰسین شروع کر دیا۔ اور وخشی الرحمٰن بالغیب پڑھ کر فبشرہ بمغفرۃ واجر کریم چھوڑ دی اور انا نحن نحی الموتیٰ شروع کر دیا اور سجدۂ سہو کیا نہ نماز دہرائی۔ تو کیا اس صورت میں نماز درست ہوئی یا نہیں۔

**مسئلہ (۳۵۹)** بکر نماز پڑھا رہا تھا۔ سورۂ فاتحہ پڑھ کر انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین کو دو مرتبہ پڑھ کر رکوع کیا۔ اور سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز ہوئی یا نہیں۔ خالد کہتا ہے سورۂ فاتحہ یا سورۂ فاتحہ کے بعد تین آیتوں کا پڑھنا، یا التحیات کا پڑھنا یہ تینوں واجب ہیں۔ ان تینوں میں سے جو بھی دو مرتبہ پڑھا گیا، اور سجدہ سہو نہیں کیا گیا تو تاخیر رکن ہوئی اور تاخیر رکن کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہے۔ اس لئے نماز کا اعادہ واجب ہے یا خالد کا کہنا صحیح ہے یا نہیں۔ شرعاً کیا حکم ہے تحریر فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:**- نماز صحیح ہے اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہ تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب:**- نماز ہو گئی تین چھوٹی آیتیں یا ایک آیت تین کے برابر پڑھنا بعد فاتحہ واجب ہے اور یہ آیت جو اس نے پڑھی تین آیت کے برابر ہے۔ اس صورت میں سجدہ سہو واجب نہیں۔ آیت کی تکرار سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ البتہ سورۂ فاتحہ کی تکرار سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۳۶۰)** مرسلہ محمد اسماعیل سنجان ضلع تھانہ ۸ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ

پہلی رکعت میں قل ہو اللہ اور دوسری میں تبت پڑھی سجدۂ سہو کرنا ہے یا نہیں۔

**الجواب:**- قصداً ایسا کرنا کہ پہلی میں سورۂ اخلاص دوسری رکعت میں تبت پڑھنا منع ہے اور بھول کر ایسا ہو تو کوئی حرج نہیں اور سجدہ سہو بہر صورت واجب نہیں۔ وہو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۳۶۱)** ریاست بیکانیر مرسلہ صوفی یوسف شاہ صاحب وارثی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام قرات کرتا ہوا بھول جائے اور مقتدی لوٹک دے تو امام پر سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں۔ بغیر سجدہ سہو کئے ہوئے سلام پھیر دے تو نماز ہوئی یا نہیں۔

**الجواب:**- اگر مقتدی نے صحیح لقمہ دیا اور امام نے لے لیا تو نہ لقمہ دینے والے کی نماز میں کوئی خرابی آئی نہ امام کی نماز میں۔ اور نہ باقی مقتدیوں کی نماز میں اس صورت میں سجدہ سہو واجب نہیں بلکہ سجدہ سہو کرنا بھی نہیں چاہئے۔ کہ یہ اسکی جگہ نہیں، سجدۂ سہو واجب کے ترک کرنے پر واجب ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

# باب صلوٰۃ المسافر

**مسئلہ (۳۶۲)** مسئولہ مولوی واعظ الدین صاحب طالبعلم مدرسہ منظر اسلام بریلی ۸ رجب ۱۳۴۲ھ

ماقولکم دام فضلکم فی ہذہ المسئلہ کہ شخصے از وطن اصلی بمسافت سفر نکاح کردہ بازوجہ خود بوطن مذکور آمدہ زیست وتعیش میکند لیکن میاں ہر سال بقصد سفر از وطن اصلی بموضع تاہل رفتہ بمکان خسر چند روز جہاں سکونت میکند۔ بعد ازاں زوجش را بمکان خسر نہادہ در اطراف وجوانب آں دو یا سہ ماہ سفر می کند۔ وبعد اختتام سفر با زوجہ خود بوطن اصلی آمدہ زیست وتعیش می کند۔ بس بر شخص مذکور بموضع تاہل واطراف وجوانب آں قصر لازم است یا نہ۔

**الجواب:۔** اگر بمکان خسر یا بموضع دیگر نیت اقامت پانزدہ یوم کند مقیم خواہد شد واتمام صلاۃ بروے لازم ورنہ مسافرست وقصر واجب۔ اگرچہ بارادہ امروز فردا مدت دراز بگذرد۔ در درمختار مذکورست حتی ینوی اقامۃ نصف شہر بموضع واحد صالح لہا فیقصر ان نوی الاقامۃ فی اقل منہ او دخل بلدۃ ولم ینوہا ولو سنین۔ ملتقطا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۳۶۳)**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے سفر میں قصر کیا۔ اگرچہ اطمینان تھا لیکن سنت نہیں پڑھی۔ زید کہتا ہے کہ سنت پڑھ لیں تو ثواب ہے۔ اگر سنت قطعی نہ پڑھیں تو کوئی گناہ بھی نہیں ہے اگرچہ اطمینان ہو از روئے شرع کیا حکم ہے۔

**الجواب:۔** اگر سفر میں اطمینان نہ ہو جب تو سنتوں کے ترک میں کوئی قباحت ہی نہیں اور اطمینان ہو جب بھی سنن کا تاکد جو حضر میں ہے وہ سفر میں نہیں رہتا کہ سفر خود ہی قائم مقام مشقت کے ہے۔ درمختار میں ہے ویاتی المسافر بالسنن ان کان فی حال امن وقرار والا بان کان فی خوف وفرار لا یاتی بہا ھو المختار لانہ ترک لعذر یہ حکم سنت فجر کے غیر کا ہے اور سنت فجر چونکہ قریب بوجوب ہے لہٰذا سفر کی وجہ سے اس کے ترک کی اجازت نہیں اور بعض اکابر بھی ہیں کہ مغرب کی سنتیں بھی ترک نہ کرے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر وحضر کہیں بھی ان کو ترک نہیں کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ

Marfat.com

# بَابُ الجمعہ

**مسئلہ (۲۶۴)** مسئولہ مولوی محمد حسن صاحب طالبعلم درجہ دوم مدرسہ اہلسنت ۲۸ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک ایسے گاؤں میں گیا، یا وہیں کا رہنے والا ہے۔ جہاں جمعہ پڑھا جاتا ہے مگر شرعاً باطل ونا جائز ہے۔ لوگوں نے اس کو باامام بنایا۔ اگر یہ مسجد میں نہ جائے گھر میں ظہر پڑھ لے تو لوگ بدگمان ہوں گے اور اجائیں گے اور مسئلہ ظاہر کرے تو فساد پر آمادہ ہوں گے۔ یا اگر جمعہ نہ پڑھیں تو ظہر بھی چھوڑ بیٹھیں گے آٹھ روز میں ایک روز مسجد کی صورت دیکھ لیتے ہیں یہ بھی نہ رہے گا ایسی حالت میں زید نے اس خیال سے کہ ان لوگوں کا جمعہ تو بہر حال نہیں ہوتا اگر میں جمعہ کی نیت سے پڑھاؤں تو شرعاً گناہ بھی لازم آئے گا۔ میں اپنے عمل کو کیوں باطل ٹھہراؤں۔ نفل کی نیت کر کے دو رکعت پڑھادی اور خطبہ بہ نیت وعظ پڑھا پھر بعد کو ظہر پڑھ لی۔ کیا شرعاً زید پر کوئی الزام ہے؟

**الجواب:-** جس گاؤں کے لوگ جمعہ پڑھتے ہیں انھیں منع نہ کیا جائے مگر خود پڑھنا، یا امامت کرنا، اور مسئلہ شرعیہ کو چھپانا کیونکر روا ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ شخص اگر عالم ہے اور جمعہ کی امامت کرتا ہے۔ اگرچہ بہ نیت نفل تو عوام کے خیالات کی اور تائید کرتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں اچھے پیرایہ میں عوام کو سمجھائے کہ فساد کی نوبت نہ آئے اور لوگوں کی بدگمانی کے خیال سے ناجائز کام کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ نفل نماز جماعت سے تداعی کے ساتھ پڑھنا بھی ناجائز ہے۔ کما ہو مصرح فی الکتب، بلکہ جمعہ پڑھنا بھی اسی وجہ سے منع ہے کہ جمعہ تو ہوگا نہیں بلکہ یہ نماز نفل ہوگی اور نفل جماعت سے منع ہے۔ درمختار میں ہے صلوٰۃ العید فی القری تکرہ تحریماً ای لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحۃ۔ ردالمحتار میں ہے قولہ صلوٰۃ العید ومثلہ الجمعۃ قولہ بما لا یصح ای علی انہ عید والا فہو نفل مکروہ لادائہ بالجماعۃ ح۔ اور جب یہ شخص مسئلہ شرعیہ بیان کردے گا تو بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں کہ بدگمانی تو یہی تھی کہ نماز جمعہ کا تارک ہے اور مسئلہ کہنے کے بعد یہ الزام جاتا رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۲۶۵)** مسئولہ مولوی احسان علی طالبعلم مدرسہ اہلسنت ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ

سامعین خطبہ کو درود شریف پڑھنا چاہئے یا نہیں۔ جب کہ خطبہ کے اندر حضور کا اسم مبارک لیا جائے۔ ایسی ہی اگر آیۃ یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ الخ خطبہ میں آئے تو خطیب درود شریف پڑھ لے یا نہیں؟

Marfat.com

**الجواب:**۔ خطبہ کے وقت کلام و نماز ناجائز۔ متون میں ہے اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام جب اسم پاک سنے یا آیۃ صلاۃ خطیب پڑھے تو سننے والا دل میں درود شریف پڑھ سکتا ہے زبان سے اس وقت نہ پڑھے بحرالرائق میں ہے اما وقت الخطبۃ فالکلام مکروہ تحریما ولو کان امرا بمعروف او تسبیحا او غیرہ کما صرح بہ فی الخلاصۃ نیز اوسی میں ہے والصواب ان یصلی فی نفسہ کما فی فتح القدیر۔ ھدایہ میں ہے الا ان یقرأ الخطیب قولہ تعالٰی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ الایۃ فیصلی السامع فی نفسہ۔ درمختار میں ہے والصواب انہ یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ یہ حکم سامعین کے لئے ہے، رہا خطیب اوس کے لئے حکم یہ ہے کہ درود پڑھے لعدم المانع۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ** (۳۶۶) مسئولہ جناب خدادین صاحب معرفت حکیم عبدالرزاق صاحب از ہوڑہ محلہ کرستان پاڑہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہوڑہ سے دو میل کے فاصلہ پر مقام للوا میں ایک ریلوے کارخانہ ہے جس میں تقریباً چودہ پندرہ ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔ کارخانہ میں کوئی مسجد نہیں ہے۔ لیکن نماز پنجگانہ کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے جہاں جو چاہے پڑھ سکتا ہے اور نماز جمعہ کثیر جماعت سے ایک خالی میدان میں پڑھی جاتی ہے۔ جس کے لئے حکام کارخانہ کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں ہے بلکہ درخواست دے کر اذن بھی حاصل کر لیا گیا ہے۔ تو کیا ایسے مقام پر نماز جمعہ جائز ہے۔ زید کہتا ہے یہاں جمعہ جائز نہیں کیوں کہ اذن عام نہیں بلکہ صرف کارخانہ کے عملہ کے لئے اذن ہے۔ عمرو کہتا ہے اذن عام نہ سہی تاہم جماعت کثیر ہے لہٰذا جمعہ جائز ہے۔ نیز کارخانہ میں نماز پنجگانہ کے لئے وقت نہیں ملتا کیونکہ صبح سات بجے حاضری ہے اور ۴ ½ بجے فرصت گو صرف ظہر کا وقت ملتا ہے جس کے متعلق حکام کا اذن ہے کہ اسی وقت میں ناشتہ بھی کرو اور نماز بھی پڑھو۔ جب کہ دونوں کام نہیں ہو سکتے ہیں اس لئے لوگ جداگانہ مختلف اوقات پا کر نماز پڑھا کرتے ہیں تو کیا ہم لوگ نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا بعد ادائے ظہر احتیاطی پڑھ لیا کریں۔

**الجواب:**۔ جمعہ ادا کرنے کے لئے اذن عام شرط ہے۔ اور اذن عام کے یہ معنی ہیں کہ جس مسلمان کا دل چاہے وہاں آئے کوئی روک ٹوک نہ ہو اور جب کارخانہ کے آدمیوں کے سوا اوروں کی ممانعت ہے تو اذن عام نہ ہوا۔ لہٰذا ایسی جگہ جمعہ نہیں ہو سکتا۔ درمختار میں ہے والسابع الاذن العام من الامام وھو یحصل بفتح ابواب الجامع للواردین فلو دخل امیر حصنہ او قصرہ واغلق بابہ وصلی باصحابہ لم تنعقد ولو فتحہ واذن للناس بالدخول جاز وکرہ جمعہ کی ساتویں شرط اذن عام ہے۔ اور وہ یوں ہو سکتا ہے کہ جامع مسجد کے دروازے آنے جانے والوں کے لئے کھول دیے جائیں۔ لہٰذا اگر کوئی امیر

Marfat.com

میں یا اپنے محل میں داخل ہوا۔ اور اس کے دروازے بند کر کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز جمعہ پڑھی تو جمعہ نہیں ہوا۔ اور اگر دروازہ کھول دیا اور لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت دیدی تو جمعہ جائز ہو جائے گا مگر مکروہ ہے۔

اور ظہر احتیاطی پڑھنے سے ترک جمعہ کا گناہ ساقط نہ ہوگا۔ بلکہ ان لوگوں پر فرض ہے کہ کارخانہ سے باہر جا کر جمعہ پڑھیں۔ نماز کے لئے کارخانہ کے افسر سے اجازت لینے کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور حتی الوسع کوشش کریں کہ باجماعت نماز ادا کریں کہ جماعت واجب ہے۔ اور اگر افسران کارخانہ نماز سے روکتے ہوں تو ایسی نوکری ہی جائز نہیں جس میں نماز چھوڑنی پڑے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۲۶۷) از دھوراجی کاٹھیاواڑ مرسلہ حاجی عبداللطیف ایوب صاحب۔ ۲ صفر ۷۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ خطیب خطبہ پڑھنے میں لکڑی ہاتھ میں رکھتے ہیں یہ کام سنت ہے یا مستحب ہے۔؟

**الجواب**:- خطبے کے وقت عصا وغیرہ ہاتھ میں لینے کے بارے میں فقہا کے اقوال بہت مختلف ہیں ایک قول یہ ہے کہ

(حاشیہ میں: مکروہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ)

جو شہر تلوار سے یعنی لڑ کر فتح کیا گیا ہو وہاں تلوار وغیرہ ہاتھ میں لے کر خطبہ پڑھا جائے اور جو بطور صلح فتح ہوا ہو وہاں نہیں۔ درمختار میں ہے یخطب الامام بسیف فی بلدۃ فتحت بہ کمکۃ والا لا کالمدینۃ وفی الحاوی القدسی اذا فرغ المؤذن قام الامام والسیف فی یسارہ وھو متکی علیہ وفی الخلاصۃ ویکرہ ان یتکی علی قوس وعصا اور حدیث میں بھی نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا بروقت خطبہ قوس یا عصا دست مبارک میں لینا آیا ہے۔ لہٰذا قول کراہت صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کا یہ عمل تھا کہ پہلے جب قوت تھی بغیر عصا خطبہ پڑھا کرتے تھے اور آخر عمر شریف میں جب ضعف کا غلبہ ہوا تو عصا پر ٹیک لگاتے۔ اور فقیر نے ایک بار دریافت بھی کیا تھا تو فرمایا کہ سنت ہونا ثابت نہیں[عہ]۔ وھو تعالےٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۶۸) مرسلہ قائم میاں رضوی ابن قاضی خاں میاں از گونڈل کاٹھیاواڑ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان ذوی الاحترام اس امر میں کہ خطبہ جمعہ کے لئے منبر کتنی سیڑھیوں کا ہونا چاہئے۔ زید کہتا ہے کہ تین سیڑھیوں کا منبر وہابیوں کا منبر ہے۔ منبر کے لئے چار سیڑھی کا ہونا ضروری ہے۔ وقت اذان خطبہ

---

عہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۲۶۶ پر ہے خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا بعض علما نے سنت لکھا ہے۔ بعض نے مکروہ۔ اور ظاہر ہے کہ اگر سنت بھی ہو تو کوئی سنت مؤکدہ نہیں۔ تو بنظر اختلاف اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔ مگر جب کوئی عذر ہو۔ وذلک لان الفعل اذا تردد بین السنیۃ والکراہۃ کان ترکہ اولیٰ

Marfat.com

خطیب چوتھی سیڑھی پر جلوس فرمائے اور تیسری پر کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے۔ براہ مہربانی مع حوالہ کتب معتبرہ حنفیہ تصریح فرمادیں۔ آیا زید کا کہنا صحیح ہے یا غلط۔

**الجواب:۔** منبر کے لئے شریعت مطہرہ نے سیڑھیوں کی تعداد مقرر نہیں کی کہ اس گنتی کا پورا کرنا ضروری ہو۔ کم و بیش ناجائز ہو جماعت کی کثرت وغیرہ کا خیال کر کے جتنی سیڑھیوں کو چاہیں بنائیں۔ زید کا کہنا بالکل غلط ہے کسی کتاب میں یہ نہیں ہے کہ چار سیڑھیاں ضرور یا مسنون ہیں۔ نہ تین سیڑھیاں وہابیہ کے خصائص سے ہے کہ اجتناب کا حکم دیا جائے جو امر شریعت میں مطلق ہو اسے مقید کرنا اصول حنفیہ کے خلاف ہے جیسا کہ کتب اصول حنفیہ میں مذکور ہے۔ زید سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے اور وہ ہرگز کسی کتاب سے یہ قول نہیں دکھا سکتا کہ چار ہونا ضرور ہے اس سے اس کی غلطی معلوم ہو جائے گی۔ بلکہ صحیح مسلم شریف میں منبر نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ایک طویل حدیث سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اسی میں یہ لفظ بھی ہیں فعمل ھذہ الثلث درجات ثم امر بھا رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فوضعت ھذا الموضع اس شخص نے یہ تین زینوں کا منبر بنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے اس جگہ رکھا گیا۔ امام نووی اس حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں فیہ تصریح بان منبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان ثلث درجات۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منبر تین زینوں کا تھا۔ لہٰذا تین سیڑھیوں کے منبر پر نہ اعتراض ہو سکتا ہے نہ اسے خلاف سنت کہا جا سکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۳۶۹)** از بنارس کچی باغ مرسلہ جناب مولوی محمد خلیل الرحمٰن صاحب ۴ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ بنارس محلہ صدر بازار چھاؤنی میں دو مسجدیں ہیں ایک کلاں دوسری خرد قدیم۔ ان دونوں میں جمعہ ہوتا ہے آٹھ ماہ کے قریب ہوا کہ ایک مولینا صاحب آئے اور اتحاد کے متعلق نہایت

---

عہ فتاوی رضویہ جلد سوم صفحہ پر ہے۔ منبر اقدس کے تین زینے تھے۔ علاوہ اوپر کے تختے کے جس پر بیٹھتے۔ وقد وقع ذکرھن فی غیر ما حدیث۔ کحدیث وعید من ذکر عندہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلم یصل علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ردالمحتار میں ہے منبرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان ثلث درج غیر المسماۃ بالمستراح حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درجہ بالا پر خطبہ فرمایا کرتے۔ صدیق اکبر نے دوسرے پر پڑھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسرے پر جب زمانہ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آیا پھر اول پر خطبہ فرمایا سبب پوچھا گیا فرمایا اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے میں صدیق کا ہمسر ہوں اور تیسرے پر تو وہم ہوتا کہ فاروق کے برابر ہوں۔ لہٰذا وہاں یہ احتمال متصور ہی نہیں۔ اصل سنت اول درجہ پر قیام جو صدیق اکبر نے کیا یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب کی وجہ سے تھا اور فاروق اعظم نے کیا یہ صدیق اکبر کے ادب کی بناء پر تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلندی منبر سے اصل مقصود یہ ہے کہ سب حاضرین خطیب کو دیکھیں اور اس کی آواز سنیں جہاں یہ حاجت بسبب کثرت حضار و دوری صفوف تین زینوں میں پوری نہ ہو تو زینے زیادہ کرنے کا خود ہی اختیار ہے۔ اور بہتر عدد طاق کی رعایت۔ فان اللہ وتر یحب الوتر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

پر جوش تقریر فرمائی اور انجمن قائم کیا اور ساتھ ہی دونوں مساجد کے جمعوں کے متعلق بیان فرمایا کہ اگر جمعہ ایک ہی مسجد میں پڑھا جائے تو مناسب ہوگا۔ لہٰذا بموجب ارشاد مولینا ممدوح مسجد خرد کے چند مصلیوں سے استدعا کی گئی کہ جمعہ ایک ہی جگہ مسجد کلاں میں ہو۔ چنانچہ آٹھ ماہ تک جمعہ مسجد کلاں ہی میں ہوتا رہا مگر اس وقت مسجد خرد کے چند مصلیوں نے جمعہ کی بابت ایک استفتاء ایک دوسرے مولانا صاحب سے کیا جو بغرض ملاحظہ منسلک ہے اب دو گذشتہ جمعہ سے چند نفوس نے جن کو ایک جگہ مسجد کلاں میں جمعہ ہونے پر اعتراض اور آپس میں نفاق ہونے کا خیال پیدا ہوا تھا مسجد خرد میں نماز جمعہ پڑھوا دی اور اکثر لوگوں سے یہ کہدیا کہ مسجد خرد قدیم ہے۔ اور اس کی افضلیت بموجب استفتاء منسلکہ زیادہ ہے اس وجہ سے نماز جمعہ اسی مسجد میں ہونی چاہیئے۔

(۱) جس وقت نماز جمعہ مسجد کلاں میں قائم ہوئی اس وقت کثرت رائے مسلمانوں کی اس مسجد کے متعلق زیادہ تھی اور اب بھی زیادہ ہے۔

(۲) اگر مسلمانان صدر بازار اور مسلمانان بیرونجات مجتمع ہو کر نماز جمعہ مسجد خرد میں پڑھیں تو فی الواقع اس قدر اس میں گنجائش نہیں ہے جس قدر مسجد کلاں میں (۳) مسجد کلاں شاہراہ عام کے قریب واقع ہے مسجد خرد شاہراہ عام سے دور ہے اور مسجد کلاں کو تعمیر ہوئے تخمیناً سو برس ہوئے ہوں گے۔

(۴) فاصلہ درمیان ہر دو مساجد تخمیناً ۲۰۰ قدم ہے۔

(۵) اذان ایک مسجد کی دوسری مسجد میں بخوبی سنائی دیتی ہے۔

(۶) ان مسلمانوں کے واسطے جنھوں نے مسلمانوں کے متحدہ جماعت و شوکت اسلام کو نماز جمعہ کے پردہ میں نقصان پہنچایا ہے اور خصوصاً ایسے وقت میں جب اتحاد اور اتفاق کی نہایت ضرورت ہے بحکم خدا و رسول کیا حکم ہے۔

(۷) کیا نماز جمعہ ایک جگہ ہونے کے متعلق کثرت رائے کی ضرورت ہے۔

**الجواب:۔** ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ قائم کرنے میں علماء کا اختلاف ہے بعض جائز کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک ناجائز جو جائز کہتے ہیں ان میں متعدد اقوال ہیں کوئی مطلقاً تعدد کو جائز کہتا ہے اور کسی کے نزدیک یہ شرط ہے کہ وہ شہر بڑا ہو اور کسی کے نزدیک یہ شرط ہے کہ بیچ شہر میں دریا ہو ایک جمعہ اس طرف ہو دوسرا دوسری طرف۔ اور بعض نے کچھ اور شرطیں بھی ذکر کیں مگر ان میں مفتی بہ اور قول راجح یہ ہے کہ مطلقاً تعدد جائز ہے۔ درمختار میں ہے تؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقا علی المذھب وعلیہ الفتوی شرح المجمع للعینی وامامۃ فتح القدیر دفعا للحرج۔ رد المحتار میں ہے قولہ مطلقا ای سواء

کان المصر کبیرا اولا و سواء فصل بین جانبیہ نھر کبیر کبغداد اولا وسواء قطع الجسر او بقی متصلا وسواء کان التعدد فی مسجدین او اکثر ھکذا افاد من الفتح ومقتضاہ انہ لا یلزم ان یکون التعدد بقدر الحاجۃ کما یدل علیہ کلام السرخسی۔ قولہ علی المذھب فقد ذکر الامام السرخسی ان الصحیح من مذھب ابی حنیفۃ جواز اقامتھا فی مصر واحد فی مسجدین واکثر بہ ناخذ لاطلاق لا جمعۃ الا فی مصر شرط المصر فقط

مگر جمعہ چونکہ شعائر اسلام سے ہے اور مسلمانوں کے اجتماع عظیم سے ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جو تفرق میں نہیں۔ لہٰذا جہاں تک تعداد جمعہ میں کمی ہو مسلمانوں کا مجمع کثیر ہوگا اور اس سے اسلام کی شوکت زیادہ ظاہر ہوگی اور کفار پر اس کا رعب پڑے گا۔ ان امور کو لحاظ رکھتے ہوئے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ جمعہ ہونا بہ نسبت تعدد کے بہتر ہے اور جب ان دو مسجدوں میں ایک بڑی اور ایک چھوٹی ہے اور سب کے اجتماع کے بعد چھوٹی مسجد میں گنجائش بھی نہوگی تو بڑی مسجد کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ اگر چھوٹی مسجد کو اختیار کیا اور سب مسلمان اس میں نہ آسکے تو مجبوراً یا مسجد کی توسیع کرنی چاہیے یا دوسری مسجد میں منتقل کرنا پڑے گا یا بقیہ لوگ دوسرا جمعہ قائم کریں گے اور اسی تعدد کو دور کرنا تھا پھر ایسی مسجد کیوں نہ اختیار کریں جس میں کوئی دقت نہ ہو اور بڑی مسجد میں چونکہ پیشتر سے جمعہ ہوتا آیا ہے اگرچہ چھوٹی میں بھی جمعہ پہلے سے قائم ہے مگر زیادہ مناسب بڑی معلوم ہوتی ہے کہ چھوٹی اختیار کرنے میں پھر بوجہ عدم گنجائش تعدد سے سابقہ پڑے گا۔ اور اگر چھوٹی مسجد کے مصلی نہ مانیں اور دو جگہ قائم کرنے پر اڑ جائیں اور ایک جگہ جمعہ ہونے میں نفاق و شقاق بڑھنا مظنون ہو تو انھیں بڑی مسجد میں آنے پر مجبور نہ کیا جائے کہ جب جمعہ متعدد جائز ہے صرف اولیٰ یہ تھا کہ ایک جگہ ہوتا اور ایک جگہ ہونے میں فساد کی صورت نمودار ہوتی ہے تو اولیٰ کرنے کے لئے حرام کا ارتکاب جائز نہیں جو لوگ تفریق بین المسلمین کرتے ہیں وہ سخت کبیرہ کے مرتکب ہیں۔ ایسے لوگوں کو توبہ کرنی چاہئے۔ اور یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اہل اسلام میں اتحاد و محبت پیدا ہو۔ جمعہ ایک ہونے کے لئے کثرت رائے کی ضرورت نہیں مگر سب لوگ اتفاق کے ساتھ ایک کام کریں تو زیادہ بہتر ہوگا اور جب لوگ مخالفت کرتے ہوں تو ایک مستحب حاصل کرنے کے لئے اونھیں مجبور نہ کیا جائے۔ اگر وہ لوگ یہاں آکر نہ پڑھیں تو اون سے تعرض نہ کیا جائے اور خواہ مخواہ دشمنی اور مخالفت پیدا نہ ہونے دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۰۷) مرسلہ عبدالرحمٰن از ہیش پور اڑیا ضلع بریلی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضع بدھولیا و ہیش پور اڑیا۔ یا اور دیگر دیہات و قریہ جات

Marfat.com

میں جمعہ جائز و درست ہے یا نہیں۔ موضع مذکورہ محلہ قلعہ بریلی سے ۲ میل جانب غرب واقع ہے جہاں شہر بریلی کی اذان کی آواز نہیں آتی ہے۔

**الجواب:-** دیہات میں جمعہ ناجائز ہے کہ جمعہ کے لئے مصر یا فنائے مصر شرط ہے۔ مگر جو لوگ پڑھتے ہوں انہیں منع نہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۲۷۱) مسئولہ ۲ رجب ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ہادیان صراط مستقیم کہ زید نے خطبہ جمعہ شروع کیا اور کسی قدر خطبہ اولیٰ پڑھنے کے بعد نصف گھنٹہ زبان اردو میں تقریر کی اس کے بعد بقیہ خطبہ اولیٰ پڑھا اور قعود کیا اور خطبہ ثانی پڑھنے کے بعد نماز پڑھائی شریعت کے روسے زید کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ بالدلائل۔

**الجواب:-** خطبہ میں غیر عربی کا خلط خلاف سنت متوارثہ ہے اور اتنا دراز خطبہ پڑھنا بھی مکروہ ہے درمختار میں ہے وتکرہ زیادتہا علی قدر سورۃ من طوال المفصل۔ قہستانی میں ہے وزیادۃ التطویل مکروہۃ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۲۷۲) مسئولہ غلام رسول نجار محلہ سرام پورہ بریلی ۳ رجب ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین کہ کہاں جمعہ جائز ہے اور امام اعظم شرح وقایہ میں کیا فرماتے ہیں اور کس قول پر فتویٰ ہے جو معتبر کتابوں میں درج ہو، درج فرمادیں۔ اور بعد جماعت جمعہ جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے بعد چار فرض پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب:-** جمعہ کی صحت کے لئے مصر یا فنائے مصر شرط ہے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں یہی مذہب امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں لاجمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ۔ اور یہی مذہب حذیفہ وعطا وحسن و ابراہیم نخعی ومجاہد ابن سیرین وسفیان ثوری وسحنون رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مذہب۔ امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدیر میں فرماتے ہیں وقال ابو حنیفہ المصر کل بلدۃ فیہا سکک واسواق وبہا رساتیق ووال ینصف المظلوم من الظالم وعالم یرجع الیہ

ف ازروئے روایت وازروئے درایت ہر طرح مصر کی تعریف راجح ہے۔ اور مالایسع اہلہ اکبر مساجدہ مرجوح۔ بلکہ عند المحقق غیر صحیح۔ جیسا کہ اصل فتویٰ میں اس کی تھوڑی تفصیل ہے۔ اور پوری تفصیل تحقیق دیکھنی ہو تو فتاویٰ رضویہ جلد سوم کا باب الجمعہ مطالعہ کریں۔ مگر حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب مدظلہ فرمایا کرتے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

فی الحوادث نیز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جب ملک فتح کئے تو شہروں ہی میں جمعہ قائم فرمایا۔ کبھی کسی گاؤں میں جمعہ قائم نہیں فرمایا اگر گاؤں میں قائم کیا ہوتا تو منقول ہوتا۔ اور فتح القدیر میں ہے ولھذا لم ینقل عن الصحابۃ انھم حین فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجمع الا فی الامصار دون القریٰ ولو کان لنقل ولو آحادا۔ مصر کی تعریف جو امام اعظم سے منقول ہے جو اوپر مذکور ہوئی وہ ہرگز کسی گاؤں پر صادق نہیں آتی۔ لہٰذا گاؤں میں جمعہ ناجائز۔ اور وہ دوسری روایت جو شرح وقایہ میں مذکور وہ نہایت ضعیف ہے۔ اور ہدایہ میں فرمایا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک روایت ہے۔ اور اول کی نسبت فرمایا فھو الظاہر۔ عنایہ میں ہے والاول اختیار الکرخی وھو ظاہر الروایۃ وعلیہ اکثر الفقہاء۔ اور درمختار میں اسی کو ظاہر المذہب کہا۔ جب یہی ظاہر الروایۃ ہے اور اسی پر اکثر فقہاء ہیں تو اس سے عدول کی کوئی وجہ نہیں۔ اور شرح وقایہ میں جو روایۃ اولیٰ پر اعتراض کیا ہے کہ چونکہ اب سستی آگئی اور احکام شرعیہ کا اجرا نہیں لہٰذا وہ تعریف نہیں لی جائے گی۔ اس سے ان کا مقصد بھی یہ نہ تھا

---

(بقیہ گذشتہ صفحہ کا) کہ یہ مصر کی اصطلاحی حد نہیں بلکہ علامات ہیں۔ فقہاء نے مصر اور غیر مصر میں اپنے اپنے عہد میں جو باتیں ما بہ الامتیاز کی دیکھیں تحریر فرمائیں۔ یہی بات حاکم کو بھی بتلائی۔ اس دور میں آمد ورفت کی سہولتیں بہت کم تھیں آبادی کے نظم ونسق کو برقرار رکھنے کے لئے ہر بڑی آبادی میں حاکم ہوتے تھے۔ اب چونکہ آمد ورفت کی بہت سہولت ہے اس لئے حکام ضلع کے صدر مقام یا زیادہ سے زیادہ پرگنوں میں ہوتے۔ بعض ایسی ایسی آبادیاں ہیں جو ضلع کے صدر مقام سے بڑی ہیں۔ مگر وہاں کوئی حاکم نہیں۔ مثلاً ہمارا ضلع اعظم گڈھ میں مئو خود صدر مقام سے بہت بڑا ہے مگر وہاں تحصیل بھی نہیں۔ اس کی تحصیل محمد آباد ہے خود مبارکپور کی تحصیل محمد آباد ہے۔ حالانکہ مبارکپور، محمد آباد سے بڑی بستی ہے حتی کہ اسی ضلع کی ایک تحصیل سگڑی دیہات میں ہے۔ اب علماء کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ کیا مبارکپور اور مئو میں جمعہ جائز نہیں جب کہ وہاں کوئی حاکم نہیں۔ حالانکہ مبارکپور کے اصل حال سے واقفیت کے باوجود تمام علماء نے مبارکپور میں جمعہ پڑھا اور پڑھایا۔ حالانکہ روایت اولیٰ پر یہاں جمعہ صحیح نہیں۔ اسلئے ضروری ہے کہ اس زمانے میں روایت ثانیہ پر جیسے صاحب شرح وقایہ و درمختار وغیرہ نے اختیار فرمایا عمل کی اجازت ہونی چاہئے۔ غالباً اس نکتہ کے پیش نظر خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے روایت ثانیہ کی مکمل تزئیف وتضعیف کے باوجود فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ [illegible] پر فرمایا "ہاں ایک روایت نادرہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ آئی ہے کہ جس آبادی میں اتنے مسلمان مرد عاقل بالغ ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہو سکے آباد ہوں کہ اگر وہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں یہاں تک کہ انہیں جمعہ کے لئے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحت جمعہ کے لئے شہر سمجھی جائے گی۔ امام اکمل الدین بابرتی عنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں (وعنہ) ای عن ابی یوسف (انھم اذا اجتمعوا) ای اجتمع من تجب علیھم الجمعۃ لا کل من یسکن فی ذلک الموضع من الصبیان والنساء والعبید قال ابن شجاع احسن ما قیل فیہ اذا کان اھلھا بحیث لو اجتمعوا فی اکبر مساجدھم لم یسعھم ذلک حتی احتاجوا الی بناء مسجد آخر للجمعۃ اھ جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں اس روایت نادرہ کی بنا پر جمعہ و عیدین ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ اصل مذہب کے خلاف ہے۔ مگر اسے بھی ایک جماعت متاخرین نے اختیار فرمایا۔ عرف عام میں آبادی کی چار قسمیں ہیں، شہر، قصبہ، گاؤں، خانہ بدوشوں کے ڈیرے۔ یہ چوتھی باب جمعہ میں گاؤں کے حکم میں ہے۔ روایت اولیٰ کی بنا پر باب جمعہ میں شہر وقصبہ ایک حکم میں ہے۔ مصر دونوں کو شامل ہے مگر عرف عام میں قصبہ وشہر میں فرق ہے۔ مثلاً مبارکپور عرف عام میں قصبہ ہے مگر اس روایت کی رو سے قصبہ نہیں۔ لہٰذا اب یا تو روایت نادرہ ثانیہ کو فتویٰ کیا جائے یا حضرت مفتی اعظم ہند کی تنقیح پر یہ کہا جائے کہ شہر وقصبہ میں جمعہ جائز ہے گاؤں میں ناجائز۔ اور شہر وقصبہ سے کیا مراد ہے اسے مسلمانوں کے عرف پر کو کر دیا جائے۔ اور عرف میں ضلع کے صدر مقام کو جہاں وہ بڑے حکام جو ہر طرح کے دیوانی فوجداری مقدمات کا فیصلہ کرتے ہوں رہتے ہوں انہیں شہر کہتے ہیں اور

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کہ جمعہ میں اتنی تعمیم کی جائے کہ ہر گورہ میں جاری کیا جائے بلکہ اس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ اب احکام جاری نہیں۔ لہٰذا ایسی تعریف کی جائے کہ شہروں پر مصر کی تعریف صادق آئے اور جمعہ ناجائز نہ ہو جائے۔ حالانکہ علمائے کرام بیان فرماتے ہیں۔ صدر الشریعۃ کا وہ اعتراض تعریف اول پر وارد ہی نہیں کہ تنفیذ سے مراد قدرت علی التنفیذ ہے نہ تنفیذ بالفعل۔ لہٰذا اصح وہی تعریف اول ہے۔ جو صاحب ہدایہ نے ذکر فرمائی۔ درمختار میں ہے۔ انہ کل موضع لہ امیر وقاض یقدر علی اقامۃ الحدود، رد المحتار میں ہے وفی التعبیر بیقدر رد علی صدر الشریعۃ۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے والحد الصحیح ما اختارہ صاحب الھدایۃ انہ الذی امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وتزییف صدر الشریعۃ لہ عند اعتذارہ عن صاحب الوقایۃ حیث اختار الحد المتقدم ذکرہ بظھور التوانی فی احکام الشرع سیما فی اقامۃ الحدود فی الامصار مزیف بان المراد القدرۃ علی اقامۃ الحدود علی ما صرح بہ فی تحفۃ الفقہاء عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ بلدۃ کبیرۃ فیھا سکک واسواق ولھا رساتیق وفیھا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ یرجع الناس الیہ فی ما یقع من الحوادث وھذا ھو الاصح الخ اور وہ تعریف جس کو صاحب وقایہ نے اختیار کیا اگر وہ صحیح مانی جائے تو مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ مصر ہونے سے خارج ہو جائیں گے حالانکہ بالاجماع ان میں جمعہ جائز۔ اسی غنیہ میں ہے والفصل فی ذالک ان مکۃ والمدینۃ مصران تقام بھما الجمعۃ من زمنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الی الیوم فکل موضع کان مثل احدھما فھو مصر فکل تفسیر لا یصدق علی احدھما فھو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختارہ جماعۃ من المتاخرین کصاحب المختار والوقایۃ وغیرھما وھو ما لو اجتمع اھلہ فی اکبر مساجدہ لا یسعھم فانہ منقوض بھما اذ مسجد کل منھما یسع اھلہ وزیادۃ اور ظہر احتیاطی خواص کے لئے ہے۔ عوام کے لئے نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ** (۲۷۳) مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب از ستواس ریاست اندور ۶ صفر ۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔ ایک پختہ نمازی جمعہ ترک کرتا ہے اس طرح کہ دوسرے گاؤں

---

بقیہ صفحہ گذشتہ جہاں میونسپلٹی یا ٹاؤن ایریا یا نوٹی فائیڈ یا ہو اگرچہ وہاں کوئی حاکم نہ رہتا ہو اسے قصبہ کہتے ہیں لہٰذا جہاں تحصیل پرگنہ بھی نہ ہو مگر کم از کم ٹاؤن ایریا یا نوٹی فائیڈ یا ہو وہاں صحت جمعہ کا حکم ہونا چاہیے۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ وھو تعالٰی اعلم۔ امجدی

عدد وہ بھی ہر جگہ نہیں جہاں صحت جمعہ کے شرائط کے تحقق میں شک ہو گا ہو صرح فی غیر ما کتاب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

میں چلا جاتا ہے اور نماز پنجگانہ الگ گھر پر پڑھتا ہے اور وہ حنفی المذہب بھی ہے اور پیش امام پاس ہے تو اس کی کیا سزا ہے۔ بینوا توجروا

**الجواب**:۔ اگر وہ ایسی جگہ ہے جہاں جمعہ فرض ہوتا ہے اور بعد زوال وہاں سے ایسی جگہ چلا گیا جہاں جمعہ فرض نہیں تو گنہگار ہے اور تارک جمعہ پر احادیث میں سخت وعیدیں آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لینتھین اقوام عن ودعھم الجمعات او لیختمن اللہ علی قلوبھم ثم لیکونن من الغافلین لوگ جمعہ ترک کرنے سے باز آئیں گے یا ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر کر دے گا پھر وہ غافلین سے ہو جائیں گے۔ رواہ مسلم عن ابن عمر و ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور فرمایا من ترک ثلث جمع تھاونا بھا طبع اللہ علی قلبہ جو سستی سے تین جمعے چھوڑے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دے گا۔ رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی و مالک و احمد اور اگر اس وجہ سے جمعہ نہیں پڑھتا کہ وہاں جمعہ فرض نہیں۔ یا قبل زوال کسی وجہ سے گاؤں میں چلا جاتا ہے تو کچھ الزام نہیں۔ جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے بلا عذر شرعی اس کا ترک گناہ، اور جب برابر تارک ہے تو فاسق۔ عالمگیری میں ہے وفی الغایۃ قال عامۃ مشائخنا انھا واجبۃ وفی المفید وتسمیتھا سنۃ لوجوبھا بالسنۃ وفی البدائع تجب علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار والقادرین علی الصلوۃ بالجماعۃ من غیر حرج درمختار میں ہے وقیل واجبۃ وعلیہ العامۃ ای عامۃ مشائخنا وبہ جزم فی التحفۃ وغیرھا قال فی البحر وھو الراجح عند اھل المذھب۔ تارک جماعت کی سزا ضرب و حبس ہے مجمع الانہر میں ہے واذا ترک واحد ضرب وحبس۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۲۷۴) عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھا جائے تو کیا حکم ہے۔ نماز جمعہ میں کوئی خلل تو نہیں واقع ہوگا۔

**الجواب**:۔ خطبہ غیر زبان عربی میں پڑھنا یا اس میں غیر عربی کا خلط خلاف سنت متوارثہ ہے۔ مگر نماز جمعہ ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۲۷۵) از الہ آباد مرسلہ سید ضمیر الحسن صاحب رضوی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مسجد میں امام چاہیں جمعہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر کسی مسجد میں عرصہ پندرہ بیس سال سے جمعہ ہوتا ہو تو اس کو قائم رکھنا چاہئے اور وہاں نماز پڑھنے سے جمعہ کا ثواب ملے گا یا نہیں۔

**الجواب**:۔ تعدد نماز جمعہ میں قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ پر فتویٰ ہے کہ ایک شہر میں متعدد جمعے قائم کر سکتے ہیں۔ مگر

Marfat.com

اقامت جمعہ کے لئے سلطان یا قاضی کی ضرورت ہے اور یہاں یہ کوجود نہیں۔ لہٰذا احکام شرعیہ جاری کرنے کے لئے اوس شہر کا سب سے بڑا عالم فقیہ قائم مقام قاضی ہے کہ وہ جمعہ قائم کرے یا بوجہ مجبوری عوام نے جمعہ کے لئے جسے امام بنا دیا وہ اقامت جمعہ کرے۔ لہٰذا بلا ضرورت عوام بطور خود جمعہ نہ قائم کریں۔ اور جس مسجد میں مدتوں سے جمعہ ہوتا آیا ہے اوسے بند کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر ہر مسجد میں جمعہ کرنا جمعہ کے اہتمام شان میں کمی کرنا ہے کہ جمعہ جامع جماعات ہے اور شوکت اسلام اس سے ظاہر ہوتی ہے اور ہر مسجد میں ہونے سے وہ بات اور اجتماع کہاں جو اس طرح نہ کرنے میں ہے۔ درمختار میں ہے۔ وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقاً علی المذہب وعلیہ الفتوی شرح المجمع للعینی وامامۃ فتح القدیر دفعا للحرج۔ نیز اوسی میں ہے ونصب العامۃ الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر واما مع عدمہم فیجوز للضرورۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب۔

## مسئلہ (۳۷۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ کے وقت اذان ثانی کے بعد ہاتھ اوٹھا کر دعا مانگنا چاہئے یا نہیں۔ اگر دعا مانگنے کا حکم ہے تو صرف مقتدیوں کے لئے یا امام بھی مانگ سکتا ہے۔ جواب قرآن وحدیث سے ہونا چاہئے۔

**الجواب:** مقتدیوں کو نہ چاہئے۔ ہدایہ میں ہے کہ حدیث میں ہے اذا خرج الامام فلا صلٰوۃ ولا کلام۔ جب امام خطبہ کے لئے نکلا تو نہ نماز ہے نہ کلام۔ ایک حدیث میں ہے۔ من اغتسل یوم الجمعۃ ولبس من احسن ثیابہ ومس من طیب ان کان عندہ ثم اتی الجمعۃ فلم یتخط اعناق الناس ثم صلی ما کتب اللہ لہ ثم انصت اذا خرج امامہ حتی یفرغ من صلٰوتہ کانت کفارۃ لما بینھا وبین جمعۃ التی قبلھا۔ جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اچھے کپڑے جو اوس کے پاس ہیں پہنے اور خوشبو اگر ہو تو لگالی پھر جمعہ کو آیا اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگیں پھر جو مقدر ہو نماز پڑھی اور امام جب نکلا تو چپ رہا یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو تو اس کے لئے اس جمعہ اور اگلے جمعہ کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ رواہ ابو داؤد عن ابی سعید وابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ جب خروج امام کے بعد لوگوں کو سکوت کا حکم دیا گیا تو اس وقت دعا وغیرہ میں مشغول نہ ہونا چاہئے[عہ]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## مسئلہ (۳۷۷)

از رانی کھیت مسجد جامع ضلع الموڑہ۔ مرسلہ مولوی قاری جلیل الدین صاحب ۱۲ ذیقعدہ ۵۷ھ

---

[عہ] یہ حکم مقتدیوں کے لئے ہے خطیب دعا مانگے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ امام بعد ختم خطبہ جمعہ بیٹھ جاتا ہے اور مقتدی بھی بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں جس وقت مؤذن یعنی مکبر حی علی الفلاح کہتا ہے تو امام و مقتدی سب اٹھ جاتے ہیں۔ آیا یہ بیٹھنا بعد ختم خطبہ جمعہ درست ہے یا نہیں۔ اور امام کا بعد ختم خطبہ جمعہ بیٹھنا ایک تکلیف سے بھی ہے۔ وہ یہ کہ قبل خطبہ گھنٹہ سوا گھنٹہ تقریر کرتا ہے بعد ختم تقریر فوراً خطبہ شروع کرتا ہے کبھی کبھی زیادہ تکان ہوجاتی ہے۔ جب بعد ختم خطبہ جمعہ بیٹھ جاتا ہے اور جس وقت مکبر حی علی الفلاح کہتا ہے اس وقت اٹھتا ہے۔ یہ شرعاً کیسا ہے۔

**الجواب:** سنت یہ ہے کہ امام و قوم اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الفلاح کہے۔ تمام کتب مذہب متون و شروح و فتاوی میں اسکی تصریح ہے۔ وقایہ و کنز و طحطاوی علی المراقی و جامع الرموز و بدائع و در مختار و فتاوی عالمگیری وغیرہا کتب میں اس کی تصریح علی اختلاف القولین موجود ہے۔ فقیر نے اپنے فتاوی میں اس مسئلہ کو مفصل تحریر کیا ہے مگر امام جمعہ جو پہلے ہی سے کھڑا ہے اس کا بیٹھ جانا حدیث و فقہ سے ثابت نہیں۔ مگر جبکہ یہ بیٹھنا بوجہ عذر ہے تو اس کی کراہت کی بھی کوئی وجہ نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ** (۲۷۸) از رنگون نمبر ۳۲-۳-۷ اسٹریٹ مرسلہ جناب سید قاسم صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع ہے جہاں کے مسلمانوں کے مکان ساٹھ ستر ہیں مگر وہاں نہ دھوبی ہے نہ حجام، اور نہ بازار ہے اور نہ دیگر قوم ہے اور نہ کچھ۔ لہذا ایسے مقام میں جمعہ اور عیدین کی نماز درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** جمعہ و عیدین کے لئے مصر شرط ہے اور مصر کی تعریف میں اختلاف ہے۔ اصح یہ ہے کہ مصر وہ جگہ ہے جہاں متعدد کوچے اور بازار ہوں اور وہاں کوئی ایسا حاکم ہو جو مظلوم کا انصاف ظالم سے کرسکے۔ ردالمحتار میں ہے۔ عن ابی حنیفۃ انہ بلدۃ کبیرۃ فیہا سکک و اسواق و لہا رساتیق و فیہا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ و علمہ او علم غیرہ یرجع الناس الیہ فیما یقع من الحوادث۔ لہذا بنا بر مذہب مختار و ظاہر الروایۃ، گاؤں میں نماز جمعہ و عیدین جائز نہیں۔ مگر چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ لہذا جو لوگ پڑھتے ہوں اور پیشتر سے وہاں رائج ہو ان کو منع نہ کیا جائے۔ البتہ اہل علم نہ خود پڑھیں نہ دوسروں کو حکم دیں۔ نہ نیا جمعہ قائم کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ** (۲۷۹) از ناگپور سیٹی محلہ تالاب، مرسلہ محمد سراج الدین صاحب مدرس تحصیل اردو اسکول۔

Marfat.com

دڑسرا ایک ایسا مقام ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی پچیس مکانوں کی ہے جن میں ۶۵ یا ۷۰ اشخاص رہتے ہیں اور وہاں ایک مسجد ہے جس میں پنجگانہ نماز اور نماز جمعہ بھی ہوتی ہے کیا ایسی مسجد میں اتنی تعداد میں انعقاد جمعہ صحیح ہے یا نہیں۔

**مسئلہ** (۳۸۰) دڑسرا اسٹیشن سے دڑسرا کی بستی دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسٹیشن پر چند اصحاب لکڑی کی ٹھیکیداری کے سلسلے میں رہتے ہیں جن کی تعداد ۷، ۸ یا ۱۰ نفر ہوگی۔ ۱۰ یا ۱۲ اصحاب سے کم و بیش باہر کے مسافر یا قرب وجوار کے رہنے والے جمع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ایک فرش بچھا کر اسٹیشن پر بھی ایک صاحب جمعہ پڑھا دیا کرتے ہیں اور ایسی صورت میں جو من وعن عرض کی گئی اسٹیشن پر جمعہ فرض ہے یا نہیں۔ ایک عالم صاحب نے یہاں ادائے جمعہ کو ناجائز قرار دیا ہے بلکہ حرام فرمایا ہے لہذا صحیح جواب سے رہنمائی فرمائیں تاکہ آپس کا اختلاف دور ہو۔

**مسئلہ** (۳۸۱) کسی قصبہ میں دو، چار مسلمان رہتے ہوں اور دس، بیس آدمی دیگر مواضعات سے جو آس پاس رہتے ہوں دس، پانچ مواضعات سے آکر جمع ہوں اور نماز جمعہ ادا کریں۔ آیا جمعہ ہوگا یا نہیں۔

**الجواب ۱:** تمام کتب فقہ حنفی میں تصریح ہے کہ ادائے نماز جمعہ کے لئے مصر یا فنائے مصر شرط ہے یعنی گاؤں میں جمعہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ مصر کی صحیح تعریف یہ ہے کہ وہاں[1] کوئی ایسا حاکم ہو جو مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکتا ہو لہذا گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھا جا سکتا کہ وہ مصر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب ۲:** جب وہ اسٹیشن نہ مصر ہے نہ فنائے مصر تو وہاں نماز جمعہ جائز نہیں ان لوگوں پر ظہر پڑھنا فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب ۳:** قصبہ مصر ہے وہاں ایسا حاکم ہوتا ہے جو مصر کے لئے شرط ہے اور بازار وغیرہ سب کچھ قصبہ میں ہوتے ہیں لہذا قصبہ میں نماز جمعہ پڑھی جائے۔ البتہ جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے جو امام کے علاوہ تین آدمیوں سے ہو جائیگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۸۲) از مقام پیپلیا مارڑ واراسٹیشن گڑیا خرادی مرسلہ جناب عبد الکریم شمس الدین۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک مسجد ہے اور اس گاؤں میں ہندو مسلمان ملا کر کل تین سو[3] گھر ہیں جس میں دو سو نوے ہندوؤں کے ہیں اور دس مسلمانوں کے۔ اور اس گاؤں میں بازار اور گلی کوچے بھی ہیں

---

[1] ایسا حاکم ہونے کے ساتھ ساتھ ایسی آبادی ہونی ضروری ہے کہ وہاں ایسا مستقل بازار ہو جس میں روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں اور وہاں متعدد کوچے گلیاں ہوں اس سے دیہات متعلق ہوں۔ اس کو بر بنائے شہرت ترک فرمایا۔ یا یہ کہ اس آبادی کے بارے میں معلوم رہا ہو کہ ایسی ہے جس شرط کے بارے میں معلوم نہ تھا اسے ذکر فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

مگر حکومت نہیں اور یہاں پر پانچ چھ سال سے نماز جمعہ وعیدین پڑھی جاتی ہے۔ نیز یہاں کی مسجد بھی چھوٹی ہے۔ دس، گیارہ آدمیوں سے ایک صف ہوتی ہے اس سے زیادہ ایک صف میں آدمی نہیں آتے یعنی اس مسجد میں کل تیس پینتیس آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں اور اس گاؤں میں کل چودہ، پندرہ مسلمان ہیں۔ مگر نماز جمعہ وعیدین کے لئے قریب گاؤں کے چند آدمی آجاتے ہیں جس سے کل بیس، اکیس کی تعداد ہو جاتی ہے۔

**الجواب:۔** ایسے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔ وہاں والوں کو ظہر پڑھنا چاہیے جمعہ کے شرائط میں سے ایک شرط مصر یا فنائے مصر ہے اور مصر کی معتبر تعریف درمختار نے یہ کی وظاهر المذهب انه كل موضع له امير وقاض يقدر على اقامة الحدود ظاہر مذہب یہ ہے کہ مصر وہ جگہ جہاں امیر و قاضی ہو جو حدود قائم کرنے پر قادر ہو اگرچہ قائم نہ کرے۔ ردالمحتار میں ہے قال في شرح المنية والحد الصحيح ما اختاره صاحب الهداية انه الذي له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود اس کے بعد فرمایا المراد القدرة على اقامتها على ما صرح به في التحفة عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى انه بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره يرجع الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الاصح اھ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۸۳) مرسلہ سید ضمیر الدین صاحب ازالہ آباد محلہ دارا گنج ۲۰ جمادی الاخری ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جب جمعہ کا خطبہ ہوتا ہے اس وقت خاموش بیٹھا رہنا چاہیے۔ یا جیسا کہ لوگ پنکھا وغیرہ جھلتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں۔ اس کے بابت کیا حکم ہے۔

**الجواب:۔** امام جب خطبہ کو نکلا اسی وقت سے نماز و کلام سب چیزیں ممنوع ہو جاتی ہیں۔ اذا خرج الامام فلا صلوۃ ولا کلام اس وقت پنکھا جھلنا بھی منع ہے۔ حدیث میں فرمایا من مس الحصی فقد لغی جس نے خطبہ کے وقت کنکری چھوئی اس نے لغو کام کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۸۴) از بریلی محلہ صالح نگر۔ مرسلہ جناب کفایت حسین صاحب ۹ شعبان ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خطبۂ جمعہ دو ہوتے ہیں۔ یہ دونوں فرض ہیں یا واجب۔ یا سنت۔ دیگر دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا فرض ہے یا واجب یا سنت اور کیوں بیٹھا جاتا ہے کوئی عقلی نقلی دلیل ہو تو بیان فرمائیں۔ نیز دونوں خطبوں کے درمیان کتنا بیٹھنا چاہیے۔ اور کیا پڑھنا چاہیے۔

Marfat.com

**مسئلہ (۳۸۵)** جیسے عربی میں خطبہ پڑھا جاتا ہے اسی طرح اردو کے کچھ اشعار پڑھے جاتے ہیں تو کیا اس اردو خطبہ کو عربی کے مقابل سمجھا جائے گا۔ مثلاً سنت پڑھنا۔ کلام و سلام کرنا اور کوئی کام کرنا۔ اس رواج میں کوئی گناہ تو نہیں کیونکہ اب تک کوئی دلیل شرعی نہیں ملی۔

**الجواب ۱:۔** جمعہ کے لئے مطلقاً خطبہ فرض ہے اور وہ فقط پہلے خطبہ بلکہ الحمد للہ کہنے سے ادا ہو جاتا ہے اور دو خطبہ ہونا سنت ہے اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے احادیث سے بھی ثابت ہے اور اس لئے بھی بیٹھنا ہے کہ اگر نہ بیٹھا تو دو خطبے نہ ہوں گے جب کہ دونوں میں فصل نہ ہو اور بیچ میں سکوت طویل کر کے فصل کیا تو کھڑا رہنا بیکار ہے کہ کھڑا رہنا خطبے کے لئے تھا نہ کہ سکوت کے لئے۔ درمختار میں ہے والرابع الخطبۃ وکفت تحمیدۃ او تھلیلۃ او تسبیحۃ ویسن خطبتان بجلسۃ بینھما دونوں خطبوں کے درمیان اگر خطیب چاہے تو کچھ پڑھ سکتا ہے یا دعا کر سکتا ہے مقتدیوں کے لئے جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب ۲:۔** خطبہ کے لئے سنت یہ ہے کہ عربی میں ہو۔ اردو میں پڑھنا سنت کے خلاف ہے مگر جو کچھ اردو میں پڑھا وہ بھی خطبہ کا جز ہے۔ لہٰذا اس کا سننا بھی ضروری ہے اور جب تک خطبہ ہو رہا ہے سلام و کلام وغیرہ منع ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۳۸۶)**

بعد نماز جمعہ ظہر کا فرض پڑھنا چاہئے یا صرف چھ رکعت سنت۔

**الجواب:۔** شہر یا قصبہ میں جہاں جمعہ جائز ہے وہاں عوام کو احتیاطی ظہر کا حکم نہیں دیا جائے گا رد المحتار میں ہے قال المقدسی نحن لا نامر بذلک امثال ھٰذہ العوام بل علیہ الخواص ولو بالنسبۃ الیھم ۱۲
واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۳۸۷)** از ضلع چوبیس پرگنہ گوری پور مرسلہ مولوی عبد العظیم صاحب ۱ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ
کیا نماز جمعہ قیام عند حی علی الفلاح کے حکم سے مستثنیٰ ہے اگر عام نمازوں کی طرح جمعہ کا حکم ہے تو امام حی علی الفلاح تک کھڑا رہ سکتا ہے یا نہیں۔

**الجواب:۔** امام جمعہ جو کھڑا ہوا ہے کھڑا رہ سکتا ہے اسکو بیٹھ جانے کی ضرورت نہیں اور مقتدی بیٹھے ہی بیٹھے رہیں

Marfat.com

واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۳۸۸)** از پورنیہ شنکنج بازار سوداگری مرسلہ امام جامع مسجد ۸ر ذیقعدہ ۶۴ھ

جمعہ کے خطبہ میں اردو ترجمہ کرکے عوام الناس کو سنانا جائز ہے یا نہیں۔

**مسئلہ (۳۸۹)** خطبہ کے اندر بعد تلاوت قرآن مجید بغرض اشاعت وہدایت اردو میں وعظ وتقریر جائز ہے یا نہیں۔

**مسئلہ (۳۹۰)** اگر امام خطبہ پڑھتے ہوئے ہدایت وتبلیغ وفضائل وآداب جمعہ ودیگر مسائل صلوٰۃ اردو میں بیان کرتا ہو خواہ تقریری یا تحریری میں تو عین خطبہ پڑھنے کے دوران دوسرے اشخاص کو روکنا یعنی منع کرنا جائز ہے یا نہیں۔ باوجودیکہ صحیح طور پر خطبہ یا تقریر کرتا ہو۔ روکنے والے پر شریعت کی کوئی حد ہے یا نہیں دونوں میں کون زیادہ مجرم ہوئے۔

**الجواب ۱:۔** خطبہ جمعہ کا ہو یا عیدین کا اس میں غیر عربی کا خلط کرنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب ۲:۔** یہ بھی خلاف سنت متوارثہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب ۳:۔** اثنا خطبہ میں بات چیت کرنا منع ہے حدیث میں ارشاد ہوا ان قال لصاحبه انصت والامام يخطب فقد لغا۔ اردو کو خطبہ میں شامل کرنا اگرچہ خلاف سنت تھا مگر اثنا خطبہ میں سامعین کو بولنے کی اجازت نہ تھی اگر منع کرنا تھا تو بعد میں خطیب سے کہدیا جاتا کہ آئندہ ایسا نہ کرے نہ کہ اثنا خطبہ میں روک ٹوک کرنا یہ زیادہ قبیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۳۹۱)** مرسلہ محمد اکرام الدین صاحب از یمن جماعت منتظم جامع مسجد تردڑا تبع اہلسنت وجماعت قصبہ تردڑا، ۲۷ر ذی الحجہ ۷۵ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سیرت کمیٹی جو ہٹی لاہور پنجاب میں قائم ہوئی ہے اس کے خیالات کیسے ہیں۔ کیا اپنے عقاید اہلسنت وجماعت کے موافق ہیں یا خلاف ارقام فرمائیں۔ اور اسی سیرت کمیٹی کے علماء وارکین نے ایک جدید خطبۃ الجمعہ اردو میں نکالا ہے کہ جس کا نام ایمان رکھا ہے۔ آیا وہ خطبہ بوقت جمعہ از روئے شریعت واز روئے اہلسنت وجماعت تاجدار مدینہ سردار دوعالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام وتابعین وائمہ کرام وامام عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اہلسنت وجماعت کے منبر پر کھڑے ہو کر پڑھنا بلا کراہت جائز ودرست ہے یا نہیں۔ مفصل طور پر اس کا جواب بحوالہ کتب قرآن عظیم واحادیث کریمہ وفقہ کے ارقام فرمایا جائے عین نوازش ہوگی۔ دریں حالیکہ اراکین سیرت کمیٹی اس خطبہ مذکورہ کو پڑھوانے میں بوقت جمعہ بہت تاکید کرتے ہیں اور ز

Marfat.com

دیتے ہیں بلکہ مجبور کرتے ہیں ایسی حالت میں اپنے علماء اہلسنت وجماعت کا کیا حکم ہے۔

**الجواب:۔** سیرت کمیٹی جن لوگوں نے قائم کی وہ وہابی خیال کے لوگ ہیں اگرچہ اب اس کا رواج ہندوستان کے بہت سے شہروں میں ہو گیا اور اہلسنت بھی اس میں کافی حصہ لیتے ہیں اور اس کے جلسے کراتے ہیں پنجاب کی سیرت کمیٹی نے بعض رسائل بھی شائع کئے ہیں جو اس مقصد سے شائع ہوئے کہ ان کو جلسوں میں پڑھ کر مسلمانوں کو سنایا جائے۔ میں نے ایک رسالہ دیکھا تھا جس میں شانِ رسالت میں نا ملائم اور رکیک الفاظ استعمال کئے ہیں۔ غیر عربی میں خطبہ پڑھنا خلاف سنت متوارثہ ہے زمانہ سلف میں بھی عموماً عجم میں سب لوگ عربی نہیں جانتے تھے اکثر وہی لوگ تھے جو اس سے ناواقف تھے پھر بھی خطبہ عربی ہی میں پڑھا جاتا تھا۔ لہٰذا اسی کی پیروی کرنی چاہئے۔ جو لوگ اصرار یا مجبور کرتے ہیں ان کی زیادتی ہے انھیں اس سے باز آنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۹۲) از پورنیہ شکنج بازار سوداگر پٹی مرسلہ امام جامع مسجد ۸ ذیقعدہ ۶۴ھ

خطبہ پڑھنے کے بعد اگر امام صف کی درستگی کے لئے کچھ کلام کریں اور صف درست کریں کہ نماز میں کچھ وقفہ ہو جائے تو کیا حکم ہے امام ایسا کریں یا نہ کریں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:۔** خطبہ کے بعد امام درستگی صف کے متعلق ہدایت کرسکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صف قائم ہونے کے بعد ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا ہے ارشاد فرمایا۔ تختلفوا فتختلف قلوبکم واللہ تعالیٰ اعلم

---

# باب العیدین

**مسئلہ** (۳۹۳) از جگدل ضلع چوبیس پرگنہ مرسلہ عبد الوحید صاحب ۷ محرم الحرام ۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے مسئلہ میں کہ

مسلمانوں نے بہ نیت قربانی کوئی زمین خریدی اور اس میں قربانی ہونے بھی لگی لیکن اب چند لوگ چند مسلمانوں نے اسے عیدگاہ بھی مقرر کرلی اور نماز عید بھی ہونے لگی کیا اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

Marfat.com

**الجواب:**۔ اس جگہ عیدین کی نماز جائز ہے قربانی کو عید گاہ سے مناسبت بھی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے عید گاہ میں قربانی فرمائی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذبح وینحر بالمصلّٰی۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۹۴) از موضع برہولی ڈاکخانہ مانگ ضلع سلطانپور مرسلہ جناب خدابخش صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

نماز عیدین میں بعد نماز دوگانہ دعا مانگا جائے یا بعد خطبہ سنت طریقہ کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:**۔ بعد خطبہ دعا مانگنا بہتر ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۳۹۵) از جیت پور کاٹھیاواڑ نگینہ مسجد مرسلہ جناب عبدالقادر میاں احمد میاں صاحب پیش امام ۱۰ ذی الحجہ ۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسجد کا پیش امام ہے اور عید الفطر کی مع چند اشخاص کے مسجد میں پڑھائی جب کہ عید گاہ بھی موجود ہو اور کوئی عذر بھی نہ ہو۔ ایسی حالت میں مسجد میں نماز عید پڑھنا اور پڑھانا کیسا ہے۔ بہار شریعت حصہ چہارم صفحہ ۱۰۲ میں لکھا ہے کہ گاؤں میں عیدین کی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے (درمختار) اس پر زید اعتراض کرتا ہے۔ علاوہ ازیں کتاب غایۃ الاوطار ترجمہ اردو درمختار جلد اول صفحہ ۳۸۴ سطر بارہ میں بھی لکھا ہے کہ گاؤں میں نماز عید پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ زید کہتا ہے کہ نماز عیدین شہر میں پڑھنا جائز ہے تو شہر کس کہتے ہیں۔ کیونکہ جیت پور ۴۰ ر ۵۰ میل کی مسافت میں نہیں ہے اور نہ پچاس ہزار یا ساٹھ ہزار مسلمانوں کی بستی۔ اور نہ آٹھ دس مسجدیں ہیں اور نہ نمازیوں کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے جس سے کہ خدشہ پیدا ہو۔ علاوہ اس کے عید گاہ میں ہمیشہ ہر سال نماز ہوا کرتی ہے اور امام بھی سنی حنفی ہیں۔ پانی وغیرہ کا بھی معقول انتظام ہے اور عید گاہ دور بھی نہیں

**الجواب:**۔ بہار شریعت کا یہ مسئلہ کہ گاؤں میں نماز عید ناجائز ہے بالکل صحیح ودرست ہے۔ یہی امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مذہب ہے اور خود امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا یہ ارشاد ہے اس کو غلط بتانا اس امام کی غلطی اور بے علمی ہے اگر وہ مذہب سے واقف ہوتا تو ہرگز ایسا نہ کہتا حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ارشاد ہے لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع۔ اور شہر فقہاء کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں جہاں کوئی حاکم

Marfat.com

جو مظلوم کا ظالم سے انصاف لینے پر قادر ہو اور وہاں بازار اور متعدد کوچے ہوں اور اس کے متعلق دیہات ہوں اور ایسا نہ ہو تو اسے گاؤں کہیں گے۔ میرا خیال ہے کہ جیت پور گاؤں نہیں ہے بلکہ شہر ہے۔ البتہ کاٹھیاوار والے شہر کو بھی گاؤں کہتے ہیں۔ اس وجہ سے دھوکا ہوا ہے اگر میرا خیال صحیح ہے اور جیت پور شہر ہے تو اس میں جمعہ و عید سب جائز ہے۔ رہا یہ امر کہ عیدگاہ کو چھوڑ کر مسجد میں عید کی نماز پڑھنا بلا وجہ شرعی ہے تو خلاف سنت ہے کہ جب عیدگاہ کا امام سنی ہے اور شرائط امامت کا جامع ہے تو عیدگاہ ہی میں نماز پڑھنا سنت کے مطابق ہے کہ نماز عید شعائر اسلام سے ہے اور تمام مسلمانوں کا مجتمع ہو کر وہاں نماز ادا کرنا اسلامی شوکت ہے اور مسجدوں میں نماز ادا کرنے سے وہ شوکت اسلام ظاہر نہیں ہوگی جو اجتماع میں ہے اور اس زمانے میں اس کی بہت ضرورت ہے کہ اسلام کی شوکت دکھائی جائے۔ لہٰذا زید کو سمجھایا جائے کہ بلا وجہ جماعت مسلمین میں تفریق پیدا کرنے سے احتراز کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۳۹۶)** از ضلع پورنیہ ڈاکخانہ بائسی ہاٹ موضع ہرنتوڑ مرسلہ فرزند علی صاحب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ عید کی نماز کے بعد قبل خطبہ یا بعد خطبہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا اور ہاتھ پھیلائے ہوئے بارگاہ الوہیت میں دنیا و آخرت کی ہر ذلت و رسوائی سے بچنے اور دونوں جہاں میں بہتری اور خوبی پانے کے لئے عرض کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔ اور دعاء مذکورہ کے سبب سے رحمت الٰہی نازل ہونے کی امید ہے یا مصیبت۔ اور بلا آنے کا خوف علمائے اہلسنت و جماعت کا دعاء مذکورہ کے بارے میں کیا عمل ہے اور سنیوں کو کیا کرنا چاہئے۔ جواب قرآن پاک اور حدیث شریف اور حنفی فقہ کی معتبر کتابوں سے حوالہ کے ساتھ عنایت کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی مہربانیوں کا سایہ ہمیشہ ہم لوگوں پر قائم رکھے۔ آمین

**الجواب:** دعا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور دعاء عبادت کا مغز ہے حدیث میں ارشاد ہوا ہے الدعاء مخ العبادۃ رواہ الترمذی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لیس شیٔ اکرم علی اللہ من الدعاء اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز بہتر نہیں رواہ الترمذی و ابن ماجہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بیشک دنیا و آخرت کی ہر مصیبت کو دور کرنے والی ہے اور ہر ذلت و رسوائی سے بچانے والی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ان الدعاء ینفع مما نزل و مما

Marfat.com

لم ینزل فعلیکم عباد اللہ بالدعاء جو مصیبت نازل ہو چکی اور جو ابھی نہیں نازل ہوئی دونوں میں دعا نفع دیتی ہے
رواہ الترمذی عن ابن عمر واحمد عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان احادیث مذکورہ سے
دعا کے منافع و فوائد بخوبی معلوم ہوتے ہیں نماز عید کہ سال بھر میں ایک بار ہوتی ہے اور وہ دن مسلمانوں کی خوشی اور مسرت
کا دن ہے مگر مسرت اور شادمانی میں اسلام کا اصلی فریضہ خدا کی یاد ہے اس سے غفلت نہ ہونی چاہئے بلکہ جس طرح مصیبت
میں خدا کو یاد کرنا ضروری ہے اسی طرح فرحت و سرور میں اس کی یاد ضروری ہے اور یہ بھی اس کے حضور تضرع اور دعا کا وقت
ہے۔ ایسے وقت میں دعا اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں جب
کہ عورتیں نماز جماعت میں شریک ہوا کرتی تھیں اور عید گاہ کو نماز عید پڑھنے جایا کرتی ہیں۔ اس وقت حیض والیوں کو بھی
حکم صادر فرمایا گیا کہ وہ بھی حاضر ہوں۔ مگر نماز کی جگہ سے الگ رہیں وتعتزل الحیض المصلی اور یہ حکم ہوا کہ خیر اور دعاء مسلمین میں
وہ بھی شرکت کریں۔ صحیح بخاری شریف وغیرہ کی حدیث ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے ویشھدن الخیر ود[عوۃ]
المسلمین[ع] اگر یہ دعا کا خاص موقع نہ ہوتا تو یہاں ایسی عورتوں کو کیوں طلب فرمایا جاتا جو نماز نہیں پڑھ سکتی ہیں۔ مگر جب
فرما دیا گیا کہ اگرچہ نماز میں شرکت نہ کر سکیں مگر دعا میں تو شرکت کر سکتی ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ وقت خصوصیت کے ساتھ د[عا]
کا ہے جب ثابت ہو گیا کہ نماز عید کے بعد بھی دعا ہے تو اس دعا میں بھی ہاتھ اٹھانا مستحب ہے کہ ہاتھ اٹھانا دعا کے
آداب میں سے ہے اذا سالتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسالوہ بظھورھا۔ اور دوسری رو[ایت]

---

[ع] مشکوٰۃ شریف میں اس حدیث کے الفاظ کریمہ یہ ہیں فیشھدن جماعۃ المسلمین ودعوتھم تو یہ سب مسلمانوں کے مجمع اور دعا میں شریک ہ[وں]
اس روایت نے تشریح کر دی کہ بخاری کی روایت میں جو لفظ خیر وارد ہے اس سے مجمع میں حاضری مراد ہے۔ یہ حکم حیض والیوں کو بھی ہے اور حیض والی کو نما[ز]
منع۔ لہٰذا متعین ہو گیا کہ دعوۃ المسلمین سے مراد دعا ہے۔ بعد نماز عید دعا مسنون ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس پر ح[دیث]
کے علاوہ دیگر احادیث بھی دلیل ہیں۔ اس موضوع پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ایک رسالہ ہے سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد العید اس میں
کے ساتھ ثقہ راویوں سے یہ نقل فرمایا قال کانت الصلوٰۃ فی العیدین قبل الخطبۃ ثم یقف الامام علی راحلتہ بعد الصلوٰۃ فیدعو و[یصلی]
بغیر اذان واقامۃ امام المجتہدین امام اجل تابعی ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا نماز عیدین خطبے سے پہلے ہوتی تھی پھر اپنے راحلہ پر
کر کے نماز کے بعد دعا مانگتا اور نماز بے اذان واقامت ہوتی تھی۔ یہ روایت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب الآثار میں نقل فرما کر مقرر رکھی
کی عادت ہے کہ جو اثر اپنے مذہب کے خلاف ہوتا ہے اسے مقرر نہیں رکھتے۔ لہٰذا اس اثر کریم سے مستفاد اور عند الاحناف معمول ہونے میں کو[ئی شک]
نہیں ثابت ہو گیا کہ عہد تابعین میں نماز عیدین کے بعد دعا کا معمول تھا اور یہی احناف کا مسلک ہے۔ اسی رسالہ مبارکہ میں بحوالہ بیہقی و ابن [عساکر]
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث نقل فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز عید اللہ عزوجل فرماتا ہے باعم[ال]
فوعزتی وجلالی لا تسالونی الیوم شیئا فی جمعکم لآخرتکم الا اعطیتکم ولا لدنیاکم الا نظرت لکم اے میرے بندو

Marfat.com

میں یہ بھی ہے فاذا فرغتم فامسحوا بہا وجوھکم یعنی دعا کرو تو اس طرح کرو کہ تمہارے ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں پشت دست آسمان کی طرف نہ ہو اور جب دعا کر چکو تو ہاتھوں کو منھ پر پھیر لیا کرو۔ رواہ ابو داؤد عن مالک بن یسار و ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔ دوسری حدیث میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بہما وجہہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو جب تک منھ پر پھیر نہ لیتے نیچے نہ کرتے رواہ الترمذی عن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ فی الدعاء حتی یری بیاض ابطیہ دعا میں حضور ہاتھوں کو اتنا بلند فرماتے کہ بغلوں کی سپیدی دکھائی دیتی اور سہل بن سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی کان یجعل اصبعیہ حذاء منکبیہ ویدعو حضور دعا کے وقت انگلیوں کو شانوں کے مقابل کر دیتے تھے اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی المسألۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوہما سوال کی صورت یہ ہے کہ ہاتھوں کو شانوں کے مقابل کر دے یا ان کے قریب۔ لمعات میں ہے: ای ادب السوال ان ترفع یدیک حذاء منکبیک لان العادۃ فی من طلب شیئا ان یبسط یدیہ ای الکف الی المدعو لہ یعنی سوال کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کو شانوں کے مقابل کر دے کہ عادت یہ ہے کہ جب کوئی کسی سے کچھ مانگتا ہے تو اس کی طرف ہاتھ پھیلا دیتا ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دعا کا یہ طریقہ ہے اور اس میں اپنی عاجزی وبیکسی کا اظہار ہے کہ جس طرح باطن میں توجہ اور انابۃ الی اللہ ہونی چاہئے۔ اسی طرح ظاہر میں بھی سائل اور مانگنے والے کی صورت ہونی چاہئے کہ یہ اقرب الی اللہ اجابۃ ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ (۳۹۷)** مسئولہ محمد کامل صاحب بنارس یکم محرم الحرام ۱۳۶۱ھ

اصول حنفیہ کے اعتبار سے سوائے تکبیر تشریق کے اور کون سا ذکر بالجہر مشروع ہے اور تکبیر تشریق پر لا الٰہ الا اللہ کا مقدم کرنا کیسا ہے۔

**الجواب**:۔ ذکر جہر صحیح مقصد کے لئے جائز ہے تکبیر تشریق پر اذکار کو مقدم نہ کرے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے وینبغی ان یکبر متصلا بالسلام۔ واللہ تعالےٰ اعلم

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کا میری عزت وجلال کی قسم کہ آج اس مجمع میں جو چیز اپنی آخرت کے لئے مانگو گے تمہیں عطا فرماؤں گا۔ اور جو کچھ دنیا کا سوال کرو گے اس میں تمہارے لئے نظر کروں گا یعنی اگر وہ چیز بندے کے لئے بہتر ہے تو دوں گا ورنہ اس سے بلا دور فرماؤں گا یا آخرت میں دوں گا۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

**مسئلہ** (۳۹۸) مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ اندر کورٹ میرٹھ ۱۲ محرم ۱۳۶۶ھ
سیدی دامت برکاتہم۔ احناف کے نزدیک خطبۂ عیدین سننا واجب ہے چنانچہ درمختار وغیرہ میں تصریح فرمائی گئی ہے لیکن ابن ماجہ، النسائی، ابو داؤد باب العیدین میں ایک حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ جو چاہے سنے اور جو چاہے چلا جائے اس کا جواب کیا ہے۔

**الجواب**:- اولاً یہ حدیث مرسل ہے جیسا کہ ائمہ حدیث نے اس کی تصریح کی ہے اور خود ابو داؤد نے بھی اس کو مرسل ہی بتایا ہے۔ ثانیاً یہاں دو چیزیں ہیں ایک بوقت خطبہ حاضر رہنا۔ دوم جو حاضر ہوں ان کو خطبہ کا استماع یعنی وقت خطبہ ایسی چیزیں نہ کرنا جو منافی استماع ہوں۔ مثلاً سلام و کلام اور کھانا، پینا وغیرہ۔ فقہاء نے جس کے وجوب کی تصریح فرمائی ہے وہ استماع ہے اور حدیث میں جس کی رخصت ہے وہ وہاں سے چلے جانے کی ہے فلا منافاۃ۔ لہٰذا جو چاہے جا سکتا ہے مگر جو موجود رہے گا اس کے لئے استماع واجب ہے۔ ھٰذا ما عندی والعلم عند ربی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۳۹۹) مرسلہ مولوی غلام رشید صاحب سلمہ۔ از ناگپور مومن پورہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ
نماز عید میں دوسری رکعت میں امام تکبیر زوائد بھول گیا اور رکوع کے بعد سجدہ میں اسے یاد آیا۔ اس نے اسی وقت قیام کی طرف عود کیا۔ اور تکبیرات کو پورا کیا ایسی شکل میں نماز ہوئی یا نہیں۔

**الجواب**:- امام رکعت ثانیہ میں تکبیرات زوائد بھول گیا اور رکوع میں اسے یاد آیا جب بھی اس کے لئے قیام کی طرف عود کرنے کی اجازت نہیں۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ درمختار میں ہے لو رکع الامام قبل ان یکبر فان الامام یکبر فی الرکوع ولا یعود الی القیام لیکبر فی ظاہر الروایۃ جب رکوع سے قیام کی طرف عود کی اجازت نہیں تو سجدہ سے عود کرنا بدرجہ اولیٰ نہ چاہئے رہا یہ کہ نماز فاسد ہوئی یا نہیں درمختار میں عود من الرکوع کی نسبت لکھا فلو عاد ینبغی الفساد اور اس کی علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں رفض فرض ہے مگر قوی من حیث الدلیل یہ ہے کہ رکوع سے قیام کی طرف عود سے نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ قیام میں تکبیرات کہنے کے بعد پھر رکوع کرے کہ روایت نوادر جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ یہ ہے یعود الی القیام ویکبر ویعید الرکوع دون القراءۃ اور صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں جیسا کہ قیام سے قعدہ اولیٰ کی طرف عود کرنے میں۔ ردالمحتار میں ہے قولہ فلو عاد ینبغی الفساد تبع فیہ صاحب النھر وقد علمت ان العود روایۃ النوادر علی انہ یقال علیہ ما قال ابن الھمام فی ترجیح القول

Marfat.com

بعدم الفساد فیما الوعاد الی القعود الاول بعد ما استتم قائما بان فیہ رفض الفرض لاجل الواجب وھو وان لم یحل فھو بالصحۃ لا یخل پس اگر سجدہ سے قیام کی طرف عود کیا اور تکبیرات کہیں تو پھر رکوع کر کے سجدہ میں جائے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

# باب الجنائز

**مسئلہ** (۴۰۰) مولوی حافظ شیر محمد صاحب مدرس عربی سکول خانپور ریاست بہاولپور ۱۳ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ

ایک کنجری اس جگہ فوت ہو گئی ہے طوائف چکلہ میں سے تھی بعض مولویوں نے جنازہ پڑھا ہے اور بعض نہیں گئے قل خوانی کا کھانا بھی کھایا ہے بحوالہ کتب تحریر فرمائیں کہ جنازہ ایسی عورت کا پڑھنا عند الشرع جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب**: نماز جنازہ ہر مسلمان کی پڑھنا فرض کفایہ ہے۔ اگرچہ وہ کتنا ہی گنہگار ہو۔ تنویر الابصار میں ہے وھی فرض علی کل مسلم مات۔ صرف بعض کا فقہاء نے استثناء فرمایا ہے۔ اور زانی و زانیہ اون میں نہیں۔ ہاں اگر بعض خواص خود نہ پڑھیں کہ دوسروں کو عبرت ہو تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ عورت غامدیہ جو زنا میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ اور ان پر حد رجم قائم کی گئی تھی ان کے بارے میں صحیح مسلم شریف کتاب النکاح میں بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ ثم امر بھا فصلی علیھا" رجم کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا پھر اون کے جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔ اور اس کے فاتحہ کے کھانے کا یہ حکم ہے، کہ اگر حلال اور طیب مال سے کھانا پکوا کر ایصال ثواب کیا گیا تو اس کے کھانے میں حرج نہیں، وہ لوگ کھا سکتے ہیں جن کو اس قسم کا کھانا جائز ہے مگر جب کہ وہ عورت بازار کی بیٹھنے والی تھی تو ایسی جگہ کھانے کے لئے جانا بھی اگرچہ وہ کھانا جائز ہو شرعاً مذموم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

ع۱ ان لوگوں کی نماز جنازہ نہیں۔ (۱) باغی۔ جو امام برحق پر ناحق خروج کرے۔ اور بغاوت کی حالت میں مارا جائے (۲) ڈاکو جب کہ ڈاکہ ڈالنے کی حالت میں مارا جائے۔ (۳) جو لوگ ناحق پاسداری میں لڑیں اور اسی حالت میں مارے جائیں (۴) جو لوگ ناحق پاسداری میں لڑنے والے کا تماشا دیکھ رہے ہوں اور اتفاقاً تیر یا گولی وغیرہ لگی اور مر گئے۔ (۵) جو کسی مسلمان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالے۔ اس گلا گھونٹنے والے کی نماز جنازہ نہیں اور جو کہ گلا گھونٹنے سے مرا ہے اس کی نماز جنازہ ہے (۶) جو لوگ رات میں ہتھیار لے کر لوٹ مار کریں اور اسی حالت میں مارے جائیں۔ (۷) جس نے اپنے باپ یا ماں کو مار ڈالا ہو اس بدنصیب کی نماز جنازہ نہیں (۸) جو کسی مسلمان کا مال چھین رہا تھا اور اسی حالت میں مارا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

**مسئلہ (۴۰۱)** مسئولہ مولوی عبدالجبار صاحب طالب العلم مدرسہ منظر اسلام بریلی ۳۰ شعبان ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

اگر ولی میت نے امام جمعہ کے علاوہ اور کوئی دیندار پرہیزگار کو نماز جنازہ کی اجازت دے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں۔

**مسئلہ (۴۰۲)** ولی میت کی اجازت کے بغیر امام جمعہ نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں اگر پڑھا دے تو ولی میت نماز لوٹا سکتا ہے یا نہیں۔

**مسئلہ (۴۰۳)** اگر میت کا لڑکا محلہ کا سردار ہو اور مسجد کا متولی بھی تو امام جمعہ کے علاوہ اور کسی کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دے سکتا ہے یا نہیں۔

**مسئلہ (۴۰۴)** اگر کوئی شخص حالت زندگی میں امام موصوف پر ناراض ہو اور بعد وفات اور کسی شخص کے ذریعہ سے نماز پڑھوانے کی وصیت کرے تو وصیت جاری ہوگی یا نہیں۔

**الجواب:-** اگر صاحب حق کے سوا دوسرے عاقل بالغ نے نماز پڑھا دی جب بھی نماز جنازہ ہو جائے گی یعنی فرض ساقط ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے لسقوط فرضہا بواحد۔ ردالمحتار میں ہے ای بشخص واحد رجلا کان او امرأۃ مگر جب کہ نماز جنازہ کے وقت امام جمعہ حاضر ہو تو ولی یا امام حیّ سے زیادہ حق اسی امام جمعہ کا ہے غنیہ میں ہے الاولی بالامامۃ فیہا السلطان ثم القاضی ثم امام الجمعۃ ثم امام الحی ثم الولی علی ترتیب الارث۔ اور ایسے وقت کہ ولی سے افضل واحق موجود ہے تو ولی کو یہ نہ چاہئے کہ دوسرے سے پڑھوائے یا خود پڑھاوے بلکہ وہی امام جمعہ ہی پڑھائے۔ مگر دوسرے نے پڑھا دی جب بھی نماز ہو گئی۔ اوسی غنیہ میں ہے حتی لم یکن له ان یأذن لغیرہ اذ انتقل الحق الیہ اور اس صورت میں ابھی ولی تک حق امامت پہنچا ہی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**الجواب:-** امام جمعہ کو ولی سے اجازت لینے کی کچھ ضرورت نہیں۔ ضرورت جب ہوتی کہ یہ خود صاحب حق نہ ہوتا اور اوپر معلوم ہو چکا کہ امام جمعہ ولی پر مقدم ہے اور امام جمعہ پڑھاوے گا تو ولی نماز کا اعادہ نہیں کر سکتا۔ ولی نماز کو دوبارہ اس وقت پڑھ سکتا ہے کہ بغیر اجازت ولی کسی ایسے نے نماز پڑھائی جو ولی پر مقدم نہ تھا اور خود ولی نماز میں شریک نہ ہوا غنیہ میں ہے ولیس لغیر المذکورین ان یتقدم بلا اذنہ فان تقدم فلہ ان یعیدہا ان شاء

Marfat.com

درمختار میں ہے فان صلی غیرہ ای الولی ممن لیس لہ حق التقدم علی الولی ولم یتابعہ الولی اعاد الولی ولو علی قبرہ ان شاء لاجل حقہ لا لاسقاط الفرض والا ای وان صلی من لہ حق التقدم کقاض او نائبہ او امام الحی او من لیس لہ حق التقدم وتابعہ الولی لا یعید لانہ اولی بالصلٰوۃ منہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

**الجواب**:۔ سردار محلہ یا متولی مسجد ہونے سے نماز جنازہ کا حق نہیں ملتا اس کے لئے سوائے حق ولایت مسجد کوئی دوسرا حق نہیں۔ اور امام جمعہ کے ہوتے ہوئے دوسرے کو اجازت دینے کا اسے حق نہیں۔ کما تقدم۔ واللہ تعالٰی اعلم

**الجواب**:۔ امام سے ناراض ہونا اگر کسی ایسی خرابی کے باعث تھا جو امام میں تھی تو امام کو ولی پر ترجیح نہیں کہ امام کو ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ جب اس شخص نے اپنی زندگی میں اسے امام بنایا اور اس پر راضی رہا تو بعد موت نماز جنازہ کا بھی وہی امام ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے وانما کان اولی لان المیت رضی بالصلٰوۃ خلفہ فی حال حیاتہ فینبغی ان یصلی علیہ بعد وفاتہ اور یہاں زندگی میں رضا موجود نہیں لہٰذا تقدیم کی وجہ نہیں۔ اسی میں غنیہ سے ہے فعلی ھذا لو علم انہ کان غیر راض بہ حال حیاتہ ینبغی ان لا یستحب تقدیمہ اور اگر امام پر ناراضی بلا وجہ شرعی ہو تو اس ناراضی کا کچھ اثر نہیں ردالمحتار میں عبارت غنیہ کے بعد فرمایا قلت ھذا اسلم ان کان عدم رضاہ بہ لوجہ صحیح والا فلا نماز جنازہ کی وصیت باطل ہے یعنی صاحب حق کے سوا دوسرے کو نماز پڑھانے کی وصیت کر گیا تو اس وصیت سے حق دار کا حق نہ جائے گا۔ درمختار میں ہے والفتوی علی بطلان الوصیۃ بغسلہ والصلٰوۃ علیہ ردالمحتار میں ہے عزاہ فی الھندیہ الی المضمرات ای لو اوصی بان یصلی علیہ غیر من لہ حق التقدم او بان یغسلہ فلان لا یلزم تنفیذ وصیتہ ولا یبطل حق الولی بذالک وکذا تبطل لو اوصی بان یکفن فی ثوب کذا او یدفن فی موضع کذا کما عزاہ الی المحیط وذکر فی شرح درر البحار ان تعلیل تقدیم امام الحی بما مر من ان المیت رضیہ فی حیاتہ یعلم ان الموصیٰ یقدم امام الحی لاختیارہ لہ صریحاً الا ان المذکور فی المنتقی ان ھذہ الوصیۃ باطلۃ اھ فتامل واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ** (۴۰۵) مرسلہ اسمعیل صالح محمد از رانا واو ضلع کاٹھیاوار ۴ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

جنازے کے آگے مولود شریف پڑھنا چلتے وقت جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب**:۔ جنازہ کے ساتھ نعت شریف پڑھنا جائز ہے والدلائل کلہا فی الفتاوی الرضویۃ واللہ تعالٰی اعلم

Marfat.com

**مسئلہ** (۴۰۶) مسئولہ احمد علی محلہ نالہ بریلی ۱۶ ربیع الآخر ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند شخصوں نے ایک مرد حنفی کی نماز جنازہ پڑھی اور گیارہویں شریف کا کھانا کھایا۔ اس کھانا کھانے اور نماز جنازہ کی لوگوں سے معافی منگائی گئی۔ ایسے لوگوں کی نسبت شرع کا کیا حکم ہے۔

**الجواب**:۔ مسلمان میت کی نماز فرض کفایہ ہے جن لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی فرض ادا کیا۔ معافی مانگنا کسی گناہ وجرم کے سبب ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے معافی منگوائی بلکہ جنھوں نے معافی مانگی سب مجرم ہیں سب پر توبہ فرض ہے یونہیں گیارہویں شریف کا کھانا مباح وحلال تھا۔ اس سے بھی معافی مانگنے یا منگوانے کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۴۰۷) مرسلہ سید حسن اشرف صاحب از ضلع بستی محلہ پورانی بستی ۱۹ جمادی الاولیٰ ۴۲ھ

زید اپنی بی بی کے جنازہ کو کندھا دے سکتا ہے یا نہیں۔

**الجواب**:۔ عورت کے بدن کو بلا حائل ہاتھ لگانا منع ہے کہ مرنے کے بعد وہ تعلق قطع ہو گیا۔ اب وہ مثل اجنبیہ ہے کہ بلا حائل چھو نہیں سکتا۔ مگر دیکھنے کی اجازت ہے۔ درمختار میں ہے ویمنع زوجہا من غسلہا ومسہا لا من النظر الیہا علی الاصح اور یہ جو عام لوگوں میں مشہور ہے کہ جنازہ کو شوہر کندھا نہیں دے سکتا محض غلط ہے۔ کہ یہ تو مطلقاً ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ شرع نے اس پر کسی قسم کی تخصیص نہ کی۔ پھر غیروں کا تو اجازت ہو اور شوہر کو روکا جائے۔ عجب ہے کہ اگر تعلق منقطع ہونا سبب ہو تو اوروں سے بھی تعلق نہیں۔ آخر وجہ فرق کیا ہے کہ اوروں کو اجازت اور شوہر کو ممانعت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۰۸) مسئولہ مولوی حکیم عبد الرحیم صاحب از احمد آباد گجرات ۲۲ شوال ۴۲ھ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ ہمارے یہاں ایک قاضی صاحب ہیں جو نماز جمعہ وعیدین پڑھاتے ہیں۔ اور نماز جنازہ بھی۔ ہوا یہ کہ ہمارے قصبہ میں ایک ستار کا انتقال ہوا جس کا نام رجو تھا اور ایک عورت کا انتقال ہوا جس کا نام بڑی بی بی تھا۔ قاضی صاحب نے ان دونوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ رجو کڑیل نمازی تھا۔ اور بڑی بی بی سید گھانسی میاں صاحب قادری مرحوم ومغفور کی مرید تھی۔ اور بڑی بی بی کی میت میں قاضی صاحب نے یہ حکم دیا کہ کوئی مرد یا عورت اس کی میت میں شریک نہ ہو اور جو شریک ہوگا اس کو جماعت سے خارج کیا جائے گا۔ اس

Marfat.com

کے بعد قاضی صاحب نے اس عورت کو جس نے غسل دی تھی اور سید پیرو میاں ابن گھانسی میاں جس نے نماز جنازہ پڑھائی تھی جماعت سے نکال دیا اور پیر پیارے کے جنازہ کی نماز بھی قاضی صاحب نے نہیں پڑھائی جب کہ یہ نمازی تھا اور سید باوان میاں قادری مرحوم ومغفور کا مرید تھا۔ یہ کام جو قاضی صاحب کر رہے ہیں کیا شرع کے موافق ہے یا مخالف یہی قاضی صاحب ہمارے قصبہ میں نکاح بھی پڑھاتے ہیں اب ہم لوگ ان کو اپنا پیشوا امام یا اس منصب پر کسی دوسرے کو قائم کریں۔

**مسئلہ** (۴۰۹) قاضی صاحب مذکور نے ملک گلاب، ملک امام و ملک عباس ان تینوں کو بلایا۔ ان تینوں کے قبضہ میں ایک مکان ہے۔ جس کے یہ تینوں مالک ہیں۔ قاضی صاحب یہ چاہتے ہیں کہ مسجد کے مال وقف سے اکاون روپیہ دے کر یہ مکان لے لیں۔ اور بعد تعمیر اس مکان کو قابل کرایہ بنا دیا جائے اور مسجد کی ضروریات میں وہ کرایہ صرف کیا جائے۔ اس کے بعد ان تینوں اشخاص پر جبر کیا کہ یہ مکان مسجد میں دے دو۔ اگر نہ دو گے تو جماعت سے نکال دیں گے ملک گلاب و ملک امام نے انکار کیا تو قاضی صاحب نے ان دونوں کو برادری سے خارج کر دیا۔ اب قاضی صاحب شرع شریف کے موافق ہے یا نہیں۔ بینوا بیانا شافیاً۔ توجروا اجراً وافیاً۔

**الجواب:** ہر مسلمان میت کی نماز فرض کفایہ ہے۔ اگرچہ فاسق و فاجر ہو۔ حدیث شریف میں ہے صلوا علی کل بر وفاجر۔ درمختار میں ہے والصلوٰۃ علیہ فرض کفایۃ بالاجماع فیکفر منکرھا لانہ انکر الاجماع یونہی میت کو غسل دینا بھی واجب ہے۔ عالمگیری میں ہے غسل المیت حق واجب علی الاحیاء بالسنۃ واجماع الامۃ کذا فی النھایۃ۔ بدائع الصنائع میں ہے اما الاول (ای وجوب الغسل) فالدلیل علی وجوبہ النص والاجماع والمعقول اما النص فما روی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال للمسلم علی المسلم ست حقوق وذکر من جملتھا ان یغسلہ بعد موتہ الخ۔ بالجملہ جس نے میت کو غسل دیا یا نماز پڑھی۔ اس نے واجب ادا کیا۔ اور کوئی نہ کرتا تو وہاں کے رہنے والے جن کو خبر تھی۔ سب کے سب گنہگار ہوتے اس قاضی جاہل کا نماز جنازہ سے منع کرنا فرض سے روکنا ہے اور جس نے نماز پڑھی اسے جماعت سے خارج کرنا سخت ظلم و بے باکی ہے۔ اور یہ قاضی مناع للخیر ہے۔ ایسا شخص گنہگار مستحق غضب جبار ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ جن کو اس قاضی نے جماعت سے خارج کیا ہے انھیں شامل جماعت کریں اور خود اس قاضی کو جماعت سے خارج کریں اور اس کو اس منصب سے علیحدہ کریں قال اللہ تعالٰی لا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

Marfat.com

**الجواب:** جبر و تعدی حرام ہے اور مکان نہ دینے پر ان تینوں شخصوں کو جماعت سے خارج کرنا ناجائز۔ قاضی کا یہ حکم بالکل خلاف شرع ہے۔ مسجد اس کی محتاج نہیں کہ لوگوں پر ناجائز دباؤ دے کر ان کے مکانات وغیرہ لئے جائیں اگر وہ خوشی سے نہ دیں تو ان پر کچھ حرج نہیں۔ یہ بھی ان پر قاضی کا ظلم ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۱۰) از شہر کہنہ بریلی۔ ۲۲ محرم ۱۳۴۳ھ

نماز جنازہ میں مقتدی و امام کو سبحانک اللھم پڑھنے کے بعد اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنا چاہئے یا نہیں

**الجواب:** نماز جنازہ میں امام و مقتدی کسی پر قرأت عہ نہیں۔ لہٰذا صرف سبحانک اللھم پڑھیں مگر یہاں تعالےٰ جدک کے بعد جل ثناؤک بھی ملائیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۱۱) مسئولہ جناب محمد ظہور الحق صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ موضع پچورہ تحصیل کھیر ضلع علی گڑھ ۵ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

جو شخص مذہب اسلام سے واقف نہ ہو اور مدعی اسلام ہو اور اسلامی عقائد و قواعد کے جاننے کی کوشش بھی نہ کرتا ہو بلکہ بعض عقائد اسلامیہ مثل عقد ثانی بیوگان کو قبیح جانتا ہو۔ ایا ایسے شخص سے میل جول، طعام و سلام اور اس کے جنازہ کی نماز جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب:** جو شخص مدعی اسلام ہو اگرچہ اصول اسلام سے واقف نہیں۔ اسے مسلمان ہی قرار دیں گے جب تک ضروریات دین کا انکار اس سے ثابت نہ ہو۔ اگر عقد بیوگان کو حرام جانتا ہو یا اس مسئلہ اسلامیہ کو بری نظر سے دیکھتا ہو اور برا بتاتا ہو تو یہ کفر ہے۔ اور اس صورت میں اس سے میل جول سلام و کلام سب حرام۔ اور اس کے جنازہ کی نماز حرام۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۱۲) مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب از ستواس ریاست اندور ۶ صفر ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مقتول ملا۔ پندرہ روز کے بعد صرف دو حصے سر کے اور ایک ہاتھ ایک طرف کی پسلیاں ملیں۔ اب اس پر نماز پڑھیں یا نہ۔ پڑھ لیا تو کیا گناہ ہوا۔

**الجواب:** اگر آدھا جسم مع سر کے ملا تو نماز پڑھی جائے گی۔ اور صورت مسئولہ میں تو صرف کچھ اجزا سر کے۔ اور ایک ہاتھ اور ایک طرف کی پسلیاں ملی ہیں۔ لہٰذا اس کی نماز جنازہ نہیں۔ عالمگیری میں ہے ولو وجد اکثر البدن او نصفہ مع الرأس یغسل ویکفن ویصلی علیہ کذا فی المضمرات واذا صلی علی الاکثر لم یصل علی الباقی اذا وجد۔ کذا

عہ اور تعوذ، قرأت کے لئے مسنون تھا جب قرأت نہیں تو تعوذ بھی نہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔ امجدی غفرلہ۔

Marfat.com

فی الایضاح وان وجد نصفہ من غیر الراس او وجد نصفہ مشقوقاً طولاً فانہ لا یغسل ولا یصلی علیہ ویلف فی خرقۃ ویدفن فیہا کذا فی المضمرات۔ درمختار میں ہے وجد راس آدمی او احد شقیہ لا یغسل ولا یصلی علیہ بل یدفن الا ان یوجد اکثر من نصفہ ولو بلا راس۔ ردالمحتار میں ہے وکذا یغسل لو وجد النصف مع الراس بحر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ** (۴۱۲) مسئولہ مولوی حمید حسن متعلم مدرسہ اہلسنت ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک میت اہل سنت و جماعت کی نماز شیعہ یا غیر مقلد نے پڑھائی۔ اور اس میں دھوکے سے اہل سنت و جماعت نے نماز پڑھی جو نقشبندیوں کی مسجد کے نمازی تھے۔ اور وہ لوگ نماز جنازہ پڑھانے والے کو سنی جانتے تھے اور چند لوگ میت کے ہمراہ جنازہ میں تھے جو سنی تھے اور امام کے مذہب کو جانتے تھے لیکن ان لوگوں نے ظاہر نہیں کیا۔ اس صورت میں قبر پر نماز جنازہ مکرر ہو گی یا نہیں۔ اور جن جن کو معلوم تھا ان کو تجدید ایمان و تجدید نکاح کرنا چاہئے یا نہیں اور جن لوگوں کو نہیں معلوم تھا ان کے متعلق شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ روافض زمانہ قطعاً کفار مرتدین ہیں کہ قرآن عظیم کو ناقص مانتے اور ائمہ اطہار کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت دیتے ہیں۔ یا الیسوں کو اپنا پیشوا یا کم از کم مسلمان جانتے ہیں اور وہ دونوں باتیں قطعاً یقیناً بالاجماع کفر۔ اور جو اس کے قائل کو کافر نہ جانے وہ بھی انہیں کے مثل۔ من شک فی عذابہ وکفرہ فقد کفر اور وہابیہ غیر مقلدین پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم۔ کما حققہ شیخنا المجدد فی رسالہ الکوکبۃ الشہابیہ وغیرہا۔ ان کے پیچھے نماز ناجائز و باطل کما ہو مصرح فی رسالتہ النہی الاکید۔ بالجملہ اس میت کی نماز نہ ہوئی کہ جب امام رافضی تھا یا غیر مقلد تو امام کی نہ ہوئی۔ اور اقتدار صحیح نہ ہوئی۔ تو میت کو بغیر نماز دفن کر دیا فرض ہے کہ میت کی قبر پر[عہ] نماز پڑھی جائے اور مقتدیوں میں جسے امام کا حال معلوم نہ تھا اس پر مواخذہ نہیں۔ اور جسے معلوم تھا اور اقتدا کی تو اسے صالح امامت[۵] سمجھا ایسے کو تجدید ایمان و تجدید نکاح چاہیے۔ واللہ تعالٰی اعلم

عہ اس مسئلہ کی پانچ صورتیں ہیں۔ اول آدھا جسم پورے سر کے ساتھ ملا۔ دوم سر نہیں ملا مگر جسم کا اکثر حصہ ملا۔ ان دونوں صورتوں میں نماز جنازہ ہے۔ سوم سر کے ساتھ آدھے جسم سے کم ملا۔ چہارم سر نہیں ملا۔ آدھا یا آدھے سے کم جسم کا حصہ ملا۔ پنجم آدھے سر کے ساتھ آدھا جسم ملا۔ ان تین صورتوں میں نماز جنازہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم امجدیہ

عہ یہ مسئلہ مقامی ہے یہ معلوم رہا ہو گا کہ ابھی اتنی مدت نہیں گزری ہے کہ میت قبر میں پھٹ گئی ہو گی۔ ورنہ حکم یہ ہے کہ اگر دفن کئے اتنی مدت گزر چکی ہے کہ قبر میں میت پھٹ گئی ہو گی تو نماز جنازہ ساقط ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ امجدی۔ ۵ صالح امامت سمجھنے کے لئے لازم ہے کہ اسے مسلمان جانا۔ اور روافض و غیر مقلدین کو مسلمان جاننا کفر ہے۔ اس لئے ان کو توبہ و تجدید ایمان کا حکم ہے۔ اور اگر اقتدا کی نیت نہ کی اپنے طور پر بلا اقتدا نماز جنازہ پڑھ لی یا نہ پڑھی یوں ہی بلا نیت نماز کھڑا رہا تو تجدید ایمان و نکاح کا حکم نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

**مسئلہ (۴۱۴)** مسئولہ محمد حسین از محلہ سوداگران بریلی۔ ۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مرا جس نے کبھی نماز نہ پڑھی مگر کلمہ گو ضرور تھا۔ اس شخص کی نماز جنازہ کسی نے نہیں پڑھی۔ ان لوگوں کے واسطے کیا حکم ہے۔

**مسئلہ (۴۱۵)** ایک شخص اور مرا وہ بھی ایسا ہی تھا اس کے جنازہ کو امام نے چالیس قدم گھسیٹا تب اس کی نماز پڑھی تو ان لوگوں کے لئے کیا حکم ہے۔

**الجواب:-** نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس کے لئے میت کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ متقی ہونا ضرور نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے والصلوٰۃ علیہ فرض کفایۃ وشرطھا اسلام المیت۔ حدیث میں ہے صلوا علی کل بر و فاجر جب کسی نے نہ پڑھی تو وہاں والے جن کو خبر تھی سب گنہگار ہوئے۔ سب پر توبہ فرض ہے۔ اور اگر تین دن[عہ] سے زیادہ زمانہ دفن کو نہ ہوا ہو۔ تو قبر پر پڑھی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب:-** جنازۂ مسلم کو گھسیٹنا ناجائز و گناہ ہے۔ اس نے کبھی نماز نہ پڑھی اس کا گناہ اس پر ضرور تھا مسلمان میت کی بے حرمتی کر کے بلا سبب انھوں نے گناہ کیا۔ حدیث میں تو یہاں تک فرمایا دکفوا عن مساویھم اپنے مُردوں کی برائیاں بیان کرنے سے زبان روکو۔ تو جب اس کی برائیاں مرنے کے بعد ذکر کرنے سے ممانعت فرمائی تو یہ بے حرمتی کس درجہ شنیع و قبیح ہے۔ پھر گھسیٹنے کے بعد نماز پڑھی تو کیا اس سے وہ پاک ہو گیا۔ نماز ترک کرنے کا اس سے کفارہ ادا ہو گیا جو ایذا پہنچانے کے بعد نماز پڑھی گئی پہلے ہی نماز پڑھ کر کیوں نہ دفن کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۴۱۶)** از رانی کھیت جامع مسجد مرسلہ قاری جلیل الدین احمد صاحب ۱۵ رجمادی الآخرہ ۱۳۴۸ھ

نابالغ بچے جن کے ورثاء وہابی، شیعہ یا دیگر فرقہ ضالہ ہیں ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنی یا جنازہ کی معیت میں نقل و حرکت شرعاً کیا حکم رکھتا ہے۔

**الجواب:-** نابالغ سمجھدار ہے تو اس کا اسلام معتبر ہے اور ناسمجھ ہے تو خیر الابوین کا تابع ہے اس میں دیگر ورثاء کا

---

عہ یہ ایک قول کی بنا پر ہے۔ غالباً عوام کی آسانی کے لئے یہ قول اختیار فرمایا۔ ورنہ صحیح یہ ہے کہ اس کی دنوں سے مقدار نہیں بتائی جا سکتی اصل حکم یہ ہے کہ جب تک اس کا گمان غالب نہ ہو کہ میت پھٹ گئی ہے۔ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور یہ زمین اور موسم اور میت کے لحاظ سے بدل سکتا ہے۔ تر زمین میں جلد پھٹے گا خشک زمین میں دیر میں۔ جاڑے میں دیر میں گرمی میں جلد۔ موٹے آدمی کی لاش جلد پھٹے گی اور دبلے کی دیر میں۔ اس کو خود بہار شریعت میں اور دوسرے آگے والے فتاویٰ میں مفصل ذکر فرمایا۔ واللہ تعالیٰ

اعتبار نہیں۔ لہٰذا اگر اس کے والدین کفریہ عقائد رکھتے ہوں اور وہ بچہ نا سمجھ ہو تو جنازہ میں شرکت ناجائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۱۷) آپ نے بہار شریعت حصہ چہارم صفحہ ۱۴۲ میں نماز جنازہ میں میت کے لئے دعا کرنا سنت تحریر فرمایا ہے اور رسالہ رکن الدین میں درمختار کے حوالے سے میت کے لئے دعا کرنا واجب لکھا ہے۔ اور بہشتی گوہر میں بھی یہی ہے۔ لہٰذا مسئلہ کی تحقیق فرما کر جواب دیجئے۔

**الجواب**:- درمختار باب شروط الصلوٰۃ میں لکھا ہے لانہ الواجب علیہ جس سے ظاہر مفہوم یہ ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں دعا واجب ہے۔ اور بعض علماء کا یہی مذہب بھی ہے۔ مگر خود درمختار باب الجنائز میں دعا کو سنت بتایا اور پہلے قول کو رد کر دیا۔ عبارت یہ ہے وسنتھا ثلثۃ التحمید والثناء والدعاء فیھا ذکرہ الزاھدی وما فھمہ الکمال من ان الدعاء رکن والتکبیرۃ الاولی شرط ردہ فی البحر بتصریحھم بخلافہ اور وہ پہلی عبارت جس سے وجوب سمجھا جاتا ہے اس کی تاویل علامہ شامی نے یہ کی ہے کہ یہاں دعا سے مراد نفس نماز جنازہ ہے کہ وہ خود ہی دعا ہے۔ اس دعا سے مراد وہ دعا نہیں ہے جو نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے اور جو لوگ دعا کو واجب کہتے ہیں وہ ائمہ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں حقیقتھا ھی الدعاء ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے کہ اگر اس عبارت میں دعا سے وہ دعا مراد لی جائے جو نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے اور یہ جملہ چونکہ حصر کا افادہ کرتا ہے لازم آئے گا کہ تکبیرات رکنیت سے خارج ہو جائیں اور یہ خود ان کے بھی خلاف ہے اس قول میں خود نماز جنازہ ہی کو دعا کہا گیا ہے اور وہ دعا مراد نہیں ہے جس پر نماز جنازہ مشتمل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

**مسئلہ** (۴۱۸) از پورنیہ سید باڑہ مرسلہ جناب مولوی شمس العالم صاحب ۱۳ ار رجب ۵۰ھ

مجنوں کی نماز جنازہ کی دعا میں کیا پڑھا جائے۔

**الجواب**:- مجنوں کے لئے نماز جنازہ میں وہ دعا پڑھی جائے جو نابالغ کے جنازہ میں پڑھی جاتی ہے۔ اگر جنون اصلی[1] ہو تو دعائے مغفرت نہ کی جائے اور عارضی جنون ہو تو دعا مغفرت بھی کی جائے کہ قبل جنون وہ مکلف تھا۔ درمختار میں ہے و لا یستغفر فیھا لصبی ومجنون ومعتوہ لعدم تکلیفھم۔ ردالمحتار میں ہے ھذا فی الاصلی فان الجنون والعتہ الطارئین بعد البلوغ لا یسقطان الذنوب السابقۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[1] جنون اصلی سے مراد یہ ہے کہ نابالغی کی حالت ہی سے مجنون ہو یا بلوغ کے ساتھ ساتھ جنون بھی طاری ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

**مسئلہ (۴۱۹)** از مقام گورہٹی ڈاکخانہ انگس ضلع ہوگلی بنگال مرسلہ جناب غلام رسول صاحب ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ
کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ چند مسلمان قصداً ہندوؤں یعنی کافروں کی میت کے ساتھ شریک ہو کر کافروں کے ساتھ کافروں کے رسوم ادا کرتے ہیں ایسے مسلمانوں پر شریعت طاہرہ کا کیا حکم ہے۔

**مسئلہ (۴۲۰)** وہی مذکورہ بالا مسلمان مسلمانوں کے جنازہ اور تجہیز و تکفین میں شریک نہیں ہوتے ہیں باوجودیکہ ان کو خبر ہوتی ہے۔ ان پر کیا حکم ہے۔

**مسئلہ (۴۲۱)** مذکورہ بالا مسلمان کے ساتھ دوسرے دیندار مسلمان برادرانہ رسوم برتیں گے یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب:-** اگر کافر مر جائے تو مسلمان اس وقت کفن و دفن کر سکتا ہے جب کوئی کافر اس کو کفن دفن کرنے والا نہ ہو۔ ایسی صورت میں بغیر مراعات سنت اس کو الگ گڑھے میں دبا دے اور جب کہ اس کے مذہب والے موجود ہوں تو مسلمان اس کی تجہیز و تکفین نہ کرے اگرچہ وہ کافر اس مسلمان کا قریبی رشتہ دار ہو۔ تنویر الابصار میں ہے۔ ویغسل المسلم ویکفن و یدفن قریبہ الکافر الاصلی عند الاحتیاج من غیر مراعاۃ السنۃ درمختار میں ہے فیغسلہ غسل الثوب النجس ویلفہ فی خرقۃ ویلقیہ فی حفرۃ اور صورت مسئولہ میں جب کہ ہندو موجود تو مسلمان کی شرکت کی کوئی حاجت نہیں بلکہ اس کی شرکت سے لوگوں کی کثرت ہوگی۔ اور اس سے جنازہ کافر کی شان نمایاں ہوگی جس کی ہرگز اجازت نہیں
واللہ تعالیٰ اعلم

**الجواب:-** اگرچہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے کہ بعض نے ادا کر لیا تو دوسرے لوگ بری الذمہ ہیں۔ مگر اس شخص کا کافروں کے جنازہ میں شریک ہونا اور مسلمانوں کے جنازہ میں نہ شریک ہونا ظاہر کرتا ہے کہ کافروں کی طرف اس کا میلان ہے۔ اور قرآن کا ارشاد ہے ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار الآیۃ ظالموں کی طرف میلان نہ کرو تمہیں آگ چھوئے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب:-** اس شخص سے توبہ کرائیں اگر وہ اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو اسے علیحدہ کردیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۴۲۲)**
شیرخوار میت یعنی بچہ یا نابالغ میت کو تلقین کرنا چاہئے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:-** تلقین کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ** (۴۲۳) مرسلہ مولوی عبد الغنی حنفیہ غوثیہ مسجد بکر منڈی قلی بازار کانپور۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ میں ہاتھ کھول کر سلام پھیرنا چاہئے یا باندھ کر دونوں طرح جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ ہاتھ کھول کر سلام پھیرنا چاہئے یہ خیال کہ تکبیرات میں ہاتھ باندھے رہنا مسنون ہے۔ لہذا سلام کے وقت بھی ہاتھ باندھے رہنا چاہئے۔ یہ خیال غلط ہے وہاں ذکر طویل مسنون موجود ہے اس پر قیاس، قیاس مع الفارق ہے فقہاء کرام نے ہاتھ باندھنے اور کھولنے کے لئے جو کلیہ ارشاد فرمایا ہے اس سے استدلال کی ہمیں حاجت نہیں جبکہ خاص اس بارے میں جزئیہ موجود ہے۔ خلاصۃ الفتوی میں ہے ولا یعقد بعد التکبیر الرابع لانہ لا یبقی ذکر مسنون حتی یعقد فالصحیح انہ یحل الیدین ثم یسلم تسلیمتین ھکذا فی الذخیرہ۔ واللہ تعالی اعلم۔

**مسئلہ** (۴۲۴) مسئولہ محبت شاہ موضع ڈھنکنی ڈاکخانہ فرید پور ضلع بریلی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید گاؤں میں رہتا ہے اور گاؤں میں خواندہ شخص بہت کم ہوتے ہیں۔ زید کا لڑکا فوت ہو گیا اور اس کو فوت ہوئے ایک ماہ ہو گیا ہے اور اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھی گئی۔ زید نے تین یوم تک برابر نماز پڑھوانے کی کوشش کی۔ لیکن نماز پڑھنے والا کوئی نہیں ملا۔ زید چاہتا ہے کہ نماز جنازہ پڑھ دی جائے۔ ایسی صورت میں از روئے شرع شریف نماز ہو سکتی ہے یا نہیں۔

**الجواب**:۔ نماز جنازہ فرض ہے جو لوگ اس گاؤں میں رہتے ہیں ان پر فرض ہے کہ نماز جنازہ یاد کریں اور جب تک دعائیں یاد نہ ہوں اتنا ہی کر لیا کریں کہ جنازہ کے لئے چار بار اللہ اکبر کہہ کر سلام پھیر دیا۔ فرض ادا ہو جائے گا۔ قبر پر نماز جنازہ اس وقت پڑھی جا سکتی ہے جب تک جسم میت کا صحیح وسالم ہونا مظنون ہو۔ اب چونکہ ایک ماہ کا زمانہ گزر گیا۔ وقت نکل گیا۔ وہاں والے سب گنہگار ہوئے۔ توبہ کریں۔ واللہ تعالی اعلم۔

**مسئلہ** (۴۲۵) از ضلع بلیا۔ مرسلہ مولوی عبد العظیم صاحب ۶ ربیع الاول ۵۶ھ

غسل میت کے اندر جن صورتوں میں تیمم کرانے کا حکم ہے ان صورتوں میں میت کے بدن کے کپڑے

---

عہ اگرچہ یہ استدلال صحیح ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اس زحمت کی ضرورت نہیں کہ اس کلیئے سے استدلال کیا جائے جب کہ صریح جزئیہ موجود ہے۔ واللہ تعالی اعلم

عہ ۔ چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے رہے۔ اس لئے کہ اب ذکر مسنون باقی نہ رہا کہ باندھے رہے اس لئے صحیح یہی ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ کھول دے پھر دونوں طرف سلام پھیرے۔ ایسے ہی ذخیرہ میں ہے۔

Marfat.com

طرح اتارے جائیں اور کفن کس طرح پہنایا جائے کپڑے اتارنے اور کفن پہنانے میں تو بہرحال میت کے بقیہ جسم کو ہاتھ ضرور لگے گا۔ مع حائل ایسا کرنے میں بہت دقت ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:**۔ کپڑے اتارنے یا کفن پہنانے میں اپنے ہاتھ پر کوئی کپڑا لپیٹ لے تاکہ اس کے بدن کو ہاتھ نہ لگے اور اگر عورت کا محرم ہے تو اسے بعض اعضاء پر ہاتھ لگانے میں حرج نہیں۔ اسی واسطے تیمم کرانے میں اس کو ہاتھ پر کپڑا لپیٹنے کی کوئی حاجت نہیں کہ ان مواضع کو بلا حائل یہ چھو سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ** (۴۲۶) مرسلہ حاجی محمد اسماعیل ولد الفو مقام طاڈ ضلع تھانہ آفس روڈ۔ ۲۲ جمادی الاخریٰ ۵۹ھ

آج کل ہندوستان میں جو یہ رواج جنازہ کا ہے جیسا کہ ہندوؤں کی ارتھی۔ کیوں کہ مردہ کو بہت تکلیف ہوتی ہے چونکہ جنازہ کے باہر جو ڈنڈے ہوتے ہیں باہر نکلے ہوئے۔ جس چیز کے اندر میت کو تکلیف ہوتی ہو اس کے اندر لے جانا جائز ہے یا نہیں بیان فرمادیں۔

**الجواب:**۔ ہندوستان میں عموماً جنازہ کو چارپائی پر لے جاتے ہیں۔ اگر وہاں کسی ایسی چیز پر مردہ کو لے جاتے ہوں جس سے مردہ کو تکلیف ہو تو اس کو چھوڑ دیں اور ایسی چیز پر میت کو لے جائیں کہ تکلیف نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ** (۴۲۷) مرسلہ عبدالغفور صاحب دفتر انجمن اشاعت الحق بنارس ۲ شعبان المعظم ۶۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماء اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں۔

نماز پڑھنے مسجد میں گیا کہ جنازہ آگیا نماز جنازہ پڑھی بلا ٹی دیئے واپس ہونا چاہتا ہے تو اولیاء میت سے اجازت لینا چاہیے یا نہیں۔

**مسئلہ** (۴۲۸) عام استعمالی جوتا پہن کر نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے۔

**الجواب:**۔ اگر جنازہ کے ساتھ جانا نہیں چاہتا تو اولیاء میت سے اجازت لے کر واپس چلا آئے یا اولیاء میت خود اذن عام دیدیں کہ جو ساتھ نہ جانا چاہتا ہو وہ واپس جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**الجواب:**۔ اگر جوتا پاک ہے تو اس کو پہن کر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے مگر بہتر یہ ہے ایسا نہ کرے کہ اسے دیکھ کر دوسرے لوگ جن کے جوتے ناپاک ہیں وہ بھی پہن کر پڑھنے لگیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ** (۴۲۹) از پوربندر بشنگنج بازار سوداگری مرسلہ امام جامع مسجد ۸ ذیقعدہ ۶۶ھ

Marfat.com

نماز جنازہ کے کچھ دیر کے بعد جنازہ کے سامنے کھڑے ہو کر دعا یا فاتحہ پڑھنا کیسا ہے۔ اور بعد نماز جنازہ کو فوراً اٹھے جانا بلکہ کچھ دیر کرنا کچھ فاتحہ یا دعا کی غرض سے دونوں ہاتھ اٹھا کر پڑھنا کیسا ہے۔

**الجواب:** نماز جنازہ کے بعد اگر میت کے لئے دعا کی گئی یا اس کو ایصال ثواب کیا گیا تو کچھ حرج نہیں۔ مگر اسی ہیئت پر رہتے ہوئے جس پر نماز پڑھی تھی۔ ایسا نہ کریں بلکہ صف وغیرہ توڑنے کے بعد اگر دعا وغیرہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۴۳۰) مرسلہ جناب قاضی غلام الثقلین صاحب قاضی شہراٹاوہ ۱۲ محرم ۱۳۴۶ھ

اس وقت جو واقعات ہائلہ میں اور معضلات میں مسلمان مارے جا رہے ہیں کیا وہ شہید ہوں گے اور ان مقتولین کو کفن کی حاجت ہے اور مغسول ہوں گے؟

**الجواب:** شہید کی دو قسم ہے۔ ایک وہ جس کو اصطلاح فقہ میں شہید کہا جاتا ہے جس کا حکم یہ ہے کہ نہ غسل دیا جائے۔ اسی طرح خون سمیت دفن کر دیا جائے۔ اور جو کپڑا اس کے جسم پر از جنس کفن ہے ان کو اتارا نہ جائے۔ اس شہادت کے لئے چند شرائط ہیں جب تک وہ شرائط پائے نہ جائیں۔ اصطلاح فقہ میں اس کو شہید نہیں کہا جائے گا۔ اس شہادت کی تعریف اور اس کے شرائط واحکام بہار شریعت حصہ چہارم دیکھ کر معلوم کیجئے۔ دوسرا وہ شہید جس کو اگرچہ اصطلاح فقہ میں شہید نہ کہیں۔ کہ ان شرائط کا جامع نہیں۔ جو شہید فقہی کے لئے ضروری تھیں۔ مگر اس کو بھی شہید کہا جائے گا۔ اگرچہ اس کو غسل وکفن دیا جائے گا۔ مگر شہادت کی فضیلت اس کو حاصل ہے اور شہادت کا ثواب پائے گا جو مسلمان کفار کے ہاتھوں آجکل مقتول ہو رہے ہیں ان میں بیشتر وہی ہیں جن کو اصطلاح فقہ کے اعتبار سے بھی یقیناً شہید کہا جائے گا۔ کہ وہ آلہ جارحہ سے ظلماً قتل کئے گئے اور زخمی ہونے کے بعد انہیں دنیا سے کسی قسم کا نفع اٹھانے کا بھی موقع نہ ملا بعضوں کو ایسا موقع ضرور حاصل ہوتا ہے کہ ان کا کچھ علاج ہوتا ہے یا کسی قسم کا نفع وہ اٹھا لیتے ہیں۔ مثلاً انھوں نے کسی دنیوی چیز کی وصیت کی، یا کچھ کھایا پیا، یا معرکہ سے اسے اٹھا لائے۔ تو اگرچہ فقہاء کی اصطلاح میں اسے شہید نہیں کہیں گے۔ مگر یہ بھی شہداء میں شمار ہوگا اس کو بھی شہادت کا ثواب ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۳۱) مسئولہ ظہور محمد خاں صاحب از شہر کہنہ محلہ کانکر ٹولہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں اپنے ورثہ سے وصیت کی کہ مجھ کو خالد وغیرہ زمینداران کے قبرستان میں دفن کرنا چنانچہ زید کے انتقال کے بعد اس کے وارثان نے خالد وغیرہ میں سے بعض سے اجازت لی اور بعض سے نہیں لی اور خالد وغیرہ کی ملکیت میں دفن کر دیا۔

Marfat.com

**مسئلہ** (۴۳۲) زید کے ورثہ نے خالد وغیرہ سب سے اجازت چاہی مگر بعض نے اجازت دی اور بعض نے انکار کیا اور کہا کہ ہمارا عام قبرستان نہیں بلکہ مستثنیٰ ہے اور ہمارے مورث نے اپنے خاندان کی میتوں کی غرض سے علیحدہ چھوڑ رکھا ہے دوسرا قبرستان جو اسی کے برابر ہے وہ ہمارے مورث نے وقف کر دیا ہے۔ اس میں دفن کر دو۔ مگر زید کے وارثان نے مطلق توجہ نہیں کی اور جبراً زید کو بموجب وصیت دفن کر دیا۔ بعض بعض نے پختہ قبریں بنوا کر جگہ بھی زیادہ صرف کر لی۔

**مسئلہ** (۴۳۳) بغیر وصیت زید کے اس کے وارثان نے محض اس خیال سے کہ اول بھی ہمارے بعض عزیز خالد کے مستثنیٰ قبرستان میں دفن ہو چکے ہیں۔ لاپروائی کے ساتھ اپنا استحقاق جان کر بلا دریافت و بلا اجازت خالد وغیرہ کے مستثنیٰ قبرستان میں دفن کر دیا۔ ایسی صورت میں ہر سہ وارثان میت کی نسبت ونیز زید کی نسبت جو اس نے بلا کسی استحقاق کے خالد وغیرہ کے مستثنیٰ قبرستان میں اپنے آپ کو دفن کرنے کی وصیت کی تھی کیا حکم ہے۔

**مسئلہ** (۴۳۴) وارثان اپنے مورث کی وصیت کے مطابق عملدرآمد کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ کام جس کی وصیت کی گئی ہے حکم شرعی کے خلاف ہے کیا جائز ہے۔

**مسئلہ** (۴۳۵) قبرستان کے درختوں کی گیلی لکڑی کاٹنا اور پتے توڑ کر بکریوں کو کھلانا جائز ہے یا ناجائز۔

**مسئلہ** (۴۳۶) خالد وغیرہ زمینداران میں بھی کوئی قضا کر جائے تو تمام مالکین سے اجازت لینی ہوگی۔ یا نہیں۔

**الجواب**:۔ اگر وہ قبرستان خاص ہے کہ خاص انھیں زمینداروں کے اموات اس میں دفن ہوتے ہیں تو سب شریکوں سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔ صرف بعض سے اجازت ناکافی ہے کہ شرکت ملک میں کوئی شریک دوسرے کے حصہ میں بلا اذن تصرف نہیں کرسکتا۔ درمختار میں ہے وکل من شرکاء الملک اجنبی فی الامتناع عن تصرف مضر فی مال صاحبہ لعدم تضمنھا الوکالۃ۔ اور زید کی وصیت کا کچھ اعتبار نہیں۔ دوسرے کی زمین میں دفن کرنے کی وصیت کا اسے حق نہیں۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ عام مسلمین کے قبرستان میں اوسے دفن کریں یہ تو پرائی ملک میں وصیت ہے۔ اگر خود اپنے مکان میں دفن کرنے کی وصیت کی تو ورثہ پر یہ لازم نہیں کہ مکان ہی میں دفن کریں بلکہ مقابر مسلمین میں دفن کرنا افضل ہے۔ فتاویٰ خیریہ میں ہے سئل فی رجل اوصی بان یدفن فی مسکنہ ھل علی الورثۃ مراعاۃ وصیتہ ام لا اجاب لیس علیھم مراعاتھا۔ والافضل الدفن فی مقابر المسلمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب** ( ) جب کہ بعض نے انکار کیا تو سب کی اجازت نہ ہوئی۔ لہٰذا دفن کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ

Marfat.com

**الجواب:** اس میت کے بعض عزیز کا دفن ہو جانا استحقاق نہیں ثابت کرتا کہ اگر مالکان زمین نے اس ایک کے لئے اجازت دے دی تو صرف اسی کے لئے اجازت ہے نہ کہ اوروں کے لئے بھی۔ اور اگر اوسے بھی اجازت نہ دی تھی بغیر اجازت دفن کر دیا تو یہ دفن کرنا تو وہی ناجائز ہے نہ کہ اس کی وجہ سے اور بھی مستحق ہو جائیں اور ان صورتوں میں کہ بغیر اجازت حاصل کئے دفن کر دیا مالکان زمین کو اختیار ہے کہ زمین برابر کر دیں اور ان کی قبریں کھود ڈالیں۔ درمختار میں ہے لا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الالحق آدمی کان تکون الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ ویخیر المالک بین اخراجہ ومساواتہ بالارض فتاوی عالمگیری میں ہے اذا دفن المیت فی ارض غیرہ بغیر اذن مالکھا فالمالک بالخیار ان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوی الارض و زرع فیھا۔ یہ تو بالقصد پرائی زمین میں دفن کرنا ہے۔ اگر غلطی سے دوسرے کی زمین میں دفن کر دیا یعنی سمجھے یہ تھے کہ یہ زمین اپنی ہے اور بعد کو ثابت ہوا کہ اپنی نہ تھی تو مالکان زمین مردہ کو نکلوا سکتے ہیں۔ اگرچہ مٹی برابر کر چکے ہوں بلکہ اگرچہ دفن کو عرصہ گذر چکا ہو اور اگر مالکان زمین چاہیں تو باقی رکھیں۔ فتاوی خیریہ میں ہے سئل فی قبر رجل غلط فیہ اھل بیتہ فدفنوا ھا برظنا انہ لھم فما الحکم اجاب لاھلہ ان یکلفوا اھلھا بنبش القبر واخراجھا منہ بعدت المدۃ اوقصرت ولھم الترک ان راؤا ذالک وقدم جواز حرمۃ النبش بغیر ضرورۃ وھنا الضرورۃ حق الغیر فاذا اسقطوا حقھم جاز وان کان فیہ اختلاط الرجل بالمرأۃ لمعارضتہ لحرمۃ النبش بعد اسقاط حقھم وھذا مستنبط من تعلیلھم لجواز النبش فی الارض المغصوبۃ بحق الغیر وھذا اذا کان المقبر ملکا اما اذا کان فی ارض وقف فلا ینبش مطلقا اور یہ اجازت وعدم اجازت کا لحاظ اس وقت ہے کہ جب وہ زمین خالد وغیرہ زمینداران کی ملک ہو اور اگر مورث اعلیٰ نے اپنی اولاد پر وقف کی ہو اور وقف کا ثبوت ہو تو ان زمینداروں کو اجازت دینے کا بھی حق نہیں کہ خلاف شرط واقف ان کو تصرف کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب:** اگر وہ کام خلاف شرع ہے تو اوس کی وصیت پر عمل کرنا جائز نہیں۔ لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب:** قبرستان کی ترگھاس اور لکڑی توڑنا مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے ویکرہ قطع الحطب والحشیش من المقبرۃ فان کان یابسا لاباس بہ کذا فی فتاوی قاضیخان۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب:** چونکہ مورث نے اس زمین کو اپنے خاندان کے اموات کے لئے رکھا اور اسی پر اب تک عملدرآمد ہے تو

Marfat.com

اب صراحۃً اجازت کی ضرورت نہیں کہ یہ عملدرآمد اور اس پر کسی شریک کا انکار نہ کرنا دلیل اجازت ہے۔ کذا افاضنا شیخنا فی مرض وفاتہ قبل ان یتوفی بیوم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۴۳۷)** مرسلہ عبدالعزیز خانصاحب از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۱۲۲۔ ۱؍جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ

گذارش ضروری یہ ہے کہ یہاں میمنوں کا ایک عام قبرستان ہے وہیں عم محترم قدس سرہ العزیز کا مزار شریف ہے زیارت کے لئے عورتیں جا سکتی ہیں یا نہیں۔ اگر جا سکتی ہیں تو کتنی مدت پر۔ اگر عندالشارع کوئی قید نہ ہو تو جب چاہیں جا سکتی ہیں یا نہیں۔ عندالشرع ایا کوئی وقت مثلاً صبح اندھیرے میں یا رات کو بھی سوقت ہے یا نہیں۔

**الجواب:** عورتوں کے لئے زیارت قبور میں اختلاف ہے اور احوط یہ ہے کہ عورتیں زیارت کو نہ جائیں۔ وہو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۴۳۸)** مرسلہ مولوی حاجی خیرالدین صاحب ضلع پترہ ڈاکخانہ موہن پور موضع لال پور بنگال ۲۵؍جمادی الاخریٰ ۱۳۷۲ھ

ہمارے بنگال میں اکثر مکانوں میں مردہ دفن کرتے ہیں اور بعض جگہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک دو قبریں ہیں اب اس قبر کی جگہ اور اس کے گرد اگرد جگہ کی تنگی اور شدت ضرورت کے سبب سے گھر یا پھاٹک وغیرہ بنانے اور قبر و اطراف کی زمین ہموار کر کے صحن مکان بنا کر زراعت وغیرہ سو کھانے کے کام میں لانا چاہتے ہیں اور اس جگہ کے سوا اور کہیں کام کرنے کی گنجائش بھی نہیں۔

اسی صورت میں بعض صاحب قبر کھود کر ہڈی وغیرہ اٹھا کر جمع کر کے ہڈیوں پر نماز جنازہ پڑھ کر دوسری جگہ دفن کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اس صورت میں حکم شرع شریف یہ جگہ بغیر نقل قبر تصرف میں لانا۔ اور نقل قبر اور ہڈیوں پر نماز جنازہ پڑھنا اور دوسری قبر میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو عدم جواز کی دلیل چاہتے ہیں۔

**مسئلہ (۴۳۹)** اس صورت کے علاوہ عام شرعی عذر پر نقل قبر جائز ہے یا نہیں اور قبر میں ہڈی وغیرہ باقی نہ رہے تو قبر سے نقل کر کے کیا لے جائے۔ اگر مٹی لے جائے تو اس کی مقدار کیا ہے۔

**الجواب:** قبر پر اس قسم کا تصرف کرنا اسے ہموار کر کے زراعت وغیرہ سکھانے کے کام میں لانا یا اس پر رہنے کا گھر بنانا حرام ہے کہ اس سے میت کو اذیت پہونچتی ہے۔ اسی وجہ سے قبر پر بیٹھنے کی ممانعت آئی۔ عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رأنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جالسا علی قبر فقال یا صاحب القبر انزل من علی القبر لا تؤذی صاحب القبر ولا یوذیک مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا۔ ارشاد فرمایا اے

Marfat.com

بیٹھنے والے قبر سے اتر، صاحب قبر کو ایذا نہ دے نہ وہ تجھے ایذا دے۔ رواہ الطحاوی فی معانی الآثار والطبرانی فی الکبیر والحاکم وابن مندہ۔ مسلم وابو داؤد ونسائی وابن ماجہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر کسی کا آگ پر بیٹھنا کہ وہ کپڑے جلا کر چمڑے تک پہنچ جائے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ قبر پر بیٹھے۔ نیز ارشاد فرماتے ہیں لان امشی علی جمرۃ او سیف او اخصف نعلی برجلی احب الی من ان امشی علی قبر البتہ آگ یا تلوار پر چلنا یا پاؤں سے جوتا گانٹھنا مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ قبر پر چلوں۔ رواہ ابن ماجہ عن عقبۃ ابن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ، عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں لان اطاء علی جمرۃ احب الی من ان اطاء علی قبر مسلم بیشک آگ پر پاؤں رکھنا مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ کسی مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھوں۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر۔ اور جب وہ قبر زراعت سو کھانے کے کام میں لائی جائے گی۔ یا اس پر مکان بنایا جائے گا تو اس پر چلنا پھرنا، لیٹنا، بیٹھنا، پاخانہ پیشاب کرنا جن سے میت کو ایذا ہوگی۔ اور میت کو ایذا پہنچانا حرام۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں اذی المومن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ مسلمان کو بعد موت ایذا دینا ویسا ہی ہے جیسے زندگی میں۔ رواہ ابو بکر بن ابی شیبۃ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ویکرہ ان یبنی علی المقبر او یقعد او ینام او یطاء علیہ او یقضی حاجۃ الانسان من بول او غائط۔ رد المحتار میں ہے لان المیت یتاذی بما یتاذی بہ الحی یہاں تک کہ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا جائے اس میں چلنا حرام۔ رد المحتار میں ہے نصوا علی ان المرور فی سکۃ حادثۃ فیہا حرام۔ اور قبر کھود کر ہڈی نکالنا اور دوسری جگہ دفن کرنا اور زمین برابر کرکے اپنے کام میں لانا بھی حرام ہے۔ جب کہ قبر کا کھودنا کسی حق انسان کی وجہ سے نہ ہو۔ مثلاً دوسرے کی زمین میں بغیر اجازت مالک دفن کر دیا تو اب مالک قبر کھودوا سکتا ہے درمختار میں ہے ولا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الا لحق آدمی کان تکون الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ ویخیر المالک بین اخراجہ ومساواتہ بالارض کما جاز زرعہ والبناء علیہ اذا بلی وصار ترابا زیلعی۔ مراقی الفلاح میں ہے ولا یجوز نقل المیت بعد دفنہ بان اہیل علیہ التراب واما قبلہ فیخرج بالاجماع بین المتقدمین طالت مدۃ دفنہ او قصرت للنہی عن نبشہ والنبش حرام حقا للہ تعالٰی طحطاوی میں ہے فلو دفن ولدھا بغیر بلدھا وھی لا تصبر وارادت نبشہ ونقلہ الی بلدھا لا یباح

لہاذ الک فتجویز بعض المتاخرین لا یلتفت الیہ ولا یباح نبشہ بعد الدفن اصلا کذا فی الفتح وغیرہ
غنیہ میں ہے ولا یباح نبشہ بعد الدفن اصلا الا لما تقدم من سقوط مال فیہ او الارض مغصوبۃ اور
ہڈیوں پر نماز پڑھنا بھی ناجائز ہے۔ اگرچہ دفن کے وقت نماز نہ پڑھی گئی ہو۔ عامہ متون میں ہے وان دفن بلا صلاۃ
صلی علی قبرہ مالم یتفسخ تو اگر ہڈیوں پر نماز جائز ہوتی تو مالم یتفسخ کی قید بے کار ہوتی۔ لہذا علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے
ہیں فان تفسخ لا یصلی علیہ مطلقا لانہا شرعت علی البدن ولا وجود لہ مع التفسخ اور اگر دفن سے پیشتر
نماز پڑھی جا چکی ہے تو اب بدرجہ اولی ممنوع کہ سوا ایک صورت کے نماز جنازہ میں تکرار ناجائز ہے۔ درر میں ہے وان
صلی الاولی لا یصلی غیرہ بعدہ لان الفرض یتأدی بالاولی والتنفل بہا غیر مشروع۔ واللہ تعالی اعلم

**الجواب:** شرعی عذر نقل کے لئے وہی ہے کہ ملک غیر میں مردہ دفن کر دیا گیا اور مالک سے اجازت نہ لی گئی یا غصب کئے
ہوئے کپڑے کا کفن دیا گیا۔ باقی دوسرے عذر نامسموع ہیں۔ علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں فی المضمرات
النقل بعد الدفن علی ثلثۃ اوجہ فی وجہ یجوز باتفاق وفی وجہ لا یجوز باتفاق وفی وجہ اختلاف اما
الاول فہو اذا دفن فی ارض مغصوبۃ او کفن فی ثوب مغصوب ولم یرض صاحبہ الا بنقلہ عن ملکہ
او نزع ثوبہ جاز ان یخرج منہ باتفاق واما الثانی فکلام اذا ارادت ان تنظر الی وجہ ولدہا او
نقلہ الی مقبرۃ اخری لا یجوز باتفاق واما الثالث اذا غلب الماء علی القبر فقیل یجوز تحویلہ مما
روی ان صالح بن عبید اللہ رئی فی المنام وہو یقول حولونی عن قبری فقد اذانی الماء ثلثا
فنظروا فاذا شقہ الذی یلی الماء قد اصابہ الماء فافتی ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما بتحویلہ
وقال الفقیہ ابو جعفر یجوز ذلک ایضا ثم رجع ومنع اور جب بغیر ضرورت شرعیہ قبر کا کھودنا ہی جائز نہیں
تو کبھی نقل نہ کریں گے اور جب حق غیر متعلق ہے اور قبر عـہ میں ہڈی بھی نہ رہی تو مالک زمین اس پر تصرف کر سکتا ہے اور نقل
کی حاجت نہیں جیسا کہ درمختار سے گذرا۔ واللہ تعالی اعلم۔

عـہ یہ حکم خاص اسی صورت میں ہے کہ جب کسی کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے میت دفن کی گئی ہو لیکن عام قبرستان میں جو قبریں ہیں ان پر قیامت تک نہ عمارت بنانا نہ
کھیتی کرنا جائز۔ اگرچہ قبروں کے نشان مٹ چکے ہوں۔ ہڈیاں بھی سڑ گل چکی ہوں۔ عالمگیری کتاب الوقف ص۲۵۱ پر ہے وسئل ہو ایضا عن المقبرۃ
فی القری اذا اندرست ولم یبق فیہا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ہل یجوز زرعہا واستغلالہا قال لا ولہا حکم المقبرۃ
کذا فی المحیط۔ اور اسی عالمگیری کے حوالہ سے بہار شریعت حصہ دہم ص۴۸ پر ہے۔ مسلمانوں کا قبرستان ہے جس میں قبر کے نشان بھی مٹ چکے ہیں۔ ہڈیاں

Marfat.com

**مسئلہ** (۴۴۰) مرسلہ مولوی غلام محی الدین ولد مولوی عبد الرحیم صاحب از احمد آباد گجرات ۴ رجمادی الآخر ۱۳۶۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبر پر سے پھول وار کے کھانا حلال ہے یا حرام۔ کتابوں کے حوالے سے جواب لکھیں۔ بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا۔

**الجواب:** پھول جو قبر پر ڈالے گئے جب تک تر ہیں اٹھائے نہ جائیں کہ وہ تسبیح کرتے ہیں اور میت کو اس سے انس ہوتا ہے اور اس کا جی بہلتا ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے وکرہ قلع الحشیش الرطب وکذا الشجر من المقبرۃ لانہ مادام رطبا یسبح اللہ تعالی فیؤنس المیت وتنزل بذکر اللہ تعالی الرحمۃ ولا باس بقلع الیابس منہما ای الحشیش والشجر لزوال المقصود۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گزرے ارشاد فرمایا ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ پھر کھجور کی ایک ترشاخ کے دو حصے کئے اور ایک ایک دونوں پر نصب فرما دیا۔ پھر اس کی وجہ یہ بیان فرمائی انی لارجو ان یخفف عنہما مالم ییبسا میں امید کرتا ہوں کہ جب تک خشک نہ ہوں عذاب میں تخفیف ہوگی۔ علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں ای لانہما یسبحان مادام رطبین وبہ تنزل الرحمۃ وفی معنی الجرید مافیہ رطوبۃ من ای شجر کان عذاب میں اس وجہ سے تخفیف ہوگی کہ جب تک وہ تر رہیں گی تسبیح کریں گی اور اس کی وجہ سے رحمتِ الٰہی نازل ہوگی۔ اور دوسرے درخت کی شاخ وغیرہ بھی اسی کے حکم میں ہے نیز اسی طحطاوی میں شرح مشکوٰۃ سے ہے وقد افتی بعض الائمۃ من متاخری اصحابنا بان ما اعتید من وضع الریحان والجرید سنۃ لہذا الحدیث ہمارے متاخرین اصحاب میں بعض ائمہ نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ جو عادت ہے کہ قبور پر پھول اور ترشاخیں رکھی جاتی ہیں ان کا رکھنا اسی حدیث کی وجہ سے سنت ہے اور پھول جو قبر پر ڈالے گئے خشک ہونے کے بعد اٹھا سکتے ہیں اور اگر کھائیں تو حرج نہیں۔ واللہ تعالی اعلم۔

**مسئلہ** (۴۴۱) مسئولہ مولوی محمد یوسف صاحب موضع بنولی ڈاکخانہ سورسنڈ ضلع مظفرپور (بہار) ۲۲ صفر ۱۳۶۲ھ

ایک بستی میں ہیضہ کی بیماری ہو گئی تھی تو لوگوں نے کہا کہ یہاں کفن چور ہو گیا ہے اسی وجہ سے آدمی زیادہ مرتے ہیں چنانچہ لوگوں نے قبریں کھود کھود کر تین چار مُردوں کی لاشوں کو جو پندرہ بیس روز کی مدفون تھیں۔ باہر نکالیں تو دیکھا گیا کہ

بقیہ: ابھی پختہ نہیں جب بھی اس کو بعینہٖ بنانا نہیں مکان بنانا ناجائز ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل دیکھنا ہو تو اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا رسالہ مبارکہ اہلاک الوہابیین کا مطالعہ کریں۔ امجدی

Marfat.com

ان کی لاشیں ویسی ہی تھیں جیسی دفن کی گئی تھیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بدن فربہ اور حسین ہو گیا تھا۔ اس کے بعد لوگوں نے ان لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جس سے خون بھی بہت کافی جاری ہوا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ کیوں یہ بات پیدا ہوئی۔ اور مردہ کی لاش کتنے دن تک قبر میں ثابت رہتی ہے۔

**الجواب**:۔ میت کو دفن کرنے کے بعد پھر قبر کو کھودنا جائز نہیں مگر جب کہ کسی آدمی کے حق کے لئے کھودنا ہو۔ مثلاً زمین مغصوب میں دفن کیا گیا۔ یا دفن کرتے وقت کسی کا مال قبر میں گر پڑا تو ایسی صورت میں قبر کھودنے کی اجازت ہے اور اگر کسی آدمی کا حق اس کے ساتھ متعلق نہ ہو تو کھودنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ اگر بغیر غسل میت کو دفن کر دیا ہو تو نہلانے کے لئے اس کو قبر کھود کر نکالنا درست نہیں۔ درمختار میں ہے ولا یخرج منہ بعد اہالۃ التراب الا لحق آدمی کان تکون الارض مغصوبۃ۔ ردالمحتار میں ہے قولہ الا لحق آدمی احتراز عن حق اللہ تعالیٰ کما اذا دفن بلا غسل او صلاۃ او وضع علی غیر یمینہ او الی غیر القبلۃ فانہ لا ینبش علیہ بعد اہالۃ التراب۔ کما مر۔ لہذا اس صورت میں جن لوگوں نے قبروں کو کھودا انھوں نے بہت ہی برا کیا اور اس سے بہت زیادہ برا یہ کہ لاشوں کو لوگوں نے ٹکڑے ٹکڑے کیا کہ میت کو ایذا دینا ہے[*]۔ ہیضہ کی بیماری میں جو مرتا ہے وہ شہید ہے۔ صحیح بخاری شریف وغیرہ میں حدیث ہے کہ ارشاد فرمایا المطعون شہید (الحدیث) ہو سکتا ہے کہ یہ خون نکلنا اسی شہادت کا اثر ہو۔ عموماً اموات کی لاشیں تین دن یا دس دن یا کم بیش میں پھٹ جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے اگر کوئی میت بغیر نماز دفن کر دی گئی ہو تو جب تک اس کے پھٹ جانے کا غالب گمان نہ ہو قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا فقہا حکم دیتے ہیں۔ اور تفسخ کی کیا مقدار ہے اس میں اختلافات ہیں اصح یہ ہے کہ اس کی کوئی مقدار نہیں۔ درمختار میں ہے صلی علی قبرہ مالم یغلب علی الظن تفسخہ من غیر تقدیر وھو الاصح۔ ردالمحتار میں ہے قولہ ھو الاصح لانہ یختلف باختلاف الاوقات حرا و بردا والمیت سمنا وھزالا والامکنۃ بحر وقیل یقدر بثلثۃ ایام وقیل عشرۃ وقیل شھر ط عن الحموی اور مخصوص اموات کے لئے اس کی کوئی حد نہیں۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام کی لاشیں اس زمانہ میں بھی بجنسہٖ ویسی ہی پائی گئیں[ع]۔ وھو تعالیٰ اعلم

[*] حدیث میں ہے کسر عظم المیت ککسرہ حیا۔ مردے کی ہڈی توڑنا ایسا ہی (حرام) ہے جیسے زندے کی۔ ہڈی توڑنا یا لاش ٹکڑے ٹکڑے کرنا دونوں ایک حکم میں ہے کہ ایذا دونوں میں ہے علاوہ ازیں اس میں مسلمان میت کی بے حرمتی بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[ع] جیسا کہ حضرت زبیر بن عوام حواری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بعد میں قبر انور سے نکالا گیا تو کفن تک میلا نہ تھا یہ بھی ۱۳۶۰ھ یا ۱۳۶۱ھ کی بات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

**مسئلہ** (۴۴۲) مسئولہ عبد العزیز خاں از شہر کہنہ بریلی ۲۰ رجمادی الاولی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک میت کو قبر میں دفن کیا تختے ڈھیلے گئے لیکن جب مٹی دی گئی تو اس کی وجہ سے قبر دھنس گئی۔ اب ایسی صورت میں قبر کو فوراً درست کرنے کی غرض سے میت کو قبر سے باہر نکال سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:۔** جب مٹی دے چکے تو اب میت کو نکالنا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے ولا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الا لحق ادمی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۴۳) مسئولہ عبد الکریم صاحب ۲۶ رصفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بعض عورتیں اپنے محرم کے ہمراہ اتفاقاً پردہ وحجاب کے ساتھ ایک ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک پر بتعدیل آداب حاضر ہوئیں تو کیا وہ اس فعل سے مرتکب فعل حرام وگنہگار اور حدیث شریف لعن اللہ زائرات القبور کی مصداق ٹھہریں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:۔** مذہب صحیح یہ ہے کہ حدیث لعن اللہ زوّارات القبور منسوخ ہے یہ حکم مقدم ہے اور دوسری حدیث جس میں زیارت قبور کی اجازت ہے وہ متاخر و ناسخ ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا اس حدیث میں اگرچہ صیغہ مذکر ہے مگر یہ امر مقرر اور ثابت ہے کہ خطابات شرعیہ میں اگرچہ صیغہ مذکر ہے عورتیں بھی اس میں داخل ہیں جب تک دلیل شرعی سے رجال کی خصوصیت ثابت نہ ہو اور حدیث النساء شقائق الرجال اس کی کاشف ہے۔ لہٰذا زیارت قبور سے عورتوں کو مرتکب فعل حرام نہیں کہا جائے گا۔ اگرچہ ہمارے نزدیک اسلم طریقہ یہ ہے کہ عورتوں کو زیارت قبور سے منع کیا جائے کیونکہ ان میں افراط وتفریط کا مادہ غالب ہے اور صورت مسئولہ میں حجاب اور آداب مزار کا پورا لحاظ کیا گیا ہے۔ لہٰذا حکم ہے اور مزید خفت پیدا ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۴۴)

مردہ دفن کرنے کے بعد چالیس قدم ہٹ کر قبر سے اذان دینا کیسا ہے قبل دفن اسقاط کیسا ہے۔

**الجواب:۔** اذان کہنا درست ہے۔ کذا فی ایذان الاجر۔ اور چالیس قدم ہٹنے کی تخصیص بے کار و بے فائدہ ہے اسقاط[۵۵]

۵۵ اسقاط سے کیا مراد ہے میں نہیں سمجھ سکا۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ان نمازوں اور روزوں کا کفارہ ادا کرنا ہو جو میت کے ذمہ تھے۔ اگر یہی مراد ہے تو

Marfat.com

قبل دفن وبعد دفن دونوں جائز ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۴۵) مسئولہ محمد حسین از محلہ سوداگران بریلی ۳ رجمادی الاولی ۱۳۴۳ھ

قبر پر اذان دینے کو ایک شخص منع کرتا اور بدعت بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی خاص حکم اس کے لئے نہیں ہے۔ نہ کوئی حدیث اس بارے میں ہے۔ اور اگر کوئی ثبوت کافی ہو تو میں اسے ماننے کے لئے طیار ہوں۔

**مسئلہ** (۴۴۶) ایک موضع کے لوگ قبرستان میں اوپلے تھوپتے ہیں اور جانور باندھتے ہیں۔ اور یہ لوگ اہل ہنود سے ہیں اور وہاں کے مسلمان یہ حالت دیکھتے ہیں اور منع نہیں کرتے ان کے لئے کیا حکم ہے۔

**الجواب**: قبر پر اذان کہنا بہتر ہے اور دلیل کی حاجت ہو تو رسالہ ایذان الاجر مطالعہ کریں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**الجواب**: وہاں کے مسلمان پر لازم ہے کہ مقابر مسلمین کو نجاست سے پاک کریں اور جس طرح ممکن ہو ہندوؤں کو باز رکھیں قبرستان میں جوتا پہن کر جانا تک تو حدیث میں منع فرمایا۔ نہ کہ وہاں کفار کا جانا اور نجاست کے ڈھیر قبروں پر لگانا۔ یہاں تک کہ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا ہو اس پر چلنا منع ہے۔ یوہیں وہاں جانوروں کا باندھنا بلکہ لے جانا بھی ممنوع ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۴۷) مسئولہ منشی شوکت علی صاحب از محلہ ذخیرہ بریلی ۲۶ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

کیا حکم ہے علمائے اہلسنت وجماعت کا اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر مردہ کو زمین کے اندر دفن کرکے زمین کو سپردع کر دیا جائے تو جتنی مدت کو سپرد کیا ہے مردہ ویسا ہی نکلتا ہے اب یہ صحیح ہے اور ایسا چاہئے یا نہیں۔

**مسئلہ** (۴۴۸) بیری کی لکڑی قبر میں کیوں رکھ دیتے ہیں۔

**الجواب**: یہ بات بالکل خلاف قیاس ہے۔ بغیر ثبوت شرعی قابل اعتبار نہیں۔ ہاں بعض اموات کو زمین نہیں کھاتی۔ اگر وہ میت انہیں میں سے ہو تو ویسا ہی رہنا ممکن۔ مگر ایک مدت تک سپرد کرنے کو اس میں کیا دخل۔ نہ سپرد کرتا جب بھی یہی ہوتا اور مدت گزرنے پر بھی اس کا جسم بدستور رہے گا۔ دفن کرنے کے بعد جنازہ کو قبر سے نکالنا ناجائز وحرام۔ فتاوی عالمگیری میں ہے ولا ینبغی

بقیہ صفحہ گذشتہ دونوں میں جیسا کہ تحریر فرمایا مگر بہتر یہ ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے کفارہ ادا کرے اس لئے قبل دفن زیادہ بہتر ہوگا۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔ امجدی۔

ع سپرد کرنا رافضیوں کا طریقہ ہے۔ اور قطعاً ناجائز حرام جب کہ مدت سپردگی کے بعد میت کو نکالیں۔ جیسا کہ سپرد کرنے والے کرتے ہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

Marfat.com

اخراج المیت من القبر بعد ما دفن۔ مراقی الفلاح میں ہے ولا یجوز نقلہ بعد دفنہ بالاجماع بین ائمتنا طالت مدۃ دفنہ او قصرت للنہی عن نبشہ والنبش حرام حقا للہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**الجواب:۔** یہ کسی کتاب میں نظر فقیر سے نہ گزرا کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ بلکہ قبر میں اس کے رکھنے کا جزیہ بھی نہ دیکھا۔ غالباً یہ وجہ ہوگی کہ قبر میں تر لکڑی رکھنا سبب تخفیف عذاب وانس میت ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو قبروں پر گزر فرمایا۔ انھیں عذاب ہو رہا تھا فرمایا انہما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر ان پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات میں عذاب نہیں ہوتا جس سے بچنا دشوار ہو اما احدھما فلا یستتر من بولہ واما الاٰخر فیمشی بالنمیمۃ ان میں کا ایک پیشاب کرتے وقت پردہ نہ کرتا اور دوسرا چغلی کھاتا۔ اس کے بعد ایک شاخ منگا کر اس کے دو ٹکڑے کئے اور ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا اور فرمایا لعلہ یخفف عنہما ما لم ییبسا امید ہے کہ جب تک خشک نہ ہوں ان پر عذاب میں تخفیف ہو۔ اسی حدیث سے قبروں پر پھول ڈالنے کو علماء نے مستحسن رکھا۔ اور مقبرہ کی تر گھاس اکھاڑنے کو مکروہ فرمایا۔ مراقی الفلاح میں ہے وکرہ قطع الحشیش الرطب وکذا الشجر من المقبرۃ لانہ ما دام رطبا یسبح اللہ تعالٰی فیؤنس المیت وتنزل بذکر اللہ تعالٰی الرحمۃ۔ عالمگیری میں ہے ویکرہ قطع الحطب والحشیش من المقبرۃ فان کان یابسا لا باس بہ کذا فی فتاوی قاضیخان۔ طحطاوی علی المراقی میں ہے وقد افتی بعض الائمۃ من متأخری اصحابنا بان ما اعتید من وضع الریحان والجرید سنۃ لھذا الحدیث۔ ردالمحتار میں ہے ویقاس علیہ ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الاٰس ونحوہ۔ بالجملہ تر لکڑی رکھنے کی وجہ تو یہ ہے کہ سبب تخفیف عذاب ہے مگر یہ بیری کیوں رکھتے ہیں شاید سدرۃ المنتہٰی سے مناسبت کی وجہ سے اس کو اختیار کیا ہو۔ اور ہمارے یہاں انار کی بھی رکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہوگی کہ انار جنت کا درخت ہے۔ اگرچہ انار دنیا کو انار جنت سے مشارکت حقیقتاً نہیں مگر مشارکت اسمی تو ہے اور برکت وتفاول کے لئے اتنی مناسبت معتبر ہو سکتی ہے ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی وھو اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

**مسئلہ** (۴۴۹) مرسلہ ہاشم تھوبھائی۔ اسٹرانڈ روڈ ملا ۱۲ رنگون ۳ محرم ۱۳۴۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نکیرین قبر کے اندر میت سے لٹا کر سوال کرتے ہیں

Marfat.com

یا بیٹھا کر۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان میں جو بغلی قبر کھودی جاتی ہے اس میں بغلی کتنی اونچی اور چوڑی ہونی چاہئے۔ اور جو گیلی زمین میں پیٹی رکھی جاتی ہے وہ پیٹی کتنی چوڑی اور اونچی ہونی چاہئے۔

**الجواب**:۔ نکیرین مردہ کو بٹھا کر سوال کرتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ لیسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا اتاہ ملکان فیقعدانہ الحدیث لحد کی چوڑائی بقدر نصف قد میت کے ہو اور گہرائی بہتر یہ کہ قد برابر ہو ورنہ سینہ تک یہ نہ ہو تو نصف قد۔ درمختار میں ہے وحفر قبرہ مقدار نصف قامۃ فان زاد فحسن۔ ردالمحتار میں ہے ای الی حد الصدر وان زاد الی مقدار قامۃ فھو احسن کما فی الذخیرۃ فعلم ان الادنی نصف القامۃ والاعلی القامۃ وما بینھما۔ شرح المنیۃ وھذا حد العمق وفی القہستانی وطولہ علی قدر طول المیت وعرضہ علی قدر نصف طولہ۔ تابوت[عہ] یعنی پیٹی یہ لحد وشق کا قائم مقام ہے لہٰذا اس کی مقدار یہی ہونی چاہئے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

**مسئلہ** (۴۵۰) مرسلہ اسماعیل صالح محمد از رانا داد ضلع کاٹھیاوار ۔۴ر ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

پکی قبر بنانا جائز ہے یا نہیں۔

**مسئلہ** (۴۵۱) میت کو دفن کرتے وقت جو قبر میں کنکریاں ڈالتے ہیں۔ قرآن شریف کے ختم کی[عہ] اور قرآن شریف نہیں پڑھتے تو اس کا کیا حکم ہے۔

**الجواب**:۔ اوپر سے قبر پختہ بنائیں اور اندر سے خام ہو تو اس میں حرج نہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**الجواب**:۔ کچھ کنکریوں پر قرآن مجید پڑھ کر دم کرکے قبر میں بغرض تبرک رکھیں۔ اس میں اصلاً حرج نہیں بلکہ بہتر ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

---

عہ تابوت یعنی لکڑی یا لوہے کے صندوق میں میت کو دفن کرنا منع ہے۔ مگر جہاں قبر کی مٹی گیلی ہو کہ کفن کے مٹی سے سن جانے کا اندیشہ ہو وہاں اجازت ہے غنیہ میں ہے قال صاحب المنافع اختار واالشق فی دیارنا لرخاوۃ الاراضی فیتعذر اللحد فیھا حتی اجازوا الآجر ودفوف الخشب واتخاذ التابوت ولو کان من حدید وشلق البسوط مع کون التابوت فی غیرھا مکروھا فی قول العلماء قاطبۃ تابوت میں مٹی بچھادے اور دائیں بائیں کچی اینٹیں لگادیں اور ڈھکنے کے نیچے کی طرف مٹی لیس دیں۔ اوی میں خانیہ سے ہے ینبغی ان یفرش فیہ التراب وتطین الطبقۃ العلیا مما یلی المیت ویجعل اللبن الخفیف عن یمین المیت ویسارہ لیصیر بمنزلۃ اللحد۔ واللہ تعالےٰ۔ عہ اس کا مطلب نہیں کہ کنکریوں پر قرآن مجید پڑھ کر دم نہیں کرتے۔ مراد یہ ہے کہ پہلے سے قرآن مجید پڑھ کر کنکریوں پر دم کرکے رکھے رہتے ہیں دفن کے وقت ان کنکریوں کو ڈال دیتے ہیں اس وقت یعنی کنکریاں ڈالتے وقت قرآن مجید نہیں پڑھتے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

**مسئلہ** (۴۵۲) مرسلہ غلام احمد پیش امام مسجد اسٹیشن ماروار جنکشن ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی میت کو بغیر تختے رکھے صرف مٹی سے دفن کر دینا درست ہے یا نہیں۔

**الجواب:** بغیر تختہ یا کسی ایسی چیز کے جو حائل ہو دفن کرنا درست نہیں مجبوری اگر ہو کہ ایسی چیز دستیاب نہ ہو تو معذور ہے واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۵۳) جو مسلمان حالت نجاست میں فوت ہو تو غسل دینے سے پاک ہوتا ہے یا نجس رہتا ہے۔ روح غسل دینے سے پہلے جدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا روح نجس جاتی ہے یا پاک (یعنی جہاں روح جاتی ہے) بینوا توجروا۔

**الجواب:** پاک ہو جائے گا۔ روح ناپاک ہوتی ہی نہیں۔ المؤمن لا ینجس۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۵۴) میت پاک ہے یا نجس۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** مسلمان پاک ہے۔ زندہ ہو یا مردہ۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۵۵) بعض فرماتے ہیں کہ میت کو تین غسل دینا چاہئے یہ صحیح ہے یا غلط۔ اور اگر تین غسل دے تو کس طریقہ سے دے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** تین مرتبہ ہر جگہ سے پانی بہایا جانا سنت ہے۔ اور یہ ایک غسل ہے۔ تین غسل دینے کا اگر یہی مطلب ہے تو خیر ورنہ لغو۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۵۶) تہبند باندھے ہوئے قبر میں اترنا چاہئے یا تہبند کا کونہ پیچھے گھرس کر اترنا چاہئے بینوا توجروا میت مرد ہو یا عورت۔

**الجواب:** میت مرد ہو یا عورت تہبند باندھ کر اترنا بہر حال درست ہے اور تہبند کا کونہ پیچھے گھرسنا منع ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۵۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ غسل کے وقت میت کا رخ کس طرف ہونا چاہئے۔

**مسئلہ** (۴۵۸) میت کے غسل کے لئے کون شخص ہو سکتا ہے اور غسل دینے کے صلہ میں اس کے کیا حقوق ہیں اور اس کا ادا کرنا یا نہ کرنا کیسا ہے۔

**مسئلہ** (۴۵۹) قبرستان میں میت کے دفن کے بعد تکیہ دار کے کیا حقوق ہیں کہ جن کو وارث میت ادا کرے بینوا توجروا

Marfat.com

**الجواب:-** صحیح یہ ہے کہ جس رخ لٹا کر نہلانے میں آسانی ہو اسی رخ لٹائیں خواہ اس طرح کہ قبلہ کو پاؤں ہوں جس طرح لیٹ کر نماز پڑھنے والا پاؤں کرتا ہے یا جس طرح قبر میں رکھتے ہیں اس طرح لٹائیں۔ فتاوی عالمگیری میں ہے وکیفیۃ الوضع عند بعض اصحابنا الوضع طولا کما فی حالۃ المرض اذا اراد الصلوٰۃ بایماء ومنھم من اختار الوضع کما یوضع[عہ] فی القبر والاصح انہ یوضع کما تیسر کذا فی الظھیریہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب:-** غسل دینے والا میت کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہو وہ اگر غسل دینا نہ جانتا ہو تو کوئی دوسرا شخص متقی پرہیزگار غسل دے مستحب یہ ہے کہ غسل دینے والا کچھ اجرت نہ لے محض ثواب کے لئے نہلائے۔ عالمگیری میں ہے والافضل ان یغسل المیت مجانا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب:-** تکیہ دار کے شرعاً کچھ حقوق نہیں ہیں اور اگر فقیر سمجھ کر اسے جو کچھ دیں اور ثواب کی نیت سے ہو تو دے سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۶۰) از موضع ابراہیم پور ڈاکخانہ سبور ضلع بھاگلپور مرسلہ جناب معز الدین صاحب رئیس ۲۷ جمادی الآخرہ سنہ ۵۵ھ
میت کے گھر تین دن تک کھانا نہیں پکنا چاہئے یا صرف ایک دن۔ اگر تین دن تک نہیں پکا تو فعل کیسا ہے

**الجواب:-** میت کے گھر والوں کے لئے ایک دن اور رات کا کھانا بھیجا جائے بلکہ انہیں اصرار کرکے کھلایا جائے۔ خود حدیث میں بھی کھانا بھیجنے کا امر فرمایا ہے تین دن تک کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ جب فقہاء ایک دن کی تصریح فرماتے ہیں تو اس پر اضافہ نہ کیا جائے۔ درمختار میں ہے لا بأس باتخاذ طعام لھم۔ ردالمحتار میں ہے قال فی الفتح ویستحب لجیران اھل المیت والاقرباء الاباعد تھیئۃ طعام لھم یشبعھم یومھم ولیلتھم لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاءھم ما یشغلھم حسنہ الترمذی وصححہ الحاکم ولانہ بر ومعروف ویلح علیھم فی الاکل لان الحزن یمنعھم من ذلک فیضعفون اھ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۶۱) مرسلہ قاضی طیب علی صاحب از لاڈنون مارواڑ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ
قبر کے اندر کی مٹی قل ھو اللہ پڑھ کر دیویں یا نہیں۔

---

عہ یعنی قبلہ رخ داہنی کروٹ پر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

**الجواب:** قل ہو اللہ پڑھ کر قبر کے اندر مٹی رکھنے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۴۶۲)** از قصبہ فتح کھلڈ انہ ضلع بلڈانہ سی پی۔ مرسلہ محمد اسلم خاں ۱۲ رجب ۴۶ھ

قبرستان میں نماز فرض عین یا فرض کفایہ یعنی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے جب کہ دائیں بائیں اور سامنے قبریں ہوں۔

**الجواب:** قبر سامنے ہو تو نماز مکروہ تحریمی۔ اور دہنے بائیں ہو تو حرج نہیں اور نماز جنازہ میں قبر سامنے ہو جب بھی حرج نہیں کہ حقیقۃً نماز نہیں بلکہ دعا ہے۔ ردالمحتار میں ہے ولا باس بالصلوۃ فیہا اذا کان فیہا موضع اعد للصلوۃ ولیس فیہ قبر ولا نجاسۃ کما فی الخانیۃ ولا قبلتہ الی قبر حلیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۴۶۳)** مرسلہ قاسم میاں رضوی ابن قاضی خاں میاں از گونڈل کاٹھیاواڑ۔

جنازہ غائب کا پڑھنے میں حنفی مقتدی شافعی المذہب کی اقتدا کر سکتا ہے یا نہیں۔

**الجواب:** ہمارے مذہب میں جنازہ غائب کی نماز جائز نہیں۔ کہ نماز جنازہ صحیح ہونے کے لئے میت کا سامنے ہونا ضروری ہے اور جب یہ شرط مفقود ہو تو اشتغال بمالایعنی ہے اور یہ جائز نہیں۔ درمختار میں ہے۔ وشرطہا ایضا حضورہ ووضعہ امام المصلی وکونہ للقبلۃ فلا تصح علی غائب۔ اور شافعی المذہب کی اقتدا اس وقت جائز ہے جب وہ فرائض و شرائط کی مراعات کرتا ہو یا کم از کم مراعات و عدم مراعات کا علم نہ ہو اور جس وقت معلوم ہو کہ شرط صحت ہمارے طور پر مفقود ہے تو اقتدا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے وتکرہ خلف مخالف کشافعی لکن فی ان یتقن المراعات لم یکرہ او عدمہا لم یصح وان شک کرہ۔ ردالمحتار میں ہے ای المراعاۃ فی الفرائض من شروط وارکان فی تلک الصلوۃ۔ اور جنازہ غائب میں چونکہ شرط صحت نہیں پائی گئی لہٰذا اقتدا جائز نہ ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۴۶۴)** مسئولہ محمد کامل صاحب ساکن بریلی محلہ گندہ نالہ ۸ صفر ۱۳۴۱ھ

---

ع اس سے ظاہر ہے کہ قبر پر نہ جنازہ کا پڑھنا جائز نہیں خواہ صرف جنازہ قبر پر ہو یا نمازی قبر پر ہوں یا دونوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ع بعبارۃ اخری اقتدا اگر ہوگی تو نماز میں۔ اور جب حنفیوں کے نزدیک غائب پر نماز صحیح نہیں تو حنفی کی نماز ہی نہ ہوگی پھر اقتدا کاہے میں ہوگی۔ جب نماز ہوتی تو اقتدا ہوتی جب نماز ہی نہیں تو اقتدا بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبر پر پھول و چادر و مٹھائی وغیرہ چڑھانا درست ہے یا نہیں۔ یعنی پھول ہار وغیرہ قبر پر چڑھانا کیسا ہے اور چادر چڑھانا کیسا ہے اور مٹھائی عنـ حدود قبر یعنی احاطہ کے اندر رکھ کر یا جنگلے کے اندر رکھ کر فاتحہ دینا کیسا ہے۔

**الجواب:** قبر پر ہار پھول چڑھانا جائز ہے بلکہ علما اسے سنت بتاتے ہیں کہ جب تک تر رہیں گے تسبیح کریں گے۔ اور ان کی تسبیح سے میت کو انس ہوگا اور اس کا دل بہلے گا۔ اور اگر میت معاذ اللہ عذاب میں مبتلا ہے تو امید ہے کہ جب تک تر رہیں عذاب میں تخفیف ہو۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو قبروں پر گذرے فرمایا کہ ان دونوں میتوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات میں عذاب نہیں ہے ان میں کا ایک چغل خور تھا اور دوسرا پیشاب سے بچتا نہیں تھا۔ اس کے بعد کھجور کی ایک تر شاخ کے دو ٹکڑے کئے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں قبروں پر نصب فرمایا۔ اور یہ فرمایا انی لارجوان یخفف عنهما مالم ییبسا مجھے امید ہے کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں عذاب میں تخفیف ہوگی۔ علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں وقد افتی بعض الائمۃ من متاخری اصحابنا ان ما اعتید من وضع الریحان والجرید سنۃ لهذا الحدیث اسی حدیث کی وجہ سے بعض ائمہ متاخرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ پھول اور تر شاخ قبروں پر جو رکھنے کی عادت ہے وہ سنت ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رد المحتار میں فرماتے ہیں ویکرہ ایضا قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرۃ کما فی البحر الدرر وشرح المنیۃ وعللہ فی الامداد بانہ ما دام رطبا یسبح اللہ تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکرہ الرحمۃ اھ ونحوہ فی الخانیۃ اقول ودلیلہ ما ورد فی الحدیث من وضعہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الجریدۃ الخضراء بعد شقہا نصفین علی القبرین الذین یعذبان تعلیلہ بالتخفیف عنہما مالم ییبسا ای یخفف عنہما ببرکۃ تسبیحہما اذ ھو اکمل من تسبیح

عـہ شیرینی وغیرہ قبروں پر لے جا کر فاتحہ پڑھنے میں بہ نسبت گھر کے زیادہ ثواب ہے کہ وہاں جا کر فاتحہ پڑھنے میں زیارت قبور بھی ہے اور وہاں درود شریف قرآن مجید وغیرہ پڑھے گا۔ اس سے میت کو انس حاصل ہوگا نیز اس سے رحمت الٰہی کا بھی نزول ہوتا ہے۔ نیز قبر پر جا کر کچھ بھی نہ پڑھے صرف کھڑا یا بیٹھا رہے تو بھی میت کو انس ہوتا ہے۔ شفاء السقام اور شرح الصدور میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انس ما یکون المیت فی قبرہ اذا زار من کان یحبہ فی دار الدنیا جب میت کا کوئی پیارا اس کی قبر پر زیارت کے لئے آتا ہے تو میت کا دل بہلتا ہے۔ ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں اور امام عبدالحق کتاب العاقبہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ما من رجل یزور قبر اخیہ ویجلس علیہ الا استانس ورد علیہ حتی یقوم جو کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے تو میت کا دل اس سے بہلتا ہے وہ اس کی بات کا جواب دیتا ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حالت نزع میں اپنے صاحبزادے عبداللہ کو اپنی وصیت کی اذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر الجزور ویقسم لحمہا حتی استانس بکم واعلم

Marfat.com

الیابس لما فی الخضراء من نوع حیاۃ ویؤخذ من ذلک ومن الحدیث ندب وضع ذلک للاتباع ویقاس علیہ ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الآس ونحوہ وصرح بذلک ایضا جماعۃ من الشافعیۃ وقد ذکر البخاری فی صحیحہ ان بریدۃ بن الحصیب رضی اللہ تعالٰی عنہ اوصی بان یجعل فی قبرہ جریدتان اھ ملتقطا یعنی قبروں پر سے سبزہ اور ترگھاس کا کاٹنا مکروہ ہے جیسا کہ بحر در اور شرح منیہ میں ہے اور اس کی علت امداد میں یہ بیان کی کہ جب تک وہ تر رہے گی تسبیح بھی کرے گی جس سے میت کو انس ہوگا۔ اور اس پر رحمت اترے گی۔ ایسا ہی خانیہ میں بھی ہے میں کہتا ہوں اور دلیل اسکی وہ جو حدیث میں وارد ہوا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک تر شاخ کو دو ٹکڑے کرکے ان دونوں قبروں پر رکھا جن پر عذاب ہو رہا تھا اور علت یہ بیان فرمائی کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں گے ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی یعنی ان کی تسبیح کی برکت سے دونوں میت سے تخفیف عذاب ہوگی اسلئے "تر" کی تسبیح خشک کی تسبیح سے بڑھ کر ہے کہ "تر" میں ایک قسم کی حیات ہے اس سے اور حدیث سے اس کے رکھنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ اور اسی پر قیاس ہوگا پھول وغیرہ کے رکھنے کا جس کی اس زمانہ میں عادت ہے۔ اور شافعیہ کی ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں یہ ذکر کیا کہ بریدہ بن خصیب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کی قبر میں دو شاخیں رکھ دی جائیں۔

قبور اولیاء و علماء و صلحاء پر بغرض اظہار عظمت چادر ڈالنا جائز و محمود ہے کہ جب تک ظاہر تزک و احتشام نہیں دیکھتے۔ ان کی پوری وقعت نظر عوام میں نہیں آتی اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید نہیں ہوتے۔ ردالمحتار میں کشف القبور علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے ولکن نحن نقول الآن اذا قصد بہ التعظیم فی عیون العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب القبر ولجلب الخشوع والادب للغافلین الزائرین فھو جائز لان الاعمال

---

بقیہ صفحہ کا :- اراجع بہ رسل ربی دفن کے وقت مجھ پر ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا اور دفن کے بعد میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکے۔ تاکہ میں تم سے انس حاصل کروں اور جان لوں کہ اپنے رب کے فرستادگان کو کیا جواب دیتا ہوں۔ ان احادیث سے ثابت ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے کسی دینی بھائی کی قبر پر جاتا ہے تو جتنی دیر قبر پر رہتا ہے اس سے میت کا دل بہلتا ہے میت اس سے انس حاصل کرتا ہے خواہ وہاں کچھ پڑھے خواہ نہ پڑھے تو اب ظاہر ہو گیا کہ قبر پر شیرینی وغیرہ لے جاکر فاتحہ پڑھنے میں ایصال ثواب کے ساتھ ساتھ چار مزید فوائد ہیں۔ زیارت قبور، وہاں رہنے سے میت کو انس حاصل ہوگا۔ ذکر قرآن مجید، درود شریف وغیرہ پڑھنے سے اسے انس حاصل ہوگا۔ تلاوت درود خوانی۔ ذکر درود سے نزول رحمت۔ اور گھر پر فاتحہ کرنے سے صرف ایصال ثواب ہوگا اس لئے قبر پر شیرینی وغیرہ لے جاکر فاتحہ پڑھنا بنسبت گھر کے زیادہ بہتر ہوا۔ سائل نے اسے چڑھانے سے تعبیر کیا ہے یہ نامناسب ہے اس لفظ کے استعمال سے اجتناب کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

بالنیات وان کان بدعة فهو كقولهم بعد طواف الوداع يرجع القهقرى حتى يخرج من المسجد اجلالا للبيت حتى قال في منهاج السالكين انه ليس فيه سنة مروية ولا اثر محكي وقد فعله اصحابنا اھ کذا فی الکشف عن اصحاب القبور للاستاذ عبد الغنی النابلسی قدس سرہ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں جب کہ چادر ڈالنے سے مقصود یہ ہو کہ عام نظروں میں میت کی عظمت پیدا ہو تاکہ صاحب مزار کو نظر حقارت سے نہ دیکھیں اور اس غرض سے کہ زائرین جو غافل ہیں ان کو خشوع اور ادب حاصل ہو، تو چادر ڈالنا جائز ہے کیونکہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ اگرچہ یہ ایک نئی بات ہے مگر یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ علماء نے فرمایا کہ طواف وداع کے بعد الٹے پاؤں واپس ہو۔ یہاں تک کہ مسجد حرام سے باہر ہو جائے اس سے مقصود کعبہ معظمہ کی عزت کا اظہار ہے۔ یہاں تک کہ منہاج السالکین میں فرمایا کہ اس بارے میں کوئی سنت اور اثر مروی و مذکور نہیں اور بیشک ہمارے اصحاب نے اس کو کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۶۵) مسئولہ مولوی ۔ ۔ ۔ متعلم مدرسہ منظر اسلام بریلی، ۷ جمادی الاول ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ایصال ثواب میں۔ مُردوں کو ثواب پہونچانا فرض، واجب، سنت یا مستحب ہے۔ اور ثواب کے پہنچانے کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح پہونچتا ہے اور کیا پڑھنا چاہئے۔ کھانا پکا کر کس کو کھلایا جائے۔ فقیروں کو یا اہل برادری کو۔ ثواب کا جو طریقہ ہو بتلایا جائے اور برادری طریقہ یہ ہے کہ کھانا پکا کر محلہ در محلہ ایک آدمی کہدیتا ہے کہ فلاں شخص کے یہاں سوم یا چہلم کی دعوت ہے پس تمام آدمی غریب ہوں یا امیر کھانے کے لئے جاتے ہیں۔ گویا بدلہ سمجھ کر کھاتے ہیں تو یہ ایصال ثواب ہوا یا نہیں اور وقت متعین کرنا چاہئے یا نہیں فاتحہ کے لئے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک مزدور نے مذکورہ دعوت کے جواب میں کہا تیجہ وغیرہ کا کھانا مسکین و محتاج کو کھلاؤں میں کھانا نہیں چاہتا۔ تو اہل برادری نے اس کا بائیکاٹ کر دیا حقہ، پانی، کھانا، پینا غرض کہ ساری چیزیں بند کر دی تو اس صورت میں کون حق بجانب ہے اور ان دونوں میں کون گنہگار ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**: ایصال ثواب مستحب ہے، اور جو کچھ نیک کام کیا ہو، اور اس کا ثواب کسی کو پہنچانا چاہتا ہو تو یہ دعا کرے کہ الٰہی اسے قبول فرما۔ اور اس کا ثواب فلاں و فلاں کو پہنچا۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ جمیع مومنین و مومنات کو پہونچائے۔ اب کہ سب کو پورا پورا ثواب[عہ] ملے اور اس کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہو بلکہ سب کے مجموعے کے برابر ملے۔ رد المحتار میں ہے۔ صرح علماءنا

عہ علامہ ابن عابدین شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں سئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لاهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب

Marfat.com

فی باب الحج عن الغیر بان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوٰۃ او صوما او صدقۃ او غیرھا کذا فی الھدایۃ بل فی زکاۃ۔ التاتارخانیہ عن المحیط الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المومنین والمومنات لانھا تصل الیھم ولا ینقص من اجرہ شئ اھ وھو مذھب اھل السنۃ والجماعۃ نیز اسی میں ہے وفی البحر من صام وصلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابھا الیھم عند اھل السنۃ والجماعۃ کذا فی البدائع ثم قال وبھذا علم انہ لا فرق بین الفرض والنفل۔ اور اسے اختیار ہے کہ درود شریف وقرآن مجید جو چاہے پڑھے اور ثواب پہنچائے۔ عام میت کا کھانا صرف فقرا کو کھلائے۔ اور اہل برادری میں کچھ لوگ محتاج ہوں تو انھیں بھی کھلائے۔ اور اپنے رشتہ دار ایسے ہوں تو انھیں کھلانا اوروں سے بہتر ہے اور جو محتاج نہ ہوں انھیں نہ کھلائے بلکہ انھیں کھانا بھی نہ چاہئے۔ فتح القدیر میں فرمایا ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل البیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ روی الامام احمد وابن ماجہ باسناد صحیح عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل البیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ۔ فاتحہ خوانی کے لئے وقت مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ بغیر تعیین وقت لوگوں کو دقت ہوگی

---

بقیہ صفحہ کا:۔ بینھم او یصل لکل منھم مثل ثواب ذلک کاملا فاجاب بانہ افتی جمع بالثانی وھو اللائق بسعۃ الفضل۔ ابن حجر مکی سے پوچھا گیا کہ اگر کسی نے اہل قبرستان کے لئے فاتحہ پڑھا تو یہ ثواب بٹ کر انھیں ملے گا یا ہر ایک کو پورا پورا ملے گا انھوں نے جواب دیا ایک جماعت کا فتویٰ یہی ہے کہ سب کو پورا پورا ملے گا اور اس کے شان وسعت فضل کے یہی لائق ہے اور تقسیم ثواب کا قول ابن قیم بدمذہب کا ہے وہ لائق التفات نہیں واللہ تعالیٰ اعلم

عہ ہمارے علماء احناف نے باب الحج عن الغیر میں اس کی تصریح کی ہے۔ کہ انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو بخش دے۔ یہ عمل نماز ہو روزہ ہو صدقہ ہو یا اور کچھ۔ ہدایہ میں بھی یہی ہے بلکہ تاتارخانیہ کی کتاب الزکوٰۃ میں محیط سے یہ نقل کیا کہ ایصال ثواب کرنے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ تمام مومنین اور مومنات کی نیت کرے۔ اس لئے کہ ثواب سب کو پہنچے گا اور اس کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔

عہ البحر الرائق میں ہے کسی نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا، خیرات کیا اور اس کا ثواب کسی مردے یا زندے کو بخش دیا یہ جائز ہے اور ان کو ثواب ملے گا اہل سنت وجماعت کے نزدیک۔ بدائع میں بھی ایسے ہی ہے۔ پھر صاحب بحر نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ جسے ثواب بخشا گیا وہ زندہ ہو یا مردہ کوئی فرق نہیں۔ (یعنی مردوں کی طرح زندوں کو بھی ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے) اور ظاہر ہے کہ اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جس عمل کا ثواب بخشا گیا وہ نفل یا فرض

لعلہ اس سے مراد یہ ہے کہ جیسے شادی بیاہ کے موقعوں پر دعوتیں ہوتی ہیں اس طرح بلا نیت ایصال ثواب دعوت کرے۔ یا جیسے بعض جگہ دستور ہے کہ میت کے کھانے کو برادری اپنا حق سمجھتی ہے۔ اگر نہ کھلائیں تو عیب لگاتے ہیں یہ ضرور بدعت قبیحہ ہے لیکن میت کے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوا کر مسلمانوں کو کھلائیں۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ کھانا اگر عام مسلمین میں سے کسی کے لئے ایصال ثواب کا ہے تو اغنیاء کو کھانا منع اور فقراء کو جائز۔ اور اگر بزرگان دین کے ایصال ثواب کے لئے تو غنی فقیر سب کو کھانا جائز بلکہ بہ نیت حصول برکت مستحسن۔ برکت والوں کی طرف جو چیز منسوب ہو اس میں برکت آجاتی ہے مسلمانوں کا معمول ہے کہ اس کھانے کو تبرک جانتے ہیں۔ اسکی تعظیم کرتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔ الحمد دینا نے

Marfat.com

اگر یہ کوئی ضروریات شرع نہیں بلکہ تخصیص عرفی ہے۔ جو شخص مالدار ہے اور بچہ کے کھانے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بیمیر ولد کو کھلاؤں میں فقیر نہیں۔ اس نے ٹھیک کہا لوگوں کی زیادتی ہے کہ اسے برادری سے خارج کر دیا جنھوں نے خارج کیا اس سے معافی مانگیں اور برادری میں داخل کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۴۶۶)** مسئولہ جناب محمد حنیف صاحب مدرس نور الہدیٰ مقام پوکھریرا ڈاکخانہ رائے پور مظفرپور۔ ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل ذیل میں کہ

مزارات اولیاء کے اوپر چھتی و مرغ و چادر و مالیدہ وغیرہ چڑھانا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو کس طرح بعض عوام اوپر رکھدیتے ہیں مثل روپیہ پیسہ مالیدہ کے۔

**مسئلہ (۴۶۷)** ایک بیگہ لنبا چوڑا قبرستان ہے اس کے چوگرد زید اس کی حفاظت کی غرض سے ٹی کا احاطہ دینا چاہتا ہے اور احاطہ کے اندر بعض بعض قبریں بھی پڑتی ہیں۔ آیا اس طرح کا احاطہ دینا جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب:** جانور اگر اللہ عزوجل کا نام لے کر ذبح کریں اور اس کا گوشت پوشت نیک کام میں صرف کرکے اس کا ثواب کسی بزرگ کی روح کو نذر کریں تو اس میں اصلاً قباحت نہیں بلکہ فعل حسن ہے۔ اور ما اہل بہ لغیر اللہ سے اس کو کوئی علاقہ نہیں کہ اس سے مراد وقت ذبح غیر خدا کا نام لینا ہے۔ اور قبر پر روپیہ، پیسہ مالیدہ وغیرہ رکھنا نہ چاہیے بلکہ اگر وہاں لے جاکر ایصال ثواب و فاتحہ دینا چاہیں تو قریب قبر رکھ کر فاتحہ دلادیں۔ ردالمحتار میں ہے قال البزازی^ع ومن ظن انہ لا یحل لانہ ذبح لاکرام ابن آدم فیکون اہل بہ لغیر اللہ فقد خالف القرآن والحدیث والعقل فانہ لا ریب

---

بقیہ صفحہ کا، بسند صحیح روایت فرمایا صوفیائے کرام کی ایک مجلس سماع میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز کی تھیلی رکھی تھی۔ حالت وجد میں ایک صاحب کا پاؤں اوس سے لگ گیا فوراً ان کی ولایت سلب ہوگئی۔ اگر بزرگان دین کی نذر و نیاز میں کوئی عظمت اور برکت نہیں آتی تو پھر یہ کیوں ہوا

ع عارف باللہ ملا احمد جیون قدس سرہ استاذ سلطان محی الدین اورنگزیب عالمگیر تفسیرات احمدیہ میں فرماتے ہیں و من ھھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیہا وقت الذبح وان کانوا ینذرونہا یہاں سے معلوم ہوا کہ وہ گائے جو اولیاء کے لئے منت مانی جاتی ہے جیسا کہ ہمارے زمانے میں طریقہ ہے۔ حلال طیب ہے اسلئے کہ اس پر غیر اللہ کا نام ذبح کے وقت نہیں لیا گیا ہے۔ اگرچہ اولیاء کرام کے لئے منت مانی ہے۔ اس عبارت سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ یہ منت مانی کہ یہ جانور فلاں بزرگ کے فاتحہ کے لئے ہے جائز ہے۔ اور اس کا کھانا بھی جائز ہے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اولیاء کرام کے نیاز کی منت مانی جائز ہے

ع بزازی نے کہا جس نے گمان کیا کہ یہ حلال نہیں کیونکہ یہ ابن آدم کی تعظیم کے لئے ذبح کیا گیا۔ لہٰذا ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہوگیا۔ اسنے قرآن کی

Marfat.com

ان القصاب یذبح للربح ولو علم انہ نجس لا یذبح فیلزم ھذا الجاھل ان لا یاکل ما ذبحہ القصاب و ماذبح للولائم والاعراس والعقیقۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب:۔** اگر احاطہ کی دیوار قبر پر واقع ہو تو ناجائز ہے کہ حدیث میں اس سے ممانعت آئی۔ صحیح مسلم شریف میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی نہی رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۴۶۸)** مسئولہ فتون ساکن قصبہ ٹھریا موہن پور ضلع بریلی ۸ ر ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک شخص جذامی تھا۔ وہ فوت ہو گیا۔ اچھے طریقے سے دریا میں اس کو غسل دیا۔ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور باقاعدہ دفن کر دیا گیا۔ اس کے اوڑھنے بچھانے کے جو کپڑے تھے فقیر نے دریا میں دھو کر لے لیا۔ اور فقیروں نے احتراز کیا۔ تو لوگوں نے اس کا حقہ پانی بند کرنا چاہا۔ ایسی صورت میں وہ کپڑے لینا جائز ہیں یا نہیں۔ اگر ناجائز ہیں تو وہ کپڑے جلا دیئے جائیں یا پھینک دیئے جائیں اگر جائز ہوں تو وہ کپڑے اپنے خرچ میں لائے گا۔ اگر ناجائز ہوں تو معافی چاہتا ہے۔

**الجواب:۔** کپڑے لینا جائز ہے، اور انھیں اپنے خرچ میں بھی لا سکتا ہے۔ اتنی بات پر اس کو بند کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۴۶۹)** مرسلہ مولوی محمد امین صاحب ساکن ضلع تھانہ محلہ سوداگران بھیبڑی۔ ۱۶ ر ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ

استمداد بوساطت قبور اولیا وصلحا ر شرع شریف میں جائز ہے یا ناجائز۔ شرک ہے یا بدعت۔

**مسئلہ (۴۷۰)** شیرینی وطعام وغیرہ پر فاتحہ خوانی یعنی ایک مرتبہ سورہ فاتحہ و تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر اس شیرینی وطعام وغیرہ کا ثواب ارواح انبیاء و اولیاء وصلحا ومؤمنین ومؤمنات وغیرہ کو بخش کر طعام وشیرینی وغیرہ کا کھانا درست

---

بقیہ صفحہ کا:۔ حدیث اور عقل کی مخالفت کی اس لئے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قصاب نفع کے لئے ذبح کرتا اگر اسے معلوم ہو جائے کہ نجس ہے تو ذبح نہ کرے تو اس جاہل کو لازم ہے کہ قصاب کا ذبیحہ نہ کھائے۔ یونہی شادیوں عقیقے وغیرہ کی دعوتوں میں جو جانور ذبح ہوں وہ بھی نہ کھائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی۔ ۱۲

Marfat.com

ہوا حرام یا شرک و بدعت بعض دیوبندی کا کہنا ہے کہ وہ چیز حرام ہے۔

**مسئلہ** (۴۷۱) بعد جمعہ اکثر حضرات کی عادت ہے کہ قبرستان فاتحہ خوانی کے لئے جاتے ہیں۔ سورہ فاتحہ و یٰسین شریف و سورہ اخلاص وغیرہ پڑھ کر اس کا ثواب ارواح مومنین و مومنات کو بخشتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں۔ یا بدعت یا شرک یا گناہ۔

**الجواب:** اولیاء و صلحاء کی قبور پر جانا اور ان سے استمداد جائز و مستحسن۔ اور اکابر کے قول و فعل سے ثابت اور ایسے امور مندوبہ کو شرک و بدعت بنانا وہابیہ کا خاصہ۔ اور تفصیل رسالہ برکات الامداد میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب:** ایصال ثواب جائز و مندوب، احادیث سے ثابت، یہ عجب کہ حلال کھانا قرآن مجید پڑھنے سے حرام ہو گیا۔ اس کو حرام کہنا شریعت پر افترا کرنا ہے، کس آیت یا حدیث میں ہے کہ جس کھانے پر قرآن عظیم پڑھا جائے وہ حلال بھی ہو تو حرام ہو جاتا ہے۔ خود وہابیہ کے امام اسمٰعیل دہلوی نے لکھا ہے کہ ثواب پہنچانا کھانے پر موقوف نہ رکھیں۔ ہاں میسر ہو تو بہتر ورنہ صرف فاتحہ و قل کا ثواب سب سے اعلیٰ شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ میں ہے جو کھانا حضرات امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نیاز کا ہوتا ہے اور اس پر فاتحہ اور قل اور درود شریف پڑھتے ہیں وہ تبرک ہو جاتا ہے اس کا کھانا بہت اچھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب:** جائز بلکہ بہتر ہے۔ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مسلک متقسط میں فرماتے ہیں ومن آدابہ[عہ] ان یسلم بلفظ السلام علیکم دار قوم مؤمنین، وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون ونسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ ثم یدعو قائما طویلا وان جلس یجلس بعیدا، او قریبا بحسب مراتبہ فی حال حیاتہ ویقرأ من القرآن ما تیسر لہ من الفاتحۃ واول البقرۃ الی المفلحون وآیۃ الکرسی وآمن الرسول وسورۃ یٰسین وتبارک الملک وسورۃ التکاثر والاخلاص اثنتی عشرۃ مرۃ او احدی عشرۃ او سبعا او ثلثا ثم یقول اللھم اوصل ثواب ما قرأناہ الی فلان او الیھم۔ نیز اسی کتاب میں فرماتے ہیں زیارۃ القبور مستحبۃ فی کل اسبوع یوما الا ان الافضل

---

عہ زیارت قبور کے آداب میں سے یہ ہے کہ اس لفظ سے سلام کرے السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون ونسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ (سلام تم پر اے مومنین کی بستی والے اور ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملیں گے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں) پھر کھڑے ہو کر دیر تک دعا کرے اور جتنا ہو سکے قرآن مجید پڑھے۔ سورہ فاتحہ اور مفلحون تک سورہ بقرہ کا شروع اور آیۃ الکرسی اور آمن الرسول سے آخر سورہ تک۔ اور سورہ یٰسین، سورہ تبارک، سورہ تکاثر اور سورہ اخلاص بارہ بارہ یا گیارہ گیارہ یا سات سات یا تین تین بار۔ پھر یہ کہے اے اللہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچا یا قبرستان کے سب مردوں کو پہنچا۔

Marfat.com

یوم الجمعۃ والسبت والاثنین والخمیس وقد قال محمد بن واسع۔ الموتی یعلمون بزوارھم یوم الجمعۃ ویوما قبلہ ویوما بعدہ فتحصل ان یوم الجمعۃ افضل وان علم الموتی بالزائرین اکمل اور جو کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کرے ان تمام اموات کو پورا پورا ثواب ملے گا۔ اور اس کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی بلکہ زیادتی ہوگی۔ درمختار میں ہے ویقرأ یٰسین[مــہ] وفی الحدیث من قرأ الاخلاص احد عشر مرۃ ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات۔ محیط پھر تتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المومنین والمومنات لانھا تصل الیھم ولا ینقص من اجرہ شیٔ نیز اسی ردالمحتار میں ہے سئل ابن حجر المکی عما لوقرأ لاھل المقبرۃ الفاتحۃ ھل یقسم الثواب بینھم او یصل لکل منھم مثل ثواب ذلک کاملا اجاب بانہ افتی جمع بالثانی وھو اللائق بسعۃ الفضل۔

واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ (۴۷۲)** مسئولہ

فاتحہ اور دعا میں کیا فرق ہے اور ان دونوں سے کیا مقصد وابستہ ہے۔

**الجواب:** فاتحہ نام ہے سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی و قل وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کا۔ اور اس کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ دوسرے کو ثواب پہنچائے اور خود بھی ثواب پائے۔ اور اپنے ثواب میں اس سے کچھ کمی نہیں ہوتی بلکہ زیادتی ہوتی ہے۔ دنیا یا آخرت کے فلاح و صلاح و بہبودی کا سوال کرنا دعا ہے اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی ہماری دعا قبول کرلے اور جو ہم مانگتے ہیں وہ عطا فرمائے یا اس سے بہتر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ (۴۷۳)** مرسلہ حاجی حکیم سید نعیم الدین صاحب بہاری حال مقام مانک پور ضلع دھوبڑی ۱۲ صفر ۴۲ھ

اولیاء اللہ خواہ عوام الناس کے قبر پر فاتحہ و دعا کس طور سے سنت ہے۔ آیا پورب رخ ہوکر قبر

---

عــہ زیارت قبور ہفتے میں ایک دن مستحب ہے مگر افضل جمعہ کا دن ہے اور سنیچر پیر اور جمعرات کا۔ محمد بن واسع نے فرمایا مردے اپنی زیارت کرنے والوں کو جمعہ کے دن اور اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن اس کے بعد بات جانتے ہیں۔ لہٰذا جمعہ کے دن افضل ہے اور مردوں کا زائرین کے متعلق علم زیادہ کامل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مــہ سورہ یٰسین پڑھے اور حدیث میں ہے سورہ اخلاص کا پڑھنا سنت ہے۔ گیارہ بار پھر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے۔ مردوں کی گنتی کے برابر ثواب پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

کے سامنے۔ یا قبر کی طرف پشت کرکے قبلہ رو ہو کر۔

**الجواب:** زیارت[ع] کے آداب میں یہ ہے کہ قبر کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے میت کے مواجہہ میں کھڑا ہو۔ واللہ تعالٰے اعلم۔

**مسئلہ (۴۷۴)** مسئولہ شاہ قمرالدین صاحب امام مسجد کلاں جامع مدرسہ معینیہ ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۴۲ھ

میت کے ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید مکان پر کسی کو بٹھا کر پڑھوانا جائز ہے یا نہیں اور اس کے بیٹھنے[ع] کا بدلہ دینا جائز ہے یا نہیں۔ نیز تیسرا، دسواں، بیسواں اور چہلم پر ایصال ثواب کرنا جائز ہے یا نہیں۔ تعلیم قرآن پر اُجرت لینے کا حکم مذہب میں ہے یا نہیں۔

**الجواب:** ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھوانا جائز ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ تلاوت کے لئے اسے اجیر نہ کیا ہو کہ تلاوت پر اجرت لینا دینا جائز نہیں۔ کذا فی ردالمحتار۔ اور اگر اس سے پیشتر کہہ دیا جائے کہ اس کا معاوضہ ہم کچھ نہ دیں گے۔ پھر بعد میں پڑھنے والے کی خدمت کی جائے تو عین سعادت ہے تعلیم قرآن پر اجرت لینا دینا متاخرین نے جائز کہا اور اب اسی پر فتوی ہے۔ واللہ تعالٰے اعلم۔

**مسئلہ (۴۷۵)** مرسلہ رحمت اللہ صاحب قادری بنارس۔ ۲۴ ربیع الاخر ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مردہ کی روح دنیا میں آتی ہے یا نہیں۔ نیز اولیاء کرام اپنی روح کے ساتھ اصلی جسم میں ہو کر دنیا میں چل پھر سکتے ہیں یا نہیں بحوالہ قرآن وحدیث شریف وفقہ بیان فرمائیں۔

**الجواب:** مومن[ع] کی روح مرنے کے بعد آزاد ہوتی ہے جہاں چاہے جاسکتی ہے۔ حدیث میں ہے اذا مات المؤمن یخلی سربہ یسرح حیث شاء جب مومن مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے۔ جہاں چاہے جائے۔ اور اولیاء کرام کے بکثرت واقعات ایسے ہیں کہ لوگوں نے بعد وفات انھیں ان کی صورتوں میں دیکھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اصلی جسم ہوں یا ان کے مثالہ۔ واللہ تعالٰے اعلم۔

---

عہ طحطاوی علی المراقی میں ہے قال فی الاحیاء والمستحب فی زیارۃ القبور ان یقف مستدبر القبلۃ مستقبلا وجہ المیت۔ احیاء میں ہے زیارت قبر میں مستحب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف پیٹھ ہو اور میت کی طرف منہ ہو۔ عہ یہ حیلہ بھی درست ہے کہ قاریوں کو گھنٹہ دو گھنٹہ اپنے یہاں روکے اور ان کے وقت کو مشغول رکھنے کے عوض کی نیت کرکے کچھ دے۔ عہ ان تمام باتوں کے لئے حیات الموات فی سماع الاموات کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالٰے اعلم

Marfat.com

**مسئلہ (۴۷۶)** مسئولہ عابد علی محلہ چھاؤنی اشرف خاں بانکے بریلی ۔ ۲۰ رجمادی الاولی ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

اکثر لوگ اپنی آمدنی کا کچھ حصہ گیارہویں شریف کے نام کا جمع کرتے ہیں یعنی اگر ایک روپیہ خرچ کیا تو ایک پیسہ یا دو علی ہذا القیاس علیحدہ گیارہویں شریف کے نام پر جمع کرتے ہیں۔ اور ربیع الثانی میں فاتحہ کرتے ہیں۔ اگر اس رقم سے کوئی دوسرا کار خیر انجام دے دیا جائے۔ مثلاً کسی بھوکے غریب کو کھانا کھلا دیا جائے۔ یا کسی غریب رشتہ دار کو کپڑا بنوا دیا جائے۔ یا کسی رشتہ دار کی موت پر مٹی دیدی جائے یا کسی غریب عزیز ہمسایہ کی لڑکی کی شادی میں براتیوں کو کھانا دے دیا جائے۔ یا لڑکی کو کپڑا بنا دیا جائے۔ ایا یہ کار خیر اس گیارہویں شریف کے نام کی رقم سے انجام دینا جائز ہیں یا نہیں۔ زید نے کہا کہ میں یہ جانور مرغ یا بکری وغیرہ بیچ کر اس رقم سے فاتحہ کروں گا۔ اس کو مذکورہ بالا باتوں کا اختیار ہے یا نہیں وہ بجائے فاتحہ کے اور کوئی دوسرا کام انجام دے سکتا ہے یا نہیں۔

**الجواب:۔** گیارہویں شریف کی نیاز ایصال ثواب کے لئے ہے۔ اور یہ کام بھی ثواب کے ہیں پس ان کاموں میں صرف کرے اور اس کا ثواب حضور کو نذر کرے اور بہتر یہ ہے کہ حسب دستور فاتحہ بھی پڑھے کہ قرآن مجید و درود شریف کا ثواب بھی ملے اس کو بھی حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نذر کرے۔ مرغ یا بکری کی قیمت بھی ان امور خیر میں صرف کرکے ثواب پہنچائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ (۴۷۷)** مرسلہ سلیمان شکرانی برادرس قادری رضوی از مقام لمبی نیا سالینڈ برٹش سنٹرل افریقہ۔

یہاں پر ہر ماہ مسلمانوں کی گیارہویں شریف پر بطور نیاز کھانا پکتا ہے اور نیاز کا ہر دوکان پر مقرر چندہ تسلیم کیا گیا ہے اور کھانے میں تمام اہل تجارت ہندی مسلم جمع ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی طرح۔ اس ملک میں مساکین و فقرا نہیں ہیں۔ اگر اس کھانے کو موقوف کرکے اکٹھا کیا جاوے تو سالانہ ایک معقول رقم بن جاتی ہے۔ اس رقم کو دوسرے ضروری اسلامی کاموں میں لا سکتے ہیں یا نہیں جو یہاں کی ملکی حالت کے پیش نظر لازمی ہے جیسا کہ اس ملک کے اصلی افریقی (نیٹو) جو مسلمان ہیں اور نماز روزہ بھی اکثر ادا کرتے ہیں لیکن تعلیم سے بالکل ناواقف ہیں اور اس ملک کے عیسائی بڑے زور شور سے اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کرتے ہیں۔ جنگلات میں جگہ جگہ عیسائی کنیسا قائم کر دیئے ہیں اور جنگلی افریقیوں کو عیسائی مذہب میں داخل کرتے ہیں۔ حالانکہ اسلام بھی اپنی خوبیوں کی وجہ سے آہستہ آہستہ پھیلتا رہا ہے لیکن ان ہمارے غریب مسلم افریقیوں کے مذہبی تعلیم کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور نہ وہ مذہبی فرائض مکمل طور پر سمجھتے ہیں نہ ادا کرتے ہیں۔ اب ان لوگوں کی تعلیم و تربیت و تبلیغ و اشاعت اسلام کے

Marfat.com

لئے ایک مدرسہ کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور فی الحال ہندی بیوپاری عمارت مدرسہ و معلم و مدرس کا خرچ برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ تجارت کا حال بہت خراب ہے ایسی صورت میں گیارہویں کا کھانا موقوف کر کے اس کی رقم مذکورہ کار خیر کے لئے صرف کرنا جائز ہے یا نہیں۔

**مسئلہ** (۴۷۸) کوئی ہندی یا افریقی مسلم جو کہ غریب بھی ہو اور بیمار بھی ہو اور اس کو امداد کی ضرورت ہو تو متذکرہ رقم سے امداد درست ہے یا نہیں۔

**مسئلہ** (۴۷۹) اگر مذکورہ صورتوں میں اس رقم کا استعمال جائز ہے تو یہ بھی فرمایئے کہ اس کے علاوہ اور کونسی صورتیں ہیں جہاں اس رقم کا استعمال جائز ہے۔ **مسئلہ** ( ) کسی غریب خاندان کیلئے مسافر جسکا چندہ کرنا معقول ہو اسکی اس رقم سے

**مسئلہ** (۴۸۰) لیکن واضح ہو کہ مندرجہ بالا سوالات کا حل کرنا قوم کی حالت سے باہر ہے کیونکہ آج کل تجارت کی حالت نہایت خراب ہے۔ یہ خیال نہ فرمائیں کہ اعتقاداً ہم کھانا موقوف کرنا چاہتے ہیں بلکہ ہم لوگ شرع کی تعمیل کرنے پر آمادہ ہیں۔

**مسئلہ** (۴۸۱) زید نے غوث پاک کی نیاز مانی ہو اور کھانا کھلانے کی نیت بھی ہو تو کیا زید بغیر کھانا پکائے قیمت نیاز ادا کر سکتا ہے اور اس کا استعمال تعلیم و اشاعت میں ہو سکتا ہے۔ اور تو سومہ فنڈ میں قیمت دینے پر مقبولیت حاصل ہوگی یا نہیں۔

**الجواب:۔** گیارہویں شریف کی نیاز ایصال ثواب کے لئے ہے کہ شیرینی یا کھانے پر سورۂ فاتحہ و قل اور درود شریف وغیرہ پڑھ کر سب کا ثواب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور نذر کرتے ہیں اور یہ نذر کچھ کھانے یا شیرینی ہی کے ساتھ خاص نہیں کہ اس کے سوا ہو نہ سکے بلکہ وہ رقم اگر کسی دوسرے کار خیر میں صرف کی جائے اور اس کا ثواب نذر کیا جائے۔ تو یہ بھی جائز ہے کہ مذہب اہلسنت میں ہر عمل خیر کا ثواب احیاء و اموات کو پہنچایا جا سکتا ہے اور اس کی وجہ سے اپنے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی۔ بلکہ اور زیادتی ہو جاتی ہے۔ درمختار میں ہے فی الاصل ان کل من اتی بعبادۃ ما لہ جعل ثوابہا لغیرہ وان نواہا عند الفعل لنفسہ لظاہر الادلہ۔ ردالمحتار میں ہے سواء کانت صلاۃ او صوما او صدقۃ او قراۃ او ذکرا او طوافا او حجا او عمرۃ او غیر ذالک من زیارۃ قبور الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام والشہداء والاولیاء والصالحین وتکفین الموتی وجمیع انواع البر کما فی الہندیہ اھ وقد منا فی الزکاۃ عن التاتارخانیہ عن المحیط

Marfat.com

ألا فضل لمن يتصدق نفلا ان ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات لانها تصل اليهم ولا ينقص من اجره شئ اھ نیز اسی رد المحتار میں بحر سے ہے من صام اوصلی او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة كذا فى البدائع ثم قال وبهذا علم انه لا فرق بين ان يكون المجعول له ميتا او حيا والظاهر انه لا فرق بين ان ينوى به عند الفعل للغير او يفعله لنفسه ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره لاطلاق فى كلامهم وانه لا فرق بين الفرض والنفل لهم اور جب کہ مدرسہ کی ضرورت ہے اور اس کے لئے سرمایہ فراہم نہیں ہوسکتا تو رقم مدرسہ میں صرف کی جائے۔ اور اس ثواب کو حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور نذر کریں۔ یوہیں فقراء مساکین کے علاج یا مسلمان میت لاوارث کی تجہیز و تکفین میں صرف کرسکتے ہیں یا تبلیغ و اشاعت اسلام میں اس رقم سے امداد کرسکتے ہیں۔ اور جب یہ کام حضور کے ایصال ثواب کے لئے کیا تو گیارہویں کا مقصد حاصل ہو گیا۔ اور دیتے وقت دُرود شریف و فاتحہ و قل وغیرہ پڑھ کر حسب دستور ایصال ثواب کرلیں تو زیادہ بہتر۔ اور اس رقم سے جو کار خیر کیا جائے اسے حضور کی طرف منسوب کردیا جائے۔ مثلاً مدرسہ قادریہ یا نذر قادری کہ لوگوں کو معلوم بھی ہو کہ یہ شی حضور کے ایصال ثواب کے لئے ہے اور علاوہ اس رقم کثیر کے جو اس نام سے جمع ہوتی ہے اگر حسب استطاعت دُو چار آنہ یا کم و بیش کی شیرینی وغیرہ پر بھی حسب دستور فاتحہ ہو جایا کرے تو نہایت انسب کہ اس میں وہابیت کی بیخ کنی بھی ہے اور عوام یہ نہ سمجھیں کہ گیارہویں بند ہوگئی اور بڑی رقم امور مذکورہ بالا میں صرف ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب**:- یہ نذر فقہی نذر نہیں۔ بلکہ براہ ادب بڑوں کی خدمت میں جو چیز پیش کی جاتی ہے۔ اسے نذر کہتے ہیں۔ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رسالۂ نذور میں فرماتے ہیں۔ نذر کہ اینجا مستعمل می شود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگاں می برند۔ نذر و نیاز می گویند۔ یہ رقم بھی امور مذکورہ میں صرف کی جاسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** ( ) از پنجاب مرسلہ جناب میاں دین محمد صاحب خوش آبی ۲۵ ذی الحجہ ۴۶ھ

گیارہ تاریخ کو حسب مقدور کھانا، شیرینی، دودھ وغیرہ پر فاتحہ دے کر اس کا ثواب حضرت سیدنا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح پر فتوح کو بخشنا جس کو گیارہویں کہا جاتا ہے اس کا کرنا کیسا ہے؟ کیا اس تعین میں کوئی قباحت ہے؟ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں اور منع کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کو مدلل و مفصل بیان فرمائیں۔ اعطاکم اللہ اجراً عظیما۔

عہ بزرگان دین کی نذر و نیاز میں نذر سے مراد شرعی معنی نہیں (عرفی معنی مراد ہے) اسلئے کہ عرف یہ ہے کہ بزرگوں کی خدمت میں جو (ہدیہ) پیش کیا جاتا ہے اسکو نذر و نیاز کہتے ہیں

Marfat.com

**الجواب**:- ایصال ثواب شرعاً مندوب و محبوب ہے احادیث و فقہ سے اس کا جواز ثابت ہے اور گیارہویں کی فاتحہ بھی اسی ایصال ثواب کی ایک فرد ہے۔ لہٰذا یہ بھی جائز ہے کہ مطلق کے جواز ثابت ہونے کے بعد افراد کا جواز خود ہی ثابت ہے جب تک افراد میں شرعاً قباحت ثابت نہ ہو ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ اور یہاں گیارہویں کے عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں۔ نہ قرآن میں اس کی ممانعت نہ حدیث میں، نہ اس کے متعلق کوئی اجماع نہ قیاس مجتہد اور جب ناجائز ہونے کی کوئی شرعی دلیل نہیں تو ناجائز کہنا غلط و باطل۔ اور ایصال ثواب کے ثبوت سے اس کا جواز ثابت۔ ایصال ثواب کے متعلق چند احادیث یہ ہیں:-

**حدیث ۱**:- ابوداؤد و نسائی سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے راوی۔ انھوں نے عرض کی یارسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء فحفر بئرا وقال ھذہ لام سعد یارسول اللہ سعد کی ماں کا انتقال ہوگیا تو کون صدقہ (اس کے لئے کرنا) بہتر ہے۔ ارشاد فرمایا۔ پانی کا صدقہ کرنا۔ کہ وہاں اس کی کمی تھی اور ضرورت تھی۔ انھوں نے ایک کنواں کھدوایا اور کہہ دیا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے یعنی اس کا ثواب سعد کی ماں کو پہنچے۔

**حدیث ۲**:- صحیح بخاری و مسلم میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی کہتی ہیں ان رجلا قال للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسھا واظنھا لو تکلمت تصدقت فھل لھا اجر ان تصدقت عنھا قال نعم ایک شخص نے حضور سے عرض کی میری ماں دفعۃً مرگئی اور میرا گمان ہے کہ وہ اگر کچھ بولتی تو صدقہ کرتی۔ تو کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اسے ثواب پہنچے گا ارشاد فرمایا ہاں اس حدیث کے تحت میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لمعات میں فرماتے ہیں فی الحدیث دلیل علی ان ثواب الصدقۃ یصل الی المیت وکذا حکم الدعاء ھذا ھو مذھب اھل الحق واختلفوا فی العبادات البدنیۃ کالصلوۃ وتلاوۃ القرآن والمختار نعم قیاسا علی الدعاء اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ میت کو صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے اور دعاء کا بھی یہی حکم ہے اور اہل حق کا مذہب ہے اور عبادت بدنیہ مثلاً نماز و تلاوت قرآن میں اختلاف ہے اور مذہب مختار یہ ہے کہ دعاء پر قیاس کرتے یہ کہا جائے کہ ان کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔

**حدیث ۳**:- ابوداؤد بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ راوی ان العاص بن وائل اوصی ان یعتق عنہ مائۃ رقبۃ (وان ھشاما اعتق) فاعتق عنہ ابنہ ھشام خمسین رقبۃ فاراد ابنہ عمرو ان یعتق عنہ الباقیۃ فقال حتی اسال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و

Marfat.com

فقال یارسول اللہ ان ابی اوصٰی ان یعتق عنہ مائۃ رقبۃ وان ھشاما اعتق عنہ خمسین وبقیت علیہ خمسون رقبۃ افاعتق عنہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لوکان مسلما فاعتقتم عنہ او تصدقتم عنہ او حججتم عنہ بلغہ ذلک عاص بن وائل نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں اور اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیئے اس کے دوسرے بیٹے عمرو نے باقی پچاس کو آزاد کرنا چاہا تو کہا پہلے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کرلوں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ میرے باپ نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور ہشام نے پچاس آزاد کر دیئے اور پچاس باقی ہیں' کیا میں آزاد کر دوں ارشاد فرمایا اگر وہ مسلمان ہوتا تو تم اس کی طرف سے آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا حج کرتے، اسے پہنچتا۔ لمعات میں حضرت شیخ نے فرمایا قولہ لوکان مسلما دل علی ان الصدقۃ لاتنفع الکافر ولاتنجیہ وعلی المسلم ینفعہ العبادۃ المالیۃ والبدنیۃ یعنی اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو نہ صدقہ نفع دے اور نہ اسے نجات دے اور مسلمان کو عبادت مالی اور بدنی دونوں سے نفع پہنچتا ہے۔

حدیث ۴:۔ من قرأ الاخلاص احد عشر مرۃ ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات جس نے گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشا تو مردوں کی تعداد کے برابر میں پڑھنے والے کو ثواب ملے گا۔ اس حدیث کو درمختار باب الجنائز اور فتح القدیر باب الحج عن الغیر میں نقل کیا۔

حدیث ۵:۔ عن انس انہ سأل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ انا نتصدق عن موتانا ونحج عنھم وندعولھم فھل یصل ذلک الیھم قال نعم انہ لیصل الیھم وانھم یفرحون بہ کما یفرح احدکم بالطبق اذا اھدی الیہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا یارسول اللہ ہم اپنے مردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں اور حج کرتے ہیں تو کیا انہیں یہ پہنچتا ہے۔ ارشاد فرمایا:۔ بیشک وہ ان کو پہنچتا ہے اور بیشک وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جیسا تم میں سے کسی کے پاس طبق ہدیہ کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اس حدیث کو بھی امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں ذکر کیا ہے۔

حدیث ۶:۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو مینڈھے سینگ والے خوبصورت کی قربانی کی اور اپنے دست مبارک سے ذبح کئے اور فرمایا بسم اللہ اللہ اکبر اللھم ھذا عنی وعمن لم یضح من امتی الٰہی یہ میری طرف سے ہے اور میری امت میں اس کی طرف سے جس نے قربانی نہیں کی۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حدیث ۷: حنش کہتے ہیں میں نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو مینڈھے کی قربانی کرتے دیکھا میں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ میں حضور کی طرف سے قربانی کروں اس لئے میں حضور کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ رواہ ابوداؤد۔ ان احادیث سے بخوبی ثابت ہے کہ زندوں کے اعمال صدقہ وغیرہ سے اموات کو نفع پہنچتا ہے اور اپنے اعمال کا ثواب پہنچائے تو ثواب پہنچتا ہے۔ اب کتب فقہ کی بعض روایات سنئے۔ بلکہ ان سے پہلے کتب عقائد میں سے شرح عقائد نسفی کی یہ عبارت دیکھئے وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتہم عنہم نفع لہم خلافا للمعتزلۃ زندے مردوں کے لئے دعا کریں اور صدقہ کریں تو مردوں کو نفع پہنچتا ہے معتزلہ اس کے مخالف ہیں۔ شرح عقائد کی عبارت سے معلوم ہوا کہ ایصال ثواب کے منکر معتزلہ ہیں۔ اہلسنت کے نزدیک بالاتفاق بلا نکیر مردوں کو ثواب پہنچتا ہے۔ قائلین بدعت دیکھیں کہ ثواب پہنچنا پہنچانا اہلسنت کا مذہب ہے اور اس کا انکار بدمذہبوں یعنی معتزلہ کا مذہب ہے۔ ہدایہ میں ہے الاصل فی ہذا الباب ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ او صوما او صدقۃ او غیرہا عند اہل السنۃ والجماعۃ لما روی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ ضحی بکبشین املحین احدہما عن نفسہ والآخر عن امتہ ممن اقر بوحدانیۃ اللہ تعالیٰ وشہد لہ بالبلاغ اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے روزہ یا نماز یا صدقہ یا کچھ اور۔ اہلسنت کے نزدیک فتح القدیر میں ہے خالف فی جمیع ذلک المعتزلۃ مطلقا ایصال ثواب کے منکر معتزلہ ہیں۔ بحر الرائق میں ہے من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابہا الیہم عند اہل السنۃ والجماعۃ یعنی اہلسنت وجماعت کا مذہب ہے کہ جس نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی، یا صدقہ کیا اور اس کا ثواب دوسرے کو مردوں اور زندوں کو پہنچائے تو یہ جائز ہے اور ان کو ثواب پہنچے گا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے الاصل فی ہذا الباب ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ کان او صوما او صدقۃ او غیرہا کالحج وقراءۃ القرآن والاذکار وزیارۃ قبور الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام والشہداء والاولیاء والصالحین وتکفین الموتی وجمیع انواع البر۔ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے۔ نماز ہو یا روزہ، صدقہ ہو یا اس کے علاوہ جیسے حج اور قراءۃ قرآن و اذکار اور زیارۃ قبور انبیاء و اولیاء وصالحین وتکفین اموات اور ہر قسم کے نیکی کے کام، ایصال ثواب کا جواز تو دوسری چیز ہے ایصال ثواب کرنے میں یہ نسبت

Marfat.com

ایصال ثواب نہ کرنے کے ثواب زیادہ ہے۔ ایصال ثواب نہ کرے تو صرف عمل کا ثواب ملے گا اور ایصال کرنے کی صورت میں تمام مردوں کے برابر اوسکو ثواب ملے گا۔ جیسا کہ حدیث سے مستفاد ہے۔ محیط پھر تتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المومنین والمومنات لانہا تصل الیہم ولا ینقص من اجرہ شیٔ جو شخص صدقہ نفل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے افضل یہ ہے کہ تمام مومنین و مومنات کی نیت کرلے کہ ان سب کو پہنچے گا اور اس کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی تو جب اپنا کچھ نقصان نہیں اور دوسروں کا فائدہ ہے تو ظاہر ہے کہ ایسا فائدہ پہنچانا ہر حال میں بہتر ہوگا۔ اگر ایسے فائدہ پہنچانے سے بھی گریز کرے تو یہ نہایت درجہ کے بخل کی دلیل ہے کہ اور جگہ دینے میں تو اپنے پاس سے کوئی چیز کم ہوتی ہے اور یہاں یہ بھی نہیں بحرالرائق میں ہے ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ او صوما او صدقۃ او قرأۃ قرآن او ذکرا او طوافا او حجا او عمرۃ او غیر ذلک عند اصحابنا للکتاب والسنۃ خلاصہ یہ کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک اپنے ہر قسم کے اعمال کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے۔ اور اس کا ثبوت قرآن و حدیث ہے۔ اس کے بعد صاحب بحر اس کے ثبوت میں چند آیات و احادیث ذکر کرتے ہیں پھر بدائع سے نقل کرتے ہیں من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز و یصل ثوابہا الیہم عند اہل السنۃ والجماعۃ۔ اسی طرح تبیین الحقائق میں فرمایا اور مطلق ایصال ثواب سے انکار کو معتزلہ کا مذہب بتایا اور ان کی دلیل ذکر کرکے اس کے متعدد جواب ذکر کئے اور اہلسنت کے مذہب کو آیات و احادیث سے ثابت کیا بعض احادیث وہی ہیں جو ہم نے پہلے ذکر کیں اور بعض دوسری بھی ذکر کیں ہیں مثلا ان رجلا سأل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال کان لی ابوان ابرہما حال حیاتہما فکیف لی ببرہما بعد موتہما فقال لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان من البر بعد البر ان تصلی لہما مع صلاتک وتصوم لہما مع صیامک رواہ الدارقطنی ایک شخص نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا کہ میرے والدین تھے اور ان کی زندگی میں اون کے ساتھ نیکی کرتا تھا۔ اب ان کے مرنے کے بعد اون کے ساتھ کس طرح بھلائی کروں۔ ارشاد فرمایا کہ نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ اون کے لئے نماز پڑھ۔ اور اپنے روزہ کے ساتھ اون کے لئے بھی روزہ رکھ۔ **اقول** یہاں ان کے لئے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے یہی معنی ہیں کہ نماز روزہ کا ایصال ثواب کیا جائے نہ یہ کی ان کی طرف سے نماز پڑھنا اگرچہ عمل غیر سے اس صورت میں بھی نفع پہنچنا ثابت ہوگا۔ مگر مراد معنی اول ہیں اس لئے کہ ایک حدیث میں آیا ہے لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد۔ ایک شخص دوسرے کی طرف سے نہ نماز پڑھ سکتا ہے نہ روزہ رکھ سکتا ہے

Marfat.com

اسی واسطے حدیث میں لہما فرمایا عنہما نہیں فرمایا۔ ایک دوسری حدیث یہ ذکر کی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال
قال النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من دخل المقابر فقرا سورۃ یٰسین خفف عنہم یومئذ جو قبرستان میں
جاکر سورہ یٰس پڑھے تو اس دن مردوں سے تخفیف ہوجاتی ہے اسی طرح امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو فتح القدیر
میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا اور مذہب اہلسنت کو آیات و احادیث سے ثابت کیا۔ بالجملہ یہ مسئلہ بحمدہ تعالیٰ
اس قدر واضح اور صاف ہوگیا کہ مخالفین میں جو عمل بالحدیث کے مدعی ہیں اگر اپنے دعویٰ میں کچھ بھی سچے ہوں تو ایصال ثواب سے
انکار نہ کریں گے یہ تو میں کیسے کہوں کہ حدیث پر عمل کریں اور ایصال ثواب کریں کہ وہ ایسا کر نہیں سکتے مگر کم ازکم انکار سے
تو باز آئیں۔ یونہیں وہ لوگ جو اپنے کو حنفی کہتے ہیں اور ایصال ثواب سے انکار کرتے ہیں وہ بھی اس سے باز آئیں کہ علاوہ
حدیث کے کتب معتبرہ مستندہ حنفیہ کی متعدد عبارتیں پیش کر دی ہیں کہ انکار کی گنجائش باقی نہیں۔ اور غالباً انھیں مجبوریوں
کو دیکھتے ہوئے یہ لوگ اپنی طرف سے کچھ باتیں اضافہ کرکے اسے بدعت و ناجائز کہتے ہیں ورنہ ان کے متقدمین تو سرے سے
ایصال ثواب سے ہی انکار کرتے تھے۔ اور دلیل وہی پیش کرتے تھے جو معتزلہ پیش کرتے تھے مگر جب اہل سنت کے دلائل یا ان
کا جواب نہ ہوسکا تو عدم جواز کا دوسرا پہلو نکالا کبھی کہتے ہیں کھانے پر فاتحہ پڑھنا ناجائز ہے اور کبھی یہ کہ ہاتھ اٹھا کر فاتحہ
پڑھ کر دعا کرنا کبھی یہ کہ کھانا سامنے رکھنا کبھی یہ کہ دن کی تخصیص کرنا۔ غرض ایسی ہی باتیں پیش کرکے ایصال ثواب کو روکنا
چاہتے ہیں۔ **اقول** قرآن مجید کی قرات وجہ ممانعت ہوجائے یہ عجب بات ہے جب صدقہ اور قرات قرآن دونوں
چیزوں کا ثواب پہنچ سکتا ہے جیسا کہ کتب معتبرہ فقہ سے ثابت ہے۔ عبارات پہلے گذر چکیں تو اگر یہ دونوں کام ایک وقت
میں کئے جائیں تو ناجوازی کی کیا وجہ ہے کیا اس وقت قرآن پڑھنا ناجائز ہے یا تصدق ناجائز ہے اور جب دونوں جائز
ایک ساتھ بھی جائز۔ یونہیں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی سبب ممانعت نہیں ہوسکتا کہ یہ امر فی نفسہ ثابت ہے حدیث میں دعا کے لئے
ہاتھ اٹھانا آیا ہے اور علما نے اسے آداب دعا سے قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اذا سألتم
اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظہورہا جب خدا سے سوال کرو تو ہتھیلیوں کے پیٹ کو اوپر کرکے
سوال کرو پشت دست کو اوپر کرکے سوال نہ کرو۔ رواہ ابوداؤد عن مالک بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور دوسری
روایت ابوداؤد کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظہورہا فاذا
فرغتم فامسحوا بہا وجوہکم اسمیں اتنا مضمون زیادہ فرمایا کہ فارغ ہو کر تو منہ پر ہاتھ پھیر لو۔ ترمذی نے حضرت عمر

Marfat.com

اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کان رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطہما حتی یمسح بھما وجہہ دعا میں جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہاتھ اوٹھاتے تو جب تک منھ پر پھیر نہ لیتے نیچے نہ کرتے ترمذی وابو داؤد و بیہقی کی روایت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان ربکم حیی کریم یستحیی من عبدہ اذا رفع یدیہ الیہ ان یردھما صفرا بیشک تمہارا رب حیا و کرم والا ہے جب کوئی بندہ اوس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو خالی واپس کرنے سے حیا فرماتا ہے بیہقی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کان رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یرفع یدیہ فی الدعاء حتی یری بیاض ابطیہ۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا میں اتنا ہاتھ اٹھاتے (یعنی احیانا) کہ بغل مبارک کی سپیدی دکھائی دیتی۔ اور سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کان یجعل اصبعیہ حذاء منکبیہ یدعو دعا کے وقت حضور دو انگلیوں کو شانوں کے مقابل کر لیتے اور سائب بن یزید سے راوی، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ان النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا دعا فرفع یدیہ مسح وجہہ بیدیہ، نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا کے وقت ہاتھ اٹھاتے تو دونوں ہاتھ چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے۔ ابوداؤد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں المسألۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوھما سوال کہتے اس کو ہیں کہ ہاتھوں کو مونڈھے کے مقابل یا ان کے قریب اٹھائے۔ پس جب کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا حضور کا فعل ہے اور اس طرح دعا کرنے میں امید اجابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح دعا کرنے والے کو خالی ہاتھ پھیرنے سے حیا فرماتا ہے تو ایصال ثواب کے وقت جو دعا کیجائے گی اوسے بھی ہاتھ اٹھا کر کریں۔ اور یہ کہیں الٰہی اس کا ثواب فلاں و فلاں اور جمیع مومنین و مومنات کو پہنچا دے مگر جو ایصال ثواب نہیں کرنا چاہتے وہ شاید اس وجہ سے ہاتھ اٹھانے کو منع کرتے ہوں گے کہ کہیں دعا قبول نہ ہو جائے اور ثواب پہنچ جائے کہ انھیں یہ کب منظور ہے ایسا ہوتا تو ایچ پیچ سے اسے ناجائز کیوں کہتے یوں ہیں کھانا سامنے رکھنا ممانعت کی وجہ نہیں ہو سکتا کہ اگر یہ کوئی ناجائز امر ہوتا تو کھانے کے وقت سامنے کیوں رکھا جاتا۔ مگر یہ تو وہ کہہ سکتا ہے کہ دہنے بائیں یا پیچھے رکھ کر ایصال کرتا ہو۔ اور جو مطلقا ایصال ثواب کرتا ہی نہ ہو تو اسکے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ ایصال ثواب سے روکنے کا یہ ایک حیلہ ہے اور بلا دلیل شرعی ایسی مہمل باتیں قابل سماعت نہیں۔ شاید یہ کہا جائے کہ کھانا آگے رکھنا اور اس پر کچھ پڑھنا یہ مجموعہ ناجائز ہے اور ایصال ثواب جائز ہے یہ قول ہی صحیح نہیں کہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنا حدیث صحیح سے ثابت ہے بخاری و مسلم و دیگر محدثین حضرت انس،

Marfat.com

رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ایک حدیث طویل روایت کرتے ہیں جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ام سلیم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس مع ایک گروہ صحابہ کے جب پہنچے تو فرمایا ھلمی یا ام سلیم ما عندك فاتت بذلك الخبز فامر له رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ففت وعصرت ام سلیم عکۃ فادمتہ ثم قال رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فیہ ماشاء اللہ ان یقول ثم قال ائذن لعشرۃ فاذن لھم فاکلوا حتی شبعوا ثم خرجوا ثم قال ائذن لعشرۃ ثم لعشرۃ فاکل القوم کلھم وشبعوا والقوم سبعون او ثمانون رجلا۔ ام سلیم جو تمہارے پاس ہو لاؤ۔ انھوں نے وہی روٹی (جو حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاتھ حضور کی خدمت میں بھیجی تھی) حضور کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضور کے ارشاد سے وہ روٹی توڑی گئی۔ ام سلیم نے کپا اوس پر نچوڑ دیا جس میں کچھ روغن تھا وہ گویا سالن ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے جو خدا نے چاہا اس پر پڑھا پھر فرمایا کہ دس شخص کو کھانے کی اجازت دو ان کو اجازت دی، وہ کھا کر آسودہ ہو گئے پھر فرمایا اور دس شخصوں کو اجازت دو، پھر دس کو اجازت دو غرض سب لوگ کھا کر آسودہ ہو گئے اور کل آدمی ستر یا اسی تھے۔ دوسری حدیث انھیں انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے صحیحین وغیرہما میں مروی۔ ام سلیم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کھجور اور گھی اور پنیر کا ملیدہ بنا کر ایک طشت میں رکھ کر حضرت انس کو دیا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ اور عرض کرو کہ میری ماں نے یہ بھیجا ہے اور سلام عرض کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ تھوڑی سی چیز ہماری طرف سے حضور کی خدمت میں حاضر ہے۔ انھوں نے جا کر عرض کر دیا۔ ارشاد فرمایا اسے رکھ دو۔ پھر فرمایا اذھب فادع لی فلانا وفلانا وفلانا رجالا سماھم وادع لی من لقیت فدعوت من سمی ومن لقیت فرجعت فاذا البیت غاص باھلہ قیل لانس عدد کم کانوا قال زھاء ثلث مائۃ فرأیت النبی صلے اللہ علیہ وسلم یضع یدہ علی تلك الحیسۃ وتکلم بما شاء اللہ ثم جعل یدعو عشرۃ عشرۃ یاکلون منہ ویقول لھم اذکروا اللہ ولیاکل کل رجل مما یلیہ قال فاکلوا حتی شبعوا فخرجت طائفۃ ودخلت طائفۃ حتی اکلوا کلھم قال لی یا انس ارفع فرفعت فما ادری حین وضعت کان اکثر ام حین رفعت۔ انس جاؤ فلاں اور فلاں اور فلاں چند شخصوں کے نام لے کر فرمایا انھیں بلاؤ اور جو تمہیں ملے اوسے بلاؤ جن کو نام فرمایا تھا انھیں اور جو ملا اوسے سب کو میں نے دعوت دے دی۔ جب میں واپس ہوا تو دیکھتا ہوں گھر آدمیوں سے بھرا ہوا۔ حضرت انس سے پوچھا گیا کتنے آدمی ہو گئے کہا کہ قریب تین سو کے۔ میں نے نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اوس ملیدہ پر

Marfat.com

ہاتھ رکھا اور جو خدا نے چاہا پڑھا پھر دس دس شخصوں کو کھانے کے لئے بلایا اور فرمایا کہ اللہ کا نام لو اور اپنے قریب سے کھاؤ سب کھاکر آسودہ ہوگئے پھر ایک گروہ نکلا اور دوسرا داخل ہوا یہاں تک کہ سب نے کھالیا حضور نے فرمایا کھانا اٹھاؤ میں نے اٹھایا میں نہیں جانتا کہ جب میں نے رکھا تھا اس وقت زیادہ تھا یا جب میں نے اٹھایا اس وقت زیادہ تھا۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی قال لما کان یوم غزوۃ تبوک اصاب الناس مجاعۃ فقال عمر یا رسول اللہ ادعھم بفضل ازوادھم ثم ادع اللہ لھم علیھا بالبرکۃ فقال نعم فدعا بنطع فبسط ثم دعا بفضل ازوادھم فجعل الرجل یجیء بکف ذرۃ ویجیء الاخر بکف تمر ویجیء الاخر بکسرۃ حتی اجتمع علی النطع شیء یسیر فدعا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالبرکۃ ثم قال خذوا فی اوعیتکم فاخذوا فی اوعیتھم حتی ما ترکوا فی العسکر وعاء الا ملأوہ قال فاکلوا حتی شبعوا و فضلت فضلۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ لا یلقی اللہ بھما عبد غیر شاک فیحجب عن الجنۃ غزوۂ تبوک کے دن لوگوں کو بھوک لگی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگوں کے پاس جو کچھ بچا ہوا توشہ ہو اسے منگائیے پھر اس پر اللہ سے برکت کی دعا کیجیے حضور نے فرمایا ہاں ایک چمڑے کا دسترخوان طلب فرماکر بچھا دیا اور بقیہ توشہ طلب فرمایا تو کوئی ایک مٹھی چنا لاتا ہے اور کوئی ایک مٹھی کھجور لاتا ہے اور کوئی روٹی کا ٹکڑا لاتا ہے غرض دسترخوان پر تھوڑی سی چیز جمع ہوگئی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی پھر فرمایا اپنے برتنوں میں تم لوگ لے لو، لوگوں نے اپنے اپنے برتنوں میں لے لیا۔ یہاں تک کہ لشکر میں کوئی برتن باقی نہ رہا جسے بھر نہ لیا ہو۔ لوگوں نے آسودہ ہوکر کھایا اور کچھ بچ بھی رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ ان دونوں باتوں پر یقین کرتا ہوں جو بندہ خدا سے ملے گا وہ جنت سے روکا نہیں جائے گا۔ تخصیص کو وجہ ممانعت قرار دینے کا معنی اگر یہ ہیں کہ نفس ایصال معراعن الخصوصیات تو جائز ہے اور خصوصیت نے ناجائز کر دیا۔ یہ کلام بے معنی ہے۔ اسلئے کہ شی من حیث ہو معری عن الخصوصیات صرف ایک ذہنی مرتبہ ہے۔ وہ خارج میں پائی نہیں جاسکتی کہ جو چیز خارج میں موجود ہوگی وہ ضرور مختص ہوکر موجود ہوگی۔ تو جب وہ متحقق ہی نہیں تو وہ نہ جائز ہے نہ ناجائز ہے کہ یہ دونوں فعل مکلف کے صفات ہیں اور افعال مکلفین معراعن الخصوصیات متحقق نہیں۔ لہٰذا خصوصیت کو ناجائز کہنے کا معنی یہی ہیں کہ ایصال ثواب ہی کو ناجائز کہا جاتا ہے اور اس کے منع کرنے کا یہ ایک حیلہ ہے اور جب ہم ایصال

Marfat.com

کو احادیث و کتب فقہ سے جائز ثابت کر چکے اور وہ ضرور کسی وقت خاص میں کسی مکان خاص میں کسی ہیأۃ خاصہ کے ساتھ ہوگا۔ تو جب تک ان میں کی کوئی خصوصیت شرعاً ممنوع نہ قرار پائے تمام خصوصیات کے ساتھ ایصال ثواب جائز ہی رہے گا اور ناجائز کہنے والے پر خصوصیت کی ممانعت ثابت کرنی ہوگی۔ اور اگر خصوصیت کو ممنوع کہنے کا یہ معنی ہیں کہ گیارہویں وغیرہ کی فاتحہ دلانے والے اسے گیارہویں ہی تاریخ کو جائز کہتے ہیں اور دیگر اوقات میں ناجائز جانتے ہیں اور جب مطلق ایصال ثواب جائز ہے تو اسے ایک تاریخ میں جائز کہنا اور دوسری تاریخوں میں ناجائز کہنا خلاف شرع ہے کہ اطلاق شرعی کو اپنی رائے سے مقید کرنا ہے اور یہ ناجائز ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ایسی خصوصیت ضرور ممنوع ہے اور ہرگز مسلمانوں کا ایصال ثواب کے متعلق ایسے خیالات نہیں ہیں عام طور پر جہاں تک تجربہ سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی فاتحہ دلانے والے اس قسم کی خصوصیت کے قائل نہیں وہ لوگ دوسری تاریخوں میں بھی فاتحہ دلاتے ہیں۔

خواہ مخواہ ایک مسلمان کے ساتھ بدظنی کب روا ہے ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم تو گیارہویں کی فاتحہ اُس کو کہتے ہیں جو گیارہویں ہی کے دن ہوتی ہے اور دوسرے دن جو فاتحہ ہوگی وہ گیارہویں کی نہیں ہے مگر اس کو ناجائز کہنے والے نے اتنا بھی نہ سمجھا۔ اولاً یہ کہ فاتحہ کی خصوصیت بھی مذکور کہاں ہے یہ تو نام کی خصوصیت ہے کہ جو فاتحہ گیارہویں تاریخ کو ہوتی ہے اسی کو گیارہویں کہتے ہیں اور یہ بیشک صحیح ہے کیونکہ جو فاتحہ دوسری تاریخوں میں دلائی جائے وہ گیارہویں کی نیاز کیونکر کہی جا سکتی ہے۔ ہاں اگر دیگر ایام کو بھی گیارہویں تاریخ کہتے تو اس کی فاتحہ کو بھی گیارہویں کی فاتحہ کہتے۔ واذلیس فلیس۔ ثانیاً اگر یہ اعتراض درست ہو تو اس فاتحہ کے جواز میں کلام نہ ہوا تسمیہ میں کلام ہوا جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ فاتحہ جائز ہے اور نام صحیح نہیں۔ تو اب بھی ہمارا مدعی ثابت ہو گیا کہ خاص گیارہویں تاریخ میں فاتحہ دلانا جائز ہے جب کہ دوسرے دنوں میں بھی ایصال کو جائز جانتا ہو۔ یہ جواب بربنا تنزل ہے اور نام کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ثالثاً بہت سے عوام حضور غوث اعظم کے نام پر جو فاتحہ دلائی جاتی ہے اس کو مطلقاً گیارہویں کی فاتحہ کہتے ہیں۔ گیارہویں کی فاتحہ کہنے سے ان کا مطلب صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ یہ فاتحہ پیران پیر کی ہے۔ یہ نہیں کہ خاص گیارہویں ہی تاریخ میں یہ دلائی جائے گی۔ یہاں تک کہ دوسری تاریخوں میں بھی جب حضور کے نام کی فاتحہ دلاتے ہیں تو اس کو بھی گیارہویں کی فاتحہ اور گیارہویں کی نیاز بولتے ہیں معلوم ہوا کہ کوئی بھی تخصیص ممنوع کا قائل نہیں اور یہ مانعین کا افترا اور بہتان ہے کہ مسلمان اس میں تخصیص کے قائل ہیں حقیقت الامر یہ ہے کہ اس قسم کی جتنی تخصیصات ہیں عرفی تخصیصات ہیں۔ کوئی اسے شرعی تخصیصات نہیں جانتا لوگوں نے اپنے مصالح اور آسانی کے لحاظ سے ایسی خصوصیت مقرر کر رکھی ہیں اور اس خصوصیت کے غیر میں

Marfat.com

جائز جانتے ہیں اور ایسی خصوصیت میں کوئی قباحت نہیں اور اس میں شک نہیں کہ بایں معنی وقت مقرر کرنے میں جو آسانی ہے وہ مبہم میں نہیں۔کہ وقت کی پابندی میں جس طرح کام انجام پاجاتا ہے وہ مبہم رکھنے میں نہیں ہوتا کہ مبہم میں یہ ہوتا ہے کہ آج کریں گے کل کریں گے یوں میں زمانہ گذر جاتا ہے اور کام انجام نہیں پاتا اور معین کرنے میں ہوجایا کرتا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور تمام منظم کام اسی طرح بخوبی انجام پاتے ہیں اس کو تخصیص شرعی قرار دینا خوش فہمی ہے اور اس تخصیص کے جواز میں اصلا شک نہیں عام طور پر ہندوستان کی مساجد میں اوقات نماز گھڑیوں سے مقرر ہوتے ہیں کہ اتنے بج کر اتنے منٹ پر فلاں نماز ہوگی تو کیا اس طرح جماعت کرنا ممنوع ہے اس میں بھی فائدہ ہے کہ تمام وہ لوگ جو جماعت کے پابند ہیں وقت پر آجائیں گے اور اگر ایسے اوقات نہ مقرر ہوں تو کبھی جماعت ملے گی کبھی نہیں۔اور اول وقت سے ہر نماز کے لئے اگر جماعت کا انتظار کرنا پڑے گا۔اور ظاہر ہے کہ پابندی نہ ہو تو بعض مرتبہ گھنٹوں بیٹھنا پڑے گا اور کاروباری آدمی اتنا وقت نہیں خرچ کرسکتا پھر جماعت ملنے کا کیا اطمینان ہو۔ یوں ہی مدارس میں اوقات درس، اوقات امتحان، ایام تعلیم، وایام تعطیل وغیرہ تمام انتظامی امور منضبط کئے جاتے ہیں تو کیا ان تخصیصات سے مدرسہ ناجائز اور ان میں پڑھنا بدعت ہے۔گیارہویں کے ناجائز کہنے والوں کو چاہئے کہ اپنے یہاں سے مدارس اوٹھادیں اور کہیں کہ نفس تعلیم تو جائز ہے اور یہ تخصیصات کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک مدرسہ ہوگا۔اور فلاں جماعت میں فلاں فلاں کتابیں ہوں گی یہ سب بدعت ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ کل تخصیصات موجود نہ تھیں۔لہٰذہ یہ مدرسہ بدعت اور اس میں تعلیم ناجائز۔بلکہ تعلیم وہ جائز ہے کہ وقت بھی معین نہ ہو اور کتاب بھی معین نہ ہو اور کسی قاعدہ وضابطہ کے تحت میں نہ ہو کبھی پڑھنے والا صبح کو آجائے اور کبھی دوپہر کو اور کبھی شام کو اور کبھی رات کو اور کسی روز صرف کی کتاب اور کسی روز نحو کی کتاب اور کسی روز منطق کی اور کسی روز فقہ کی، اصول کی، احدیث کی، تفسیر کی اور یہ سب بھی کسی سلسلہ اور ترتیب کے ساتھ نہ ہوں ورنہ پھر تخصیص پیدا ہوکر تعلیم ناجائز ہوجائے گی۔اسی طرح اپنے دیگر امور خانہ داری اور کام وملاقات وسیر وتفریح اور کھانے سونے وغیرہ کسی کے لئے وقت مقرر کرنا جائز نہ ہوگا۔ان کا جواز شرع سے مطلق ہے اور تخصیص بدعت ہے۔یہ بدعت بدعت پکارنے والے سب سے پہلے اپنے تمام کاموں سے تخصیصات اوٹھائیں۔اس کے بعد گیارہویں کو منع کریں۔اپنے لباس و وضع قطع میں اور ہر امر میں خصوصیت کو روا رکھتے ہیں مگر ایصال ثواب میں خصوصیت آئی اور بدعت کا حکم لگا۔اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایصال ثواب ہی کو منع کرنا چاہتے ہیں۔یوں ہی ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ بدعت کسے کہتے ہیں اور بدعت کی کتنی قسمیں ہیں

Marfat.com

اور یہ کون سی بدعت ہے۔ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ اور وہ کبھی واجب بھی ہوتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے قولہ ای صاحب بدعۃ ای محرمۃ والا فقد تکون واجبۃ کنصب الادلۃ للرد علی الفرق الضالۃ وتعلم النحو لفہم الکتاب والسنۃ ومندوبۃ کاحداث نحو رباط ومدرسۃ وکل احسان لم یکن فی الصدر الاول ومکروھۃ کزخرفۃ المساجد ومباحۃ کالتوسع بلذیذ المآکل والمشارب والثیاب کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی عن تہذیب النووی ومثلہ فی الطریقۃ المحمدیۃ للبرکلی یعنی یہاں بدعت سے مراد بدعت محرمہ ہے ورنہ کبھی بدعت واجب ہوتی ہے جیسا کہ فرق ضالہ کے رد کے لئے دلیل قائم کرنا۔ اور اس قدر نحو پڑھنا جس سے قرآن وحدیث سمجھ سکیں۔ اور کبھی بدعت مندوب ہوتی ہے جیسے مسافر خانہ اور مدرسہ بنانا اور ہر نیک کام جو صدر اول میں نہ تھا۔ اور کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے مسجدوں کو مزخرف کرنا۔ اور کبھی مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے اور پینے اور لباس میں فراخی کرنا۔ ایسے ہی مناوی کی شرح جامع صغیر میں ہے۔ انھوں نے امام نووی کی تہذیب سے نقل کیا۔ اور ایسے ہی برکلی کی طریقہ محمدیہ میں ہے۔ لہٰذا اگر بدعت سے مطلق بدعت مراد ہے جو اقسام خمسہ کو شامل ہے تو ہمیں مضر نہیں کہ اوس کی ایک قسم مندوب بھی ہے۔ اور ایصال ثواب کو ہم مندوب ہی کہتے ہیں اور اگر مراد بدعت مذمومہ ہے تو اولاً یہ نیک کام ہے کہ مردوں کو ثواب پہنچانا اچھی بات ہے۔ اور ردالمحتار کی عبارت گذر چکی کہ یہ مندوب ہے۔ لہٰذا مذمومہ کہنا غلطی ہے۔ ثانیاً۔ بدعت مذمومہ وہ ہے جو مزاحم سنت ہو۔ اس نے کونسی سنت کی مزاحمت کی جب کہ ایصال ثواب احادیث سے ثابت۔ اور خصوصیت عرفی ہے کہ گیارہ تاریخ کے علاوہ حضور غوث پاک کی فاتحہ جائز سمجھی جاتی ہے اس میں کون سے حکم شرع کا ابطال ہوا جس کی وجہ سے بدعت مذمومہ ہوئی بلکہ ایسی بعض تخصیصات قرن اول میں بھی پائی جاتی تھیں۔ مثلاً صحیح بخاری ومسلم شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یاتی مسجد قباء کل سبت ماشیا وراکبا ویصلی فیہ رکعتین نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا کو تشریف لے جاتے کبھی سوار کبھی پیدل۔ اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے ہفتہ ہی کے دن جانا یہ تخصیص ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ دوسرے دن جانا ناجائز۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سر سال پر شہدائے احد کے مزارات پہ جاتے اور حضور کے بعد خلفائے راشدین بھی جاتے۔ ان امور کو لحاظ کرتے ہوئے گیارہویں تاریخ کو فاتحہ دلانے میں اصلاً کوئی حرج نہیں اور جو تخصیص ممنوع ہے وہ یہاں متحقق نہیں۔ لہٰذا ناجائز بنانے والے البتہ تخصیص ممنوع کے مرتکب ہیں منع کرنے والے خود ہیں اور تخصیص کا الزام فاتحہ دلانے والوں کے سر ڈالتے ہیں۔ اگر

Marfat.com

بظاہر یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ وہ مخصص کیونکر ہوئے سنئے: تخصیص ممنوع یہ ہے کہ شرع میں حکم مطلق ہو کسی کے ساتھ مقید نہ ہو۔ اور اسے کسی خاص دن میں جائز کہنا دوسرے دن میں نا جائز کہنا، اور جب یہ مانعین کہتے ہیں کہ گیارہویں تاریخ کو ایصال ثواب ناجائز ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ایصال ثواب مطلق کو جو ہر روز جائز تھا انھوں نے کبھی جائز کہا اور کبھی ناجائز اور یہی تخصیص ممنوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۸۳) مرسلہ حمایت اللہ خاں از بڑی ٹولہ شہر کہنہ بریلی ۲۴ ذی الحجہ

جناب مولوی صاحب دام اقبالہ۔ ایک لڑکے کو انتقال کئے ہوئے عرصہ ۲۶ روز ہوئے۔ اس کا چالیسواں محرم شریف کی چھٹی یا ساتویں تاریخ کو پڑتا ہے۔ تو کیا ان تاریخوں میں چالیسواں کیا جائے۔

**الجواب**:۔ محرم کے مہینے میں بھی تیجہ چالیسواں ہو سکتا ہے۔ عوام کا یہ خیال کہ عشرۂ محرم میں سوائے شہدائے کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دوسرے کی فاتحہ نہیں ہو سکتی، یہ غلط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۸۴) مسئولہ حافظ حیات احمد متصل سرائے خام بریلی۔ ۷ صفر ۴۳ھ

---

ﮧ یہ وہ نکتۂ جلیلہ ہے کہ اس کو سامنے رکھ کر جو منصف غور کرے گا تو اس پر واضح ہو جائے گا کہ نیاز و فاتحہ کے مختلف انواع کو ناجائز کہنے والے کس قدر کج فہمی کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ، شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو مقید ہیں۔ ان کے لئے کوئی وقت کوئی مخصوص طریقہ شرع سے معین ہے جیسے نماز اور روزہ وغیرہ۔ پھر ان کی دو قسمیں ہیں بعض کا وقت بھی مقرر ہے جیسے فرائض بعض کا وقت گو مقرر نہیں مگر طریقہ معین ہے جیسے نوافل۔ نماز کا طریقہ مقرر ہے مگر سوائے اوقات مکروہہ کے ہر وقت پڑھی جا سکتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے کہ نہ ان کا وقت مقرر ہے نہ طریقہ۔ یہ مطلق ہیں۔ ان میں مسلمانوں کو آزادی ہے جب چاہیں جیسے چاہیں ادا کریں۔ یہ مامور بہ کی ادائگی ہو گی جیسے درود شریف۔ تلاوت قرآن تعلیم دین۔ مثلاً ایک شخص نے یہ عادت ڈال لی ہے کہ روزانہ بعد نماز فجر ایک پارہ تلاوت کرے گا۔ دوسرے نے عادت ڈال لی ہے کہ روزانہ بعد نماز عشا سو بار بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر درود شریف پڑھے گا۔ تو یہ بالاتفاق بلاشبہ ثواب کا کام اور مامور بہ کی ادائگی ہے۔ ہمارے اصول فقہ میں ہے۔ حکم المطلق الاتی بای فرد کان آتیا للمامور بہ۔ کسی بھی فرد کا ادا کرنے والا مامور بہ ہی کو ادا کرنے والا ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ بالالتزام نماز فجر کے بعد ہمیشہ بیٹھ کر ایک پارہ تلاوت کرنا حرام ہے۔ بعد نماز عشا روز بلا ناغہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر سو بار درود شریف پڑھنا بدعت ہے۔ اگر یہ کار ثواب تھا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیوں نہیں کیا صحابۂ کرام نے کیوں نہیں کیا۔ تو اس نے اس مطلق کو خاص کر دیا۔ کہ نماز فجر کے بعد کے علاوہ ہی جائز ہے مثلاً درود شریف نماز عشا کے بعد ہی جائز ہے۔ مثلاً یہ ضرور خاص کرنا ہوا۔ اسی کو حضرت قدس سرہ نے بیان فرمایا ہے۔ اب منکرین کو راہ مفر نہیں۔ یا تو مخصوص تاریخ یا دن میں جائز کہیں یا ہمیشہ کے لئے ناجائز کہیں۔ تو حکم شرع کی بیخ کنی ہو گئی۔

تحقیق مقام یہ ہے کہ دین میں نئی چیز کا ایجاد کرنا مطلقاً حرام اور ممنوع نہیں بلکہ اچھی چیز کا ایجاد کرنا اچھا ہے اور بری چیز کا ایجاد کرنا برا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ یکون لہ اجرھا واجر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیئا ومن سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ یکون لہ وزرھا ووزر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اوزارھم شیئا۔ مسلم۔ مشکوٰۃ عن جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے ایجاد کا ثواب ملے گا اور

Marfat.com

جانماز مردہ کی ایسے شخص کو جو محض امامت کی وجہ سے اپنی ملکیت سمجھتا ہو اور ایسا غریب و محتاج بھی نہ ہو لینا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** نماز پڑھانے سے جانماز امام کی ملک نہیں ہوگی۔ اولیائے میت اسے یا جسے چاہیں دیدیں۔ اگر انھوں نے امام کو دیدی تو لے سکتا ہے۔ اگرچہ محتاج نہ ہو کہ یہ کوئی صدقہ واجبہ نہیں جس کے لئے فقیر ہونا شرط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۴۸۵)** مسئولہ غلام احمد کتب فروش و منتظم جامع مسجد چوک بازار ڈھاکہ بنگالہ ۸ صفر ۱۳۴۳ھ

علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ پہلو مسجد میں ایک بزرگ کا مزار مسجد ہی کی موقوفہ زمین میں ہے۔ زائرین و مصلین، ایصال ثواب و تائید مسجد و امور خیر بذریعہ مجاور خادم خاص حسب حیثیت لطیب خاطر کچھ رقم نذر کرتے ہیں اور یہ مجاور منتظمین مسجد ہی کی طرف سے اس رقم کے جمع و حفاظت کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ جسے وہ روزانہ حساب کرکے منتظمین مسجد کے حوالہ کردیتا ہے۔ اب اس رقم کا تائید مسجد یا کسی کار خیر میں از روئے شریعت صرف کرنا جائز ہے یا نہیں۔

**مسئلہ (۴۸۶)** مشاہیر اولیاء کرام مثلاً حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی و حضرت سیدنا خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی کے مزار پر انوار پر جو رقم بہ نیت ایصال ثواب نذر کی جاتی ہے۔ یہ رقم شرعاً کسی ہے اور اس رقم کا کسی کار خیر میں صرف کرنا جائز ہے کہ نہیں۔

**الجواب:** اگر وہ رقم مسجد کے لئے لوگ دیتے ہیں۔ اور وہ مجاور بطور امین ہیں۔ تو یہ رقم ملک مسجد ہے۔ ضروریات مسجد میں صرف کی جائے۔ اور اگر وہاں کے خدام کو دیتے ہیں اور مقصود انھیں خادموں کی خدمت کرنا ہے تو وہ خدام مالک ہیں۔ وہ اپنے صرف میں لائیں۔ اپنی طرف سے مسجد کو دیدیں۔ یا کسی اور کار خیر میں صرف کریں۔ انھیں اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب:** مزارات اولیائے کرام پر جو رقمیں نذر کی جاتی ہیں۔ یہ جائز ہے۔ اور اس سے مقصود وہاں کے خدام پر تصدق

---

بقیہ صفحہ ۱۵۷:- اس کے بعد جو لوگ بھی اس نئے طریقے پر عمل کریں گے سب کے برابر اس ایجاد کرنے والے کو ثواب ملے گا۔ بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب میں کمی ہو اور جو اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کرے اس پر اس کے ایجاد کا وبال ہے اور اس پر اس کے بعد جو لوگ عمل کریں گے سب کے برابر اس پر وبال ہوگا۔ حدیث میں من سن في الاسلام ہے یہ اس پر نص ہے کہ دین میں اچھا طریقہ ایجاد کرنا بھی ثواب ہے اس پر عمل کرنا بھی ثواب ہے۔ لہٰذا مطلقاً ہر نئے طریقے کو حرام بتانا اس کو جھٹلانا اور گمراہی ہے۔ اچھائی اور برائی کی کسوٹی یہی ہے کہ اگر یہ نیا طریقہ کسی سنت کے مزاحم ہو تو برا، اور مزاحم نہیں تو برا نہیں۔ اب اگر اس کی اصل پائی جائے تو حسن اور باعث ثواب ہے۔ اور اصل نہ ہو تو مباح۔ نیاز فاتحہ کی اصل شرع میں ایصال ثواب ہے جیسا کہ حضرت قدس سرہ نے پورے شرح و بسط کے ساتھ فرمایا۔ لہٰذا یہ حسن و کار ثواب اور اسی قبیل سے میلاد و قیام، عرس وغیرہ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ المجدی۔

Marfat.com

کرنا ہوتا ہے۔ وہی خدام اس رقم کے مالک ہوتے ہیں کہ مقصود انہیں کو دینا ہوتا ہے۔ اگرچہ صاحب مزار کو نذر کرنا کہتے ہیں۔ امام اجل سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں۔ ومن هذا القبيل[عہ] زيارة القبور والتبرك بضرائح الاولياء والصالحين والنذر لهم بتعليق ذلك على حصول شفاء او قدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمين بقبورهم كما قال الفقهاء فيمن دفع الزكوٰة لفقير وسماها قرضا صح لان العبرة بالمعنى لا باللفظ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۴۸۷)** سوائے اللہ کے نذر ماننا کیسا ہے یعنی پیر یا ولی وغیرہ کی یا اکثر یہاں پر تجار لوگ اپنی تجارت میں غوث پاک کا حصہ رکھتے ہیں یعنی ہمارے مال میں ایک ہزار کا منافع ہوگا تو سو روپیہ غوث پاک کے نام کی نیاز کروں گا۔ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ اور ان کے لینے کے کون مستحق ہیں یعنی اس پیسہ کو کس جگہ خرچ کیا جائے۔ غرباء کا حق ہے یا مالدار کا۔

**الجواب:۔** اولیائے کرام کی جو نذر مانی جاتی ہے وہ نذر شرعی نہیں بلکہ ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا ثواب فلاں ولی کو پہنچائیں گے اور اسے براہ ادب نذر بولتے ہیں جس طرح بادشاہ کو نذر دینا کہتے ہیں۔ حدیقہ ندیہ میں ہے ومن هذا القبيل زيارة القبور والتبرك بضرائح الاولياء والصالحين والنذر لهم بتعليق ذلك على حصول شفاء او قدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمين بقبورهم۔ شاہ رفیع الدین صاحب لکھتے ہیں۔ نذر[عہ] کہ ایں جا مستعمل میشود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگاں می برند نذر می گویند۔ ایسی نذریں جائز ہیں۔ اسے فقراء و اغنیاء دونوں کھا سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۴۸۸)** از مقام سارسہ ضلع کھیڑا ضلع آنند گجرات۔ مرسلہ عمر اسمٰعیل صاحب ۹ جمادی الاخری ۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ زید کا انتقال ہوا۔ اس کو دفن کرکے اس کی قبر پر خیمہ لگا کر یا شامیانہ باندھا جاتا ہے۔ وہاں فوراً قرآن شریف پڑھنے کے لئے چار یا پانچ اشخاص کو بٹھایا۔ بایں ارادہ

---

عہ اسی قبیل سے زیارت قبور اور اولیاء و صالحین کے مزارات سے برکت حاصل کرنا ہے۔ اور ان کی منت ماننا شفا حاصل ہونے یا کسی غائب کے آنے (یا کسی بھی مراد کے پوری ہونے پر) اس لئے کہ اس سے مقصود مزارات کے خادموں پر صدقہ کرنا ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے فرمایا ہے۔ اگر کسی نے فقیر کو زکوٰۃ دی اور قرض کہہ کے دیا تو درست ہے اس لئے کہ اعتبار معنی کا ہے لفظ کا نہیں۔ اقول اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ انما الاعمال بالنیات۔ اعمال نیت ہی پر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

عہ اس جگہ نذر سے اس کا شرعی معنی مراد نہیں۔ اس لئے کہ عرف یہ ہے کہ بزرگوں کے پاس جو کچھ لے جاتے ہیں اس کو نذر کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

کو شنبہ کو زید کا انتقال ہوا ہے اس کو جمعہ سے ملایا جائے عوام کا یہ خیال ہے کہ گویا زید آج ہی مرا۔ اور فضیلت روز جمعہ کی ہے وہ ملی نیز میت کو قبر میں سوال وجواب میں آسانی ہوتی ہے۔ اور بعض لوگوں کا تو یہ عقیدہ ہے کہ روز جمعہ تک سوال وجواب وعذاب نہیں ہوتا اور رات و دن قبر پر قرآن پڑھنا سلسلہ نہ ٹوٹنے پائے۔ مثلاً دو شخص بیدار رہیں تو دو شخص سو جائیں پھر دوسروں کی باری آئے۔ اسی طرح چار پانچ یوم تک پڑھا جائے۔ لہٰذا اس خاص اہتمام اور خاص ہیئت کے ساتھ قرآن کا پڑھنا کیسا ہے۔ اور قرآن پڑھنے والے کسی گناہ کے مرتکب ہوئے یا نہیں۔

**مسئلہ** (۴۸۹) قبر پر یا قبرستان میں کھانا کھانا، یا پانی پینا اور چائے وحقہ وسگریٹ پینا اور چائے پینے کے لئے ... مکروہ ہے یا حرام، اگر مکروہ ہے تو تحریمی یا تنزیہی۔ مذکورہ قارئین قبرستان میں یہ حرکات بھی کرتے ہیں۔

**مسئلہ** (۴۹۰) اس زمانہ میں لوگوں نے یہ حیلہ تراش لیا ہے کہ ہم تو اللہ کے واسطے قرآن پڑھتے ہیں اور میت کے وارثوں نے بھی ایسا ہی خیال کیا ہے کہ ہم للہ قرآن پڑھواتے ہیں پہلے قرآن پڑھنے کی اجرت مقرر نہیں ہوتی لیکن قارئین اپنے دل میں ضرور خیال کرتے ہیں کہ دو چار روپے مل جائیں گے اور وارثین کے دل میں بھی یہ خیال رہتا ہے کہ قرآن پڑھنے والوں کو پندرہ[15] بیس[20] روپے دیدیے جائینگے۔ تو یہ قرآن کی اجرت ہوئی یا نہیں؟ کسی طرف سے ظاہراً طے نہیں کی جاتی لیکن جب قارئین کو کم رقم دی جاتی ہے تو فوراً انکار کرتے ہیں اور زیادہ کی فرمائش کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اگر مزدوری کرنے جاتے تو روزانہ آٹھ یا بارہ آنے لاتے تم نے ہماری محنت کی کچھ قدر نہ کی ہم اتنے کم پیسے نہیں لیں گے۔ اب قارئین نے قرآن پڑھنے کی قیمت لی یا نہیں؟ اجرت پر قرآن پڑھنے سے میت کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ اگر ملتا ہے تو اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا۔ عبارت یہ ہے قال تاج الشریعۃ فی شرح الھدایۃ ان القرآن بالاجرۃ لا یستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری وعن شیخ الاسلام ان القاری اذا قرأ القرآن باجل المال فلا ثواب لہ فای شئی یھدی الی المیت انتھی کلام الشامی وان القرآن شئی من الدنیا لا تجوز وان الاخذ والمعطی آثمان لان ذلک یشبہ الاستیجار علی القراءۃ ونفس الاستیجار علیہا لا یجوز فکذا ما اشبہہ کما صرح بذالک فی عدۃ کتب من مشاہیر کتب المذہب رد المحتار۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** قبر پر قرآن مجید پڑھنے کے لئے مقرر کرنا جائز ہے۔ اور اس سے مردہ کو ثواب پہونچتا ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ لو مات رجل واجلس وارثہ علی قبرہ من یقرأ الاصح انہ لا یکرہ وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کذا فی المضمرات اور ان لوگوں کے دھوپ اور سردی سے بچنے کے لئے شامیانہ تاننا بھی جائز ہے اور اگر شامیانہ سے مقصود ...

Marfat.com

کو نفع پہنچانا ہو تو ممنوع ہے کہ اس کے لئے یہ شامیانہ بے کار ہے۔ جمعہ تک پڑھوانے میں یہ خیال کہ گویا وہ آج مرا ہے۔
اور جمعہ کے دن مرنے کی فضیلت پا جائے گا۔ یہ خیال غلط ہے۔ ہاں اگر یہ جمعہ تک پڑھنا اس واسطے ہو کہ بعض علماء نے
فرمایا ہے کہ مسلمان میت کو اگر عذاب ہوتا ہے تو وہ شب جمعہ تک ہوتا ہے۔ اس کے بعد اٹھا لیا جاتا ہے۔ اور قرآن کا
پڑھنا باعث تخفیف عذاب ہے تو یہ خیال درست ہو سکتا ہے اور بعد دفن میت قبر پر کچھ دیر تک لوگوں کا ٹھہر جانا میت کے
لئے باعث انس ہے اور سوال نکیرین کے جواب میں اسے وحشت نہ ہوگی۔ صحیح مسلم شریف میں عمرو بن العاص رضی اللہ تعالے عنہ
سے مروی ان کا جب انتقال ہونے لگا تو اپنے بیٹے سے فرمایا اذا انا مت فلا تصحبنی نائحۃ ولا نار فاذا دفنتمونی
فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمہا حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع
به رسل ربی جب میرا انتقال ہو تو جنازہ کے ساتھ نوحہ کرنے والی نہ ہو نہ آگ ہو۔ اور جب دفن کرو تو مٹی ڈالو۔ پھر میری
قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرو جتنی دیر میں اونٹ نحر کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ تمہاری وجہ سے مجھے انس ہو
اور جان لوں کہ اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔ درمختار میں ہے ویستحب جلوس ساعۃ بعد دفنہ لدعاء
وقراءۃ بقدر ما ینحر الجزور ویفرق لحمہ۔ ردالمحتار میں ہے لما فی سنن ابی داؤد کان النبی صلی اللہ تعالے
علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا اللہ التثبیت
فانہ الآن یسأل یعنی نبی صلی اللہ تعالے علیہ وسلم جب دفن سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور لوگوں سے فرماتے
اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو۔ اور اللہ سے اس کے ثابت رہنے کا سوال کرو کہ اس سے اس وقت سوال ہو رہا ہے۔ ان
روایات وعبارات سے معلوم ہوا کہ اس کے لئے دعا کرنا یا وہاں قرآن پڑھنا جائز ہے۔ اور اس سے سوال وجواب میں آسانی
ہوتی ہے۔ ورنہ بے کار تھا۔ اور نبی صلی اللہ تعالے علیہ وسلم اس کا حکم نہ دیتے۔ یہ البتہ ہے کہ جمعہ کے دن تک نہ سوال وجواب
ہوتا رہتا ہے نہ یہ خیال درست۔ مگر فائدہ بہرحال ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن کی تلاوت سے روح مومن کو انس
ہوگا۔ اگر روز و شب برابر ہمہ وقت نوبت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت ہو تو کوئی ممانعت و گناہ نہیں۔ بلکہ بہتر ہے۔ یہ
خیال کہ جمعہ تک سوال وجواب و عذاب نہیں ہوتا ہے غلط ہے۔ سوال وجواب تو دفن کے بعد ہی ہوتا ہے۔ حدیث گزری،
فانہ الآن یسأل اور جس کو عذاب ہوتا ہے وہ بھی اسی وقت سوال وجواب کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالے اعلم

**الجواب:** صحیح یہ ہے کہ قبر پر بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے۔ کہ احادیث میں اس پر وعید آئی ہے۔ البتہ بعض علماء نے قراءۃ

Marfat.com

قرآن کے لئے بیٹھنے کی اجازت دی ہے۔ اور قبرستان میں کھانا پینا، سگریٹ وحقہ پینا مکروہ ہے اور بظاہر یہ کراہت تنزیہی ہے مگر دوسری شکل میں بہ نسبت پہلی کے سخت ہے کہ آگ قبرستان میں نہ لے جانا چاہئے۔ یوہیں قبرستان میں آگ جلانا بھی مکروہ تنزیہی ہے جب کہ قبر پر نہ ہو۔ واللہ تعالٰے اعلم۔

**الجواب:۔** اجرت پر قرآن شریف پڑھنا اور پڑھوانا ناجائز ہے اور اس طرح پڑھنے کا کوئی ثواب نہیں۔ کہ اس کا بدلہ یہی ہے نہ کہ ثواب اخروی۔ اور جب اس پڑھنے والے کو ثواب ہی نہ ملا تو مردہ کو کیا پہنچائے گا۔ اور اگر اجرت باہم طے نہ ہوئی مگر یہ عرف ہو چکا ہے کہ بغیر لئے لوگ نہیں پڑھتے اور بموجب عرف پڑھانے والے کو دینا پڑتا ہے تو یہ بھی اجارہ ہی کے حکم میں ہے کہ فقہ کا کلیہ ہے المعروف کالمشروط البتہ اگر عرف ہونے کے بعد پڑھوانے والا صاف طور پر کہدے کہ میں کچھ نہ دوں گا یا پڑھنے والا کہدے کہ کچھ نہ لوں گا اور پڑھنے کے بعد اسے صاحب حاجت سمجھ کر کچھ دیں تو حرج نہیں۔ کہ الصریح یفوق الدلالۃ۔ واللہ تعالٰے اعلم۔

**مسئلہ** (۴۹۱) از جودھپور رمار واڑ، مرسلہ محمد حسین صاحب امام مسجد لوہاران۔ ۱۱ر شعبان ۵۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کتاب اوزجندی جو ملا علی قاری کی تصنیف ہے اسمیں ایک روایت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہو گیا تو تین دن کے بعد حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالٰے عنہ خشک کھجور، اونٹنی کا دودھ، اور جو کی روٹی لے کر تشریف لائے اور حضور کے سامنے رکھ دیا۔ پس آپ نے ایک بار سورہ فاتحہ، تین بار سورہ اخلاص اور درود شریف پڑھ کر دعاء کے لئے ہاتھ اٹھایا اور بعد دعا حضرت ابو ذر کو تقسیم کرنے کا حکم فرمایا۔ نیز اس میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا میں نے اس کا ثواب اپنے بیٹے ابراہیم کو بخشا۔ اس کا جواب جو مولوی عبد الحئی لکھنوی نے دیا ہے اس کا خلاصہ بھی حاضر خدمت ہے۔

"نہ کتاب اوزجندی ملا علی قاری کی تصنیف ہے نہ یہ روایت مذکور صحیح ومعتبر ہے بلکہ احادیث میں کوئی بھی کتاب اس نام کی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ روایت بالکل باطل ہے۔ (عبد الحئی لکھنوی)"

اس فتوی پر چند علماء اہلحدیث دیوبندیہ رشیدیہ اشرفیہ وغیرہ کے دستخط و مواہیر بھی ہیں۔ اس لئے آپ کی خدمت میں یہ استفتاء پیش کیا جاتا ہے تاکہ صحیح جواب سے مطلع فرمایا جائے کہ اس نام کی کوئی کتاب اور یہ روایت درست ہے یا نہیں۔

**الجواب:۔** یہ روایت نظر فقیر سے کسی معتبر کتاب میں نہیں گذری اور نہ علماء اہلسنت کثرہم اللہ تعالٰے نے جواز ایصال ثواب

عہ اور اگر قبر پر آگ جلائیں تو ناجائز وگناہ۔ واللہ تعالٰے اعلم۔

Marfat.com

میں اس سے استفادہ کیا۔ اگر یہ روایت قابل اعتبار ہوتی تو ضرور علماء نے اپنے تصانیف میں اس سے استدلال کیا ہوگا۔ مگر ایصال ثواب کا دارومدار اس روایت پر نہیں کہ اگر یہ ثابت نہ ہو تو ایصال ثواب ہی جاتا رہے، اس کا ثبوت ہی نہ ہو سکے۔ اس کے ثبوت کے لئے بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا جب انتقال ہوا تو ان کے ایصال ثواب کے لئے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا صدقہ ان کے لئے زیادہ نفع دے گا۔ ارشاد فرمایا پانی کا صدقہ کرنا۔ انھوں نے کنواں تیار کرادیا اور فرمایا ھذا لام سعد چنانچہ اہلسنت کا اتفاق ہے کہ ایصال ثواب جائز ہے اور اس سے اموات کو نفع پہنچتا ہے۔ عقائد نسفی میں ہے وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتھم نفع لھم زندہ مردوں کے لئے دعا کریں یا ان کی طرف سے صدقہ دیں تو مردوں کو اس سے نفع پہنچتا ہے۔ صرف معتزلہ نے اس میں خلاف کیا اور آجکل کے وہابیوں نے بلا دلیل بدعت و شرک کہا ان لوگوں کا قول قابل اعتبار نہیں کہ صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۹۲) مرسلہ مولوی سید غلام جیلانی صاحب سلمہ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ ۷ ربیع الآخر ۱۳۵۵ھ

کیا بعد دفن سرہانے کی جانب قبر پر انگلی رکھ کر قرآن کریم پڑھنا جائز ہے اور کس کتاب میں ہے۔ بعبارت تحریر فرمادیں۔

**الجواب:۔** بعد دفن سورہ بقرہ کا اول و آخر پڑھنا مستحب ہے مگر ہاتھ یا انگلی رکھ کر پڑھنا نظر فقیر سے نہیں گزرا۔ جوہرہ نیرہ و ردالمختار میں ہے وکان ابن عمر یستحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورۃ البقرۃ وخاتمتھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۹۳) از تھانہ مرسلہ محمد اسماعیل ولد الفو۔ ۲۴ شعبان ۵۹ھ

نماز سے فارغ ہو کر بہت سے لوگ پیش امام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں بہت سے ...ل اس کو ناجائز اور ... بتاتے ہیں کہ اسکی کوئی سند اور ثبوت نہیں اسکا ثبوت ہو تو بتلائیں۔

**الجواب:۔** فاتحہ یعنی سورہ فاتحہ اور درود شریف وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا۔ یہ نماز بعد بھی جائز ہے۔ ناجوازی کی کوئی دلیل قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۴۹۴) مسئولہ محمد اسماعیل ولد الفو دوٹانکی ڈونگر روڈ لاہوری دربار ہوٹل بمبئی ۱۲،۲۷

رنڈی کے گھر کے کھانے پر الحمد شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب:۔** اگر وہ کھانا حرام سے ہے تو اس پر الحمد شریف نہ پڑھنا چاہئے۔ اور اگر حرام نہ بھی ہو تو رنڈی کے یہاں جانا اور اس کے یہاں کے کھانے سے اجتناب ہی چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ** (۴۹۵) مرسلہ محمد اسماعیل ولد الغفور۔ بساہو ولادو ٹانگی ڈنکن روڈ لاہوری روڈ ہوٹل ۱۲۷ بمبئی۔

ہمارے علاقوں میں یہ رواج بہت کثرت سے چلا آرہا ہے کہ رنڈی کے گھر کے کھانے پر الحمد شریف پڑھتے ہیں۔ اور جائز سمجھتے ہیں اور جائز سمجھ کر الحمد شریف پڑھنے والے پر کفر عائد ہوتا ہے یا نہیں۔ وہ لوگ یہ کہتے کہ آپ کو یہ لکھنا پڑا کہ کونسی دلیل ہے۔ مولینا صاحب نے کوئی بھی جواب نہ دیا۔ دلیل سے بیان فرمادیں۔

**مسئلہ** (۴۹۶) ہمارے علاقوں میں یہ بھی کثرت سے چلا آرہا ہے کہ ملک میں میت ہوگئی بمبئی کے اندر ہم کو خبر پہنچی کہ فلاں شخص فوت ہوگیا ہے۔ خبر آنے سے ہم لوگ سوم پڑھتے ہیں۔ سوم پڑھنے سے پہلے ایک شخص نے بھی کھانا پکا کر کھالیا تو کچھ حرج ہے یا نہیں بیان فرمادیں۔

**مسئلہ** (۴۹۷) رنڈی نے اپنی تمام زندگی برا کام کیا۔ مرنے کے بعد اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ مرے ہوئے کی خبر سن کر یہ پڑھتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہاں پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

**مسئلہ** (۴۹۸) امام جعفر صادق کا ہمارے علاقوں میں رجب کی بائیسویں تاریخ کو کونڈا بھرتے ہیں۔ دیوبندی یہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ بیان فرمادیں۔

**الجواب:۔** وہ چیز اگر حرام لعینہ ہے تو اس پر فاتحہ پڑھنا اور اس کا ثواب پہونچانا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے ولا یقبل اللہ الا الطیب حرام چیز کو اللہ تعالےٰ قبول نہیں فرماتا۔ تو نہ اس کا کوئی ثواب ہے نہ ثواب پہنچایا جاسکتا ہے۔ اگر وہ چیز حرام لعینہ نہیں ہے تو فاتحہ پڑھنے اور ایصال ثواب کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ جب یہاں دو صورتیں ہیں تو مطلقاً گناہ کا بھی حکم نہیں دیا جاسکتا۔ چہ جائیکہ کفر۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ رنڈیوں کے یہاں ہرگز ہرگز نہ جائے۔ کہ ایسے لوگوں کے پاس جانے کی ممانعت ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

**الجواب:۔** سوم سے پہلے کھانا پکانے اور کھانے میں گناہ نہیں۔ ہاں بہتر ہے کہ جس کے یہاں غمی ہوگئی ہو اس کے لئے دوسرے لوگ کھانا بھیجیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ارشاد فرمایا اصنعوا لاھل جعفر طعاما اور یہ صرف پہلے دن کے لئے ہے۔ جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**الجواب:۔** وہ فاسقہ فاجرہ ہے۔ مگر اسے کافرہ نہیں کہا جاسکتا۔ لہٰذا اس کے جنازے کی نماز پڑھی جائے گی۔ کہ

Marfat.com

اس نے برا کام کیا۔ اس کا مطالبہ اس پر ہے۔ اور نماز جنازہ لوگوں پر فرض ہے۔ یہ اپنا فرض کیوں ترک کریں۔ البتہ یہ چاہیے کہ خواص نہ پڑھے عوام پڑھ لیں۔ اس کے مرنے پر انا للہ پڑھ سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**الجواب:** امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کونڈے بھرنا اور اس پر فاتحہ وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔ اس کی اصل یہی ہے کہ ایصال ثواب جائز ہے۔ حدیث اور فقہ سے اس کا جواز ثابت ہے جب تک کسی خاص صورت میں ممانعت ثابت نہ ہو اس کو ناجائز بتانا اللہ و رسول اور شریعت پر افترا کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۴۹۹)** از مقام کوسال پورہ مارواڑ مرسلہ مولابخش صاحب امام مسجد ڈاکخانہ گوڑیہ۔

آج کل ہندوستان میں بہت سی جگہ ایسا رواج ہو گیا ہے کہ اگر میت مرد ہو تو اس کی قبر ناف تک کھودی جائے اور عورت کی ہو تو سینہ تک۔ میرے خیال میں یہ ایسا نہیں ہوگا بلکہ یہ عقیدہ رواجی ہے۔ کہاں تک افضل ہے۔ قبر کا کھودنا کہاں تک اوسط ہے۔ قبر کا کھودنا یہ کیا درست ہے بسینہ و ناف تک کھودنا صحیح ہے یا نہیں۔ چونکہ اکثر مقامات ایسے ہوتے ہیں۔ جہاں پر رتیلی زمین ہوتی ہے۔ وہاں پر جانور مردے کو نکال لیتے ہیں۔ چونکہ یہ ایک رواج عام ہو گیا ہے۔ کہ مرد کی قبر ناف تک کھودی جائے اور عورت کی سینہ تک خواہ وہ زمین رتیلی ہو یا کنکریٹ کی ہو۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ لاش کو جانور نکال لیتے ہیں۔ اور بہت سی خرابی ہوتی ہے۔

**الجواب:** عورت اور مرد کی قبر میں کچھ فرق نہیں کہ عورت کی زیادہ گہری ہو اور مرد کی کم۔ قبر کا ادنیٰ درجہ نصف قد ہے اور اوسط درجہ سینہ تک اور سب سے بہتر یہ کہ قد برابر ہو۔ رتیلی زمین میں جس میں سے جانور مردے کو نکال لیتے ہیں اگر ممکن ہو تو قد برابر کھودیں کہ مسلم کی لاش بے حرمتی سے محفوظ رہے۔ قد برابر ہونا تو ویسے ہی افضل ہے۔ اور یہاں تو بدرجہ اولیٰ اس کا لحاظ چاہیے۔ درمختار میں ہے وحفر قبرہ مقدار نصف قامۃ فان زاد فحسن ردالمحتار میں ہے۔ او الی الصدر وان زاد الی مقدار قامۃ فھو احسن کما فی الذخیرۃ فعلم ان الادنی نصف القامۃ والاعلی القامۃ وما بینھما، بینھما شرح المنیۃ وھذا حد العمق والمقصود منہ المبالغۃ فی منع الرائحۃ ونبش السباع۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۰۰)** از گالی مرسلہ عبدالکریم حاجی ہاشم۔ ۲۰ر صفر ۴۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تلقین و تخفیف و دفع وحشت کے لئے بعد دفن میت قبر کے پاس

Marfat.com

اذان پڑھنا شرعاً کیا حکم ہے۔

**الجواب:**۔ اذان کی مشروعیت اگرچہ اعلام نماز کے لئے ہوئی مگر چونکہ اس میں دیگر فوائد بھی ہیں۔ لہٰذا اس کا جواز مورد پر مقصور نہیں۔ بلکہ علاوہ اعلام نماز اور دوسرے مواقع پر بھی جائز بلکہ بعض جگہ مسنون و مستحب مثلاً بچہ پیدا ہونے پر اس کے کان میں اذان و اقامت کہنا احادیث سے ثابت۔ ابوداؤد و ترمذی بافادہ تصحیح ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہتے ہیں رایت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذن فی اذن حسن بن علی حین ولدتہ فاطمۃ بالصلٰوۃ جب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تو ان کے کان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان کہی۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ اور دیگر مواضع بھی ہیں جن میں اذان کہنا مستحب ہے۔ انھیں میں سے ایک یہ موضع ہے جب میت کو دفن کرکے فارغ ہوں، اذان کہیں۔ ردالمحتار میں ہے وفی حاشیۃ البحر للخیر الرملی رایت فی کتب الشافعیۃ انہ قد یسن الاذان لغیر الصلٰوۃ کما فی اذان المولود والمھموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقہ من انسان او بھیمۃ وعند مزدحم الجیش وعند الحریق۔ وقیل انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجہ للدنیا لکن ردہ ابن حجر فی شرح العباب وعند تغول الغیلان ای عند تمرد الجن لخبر صحیح فیہ۔ اقول ولا بعد فیہ عندنا اھ نیز اذان ذکر اللہ ہے۔ اور یہ منزل سخت دشوار ہے میت سے دفع وحشت و رفع عذاب کے لئے ذکر اللہ سب سے زیادہ نافع۔ حدیث میں ہے ما من شئی انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ان دو قبروں پر تشریف لے گئے جن پر عذاب ہو رہا تھا تو کھجور کی شاخ کے دو ٹکڑے کرکے ہر ایک پر ایک ٹکڑا گاڑ دیا اور فرمایا لعلہ یخفف عنھما مالم ییبسا اس امید پر یہ شاخیں گاڑ دی کہ جب تک خشک نہ ہوں گی ان پر عذاب کی تخفیف ہوگی۔ علما فرماتے ہیں۔ شاخیں جب تک تر رہیں گی تسبیح کریں گی۔ اور یہ تسبیح سبب تخفیف عذاب ہے اسی وجہ سے قبروں پر پھول ڈالنا جائز ہے کہ ان کی تسبیح سبب انس میت اور باعث تخفیف عذاب ہے والمسئلۃ مصرح بھا فی ردالمحتار والطحطاوی علی مراقی الفلاح جب شاخ و پھول کی تسبیح سے یہ امید ہے تو اگر کوئی مسلمان اذان کہے تو یہ امید کیوں نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

ع علامہ خیر رملی کے حاشیہ بحر میں ہے: میں نے شوافع کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ نماز کے علاوہ اور جگہ بھی اذان مسنون ہے جیسے نومولود اور مغموم اور مرگی والے اور غصہ ور، بدخلق انسان یا چوپائے کے کان میں اور لشکروں کے مڈبھیڑ ہونے کے وقت اور آگ لگنے کے وقت۔ اور میت کو قبر میں اتارنے سے پہلے، دنیا میں آنے کے وقت پر قیاس کرکے لیکن اسے شرح عباب میں رد کر دیا۔ اور شیاطین کی سرکشی کے وقت اس بارے میں حدیث صحیح وارد ہونے کی وجہ سے، ہمارے احناف کے نزدیک اس میں کوئی بعد نہیں۔ اذان قبر کے ثبوت میں اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا رسالہ ایذان الاجر کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

**مسئلہ** (۵۰۱) مرسلہ کفایت حسین رضوی صالح نگر۔ بریلی ۱۲ ربیع الاول ۴۵ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ رسالہ الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن میں جو مولوی محمد ظفر الدین صاحب کی تصنیف ہے۔ اس میں عہد نامہ، کلمہ شریف اور بہت سی دعائیں کفنی عمامہ پیشانی پر رکھنے کو فرمایا ہے۔ گذارش یہ ہے کہ یہ دعائیں لکھی کاہے سے جائیں۔ یہاں پر قاعدہ یہ ہے کہ کفن گلاب سے تر کرکے پنڈول سے لکھ دیتے ہیں۔ اور بعض نے زعفران کے واسطے فرمایا ہے۔ لہٰذا اس میں کاہے سے لکھنا چاہئے۔ اور عمامہ کیا چیز ہوتی ہے۔ اس پر کیسے لکھا جائے۔ اور زنانی میت کے پیشانی پر بسم اللہ غیر مرد کیسے لکھ سکتا ہے جب کہ کوئی گھر والا لکھنا جانتا ہوا اور وہ کاہے سے۔

**الجواب**:۔ الحرف الحسن مولوی ظفر الدین صاحب کی تصنیف نہیں ہے۔ یہ رسالہ اعلیحضرت قدس سرہ العزیز کی تصنیف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ وہ دعائیں کاغذ پر لکھ کر قبر میں قبلہ کی جانب میت کے منھ کے سامنے ایک طاق کھود کر اس میں رکھ دیں۔ اگر پیشانی پر کافور کی ڈھیلی سے لکھ دیں جب بھی حرج نہیں۔ عورت کی پیشانی پر اگر محارم میں سے کوئی لکھے تو لکھ سکتا ہے۔ اجنبی کو نہ لکھنا چاہئے۔ عمامہ سے مراد یہی دستار ہے۔ اور کفنی میں عمامہ ہونا علماء ومشائخ کے لئے جائز۔ عوام کے لئے مکروہ۔ اور یہ اس ملک میں رائج نہیں بعض ممالک اسلامیہ میں علماء ومشائخ کے لئے کفن میں ایسا امتیاز رائج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

# کتاب الزکوٰۃ

**مسئلہ** (۵۰۲) مسئولہ منشی شوکت علی صاحب محلہ ذخیرہ بریلی۔ ۲ رجب ۴۲ھ

۱۔ ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپئے تھے جن سے ایک گاؤں خریدا۔ اب اس کی تحصیل وغیرہ سے اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتا ہے لیکن کچھ بچتا نہیں ہے۔ کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ حاصل یہ کہ گاؤں پر اس کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ہے یا نہیں۔

۲۔ کس کو زکوٰۃ دینی جائز ہے کس کو نہیں۔ اور کس کو زکوٰۃ دینا اولیٰ ہے۔

۳۔ اگر ہر ماہ زکوٰۃ کا تھوڑا تھوڑا روپیہ دیا اور سال تمام پر حساب کرلیا تو جائز ہے یا نہیں۔

۴۔ جو زیور نقرئی یا طلائی روزانہ پہنا جاتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ اور پہننے کے کپڑوں کا کیا حکم ہے۔

Marfat.com

**الجواب:۔** (۱) گاؤں یا زمین پر زکوٰۃ نہیں ہاں اگر اس کی آمدنی سے بقدر وجوب زکوٰۃ سال تمام پر بچا ہو تو اس بچے ہوئے پر زکوٰۃ فرض ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

(۲) فقیر[ع] مسکین[ع]۔ عامل[ع] (یعنی جو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بادشاہ اسلام کی طرف سے مقرر ہو) رقاب[ع] (یعنی غلام) مکاتب[ع] غارم[ع] فی سبیل اللہ۔ ابن السبیل۔ یہ سات ہیں کہ ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ اپنی اصل اور فرع اور اون کے یا اپنے غلام کو، زن و شو میں ایک دوسرے کو غنی کی نابالغ اولاد یا غلام کو بنی ہاشم یا ان کے غلام اگرچہ آزاد شدہ ہوں۔ کافر۔ ان میں سے کسی کو نہیں دے سکتے۔ اپنے کنبہ والوں میں اگر صاحب حاجت ہوں تو انہیں دینا اوروں کے دینے سے افضل۔ پھر جتنا زیادہ قریب ہے زیادہ بہتر۔ مثلاً بھائی یا ؍ ؍ ن کو دینا سب سے بہتر۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

(۳) صاحب نصاب اگر تھوڑا تھوڑا دیتا رہے پھر سال تمام پر حساب کرے۔ اگر پوری ادا ہوگئی فبہا۔ اگر کچھ باقی ہو تو فوراً ادا کرے۔ اور زیادہ چلی گئی تو سال آئندہ میں مجرا کرے۔ یوں کرنا جائز ہے۔ اسمیں حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) پہننے کے زیور پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ اگر بقدر نصاب ہوں۔ یا سالِ تمام پر کچھ نقد ہے کچھ زیور۔ دونوں کا مجموعہ بقدر نصاب ہے۔ تو زکوٰۃ فرض پہننے کے کپڑوں پر نہیں۔ اگرچہ رکھے رہیں۔ بالکل نہ پہنیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۰۳) مرسلہ مولوی عبد المصطفےٰ وصی علی صاحب علوی قادری۔ از اٹاوہ محلہ عالم پورہ ۲۸ جمادی الاخریٰ

کیا فرماتے ہیں علمارِ دین اس مسئلہ میں کہ کیا جو روپیہ بنک میں رکھا ہوا ہے اس پر زکوٰۃ واجب الادا ہے بینوا توجروا۔

**الجواب:۔** بنک میں روپیہ رکھا ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ بنک میں بطور امانت رکھا ہے۔ ایسلئے جب تو ہر سال اس کی زکوٰۃ واجب الادا ہے۔ اور اگر بنک کو بطور[عہ] قرض دیا ہے جیسا کہ یہی متعارف ہے تو اگرچہ وجوب زکوٰۃ

---

عہ فقیر جس کے پاس مال ہو مگر نصاب سے کم ہو۔ مسکین وہ جو بالکل تہیدست ہو۔ غارم قرض دار جو قرض ادا کرنے پر قادر نہ ہو یعنی اس کے پاس اتنا نہیں کہ قرض ادا کر سکے۔ فی سبیل اللہ۔ مجاہدین جو بلا مشاہرہ جہاد کرتے ہوں اور ضرورت مند ہوں۔ یا شاطبی پاتے ہیں مگر وہ نار سواری ان کے پاس نہیں۔ ابن سبیل۔ وہ مسافر جو اگرچہ مالدار ہے مگر پردیس میں اس کے پاس کچھ نہیں یا اتنا نہیں کہ اپنے وطن جاسکے۔ تو اسے بقدر ضرورت دے سکتے ہیں۔ مگر اس زمانے میں انسان اپنے وطن سے پیسے منگا سکتا ہے۔ ٹیلی فون کرکے تار کرکے۔ اس لئے اگر کوئی مسافر ضرورت مند ہو تو اتنا دیدے کہ اپنے گھر سے پیسے منگا سکے۔ اور اس وقت تک گزر بسر کر سکے۔ پیشہ ور مسافروں کو دینے سے پرہیز کریں۔ ان سات قسموں میں سے عامل اور ... کا وجود اب نہیں۔ لہٰذا وہ بھی اس زمانے میں کالعدم ہیں۔ جب وہ ہوں گے تو اس کا استحقاق ثابت رہے گا۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔ امجدی۔

عہ فتاوی رضویہ جلد چہارم ص۴۱۲ سے ظاہر ہے کہ بنکوں میں جو روپے جمع ہیں وہ امانت ہیں۔ یہ خادم اسی پر فتوی دیتا ہے۔ بنک والے رو... (بقیہ اگلے صفحہ)

Marfat.com

سال بسال ہوگا۔ مگر واجب الادا اس وقت ہوگی کہ خمس نصاب کم از کم وصول ہو جائے اور جتنا وصول ہوگا اسی کی زکوٰۃ واجب الادا ہے۔ کل کی نہیں۔ مگر وصول ہونے پر سالہائے ماسبق کی زکوٰۃ بھی دینی پڑے گی۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۰۴)** مسئولہ مولوی عبد الکریم طالب علم درجہ اولیٰ مدرسہ اہلسنت ۱۵ رجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ صاحب نصاب نے ۵۰۰ روپیہ کی زکوٰۃ ساڑھے بارہ روپے نکالی اور ان روپیوں کا ایک دیگ کھانا پکا کر ایک مسکین کو اوس کا مالک کر دیا۔ یا ان روپیوں کا کپڑا خرید کر ایک مسکین کو یا دس مسکین کو دیدیا اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں۔ بینوا مع الدلیل۔

**الجواب:۔** اگر مسکین کو مالک کر دیا ہے تو جس قیمت کا وہ کھانا یا کپڑا ہے۔ اتنی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ کھانا پکوانے میں جو خرچ ہوا ہے اوس کا اعتبار نہیں۔ درمختار میں ہے وجاز دفع القیمۃ فی زکوٰۃ زکوٰۃ میں قیمت دینا بھی جائز ہے۔ نیز اوسی میں ہے فلو اطعم یتیما ناویا الزکوٰۃ لا یجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم کما لو کساہ اگر کسی یتیم کو بہ نیت زکوٰۃ کھانا کھلایا تو یہ کافی نہیں۔ مگر جب کہ وہ کھانا اوسے دیدیا تو ہو سکتا ہے جس طرح کپڑا دیدے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۰۵)** مسئولہ مولوی شجاعت علی طالب علم مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف ۵ رمضان مبارک ۱۳۴۱ھ

---

بقیہ صفحہ کا:۔ ہم سے مانگتے نہیں ہم خود اپنی مرضی سے لے جا کر جمع کرتے ہیں۔ ہم جب چاہیں ان کو واپس لے سکتے ہیں یہ علامت ہے امانت ہونے کی۔ بینک والے ان روپیوں میں ہر طرح کا مالکانہ تصرف کرتے ہیں بلکہ اس پر سود دیتے ہیں۔ امانت پر کوئی سود نہیں دیتا۔ یہ قرض کی علامت ہے مگر روپے جمع کرنے والے کی نیت قرض دینے کی نہیں۔ بلکہ اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آتا کہ قرض دیا ہے۔ وہ یہی کہتا ہے کہ میں نے اتنے روپے بینک میں جمع کئے ہیں۔ میرے اتنے روپے بینک میں جمع ہیں۔ اسلئے امانت کے پہلو کو غلبہ ہے مگر چونکہ جمع کرنے والا یہ جانتا ہے کہ بینک والے اس میں مالکانہ تصرف کرتے ہیں سود دیتے ہیں اور جمع کرنے والے نے بینک کے قواعد کو تسلیم کر کے جمع کیا ہے۔ اس لئے اگر اس کو قرض بھی کہدیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس عہد میں روپے چاندی کے چلتے تھے۔ اس لئے خمس نصاب گیارہ روپے تین آنے ۲ ⅖ پائی تھی۔ اور اب نکل کے روپیوں کا چلن ہے اس لئے خمس نصاب گیارہ روپے تین آنے ۲ ⅖ پائی کی ہم وزن چاندی ہوگی۔ بینک میں جو روپے جمع ہیں وہ اپنے ہی قبضے میں مانے جائیں گے۔ اور ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ خواہ سال بسال ادا کرتا رہے یا جب خمس نصاب یا اوس سے زیادہ وصول ہوں اس میں سے چالیسواں حصہ دے۔ خواہ امانت مانیں یا قرض زکوٰۃ۔ بہر حال ان تمام سالوں کی واجب ہوگی۔ جتنے سال بینک میں روپیے رہے ہیں۔ ہاں ہر سال زکوٰۃ کی مقدار سال آئندہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔ مثلاً کسی کے ایک ہزار روپے بینک میں جمع ہیں سال تمام پر اس کی زکوٰۃ کے پچیس روپے ہوئے۔ اب سال آئندہ صرف نو سو پچھتر روپے کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اب تیسرے سال نو سو پچھتر روپے کی زکوٰۃ کی مقدار نکال کر جو بچے اس کی واجب ہوگی۔ روپے وصول ہونے پر اسی طرح سال بسال کا حساب کیا جائے گا۔ آسانی اسی میں ہے کہ جتنے روپے جمع ہوں سب کی زکوٰۃ سال بسال دیتا جائے معلوم نہیں کب موت آئے اور وارثین زکوٰۃ دیں یا نہ دیں یا شیطان کو بہکاتے دیر نہیں لگتی اور بے وصول ہونے پر برسہا برس کی زکوٰۃ کی وافر رقم دیکھ کر حرص ادائیگی سے روک دیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ کس کس کو دی جائے۔ مثلاً اگر کسی میت کے کفن دفن کے لئے دیا جائے تو کس صورت سے اور اپنے کنبہ مثلاً بھائی کے لڑکے کو جس پر زکوٰۃ دینا واجب نہیں جب کہ اس کے پاس گذر کے لائق جائداد بھی ہے اور مسجد کے بنانے میں دینا جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر کسی طالب علم کو اس کا مالدار والد پڑھنے کا خرچ زکوٰۃ سے دے تو جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب:** مصارف زکوٰۃ سات ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا انما الصدقات للفقراء والمسٰکین والعٰملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغٰرمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم ان میں سے مؤلفۃ القلوب کا حق ساقط ہو گیا۔ کہ ان کا حق زکوٰۃ میں اوس وقت تھا جب اسلام میں ضعف تھا۔ ہدایہ میں ہے۔ وقد سقط منھا المؤلفۃ قلوبھم لان اللہ اعز الاسلام واغنی عنھم وعلی ذالک انعقد الاجماع زکوٰۃ میں تملیک ضرور ہے۔ کنز الدقائق میں ہے ھی تملیک المال من فقیر مسلم الخ لہٰذا بنائے مسجد وتکفین میں مال زکوٰۃ صرف نہیں کیا جاسکتا۔ کنز میں ہے لا الی بناء مسجد وتکفین میت۔ درمختار میں ہے لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت۔ ہاں اگر ان میں زکوٰۃ صرف کرنا چاہے تو اوس کا طریقہ یہ ہے کہ مال زکوٰۃ فقیر کو دے کر مالک کر دے پھر وہ فقیر ان امور میں وہ مال صرف کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ثواب دونوں کو ہوگا۔ درمختار میں ہے وحیلۃ التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد اور بھائی کے لڑکے کی جائداد جب گذر کے لائق ہے اور ظاہر ہے کہ وہ جائداد نصاب کی قیمت سے بہت زائد ہوگی۔ مگر جب کہ اوس کی آمدنی صرف گذر کے لائق ہے تو اس کی وجہ سے غنی نہ ہوگا کہ یہ نصاب حاجت اصلیہ سے فارغ نہیں۔ لہٰذا اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ درمختار میں ہے لا الی غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجۃ الاصلیۃ۔ بحر الرائق وطحطاوی میں ہے ونحل لمن لہ دار وحوانیت تساوی نصابا وھو محتاج لغلتھا لنفقتہ ونفقۃ عیالہ ولمن عندہ طعام سنۃ یساوی نصابا لعیالہ علی ما ھو الظاھر مگر یہ ضرور ہے کہ جس وقت اوسے زکوٰۃ دی گئی اوس وقت ۷½ تولے سونے یا ۵۲½ تولے چاندی کا مالک نہ ہو ورنہ اوسے زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا کہ اگرچہ اوس پر زکوٰۃ واجب نہیں کہ حولان حول متحقق نہیں، مگر نصاب مانع اخذ زکوٰۃ موجود۔ طحطاوی میں ہے ونصاب لیس بنام فارغ عما ذکر ویتعلق بہ وجوب الاضحیۃ وصدقۃ الفطر ونفقۃ الاقارب وحرمان اخذ الزکوٰۃ باپ اپنے بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ اگرچہ بیٹا بالغ فقیر ہو یا طالب علم ہے۔ تنویر الابصار میں ہے

Marfat.com

ولا الی من بینهما ولاد ۔ ھدایہ میں ہے ولا الی ولدہ وولد ولدہ وان سفل لان منافع الاملاک بینھم متصلۃ فلا یتحقق التملیک علی الکمال ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

**مسئلہ** (۵۰۶) مرسلہ حاجی عبداللطیف صاحب از دھوراجی کاٹھیاوار ۹ صفر ۴۲ھ

دو یتیم برادر حقیقی کو وراثت میں کچھ رقم ملی ہوئی ہے ۔ ایک اون میں بالغ ہو چکا ہے ۔ اور دونوں کی رقم ایک ساتھ ہے تو کیا زکوٰۃ پوری رقم کی ادا کی جائے گی یا نصف کی ۔ علاوہ ازیں اوس بالغ لڑکے کی شادی کرنی ہے تو شادی کا خرچ کل رقم سے ہوگا ۔ یا الگ کر کے نصف سے فی الحال وہ دونوں لڑکے دادا اور چچا کی نگرانی میں ہیں ۔

**الجواب :۔** زکاۃ صرف بالغ کے حصہ پر واجب ہے ۔ نابالغ کے حصہ پر واجب نہیں ۔ شادی کے مصارف نابالغ کے حصہ سے نہیں لئے جا سکتے ۔ اوس بالغ کو اپنے مال کا اختیار ہے اپنی جتنا چاہے صرف کرے یا اس کی اجازت سے کوئی دوسرا خرچ کرے ۔ بغیر اس کی اجازت دوسرے کو صرف کرنے کا اختیار نہیں ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

**مسئلہ** (۵۰۷) مرسلہ قاضی محمد عبدالرزاق صاحب از بانٹوا کاٹھیاوار ۳ جمادی الآخر ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مال زکوٰۃ اس مدرسہ میں دے سکتے ہیں جو قوم کی نگہبانی اور قوم کے چندے سے چلتا ہو یا اسکے بانی مالدار ہوں یا نہ ہوں ۔ یا عام چندہ سے مدرسہ کی حفاظت کے لئے کچھ رقم ہو ۔ پھر مال زکوٰۃ مدرسہ کے لئے اور بانیان مدرسہ کی معرفت ملازمین کو تنخواہ اور مکان کا کرایہ دینے کے لئے یا کتب خانہ کھولنے کے لئے جس سے عام لوگ مستفید ہو سکیں ۔ صرف کرنا جائز ہے یا نہیں ۔

**الجواب :۔** زکوٰۃ میں فقیر کو مالک کرنا ضروری ہے ۔ اگر تملیک نہ ہو یا فقیر کو مالک نہ کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ۔ لہٰذا افادۂ عامہ مسلمین کے لئے کتب خانہ مال زکوٰۃ سے جائز نہیں ۔ نہ ملازمین مدرسہ کو مال زکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز کہ تنخواہ معاوضہ عمل ہے اور زکوٰۃ عبادت خالصا للہ تعالٰی ہے تو معاوضہ میں نہیں دے سکتے ۔ ہاں مدرسہ کے طلبہ کو دے سکتے ہیں جب کہ بطور تملیک ہو نہ بطور اباحت ۔ درمختار میں ہے وھی تملیک خرج الاباحۃ فلو اطعم یتیما ناویا الزکاۃ لا یجزیہ ۔ ہاں اگر مدرسہ دینیہ کے متولی کو دے کر مدرسہ میں صرف کرنا چاہتے ہوں یا مسلمانوں کے نفع کے لئے دینی کتابیں مال زکاۃ سے جمع کرنا چاہتے ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مال زکوٰۃ کسی فقیر کو دے کر اوسے مالک کر دیں پھر وہ فقیر اپنی طرف سے مدرسہ کو خرید کتب کے لئے دے تو زکاۃ ادا ہو جائے گی اور فقیر بھی مستحق ثواب ہوگا ۔ درمختار میں ہے الحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یامرہ بفعل

Marfat.com

ھذہ الاشیاء۔ ردالمحتار میں ہے ویکون لہ ثواب الزکاۃ وللفقیر ثواب ھذہ القرب بحر واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ** (۵۰۸) خمس کا کیا قاعدہ ہے یعنی سید کو دینا غنی پر فرض ہے، یا واجب، یا سنت، یا مستحب، یا جائز یا ناجائز اگر کسی سید کو درست سمجھ کر دے دیا جائے اور بعد کو معلوم ہوا کہ درست نہیں تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں۔

**الجواب**:۔ خمس سادات کو دے سکتے ہیں مگر خمس غنیمت میں ہوتا ہے یا رکاز وغیرہ میں اگر زکوٰۃ دینے والے کو معلوم تھا کہ یہ سید ہے اور دیدی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔ اور مسئلہ کا معلوم نہ ہونا عذر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ** (۵۰۹) زکوٰۃ کے پیسے سے قرآن شریف یا فقہ کی کوئی کتاب وغیرہ خرید کر کسی مسکین کو دیا جائے تو درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ درست ہے جب کہ تملیک ہو یعنی فقط پڑھنے کو نہ دیا ہو بلکہ مالک کر دیا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ** (۵۱۰) از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد مرسلہ حاجی عبد اللطیف۔ ایوب صاحب جمادی الآخرہ ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نوکر یا غیر کسی مالک کے مال سے بہ نیت زکوٰۃ مسکینوں کو دیتا رہے۔ بعد چار، چھ مہینہ کے مالک کو خبر کرے تو مالک مال اس کے زکوٰۃ دینے کو قبول رکھے تو دی ہوئی زکوٰۃ مالک کی ادا ہو جائے گی۔ یا نہیں۔ چونکہ زکوٰۃ دینے سے پہلے مالک سے اجازت دینے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

---

ع حیلہ یہ ہے کہ فقیر کو دیدے۔ پھر فقیر کو ان نیک کاموں کی ہدایت کرے۔ اسے زکوٰۃ کا ثواب ملے گا۔ اور فقیر کو اس نیکی کا ثواب ملے گا۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور کھانا طلب فرمایا۔ خدمت اقدس میں روٹی اور کوئی سالن پیش کیا گیا فرمایا کیا ہانڈی میں گوشت نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا ہے تو مگر صدقہ کا ہے۔ جو بریرہ کو کسی نے دیا ہے۔ اور حضور صدقہ تناول نہیں فرماتے۔ فرمایا (بریرہ مجھے دیدے) اس کے لئے صدقہ ہے اور میرے لئے ہدیہ۔ رواہ البخاری عن ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ لیکن یہاں یہ نکتہ ضرور قابل لحاظ ہے کہ زکوٰۃ کا اصل مصرف فقراء ہیں مگر آج کل مالداروں کی راہ خدا میں صرف کرنے کی رغبت بہت کم ہوگئی ہے۔ دین کی بقا کے لئے دینی مدارس کا وجود ضروری ہے۔ اگر اس کا مدار صرف عطیات وخیرات پر رکھا جائے۔ تو مدارس کا خدا حافظ۔ اس لئے بضرورت حیلہ شرعیہ کرنے کے بعد زکوٰۃ صدقہ فطر کی رقوم مدارس میں صرف کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور یہ اپنی جگہ ثابت جو حکم بضرورت ہوتا ہے وہ قدر ضرورت سے تجاوز نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ کی رقم حیلہ کے بعد بھی دنیوی اسکول کالج وغیرہ میں صرف کی اجازت نہیں ہوگی دینی مدارس اور مصرف زکوٰۃ میں قدر مشترک مصرف خیر ہے۔ فقیر کو دینا بھی کار خیر اور دینی مدارس میں صرف بھی کار خیر۔ اور اسکول کالج میں صرف کرنا کار خیر میں صرف نہیں۔ زیادہ سے زیادہ امر مباح میں صرف ہوگا۔ جو بہمہ وجوہ کار خانہ دنیا ہے۔ آج کل دنیادار ناخدا ترس زکوٰۃ وغیرہ کی رقم وصول کرکے دنیوی تعلیم میں بے دھڑک صرف کرتے ہیں اسے اپنے بچوں کی دنیوی تعلیم میں صرف کا مطلب یہ ہوا کہ اپنی زکوٰۃ اپنے بچوں پر صرف کر رہے ہیں بلکہ بعض جیسا کہ اس سے غیر مسلموں بلکہ بدقماش عورتوں کو تنخواہ دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالٰی۔ اللہ عزوجل مسلمانوں عقل دے کہ خدا کا خوف کریں۔ زکوٰۃ کے مقصد کو سمجھیں اور حیلہ شرعیہ کو جو بضرورت شرعیہ مشروع ہے غلط استعمال نہ کریں واللہ تعالٰی اعلم
الامجدی۔

Marfat.com

**الجواب:** اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوئی اور جو کچھ بغیر اجازت مالک اوس نے فقراء کو دیا ہے اس کا تاوان اس کے ذمہ ہے کہ دوسرے کا مال بغیر اجازت صرف کر رہا ہے۔ رد المحتار میں بحر الرائق سے ہے لو ادی زکوٰۃ غیرہ بغیر امرہ فبلغہ فاجاز لم یجز لانہا وجدت نفاذا علی المتصدق لانہا ملکہ ولم یصر نائبا عن غیرہ فنفذت علیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۱۱)** کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس پانچ سو روپیہ ہے۔ زید نے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی۔ اب دس روپیہ کم پانچسو باقی بچے۔ لہٰذا دوسرے سال دس روپیہ کم پانچسو کی زکوٰۃ کس حساب سے دی جائے گی۔ آیا بقیہ روپیہ زکوٰۃ ادا شدہ نہ سمجھا جائے گا۔ یا جب تک سو روپیہ سے کم نہ ہو جائے برابر ہر سال سؤ میں ڈھائی کے حساب سے دی جائیگی۔

**الجواب:** اب زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد جو کچھ باقی ہے دوسرے سال پھر اس باقی کی زکوٰۃ دے۔ مثلاً پانسو میں ساڑھے بارہ زکوٰۃ میں دیدے تو اب دوسرے سال ساڑھے بارہ کم پانسو کی زکوٰۃ دے۔ وعلی ہذا القیاس۔ مگر خمس نصاب سے جو کم ہے اس پر زکوٰۃ نہیں۔ وہ عفو ہے اور یہاں کے روپیے[۱] سے خمس نصاب گیارہ روپے کچھ آنے ہیں کہ نصاب ۵۲½ تولہ چاندی ہے سؤ روپے[۲] سے کم ہونے کے بعد بھی زکوٰۃ دینی ہوگی جب تک نصاب باقی رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۱۲)** از دھوراجی کاٹھیاواڑ مسجد باجی شاہ سیٹھ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایک مٹکی میں پانچ سیر گیہوں ڈال کر اسمیں ایک سو روپیہ کا نوٹ چھپا دے اور فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ دے۔ اس حال میں کہ فقیر کو معلوم نہ ہو جب وہ فقیر جانے لگے تو زکوٰۃ دینے والا یہ کہے کہ تم کتنی قیمت میں بیچوگے۔ فقیر گیہوں کی قیمت خیال کرے مثلاً ایک روپیہ کہے اور زکوٰۃ دینے والا ڈیڑھ دو روپیہ میں خرید لے۔ تو کیا اس صورت میں گیہوں اور نوٹ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ ایک دھوکہ ہے۔ صورت مذکورہ میں اگر فقیر سے کوئی دوسرا خرید لیتا یا فقیر کے مکان سے چوری ہو جاتا اس حال میں کہ فقیر کو نوٹ کا علم نہ ہو۔ تو کیا زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ نوٹ سمیت ادا ہو جائے گی۔ جلد جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

---

[۱] یعنی انگریزی استعمار میں جو روپے چلتے تھے جو سوا گیارہ ماشے ہوتے تھے۔ اور خمس نصاب گیارہ روپے تین آنے۔ [۲] یہ مسئلہ حسن زمانہ میں تحریر فرمایا ہے اس زمانے میں چاندی کے روپے چلتے تھے۔ جو سوا گیارہ ماشہ ہوتے تھے۔ ۲ ۵۲ پائی ہوتے۔ ان روپیوں سے نصاب زکوٰۃ چھپن روپے ہے۔ لہٰذا سو روپیوں پر زکوٰۃ واجب ہوئی۔ لیکن آج نوٹ یا نکل کے روپے چلتے ہیں اور چاندی کا بھاؤ سولہ روپے بھری ہے تو اگر آج کسی کے پاس سو روپیوں کے نوٹ یا نکل کے روپے ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں اسلئے کہ بقدر نصاب چاندی یا سونے کی قیمت نہیں ہوئی بلکہ بہت کم ہوئی۔ نوٹ یا نکل کے روپیوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی کہ یہ سونے یا چاندی کی نصاب کی قیمت کے ہوں۔ اسلئے کہ یہ

Marfat.com

**الجواب :۔** زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے۔ اور تملیک اس میں بغیر قبضہ نہیں ہوتی کذا فی ردالمحتار وغیرہ مرزکی نے فقیر کو اگر گیہوں اور نوٹ دونوں کا مالک کر دیا ہے اور قبضہ دیدیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اگرچہ فقیر کو یہ معلوم نہ ہو کہ شئی میں کیا کیا چیز ہے قبضہ کے لئے یہ شرط نہیں کہ مقبوض کی تفصیل بھی معلوم ہو مگر مزکی نے جو فقیر سے اس کو خریدا اس بیع میں نوٹ اور روپیہ جو چھپے ہوئے ہیں ان کی بیع نہ ہوئی۔ صرف گیہوں کی بیع ہوئی کیونکہ فقیر نے نوٹ اور روپے نہیں بیچے ہیں وہ نوٹ فقیر کے ہیں جن کو حرام طور پر اس شخص نے حاصل کیا ہے۔ حدیث میں ہے نھی رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم عن بیع الغرر اس بیع میں چونکہ مشتری نے بائع کو دھوکہ دیا ہے۔ لہٰذا ناجائز و حرام ہے۔ بالجملہ یہ شخص سخت گنہگار مستحق عذاب نار، حق اللہ و حق العباد میں گرفتار ہے۔ اپنے خیال میں وہ یہ تصور کرتا ہوگا کہ فریضۂ زکوٰۃ سے سبکدوش ہو گیا اور گھر کی رقم گھر میں آگئی۔ حالانکہ اب پہلے سے بھی زیادہ گنہگار ہوا۔ زکوٰۃ نہ دینا حق اللہ نہ ادا کرنا ہے۔ اور اس طرح اس کو واپس لینا حق اللہ و حق العبد دونوں کا مواخذہ اس کے سر آیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اگر فقیر کے پاس سے ضائع ہوا تو چونکہ قبضہ متحقق ہو گیا ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ مگر اس طرح چھپا کر دینے سے مقصد ہی یہ ہو کہ فقیر کو مالک نہ کیا جائے۔ اور اس حیلۂ باطلہ سے نوٹ اس کا اسی کو مل جائے تو دونوں صورتوں میں یعنی خریدا ہو یا ضائع ہو گیا ہو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۱۴) از خانقاہ سراجیہ برکت آباد محلہ برکت پورہ مالیگاؤں ضلع ناسک۔ ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۵۹ھ

مسائل احکام زکوٰۃ سے یہ تو معلوم ہوا کہ صاحب نصاب کو زکوٰۃ دینا ہے لیکن زکوٰۃ دینے والے کو بعض وقت یا اکثر وقت دھوکا ہوتا ہے کہ معلوم نہیں کہ زکوٰۃ لینے والا مالک نصاب ہے یا نہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غریب ہے۔ مالک نصاب نہیں اور اپنی غربت اور لاچاری و محتاجی بیان کر کے، زکوٰۃ لیتا ہے اور لوگ دیا کرتے ہیں۔ بعد موت کے یا زندگی ہی میں بعض شخصوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص مالک نصاب ہے یا تھا۔ مرنے کے بعد ان کے پاس سے روپیہ زیادہ نکلتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اپنے اقربا کے بارے میں کس طرح معلوم کیا جائے کہ یہ مالک نصاب ہے یا نہیں۔ اور مالک نصاب ہونے کے لئے کیا طریقے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص کو زکوٰۃ دیا جائے۔

**الجواب :۔** اگر اس کو یہ سمجھ کر کہ مالک نصاب نہیں ہے زکوٰۃ دیدی اور بعد کو معلوم ہوا کہ مالک نصاب ہے زکوٰۃ ادا ہو گئی درمختار میں ہے دفع بتحرلمن یظنہ مصرفا فبان غناہ او کونہ ذمیا لابعید لانہ اتی بما فی وسعہ حتی

بقیہ حرکا: ریشن اصطلاحی ہیں اور ریشن اصطلاحی میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ وہ اتنے ہوں کہ سونے یا چاندی کی نصاب کی قیمت کے ہوں واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

دو دفعہ بلا تحریم یعنی ان اخطاء اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ جس کو دینا ہے اس کے متعلق اگر غالب گمان ہے کہ فقیر ہے دیدے ورنہ نہ دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۱۴) جو شخص اپنے مال کی پوری زکوٰۃ نہیں نکالے اور یہ کہے کہ جتنی نکالیں گے اتنی تو ادا ہوگی ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے اور جتنی زکوٰۃ نکالے اتنی ادا ہو جائے گی یا بالکل ادا نہ ہوگی۔

**الجواب:-** جتنے کی زکوٰۃ ادا کرے گا اتنی ادا ہو جائے گی مگر جتنی زکوٰۃ باقی رہے گی اس کا مواخذہ اس کے ذمہ ہے اس مواخذہ اخروی سے بچنے کے لئے اس پر فرض ہے کہ بقیہ اموال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۱۵) جناب عبداللہ صاحب زبالی مارواڑ۔ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی چاندی کی جنس پر سودی قرض لیا۔ دوسرے شخص نے جو صاحب نصاب تھا اس رقم کو چھڑا کر اپنے پاس لے آیا۔ اب ایک عرصہ کے بعد وہ زکوٰۃ میں وصول کر کے وہ رقم اس کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ ایا ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں۔ جواب عطا فرمائیں۔ اللہ اجر عظیم عطا فرمائیگا۔

**الجواب:-** جس شخص نے روپیہ دے کر اس رہن کو چھڑایا اگر یہ چھڑانا بغیر اس مالک کے حکم کے تھا تو یہ شخص قرض کے ادا کرنے میں متبرع ہوا۔ اور اس شخص کو اس مالک سے روپیہ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور اگر اس کے حکم سے ہے تو جتنا روپیہ ادا کیا ہے وہ وصول کر سکتا ہے۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ ان مرہون چیزوں کو بہ نیت زکوٰۃ مالک کو دیدے کہ اس طرح سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کہ یہ چیزیں اس کی ملک نہیں۔ اور زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنی چیز کا بہ نیت زکوٰۃ دوسرے کو مالک کر دے اور اگر اس کو یہ منظور ہے کہ میری زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے اور اس کی چیزیں بھی اس کے پاس پہنچ جائیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ زکوٰۃ دینا ہے وہ اسے دیدے پھر اس سے یہ کہے کہ وہ روپے میرے قرض میں جو میں نے تمہارے حکم سے ادا کیا ہے۔ دیدو اور اپنی چیزیں میرے پاس سے لے جاؤ اور اس صورت میں اگر وہ اپنی خوشی سے نہ دے تو زبردستی بھی اس سے چھین سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۵۱۶) مرسلہ جناب حاجی سید جمال الدین صاحب۔ کمال منزل چھتری گیٹ درگاہ بازار اجمیر شریف ۲ شوال ۱۳۶۷ھ

زکاۃ اگر خاموشی سے تقسیم کی جائے تو اندریں صورت زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں۔

**الجواب:-** زکاۃ کو چھپا کر بھی دینا جائز ہے اور علانیہ بھی۔ اور علانیہ بہتر ہے[ع]۔ اور اس کے سوا دوسرے صدقات کو چھپا

---

ع علانیہ زکوٰۃ ادا کرنا اسلئے بہتر ہے کہ لوگوں کو بدگمانی نہ ہو کہ فریضۂ الٰہی ادا نہیں کرتا۔ دوسرے صدقات بھی اس نیت سے علانیہ دینا کہ لوگوں

Marfat.com

کر دینا بہتر۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتوتوھا الفقراء فھو خیر لکم واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۱۷)** از دھوراجی کاٹھیاوار۔ مرسلہ احمد عبد الشکور صاحب رکوڈیل مسئولہ عبد الغفار صاحب امجدی ۱۶ شوال ۶۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسا مدرسہ جسمیں اخراجات صرف تعمیر عمارت و تنخواہ مدرسین ہو صدقہ فطر و زکوٰۃ کی رقم لگانا جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب:۔** صدقۂ فطر و زکوٰۃ نہ تعمیر مدرسہ میں صرف کی جا سکتی ہے نہ تنخواہ مدرسین میں۔ یہ صرف فقراء اور مساکین کا اور ان لوگوں کا حق ہے جن کو قرآن پاک میں ذکر فرمایا گیا۔ مگر اگر اس قسم کی مدوں کو نکال دیا جائے تو مدرسہ کی آمدنی اس زمانے میں اتنی کم رہ جائیگی جس سے اس کا چلنا دشوار ہو جائے گا۔ اور تحصیل علم کا دروازہ بند ہوتا ہوا نظر آئے گا۔ لہٰذا ان چیزوں میں زکوٰۃ اور صدقہ فطر بطور حیلہ کے صرف کیا جائے۔ کہ اس قسم کے امور خیر[ع] کے لئے حیلہ کرنے میں کسی قسم کی کراہت یا قباحت نہیں۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ رقمیں کسی فقیر یا مسکین کو بطور تملیک دیدی جائیں۔ وہ اپنی طرف سے مدرسہ کو دیدے تو اب اس رقم کا تنخواہ مدرسین و عمارت میں صرف کرنا جائز ہو جائے گا۔ اور زکوٰۃ و صدقہ فطر ادا ہو جائے گا۔ چنانچہ عموماً مدارس میں ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۱۸)** مرسلہ مولوی عبد المصطفیٰ وصی علی صاحب علوی قادری۔ از اٹاوہ محلہ عالم پورہ ۲۸ جمادی الآخر ۴۹ھ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید کے پاس دو لڑکیاں سماۃ ہندہ و سلمیٰ ہیں سماۃ ہندہ کے پاس ۴۴ تولہ سونا اور ۴۰ تولہ چاندی کا زیور ہے۔ چاندی کے سامان میں آئینہ، خاصدان، ڈبیاں وغیرہ بھی شامل ہیں۔ کامدانی کی بھاری کپڑے مثلاً ایک ساڑی ہے جسمیں مبلغ چالیس روپے کی کامدانی ہے کرتوں میں پانچ پانچ روپیہ کی کامدانی ہے کیا یہ سب کپڑے بھی زکوٰۃ کے حکم میں آئیں گے۔ ان میں سے کن چیزوں پہ زکوٰۃ ہے۔

---

بقیہ گذشتہ صفحہ کا۔ کو ترغیب ہو شوق ہو تو بہتر ہے انما الاعمال بالنیات۔ [ع] اگر علانیہ خیرات کرو تو بھی اچھا ہے۔ اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو تو اور بہتر ہے۔ [ع] یہ اس کی دلیل ہے کہ امور خیر میں صرف کرنے کے لئے حیلہ کی اجازت ہے۔ فقراء کی حق تلفی اور امور دنیوی میں صرف کرنے کے لئے اجازت نہیں۔ لہٰذا حیلے کے بعد بھی اسکول کالج دنیوی تعلیم میں صرف کرنا ممنوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

Marfat.com

سماۃ سلمیٰ کے پاس ۷ ,۳ تولہ سونا اور ۸۰ تولہ چاندی ہے۔ اس میں چاندی کی خاصدان وڈبیاں شامل ہیں۔ بھاری کپڑے اس کے پاس بھی ہیں۔ پس ان دونوں کو کتنی رقم سالانہ زکوٰۃ دینی چاہیے۔

**الجواب:۔** سماۃ ہندہ پر ایک تولہ ایک ماشہ سونا اور ۲ ر تولہ ۴ ر ماشہ چاندی زکوٰۃ میں واجب ہے۔ اور اس کے علاوہ ۸ ر ماشہ سونا اور ۸ ر ماشہ چاندی فاضل بچتی ہے۔ اگرچہ سونے کا خمس نصاب نہیں۔ مگر سونے کو چاندی فرض کریں تو چاندی کی خمس نصاب ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے مقابل میں بھی ۴ ر ماشہ چاندی دی جائے۔ اب کل چاندی ۲ ر تولہ ۸ ر ماشہ ہوئی۔

سماۃ سلمیٰ پر زکوٰۃ گیارہ ماشہ سونا اور ۲ ر تولہ چاندی ہے۔ کامدانی کے کپڑوں کے متعلق کوئی جزئیہ نظر فقیر میں نہیں ہے۔ مگر ردالمحتار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جو چاندی ہے اس کی بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ وہ عبارت یہ ہے قولہ و معولہ ای مایعمل من نحو حلیۃ سیف او منطقۃ او لجام او سرج او الکواکب فی المصاحف والاوانی و غیرھا اذا کانت تخلص بالاذابۃ کہ جس طرح مصحف میں جو ستارے لگائے گئے ہیں ان کی زکوٰۃ ہے۔ کامدانی میں ستارے لگائے جاتے ہیں۔ ان کی بھی زکوٰۃ ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۱۹) از دھوراجی ٹھکانہ کپڑا بازار ضلع کاٹھیاواڑ۔ مرسلہ جناب حاجی عبداللطیف ایوب صاحب ۲۲ شوال ۱۳۴۹ھ

۱۔ ایک شخص کے پاس سال تمام پر صرف ایک سو روپیہ نقد بچتا ہے وہ اس کی زکوٰۃ میں ڈھائی روپے کے بدلے ڈھائی تولہ چاندی دینا چاہتا ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں کیونکہ ڈھائی تولہ چاندی سکہ کے ایک روپے میں ملتی ہے۔ اور روپے کی زکوٰۃ روپے سے ادا کرنے میں ڈھائی روپیہ دینا پڑتا ہے تو چاندی دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں یا کوئی کراہت تو نہیں لازم آتی۔

(۲) ایک شخص کے پاس تجارتی کپڑا، غلہ وغیرہ مال اور نقد روپیہ بھی ہے سب ملا کر ایک ہزار روپیہ کا ہے جس کی زکوٰۃ پچیس روپیہ ہوتی ہے وہ بھی پچیس روپیہ سکہ وار کے بدلے پچیس تولہ چاندی دینا چاہتا ہے جو صرف دس روپے میں ملتی ہے تو کیا مبلغ چاندی دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں یا کچھ کراہت لازم آئے گی۔

---

عہ یعنی آٹھ ماشے سونے کی چاندی خریدیں تو یہ چاندی اس آٹھ ماشے چاندی کے ساتھ مل کر چاندی کی خمس نصاب ہو جائے گی خمس نصاب ایک تولہ چھ ماشہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ آٹھ ماشے سونے کی قیمت اس زمانے میں بھی اتنی تھی کہ ایک تولہ چاندی ضرور مل جاتی۔ اور آج تو آٹھ ماشے سونے میں چاندی کئی تولے ملے گی۔ عہ چاندی سونے کا جو کام تلوار یا پیٹی یا لگام یا زین پر ہو یا وہ ستارے جو مصحف شریف، اور برتنوں پر ہوں یا کسی چیز پر ان پر زکوٰۃ ہے۔ اگر یہ چاندی پگھلانے سے علیحدہ ہو جائے۔ علامہ شامی کا وغیرہ کی تعمیم اس پر دلیل ہے کہ کپڑوں پر جو کامدانی چاندی یا سونے کی ہوگی اس پر زکوٰۃ واجب ہے اگر یہ خود یا دوسرے سامان کی چاندی یا سونے سے ملا کر بقدر نصاب ہوں۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

**الجواب:** اگر اس شخص کے پاس روپیہ ہی ہے تو زکوٰۃ میں ڈھائی روپیہ کی جگہ ڈھائی تولہ چاندی بھی دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی کہ زکوٰۃ میں سکہ کا دینا ضروری نہیں اور جب اسی جنس سے ادا کی جائے تو چالیسواں حصہ دینا واجب ہے اگرچہ اس کی مالیت کتنی ہی کی ہو۔ مثلاً چاندی کا برتن یا زیور ہو کہ صنعت کی وجہ سے اس کی قیمت زیادہ قرار پائے، تو اس قیمت کا چالیسواں واجب نہیں بلکہ اس کی چاندی کا چالیسواں حصہ واجب ہوگا۔ اور اگر نوٹ یا گنی ہو اور چاندی زکوٰۃ میں دینا چاہیں تو اس نوٹ یا گنی کی جتنی چاندی آتی ہو اس کا چالیسواں حصہ دینا ہوگا۔ مثلاً سو روپیہ کے نوٹ کی ڈھائی سو تولہ چاندی آتی ہو تو سوا چھ تولہ چاندی دینی ہوگی۔ واللہ تعالےٰ اعلم

**الجواب:** مال تجارت اگر ہے تو اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ دینا ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ صورت مفروضہ میں سو روپیہ کے مال کی چاندی ڈھائی سو تولہ ہوئی۔ نہ کہ سو تولہ۔ لہٰذا چاندی دینا چاہے تو اس مال کی جتنی چاندی ہو اس کا چالیسواں حصہ[عـــہ] دینا ہوگا۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۲۰) از شہر پورنیہ محلہ سید باڑہ مرسلہ شمس العالم صاحب ۲۵ شعبان المعظم ۶۲ھ

زیور اور نقد روپیہ کی زکوٰۃ سال میں کس حساب سے دینا چاہیے جس وقت زیور تیار کیا گیا تھا اس وقت سونے کی کم قیمت تھی۔ اور اس وقت بہت زیادہ ہے۔ زکوٰۃ دی جائے تو کس حساب سے۔ سونے اور چاندی کی سینکڑا کے حساب سے کیا زکوٰۃ ہے جس کے پاس زیور ہو اور نقد روپیہ نہ ہو تو وہ کس طرح زکوٰۃ دے۔ روپے کے ہونے کا انتظار کرے یا زیور بیچ کر ادا کرے۔

**الجواب:** زیور یا روپیہ کی زکوٰۃ جب کہ وہ بقدر نصاب ہوں ان کا چالیسواں حصہ ہے۔ مثلاً دو سو روپیہ کی زکوٰۃ پانچ روپیہ۔ اگر سونے کی زکوٰۃ سونے ہی سے دیں جب تو اس کا چالیسواں حصہ دیا جائے۔ مثلاً ۴۰ تولہ سونا کی زکوٰۃ ایک تولہ سونا۔ اور اگر روپیہ یا چاندی سے زکوٰۃ دینا چاہے تو سونے کے چالیسویں حصہ کی جو قیمت اس وقت یعنی دینے کے وقت ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ خریدنے کے وقت کی قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ زیور موجود ہے روپیہ موجود نہیں ہے اور سال پورا ہو گیا تو روپیہ آنے کا انتظار کرنا ضروری نہیں۔ خود اسی زیور کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیدے۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۲۱) مرسلہ مولوی محمد یوسف صاحب از ترائی نیپال موضع بیلا ۱۳ ذیقعدہ ۶۰ھ

---

بقیہ گذشتہ صفحہ کا: جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے کپڑے کی کامدانی بہت آسانی کے ساتھ الگ ہو سکتی ہے۔ عـــہ ڈھائی سو تولے چاندی کا چالیسواں حصہ چھ تولے تین ماشے ہوا۔ یہ حساب کی آسانی کے لئے ہے ورنہ صحیح حساب میں کچھ کمی ہوگی مگر وہ حساب پیچ در پیچ اتنا لمبا ہے کہ عوام کے لئے الجھن اور دشواری کا باعث ہو۔ اس لئے یہی بتایا جاتا ہے کہ ہر سو میں ڈھائی روپے۔ اللہ کی راہ میں کچھ زیادہ چلا جائے یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ کچھ کمی رہ جائے۔ وہ بھی ادا نہ ہوگا فرض میں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔ امجدی

ایک شخص کے پاس نصاب تک گائے ہے اور وہ اس نیت سے پالے ہوئے ہے کہ دودھ کھاؤں گا اور وقتاً فوقتاً بصورت فروخت بھی کروں گا۔ تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں۔

**مسئلہ (۵۲۲)** ایک شخص اپنے نوکروں سے میدان میں دن بھر گائے چرواتا ہے اور رات میں بقدر وسعت کچھ کھلاتا ہے تو اس پر زکوۃ دینا واجب ہوگی یا نہیں۔

**الجواب:-** جانوروں میں زکوۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب کہ وہ سائمہ ہو یعنی سال کے اکثر حصہ میں چرنے پر گزر کرتا ہو۔ اگر وہ گائیں دودھ کھانے کے لئے ہیں اور سائمہ ہیں تو ان کی زکوۃ واجب ہے جب کہ وہ مقدار نصاب کو پہنچ گئی ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**الجواب:-** اگر وہ گائیں مقدار نصاب کو پہنچ گئی ہوں تو زکوۃ واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۲۳)** مسئولہ مولوی احسان علی طالب علم مدرسہ اہلسنت۔ ۴ ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ

جس زمین کا پانچ روپے بیگہ کسی کا فراجہ کو دیتے ہیں اس کے غلہ سے عشر دیا جائے یا نہیں۔ اور زمین کا فراجہ کی ہے۔ مگر کاشتکار کو اختیار ہے جب چاہے زراعت کرے۔ اس کو پورا اختیار ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:-** زمین کی تین قسمیں ہیں۔ عشری، خراجی، نہ عشری نہ خراجی۔ اول وسوم دونوں کا ایک حکم ہے یعنی عشر دینا۔ درمختار میں ہے ویجب العشر ارض غیر الخراج ولو غیر عشریۃ اور جب وہ زمین کافر کی ہے تو خراجی ہے لہذا خراج واجب ہے عشر واجب نہیں۔ رہا یہ امر کہ کاشتکار پر خراج واجب ہے یا نہیں۔ اس میں دو صورتیں ہیں خراج مقاسمہ کہ سلطنت اسلام سے پیداوار کا کوئی جز تہائی، یا چوتھائی وغیرہ مقرر ہو۔ اور خراج موظف۔ کہ سالانہ روپئے وغیرہ سے کوئی مقدار معین مقرر ہو۔ اگر خراج موظف ہو جب تو کاشتکار[۲] پر بالاتفاق خراج واجب نہیں۔ اور اگر خراج مقاسمہ ہے تو فتویٰ اس پر ہے کہ کاشتکار پر خراج

---

[۱] گائے کی نصاب تیس عدد ہیں۔ تیس گایوں سے کم میں زکوۃ نہیں۔ تیس گایوں میں ایک سال بھر کا بچھڑا یا بچھڑی اونتالیس تک یہی ہے چالیس میں دو سال کا بچھڑا یا بچھڑی۔ انسٹھ تک یہی حکم ہے۔ ساٹھ میں دو عدد یکسالہ بچھڑا یا بچھڑی۔ پھر انہتر تک یہی۔ ستر میں ایک یکسالہ بچھڑا یا بچھڑی اور ایک دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی اناسی تک یہی ہے پھر اسی میں دو، دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی۔ ضابطہ یہ ہے کہ نو عدد ہر دو نصاب کے مابین معاف ہے اور ہر دہائی پر یک سالہ بچہ دو سالہ سے اور پھر دوسری دہائی پر ایک دو سالہ دو یکسالہ بچے سے بدل جائے گا۔

[۲] یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ زمین کا اصل مالک زمیندار ہے اور کاشتکار کرایہ دار۔ یہ مسئلہ ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء کا ہے اس زمانے کے قانون کی رو سے مالک زمین زمیندار تھا۔ کاشتکار کھیت کا کرایہ دار یعنی اجیر۔ زمیندار بشرائط مقررہ لگان پر کاشتکار کو کھیت دیتا تھا۔ کاشتکار کھیت کو بیچ نہیں سکتا تھا۔ اگر کاشتکار مالک ہوتا تو لگان لینا ظلم تھا۔ اور کھیت کاشتکار بیچ سکتا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ کھیت کا مالک زمیندار ہے اور کاشتکار اجیر کرایہ دار۔ بعد میں بے دخلی کا قانون بنا۔ یہ بھی زمیندار کی ملکیت پر اثر انداز نہیں۔ کسی بھی حتی کہ مسلمانوں کی بھی حکومت کا کوئی قانون خلاف شرع قابل لحاظ نہیں

Marfat.com

ہے۔ درمختار میں ہے والعشر علی المؤجر کخراج موظف۔ ردالمحتار میں ہے فانہ علی المؤجر اتفاقا لتعلقہ بتمکن الزراعۃ لا بحقیقۃ الخارج واما خراج المقاسمۃ وھو کون الواجب جزءً اشائعا من الخارج کثلث وسدس ونحوھما فعلی الخلاف کذا فی شرح درر البحار۔ نیز اسی میں ہے لکن فی زماننا عامۃ الاوقاف من القری والمزارع لرضا المستاجر بتحمل غراماتھا ومؤنھا یستاجرھا بدون اجر المثل بحیث لا تفی الاجرۃ ولا اضعافھا بالعشر او خراج المقاسمۃ فلا ینبغی العدول عن الافتاء بقولھما فی ذالک اور کاشتکار[ع] جو کچھ اوس کا فر زمیندار کو دیتا ہے وہ زمین کا کرایہ ہے خراج سے اس کو کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ خراج فقراء وغیرہ پر جو مصارف خراج ہوں خرچ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۵۲۴)** مرسلہ مولوی محمد یوسف صاحب از ترائی نیپال موضع بیلا ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں کہ زمین کی پیداوار میں اس وقت کے سیر سے یعنی نمری سیر سے اہل زراعت پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور شرع نے خراجی زمین کی پیداوار میں کچھ رعایت کی ہے یا نہیں۔ اگر رعایت کی ہے تو خراجی زمین میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی تحریر فرمائیں۔

**مسئلہ (۵۲۵)** ایک شخص نے غلہ پیدا ہونے کے وقت غلہ کی زکوٰۃ ادا کر دی ہے۔ اور سال تمام ہو جانے پر بقدر نصاب حوائج اصلیہ سے زیادہ غلہ باقی ہے تو اب اس پر دو بارہ زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ یا پہلی زکوٰۃ کافی ہے۔ اگر واجب ہوگی تو کس حساب سے ایا پہلے کے حساب سے مثلا پہلے من میں چار سیر دی تھی۔ یا اس غلہ کا حساب کیا جائے گا کہ اس کے کتنے روپے ہوئے تو اب روپے میں واجب ہوگی اور اگر واجب ہوگی تو کتنے روپے میں کتنے روپے زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اور اس وقت جو لوٹ اور روپیہ رائج ہے اس میں کیا فرق ہے۔ کتنے روپے اور نوٹ میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

**الجواب:** زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے یعنی جو کچھ پیدا ہو اس کا دسواں حصہ اور بعض صورتوں میں بیسواں حصہ بھی واجب ہوتا ہے مگر ہندوستان میں عموماً یہ صورت نہیں ہے۔ لہٰذا فی من چار سیر عشر دیا جائے۔ زمین خراجی میں خراج واجب ہوتا ہے اور وہ دو قسم ہے۔ خراج مقاسمہ وخراج موظف۔ اگر معلوم ہو کہ اسلامی سلطنت نے اتنا خراج اس زمین پر مقرر کیا تھا تو وہی دیا جائے

---

بقیہ گذشتہ: جب کاشتکار کرایہ دار ہے زمین کا مالک نہیں۔ تو اس پر خراج موظف نہیں۔ اس لیے کہ خراج موظف زمین کے مالک پر ہے زمین کے کرایہ دار مزارع پر نہیں۔ اور کاشتکار کرایہ دار مزارع ہے لہٰذا اس پر خراج موظف نہیں آگے درمختار کی عبارت آرہی ہے والعشر علی المؤجر کخراج موظف۔ عشر خراج موظف کی طرح زمین کے مالک پر ہے۔ [ع] یہ حکم اس صورت میں ہے کہ زمین پر خراج مقاسمہ ہو اور خراج مقاسمہ مالک زمین پر نہیں مزارع کاشتکار پر ہے یہی قول مفتی بہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

اور معلوم نہ ہو تو وہ خراج دیا جائے جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مقرر فرمایا تھا۔ وہ یہ ہے کہ فی جریب ایک درہم اور اس زمین کی پیداوار سے ایک صاع غلہ اور خربوزے تربوز کی پالیز اور کھیرے ککڑی ترکاریوں میں فی جریب پانچ درہم جریب کی مقدار انگریزی گز سے ۳۵ گز طول اور ۳۵ گز عرض ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**الجواب:۔** ایک بار جس غلہ کا عشر ادا کر دیا سال گزرنے کے بعد اگر اس غلہ میں کا باقی ہے تو اس پر دوبارہ عشر یا زکوٰۃ کچھ واجب نہیں۔ نوٹ اور روپیہ میں فرق یہ ہے کہ روپیہ ثمن خلقی ہے اور نوٹ ثمن اصطلاحی۔ مگر وجوب زکوٰۃ میں جتنے روپے کا وہ نوٹ ہے اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہے جیسا کہ چاندی اور سونے کا حکم ہے نوٹ اور روپے کی نصاب دوسو درم ہے جس کے چھپن روپے ہوتے ہیں[عہ] اگر اس سے کم ہو تو وہ شخص مالک نصاب نہیں اور اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۲۶)** مرسلہ از مدرسہ مظہر العلوم سکندرپور ضلع بلیا۔ ۱۲ ر شوال ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ متولی مدرسہ اس مدرسہ میں جس میں چھوٹے بچے تعلیم قرآن حاصل کرتے ہوں، یا اس مدرسہ کے یتیم اور نادار بچوں کی کتاب، قلم، دوات اور تختی اور دیگر ضرورتوں کے لئے صدقۂ فطر صرف کر سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب:۔** متولی مدرسہ صدقۂ فطر لے کے یتامیٰ پر صرف کر سکتا ہے جب کہ یہ صرف کرنا بطور تملیک ہو، نہ اباحت۔ یعنی جو چیز ان بچوں کو دی جائے اون کو اوس شیٔ کا مالک کر دیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ مدرسہ ان کو کتابیں صرف پڑھنے کو دے یا قلم و دوات و تختی لکھنے کو کہ جب اون کی ضرورت پوری ہو جائے تو متولی اون سے واپس لے۔ یوں صدقہ ادا نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے وصدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف وفی کل حال ردالمحتار میں ہے المراد فی احوال الدفع الی المصارف من اشتراط النیۃ واشتراط التملیک فلا تکفی الاباحۃ کما فی البدائع۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

---

عہ یہ حکم اس زمانے کا ہے جب کہ روپے چاندی کے رائج تھے۔ چاندی کی نصاب دوسو درم جو برابر ہے ساڑھے باون تولے کے۔ اور روپے گیارہ ماشے ۲ رتی کے ہوتے تھے۔ لہٰذا روپوں سے چاندی کی نصاب چھپن روپے ہوئی۔ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے اُس زمانے میں دس کا نوٹ مثلاً چاندی کے دس روپے کے برابر تھا۔ لہٰذا نوٹ اگر چھپن روپے کے ہوتے تو نصاب پوری تھی۔ مگر اس کا لحاظ نہ تھا کہ بازار میں چاندی کس بھاؤ بکتی تھی۔ مثلاً ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ چاندی ایک روپے کی دو بھر بکتی تھی۔ تو اگر کسی کے پاس اٹھائیس روپے ہوتے تو اس کے پاس اتنے روپے تھے جو چھپن بھر چاندی کی قیمت کے تھے مگر وہ مالک نصاب نہیں تھا۔ کہ چاندی کے سکوں میں بھی اعتبار وزن کا ہے۔ قیمت کا نہیں۔ اور یہی حکم نوٹ کا بھی ہے۔ اس لئے کہ ہر نوٹ اتنے روپوں کا مساوی تھا جو عدد اس پر درج ہوتے۔ لہٰذا جس کے پاس چھپن روپے کے نوٹ ہوتے، وہ مالک نصاب ہوتا۔ اور جس کے پاس کم ہوتے وہ مالک نصاب نہ ہوتا اگرچہ بازار میں اتنے نوٹوں میں چھپن روپے سے زائد چاندی مل جاتی۔ مگر اب روپے نکل کے رائج ہیں اور نوٹ کی اب حیثیت یہ ہوگئی کہ وہ مساوی ہے اتنے عدد ان نکل کے روپوں کے۔ لہٰذا اب نہ چھپن روپے نصاب ہے نہ چھپن روپے کے نوٹ۔ بلکہ اب حکم یہ ہے کہ چھپن روپے

Marfat.com

**مسئلہ (۵۲۷)** از لاڈنوں مدرسہ اسلامیہ اہلسنت مارواڑ مرسلہ قاضی سید محمد طیب علی صاحب رضوی امجدی ۱۲ رمضان

کیا فرماتے ہیں علمار دین ومفتیان شرع متین مسئولہ ذیل میں :۔

فطرہ گندم کے بجائے گیہوں کی قیمت بازار بھاؤ سے دینی جائز ہے یا نہیں۔ بازار کے دو نرخ ہیں کنٹرول ریٹ و بلیک بازار کا ریٹ۔ کنٹرول ریٹ سے تین سیر کا بھاؤ ہے۔ چور بازار کا بھاؤ سوا سیر یا ڈیڑھ سیر کا ہے۔ اب فرمائیے کس نرخ سے حساب لگا کر گندم کی قیمت فقیر مسکین کو دی جائے۔ بینوا توجروا۔

**مسئلہ (۵۲۸)** جس کے پاس ستّر یا اسّی تولہ چاندی ہو یا چاندی کا زیور۔ نہ خرچ ہو۔ وہ فقیر ہے یا صاحب نصاب ہے اس کو فطرہ وزکوٰۃ دینی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب :۔** صدقہ فطر میں بجائے گندم ان کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔ عرف شرع میں قیمت اسی کو کہتے ہیں جو اس چیز کا بازار کے حساب سے نرخ ہو اتفاقی طور پر کم یا زیادہ میں کوئی چیز خرید لی جائے اس کو قیمت نہیں کہیں گے بظاہر بھاؤ وہی مانا جائے گا جو آج کل حکومت نے کنٹرول کے طور پر مقرر کر دیا ہے۔ بلیک سے جس قیمت میں چیز ملتی ہے وہ حسب ضرورت کم بیش ہوتی ہے۔ عام طور پر وہ قابل اعتبار نہیں۔ وہو تعالیٰ اعلم۔

**الجواب :۔** چاندی کی نصاب دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی ہے جس شخص کے پاس اتنی چاندی ہے یا اس کا زیور یا اتنی چاندی خریدنے کی قدر نوٹ موجود ہے وہ مالک نصاب وغنی ہے اس کو فقیر نہیں کہا جا سکتا۔ اس پر خود زکوٰۃ فرض ہے اگر اس کو زکوٰۃ دی جائے گی تو ادا نہیں ہوگی۔ وہو تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۲۹)** از مولوی محمد یوسف صاحب از ترائی نیپال موضع بیلا ۲۳ ر ذیقعدہ ۶۴ھ

صدقہ فطر نری سیر سے گیہوں کتنے سیر واجب ہوں گے۔ اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور غلہ دینا چاہے۔ مثلاً

---

بقیہ گذشتہ :۔ پھر چاندی کی قیمت کے نکل کے روپے ہوں یا نوٹ ہوں۔ تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مثلاً آج چاندی سولہ روپے بھر ہے تو چھپن روپے بھر چاندی کی قیمت ہوئی آٹھ سو چھیانوے روپے نکل کے۔ یا آٹھ سو چھیانوے روپے کے نوٹ ہوں تو وہ مالک نصاب ہے ھذا ماعندی فی تشوہم تولہ۔ والعلم بالحق عند ربی عزوجل وعلمہ تعالیٰ اتم واحکم۔ امجدی عفی عنہ خادم کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم اس صورت میں جب کہ صارفین کو کنٹرول کے نرخ پر غلہ ان کی ضرورت کے مطابق مل جاتا ہو۔ اور کنٹرول کی جو عام حالت ہے کہ کنٹرول ہوتے ہی چیزیں بازار سے غائب ہو جاتی ہیں۔ کنٹرول ریٹ پر چیزوں کا حاصل کرنا عوام کا کام نہیں ہوتا۔ عوام کو کنٹرول پر اشیاء ملتی ہی نہیں۔ صرف گورنمنٹ کے ملازمین یہ لوگ پاتے ہیں۔ جیسا کہ عام طور پر مشاہدہ ہے تو اب کنٹرول ریٹ قیمت نہ ہوگی قیمت بازار بھاؤ ہے بازار میں جس بھاؤ سے چیزیں ملتی ہیں وہ کنٹرول ریٹ نہیں۔ قانون کی زبان میں بلیک ہے۔ لہٰذا حقیقت میں وہی بازار بھاؤ ہے۔ اس لئے اس صورت میں بازار بھاؤ ہی کا اعتبار ہے۔ کنٹرول ریٹ کا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

Marfat.com

دھان، چاول، اور بوٹ وغیرہ تو کتنا واجب ہوگا یا پیسہ دینا چاہیں تو کتنا پیسہ دینا ہوگا۔

**الجواب:** اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی تحقیق یہ ہے کہ نصف صاع کی مقدار ایکسو چھتر روپے اٹھنی بھر اوپر ہیں۔ لہٰذا اگر گیہوں دیں تو نصف صاع جس کی مقدار ذکر کی گئی اور اگر جو دینا چاہیں تو پورا ایک صاع جس کی مقدار تین سوا کا دن بھر روپے بھر ہے۔ اور اگر کسی دوسرے غلہ سے صدقہ دینا چاہیں تو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو کی قیمت کا وہ غلہ دیں یا قیمت ہی کو صدقہ فطر میں دیدیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۳۰۵)** از رانی کھیت جامع مسجد نینی تال مرسلہ مولوی قاری جلیل الدین صاحب ۱۹ ربیع الآخر ۴۷ھ

صدقہ فطر رائج الوقت انگریزی سیر سے کس قدر مقدار میں دینا واجب ہے خطبہ علمی میں ڈیڑھ سیر سے کچھ زائد۔

سیر سے تولا بریلی کے جو اس سیر کو، 　 تھا ذرا کم اک چھٹانک اور ڈیڑھ سیر آدھ تو

جناب مولوی عبدالکافی صاحب الہ آبادی اپنے خطبہ میں یہ عبارت تحریر فرماتے ہیں "صاع بوزن انگریزی رائج الوقت احتیاطی ڈھائی سیر کا ہوتا ہے۔ انتہیٰ" مولوی صاحب ممدوح کی تحریر پر صرف سوا سیر دینا کافی ہوجاتا ہے۔ دریافت طلب امر ہے۔ کہ نصف صاع سوا سیر ہو یا کچھ کم ڈیڑھ سیر؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** صاع کے وزن میں اختلاف ہے اور حسب تحقیق علامہ شامی کہ یہی احوط ہے۔ یہ ہے کہ وزن صاع تین سو اکاون روپے بھر کا قرار دیا جائے۔ کہ اس حساب سے نصف صاع ایک سو چھتر روپے اٹھنی بھر اوپر ہوتا ہے۔ فقیر اسی حساب سے صدقہ فطرہ دیتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۳۰۶)** مرسلہ حافظ محی الدین عرف لعل محمد از منڈ وا ضلع فتح پور۔ ۱۳۵۰ھ۔

حضرات علمائے کرام اہلسنت وجماعت امر ذیل میں کیا ارشاد فرماتے ہیں:۔

صدقہ فطر کے وزن میں اختلاف ہے بعض مثلاً مولینا عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی اسّی جو کا درہم اور

---

ف بوٹ یعنی چنا۔ ع بریلی شریف کا سیر اعلیٰحضرت قدس سرہ کے عہد میں سو روپے بھر تھا۔ علمی صاحب اعلیٰحضرت قدس سرہ کے والد حضرت مولانا رضا علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد ہیں۔ ان کے زمانے میں بریلی شریف کا سیر کتنا تھا وہ بالیقین معلوم نہیں۔ خطبہ علمی اس وقت یہاں موجود نہیں کہ اس پر کچھ لکھا جائے۔ آگے صاع کی پوری تحقیق آتی ہے ناظرین انشاء اللہ تعالیٰ اس کو پڑھ کر پورے طور پر مطمئن ہوجائیں گے۔ ص جو کا حوالہ دے کر عوام کو چھوڑ دیا جائے تو جو از نفری پہچے گی وہ ظاہر ہے۔ یہی گنگوہی صاحب نے اپنے فتاوی میں کیا ہے۔ درمختار کے ساتھ ساتھ علامہ شامی نے اس پر جو لکھا ہے اسے بھی نقل کر دیا جائے تو عوام تو عوام علماء تک تشویش میں مبتلا ہوجائیں گے اسی لئے اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور ان کے تلامذہ رائج الوقت وزن سے اس کی مقدار بتاتے ہیں جزاہم اللہ تعالیٰ عن الاسلام وعن المسلمین خیر الجزاء۔ امجدی۔

Marfat.com

**الجواب:** صاع کی مقدار ایک ہزار چالیس درہم ہے[عہ] درمختار میں ہے وھو ای الصاع المعتبر مایسع الفاد اربعین درھما یا یوں کہا جائے کہ صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے اعلم ان الصاع اربعۃ امداد والمد رطلان[عہ] درہم کی مقدار ۳ر ماشے ۱ ۱/۵ رتی ہے اور مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے۔ صاع حقیقۃً ایک ناپ کا نام ہے وہ کوئی وزن نہیں ہے، اور چونکہ وہ ناپ جاری نہیں اور جہاں جاری ہی ہے تو اختلاف امکنہ و ازمنہ سے مختلف ہوتے رہتے ہیں جس طرح یہاں ہندوستان میں سیر ہے کہ سب جگہ اس کا وزن ایک نہیں مختلف قسم کے سیر جاری ہیں۔ اسی طرح صاع بھی مختلف ہیں لہذا وزن سے اس کی تحدید کردی گئی کہ باوجود اختلاف ازمنہ اس کی مقدار معلوم کی جاسکے یعنی اس وزن کا غلہ جس ظرف میں سمائے وہ صاع ہے۔ مگر وہ غلہ جس سے صاع بنایا جائے کیا ہونا چاہئے اسمیں فقہاء کا اختلاف ہے۔ کسی نے مونگ اور مسور سے صاع بنانے کو فرمایا۔ درمختار میں اسی کو اختیار کیا۔ اور وجہ یہ بتائی کہ ان کے دانے یکساں ہوتے ہیں۔ ہلکے بھاری نہیں ہوتے۔ اور گیہوں یا جو چونکہ ہلکے بھاری ہوتے ہیں ان سے صاع نہیں بناتے۔ مگر دوسرے فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر میں گیہوں یا جو دیئے جاتے

---

عہ رطل بیس استار اور استار ساڑھے چار مثقال اور مثقال ساڑھے چار ماشے اور انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے۔ اس طرح روپوں سے صاع کا وزن دو سو اٹھاسی روپے بھر اور تولوں سے دو سو ستر تولے ہوا۔ اسلئے کہ تولہ بارہ ماشے کا ہوتا ہے شامی میں ہے۔ اعلم ان الصاع اربعۃ امداد والمد رطلان والرطل نصف من۔ والمن بالدراہم مائتان وستون درھما وبالاستار اربعون والاستار بالدراہم ستۃ ونصف وبالمثاقیل اربعۃ ونصف کذا فی شرح درر البحار جلد ۲ صاع چار مد کا ہے اور مد دو رطل کا اور رطل نصف من اور من درہم دو سو ساٹھ درہم اور استار سے چالیس اور استار ساڑھے چھ درہم کا یا ساڑھے چار مثقال کا۔ کشف الغطاء میں ہے بدانکہ معتبر نزد ما عراقی است وآں ہشت رطل است ورطل بیس استار و استار چہار و نیم مثقال و مثقال بست قیراط و قیراط یک جبہ و چہار خمس جبہ و جبہ کہ آنرا بفارسی سرخ گویند ہشتم حصہ ماشہ است۔ پس مثقال چہار و نیم ماشہ باشد۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ ایک رطل نوے مثقال کا اور روپے ڈھائی مثقال یعنی سوا گیارہ ماشے تو ایک رطل چھتیس روپے بھر ہوا۔ اور جب صاع آٹھ رطل تو صاع کا وزن روپوں سے دو سو اٹھاسی روپے بھر ہوا۔ اور نصف صاع ایک سو چوالیس روپے بھر۔ اب جو مرحلہ دشوار ہے وہ یہ ہے۔ کہ صاع ایک پیمانہ ہے اور ہر پیمانہ کسی چیز کو تول کر بنتا ہے۔ حل طلب یہ بات ہے کہ جب صاع دو سو اٹھاسی بھر ہوا تو کیا چیز دو سو اٹھاسی روپوں سے تول کر یہ پیمانہ بنائیں۔ مٹر، مسور، چنا، گیہوں، جو، بھس، بھوسی۔ پھر مٹر، جو، گیہوں مختلف ہوتے ہیں ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی مقدار مختلف ہوگی۔ بھس اور بھوسی تول کر جو پیمانہ بنے گا وہ بڑا ہوگا۔ جو کا اس سے چھوٹا گیہوں کا اور چھوٹا، مٹر وغیرہ کا اس سے چھوٹا۔ اسی وجہ سے علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض نے ماش اور مسور کا پیمانہ مراد لیا۔ درمختار میں اسی کو اختیار فرمایا۔ اور صدر الشریعۃ رضی اللہ تعالیٰ نے شرح وقایہ میں کھرے گیہوں کا اعتبار کیا۔ اور علامہ شامی نے جو کے صاع کو احوط بتایا۔ اعلیحضرت قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ میں اسی کو اختیار اس کا سبب یہ ہے کہ صاع اسی کا لینا بہتر ہے جن چیزوں سے صدقہ فطر ادا ہوتا ہے۔ وہ جو، گیہوں، چھوہارا، منقی ہے۔ ماش اور مسور سے صدقہ فطر نہیں کیا جاتا اس لئے ماش اور مسور ساقط ہیں چھوہارا اور منقی ایسی چیزیں ہیں کہ یہ چھوٹے بڑے، موٹے پتلے ہونے میں بہت زیادہ مختلف ہوتے ہیں لئے ایک قسم کے چھوہارے یا منقوں کو تول کر کسی برتن کو بھر لیں پھر دوسرے چھوہاروں کو تول کر ناپیں تو ضرور بہت زیادہ کمی بیشی ہو جائے گی۔ اسلئے اب جانتے ہیں جو اور گیہوں۔ اب دیکھنا ہے کہ عہد رسالت کی غذا ان دونوں میں سے کون تھی۔ اس لئے کہ صاع نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی معتبر ہے اور دو

Marfat.com

لہذا جو وزن بتایا گیا ہے اس وزن کے گیہوں جس ظرف میں سمائے وہ صاع ہوگا نہ کہ جو نخُود یا مسور۔ رد المحتار میں ہے:۔ فان المتبادر من اعتبار نصف الصاع بالوزن عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اعتبار وزن البر ونحوہ مما یرید اخراجہ لا اعتبارہ بالماش والعدس۔ اور ظاہر ہے کہ ماش وعدس کے آٹھ رطل والے ظرف میں گیہوں یا جو آٹھ رطل نہیں سما سکتے۔ لہذا مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ ان سے وزن کا اعتبار نہ کیا جائے۔ اس امر کا لحاظ رکھتے ہوئے صدر الشریعۃ نے فرمایا کہ کھڑے گیہوں کو وزن کرکے صاع بنایا جائے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جہاں صدر الشریعہ کے اس قول کی تحسین فرمائی۔ یہ بھی فرمایا کہ اس امر کو لحاظ رکھتے ہوئے زیادہ احتیاط اسمیں ہے کہ جَو کا صاع بنایا جائے کیوں کہ اس کے دانے گیہوں سے بھی ہلکے ہوتے۔ اور باب عبادات میں احتیاط کو ضرور لینا چاہیئے۔ تاکہ یقیناً برارت ذمہ ہو جائے۔ ان کا کلام یہ ہے۔ ولکن

---

بقیہ گذشتہ صفحہ کا:۔ دانے سے بنتا تھا جو عہد نبوی میں عام طور پر کھایا جاتا تھا وہ صرف جَو ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کان طعامنا یومئذ الشعیر ان دنوں ہماری غذا جو تھی۔ اسی لئے صحیح ابن خزیمہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے لم تکن الصدقۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا التمر الزبیب والشعیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صدقہ صرف چھوہارا منقی اور جو تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں گیہوں بکثرت ملنے لگا تو اس سے صدقہ فطر کی مقدار دو مُد یعنی نصف صاع مقرر ہوئی۔ بخاری میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فلما جاء معاویۃ وجاءت السمراء قال اری مدامن ھذا یعدل مدین اس لئے ظاہر یہی ہے کہ عہد رسالت میں جو صاع تھا وہ جو کا تھا اسی لئے یہی معتبر ہوا۔ اسی بناء پر علامہ شامی نے رد المحتار میں جو کے صاع کو احوط بتایا اور حاشیہ ملبی سید محمد امین میر غنی سے نقل کیا ان الذی علیہ مشائخنا بالحرم الشریف المکی ومن قبلھم من مشائخھم وبہ کانوا یفتون تقدیرہ بثمانیۃ ارطال من الشعیر حرم مکہ معظمہ میں ہمارے مشائخ اور ان سے پہلے ان مشائخ کے مشائخ کا عمل اس پر ہے کہ آٹھ رطل جو سے صاع بنایا جائے اور یہ اکابر اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔ اس سے بھی قطع نظر ایک خاص بات یہ ہے کہ عبادات میں احتیاط پر عمل کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ مبسوط امام سرخسی میں ہے اور یہ ہر ادنیٰ عقل والے پر روشن ہے۔ ماش، مسور، چھوہارے، منقی، گیہوں ان سب سے ہلکا جو ہے۔ اگر جو کے علاوہ ان میں سے کسی سے صاع بنائیں اور جو کو ناپیں تو جو آٹھ رطل نہ ہوگا۔ ضرور کم ہوگا۔ تو اگر صاع جو کے علاوہ کسی اور کا بنایا گیا تو وہ صاع، صاع نبی سے ضرور چھوٹا ہوگا۔ اور واجب ہے صاع نبی ادا کرنا۔ تو بقدر واجب ادائیگی میں ضرور شبہ ہوگا اور اگر جو کا صاع بنایا جائے تو اس شبہے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ لہذا تقاضا احتیاط یہی ہوا کہ جو کا صاع بنایا جائے۔ بناء علیہ۔ علامہ شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں ولعل ذالک لیحتاطوا فی الخروج عن الواجب بیقین لما فی مبسوط السرخسی من ان الاخذ بالاحتیاط فی باب العبادات واجب اھ فاذا قدر بذلک فھو یسع ثمانیۃ ارطال من العدس ومن الحنطۃ ویزید علیھا البتۃ بخلاف العکس فلذا کان تقدیر الصاع بالشعیر احوط اور یہ اس وجہ سے ہے (یعنی جو تول کر صاع بنانا) تاکہ اس احتیاط پر عمل ہو جائے یقینی طور پر واجب کی ادائیگی سے عہدہ برا ہو جائیں کیونکہ امام سرخسی کے مبسوط میں ہے کہ عبادات میں احتیاط اختیار کرنا واجب ہے۔ جب جو تول کر صاع بنائیں گے تو اس صاع میں آٹھ رطل مسور بھی سمائیگی۔ اور جو بھی اور کچھ زائد بھی۔ اور اگر گیہوں وغیرہ سے بنائیں گے تو اس صاع میں جو کم آئے گا۔ اسی لیے جو سے صاع بنانے میں زیادہ احتیاط ہے۔ اب کسی عاقل منصف خدا ترس پر پوشیدہ نہیں رہتا کہ درایۃً بھی اور روایۃً بھی یہی زیادہ مناسب ہے کہ جو سے صاع بنایا جائے مگر بعض لوگوں پر ایک خاص نکتہ مخفی رہ جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے شبہے کے دلدل میں پھنسے رہ جاتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جب صاع کا وزن آٹھ رطل ہے تو آٹھ

Marfat.com

علی ھذا الاحوط تقدیرہ بالشعیر و بھذا النقل بعض المحشین عن حاشیۃ الزیلعی للسید محمد امین میر غنی الذی علیہ مشائخنا بالحرام الشریف المکی ومن قبلھم من مشائخھم و بہ کانوا یفتون تقدیرہ بثمانیۃ ارطال من الشعیر ولعل ذالک لیحتاطوا فی الخروج عن الواجب بیقین کما فی مبسوط السرخسی من ان الاخذ بالاحتیاط فی باب العبادات واجب اھ اس تحقیق انیق کا لحاظ فرما کر اعلیحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے جَو سے پیمانہ بنا کر گیہوں کو وزن کیا تو تین سو اکاون روپے بھر ہوئے۔ اور نصف صاع ایک سو پچھتر روپے اٹھنی بھر اوپر۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (　　) از پالی مارواڑ محلہ چھیپان علاقہ جودھپور مرسلہ عثمان غنی ولد عبد الرحمن جی سوجت والے۔

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام مسائل ذیل میں:۔

اس زمانہ میں بوجہ جنگ ہر چیز گراں ہو گئی ہے اور گورنمنٹ نے کنٹرول کر دیا ہے اور غلہ پر بھی کنٹرول ہے۔ اب فی کس ماہوار کے حساب سے جو مقرر کیا ہے، دیتی ہے جس کا بھاؤ ایک روپیہ کا چار سیر شاہجہانی تول سے رکھا ہے۔ اب یہ غلہ ہمارے لئے کافی نہیں ہوتا۔ تو ہم کو بلیک بازار سے گراں اناج لانا پڑتا ہے۔ اب اس صورت میں صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیں تو کس کا لحاظ رکھیں جو گورنمنٹ نے بھاؤ بتایا ہے، یا بلیک بازار کا۔ اسی طرح اگر قیمت دیں تو کس کا لحاظ کیا جائے۔

**الجواب:۔** صدقۂ فطر میں گیہوں اور جَو کی جگہ پر ان کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔ اور قیمت میں بازار کے نرخ کا اعتبار ہوگا آجکل جہاں کنٹرول ہے کنٹرول ہی کی قیمت مقرر کردہ اصلی قیمت شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا کنٹرول کے حساب سے گیہوں کی قیمت ادا کرنے سے انشاء اللہ صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

بقیہ حاشیہ ماضیہ:۔ رطل تول کر ہم صدقۂ فطر ادا کر دیں کیا حرج ہے۔ یہ شبہ اس خاص نکتے سے غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ صدقۂ فطر تول کا ادا کرنے کا حکم ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں حکم یہ ہے کہ صاع نبوی سے ناپ کر ایک صاع جو وغیرہ اور نصف صاع گیہوں ادا کریں۔ یا ان کی بازار بھاؤ قیمت دیں۔ اس لئے کہ عہد نبوی و صحابہ میں ناپ ہی کر ادا کیا جاتا تھا۔ تمام فقہاء یہی فرماتے ہیں کہ جَو وغیرہ ایک صاع اور گیہوں نصف صاع واجب ہے۔ اور صاع پیمانہ ہے تو لازم کہ صاع سے ناپ ہی کر ادا کرنے کا حکم ہے اور اگر تول کر ادا کرنے کا حکم ہوتا تو فقہاء یہ فرماتے آٹھ رطل یا چار رطل ادا کرے۔ اب حل یہ نکلا کہ صاع نبوی سے جو آٹھ رطل یعنی دو سو اٹھاسی روپے جو تول کر صاع بنائے۔ اور اس صاع سے ناپ کر جَو وغیرہ ایک صاع اور گیہوں وغیرہ نصف صاع صدقۂ فطر دے۔ یہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ دو سو اٹھاسی روپے بھر جو تول کر کوئی پیمانہ بنالے۔ اس سے ناپ کر گیہوں وغیرہ نصف صاع ادا کرے گراسمیں دشواری تھی۔ اس لئے اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے مسلمانوں کو اس مشکل سے بچانے کے لئے۔ ایک سو چوالیس روپے بھر جَو تول کر ایک تام چینی کے پیالے میں بھرا۔ اتفاق کہ اس تام چینی کے پیالے میں یہ جو برابر آئے۔ نہ کچھ کم ہوئے نہ زیادہ ابھرے رہے نہ گھرے۔ تو گویا یہ تام چینی کا پیالہ نصف صاع ہوا۔ اس تام چینی کے پیالے کو پھر گیہوں سے بھرا۔ اسی طرح کہ نہ کم نہ زیادہ نہ ابھرے ہوئے نہ گھرے۔ یہ گیہوں کی صدقۂ فطر کی شرعی مقدار ہوگی

Marfat.com

**مسئلہ (۵۳۳)** مسئولہ محمد حسیب صاحب محلہ خواجہ قطب ۲؍ جمادی الآخر سنہ ۴۰ھ

(۱) نکاح و شادی میں یہاں دختر والوں کی طرف سے اکثر رواج ہے کہ دولہا کے اقارب کو بہنوئی کے جوڑے دیئے جاتے ہیں پس ان جوڑوں میں جن اقارب کو غریب سمجھا جائے اگر زکوٰۃ میں سے یا وصیت میں جوڑا دیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(۲) ایک شخص کے پاس نقد کھانے تک کو نہیں مگر جائداد دیہی مشترکہ میں یا دوکان مشترکہ میں اوس کے حصہ کی قیمت مثلاً سو روپے یا دو سو روپے ہے پر منافع یا کرایہ اس کا قابل گزر نہیں ایسے شخص کو روپیہ زکوٰۃ کا یا وصیت کا دیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب** (۱) اگر وہ بنی ہاشم سے نہ ہو تو بہ نیت زکوٰۃ اسے دے سکتے ہیں کہ یہ ویسا ہی ہے جیسے عید بقرعید میں خدام وغیرہ کو عیدی دیتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے وکذا (ای یجوز) مایدفعہ الی الخدام من الرجال والنساء فی الاعیاد وغیرھا بنیۃ الزکاۃ کذا فی معراج الدرایۃ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اس کو بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے وکذا لوکان لہ حوانیت او دار غلۃ تساوی ثلثۃ آلاف درہم وغلتہا لاتکفی لقوتہ وقوت عیالہ یجوز صرف الزکوٰۃ الیہ فی قول محمد ولوکان لہ ضیعۃ تساوی ثلثۃ آلاف ولا تخرج لہ ولعیالہ اختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ہے سئل محمد عمن لہ ارض یزرعہا او حانوت یستغلہا او دار غلتہا ثلثۃ آلاف ولا تکفی لنفقتہ ونفقۃ عیالہ سنۃ یحل لہ اخذ الزکوٰۃ وان کانت قیمتہا تبلغ الوفا وعلیہ الفتوی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۳۴)** مرسلہ ڈاکٹر شیخ فضیلت حسین صاحب از چتور گڈھ ۴ رجب سنہ ۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک عالم اور متمول شخص ہے جو بصیغہ مدرسی للعہ پر زید پور کے اسلامیہ مدرسہ میں ملازم ہے اور بجنور کا باشندہ ہے جہاں کہ اکثر لوگ اس کی قوم اور قریبی رشتہ دار ہیں۔ زید نے اپنے رشتہ دار قوم اور دیگر مسلمانان بجنور سے اسلامیہ مدرسہ قائم کرنے کے نام پر زکوٰۃ کا روپیہ حسب استطاعت وصول کر کے خود مہتمم اور صدر مدرس بنا اور اسی روپیہ سے اپنی تنخواہ سہ للعہ روپیہ لیا اور دیگر ماتحت مدرسین کو دیا اور اوس کے سوا بیرونجات مدرسہ سفیر بن کر چندہ وصول کر کے لانا اور مدرسہ تعمیر کرانا اور اپنے کو ایسا با اختیار مہتمم بنانا چاہتا ہے جس کے بحالی اور برطرفی کے

بقیہ حاشیہ ماضیہ:- اس گیہوں کو تولا تو یہ ایک سو چھتر روپے اٹھنی بھر ہوئے اس لئے تول کر گیہوں سے صدقۂ فطر ادا کرنے کی احتیاطی مقدار ایک سو چھتر روپے اٹھنی بھر ہوئی یہ نصف صاع ہوا اور پورا صاع تین سو اکاون روپے بھر ہے تفصیل اس کی حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے بالاختصار تحریر فرمایا ہے جو مناسب ہے بغور اسے پڑھے گا اسے قبول کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ وھو اللہ تعالیٰ الھادی وھو اعلم ۵ کما فی الرضویۃ ج۳ مفصلا برضا۔ امجدی۔

Marfat.com

سلسلے میں کسی کو اختیار نہ ہو نہ اوس کے کوئی حساب و کتاب ہیں نہ کوئی ممبر و شیر، صرف اپنی ایمانداری اور دیانتداری پر سب کو مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی شیر ہوا بھی تو وہی جو اوس کا قریبی رشتہ دار ہے اور سبھی یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح مدرسہ قائم ہو جائے اور بالتخصیص تمام کی اولاد تعلیم حاصل کرنے لگے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں اہل زکوٰۃ کی زکوٰۃ اس حیلہ سے جائز ہو جائے گی۔ کہ زکوٰۃ کسی مسکین کو اس شرط پر دے کر کہ یہ روپیہ زید کو دیدو کہ زید کسی نیک کام یا جہاں مناسب سمجھے صرف کرے۔ نیز مذکورہ بالا صورت اختیار کر کے اپنی مرضی کے مطابق مدرسہ بنانا، زکوٰۃ کا روپیہ دے کر اپنی اپنی اولاد کی تعلیم حاصل کرانا جائز ہوگا۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:**۔ زکوٰۃ کا روپیہ حیلہ شرعیہ سے نیک کام میں صرف کرنا جائز ہے۔ مثلاً فقیر کو روپیہ دے کر اوسے مالک کر دیا پھر اس فقیر نے اس کے کہنے سے یا بطور خود مدرسہ یا مسجد کے مصارف کے لئے دیا۔ یا اس کو دوسری جنس کم قیمت سے خرید کر مدرسہ میں صرف کیا گیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ بلکہ دونوں کو ثواب ہوگا۔ درمختار میں ہے وحیلۃ التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد۔ ردالمحتار میں ہے اخرج السیوطی فی الجامع الصغیر لو مرت الصدقۃ علی یدی مائۃ لکان لھم من الاجر مثل اجر المبتدی من غیر ان ینتقص من اجرہ شئی جب اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اس حیلہ کے ساتھ مدرسہ کی امداد کرنا اور اس مدرسہ میں اپنی اولاد کو تعلیم دلانا بھی جائز ہے اور زید اگر متدین ہو تو اسے با اختیار مہتمم بنا سکتے ہیں۔ ہاں اگر اس کی بد دیانتی ثابت ہو تو بیشک معزول کرنا لازم ہوگا۔ اور اگر مدرسہ کے روپئے بیجا صرف کرے یا خود کھا جائے تو مسلمان ضرور اسمیں مداخلت کریں گے اور ایسا ثابت ہونے پر برطرف کرنا ضروری ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۴۳) مسئولہ مولوی سلیمان صاحب پھلواری۔ ۲۴ رجب ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اخبار امارت مطبوعہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ پٹنہ میں ایک فتوی شائع ہوا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب امیر مقرر ہو گیا تو زکاۃ اموال ظاہرہ و باطنہ کی امیر کو دینا واجب ہے اور اس کے عامل کو۔ اور اگر خود مستحقین کو دیدیگا تو گنہگار ہوگا اور زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔ اور یہی مذہب ائمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم و صاحبین کا ہے پس یہ فتوی صحیح ہے یا غلط۔ یہ بات بھی مدنظر رہے کہ جس کو یہ لوگ امیر کہتے ہیں اوس کے نصب کے بعد بھی انگلش گورنمنٹ کی حکومت اور اس کا نظم و نسق علی حالہ جوں کا توں قائم ہے۔

**الجواب:**۔ یہ فتوی صحیح نہیں اولاً یہ فرضی امیر، امیر ہی نہیں۔ اگر یہ ادعائے امارت صحیح ہو تو کم از کم اتنا ہی کر دکھایے کہ فتنہ ارتداد جو آجکل ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے اس کی روک تھام میں فرائض امارت کو بجا لائے مگر ظاہر ہے کہ اس پر بھی قدرت نہیں پھر یہ عاجزانہ امارت کیسی۔ ثانیاً اموال باطنہ کی زکوٰۃ امیر یا اس کے عامل کو دینا واجب نہیں اور اس پہ یہ حکم دینا کہ اسے نہ دے تو گنہگار ہے۔ اور زکوٰۃ

Marfat.com

ساقط نہ ہوگی ظلم بالائے ظلم ہے یہ حکم امیر المومنین کے لئے بھی نہیں نہ کہ خود ساختہ امیر کے لئے۔ ثالثاً اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ سلطان کو لینے کا حق اس وجہ سے ہے کہ وہ ان اموال کی حفاظت کرتا ہے اسی وجہ سے عاشر کے لئے شرط ہے کہ چور اور ڈاکوؤں سے اموال کی حفاظت پر قادر ہو اور یہاں قدرت منتفی۔ تو ان کو زکوٰۃ دینا کیونکر واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۳۶) از دھوراجی کاٹھیاوار مرسلہ حاجی عبد اللطیف الوب صاحب ۱۱ر شعبان المعظم ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کسی مسکین کو زکوٰۃ کی نیت سے قرض کہہ کر مال دیا تھا مدت دراز کے بعد وہ شخص قرض سمجھ کر واپس دینے آیا۔ اس وقت قرض دینے والا مفلس ہو گیا تھا۔ ایسی صورت بھی قرض دینے والا اس مال زکوٰۃ کو کھا سکتا ہے یا کسی دوسرے کو دینا چاہئے حالانکہ اس وقت وہ خود بھی زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے۔

**الجواب:** جب کہ اس نے بہ نیت زکوٰۃ یہ رقم دی تھی تو اسے واپس لینا جائز نہیں۔ حدیث میں فرمایا و لا تعد فی صدقتک اس پر لازم ہے کہ یہ رقم واپس کر دے اب اگر یہ شخص زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے تو دوسرے کی زکوٰۃ لے سکتا ہے نہ یہ کہ جو زکاۃ خود دے چکا اسکو واپس لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۵۳۷) مسئولہ منشی شوکت علی صاحب از بریلی محلہ ذخیرہ۔ ۵ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں۔ ایک شخص فقیر جو صاحب نصاب نہیں ہے۔ مگر اس کے پاس ۴۰ بیگہ زمین خام ہے جس میں تین روپے ماہوار اس کو ملتا ہے اور باقی ملازمت وغیرہ سے گذر کرتا ہے۔ اگر وہ شخص زمین بیچے تو چھ سات سو روپے کی فروخت ہو جائے اور رہنے کا ایک مکان بھی ہے۔ الغرض اس کے پاس اس زمین اور مکان کے علاوہ روپیہ یا زیور بالکل نہیں ہے۔ ایسے شخص کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** رہنے کا مکان حاجت اصلیہ ہے۔ اگرچہ کتنی ہی قیمت کا ہو اس کی وجہ سے غنی نہیں ہو سکتا۔ اور زمین کی آمدنی بھی اتنی نہیں جو اس کے لئے کافی ہو سکے۔ لہٰذا اس شخص کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں اگرچہ زمین فروخت کی جائے تو کئی سو کو فروخت ہو مگر چونکہ یہ زمین اوس کے لئے ذریعہ آمدنی ہے جو اوس کے خورد و نوش و دیگر ضروریات میں صرف ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کی قیمت کا اعتبار کر کے اسے غنی نہ سمجھیں گے۔ بلکہ یہ فقیر ہی ہے اور زکوٰۃ لے سکتا ہے عالمگیری میں ہے وکذا لو کان لہ حوانیت او دار غلۃ تساوی ثلثۃ آلاف درھم وغلتھا لا تکفی لقوتہ وقوت عیالہ یجوز صرف الزکوٰۃ الیہ فی قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ رد المحتار میں تاتارخانیہ سے ہے سئل محمد عمن لہ ارض یزرعھا او حانوت یستغلھا او دار غلتھا ثلثۃ آلاف ولا تکفی لنفقتہ ونفقۃ عیالہ سنۃ یحل لہ اخذ الزکوٰۃ وان کانت قیمتھا تبلغ الوفا وعلیہ الفتوی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ** (۵۳۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں :۔

زید شیخ ہے اس کے پاس دو ہمشیرہ ہیں ایک سید کے نکاح میں ہے صاحب اولاد بھی ہے اور افلاس میں مبتلا ہے تو کیا زید اس سید اور اپنی بہن اور ان کی اولاد کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے۔

**مسئلہ** (۵۳۹) زید کی دوسری بہن شیخ کے نکاح میں ہے لیکن اس کا شوہر اس کی بہن کو نان ونفقہ نہیں دے سکتا ہے زید کے پاس رہ کر محنت کر کے گذر کرتی ہے تو کیا زید اپنی اس بہن کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے۔

**الجواب** :۔ زید اپنی اس ہمشیرہ کو جو سید کے نکاح میں ہے زکوٰۃ دے سکتا ہے اس کی اولاد کو نہیں دے سکتا۔ واللہ تعالےٰ اعلم

**الجواب** :۔ زید اپنی اس ہمشیرہ کو بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے بلکہ اپنے قریبی رشتہ دار کو دینا غیروں کے دینے سے افضل ہے کہ یہ صدقہ بھی ہے اور صلۂ رحمی بھی۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۴۰) سید کو مال زکوٰۃ دینا جائز ہے یا ناجائز جب کہ وہ تنگ دست ہوں۔

**الجواب** :۔ سید کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے اور دیں گے تو ادا نہ ہوگی۔ حدیث میں فرمایا انما الصدقات اوساخ الناس لاتحل لمحمد ولا لآل محمد صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اگر وہ حاجت مند ہوں تو اور اموال سے خدمت کریں اور زکوٰۃ ہی کا پیسہ دینا چاہیں تو کسی مستحق زکوٰۃ کو دیں اور مالک کر دیں اور اس سے کہدیں کہ تو اپنی طرف سے فلاں کو دیدے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۴۱) بے نمازی جو کبھی پڑھے کبھی نہ پڑھے ایسے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب** :۔ نماز ایک وقت کی بھی قصداً ترک کر دینا کبیرہ شدیدہ وجریمہ عظیمہ ہے اور ایسا شخص فاسق گنہگار مستحق نار وغضب جبار ہے مگر اس کی وجہ سے اسے کافر نہ کہیں گے جب تک فرضیت نماز کا انکار یا اس کا استخفاف نہ کرے۔ تو جب وہ مسلم ہے اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں اور ادا ہو جائے گی۔ مگر ظاہر ہے کہ متقی کو دینا فاسق کے دینے سے بہتر ہے حدیث میں ہے لایاکل طعامک الا الصالحون یہاں تک کہ مال زکوٰۃ کو دوسرے شہر میں بھیجنا مکروہ ہے مگر وہ اصلح ہو تو کراہت نہیں۔ کمافی الدر۔ تو جب شرع نے اصلح و صالح کا فرق ملحوظ رکھا تو صالح وفاسق کا فرق بدرجۂ اولیٰ ملحوظ ہوگا۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۴۲) مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ۔ ۱۸ر صفر ۱۳۵۶ھ

صدقہ کی تعریف بیان فرما کر ہبہ اور صدقہ میں فرق بیان فرمایا جائے۔

**الجواب** :۔ صدقہ وہ تملیک عین ہے جس سے مقصود محض ثواب اخروی ہے اور ہبہ سے یہ مقصود نہیں۔ لہٰذا اگر فقیر کو ہبہ کیا تو وہ

Marfat.com

بھی صدقہ ہی ہے کہ اس سے ظاہر یہی ہے کہ مقصود ثواب اخروی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

# کتاب الصوم

**مسئلہ (۵۱۳)** از قصبہ فتح گھملہ تعلقہ جھکر ضلع بردوانہ ملک برار سی پی مرسلہ محمد اسلم خاں ولد محمد سرفراز خاں صاحب ۱۲ رجب ۱۳۴۶ھ

نفل روزے کی سحری کھائیں یا نہیں۔ اور بعد نماز فرض سنت مغرب کی پڑھنے کے بعد افطار کرے یا پہلے۔

**الجواب:۔** سحری کھانا مستحب ہے۔ حدیث میں فرمایا تسحروا فان فی السحور برکۃ[1] اس میں نفل و فرض کا کوئی تفرقہ نہیں افطار میں تعجیل مستحب ہے۔ نماز سے قبل روزہ افطار کریں۔ درمختار میں ہے ویستحب السحور[2] وتاخیرہ وتعجیل الفطر لحدیث ثلٰث من اخلاق المرسلین تعجیل الافطار وتاخیر السحور والسواک۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۱۴)** مرسلہ امین الدین۔ ۲۷ رمضان ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ملک بنگال میں پہلے روز کا چاند نظر نہیں آتا چھ ماہ تک ابر رہتا ہے اس صورت میں بدون رویت ہلال رمضان کے روزے رکھنا حساب کی رو سے جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب:۔** شریعت میں مدار کار رویت یا شہادت پر ہے حدیث میں ہے صوموا[3] لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین اور محض قواعد نجوم سے رویت کا ثبوت نہیں ہو سکتا نہ اس پر عمل کرنا جائز۔ درمختار میں ہے ولا عبرۃ[4] بقول المؤقتین ولو عدولا علی المذھب واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۵۱۵)** مرسلہ محمد مبارک علی صاحب ضلع فرید پور پوسٹ زیا قاضی صاحب کا آفس ۷ صفر ۱۳۴۳ھ

رویت ہلال برائے روزہ رمضان المبارک شرط است یا واجب یا نفل مستحب مباح۔ و روزیکہ ہموماں عرب روزہ رمضان داشتند و عید نمودند۔ ما ہندوستانی و بنگالی مسلمان راہمدریں روز روزہ داشتن و عید نمودن واجب است یا نہ یہ از حساب) بعضے از بنگالہ میگویند کہ ہلالے روز اول۔ بدون خلیفۃ المسلمین یا سلطان روم نمی بیند۔ از جہت

---

[a] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ الصدقۃ قیل ھی تحفۃ لثواب الآخرۃ والھدیۃ ان یملک رجل نفرا بالیہ واکرامالہ۔ صدقہ وہ مال ہے جو کسی کو ثواب آخرۃ کی امید پر دیا جائے۔ اور ہدیہ یہ ہے کہ کسی کو کچھ دیا جائے اس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے اعزاز کی نیت سے۔ [1] سحری کھاؤ اس لئے کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔ [2] سحری کھانا اور اس میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے اس لئے کہ حدیث ہے تین چیزیں انبیاء کی سنت ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا سحری میں تاخیر کرنا اور مسواک۔ [3] چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو۔ اگر انتیس کو چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرے۔ [4] اہل توقیت اور پوتھی پترا کا قول معتبر نہیں۔ اگرچہ وہ عادل ہوں۔ امجدی۔

Marfat.com

اوشاں قبل از روزے از بنگالہ روزہ داشتند و عید نمودند مارا با وشاں التفاتے نیست ایں چہ سخن است راست باید از روئے طلوع مختلف ہلال ہر ملک روزہ راہم مختلف داشتن حکم آمدہ است یعنی افریقہ، لیف لینڈ، عرب، ہندوستان وغیرہ دریں ملک روزے واحد ہلال طلوع نمی شود ولیکن روزہ باعتبار رویت مختلف ہر ملک مختلف خواہد شد یا نہ۔

**الجواب:** رویت ہلال رمضان واجب کفایہ است۔ در فتاوی عالمگیری مذکور است یجب ان یلتمس الناس الہلال فی التاسع والعشرین من شعبان وقت الغروب فان راوہ صاموہ وان غم اکملوہ ثلثین یوما کذا فی الاختیار شرح المختار اگر رویت ہلال رمضان بروز بست ونہم شعبان در ملک عرب شد ونزد ما در ہند بہ ثبوت شرعی آں رویت ثابت شدہ اعتبار آں لازم۔ وقضا کردن یک روزہ واجب کہ اختلاف مطالع نزد حنفیہ معتبر نیست۔ وفی العالمگیریہ ولاعبرۃ لاختلاف المطالع فی ظاہر الروایۃ کذا فی فتاوی قاضی خان وعلیہ فتوی الفقیہ ابی اللیث وبہ کان یفتی شمس الائمۃ الحلوانی۔ قال لو رای اہل مغرب ہلال رمضان یجب الصوم علی اہل مشرق کذا فی الخلاصۃ وایں سخن کہ ہلال روز اول بحر خلیفۃ المسلمین کسے نمی بیند۔ باطل محض است قابل التفاتے نیست۔ وہو تعالی اعلم۔

**مسئلہ (۵۴۶)** از قصبہ سورون ضلع ایٹہ محلہ مسلمانان مرسلہ محمد محفوظ اللہ قانون گو۔ ۲۲ر شعبان ۱۳۶۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسائل مندرجہ ذیل میں:

اس سال شب برات میں باہم اہل اسلام اس قصبہ میں اختلاف رہا بعض لوگ پیر کی شب برات اس دلیل سے بتلاتے رہے اور عمل بھی کیا۔ کہ چاند گہن ہمیشہ چودھویں ۱۶ر اگست شب کو ہوتا ہے چنانچہ اس مرتبہ بھی حسب تحریر جنتری واعلان ہنود نے پیر کی شب کو چاند گہن کا اظہار کیا تھا گو بوجہ ابر غلیظ اس کا ظہور نہیں ہوا۔ اور کسی نے چاند گہن صاف طور پر نہیں دیکھا۔ تاہم مسلمانوں نے یقین کرلیا کہ چاند گہن ہوا ہے۔ اور اسی اعتبار پر دوشنبہ ۱۶ر اگست کو شب برات منائی۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے اور اسی پر زور دیتا رہا کہ اہل اسلام کے یہاں انحصار رویت پر ہے۔ جب کہ ۲۹ر شعبان پیر کو مسلمہ تھی اور پیر کو ابر تھا چاند نظر نہ آیا۔ اس منگل کی ۳۰ر قرار دیکر بدھ کی یکم شعبان مانی گئی۔ اس لحاظ سے بروز سہ شنبہ ۱۷ر اگست ۱۹۴۳ء شب برات ہونا چاہیے۔ چنانچہ زیادہ تر اصحاب نے اسی پر عمل کیا۔ آیا دونوں فریق میں کس کی دلیل موافق مذہب اور قابل عمل ہے اور ان مذہبی معاملات میں پورنماشی اور گرہن کے قیاسات اور ریڈیو و تار واخبار کی خبریں قابل عمل ہیں یا نہیں۔ اور ان اخبار وتحریرات پر عمل کرنے والے شرعاً قابل مواخذہ ہیں یا نہیں۔

Marfat.com

**الجواب:** شریعت مطہرہ نے چاند ہونے میں صرف رویت کا اعتبار کیا ہے۔ یا یہ کہ اگر وہاں رویت نہ ہوئی تو دوسری جگہ کی رویت ہلال گواہوں سے ثابت ہو جائے۔ اور یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو مہینہ ۳۰ر دن کا لیا جائے گا اگرچہ جنتریوں میں ۲۹ر کا لکھا ہو۔ اخبار یا ٹیلی فون یا ریڈیو وغیرہ کا کچھ اعتبار نہیں۔ چاند گرہن چودھویں شب کو ہو یہ کچھ ضروری چیز نہیں۔ اس کے قواعد قطعی اور جزمی نہیں جن پر کاربند ہونا ضروری ہو تیرہویں شب میں بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا چاند گرہن کی وجہ سے حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ یہ چودھویں شب ہے۔ حدیث صحیح میں ارشاد ہوا۔ صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلثین۔ دوسری حدیث میں فرمایا انا امۃ امیۃ[ع] لا نکتب ولا نحسب الشھر ھکذا وھکذا وھکذا وعقد الابھام فی الثالثۃ ثم قال الشھر ھکذا وھکذا وھکذا یعنی تمام الثلثین یعنی مرۃ تسع وعشرین ومرۃ ثلثین یہ دونوں حدیثیں بخاری ومسلم کی ہیں۔ اہل ہیئت کا یہ قول کہ خسوف قمر اس وجہ سے ہوتا ہے کہ چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہو جاتی ہے اور کسوف شمس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اور آفتاب کے درمیان چاند حائل ہو جاتا ہے اور حرکات فلک کے لحاظ سے اس کے اوقات مقرر ہیں اہل شرع نے اس کا بہت شدت سے انکار کیا جس کی تفصیل عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری وفتح الباری شرح صحیح بخاری میں مذکور ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ھذہ الآیات التی یرسل اللہ لا تکون لموت احد ولا لحیاتہ ولکن یخوف اللہ بہ عبادہ فاذا رأیتم شیئا من ذالک فافزعوا الی ذکرہ ودعائہ واستغفارہ اس پر دلیل ہے کہ خسوف وکسوف کے لئے کوئی وقت معین نہیں۔ نہ قاعدہ مقرر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں سورج گرہن اس روز ہوا جس دن حضور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی اور ان کی وفات ۱۰ر ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ لہٰذا اہل ہیئت کا یہ قول کہ کسوف شمس ۲۷ر یا ۲۸ر یا ۲۹ر کو ہی ہوگا غلط ہے الحاصل خسوف یا کسوف سے تاریخ کا اعتبار کرنا بالکل غلط ہے۔ یہ چیزیں شرعاً قابل اعتبار نہیں یہ سب اس صورت میں ہے کہ خسوف کا ثبوت ہو اور اگر ابر کی وجہ سے خسوف دیکھا ہی نہ گیا محض جنتریوں میں لکھے ہونے یا ہنود کے کہنے سے تو خسوف کا بھی ثبوت نہ ہوگا۔ چودھویں شب تو ہونا کجا۔ وھو تعالیٰ اعلم۔ یہاں اور بریلی میں شب برات منگل کو ہوئی۔

**مسئلہ** (۵۴۷) آمدہ از بھوپال مسجد نستران مرسلہ محمد عبد اللہ صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ موجودہ زمانے میں اگر کسی شہر یا ملک میں رویت ہلال رمضان المبارک وعید الفطر نہ ہو اور کسی دوسرے شہر یا ملک سے صرف بذریعہ تار برقی ٹیلی گرام ٹیلیفون ریڈیو اور وائرلیس خبر موصول ہو تو کیا از روئے شرع شریف مطابق مذہب حنفی ان شہر والوں پر روزہ رکھنا یا رکھوانا، افطار کرنا یا کرانا ضروری اور واجب ہے۔ یا اس قسم کی

---

ع ہم امی قوم ہیں حساب کتاب نہیں کرتے مہینہ اتنا ہے اتنا ہے اتنا ہے تیسری بار انگوٹھا بند فرما لیا پھر فرمایا مہینہ اتنا ہے اتنا ہے اتنا ہے یعنی تیس دن کا ایک مرتبہ ۲۹ کا ایک مرتبہ تیس کا فرمایا

Marfat.com

خبر یا اطلاع پر عمل نہ کرنا ضروری ہے۔

**مسئلہ (۵۴۸)** امسال رویت ہلال عید الفطر کے سلسلہ میں ڈھاکہ اور حیدر آباد سے بذریعہ ریڈیو ۲۹ رمضان المبارک کو یہ خبر نشر کی گئی تھی کہ ہلال عید الفطر کی رویت ہو گئی ہے کل عید ہے کیا اس خبر کو جناب نے باور فرما کر ۸ ستمبر ۴۵ء بروز سنیچر کو عید الفطر قرار دیا تھا یا نہیں۔ بصورت خبر ریڈیو ٹیلی فون ٹیلی گراف اور وائرلیس فقہی نقطہ نظر سے ان کو دعوی شہادت باقتضا رقاضی اور خبر مستفیض کی کس شق میں داخل سمجھا جا سکتا ہے از روئے شرع شریف دلائل و حوالجات کی روشنی میں مستفیض فرما کر داخل اجر عظیم ہوں۔ بینوا توجروا

**الجواب:** امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں اختلاف مطالع معتبر نہیں یعنی ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ کے لئے کفایت کرتی ہے اور حدیث کا ظاہر بھی اسی کو چاہتا ہے کہ ارشاد فرمایا صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ یعنی ہلال کی رویت پر روزہ رکھو اور افطار کرو ولرؤیتکم نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی خود رویت پر صوم و افطار کا مدار نہیں۔ بلکہ ہلال کی رویت پر مدار ہے انھوں نے دیکھا ہو یا دوسروں نے مگر دوسری جگہ کی رویت یہاں والوں کے لئے اس وقت معتبر ہو گی جب ثبوت شرعی کے ساتھ ثابت ہو اور ٹیلی فون اور ریڈیو کی خبریں اس باب میں ناقابل اعتبار ہیں کہ ان سے کسی چیز کا ثبوت شرعی نہیں ہوتا۔ ایسی خبروں سے نہ روزہ رکھا جائے گا نہ عید کی جائیگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ان خبروں کو نہ شہادت شمار کیا جا سکتا ہے نہ ان کو استفاضہ میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ (۵۴۹)** مولوی عبد الرشید صاحب جامعہ عربیہ ناگپور سی پی۔ ۲۰ رمضان ۶۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ تار ٹیلیفون ریڈیو وغیرہ چالیس پچاس جگہ کی مختلف مقامات سے رویت ہلال کی خبر دیں تو اس کا کیا حکم ہے۔ مانا جائے یا نہیں۔ اگر مانا جائے تو کس وجہ سے اور اگر نہیں مانا جائے تو کیوں۔

**الجواب:** ہلال کے لئے شرعی ثبوت درکار ہے یہاں خود دیکھا گیا ہو یا دوسری جگہ کی رویت کا ایسا ثبوت ہو جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے خطوط یا تار اس باب میں بالکل نامعتبر ہیں۔ الخط یشبہ الخط اور تار تو بہت زیادہ مظنۂ اشتباہ ہے اس کو تو ثبوت کے مقام پر ذکر کرنا بھی نہ چاہئے۔ ریڈیو میں اگرچہ اتنی بے اعتباری نہیں جتنی تار میں ہے مگر اس میں اتنی قوت بھی نہیں کہ اس کو ثبوت شرعی میں پیش کیا جائے۔ لہٰذا اس کے اطلاع پر بھی روزہ افطار کرنا یا عید کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۵۰)** از نانڈیر۔ مرسلہ مولوی عبد اللہ صاحب۔ ۲۸ ذیقعدہ ۴۲ھ

روزہ دار رمضان شریف میں بوقت وضو مسواک کر سکتا ہے یا نہیں۔

**الجواب:** مسواک ہر وضو میں سنت ہے خواہ رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں۔ حدیث میں ہے لولا ان اشق علی امتی لامرتہم

Marfat.com

بالسواک عند کل صلوٰۃ درمختار میں ہے ولا یکرہ سواک ولو عشیا او رطبا بالماء علی المذہب رد المحتار میں ہے بل یسن للصائم کغیرہ صح فی النھایۃ

**مسئلہ (۵۵۱)** مرسلہ قاضی محمد یعقوب صاحب از اودی پور میواڑ ۲۶ ربیع الاول شریف ۴۷ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید روزہ دار ہے اور ہمیشہ نوکری پر دو میل تک جاتا ہے واپسی کے وقت شام ہو جاتی ہے اور افطار کا وقت درمیان ہی میں ہو جاتا ہے دراں حالیکہ ایک میل تک پانی وغیرہ کچھ نہیں ملتا کہ افطار کرے ایسی صورت میں روزہ دار کو کیا کرنا چاہئے۔ بکر سے جب یہ سوال کیا گیا تو بکر نے کسی کتابی یا دلی بنیاد پر یہ جواب دیا کہ پاک مٹی سے افطار کر لیا جائے۔ تو بکر کا ایسا جواب دینا کیا حکم رکھتا ہے۔ شرع شریف جو ہو اسے مطلع فرمائیں۔

**الجواب:** جب جانتا ہے کہ اس مقام پر پانی نہ ملے گا جس میں روزہ افطار کر سکوں گا اور نہ کوئی کھانے کی چیز ملے گی تو اسے چاہئے کہ کوئی شے کھجور وغیرہ افطار کے لئے اپنے ساتھ لے لے۔ روزمرہ جب اس کو ایسا موقع پیش آتا ہے تو اس کا خیال نہ رکھنا عجب ہے بہر حال ایسے موقع پر پتے یا کسی درخت کی چھال کھا کر روزہ افطار کرے امام احمد و ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و دارمی کی حدیث میں ہے فان لم یجد احدکم الا لحاء عنب او عود شجرۃ فلیمضغہ اور مٹی اگرچہ پاک ہو مضر ہے کھانا حرام ہے اگرچہ روزہ افطار ہو جائے گا۔ ردالمحتار میں ہے فان التراب طاہر ولا یحل اکلہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۵۲)** از بمبئی گول پیٹھا اسلام پورہ اسٹریٹ للو بھائی دیوی داس کی چال پہلا مالہ مرسلہ اسمٰعیل ابن الفو ۱۶ رجب ۴۶ھ

عید کے دن اللہ تعالیٰ نے روزہ کیوں حرام فرمایا ہے۔ بیان فرمادیں۔

**الجواب:** عید الفطر ماہ رمضان کے بعد ہوتی ہے اگر آج بھی روزہ رکھا تو فرق ہی کیا رہے گا اس لئے شرع مطہر نے روزہ کی ممانعت کی تاکہ اسکو ما قبل سے ممتاز کیا جائے اور رمضان کے فریضہ ادا کرنے کی خوشی کی جائے اور کھایا پیا جائے اور عید ضحیٰ قربانی کا دن ہے اس روز قربانی کی جائے اور اس کا گوشت کھایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۵۵۳)** مسئولہ مولوی حاجی نیاز الدین صاحب ضلع پترہ ڈاکخانہ موہن پور ضلع لال پور بنگال ۲۵ جمادی الآخر ۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید شیخ فانی مرد اور کھانسی کے سبب تین سال رمضان مبارک کے روزہ رکھنے پر قادر نہ تھا غیر ماہ رمضان میں مرض کے سبب سے روزہ نہ رکھ سکا اور تین سال کے روزے قضا ہو گئے اور زید کا انتقال ہو گیا اور وارثوں کو قضا وغیرہ کی خبر بھی نہیں بعدہ وارثوں نے کسی عالم کے کہنے پر نو مسکینوں کو کھانا کھلا دیا پھر جب دوسرے عالم سے مسئلہ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نوے روزے کے عوض میں ایک سو اسی مسکینوں کو کھانا کھلانا چاہئے۔ ایا ایکسو اسی کو دفعۃً کھلانا چاہئے یا رفتہ رفتہ بھی ادا ہو جائے گا۔ اور پہلے جو نو کو کھلایا گیا وہ ایکسو اسی میں شمار کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

**الجواب:** شیخ فانی یعنی وہ بوڑھا جس کی عمر ایسی ہو گئی کہ روز بروز کمزور ہی ہوتا جائے گا جب وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو نہ آئندہ امید ہو اس پر فدیہ لازم ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین جو لوگ طاقت نہیں رکھتے ان پر فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔ زیلعی میں ہے ای لا یطیقونہ

---

ع۵ اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم کرتا۔ عہ مسواک کرنا کسی وقت بھی مکروہ نہیں اگرچہ دوپہر بعد ہو یا گیلی ہو بلکہ دوسروں کی طرح روزہ دار کیلئے بھی مسنون ہے۔

Marfat.com

وانہ یجب تحذف لا اذا کان موضعها ظاهرا کقوله تعالیٰ تالله تفتؤ تذكر يوسف اى لا تفتؤ وروى عن عطاء انه سمع ابن عباس يقرأ وعلى الذين يطوقونه فدية طعام مسكين قال ابن عباس ليست بمنسوخة هى للشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان ان يصوما فيطعمان لكل يوم مسكينا رواه البخاري وهو مروى عن على بن ابى طالب وابن عباس وابن عمر وغيرهم من الصحابة رضوان الله تعالى عليهم اجمعين ولم يرو عن احد خلافه فكان اجماعا۔

درمختار میں ہے وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوبا اور ہر روزہ کا فدیہ دونوں وقت ایک مسکین کو بھر پیٹ کھانا کھلانا ہے یا صدقہ فطر کی مقدار مسکین کو دے یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا کھجور یا ان کی قیمت۔ اور جب اس نے خود نہ دیا اور مر گیا۔ اور ولی دینا چاہے تو اسے بھی یہی مقدار ہے درمختار میں ہے وفدی عنه ولیه کالفطرة وان لم یوص تبرع ولیه به جاز ان شاء الله تعالیٰ۔ درر میں ہے وفدی ای اطعم لكل يوم مسكينا كما اطعم فى الكفارات تو صورت مستفسرہ میں اگر نوّے مساکین کو دونوں وقت بھر پیٹ کھانا کھلایا ہے تو فدیہ ادا ہو گیا اور اگر صرف ایک ہی وقت کھلایا ہے تو انہیں مسکینوں کو ایک ایک وقت پھر کھلائے۔ اگر دوسرے مساکین کو کھلائے گا تو کفارہ ادا نہ ہوگا جب تک ان کو دونوں وقت نہ کھلائے اور اگر ان مساکین میں سے جن کو پہلے ایک ایک وقت کھلا چکا ہے بعض ہیں اور بعض نہیں تو جو ہیں ان کو ایک وقت کھلا دے اور جو نہیں ہیں ان کے بدلے میں دوسرے مساکین کو دونوں وقت کھلائے کہ اس کا حکم کفارہ کے مثل ہے جیسا کہ درر میں تصریح ہے اور کفارہ میں اگر ساٹھ کی جگہ ایک سو بیس کو ایک وقت کھلایا تو انہیں ساٹھ کو دوسرے وقت پھر کھلانا ہوگا۔ ورنہ ادا نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے اطعم مائة وعشرين لم يجز الا عن نصف الطعام فيعيد على ستين منهم غداء او عشاء ولو فى يوم آخر للزوم العدد مع المقدار. ردالمحتار میں ہے ينبغى انه اذا غدى العدد ثم غابوا ان ينتظر حضورهم او يعيد الغداء مع العشاء على غيرهم بحر. لہٰذا نوّے میں سے جتنے مساکین جو پہلے کھا چکے ہیں دستیاب ہوں انکو ایک وقت اور کھلا دیا اتنے روزوں کا فدیہ ادا ہو جائے گا۔ اور جتنے نہ ملیں انکے عوض دوسرے مساکین کو دونوں وقت کھلائیں۔ انکے سوا اسی مساکین کو کھلانے سے فدیہ ادا نہ ہوگا۔ اگر ایک ہی وقت کھلانا درر میں ہے قال فخر الاسلام طعام الاباحة اكلتان لكل مسكين غداء وعشاء والغداء ان يجمعه والعشاء آن كك والعشاء والسحور كذلك او غداآن او عشاآن مما الغداء والعشاء اور اس کے لئے ایک ہی دن میں نوّے شخصوں کو کھلانا ضرور نہیں بلکہ تفریق کے ساتھ بھی جائز ہے ایک ایک مسکین کو روز دونوں وقت کھلا دیا جس طرح اسے آسانی معلوم ہوا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۴۴) مسئلہ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد ۵ ذیقعدہ [illegible]ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ابتدائے بلوغ میں کئی سال کے روزے فوت ہو چکے ہیں اس کی قضا نہیں رکھی تو فدیہ ہر سال کے کفارہ کا کتنا گیہوں دینا چاہیے کفارہ دینے کے بعد بھی ان روزوں کی قضا کرنی چاہیے یا نہیں۔ اگر عمر بھر قضا نہ کرے تو ہر سال کے روزوں کے بدلے فدیہ میں کتنے گیہوں دینا چاہیے جس کی وصیت ورثہ کو کر دی جائے کفارہ ادا کرنے سے قبل قضا رکھے تو ہو سکتی ہے یا نہیں۔

**الجواب:** جتنے روزے فوت ہو گئے انکی قضا رکھے،[1] کفارہ کی کچھ حاجت نہیں نہ فدیہ کی ضرورت۔ اگر عمر بھر قضا کے روزے نہ رکھے تو ہر روزہ کے [illegible]

[1] قوت ہوتے ہوئے ان کا فدیہ ادا کرنا کافی نہ ہوگا جب روزے رکھنے کی قوت نہ رہے اور نہ اس کی امید ہو کہ آئندہ قوت ہوگی تو فدیہ ادا کرنے کی اجازت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ امجدی

Marfat.com

بدلے میں نصف صاع گیہوں یعنی ایک سو ساڑھے پچھتر روپے بھر یا اس کے دونے جو فدیہ میں دینے کی وصیت کرجائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۵۵) مرسلہ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب از دھوراجی کاٹھیاواڑ ۱۰ محرم سنہ ۷۲ھ

ابتدائے بلوغ سے چودہ سال تک کئی روزے رکھ کر اور کئی روزے رات میں نیت کرکے توڑ دیئے ہیں مگر اسکی کوئی تعداد یاد نہیں تو شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے اور اگر اخیر عمر تک قضا نہیں کیا تو کتنا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرجائے یا زندگی میں کتنا فدیہ دے۔

**الجواب:** جتنے روزے قضا ہوگئے یعنی نہیں رکھے یا رکھکر توڑ دیئے سب کا اس طرح اندازہ کرے کہ کم نہ ہو اگر زیادہ ہوجائے تو حرج نہیں۔ مثلاً چودہ سال کی نسبت اگر غالب گمان یہ ہو کہ نصف رکھا تھا اور نصف نہیں تو سات سال کے ہوئے غرض جو حساب سے ہوں انکی قضا رکھے یہ ضرور نہیں کہ ایک ساتھ قضا رکھے بلکہ حسب وسعت متفرق طور پر بھی رکھ سکتا ہے مگر حتی الوسع یہ کوشش ہو کہ جلد از جلد سبکدوشی ہوجائے کہ موت کا وقت معلوم نہیں پھر ان میں سے جو کچھ قضا رکھنے سے بچ گئے تو موت کے وقت ان کے فدیہ کی وصیت کرجائے اور ہر روزہ کا فدیہ نصف صاع گیہوں یعنی ایک سو پچھتر روپے اٹھنی بھر اوپر یا اسکے دونے جو یعنی تین سو اکاون روپے بھر۔ درمختار میں ہے ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیۃ بقدر ادراکہم عدۃ من ایام اخر واما من افطر عمدا فوجوبہا علیہ بالاولی وفدی لزوما عنہ ولیہ الذی یتصرف فی مالہ کالفطرۃ قدرا۔ اور زندگی میں فدیہ خود اس وقت ادا کرسکتا ہے جب شیخ فانی ہوکر اتنا بوڑھا ہو کہ نہ اب روزہ رکھنے کی طاقت ہے نہ آئندہ طاقت آنیکی امید۔ اور جن روزوں کو قصداً توڑا ہے اگر انمیں شرائط کفارہ کے پائے جائیں تو علاوہ قضا کے کفارہ بھی دینا ہوگا اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ ساٹھ روزے پے درپے رکھے اور یہ نہ کرسکے تو ساٹھ مساکین کو دونوں وقت بھر پیٹ کھانا کھلائے یہ ایک روزہ کا کفارہ ہوا اور ایک رمضان کے دو روزے توڑے اور ابھی کفارہ نہیں ادا کیا ہے تو دونوں کیلئے ایک ہی کفارہ کافی ہے۔

**مسئلہ** (۵۵۶) مرسلہ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب از دھوراجی کاٹھیاواڑ ۸ ربیع الاول شریف سنہ ۷۲ھ

۱۔ کفارہ کا کھانا سید کو بھی کھلاسکتے ہیں یا نہیں کیونکہ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ۲۔ کفارہ میں جو مسکین کھلائے جائیں دونوں وقت دعوت دیکر انمیں کا کوئی مسکین ایک وقت آگیا اور دوسرے وقت نہ آئیں تو جو دوسرے وقت نہ آئے تو کیا انکے بدلے دوسروں کو کھلایا جائے یا اسی کو کھلایا جائے۔

**الجواب:** ۱۔ سادات کرام کو کفارہ کا کھانا دینا جائز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے، ولا یدفع الی بنی ہاشم ہذا فی الواجبات کالزکوٰۃ والنذر والعشر والکفارۃ فاما التطوع فیجوز الصرف الیہم کذا فی الکافی (۲) کفارہ میں جتنے مساکین کو کھلانا ہے انکو دونوں وقت کھلائے اور اگر بعض دوسرے وقت نہ آئے تو ان کے بدلے میں دوسرے مسکین کو دو وقت کھلائے ایسا نہیں ہوسکتا کہ انکے بدلے میں دوسرے مساکین کو فقط ایک وقت کھلائے کہ اس طرح کفارہ ادا نہ ہوا اور یہ کیا ہوسکتا ہے کہ دوسرے وقت میں جو نہ آئے اگر کسی دوسرے دن انہیں کو فقط ایک وقت کھلا دیا تو کفارہ ادا ہوگیا یعنی یہ ضرور ہے کہ ہر مسکین کو دو وقت کھلائے مگر یہ ضرور نہیں کہ ایک ہی دن میں دونوں وقت ہوں بلکہ دو صبح یا دو شام یا ایک دن صبح اور ایک دن شام کو کھلا دیا جب بھی کفارہ ادا ہوگیا۔ مجمع الانہر میں ہے، فلو غداہم وعشاہم او غداہم غدائین او عشاہم عشائین واشبعہم جاز لان المعتبر دفع حاجۃ الفقیر مرتین وفی التبیین ویشترط فیہا اتحاد الفقراء فیہما اذ لو غدی

Marfat.com

ستین وعشی ستین اخرین لم یجز الا ان یعید علی احد الستین منہم غداء او عشاء وکذا یشترط اتحادہم فی الغدائین او العشائین کما فی الفتح

ولو غداہم یوما وعشاہم یوما جاز۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۵۷) مسئولہ حاجی ایوب صاحب از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد۔ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ

روزے کے کفارے کے مسکینوں کو کھلانے میں صرف یتیم بچوں کو کھلا سکتے ہیں یا نہیں یا بڑے بڑے عمر کے مسکین ہونے چاہئے؟

**الجواب:** اگر یتیم بچے قریب بلوغ ہوں تو انہیں کھلا سکتے ہیں اور اگر چھوٹے ہوں کہ متوسط خوراک نہ کھا سکیں تو ان کے کھلانے سے کفارہ ادا نہ ہوگا درمختار میں بدائع سے ہے ولا یجزئ غیر المراہق رد المحتار میں ہے ای لو کان فیہم صبی لم یراہق لا یجزی پھر فرمایا وبہ ظہر ان المراد بالطعام بغیر المراہق من لا یستوفی الطعام

**مسئلہ ۵۵۸** روزے کا کفارہ پورے ماہ کے کھانے کی قیمت ایک شخص کو دیدیا کفارہ ادا ہوا یا نہیں۔

**الجواب:** روزے کا کفارہ کھانا کھلانے کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھلانا ہے یا بقدر صدقہ فطر ساٹھ مسکینوں کو گیہوں یا جو یا ان کی قیمت دینا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک مسکین کو ساٹھ روز صدقہ فطرہ کی قدر یا اس کی قیمت دے اور اگر ایک ہی دن میں ایک مسکین کو سب گیہوں یا قیمت دیدی تو صرف ایک دن کا ادا ہوا یعنی انسٹھ مسکین کو کھلانا ابھی اس کے ذمہ باقی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ ۵۵۹** روزے کی حالت میں سرمہ لگانا یا تیل منہ ہاتھ، پاؤں پر ملنا خوشبو کا تیل عطر وغیرہ لگانا، پھول سونگھنا۔ ناس سونگھنا۔ مسواک کرنا۔ کوئلہ یا مسی اور منجن سے دانت صاف کرنا درست ہے یا نہیں۔

**الجواب:** سرمہ اور تیل لگانا جائز ہے جبکہ مقصود زینت نہ ہو اور بقصد زینت ہو تو مکروہ تنزیہی۔ خوشبو لگانا اور سونگھنا بھی جائز ہے یوں ہی مسواک کرنا جائز بلکہ مسنون ہے منجن جس میں ذائقہ محسوس ہوتا ہو استعمال نہ کرے۔ درمختار میں ہے لا یکرہ دہن شارب ولا کحل اذا لم یقصد الزینۃ ود لا سواک ولو عشیا او رطبا بالماء علی المذہب اور ناس سونگھنے سے روزہ جاتا رہے گا۔ کذا فی التنویر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** (۵۶۰) مرسلہ حافظ محمد احمد عرف جہانگیر صاحب فتح پور تال نرجا ۲۶ رمضان ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مفسد اعتکاف بے عذر خروج از حد مسجد یعنی جہاں تک مسجد کا احاطہ ہو جیسے ہمارے یہاں کی مسجد کے سامنے حجرہ وغیرہ ہے یا کہ خروج از اصل مسجد جہاں تک نماز پڑھی جاتی ہے اور اعلان وقت سحری کے لئے گھنٹہ وغیرہ بجانا عذر ہے یا نہیں نماز اعتجار ٹوپی کی عدم موجودگی میں مکروہ تحریمی ہے یا مطلق اعتجار مکروہ تحریمی ہے۔ زید اعتراض کرتا ہے کہ بہار شریعت میں (مسئلہ مرغی تازہ رطوبت وار انڈا اور بکری کا فوری پیدا شدہ بچہ پانی میں گر کر زندہ نکل آیا پانی ناپاک نہ ہوگا) غلط ہے اولاً تو مطلق پانی میں لکھا جیسے گھڑے لوٹے کا پانی بھی شامل تھا ثانیاً اگر کنوئیں کا پانی مراد ہے کہ کنوئیں کے بیان میں ہے تو بھی مذکورہ چیزیں نجس ہیں ان کی نجاستیں پانی میں مل کر ضرور پانی کو نجس کریں گی۔

Marfat.com

**الجواب** ۔ فنائے مسجد جو جگہ مسجد سے باہر اس سے ملحق ضروریات مسجد کے لئے ہے مثلاً جوتا اتارنے کی جگہ اور غسل خانہ وغیرہ ان میں جانے سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔ بلا اجازت شرعیہ اگر نکل کر باہر چلا گیا تو اعتکاف ٹوٹ جائیگا فنائے مسجد اس معاملہ میں حکم مسجد میں ہے سحری کے اعلان کے لئے فنائے مسجد میں جا سکتا ہے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹوپی پہنے رہنے کی حالت میں اعتجار ہوتا ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ اعتجار اسی صورت میں ہے کہ عمامہ کے نیچے کوئی چیز سر کو چھپانے والی نہ ہو۔

بہار شریعت کے مسئلہ پر جس نے اعتراض کیا اس کو چاہئے تھا کہ کسی کتاب کا حوالہ دیکر اس کے مسئلہ کو غلط کہتا آپ کو چاہئے تھا کہ اس معترض سے دریافت کرتے کہ تم جو اس کو غلط کہتے ہو تمہارے پاس کیا ثبوت ہے یوں تو ہر شخص کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہے غلط کہہ دے مگر ثبوت دیتے وقت حال معلوم ہوتا ہے، خیر ہم حوالہ دیتے ہیں۔ فتاویٰ قاضیخاں میں ہے (بیضۃ) امام اذا سقطت من الدجاجۃ فی مرقۃ او ماء لایفسد ذالک الماء وکذا السخلۃ اذا سقطت من امہا ووقعت فی الماء مبتلۃ لایفسد اوکذا الانفحۃ اذا اخرجت من الشاۃ بعد موتہا یعنی انڈا اگر مرغی سے نکل کر شوربا یا پانی میں گر پڑا تو وہ فاسد نہ ہوگا اور ایسے ہی بکری کا بچہ اپنی ماں سے نکل کر پانی میں گر پڑا تو پانی فاسد نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

# کتاب الحج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**مسئلہ** (۵۶۱) مرسلہ جناب عبدالرحمٰن صاحب از محمد آباد گوہنہ ضلع اعظم گڈھ ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۵۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکر جو کہ ہندہ کا نامحرم ہے اپنی بیوی اور بہو کو ہمراہ لیکر حج کرنے جا رہا ہے ہندہ کا بھی ارادہ ہے کہ میں بھی انھیں لوگوں کے ساتھ چلی جاؤں، عمر و اعتراض کرتا ہے کہ تم نامحرم کے ساتھ نہیں جا سکتی لہٰذا مت جا۔ ہندہ کہتی ہے کہ میں بکر کی بیوی اور بہو کے ساتھ جاؤں گی تنہا بکر کے ساتھ نہیں تو صورت بالا میں ہندہ بغرض حج بیت اللہ شریف ان لوگوں کے ساتھ جا سکتی ہے یا نہیں۔

ھو اختار ما فی الظہیریۃ واما ما قال العلامۃ السید الطحطاوی فی حاشیۃ المراقی ۔ المراد انہ مکشوف عن العمامۃ لا مکشوف الکل لانہ فعل ما لایفعل اھ ففیہ نظر ظاہر لان کثیرا من جفاۃ الاعراب یلفون المندیل والعمامۃ حول الراس مکشوف الہامۃ بغیر قلنسوۃ [illegible]

Marfat.com

**الجواب** ۔ عورت کو بغیر شوہر یا محرم سفر کرنا حرام ہے حدیث میں ہے ولا تسافرن امرأۃ الا ومعہا محرم فقال رجل یا رسول اللہ اکتتبت فی غزوۃ کذا وکذا وخرجت امرأتی حاجۃ قال اذہب فاحجج مع امرأتک یعنی ارشاد فرمایا کہ بغیر محرم عورت سفر نہ کرے ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ فلاں جنگ میں جانے کے لئے میرا نام لکھا جاچکا ہے اور میری عورت حج کو جانا چاہتی ہے فرمایا کہ اپنی عورت کے ساتھ حج کو چلے جاؤ۔ ہندہ کا یہ عذر کہ میں بکر کے ساتھ نہیں جاتی ہوں بلکہ اسکی بی بی یا بہو کے ساتھ جاتی ہوں، نامسموع ہے کیونکہ بہرصورت بغیر محرم اس کا سفر ہوگا اور اسی کی حدیث میں ممانعت آئی۔ درمختار میں ہے ومع زوج او محرم بالغ عاقل مع وجوب النفقۃ لمحرمہا علیہا لامرأۃ فی سفر۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے و منہا المحرم للمرأۃ شابۃ کانت او عجوزا اذا کانت بینہا وبین مکۃ مسیرۃ ثلثۃ ایام ھٰکذا فی المحیط۔

بالجملہ ہندہ کو اس طرح جانا ناجائز ہے جاتی ہے ثواب کے لئے اور ہر قدم پر گناہ کرتی ہے اس حج سے کیا فائدہ۔ واللہ اعلم

**مسئلہ** (۵۶۲) از پالی مارواڑ مرسلہ عثمان غنی ولد عبدالرحمٰن جی سوجت والے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید صاحب نصاب ہے اور اس پر حج فرض ہے۔ اور یہ حج کرکے آگیا۔ اور اب پھر حج کرنے کا ارادہ کیا اور ساتھ میں اپنے بڑے لڑکے اور اسکی عورت کو لے جانا چاہتا ہے۔ اور زید کے تین لڑکے اور لڑکیاں سب اپنے والد کے شامل رہتے ہیں اور لڑکیوں کو شادی کرکے سسرال بھیجدی۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کے انتقال کے بعد یہ بڑا لڑکا جس کو زید اپنے ساتھ حج کیلئے لے گیا تھا، اس کا حج فرض ادا ہوجائے گا۔ یا کہ زید کے انتقال کے بعد اب انھوں نے اس مال کو تقسیم کیا۔ اور تینوں کے پاس اتنا مال آیا کہ حج فرض ہوجاتا ہے۔ اور باپ کے ساتھ بھیجنے میں دونوں بھائی راضی تھے۔ اور یہ بڑا لڑکا حج کے واسطے جائے تو احرام باندھنے کی نیت کس طرح کرے۔ آیا اس پر اب حج فرض ہوگا یا پہلا حج کافی ہے۔

**الجواب** ۔ زید اپنے بڑے لڑکے کو اگر اپنے ساتھ حج کو لے جاتا ہے اگر وہ لڑکا بالغ ہے تو اس کا حج حج فرض ادا ہوگا اور حج فرض ہی کی اس کو نیت باندھنی چاہئے۔ زید کے انتقال کے بعد اس کے تینوں لڑکے کے حصہ میں اگر اتنا مال آیا کہ ان پر حج کا ادا کرنا فرض ہو تو پہلا لڑکا جس نے حج فرض ادا کرلیا ہے۔ اس کے اوپر پھر حج کرنا ضروری نہیں کہ حج فرض ادا ہوگیا۔ اور اب جو حج کرے گا وہ حج نفل ہوگا۔ باقی دونوں لڑکے جنھوں نے حج نہیں کیا ہے ان پر حج کرنا لازم ہوگا۔ وہو اعلم

**مسئلہ** (۵۶۳) مرسلہ حاجی عبداللطیف ایوب صاحب ۵ رجب ۴۲ھ۔

گذارش یہ ہے کہ ہندوستان سے جب لوگ حج کے لئے جاتے ہیں تو قران یا تمتع یا مفرد کسی خاص کی نیت نہیں

Marfat.com

ہوتی۔ بلکہ ہم کو یہ مسائل معلوم ہی نہ تھے صرف مطلق حج کے ارادے سے روانہ ہوتے ہیں اور جو اس میں کرنا پڑتا ہوگا وہ کریں گے اور یلملم سے احرام باندھتے ہیں اور مکہ معظمہ پہونچ کر پہلا طواف کرکے سعی اور حلق یا تقصیر کراکر احرام کھول دیتے ہیں اور مہینہ یا کچھ زیادہ کم ذی الحجہ کی مدت باقی ہوتی ہے تو اس درمیانی مدت میں بغیر حالت احرام کے جماع کرنے سے حج فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں۔ بہار شریعت حج کے بیان میں اکثر جگہوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احرام باندھنے سے وقوف عرفہ تک درمیان میں جماع کرنے سے حج فاسد ہوجاتا ہے۔ اور جدید احرام باندھنے سے بھی اس سال قضا نہیں ہوسکتی۔ اور یہ بھی بہار شریعت میں ہے کہ وقوف عرفہ سے پہلے قارن کا لبیک ختم نہیں ہوسکتا تو میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ طواف قدوم اور سعی کرکے احرام کھولنے کے بعد بھی جماع کرنے سے حج فاسد ہوا یا نہیں۔ فاسد ہوگیا کیونکہ احرام تو کھول دیا ہے۔

**الجواب** ۔ گھر سے تو حج کے لئے جاتے ہیں اور حج کرتے بھی ہیں، مگر یلملم کے قریب یا جہاں سے احرام باندھا اس وقت کس چیز کا احرام باندھا۔ اگر صرف عمرہ کا باندھا[1] تو طواف وسعی کرکے حلق یا تقصیر کرکے احرام سے خارج ہوگیا اور اگر حج یا حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھا ہے تو طواف وسعی کے بعد حلق یا تقصیر جائز نہیں نہ یہ دونوں رمی سے پہلے احرام سے باہر ہوسکتے ہیں، اگر حلق وتقصیر کریں گے تو دم لازم ہوگا۔ احرام کھولنے کے یہ معنی نہیں کہ تہبند وچادر کی جگہ سلے ہوئے کپڑے پہن لئے جائیں۔ بلکہ تمام ارکان ادا کرکے حلق یا تقصیر کرنا ہے۔ اور اگر پہلے ہی حلق یا تقصیر کردیا تو احرام سے خارج نہ ہوا بلکہ محظور وممنوع میں مبتلا ہوا اور کپڑے سلے ہوئے پہنے تو اس کا بھی جرمانہ واجب اور وقوف عرفہ سے پیشتر جماع کیا تو حج فاسد اگرچہ احرام کے کپڑے اُتار چکا ہو حلق وغیرہ کرچکا ہو یہ شخص ان افعال سے احرام سے خارج نہ ہوا بلکہ ممنوع اور حرام میں مبتلا ہوا اس فرض اہم کو ادا کرنے چلا، اتنے مصارف اٹھائے، صعوبتیں برداشت کیں اور کسی جاننے والے سے اتنا بھی نہ پوچھا کہ احرام کس کا نام ہے اور کیونکر اور کب کھلتا ہے تو اسے حج فاسد کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ مگر اس زمانہ میں ہر شخص اپنے کو عالم سمجھتا ہے، علماء سے ہر شخص کو استغنا ہے اس کا نتیجہ سوائے اس کے کیا ہوگا کہ عبادات بھی صحیح نہ ہوں گی، کوئی بالکل معمولی مقدمہ بغیر مشورہ وکیل کے نہیں لڑایا جاتا مگر شریعت کے احکام اہل علم سے نہیں پوچھتے وہاں اگرچہ جانتے ہوں اپنے کو عاجز تصور کرتے ہیں اور یہاں اگرچہ نہیں جانتے اپنے کو ماہر وقابل ٹھہراتے ہیں۔ وجہ یہ کہ اس میں نفع ونقصان یہیں معلوم ہوجائے گا۔ اور یہاں

[1] حج کرنے کی تین صورتیں ہیں:۔ قران، تمتع، افراد۔ میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھا جائے۔ اشہر حج میں عمرہ کرکے فارغ ہوجائیں اور پھر حرم سے احرام باندھ کے حج کریں یہ تمتع ہے۔ میقات سے حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھیں یہ قران ہے۔ میقات سے صرف حج کا احرام باندھیں۔ یہ افراد ہے۔ ہر ایک کے تفصیلی احکام الگ ہیں جو بہار شریعت حصہ ششم سے معلوم کریں۔
واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

Marfat.com

آخرت میں حال کھلے گا مولیٰ تعالیٰ نے آپ کے شوق کو زیادہ کرے کہ آپ کو علم دین سے دلچسپی ہے بات کے سمجھنے کا قصد ہے واللہ الموفق وہو تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۵۶۴) از پالی مارواڑ مرسلہ عثمان غنی ولد عبدالرحمن جی سوجت والے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حج کرنے کے واسطے یہاں سے شعبان میں روانہ ہوسکے تو ہندیوں کے واسطے میقات دریا میں آجاتی ہے تو اب یہ احرام باندھ کر آگے جائے تو اس وقت یعنی احرام باندھنے کے وقت کیا نیت کرنی چاہیے۔

**الجواب**۔ اگر شعبان مہینہ میں حج کے لئے جاتا ہے اور اس کا ارادہ پہلے مکہ معظمہ ہی جانے کا ہے تو میقات سے عمرہ کا احرام[۱] باندھ کر جائے اور عمرہ کے ارکان ادا کرکے احرام کھول ڈالے رمضان شریف میں عمرہ کرنے کا بہت بڑا ثواب ہے حدیث میں ارشاد فرمایا عمرۃ فی رمضان حجۃ معی یعنی رمضان میں عمرہ ایسا ہے جیسا میرے ساتھ حج کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** (۵۶۵) مسئولہ ولایت حسین خیاط محلہ بہار پور بریلی ۵ رجب ۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کی جانب سے مبلغ چار سو روپے برائے حج بدل عمرو عازم حج کو دے کر کہا کہ جو شخص تمہاری نظر میں معتبر ہو اسکو حج بدل کے واسطے آمادہ کرکے اپنے ہمراہ لے جاؤ چنانچہ عمرو نے وہ رقم لیکر زید سے کہا کہ اس میں سے جو کچھ پس انداز ہوگا وہ میں واپس دونگا اور اگر بیس تیس روپے زائد صرف ہوں گے وہ میں اپنے پاس سے خرچ کروں گا اور بکر کو ساتھ لیکر مکہ معظمہ زاداللہ شرفا وتعظیما روانہ ہوا بکر نے قران کا احرام باندھا بعد فراغ ارکان حج کے بسبب کمی خرچ مدینہ طیبہ کی حاضری میں تردد پیدا ہوا اور معا بکر کو یہ حدیث مبارکہ من حج ولم یزرنی فقد جفانی یاد آئی اور نیز اس امر کا خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ زید کہیں معترض نہ ہو کہ تم مدینہ طیبہ کیوں نہیں گئے اور حج ناقص کیا تو کیا جواب ہوگا بس اس بارے میں عمرو سے مشورہ کیا۔ عمرو نے فوراً ایک خط واسطے روانگی خرچ زید کو بھیجا اور درصورت عدم حصول جواب اور انتظار مناسب کے عمرو نے بکر سے کہا کہ اگر تم مدینہ طیبہ چلنا چاہتے ہو تو بسم اللہ چلو اور خرچ مجھ سے لو وطن پہنچکر مجھے دیدینا۔ بکر نے منظور کیا اور حسب وعدہ بعد مراجعت سفر حرمین شریفین وطن آکر منح

---

[۱] یہ حکم آسانی کے لئے ہے۔ اگر شعبان میں جانے والا تمتع کرنا چاہے گا تو اسے شوال تک حالت احرام میں رہنا پڑے گا۔ اور اگر قران کرے یعنی حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھے یا افراد کرے صرف حج کا احرام باندھے تو اسے دس ذی الحجہ تک حالت احرام میں رہنا پڑیگا۔ یہ بہت دشوار ہے اسلئے صرف عمرے کے احرام باندھنے کا مشورہ دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی۔

Marfat.com

ایک سو پانچ روپئے کے سو روپے ادا کئے۔ اور فہرست کل صرف اخراجات حسب الطلب زید کے پاس بھیجدی اور زبانی بھی بیان کردیا مگر زید نے محض خاموشی اختیار کی اور زائد خرچ ادا نہیں کیا۔ صورت مسؤلہ میں شرعاً زید علاوہ رقم چارسو روپئے کے صرف زائد کا دین دار ہے یا نہیں۔ اور بکر پانے کا مستحق ہے یا نہیں فقط۔ بینوا توجروا

**الجواب** ۔ جبکہ زید نے صرف حج کے لئے کہا اور مدینہ طیبہ کے اخراجات زید نے اپنے ذمے نہیں لئے، تو یہ اخراجات جو مدینہ طیبہ کے آنے جانے میں خرچ ہوئے زید پر یہ دینا لازم نہیں، بکر نے عمرو سے قرض یہ روپئے لئے اب بکر ہی اپنے پاس سے یہ روپئے ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

# فہرست مضامین فتاویٰ امجدیہ


| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| **کتاب الطہارۃ** | |
| **باب الوضوء از ص۳ تا ص۱۰** | |
| میدان محشر میں لوگوں کے اعضائے وضو روشن ہوں گے | ۳ |
| وضو میں اسراف نار کا حکم | ۴ |
| حضور کتنے پانی سے وضو کرتے تھے | " |
| مکوک کی مقدار ڈیڑھ صاع ہے | " |
| وضو میں مسح کرنا بھول گیا اور اعضائے وضو خشک ہونے کے بعد یاد آیا تو اب صرف مسح کر لینا کافی ہے | ۵ |
| حدیث "این باتت یدہ" کی جامع تشریح | ۶ |
| بعد وضو میانی تر کرنا دافع وسوسہ ہے | ۷ |
| اثنائے وضو کلام دنیا مکروہ ہے | " |
| اثنائے وضو سلام کا جواب دیا جائے | |
| بہار شریعت دوم کے ایک مسئلہ کی تنقیح | ۸ |
| اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کر لینا مستحب ہے۔ | ۹ |
| اونٹ کا گوشت کھانا بعض ائمہ کے نزدیک ناقض وضو ہے | " |
| بے وضو درود شریف پڑھنا جائز ہے | " |
| نابالغ بچوں سے پانی بھروانا جائز نہیں ہاں اگر وہ نوکر ہے تو درست ہے | ۱۰ |
| **باب الغسل از ص۱۰ تا ص۱۳** | |

| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| جس پر غسل کرنا فرض تھا وہ کلی کرنا بھول گیا تو پاک نہ ہوا ہاں اگر بعد میں اس نے کلی کر لی تو اب جدید غسل کی ضرورت نہیں | ۱۰ |
| چھٹی کے دن غسل کر لینے سے نجاست حقیقیہ زائل ہو جاتی ہے | ۱۱ |
| پانی پی لینے سے منہ کی جنابت دور ہو جاتی ہے | ۱۲ |
| حالت جنابت میں سلام کرنا اس کا جواب دینا اور کھانا پینا کیسا ہے | " |
| سحری کا وقت تنگ ہو تو جنب وضو کر کے کھائے اس سے بھی تنگ ہو تو کلی کرے | " |
| چند بار ہمبستری کی ہو جب بھی ایک ہی غسل کافی ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ وضو کے بعد دوسری ہمبستری کرے | " |
| بیوی کے سامنے برہنہ ہونا جائز ہے لیکن کمال حیا کے خلاف ہے | ۱۳ |
| ہندو جب اسلام لانے کا ارادہ کرے تو غسل کرے | " |
| جس پر غسل فرض ہے وہ قرآن مجید کی تلاوت کے علاوہ سارے اذکار کر سکتا ہے | " |
| حالت جنابت میں قرآن پڑھنا اس کا چھونا اور مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے | " |
| **باب المیاہ از ص۱۳ تا ص۲۰** | |
| بے وضو کا کوئی عضو پانی سے لگ جائے تو پانی | |

| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| مستعمل ہو جائیگا بخلاف حائض ونفساء کے | ۱۳ |
| مستعمل ہونے کیلئے رفع حدث کی نیت شرط نہیں۔ | ۱۴ |
| بہشتی کا بھرا ہوا پانی مستعمل نہیں ہے | ۱۵ |
| بہ نیت تقرب پانی کا استعمال کرنے سے بھی پانی مستعمل ہو جاتا ہے | " |
| مستعمل پانی کا پینا مکروہ ہے | ۱۶ |
| ماء مستعمل غیر مستعمل سے ملجائے اور غیر مستعمل غالب ہو تو وہ مطہر ہے | " |
| لوٹے کی ٹوٹی سے پانی پینے سے پانی مستعمل نہیں ہوگا۔ | ۱۷ |
| اعضاء پر جو تری باقی رہتی ہے وہ مستعمل نہیں ہے | " |
| اٹھانے اور رکھنے میں اگر بے وضو کا ہاتھ گھڑے اور لوٹے میں پڑ جائے تو وہ ماء مستعمل ہو جائے گا | " |
| نل کا پانی بلا کراہت پینا جائز ہے | " |
| ماء مستعمل طاہر غیر مطہر ہے | ۱۸ |
| ماء مستعمل اگر حوض میں گر گیا تو حوض ناپاک نہ ہوگا پھر بھی اس سے بچا چاہئے | " |
| دہ در دہ حوض میں نجس چیز گرنے سے پانی نجس نہیں ہوگا | " |
| نجس پانی کو ماء مستعمل سے پاک کرنیکا طریقہ | ۱۹ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| جب برتن میں نجاست پڑگئی تو پانی نجس ہوگیا اگرچہ اوصاف نہ بدلیں | ۱۹ |
| بے پرواہی سے بے وضو کا پانی میں ہاتھ پڑنا مستعمل کے لئے مانع نہیں۔ | ۲۰ |
| **فصل البئر از ص۲۰ تا ص۲۷** | |
| مینڈک اگر کنویں میں مرجائے یا پھول پھٹ جائے تو کیا حکم ہے | ″ |
| تیسیرا اسی پر فتویٰ ہے کہ جب سے کنویں میں نجاست گرنے کا علم ہوا کنواں ناپاک ہے | ۲۱ |
| جس کنویں کا پانی ٹوٹتا نہ ہو اس کو کس طرح پاک کیا جائے۔ | ″ |
| کنویں میں جوتا گر گیا تو کیا حکم ہے | ۲۲ |
| چمار نے کنویں سے پانی بھرا اور غسل کیا تو کیا حکم ہے۔ | ″ |
| عین نجاست نکالنے کے بعد کنویں کا کل پانی نکالا جائے۔ | ۲۳ |
| کنویں میں اگر مینگنی، اوپلا اور گوبر گر جائے تو کنواں پاک ہے یا ناپاک۔ | ″ |
| چھچھوندر اور کوے کے گر جانے سے کنویں سے کتنا پانی نکالا جائے گا۔ | ″ |
| کنویں میں کچھوا مرا اور پھول پھٹ گیا یہاں تک کہ پانی سے بدبو آنے لگی تب بھی پانی پاک ہے پھر بھی تطییب قلب کے لئے اتنا پانی نکلوا دیا جائے کہ بدبو ختم ہوجائے۔ | ۲۴ |
| کنویں سے اگر چھپا ہوا اگر گٹ نکلا کل پانی نکالا جائے گا۔ | ″ |
| ناپاک کنویں کا کل پانی بیک وقت نکالنا ضروری نہیں وقفہ سے بھی نکال سکتے ہیں | ۲۴ |
| ہنود اگر کنویں میں داخل ہوں تو کیا حکم ہے | ۲۵ |
| مسلمان پابند صوم وصلوٰۃ اگر کنویں میں داخل ہو تو کیا کرنا چاہئے۔ | ″ |
| ڈھیلے سے استنجا کرکے اگر کوئی مسلمان کنویں میں داخل ہوا تو کیا حکم ہے۔ | ″ |
| عورتوں کو لہنگا پہن کر کنویں سے پانی بھرنے میں کوئی حرج نہیں۔ | ۲۶ |
| محض شبہہ کی وجہ سے نجاست کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ | ″ |
| کنویں میں کوا گرا اور سڑ کر مٹی ہوگیا کنواں پاک ہے۔ | ″ |
| کوئی چیز نجاست لگنے سے ناپاک ہوئی اور کنویں میں گر گئی تو اگر اسکا نکالنا دشوار ہے تو پانی نکالنے کے بعد طہارت کا حکم دے دیا جائے گا۔ | ۲۷ |
| کوئی بچہ والی عورت کنویں میں گری اور ہوش وحواس کے ساتھ باہر آگئی اگر اس کے کپڑے اور بدن پاک ہیں تو کل پانی نکالا جائے گا ورنہ صرف بیس ڈول۔ | ″ |
| **باب مسح الخفین از ص۲۷ تا ص۲۸** | |
| جو سوتی اونی موزے آجکل پہنے جاتے ہیں ان پر مسح کافی نہیں | ۲۷ |
| موزے کے مسح میں صحیح اور معذور کا ایک حکم ہے | ۲۷ |
| مسح کی مدت مسافر کیلئے تین دن تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات ہے | ۲۷ |
| حدث کے وقت سے مسح کی مدت شمار ہوگی | ″ |
| **باب الحیض از ص۲۸ تا ص۲۹** | |
| حالت حیض میں ناف سے گھٹنوں تک کسی بھی مقام سے استمتاع حرام ہے | ۲۸ |
| فرج خارج کی رطوبت ناپاک نہیں ہے | ″ |
| **فصل المعذور از ص۲۹ تا ص** | |
| جس کو ہر وقت پیشاب کا قطرہ آتا رہتا ہے وہ کس طرح نماز پڑھیگا۔ | ۲۹ |
| بواسیر والے کو اگر ہر وقت رطوبت خارج ہوتی رہتی ہے تو وہ معذور ہے | ۳۰ |
| معذور ایک وقت میں ایک وضو سے جتنی نمازیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔ | ″ |
| معذور ہونے کے لئے کیا ضروری ہے | ″ |
| معذور کا وضو خروج وقت سے ٹوٹ جاتا ہے | ″ |
| **باب الانجاس از ص۳۰ تا ص۳۹** | |
| دھوبی کو ناپاک کپڑا دیا تو دھل کر پاک ہوجائیگا | ۳۱ |
| دھوبی کو پاک کرکے کپڑا دینا بہتر ہے۔ | ″ |
| راستے کی کنکریاں پاک ہیں | ″ |
| ندی کے کنارے ریت کا میدان زمین کے حکم میں ہے۔ | ۳۲ |
| نجس کنکریوں پر کپڑا وغیرہ بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں | ″ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| علماء کرام نے راستے کی کیچڑ کو عفو لکھا ہے | ۳۲ |
| جنب کا پسینہ پاک ہے | ״ |
| روئی دھنکنے سے پاک ہوجائیگی جب کہ نجس روئی اڑ گئی ہو۔ | ۳۳ |
| پلنگ کے باندھ ادھیڑنے سے پاک نہ ہونگے | ״ |
| جمی ہوئی چربی سے کتے نے کھالیا تو جہاں سے کھایا پھینک دیں باقی پاک ہے۔ | ״ |
| بگلے کی بیٹ پاک ہے۔ | ״ |
| مسجد کو گندگی سے بھی بچانا چاہیئے۔ | ۳۴ |
| کبوتر، مینا، فاختہ کی بیٹ پاک ہے اور کوا، چیل کی نجاست خفیفہ۔ | ״ |
| ناپاک چربی سے اگر صابون بنایا گیا ہو تو اس کا استعمال درست نہیں ہے | ״ |
| کمزور آدمی کا نچوڑا ہوا کپڑا طاقتور آدمی کے لئے پاک نہیں ہے۔ | ۳۵ |
| نجاست مرئیہ کی طہارت کیلئے ازالہ شرط ہے۔ | ״ |
| کوئی ناپاک کپڑا حوض کبیر یا بہتے پانی میں دھویا گیا اور اسپر کافی پانی بہا دیا گیا تو وہ پاک ہے اسکے لئے نچوڑنا شرط نہیں۔ | ۳۵ |
| ہنود کے ہاتھ میں قرآن مجید نہ دیا جائے۔ | ۳۶ |
| پانی صاف کرنے اور کیڑے مارنے کے لئے جو دوا کنویں میں ڈالی جاتی ہے اس سے پانی ناپاک نہ ہوگا۔ | ۳۷ |
| ولایتی رنگوں کے ناپاک ہونیکا کوئی ثبوت نہیں۔ | ۳۸ |
| ناپاک رنگ سے رنگی ہوئی چیز دھونے سے پاک ہوجائیگی | ۳۸ |
| کنویں میں جانور کے گرنے کا علم نہ ہو تو اسکی نجاست کے بارے میں دو قول ہیں | ״ |
| استعمالی جوتا پاک ہے۔ | ۳۹ |
| غسل خانے میں پیشاب کرنا مکروہ ہے | ״ |
| غسل خانے کا فرش پاک ہے تو اس پر لوٹا رکھ سکتے ہیں۔ | ״ |
| ٹاٹ کے پاک کرنے کا طریقہ | ״ |
| **باب الاستنجاء از ص ۳۹ تا ۴۱** | |
| ڈھیلے سے استنجاء کرنا سنت ہے اور ڈھیلے کے بعد پانی کا استعمال کرنا افضل ہے | ۴۰ |
| غسل خانے میں پیشاب کرنے سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے | ״ |
| نجاست حقیقیہ کی طہارت کے لئے ہر جگہ پانی کا ہونا ضروری نہیں ہے | ״ |
| تیمم صرف نجاست حکمیہ کا مزیل ہے | ۴۱ |
| **کتاب الصلوٰۃ** | |
| **باب فضائل الصلوٰۃ ۴۱ تا ۴۵** | |
| جو شخص قصداً نماز ترک کرے وہ بعض صحابہ وائمہ کے نزدیک کافر ہے | ״ |
| نماز نہ پڑھنے والوں کی سزا قید ہے۔ | ״ |
| روز قیامت سب سے پہلے نماز کا حساب دینا ہوگا | ״ |
| امر بالمعروف واجب ہے۔ | ۴۲ |
| گناہ کرنے سے آدمی نہ کافر ہوتا ہے نہ سنی ہونے سے خارج ہوتا ہے۔ | ״ |
| لڑکے اور لڑکی پر کس عمر میں نماز فرض ہوتی ہے | ۴۳ |
| ایک حدیث کے بارے میں۔ | ۴۵ |
| فضائل نماز کی چند احادیث کی تحقیق۔ | ״ |
| **باب الاوقات از ص ۴۶ تا ص ۵۱** | |
| ہمارے مذہب میں جمع بین الصلاتین جائز نہیں۔ | ۴۶ |
| ظہرین وعشائین کے وقتوں کا بیان۔ | ۴۷ |
| سایۂ اصلی موسم وبلد کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔ | ״ |
| حنفیہ کے نزدیک جمعہ وظہر کا وقت ایک ہے | ۴۸ |
| عرفات میں ظہر وعصر ساتھ پڑھنے کے لئے امام کی معیت شرط ہے لیکن مزدلفہ میں مغرب وعشا ساتھ پڑھنے کیلئے یہ شرط نہیں | |
| افضل یہ ہے کہ اوقات مکروہہ میں قرآن کی تلاوت نہ کیجائے۔ | ״ |
| کوئی شخص نماز فجر میں تھا کہ آفتاب طلوع ہوگیا نماز جاتی رہی البتہ نماز عصر میں اگرچہ آفتاب غروب ہوجائے نماز ہوجائے گی۔ | ۵۰ |
| جمعہ کے دن مطلقاً بوقت استوار نماز پڑھنی ممنوع ہے۔ یہی امام اعظم کا قول ہے | ״ |
| بہار شریعت میں "ان بلاد" سے مراد بریلی شریف اور اسکے مماثل علاقے ہیں۔ | ۵۱ |
| جہاں شفق ڈوبتے ہی فجر طلوع کرتے وہ بلغار اور لندن کا علاقہ ہے۔ | ۵۰، ۵۱ |
| **باب الاذان والاقامۃ از ص ۵۲ تا ص ۶۲** | |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| اذان میں اشہدان محمد رسول اللہ پر انگوٹھا چومنا مستحب ہے | ۵۲ |
| جو شخص بہ نیت ثواب صحیح طریقہ سے اذان وتکبیر کہہ سکتا ہے اسے منع نہیں کرنا چاہئے | ״ |
| نابالغ بچہ اگر ہوشیار ہے تو بلا کراہت اذان دے سکتا ہے۔ | ״ |
| فاسق کی اذان مکروہ ہے | ״ |
| قبل از وقت اذان، اذان نہیں اگرچہ اذانِ فجر ہو۔ | ۵۳ |
| ظہر وعشار کی جماعت جو بغیر اذان قائم کی گئی مکروہ ہے اس کا اعادہ بہتر ہے۔ | ״ |
| اصح یہ ہے کہ اذان سنت مؤکدہ ہے | ״ |
| حیّ علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا امام اعظم کا مسلک ہے۔ | ۵۴ |
| صبح صادق بلکہ تمام اوقات روزمرہ مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ | ״ |
| جو اذان وقت سے پہلے ہوئی دوبارہ وقت میں دیجائے گی۔ | ״ |
| اذان مئذنہ پر ہونی چاہئے اگر مئذنہ نہ ہو تو کسی اونچی جگہ دیجائے۔ | ۵۵ |
| جس طرف نمازیوں کی تعداد زیادہ ہو اس طرف اذان دینا بہتر ہے۔ | ״ |
| عوام میں جو مشہور ہے کہ اذان بائیں طرف ہونی چاہیۓ بالکل غلط ہے۔ | ״ |
| تسویہ صفوف اور قیام عند حی علی الفلاح میں اصلاً کوئی منافاۃ نہیں۔ | ״ |
| "جبتک کہ امام مصلیٰ پر نہ پہونچ جائے تکبیر نہ کہی جائے" یہ قول بے اصل ہے۔ | ۵۵ |
| تثویب کہنا کیسا ہے اور اسکے الفاظ کیا ہیں۔ | ۵۶ |
| بعض ائمہ اذان کے وجوب کے قائل ہیں | ۵۷ |
| اذان کا ترک کرنا موجب اثم ہے۔ | ״ |
| اذان شعائر اسلام سے ہے۔ | ״ |
| اذان کہنے کے لیے موذن کو نوکر رکھا گیا اگر وہ وقت پر اذان نہ کہے تو علیٰحدہ کردیا جائے۔ | ״ |
| حیّ علی الصلوٰۃ وحیّ علی الفلاح کے وقت قیام پر ایک نفیس بحث۔ | ۵۸ |
| مولوی ابراہیم صاحب بنارسی کے وہم کا ازالہ | ۶۱ |
| جبتک اذان کا حکم نہ ہوا تھا صحابہ کرام خود وقت کا لحاظ کرکے حاضر جماعت ہوجایا کرتے | ۶۲ |
| اذان میں انگوٹھا چومنے کا ثبوت | ۶۳ |
| اذان ثانی کے متعلق ایک مفید بحث | ۶۴ |
| اذان کی دعا کے بعد الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ وغیرہ کہنا جائز وافضل ہے | ۶۵ |
| مسجد میں مغرب کے بعد تسبیح کرنے سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیوں منع فرمایا۔ | ۶۶ |
| اذان کے وقت کھڑا رہے یا بیٹھ جائے اختیار ہے۔ | ۶۷ |
| تکبیر کے وقت امام کا مصلیٰ پر ہونا ضروری نہیں ہے۔ | ״ |
| درود شریف کیلئے کوئی معین وقت نہیں ہے | ۶۷ |
| اس طرف اذان دیجائے جس طرف آبادی کو زیادہ سنائی دے | ۶۸ |
| بعد اذان اللّٰہم ربّ ہٰذہ الدعوۃ التامۃ الخ کو قصداً چھوڑنا محرومی کی دلیل ہے۔ | ״ |
| **باب شروط الصلوٰۃ از ۶۸ تا ۷۰** | |
| خانہ کعبہ کے قبلہ ہونے کا ثبوت قرآن کی روشنی میں۔ | ״ |
| کعبہ معظمہ سے ۴۵ درجہ سے زیادہ منحرف ہونے سے استقبال قبلہ فوت ہوجاتا ہے۔ | ۷۰ |
| نماز میں قطب تارہ کا داہنے شانے پر ہونے کا مطلب۔ | ״ |
| **باب اماکن الصلوٰۃ ص ۷۰** | |
| امام مصلے پر ہو اور مقتدی کے نیچے کچھ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ | ״ |
| مصلے کے اوپر قالین کی جانماز بچھا سکتے ہیں | ״ |
| **باب صفۃ الصلوٰۃ از ۷۱ تا ۸۵** | |
| سنت وفرض کے درمیان کلام کرنے سے ثواب میں کمی ہوجاتی ہے۔ | ۷۱ |
| بعد فرض وسنن ونوافل امام کا دعا مانگنا اور قوم کا آمین کہنا جائز ہے۔ | ״ |
| بعد سنت ونوافل فاتحہ پڑھنا اور امام کا بلند آواز سے الفاتحہ کہنا جائز ہے۔ | ״ |
| مقتدی ثنار کے بعد تعوذ وتسمیہ پڑھے | ۷۲ |
| دعا کا آہستہ ہونا بہتر ہے۔ | ״ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| ثنا میں لَا اِلٰہَ غَیْرُکَ پر انگشت شہادت اٹھا سکتے ہیں | ۷۲ |
| "اللہ سنیوں کی لاج رکھے" اس طرح کی دعا مانگنا جائز ہے۔ | ۷۳ |
| یہ کہنا "عرب والے تمہاری دعا کی پرواہ نہیں رکھتے" غلط ہے۔ | ″ |
| اعلیٰحضرت بکثرت سنیوں کیلئے دعا فرماتے تھے۔ | ″ |
| دعائے قنوت میں لا الشرک کی لا پر انگشت شہادت نہیں اٹھانا چاہئے۔ | ″ |
| سنت غیر مؤکدہ میں درود و دعا اور تیسری رکعت کے اول میں تعوذ پڑھنا چاہئے۔ | ″ |
| بعد ختم اقامت نماز شروع کرنا چاہئے یہی صحیح ہے۔ | ۷۴ |
| نماز میں درود شریف پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ | ۷۵ |
| جمعہ و شب جمعہ میں درود شریف پڑھنا محبوب و پسندیدہ ہے۔ | ″ |
| فرض کے بعد امام کا دائیں بائیں یا مقتدیوں کی طرف منہ کرنا تینوں صورتیں احادیث سے ثابت ہیں | ۷۶ |
| جس نماز کے بعد سنتیں ہیں اس میں سلام کے بعد زیادہ تاخیر کو ہمارے فقہاء مکروہ فرماتے ہیں۔ | ۷۷ |
| دعا مانگتے ہوئے کھڑا ہو جانا حدیث و فقہ دونوں کے خلاف ہے۔ | ۷۸ |
| غنیہ کی عبارت میں جلوس سے مراد جلوس طویل ہے۔ | ۷۹ |
| بیٹھ کر نماز پڑھنے میں رکوع کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ پیشانی گھٹنوں کی سمت میں آجائے۔ | ″ |
| رکوع کے اندر الصاق کعبین سنت نہیں ہے۔ | ۸۰ |
| زیر ناف ہاتھ باندھنے میں نفس کو مغلوب کرنا ہے۔ | ″ |
| ما بین سجدتین اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ الخ پڑھنا مسنون ہے۔ | ″ |
| فرائض کے بعد سنن پڑھنے میں کچھ فاصلہ کرنا چاہئے۔ | ۸۱ |
| درمختار کی ایک عبارت کا مطلب | ۸۳ |
| ذکر جہر کی مختلف صورتیں ہیں بعض حالتوں میں جائز و بہتر اور بعض میں مکروہ ہے۔ | ″ |
| جو اذکار احادیث میں ہیں وہ افضل ہیں۔ | ۸۴ |
| اَللّٰہُ اجل و اعظم سے بھی تحریمہ ہو جائے گا مگر ایسا کرنا مکروہ ہے | ″ |
| السلام علیکم کی جگہ سلام علیکم کہنا خلاف سنت و مکروہ ہے۔ | ″ |
| قرآن مجید میں لفظ "السلام" آیا ہے۔ | ۸۴ |
| سجدہ میں زمین پر پیشانی کا جمنا فرض ہے اور ناک کی ہڈی کا واجب۔ | ″ |
| عورتوں کو بھی سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں لگانا چاہئے۔ | ۸۵ |
| **باب اماکن الصلوٰۃ ص۸۵** | |
| مصلیٰ کس طرح بچھانا چاہئے۔ | ″ |
| **باب القراءۃ از ص۸۵ تا ص۱۰۱** | |
| قرآن مجید مطلقاً صحیح پڑھنا فرض ہے۔ | ۸۶ |
| جو شخص قرآن مجید صحیح پڑھنے پر قادر نہیں ہے اسکے پیچھے قادر کی نماز نہیں ہو سکتی ہے | ″ |
| جو صحیح پڑھنے پر قادر نہیں ہے وہ صحیح پڑھنے کی پوری کوشش کرے۔ | ″ |
| ترتیل کی قرارت کا حکم۔ | ″ |
| جس شخص نے صحیح پڑھنے کی کوشش کی تو ازمانہ کوشش کی نماز ہو جائے گی۔ | ۸۸ |
| مطلقاً اعرابی غلطیاں مفسد نماز نہیں۔ | ۸۹ |
| بغیر فقہ کی مدد کے احادیث پر عمل کرنا مجتہد کا کام ہے۔ | ″ |
| مقلد کیلئے مجتہد کا قول سند ہے۔ | ″ |
| قرارت میں کسی سورہ کا متعین کرلینا مکروہ ہے۔ | ۹۰ |
| مغرب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سورۂ اعراف پڑھنا اظہار جواز کے لئے ہے۔ | ۹۱ |
| تراویح میں ایک بار جہر سے بسم اللہ کہنا سنت ہے۔ | ″ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| فَمَا يُكَذِّبُكَ کی جگہ فَمَنْ يُكَذِّبُكَ پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ | ۹۲ |
| مقتدی نہ فاتحہ پڑھے نہ سورہ۔ | ″ |
| وصل و فصل اور وقف و سکتہ کے مسائل | ۹۳ |
| ہمارے لئے امام اعظم کا مسلک کافی ہے | ″ |
| قرارت میں ترتیب کا لحاظ رکھنا چاہئے یا نہیں۔ | ″ |
| زید نے فرض کی نیت کی اور بجائے دو رکعت کے تین رکعت بھری پڑھ گیا تو اب چوتھی بھری پڑھنے کی ضرورت نہیں نماز ہوگی | ۹۶ |
| کسی نے اگر غیر عربی زبان میں نماز پڑھ لی تو نماز نہ ہوگی ہاں اگر مجبوری ہے تو ہو جائیگی | ″ |
| ظہر کی سنتوں میں چاروں رکعت بھری پڑھی جائیں۔ | ۹۷ |
| بعد سورہ فاتحہ اگر کسی نے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الآیۃ پڑھلی نماز ہوگئی | ″ |
| تین چھوٹی آیتوں کی مثال فقہاء نے ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ سے دی ہے۔ | ″ |
| نماز میں اگر تیس حروف کی ایک آیت پڑھلی واجب ادا ہوگیا۔ | ″ |
| سورۂ کوثر میں لفظ کوثر پر اگرچہ وقف نہیں کیا کوئی حرج نہیں۔ | ۹۸ |
| تنہا نوافل پڑھنے میں دو سورتیں جمع کرسکتا ہے۔ | ″ |
| اگر درمیان میں بڑی سورت ہے تو اسکو چھوڑکر دوسری سورت کا پڑھنا درست ہے | ۹۸ |
| واجب کی ادائگی کیلئے تین چھوٹی آیتوں کی مقدار ہونا ضروری ہے۔ | ۹۹ |
| تین وقتوں میں قرارت جہری اور دو وقتوں میں قرارت سری کا کیوں حکم دیا گیا۔ | ۱۰۰ |
| اللہ تعالیٰ کا ہر حکم مصلحت سے ہوتا ہے | ″ |
| پہلی رکعت میں سورہ والتین دوسری میں سورہ انا انزلناہ پڑھنے سے بلا کراہت نماز ہو جائے گی۔ | ″ |
| سورہ فاتحہ میں سات جگہ شیطان کا نام آیا ہے۔ یہ قول بالکل غلط ہے۔ | ۱۰۱ |
| **باب الامامۃ از ص۱۰۱ تا ص۱۶۲** | |
| جب امام کو معلوم ہے کہ یہ مال چوری کا ہے پھر اسے لوگوں کے علم میں علانیہ استعمال کرتا ہو تو امامت سے معزول کر دیا جائے | ۱۰۲ |
| حافظ اگر تارک صلوٰۃ ہے تو فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ | ″ |
| امام سے متعلق چار عیوب کے بارے میں استفتا | ۱۰۳ |
| محض دنیاوی مخاصمت کی بنا پر عالم کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور جماعت میں تفریق کرنا ناجائز ہے۔ | ۱۰۵ |
| امام نے زانیہ سے نکاح کیا اور وہ زانیہ تائب ہوگئی تو شوہر کی امامت میں کوئی قباحت نہیں | ۱۰۶ |
| مٹی دینے کے بعد جو کچھ ہاتھ میں خاک لگی ہے اسکے متعلق امام نے کہدیا "دھو ڈالو" اتنی سی بات مانع امامت نہیں۔ | ″ |
| نابینا شخص کی امامت مکروہ تنزیہی ہے | ۱۰۷ |
| زید نے بکر کو زہر دیکر مار ڈالا تو وہ فاسق و فاجر ہے اسکو امام بنانا گناہ اور اسکے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ | ″ |
| وہابیوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔ | ۱۰۸ |
| قبرستان میں ایسی جگہ نماز پڑھنا جہاں قبریں آگے ہوں ناجائز و منع ہے۔ | ″ |
| محض دنیاوی عداوت کی بنا پر امامت میں کراہت کا حکم ہے یا نہیں۔ | ۱۱۲ |
| امامت کا مستحق وہ ہے جو طہارت و نماز کے مسائل کا زیادہ علم رکھتا ہے | ۱۱۳ |
| حافظ نہ ہونے کی بنا پر امام کو معزول کرنا جائز نہیں۔ | ″ |
| جب کمیٹی نا اہل ہے تو اسے امام کے عزل و نصب کا اختیار نہیں۔ | ″ |
| داڑھی منڈانے والا فاسق معلن ہے اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ | ۱۱۴ |
| امام حی محلہ کی مسجد کے امام کو کہتے ہیں | ۱۱۵ |
| جو صرف جمعہ پڑھانے کے لئے امام ہو وہ امام جمعہ ہے۔ | ″ |

Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| ادہام بعیدہ قابل اعتبار نہیں۔ | ۱۱۶ |
| امام کیلئے حافظ ہونا نہ شرط ہے نہ واجب | ۱۱۷ |
| مشائخ بلخ کے نزدیک تراویح وسنن ونوافل میں نابالغ کی امامت درست ہے | ″ |
| امام نے اپنے اوپر عائد کئے گئے الزامات سے جب برات ظاہر کردی اور توبہ بھی کرلی تو اب اسکے پیچھے نماز نہ پڑھنا روا ہے | ۱۱۸ |
| کسی بدمذہب کو امام بنانا ناجائز و گناہ ہے۔ | ۱۱۹ |
| جس طرح ممکن ہو فوراً بدمذہب کو امامت سے علٰحدہ کریں ورنہ دوسری جگہ نماز پڑھیں۔ | ۱۲۰ |
| امام جب مرگیا یا وہ امامت سے دست بردار ہوگیا تو اسکی امامت ختم ہوگئی۔ | ۱۲۱ |
| کسی مسلمان کو تکلیف دینا حرام ہے۔ | ″ |
| جماعت سے نماز پنجگانہ ترک کرنے کی جس کی عادت ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ | ″ |
| سودی اسٹامپ لکھنے والا فاسق ہے۔ | ۱۲۲ |
| امام کے ساتھ نیک گمان کرنا چاہئے۔ | ″ |
| اگر امام کے بدعقیدہ ہونے کا غالب گمان ہو تو اقتدا نہ کرے۔ | ″ |
| امام اگر سجدہ میں انگلی نہ جماتا ہو تو اس کی اقتدا درست نہیں۔ | ۱۲۳ |
| جھوٹی گواہی دینا حرام وکبیرہ ہے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ | ۱۲۳ |
| حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ کی خادمہ کہنا کفر نہیں ہے ایسے کہنے والے کے پیچھے بلاکراہت نماز درست ہے۔ | ۱۲۴ |
| امام کے یہاں کی عورتیں بے پردہ نکلتی ہیں اور امام ان کو منع نہیں کرتا ہے تو اسکے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ | ۱۲۵ |
| لوگ اگر عالم کو امام نہیں بناتے ہیں تو برا کرتے ہیں۔ | ″ |
| تعیین امام و مؤذن کا حق بانی مسجد یا اس کی اولاد کو ہے۔ | ۱۲۶ |
| اجرت پر تراویح میں ختم پڑھوانا ناجائز ہے لیکن نذرانہ دینے میں کوئی حرج نہیں | ″ |
| بعض وہ افعال واقوال جنکی بنا پر امام کو علٰحدہ کرنا واجب ہے۔ | ۱۲۷ |
| ایک شخص نماز میں آہ، اُوہ کرتا ہے کبھی روتا ہے کبھی ہنستا ہے تو ایسے شخص کی امامت کیسی ہے۔ | ۱۲۸ |
| مستحق امامت اگرچہ کسی قوم سے ہو اسکی امامت درست ہے۔ | ″ |
| ہندؤں کی رخنہ اندازی پر امام معین کے ہوتے ہوئے دوسرے امام کو لیکر نماز عید پڑھنا ناجائز ہے۔ | ۱۲۹ |
| عمامہ باندھکر نماز پڑھنا افضل ہے۔ | ۱۳۰ |
| [redacted] | ۱۳۱ |
| جب امام صحیح نہیں پڑھتا ہے تو اسے امام بنانا درست نہیں۔ | ″ |
| امرد کے پیچھے جبکہ وہ خوبصورت ہو نماز مکروہ ہے۔ | ۱۳۲ |
| فاسق وفاجر ہونے کی بعض صورتیں۔ | ۱۳۳ |
| بعض وہ باتیں اگر نماز میں پائی جائیں تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ | ۱۳۴ |
| امام اگر قرآن مجید یاد کرنے کے لئے روزہ نہیں رکھتا ہے تو حرام وفسق ہے۔ | ۱۳۶ |
| افضل یہ ہے کہ تراویح کی ہر رکعت میں پوری سورت پڑھی جائے۔ | ″ |
| جو لوگ امام کو غلط لقمہ دیکر خود امام بننا چاہتے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں۔ | ″ |
| جو شخص بلانکاح وطلاق کسی لڑکی کو رکھے اس کی امامت ناجائز ہے۔ | ″ |
| ایسی بارات جس میں دف بجایا جائے اسمیں شرکت کرنے والے کی امامت درست ہے۔ | ۱۳۷ |
| چشمہ لگاکر امامت کرنا جائز ہے | ″ |
| چین والی گھڑی لگاکر نماز پڑھنا مکروہ ہے | ″ |
| جھوٹ بولنے، گالی دینے، اور امانت میں خیانت کرنے والوں کو امام مقرر کرنا جائز نہیں | ۱۳۸ |
| امام کے لڑکوں نے اگر زنا کیا تو امام ان سے علٰحدگی اختیار کرے۔ | ″ |

Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| جو شخص قرآن شریف غلط پڑھتا ہو اسکی امامت درست نہیں۔ | ۱۳۹ |
| متنفل مفترض کا امام نہیں ہو سکتا ہے۔ | ″ |
| امام بدخصلت ہو تو اسکو معزول کر دیا جائے۔ | ۱۴۰ |
| جو اکبر کی "را" کو دال پڑھے اس کی امامت درست نہیں۔ | ۱۴۱ |
| امام اس طرح قرارت کرتا ہے کہ معنی فاسد ہو جائے تو اسکو امام بنانا درست نہیں۔ | ″ |
| سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ | ۱۴۲ |
| امامت میں وراثت نہیں چلتی ہے۔ | ″ |
| امام ایسا ہونا چاہیے جو فواحش سے بچا ہو | ۱۴۴ |
| امام جب مالک نصاب نہیں ہے اور اس نے صدقہ فطر وغیرہ لیا تو اسکی امامت میں کوئی قباحت نہیں۔ | ″ |
| جو شخص امام پر بے جا الزام لگائے مسلمانوں کو چاہیے کہ اس سے مقاطعہ کریں۔ | ″ |
| امام نے نماز قضا کی جس کی وجہ سے اوروں کو بھی قضا کرنے کا حیلہ مل گیا تو سب توبہ کریں اگر امام نے توبہ نہیں کیا تو اسکو امامت سے معزول کر دیا جائے۔ | ۱۴۵ |
| عالم کی موجودگی میں بے علم کو امام نہیں بنانا چاہیے۔ | ۱۴۶ |
| امام جب کفری کلمات سے برأت ظاہر کرتا ہے تو اسکی امامت درست ہے۔ | ۱۴۸ |
| زانی کی امامت ناجائز ہے۔ | ″ |
| امام اگر عشاء سے قبل سو جائے تو اسکی امامت میں کوئی حرج نہیں۔ | ۱۴۸ |
| امام اگر بھنگ پینے والوں سے بھنگ کی تجارت کرتا ہے تو اسکو امام نہ بنایا جائے۔ | ″ |
| جو شخص بلا نکاح عورت کو رکھے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ | ۱۴۹ |
| امامت نماز کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں | ″ |
| کمپنی کے فارم سے نفع حاصل کرنا سود ہے | ۱۵۴ |
| لاٹری ایک قسم کا جوا ہے۔ | ۱۵۵ |
| امام جب علانیہ کمپنی کے فارم اور لاٹری وغیرہ سے نفع حاصل کرتا ہے تو فوراً اسکو امامت سے معزول کیا جائے۔ | ″ |
| مسئلہ امامت میں حافظ پر عالم کو ترجیح ہے۔ | ″ |
| بلا وجہ شرعی امام معتبر کو علیحدہ کرنا جائز نہیں۔ | ۱۵۶ |
| امام کی صرف توبہ کافی نہیں جب تک کے حقوق العباد نہ ادا کرے۔ | ″ |
| توبہ کے بعد بھی معزول امام کو مقرر امام کی جگہ مقرر نہیں کر سکتے جبتک کہ وہ جگہ خالی نہ ہو جائے۔ | ″ |
| زید اگر حروف کو مخارج سے نہیں ادا کرتا ہے تو اسکی امامت درست نہیں | ۱۵۷ |
| ترتیل کے چند معانی مفسرین نے بیان کیے ہیں۔ | ۱۵۸ |
| جس پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے اگر امام کی اجازت سے پڑھا دی تو ادا ہو گی | ۱۵۹ |
| امام اگرچہ مذہب نہیں کرتا ہے نماز ہو جائیگی | ″ |
| امام کا بدمذہب ہونا معلوم نہیں ہے تو اسکی اقتدا کر سکتے ہیں۔ | ۱۶۰ |
| جس کھلونے پر اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھا گیا اگر کوئی اسے حرام اور مثل خنزیر کہے تو اس کی امامت باطل محض ہے۔ | ″ |
| ایسا کوٹ جو کفار و فجار کی وضع ہے اسکو پہننے سے احتراز کرنا چاہیے خصوصاً امامت کے وقت۔ | ۱۶۰ |
| جو سیاہ خضاب لگانے کا عادی ہے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ | ″ |
| ولد الزنا کی امامت کیوں مکروہ ہے۔ | ۱۶۱ |
| جو شخص افیون کھانے کا عادی ہے اسکے پیچھے نماز مکروہ واجب الاعادہ ہے اور مسجد میں اس مسئلہ کا اعلان کر دینا جائز و مستحسن ہے۔ | ۱۶۲ |
| تمبا کو اگرچہ حد تفتیر کو نہ پہونچے تو تمبا کو کھانے والے کی امامت میں کوئی حرج نہیں۔ | ″ |
| جماعت کے لئے امام معین کا انتظار کیا جائے گا۔ | ″ |
| کسی دوسرے کو اگرچہ وہ علم و فضل میں زیادہ ہو امام معین کی اجازت کے بغیر امام بنانا منع ہے۔ | ″ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| افیون کی قلیل مقدار جو حدِ تفتیر کو نہ پہونچے دواءً کھانا جائز ہے۔ | ۱۶۲ |
| **باب الجماعۃ از ص۱۶۲ تا ص۱۸۶** | |
| بلاضرورت محراب میں امام کا تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ | ۱۶۳ |
| بلاضرورت مقتدیوں کو دَروں میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ | ؍؍ |
| اگر ایک مقتدی ہے تو امام کے دائیں کھڑا ہو، اگر دو ہیں تو پیچھے کھڑے ہوں ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر تین دائیں بائیں کھڑے ہوگئے تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ | ؍؍ |
| فجر کا فرض پڑھنے کے بعد جماعت قائم ہوئی تو اب اسمیں شریک ہونا جائز نہیں ہے۔ بلکہ وہ مسجد سے چلا جائے اگرچہ اقامت ہو چکی ہو۔ | ۱۶۴ |
| جماعت میں شامل ہونے کے لئے دوڑنا منع ہے۔ | ۱۶۵ |
| مرد صف اول میں شامل ہوں۔ | ؍؍ |
| حقیقۃً محراب وسط مسجد کا نام ہے۔ | ۱۶۶ |
| جماعت اگر صحن میں قائم ہو تو امام کو وسط صف کے محاذی کھڑا ہونا چاہئے | ؍؍ |
| امام کو چاہئے کہ اپنی جگہ سے ہٹ کر سنت و نفل پڑھے۔ | ؍؍ |
| امام راتب کی جماعت، جماعت اولیٰ ہے صف پوری ہونے کے بعد جب کوئی آیا تو کیا کرے۔ | ۱۶۷ |
| سجدہ سہو کے تشہد میں اقتدا صحیح ہے۔ | ؍؍ |
| اہلسنّت کی جماعت میں غیر مقلدین شریک ہو جائیں تو قطع صف ہے | ۱۶۸ |
| عید کی دوسری جماعت ناجائز ہے۔ | ؍؍ |
| اس انتظار میں کچھ حرج نہیں کہ جو لوگ وضو کر رہے ہیں شریک جماعت ہو جائیں۔ | ؍؍ |
| ترک واجب کی بنا پر نماز کا اعادہ کرنیوالے کی اقتدا درست نہیں۔ | ۱۶۹ |
| دعا میں امام کا ساتھ دینا ضروری نہیں ہے | ؍؍ |
| امام کی اقتدا کب درست ہے۔ | ؍؍ |
| ایک مسجد میں جمعہ وعید کی متعدد جماعتیں نہیں ہو سکتیں۔ | ۱۷۰ |
| جب ہجڑا مرد ہے تو وہ مردوں ہی کی صف میں کھڑا ہوگا۔ | ؍؍ |
| ہجڑے کے جنازہ میں مرد و عورت کا کچھ فرق نہیں۔ | ؍؍ |
| اقتدا کیلئے امام و مقتدی کا مکان واحد میں ہونا ضروری ہے۔ | ۱۷۱ |
| جذامی اور سفید داغ والے اگر جماعت میں شامل ہو جائیں تو نماز میں کوئی خرابی نہیں۔ | ۱۷۲ |
| کھانسی اور دمے والوں کو جماعت میں شامل ہونے سے روکنا کیسا ہے۔ | ؍؍ |
| جس شخص کے دروازے پر مسجد ہے اسکو جماعت چھوڑنا بہت معیوب ہے۔ | ۱۷۳ |
| دَروں میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ | ۱۷۴ |
| محلہ کی مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ جماعت ثانیہ مکروہ ہے ہاں اگر راستہ کی مسجد ہو یا جس مسجد میں امام و مؤذن مقرر نہ ہوں تو انمیں جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہے | ؍؍ |
| مسجد میں فرض پڑھنا سنت ہے۔ | ۱۷۵ |
| صف پر سنت پڑھ سکتے ہیں۔ | ؍؍ |
| مقتدی کے بیٹھنے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو وہ شامل جماعت نہ ہوا | ؍؍ |
| حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا امام و جماعت سب کے لئے مستحب و ضروری ہے۔ | ۱۷۶ |
| **فصل المسبوق از ص۱۷۶ تا ص۱۸۰** | |
| مسبوق پورا تشہد پڑھکر اٹھے اور نماز مکمل کرے۔ | ؍؍ |
| اقتدا کے لئے کسی بھی جزء نماز میں شرکت ضروری ہے۔ | ۱۷۷ |
| منفرد کے لئے جہر سے نماز پڑھنا اولیٰ ہے۔ | ۱۷۸ |
| مسبوق جہر سے نماز نہ پڑھے۔ | ؍؍ |
| مسبوق بھی سورہ ملائے گا۔ | ؍؍ |
| مسبوق نے اگر امام کو رکوع میں پایا تو وہ کس طرح امام کی اقتدا کریگا۔ | ؍؍ |
| نماز کا اعادہ اسی طرح کیا جائیگا جس طرح فرض پڑھتے ہیں۔ | ۱۷۹ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| عیدین میں جسکی پہلی رکعت چھوٹ گئی اب وہ کس طرح نماز مکمل کرے | ۱۷۹ |
| مسبوق امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ میں درود و دعا نہ پڑھے۔ | ۱۸۰ |
| **باب الاستخلاف ص۱۸۱** | |
| امام مقیم نے اگر مسافر کو خلیفہ کر دیا تو وہ بھی چار ہی پڑھے گا۔ | ۱۸۱ |
| **باب مفسدات الصلوٰۃ از ص۱۸۱ تا ص۱۹۲** | |
| جنت و نار کے ذکر پر اگر گریہ طاری ہوا اور آہ، اُف، وغیرہ الفاظ زبان سے نکل گئے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ | " |
| مقتدی نے امام کو صحیح لقمہ دیا اور امام نے لے لیا تو مقتدی کی نماز فاسد ہوگی نہ امام کی۔ | ۱۸۲ |
| جب زید نے نماز میں شرکت کرلی تو وہ امام کو لقمہ بھی دے سکتا ہے۔ | " |
| ہینگے سے بھی نماز ہو جائے گی۔ | " |
| ستر عورت نماز کے لئے ضروری ہے۔ | ۱۸۳ |
| کوئی شخص نماز میں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمالیا تو فوراً جواب دینا واجب ہے۔ اور اس سے نماز بھی باطل نہ ہوگی۔ | ۱۸۴ |
| آئینہ سامنے ہو تو نماز میں کراہت نہیں | " |
| نماز میں قرآن شریف دیکھکر قراءت کرنا مفسد نماز ہے۔ | ۱۸۵ |
| مصلے کے آگے سے گذرنا گناہ ہے لیکن اس سے نماز نہیں فاسد ہوگی۔ | " |
| امام کو غلطی پر متوجہ کرنے کے لئے سبحٰن اللہ یا اللہ اکبر کہنا جائز ہے۔ | ۱۸۷ |
| سجدہ میں ایک انگلی کا پیٹ لگانا ضروری ہے ورنہ سجدہ نہ ہوگا۔ | " |
| عورت کی محاذات مطلقاً مفسد نماز ہے | " |
| جس غلطی سے فساد معنیٰ لازم آئے اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ | " |
| لقمہ دینے والے اور سننے والے دونوں کی نماز درست ہے اگر لقمہ صحیح ہے۔ | ۱۸۹ |
| انگریزی بوٹ جوتے کو پہنکر نماز پڑھنا کیسا ہے۔ | " |
| اگر نجاست قدر درہم سے زیادہ ہو تو نماز نہ ہوگی۔ | " |
| تاڑ کی چٹائی پر نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ | ۱۹۰ |
| آلہ مکبر الصوت سے خطبہ سننے میں کوئی حرج نہیں لیکن اسکی آواز پر رکوع و سجود کرنا مفسد نماز ہے۔ | " |
| ریڈیو سے خطبہ سننا جائز ہے تو اسکی کیا دلیل ہے۔ | ۱۹۱ |
| کیا ایک وقت کی نماز قصداً ترک کرنے سے ساری نمازیں اکارت ہو جائیں گی۔ | " |
| سورۂ زلزال میں پہلی جگہ شَرًّا یَّرَہٗ اور دوسری جگہ خَیْرًا یَّرَہٗ کسی نے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ | ۱۹۲ |
| خطبہ کی حالت میں آلہ مکبر الصوت لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ | " |
| امام کے سلام پھیرنے کے وقت جو لوگ رکوع و سجدہ میں تھے اگر ان لوگوں نے ارکان و واجبات مکمل کر کے سلام پھیر دیا تو نماز ہوگئی ورنہ نہیں۔ | " |
| **باب مکروہات الصلوٰۃ از ص۱۹۲ تا ص۲۰۰** | |
| اگر وقت تنگ ہو تو سنت ترک کر کے فرض ادا کرے۔ | ۱۹۳ |
| ہرن کے چمڑے پر جس طرف چاہے سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ | " |
| لنگوٹ باندھکر بلا کراہت نماز پڑھنا جائز ہے۔ | " |
| کپڑے ہونیکی صورت میں نیم آستین یا بنیائن پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے | " |
| امام کا بلند جگہ کھڑا ہونا مکروہ ہے جبکہ بلندی حد امتیاز کو پہونچ جائے۔ | ۱۹۴ |
| امام جانماز پر ہے اور مقتدی کے پاس جانماز نہیں تو اسمیں کوئی کراہت نہیں | " |
| امام مسجد کے دالان کے در میں ہو اور مقتدی باہر ہوں تو اقتدا صحیح ہے مگر کراہت ہے | " |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| موزہ پہنکر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں | ۱۹۴ |
| مقتدی کے سر پر عمامہ ہے اور امام کے سر پر نہیں تو اس میں کوئی کراہت نہیں | ۱۹۵ |
| امام سے پہلے رکوع و سجود کرنا ناجائز اور نماز مکروہ ہے۔ | ″ |
| جس حد کی بلندی سے نماز مکروہ ہوتی ہے اسمیں تین قول ہیں۔ | ″ |
| کافر و مشرک کے یہاں کی کسی چیز کا ہونا نجس ہونے کے لئے ضروری نہیں۔ | ۱۹۶ |
| آگے اگر جگہ ہے تو امام بڑھ جائے ورنہ مقتدی پیچھے آجائے۔ | ″ |
| گھڑی اگر چمڑے کے تسمہ یا فیتہ سے بندھی ہو تو نماز میں کوئی کراہت نہیں | ″ |
| ننگے سر نماز پڑھنا بقصد عجز و انکسار نہ ہو تو مکروہ ہے۔ | ۱۹۸ |
| امام کی معیت کیلئے واجبات ترک نہیں کئے جائیں گے۔ | ″ |
| صرف ٹوپی پہنکر امامت کرنا نہ حرام ہے نہ مکروہ تحریمی نہ تنزیہی۔ | ″ |
| صف اول میں جگہ ہوتے ہوئے دوسری صف میں کھڑا ہونا مکروہ و ممنوع ہے۔ | ۱۹۹ |
| ٹوپی پر اگر کوئی کپڑا تین پیچ لپیٹ دیا جائے تو وہ عمامہ کے حکم میں ہے۔ | ″ |
| بغیر کسی وجہ کے مسجد میں آکر بیٹھ جانا پھر کھڑا ہونا محض لغو ہے۔ | ″ |
| امام کو کسی غلطی پر سبحان اللہ کے بجائے اللہ اکبر کہکر آگاہ کرنے میں کوئی حرج نہیں | ۲۰۰ |
| امام صرف تنہا سائبان کے اندر ہو تو کراہت لازم آئے گی۔ | ″ |
| بلا وجہ امام کا سنت مؤخر کرنا خلاف سنت ہے۔ | ″ |
| **باب الوتر والنوافل از صـ۲ تا صـ۲۴۴** | |
| جس نے رمضان میں تنہا نماز عشا پڑھی وہ وتر کی جماعت میں نہ شریک ہو۔ | ۲۰۱ |
| دعائے قنوت کی جگہ سورۂ اخلاص پڑھنے سے واجب نہیں ادا ہوگا۔ | ″ |
| بعد سلام وتر تین بار سبحٰن الملک القدوس کہنا سنت ہے۔ | ″ |
| جس کو آخر شب میں بیدار ہو جانے کا اعتماد ہو وہ تہجد کے بعد وتر پڑھے۔ | ۲۰۲ |
| وتر کی تیسری رکعت میں قنوت کے وقت ہاتھ لٹکانا ثابت نہیں بلکہ ہاتھ کھولکر کانوں تک لیجائیں پھر باندھ لیں۔ | ″ |
| تکبیر قنوت میں ہاتھ اٹھانے کی کیا وجہ ہے۔ | ۲۰۳ |
| **رسالہ** | |
| **التحقیق الکامل فی حکم قنوت النوازل** | |
| **از صـ۲۰۳ تا صـ۲۳۲** | |
| دعائے قنوت میں حنفیہ و شافعیہ کے اختلافات | ۲۰۴ |
| وتر میں دعائے قنوت کا قبل رکوع ہونا احادیث کی روشنی میں | ″ |
| قنوت بعد رکوع ہونے پر شافعیہ کا استدلال اور اس کا جواب۔ | ۲۰۴ |
| قنوت فجر کے متعلق ائمہ حنفیہ کے دو قول ہیں | ۲۰۵ |
| قول اول، فجر والی حدیث منسوخ ہے۔ | ″ |
| قول ثانی، قنوت فجر نازلہ کیساتھ خاص ہے | ″ |
| حنفیہ کے دو قولوں میں تطبیق۔ | ۲۰۶ |
| بعض ائمہ کے نزدیک قنوت فجر سے مراد طول قیام ہے۔ | ″ |
| حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز فجر میں صرف ایک مہینہ کیلئے قنوت بعد الرکوع کا پڑھنا ثابت ہے۔ | ″ |
| علامہ طحطاوی کے قول کی تنقیح۔ | ″ |
| امام شافعی مطلقاً قنوت بعد الرکوع کے قائل ہیں۔ | ۲۰۷ |
| علامہ شامی کا قول قابل نظر ہے۔ | ″ |
| صاحب فتح القدیر و بدائع الصنائع کی تحقیق۔ | ″ |
| احادیث میں جو قنوت فجر کا ذکر آیا ہے اس سے مراد قنوت نازلہ فی الفجر ہے۔ | ″ |
| محل قنوت قیام ہے نہ کہ قومہ۔ | ۲۰۸ |
| اگر حنفی نماز فجر میں شافعی کی اقتدا کرے تو کیا کرے۔ | ″ |
| علامہ شامی کے قول کی مزید تنقیح۔ | ۲۰۹ |
| جب ہمارا مذہب قنوت قبل الرکوع ہے تو نازلہ کی صورت میں بھی قنوت قبل الرکوع رہے گا۔ | ″ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| نازلہ کی صورت میں بھی دعائے قنوت ہاتھ باندھکر پڑھی جائے۔ | ۲۰۹ |
| ہاتھ چھوڑنے اور باندھنے کے متعلق قاعدہ کلیہ۔ | ۲۱۰ |
| مختار قول یہی ہے کہ دعائے قنوت آہستہ پڑھی جائے۔ | ″ |
| امام اعظم وصاحبین کے نزدیک نازلہ کی صورت میں دعائے قنوت پڑھنے کی کیا صورت ہے۔ | ۲۱۱ |
| کثیر احادیث سے نماز فجر میں قنوت پڑھنا ثابت ہے۔ | ″ |
| بعض حدیثوں میں نماز مغرب وعشار میں بھی قنوت پڑھنا آیا ہے۔ | ″ |
| حدیثوں میں وارد لفظ یسیرا کا مطلب | ″ |
| حضور نے کیوں اور کب سے نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھا۔ | ۲۱۲ |
| نماز فجر میں کتنے دنوں تک حضور نے قنوت پڑھا۔ | ۲۱۵ |
| دعائے قنوت سے متعلق احادیث کی تحقیق وتشریح۔ | ″ |
| مسئلۂ قنوت اقوال صحابہ کی روشنی میں۔ | ۲۲۳ |
| بعض حضرات صحابہ قنوت کے بالکل قائل نہیں تھے۔ | ۲۲۶ |
| قدمائے حنفیہ کے اقوال کا استفاد۔ | ″ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| اقوال صحابہ کی تنقیح۔ | ۲۲۷ |
| البحر الرائق کی ایک عبارت کی تنقیح | ۲۲۸ |
| مسئلہ قنوت اقوال فقہا کی روشنی میں | ″ |
| حنفیہ کے نزدیک قول محقق کیا ہے۔ | ۲۳۰ |
| ان دنوں بھی ائمہ مساجد قنوت نازلہ پڑھیں تو کوئی حرج نہیں۔ | ۲۳۱ |
| حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز فجر میں اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ الخ پڑھا ہے۔ | ″ |
| مشہور دعائے قنوت کے بعد اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ الخ بھی پڑھے۔ | ″ |
| بغیر عذر نماز نفل کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے۔ | ۲۳۳ |
| بیٹھکر پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے۔ | ″ |
| مسجد میں پہونچ کر پہلے بیٹھنے کی ضرورت نہیں بغیر بیٹھے نماز پڑھیں۔ | ۲۳۴ |
| کھڑے ہو کر نفل پڑھنے میں جو ثواب ہے وہ بیٹھکر پڑھنے میں نہیں لیکن بعض لوگوں نے وتر کے بعد کے نفل کا استثنا کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ | ″ |
| بہتر یہ ہے کہ فرض عشار کے بعد سنت میں دو رکعت پر سلام پھیر دے اگر سلام نہ پھیرا اور دو رکعتیں اور ملالیں جب بھی نماز ہوگئی۔ | ″ |
| تراویح میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا سنت ہے۔ | ۲۳۵ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| تراویح میں اگر کسی نے چار رکعت پر سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے۔ | ۲۳۶ |
| تراویح میں ہر چار رکعت پر چار رکعت کی قدر وقفہ کرے۔ | ۲۳۷ |
| تراویح میں ہر دو رکعت پر سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ بھی پڑھے اور تعوذ وتسمیہ بھی۔ | ۲۳۸ |
| اگر مقتدیوں پر گراں ہو تو قعدہ اخیرہ میں امام دعا ترک کر سکتا ہے اور درود میں اختصار۔ | ″ |
| ترویحہ میں ذکر ودعا ودرود وتلاوت وسکوت سب جائز ہے۔ | ″ |
| اٹھتے وقت بلند آواز سے درود شریف پڑھ سکتے ہیں۔ | ″ |
| شبینہ تراویح سے متعلق چند مسائل۔ | ۲۳۹ |
| تسمیہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے جو فصل سُوَر کیلئے نازل کی گئی۔ | ۲۴۱ |
| اختلاف سے بچنے کے لئے تراویح میں ایک مرتبہ جہر سے تسمیہ پڑھلینا بہتر ہے۔ | ″ |
| چونکہ سورۂ اخلاص ثلث قرآن کا ثواب رکھتی ہے اسی لئے تراویح میں اسکو تین بار پڑھنا مستحب بتایا گیا۔ | ۲۴۲ |
| تراویح میں ہر سورت کے شروع میں تسمیہ جہر سے نہ پڑھے۔ | ″ |
| تتمیم ختم کے لئے کسی ایک سورت کے شروع میں جہر سے تسمیہ پڑھ لینا کافی ہے۔ | ۲۴۳ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| عشاء پڑھکر اگر سویا نہ ہو تو تہجد نہیں۔ | ۲۴۳ |
| صلوٰۃ اللیل تہجد سے عام ہے۔ | ״ |
| علی سبیل التداعی نفل کی جماعت مکروہ ہے | ״ |
| صلوٰۃ الاوابین میں علماء کے دو قول ہیں | ۲۴۴ |
| **باب احکام المسجد از صفحہ ۲۴۴ تا صفحہ ۲۶۹** | |
| بلا وجہ شرعی نہ مسجد ترک کرے نہ جماعت میں تفریق ڈالے۔ | ״ |
| مسجد کے قریب خصوصاً جب مسلمان نماز میں مشغول ہوں باجا بجانا مسلمانوں کی دل آزاری اور تشویش نمازیاں ہے | ۲۴۵ |
| مسجد میں کھانا پینا اور سونا غیر معتکف کے لئے جائز نہیں۔ | ״ |
| نماز جمعہ کیلئے مسجد جامع مسجد محلہ سے افضل ہے۔ | ״ |
| خطبہ علمی کے ایک شعر کا مطلب۔ | ۲۴۶ |
| مسجد میں جائز ومباح باتیں بھی منع ہیں اور وہ نیکیوں کو کھا جاتی ہیں۔ | |
| جب لوگ نماز پڑھ رہے ہوں وہاں بلند آواز سے تلاوت نہیں کرنا چاہیے۔ | ۲۴۷ |
| مسجد کی چھت پر بلاضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔ | ״ |
| بلاشبہہ مسجد میں تلاوت قرآن اور درود شریف پڑھنا جائز و مستحسن ہے۔ | ״ |
| بلاضرورت مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے | ۲۴۹ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| جو جگہ مسجد کی توسیع کیلئے خریدی گئی جب تک اُسے مسجد نہ کر دیں مسجد نہیں ہے۔ | ۲۴۹ |
| مسجد کرنے کے لئے عمارت بنانا ضروری نہیں ہے۔ | ״ |
| کسی مسجد کے بنانے سے یہی مقصود ہو کہ پہلی مسجد ویران ہو جائے اور اسکو ضرر پہونچے تو یہ مسجد ضرار ہے۔ | ۲۵۰ |
| جس مسجد کا امام لائق امامت ہے اسی مسجد میں نماز پڑھے۔ | ۲۵۱ |
| مسجد میں سوال کرنے سے متعلق ایک معرکۃ الآراء فتویٰ۔ | ۲۵۲ |
| وہ گمراہ فرقے جنکی گمراہی حد کفر کو پہونچ چکی ہے اسکی بنائی ہوئی مسجد شرعاً مسجد نہیں۔ | ۲۵۶ |
| مسجد کے اندر علم دین کی تعلیم جائز ہے۔ | ״ |
| مسجد میں چارپائی پر لیٹنا اور سونا خلاف ادب ہے۔ | ״ |
| مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرنا ناجائز ہے۔ | ۲۵۸ |
| امام باڑہ کی زمین جس کی ملک ہے اسکی اجازت سے اس زمین کو مسجد بنا سکتے ہیں | ۲۶۰ |
| مسجد اگر دریا میں غرق ہو کر شہید ہو جائے تو اسکی اینٹوں کے بارے میں کیا حکم ہے۔ | ۲۶۱ |
| مسجد کبیر کے متعلق دو قول ہیں۔ | ״ |
| مسجد کبیر کے متعلق اعلیحضرت کا مختار قول قہستانی کے قول کے مطابق کثیر لینے میں | ״ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| مسجد کبیر کی مقدار بہت کم ہو جائیگی۔ | ۲۶۲ |
| نماز کیلئے چٹائی کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ | ״ |
| مسجد کا دروازہ ہر مسلمان کیلئے کھلا ہوا ہے | ۲۶۳ |
| نوافل گھر میں پڑھنا سب بہتر ہے۔ | ״ |
| حاضرین مسجد سے اس وقت سلام کرے جب وہ جواب دے سکتے ہوں۔ | ״ |
| اگر پاک وصاف ہو کر مسلمان مسجد میں آئیں تو آسکتے ہیں بلا وجہ شرعی مسجد سے کسی مسلمان کو منع نہیں کیا جاسکتا۔ | ۲۶۴ |
| جانماز پر رومال رکھنے میں کوئی حرج نہیں | ۲۶۵ |
| مسجد میں اگر جوتا وغیرہ لائے تو سامنے یا دائیں جانب نہ رکھے اگر رکھے تو رومال وغیرہ سے چھپائے۔ | ״ |
| اتنا چھوٹا بچہ جس سے مسجد کے ناپاک ہونے کا گمان ہو اسکو مسجد میں نہیں لانا چاہیے، | ۲۶۶ |
| ہر شخص کو گھر سے وضو کرکے آنا بہتر ہے۔ | ״ |
| حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کے قریب ایک چبوترا سا بنوا دیا تھا اور یہ فرما دیا تھا کہ جس کو بیکار باتیں کرنی ہوں وہ چبوترے پر چلا جائے۔ | ״ |
| ایک شعر کی تنقیح۔ | ۲۶۷ |
| مجذوم یا ابرص کے شریک جماعت ہونے سے نماز کو مکروہ تحریمی کہنا غلط ہے۔ | ۲۶۸ |
| مسجد کی اینٹوں کو پائخانہ میں نہیں لگانا چاہیے۔ | ״ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| مسجد میں حقہ نہیں پینا چاہیے۔ | ۲۶۸ |
| زمانہ رسالت میں مسجد نبوی میں علم دین کی تعلیم دی جاتی تھی۔ | ۲۶۹ |
| **باب قضاء الفوائت** | |
| از ص۲۷۰ تا ص۲۷۳ | |
| ظہر کی سنت قبلیہ جماعت کی وجہ سے فوت ہوجائے تو فرض کے بعد پڑھی جائے۔ | ۲۷۰ |
| ظہر کی سنت قبلیہ کی قضا کب کرے فرض کے بعد فوراً یا سنت بعدیہ کے بعد۔ | ″ |
| فجر کا فرض پڑھ لیا اور سنت نہیں پڑھ سکا تو اب وہ طلوع آفتاب تک سنت نہیں پڑھ سکتا۔ | ۲۷۱ |
| فدیہ کی ادائیگی میں چھ نمازوں کا شمار ہوگا یا پانچ فرضوں کا ایک وتر کا۔ | ″ |
| وہ نمازیں جن میں واجب ترک ہوتا رہا ان کا اعادہ کریں۔ | ″ |
| ادا کرنے کے بعد قضا یاد آئی تو کوئی حرج نہیں۔ | ″ |
| صاحب ترتیب پر ضروری ہے کہ اگر وقت میں گنجائش ہو تو پہلے قضا پڑھے پھر وقتی پڑھے۔ | ۲۷۲ |
| قضائے عمری کا صحیح طریقہ۔ | ۲۷۳ |
| **باب سجود السہو** | |
| از ص۲۷۳ تا ص۲۸۳ | |
| مقتدی سے سہواً ترک واجب ہوا | |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| تو اس صورت میں مقتدی پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔ | ۲۷۴ |
| جہری نماز میں اگر امام نے ایک آیت کی مقدار آہستہ پڑھا تو سجدہ سہو واجب ہے۔ | ۲۷۶ |
| ہر واجب کے ترک پر سجدہ سہو ہے۔ | ″ |
| مقتدی کے لقمہ دینے اور امام کے قبول کر لینے پر سجدہ سہو نہیں۔ | ۲۷۷ |
| تراویح میں امام سے غلطی ہوئی اور کسی نے صحیح لقمہ دیا تو سجدہ سہو واجب نہیں | ″ |
| سورتوں کا ترتیب کے ساتھ پڑھنا واجبات تلاوت سے ہے لہٰذا اگر ترتیب بدل دی تو سجدہ سہو واجب نہیں۔ | ″ |
| امام سے غلطی ہوئی تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے تین آیت سے پہلے ہو یا بعد۔ | ۲۷۸ |
| جلسہ میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ الخ کہنا مکروہ نہیں اور اس سے سجدہ سہو بھی نہیں۔ | ″ |
| قراءت میں اگر کوئی کلمہ غلطی سے دُہرا دیا یا شبہ پڑ گیا تو نماز میں کوئی حرج نہیں اور قصداً دُہرا دیا اور معنیٰ فاسد ہوگئے تو نماز جاتی رہی۔ | ۲۷۹ |
| سورہ فاتحہ کی جگہ صرف یستنج الخ پڑھ لینے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔ | ۲۷۸ |
| حنفیہ کے نزدیک سجدہ سہو کی مختلف صورتیں ہیں۔ | ۲۸۰ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| جہری نماز میں امام نے آہستہ سورہ فاتحہ پڑھ لیا تو اب سورہ فاتحہ کے اعادہ کی ضرورت نہیں سجدہ سہو کرلے نماز مکمل ہوجائیگی۔ | ۲۸۲ |
| زید نے اگر ثنا وغیرہ کے بعد تین تسبیح کی مقدار وقفہ کیا تو سجدہ سہو واجب ہے | ″ |
| زید نے سورہ فاتحہ پڑھکر سورہ یٰس شروع کر دی اور خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ پڑھکر فَبَشِّرْہُ بِمَغْفِرَۃٍ وَّ اَجْرٍ کَرِیْمٍ چھوڑ دی اور اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی شروع کر دی تو نماز صحیح ہے اور سجدہ سہو بھی واجب نہیں۔ | ۲۸۳ |
| زید بعد سورہ فاتحہ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ الآیۃ کو دو مرتبہ پڑھکر رکوع کر لیا تو نماز ہوگئی اور سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہوا۔ | ″ |
| سورہ فاتحہ کے تکرار سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ | ″ |
| قصداً پہلی رکعت میں سورہ اخلاص دوسری میں تَبَّتْ پڑھنا منع ہے مگر سجدہ سہو واجب نہیں | ″ |
| مقتدی نے صحیح لقمہ دیا اور امام نے لیا تو سجدہ سہو نہیں۔ | ″ |
| **باب صلوٰۃ المسافر** | |
| از ص۲۸۳ تا ص۲۸۴ | |
| مسافر نے پندرہ روز کی اقامت کی نیت کی تو وہ مقیم ہے۔ | ۲۸۴ |
| سفر میں اگر اطمینان نہ ہو تو سنتوں کے ترک کر دینے میں کوئی قباحت نہیں۔ | ٠ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| **باب الجمعہ از ۲۸۵ تا ۳۰۱** | |
| جس گاؤں میں جمعہ ہو رہا ہے اس گاؤں کے لوگوں کو جمعہ پڑھنے سے منع نہ کیا جائے | ۲۸۵ |
| لوگوں کی بدگمانی کے خیال سے ناجائز کام کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ | " |
| خطبہ کے وقت کلام و نماز سب ناجائز ہے | ۲۸۶ |
| حضور کا جب نام آئے یا آیت صلوٰۃ پڑھی جائے تو سننے والے دل میں درود پڑھ سکتے ہیں۔ | " |
| جمعہ کے لئے اذن عام شرط ہے۔ | " |
| ظہر احتیاطی پڑھ لینے سے ترک جمعہ کا گناہ ساقط نہیں ہوگا۔ | ۲۸۷ |
| خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینے کے متعلق فقہائے کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ | " |
| جمعہ کیلئے منبر کتنی سیڑھیوں کا ہونا چاہئے | ۲۸۸ |
| ایک شہر میں متعدد جمعہ قائم کرنے کا حکم ہے یا نہیں۔ | ۲۸۹ |
| ایک جگہ جمعہ ہونے کے لئے کثرت لائے کی ضرورت نہیں۔ | ۲۹۰ |
| جمعہ کے لئے مصر یا فنائے مصر شرط ہے۔ | ۲۹۱ |
| خطبہ میں غیر عربی کا خلط سنت متوارثہ کے خلاف ہے۔ | " |
| گاؤں میں جمعہ جائز نہیں یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ | " |
| شرح وقایہ و دیگر کتب فقہیہ کی عبارتوں کی تنقیح۔ | ۲۹۲ |
| تارک جمعہ پر احادیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں | ۲۹۴ |
| خطبہ غیر زبان عربی میں پڑھنا یا غیر زبان عربی سے خلط کرنا منع ہے مگر نماز جمعہ ہو جائے گی۔ | " |
| تعدد جمعہ کے سلسلے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے۔ | " |
| اذان ثانی کے بعد مقتدیوں کو دعا نہیں مانگنا چاہئے۔ | ۲۹۵ |
| امام جمعہ جو پہلے ہی سے کھڑا ہے اقامت کے وقت اس کا بیٹھ جانا حدیث و فقہ سے ثابت نہیں۔ | ۲۹۶ |
| مصر کی اصح تعریف کیا ہے۔ | " |
| گاؤں میں جمعہ درست نہیں۔ | ۲۹۷ |
| جہاں جمعہ جائز نہیں وہاں ظہر پڑھنا فرض ہے۔ | " |
| قصبہ مصر ہے۔ | " |
| درمختار میں مصر کی معتبر تعریف۔ | ۲۹۸ |
| خطبہ کیلئے جب امام نکل پڑا تو اس وقت پنکھا جھلنا بھی منع ہے۔ | " |
| جمعہ کیلئے مطلقاً خطبہ فرض ہے جو فقط الحمد للہ کہنے سے ادا ہو جاتا ہے۔ | ۲۹۹ |
| جمعہ کیلئے دو خطبہ کا ہونا سنت ہے۔ | " |
| جمعہ میں دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔ | " |
| جمعہ میں دونوں خطبوں کے درمیان خطیب اگر چاہے تو کچھ پڑھ سکتا ہے۔ | ۲۹۹ |
| خطبہ کیلئے سنت یہ ہے کہ اردو میں نہ ہو۔ | " |
| جہاں جمعہ جائز ہے وہاں ظہر احتیاطی پڑھنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ | " |
| امام جمعہ کا اقامت کے وقت کھڑا رہنا (بیٹھنا) ضروری نہیں۔ | " |
| خطبہ جمعہ کا ہو یا عیدین کا دونوں میں غیر عربی کا خلط خلاف سنت ہے۔ | ۳۰۰ |
| دوران خطبہ اردو میں وعظ کہنا خلاف سنت ہے۔ | " |
| اثنائے خطبہ بات چیت منع ہے۔ | " |
| لاہور میں سیرت کمیٹی جن لوگوں نے قائم کی وہ وہابی ہیں۔ | ۳۰۱ |
| جو لوگ اردو میں خطبہ پڑھنے پر اصرار یا مجبور کرتے ہیں ان کی زیادتی ہے۔ | " |
| خطبے کے بعد امام درستگی صف کے متعلق ہدایت کر سکتا ہے۔ | " |
| **باب العیدین از ۳۰۱ تا ۳۰۷** | |
| مصر میں قربانی کی جگہ عیدین کی نماز جائز ہے۔ | ۳۰۲ |
| عیدین میں خطبہ کے بعد دعا مانگنا جائز و مستحسن ہے۔ | " |
| بہار شریعت کا یہ مسئلہ "گاؤں میں نماز عید ناجائز ہے" بالکل صحیح و درست ہے یہی امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ | " |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| بعد نماز عید دعا مانگنے سے متعلق ایک اہم فتویٰ۔ | ۳۰۴ |
| ذکر جہر صحیح مقصد کیلئے جائز ہے۔ | ۳۰۵ |
| تکبیر تشریق پر دیگر اذکار کو مقدم نہ کرے | ″ |
| خطبہ سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق و توضیح | ۳۰۶ |
| امام رکعت ثانیہ میں تکبیرات زوائد بھول گیا اور رکوع میں اسے یاد آیا جب بھی اسے قیام کی طرف عود کرنے کی اجازت نہیں۔ | ″ |
| **باب الجنائز از ص۳۰۶ تا ص۳۶۰** | |
| ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے اگرچہ وہ کتنا ہی گنہ گار ہو صرف بعض کا فقہاء نے استثناء فرمایا ہے۔ | ۳۰۷ |
| زانی و زانیہ کی نماز جنازہ پڑھی جائیگی۔ | ″ |
| صاحب حق کے سوا اگر کسی دوسرے عاقل بالغ نے نماز جنازہ پڑھا دی جب بھی نماز جنازہ ہو جائے گی۔ | ۳۰۸ |
| ولی یا امام حی سے نماز پڑھانے کا زیادہ حق امام جمعہ کو ہے۔ | ″ |
| امام جمعہ کو ولی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ | ″ |
| سردار محلہ یا متولی مسجد ہونے سے نماز جنازہ پڑھانے کا ان کو حق نہیں پہونچتا۔ | ۳۰۹ |
| میت اگر بلا وجہ شرعی امام سے ناراض تھا تو اس کا کچھ اثر نہیں۔ | ۳۰۹ |
| جنازہ کے ساتھ نعت شریف پڑھنا جائز ہے | ″ |
| مسلمان میت کی نماز جنازہ پڑھ لینے سے جن لوگوں نے معافی مانگی اور منگوائی سب مجرم ہیں۔ | ۳۱۰ |
| شوہر کیلئے بلا حائل عورت کے بدن کو ہاتھ لگانا منع ہے مگر دیکھنے کی اجازت ہے | ″ |
| شوہر بی بی کے جنازہ کو کندھا دیسکتا ہے | ″ |
| جاہل قاضی کا مسلمانوں کو نماز جنازہ سے منع کرنا فرض سے روکنا ہے اور جس نے نماز جنازہ پڑھلی اسے جماعت سے خارج کرنا سخت ظلم و بے باکی ہے۔ | ۳۱۱ |
| جبر و تعدی حرام ہے۔ | ۳۱۲ |
| نماز جنازہ میں امام و مقتدی کسی پر قرارت نہیں۔ | ″ |
| جو شخص عقد بیوگان کو حرام جانتا ہو یا اس مسئلہ کو بری نظر سے دیکھتا ہو اور برا بتاتا ہو تو یہ کفر ہے اس صورت میں اسکی نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے۔ | ″ |
| روافض زمانہ اور غیر مقلدین پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم ہے اسلئے ان سب کی پڑھائی نماز جنازہ نہ ہوئی۔ | ″ |
| نماز جنازہ کیلئے میت کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ | ۳۱۳ |
| اگر کسی نے بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی تو تمام مسلمان گنہ گار ہوئے سب پر توبہ فرض ہے | ۳۱۴ |
| مسلم کے جنازہ کو گھسیٹنا ناجائز و گناہ ہے۔ | ″ |
| نابالغ سمجھدار ہے تو اس کا اسلام معتبر ہے۔ | ″ |
| نماز جنازہ میں دعا واجب ہے یا سنت۔ | ۳۱۵ |
| نماز جنازہ میں نابالغ کیلئے جو دعا پڑھی جاتی ہے وہی مجنون کیلئے بھی پڑھی جائے گی | ″ |
| اگر کافر مرجائے تو مسلمان کیا کرے۔ | ۳۱۶ |
| کافروں کے جنازہ میں شریک ہونا اور مسلمانوں کے جنازے میں نہ شریک ہونا سخت معیوب ہے ایسا شخص توبہ کرے، ورنہ اسے علیحدہ کر دیں۔ | ″ |
| شیر خوار یا نابالغ کو تلقین کی حاجت نہیں | ″ |
| نماز جنازہ میں ہاتھ کھول کر سلام پھیرنا چاہیے۔ | ۳۱۷ |
| نماز جنازہ فرض ہے جو لوگ گاؤں میں رہتے ہیں ان پر فرض ہے کہ نماز جنازہ سیکھ لیں۔ | ″ |
| جن صورتوں میں غسل میت کے بجائے تیمم کا حکم ہے ان صورتوں میں کس طرح میت کے بدن سے کپڑے اتارے جائیں اور کفن پہنایا جائے۔ | ۳۱۸ |
| ایسی چیز پر مردہ کو نہ لیجائیں جس سے مردہ کو تکلیف ہو۔ | ″ |
| اگر کوئی شخص جنازہ کے ساتھ نہیں جانا | |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| چاہتا ہے تو اولیائے میت سے اجازت لے لے۔ | ۳۱۸ |
| عام استعمالی جوتا پہن کر نماز جنازہ پڑھنی کا حکم ہے۔ | ″ |
| صف وغیرہ توڑنے کے بعد اگر دعا وغیرہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ | ۳۱۹ |
| شہید کی قسمیں اور ان کا حکم۔ | ″ |
| اگر قبرستان خاص ہے تو اسمیں میت دفن کرنے کے لئے اسکے مالکوں کی اجازت ضروری ہے۔ | ۳۲۰ |
| اگر قبرستان کے بعض مالکوں نے دفن کرنے دینے سے انکار کیا تو اجازت نہیں ہوئی۔ | ″ |
| کسی خاص قبرستان میں میت کے بعض عزیز کا دفن ہوجانا استحقاق نہیں ثابت کرتا | ۳۲۱ |
| قبرستان کی تر گھاس اور لکڑی توڑنا مکروہ ہے۔ | ″ |
| جب مورث نے کسی زمین کو اپنے خاندان کے مردوں کیلئے رکھا تو اب برائے دفن ہر فرد کی اجازت ضروری نہیں ہے۔ | ″ |
| عورتوں کیلئے زیارت قبور میں اختلاف ہے لیکن احوط یہ ہے کہ عورتیں زیارت کو نہ جائیں۔ | ۳۲۲ |
| قبر کو ہموار کرکے زراعت وغیرہ کے کام میں لانا حرام ہے۔ | ″ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| مُردہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ کب منتقل کر سکتے ہیں۔ | ۳۲۴ |
| قبر پر جو پھول ڈالے گئے جبتک تر ہیں نہ اٹھائے جائیں۔ | ۳۲۵ |
| کن حالتوں میں قبر کھودنے کی اجازت ہے۔ | ۳۲۶ |
| مُردہ کے پھٹ جانے کا جبتک کہ غالب گمان نہ ہوجائے فقہاء نماز جنازہ کا حکم دیتے ہیں اور اسکی کیا مقدار ہے اسمیں علماء کا اختلاف ہے۔ | ″ |
| مٹی دیدینے کے بعد میت کو نکالنا جائز نہیں۔ | ۳۲۷ |
| حدیث "لَعَنَ اللّٰہُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ" منسوخ ہے۔ | ″ |
| قبر پر اذان کہنا بہتر ہے۔ | ۳۲۸ |
| مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ قبرستان کو نجاست سے پاک رکھیں۔ | ″ |
| بعد دفن مُردہ کو زمین کے سپرد کردینا بے اصل ہے۔ | ۳۲۹ |
| بیری کی لکڑی قبر میں کیوں رکھتے ہیں۔ | ۳۳۰ |
| نکیرین مُردہ کو بٹھا کر سوال کرتے ہیں | ″ |
| لحد کیسی ہونی چاہیئے۔ | ″ |
| تابوت کا کیا حکم ہے۔ | ″ |
| پکی قبر بنانا جائز ہے یا نہیں۔ | ″ |
| کنکریوں پر قرآن مجید پڑھکر قبر میں رکھنا جائز ہے۔ | ″ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| کسی میت کو بغیر تختہ کے دفن کرنا کیسا ہے۔ | ۳۳۱ |
| مسلمان کی روح پاک ہے۔ | ″ |
| مسلمان پاک ہے زندہ ہو یا مُردہ۔ | ″ |
| تین مرتبہ ہر جگہ سے پانی بہایا جانا سنت ہے۔ | ″ |
| تہبند باندھکر قبر میں اترنا درست ہے | ″ |
| جس رُخ لٹا کر نہلانے میں آسانی ہو لٹا سکتے ہیں۔ | ۳۳۲ |
| میت کو کون غسل دے گا۔ | ″ |
| تکیہ دار کے شرعاً کچھ حقوق نہیں۔ | ″ |
| میت کے گھر تین دن تک کھانا نہیں پکنا چاہیے، یہ قول غلط ہے۔ | ″ |
| قُلْ ھُوَ اللّٰہُ پڑھکر قبر کے اندر مٹی رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ | ۳۳۳ |
| قبر سامنے ہو تو نماز مکروہ تحریمی ہے ورنہ کوئی حرج نہیں اور اگر نماز جنازہ میں قبر سامنے ہو تو جب بھی حرج نہیں۔ | ″ |
| ہمارے مذہب میں غائب کی نماز جنازہ نہیں۔ | ″ |
| قبر پر ہار پھول ڈالنا جائز ہے بلکہ علماء اسے سنت بتاتے ہیں۔ | ۳۳۴ |
| قبور اولیاء و علماء و صلحاء پر بغرض اظہار عظمت چادر ڈالنا جائز و محمود ہے | ۳۳۵ |
| ایصال ثواب مستحب ہے۔ | ۳۳۶ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| ایصال ثواب کرنے کا طریقہ۔ | ۳۳۶ |
| فاتحہ خوانی کیلئے وقت مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ | ۳۳۷ |
| ایصال ثواب کا کھانا کس کو کھانا چاہئے۔ | ۳۳۸ |
| مزارات اولیاء کے اوپر خصی و مرغ و چادر وغیرہ چڑھانا جائز ہے یا نہیں۔ | ″ |
| احاطہ کی دیوار اگر قبر پر پڑے تو یہ ناجائز ہے۔ | ۳۳۹ |
| فقیر کیلئے جذامی میت کے کپڑے لینا جائز ہے۔ | ″ |
| ارواح انبیاء و اولیاء کو ایصال ثواب کرکے شیرینی و طعام وغیرہ کا کھانا درست ہے | ″ |
| اولیاء و صلحاء کی قبور پر جانا اور ان سے استمداد جائز ہے۔ | ۳۴۰ |
| ایصال ثواب کے متعلق اسماعیل دہلوی کا قول۔ | ″ |
| محدث دہلوی کے نزدیک ایصال ثواب کا کھانا تبرک ہے۔ | ″ |
| جمعہ کے دن فاتحہ خوانی کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ | ″ |
| تمام ارواح مؤمنین کو ایصال ثواب کرنا چاہئے اس سے ثواب میں کمی نہیں ہوتی۔ | ۳۴۱ |
| فاتحہ اور دعا میں کیا فرق ہے۔ | ″ |
| زیارت قبر میں قبر کی طرف منہ اور قبلہ کی جانب پیٹھ کرنا چاہئے۔ | ۳۴۲ |
| ایصال ثواب کیلئے قرآن مجید پڑھوانا جائز ہے جبکہ پڑھنے والے کو اجیر نہ کیا ہو | ″ |
| مرنے کے بعد مومن کی روح آزاد ہوتی ہے جہاں چاہے جاسکتی ہے۔ | ″ |
| بکثرت لوگوں نے اولیاء کرام کو انتقال کے بعد دیکھا ہے۔ | ″ |
| گیارہویں شریف کی نیاز ایصال ثواب ہی کی ایک صورت ہے۔ | ۳۴۳ |
| گیارہویں شریف کے نام پر جو رقم حاصل کی گئی اسکو مدرسہ کے مصرف میں لاسکتے ہیں جبکہ اس کا ثواب حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے حضور نذر کردیں۔ | ۳۴۴ |
| نذر فقہی اور نذر عرفی کا بیّن فرق۔ | ۳۴۵ |
| گیارہویں شریف کے جواز پر ایک محققانہ بحث۔ | ″ |
| محرم کے مہینہ میں فاتحہ ہوسکتی ہے۔ | ۳۵۷ |
| نماز پڑھانے سے مردہ کی جانماز امام کی ملک نہیں ہوسکتی۔ | ۳۵۸ |
| مزارات مقدسہ پر رقم دینے والوں نے مسجد کیلئے دی تو وہ مسجد کی ملک ہے، | ″ |
| مزارات اولیاء پر جو رقمیں دیجاتی ہیں جائز ہے اور اسکے مالک وہاں کے خدام ہیں۔ | ″ |
| اولیائے کرام کی جو نذر مانی جاتی ہے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا ثواب فلاں ولی کو پہنچائیں گے۔ | ۳۶۰ |
| قبر پر قرآن مجید پڑھنے کیلئے دن مقرر کرنا اور دھوپ و سردی سے بچنے کیلئے شامیانہ تاننا جائز ہے۔ | ۳۶۰ |
| جمعہ تک قبر پر قرآن پڑھوانے میں یہ خیال کرنا کہ مردہ آج مرا ہے اور جمعہ کی فضیلت پائے گا، غلط ہے۔ | ″ |
| بعد دفن قبر پر کچھ دیر تک ٹھہر جانا مردوں کے لئے باعث اُنس ہے۔ | ″ |
| یہ خیال "جمعہ تک سوال وجواب اور عذاب نہیں ہوتا ہے" غلط ہے۔ | ″ |
| قبر پر بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے۔ | ″ |
| قبرستان میں کھانا پینا، سگریٹ وحقہ پینا مکروہ ہے۔ | ۳۶۲ |
| قبرستان میں آگ جلانا مکروہ تنزیہی ہے۔ | ″ |
| اجرت پر قرآن شریف پڑھنا اور پڑھوانا ناجائز ہے اور نہ اس کا ثواب ہے۔ | ″ |
| فاتحہ سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق۔ | ″ |
| کیا بعد دفن سرہانے کی جانب قبر پر انگلی رکھکر قرآن کریم پڑھنا جائز ہے۔ | ۳۶۳ |
| نماز کے بعد بھی سورہ فاتحہ اور درود شریف وغیرہ پڑھکر ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔ | ″ |
| رنڈی کے گھر کے کھانے پر الحمد شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ | |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| جو چیز حرام بعینہ ہے اس پر فاتحہ پڑھنا اور اس کا ثواب پہنچانا ناجائز ہے۔ | ۳۶۴ |
| رنڈیوں کے یہاں ایصال ثواب کیلئے ہرگز نہیں جانا چاہئے۔ | " |
| سوم کے پہلے کھانا پکانے اور کھانے میں گناہ نہیں۔ | " |
| رنڈی فاسقہ و فاجرہ ہے کافرہ نہیں لہٰذا اسکے جنازے کی نماز پڑھی جائے گی | " |
| امام جعفر رضی اللہ عنہ کے نام پر فاتحہ وغیرہ پڑھکر ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔ | " |
| عورت و مرد کی قبر میں کوئی فرق نہیں ہے | ۳۶۵ |
| قبر کتنی گہری ہونی چاہئے۔ | " |
| قبر پر اذان دینے کا ثبوت۔ | ۳۶۶ |
| دعائیں لکھکر قبر میں رکھنا جائز ہے۔ | ۳۶۷ |
| مردوں کی پیشانی پر دعائیں لکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن عورت کی پیشانی پر سوائے محارم کے کوئی نہ لکھے۔ | " |
| کفن میں عمامہ ہونا علماء و مشائخ کے لئے جائز اور عوام کیلئے مکروہ ہے۔ | " |
| **کتاب الزکوٰۃ از صفحہ ۳۶۸ تا صفحہ ۳۹۰** | |
| گاؤں یا زمین پر زکوٰۃ نہیں۔ | ۳۶۸ |
| زکوٰۃ کے مستحقین۔ | " |
| اگر صاحب نصاب تھوڑا تھوڑا روپیہ دیتا رہا اور سال تمام پر حساب کرلیا تو جائز ہے۔ | " |
| پہننے کے زیور پر زکواۃ فرض ہے۔ | ۳۶۸ |
| پہننے کے کپڑوں پر زکوٰۃ نہیں۔ | " |
| بنک میں جو روپیہ رکھا ہوا ہے اس کا کیا حکم ہے۔ | " |
| اگر کسی یتیم کو بہ نیت زکوٰۃ کھانے اور کپڑے کا مالک کر دیا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی | ۳۶۹ |
| زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے۔ | ۳۷۰ |
| مسجد کی تعمیر اور میت کی تکفین میں زکوٰۃ کا مال نہیں صرف کیا جاسکتا | " |
| مسجد کی تعمیر اور میت کی تکفین میں زکوٰۃ کا مال صرف کرنے کا طریقہ۔ | " |
| باپ اپنے بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا ہے | " |
| زکوٰۃ صرف بالغ کے حصہ پر واجب ہے | ۳۷۱ |
| مدرسہ کے طلبہ کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں جبکہ بطور تملیک ہو۔ | " |
| مدرسوں اور کتب خانوں میں زکوٰۃ صرف کرنے کا طریقہ۔ | " |
| خمس کا کیا قاعدہ ہے۔ | ۳۷۲ |
| زکوٰۃ کے پیسے سے قرآن شریف یا فقہ کی کوئی کتاب خرید کر مسکین کو دینا درست ہے جبکہ بطور تملیک ہو۔ | " |
| نوکر یا کوئی غیر شخص بہ نیت زکوٰۃ مالک کے مال سے مسکین کو دیتا رہا اور چار چھ مہینے کے بعد مالک کو خبر کیا تو اگرچہ مالک اس زکوٰۃ دینے کو قبول کرے زکوٰۃ نہیں ادا ہوگی | ۳۷۲ |
| زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد جو کچھ باقی ہے آئندہ سال پھر اس باقی کی زکوٰۃ دے۔ | ۳۷۳ |
| کسی نے شکی میں پانچ سیر گیہوں اور سو روپئے کے نوٹ چھپا کر فقیر کو دیدیا فقیر نے اس پر قبضہ کرلیا زکوٰۃ ادا ہوگئی اگرچہ فقیر کو معلوم نہ ہو کہ شکی میں کیا ہے | ۳۷۴ |
| اگر کسی کو مالک نصاب سمجھ کر زکوٰۃ دیدی اور بعد کو معلوم ہوا کہ یہ مالک نصاب نہیں ہے زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ | " |
| جتنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے گا ادا ہوجائیگی | ۳۷۵ |
| کسی شخص نے چاندی پر سودی قرض لیا، مالک نصاب اسکو چھڑا کر اپنے پاس لے آیا اور عرصہ بعد زکوٰۃ میں وصول کرکے وہ رقم اسکے حوالہ کرنا چاہتا ہے تو زکوٰۃ نہیں ادا ہوگی۔ | " |
| زکوٰۃ کو چھپا کر بھی دینا جائز ہے اور علانیہ بھی لیکن علانیہ دینا بہتر ہے بخلاف دوسرے صدقات کے۔ | " |
| صدقہ فطر و زکوٰۃ نہ تعمیر مدرسہ میں صرف کی جاسکتی ہے نہ مدرسین کی تنخواہ میں | ۳۷۶ |
| کامدانی کے کپڑوں کے متعلق کیا حکم ہے | ۳۷۷ |
| مصحف شریف وغیرہ پر چاندی سونے کے جو تارے ہوتے ہیں ان پر بھی زکوٰۃ ہے | " |
| روپئے کی جگہ چاندی بھی دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ | ۳۷۸ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| جس جنس کی زکوٰۃ ادا کی جائے اس کا چالیسواں حصہ دینا واجب ہے۔ | ۳۷۸ |
| مال تجارت اگر ہے تو اسکی قیمت کا چالیسواں حصہ دینا ہوگا۔ | ″ |
| زکوٰۃ دیتے وقت جو قیمت ہے اسکا اعتبار ہوگا۔ | ″ |
| زیور موجود ہے اور روپیہ نہیں ہے اور سال پورا ہوگیا تو روپئے آنیکا انتظار کرنا ضروری نہیں۔ | ″ |
| جانوروں میں اسوقت زکوٰۃ ہے جب کہ وہ سائمہ ہو۔ | ۳۷۹ |
| اگر گائیں مقدار نصاب کو پہنچ گئیں تو زکوٰۃ واجب ہے۔ | ″ |
| زمین کی قسمیں اور اُن کا حکم۔ | ″ |
| زمین کی پیداوار میں عُشر واجب ہے۔ اور بعض صورتوں میں بیسواں واجب ہے | ۳۸۰ |
| خراجی زمین میں خراج واجب ہے اور اسکی دو صورتیں ہیں۔ | ″ |
| حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فی جریب ایک درہم خراج مقرر فرمایا تھا۔ | ۳۸۱ |
| جریب کی کیا مقدار ہے۔ | ″ |
| ایک بار جس غلہ کا عشر ادا کردیا گیا دوبارہ اسپر عشر واجب ہے نہ زکوٰۃ۔ | ″ |
| نوٹ اور روپیہ میں کیا فرق ہے۔ | ″ |
| متولی مدرسہ صدقہ فطر لیکر یتامیٰ پر صرف کرسکتا ہے۔ | ۳۸۱ |
| صدقہ فطر میں گندم کے بجائے اس کی قیمت دے سکتے ہیں۔ | ۳۸۲ |
| قیمت میں کس بھاؤ کا اعتبار کیا جائیگا۔ | ″ |
| مقدار نصاب کیا ہے۔ | ″ |
| صدقہ فطر گیہوں اسی روپئے کے سیر سے کتنا دینا چاہئے۔ | ۳۸۳ |
| گیہوں کی جگہ اگر کوئی دھان چاول وغیرہ دینا چاہے تو کیا صورت ہے۔ | ″ |
| وزن صاع کے متعلق علامہ شامی کی تحقیق | ″ |
| صاع کی مقدار ایک ہزار چالیس درہم ہے | ۳۸۴ |
| درہم و مثقال کی کیا مقدار ہے۔ | ″ |
| صاع حقیقۃً ایک ناپ ہے وزن نہیں | ″ |
| کس غلہ سے صاع بنایا جائے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ | ″ |
| صدر الشریعۃ اور علامہ شامی کی احتیاط | ۳۸۵ |
| صاع کے متعلق اعلیٰحضرت کی تحقیق انیق | ۳۸۶ |
| قیمت میں بازار کے نرخ کا اعتبار ہوگا | ″ |
| شادی میں دختر والوں کی طرف سے دولھا کے اقارب کو جو جوڑے دیئے جاتے ہیں ان میں سے غریب اقارب کو بہ نیت زکوٰۃ دے سکتے ہیں جبکہ بنی ہاشم سے نہ ہوں۔ | ۳۸۷ |
| جس کے پاس زمین و دکان اتنی ہے کہ اسکی قیمت بہت زیادہ ہے لیکن زمین کے غلہ اور دکان کے کرایہ سے اس کا گذر اوقات نہیں ہوپاتا ہے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ | ۳۸۷ |
| زکوٰۃ کا روپیہ حیلۂ شرعیہ سے نیک کاموں میں صرف کرنا جائز ہے۔ | ۳۸۸ |
| حیلۂ شرعیہ کا طریقہ۔ | ″ |
| حیلۂ شرعیہ کے ساتھ مدرسہ کی امداد کرنا اور اس میں اپنی اولاد کو تعلیم دلانا جائز ہے | ″ |
| زید اگر متدین ہے تو اسے با اختیار مہتمم بنا سکتے ہیں۔ | ″ |
| امارت شرعیہ پٹنہ کے ایک فتویٰ کا رد بلیغ | ″ |
| کسی شخص نے کسی مسکین کو بہ نیت زکوٰۃ قرض کہکر کچھ مال دیا اب وہ شخص مدت دراز کے بعد واپس کرنے آیا۔ اور اس وقت قرض دینے والا مفلس ہے تو اب یہ شخص نہ وہ مال لے سکتا ہے نہ زکوٰۃ سمجھ کر کھا سکتا ہے۔ | ۳۸۹ |
| رہنے کا مکان حاجت اصلیہ سے ہے اگرچہ کتنی ہی قیمت کا ہو اسی طرح زمین۔ | ″ |
| زید اپنی ہمشیرہ کو جو سید کے نکاح میں ہے زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ | ۳۹۰ |
| قریبی رشتہ دار کو زکوٰۃ دینا غیروں کو دینے سے افضل ہے۔ | ″ |
| سید کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے اگر دینگے تو ادا نہ ہوگی۔ | |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| مسلمان اگرچہ فاسق و فاجر ہوں ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں لیکن متقی کو دینا فاسق کے دینے سے بہتر ہے۔ | ۳۹۰ |
| صدقہ اور ہبہ میں فرق۔ | 〃 |
| **کتاب الصوم از صفحہ ۳۹۱ تا صفحہ ۳۹۹** | |
| سحری کھانا مستحب ہے نفل روزہ ہو یا فرض۔ | ۳۹۱ |
| افطار میں تعجیل مستحب ہے۔ | 〃 |
| نماز سے پہلے افطار کرنا چاہیئے۔ | 〃 |
| شریعت میں مدار کار رویت یا شہادت پر ہے۔ | 〃 |
| محض قواعد نجوم سے نہ رویت کا ثبوت ہوتا ہے نہ اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ | 〃 |
| رمضان کا چاند دیکھنا واجب کفایہ ہے | ۳۹۲ |
| عرب میں انتیس شعبان کو چاند دیکھا گیا اور ہندوستان میں اس کا شرعی ثبوت ہو گیا تو یہ قابل اعتبار ہے اور ایک دن کا روزہ رکھنا واجب ہے۔ | 〃 |
| خلیفۃ المسلمین کے علاوہ کوئی چاند نہیں دیکھ سکتا ہے، باطل محض ہے | 〃 |
| رویت ہلال کے سلسلے میں اخبار، ٹیلیفون یا ریڈیو وغیرہ کا کچھ اعتبار نہیں۔ | ۳۹۳ |
| خسوف قمر و کسوف شمس کی وجہ۔ | 〃 |
| خسوف و کسوف کے لئے نہ کوئی معین وقت ہے نہ کوئی قاعدہ مقررہ۔ | 〃 |
| خسوف و کسوف سے تاریخ کا اعتبار کرنا بالکل غلط ہے۔ | ۳۹۳ |
| امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب میں اختلاف مطالع معتبر نہیں یعنی ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ کے لئے کافی ہے | ۳۹۴ |
| صوم و افطار کا مدار رویت ہلال پر ہے۔ | 〃 |
| ٹیلیفون اور ریڈیو وغیرہ کی خبروں کو نہ شہادت کہا جا سکتا ہے نہ استفاضہ میں داخل کیا جا سکتا ہے | 〃 |
| خط، تار، اور ریڈیو کیوں معتبر نہیں۔ | 〃 |
| مسواک کرنا ہر وضو میں سنت ہے رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں | 〃 |
| ایسے مقام پر جہاں افطار کیلئے کچھ نہ ملے وہاں درخت کے پتے اور چھال کھا کر روزہ افطار کرے۔ | ۳۹۵ |
| حد ضرر تک مٹی کھانا حرام ہے۔ | 〃 |
| عید کے دن اللہ نے روزہ کیوں حرام فرمایا ہے۔ | 〃 |
| شیخ فانی پر روزہ کا فدیہ لازم ہے۔ | 〃 |
| روزہ کا فدیہ دونوں وقت ایک مسکین کو بھر پیٹ کھانا کھلانا ہے۔ | ۳۹۶ |
| جتنے روزے فوت ہو چکے ہیں انکی قضا کرے۔ | 〃 |
| اگر کسی نے عمر بھر قضا کے روزے نہیں رکھے تو کیا حکم ہے۔ | 〃 |
| کسی نے روزہ نہیں رکھا یا رکھکر توڑ دیا تو ان کی قضا کیلئے اس طرح اندازہ کرے کہ کم نہ ہو۔ | ۳۹۷ |
| اگر کوئی موت تک تمام روزوں کی قضا نہیں کر سکا تو فدیہ دینے کی وصیت کر جائے۔ | 〃 |
| شیخ فانی کی تعریف۔ | 〃 |
| ایک روزہ کا کفارہ پے در پے ساٹھ روزے رکھنا ہے اگر یہ نہ ہو سکے تو دونوں وقت ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔ | 〃 |
| ایک رمضان کے دو روزے توڑے اور ابھی کفارہ نہیں ادا کیا تو دونوں کے لئے ایک ہی کفارہ کافی ہے | 〃 |
| سادات کرام کو کفارہ کا کھانا دینا جائز نہیں۔ | 〃 |
| کفارہ میں جتنے مساکین کو کھلانا ہے انکو دونوں وقت کھلائے اگر بعض دوسرے وقت نہیں آئے تو ان کے بدلے دوسرے مسکین کو دو وقت کھلائے ورنہ کفارہ نہیں ادا ہو گا۔ | 〃 |
| ہر مسکین کو ایک ہی دن میں دونوں وقت کھلانا ضروری نہیں ہے۔ | 〃 |
| یتیم بچے اگر قریب بلوغ ہوں تو انھیں کفارہ کا کھانا کھلا سکتے ہیں۔ | ۳۹۸ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| ...ارہ میں صدقہ فطر کی مقدار یا اسکی ...ت بھی دے سکتے ہیں۔ | ۳۹۸ |
| ...ب ہی دن میں ایک ہی مسکین کو ...ارہ میں ساٹھ دنوں کا صدقہ فطر یا اسکی ...ت دیدی تو صرف ایک دن کا ادا ہوگا | ″ |
| ...الت صوم میں سرمہ اور تیل لگانا یا خوشبو ...انا یا سونگھنا سب جائز ہے۔ | ″ |
| ...ن جس میں ذائقہ محسوس ہوتا ہو استعمال ...کرے | ″ |
| ناس سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جائیگا۔ | ۳۹۸ |
| مفسد اعتکاف کیا ہے۔ | ۳۹۹ |
| **کتاب الحج از صـ۳۹۹ تا صـ۴۰۳** | |
| عورت کو بغیر شوہر یا محرم سفر کرنا حرام ہے اگرچہ حج کیلئے ہو | ۴۰۰ |
| زید اپنے بڑے لڑکے کو اپنے ساتھ حج کیلئے لے جارہا ہے اور وہ لڑکا بالغ ہے تو اس کا یہ حج، حج فرض ہوگا اور حج فرض ہی کی اسکو نیت کرنی چاہیے۔ | ″ |
| حج و عمرہ و احرام کا طریقہ اور ان کے مفسدات۔ | ۴۰۱ |
| اگر کوئی شعبان میں حج کیلئے جائے تو کیا کرے | ۴۰۲ |
| رمضان شریف میں عمرہ کا بہت بڑا ثواب ہے۔ | ″ |
| زید نے صرف حج بدل کیلئے کسی کو بھیجا اور مدینہ طیبہ کے اخراجات اپنے ذمہ نہیں لیا تو اب اس کا ادا کرنا زید پر واجب نہیں ہے۔ | ۴۰۳ |



قرآن مجید

مصری

امتیازی خصوصیات:

○ صاف ستھری اور جدید کتابت ○ ہر صفحہ آیت پر ختم ○ تمام حروف واضح اور کشادہ

○ حافظ قرآن کیلئے بے مثال تحفہ ○ ناظرہ پڑھنے والوں کے لئے بے حد آسان

○ عمدہ طباعت ○ خوبصورت جلد ○ آفسٹ اور نیوز پیپرز پر پارہ سیٹ بھی دستیاب ہیں

مجموعہ وظائف

مع اٹھارہ سورۃ قرآن و دعائے حج و عمرہ و زیارت مدینہ منورہ

Marfat.com

۷۸۶
۹۲

# فتاویٰ امجدیّہ مکمّل

## چار جلدوں میں

تصنیف :۔ صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ العزیز

تعلیق :۔ نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی

فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ مصنف بہارِ شریعت کی علمی جلالت و فقہی بصیرت محتاج تعارف نہیں موصوف نے فقہ حنفی کی معتبر و مستند انسائیکلوپیڈیا (بہارِ شریعت) تصنیف فرما کر عالم اسلام پر جو عظیم ترین احسان فرمایا ہے۔ رہتی دنیا تک اُسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اسی نابغۂ روزگار شخصیت کی ایک اہم فقہی تصنیف زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہے جو مسائل و احکام کے اعتبار سے ایک دوسری بہارِ شریعت اور دلائل و ابحاث کی حیثیت سے فتاویٰ رضویہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ سلیس اور عام فہم زبان میں توضیح و تشریح کے اعتبار سے عوام و خواص اور علماء و فضلا کیلئے بے پناہ افادیت کی حامل ہے علاوہ ازیں اس کتاب پر نائب مفتی اعظم ہند و دیگر اکابر علماء اسلام کی عالمانہ و محققانہ تعلیق و تعارف نے کتاب کی اہمیت و افادیت میں غیر معمولی اضافہ فرمایا ہے۔ لہٰذا اربابِ علم اور دینی ذوق رکھنے والے حضرات سے التماس ہے کہ خود بھی اس گراں قدر کتاب کے مطالعہ سے مستفید ہوں اور اپنے حلقۂ احباب میں بھی اسکے مطالعہ سے استفادہ کا شوق پیدا فرمائیں۔

Marfat.com

العلم خزائن ومفاتیحها السؤال

# فتاویٰ امجدیہ

## جلد دوم

تصنیف

صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی صاحب اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان

(مصنف بہار شریعت)

تبییض: حضرت مولانا عبد المنان صاحب کلیمی • ترتیب و تعلیق مولانا آل مصطفےٰ مصباحی

باھتمام

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی ابن حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ خطیب نیو میمن مسجد کراچی ۲

مکتبہ رضویہ آرام باغ روڈ کراچی ۱ ☆ فون: ۲۱۶۴۶۴
۲۶۲۷۸۹۷

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

| | |
|---|---|
| کتاب | فتاویٰ امجدیہ (جلد دوم) |
| تصنیف | صدر الشریعۃ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی |
| تعلیق | حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی |
| ترتیب | حضرت مولنا عبد المنان کلیمی |
| کتابت | مولانا محبوب عالم اعظمی |
| بار اوّل | شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ، مطابق دسمبر ۱۹۹۸ء |
| تعداد | ایک ہزار |
| طباعت | فرید آرٹ پریس کراچی |
| ناشر | دار العلوم امجدیہ، آرام باغ روڈ، کراچی |
| نگران طباعت | محمد حمزہ ۔ محمود اختر |
| پیشکش | نبیرۂ صدر الشریعہ حافظ قاری مصطفیٰ سرور اعظمی |
| قیمت | |

## ملنے کے پتے

شبیر برادرس، ۴۰۔ اردو بازار۔ لاہور
پروگریسو بکس، ۴۱۔ اردو بازار۔ لاہور
مسلم کتابوی، دربار مارکیٹ۔ لاہور
مکتبۂ قاسمیہ برکاتیہ، ہوم اسٹیڈ ہال۔ حیدرآباد

Marfat.com

۹۲/۷۸۶

# تحدیث نعمت

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریمؐ

رب کریم کا احسان عظیم ہے کہ نہایت آب و تاب کے ساتھ فتاویٰ امجدیہ کی دوسری جلد ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے جارہے ہیں۔ جو نکاح و طلاق، یمین و نذر، لقطہ و شرکت اور حدود و تعزیر جیسے اہم فقہی ابواب و مسائل پر مشتمل ہے۔ ہم اس عظیم نعمت کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ توقع سے کہیں زیادہ اکابر علمائے ہند و پاک نے فتاویٰ امجدیہ سے متعلق ہماری کوششوں کو سراہا خاص طور پر اس کتاب کی ترتیب و تعلیق پر اعتماد کلی ظاہر کرکے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ جو مستقبل قریب میں ہماری کامیابیوں کی بھرپور ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے جملہ معاونین و اہل قلم کو جزائے خیر دے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہمیں بھی توفیق مرحمت فرمائے۔

فتاویٰ امجدیہ جلد اول کی قدر و قیمت اور اس کی مقبولیت کا اندازہ یوں بھی ہوتا ہے کہ ہند و پاک کے علاوہ متعدد ممالک سے علمائے اہلسنت کے سیکڑوں رشحات قلم اس صحیفہ علم و تحقیق کی تعریف و توصیف میں دفتر کو موصول ہوئے۔ اور چند ماہ کی مختصر مدت میں مارکیٹ سے یہ کتاب نایاب ہوگئی اور شدت سے ارباب علم و فضل کے تقاضے جلد اول کے دوسرے اڈیشن اور اس کی بقیہ جلدوں کی اشاعت کے لئے شروع ہوگئے

اس موقعہ پر مدینۃ العلماء گھوسی اور بجڈیہہ بنارس وغیرہ کے ان ارباب خیر کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنہوں نے اعزازی طور پر اس کتاب کی ممبری قبول فرمائی اور کتاب کی اصل قیمت سے کہیں زیادہ رقوم مرحمت فرماکر ہمارے اشاعتی کاموں کو آگے بڑھانے میں مدد بہم پہونچائی خصوصًا فاضل جلیل ادیب

Marfat.com

شہیر حضرت مولٰنا بدر القادری صاحب مدظلہ العالی جنہوں نے ہر طرح سے ہمارا تعاون فرما کر دائرۃ المعارف الامجدیہ کے ساتھ بے پناہ احترام وعقیدت کا ثبوت دیا۔ اور اپنے نیک مشوروں سے نوازا۔
فتاوی امجدیہ جلد اول کے معًا بعد اس حصہ کو منظر عام پہ آجانے چاہئے تھا لیکن ناگہانی طور پر کچھ ایسے ناگفتہ بہ اور صبر آزما حالات مرتب فتاویٰ فاضل جلیل حضرت علامہ عبد المنان صاحب کلیمی مدظلہ العالی رئیس الاساتذہ دار العلوم اہلسنت عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد اعظم گڈھ کے ساتھ پیدا ہوتے گئے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس جلد کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ جس کے لئے ہم اپنے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔

فتاویٰ امجدیہ کی اس جلد کی طباعت واشاعت میں ہم کہاں تک کامیاب ہیں آپ کے مشوروں کا شدت کے ساتھ انتظار رہے گا تاکہ اس روشنی میں کام کو آگے بڑھانے میں مزید سہولت وتقویت اور رہنمائی حاصل ہو اور جلد از جلد ہم اپنے منزل مقصود تک پہونچ جائیں۔ ہمیں قوی امید ہے کہ ضرور ہمارے قارئین کرام اس پہلو پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں گے اور اپنے رشحات قلم سے ارباب دائرہ کو مشرف کریں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل ہماری غیب سے مدد فرمائے اور ارباب دائرہ اپنے مقاصد میں کامیاب وکامراں ہوں۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

المستمس

علاء المصطفی القادری۔ جنرل سکریٹری دائرۃ المعارف الامجدیہ بتاریخ ۱۲ اپریل ۸۳ء

Marfat.com

# دائرۃ المعارف الامجدیہ

## شہزادہ اعلیٰحضرت حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی مصطفیٰ رضا خاں قادری

## قدس سرہ العزیز علیہ الرحمۃ والرضوان

## کی نظر میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وآلہ وصحبہ الکرام اجمعین

مجھے اطلاع ہوئی کہ گھوسی میں مولانا المحترم حضرت صدر الشریعۃ مولوی امجد علی صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام نامی سے موسوم ایک اشاعت کا ادارہ قائم ہوا ہے جس کا نام دائرۃ المعارف الامجدیہ ہے۔ اور اس ادارہ نے صدر الشریعۃ کا علمی شاہکار۔ فتاوی امجدیہ، خوش اسلوبی سے چھاپا ہے جو بڑی مسرت کی بات ہے۔ مولائے کریم دائرہ مذکورہ کو فروغ بخشے اور منتظمین ومعاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

(دستخط) فقیر مصطفیٰ رضا خاں غفرلہ

۱۸ صفر ۱۴۰۱ھ

Marfat.com

ہم اپنی اس عظیم اشاعتی خدمت کو بطور

# نذرانۂ عقیدت

اس ذات گرامی کی بارگاہ اقدس میں پیش کرنیکی سعادت حاصل کرتے ہیں جنکو دنیائے علم سنیت

عمدۃ المتکلمین ممتاز الفقہاء محدث کبیر فاتح بنارس جانشین حضور صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفی صاحب قادری مدظلہ العالی مہتمم جامعہ امجدیہ رضویہ، مدینۃ العلماء گھوسی ضلع اعظم گڈھ یوپی

کی حیثیت سے یاد کرتی ہے۔ اور ...............

... جن کے فیوض و برکات سے آج ہزاروں تشنگان علم سیراب ہو رہے ہیں اور اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہیں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

کفش بردار

عبدالمنان الکلیمی　　علاء المصطفی القادری
نائب صدر　　جنرل سکریٹری

دائرۃ المعارف الامجدیہ قادری منزل گھوسی

Marfat.com

# تقریظ جلیل [1]

بقیۃ السلف ممتاز المفسّرین حضرت علامہ عبد المصطفٰی صاحب قبلہ الازہری دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی سیدنا محمد رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ سیدی وسندی ووالدی مولانا المفتی الحکیم ابو العلی محمد امجد علی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ علم شریعت کی مہارت اور حدیث پاک کی تعلیم وتشقیف، علوم عقلیہ پر تعلیم وتدریس کا عبور اور تمام علوم دینیہ پر کامل دسترس، یہ ایسی باتیں ہیں جن کو سارے ہی اہل علم اور اہلسنت جانتے ہیں۔ آپ کی مشہور عالم کتاب "بہار شریعت" کے محققانہ مسائل اور ترجیحی جزئیات سے پورا برصغیر ہند و پاکستان آج استفادہ کر رہا ہے۔ مفتیان کرام کے لئے حوالہ تلاش کرتے فتاویٰ دینے اور کتب کے تتبع کا بہترین ذریعہ ہے۔

حضرت صدر الشریعہ سے مختلف زبانوں میں لوگوں نے سوال کئے اور فتوے پوچھے۔ آپ نے سفر میں حضر میں وطن میں اور باہر ہر جگہ تحریراً و تقریراً بے شمار فتاوی عطا فرمائے۔ ان میں کے بعض اہم حصے دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہے۔ لیکن آخر میں آپ نے ایک یا دو جلدیں خاص کر اپنے فتاویٰ کے لئے سفید کاغذکی تیار کرائیں۔ اور اس میں اپنے فتاوی درج کرائے۔ خاص کر اجمیر شریف کے

[1] یہ جلد اول کی تقریظ ہے جس کو یہاں تبرکاً شائع کیا جارہا ہے۔ کلیمی

Marfat.com

آخری برسوں میں۔ اور ان فتاوی کی اکثر و بیشتر نقول محدث پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب کے ہاتھوں کی کی ہوئی ہیں۔

آپ کے فتاوی ادلہ و ترجیحات و عبارات فقہیہ پر مشتمل تھے۔ جناب مولانا عبدالمنان کلیمی فاضل اشرفیہ نے ان کو ترتیب فقہی کے ساتھ مرتب کیا اور برادر عزیز حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب نے ان فتاوی پر اپنے مفید حواشی کا اضافہ کیا۔

اور برادر زادہ مولوی علاء المصطفیٰ سلمہ نے ان تمام امور کو اپنی کوششوں سے پروان چڑھایا اور بہترین کتابت کرائی اور اب یہ فتاوی طباعت کے مرحلہ سے گذرنے والے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان سب حضرات کو علمی فکری ذہنی دینی دنیاوی برکتیں عطا فرمائے اور ان کو آئندہ بھی دین و شریعت کی اعلیٰ خدمت کی توفیق بخشے۔

یہ فقیر ۱۸ سال کے بعد اپنے سابق گھر قادری منزل احباب و اعزہ سے ملنے کے لئے آیا۔ اور طائرانہ نظر سے اس مسودہ کو دیکھا۔ مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ حضرت قبلہ والد ماجد کی ایک علمی یادگار کو ان عزیزان دونوں نے پردۂ خفا سے منصۂ شہود پر لا کر کھڑا کر دیا۔ اور علماء اور دیندار لوگوں کو اس کتاب سے مستفید ہونے کا موقعہ دیا۔

**دائرۃ المعارف الامجدیہ** اپنی اس گراں بہا پیش کش پر لائق تحسین و تبریک ہے۔ اللھم زد فزد یہ خدمت دین بمصداق حدیث صحیح۔ من یرد اللہ لہ یفقھہ فی الدین (بخاری شریف جلد اول ص ۱۶) اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کے مخلصین کے لئے ارادہ خیر فرما چکا ہے اور سعادت ان کو بخش دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کو بھی دینی و دنیاوی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی آلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اکرم الصلوٰۃ والتسلیم۔

الفقیر محمد عبدالمصطفیٰ الازہری غفرلہ شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ عالمگیر روڈ کراچی ۵ پاکستان

حال وارد قادری منزل قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ۔ اتر پردیش — انڈیا

تحریرا فی ۲۶ شعبان معظم ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۲ جولائی ۱۹۷۹ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

# کتاب النکاح

## نکاح کا بیان

**مسئلہ** ، مرسلہ مولوی قادر بخش صاحب از جوہر کوٹ تحصیل بارکہاں ملک بلوچستان غرہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۴۰ھ

نکاح مجنون واقع شود یا نہ؟[1]

**الجواب** ، نکاح مجنون صحیح است مگر اجازت ولی دراں شرط است، قال فی الدر. وھو ای الولی شرط صحة نکاح صغیر ومجنون، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** ، مسئولہ قاسم علی خان مقام قصبہ اسلام پور، ریاست جے پور، ۱۵، جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۴۱ھ ،

علمائے دین متین وعاملان شرع مبین کیا فرماتے ہیں، ایسے شخص جو انجمن غیر مقلدین کا ملازم ہے، اور غیر مقلدیت کی اشاعت کرتا ہے، اس کا باندھا ہوا نکاح درست ہے یا نہیں؟

---

[1] پاگل کا نکاح واقع ہوتا ہے کہ نہیں؟ الجواب: پاگل کا نکاح درست ہے، مگر اس کے صحیح ہونے کے لئے ولی کی اجازت شرط ہے، درمختار میں فرمایا، نابالغ اور پاگل کے نکاح کے لئے ولی شرط ہے، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ (امجدی) .

Marfat.com

**الجواب:** نکاح خواں کا مسلمان ہونا شرط نہیں، کافر بھی اگر ایجاب وقبول کرا دے گا نکاح ہو جائے گا، مگر مسلمانوں کو نہ چاہیئے کہ ایسوں سے نکاح پڑھوائیں کہ اس میں ایک طرح کا اعزاز ہے اور ان کی تعظیم حرام، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ قاسم علی خان قصبہ اسلام پور، ریاست جے پور، ۱۵ر جمادی الآخرۃ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اہل سنت وجماعت کہ ایک عورت بکر بالغہ کی نسبت ایک جگہ ٹھہر چکی تھی، بعد ازاں ایک اور جگہ لوگوں نے کوشش کی کہ جہاں نسبت ٹھہری ہے وہاں نکاح نہ ہو، چنانچہ انھوں نے کوشش کر کے بالغہ لڑکی کے باپ کو جس کی عمر تقریباً ساٹھ سال ہے، بہکایا اور دوسرے ایک شخص سے نکاح کرنے کے لئے اذن حاصل کیا لیکن لڑکی نے انکار کیا اور کہا کہ مجھ کو یہ نکاح ہرگز منظور نہیں ہے، لڑکی کو زبردستی اور جبر اً کپڑے پہنائے گئے، بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے بطور خود مجلس نکاح منعقد کر کے نکاح پڑھانا چاہا، لیکن لڑکی صاف انکار کر گئی، اور رونے لگی جس پر لڑکی کو ڈرایا اور دھمکایا گیا اور ماند ردنی زدوکوب بھی کی گئی لیکن لڑکی انکار ہی کرتی رہی، اور کہا میں ہرگز ایک لفظ نکاح ادا نہیں کروں گی، اور خاموش رہی، آخر اہل مجلس مجبور ہو کر واپس جا رہی تھی کچھ مجلس جا چکی تھی اور کچھ بس معہ لڑکی اس جگہ بیٹھی تھی، کہ اس کا بھائی آگیا، جو تمام گھر والوں کا متکفل ہے، اس نے لڑکی سے دریافت کیا کہ کیا نکاح ہوگیا، اس نے کہا میں نے نکاح نہیں پڑھی ہے، اور مجھ پر زبردستی ظلم اور زدوکوب کی گئی لیکن میں ہر طرح انکار ہوں، اور لڑکی کو جو کپڑے پہنائے تھے، وہ لڑکی نے اتار کر پھینک دی اور اپنے بھائی کے ہمراہ چلی آئی، لڑکی کے بھائی نے دو یوم کے بعد لڑکی کا نکاح جس جگہ نسبت ٹھہری تھی لڑکی کی رضامندی سے کر دیا، اب ستفسرہ یہ ہے کہ لڑکی کا باپ چند اشخاص کو دھوکہ دیا اور نکاح اول سے لڑکی کا انکار ہونا ثابت کرتا ہے لیکن خود معہ دو گواہوں کے نکاح اول کا ہو جانا اور ایجاب وقبولیت بھی ثابت کرتا ہے، اور لڑکی انکار کرتی ہے اور اول بھی اور عین اس وقت بھی، کہ جس وقت نکاح پڑھایا جاتا تھا، اور اس کے بھائی کے آنے تک ہر طرح سے انکار اور اول نکاح کا نہیں ہونا حلفاً ثابت کرتی ہے بمقابلہ باپ اور دو گواہوں کے لڑکی کا قول شرعاً معتبر ہے، یا باپ اور دو گواہوں کا معتبر ہے، اور کیا باپ کو ایسا حق حاصل ہے، کہ باکرہ بالغہ لڑکی کو

---

ؔ نکاح پڑھانے والا وکیل ہوتا ہے اور وکیل کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں، مسلمان کا وکیل کافر بھی ہو سکتا ہے، اگرچہ وہ کافر مرتد ہو، عالمگیری میں ہے، وتجوز وکالۃ المرتد بان وکل مسلم مرتدا وکذا لو کان مسلما وقت التوکیل ثم ارتد فھو علی وکالتہ الا ان یلحق بدار الحرب فتبطل وکالتہ کذا فی البدائع، اور مرتد کا وکیل ہونا صحیح ہے، اس طرح کہ کوئی مسلمان کسی مرتد کو وکیل بنائے اور یونہی اگر وکیل بنائے جانے کے وقت مسلمان تھا، پھر معاذاللہ مرتد ہوگیا، تو وہ اپنی وکالت پر ہے، مگر یہ کہ دار الحرب کو چلا جائے۔ تو اس کی وکالت باطل ہو جائے گی ایسا ہی بدائع میں ہے۔

ج ۳، ص ۵۶۳۔ (امجدی)

Marfat.com

باوجود انکار اور نارضامندی کے نکاح کے لئے مجبور کرے، اور لڑکی اور لڑکی کا باپ حنفی مذہب ہے، اور ناکح اول اور والد ناکح اور ایک گواہ جس کو بہکانے والا ہے کہا جاتا ہے، غیر مقلد ہے؟

**الجواب:** بالغہ پر ولایت اجبار نہیں، بغیر اس کی اجازت نکاح کر دیں تو اجازت پر موقوف رہے گا، اور جب وہ عورت اجازت لیتے وقت بھی انکاری تھی اور بعد میں بھی، تو نکاح اگر کیا بھی ہو تو نہ ہوا، درمختار میں ہے، ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ، رہا یہ امر کہ عورت نکاح سے انکار کرتی ہے اور گواہ نکاح ہونا بیان کرتے ہیں، اگر گواہوں کا مقصد یہ ہے کہ نکاح پڑھانے والے نے ناکح سے نکاح قبول کرا دیا تو اس سے یہ ثابت نہ ہوا کہ لڑکی نے اپنے باپ یا کسی کو وکیل کیا یا بعد میں اس نکاح کو جائز کیا، لہٰذا ان گواہوں سے لڑکی کا اذن دینا ثابت نہ ہوا تو نکاح کا نفاذ ان گواہوں سے ثابت نہ ہوا، لہٰذا یہ بیکار ہیں، اور اگر گواہ لڑکی کا اذن دینا بیان کرتے ہوں اور ثقہ عادل بھی ہوں، تو ان کی گواہی معتبر ہو گی، ان کے مقابل لڑکی کا انکار کوئی شے نہیں، ردالمحتار میں ہے[1]، اما الشهادة على التوكيل بالنكاح فليست بشرط لصحته كما قدمناه عن البحر وانما فائدتها الاثبات عند جحود التوكيل، نیز اسی میں ہے، اعلم ان النكاح له حكمان حكم الانعقاد وحكم الاظهار، فالاول ما ذكرناه والثاني انما يكون عند التجاحد فلا يقبل في الاظهار الاشهادة من تقبل شهادته في سائر الاحكام كما في شرح الطحاوي، فلذا انعقد بحضور الفاسقين والاعميين والمحدودين في قذف وان لم يتوبا وابني العاقدين وان لم يقبل اداؤهم عند القاضي كانعقاده بحضرة العدوين، بحر[2]، اور جب ایک گواہ غیر مقلد ہے تو اس کی گواہی نامعتبر کہ غیر مقلد نکاح مسلمان کا گواہ نہیں ہو سکتا کہ اس میں مسلمان گواہ ہونا شرط اور غیر مقلدین زمانہ پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم، یہ سب اس صورت میں تھا کہ ناکح سنی ہوتا اور جب کہ وہ غیر مقلد ہے تو اگرچہ عقد ہوا ہو، اگرچہ لڑکی نے اذن دیا ہے، اگرچہ لڑکی اقرار کرتی ہو یا گواہوں سے ثابت ہو، بہرحال سنیہ کا نکاح اس سے نہ ہوا اور عورت پر فرض ہے کہ ہرگز ہرگز اس کے یہاں نہ جائے۔ اور اس کے باپ پر لازم اشد لازم کہ اپنی لڑکی کو زنا کے لئے پیش نہ کرے، کہ لڑکی اس کو دینا زنا کے لئے پیش کرنا ہے۔ اور تفصیل[3] درکار ہو، تو رسالہ ازالۃ العار کا مطالعہ چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ جناب عبدالعزیز صاحب محلہ سکر اول قصبہ ٹانڈہ، ضلع فیض آباد، ۲۸ رجب ۱۳۴۱ھ۔

---

[1] ج ۲، ص ۳، ۱۲ ن، [2] ج ۲، ص ۹۶، [3] اس زمانہ کے غیر مقلدین جو مولوی اسماعیل دہلوی کو اپنا امام و پیشوا مانتے ہیں، کافر و مرتد ہیں، اور مرتد سے دنیا میں کسی کا نکاح صحیح نہیں، درمختار میں ہے، لا يصلح ان ينكح مرتد او مرتدة احدا من الناس مطلقا، ج ۲، ص ۹-۳۹۶، ن، مرتد اور مرتدہ اس کی صلاحیت نہیں رکھتے کہ دنیا میں کسی سے نکاح کر سکیں، حتیٰ کہ اپنے مثل مرتد سے بھی ان کے نکاح درست نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مادرزاد بہرہ اور گونگا ہے، اگر اس کا نکاح کرنا چاہیں تو کس طرح کیا جائے؟

**الجواب:** گونگا اگر لکھنا جانتا ہو تو تحریر کے ذریعے سے اس کا نکاح ہوگا، ورنہ اشارے سے، جب کہ معلوم ہو کہ اس قسم کا اشارہ اس کے نزدیک نکاح سے تعبیر ہے، نہر پھر رد المحتار میں ہے، لان نکاحہ (ای الاخرس) کما قالوا ینعقد بالاشارۃ حیث کانت معلومۃ نیز اسی میں کافی امام شہید سے ہے، فی کافی الحاکم الشہید ما نصہ، فان کان الاخرس لا یکتب وکان لہ اشارۃ تعرف فی طلاقہ ونکاحہ وشرائہ وبیعہ فھو جائز وان کان لم یعرف ذالک منہ او شک فیہ فھو باطل اھ، فقد رتب جواز الاشارۃ علی عجزہ عن الکتابۃ فیفید انہ کان یحسن الکتابۃ لا تجوز اشارتہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ مولوی محمد عنایت اللہ صاحب افسر مدرس درس نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ، ۸ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسلمان مرد نے ایک ہندو عورت کو اپنے گھر میں رکھا جس سے اولاد پیدا ہوئے اور اس کا نام وہی ہندوانی رکھا، جو مسلمان مرد کے گھر میں آنے کے وقت تھا، اور بعد موت بھی اسی نام سے یاد کی جاتی ہے، اس صورت میں عورت مذکورہ کس مذہب کی سمجھی جائے گی، اولاد مذکورہ مرد مسلمان کی جائز اولاد مانی جائے گی یا نہیں؟

(۲) زید ایک مشہور شخص تھا باوجودیکہ اس تعلق کے ناجائز ہونے کی نسبت عام شہرت ہو چکی تھی لیکن زید نے اپنی حیات میں کوئی تردید اس مشہور واقعہ ناجائز کی نہیں کی، پس اب اگر اس کی اولاد مسلمان اور منکوحہ ہونے کے ثبوت کے لئے ایک نکاح نامہ پیش کرے تو کیا یہ نکاح نامہ اس کے اسلام اور نکاح کے ثبوت کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

(۳) بر تقدیر ثبوت اسلام کے کیا یہ عورت مذکورہ اور زید کی اس کے بطن سے اولاد ان لوگوں کی (جن کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے قدامت اسلام کا شرف حاصل ہے) ہم کفو ہو سکتی ہے یا نہیں، اور نجیب الطرفین اس کی اولاد کو کہا جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

**الجواب:** ہندوانی نام سے یاد کیا جانا یہ اس کی دلیل نہیں کہ وہ عورت مشرف بہ اسلام نہ ہوئی، بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا کہ اسلام

ے گونگے کا نکاح اشارہ سے منعقد ہو جائے گا، جب کہ اشارہ معلوم ہو، یعنی گونگا یہ سمجھتا ہو کہ یہ اشارہ نکاح کے لئے ہے، ۲ے امام حاکم شہید کی کافی میں ہے کہ گونگا اگر لکھنا نہ جانتا ہو اور کوئی ایسا اشارہ ہو، جس سے گونگا نکاح، طلاق، خرید و فروخت کو پہچانتا ہو، تو جائز ہے، اور اگر گونگے سے ان باتوں کا اشارہ نہ معلوم ہو تو وہ باطل ہے، تو انھوں نے اشارہ کے جواز کو کتابت سے عاجز ہونے پر مرتب فرمایا، اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اگر وہ لکھنا جانتا ہے تو اشارہ کافی نہیں ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم، (امجدی)

Marfat.com

لائے اور اسلامی نام بھی رکھا گیا، مگر اسی ہندوانی نام سے پکارے جاتے رہے، یہ دیکھنا چاہیے کہ اس عورت نے کبھی اگر مسلمانوں کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا ہو یا نماز وغیرہ ارکان اسلام اس سے ادا کرتے لوگوں نے دیکھا ہو تو مسلمان سمجھی جائے گی، اب اسلام ثابت ہونے کے بعد اگر نکاح کے گواہ ہوں تو اولاد بیشک اسی مسلمان کی اولاد مانی جائے گی، یا کم از کم ان دونوں کا اس طرح رہنا جیسے میاں بیوی رہا کرتے ہیں، یہ بھی دلیل نکاح ہے اور ان کے نکاح پر گواہی دینی جائز ہوگی، اگرچہ نکاح سامنے نہ ہوا، ہدایہ و عالمگیری و درمختار میں ہے، اذا رأی[1] رجلا و امرأۃ یسکنان بیتا و ینبسط کل واحد الی الآخر انبساط الازواج وسعہ ان یشھد انھا زوجتہ، واللہ تعالی اعلم۔

**الجواب:** نکاح نامہ سے ثبوت نکاح نہیں ہو سکتا، الخط یشبہ الخط، ہاں اگر نکاح کے گواہ ہوں، یا دونوں میں زن و شوہر کے برتاؤ دیکھ کر کوئی نکاح کی گواہی دے تو نکاح مان لیا جائے گا، مگر اسی صورت میں کہ عورت کا مسلمان ہونا ثابت ہو ورنہ مشرکہ سے نکاح کب ہو سکتا ہے، واللہ تعالی اعلم۔

(۲) برتقدیر ثبوت اسلام و نکاح زید کی اولاد اس عورت سے اس کے لئے کفو ہے جس کے ماں باپ دونوں کئی پشت سے مسلمان ہوں، بشرطیکہ زید اور زید کا باپ دونوں مسلمان ہوں اور دیگر امور جو کفاءت میں معتبر ہیں مفقود نہ ہوں، اس لئے کہ عجم کی کفاءت میں اگرچہ اسلام کا اعتبار ہے، مگر صرف باپ اور دادا کا اسلام معتبر ہے، ماں کے اصول کا مسلم ہونا شرط نہیں، درمختار میں ہے، واما فی العجم فتعتبر حریۃ و اسلاما فمسلم بنفسہ غیر کفو لمن ابوہ مسلم ومن ابوہ مسلم غیر کفو لمن لہ ابوان والابوان فیھما کالآباء لتمام النسب بالجد، فتاوی عالمگیری میں ہے، ومنھا اسلام الآباء من اسلم بنفسہ ولیس لہ اب فی الاسلام لایکون کفوا لمن لہ اب واحد فی الاسلام، کذا فی فتاوی قاضیخان۔ ومن لہ اب واحد فی الاسلام لایکون کفوا لمن لہ ابوان فصاعدا فی الاسلام، کذا فی البدائع والذی اسلم بنفسہ لایکون کفوا للتی لھا ابوان او ثلثۃ فی الاسلام ویکون کفوا

---

[1] اگر ایک مرد اور ایک عورت کو ایک ساتھ کسی گھر میں رہتے ہوئے دیکھیں، اور ان میں سے ایک دوسرے سے انبساط کرے جیسے میاں بیوی کرتے ہیں، تو دیکھنے والے کو یہ جائز ہے کہ اس بات کی گواہی دے کہ یہ دونوں میاں بیوی ہیں۔ اقول: یعنی جس طرح عام باتوں کی گواہی کے لئے یہ شرط ہے کہ گواہ اپنی آنکھ سے اس مجلس میں موجود رہکر دیکھا ہو، ورنہ گواہی مقبول نہ ہوگی، یہ شرط یہاں ضروری نہیں کہ کسی عورت کے بارے میں یہ گواہی دینے کے لئے کہ یہ فلاں کی بیوی ہے، یہ ضروری ہو کہ گواہ نے نکاح کی مجلس میں ایجاب و قبول کو سنا ہو، بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ وہ عورت کسی مرد کے ساتھ اس طرح رہتا ہو جیسے بیوی شوہر کے ساتھ رہتی ہے، واللہ تعالی اعلم۔

Marfat.com

لمثله کن فی السراج الوهاج ومن له ابوان فی الاسلام کان کفو الامرأة لها ثلثة اباء فی الاسلام او اکثر کذا فی المحیط،
اور نجابت عرف میں بمعنی شرافت نسب ہے، اگر ماں باپ دونوں باعتبار نسب شریف ہوں تو کہہ سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ**:۔ ایک شخص اپنی لڑکی کا رشتہ جہاں کے رسوم کے ساتھ دیوے، عرصہ چار یا پانچ سال کے بعد وہ رشتہ دوسری جگہ دیا جاوے کیا پہلے کا رشتہ ثابت ہے، بابت عہد کے پچھلے کا نکاح ثابت ہوگا یا نہ؟

**الجواب**:۔ اگر صرف یہ وعدہ کیا تھا کہ لڑکی کا نکاح کر دے گا، پھر اس نے دوسری جگہ نکاح کر دیا تو یہی نکاح ہوا پہلے شخص سے نکاح نہ ہوا، ہاں وعدہ خلافی ہوئی، اور یہ بغیر وجہ شرعی نہ چاہیے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:۔ مرسلہ محمد یعقوب محلہ سیلانی شہر کہنہ بریلی، ۱۶ رذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اور ایک بیوی اور چار بچے چھوڑا اور اس کے دو برادر حقیقی کلاں ہیں برادران زید نے یہ تجویز کیا تھا کہ عدت گذر جانے کے بعد کہیں بیوہ کا نکاح کر دیا جائے گا، عمرو جو کہ زید کا حقیقی بہنوئی ہے، اس نے زید کے برادران کو یہ مشورہ دیا کہ زید کے تین لڑکے ہیں، جو چند روز میں مزدوری کے قابل ہو جائیں گے، اس کی کچھ پرورش میں بھی کرتا رہوں گا، اور تم بھی کرو اور اس کو ایسے ہی بیٹھے رہنے دو تو اچھا ہے، برادران زید نے عمرو کا مشورہ منظور کر لیا اور چار سال تک باقاعدہ پرورش کی، زوجہ عمرو یعنی زید کی بہن کو شک گذرا کہ میرے شوہر کا خیال فاسد ہے، اور زید کی بیوی سے تعلق ہے، تو اس نے خدا و رسول کا واسطہ دیا کہ ایسا نہ کرو لیکن اسے اطمینان نہ ہوا، اس کے بعد زوجہ عمرو نے اپنے برادر حقیقی سے مشورہ کیا، اس نے عمرو سے کہا جیسا کہ میں نے سنا ہے ایسا ہی تمہارا تعلق ہے تو عمرو نے قسم کھا کر کہا میرے ہاتھ پر کلام پاک رکھو، میرا کوئی تعلق نہیں ہے، اور خدا اور رسول کی قسم کھائی اور یہ بھی کہا کہ میں اپنی بیٹی کے برابر سمجھتا ہوں، اور جو کچھ اس کی پرورش کرتا ہوں، بیوہ سمجھ کے کرتا ہوں زید کے بھائی نے یقین کر لیا، کیونکہ عمرو کی عمر ساٹھ سال ہے اور بیوہ کی تقریباً پچیس سال ہوگی، اور جب وقت بیوہ سے کہا گیا کہ تمام لوگوں میں غوغا ہو رہا ہے، اگر تم کو نکاح کی ضرورت ہے، تو نکاح کرا دیں بیوہ نے جواب دیا مجھے نکاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور عمرو کو بجائے باپ کے سمجھتی ہوں، اسی جد و جہد میں ایک سال گذر گیا، عمرو اس بیوہ کو بھگا کر لے گیا اور نکاح کر لیا، اپنی زوجہ اولیٰ کی اجازت اور خوشی کے بغیر کیونکہ وہ خدا اور رسول کا واسطہ دیتی تھی کہ نکاح مت کرو، اب عمرو کے پاس تین جوان لڑکے ہیں اور ان کے بچے بھی اور وہ عمرو کے دشمن ہیں، اور عمرو زوجہ اولیٰ کو تکلیف بھی دیتا ہے اور انتظام بھی خراب ہے، اس صورت میں نکاح جائز ہوا یا نہیں اسے کہا جاتا ہے کہ دونوں میں سے ایک کو طلاق دے دو، تو کہتا ہے کہ میں زوجۂ دوم کو طلاق نہیں دوں گا، خدا اور رسول کے خلاف ہے اور کہنے والے پر عذاب ہے، اس کے ہر فقرے کا جواب سمجھ کر تحریر فرمایا جائے کہ کہنے والے پر

Marfat.com

عذاب ہوا یا نہیں. طلاق دینا جائز ہے یا نہیں، اور جو لوگ طلاق دینے کو منع کرتے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟ اور گھر کا انتظام بہت خراب ہو رہا ہے، اس حالت میں ایک بیوی کو طلاق دینا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**: یہ نکاح صحیح ہے، عمرو کا یہ کہنا کہ اس کو بیٹی کے برابر سمجھتا ہوں یا عورت کا یہ کہنا کہ عمرو کو بجائے باپ کے سمجھتی ہوں، اس کہنے سے نہ وہ باپ ہوا نہ یہ بیٹی نہ اس سے وہ عورت اس پر حرام ہوئی، ہاں عمرو پر فرض ہے[1] کہ عدل و انصاف سے کام لے ورنہ گنہگار ہے، اور پہلی عورت کو یہ کہنا نہ چاہئے کہ شوہر زوجہ ثانیہ کو طلاق دے دے، حدیث میں ہے کہ لا تسئل المرأۃ طلاق اختہا لتکتفیٔ ما فی صحفتہا، ہاں اپنے حقوق نان و نفقہ وغیرہ کا شوہر سے مطالبہ کر سکتی ہے، اور اگر اس کے حقوق پورے ادا کرتا ہے تو اپنی طلاق کا بھی سوال نہ کرے کہ بغیر وجہ شرعی شوہر سے کہنا کہ مجھے طلاق دے دے، جائز نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ایما امرأۃ سألت زوجہا طلاقا فی غیر ما بأس فحرام علیہا رائحۃ الجنۃ، جو عورت بلا ضرورت شوہر سے طلاق لینا چاہے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے، رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ والدارمی عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نیز فرمایا، المنتزعات و المختلعات ھن المنافقات جدائی چاہنے والیاں اور خلع کروانے والیاں منافق ہیں، رواہ النسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور دوسرا نکاح کر لینا کوئی جرم نہیں کہ طلاق طلب کرنا جائز ہو، اگر وہ شخص دونوں کے حقوق پورے نہ کر سکتا ہو تو ایک کو طلاق دے سکتا ہے[2] اور کوئی وجہ شرعی ہو تو لوگ بھی طلاق کے لئے کہہ سکتے ہیں، ورنہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ غلام حسین خاں صاحب کشمیری از لالہ بازار، المورہ، ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کسی چھوٹے ہندو قوم سے شادی کے بعد اس ہندو خاوند کے گھر سے بھاگ کر ایک مسلمان کے گھر میں مسلمان ہو کر نکاح پڑھوا کے تقریباً چار برس رہی اس کے بعد وہ اس مسلمان کے یہاں سے بلا طلاق

---

[1] کوئی عورت اپنی بہن (سوکن) کے طلاق کا سوال نہ کرے تاکہ جو اس کے پیالے میں ہے سب خود انڈیل لے، [2] مرد پر دو باتوں میں سے ایک فرض ہے، یا تو حسن سلوک کے ساتھ رکھنا، یا بھلائی کے ساتھ طلاق دیدینا، قرآن مجید میں ہے، فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف، انہیں بھلائی کے ساتھ روکے رکھو یا اچھائی کے ساتھ چھوڑ دو، معلق چھوڑنا کہ نہ طلاق دیں نہ نان، نفقہ دیں یا حقوق زوجیت نہ ادا کریں حرام ہے، فرماتا ہے، فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ، تو یہ نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتی چھوڑ دو، یہ شخص جب اپنی پہلی بیوی کو معلق چھوڑے ہوئے ہے، اس کے حقوق زوجیت کو ادا نہیں کرتا تو اس کی زوجہ کو ضرور یہ حق حاصل ہے کہ اپنے طلاق کا سوال کرے اور مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ اس شخص کو دو باتوں میں سے ایک پر مجبور کریں یا تو حسب حکم شرعی پہلی بیوی کے بھی حقوق کما حقہٗ ادا کرے یا پھر اسے طلاق دیدے، حدیث میں ہے، انصر اخاک ظالما او مظلوما، اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روک دیا جائے اور مظلوم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے نجات دلایا جائے۔ (امجدی)

Marfat.com

علیحدہ ہوکر تیسرے مسلمان کے ساتھ رہنے لگی، کچھ عرصہ بعد ۴۹۸ تعزیرات ہند کے دفعہ کے مطابق پہلے مسلمان خاوند نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا، عورت نے کہا میرا پہلا خاوند ہندو موجود ہے، عدالت نے ہندو خاوند کی زوجہ قرار دے کر مسلمان خاوند کا نکاح ناجائز کر دیا، عدالت نے اس کو ہندو خاوند کے ہمراہ کرنا چاہا، لیکن ہندو شوہر نے اسے لے جانے سے انکار کیا، کیونکہ وہ مذہب بدل چکی تھی، الخلاصہ ہندو خاوند اس کو نہیں لے گیا، پہلے مسلمان خاوند کے گھر بہ سبب تکلیف رہنا نہیں چاہتی، نہ عدالت سے اس کو ملی، بلا نکاح ایک تیسرے شخص کے ہمراہ رہتی ہے، اس کے ہمراہ نکاح کرنے پر راضی ہے، لہٰذا اس عورت کا نکاح کب اور کس طرح پڑھایا جائے تاکہ وہ تیسرے شخص کے ساتھ حرام کاری سے بچائی جائے،

**الجواب**: سائل نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ عورت نے مسلمان ہونے کے کتنے دنوں بعد نکاح کیا، اگر تین حیض آنے کے بعد یا حیض نہ آتا ہو تو تین ماہ گذرنے کے بعد نکاح کیا تو نکاح صحیح ہے، اب جب تک یہ شوہر طلاق نہ دے، دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی، فتاوی عالمگیری میں ہے، وَاِذَا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب ولم یکونا من اهل الکتاب او کانا والمرأة هی اللتی اسلمت فانه یتوقف انقطاع النکاح بینهما علی مضی ثلث حیض سواء دخل بها او لم یدخل بها کذا فی الکافی فان اسلم الآخر قبل ذالك فالنکاح باق ولو کانا مستامنین فالبینونة اما بعرض الاسلام علی الآخر او بانقطاع ثلث حیض وکذا فی العتابیه ولو کانت لا تحیض لصغر او کبر لا تبین الا بمضی ثلثة اشهر وکذا فی البحر الرائق اور اب عورت اس ہندو کے پاس نہیں رہ سکتی اور یہ عجب کہ مسلمان عورت کو کافر کے حوالہ کیا جاتا ہے، یہ قطعاً حرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

لہ اگر میاں بیوی میں سے ایک دار الحرب میں اسلام لے آئیں، اہل کتاب ہوں یا نہ ہوں، اور عورت اسلام لائی ہو تو نکاح کا ختم ہونا تین حیض آنے تک موقوف رہے گا، خواہ اس کے ساتھ دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، جیسا کہ کافی میں ہے پس اگر دوسرا یعنی شوہر تین حیض آنے سے پہلے پہلے اسلام لایا تو دونوں اپنے سابق نکاح پر باقی رہیں گے، اور دونوں مستامن ہوں (دار الاسلام میں امان لائے ہوں) تو ان دونوں کے درمیان نکاح کا منقطع ہونا اس وقت ہوگا کہ دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے، اور وہ اسلام لانے سے انکار کرے، یا تین حیض گذر جائے، جیسا کہ عتابیہ میں ہے، اور اگر عورت حیض کے لائق نہ ہو، کم سنی یا بڑھاپے کی وجہ سے تو بغیر تین مہینے گذرے سابق شوہر کے نکاح سے باہر نہ ہوگی، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے، اقول، اس عبارت کی روشنی میں مسئلہ کی تین صورتیں ہیں، اول، میاں بیوی دونوں اسلام لائیں، خواہ دار الحرب میں خواہ دار الاسلام میں تو حکم یہ ہے کہ دونوں اپنے نکاح پر باقی رہیں گے، ثانی، صرف عورت اسلام لائے، مرد نہ لائے، اور دونوں دار الحرب میں ہوں تو حکم یہ ہے کہ جب تک قابل حیض عورت پر تین حیض نہ گذر جائیں، اس کا نکاح باقی رہے گا، ہاں اگر کمسنی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے پر نکاح ختم ہوگا، تین حیض کے آنے کے پہلے یا صغیرہ اور آئسہ پر تین مہینے گذرنے سے پہلے پہلے اگر اس کا شوہر بھی اسلام قبول کرلے تو عورت سابق نکاح پر باقی رہے گی، ثالث، دونوں مستامن ہوں یعنی بطریقۂ شرعی امان لے کر دار الاسلام میں آئے ہوں، اور عورت نے اسلام قبول کر لیا تو اس کے شوہر پر بھی اسلام پیش کیا جائے گا، اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کی بیوی ہے، اور اگر انکار کرے تو فسخ نکاح کا حکم دیا جائے گا، اگرچہ تین حیض نہ گذرے ہوں اور اگر اسلام نہیں پیش کیا گیا تو اس وقت نکاح کے فسخ ہونے کا حکم دیا جائے گا جب عورت پر تین حیض گذر جائیں، اور اگر عورت صغیرہ یا آئسہ ہو تو تین ماہ پورے ہو جائیں، اب ایک صورت یہ رہ جاتی ہے کہ میاں بیوی دونوں حربی ہوں اور عقد امان لے کر دار الاسلام میں ہوں جیسا کہ ہندوستان میں ہے، وہ اس لئے کہ بر بنائے تحقیق ہندوستان دار الاسلام ہے، اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ مبارکہ اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ)

Marfat.com

**مسئلہ**: مرسلہ غلام حسین خاں کشمیری لالہ بازار کوہ المورہ، ۱۶ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ۔

آپ نے دریافت فرمایا ہے، عورت حیض سے ہوئی تھی یا نہیں، جواب مفصل ہے، یہ عورت ہندو کے گھر سے متنازعہ مسلمان خاوند کے گھر میں تقریباً ڈیڑھ سال بلا نکاح رہ چکی تھی، مسلمان اس کے گھر میں آکر ایک ماہ بعد ہی ہوئی تھی، گویا مسلمان ہونے کے بعد بھی سترہ ماہ بلا نکاح رہی، جب اس کو لوگوں نے ملامت کیا تو وہ ایک گاؤں میں اپنے ہی خاص چھ مرد اور دو عورتوں کو ہمراہ لے جاکر ایک بازاری درزی سے نکاح پڑھوایا، نکاح پڑھانے والا عالم یا عادل نہیں، قاضی و مولوی کے موجود ہونے پر بھی ایسی کارروائی اس غرض سے کی گئی کہ اس عورت کا پہلا شوہر ہندو زندہ موجود تھا قانوناً دوسرا نکاح پڑھانا جرم سمجھ کر یہ خفیہ کارروائی ہوئی، جب وہ اس مسلمان خاوند کے گھر سے نکل کر دوسرے مسلمان کے گھر رہنے لگی، تو کہہ رہی تھی، مجھے اس کے گھر میں سخت تکلیف تھی، پھر اس نے دوسرے مسلمان پر عدالت سے چارہ جوئی کی، اسی اثنا میں عورت کا اصلی ہندو شوہر بھی عدالت میں آیا، اس نے عذر پیش کیا، عورت دراصل میری ہے، عدالت میں اسی کو اصلی حقدار تصور کرکے عورت کو لے جانے کی اجازت دی، لیکن جب اس کو عورت ملی تو اس نے عورت کو لے جانے سے انکار کیا، جس مسلمان کا ناجائز نکاح کیا گیا، اس کے گھر میں بھی عورت رہنے کو راضی نہیں ہے، اب جس کے گھر میں ہے، اس سے نکاح کرنا چاہتی ہے اور اس کا کوئی سرپرست نہیں ہے، اب بلا نکاح رکھنے پر اندیشہ ہے، کسی جرم یعنی زناکاری کی مرتکب نہ ہو جائے، آیا اس کا نکاح اس مسلمان کے ساتھ پڑھایا جاوے، پہلے مسلمان خاوند کے گھر سے علحدگی کو آج تک تین ماہ سات یوم ہو گئے اور ماہواری بھی برابر ہو رہی ہے لہذا اب دونوں کا غذات کو بغور ملاحظہ فرماکر جواب باصواب سے مطلع فرمائیں، ہندو خاوند کا اس فتوی سے کوئی تعلق نہیں ہے پہلے مسلمان کا نکاح بھی شرع محمدی سے ناجائز عدالت نے قرار دیا، سو اب اس عورت کو عقد ثانی سے روکنے کی کیا وجہ ہے، جس سے کہ اس کے اوپر نگاہ بد ہونے کا اندیشہ ہو؟

---

(بقیہ حاشیہ ص ۸) کا اثبات فرمایا ہے اور عورت اسلام لائے تو کیا حکم ہوگا، یہ جزئیہ کہیں فقیر کی نظر سے نہیں گذرا، قواعد فقہیہ کی روشنی میں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر آج کل یہاں ہندوستان میں میاں بیوی میں سے صرف عورت اسلام لائے، مرد اسلام نہ لائے، تو جب تک عورت پر تین حیض نہ گذر جائیں اس کو عقد کرنے کی اجازت نہیں، جیسا کہ حضرت صدر الشریعہ نے اس فتوی میں صرف اسی شق پر اقتصار فرمایا ہے، شوہر پر اسلام پیش کرنے اور اس کے اعراض سے بینونت فسخ نکاح کا حکم نہیں دیا جائے گا، جیسا کہ اگر دونوں دار الحرب میں ہوتے تو یہی حکم تھا، وجہ یہ ہے کہ اگرچہ یہ دار الاسلام ہے مگر یہاں کے غیر مسلموں پر ہمارا کسی قسم کا کوئی تسلط نہیں، جیسا کہ دار الحرب میں ہوتا ہے، اس لئے اس خصوص میں یہاں کے غیر مسلموں پر وہی حکم جاری ہوگا جو دار الحرب میں رہنے والے حربیوں کا ہے، بخلاف اس کے جب کہ وہ دونوں مستامن ہوں کہ اس صورت میں تسلط ہمارا ہوگا، تو مدار کار تسلط ہے، دار الحرب میں تسلط نہیں اس لئے زوجہ کے اسلام لانے کے بعد شوہر پر عرض اسلام اور اس کے اعراض پر بینونت کا حکم نہیں آج کل ہندوستان میں بھی ہمارا ان پر تسلط نہیں، اس لئے عرض اسلام کے بعد اعراض پر بینونت کا حکم نہیں دیا جائے گا، علاوہ ازیں اسلام پیش کرنے کا کام قاضی کا ہے اور یہاں پر قاضی اسلام نہیں، اس لئے یہاں اسلام پیش کرنے اور اعراض پر فسخ نکاح کا حکم نہیں دیا جائے گا، جیسا کہ پہلے تصریح آچکی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

Marfat.com

**الجواب** :۔ پہلے فتویٰ میں یہی صورت جو سائل نے اب بیان کی قرار دے کر جواب دیا تھا، عورت نے پہلے جس مسلمان سے نکاح کیا تھا، وہ نکاح صحیح وتام ہے، اب جب تک یہ شوہر طلاق نہ دے دوسرے سے نکاح نہیں ہو سکتا، جب عورت مسلمان ہوگئی، تو اب اس کا کافر شوہر اول کا کچھ حق نہ رہا، وہ لینا چاہے یا نہ لینا چاہے کسی طرح اس کو نہیں مل سکتی، جب خود سائل کا بیان ہے کہ ایک مسلمان سے نکاح ہو چکا ہے تو کافر کے یہ کہدینے سے کہ میری عورت ہے وہ نکاح ناجائز نہیں ہو سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** :۔ مرسلہ شہاب الدین قصبہ شیش گڈھ، ضلع بانس بریلی، ۹؍ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی عورت بعد نکاح تقریباً چھ سات سال زید کے گھر میں رہی، ایک لڑکی بھی ہوئی، بعد ازاں وہ عورت پہلے باپ کے گھر گئی، جب دوبارہ زید اس کو لیوانے گئے تو اس کے باپ نے حیلہ بہانہ کر کے اسے روک لیا، چند دنوں کے بعد کسی دوسری جگہ اس کا نکاح کر دیا، زید نے حسب ہمت کوشش کی مگر ناکام رہا، وہ عورت اپنے فرضی خاوند کے یہاں تخمیناً دو سال رہی ایک لڑکا بھی پیدا ہوا، پھر اس کا مصنوعی شوہر مر گیا، اب وہ عورت اپنے باپ کے گھر موجود ہے تو سوال یہ ہے کہ زید کا حق زوجیت کیا اس عورت سے منقطع ہو گیا یا باقی رہا؟

**الجواب** :۔ جب اس عورت نے دوسری جگہ نکاح کیا تو ظاہر یہی ہے کہ شوہر اول نے طلاق دیدی ہوگی،[1] ورنہ بغیر طلاق لئے دوسری جگہ کیونکر نکاح کر سکتی ہے اور اگر واقع میں زید نے طلاق نہ دی ہو تو وہ بدستور اسی کی زوجہ ہے اور جان بوجھ کر جو اس کے دوسرے نکاح میں شریک ہوا سخت کبیرہ کا مرتکب ہوا اسے چاہیے کہ تجدید اسلام[2] وتجدید نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] یہ اس بنا پر ہے کہ مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے، اس کے ہر فعل کو جہاں تک ہو سکے اچھے محل پر حمل کرنا چاہیے، اللہ عزوجل فرماتا ہے، لولا اذ سمعتموہ ظن المومنون والمومنات بانفسھم خیراً (سورۂ نور) ترجمہ: کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا، حدیث میں فرمایا حسن الظن من حسن العبادۃ، رواہ احمد وابو داؤد، مشکوٰۃ ص ۴۲۹ ترجمہ اچھا گمان اچھی عبادت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ [2] جو عورت کسی کے نکاح میں ہو اس کا نکاح کسی اور سے کرنا حرام قطعی ہے ارشاد ہے، والمحصنات من النساء، اور اس کا حرام ہونا ضروریات دین سے ہے، اس لئے اس کا حلال جاننا کفر ہے کسی کا نکاح پڑھانا اس میں شریک ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کو حلال جانتا ہے، مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ شرما حضوری لالچ وغیرہ کی وجہ سے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ نکاح حرام ہے، نکاح پڑھا دیتے ہیں، نکاح کی مجلس میں شریک ہو جاتے ہیں، گواہ وکیل بن جاتے ہیں، اس تقدیر پر نکاح خواں وگواہ وشرکا مجلس صرف گنہگار ہوں گے کافر نہ ہوں گے اب یہاں شرکا کی نیت کا حال معلوم نہیں اور ہمیں حکم ہے کہ مسلمان کے فعل کو اچھے محل پر محمول کریں، اس لئے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے یہ حکم ارشاد فرمایا کہ یہ سخت کبیرہ کا مرتکب ہوا لیکن جس چیز کے کفر ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہو اس پر احتیاطاً تجدید ایمان وتجدید نکاح کا حکم ہے، عالمگیری میں ہے، ما کان فی کونہ کفراً اختلاف (بقیہ حاشیہ ص الیٰ)

Marfat.com

**مسئلہ**: مسئولہ جناب ثابت علی از ٹانڈہ محلہ سکراول ضلع فیض آباد، ۱۸ر صفر المظفر ۱۳۴۲ھ،

گونگے اور بہرے کا نکاح کس طرح کیا جائے اور وہ اپنی عورت کو کس طرح طلاق دے سکتے ہیں؟

**الجواب**: بہرے کے نکاح کے لئے کسی نئی صورت کی کیا ضرورت اس کا نکاح اسی طرح ہوگا، جیسا سننے والے کا اور اپنی عورت کو طلاق دے گا، تو واقع ہو جائے گی، ہاں گونگے کے لئے ضرور کوئی دوسری صورت چاہئے، کہ یہ تلفظ پر قادر نہیں، اگر یہ شخص لکھنا جانتا ہو تو تحریر سے نکاح و طلاق ہوں، ورنہ اشارہ سے جب کہ وہ معہود ہو کر مقصود پر دلالت کرے یعنی زبان سے کچھ آواز بھی ہو اور ساتھ ساتھ اشارہ کر گونگے جب کچھ کہنا چاہتے ہیں، تو اسی طرح کہتے ہیں، درمختار میں ہے، اواخرس باشارۃ المعہودۃ فانہا تکون کعبارۃ الناطق استحسانا، ردالمحتار میں ہے فی کافی الحاکم الشہید مانصہ فان کان الاخرس لایکتب وکان لہ اشارۃ تعرف فی طلاقہ ونکاحہ وشرائہ وبیعہ فہو جائز وان کان لم یعرف ذالک منہ او شک فہو باطل، اھ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ شاہ قمرالدین صاحب امام مسجد کلاں جامع مدرسہ معینیہ از پوکرن مارواڑ ریاست جودھپور ۲۰ ربیع الاول شریف ۱۳۴۲ھ

شادی کے موقعہ پر نکاح کی تاریخ مقرر کرنا اور اس کی خوشی میں عزیزوں اور مہمانوں کو کھانا پکا کر کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ نکاح سے پہلے یا بعد باجا بجانے سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟۔

**الجواب**: نکاح کی تاریخ مقرر کرنا جائز اور دعوت ولیمہ سنت اور اس تقریب میں خویش واقارب کو دعوت دینا اور مہمانوں کو کھانا کھلانا مستحسن بغیر جھانجھ کا دف بجانا بھی جائز جب کہ قواعد موسیقی پر بجایا نہ جائے، حدیث میں ہے، اعلنوا[1] ھذا النکاح واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدف، رواہ الترمذی عن ام المومنین عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، دوسری حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فصل[2] مابین الحلال والحرام الصوت والدف فی النکاح، طحطاوی، حاشیہ درمختار میں ہے، لاباس[3] بالدف فی العرس یشتہر وفی السراجیۃ ھذا اذالم یکن لہ جلاجل ولایضرب علی ھیئۃ التطرب، دف کے علاوہ اور باجے حرام[4] ہیں، مگر اس کی وجہ سے نکاح میں خلل نہ آئے گا، واللہ تعالیٰ اعلم،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰ کا) فان قائلہ یومر بتجدید النکاح وبالتوبۃ والرجوع عن ذالک بطریق الاحتیاط، ج ۲، ص ۲۸۹، جس کے کفر ہونے میں اختلاف[x] اس کے قائل کو احتیاطاً تجدید ایمان اور توبہ اور اس قول سے رجوع کا حکم دیا جائے گا، اس بنا پر حضرت نے تجدید ایمان و نکاح کا حکم دیا، واللہ تعالیٰ اعلم، امجدی۔

[1] اس نکاح کا اعلان کرو اس موقع پر دف بجاؤ، اور مسجدوں میں کرو، [2] حلال وحرام نکاح کے درمیان امتیاز پیدا کرنے والی چیز آواز اور دف ہے [3] شادی کے موقع پر دف بجانے میں کوئی حرج نہیں تاکہ شہرت ہو جائے، سراجیہ میں ہے، یہ دف بجانے کا جواز اس صورت میں ہے، جب کہ دف میں جھانجھ نہ ہو، اور راگنی کے تال پر نہ بجایا جاتا ہو، [4] حدیث میں فرمایا امرنی ربی بمحق المعازف، میرے پروردگار نے مجھے باجوں کے مٹانے کا حکم دیا ہے، دوسری حدیث میں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲ پر)

Marfat.com

**مسئلہ**: مسئولہ، ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ،

زید متوفی کی چار بہنیں تھیں، ایک بہن زید سے قبل انتقال ہوچکی، زید نے اپنے حقیقی بھانجے عمرو کو جو ہر طرح لائق اور اس وقت کے صالحین میں شمار ہونے کے قابل ہے، اپنی دختر ہندہ سے منسوب کیا، چند روز بعد ناراض ہوکر انکار کر دیا، پھر راضی ہوکر اپنے پاس رکھا، اور اقرار نسبت کیا مرض الموت میں عمرو کے والد سے کچھ رنجش ہوئی، عمرو نزع کے وقت موجود نہ تھا، کہا جاتا ہے کہ عمرو سے عقد نہ کرنے کی وصیت کی ہے، اب تمام اعزا اور ہندہ کی والدہ ہر طرح عمرو سے عقد کرنے پر راضی ہیں، لیکن وصیت کا خوف کیا جاتا ہے، آیا یہ وصیت شرعاً قابل پابندی ہے؟ بینوا توجروا،

**الجواب**: جب عمرو ہندہ کا کفو ہے اور اولیا ہندہ اس سے نکاح کرنے پر راضی ہیں، تو کر سکتے ہیں، اس میں کوئی قباحت نہیں، اور زید کی یہ وصیت واجب العمل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ محمد یسین خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ کسٹم اکسائز، صدر بیکانیر، ۷ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ،

سوال: درپیش ہے کہ ہندہ کی منگنی جس کی عمر انیس سال بتائی جاتی ہے، اس کے والدین اور برادر کلاں کی رضامندی سے عمرو کے ساتھ ہوئی، لیکن اس جگہ کے چند اشخاص کو یہ نسبت ناگوار گذری اور والد ہندہ کو عمرو کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا گیا، والد ہندہ کی طرف سے کہا گیا کہ میرے گھر کا کفیل اور مختار میرا فرزند کلاں ہے، اس کی رضامندی لے لوں، چنانچہ برادر ہندہ جو دوسرے قصبہ میں ملازمت کرتا ہے وہاں جاکر ان لوگوں نے عمرو کے ساتھ شادی نہ کرنے کی بابت کہا، مگر اس نے صاف انکار کر دیا، اور کہا کہ جہاں ہماری خوشی ہوگی شادی کریں گے، خلاف امید جواب سن کر ان میں سے ایک شخص نے از راہ دغابازی اور فریب اپنے سسرے سے دولھن کا لباس بنوایا، اور والد ہندہ کو جاکر یہ کہا کہ تمہارے فرزند کلاں نے اجازت دیدی ہے کہ زید کے ساتھ نکاح پڑھا دو، اور ان لفظوں کو اس وثوق کے ساتھ بیان کیا کہ یہ کپڑے تمہارے لڑکے نے دولھن کے لئے بھیجے ہیں اور نکاح پڑھا دینے کی اجازت دے دی ہے، مگر والد ہندہ کو یقین کامل نہ ہوا تو اس شخص نے کعبۃ اللہ کی قسم کھاکر یقین دلایا اور نکاح کے لئے اذن حاصل کر لیا، اب والدین ہندہ اور دو گواہان شرعی جن میں ایک گواہ یہی شخص ہے جن کی نسبت مفصل حال اوپر درج ہوچکا ہے، یہ شہادت دیتے ہیں کہ ہندہ نے برضا ورغبت زید کے ساتھ نکاح پڑھ لیا، مگر ہندہ جو عاقلہ بالغہ ہے، حلفیہ بیان کرتی ہے کہ میں نے زید کے ساتھ نکاح کرنے سے قطعی انکار کر دیا، حالانکہ مجھ پر جبر بھی کیا گیا، مگر میں نے بالکل ایجاب وقبول نہیں کیا اور نہ کوئی لفظ آیات قرآنیہ زبان سے ادا کیا، اسی اثنا میں میرے برادر کلاں پہنچ گئے، جو لوگ مجھ پر جبر کر رہے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱) قیامت کی نشانیوں میں سے فرمایا، لیکونن اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف، ایسی قوم پیدا ہوگی جو زنا اور ریشم اور شراب اور باجے کو حلال جانے گی۔ ہدایہ وغیرہ عام کتب فقہ میں ہے، دلت المسئلۃ علی ان الملاهی کلها حرام، اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ تمام ملاہی یعنی وہ چیزیں جو کھیل کود کے آلات میں سے ہیں، اس میں باجا بھی ہے حرام ہے، فوائد الفواد میں حضرت محبوب الٰہی محبوب اولیا، قدس سرہ سے منقول ہے کہ فرمایا "مزامیر حرام است"۔ واللہ اعلم۔ (امجدی)

Marfat.com

تھے۔ میرے برادر کے آنے سے چلے گئے میں نے اپنے بھائی کے ذریعہ باختیار خود اپنی رضا و رغبت سے اس واقعہ کے تیسرے روز عمرو کے ساتھ جس سے میری نسبت پہلے ہو چکی تھی، نکاح کر لیا چونکہ صورت مسئولہ میں یہ معلوم ہونا ضروری ہوا کہ زید کے ساتھ نکاح ہونا بیان کیا گیا۔ وہ صحیح ہے یا عمرو کے ساتھ جو نکاح کرنا کہا جاتا ہے وہ صحیح ہے، بروئے قرآن مجید و احادیث بطریقہ حنفی المذہب ارشاد فرمائیں۔؟

**الجواب**: مفتی کا کام صورت سوال پر حکم لکھدینا یا بیان کر دینا ہے، گواہوں سے ثبوت لے کر فیصلہ کرنا قاضی کا منصب ہے۔ زید کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہونا جو بیان کیا جاتا ہے اگر اس کا ثبوت گواہان عادل سے ہو تو نکاح وہی ہوا جو زید سے ہوا، اگرچہ ہندہ انکار کرتی ہے۔ اور اگر زید کا نکاح گواہان عادل سے ثابت نہ کر سکے تو نکاح زید ثابت نہ ہوگا اور اس صورت میں عمرو کے ساتھ نکاح صحیح، رد المحتار میں ہے۔ اعلم ان النکاح لہ حکمان حکم الانعقاد و حکم الاظہار، فالاول ماذکر ہ والثانی انما یکون عند التجاحد فلا یقبل فی الاظہار الا شہادۃ من تقبل شہادتہ فی سائر الاحکام کما فی شرح الطحاوی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ محمد یسین خانصاحب، ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ۔

اس میں کچھ کلام نہیں کہ مفتی صاحبان کا کام صورت سوال پر حکم لکھدینا یا بیان فرما دینا ہے، مگر اس مسئلہ میں مفتی صاحبان نے جو حکم فرمایا، اگرچہ بجا و درست ہے، مگر نافہم شرع اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ سوال مسئولہ نوعیت معاملہ کے فہم کے لئے بالکل صاف اور صحیح ہے پس مزید برآں حالت گواہان شرعی ذیل میں درج کر کے مفتی صاحبان سے استدعا ہے کہ ایسے گواہ ہونے کی صورت میں کونسا نکاح صحیح قرار پا سکتا ہے۔؟

(۱) ایک گواہ نے ازراہ دغابازی اور فریب اپنے صرفہ سے دلھن کا لباس بنوایا اور والد ہندہ کو کہا کہ تمھارے فرزند کلاں نے اجازت دیدی ہے، کہ زید کے ساتھ نکاح پڑھا دو اور ان لفظوں کو اس وثوق کے ساتھ بیان کیا یہ کپڑے تمھارے لڑکے نے دلھن کے لئے بھیجے ہیں۔ اور نکاح پڑھا دینے کی اجازت دیدی ہے، اس پر بھی والد ہندہ کو یقین کامل نہ ہوا تو گواہ مذکور نے کعبۃ اللہ کی قسم کھا کر یقین دلایا اور نکاح کے لئے والد ہندہ سے اذن حاصل کر لیا، حالانکہ برادر ہندہ نے زید کے ساتھ نکاح کرنے سے قطعی انکار کر دیا تھا۔

(۲) دوسرے گواہ شرعی بھی ہم خیال گواہ نمبر ایک تھا، مگر اس نے والد ہندہ سے برادر کی اجازت دینے یا نہ دینے کا تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ اس گواہ کی یہ غرض اس میں ضرور شامل تھی، کہ وہ اپنے برادر زادہ کا نکاح ہندہ کی چھوٹی ہمشیرہ سے کرنا چاہتا تھا۔ مگر برادر ہندہ کے بھونچ جانے سے نہیں کر سکا، لہٰذا مندرجہ حالات پر غور فرما کر فتویٰ مرحمت فرمایا جائے؟

**الجواب**: جواب بہت صاف تھا۔ دو صورتیں لکھ دی ہیں۔ اور ہر ایک کا حکم بتا دیا گیا، واقعہ کے مطابق جو صورت ہو اس کا حکم معلوم کر سکتے ہیں، اگر گواہ فاسق، فاجر ہو نا قابل قبول شہادت نہ ہو تو اس کی شہادت رد کر دی جائے گی، مگر واقعہ مندرجہ سوال میں خود لڑکی کے

Marfat.com

والدین اذن دینا بیان کرتے ہیں اور ایک گواہ وہ دوسرا شخص ہے جس کو سائل نے گواہ اول کا بھیا بتایا۔ مگر اس معاملہ میں سازش ذکر نہیں کی صرف اتنی بات کہ ہندہ کا نکاح فلاں سے ہو فلاں سے نہ ہو اور اسکیلئے اس بھائی کے پاس جانا اور کوشش کرنا کوئی جرم نہیں کہ اس کی شہادت رد کر دی جائے، لہذا ایک یہ گواہ ایسا معلوم ہوتا ہے، جس کی گواہی مردود ہونے کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی، اور خود والدہ ہندہ بھی جب اذن دینا بیان کرتا ہے تو دو گواہوں سے اذن دینا ثابت ہوگیا گواہ اسی کا نام نہیں جو بروقت نکاح نام زد کر دیئے جاتے ہیں، بلکہ ہر وہ شخص عورت یا مرد جن کے سامنے اذن ہوا ہو، گواہ ہیں، چونکہ عبارت سوال سے واقعہ کا پورا انکشاف نہیں ہوتا ہے کہ اس میں بعض باتیں قرینہ قیاس نہیں۔ اس لئے دونوں حکم بیان کر دیئے گئے، اب بھی یہی کہا جاتا ہے کہ اگر ہندہ کا اذن دینا ثابت نہ ہو تو پہلا نکاح ثابت نہیں ہوا ورنہ ہوگیا، اب وہاں کے لوگ دیکھیں کہ ثبوت ہے یا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ نعمت اللہ، ساکن علی گنج تحصیل فرید پور، ضلع بریلی، ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ

ایک شخص کی بیوی کو زنا سے حمل رہ گیا، نو مہینہ کے بعد لڑکا پیدا ہوا، اس عورت کا شوہر گھر پر نہیں تھا، تین برس کے بعد آیا اسے معلوم ہوا کہ حرام کا لڑکا پیدا ہوا، مگر اس نے خاموشی اختیار کی اور کہا میں نہیں چھوڑوں گا، اس کے بعد لوگوں نے اس کا حقہ پانی بند کر دیا، چند آدمیوں نے اس کی شرکت کی اور دوبارہ نکاح پڑھوا دیا، اب شرع کا کیا حکم ہے، کیا دوبارہ نکاح پڑھانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

**الجواب**: عورت کے زنا کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا، ہاں بہتر ہے کہ ایسی عورت کو طلاق دیدی جائے اور اگر شوہر اسے رکھنا چاہتا ہے تو جدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں، پھر اگر شوہر اس کے ان افعال پر راضی ہے یا پوراً بند وبست نہیں کرتا، تو دیوث ہے، اہل برادری اسے بند کر دیں ورنہ شوہر پر الزام نہیں، یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس نے واقع میں زنا کرایا ہو، اور یہ حمل زنا کا ہو، مگر شوہر والی عورت کی نسبت یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا حمل زنا ہی کا ہے، اگرچہ اس کا شوہر تین سال سے وہاں سے غائب ہو، ممکن ہے کہ وہ اس درمیان میں چھپ کر آیا ہو، اور اپنی عورت کے ساتھ رہا ہو اور یہ حمل اسی کا ہو اور جب کہ شوہر اس بچے کا انکار نہیں کرتا تو محض اس کی غیبت کی وجہ سے دوسروں کا انکار صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ؔ حدیث میں ہے، الولد للفراش وللعاھر الحجر، بچہ بچھونے والے کا ہے، اور زانی کے لئے پتھر ہے، اس میں علم یہ ہے کہ جب ایک عورت کسی کے نکاح میں ہے تو نسل کی ستھرائی کے لئے یہ ضروری ہے کہ عورت کے جو بچہ پیدا ہو، وہ اس عورت کے شوہر ہی کا مانا جائے، بلا ثبوت شرعی جس کا جی چاہے جس بچے کے بارے میں چاہے اڑا دے کہ شوہر کا نہیں فلاں کا ہے، تو امان اٹھ جائے، لوگوں کی عزت و آبرو محفوظ نہ رہے، استقرار حمل ایسی خفی چیز ہے کہ اس پر مطلع ہونا مرد و عورت دونوں کے لئے قریب محال کے ہے، کوئی نہیں بتا سکتا کہ کس جماع سے استقرار نطفہ ہوا ہے، اس لئے شریعت نے قاعدہ مقرر فرما دیا کہ جس کے نکاح میں بچہ پیدا ہو وہ اسی کا

(بقیہ حاشیہ ص ۔۔۔ پر)

Marfat.com

**مسئلہ** : مرسلہ نور محمد طالب علم مدرسہ مسجد قدیم چھیپان، چتور گڈھ، میواڑ، ۳۰ر جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۴۲ھ

ایک قوم ہے جس کی تعداد کم و بیش چالیس ہزار ہے جو اس ملک میں آباد ہے، ان کے یہاں بہت سی باتیں مقرر ہیں، قومی پنچایت کی پابندی ہر فرد پر فرض و لازم سمجھی جاتی ہے، ان کے یہاں یہ بھی ہے کہ بیوہ عورت جو بالغہ ہو خواہ ورثہ رضامند ہوں یا نہ ہوں جب کسی کے پیغام نکاح کو منظور کرے تو عورت پر یہ لازم ہے کہ ایک ناریل خواہ چھلا انگوٹھی دو تین شخصوں کے سامنے اس شخص کو یا اس کے پیغام پہونچانے والے کو دے زبانی اقرار کافی اور قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا، دوسرے وہ عورت شوہر متوفی کا تمام مال و اسباب اور زیور متوفی کے وارثوں کو پہونچا دے یہ دونوں بات طے ہونے پر قومی پنچایت کی طرف سے کوئی دوسرا شخص اس عورت سے نکاح نہیں کرسکتا، اگر کوئی نکاح کرے تو وہ قوم سے خارج سمجھا جاتا ہے، اسی طرح کچھ روز ہوئے ایک بیوہ نے کسی شخص کو نکاح کے پیغام پر تین چار شخصوں کے روبرو ناریل دیا، سسرال والوں نے یہ خبر سن کر کچہری میں رپورٹ کی، کہ میرے بھتیجے کی عورت سے دوسرا نکاح کر رہا ہے، اگر میرے زیور اور اسباب کی صفائی نہیں کی گئی جب پر وہ شخص زیر حراست لے لیا گیا، اس کے رشتہ داروں نے قومی رواج کے طریقوں پر اس کی صفائی کرا دینے کی بابت ضمانت داخل کی، دوسرے روز ضمانت دہندہ نے بیوہ مذکورہ کے اگلے خسرال والوں کا زیور و سامان دے کر چار پانچ آدمیوں کے سامنے صفائی کرائی، مزید برآں رواج سے زاید یہ کیا گیا کہ اس عورت نے زمانہ عدت میں جو زیور وغیرہ گروی رکھ کر خورد و نوش کی تھی وہ بھی اس شخص سے روپیہ دلا کر زیور مرہونہ چھڑوا دیا، بلکہ اس زمانہ کا دیگر قرض بھی ادا کرا دیا، انھیں پانچ چار آدمیوں نے جو صفائی کرانے میں شریک تھے، بیوہ مذکورہ کو بھگا کر کسی دوسرے شخص کے ساتھ فرار کر دی، اور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴ کا) ہاں اگر واقعی شوہر کو اس کا یقین ہے کہ پیدا ہونے والا بچہ میرا نہیں ہے تو اسے شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ وہ انکار کرے، شوہر جب پردیس میں ہے اور برسہا برس تک گھر نہیں آیا اور اس کی بیوی کے بچہ پیدا ہوا تو ظاہر یہی ہے کہ یہ بچہ شوہر کا نہیں، مگر شریعت کا حکم پھر بھی یہی ہے کہ یہ اسی کا بچہ ہے، جب تک کہ شوہر بطریق شرعی انتفا انکار نہ کرے کہ انتفاء نسب کا حکم دیا جائے، اس میں راز یہ ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ سب لوگ یہ جانتے ہیں کہ شوہر برسوں سے گھر نہیں آیا، اگر واقعہ بھی ایسے ہی ہے تو پھر شوہر کیوں نہیں انکار کرتا اور برملا کہتا کہ یہ بچہ میرا نہیں، شوہر جب انکار نہیں کرتا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خفیہ طریقے سے گھر آیا ہے، گھر آنے کو کسی مصلحت کی وجہ سے چھپا رہا ہے، مصلحتیں مختلف ہوسکتی ہیں، ہر شخص کی مصلحت الگ ہوتی ہے، ہر مصلحت کا ظاہر کرنا یا ہمیں اس کا معلوم ہونا ضروری نہیں، درمختار میں ہے، وقد اکتفوا بقیام الفراش بلا دخول کتزوج المغربی بمشرقیۃ بینہما سنۃ فولدت لستۃ اشہر من تزوجہا لتصور ہ کرامۃ او استخداما فتح، (ج ۲، ص ۶۳۰) فقہائے ثبوت نسب کے بارے میں فراش کے قیام پر اکتفا کیا، دخول کی شرط نہیں لگائی، جیسے مغرب میں رہنے والے مرد نے مشرق میں رہنے والی عورت سے شادی کیا، اور ان دونوں میں اتنی دوری ہو کہ سال بھر کی مسافت ہو، اب نکاح کے بعد چھ مہینہ پر بچہ پیدا ہوا (اور بظاہری طور پر دونوں سے ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں) پھر بھی یہ بچہ شوہر کا مانا جائے گا، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ شوہر بطور کرامت یا بطور استخدام بیوی کے پاس آیا ہو، ایسا ہی فتح القدیر میں بھی ہے، اس مسئلہ میں عوام کے لئے سخت نصیحت ہے کہ محض شبہات کی بنا پر اولاد کے بارے میں غلط باتیں مشہور کر دیتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

Marfat.com

دوسری جگہ جا کر اس سے نکاح بھی کر لیا، اگرچہ قومی رواج کے مطابق یہ اور اس کے معاون و مددگار قوم سے خارج کر دیئے گئے، مگر دریافت طلب یہ ہے کہ بھگا کر لے جانے والا گنہگار ہوا یا نہیں، اور اس کا یہ فعل حرام ہوا یا نہیں، کیونکہ جب شرعاً ایک کے پیغام پر دوسرے کا پیغام بھیجنا وغیرہ حرام ہے جیسا کہ سد الفرار رسالہ کے آخر میں اعلیٰحضرت نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا ہے۔ تو پھر یہ کیوں حرام نہ ہوگا۔ دوسرے عرف قوم کا خلاف اور عرف قوم خلاف شریعت نہیں ہے، تو پھر یہ اس طرح بھی برا ہونا چاہیئے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: جب ایک جگہ اس کی منگنی ہوگئی تو دوسرے کو پیغام دینا بھی ممنوع ہے، حدیث میں فرمایا، لا یخطب الرجل علی خطبة اخیه[۱] نہ کہ عورت کو بھگالے جانا اس نے ضرور برا کیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ ثابت علی صاحب قصبہ ٹانڈہ محلہ کرا اول بر مکان حافظ کفایت اللہ صاحب ۱۳؍ جمادی الآخر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علماء فحول و مفتیان ذوی العقول کہ زید اپنی بیوی ہندہ کو دس مہینہ ہوا کہ اس کو اپنے ماں باپ کے یہاں بھیج دیا تھا اور بالکل آنا جانا بند کر دیا دس مہینہ کے بعد ہندہ سے زنا سرزد ہوا اور حمل ٹھہر گیا جب یہ خبر زید کو پہنچی تو کہنے لگا، دس مہینے ہوئے کہ میں نے اس سے جماع نہیں کیا، زنا سے اس کو حمل ہے، ہندہ سے دریافت کیا تو وہ بھی اقرار کرتی ہے کہ زنا سے یہ حمل ہے، محلہ کے لوگ بھی اس کی تائید کرتے ہیں، جانچ پڑتال کے بعد زید نے طلاق مغلظہ دے دیا، اب ہندہ بعد وضع حمل نکاح کرے یا طلاق کی عدت پوری کر کے نکاح کرے؟ بینوا توجروا

**الجواب**: طلاق کی عدت اس صورت میں وضع حمل ہے بعد وضع حمل نکاح کر سکتی ہے، درمختار میں ہے، وفی حق الحامل مطلقا ولو امة او کتابیة او من زنا وضع حملها[۲]، واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ**: مسئولہ نواب دولھا خاں شہر کہنہ بریلی، ۲۶؍ جمادی الآخرہ ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید خالصاً للہ باداء فرض حج بیت اللہ روانہ ہوا، مکہ معظمہ میں ایک ہفتہ مقیم رہنے کے بعد دو یا تین کنیزک خریدیں، اپنی آسائش کی غرض سے اب زید ان کنیزکوں سے بلا نکاح ہمبستری کر سکتا ہے، اور وہ اس پر حلال ہیں یا کوئی متعین وقت ہے کہ اس وقت تک وہ حرام ہے پھر اس کے لئے حلال ہے، بعض کا قول ہے کہ یہ کنیزکیں بلا نکاح حرام ہیں، وہ کنیز حلال ہے جو جہاد میں حاصل ہوئی۔ خدا و رسول کا جو حکم ہو، مفصل طور سے تحریر فرمایئے گا؟۔

**الجواب**: ان کنیزوں سے جماع جائز ہے اپنی کنیزوں سے جو اس کی ملک ہیں نکاح کے کوئی معنی نہیں کہ نکاح جس مقصد کے لئے ہے،

---

[۱] کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر پیغام نہ دے۔ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب رشتہ طے ہو جائے، اس کے بعد پیغام دینا منع ہے، اور یہ ممانعت بھی کراہت کی حد تک ہے۔

[۲] حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، اگرچہ وہ عورت باندی ہو یا کتابیہ ہو، اگرچہ بقول اس کے یہ حمل زنا کا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

Marfat.com

وہ یہاں ملک یمین سے حاصل اگر کوئی امانہ ہو، قرآن مجید کی متعدد آیات سے کنیز شرعی کا حلال ہونا ثابت ہے، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء الا ماملکت ایمانکم، وقال اللہ تعالیٰ، والذین ھم لفروجھم حٰفظون الا علیٰ ازواجھم او ماملکت ایمانھم، ۔ ان کنیزوں سے مالک کا نکاح کرنا تو درکنار، اگر کسی نے دوسرے کی کنیز سے نکاح کیا تھا، پھر اس زوجہ کو اس کے مالک سے خرید لیا تو نکاح جاتا رہا فتاویٰ عالمگیری میں ہے، اذا اعترض ملک الیمین علی النکاح یبطل النکاح بان ملک احد الزوجین صاحبہ او شقصا منہ کذا فی البدائع اذا تزوج الرجل امتہ او مکاتبتہ او مدبرتہ او ام ولدہ او امۃ یملک بعضھا لم یکن ذالک نکاحا کذا فی فتاویٰ قاضیخاں، اور کنیز صرف وہی نہیں جو غنیمت میں حاصل ہو، بلکہ مولیٰ کے غیر سے لونڈی کی جو اولاد ہوگی، وہ بھی لونڈی غلام ہے، اور چونکہ اب زمانہ کی حالت بہت خراب ہے، احکام شرع کی پابندی کرنے والے بہت کم ہیں، ممکن کہ آزاد عورتوں، لڑکیوں کو پکڑ کر کوئی بیچ ڈالے۔ لہٰذا ایک احتمال ہے، کہ ممکن ہے یہ عورت حرہ ہو کنیز نہ ہو۔ لہٰذا بہتر ہے کہ نکاح بھی کر لیا جائے۔ کہ اگر حقیقت میں باندی ہے تو یہ نکاح کوئی شئے نہیں، بغیر نکاح وہ حلال ہے، اور اگر حقیقتاً آزاد عورت ہے تو نکاح سے حلال ہو گئی، یعنی اس کی حلت میں اب کوئی شبہ باقی نہ رہے گا، پھر بھی اگر بغیر نکاح جماع کرے تو اس پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا، صرف احتیاط و مزید اطمینان کے لئے یہ نکاح ہوگا، مگر اس نکاح سے ثمرات نکاح مثلاً وجوب مہر و وقوع طلاق اور بعد عتق بقاء نکاح وغیرہ وغیرہ کچھ مرتب نہ ہوں گے، بلکہ ان امور میں یہ نکاح کالعدم ہے، لہٰذا وہ حکم کہ پیشتر مذکور ہوا کہ نکاح نہیں ہو سکتا اور یہ احتیاطی نکاح دونوں میں منافات نہیں، عالمگیری میں ہے، قالوا فی ھذا الزمان الاولیٰ ان یتزوج جاریۃ لنفسہ حتی لو کانت حرۃ کان وطیہ حلالا بحکم النکاح کذا فی السراجیہ، درمختار میں ہے، وحرم نکاح المولیٰ امتہ والعبد سیدتہ لان المملوکیۃ تنافی المالکیۃ نعم لو فعلہ المولیٰ احتیاطا کان حسنا، ردالمحتار میں ہے، یشیر الی ان المراد بالحرمۃ فی قولہ وحرم مطلق المنع لا خصوص مایتبادر منہا من المنع علی وجہ یترتب علیہ الاثم والا امتنع نقل الحرام للتنزہ عن امر موھوم فی تزوج السید امتہ اذ المراد بہا نفی وجود العقد الشرعی المثمر لثمراتہ، بحرالرائق میں ہے، المراد فی احکام النکاح من ثبوت المہر فی ذمۃ المولیٰ وبقاء النکاح بعد الاعتاق و وقوع الطلاق علیہا وغیر ذالک اما اذا تزوجہا متنزھا عن وطیہا حراما علی سبیل الاحتمال فہو حسن لاحتمال ان تکون حرۃ ومعتقۃ الغیر او حلوفا علیہا بعتقہا وقد حنث الحالف وکثیرا ما یقع لاسیما اذا تداولتہا الایدی، باندی جو ملک میں آئی، اسے وطی حلال ہونے کے لئے استبراء شرط ہے۔ اگر حمل والی ہے تو وضع حمل ہونا چاہیے، ورنہ اگر اسے حیض آتا ہو تو ایک حیض اور نہ آتا ہو تو ایک ماہ گذرنے پر استبراء ہو جائے گا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لاتوطأ حامل حتی تضع ولا غیر ذات حمل حتی تحیض حیضۃ رواہ احمد وابو داؤد والدارمی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔۔

Marfat.com

**مسئلہ**: مسؤلہ محمد احمد خاں صاحب محلہ جسولی بریلی، ۵ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عقد شدہ لڑکی جس کی عمر اب تقریباً سولہ سترہ سال ہے، اس کے والدین نے دو سال سے اپنے پاس بیٹھا رکھا ہے، جب اس کا شوہر اس کو لینے کے لئے جاتا ہے، تو اس کی دادی بھیجنے سے قطعی انکار کرتی ہے، اور کہتی ہے کہ اسٹامپ لکھ دینے پر بھیجوں گی، حالانکہ یہ لڑکی خود اور اس کے والدین سسرال جانے پر بالکل رضامند ہیں، لیکن یہ لوگ اپنی رضامندی لڑکی کی دادی کے خوف وغصہ کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتے ہیں، دختر موصوف اور ان کی دادی چار ماہ ہوئے کچھوچھہ والے اشرفی میاں صاحب سے مرید بھی ہوچکی ہیں، اس حالت میں کیا کرنا چاہیے؟

**الجواب**: بلا وجہ شرعی عورت کو شوہر کے یہاں جانے سے روکنا اسے جانے نہ دینا ناجائز وحرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از پیلی بھیت، ۲۴ ذوالحجہ ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی لڑکا دونوں نابالغ تھے، جس وقت نکاح ہوا تھا، لڑکی کے باپ نے اذن نہیں دیا، اس لڑکی نے اپنے نکاح کا خود اذن دیا تھا، لڑکی ایک دو مرتبہ اپنے باپ کی رضا سے اپنے شوہر کے گھر آئی گئی تھی اور لڑکا لڑکی ہمبستر نہیں ہوئے یہ نکاح شرع کے بموجب ہوا کہ نہیں، ایک مفتی صاحب نے فتوی یہ دیا کہ صورت مسؤل عنہا میں برتقدیر صدق مستفتی بوجہ نہ ہونے ولی کے نابالغ کی جانب سے نکاح مذکور نہ ہوا، اسی فتوی کی بنا پہ برادری نے اس شخص سے جس سے لڑکی کے باپ نے بعد مرنے اس لڑکے کے اور گذرنے عدت کے نکاح کر دیا تھا، برادری کا دباؤ ڈال کر طلاق دلائی اور اس لڑکے کے باپ سے جو اس لڑکی کا خسر ہوا نکاح کر دیا، دریافت طلب یہ امور ہیں کہ فتوی موصوف صحیح ہے یا نہیں، اور یہ دباؤ ڈالنا حسب شرع ہے یا نہیں، اور یہ نکاح جو خسر سے کیا گیا صحیح ہے یا نہیں، برتقدیر عدم جواز برادری کے ان لوگوں کے لئے حکم شرعی کیا ہے، جو اس نکاح میں شریک وساعی ہوئے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ لڑکی زمانۂ دراز تک اپنے شوہر کے یہاں رہی اور حسب دستور لڑکی کے مکان پر برات گئی اور اس کے باپ نے اسے رخصت کیا، پھر جب شوہر کی عمر ۱۴، ۱۵ سال کی ہوئی تو شوہر کا انتقال ہوگیا، اس کے انتقال کے آٹھ مہینے پر عورت کو بچہ پیدا ہوا، اس بیان کا لحاظ کرتے ہوئے نہ در وہ نکاح صحیح ہوگیا تھا، کہ اگرچہ ابتداً اس کے باپ سے اذن نہیں لیا گیا تھا، مگر جب کہ اس نے رخصت کی تو یہ دلالۃً اذن ہے، اور وہ نکاح کہ بغیر اذن والد ہوا تھا، والد کی اجازت پر موقوف تھا اور جب اس نے رخصت کردی تو اب صحیح ونافذ ہوگیا، بلکہ خود سوال میں بھی مذکور ہے کہ ایک دو مرتبہ شوہر کے یہاں باپ کی رضا سے گئی، پھر مفتی کا یہ کہنا کہ نکاح مذکور نہ ہوا، سراسر غلط ہے کہ رخصت کردینا بھی اجازت ہے، درمختار میں ہے، وقبضہ المھر ونحوہ رضاء دلالۃ، ردالمحتار میں ہے، وکالتجھیز ونحوہ

اور جب بعد انتقال شوہر بچہ پیدا ہوا تھا، تو یہ کہنا کہ مستترة ہوئے محض غلط ہے اور بیجا دباؤ ڈال کر طلاق لینا بھی ناجائز ہے یہ عورت شوہر کے باپ پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا، وحلائل ابناءکم الذین من اصلابکم، درمختار بیان محرمات میں ہے۔ وزوجة اصلہ وفرعہ مطلقا ولو بعیدا دخل بہا اولا۔ جو لوگ اس نکاح میں ساعی ہوئے یا جان بوجھ کر شریک ہوئے، سب گنہ گار ہیں، سب پر توبہ فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ حفیظ اللہ خاں، از چھاونی بھیکاری پور ضلع اعظم گڈھ، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کے باپ کی اجازت سے ہوا لڑکی کو نہ علم ہے نہ وہ راضی۔ لڑکی نکاح سے انکار کرتی ہے۔ باپ نے اپنی لڑکی سے یہ نہیں کہا کہ تمہارے نکاح پڑھانے جارہے ہیں مطلق وکیل نے باپ ہی کی اجازت سے نکاح پڑھا دیا۔ وکیل اور گواہان نے لڑکی سے اجازت نہیں لی نکاح کے بعد لڑکی کو معلوم ہوا فوراً انکار کیا اس حالت میں نکاح جائز ہے یا ناجائز، اور نکاح اس طرح ہوا کہ دو ایک دن بات چیت ہوئی اور فوراً نکاح ہوگیا، صرف دو چار آدمی آئے تھے برات وغیرہ نہیں آئی تھی، اور نہ لڑکی کو معلوم کہ ہمارا نکاح کہاں اور کس سے ہو رہا ہے، اور نہ لڑکے کو معلوم کہ ہمارا نکاح کہاں اور کس سے ہو رہا ہے، بوجہ نابالغی اور مطلق وکیل و گواہان کو یہ علم نہیں کہ لڑکی بالغ ہے یا نابالغ اور لڑکی کا جو شوہر ہے بالکل نابالغ ہے، لڑکے کے باپ نے سکھلا کر ایجاب و قبول کرا دیا، تو اس حالت میں لڑکے کا نکاح جائز ہوا یا نہیں اور جائز ہے تو مہر دین کون دے گا، اور لڑکا پاگل بھی ہے، باپ نے زور دے کر نکاح کیا، باپ کو بھی نہیں معلوم تھا کہ لڑکا پاگل ہے، عقد کے دوسرے روز معلوم ہوا، لڑکی نے فوراً انکار کیا اور لڑکے کے باپ نے یہ حالت لڑکی کے باپ سے نہیں کہا۔

**الجواب**: اگر صورت واقعہ یہی ہے کہ لڑکی بالغہ تھی، اور اس سے اجازت نہیں لی گئی، باپ نے اپنی اجازت سے نکاح پڑھوا دیا، تو یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف تھا، اور جب کہ لڑکی نے خبر پاکر اس نکاح سے انکار کر دیا تو باطل ہوگیا، اور دین مہر کسی کے ذمہ نہیں کہ نکاح ہی تمام نہیں ہوا، اب لڑکی جہاں چاہے دوسرا نکاح کر سکتی ہے، درمختار میں ہے، ولا تجبر البکر البالغة علی النکاح لانقطاع الولایة بالبلوغ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از شہر کہنہ بریلی، ۲۲ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ

ایک بیوہ عورت عرصہ پچیس سال سے زید کے مکان میں کام کاج کرتی ہے، زید اس سے نکاح کے لئے کہتا ہے، مگر وہ نکاح سے انکار کرتی ہے لیکن بلا نکاح مجامعت کا اقرار کرتی ہے۔ لہٰذا بلا نکاح اس کے ساتھ مجامعت کرنا موجب زنا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: بیشک ضرور زنا و حرام ہوگا، اور دونوں مستحق نار وغضب جبار ہوں گے، اور اگر وقوع زنا کا اندیشہ ہو اور ظاہر

Marfat.com

یہی ہے تو عورت کو وہاں سے علیحدہ کر دے، اسے ہرگز اپنے مکان میں نہ رکھے یا عورت اس سے نکاح کر لے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ مسئولہ شاہ قمر الدین دہلوی، از بوکرن مارواڑ مدرسہ معینیہ، ۲۳ / محرم الحرام ۱۳۴۳ھ،

شادی کے موقعہ پر جو قوم خدمت گذار ہے، مثلاً سقہ و خاکروب اور نائی وغیرہ کو کچھ حق خدمت دینا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**:۔ ان لوگوں کو انعام دینا جائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:۔ از آنولہ محلہ بزریہ ضلع بریلی، مسئولہ کریم اللہ، ۲۶ / محرم الحرام ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا ایک جگہ نکاح ہوا اور وہ ہندہ نابالغہ تھی، اس وجہ سے شوہر نے طلاق دیدی، اسی حالت نابالغی میں ہندہ کا دوسری جگہ نکاح ہوا، اس نے بھی اسی وجہ سے طلاق دیدی، اب وہ بالغہ ہوگئی، سوا بہنوئی کے اس کا کوئی ولی موجود نہیں، اور وہ نکاح کرنا چاہتی ہے، لہٰذا عند الشرع کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

**الجواب**:۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ دوسرے شوہر کو طلاق دیئے ہوئے ابھی صرف پانچ روز ہوئے اور طلاق دینا بربناء نابالغی نہیں، بلکہ اس شخص کی ایک عورت اور بھی ہے، اس وجہ سے اسے طلاق دیدی، لہٰذا اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہے یعنی دونوں ایک جگہ تنہا جمع ہوئے ہوں اور وطی سے کوئی مانع حسی طبعی شرعی نہ ہو، اگرچہ وطی نہ ہوئی ہو، عدت واجب ہے، بلکہ اگر خلوت فاسدہ ہوئی ہو، جب بھی عدت واجب ہے، رد المحتار میں ہے، وجوبھا ای العدۃ من احکام الخلوۃ سواء کان صحیحۃ اولا، اور اگر خلوت نہ ہوئی ہو تو عدت واجب نہ ہوگی، قال اللہ تعالیٰ، وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا، اور جب کہ عورت بالغہ ہے، تو ولی کی کچھ حاجت نہیں بالغہ کا نکاح خود اسی کے اذن سے ہوگا، اور پہلے جو نکاح نابالغی میں ہوا، اگر بغیر ولی کے ہوا تو بالغہ ہونے پر اسے اختیار ہوگا، جائز کر دے گی تو جائز ہوگا، رد کر دے گی باطل ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:۔ از بنارس محلہ اودھ پورہ، مرسلہ عبد الرحمٰن خاں، ۲۹ / محرم الحرام ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا نکاح ایک مرد سے کیا گیا، کچھ دنوں کے بعد بالتحقیق یہ معلوم ہوا کہ وہ شخص رافضی ہے یعنی مذہباً شیعہ ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نکاح درست رہا یا نہیں، اگر درست نہیں رہا تو اس عورت کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا،

**الجواب**:۔ روافض زمانہ کہ معاذ اللہ سب شیخین کرتے اور قرآن مجید کو ناقص بتاتے اور ائمہ کرام کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت دیتے یا لا اقل ایسوں کو مقتدیٰ و پیشوا مانتے یا مسلمان ہی جانتے ہیں، بالاجماع کافر مرتد ہیں، کما بینہ شیخنا المجدد

Marfat.com

رسالۃ رد الرفضہ بابین وجہ، اور ان سے نکاح باطل محض و زنائے خالص ہے، عالمگیری میں ہے، لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذلک لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط، الحاصل وہ نکاح باطل محض عورت اب دوسری جگہ کسی سنی سے نکاح کرلے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از کیمپ نشدی خانہ علاقہ پشاور، مسئولہ الٰہی بخش ٹیلر ماسٹر، ۱۹ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ۔

نکاح کے بعد پہلے پہل جب باکرہ عورت اپنے خاوند سے ہمبستر ہو تو اسے خون آتا ہے یا نہیں آتا ہے، تو ہر ایک باکرہ عورت کو یا کسی کسی کو، ایک شخص کا سوال ہے کسی عورت کو پہلی رات خون آتا ہے کسی کو نہیں، دوسرے شخص کا یہ سوال ہے کہ وہ باکرہ عورت جو کسی مرد سے ہمبستر نہ ہوئی ہو اسے ضرور خون آئے گا، تیسرا شخص یہ کہتا ہے کہ عورت اپنے والدین کے گھر بالغہ ہو گئی ہو تو اسے پہلی رات خون نہیں آئے گا، اگر نابالغہ ہے تو ضرور خون آئے گا، ان میں کون سی بات صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: عورت کی شرمگاہ میں ایک جھلی ہوتی ہے، اگر اس وقت سے پہلے وہ جھلی نہ پھٹی ہو اور جماع سے اس کا زوال ہو، جب تو خون آنا ظاہر ہے اور اگر پیشتر وہ زائل ہو چکی ہے تو اغلب یہ کہ خون نہ آئے، اور ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں بھی آئے، مگر اس جھلی کا زائل ہونا علاوہ جماع کے دوسری وجہ سے بھی ہو سکتا ہے، مثلاً کودنے یا گرنے یا بکثرت حیض آنے یا زخم ہو جانے سے کہ یہ سب بھی اس کے زوال کے سبب ہیں، لہذا اگر خون نہ آیا تو یہ الزام نہیں لگایا جا سکتا کہ اس نے زنا کیا ہے، حقیقۃً بکر وہ ہے جس سے اب تک جماع نہ کیا گیا ہو، ردالمحتار میں ظہیریہ سے ہے، البکر اسم لامرأۃ لم تجامع بنکاح ولا غیرہ، خون آنے نہ آنے پر بکارت نہیں، اسی واسطے ردالمحتار میں فرمایا، وحاصل کلامھم ان الزائل فی ھذہ العذرۃ ای الجلدۃ التی علی المحل لا البکارۃ فکانت بکراً حقیقۃً وحکماً، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از شہر کہنہ بریلی مسئولہ عبد النبی، ۱۸ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ۔

زید نے اپنی لڑکی کی شادی بکر کے یہاں کی زید کی دو لڑکی بالغہ تھیں شادیاں ہو چکی تھیں، بکر کے لڑکے نے اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے اپنی سالی سے زنا کیا اس سے ایک مردہ لڑکا پیدا ہوا، لہذا بکر کے لڑکے کا نکاح رہا یا نہیں، اور جو اولاد منکوحہ بیوی سے ہوئی، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: زنا کی وجہ سے اس کا نکاح نہیں ٹوٹا اور منکوحہ کی اولاد اس کے شوہر ہی کی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ مولوی ثناء الرحمن طالب علم مدرسہ منظر اسلام، ۶ ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ۔

اگر کوئی شخص بالغہ عورت کو تنہائی یا لوگوں میں کہے کہ اتنے دین مہر کے عوض میری زوجیت میں آتی ہو یعنی بیوی بنتی ہو تو وہ کہتی ہے

Marfat.com

کہ ہاں ہم کو منظور ہے، یہ نکاح جائز ہے یا نہیں، اور اگر اللہ و رسول کو غیب داں بالذات و بالعطا مان کر شاہد بنایا تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

**الجواب**: نکاح کا انعقاد ایجاب و قبول سے ہوتا ہے اور ایجاب و قبول کے الفاظ خواہ دونوں ماضی ہوں، جیسے ایک نے کہا، میں نے تجھ سے نکاح کیا، دوسرا کہے میں نے قبول کیا یا ان میں ایک ماضی ہو، دوسرا حال ہو یا استقبال، مثلاً تو مجھ اپنا نکاح کر، اس نے کہا میں نے تجھ سے اپنا نکاح کیا، حال مثلاً کہے تو مجھ سے نکاح کرتی ہے، وہ کہے میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا، درمختار میں ہے، ینعقد بایجاب و قبول وضعا للمضی کزوجت و تزوجت وبما ای بلفظین وضع احدھما ای للمضی والاخر للاستقبال او للحال، اور صورت مستفسرہ میں دونوں طرف میں کسی نے لفظ ماضی کا استعمال نہیں کیا، لہٰذا نکاح صحیح نہ ہوا، ہاں اگر عورت کے ہاں کہنے کے بعد مرد کہے میں نے قبول کیا تو ہو جائے گا، جبکہ یہ کلام دو گواہوں کے سامنے ہو اور ان دونوں نے ایجاب و قبول کے الفاظ سنے کہ نکاح کے لئے دو آزاد مکلف مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا اور ان کا سننا شرط ہے، تنہائی میں نکاح نہیں بلکہ سفاح ہے، درمختار میں ہے، وشرط حضور شاھدین حرین او حر و حرتین مکلفین سامعین قولھما معًا، بیشک اللہ عزوجل عالم الغیب والشہادۃ ہے، اور اس کی عطا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ماکان و مایکون حاصل، مگر نکاح کے گواہ انسان ہونے چاہئیں، ملائکہ کو گواہ کرنے سے نکاح نہ ہوگا، حالانکہ کراماً کاتبین و محافظین موجود ہیں، اور وہ سنتے ہیں، قال اللہ تعالیٰ واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخرٰی، کہ حکم باعتبار ظاہر ہوتا ہے اور بظاہر یہاں گواہ نہیں، نیز اگر یہ شرط نہ ہو تو امان اٹھ جائے، ہر زانی و زانیہ ایسا کہہ سکتے ہیں، نیز ہمارے پاس نکاح کا کیا ثبوت ہوگا، جب ہم میں کے گواہ نہیں، یونہی جو نکاح اللہ و رسول کو گواہ کر کے کیا گیا، وہ نکاح صحیح نہیں، فتاوی عالمگیری میں ہے، من تزوج امرأۃ بشھادۃ اللہ و رسولہ لا یصح النکاح کذا فی التجنیس والمزید۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ حاجی رحیم بخش، شہر کہنہ بریلی، ۲۲ر جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک برات پرانے شہر سے نئے شہر کو گئی، لڑکی کے مکان والوں نے بارات واپس کر دیا اور نکاح نہ کیا، برات واپس آئی تو پرانے شہر والوں کو بہت رنج ہوا، اسی بنا پر دو سال سے پرانے شہر کی ایک لڑکی کی نسبت نئے شہر میں ہو گئی تھی، رنجش کی وجہ سے پرانے شہر والوں نے اس لڑکی کا نکاح اس لڑکے کے ساتھ جس کی برات واپس آگئی تھی کرا دیا، اب جن لوگوں نے اس لڑکی کا نکاح کرا دیا، ان پر کوئی جرم شرع شریف تو نہیں ہوا، اور اگر ہوا تو ان لوگوں کو کیا کرنا

Marfat.com

چاہئے، نیز وہ نکاح بھی جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

**الجواب**:۔ جب ایک جگہ نسبت ہو چکی ہے تو دوسرے کو پیغام بھیجنا بھی منع ہے، نہ کہ اس سے قطع کرا کے دوسری جگہ نکاح کرا دینا، حدیث صحیح میں ارشاد ہوا، ولا یخطب علی خطبۃ اخیہ، اپنے بھائی مسلمان کے پیغام پر پیغام نہ دے، رد المحتار میں بحر سے ہے، ولا یخطب مخطوبۃ غیرہ لانہ جفاء وخیانۃ، دوسرے کی منگنی ہوئی کو پیغام نہ دے کہ یہ جفا وخیانت ہے، ان لوگوں کو توبہ کرنی چاہئے، اور یہ نکاح بہر حال ہو گیا، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ مسئولہ حبیب الرحمن طالب علم مدرسہ اہل سنت بریلی، ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جوان عورت بیوہ ہوئی اور با در ضعیفہ کے سوا کوئی اس کا سرپرست نہ تھا، اور نہ رہنے کے لئے مکان تھا، اس نے اپنا عقد ثانی کیا، اس پر دیگر عورتیں طعن وتشنیع کے ذریعہ تنگ کرتی ہیں، اور اس کے دل کو ستاتی ہیں اور کہتی ہیں، تو نے جلدی میں کر گذر کر لی ہوتی عقد کیوں کیا، ایسی عورتیں جو اس پر طعن کرتی ہیں، ان کی نسبت شریعت کیا حکم کرتی ہے، باوجود اس کے کہ سمجھایا گیا کہ خدا ورسول کا ایسا ہی حکم ہے، مگر پھر بھی طعن وتشنیع سے باز نہیں آتیں؛

**الجواب**:۔ بیوہ کا نکاح جائز ہے، صرف زمانۂ عدت تک ٹھہرنا فرض ہے، اس کے بعد جب چاہے نکاح کرے، قرآن وحدیث سے اس کا جواز ثابت اور حسب حاجت مستحب وسنت وواجب اس پر طعن کرنا سخت معیوب، اور معاذ اللہ اگر جواز سے انکار یا حکم شرع کو قبیح جانا تو حکم نہایت سخت، قال اللہ تعالیٰ، وانکحوا الایامیٰ منکم، تم میں جو بیوہ عورتیں ہیں، ان کا نکاح کر دو، حدیث میں فرمایا، والایم اذا وجدت لہا کفوا، اور بے شوہر والی عورت کے نکاح میں تاخیر نہ کر، جب اس کے لئے کفو موجود ہے، ان عورتوں کا طعن کرنا گناہ ہے حدیث میں ہے لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذی، مومن طعن ولعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ فحش بکنے والا، اور نہ بیہودہ بکنے والا، اور اگر ان عورتوں کا مقصود اسے ایذا دینا ہے تو یہ بھی حرام ہے، حدیث میں ہے، من اذی مسلما فقد اذانی، جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی، اور محض چھیڑنا اور مسخرہ پن مقصود ہے تو یہ بھی حرام، قال اللہ تعالیٰ، لایسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منہم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرا منہن، ایک قوم دوسری قوم سے مسخرہ پن نہ کرے، ہو سکتا ہے کہ یہ اس سے بہتر ہو، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے مسخرہ پن کریں، ہو سکتا ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں، بہر حال ان پر توبہ فرض ہے اور اس سے معافی مانگنی لازم، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ از محلہ بہاری پور بریلی مسئولہ عاشق حسین، ۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ،

Marfat.com

علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنی زوجہ کو چھوڑ کر اٹھارہ سال باہر رہا، اٹھارہ سال کے بعد وہ اپنے وطن آیا، اور اس کو دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہوئی، اپنی زوجہ کے ساتھ لیکن اس شخص نے تنہائی میں اپنا نکاح خود پڑھ لیا اور نکاح پڑھانے والا بھی دستیاب ہو سکتا تھا، آیا وہ نکاح ہوا یا نہیں؟

**الجواب**:۔ اگر اس نے طلاق دیدی تھی، تو ضرور نکاح ہونا چاہئے، اور تین طلاقیں دی ہوں تو حلالہ کی بھی حاجت ہے، اور اگر طلاق نہ دی ہو، تو دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں، اٹھارہ برس باہر رہنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا، نکاح کے لئے دو گواہ ہوں مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے ایجاب وقبول ضروری ہے، اگر چہ عورت و مرد باہم خود ہی ایجاب وقبول کرلیں، نکاح پڑھانے والے کی کچھ ضرورت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ از رائے پور سی، پی، مدرسہ اصلاح المسلین، مرسلہ مولوی حامد علی صاحب فاروقی، ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فاطمہ کا نکاح اس کے وارثوں نے زید کے ساتھ اس شرط پر کیا کہ زید جو کہ ایک عورت کو بلا نکاح رکھے ہوئے ہے، اس کو چھوڑ دے، زید نے اقرار کیا، نکاح ہو گیا، اب زید اس عورت کو اپنے سے جدا نہیں کرتا، آیا ایسی صورت میں نکاح قائم رہا یا کہ نہیں، واضح رہے کہ یہ شرط فاطمہ کی طرف سے کی گئی، جس کو زید نے قبول کیا، شرط کی نسبت بات کرنے والے فاطمہ کے والدین تھے، بینوا توجروا،

**الجواب**:۔ بظاہر یہ شرط قبل نکاح ہے اور ایسے شروط جو قبل نکاح ہوں، نکاح میں موثر نہیں کہ نکاح نام ہے ایجاب وقبول کا اور یہ بلا شرط واقع ہوئے اور اگر یہ شرط عقد میں مذکور ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ نکاح کو شرط پر معلق کیا ہو کہ اگر تو چھوڑ دے گا، تو فاطمہ کا نکاح تیرے ساتھ ہوگا، تو نکاح صحیح نہیں، درمختار میں ہے، والنکاح لا یصح تعلیقہ بالشرط کتزوجتک ان رضی ابی لم ینعقد النکاح لتعلیقہ بالخطر، اور اگر بطور تعلیق نہ ہو، بلکہ محض شرط کے ساتھ اقتران ہو، مثلاً یوں کہا کہ فاطمہ کو تیرے نکاح میں دیا، اس شرط پر کہ تو عورت کو چھوڑ دے زید نے قبول کیا تو نکاح ہو گیا اور شرط باطل یعنی نہ چھوڑنے پر نکاح پر کچھ اثر نہ پڑے گا، درمختار میں ہے، لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد وانما یبطل الشرط دونہ یعنی لو عقد مع شرط فاسد لم یبطل النکاح بل الشرط بخلاف ما لو علقہ بالشرط، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ از گونڈل کاٹھیاواڑ، مرسلہ، قاضی قاسم میاں صاحب امام مسجد جامع، یکم ربیع الاول شریف ۱۳۴۴ھ

---

ئہ ج ۲، ص ۲۹۵، ن (امجدی)

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت نکاح عورت کے وکیل نے شاہدوں کے روبرو ناکح سے اس طرح ایجاب وقبول کیا کہ میں اپنی وکالت سے فلاں کی لڑکی فلانہ کو ایک سو روپیہ مہر کے عوض تیرے ساتھ نکاح کر دیا۔ ناکح نے قبول کیا۔ تو نکاح صحیح ہوا یا نہیں۔ وقت ایجاب وکیل نے جو سو روپیہ مہر کے عوض کا ذکر کیا۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: نکاح مذکور صحیح ہے، مہر کے عوض کہنے میں کوئی حرج نہیں، مہر تو عوض ہوتا ہی ہے، قال اللہ تعالیٰ۔ ان تبتغوا باموالکم۔ اسی وجہ سے مہر معجل میں عورت وطی سے روک سکتی ہے، جب تک وصول نہ کرے، اگر عوض نہ ہوتا تو یہ اختیار اسے حاصل نہ ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے پوشیدہ نکاح کیا ہے۔ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ گواہ کون ہے وہ شخص کہتا ہے کہ ایک مولوی صاحب نے میرا نکاح پڑھایا ہے، اور بجز مولوی صاحب کے کوئی گواہ حاضر نہیں تھا، اور مولوی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ پوشیدہ نکاح میں گواہ کی ضرورت نہیں، بغیر گواہ جائز ہے۔ اس لئے عرض ہے کہ ایسا نکاح پوشیدہ بغیر گواہ کے جائز ہو سکتا ہے کہ ایک بھی گواہ موجود نہ ہو، اگر ہو سکتا ہے تو دلیل قوی سے بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، بینوا توجروا۔

**الجواب**: بغیر گواہوں کے نکاح نہیں ہو سکتا۔ دو مرد یا ایک مرد، دو عورتوں کے سامنے ایجاب وقبول ہونا چاہئے، جو ایجاب وقبول کے الفاظ سنیں۔ حدیث میں ہے۔ اعلنوا ھذا النکاح۔ اور یہ اعلان گواہوں کے سامنے ہونے سے ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے، وشرط حضور شاھدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولھما معا علی الاصح فاھمین انہ نکاح علی المذھب وھو تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ مولوی عبدالکریم صاحب جیتوڑی از بھیٹرون گڑھ متصل اوجین علاقہ گوالیار، ۵ رشعبان المعظم ۱۳۴۵ھ

بہار شریعت حصہ ہفتم صـ۹۲ـ میں مسئلہ ۲ کی بنا پر یہاں اگر کوئی مسلم بلا اطلاع شوہر مشرکہ کو مسلمان کرکے تین حیض گذارنے کے بعد خفیہ نکاح کرے کیا جائز ہوگا، عامہ کتب میں تو شوہر پر اسلام پیش کرنا ضروری لکھتے ہیں، بلا پیش کئے تفریق جائز نہیں اور یہ تفریق قاضی کرے گا یا اور کوئی اور تین حیض آنے کے بعد خود بخود تفریق ہو جائیگی یا نہیں، لہٰذا از راہ کرم مسئلہ ہذا کی تحقیق وماخذ لکھیں؟

**الجواب**: عرض اسلام کی ضرورت صرف دار الاسلام کے لئے ہے، جہاں قاضی موجود ہو اور دار الحرب اور وہ جگہ جہاں قضاۃ نہ ہوں، عرض کی حاجت نہیں، شوہر پر اسلام پیش کرنا اور عدم قبول پر تفریق کرنا قاضی کا کام ہے دوسرے کو تفریق کا حق نہیں، فتاوی عالمگیری میں ہے، وان سکت ولم یقل شیئا فالقاضی یعرض الاسلام علیہ مرۃ بعد اخری حتی یتم الثلث احتیاطا کذا فی الذخیرۃ، ردالمحتار میں ہے، ومالم یفرق القاضی فھی زوجتہ حتی لومات الزوج قبل ان تسلم امرأتہ الکافرۃ وجب لھا المھر ای

Marfat.com

کما له وان لم یدخل بها لان النکاح کان قائماً و یتقرر بالموت فتح و انما لم یتداً رثا لمانع الکفر۔ ان عبارات سے ظاہر کہ عرض و عدم قبول پر جو اثر مرتب ہے یعنی تفریق وہ قاضی ہی کر سکتا ہے، دوسرے کے پیش کرنے پر انکار کر دیا تو تفریق نہ ہوگی، اور دار الحرب اور وہ جگہ جہاں قاضی نہ ہو وہاں عرض کرنے سے تفریق ہوگی نہیں کہ کسی کو ولایت نہیں، لہٰذا تین حیض گزرنا بینونت کے لئے کافی ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ واذا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب لم یکونا من اهل الکتاب او کانا والمرأة هی التی اسلمت فانه یتوقف انقطاع النکاح بینهما علی مضی ثلث حیض سواء دخل بها او لم یدخل بها کذا فی الکافی فان اسلم الآخر قبل ذالك فالنکاح باق ولو کان مستامنین فالبینونة اما بعرض الاسلام علی الآخر او بانقضاء ثلث حیض کذا فی العتابیہ، درمختار میں ہے، ولو اسلم احدهما ثمه ای فی دار الحرب وملحق به کالبحر الملح لم تبن حتی تحیض ثلثا او تمضی ثلثة اشهر قبل اسلام الآخر اقامة شرط الفرقة مقام السبب[1] رد المحتار میں ہے، افاد بتوقف البینونة علی الحیض ان الآخر لو اسلم قبل انقضائها فلا بینونة بحر، قوله اقامة شرط الفرقة وهو مضی هذه المدة مقام السبب وهو الاباء لان الاباء لا یعرف الا بالعرض وقد عدم العرض لانعدام الولایة ومست الحاجة الی التفریق لان المشرك لا یصلح للمسلم واقامة الشرط عند تعذر العلة جائز فاذا مضت هذه المدة صار مضیها بمنزلة تفریق القاضی۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں تین حیض گذرنے پر بغیر تفریق بینونت ہو جاتی ہے، کہ وہاں تفریق قاضی میسر نہیں اور ہندوستان اگرچہ بنا بر مذہب مختار دار الاسلام ہے، مگر ولایت و قضاۃ معدوم اور حاجت موجود تو جس طرح بحر ملح میں تین حیض گذرنا کافی ہے، یہاں بھی یہی حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** :۔ از بیکانیر ورکشاپ لال گڈھ مرسلہ خلیل احمد رضوی، ۲۹ ر ذوالقعدہ ۱۳۴۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی موضع باؤلی کی تھی، والدین نے اس کی سگائی اپنی زندگی میں کسی جگہ کر دیے تھے، بعد سگائی بقضائے الٰہی والدین فوت ہو گئے اور وہ لڑکی اپنے ماموں اور خالو کے یہاں چلی گئی، اس وقت لڑکی کی عمر تقریباً اٹھارہ سال تھی، لہٰذا وہ شخص لڑکی کے ماموں و خالو سے شادی کے لئے کہہ رہا تھا لیکن لڑکی کے ماموں اور خالو نے لڑکے کے والدین کو جواب دیا کہ تمہارا لڑکا چھوٹا ہے لڑکی جوان ہے، تمہارے لڑکے کے قابل نہیں ہے اسی حالت میں دو سال اور گذر گئے وہ لڑکی دوسرے لڑکے پر فریفتہ ہو گئی جس وقت لڑکی کے فریفتہ ہونے کی شہرت ہوگئی تو لڑکی کے ماموں اور خالو سے موضع والوں نے کہا جب کہ وہ لڑکی فریفتہ ہے اسی کے ساتھ شادی کر دینا چاہئے، لڑکے کے والدین کی بھی یہی رائے ہوئی لیکن لڑکی کے ماموں اور خالو نے بدنامی کے باعث نکاح کرنے سے انکار کر دیا، اور اپنی رائے سے اور لڑکی کی رضامندی کے بغیر ایک تیسرے لڑکے سے نکاح کر دیا۔ اور جبراً لڑکی کو صبح کے وقت سواری میں بٹھا کر رخصت

[1] درمختار، ج ۳ ص ۱۹۰، ن، امجدی۔

Marfat.com

کر دیا۔ لڑکی ۲۲ یوم لڑکے کے یہاں رہی، بعدہ لڑکی کے ماموں اور خالو لڑکی کو اپنے مکان پر لے آئے، لڑکی نے کہا لڑکا میرے قابل اور جوگ کا نہیں ہے، میں وہاں نہیں رہوں گی وہ امیر ہے لڑکا چھوٹا ہے لہذا وہ لڑکی جس لڑکے پر فریفتہ ہوئی تھی، عرصہ دو سال کا ہوا اس کے ساتھ چلی گئی۔ لڑکی کہتی ہے کہ وہ نکاح میری اجازت سے نہیں ہوا، لہذا وہ نکاح درست ہوا یا نہیں اور لڑکی اس وقت جس کے ساتھ ہے، اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**: بوقت نکاح جب لڑکی سے اذن طلب کیا گیا اگر اس نے انکار کر دیا اور باوجود انکار کے نکاح پڑھا دیا گیا، اس نے نکاح کی خبر سن کر بھی اسے منظور نہ کیا تو نکاح نہ ہوا اور اگر اس نے اذن طلب کرنے پر اجازت دیدی یا خبر سن کر اسے منظور کر لیا تو نکاح ہو گیا، اگرچہ دل میں راضی نہ تھی خالو اور ماموں کے کہنے سے اجازت دیدی ہو، اور اگر لڑکی کا ولی اقرب یا اس کا وکیل یا قاصد اذن کے لئے گیا تو لڑکی کا چپ رہنا یا ہنسنا یا مسکرانا یا بغیر آواز کے رونا بھی اذن ہے۔ درمختار میں ہے، فان استاذنها هو ای الولی او وکیله او رسوله فسکتت او ضحکت غیر مستهزئة او تبسمت او بکت بلا صوت فهو اذن فان استاذنها غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرة لسکوتها بل لابد من القول، بالجملہ صورتیں بہت مختلف ہیں، جب تک صحیح واقعہ معلوم نہ ہو، نکاح ہونے یا نہ ہونے کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ اگر نکاح نہیں ہوا تھا، تو اب نکاح کر سکتی ہے اور ہو گیا تھا، تو اس شخص سے نہیں کر سکتی ہے جب تک طلاق یا موت ہو کر عدت نہ گذر رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ ملا عبد القادر صاحب، ریاست جے پور محلہ چوبداران، ۶؍ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ زید نابالغ کی شادی ہوئی اور والدین زید کی موجودگی میں زید نابالغ کو قبول کرانے کے واسطے حکم کیا، زید نابالغ کو نکاح قبول کرنے کا حکم ہے یا نہیں، زید نابالغ کو اگر قبول کرایا جائے تو جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا

**الجواب**: اگر نابالغ نے اپنے والد کی اجازت سے قبول کیا تو نکاح ہو جاوے گا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نابالغ کا باپ کہے، میں نے اپنے فلاں لڑکے یا اس لڑکے کے لئے قبول کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: از اجمیر شریف، ۱۱؍ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نکاح کے بعد شوہر سے پردہ جائز ہے یا ناجائز؟

**الجواب**: نکاح کے بعد شوہر سے پردہ کے کوئی معنی نہیں، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے، ولا یبدین زینتهن الا لبعولتهن، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از کلکتہ ڈاکخانہ بڑا بازار، مرسلہ جناب محمد اسمٰعیل صاحب،

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص مہتر قوم سے تھا جس کو عرصہ ستر اسّی برس کا ہوا کہ مسلمان ہوا تھا، اس کے بعد کسی مسلمان صاحب ایمان نے اپنی لڑکی سے اس کی شادی کر دی تھی جس سے نسل جاری ہوئی، تین لڑکے پیدا ہوئے ان تینوں لڑکوں کی شادی بھی بفضلہ تعالیٰ مسلمانوں کے گھر میں ہوئی، ان لڑکوں کے بطن سے لڑکیاں پیدا ہوگئی تھیں، ان لڑکیوں کی شادی بھی مسلمان کے گھر میں ہوگئی، ان لڑکیوں کے بطن سے بھی لڑکیاں پیدا ہوئی ہیں، اب ان لڑکیوں سے شادی بیاہ کرنے میں اس وقت کے مسلمان جو اعتراض و انکار کریں، تو از روئے شرع ان لوگوں پر کون سا فتویٰ عاید ہوگا جب کہ چار پشت ہوگئے اور بفضلہ تعالیٰ سب مسلمان ہی میں ہوتا چلا آیا، اب یہ کیسی مسلمانی ہے، جو انکار ہوتا ہے تو از شرع اس کا مفصل جواب سے سرفراز فرمادیں؟

**الجواب**:۔ اعتراض و انکار کے یہ معنی کہ لوگ ان سے نکاح کو ناجائز قرار دیتے ہیں تو یہ اسلام کے خلاف ہے۔ اور حلال خدا کو حرام بتانا کفر ہے۔ اور کوئی مسلمان ایسا نہیں کہہ سکتا اور اگر انکار اپنی مصالح کی بنا پر ہو اور غالباً یہی ہوگا تو ہر شخص کو اختیار ہے کہ جہاں اپنی مصلحت دیکھے نکاح کرے، شرع مطہرہ نے یہ لازم نہیں کیا ہے کہ فلاں جگہ نکاح کرو، وہاں نکاح نہ کروگے تو کافر ہو جاؤ گے۔ رہا یہ کہ جب وہ مسلمان لڑکیاں قابل نکاح ہیں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ مناسب جگہ ان کے نکاح کا بند و بست کر دیں، اور اس کار خیر میں کوشش کر کے ثواب کے مستحق بنیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:۔ از ریاست بھرت پور، مقام نوگانوہ، مرسلہ جناب [illegible] حسین صاحب، ۲۸ رجب المرجب ۱۳۴۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید ایام طفولیت سے سن بلوغ تک صحیح العقل اور نہایت شائستہ و مؤدب تھا اور اس کی ہمشیرہ کی نسبت اس کی مرضی کے خلاف زید کے ورثہ نے کی، اس کا والد انتقال کر گیا تھا، اپنے نانا کے یہاں یہ دونوں بھائی بہن پرورش پاتے تھے، چنانچہ زید کے نکاح سے قبل اس کی ہمشیرہ کی شادی، اس کی مرضی کے خلاف جگہ پر کر دی گئی جس کے سبب سے زید کو رنج ہوا کچھ روز کے بعد زید کی یہ حالت ظاہر ہوئی کہ وہ اپنے خلاف عادت کبھی روتا کبھی خاموش رہتا کبھی غصہ کرتا جس کی وجہ یہ سمجھی گئی کہ چونکہ اس کی ہمشیرہ کی شادی اس کے خلاف مرضی کی گئی ہے جس کے رنج سے یہ روتا اور خاموش رہتا اور غصہ کرتا ہے، اسی حالت میں زید کا نکاح کر دیا گیا پھر نکاح کے ایک ہفتہ بعد ایسے حرکات کرنا شروع کئے جس سے وہ مجنون ظاہر ہوا مجبوراً اس کو لاہور کے پاگل خانہ میں بھیج دیا، جس کو عرصہ دو سال کا ہوا لیکن ابھی تک اس کے جنون میں کوئی فرق نہیں آیا، اب منکوحہ زید چونکہ جوان العمر ہے، اس کو زیادہ بٹھانے میں خرابی نظر آتی ہے، شرع شریف کا جو حکم ہو، ارشاد فرمائیں؟

**الجواب**:۔ مجنون اپنی زوجہ کو نہ خود طلاق دے سکتا ہے، نہ اس کی طرف سے کوئی دوسرا دے سکتا ہے، بلکہ قاضی تفریق بھی نہیں

Marfat.com

کرسکتی، درمختار میں ہے، ولا یتخیر احد الزوجین بعیب الاٰخر فاحشا کجنون وجذام وبرص ورتق وقرن، عورت کو صبر کرنا چاہئے اس کے سوا کیا کرسکتی ہے یہ اس پر ایک بلا ہے جو نازل ہوئی، اور اس کا دفعیہ کچھ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از ریاست الور محلہ نواب پورہ مرسلہ جناب مولوی سید محمد صاحب ۹ر شعبان المعظم ۱۳۴۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مذہب اہل قرآن کا پیرو ہے، تین وقت کی نماز کو فرض سمجھتا ہے اور احادیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل کرنے سے منکر ہے، ایک سجدہ فرض سمجھتا ہے، ملائکہ کا منکر ہے، جبرئیل ومیکائیل وعزرائیل واسرافیل کو محض خدائی قوتوں کے نام سمجھتا ہے۔ اس نے اپنے عقائد پوشیدہ رکھ کر ایک سنی حنفی کی لڑکی سے عقد کرلیا، مدت مدید کے بعد اس کا عقیدہ ظاہر ہوا۔ اب سوال طلب یہ امر ہے کہ اس حنفیہ لڑکی کا عقد سابق صحیح ہوا یا جتنی مدت رہی وہاں حرام ہوا بصورت عدم عقد یہ لڑکی یا اس کے والدین دوسری جگہ کسی سنی سے اس کا عقد کردینے کے مجاز ہیں یا کیا اور فسخ یا عدم کی صورت میں لڑکی پر عدت ہے یا نہیں، جواب باصواب سے معزز فرمادیں؟

**الجواب**: جو شخص ایسے عقائد رکھتا ہے قطعاً یقیناً کافر مرتد ہے، احادیث نبویہ کا مطلقاً انکار کفر ہے، جو حدیث کو موجب عمل نہیں مانتا، وہ قرآن کا بھی منکر ہے کہ احادیث بھی وحی الٰہی ہیں، فرق یہ ہے کہ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو۔ قال اللہ تعالیٰ، ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا، وقال اللہ تعالیٰ، وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ، وقال تعالیٰ، اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول، وقال تعالیٰ، من یطع الرسول فقد اطاع اللہ، وقال تعالیٰ، فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما، وقال تعالیٰ، فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول وغیرذالک من الایات، قرآن مجید

---

ملہ مذہب مختار یہی ہے، لیکن اب بضرورت حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرنے کی اجازت ہے کہ مجنون اور اس کی زوجہ کے درمیان تفریق کا حق حاکم اسلام کو ہے، جب کہ عورت اس کا مطالبہ کرے عالمگیری میں ہے: قال محمد ان کان الجنون حادثا یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم یخیر المرأۃ بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطبقا فھو کالجب وبہ ناخذ کذا فی الحاوی القدسی۔ امام محمد نے فرمایا، اگر جنون حادث ہو تو اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی، جیسے نامرد کو مہلت دی جاتی ہے۔ سال پورا ہونے پر بھی اگر شوہر تندرست نہ ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے گا۔ اور اگر جنون مطبق ہو تو وہ اس شخص کے مثل ہے جس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہو (ایسے پاگل کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت نہ دی جائے گی، عورت کو فوراً اختیار دیدیا جائے گا) اور اسی کو ہم لیتے ہیں، جیسا کہ حاوی قدسی میں ہے، جلد ۲، ص ۴۴۳۔ اور پاگل اور اس کی زوجہ کے درمیان تفریق ہر کس وناکس نہیں کرسکتا، یہ کام حاکم اسلام کا ہے اور اب کہ حاکم اسلام نہیں، اعلم علماء بلد جو سنی صحیح العقیدہ مرجع فتویٰ ہے، اس خصوص میں حاکم اسلام کے قائم مقام ہے تفریق کی ضرورت مند عورتوں کو لازم ہے کہ وہ اپنے شہر کے اعلم علماء کے حضور درخواست کرے اور وہ جو احکام دیں اس کی پابندی کرے بغیر قضائے قاضی تفریق نہ ہوسکے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

Marfat.com

میں بکثرت ایسی آیات ہیں جن سے بخوبی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ماننا لازم ہے، پس جو شخص اس کا بالکل انکار کرتا ہے وہ ان آیات قطعیہ کا منکر ہے، اور ایسا شخص بلاشبہ کافر، عقائد نسفی میں ہے، اسباب العلم ثلثة الحواس والخبر الصادق والعقل والخبر الصادق علی نوعین احدهما الخبر المتواتر، والنوع الثانی خبر الرسول المؤید وهو یوجب العلم الاستدلالی والعلم الثابت به یضاهی العلم الثابت بالضرورة فی التیقن والثبات، بیشک وہی فرقہ ہے جس کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو قرآن کے حلال و حرام ہی کو تسلیم کریں گے اور میں نے جس کو حرام فرمایا ہے اسے نہ مانیں گے، امام احمد و ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و بیہقی ابو رافع رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لا الفین احدکم متکئا علی اریکته یاتیه الامر من امری مما امرت به او نهیت عنه فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ، ایسا نہ ہونے پائے کہ کوئی مسند پر تکیہ لگائے اور اس کے پاس کوئی بات پیش ہو جس کا میں نے امر کیا ہے یا منع کیا ہے تو وہ کہے میں اسے نہیں جانتا جو کتاب اللہ میں ہم پائیں گے اس کا اتباع کریں گے، مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی، حضور نے ارشاد فرمایا، الا انی اوتیت القرآن ومثله معه الا یوشک رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ[1]، ان مضامین کی احادیث اور بھی ہیں، مگر یہ دو ہی کافی ہیں، یونہی دو نمازوں کی فرضیت سے انکار کرنا بھی کفر ہے، پانچ نماز کی فرضیت اسلام میں ایسا مسئلہ ہے کہ بچے بھی اس سے ناواقف نہیں اور خبر متواتر سے ثابت اور جو اس کا منکر ہے کافر، اس باب میں احادیث کی وہ کثرت ہے، جس کے تواتر میں کوئی شبہ نہیں، اسی طرح سجدۂ ثانیہ کی فرضیت کا انکار بھی کفر ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے، وان انکر فرضیة الرکوع والسجود مطلقا یکفر حتی اذا انکر فرضیة السجدة الثانیة یکفر ایضا له والاجماع و[illegible][2]، یونہی ملائکہ کا انکار بھی قرآن کا انکار ہے، ایک دو آیت نہیں قرآن کی بہت آیتوں سے ملائکہ کا وجود ثابت ہے، مثلاً کل آمن باللہ وملائکته وکتبه ورسله، یونہی ملائکہ کو خدا کی قوت کہنا بھی کفر ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہوا لن یستنکف المسیح ان یکون عبد اللہ ولا الملائکة المقربون، جس کے صریح معنی یہ ہیں کہ ملائکہ اللہ کے بندے ہیں تو خدائی قوت کا نام ملائکہ رکھنا اس آیت کا انکار ہے، اگر وقت نکاح اس شخص کے یہ عقائد تھے تو نکاح ہوا ہی نہیں کہ مسلمان عورت کا نکاح کافر سے نہیں ہو سکتا اور اگر اس وقت اس کے

---

[1] سنو مجھے قرآن دیا گیا اور اس کی مثل اس کے ساتھ بھی دیا گیا، سنو عنقریب ایک پیٹ بھرا اپنے مسند پر بیٹھا یہ کہے گا تم پر اس قرآن کی پابندی لازم ہے جو تم اس میں حلال پاؤ اسے حلال جانو جو تم اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا بلاشبہ وہ بھی مثل اس کے ہے جس کو اللہ نے حرام فرمایا، مشکوٰۃ ص۲۹

[2] اگر رکوع سجدہ کی فرضیت سے مطلقاً انکار کرے تو کافر ہے یہاں تک کہ اگر دوسرے سجدہ کی فرضیت سے انکار کرے تو بھی کافر ہے اجماع اور تواتر کے انکار کرنے کی وجہ سے، (امجدی)

Marfat.com

ایسے عقائد نہ تھے بعد میں یہ عقائد پیدا ہوئے تو نکاح جاتا رہا کہ ارتداد زوج نکاح کو فسخ کر دیتا ہے، فتاوی عالمگیری باب احکام المرتدین میں ہے، و منہا ماھو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ ولا حرۃ ولا مملوکۃ، تنویر الابصار میں ہے وبطل النکاح، لڑکی کو اختیار ہے جہاں چاہے، دوسرا نکاح کرے، پھر اگر خلوت نہ ہوئی ہو تو عدت نہیں، اور اگر خلوت ہو چکی ہو اور وقت نکاح زید کے وہی عقائد تھے، جو سوال میں مذکور ہیں تو یہ نکاح باطل ہے اور نکاح باطل میں عدت نہیں، درمختار میں ہے، فلا عدۃ فی باطل، اور بعد نکاح وخلوت یہ عقائد پیدا ہوئے تو عدت تین حیض ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم،

**مسئلہ**:۔ از باسنی مارواڑ، مرسلہ جناب صوفی نصیر الدین مدرس مدرسہ اسلامیہ، ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ،

ماقولکم دریں صورت کہ نکاح بایں طور منعقد ہوا کہ مجلس عقد میں پہلے یہ طے ہوا کہ ایک شخص نے لڑکی کے باپ سے کہا کہ تم اپنی لڑکی فلاں کے لڑکے کو دیدو لڑکی کے والد نے سکوت کیا پھر اسی وقت اسی مجلس میں اس طور سے نکاح منعقد ہوا کہ لڑکی کے باپ نے صرف یہ کہا کہ نکاح پڑھا دو، اور نکاح پڑھانے والے نے اس طرح پڑھایا کہ عثمان کا لڑکا لقمان اور مولوی نصیر الدین کی لڑکی فاطمہ کا نکاح ساتھ مہر شرعی ساڑھے تین روپیہ کے روبرو ان دو گواہوں کے نکاح قبول کیا تو لڑکی کے والد نے کہا کہ کیا اس صورت میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں، اگر ہوا تو لڑکے سے ہوا یا خود لڑکے کے باپ سے بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا،

**الجواب**:۔ صورت مستفسرہ میں وہ الفاظ جو نکاح خواں نے کہے وہ ادائے مقصود میں قاصر ہیں کہ اس نے ایجاب کا مفہوم اپنے کسی لفظ سے ادا نہ کیا، بلکہ اس کی عبارت میں مبتدا بغیر خبر ہے، اور کلام تمام نہیں، کیونکہ یہ لفظ کہ نکاح قبول کیا جو آخر میں ہے، یہ عرف عام میں نکاح خواں محض ناکح یا اس کے ولی کو تعلیم کے لئے بولا کرتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم قبول کرو، اور اس کے بعد وہ قبول کے الفاظ بولتا ہے، اگر ایجاب کے پورے الفاظ کہتا، (مثلاً فلاں لڑکی کو فلاں کے نکاح میں دیا یا اس کا اس کے ساتھ نکاح کیا) اور اس کے بعد الفاظ قبول کی تلقین کرتا، اور وہ قبول کرنیوالا یہ کہتا کہ میں نے قبول کیا یا صرف اتنا ہی کہتا کہ کیا تو نکاح ہو جاتا (سوال کے جواب میں یہ لفظ کیا) اس کے یہ معنی ہیں کہ میں نے قبول کیا کہ عبارت سوال جواب میں محذوف ہوا کرتی ہے، مگر یہاں ایجاب کے الفاظ ہی پورے نہیں تو قبول کس چیز کو کرے گا، لہذا صورت مستفسرہ میں نکاح منعقد نہ ہوا، پھر سے نکاح پڑھوانا چاہئے، ھذا ما ظھر لی والعلم عند ربی، وھو تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ مرسلہ مولوی امیر احمد صاحب از باسنی ناگور، متعلق فتوی نکاح، ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ،

مکرمی زید مجدکم السلام علیکم، بیکانیر سے حضرت مولانا مولوی عبید الرحمن صاحب ریحان پشاوری، مسئلہ نکاح کے فیصلہ کے لئے طلبیدہ آئے ہوئے ہیں، وہ جناب کے فتویٰ کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ مولانا کی ذاتی رائے ہے، کسی کتاب کے حوالہ سے نہیں لکھا جب مجلس عقد تھی،

Marfat.com

اور شاہدین موجود تھے اور لڑکا لڑکی کے والدین کی جانب سے ایجاب وقبول ہو چکے تو پھر نکاح میں کیا شبہ رہا، اگر مجیب اپنی دونوں قیدوں کی یعنی ۱ و ۲ کی ضرورت کسی معتبر کتاب سے ثابت کر دے تو میں تسلیم کر لوں گا، لہٰذا عرض ہے کہ آں قبلہ کسی معتبر کتاب کی عبارت یا حوالہ درج کر کے براہ کرم جلد ارسال فرمائیں، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جس رات کو چاروں نکاح منعقد ہوئے تھے، اسی رات کو چھ سات آدمی کھاری مولوی شمس الدین صاحب کی خدمت میں گئے تھے، ان چھ سات آدمیوں میں نکاح شدہ بچے بچیوں کے والدین بھی تھے اور نکاح کے گواہ بھی تھے اور نکاح پڑھانے والے بھی تو مولوی صاحب موصوف کے سامنے صوفی نصیر الدین صاحب نے جس طور سے نکاح پڑھایا تھا، اس طور سے صورت بیان کی، چنانچہ اس کی تصدیق مولوی نصیر الدین صاحب نے بھی اور دوسروں نے بھی کی تھی کہ ہاں صاحب اسی طور سے نکاح پڑھائے گئے تھے، صوفی جی کا بیان بلفظہ اسی سوال میں بلا کمی بیشی درج ہے، جس کا جواب حضرت قبلہ نے تحریر فرمایا ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوا، صوفی جی کے بیان کی تصدیق ہو جانے پر چاروں نکاحوں کا مجموعہ ایک ہی سوال ہو چکا، ایک جواب طلب امر یہ ہے کہ جب نکاح منعقد نہیں ہوئے، اب ان چار لڑکوں کا نکاح انھیں چاروں لڑکیوں سے دوبارہ کرنا ضروری ہے یا چاروں کا باپ مختار ہے، جہاں چاہیں نکاح کر دیں، بینوا توجروا۔

**الجواب**: فقیر نے جو کچھ فتویٰ میں تحریر کیا ہے، اگر یہ مولوی صاحبان کے خیال میں ذاتی رائے ہے اور قواعد شرع کے خلاف ہے تو غلطی کی وجہ بیان کرنی ضرور تھی تاکہ اس سے رجوع کر لیتا، مگر غلطی نہ بیان کرنا اور فقط عدم تسلیم پر اکتفا کرنا قابل قبول نہیں، اس عقد میں چند امور قابل لحاظ ہیں، اور مجلس عقد کا ہونا مسلم اور گواہوں کا موجود ہونا بھی تسلیم مگر ایجاب وقبول ہو چکے، اس میں کلام ہے کہ ایجاب وہ کلام ہے جو عاقدین میں پہلا شخص بغرض تحقیق عقد تلفظ کرتا ہے اور اس کے جواب میں جو دوسرا کلام ہوتا ہے وہ قبول ہے، مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی، عمدۃ الرعایہ، حاشیہ شرح وقایہ میں لکھتے ہیں، الایجاب ھو الاثبات لغۃ سمی بہ اول کلام احد العاقدین وکلام الاخر للترتب علیہ القبول۔ رد المحتار میں ہے، اشار الی ان المتقدم من کلام العاقدین ایجاب سواء کان المتقدم کلام للزوج او کلام للزوجۃ والمتاخر قبول ح عن المنح۔ ان عبارتوں سے ظاہر کہ ایجاب کا کلام ہونا ضروری ہے، اور وہ الفاظ جو عاقد نے تلفظ کیے، اس میں پچھلا فقرہ بغرض تعلیم ہے، لہٰذا بقیہ عبارت کلام نہیں، بلکہ مبتدا بغیر خبر ہے، اور اگر پچھلا فقرہ تعلیم کے لئے نہ ہو تو اس کا یہ کہنا کہ قبول کیا، کس ایجاب کو قبول کرتا ہے، اور کس کی طرف سے قبول کرتا ہے زوج کی طرف سے قبول کرتا ہے، تو زوجہ کی طرف سے ایجاب ہونا چاہئے اور وہ یہاں موجود نہیں اور زوجہ کی طرف سے قبول کرتا ہے تو زوج کی طرف سے ایجاب ہونا چاہئے اور یہ بھی مفقود، اور اگر یہ لفظ خود ایجاب کہا جائے تو اس کا قبول کہاں ہے، دوم یہ کہ باپ کا لفظ (کیا) اس کے معنی قبول کیا تو جب ہوتے کہ سوال کے جواب میں . . . ہوتا، سوم یہ کہ قبول کیا جو عاقد نے کہا، اس میں یہ تعین نہیں کہ کس نے قبول کیا، میں نے قبول کیا یا تو نے قبول کیا، ماقبل یا مابعد میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے اس کا تعین ہوتا

Marfat.com

چہارم: ایک شخص نے کہا کہ تم اپنی لڑکی فلاں کے لڑکے کو دیدو، یہ لفظ بھی بہت مجمل ہے اگر اسکی چند لڑکیاں ہیں تو یہ متعین نہیں ہوا کہ کس لڑکی کو فلاں کے لڑکے کیلئے طلب کر رہا ہے یوں ہی فلاں کے چند لڑکے ہوں تو یہ معلوم نہیں کہ اس کے کس لڑکے کے لئے طلب کرتا ہے لہذا لڑکی کے باپ کا یہ کہنا کہ نکاح پڑھادو، نہ ناکح کی تعیین کرتا ہے نہ منکوحہ کی، خلاصہ میں ہے، ابو الصغیرۃ اذا قال زوجت بنتی فلانۃ من ابن فلان بکذا وقال فلان قبلت لابنی ولم یسم الابن ان کان له ابنان او اکثر لا یجوز وان له ابن واحد صح۔ پنجم، عاقد کا یہ لفظ عثمان کا لڑکا لقمان اور مولوی نصیر الدین کی لڑکی فاطمہ کا نکاح اس میں لڑکی اور لڑکا دونوں کو عطف کے ساتھ ذکر کیا یعنی کہتا ہے۔ ان دونوں کا نکاح قبول کیا، معلوم نہیں عثمان کا نکاح فاطمہ کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ اور فاطمہ کا نکاح عثمان سے ہوتا ہے یا کسی اور سے یہ خیال کہ ان میں دونوں کی نسبت باہم ہو چکی ہے تعیین کیلئے کافی نہیں بلکہ ایجاب وقبول میں ناکح اور منکوحہ کا تعین چاہئے یعنی فلاں کا نکاح فلاں سے، فتاویٰ خلاصہ میں ہے۔ رجل خطب لابنه الصغیر امرأة فلما اجتمعا للعقد قال ابو المرأة لاب الزوج دادم دختر را فلانۃ بہزار درم وقال ابو الزوج قبلت صح النکاح للاب وان جری بینهما مقدمات ان النکاح للابن هو المختار هذا فی المحیط ششم، کہا جاتا ہے کہ مجیب اپنی دونوں قیدوں کی یعنی ۲،۱ کی ضرورت کسی معتبر کتاب سے ثابت کریں میں تسلیم کر لونگا میں نے کب کہا تھا کہ ان دونوں لفظوں کے بغیر نکاح نہ ہوگا، البتہ یہ کہا تھا کہ ایجاب کا کلام تام ہو اور مفید ہے اگر عاقد کا کلام تام ہوتا جو تحقیق عقد پر دلالت کرتا ہے مثلاً یوں کہتا یا یوں کہتا تو نکاح ہو جاتا۔ اس کو صحت نکاح کی ۔۔ شرط قرار دے لینا عجیب ہے خود اس عبارت میں لفظ مثلاً موجود ہے جو مثال پر دلالت کرتا ہے نہ کہ شرط پر کتب فقہ میں نکحت، زوجت، انکحت، تزوجت، نکاح دادم، بزنی دادم، نکاح کردم وغیرہ اس قسم کے الفاظ ہیں جو ایجاب کا افادہ کرتے ہیں جو صاحب اس نکاح کو جائز کہتے ہیں ان کو چاہئے کہ اس عبارت کا کوئی جزئیہ پیش کریں کہ فلاں کتاب میں یہ ہے کہ اس عبارت سے نکاح ہو جاتا ہے اور اگر جزئیہ نہ پیش کر سکیں تو کسی کلیہ ہی سے ثابت کریں کہ ایسی عبارت مفید ایجاب ہوتی ہے جس سے ثابت ہو کہ ناکح اور منکوحہ کو بطور عطف ذکر کیا گیا ہو اور صرف مبتدا کو ایجاب کہا گیا ہو، یا قبول کیا کو بھی ملا کر ایجاب بنایا جائے۔ تو فعل بلا فاعل کے ہو اور فاعل کی تعیین کے لئے کوئی قرینہ بھی نہ ہو اگر کوئی صاحب اسے ثابت کر دیں گے تو فقیر رجوع کرنے کیلئے تیار ہے ورنہ اس کلام کا کوئی جواب میرے پاس نہیں میں نے بہت غور کیا، نکاح کے جواز کی کوئی صورت ذہن میں نہیں آتی اور اسی بنا پر عدم انعقاد کا حکم دیا۔ اس کو لحاظ کرتے ہوئے لڑکیوں کے اولیاء کو اختیار ہے جس سے چاہیں نکاح کر دیں مگر اختلاف اور نزاع سے بچنے کیلئے اگر انہیں لڑکوں سے نکاح کر دیا جائے تو مناسب و بہتر ہوگا کہ اس میں نزاع کی صورت قطع ہو جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم،

**جواب**: ۔ استفتاء حکیم نصیر الدین صاحب باسنی ناگور مارواڑ ـــــ باسنی ناگور سے فقیر کے پاس استفتاء آیا جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ نکاح خواں نے یہ لفظ کہا عثمان ولد عثمان اور فاطمہ بنت مولوی نصیر الدین کا نکاح ساتھ مہر شرعی سے روبروان دو گواہوں کے نکاح قبول کیا تو لڑکے کے باپ نے کہا کہ کیا ـــ اس سوال کا جواب فقیر نے پہلے مختصراً اور بعد میں مفصلاً تحریر کر کے روانہ کیا تھا کہ یہ الفاظ ناکافی ہیں نکاح کیلئے جن امور کی ضرورت ہے وہ ان الفاظ میں نہیں اور فقیر نے اس کے وجوہ فتوی میں مفصلاً بیان کئے اب حکیم نصیر الدین ساکن باسنی کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ وہاں ان الفاظ سے نکاح ہونے کے متعلق عرف جاری ہے اور نکاح خواں کے ان الفاظ کو عرف عام میں ایجاب قرار دیا جاتا ہے اور ناکح و منکوحہ کو حرف عطف سے ذکر کرنے کی صورت میں بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس لڑکے کا نکاح اسی لڑکی کے ساتھ ہوتا ہے اور لفظ (کیا) اسی ایجاب کا قبول سمجھا جاتا ہے یعنی وہاں کے عرف عام نے تمام ضروریات ایجاب وقبول کیلئے ان الفاظ کو کافی قرار دیا ہے اس بیان کے صحت کے بعد اس نکاح کے متعلق حکم یہ ہے کہ جب عرف ایسا ہی ہے تو نکاح صحیح ہے اور فقیر کا پہلا فتویٰ جو عدم جواز کا تھا وہ الفاظ کی بنا پر تھا اور وہ الفاظ اپنے معانی کے لحاظ سے بہت ناکافی ہیں، ور ان میں تمام وہ احتمال پائے جاتے ہیں جو فتویٰ میں بیان کئے گئے مگر اب جبکہ ایسا عرف جاری ہے کہ وہ کافی سمجھے جاتے ہیں لہذا عرف کے بنا پر معنی کی تعیین سمجھی جائیگی اور نکاح صحیح قرار دیا جائیگا، واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ**: ۔ زید پر اپنی عورت کا زانیہ ہونا یقینی طور پر متحقق ہو گیا اور زید متقی ہے، یا فاسق لیکن اس منکوحہ عورت کو شرعاً اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں اور وہ عورت زید کے نکاح میں رہی یا نہیں، بکر کہتا ہے کہ جب عورت زنا کرتی ہے نکاح سے باہر ہو جاتی ہے کیا بکر کا کہنا صحیح ہے یا نہیں ؟

Marfat.com

**الجواب**: زنا کرانے سے عورت نکاح سے باہر نہیں ہوئی، گنہگار بیشک ہوئی اور سخت گنہ گار ہوئی، بکر کا قول صحیح نہیں، پھر زید کو جب کہ معلوم ہے اور اسے بقدر طاقت منع نہیں کرتا تو دیوث ہے اور اگر منع کرتا ہے اور وہ مانتی نہیں، چھپ کر ایسی حرکت کر بیٹھتی ہے، یا پہلے اس نے یہ حرام کرایا اور اب زید کے منع کرنے سے باز آگئی تو اب شوہر پر مواخذہ نہیں اور شوہر پر طلاق دینا لازم نہیں، اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ البتہ اگر اب بھی وہ ایسا کراتی ہے تو طلاق دے دینا بہتر ہے[1] واللہ تعالیٰ اعلم۔

[1] درمختار میں ہے، یستحب لو مؤذیۃ او تارکۃ صلاۃ ومفادہ ان لا اثم بمعاشرۃ من لا تصلی (ج ۲، ص ۴۱۶، ن) اگر عورت موذیہ ہے یا بے نمازی ہے تو اس کو طلاق دینا مستحب ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ بے نمازی عورت کے ساتھ رہنے سے گناہ نہیں، گناہ ہونے میں نماز چھوڑنا اور بدکرداری دونوں برابر ہیں، اس لئے جیسے بے نمازی عورت کو طلاق دینا مستحب ہے، اسی طرح بدکردار عورت کو بھی طلاق دینا مستحب ہوگا واجب نہ ہوگا، اسی میں کتاب الحظر میں ہے، لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ، بدکار عورت کو طلاق دینا شوہر پر واجب نہیں ہے، اس کے تحت رد المحتار میں ہے، والفجور یعم الزنا وغیرہ وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمن زوجتہ لا ترد ید لامس وقد قال انی احبہا استمتع بہا، اور فجور عام ہے زنا اور اس کے غیر کو، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس کی بیوی چھونے والے کے ہاتھ کو نہیں روکتی جب اس نے یہ عرض کیا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، اس سے فائدہ حاصل کر۔ قلت: یہ حدیث مشکوۃ باب اللعان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اس پر مشکوۃ میں فرمایا، رواہ ابوداؤد والنسائی، وقال النسائی رفعہ احد الرواۃ الی ابن عباس واحدہم لم یرفعہ، قال وھذا الحدیث لیس بثابت۔ نسائی میں یہ حدیث دو جگہ ہے، ایک کتاب النکاح میں اور ایک کتاب الطلاق میں۔ کتاب النکاح میں امام نسائی نے یہ فرمایا، ھذا الحدیث لیس بثابت وعبد الکریم لیس بالقوی وھارون بن رئاب اثبت منہ وقد ارسل الحدیث وھارون ثقۃ وحدیثہ اولی بالصواب من حدیث عبد الکریم اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث عبد اللہ بن عبید بن عمیر سے دو شخص روایت کرتے ہیں، ایک ہارون بن رئاب دوسرے عبد الکریم، عبد الکریم کی روایت متصل ہے اور ہارون ابن رئاب کی حدیث مرسل۔ امام نسائی یہ فرماتے ہیں کہ عبد الکریم قوی نہیں اس لئے اس حدیث کا مرفوع ہونا ثابت نہیں، اس لئے کہ ہارون بن رئاب اس سے زیادہ اثبت ہیں انھوں نے حدیث کو مرسل رکھا اور یہ ثقہ بھی ہیں اس لئے اس حدیث کے مرسل ہونے کو ترجیح حاصل ہے، متصل ہونے پر اس لئے لیس بثابت کا مطلب صرف یہ ہوا کہ اس حدیث کا متصل ہونا ثابت نہیں لیکن یہ حدیث ہے اگرچہ اس میں ارسال ہے، اقول، علامہ نسائی نے تصریح کی ہے کہ ہارون ثقہ ہیں اور ثقہ کی حدیث مرسل جمہور محدثین کے نزدیک حجت، لہٰذا یہ حدیث بلاشبہ قابل احتجاج ہے، مقدمہ اشعۃ اللمعات میں ہے، وعند ابی حنیفۃ ومالک المرسل مقبول مطلقا وھم یقولون انما ارسلہ لکمال الوثوق والاعتماد لان الکلام فی الثقۃ ولو لم یکن عندہ صحیحا لم یرسلہ ولم یقل، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور اتنا تو امام شافعی کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ اگر حدیث مرسل کی تائید کسی دوسرے طریقہ سے بھی ہو تو

Marfat.com

**مسئلہ** از بمبئی محلہ و مان واڑی ڈاکٹر اسٹریٹ دکان روئی ۱۹ مرسلہ جناب بدن صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عرصہ پانچ سال سے اپنی منکوحہ سے جو اسی وقت سے اپنے والدین کے گھر پر جو بالکل نادار اور مفلس ہیں مقیم ہے۔ ایک دم قطع تعلق کر لیا سامان خورد و نوش حتی کہ خط و کتابت تک سے کوئی واسطہ نہیں ... زید اپنی منکوحہ کو رخصت کرا کے لے جانے سے قطعی انکار کرتا ہے۔ باوجودیکہ منکوحہ جانے کو تیار ہے۔ لڑکی کے ورثہ متعدد بار رخصتی کی گفتگو کی مگر زید نے ہر بار انکار کیا ورثہ نے عرض کیا۔ اگر آپ رخصتی نہیں چاہتے تو لڑکی کو طلاق ہی دے دیجئے۔ زید نے جواب دیا اگر میری منکوحہ مہر معاف کر دے تو میں ضرور طلاق دیدوں۔ لڑکی کے ورثہ نے منجانب لڑکی کئی نوٹسیں بنام زید روانہ کیں۔ ان میں تحریر کیا کہ مہر اس شرط پر معاف کیا جاتا ہے کہ آپ طلاق دیدیں ہنوز کوئی جواب نہیں۔ اب لڑکی کیا کرے اس کے بسر اوقات کیسے ہوں۔ زید کی زوجہ سابقہ فرار ہو کر مفقود الخبر ہو گئی تھی یہ زید کا نکاح ثانی ہے۔ از روئے شریعت محمدی مدلل مفصل جواب باصواب تحریر فرما دیں۔

**الجواب**: صورت مستفسرہ میں عورت کو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ شوہر پر دعوی کرے حاکم شوہر زید کو مجبور کرے گا کہ وہ عورت کو اپنے یہاں رکھے اور نان و نفقہ دے یا طلاق دیدے اور شوہر کو ایسا کرنا حرام ہے کہ عورت کو معلق رکھے ہوئے ہے نہ اسے بلاتا ہے اور نہ نان و نفقہ دیتا ہے یہ بلا وجہ اس کو ایذا دینا گناہ ہے اور اس کی وجہ سے مستحق عذاب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: ایک عورت جوان بالغہ بدون ولی نکاح پڑھ لے تو جائز ہے یا نہیں بعض شخص اعتراض کرتے ہیں کہ بدون ولی نکاح درست نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**: ولایت اجبار کہ بغیر اجازت ولی نکاح نہ ہو یہ صرف نابالغ یا مجنون پر ہے بالغہ نے اگر بغیر ولی اپنا نکاح کیا تو درست ہے

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴ کا) وہ مقبول ہے۔ خواہ یہ دوسرا طریقہ مسند ہو یا مرسل خواہ ضعیف۔ (حوالہ مذکور) امام نسائی کی تنقید سے ظاہر ہے کہ اس حدیث مسند کی تائید بطریق عبد الکریم ہے تو اگرچہ بقول امام نسائی عبد الکریم قوی نہیں۔ مگر ہارون کی حدیث مرسل کے لئے مؤید ضرور ہے۔ اس لئے اس حدیث کے مقبول ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اس حدیث کے تحت مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے۔ قال الشیخ الجزری حدیث ابن عباس رواہ ابوداؤد و سکت علیہ۔ قال المنذری ورجال اسنادہ محتج بہم فی الصحیحین علی الاتفاق والانفراد ... الشافعی فی المسند بلفظہ مرسلا اھ و بعضہم منہ ان وصل ھذا الحدیث لیس بثابت والمرسل اصح لان اصل الحدیث لیس بثابت کما یفھم من کلام المصنف تامل۔ خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ یہ حدیث ثابت ہے۔ مرفوع بھی اور مرسل بھی زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مرفوع طریقہ میں ضعف ہے اور مرسل طریقہ ضعف سے خالی ہے اور ثقہ کی حدیث مرسل حجت خصوصاً جب کہ اس کی تائید دوسرے طریقوں سے ہو رہی ہو جیسا کہ یہاں ہے اس لئے اس حدیث کے قابل احتجاج ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

Marfat.com

قرآن مجید میں فرمایا، حتی تنکح زوجا غیرہ، یہاں تک کہ یہ مطلقہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے، یہاں فرمایا کہ خود عورت اپنا نکاح کرے، اور فرمایا، فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن، یہاں حکم دیا گیا ہے کہ ولی کو نکاح سے روکنے کا حق نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** :۔ از شاجاپور مالوہ گوالیار اسٹیٹ۔ مرسلہ جناب محمد اکبر خاں صاحب، یکم ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین صورت ذیل میں کہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں، صورت واقعہ یہ ہے کہ ایک بالغہ لڑکی کنواری کے نکاح کے لئے احباب و اقربا جمع ہو کر بیٹھے اور نکاح منعقد ہونے کے لئے آواز ہونے لگی کہ لڑکی کا وکیل کون ہوگا، تو ایک شخص بولا کہ لڑکی کے والد جو اس کے ولی ہیں موجود ہونے کی صورت میں اس وکالت کی کیا ضرورت ہے، چنانچہ لڑکی کے والد آکر نکاح پڑھانے والے کے پاس دو گواہوں کے ساتھ اس مجمع میں بیٹھ گئے، لڑکی کے والد اس خیال میں رہے کہ شاید اب لڑکی کے اذن کی بھی ضرورت نہیں اور نکاح پڑھانے والا اس خیال میں رہا کہ یہ مرحلہ طے ہو چکا ہوگا، لڑکی کے والد نے کہا، میری لڑکی مساۃ فلاں کا نکاح اس زید سے بالعوض دو سو پچاس روپیہ مہر کے کر دیجئے، چنانچہ لڑکی سے اذن لئے بغیر اسی وقت دو گواہوں کی موجودگی میں اس مجمع کے روبرو بعد خطبۂ مسنونہ ایجاب و قبول کرا دیا گیا، اگرچہ لڑکی کو اور سب گھر والوں کو یہ معلوم تھا کہ فلاں شخص سے نکاح ہوگا، گواہوں سے کچھ پوچھا بھی نہ گیا قاعدہ ہے کہ نکاح ہو جانے پر دولھا کے گھر سے آئے ہوئے کپڑے اور زیورات وغیرہ دولھن کو زیب تن کرا دیئے جاتے ہیں، رات کو نکاح ہوا اور صبح کو وہ کپڑے لڑکی کو پہنائے گئے، اور باراتیوں کو کھانا کھلا کر رخصت کر دیا گیا، لڑکی نے کپڑے تبدیل کرنے اور رخصت ہونے پر حسب معمول کوئی اصرار نہیں کیا، شرعاً یہ نکاح ہوا یا نہیں، بینوا توجروا،

**الجواب** :۔ صورت مستفسرہ میں نکاح صحیح و لازم ہو گیا کہ اگرچہ قبل نکاح اجازت نہیں لی گئی، مگر بعد نکاح عورت کا ایسا فعل کرنا جسے اجازت سمجھی جائے ایسے نکاح کو جائز کر دیتا ہے کہ جب یہ نکاح بغیر اجازت حاصل کئے کر دیا گیا، تو عورت کے اجازت پر موقوف رہا اگر وہ اپنے قول یا فعل سے رد کر دیتی رد ہو جاتا، اور جائز کر دیا تو جائز ہو گیا، فتاوی عالمگیری میں ہے، لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا بکرا کانت او ثیبا فان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتہا فان اجازتہ جاز وان ردتہ بطل، درمختار میں ہے، زوجہا ولیہا واخبرہا رسولہ او فضولی عدل فسکتت او ضحکت فہو اذن ای اجازۃ اھ ملتقطاً، نیز اسی میں ہے، فان استاذنہا غیر الاقرب فلابد من قول او ماھو فی معناہ من فعل یدل علی الرضا کطلب مہرھا ونفقتہا وتمکینہا من الوطی ودخولہ بہا برضاھا، ظہیریۃ، وقبول التہنئۃ، بالجملہ یہ نکاح عورت کی اجازت پر موقوف تھا اور رخصت ہو کر شوہر کے یہاں جانا اس کی اجازت ہے، درمختار میں ہے، وقبضۃ المہر ونحوہ مما یدل علی الرضا رضا، ردالمحتار میں ہے، کالتجہیز ونحوہ، بدائع میں ہے، اما بیان ما یکون اجازۃ فالاجازۃ قد تثبت بالنص وقد تثبت بالدلالۃ وقد تثبت بالضرورۃ اما النص فہو التصریح بالاجازۃ وما یجری

Marfat.com

مجرا جاءوا ما الدلالۃ فھی قول او فعل یدل علی الاجازۃ مثل ان یقول المولی اذا اخبر بالنکاح حسن او صواب او لا بأس به ونحو ذالک او یسوق الی المرأۃ المھر او شیئا منه فی نکاح العبد ونحو ذالک مما یدل علی الرضا۔ ردالمحتار میں ہے۔ فی البحر یزوجه فضولی ویجیز بالفعل کسوق الواجب الیھا۔ فتاوی خیریہ میں ہے سئل فی رجل قال کل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق ثم قال بمجلس الرجل لیتک تزوجنی فلانۃ ھل اذا زوجه یحنث ام لا (اجاب) لا یحنث لانه لم یتزوج بل زوج والمزوج فضولی بلا شک والحال ھذہ فاذا اجاز بالفعل لا بالقول لا یحنث والاجازۃ بالفعل کان یبعث الیھا شیئا من المھر وان قل او یقبلھا او یلمسھا بشھوۃ قولا واحدا او بلا شھوۃ فی قول او ینھاہ الناس فسکت او اخذ فی تجھیزھا کما نص علیه فی المحیط فذالک کله اجازۃ بالفعل فلا یحنث۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** :- از باسنی قریب ناگور مارواڑ، مرسلہ جناب امیر احمد صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ ۱۲؍ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ۔

ما قولکم صغیرین کا نکاح حالت صغر میں ان کے والدین پر فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب یا مباح؟

مسئلہ جس امر مباح کی ادائگی مفضی الی الحرام القطعی ومنجر الی النزاع والفساد بین عامۃ المسلمین وسبب امر محظور شرعی وباعث قطع رحمی وموجب نافرمانی ودل شکنی والدین ہو تو اس فعل مباح کی مباشرت واجرا کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ ہذا القیاس واجب وسنت کی ادائگی واجرا میں بھی جب انھیں مفاسد مذکورہ کا سامنا ہو تو کیا حکم ہے؟ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے تو اپنے فتاوی میں خطابی کا ایک کلیہ نقل فرمایا ہے، جس سے ممانعت مفہوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے، کل امر یتذرع به الی امر محظور فھو محظور۔

**الجواب** :- (۱) صغیرین کا نکاح نہ فرض ہے نہ واجب، بلکہ مباح ہے، اگر موقع نکاح کرنے کا ہو کردیں، نہ کرنے کا ہو نہ کریں، ان کو اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) مباح کے فعل میں اگر یہ قبائح پیدا ہونا مظنون ہو تو مباح کو ترک کریں، بلکہ واجب وسنت کے عمل میں اگر حرام کا ارتکاب ہوتا ہو تو انھیں بھی نہ کریں کہ دفع مضرت طلب منفعت سے اہم ہے، مگر والدین اگر فعل واجب کو منع کریں تو اس کی وجہ سے واجب کو ترک کریں کہ لاطاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق، اور اس صورت میں ان کی ناراضی حقوق الوالدین میں داخل نہیں، لہٰذا اگر واجب کے فعل سے رشتہ دار ناراض ہوں تو یہ قطع رحم نہیں، بلکہ قطع رحم ان کی جانب سے ہے نہ کہ اس کی طرف سے یوں ہیں اگر خواہ مخواہ لوگ برسرپیکار ہوں، تو اس کی وجہ سے واجب ترک نہ کیا جائے مباح کا حرام کے لئے ذریعہ ہونا بایں معنی ہے کہ اس مباح فعل کا صدور بغیر حرام کے ہو یہ نہیں کہ اگر یہ مباح فعل یا واجب کرے تو دوسرے لوگ اس کی ضد میں حرام کا ارتکاب کریں کہ اگر یہ مطلب ہو تو اس زمانے میں واجبات وسنن کے ترک کا

Marfat.com

اچھا ذریعہ ہاتھ آجائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:۔ از اجمیر مسئولہ ارکین پنچایت جناب سید آل رسول صاحب دیوان درگاہ و مرزا عبد القادر بیگ و مولوی محمد یونس صاحب منتظم مدرسہ و مولوی احمد حسین صاحب رامپوری، ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ،

ہم ارکان پنچایت نے جہاں تک خلاصہ مثل پر کامل غور و تبادلہ خیال کیا ہے اس کی بنا پر ہم کو مندرجہ ذیل واقعات کے ثبوت پر اتفاق ہے۔ ۱۔ مسماۃ چاند تارہ نکاح کے وقت نابالغہ تھی، ۲۔ اس کا نکاح مسمیٰ رحیم بخش کے ساتھ کرانے سے اس کے باپ نے انکار کیا اور جھگڑا کرکے مجلس سے چلا گیا، ۳۔ چاند تارہ کے باپ کی غیبت میں اس کے بڑے بھائی نے چاند تارہ کے نکاح کی اجازت دی اور اس کی اجازت پر نکاح کر دیا گیا، ۴۔ بعد نکاح ہو جانے کے کھانے اور جہیز کی رسوم اور رخصتی کی رسوم میں چاند تارہ کا باپ واپس ہو کر شریک ہوا۔ جو اس کی رضامندی کی دلیل ہے، لہٰذا اس صورت میں جو حکم شرعی بابت نفاذ نکاح و عدم نفاذ نکاح ہوگا ہم سب کو اس کے ساتھ سوا قبول و تسلیم کے کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا، لہٰذا اجراء حکم شرعی کے لئے ہمارے ارکان آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ اس سوال پر حکم شرعی ثبت فرمادیں؟

**الجواب**:۔ خلاصہ نتیجہ تحقیقات پنچوں کی رائے ہے وہ متفقہ رائے نہیں مجھے اس سے اتفاق نہیں، بلکہ بعض دستخط کنندگان نے بھی اس رائے کو تنزلاً اختیار کیا محض اس وجہ سے کہ اس صورت میں بھی جب نکاح ہو جاتا ہے تو باہمی اختلاف کرنے سے کیا فائدہ جس کو برابر وہ ظاہر کرتے رہے، چاند تارا کے قریبی رشتہ داروں نے اس کے بلوغ کی شہادت دی اور نکاح کے بعد بالغہ لڑکیاں جس طرح اپنے خاوندوں کے پاس رہتی ہیں، اس کا رہنا بیان کیا، ان باتوں کو بالکل نظر انداز کر دینا ٹھیک نہیں اور اگر اسے نابالغہ سن فرض کیا جائے، تو عظیم کا مجلس نکاح میں شریک ہونا اور خود بذات خاص اپنی لڑکی چاند تارا کے نکاح کی اجازت دینا متعدد گواہوں سے ثابت ہے اور قرائن سے بھی یہی ثابت ہے، عرف و زمانہ کی روش دیکھتے ہوئے یہ امر ہرگز باور نہیں کیا جا سکتا کہ لڑکی کا باپ مجلس عقد سے ناراض ہو کر چلا جائے، اور وہاں اس کے برادری اور رشتہ کے لوگ بکثرت موجود ہوں، مگر اس کے چلے جانے کی پرواہ کی جاتی ہے اور نہ اسے بلایا جاتا ہے نہ راضی کیا جاتا ہے، بلکہ اس کا بھائی نکاح پڑھوا دیتا ہے، حالانکہ ایسے موقع پر رشتہ دار اور احباب کی شرکت ضروری سمجھی جاتی ہے اور ناراض ہو تو راضی کیا جاتا ہے اور یہاں باپ کی عدم شرکت اور ناراضگی کی طرف بھی بالکل توجہ نہیں ہوتی، اتنی بات تو عوام بھی جانتے ہیں کہ نابالغہ کے نکاح میں ولی کی اجازت درکار ہوتی ہے، اور یہاں باپ ہی ولی ہے بغیر اس کی اجازت لئے کس طرح نکاح پڑھایا جائے، اگر وہ مجلس ایسی تھی کہ کسی نے بھی ولی کی اجازت کو ضروری نہیں سمجھا اور نکاح خواں کو بھی اس کا خیال نہ ہوا یہ سب باتیں بعید از قیاس ہیں، نیز یہ کہ نکاح کے بعد

Marfat.com

مدت تک اس نکاح کے متعلق مقدمہ بازی ہوتی رہی، کبھی فسخ کا دعوی کیا جاتا ہے اور کبھی طلاق دینا بتایا جاتا ہے، مگر کسی درجہ پر عظیم یہ نہیں کہتا کہ نابالغہ کا نکاح میری اجازت کے بغیر ہوا ہے، بلکہ مقدمہ کے بعض کاغذات کی باضابطہ نقول سے ثابت ہے کہ عظیم خود نکاح میں موجود تھا، چاند تارا فسخ نکاح کا دعوی رحیم بخش پر کرتی ہے اور بیان دیتی ہے کہ میرے باپ نے اس شرط سے نکاح کیا تھا کہ اگر رحیم بخش دوسرا نکاح کریگا تو میرا نکاح فسخ ہو جائے گا، بلکہ خود عظیم نے بھی ایسا ہی بیان دیا ہے۔ لہذا پنچان کی جو کچھ رائے ہو ہو ہر شخص کو اپنی رائے کا اختیار ہے، مگر شہادات و کاغذات کے بنا پر میرے نزدیک یہی ثابت ہے کہ خود عظیم موجود تھا، اور اس کی اجازت سے نکاح ہوا ہے اور رحیم بخش کے نکاح درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس وقت جو سوال میرے سامنے پیش ہے وہ پنچوں کی رائے کے متعلق ہے، اس کے متعلق حکم شرع یہ ہے کہ اگر عظیم اپنی بیٹی کی نکاح میں موجود نہ تھا، اور انکار کر کے چلا گیا تھا، اس کی غیبت میں اس کے بھائی نے نکاح پڑھوا دیا تو یہ نکاح نکاح فضولی ہے کہ چچا اگرچہ ولی ہے مگر باپ کی موجودگی میں ولی ابعد ہے۔ اور ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کی طرف ولایت منتقل نہیں ہوتی کہ اس کی یہ غیبت، غیبت منقطعہ نہیں کہ عقد کے وقت مجلس سے چلا گیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر تمام رسوم شادی میں شریک ہوا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت منقطعہ نہ تھی اور جب ولایت اس کی طرف منتقل نہ ہوئی تو غیر ولی ہوا، کہ فضولی کی جو تعریف کتب فقہ میں مذکور اس پر صادق ہے، مجمع الانہر میں ہے۔ وھو من لم یکن ولیا ولا وکیلا ولا وکیلا۔ بحر الرائق میں ہے۔ وھو من تصرف بغیرہ بغیر ولایۃ ولا وکالۃ او لنفسہ ولیس اھلا لہ۔ رہا یہ کہ عظیم کا انکار کر کے چلا جانا، اس کو مقتضی نہیں کہ وہ نکاح جو اس کے بھائی نے پڑھوایا، نکاح فضولی بھی نہ رہے کہ عقد فضولی منعقد ہونے کے لئے کسی نے یہ شرط نہیں ذکر کی، کہ ولی یا اصیل نے قبل نکاح انکار نہ کیا ہو، بلکہ عامہ کتب مذہب میں اس عقد کے منعقد ہونے کے لئے ایک قاعدہ کلیہ ذکر کیا ہے جس کے تحت یہ صورت بھی داخل ہے، وہ یہ کہ فضولی کا وہ عقد جس کا کوئی جائز کرنے والا ہو، عقد موقوف ہوگا باطل نہیں ہوگا۔ تبیین الحقائق و بحر الرائق میں ہے، والاصل ان کل عقد صدر من الفضولی وله مجیز انعقد موقوفا علی الاجازۃ۔ درمختار میں ہے، توقف عقودہ کلها ان لها مجیز حالة العقد ولا تبطل، ہدایہ میں ہے۔ وتزویج العبد والامة بغیر اذن مولاهما موقوف فان اجازہ المولی جاز وان ردہ بطل وکذلک لو تزوج رجل امرأة بغیر رضاها او رجلا بغیر رضاہ وهذا عندنا فان کل عقد صدر من الفضولی وله مجیز انعقد موقوفا علی الاجازۃ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی مرد کا نکاح بغیر اس کی رضا کے کیا یا عورت کا نکاح اس کی رضا کے بغیر کر دیا تو اجازت پر موقوف ہوگا کہ فضولی کے ہر عقد کا یہی حکم ہے کہ مجیز کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں ولی جائز کرنے والا ہے، لہذا یہ بھی حسب قاعدہ موقوف ہی رہے گا، باطل نہ ہوگا، اور جس طرح بعد انکار خود وہ ولی عقد کر سکتا ہے، اسی طرح عقد فضولی کو جائز بھی کر سکتا ہے، کہ اگر ایک وقت

Marfat.com

کسی مصلحت یا ضد کی وجہ سے انکار کر دیا تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی ولایت بھی سلب ہو جائے یا اس میں نقصان آجائے کہ نکاح کرنے کا اختیار ہی باقی نہ رہے یا اس شخص سے نکاح نہ کر سکے اور جب اس کی ولایت بدستور باقی ہے اور امور ولایت میں سے یہ بھی ہے کہ عقد فضولی کو جائز کر سکتا ہے تو جس طرح خود عقد کر سکتا ہے عقد فضولی کو بھی جائز کر سکتا ہے، نیز عقد فضولی کے انعقاد کی جو وجہ تمام مستند کتابوں میں بیان کی گئی ہے، وہ اس صورت میں بھی متحقق ہے، لہذا یہ بھی موقوفاً منعقد ہے، ہدایہ و تبیین و بحر الرائق وغیرہا میں یہ لکھتے ہیں، ولنا ان ركن التصرف صدر من اهله مضافا الى محله ولا ضرر فى انعقاده فينعقد موقوفا حتى اذا رأى المصلحة ينفذه، یعنی رکن عقد کہ ایجاب وقبول ہے اہل سے محل میں صادر ہوا اور انعقاد میں ضرر نہیں، لہذا عقد موقوف ہو گا کہ اگر عقد کو مصلحت کے موافق پائے نافذ کر دے ورنہ رد کر دے۔ عنایہ میں اہل و محل کو اس طرح بیان کیا ہے، ای الحر العاقل البالغ مضافا الى محله وهو الانثى من بنات آدم عليه الصلوة والسلام وليست من المحرمات، اور صورت مسئولہ میں بھی یہ عاقل بالغ کا کلام ہے اور محل میں صادر بھی ہوا لہذا لغو نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نکاح منعقد ہو گا اور باپ کی اجازت پر موقوف رہے گا، اور چونکہ چاند تارا کے باپ نے اس عقد کو رد نہیں کیا ہے، بلکہ برات کو کھانا دے کر لڑکی کو داماد کے یہاں جہیز کے ساتھ حسب دستور رخصت کیا ہے، لہذا وہ نکاح کہ موقوف منعقد ہوا تھا عظیم کے ان افعال سے جائز و نافذ ہو گیا کہ نکاح موقوف کی اجازت جس طرح قول سے ہوتی ہے فعل سے بھی ہوتی ہے، مجمع الانہر میں ہے، ووقف تزويج فضولي او فضوليين على الاجازة اى اجازة من له العقد بالقول او الفعل فان اجاز ينفذ والا لا۔ فتاوی عالمگیری میں ہے، وتثبت الاجازة بنكاح الفضولي بالقول والفعل كذا فى البحر الرائق، عظیم کا لڑکی کو جہیز دینا اور رخصت کرنا دلیل رضا ہے، درمختار میں ہے، وقبضه المهر ونحوه مما يدل على الرضا رضاً دلالة، ردالمحتار میں ہے، ای نحو قبض المهر كقبض النفقة او المخاصمة فى احدهما ان لم يقبض وكالتجهيز ونحوه، بدائع میں ہے، واما بيان ما يكون اجازة فالاجازة قد تثبت بالنص وقد تثبت بالدلالة وقد تثبت بالضرورة اما النص فهو الصريح بالاجازة وما يجرى مجراها نحو ان يقول اجزت او رضيت او اذنت ونحو ذلك واما الدلالة فهى قول او فعل يدل على الاجازة مثل ان يقول المولى اذا اخبر بالنكاح حسن او صواب او لا باس به ونحو ذلك او يسوق الى المرأة المهر او شيئا منه فى نكاح العبد ونحو ذلك مما يدل على الرضا بالجملة

یہ نکاح صحیح و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

**مسئلہ ۱۰:** از جامع مسجد رانی کھیت، مرسلہ قاری جلیل الدین احمد صاحب مدرس مدرسہ امجدیہ، ۲۲ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ زید قاضی ہے یعنی نکاح پڑھانا ان کی آبائی وراثت ہے عام لوگ یہ سمجھ کر کہ

Marfat.com

زید قاضی قدیمی ہے، احکام شرعیہ سے من کل الوجوہ واقف ہیں، امور دینیہ مثلاً نکاح و نماز جنازہ وغیرہ کے لئے زید کو بلاتے ہیں اور زید اپنی دنیاوی طمع میں احکام شرعیہ کا مطلق خیال نہ کرتے ہوں، قرآن عظیم و حدیث کریم کی صریح مخالفت کرتا ہے، چنانچہ ماں سوتیلی کا سوتیلے بیٹے سے نکاح باوجود حکم قرآنی لا تنکحوا ما نکح اٰبائکم، موجود ہونے کے کر دیا، دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں خلاف قرآن عظیم، وان تجمعوا بین الاختین، جمع کر دیا، بغیر طلاق دیئے ہوئے عورت کا نکاح دوسرے شخص سے کر دیا، رضاعی بھتیجی کے ساتھ عقد درست کہہ کر عقد کر دیا، ان صور مذکورہ میں نکاح ہوئے کہ نہیں، اور ان لوگوں کا کیا حکم ہے، جو ان میں قاضی و وکیل و گواہ ہوئے،

(۲) کیا زید ان افعال کے مرتکب ہونے کے بعد بھی ان شرعی امور کا قاضی رہ سکتا ہے اور جو لوگ زید کی اعانت کرتے ہیں، اور شرع شریف کی مخالفت کرتے ہیں ان کا بھی حکم زید ہی کے مثل ہے یا حکم دیگر؟

**الجواب**:- یہ تینوں نکاح ناجائز ہوئے اور جن لوگوں کو علم تھا کہ یہ نکاح اس صورت کے ہیں، انھیں ان میں شریک ہونا حرام ہے، اور اگر باوجود علم شریک ہوئے تو توبہ اور خود ان کو اپنی عورتوں سے تجدید نکاح کرنا چاہئے، یوں ہی نکاح خواں اور گواہوں کا بھی یہی حکم ہے،

(۲) ایسے شخص سے نکاح نہیں پڑھوانا چاہئے، جو حلال و حرام کی تمیز نہیں رکھتا اور اگر جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے تو حکم اور زیادہ سخت ہے، باوجود اس جہالت یا بیباکی کے زید کی اعانت کرنا حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ تعاونوا علی البر والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:- نابالغہ کو اپنے نکاح کے فسخ کا اختیار جو بلوغ کے بعد ملتا ہے اور یہ شرط ہے کہ جس وقت بالغ ہوئی ہے، اسی وقت معاً نکاح سے ناراضی و نامنظوری ظاہر کر دے ورنہ آخر مجلس تک یہ اختیار ممتد نہیں ہوتا تو کیا فضولی نے جو نکاح کیا ہے اس میں بھی یہی شرط ہے کہ معاً بلوغ کے ساتھ ہی نامنظوری ظاہر کر دے یا فضولی کے کئے ہوئے نکاح میں اس وقت تک یہ اختیار باقی رہے گا جب تک کہ صراحتًا یا دلالۃً رضا یا عدم رضا نہ ظاہر کرے،؟

**الجواب**:- فضولی نے جو عقد نکاح کر دیا ہے وہ موقوف ہے کہ اگر ولی نے جائز کر دیا جائز ہو گیا، اور رد کر دیا باطل ہو گیا، پھر وہ ولی اگر باپ یا دادا ہے تو اب لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں اور ان کا غیر ہے تو خیار بلوغ حاصل ہو گا اور وقت بلوغ فوراً نکاح سے ناراضی ظاہر کرے، تو فسخ کرا سکتی ہے ورنہ نہیں، اور اگر ولی نے اس نکاح فضولی کو نہ جائز کیا ہے نہ رد کیا ہے، یہاں تک کہ لڑکی بالغ ہو گئی تو اب خود اس لڑکی کی اجازت پر موقوف ہو گیا، اور اب یہ اجازت ایک یا دو مجلس تک ممتد نہیں بلکہ جب تک اپنے قول یا فعل سے اسے جائز نہیں کیا ہے رد کر سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ**: مرسلہ مولوی غلام محی الدین الجیلانی علی گڈھی، مدرس اول مدرسہ جامع مسجد کرنال شریف،

ایک مسئلہ پیش کرتا ہوں جواب سے سرفراز فرمایا جائے، اگر کوئی غیر مسلم عورت اسلام قبول کرے اور شوہر زندہ ہو تو بغیر اسلام پیش کئے ہوئے شوہر پر اس عورت کا نکاح قبول اسلام کے بعد بھی بدون عدت گذارے کیا جاسکتا ہے یا نہیں، آج کل عموماً یہ ہو رہا ہے کہ عورت مسلمان ہوئی تو فوراً کسی مسلمان سے نکاح کر دیا جاتا ہے، ؟

**الجواب**: جو عورت یا مرد مشرف باسلام ہو تفریق کے لئے یہ شرط ہے کہ عرض اسلام دوسرے پر کیا جائے وہ انکار کرے تو فرقت ہو جائے گی، اور عرض اسلام قاضی کا کام ہے، یہاں یہ چیز ناممکن سی ہے، ایسی جگہ کے لئے حکم یہ ہے کہ عورت مشرف باسلام ہو تو جب تک تین حیض گذر لیں، فرقت نہیں ہو گی، تین حیض یا غیر حائض کے لئے تین ماہ گذرنے سے پہلے نکاح کی اجازت نہیں، عالمگیری میں ہے، ولو اسلم احد الزوجین عرض الاسلام علی الاخر فان اسلم والا فرق ، کما فی الکنز[1] نیز اسی میں ہے، واذا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب ولم یکونا من اهل الکتاب او کانا والمرأة هی التی اسلمت فانه یتوقف انقطاع النکاح بینهما علی مضی ثلث حیض سواء دخل بها اولم یدخل بها کذا فی الکافی، واللہ تعالیٰ اعلم، -

**مسئلہ**: از بیلی بھیت، ۳ رجادی الاولی ۱۳۵۴ھ ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہوئی تھی، چھ سات برس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا عدت کے بعد اس کا نکاح زید کے چھوٹے بھائی عمرو سے کر دیا گیا، لیکن چار[1] ماہ بعد وہ اپنی والدہ کے گھر چلی گئی، اور جب کبھی عمرو لینے گیا تو اس نے یہ عذر کیا کہ میرا نکاح بلا اذن کر لیا تھا میں رضامند نہ تھی ایک عالم صاحب سے فتویٰ لیا گیا تو انھوں نے حکم دیا کہ نکاح ناجائز ہے، جب کہ عورت ایک منٹ کو بھی رضامند نہ ہوئی، اس فتویٰ کے بعد ہندہ نے اپنا نکاح بکر کے ساتھ کر لیا اور پانچ سال اس کے ساتھ رہ کر اور چھ اولاد پیدا ہونے کے بعد بکر کا انتقال ہو گیا، بعد ازاں پانچ سال تک بیوگی میں گذار کر اس نے خالد سے نکاح کر اور اس سے بھی اولاد پیدا ہوئی، لیکن اب پانچ سال کے بعد ہندہ مکرر بیان کرتی ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں میں اپنے دوسرے شوہر عمرو کے ساتھ

---

[1] سوال کی اس تصریح سے کہ چار ماہ بعد اپنی ماں کے یہاں گئی ظاہر ہے کہ ہندہ عمرو کے ساتھ نکاح پر راضی تھی اس لئے کہ اگر وہ اس نکاح پر راضی نہ ہوتی تو چار ماہ تک عمرو کے گھر کیوں رہتی، لیکن ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ کسی دباؤ سے چار ماہ تک عمرو کے گھر رہی ہو نکاح پر راضی نہ رہتے ہوئے بھی، عمرو اسے ماں کے گھر نہ جانے دیتا ہو یا اور کوئی ایسی شق رہی ہو کہ ہندہ نکاح پر نہ راضی ہوتے ہوئے بھی عمرو کے گھر رہی ہو، اسلئے جب وہ صراحۃً یہ کہہ چکی کہ میرا نکاح بلا اذن کر لیا گیا تھا میں رضامند نہ تھی، تو یہی مانا جائے گا کہ بعد عقد بھی اس نے اس نکاح کو قول یا فعل سے نافذ نہیں کیا تھا، بلکہ ناراضگی ظاہر کر کے اسے رد کر دیا تھا، اسی لئے حکم یہ دیا گیا کہ بکر سے اس کا نکاح درست ہے، فلیحرر (امجدی)

[1] عالمگیری ج ۲ ص ۳۲۹ (امجدی)۔

Marfat.com

تھوڑی دیر کو بھی رضامند نہ ہوئی تھی، اس صورت میں خالد کے ساتھ میرا نکاح قطعی ناجائز ہے میں حرام نہیں کراؤنگی، اور وہ خالد کے ہاں رہنا نہیں چاہتی، اس پر خالد نے عدالت میں نالش کردی ہے ان ہر دو متضاد بیانات میں ہندہ کا کون سا بیان صحیح سمجھا جائے گا۔ جیسا حکم شرع کا ہو مطلع کیا جائے، مگر یہ کہ عمرو جب ہندہ کو اس کی ماں کے گھر لینے گیا تو ہندہ کے انکار کرنے پر چاقو سے زخمی کردیا، اور ماخوذ مقدمہ ہوکر آج تک روپوش ہے، ؟

**الجواب** :۔ پہلا نکاح جو عمرو سے ہوا تھا، اس کی نسبت عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ بلا اذن ہوا تھا اور اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کر چکی تو وہ نکاح باطل ہو گیا کہ وہ نکاح فضولی تھا اور نکاح فضولی اجازت پر موقوف ہوتا ہے رد کر دینے سے باطل ہو جاتا ہے، فتویٰ عالم اس وقت پیش نظر نہیں ہے اور سائل نے وہ فتویٰ پیش نہیں کیا ہے، مگر ظاہر ہے کہ وہ فتویٰ اسی بنا پر ہوگا کہ ہندہ نے بعد نکاح اس نکاح سے ناراضی ظاہر کی ہوگی، چونکہ ہندہ خود اپنی نارضامندی کا اقرار کر کے عدم جواز نکاح کا حکم حاصل کر چکی ہے اور اسی بنا پر اس نے ایک نہیں دو نکاح یکے بعد دیگرے کئے، اب اس کا یہ ظاہر کرنا کہ اس نکاح سے راضی تھی، ہرگز قابل قبول نہیں کہ اس کا یہ دوسرا قول پہلے قول کے مناقض ہے اور اب بھی جن الفاظ سے رضامندی ظاہر کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ممکن ہی نہیں کہ میں اپنے دوسرے شوہر عمرو کے ساتھ تھوڑی دیر کو بھی رضامند نہ ہوئی ہوں، اس سے اجازت نکاح ۔۔۔ موقوف ثابت بھی نہیں ہوتی کہ مطلقاً چار ماہ کے اندر تھوڑی دیر کو رضامند ہونا کافی نہیں ہے کیونکہ اگر نکاح کی خبر پانے کے بعد ناراضی کا اظہار کر دیا تو وہ نکاح جاتا رہا، اس کے بعد برابر مہینوں برسوں تک رضامند رہے تو یہ رضامندی بیکار ہے کہ نکاح باطل اب رضامندی سے عود نہیں کرتا، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** :۔ از بلیا، درزی چوک بازار، مرسلہ محمد عمر صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بہن قریب چار برس سے بیوہ ہے، جس کی عمر قریب ۲۲، برس کی ہے اور وہ شادی بھی کرنا چاہتی ہے، مگر زید اس کی شادی نہیں کرتے ہیں اور نہ تو اس کی شادی کا کوئی بندوبست کرتا ہے، یہ زید کی حرکت کیسی ہے، زید کے یہاں کا کھانا پینا اس حالت میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

**الجواب** :۔ جب اس عورت کا کفو موجود ہو جو نکاح کا پیغام دیتا ہو تو نکاح کو مؤخر کرنا اچھا نہیں، حدیث میں فرمایا کہ تین چیزوں میں تاخیر نہ کی جائے، اس میں سے ایک یہ ہے، والایم اذا وجدت لھا کفو[1]، بے شوہر والی عورت کا جب کفو موجود ہو تو اس کے نکاح میں

---

[1] پوری حدیث یہ ہے، کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یا علی ثلث لا تؤخرھا الصلوٰۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفوا، اے علی تین چیزوں کو مؤخر نہ کرو، نماز جب اس کا وقت آجائے جنازہ جب تیار ہو جائے، اور غیر شادی شدہ کیلئے جب کفو پایا جائے، رواہ الترمذی عن علی رضی اللہ عنہ (مشکوٰۃ ص ۶۱) اور اگر کوئی کفو نہ ملتا ہو تو تاخیر میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امجدی)

Marfat.com

تاخیر نہ کی جائے زید کو سمجھایا جائے کہ بلا وجہ نکاح میں دیر نہ کرے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** :۔ مرسلہ نجیب اللہ خاں بریلی، یکم فروری ۱۹۳۶ء،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے جو عضو مردانہ از بیخ بریدہ مخنث مانند عورت ہے اور سوا انثیین کے قطعی وجود عضو مردانہ نہیں رکھتا ہے، ایک اٹھارہ سالہ لڑکی خالدہ سے دھوکے سے عقد کر لیا ہے اور روز عقد سے زن وشوہر حقیقی بھائی بہن کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں، لڑکی غمگین اور زیست سے تنگ ہے، زید نہ آزاد کرتا ہے اور نہ ڈاکٹری معائنہ کے لئے رضامند ہے، خالدہ کے والدین کو سخت تشویش ہے، لہذا حکم شرع شریف سے مطلع فرمائیے، کہ عقد مذکور قرآن و حدیث کی رو سے جواز و عدم جواز اور فسخ و عدم فسخ کے لئے کیا حکم رکھتا ہے؟

**الجواب** :۔ ایسا شخص جس کا عضو تناسل جڑ سے کٹا ہوا ہے، اس کا نکاح اگرچہ لاعلمی میں ہوا ہو، صحیح ہے، مگر عورت کو اگر قبل نکاح اس کا علم نہ ہو تو جب اسے معلوم ہو قاضی کے پاس دعویٰ کر کے تفریق کرا سکتی ہے، بشرطیکہ بعد معلوم ہونے کے عورت نے اس کے نکاح میں رہنے پر رضامندی ظاہر نہ کی ہو، درمختار میں ہے، اذا وجدت المرأۃ زوجها مجبوبا او مقطوع الذکر فقط فرق الحاکم بطلبها لو حرۃ بالغۃ غیر رتقاء و قرناء و غیر عالمۃ بحالہ قبل النکاح و غیر راضیۃ بہ بعدہ، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** :۔ مرسلہ عبد الحمید، از پورہ کوٹھی، ڈاکخانہ شمشیر نگر، ضلع گیا، ۱۴ / ربیع الآخر ۱۳۵۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک عورت دوسری جگہ سے آئی اور اس نے ظاہر کیا کہ میں رانڈ ہوں، چاہتی ہوں کہ کسی سے نکاح کر لوں چنانچہ اس کا نکاح ہو گیا، بعد چند ماہ معلوم ہوا کہ اس کا شوہر ہنوز زندہ ہے، اب قاضی نکاح و گواہان و حضار مجلس نیز عورت و مرد پر از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟

**الجواب** :۔ احتیاط کا مقتضی یہ تھا کہ تحقیق کر لیتے وہ واقعی رانڈ ہے یا غلط کہتی ہے، کیونکہ اس زمانہ میں ایسی غلط و ناجائز کاروائیاں بہت ہوتی ہیں، مگر چونکہ عورت نے ان لوگوں کے سامنے اپنا بیوہ ہونا بیان کیا تھا، لہذا قاضی و گواہ و حاضرین مجلس و ناکح بری ہیں انھوں نے اس کا نکاح منکوحہ سمجھ کر نہیں کیا، بلکہ بیوہ جان کر اس میں شرکت کی، البتہ عورت سخت گنہگار ہے، اس پر توبہ فرض ہے، اور ایک دوسرے کے پاس سے جدا ہونا لازم، یوں ہی مرد کو خبر ہو جانے کے بعد عورت سے قطع تعلق فرض ہے ورنہ بعد علم جدا نہ کرنے سے یہ بھی مجرم قرار پائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** :۔ مرسلہ علی محمد عطار، محلہ قاضیارہ، شہر سیتا پور اودھ، ۱۱ / ستمبر ۱۹۳۶ء،

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک عورت عاقلہ بالغہ بتاریخ ۲ اپریل ۱۹۳۵ء بیوہ ہوگئی بعض ناسمجھوں نے اس کا نکاح ایک چلہ کے اندر ۱۵ مئی ۱۹۳۶ء کو دوسری جگہ کر دیا۔ اب ایسی صورت میں جب کہ ایام عدت پورے نہیں ہوئے تھے، شرعاً نکاح جائز ہوسکتا ہے یا نہیں اور وہ لوگ جنھوں نے نکاح کرا دیا مجرم ہوسکتے ہیں یا نہیں۔ ایام عدت مندرجہ بالا صورت میں کتنی ہے، بینوا توجروا

**الجواب**:۔ بیوہ غیر حاملہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے، اندرون عدت نکاح تو نکاح، نکاح کا پیغام بھی دینا حرام ہے جس کے متعلق قرآن مجید کی نص قطعی موجود ہے، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے، لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیرہ وکذا المعتدة کذا فی السراج الوھاج، سواء کانت العدة عن طلاق او وفاة او دخول فی نکاح فاسد او شبھة نکاح کذا فی البدائع، جن لوگوں کو اس کا معتدہ ہونا معلوم تھا، ان کا نکاح پڑھانا یا گواہ بننا یا اس نکاح میں شرکت کرنا، یا اس کی کوشش کرنا سخت جرم ہے، کہ بظاہر حرام کو حلال کرنا مفہوم ہوتا ہے۔ ایسے تمام لوگوں پر توبہ فرض ہے۔ بلکہ یہ سب لوگ بعد توبہ خود اپنے اپنے نکاحوں کی تجدید کریں، بالجملہ ناکح اور منکوحہ پر فرض ہے کہ فوراً دونوں جدا ہوجائیں اور نکاح کرنا ہی چاہتے ہوں تو بعد انقضاء عدت نکاح کریں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ مرسلہ محمد سجاد صاحب مکان ۲/۲۷ محلہ ادھوپورہ، شہر بنارس، یکم شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حاجی مولیٰ کی لڑکی نابالغہ تھی، حافظ حبیب اللہ کے لڑکے کی بارات یہاں آئی اور میاں جی صفی اللہ نے حاجی مولیٰ سے اجازت لے کر نکاح پڑھایا تھا، چند روز کے بعد حاجی مولیٰ نے اپنی لڑکی کو روک لیا اور نکاح کے فسخ کا دعویٰ کیا، حافظ حبیب اللہ نے میاں جی سے کہا کہ آپ نے نکاح پڑھایا ہے، گواہی دیجئے اور سمن نکلوایا، حاجی مولیٰ نے میاں جی کو ساٹھ روپیہ دے کر بھگا دیا کہ تم گواہی مت دو گواہی نہ دینے کی وجہ سے حاجی مولیٰ مقدمہ جیت گئے۔ اب حاجی مولیٰ نے اپنی لڑکی کا نکاح دوسرے لڑکے کے ساتھ کر دیا اور اس سے اولاد بھی پیدا ہوئی، تمام مسلمانان بنارس جانتے ہیں کہ میاں جی صفی اللہ نے حاجی مولیٰ سے اجازت لے کر نکاح پڑھایا تھا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ میاں جی صفی اللہ کے بارہ میں شرعاً کیا حکم ہے، جلد از جلد جواب مرحمت فرمایا جائے، خاص کر امور ذیل کے متعلق صاف تصریح کی جائے؛ بینوا توجروا

(۱) اس گواہ کے ساتھ برادرانہ تعلق رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ (۲) ایسے آدمی سے نکاح پڑھوانا چاہئے یا نہیں، (۳) اس کا یہ کہنا کہ ہم توبہ کر چکے ہیں، مفید ہے یا نہیں،

**الجواب**:۔ گواہ کو گواہی چھپانا اور جب معاملہ کا ثبوت اسی کی شہادت پر موقوف ہو تو گواہی نہ دینا حرام ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے، ولا تکتموا الشھادة ومن یکتمھا فانہ اٰثم قلبہ، ایسے شخص پر توبہ فرض ہے اور اس کو برادری سے علٰحدہ کر دیا جائے،

Marfat.com

جب تک توبہ نہ کرلے اور اس سے پھر نکاح نہ پڑھوائیں کہ مبادا پھر ایسی حرکت کر گذرے، اور ساٹھ روپیہ جو لئے ہیں وہ واپس کر دئے۔[1]

واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** :۔ مرسلہ محمد یعقوب صاحب بنارس محلہ لکن گڈھ، ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کا نکاح پڑھوا دیا، بعد اس کے زید پر عمرو و بکر کا اعتراض ہوا کہ یہ نکاح صحیح نہ ہوا، زید نے سن کر نکاح مذکور کی صحت و عدم صحت کے متعلق علمائے دین سے فتویٰ طلب کیا، لہذا فتویٰ ابھی دستیاب نہیں ہوا کہ زید پر اہل محلہ کا فتویٰ صادر ہو گیا کہ زید کے گھر کھانا پینا نہیں، نہ زید کے پیچھے نماز جائز و درست ہے، لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں زید پر اہل محلہ خواہ علمائے دین کا فتویٰ لگانا از روئے شریعت جائز ہے یا ناجائز، اور فتویٰ دینے والے گنہ گار ہیں یا نہیں؟

**الجواب** :۔ بعض مسائل اس قسم کے ہیں جو عوام میں مشہور ہیں، عوام اسے جانتے ہیں، اگر وہ نکاح ایسا ہی تھا جس کا عدم جواز ان لوگوں کو معلوم تھا، یا ان لوگوں نے کسی اہل علم سے دریافت کر لیا ہو، انھیں عدم جواز کا اطمینان حاصل ہو گیا ہو، ایسی صورت میں انھیں فتویٰ کے انتظار کرنے کی حاجت نہ تھی، ان کو معلوم تھا کہ حکم شرع یہ ہے اور اسی کے مطابق انھوں نے کر دیا تو اہل محلہ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں اور اگر اہل محلہ کو حکم شرع معلوم نہ تھا اپنے وہم و خیال کے مطابق انھوں نے زید کو قصور وار ٹھہرایا اور حقیقتاً زید قصوروار نہیں ہے تو اہل محلہ قصور وار ہیں، سوال بہت مجمل ہے، ایسی صورت میں ایک صاف صریح حکم کیونکر دیا جا سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# بَابُ المحرمات

## محرمات کا بیان

**مسئلہ** :۔ مرسلہ مولوی سید محمد آصف صاحب از کانپور محلہ فیل خانہ، ۳۰ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو مس بشہوت کیا اور ہندہ نے خالد کی لڑکی زیب النساء کو دودھ پلایا، تو زید یا زید کے لڑکے عمرو کا نکاح زیب النساء دختر خالد سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

**الجواب** :۔ زید پر وہ لڑکی زیب النساء حرام ہے کہ ممسوسہ بشہوت حکم میں موطوءہ کے ہے اور موطوءہ کی بیٹی واطی پر حرام، درمختار میں ہے[2]

---

[1] اس لئے کہ یہ رشوت کے روپے ہوئے۔ حدیث میں ہے، الراشی والمرتشی کلاھما فی النار، رشوت لینے والا دینے والا دونوں جہنمی ہیں، حاجی مرنی دیوث ہے، کہ جان بوجھ کر اپنی لڑکی کو حرام کاری کے لئے دوسرے کے گھر بھیج دیا ہے اور دیوث بھی بحکم حدیث جہنمی ہے۔ [2] باب المحرمات ص ۱۰۸، ج ۲۔

Marfat.com

وحرم اصل مزنیته وممسوسته بشهوة واصل ماسته وفروعهن مطلقا اھ ملتقطاً، بحرالرائق میں[1] ہے، ما یحرم بالنسب والصهریة یحرم بالرضاع، نیز اسی میں[2] ہے، حرم بسبب الرضاع ما حرم بسبب النسب قرابة وصهریة، نیز اسی میں تحت قول کنز، والزنا واللمس والنظر بشهوة یوجب حرمة المصاهرة، فرمایا، وازداد[3] بحرمة المصاهرة المحرمات الاربع حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة اصولها وفروعها علی الزانی نسبا ورضاعا، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے، یحرم فرع المزنیة رضاعا وکذا فرع الممسوسة والماسة والمنظور الی فرجها الداخل بشهوة واصلهن رضاعا، درمختار میں[4] ہے، وحرم الکل مما مر تحریمه نسبا ومصاهرة رضاعا، اور یہ حرمت بوجہ مصاہرت ہے، زید اور زیب النساء میں رضاعت کا تعلق نہیں کہ رضاعت کا تعلق وہاں ہوتا ہے کہ عورت کو دودھ اس مرد کا ہو اور یہاں یہ ہے کہ صرف لمس سے دودھ نہیں ہوتا، اسی وجہ سے اگر کسی نے اپنی عورت کو طلاق دی اور اس عورت کو دودھ ہے، پھر جب عدت ختم ہو گئی دوسرے شخص سے نکاح کیا، پھر کسی بچہ کو دودھ پلادیا تو عورت کا پہلا شوہر بچہ کا رضاعی باپ ہوگا نہ کہ دوسرا، فتح القدیر وبحرالرائق، درمختار میں[5] ہے، طلق ذات لبن فاعتدت وتزوجت باٰخر فحملت وارضعت فحکمه من الاول لانه منه بیقین فلا یزول بالشک ویکون ربیبا للثانی حتی تلد فیکون اللبن من الثانی، ہاں اگر عورت بہ زمانۂ حمل میں دودھ پلائے، تو اس میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اب بھی پہلے ہی شوہر سے اس بچہ کو رضاعت کا تعلق ہے نہ دوسرے سے، جیسا کہ درمختار سے ظاہر ہے، نیز فتاویٰ عالمگیری میں[6] ہے، اذا طلق الرجل امرأته ولها لبن فتزوجت بزوج اٰخر بعد ما انقضت عدتها ووطئها الثانی اجمعوا انها اذا ولدت من الثانی فاللبن من الثانی وینقطع من الاول واجمعوا علی انها اذا لم تحبل من الثانی فاللبن من الاول واذا حبلت من الثانی ولکن لم تلد منه قال ابو حنیفة، اللبن یکون من الاول حتی تلد من الثانی کذا فی المحیط، تو جب ان میں رضاعت کا تعلق نہ ہوا جس کی وجہ سے وہ مرد اس کا باپ ہو جاتا، تو اب صورت مسئولہ میں زید کے لڑکے پر زیب النساء حرام نہ ہوئی کہ یہ زید کی رضاعی بیٹی نہیں کہ سوال سے یہی ظاہر ہے کہ ہندہ کو جو دودھ اترا ہے زید سے نہیں، بلکہ کسی اور سے ہے، خواہ ہندہ زید کی زوج ہو یا اجنبیہ دونوں کا ایک حکم ہے، ہدایہ میں[7] ہے، ولبن الفحل یتعلق به التحریم وهو ان ترضع المرأة صبیة فتحرم هذه الصبیة علی زوجها وعلی اٰبائه وابنائه ویصیر الزوج الذی نزل لها منه اللبن ابا للمرضعة، امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدیر میں[8] فرماتے ہیں یعنی اللبن الذی نزل من المرأة بسبب ولادتها من رجل زوج او سید یتعلق به التحریم بین من ارضعته وبین ذالک الرجل بان یکون ابا للرضیع

[1] باب المحرمات ص ۱۰۱، ج ۳۔ [2] کتاب الرضاع، ص ۲۳۸، ج ۳۔ [3] باب المحرمات ص ۱۰۸، ج ۳۔ [4] عالمگیری، ص ۲۰۹، ج ۳۔ [5] کتاب الرضاع ص ۳۱۱، ج ۲۔

[6] کتاب الرضاع، ص ۴۲، ج ۲، مجیدی۔ [7] مجیدی، ص ۲۲۱، ج ۲۔ [8] ص ۳۱۲، ج ۳، مصری۔ ج ۲، ص ۱۲۹، نولکشور کتاب الرضاع۔

Marfat.com

فلا تحل له ان كانت صبية لانه ابوها ولا لاخوته لانهم اعمامها ولا لابائه لانهم اجدادها ولا لاعمامه لانهم اعمام الاب ولا لاولاده وان كانوا من غير المرضعة لانهم اخوتها لابيها ولا لابناء اولاده لان الصبية عمتهم، نیز اسی فتح القدیر[1] میں ہے، لو ولدت للزوج فنزل لها لبن فارضعت به ثم جف لبنها ثم در لها فارضعت به صبية فان لولد زوج المرضعة من غيرها التزوج بهذه الصبية لان هذا ليس لبن الفحل ليكون هو ابا لها كما لو لم تلد من الزوج اصلا ونزل لها لبن فانه لا يثبت بها تحريم بين ابن زوجها من المرضعة لانها ليست بنته لان نسبته اليه بسبب الولادة منه فاذا انتفت انتفت النسبة فكان كلبن البكر، توجس طرح لبن بکر میں رضیعہ زوج مرضعہ کی بیٹی نہ ہوگی، اور اس کے بیٹے پر جو دوسری زوجہ سے ہے وہ رضیعہ حلال ہے ویسے ہی یہاں، یہ اسی صورت میں ہے کہ صرف لمس بشہوت کیا ہو، اور اگر واقع میں صرف اتنا ہی نہ ہو، بلکہ اسی سے اس عورت کو بچہ پیدا ہوا اور عورت نے یہ دودھ اس لڑکی زیب النسا کو پلایا ہو، اور جب ہندہ اس کی زوجہ نہیں تو اس امر کی تعیین کہ یہ بچہ اسی سے ہے اور دودھ اسی کا ہے، یوں ہوگی کہ وہ کسی کی منکوحہ نہ ہو اور اس کی حفاظت میں ہو، کیونکہ اگر کسی کی منکوحہ ہو تو بچہ شوہر ہی کا قرار دیا جائے گا نہ کہ زانی کا، حدیث میں فرمایا الولد للفراش وللعاهر الحجر[2]، اور اس کی حفاظت کی شرط اس لئے ہے کہ جب وہ عورت زانیہ ہے تو کیا اطمینان کہ دوسرے سے تعلق نہ ہوگا، فتح القدیر میں ہے، ولو ولدت[3] منه بنتا بان زنى ببكر وامسكها حتى ولدت بنتا حرمت عليه هذه البنت لانها بنته حقيقة وان لم ترثه ولم تجب نفقتها عليه ولم تصر امها امهات اولاد لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم الولد للفراش فان المراد به الولد الذي يترتب عليه احكام الشرع الا ان حكم الحرمة عارضته فيه قوله تعالى حرمت عليكم امهاتكم وبناتكم والمخلوقة من مائه بنته حقيقة لغة ولم يثبت نقل في اسم البنت والولد شرعا وللاتفاق على حرمة الابن من الزنا على امه فعلمنا ان حكم الحرمة مما اعتبر فيه جهة الحقيقة لم هو الجاري على المعهود من الاحتياط في امر الفروج. نیز بحر و مبسوط وغیرہما کتب فقہ میں یہ امساک مذکور، بلکہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منحۃ الخالق و ردالمحتار[4] میں اس کے شرط ہونے کا افادہ فرمایا، وھذا نصہ قال الحانوتي ولا يتصور كونها بنته من الزنا الا بذلك اذ لا يعلم كون الولد منه الا به اه اي لانه لو لم يمسكها يحتمل ان غيره زنى بها لعدم الفراش النافي لذلك الاحتمال، اسی کو خلاصہ میں اختیار کیا،

اور اگر صورت واقعہ یہ ہو کہ ہندہ کا دودھ زید سے تھا تو اب یہ رضیعہ زید کے بیٹے پر حرام ہے یا نہیں، اس میں دو روایتیں ہیں،

---

[1] ایضاً ص ۲۱۳، ج ۳، مصری، ص ۱۳۱، نولکشور، [2] متفق علیہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا مشکوۃ ص ۲۸۸، لڑکا بچھونے والے کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے، [3] ص ۱۲۶، ۱۳۰، الجزء الثالث مصری، ص ۲۰۱۰، ۲۱۳، ج ۲، نولکشور، باب المحرمات، [4] نعمانیہ باب المحرمات، ص ۲۷۷، ج ۲۔

ایک روایت یہ ہے کہ حرام ہے، محیط و خانیہ و ذخیرہ میں اسی کو ملحوظ فرمایا، اور معراج الدرایہ سے اسی کا معتمد ہونا ظاہر، فتح القدیر[1] میں ہے ولبن الزنا کالحلال فاذا ارضعت بہ بنتا حرمت علی الزانی و اٰبائہ و ابنائہ و ابناء ابنائہ وان سفلوا، فتاویٰ خانیہ پھر عالمگیری میں ہے[2] رجل زنی بامرأۃ فولدت منہ فارضعت بہذا اللبن صغیرۃ لایجوز لہذا الزانی ولا لاحد من اٰبائہ واولادہ نکاح ہذہ الصبیۃ، اجناس ناطفی پھر تجنیس پھر فتح القدیر میں[3] شیخ ابو عبداللہ جرجانی سے ہے، لایجوز للزانی ان یتزوج بالصبیۃ المرضعۃ ولا لابیہ ولا لاجدادہ ولا لاحد من اولادہ واولادھم، حاشیہ شلبیہ میں ہے، ذکر الکافی رحمہ اللہ تعالیٰ وتثبت الحرمۃ من اللبن النازل من الزنا وولد الملاعنۃ فی حق الحل عندنا اھ عنایہ[4] شرح ہدایہ میں ہے، ولیس حل الوطی فی الاحبال شرط الحرمۃ حتی لو زنی بامرأۃ فولدت منہ فارضعت بہذا اللبن صبیۃ کان لبن الفحل لایحل للزانی ہذا ان یتزوج بہذہ الصبیۃ ولا لابیہ ولا لابنہ ولا لابناء اولادہ لوجود البعضیۃ بین ہؤلاء وبین الزانی، بلکہ اگر زانی کا دودھ ہو جب بھی رضیعہ زانی پر حرام ہے، فتح القدیر[5] میں خلاصہ سے ہے، وکذا الولم تحبل من الزنا وارضعت لابلبن الزانی تحرم علی الزانی کما تحرم بنتہا علیہ من النسب اس روایت خلاصہ سے صورت مسئولہ کا بھی حکم ظاہر کہ مزنیہ اور ممسوسہ دونوں کا ایک حکم ہے،

دوسری روایت یہ ہے کہ زانی کے اصول وفروع پر یہ رضیعہ حرام نہیں، امام اسبیجابی نے اسے ذکر فرمایا اور وبری وصاحب ینابیع و بدائع نے اسے اختیار فرمایا، اور امام ابن ہمام نے اسے اوجہ بتایا اور صاحب بحر نے اسے معتمد فی المذہب کہا اور صاحب درمختار نے اسی کو مرجح رکھا، اور قول اول کو بصیغۂ تمریض ذکر کیا، تبیین الحقائق میں ہے[6]، ولو ولدت من الزنا فارضعت بہ صبیا فہو کالاول حتی تثبت الحرمۃ من جانب الرجل حتی لایجوز لہا ان تتزوج بہذا الولد ولا لابیہ ولا لابنہ ولا لابناء اولادہ لوجود البعضیۃ ولعم الزانی وخالہ ان یتزوج کالمولود من الزنا ذکرہ فی المحیط وذکر الوبری ان الحرمۃ تثبت من جہۃ الام خاصۃ مالم یثبت النسب فحینئذ تثبت من جہۃ الاب ایضا ومثلہ فی الاسبیجابی، شلبیہ میں ہے، ای والینابیع والبدائع اھ، جوہرہ نیرہ میں ہے، الزنا رجل بامرأۃ فولدت منہ وارضعت صبیۃ بلبنہ تحرم علیہ ہذہ الصبیۃ وعلی اصولہ وفروعہ وذکر الجخندی خلاف ہذا فقال المرأۃ اذا ولدت من الزنا فنزل لہا لبن او نزل لہا لبن من غیر ولادۃ فارضعت بہ صبیا فان الرضاع یکون منہا خاصۃ لامن الزانی وکل من لم یثبت منہ النسب لایثبت منہ الرضاع وان وطی امرأۃ بشبہۃ فحبلت منہ فارضعت صبیا فہو ابن الواطی من الرضاع وعلی ہذا کل من ثبت نسبہ من الواطی ثبت منہ الرضاع ومن لایثبت نسبہ منہ لایثبت منہ الرضاع[7] ان عبارات سے

---

[1] ص ۱۳۰ و ۱۳۱ ج ۳، مصری ج ۳، نولکشور ص ۱۳۰، ج ۲، کتاب الرضاع۔ [2] عالمگیری مجیدی ص ۳۳، ج ۲، کتاب الرضاع [3] مصری ج ۳، ص ۱۴، نولکشور ص ۱۲۰، ج ۲، کتاب الرضاع۔ [4] حاشیہ فتح القدیر ص ۲۱۴، ج ۲، مصری۔ [6] ایضا۔ [7] ص ۱۸۴، ج ۲، کتاب الرضاع۔

ظاہر کہ زانیہ نے جس لڑکی کو دودھ پلایا، اس کی رضاعت صرف جانب مرضعہ سے ثابت، زانی کی جانب سرایت نہ کرے گی، لہذا زانی کے اصول وفروع پر حرام نہ ہوگی، اور پہلی روایت کی بنا پر زانی سے بھی رضاعت ثابت اور اس کے اصول وفروع پر بھی حرام،

رہا یہ امر کہ یہ لڑکی خود زانی پر حرام ہے یا نہیں، قہستانی نے اس کے بارے میں دو روایتیں نقل کیں اور اوجہ عدم حرمت کو بتایا، اور علامہ شامی نے ان کی موافقت فرمائی، مگر تمام متون بلا خلاف مصرح کہ زنا ولمس ونظر بشہوت موجب حرمت مصاہرت ہیں، تبیین میں ہے، اصولہا وفروعہا کاصولہ وفروعہ فی حقہ وکذا العکس، اور بہت ممکن کہ علامہ قہستانی کو فہم روایت میں دھوکا ہوا ہو کہ روایت یہ تھی کہ صرف مرضعہ کی جانب سے رضاعت ہے زانی سے نہیں اور سمجھے یہ کہ زانی پر حرام نہیں، وبینہما بون بعید، اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ متن کی عبارت یہ تھی (والوطء بزنی لبنہا منہ)، اس کی شرح میں فرماتے ہیں، فیہ اشعار بان رجلا لو زنی بامرأۃ فولدت وارضعت صبیۃ جاز لہ ان یتزوجہا، متن کی عبارت کا تو صرف یہ مفہوم تھا کہ جس شوہر کا دودھ عورت کو ہے وہ شوہر رضیع کا باپ ہو جائے گا، ورنہ نہیں، اور ابوت کے انتفاء سے حرمت کا انتفاء لازم نہیں، ابھی کتب سے تصریح گذر چکی ہے کہ بکر کو دودھ اترا اور اس نے کسی بچہ کو پلایا تو رضاعت صرف ماں کی جانب سے ثابت ہوگی، مگر رضیعہ اس کے شوہر پر حرام ہے یا دودھ والی کو طلاق دی اور بعد عدت اس نے دوسرے سے نکاح کیا، اور وہی دودھ کسی بچہ کو پلایا تو ابوت صرف شوہر اول کے لئے ہے نہ ثانی کے لئے حالانکہ حرام دونوں پر ہے، اور یہ روایت خود قہستانی نے بھی ذکر کی، اس کے بعد نتیجہ یہ نکالتے ہیں، فالتحریم کما یکون من جہۃ المرأۃ یکون من جہۃ الزوج ویسمیہا الفقہاء لبن الفحل وہو مایکون نزولہ من جہتہ کما فی المحیط ویدخل النازل بالزنا عند الرازی، اس آخر جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس کے مقابل کی دوسری روایت کہ لبن زنا لبن فحل نہیں، اس سے علامہ مذکور یہ سمجھے کہ رضیعہ زانی پر حلال ہے، دوسرا قرینہ یہ کہ اس روایت کے مقابل خلاصہ کی روایت ذکر کی، ذکر فی الخلاصۃ انہ لم یجز، اور اس کے مقابل کی جو روایت ہے وہ یہی ہے کہ زانی کے اصول وفروع پر رضیعہ حرام نہیں، نہ یہ کہ زانی پر بھی حرام نہیں، تو صاف ظاہر ہوا کہ روایت خلاصہ کے مقابل والی روایت کو یہ سمجھے کہ زانی پر حرام نہیں، حالانکہ وہ روایت یہ تھی کہ رضاعت جانب زانی سے نہیں، درر میں ہے، ثم انتفاء ہذا القید یقتضی انتفاء الابوۃ لکن لایلزم منہ جواز نکاح الزوج للرضیعۃ بعد المفارقۃ بینہ وبین المرضعۃ الموطوءۃ لہ لان وطء الامہات یحرم البنات ولو جہۃ الرضاع کمامر، یہ عبارت اس امر پر صراحۃً دال ہے کہ رضیعہ مرضعہ کے واطی پر حرام ہے اور دلیل سے روشن کہ وطی میں حلت وحرمت کی کوئی قید نہیں، اور قید ہوتی بھی کیوں، جب کہ ائمہ حنفیہ کے نزدیک زنا موجب حرمت مصاہرت بالاتفاق ہے تو قید کے کیا معنی،

نیز علامہ حسن شرنبلالی نے مسئلہ کو صاف بیان فرمایا کہ اختلاف اس میں ہے کہ اصول وفروع زانی پر حرام ہے یا نہیں، رہا یہ امر کہ

Marfat.com

زانی پر حرام ہونے میں اختلاف ہے، اس کا کوسوں پتہ نہیں۔ هذا نصه اما ان كان اللبن من زنا فقد اختلف فی اثبات الحرمة علی فروع الزانی واصوله والاوجه رواية عدم تحريمه لا رواية كما توهمه عبارة صاحب البحر من اطلاقه كلام الكمال الاوجهية وقيد استاذنا بما قلناه فی هامش نسخته من فتح القدير وعلله بما يأتی الخ كلام الكمال اھ، ولذا قال العلامة صاحب البحر واعلم قيدنا محل الخلاف باصول الزانی وفروعه لانها لا تحل للزانی اتفاقا لانها بنت المزنی بها وقدمنا ان فروع المزنی بها حرام علی الزانی اھ. واعترض عليه العلامة الشامی فی حاشية منحة الخالق بان فی دعوی الاتفاق نظر، ففی القهستانی ان فيه روايتين اقول وقد علمت[1] ان القهستانی اخطأ فی فهم المسألة ومن این يكون فيه روايتان اذ الرضيعة لا محالة تكون بنت الزانية رضاعا واتفق اصحاب المتون ان الزنا يوجب حرمة المصاهرة فقول القهستانی لا يقبل وايضا تمسك بما فی الجوهرة لو زنی رجل بامرأة الخ وقد مر عبارته بتمامها ولا دلالة لهذه العبارة علی ان فی حرمة الرضيعة علی الزانی روايتين لان صاحب الجوهرة ذكر اولا ان الرضيعة تحرم علی الزانی واصوله وفروعه ثم بعد ذلك ذكر قول الجندی ان المرأة اذا ولدت من الزنا فنزل لها لبن او نزل لها من غير ولادة فارضعت به صبيا فان الرضاع يكون منها خاصة لا من الزانی وكل من لم يثبت منه النسب لا يثبت منه الرضاع اھ فهذا القول صريح فی ان الرضيعة لا تكون بنت الزانی رضاعا لان الرضاع يكون من جانب المرأة خاصة ولا يدل اصلا علی انها لا تحرم علی الزانی والا يلزم ان البكر اذا نزل لها لبن فارضعت به صبية فتحل تلك الصبية علی زوجها مطلقا ولا قائل به احد قال فی الدر[2] ولبن بكر بنت تسع سنين فاكثر محرم والا لا جوهرة اھ وقال العلامة الشامی لفظه فی حاشيته رد المحتار[3] المراد بها التی لم تجامع قط بنكاح او سفاح وان كانت العذرة غير باقية كان زالت بخوثبة حموی: الحرمة لا تتعدی الی زوجها حتی لو طلقها قبل الدخول له التزوج بربيبتها لان اللبن ليس منه قهستانی ط.

اما لو طلقها بعد الدخول فليس له التزوج بالرضيعة لانها صارت من الربائب التی دخل بامها بحر عن الخانية اھ

فقول الجندی ان دل علی عدم حرمة الرضيعة علی الزانی يدل ايضا علی عدم حرمة الرضيعة البكر علی زوجها ولو طلقها بعد الخلوة بل ولم يطلقها لانه ذكر المسألتين فی سلك واحد وايضا يلزم ان المطلقة ذات لبن اذا تزوجت بزوج آخر وارضعت صبية تكون هذه الرضيعة غير محرمة علی زوجها الثانی ان النسب لم يثبت منه بل من الاول،

---

[1] هذا التعقب من صدر الشريعة علی الشامی، [2] الدر علی هامش الشامی ص ۳۰۸ ج ۲ کتاب الرضاع، [3] ايضا.

Marfat.com

وبالجملة كلام العلامة الشامي لا يخلو عن بحث ثم تمسكه على ما ادعاه بكلام الوبري وقال هو صريح في ذلك وهو الذي قال في الفتح انه الاوجه كما تقدم وعبارة الفتح هكذا وذكر الوبري ان الحرمة تثبت من جهة الام خاصة ما لم يثبت النسب فحينئذ يثبت من الاب وكذا ذكره الاسبيجابي وصاحب الينابيع وهو اوجه لان الحرمة من الزاني انما هي الخ ما تقدم فهذا صريح في ان الحرمة لا تثبت من جهة الزاني لانه لم يثبت النسب منه. اه وانت تعلم ان كلام الوبري لا يدل على ان الرضيعة لا تحرم على الزاني لا صراحة ولا دلالة بل مقصوده ان الحرمة لا تثبت من جهة الرجل الا اذا يثبت النسب منه، وهذه لما لم يثبت نسبًا منه فلم يثبت الحرمة من جهته اما كون الرضيعة محرمة على الرجل فلا يتوقف على ثبوت الحرمة من جهة الرجل لا على ثبوت النسب الا ترى ان رضيعة لبن البكر لم يثبت نسبها من الزوج مع انها تحرم على الزوج فمعنى الحرمة من جهة الرجل انها تحرم على اصوله وفروعه ايضًا اما الحرمة على الرجل فشئ آخر لا تعلق لكلام الوبري بهذا لا نفيا ولا اثباتا ثم بين وجه تمسكه بكلام الوبري بقوله ولهذا قال في الفتح رادا على كلام الخلاصة الآتي واذا ترجح عدم حرمة الرضيعة بلبن الزاني على الزاني كما ذكرنا بعدم حرمتها على من ليس اللبن منه اولى اه فهذا صريح في ان كلام الوبري وغيره في عدم ثبوت الحرمة على الزاني نفسه فيلزم منه بالاولى عدم ثبوت الحرمة على اصوله وفروعه اه ولا يخفى عليك[1] هذا الاستئناس له بما ادعاه فان معناه ان الرضيعة لا تحرم على الزاني بسبب اللبن واذا لم يكن هذه محرمته بسبب اللبن مع كونه ناشئا من الزاني فاذا لم يكن اللبن منه فعدم حرمتها عليه من هذه الجهة اولى. فالحاصل ان هذه الحرمة ليست من جهة اللبن واما نفس الحرمة فليس في كلامه شئ يدل على نفيه وكيف يثبت عدم الحرمة مع كونها بنت موطوءة وهي تحرم عليه بالاتفاق عند الحنفية، والله تعالى اعلم،

**مسئلہ**: مرسلہ حافظ نہال احمد صاحب، از آبو روڈ کھراڑی، اندرون جامع مسجد، ۱۴ ؍ جمادی الآخرہ ۱۳۴۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ ہوگئی جس کو آج عرصہ اٹھارہ روز ہو رہا ہے اور اس عورت نے بالکل سوگ نہیں کیا اور نہ عدت میں بیٹھی اور تیسرے دن شوہر کے مرنے سے گھر سے نکل گئی، بلکہ اس کی ساس نے تکرار کرکے نکال دیا اور عورت مذکورہ کو کل ایک ماہ کا عرصہ ہوا کہ نکاح ہوا تھا، اب اس کے پاس کچھ کھانے کو نہیں ہے اور نہ کپڑا وغیرہ کچھ ہے دوسرے غیر محرم شخص کے گھر پر رہتی ہے وہی کھانا کپڑا دیتا ہے، اب اس شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے، آیا اس کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب**: جب تک عدت پوری نہ ہو نکاح نہیں ہوسکتا، اگر حمل ہو تو بچہ پیدا ہونے کے بعد، ورنہ چار مہینے دس دن گذرنے کے بعد نکاح کرسکتی ہے، اس سے قبل نکاح نہ ہوگا، وھو تعالیٰ اعلم، (حاشیہ ص۵۳ پر)

[1] دو لفظ کرم خوردہ ہیں۔

Marfat.com

**مسئلہ** : مرسلہ جناب محمد حسن شاہ از موضع قادر پور، ریاست بہاول پور،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ امام بخش کا نکاح حالت صغر میں زینب بالغہ کے ساتھ کر دیا گیا، اسی حالت میں اللہ بخش نے امام بخش کو دوسرا باز و مسماۃ جندن کا دیکے راضی کرایا، اللہ بخش نے اپنا نکاح زینب کے ساتھ کر لیا، اگرچہ یہ طلاق و نکاح ناجائز تھا، وہی امام بخش اللہ بخش و زینب کو دیکھتا رہا، حتیٰ کہ بالغ ہوا، اس لئے کہ سب ایک ہی گھر میں تھے، امام بخش کو پہلے ہی راضی کر لیا تھا، اب بھی راضی ہے، کیا اللہ بخش کا نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں؟

**الجواب** : امام بخش کا نکاح اگر اس کے ولی نے کیا تھا تو جب تک بالغ ہو کر طلاق نہ دے دوسرے شخص کا زینب سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء، اور اللہ بخش کا فرضی نکاح کرنا اور عورت کو اپنے پاس رکھنا اور امام بخش کا منع نہ کرنا، اس اللہ بخش کے نکاح کو جائز نہ کرے گا، فرض ہے کہ اللہ بخش فوراً اس عورت کو علٰحدہ کر دے اور امام بخش پر فرض ہے کہ اپنی عورت کو اللہ بخش سے جدا کرنے کی پوری کوشش کرے، ورنہ دیوث ہے، اور اگر امام بخش عورت کو نہ رکھنا چاہے تو طلاق دیدے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(حاشیہ ص ۵۲ کا) نے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز کی عادت کریمہ تھی، کہ اگر کسی مسئلے کا جواب کارڈ پر لکھتے تو بجائے، واللہ تعالیٰ اعلم، کے وھو تعالیٰ اعلم لکھتے، یہی طریقہ اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔ اس لئے کہ کارڈ کھلا ہوتا ہے، پاک ناپاک مسلمان کافر سب کے ہاتھوں میں جاتا ہے، مہر کرتے وقت ڈاکخانے والے زمین پر پھینک دیتے ہیں، اسم جلالت کے ساتھ نہایت تعظیم کی بناء پر اور بے ادبی سے بچانے کے لئے کارڈ پر اسم جلالت تحریر نہیں فرماتے، اس مسئلہ کے آخر میں بھی "وھو تعالیٰ اعلم" لکھا ہوا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سوال کارڈ ہی پر آیا تھا، اور جواب کارڈ ہی پر لکھا گیا، یہی وجہ ہے کہ اصل مقصود کا جواب دیا گیا، اور دوسری ضروری باتیں جن کو جواب میں ہونا چاہیے تھا کارڈ میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے نہیں تحریر فرمائی، مثلاً یہ کہ عورت پر واجب ہے کہ عدت وفات شوہر کے گھر گذارے اور یہ دوسرے شخص کے گھر گذار رہی ہے، لیکن سوال ہی میں تصریح ہے کہ اس کی ساس نے جھگڑا کر کے نکال دیا، ایسی صورت میں یہ عورت مجبور تھی، اپنے شوہر کے گھر کو چھوڑنے پر گنہ گار نہ ہوگی، در مختار میں ہے، حتی لو کان منہا کفایتھا صارت کالمطلقۃ فلا یحل لہ الخروج و تعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا تخرجان منہ الا ان تخرج (الی ان قال) وتحوّلت من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ (ص ۶۲۰، ۶۲۱ ج ۲، حاشیہ شامی، نعمانیہ باب العدۃ) دوسری بات یہ کہ اپنے شوہر کے گھر سے جب وہ نکالی گئی تھی، تو اگر میسر آتا اور کوئی شرعی حرج نہ ہوتا، تو اس پر واجب تھا کہ شوہر کے گھر سے قریب تر رہے، وہ ایک غیر محرم کے یہاں رہ رہی ہے، اگر یہ دونوں تنہائی میں اکٹھا رہتے ہیں، بے پردہ آمنے سامنے ہوتے ہیں، تو دونوں گنہ گار، اس عورت پر واجب ہے کہ اگر شوہر کے گھر کے قریب رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو تو وہ اپنے محارم کے یہاں رہے یا کرایہ پر کوئی مکان لے لے، اور کوشش کرے کہ کرایہ کا مکان شوہر کے گھر کے قریب سے قریب تر ملے، بلکہ اگر شوہر کے مکان کے قریب کوئی مکان کرایہ کا مل جائے اور وہ کرایہ دینے پر قادر ہو، اور کوئی شرعی نقص واقع نہ ہو تو، اسی کرایہ کے مکان میں رہے، محارم کے یہاں بھی نہ رہے، جب کوئی چارہ کار نہ ہو تو محارم کے یہاں رہنے کی

(بقیہ حاشیہ ص ۵۴ پر)

Marfat.com

**مسئلہ** ، مسئولہ چھیٹن ساکن بریلی محلہ حسین باغ ۱۵ صفر ۱۳۴۱ھ ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی کلن ولد چھیٹن کا نکاح مسمی حسام الدین کے دختر سے ہوا، رخصت سے پیشتر حسام الدین کے بھتیجے عبد اللہ اور چھیٹن کے بھتیجے حفیظ اللہ سے جھگڑا ہوا اور مقدمہ فوجداری کا چلا، اس رنجش کی وجہ سے حسام الدین نے رخصت نہیں کی اور اپنی دختر کو اپنے مکان پر روک لیا، چھیٹن چند بار برادری وغیر برادری کے آدمیوں کو لے کر حسام الدین کے مکان پر گئے کہ لڑکی رخصت کر دی جائے لیکن حسام الدین نے جانے والوں کو گالیاں دیں، مجبوراً حسام الدین کو نوٹس دیا کہ شاید اس خوف سے رخصت کر دے لیکن کچھ خیال نہ کیا، کلن نے مجبور النفس کی خاطر عدت کے اندر اپنی بھاوج سے نکاح کر لیا، ایسا نکاح بموجب شرع شریف جائز ہے یا ناجائز اور وکیل وگواہ کا اور شرکاء جلسہ کا اس میں کچھ قصور ہے یا نہیں، اگر ہے تو یہ لوگ کس سزا کے مستحق ہیں، ؟

**الجواب** ، نکاح تو نکاح عدت[1] کے اندر صراحۃً پیغام دینا اور نکاح کی بات چیت کرنا بھی حرام ہے، عدت کے اندر نکاح نہیں ہو سکتا، کلن پر فرض ہے کہ فوراً عورت کو علٰحدہ کر دے، عدت گذرنے پر وہ عورت جس سے چاہے نکاح کرلے اور جن لوگوں کو معلوم تھا کہ ابھی عدت پوری نہیں ہوئی، اور اس نکاح میں شریک ہوئے ان سب پر توبہ فرض ہے اور ان لوگوں کو چاہئے کہ اپنی عورتوں سے پھر نکاح کریں، اور جب تک یہ لوگ ایسا نہ کریں برادری سے خارج کر دیئے جائیں، واللہ تعالیٰ اعلم ،

(بقیہ حاشیہ ص ۵۳ کا) اجازت ہے، رہ گیا یہ کہ گذر بسر کیسے کرے، جب کہ اس کو وسعت نہ ہو، اور کوئی اس کی کفالت کرنے والا نہ ہو، ایسی صورت میں یہ کام کرنے کے لئے دن دن میں باہر جا سکتی ہے اگر یہ ضروری ہے کہ رات عدت والے مکان میں بسر کرے، اسی میں عبارت مذکورہ بالا کے اوپر ہے، ومعتدۃ موت تخرج فی الجدیدین وتبیت اکثر اللیل فی منزلھا، بلکہ اگر ضرورت ہو، تو رات کا بھی کچھ حصہ دوسری جگہ گذار سکتی ہے، یہ ضروری ہے کہ رات کا اکثر حصہ اس گھر میں گذارے، سوال میں لکھا ہے کہ اس نے سوگ نہیں منایا، اگر اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر کے گھر میں نہ رہ سکی، تو اس کا جواب گذر چکا، اور اگر سائل کی مراد یہ ہے کہ اس نے زینت کو نہیں چھوڑا، تو وہ ضرور گنہگار ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم ، -

[1] عورت خواہ عدت وفات میں ہو یا عدت طلاق میں اس سے نکاح مطلقاً حرام قطعی ہے، قرآن مجید میں ہے، ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ، اور نکاح کی گرہ پکی مت کرو، جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے، شامی میں ہے، ونکاح المعتدۃ لا یعلم، ص ۲۹۱، ج ۲، ہاں جس شخص نے طلاق دی ہے اور یہ طلاق بائن غیر مغلظہ ہو تو عدت میں طلاق دینے والا شخص نکاح کر سکتا ہے، اور اگر طلاق رجعی ہو تو رجعت کر سکتا ہے، یوں ہی عدت میں نکاح کا پیغام دینا صراحۃً حرام قطعی ہے، اور اگر یہ عدت طلاق ہو تو اشارۃً و کنایۃً بھی نکاح کا پیغام دینا منع ہے، ہاں اگر عدت وفات ہو، تو اشارۃً نکاح کا پیغام دیا جا سکتا ہے، درمختار میں ہے، تحرم خطبتھا وصح تعریض لو معتدۃ الوفاۃ لا المطلقۃ اجماعاً لافضائہ الی عداوۃ المطلق، ص ۶۱۹، ج ۲، علی ھامش شامی، نفاینہ نصل فی الحداد، آیۂ کریمہ، ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء او اکننتم فی انفسکم، اور تم پر گناہ نہیں، اس بات میں کہ تم پردہ رکھ کر ان عورتوں کو نکاح کا پیغام دو یا اپنے جی میں چھپا رکھو، سے مراد عدت وفات گذارنے والی عورتیں ہیں، جب یہ

(بقیہ حاشیہ ص ۵۵ پر)

Marfat.com

**مسئلہ** (۱) مرسلہ قاضی طیب علی از لاڈنون مارواڑ، ۹ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ،

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو طلاق نہیں دی، اور اس عورت نے عمرو سے بغیر طلاق کے نکاح کیا اور زید نے پچیس[۲۵] سال تک اس عورت کو لانے کا ارادہ نہیں کیا اور نہ طلاق دی اور نہ دعویٰ کیا، اب پچیس سال کے بعد زید اس عورت کو لانا چاہتا ہے اور عمرو زندہ ہے اور عمرو نے طلاق بھی نہیں دی اور نہ عمرو اس کو ایک مدت سے نان ونفقہ دیتا ہے آیا زید اس کو کسی طرح سے واپس لاسکتا ہے یا نہیں، (ب) حمل والی عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں، حمل زنا سے ہو یا حلال سے، (ج) حیض ونفاس میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں،؟

**الجواب** :(۱) اگر واقعی زید نے طلاق نہیں دی تو وہ بدستور زید کی زوجہ ہے، اور عمرو سے نکاح ہوا ہی نہیں سفاح وزنائے خالص ہے، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء، زید اس عورت کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور جب عمرو سے نکاح ہی نہ ہو تو اس کے طلاق دینے کا کیا محل کہ طلاق کی حاجت ہو، (ب) جب عورت کو زنا کا حمل ہے اس سے نکاح ہوسکتا ہے پھر اگر وہ حمل اس ناکح کا ہے، تو وطی بھی جائز، ورنہ جب تک وضع حمل نہ ہو وطی ودواعی وطی حرام اور اگر حمل زنا کا نہ ہو تو اس سے نکاح نہیں ہوسکتا، جب تک بچہ پیدا نہ ہولے، درر شرح غرر میں ہے، وصح نکاح حبلی من الزنا لدخولها تحت قوله تعالیٰ، واحل لکم ما وراء ذالکم ولکن لا توطأ قبل وضعها لئلا یسقی ماءہ زرع غیرہ لا للاحترام ماء الزانی هذا اذا کان الناکح غیر الزانی واما اذا کان ذالك فالنکاح صحیح عند الکل ویستحق النفقة عند الکل ویحل له وطؤها عند الکل کذا فی النهایة، درمختار میں ہے[۲]، وصح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیرہ وان حرم وطؤها ودواعیه حتی تضع، نیز اسی میں ہے[۳]، لو نکحها الزانی حل له وطؤها اتفاقا، (ج) حیض یا نفاس میں نکاح صحیح ہے مگر جب تک پاک نہ ہولے جماع حرام، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص کا نکاح ایک بیوہ عورت سے ہوا تھا اس عورت کا ایک لڑکا اگلے مرد سے ہے اور اب جس مرد سے نکاح کیا، اس مرد کی پہلی عورت سے ایک لڑکی ہے اب دونوں لڑکے لڑکی کا باہم نکاح کرنا چاہتے ہیں تو یہ درست ہے یا نہیں؟

**الجواب** :، ان دونوں کا باہم نکاح ہوسکتا ہے کہ دونوں کا نہ ایک باپ ہے نہ ایک ماں، قال اللہ تعالیٰ، واحل لکم ما وراء ذالکم، واللہ تعالیٰ اعلم

(بقیہ حاشیہ ص ۵۴ کا) اس کے پہلے والی آیۃ قرینہ ہے، [۳] یہاں دو احتمال ہے ایک یہ کہ ان لوگوں نے اس نکاح کو جائز جانا اور جائز جان کر شریک ہوئے، یہ کفر ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ لوگ اس نکاح کو حرام جانتے تھے، حرام جانتے ہوئے شریک ہوئے جیسے ہر مسلمان شرابی جانتا ہے کہ شراب حرام ہے پھر بھی پیتا ہے یہ فسق، گناہ ہوا کفر نہیں اور جب کسی قول وفعل میں دو احتمال ہو، اور فاعل یا قائل کی نیت معلوم نہ ہو تو احتیاطاً توبہ وتجدید ایمان ونکاح کا حکم ہے، عالمگیری میں ہے، ما کان فی کونه کفرا اختلاف فان قائله یؤمر بتجدید النکاح و بالتوبة والرجوع عن ذالك بطریق الاحتیاط، ص ۱۳۸۹، ج ۲، باب احکام المرتدین [۳] یہ حکم اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ کم از کم بدترین فاسق ہیں اور زنا کے دلال، واللہ اعلم،

[۱] ص ۲۹۱، ج ۲، [۲] ایضاً، [۳] ص ۲۹۲، ج ۲، علی هامش الشامی نعمانیہ،

Marfat.com

**مسئلہ**: مسئولہ احمد حسین، بانس بریلی، مورخہ ۲۳ر جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر جس کا پیشتر علم نہ تھا کہ آیا یہ سنی ہے یا وہابی بعد عقد اس کا عقیدہ واعتقاد کھلا کہ وہ سراسر وہابیہ فرقہ کا ہے، چنانچہ بسا اوقات اس کے ایسے خیالات بدوران ظہور میں آئے جس کا ذکر کرتا ہوں، وہ فرقۂ کاندھویہ میں شریک اور والنذیر بن چکا ہے، جعفر خاں صاحب کے صاحبزادوں سے زیادہ ربط ضبط ہے، حضور اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی شان عالی میں بارہا ناشائستہ الفاظ کہتے ہیں، اس کی جو بات ہوتی ہے وہ اہل سنت وجماعت کے خلاف اور وہابیہ کے مطابق وموافق اب عرصہ ایک سال سے ہندہ اپنے میکے کسی وجہ سے آگئی ہے، اس اثنا میں ہندہ کا زوج کئی مرتبہ رخصتی کے لئے آیا اس کے والدین نے اس سے کہا کہ تم وہابی خیال وفرقہ کے ہو ہم تمہارے یہاں اپنی لڑکی نہیں بھیجیں گے، پس زید نے مجبور ہوکر عدالت میں دعویٰ پیش کیا کہ فلاں شخص جو فی الحقیقت ہندہ کا خالہ زاد بھائی ہے، بغرض زناکاری بھگا کر لے گیا ہے، زید عدالت سے بھی ناکام ونامراد رہا، اب جب کوئی اسے پوچھتا ہے کہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا قصہ طے ہوگیا یا نہیں تو جواب میں کہتا ہے کہ وہ بدکار ہے میرے مطلب کی نہیں ہے، میں نے اس سے قطع تعلق کرلیا، مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں، اب ایسی صورت میں ہندہ زید کی زوجیت میں ہے یا نکاح ساقط ہوگیا، اگر اس کی زوجیت میں ہے تو اس وہابیہ کے ساتھ کیا معاملہ ومصالحہ کرنا چاہئے اور اگر نکاح باطل ہوگیا تو ہندہ نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: اگر واقع میں وہ شخص وہابی ہے، وہابیہ کے کفریہ عقائد رکھتا ہے یا کبرائی وہابیہ جن کو علمائے حرمین شریفین نے باتفاق کافر ومرتد کہا، ان کے اقوال کفریہ پر مطلع ہوکر انھیں اپنا پیشوا یا کم از کم مسلمان جانتا ہے، تو یہ شخص بھی کافر مرتد ہے، اور مرتد کا نکاح نہیں ہوسکتا، فتاویٰ عالمگیری[۱] میں ہے، منہا ما ھو باطل بالاتفاق نحو النکاح لایجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ ولا حرۃ ولا مملوکۃ ہکذا فی الذخیرۃ، اور اس صورت میں عورت نکاح کرسکتی ہے اور اگر وہ وہابی نہ ہوتا تو اس کا یہ لفظ کہ "وہ بدکار ہے میرے مطلب کی نہیں، میں نے اس سے قطع تعلق کرلیا، الفاظ طلاق کنایہ سے ہے، اگر مذاکرہ طلاق کے وقت کہے یا طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن واقع ہوگئی بعد عدت عورت دوسرا نکاح کرسکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ جان محمد رضوی، ہوڑہ بابو تلاب، ۱۵ر رجب ۱۳۴۱ھ۔

ایک مسلمان شخص ایک کافرہ عورت قوم ہنود وانی جس کا شوہر مرگیا تھا، اس سے آشنائی کی مدتوں اس کے ساتھ رہا جس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ زنا بھی کرتا ہوگا، اور اکثر یہاں آشنائی اسی قسم کی ہوتی ہے، بخوشی وہ عورت دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اختیار کی اور شخص مذکور نے اسے اپنے نکاح میں لایا، اب وہ عورت اس کے لئے حلال ہوئی یا نہیں اور مسلمان اس کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھا سکتا ہے یا نہیں، کفارہ وغیرہ بھی دینا

---

[۱] ص ۲۶۹، ج ۱، مجیدی

ہو گا یا کیا۔ خلاصہ ارشاد ہو۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ جب اس عورت سے ناجائز تعلق تھا، اس وقت پوچھنا چاہیئے تھا کہ اس شخص کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے اور اب کہ وہ عورت بھی مسلمان ہو گئی، اس مرد نے اس سے نکاح بھی کر لیا اب کیا گناہ ہے جو ترک تعلق کا حکم دیا جائے، ہاں اگر واقعی مرد نے اس سے زنا کیا ہو تو توبہ کرے، اللہ عزوجل غفور الرحیم ہے اور کفارہ کچھ لازم نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:۔ مسئولہ مولوی شرف الدین اشرف متعلم مدرسہ منظر اسلام، بریلی، ۱۲ر شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مرد رافضی اور عورت سنی المذہب مرد اس عورت سے عقد کرنے کا قصد کرتا ہے تو ان دونوں کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تین بھائی ہیں دو بھائی کے پاس ایک ایک لڑکی ہے اور تیسرے کے پاس ایک لڑکا ہے، پہلے ایک لڑکی کے ساتھ اس لڑکے کا عقد کیا گیا اور وہ عورت زندہ ہے، ایک مہینہ کے بعد دوسری لڑکی کے ساتھ اس لڑکے کا عقد پھر کیا گیا تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ (۱) روافض زمانہ بوجوہ کثیرہ کافر مرتد ہیں، سنیہ سے ہرگز کسی رافضی کا نکاح نہیں ہو سکتا، اگر کیا جائے گا، باطل محض و زنائے خالص ہوگا، فتاوی عالمگیری[1] میں ہے، منہا ما ھو باطل بالاتفاق نحو النکاح لا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ لا حرۃ ولا مملوکۃ، اگر تفصیل دیکھنی ہو تو "رد الرفضۃ" کا مطالعہ کیا جائے۔

(۲) اس لڑکے کا نکاح دوسرے چچا کی لڑکی سے بھی ہو سکتا ہے، اور یہ جمع بین الاختین نہیں کہ ان دونوں میں نہ باپ کی شرکت ہے، نہ ماں کی، عالمگیریہ[1] میں ہے، والاصل ان کل امرأتین لو صورنا احدٰھما من ای جانب ذکرا لم یجز النکاح بینہما برضاع او نسب لم یجز الجمع بینہما ھکذا فی المحیط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:۔ مسئولہ نذیر احمد خاں محلہ تالاب احمد علی خاں، بریلی، ۳۰ر شعبان ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکا بنام منگل بعمر اٹھارہ سال تھا اور لڑکی بعمر گیارہ سال بنام بندہ، دونوں کا نکاح بولایت والدہ بندہ شادی ہو گئی، بوجہ افلاس و پریشانی پرورش نہایت تکلیف تھی، شادی ہو جانے کے بعد منگل پردیس چلا گیا خط و کتابت وغیرہ سے کبھی یاد نہ کیا، بلکہ منگل کے والد و والدہ ڈھونڈ کر بیٹھ گئے جس کو ساڑھے تین برس کا زمانہ گذر گیا، بعد کو مجبور و لاچار ہو کر بوجہ افلاس لڑکی بندہ کا دوسرا نکاح اس کی والدہ نے بنام ولایت سے اس کے سوتیلے والد نے اپنی ولایت سے کر دیا، سات ماہ کی مدت گذر جانے

---

[1] عالمگیری میں ہے، احکامھم احکام المرتدین، ص ۲۸۳، ج ۲، مجیدی باب احکام المرتدین ص ۷ ج ۲ مجیدی باب المحرمات، القسم الرابع، المحرمات بالجمع۔

Marfat.com

کے بعد منگل پردیس سے واپس آیا، جب اس کو معلوم ہوا کہ ہماری بیوی کا نکاح دوسری جگہ پر ہو گیا ہے تو اس نے اس کو طلاق دیدی، اس صورت میں دوسرا نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

**الجواب**: صورت مستفسرہ میں اگر بندہ کے عصبات میں کوئی بالغ نہ ہو، جیسا کہ بیان سائل سے یہی معلوم ہوا تو ولایت نکاح ماں کو ہے اور ماں کا کیا ہوا نکاح صحیح ہے، درمختار میں ہے، فان لم یکن عصبة فالولایة للام، اور اس لڑکی کا دوسرا نکاح باطل محض حرام ہوا، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنت من النساء، کہ شوہر والی عورت کا دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا، پھر اگر واقع میں منگل نے طلاق دیدی ہے تو اب دوسرا نکاح ہو سکتا ہے اور اگر طلاق نہیں دی ہے تو وہ منگل کی زوجہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مسئولہ چھوٹے شاہ، محلہ کنگھر بریلی، ۹ رشوال ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید ایک عورت کو نکاح میں لایا، جس کے ہمراہ ایک لڑکی ہے، بعدہ زید کے ایک لڑکی عورت منکوحہ سے پیدا ہوئی، زید نے اس لڑکی کا نکاح اپنے نواسے سے جو زید کی بھتیجی کا لڑکا تھا، کر دیا، اب نواسہ مذکورہ کا والد اس لڑکی سے جو زید کی منکوحہ عورت کے ہمراہ آئی تھی، نکاح کرنا چاہتا ہے، اب ان نکاحوں کا جواز ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

**الجواب**: جب کہ وہ حقیقی نواسہ نہیں ہے تو اس کا بھی نکاح اس لڑکی سے جائز ہے اور اس لڑکی کی بہن سے لڑکے کے باپ کا نکاح بھی ہو سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مسئولہ علی بخش ساکن نیا گاؤں، ضلع رامپور، ۱۳ رشوال ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر چند اشخاص باتفاق از روئے حیلہ دروغ کسی ایسی عورت کا جو دوسرے کے نکاح میں آگئی ہو، اور اس کی طلاق وعدت نہ ہوئی ہو کسی اور شخص کے ساتھ یہ کہہ کر کہ طلاق وعدت ہو چکی ہے نکاح پڑھوا دیں تو ایسے لوگ کس درجہ میں داخل ہیں، آیا ان کے ساتھ میل جول رکھنا اور ان کے تقاریب میں شریک ہونا کیسا ہے، جو شخص ایسے لوگوں سے اوپر والی بات کی وجہ سے نہ ملنا چاہے تو طرح طرح کے فتنہ اور فساد اٹھاتے ہیں اور تنگ کرتے ہیں، علماء منع کرتے ہیں تو نہیں مانتے اور اہل ہنود سے ملتے ہیں، بینوا توجروا،

**الجواب**: جس عورت کا شوہر زندہ ہے اور طلاق نہیں ہوئی ہے، اس کا نکاح نہیں ہو سکتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے، والمحصنت من النساء، یہ لوگ سخت حرام کے مرتکب ہوئے اور اگر اس حرام کو حلال بنانا چاہا تو کفر ہے، ان لوگوں پر توبہ لازم اور احوط یہ کہ تجدید اسلام و تجدید نکاح کریں اور ان سے میل جول اور ان کی تقریبوں میں شرکت نہ کی جائے، جب تک توبہ نہ کریں، واللہ تعالیٰ اعلم،

---

[1] ص ۳۱۲، ج ۲، علی ہامش شامی نعمانیہ، باب الولی،

Marfat.com

**مسئلہ**: مسئولہ عزیز اللہ ساکن شہر کہنہ بریلی، ۷ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا اور وہ لڑکی دوسرے خاوند سے تھی، اب اس کی اولاد ہے اور اولاد اس کی برادری سے ملنا چاہتی ہے اور برادری کا کھانا کرنا چاہتی ہے، اس کی اولاد کو برادری میں شامل کرینا اور اس کا کھانا چاہیے یا نہیں اور زید برادری سے بند ہے، زید کو برادری میں شامل نہیں کیا جائے گا، اور زید کی اولاد اپنے ماں باپ سے علحدہ ہے، اس صورت میں زید کی اولاد کو شامل کرلینا اور اس کا کھانا کھانا چاہیے یا نہیں؟

**الجواب**: زید کی اولاد کو برادری میں شامل کرلیں کہ اولاد پر الزام نہیں، جو کچھ الزام ہے وہ زید پر ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے، لا تزر وازرة وزر اخرى، حدیث میں فرمایا، انه لا يجني عليك ولا تجني عليه، اگر اولاد زید کھانا کھلانا چاہے تو اس کے یہاں اہل برادری کھا سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مرسلہ محمد یونس ساکن ضلع فیض آباد، ڈاکخانہ قصبہ اکبرپور، محلہ عبداللہ پور، ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سوتیلی خالہ کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں، یعنی پہلی بیوی سے لڑکا ہے اور دوسری بیوی کی بہن تو ان دونوں کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) لڑکے کی سالی کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں، خلوت صحیحہ ابھی تک نہیں ہوئی ہے،

**الجواب**: (۱) سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے، (۲) لڑکے کی سالی سے بھی نکاح جائز، قال اللہ تعالیٰ، واحل لکم ما وراء ذلکم، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: اگر فرزند کی زوجہ پر دست اندازی واسطے وصل کے کرے تو شوہر کے باپ پر کیا جرم شرعی ثابت ہے؟

**الجواب**: لڑکے کی زوجہ کو اگر شہوت کے ساتھ چھوا تو وہ عورت اب لڑکے پر بھی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، تحرم المزني بها على اٰباء الزاني واجداده وان علوا وابنائه وان سفلوا كذا في فتح القدير وكما تثبت هذه الحرمة بالوطي تثبت بالمس والتقبيل والنظر الى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة، اور باپ کا یہ فعل حرام ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مسئولہ کفایت حسین ساکن صالح نگر بریلی، ۲ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر کو عرصہ تین برس سے اس کے شوہر کے گھر جانے سے روک لیا ہے، اس نے اپنی زوجہ کے لئے بہت کوشش کی یہاں تک کہ اس نے زید کے محلہ والوں کو اکٹھا کیا، لیکن زید نے کسی کا کہنا نہ مانا اب عرصہ

---

لہ ص ۲ ج ۲، باب المحرمات بالصہریہ، مجیدی،

Marfat.com

چھ ماہ سے زید کے گھر ایک غیر محرم رہتا ہے، زید سے اگر کوئی دریافت کرتا ہے کہ کیوں ہے تو کہتا ہے کہ میں نے اس کے ساتھ اپنی دختر کا نکاح کر دیا ہے اور کسی سے کہتا ہے کہ اس کو اپنا بیٹا بنا یا ہے، اہل محلہ نے اس کی کوشش کی کہ اس شخص کے رکھنے سے باز آجائے، مگر نہ مانا، لہٰذا از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

**الجواب**:۔ زید کی وہ دختر جب ایک شخص کی منکوحہ ہے تو دوسرے سے اس کا نکاح نہیں کر سکتا، قال اللہ تعالیٰ والمحصنت من النساء، اور اگر اس شخص کو متبنیٰ کر لیا ہے، جب بھی اس سے پردہ شرعی شرعاً لازم ہے کہ متبنیٰ کر لینے سے بیٹا نہ ہوا، قال تعالیٰ ما جعل ادعیاکم ابناءکم، زید کی بیوی اور بیٹی اس کے سامنے اس طرح نہیں ہو سکتیں کہ سر کا بال یا کان یا کلائی وغیرہا کھلے ہوں، زید پر لازم ہے کہ اس طرح بے پردہ اس کے سامنے ہونے سے اپنی عورتوں کو منع کرے، اگر منع نہ کرے اور راضی ہے تو دیوث ہے اور فاسق، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مسئولہ بہار شاہ ساکن ہری پور تھانہ حافظ گنج، ضلع بریلی، ۱۲ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ،

علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک عورت کو چند شخص ایک قصبہ سے رات میں جا کر لائے اور اس کا نکاح بلا طلاق ایک شخص سے فوراً ہی کر دیا، اس کا سابق خاوند چند یوم کے بعد آیا اب اس عورت کو طلاق ہوئی، علاوہ ازیں وہ عورت حاملہ بھی ہے اور بسبب مالداری اس کو کوئی کچھ نہیں کہتا، جس کو عرصہ تین یا چار ماہ کا ہوا، جس جگہ سے وہ عورت آئی ہے وہاں کے اہل اسلام اور قرب وجوار کے اہل اسلام اعتراض کرتے ہیں؟

**الجواب**:۔ وہ نکاح کہ قبل طلاق کر دیا باطل محض ہے جن لوگوں کو اس کی اطلاع تھی کہ وہ شوہر والی عورت ہے اور اس نکاح میں شریک ہوئے اس کے وکیل یا گواہ ہوئے یا نکاح پڑھایا سب نہایت سخت فساق و فجار ہیں، توبہ کریں اور اپنی اپنی عورتوں سے پھر اپنا نکاح کریں کہ حرام کو حلال جانا، قال اللہ تعالیٰ والمحصنت من النساء، جب تک یہ لوگ توبہ نہ کریں، مسلمان ان سے میل جول چھوڑ دیں، اور جب عورت کے شوہر نے اسے طلاق دیدی تو بعد عدت یعنی بچہ پیدا ہونے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے، جب تک بچہ پیدا نہ ہولے نکاح نہیں ہو سکتا، قال اللہ تعالیٰ واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مسئولہ محمد بشیر ساکن بریلی، ضلع بریلی، ۳ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ،

علمائے دین اور شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنا زندہ شوہر چھوڑ کر دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کر لیا، لہٰذا وہ نکاح جائز ہے یا نہیں، اس عورت کا نکاح اگر جائز نہ ہو تو اس کا مہر یا کوئی جھگڑا کسی جائداد پر کرے تو جائز ہے یا نہیں،

**الجواب**:۔ یہ نکاح کہ دوسرے شوہر سے ہوا، باطل محض ہے، اور جب تک اس کے ساتھ رہی زنا ہوا، رد المحتار میں[1] ہے اما نکاح

[1] ص ۳۵۰، ج ۲، عثمانیہ، مطلب نکاح الفاسد، باب المہر۔

Marfat.com

منکوحۃ الغیر او معتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انہا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلاً،
عالمگیری میں ہے، لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ، اور اس صورت میں مہر بھی نہیں پاسکتی کہ یہ باطل ہے فاسد نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** : مسئولہ چھوٹے ساکن موضع پیٹوپوری تحصیل فرید پور ضلع بریلی، ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی جوان لڑکی جس کی عمر تقریباً انیس سال کی ہوگی، اس لڑکی کے والد نے کہیں اس کا نکاح نہیں کیا، اس وجہ سے کہ اس لڑکی سے رنڈی پیشہ کراتا تھا، اس لڑکی کو حمل رہ گیا، اس لڑکی نے اپنے والد سے کہا، مجھ کو میری بڑی ہمشیرہ کے یہاں لے چلو، اس لڑکی نے اپنے والد کو ساتھ لیا اور اپنی ہمشیرہ کے یہاں گئی اور بہنوئی سے کہا، میرا ایمان تم بچالو، میرا والد مجھ سے رنڈی پیشہ کراتا ہے، مارے غیرت میں مری جاتی ہوں، اس کے بہنوئی نے کہا میں تجھ کو نہیں رکھ سکتا، اس پر لڑکی نے کہا، خدا اور رسول کے واسطے میرا ایمان بچاؤ، اس کو بہنوئی نے رکھ لیا اور اس بہنوئی کے مکان پر لڑکا پیدا ہوا، اس لڑکی کا اس سے نکاح کس طرح جائز ہے اور دوسری جگہ لڑکی جانا نہیں چاہتی اور اس کے والد کو کیا سزا دینی چاہیے؟

**الجواب** : جب تک اس کی بہن اس کے بہنوئی کے نکاح میں ہے، اس سے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے، وان تجمعوا بین الاختین، اور لڑکی کا باپ دیوث ہے اس کو برادری سے بند کردیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** : مرسلہ مولوی معین الدین احمد صاحب، مدرسہ لطیفیہ مسجد ٹاٹ شاہ فیض آباد، ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ دو شخص زید و عمرو آپس میں باپ بیٹے ہیں، جو دو حقیقی بہنوں ہندہ و بکرہ سے عقد کرنا چاہتے ہیں، ایسی صورت میں یہ عقدان جائز ہیں یا نہیں؟

**الجواب** : اگر فقط اتنی بات ہے کہ دونوں بہنوں میں ایک زید کے نکاح میں آئے گی اور ایک عمرو کے اور کوئی دوسری وجہ نہ ہو، جس سے حرمت ہوتی، تو نکاح دونوں جائز ہیں، قال اللہ تعالیٰ، واحل لکم ما وراء ذالکم، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** : مرسلہ صاحب علی موضع باندہ جنگا، ڈاکخانہ دارو، ضلع نینی تال، ۱۱ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ فوت ہوگئی ہے، زید متوفی کی خالہ جو دوسرے باپ سے پیدا ہوئی ہے، ماں یعنی متوفی کی نانی ایک اور باپ یعنی متوفی کے نانا کا غیر ہے اب زید اس عورت کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

---

لہ ص ۔، ج ۲، مجیدی، باب المحرمات، قسم سادس،

Marfat.com

**الجواب**:۔ زوجہ کے انتقال کے بعد اس کی خالہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ حقیقی خالہ ہو کہ حرمت اس وقت ہے کہ دونوں کو جمع کیا جائے کہ ایک نکاح یا عدت میں ہے اور دوسرے سے نکاح کر لیا جائے، رد المحتار میں ہے، اماتت امرأتہ لہ التزوج باختہا بعد یوم من موتہا کما فی الخلاصۃ عن الاصل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:۔ مرسلہ رفاقت علی صاحب موضع ٹانڈہ جنگاڈاکخانہ دارو، ضلع نینی تال ۱۴ ارشعبان ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ کی خالہ جو ماں سے ایک ہے اور باپ سے دوسرے کی ہے، اس کو زید نے تقریباً تین چار سال سے نکاح میں لا کر تصرف میں رکھا، اس پر شرع مانع ہوئی، اس پر زید نے اپنی زوجہ کی خالہ سے جدائی اختیار کی، بعدہٗ زید کی زوجہ کا انتقال ہو گیا، اب زید نے پھر اس کو اپنے قبضہ میں لا کر نکاح کیا ہے، آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو بہتر ہے، اگر ناجائز ہے تو زید کو کیا کرنا چاہئے؟

**الجواب**:۔ زوجہ کی موجودگی میں اس کی خالہ سے جو نکاح ہوا تھا وہ ناجائز و باطل محض تھا، حدیث میں فرمایا، لایجمع بین المرأۃ وامتہا ولا بین المرأۃ وخالتہا، اور زوجہ کے مرجانے کے بعد جو اس کی خالہ سے نکاح کیا یہ نکاح صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:۔ مسئولہ مرزا حبیب اللہ بیگ معرفت منشی غلام نبی صاحب پرانی عدالت دالمنڈی بنارس شہر ۵ رصفر المظفر ۱۳۴۳ھ۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں،

(۱) ایک شخص مسمی رحمت اللہ کا مسماۃ حمیدن سے قریب چار ماہ تک ناجائز تعلق رہا، مسماۃ کے ورثا نے بدیں خیال کہ یہ عورت اس مرد کے ساتھ بدنام ہو گئی ہے اور کسی صورت سے علٰحدگی نہیں اختیار کرتی، ان کا نکاح کرا دیا تو شرعاً یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس نکاح کے دس ماہ بعد مذکورہ بالا شوہر اور بیوی میں نزاع ہو گیا، مسماۃ لڑجھگڑ کر اپنے ورثا کے مکان پر چلی گئی، نزاع کے چار ماہ بعد یہی ورثہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر رحمت اللہ کے پاس گئے اور کہا کہ اس عورت کو نان و نفقہ دے اگر نہ دیا جا سکے تو طلاق دیدے، مسمی مذکور نے باطمینان سوچ کر طلاق دینے پر رضامندی ظاہر کی، بشرطیکہ مسماۃ دین مہر معاف کر دے، مسماۃ نے مہر معاف کر دی اور شوہر نے طلاق شرعی دیدی جس کا طلاق نامہ اور مہر کی معافی کا کاغذ مکمل کر لیا گیا، سوال یہ ہے کہ یہ طلاق شرعاً جائز ہوئی یا نہیں اور رحمت اللہ کو اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنے کا حق رہا یا نہیں؟

(۳) اب تک مسماۃ مذکورہ نے نکاح ثانی نہیں کیا، طلاق کے دس ماہ بعد رحمت اللہ نے اپنی مطلقہ سے سازباز شروع کیا اور چند آدمیوں کو

---

لہ ص ۲۹۴، ج ۲، نعمانیہ فصل فی المحرمات۔ ۲ لہ عورت اور اس کی پھوپھی اور عورت اور اس کی خالہ کے درمیان جمع نہ کیا جائے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۲۷۳، باب المحرمات فصل اول۔

Marfat.com

علاوہ مساۃ کے اقربا و ورثہ کی رضامندی سے اس سے دوبارہ نکاح کرلیا۔ اس بارے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ اگر ناجائز ہے تو خاوند اور بیوی اور قاضی و گواہان و حاضرین اور اقربا و ورثہ کے بارے میں شریعت کیا حکم رکھتی ہے؟

**الجواب**: رحمت اللہ کا نکاح حمیدن کے ساتھ جائز ہے اگرچہ ناجائز تعلق تھا، اگرچہ معاذ اللہ قبل نکاح زنا واقع ہوا ہو، اگر کوئی امر دیگر مانع نہ ہو، عالمگیری[1] میں ہے، وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنیٰ ھو بہا وظھر بہا حبل فالنکاح جائز عند الکل ولہ ان یطأھا عند الکل وتستحق النفقۃ عند الکل، کذا فی الذخیرہ، طلاق بھی واقع ہوگئی مگر سائل نے یہ نہیں لکھا کہ رحمت اللہ نے کتنی مرتبہ لفظ طلاق کہا، اگر تین[2] طلاقیں دیدی ہیں تو بغیر حلالہ نکاح نہیں ہوسکتا اور اس صورت میں دوبارہ نکاح کے گواہ و نکاح خواں و حاضرین مجلس جن کو معلوم تھا کہ تین طلاقیں دی ہیں اور حلالہ نہیں ہوا، سب گنہگار ہیں، سب پر توبہ فرض ہے اور رحمت اللہ پر لازم ہے کہ حمیدن کو اپنے پاس سے فوراً جدا کر دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از محلہ جسولی، بریلی مسئولہ وزیر، ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو بتاریخ ۱۶ جولائی ۱۹۲۴ء طلاق دی زید کے طلاق دینے کے بعد ہندہ کے مکان میں ایک غیر شخص عمرو کی آمد و رفت شروع ہوگئی اور چار آنے روز عمرو ہندہ کو دینے لگا، اور جب عمرو آتا تھا تو اکثر اوقات عمرو اور ہندہ تخلیہ میں رہتے تھے، جس سے صاف گمان ہوتا ہے کہ ہر دو فریق سے فعل حرام سرزد ہوتا تھا، دو ماہ تک یہ کیفیت رہی دو ماہ اور سات یوم کے بعد یعنی بتاریخ یکم اکتوبر ۱۹۲۴ء کو ہندہ کے ساتھ اپنا نکاح کرلیا۔ جب لوگوں نے یہ کہا کہ عدت پوری نہیں ہوئی، کیونکہ ابھی طلاق کو گزرے ہوئے دو ماہ اور سات یوم ہوئے ہیں تو عمرو نے ایک سوال بحضور قبلہ و کعبہ پیش کیا کہ ایک عورت آٹھ ماہ سے اپنے خاوند سے الگ ہے اور ۲۶ جولائی کو اس کا

---

[1] ص، ج ۲، مجیدی، باب المحرمات قسم سادس، [2] چونکہ عوام کی عادت ہے کہ ۳ سے کم طلاق نہیں دیتے، ہزار میں دو ایک ایسے طلاق دینے والے ہوں گے، جو ۳ سے کم طلاق دیتے ہوں گے، اس لئے صرف اسی شق کا حکم بیان فرمایا، شق ثانی کا حکم تحریر نہیں فرمایا، علاوہ ازیں نا خدا ترس عوام کا یہ طریقہ ہے کہ جب غصے میں آتے ہیں، تو تین ہی کیا، طلاق پر طلاق دیئے جاتے ہیں، مگر جب غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب بے حلالہ اس عورت سے نکاح نہ ہوسکے گا، تو طرح طرح کے بہانے بناتے ہیں، کبھی کہتے ہیں، ہمیں یاد نہیں، کہ کتنی طلاقیں دی تھیں، کبھی کہتے ہیں کہ میں ہوش میں نہ تھا، حتیٰ کہ بہت سے ایسے بھی ہیں، جو یہ کہہ دیتے ہیں، کہ میں نے ایک ہی طلاق دی تھی، یا دو ہی طلاق دی تھی، اس لئے حضرت نے ۳ سے کم کا حکم تحریر نہیں فرمایا، حکم یہ ہے کہ اگر اس نے تین سے کم طلاق دی ہے تو حلالہ کی ضرورت نہیں، بے غیر حلالہ بھی ان دونوں کا نکاح درست ہے، نیز نکاح خواں و حاضرین مجلس و گواہان پر بھی کوئی الزام نہیں، اسی طرح اگر واقعی اس نے ۳ طلاقیں دی تھیں اور بے حلالہ نکاح کیا تھا، مگر نکاح خواں و گواہان و حاضرین کو اس کا علم نہ تھا، تو بھی ان پر کوئی الزام نہیں، اگرچہ نکاح صحیح نہ ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

Marfat.com

اسٹامپ طلاق نامہ تحریر ہوا، وہ دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے، جس پر علمائے کرام نے فتویٰ دیا کہ اگر ہندہ تین حیض سے فارغ ہو چکی ہے تو نکاح درست ہے، لہٰذا عمرو نے ہندہ کو آکر فوراً سکھا دیا کہ کہدے کہ میں تین حیض سے فارغ ہو چکی ہوں پس ہندہ نے کہدیا، حالانکہ یہ قول ہندہ کا قابل اعتبار نہیں ہے، لہٰذا اس صورت میں ہندہ کو تین ماہ دس یوم کی عدت گذارنی تھی یا نہیں، اور یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں، اگر ناجائز ہے تو بعد عدت عمرو کے ساتھ اس کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں، کیونکہ عمرو وہ شخص ہے، جس سے ہندہ کا ناجائز تعلق اس وقت رہ چکا ہے، جس وقت ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ نہیں ہوا تھا، بلکہ عمرو کے نطفے سے ایک لڑکی پیدا ہو کر مرگئی، اور ہندہ پیشہ ور عورت ہے، اس کی کمائی اسکے بھائی ماں وغیرہ کھاتے ہیں یہ بھی فرمایا جائے کہ عمرو مذکور جو ہندہ کو چار آنے دیا کرتا تھا، اس کو ہندہ کی ماں، بھائی وغیرہ کھاتے تھے، ان کے واسطے کیا حکم ہے، تفصیل کے ساتھ جواب مرحمت فرمایا جائے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ طلاق کی عدت تین ماہ دس دن نہیں، بلکہ عورت حیض والی نہ ہو تو تین ماہ اور حیض والی ہو تو تین حیض خواہ یہ تین ماہ یا کم میں پوری ہوں یا تین برس میں، قال اللہ تعالیٰ، والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء، اور دو ماہ سات یوم بلکہ اس سے کم میں تین حیض پورے ہو سکتے ہیں، اور جب یہ میعاد اس قابل ہے کہ تین حیض اس میں پورے ہو سکتے ہیں اور حیض ایسی چیز ہے، جس پر بغیر بیان عورت دوسرے کو کیونکر اطلاع ہو، ہندہ کہ اس کا بیان قابل اعتبار ہے، بشرطیکہ اس سے قبل اس کے مناقض کوئی بیان نہ دیا ہے، اور اگر عورت جھوٹ بولے گی، تو وبال اس پر، اللہ عزوجل فرماتا ہے، ولا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن، اگر دونوں میں ناجائز تعلق تھا، اس وجہ سے عمرو اسے چار آنے روز دیتا تھا تو لینا، دینا دونوں حرام ہے اور عورت کی ماں، بھائی جان بوجھ کر کھاتے ہوں تو حرام کھانے والے، بلکہ عمرو کا آنا، جانا اگر مشکوک تھا اور عورت کا بھائی منع نہ کرتا تھا تو دیوث ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ از شہر کہنہ بریلی، محلہ کانکر ٹولہ مسئولہ عبدالغنی، ۱۸، ربیع الاول ۱۳۴۳ھ،

---

۱؎ ارشاد ہے، والّٰئی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ اشھر والّٰئی لم یحضن، اور تمھاری عورتوں میں جنھیں حیض کی امید نہ رہی ہو، اگر تمھیں کچھ شک ہو تو ان کی اور جنھیں ابھی حیض نہ آیا ہو، ان کی (طلاق کی) عدت تین مہینے ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، ۲؎ اس بارے میں دو مذہب ہیں، ایک مذہب یہ ہے کہ یہ مدت کم سے کم ساٹھ دن ہے، یوں کہ طلاق کے تھوڑی ہی دیر بعد عورت کو حیض آیا، اکثر حیض کی مدت دس دن، اور اقل طہر کی مدت پندرہ دن، ۳ حیض کے ۳۰ دن، درمیانی دو طہر کے ۳۰ دن یہ یوں ساٹھ دن ہوئے، دوسرا مذہب یہ ہے کہ ۳۹ دن میں بھی تین حیض پورے ہو سکتے ہیں، وہ اس حساب سے، اقل حیض کی مدت تین دن، درمیانی دو طہر کی مدت تیس دن، تین حیض کے نو دن کل ۳۹ دن ہوئے، اول قول امام ہے، اور ثانی [illegible] قول ہے، درمختار میں ہے، ولو بالحیض فاقلھا للحرۃ ستون یوما، شامی میں ہے، وعندھما اقل مدۃ تصدق فیھا الحرۃ تسعۃ وثلثون یوما، ثلث حیض بتسعۃ ایام وطھران بثلثین اھ ۱۲، ط، ص ۹۲۲، ج ۲، ثمانیہ۔

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید نے اپنی لڑکی کی شادی عمرو سے کر دی، تقریباً چار سال تک عمرو بریلی میں رہا، بعدہٗ عمرو پردیس چلا گیا، کچھ عرصہ تک خط آتا جاتا رہا، اور خرچ بھی ملتا رہا، اب عرصہ پانچ سال کا گذرا نہ تو خط آیا اور نہ خرچ اور یہ بھی معلوم ضرور رہا کہ عمرو فلاں شہر میں ہے جس کی تلاش میں عمرو کا خسر اس شہر میں پہونچا وہاں پتہ نہیں چلا، عمرو کا خسر مجبور ہو کر چھ ماہ بعد دوسری جگہ شادی کر دی، نکاح ثانی کے ایک سال بعد عمرو آیا، عمرو کے خسر نے اہل محلہ سے اتفاق کر کے یہ کہدیا کہ تمھاری بیوی کا انتقال ہو گیا، عمرو دو یوم رہ کر چلا گیا، بموجب حکم شرع اطہر نکاح ثانی ہوا یا نہیں، اور نکاح ثانی میں جو اولاد ہوئی اس کے لئے کیا حکم ہے، بینوا توجروا،

**الجواب**: یہ دوسرا نکاح کہ اس عورت کا کیا، فاسد ہے، اور وہ عورت عمرو کی زوجہ ہے، فرض ہے کہ عورت اس جدید فرضی شوہر سے علٰحدہ ہو جائے، اور اس شخص پر یہی لازم ہے کہ عورت کو جدا کر دے، اور جو اولاد نکاح ثانی سے ہوئی، وہ اسی شوہر ثانی کی اولاد قرار پائیگی، اگرچہ یہ نکاح صحیح نہیں، درمختار[1] میں ہے، غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت اولادا ثم جاء الزوج الاول فالاولاد للثانی علی المذهب الذی رجع الیه الامام وعلیه الفتوی کما فی الخانیة والجوهرة والکافی وغیرها، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از نواب گنج بارہ برجی، ضلع پرتاپ گڈھ، ڈاکخانہ پریانوا، مرسلہ محمد عمر صاحب، ۲۶ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین واہل شرع متین، اس مسئلہ میں کہ ایک حافظ نے ایک ایسی عورت سے ایک شخص کے وسیلہ [illegible] عقد کیا، جو حاملہ تھی نہ اس شخص کو اس کی خبر تھی جس کے ذریعہ سے نکاح ہوا، اور نہ حافظ کو، جب عقد ہو گیا، ایک ہفتہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ عورت حاملہ ہے اور اسی ہفتہ کے درمیان دو مرتبہ محض لاعلمی میں ہمبستری کا بھی اتفاق ہوا لیکن [illegible] معلوم ہوا حافظ نے اس کو اپنے مکان سے نکال دیا، روٹی کھانا، پانی دیتے رہے، [illegible] ہفتہ میں اس کو اس کے وطن پہونچا [illegible] بعد [illegible] دوبارہ [illegible] لیکن حافظ جی نے اس کو بھگا دیا، اس نے بہت شور [illegible] مچایا کہ مجھے کھانا کپڑا ملنا چاہئے، اہل [illegible] سمجھایا کہ تیرا نکاح جائز نہیں [illegible] کی بھی حق نہیں ہے یہ سن کر وہ چلی گئی، اب جماعت کے لوگ اعتراض کرتے [illegible] یہاں تک کہ [illegible] پانی بند کر دیا ہے، اور پیچھے نماز پڑھنے میں کراہت کرتے ہیں، لہذا امیدوار ہوں [illegible] کرم اس مسئلہ کی باریکیوں سے مطلع فرمائیں [illegible] حافظ جی [illegible] کی تعمیل کریں؟

**الجواب**: [illegible] وہ عورت عدت میں تھی یعنی یہ حمل شوہر کا تھا جس نے اسے طلاق دی یا مر گیا تو نکاح صحیح نہ ہوا، اور اگر معاذ اللہ زنا کا حمل تھا، تو نکاح ہو گیا، مگر جب تک وضع حمل نہ ہو قربت جائز نہیں، فتاوی عالمگیری[2] میں ہے، یجوز ان یتزوج امرأة حاملا من الزنا ولا یطؤها حتی تضع، بہر حال جب اس حافظ کو اس کا حاملہ ہونا معلوم نہ تھا، تو اس پر کیا الزام کہ اسے امامت سے معزول کیا جائے اور اس کے پیچھے نماز کروہ

---

[1] ص ۶۲۳، ج ۲، علی حامش الشامی نعمانیہ فصل ثبوت النسب۔ [2] ص ۷، ج ۲، باب المحرمات، قسم سادس، مجیدی۔ (امجد کا)

Marfat.com

ہو، پھر اگر حمل کی دوسری صورت ہے تو اسے اختیار ہے کہ عورت رکھے یا طلاق دیدے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از بریلی، محلہ باغ احمد علی خاں، مسئولہ حاجی علی حسین، ۱۷ ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مسمی چھٹن عبد الرزاق کے مکان میں کرایہ پر ہے، چھٹن نے اپنی عورت کو عبد الرزاق کے ساتھ بے طرح دیکھا، چھٹن اپنی عورت کو لے کر دوسرے مکان میں چلا گیا، عبد الرزاق وہاں بھی پہونچنے لگا، محلہ والوں نے کہا تم یہاں کیوں آتے ہو، اس کے جواب میں کہا کہ ہم کرایہ مکان چاہتے ہیں، جب منع کرنے پر باز نہیں آئے، تب محلہ والوں نے لات گھونسہ سے مار پیٹ کیا، بعدہٗ وہ عورت رات تک چھپی رہی عورت کو عبد الرزاق نے راضی کر لیا، اور خاوند سے زبردستی طلاق لے لی، آٹھ یوم کے بعد اپنا نکاح اسی عورت سے کر لیا، اور یہ بیان کیا، کہ مولوی صاحب کے یہاں سے فتویٰ آگیا ہے، عبد الرزاق نے علی حسین حاجی کو اپنے مکان پر بلایا اور یہ کہا کہ حفیظ کا نکاح نہیں ہوا ہے، تب میں نے کہا کہ جس صورت کا تمھارا ہوا ہے، اسی شکل کا نکاح حفیظ کا ہوا ہے، فتویٰ نہیں آیا ہوگا،

**الجواب:** نکاح مذکور کہ اندر عدت ہوا، باطل محض ہے، پھر اگر طلاق اکراہ وزبردستی سے لی گئی اور شوہر یعنی چھٹن نے زبان سے طلاق نہ دی صرف لکھ دیا تو طلاق بھی نہ ہوئی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فکتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لاتطلق امرأته کذا فی فتاوی قاضیخان، عبد الرزاق اور تمام وہ لوگ جو اس نکاح میں جان کر شریک ہوئے، سب گنہ گار ومستحق عذاب ونار ہیں، سب پر توبہ فرض ہے، جب تک توبہ نہ کریں، ان سب سے میل جول ترک کر دیا جائے، اور یہ جو فتویٰ کا نام لیا یہ بھی محض کذب وافترا ہے، شریعت مطہرہ نے تو اندرون عدت عورت سے نکاح کی بات چیت کرنے کو حرام فرمایا ہے، نہ کہ نکاح کرنا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۲۲ معرفت احمد خاں سلمہٗ، یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ۔

---

لہ یعنی اگر یہ حمل زنا کا ہے، تو حافظ کو اختیار ہے چاہے اس عورت کو رکھے، یا طلاق دے کر علٰحدہ کر دے لٹکائے رکھنا بہر حال حرام ہے، بدکردار عورت کو طلاق دینا شوہر پر واجب نہیں، درمختار میں ہے، ولا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة، ص ۲۸۳، ج ۵، مصری کتاب الحظر، البتہ مستحب یہ ہے کہ بدکردار عورت کو طلاق دیدے، درمختار میں ہے، بل یستحب لومؤذیة او تارکة صلوٰة، اس کے تحت شامی میں ہے، اطلقه فشمل المؤذیة له او لغیره بقولها او بفعلها، الظاهر ان ترک الفرض غیر الصلوٰة کالصلوٰة، ص ۴۱۶، ج ۲، عثمانیہ، کتاب الطلاق، اور ظاہر ہے کہ عورت کی بدکرداری سے شوہر کو سخت اذیت پہونچتی ہے نیز زنا سے بچنا فرض ہے اور ارتکاب زنا، ارتکاب حرام کے ساتھ ساتھ ترک فرض کو مستلزم، اس لئے یہ حکم فاحشہ کو بھی شامل، اگر یہ حافظ اس عورت کو رکھنا چاہتا ہے تو یہ ضرور کہ جب تک وضع حمل نہ ہوجائے اس سے ہمبستری نہ کرے، حدیث میں ہے، لئلا یسقی ماءہ زرع غیرہ، واللہ تعالیٰ اعلم، عہ ص ۶۳ و ۶۴، ج ۲، باب الطلاق بالکتابة، مجیدی۔

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کے ساتھ اس کے بچپنے میں نکاح کیا جب ہندہ بالغہ ہوئی تو اس کی ماں نے زید سے کہلا بھیجا کہ وہ اپنی بیوی ہندہ کو لے جائے۔ مگر اس نے کچھ پرواہ نہ کی اور باوجود متعدد بار کہلا بھیجنے کے اس کو نہیں لے گیا۔ آخر کار ہندہ کو اس کی ماں نے بلا نکاح ایک شخص کے ساتھ دیدیا یعنی اس کو اس پر متصرف کر دیا۔ بعد ازاں لوگوں کے کہنے سننے سے زید نے طلاق دی، عدت کے ایام بھی ہندہ نے غیر مرد کے ساتھ جس کے ساتھ پہلے تھی گذارے بعد عدت پھر اسی کے ساتھ نکاح کر لیا تو آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں اور اب ہندہ کو کیا کرنا چاہئے۔

**الجواب**:۔ نکاح مذکور درست ہے۔ بعدم المانع بلکہ زید و ہندہ میں خلوت بھی نہ ہوئی تو عدت بھی واجب نہیں، قال اللہ تعالیٰ، یا ایہا الذین امنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونہا فتاوی عالمگیری میں ہے، اربع من النساء لاعدۃ علیھن المطلقۃ قبل الدخول الی آخرہ، ہاں بیشک اس کی ماں کا غیر شخص کے حوالہ کر دینا اور خود ہندہ اور اس شخص کا ناجائز تعلق کرنا حرام اور سخت حرام تھا، ان سب پر توبہ فرض ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ موڈیا تحصیل بہیڑی، ضلع بریلی مسئولہ کریم اللہ ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ،

ایک شخص نے دیدہ اور دانستہ حاملہ عورت کے ساتھ شرع کیا اور چھ ماہ کے بعد اس عورت کو ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس میں کچھ لوگ معترض ہیں؟

**الجواب**:۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ عورت بیوہ تھی اور اب اس کے بیوہ ہونے کو دو سال ہوئے، لہٰذا ممکن ہے کہ پہلے شوہر سے رہ ہو کہ ہمارے نزدیک اکثر مدت حمل دو سال ہے اور اس صورت میں یہ نکاح باطل ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، قال اللہ تعالیٰ، واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن، اور عدت میں نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر شوہر کی موت کے وقت حمل نہ تھا تو چار ماہ دس دن پر عدت پوری ہو گئی، اور نکاح صحیح ہو گیا، اور بعد نکاح چھ ماہ پر یہ بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ اسی دوسرے شوہر کا قرار پائے گا کہ حمل کی کم مدت چھ ماہ ہے، اس صورت میں کوئی اعتراض نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ از موضع بچوی تحصیل فرید پور، ضلع بریلی، مرسلہ شرافت علی شاہ، ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک موضع میں ایک قصہ درپیش آیا، کہ ایک بیوہ عورت سات یا آٹھ سال کی تھی اور ایک دوسرے آدمی سے لگی تھی کہ حمل ظاہر ہو گیا، پیدائش کے عنقریب اس شخص نے کہا، میرا نکاح کر دو، پیش امام نے منع کیا کہ یہ نکاح جائز نہیں، کیونکہ حمل کا ساتواں ماہ ہے، نعمت اللہ نے کہا، نکاح جائز ہے، میں نکاح کروں گا، اور نکاح پڑھا دیا، اور جو حکم شرع شریف ہو، اس پر عمل کیا جائے اور میں نے

---

ـــــه ص ۴۴۳، ج ۲، باب العدۃ ۱۲،

Marfat.com

کہا، مولوی صاحب کے یہاں سے فتویٰ دے آؤں تو جواب دوں گا، فقط،

**الجواب**:۔ جب کہ حمل زنا کا ہو تو اس حالت میں نکاح جائز ہے اور خود اس زانی سے نکاح ہوا، تو یہ اسی حالت میں صحبت بھی کرسکتا ہے عالمگیری[1] میں ہے، قال ابو حنیفۃ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ یجوز ان یتزوج امرأۃ حاملاً من الزنا ولا یطؤھا حتی تضع وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنا ھو بھا وظھر بھا حمل فالنکاح جائز عند الکل و لہ ان یطأھا عند الکل، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ از موضع بھگونتاپور، ڈاکخانہ فرید پور، ضلع بریلی، مرسلہ عبد الرحمن، ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت رانڈ حمل سے رہ گئی، زید کہتا ہے میرا حمل ہے اور عورت بھی کہتی ہے کہ زید کا حمل ہے، نعمت اللہ، سراج الدین، نور محمد وغیرہ چہل حدیث سے اس نکاح کو جائز کر کے پڑھا چکے ہیں، قرآن شریف کا دوسرا پارہ اس نکاح کو ناجائز کر رہا ہے، اب آپ فرمایئے کہ یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز اگر ناجائز ہے تو نکاح کو جائز کر کے پڑھانے والوں کی کیا سزا ہے ان لوگوں کا نکاح رہا یا جاتا رہا اور یہ بھی فرمایئے کہ چہل حدیث کیسی کتاب ہے، جس میں مفصل ذیل مسئلے ہیں،

(۱) حاملہ عورت دوسرے سے نکاح کرے تو صحبت ناجائز اور نکاح جائز، (۲) زید رات کو اپنی بیوی کے دھوکہ میں خوش دامن کے پاس چلا گیا، تو بیوی حرام ہوگئی، (۳) زید رات کو اپنی بیوی کے دھوکہ میں اپنی لڑکی کے پاس چلا گیا، تو بیوی حرام ہوگئی، (۴) زید نے ایک عورت سے زنا کیا اور اس کو حمل رہ گیا تو نکاح اور صحبت جائز ہے۔

اس قسم کے مسئلے چہل حدیث میں ہیں، یہ کتاب کس کی تحریر ہے اور کیسی ہے؟،

**الجواب**:۔ یہ سوال فقیر کے پاس تیسری مرتبہ اب آیا، جو جواب لکھا جا چکا ہے، وہ دیکھئے حمل جب زنا کا ہو تو نکاح جائز ہے اور کوئی آیت کسی پارے کی ایسے نکاح کو منع نہیں کرتی، دلیل اور عبارت پہلے فتوؤں میں لکھ دی ہے، فقیر کو نہیں معلوم کہ سائل نے کس چہل حدیث کو پوچھا ہے، لہٰذا اس کا معتبر یا نامعتبر ہونا، کس طرح کہا جا سکتا ہے، تین مسئلے پچھلے صحیح ہیں اور پہلے مسئلہ میں جب حمل زنا کا ہو، اور نکاح غیر زانی سے ہو، تو صحبت ناجائز اور نکاح جائز، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ از موضع نوجہ ڈاکخانہ مانہ، ضلع ڈیرہ غازی خاں، ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ،

چہ می فرمایند علمائے دین شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمیٰ زید را دو زوجہ اند یکے مسماۃ سبھائی دوم مسماۃ جنت و از مسماۃ سبھائی زید را یک پسر است مسمیٰ سیٹھہ و مسمیٰ جنت قبل از نکاح زید بہ مسمیٰ بیوہ نکاح کردہ بود، از زن از شکم جنت مسماۃ راستی پیدا شدہ بود و آں راستی

---

[1] ص، ج ۲، باب المحرمات، مجیدی، قسم سادس، ۱۲ و ایضاً، فیہا بعد سطر،

Marfat.com

بعد بلوغ وسمیٰ احمد نکاح نمودہ از وپسرے متولد شدہ بود ویک دختر مسماۃ بھرانواں از زوجہ خود درشکم او بود، بعدہٗ دراں حالت مسمیٰ زید بہ مسماۃ راستی زنا کرد وقبل از حمل نیز زید ومسماۃ راستی زنا کردہ بودند، بعدہ از راد دختر متولد شد مسماۃ بھرانواں بعدہ مسماۃ بھرانواں را بہ مسمیٰ متہ ولد زید نکاح کردند بیان فرمایند کہ ایں نکاح شرعاً جائز است یا نہ، بینوا توجروا،

**الجواب**: چوں زید باربیبۂ خود مسمات راستی زنا کرد، مادرش یعنی مسمات جنت بروے حرام گشت واز نکاح بیروں شد کہ مادر موطوہ بر واطی حرام است، در درمختار[1] است، وحرم اصل مزنیتہ، مگر دختر راستی مسمات بھرانواں بر پسر زید حرام نیست کہ سبب از اسباب حرمت یافتہ نمی شود، جز ایں کہ زید باراستی زنا کرد وازیں جہت راستی بر پسر زید حرام خواہد شد نہ کہ دخترش بھرانواں زیرا کہ دختر مزنیہ بیش از ربیبہ نیست وچوں ربیبۂ پدر بر پسر حرام نیست پس دختر مزنیہ بر پسر زانی چرا حرام خواہد شد، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مسئولہ مولوی شفاء الرحمٰن طالب علم مدرسہ اہل سنت، بریلی، ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ،

نصاریٰ یا دیگر اہل کتاب کی لڑکی سے بلا اسلام لائے ہوئے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟،

**الجواب**: اس زمانہ کے نصاریٰ اب اس قسم کے نہیں ہیں، جو زمانہ سابق میں تھے، آج کل تو بالکل دہریہ و نیچریہ ہیں، لہٰذا ان کے وہ احکام نہیں، جو نصاریٰ کے تھے، کہ مسلمان کا نکاح نصرانیہ سے ہو جائے، ان کا ذبیحہ جائز ہو، قال اللہ تعالیٰ، طعام الذین اوتوا الکتٰب حل لکم وطعامکم حل لھم، والمحصنٰت من المؤمنٰت والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم (سورۂ مائدہ، آیۃ ۵) بلکہ اب تو علما[2] تصریح فرماتے ہیں، النصرانی لا ذبیحۃ لہ، نصرانیہ جب کہ نصرانیہ ہو اور یہودیہ سے نکاح جائز ہے، مگر ذمیہ ہو تو مکروہ تنزیہی اور حربیہ ہو تو مکروہ تحریمی۔ قریب قریب درمختار[3] میں ہے، وصح نکاح کتابیۃ وان کرہ تنزیھا مؤمنۃ بنبی مقرۃ بکتاب منزل وان اعتقدوا المسیح الٰھا، محیط[4] میں ہے، یکرہ تزوج الکتابیۃ الحربیۃ لان الانسان لا یامن ان یکون بینھما ولد فینشؤ علی طبائع اھل الحرب ویتخلق باخلاقھم فلا یستطیع المسلم قلعہ،۔ فتح القدیر[5] میں فرمایا، الاولیٰ ان لا یفعل ولا یاکل ذبیحتھم الا للضرورۃ، پھر فرمایا وتکرہ الکتابیۃ الحربیۃ اجماعاً لانفتاح باب الفتنۃ، ردالمحتار[6] میں ہے، قولہ والاولیٰ ان لا یفعل یفید کراھۃ التنزیھۃ فی غیر الحربیۃ وما بعدہ یفید کراھۃ التحریم فی الحربیۃ، واللہ تعالیٰ اعلم

[1] ص ۱۹۰، ج ۲، علی ہامش الشامی نعمانیہ، فصل المحرمات، [2] درمختار میں ہے، والنصرانی شر من الیھودی فی الدارین لانہ لا ذبیحۃ لہ بل یخنق کالمجوسی وفی الاخرۃ اشد عذابا، ص ۳۰۵، ج ۲، فصل فی نکاح الکافر، علی ہامش الشامی نعمانیہ، [3] ص ۲۸۹، ج ۲، علی ہامش الشامی فصل فی المحرمات، نعمانیہ، [4] عن البحر ص ۱۱۱، ج ۳، کتاب النکاح، [5] ص ۲۵۰، ج ۲، کتاب النکاح، نولکشور، [6] ص ۲۸۹، ج ۲، فصل فی المحرمات، شامی کی پوری عبارت یہ ہے، وفیہ ان اطلاقھم الکراھۃ فی الحربیۃ یفید انھا تحریمیۃ والدلیل عند المجتھد علی ان التعلیل یفید ذالک وفی الفتح ویجوز تزوج الکتابیات

Marfat.com

**مسئلہ**: مسئولہ حمید حسن طالب علم مدرسہ اہل سنت ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ زید نے ایک عورت سے زنا کیا، اب زید کا لڑکا بکر اس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**: بکر پر وہ عورت حرام ہے اس سے نکاح نہیں کر سکتا، عالمگیری میں فتح سے ہے: تحرم المزنی بہا علی آباء الزانی واجداده وان علوا وابنائه وان سفلوا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: اگر بکر پسر زید اس عورت سے جس سے اس کے باپ نے زنا کیا ہے اس کی عورت کی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے، جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**: اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: زید نے ساس کو شہوت کی نگاہ سے دیکھا یا چھوا، ہر دو صورت میں اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہی یا نہیں، اگر نکاح میں نہیں رہی تو پھر زید سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

---

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۹) والاولی ان لا یفعل ولا یاکل ذبیحتهم الا للضرورة وتکرہ الکتابیة الحربیة اجماعا لانفتاح باب الفتنة من امکان التعلق المستد...
للمقام معها فی دار الحرب وتعریض الولد علی التخلق باخلاق اهل الکفر وعلی الرق بان تسبی وهی حبلی فیولد رقیقا وان کان مسلما فقوله والاولی ان...
لا یفعل یفید کراهة التنزیه فی غیر الحربیة وما بعده یفید کراهة التحریم فی الحربیة، اس ( ) میں ہے، فقہا کا حربیہ میں کراہت کا مطلق رکھنا فائدہ دیتا...
کہ وہ تحریمی ہے اور دلیل مجتہد کے پاس ہے، علاوہ ازیں فقہا نے اس کی جو علت بتائی ہے اس سے پتہ چلتا ہے، پس فتح میں ہے اور جائز ہے کتابیات سے نکاح کرنا اور بہتر ہے کہ...
کرے، اور نہ ان کا ذبیحہ کھائے، مگر ضرورت کے وقت، اور کتابیہ حربیہ بالاجماع مکروہ ہے، فتنے کا دروازہ کھلنے کے اندیشہ سے، وہ یہ کہ کہیں اس تعلق سے مسلمان دار الحرب...
میں رہنے لگے، اور لڑکا اہل کفر کے اخلاق کو نہ اختیار کرلے، کہیں ایسا نہ ہو کہ لڑکا غلام بن جائے، وہ اس طرح کہ عورت حاملہ ہونے کی حالت میں قید ہو تو جو لڑکا پیدا ہوگا...
وہ غلام ہوگا، اگرچہ مسلمان ہو، الخ، تو صاحب فتح القدیر کا قول، بہتر یہ ہے کہ نہ کرے، اس بات کا افادہ کرتا ہے کہ غیر حربیہ میں نکاح مکروہ تنزیہی ہے اور اس کے بعد والا باب کا افادہ کر...
ہے کہ حربیہ سے نکاح مکروہ تحریمی ہے، یورپ بلکہ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش کے یہود و نصاریٰ حربی ہیں، تفسیرات احمدیہ میں، اپنے زمانہ کے غیر مسلموں کے بارے میں لکھا...
ان هم الا حربیون وما یعقلها الا العالمون، یہ لوگ حربی ہیں، مگر اسے عالم ہی سمجھتے ہیں، حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کے اس فتوی کا خلاصہ یہ ہوا کہ اولاً تو آج کل کے یہو...
و نصاریٰ دہریہ ہیں، کتابی نہیں، اس تقدیر پر یہود و نصاریٰ عورتوں سے نکاح حرام قطعی، یا پھر سب کے سب حربی تقریبا، اس تقدیر پر یہود و نصاریٰ عورتوں سے نکاح مکروہ...
تحریمی۔ وہ ہر مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ، در مختار میں ہے، کل مکروہ ای کراهة تحریم حرام ای کالحرام فی العقوبة بالنار ص ۲۲۱، ج ۵ علی هامش الشامی مصری، بالحظر والاباحة...
یعنی ہر مکروہ تحریمی حرام کے مثل ہے، اس بارے میں کہ اس کا مرتکب مستحق جہنم ہے، اس لئے اس کا ارتکاب بھی ناجائز ہاں اگر کوئی یہودیہ یا نصرانیہ واقعی کتابیہ ہو پھر ذمیہ بھی ہو تو اس...
نکاح مکروہ تنزیہی، سے ص ۴۰، ج ۲، باب المحرمات قسم ثانی، مجیدی۔

Marfat.com

**الجواب**: نظر بشہوت سے حرمت مصاہرت اس وقت ہوتی ہے، جب کہ نظر فرج داخل کی طرف ہو، اس کے منہ یا کسی اور عضو کی طرف حتیٰ کہ فرج خارج کی طرف بھی نظر سے حرمت نہ ہوگی، ہدایہ میں[1] ہے، والمعتبر النظر الی الفرج الداخل، اگر پہلی قسم کا دیکھنا پایا گیا یا اسے شہوت کے ساتھ چھوا تو عورت ہمیشہ کو حرام ہو گئی، اب پھر نکاح بھی نہیں ہو سکتا، عالمگیری میں[2] ہے، کما تثبت ہذہ الحرمۃ بالوطی تثبت بالمس والتقبیل والنظر الی الفرج بشہوۃ کذا فی الذخیرۃ سواء کان بنکاح او ملک او فجور عندنا کذا فی الملتقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: عمرو نے اپنی سوتیلی ماد ہندہ سے زنا کیا اب ہندہ اس کے باپ پر حرام ہو گئی یا نہیں، دوسرے ہندہ کا نکاح پھر دوبارہ عمرو سے یا عمرو کے باپ سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

**الجواب**: ہندہ عمرو کے باپ پر حرام ہو گئی، نہ اس کا نکاح عمرو سے ہو سکتا ہے نہ عمرو کے باپ سے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مولوی عبد العظیم صاحب، مدرسہ مظہر العلوم علیمی، سکندر پور، ضلع بلیا، ۲ صفر ۱۳۴۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفقہائے عظام اس مسئلہ میں کہ دو حقیقی بہنیں ہیں، ایک سے باپ نے نکاح کیا، دوسری سے بیٹے نے، یہ دونوں نکاح صحیح ہیں یا باطل، یا ایک صحیح اور ایک باطل، اگر دونوں یا ان میں سے ایک باطل تو کیا علت،

(۲) سوتیلی خالہ کا اطلاق صرف ماں کی سوتیلی بہن پر ہے یا سوتیلی ماں کی بہن پر بھی ہو سکتا ہے؟

**الجواب**: دونوں نکاح صحیح ہیں، ان میں کسی کے باطل ہونے کی کوئی وجہ نہیں، قال اللہ تعالیٰ، واحل لکم ما وراء ذالکم، اور یہ ظاہر ہے کہ دونوں محرمات کی قسم میں داخل نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) خالہ ماں کی بہن کو کہتے ہیں، خواہ وہ دونوں بہنیں ایک ماں باپ سے ہوں، یا صرف ماں یا صرف باپ میں شرکت ہو، تفسیر جلالین میں زیر، قول اللہ وخالاتکم ہے، ای اخوات امہاتکم وجداتکم، فتاویٰ عالمگیری میں[3] ہے، واما الخالات فخالتہ لاب وام وخالۃ لاب وخالۃ لام وخالات آبائہ وامہاتہ، سوتیلی خالہ کے معنی یہ ہیں کہ ماں کی سوتیلی بہن، نہ سوتیلی ماں، ماں ہے نہ اس کی بہن خالہ، قال اللہ تعالیٰ ان امہاتہم الا اللّٰئی ولدنہم، مائیں وہ ہیں، جن سے یہ پیدا ہوئے تو جب سوتیلی ماں، ماں نہیں تو اس کی بہن خالہ کیونکر ہو سکتی ہے، باپ کی منکوحہ ہونے کی وجہ سے ماں کہہ دیا کرتے ہیں، اور اس کی بہن کو خالہ بلکہ اتنی ہی پر اکتفا نہیں کرتے، اس کی چچا زاد پھوپھی زاد خالہ زاد بہنوں کو بھی خالہ کہتے ہیں، بلکہ اس محلہ یا بستی میں ماں کی ہم عمر تمام عورتوں کو خالہ کہا جاتا ہے، یہ اطلاقات اعزازی یا اظہار ہمدردی کے لئے ہوتے ہیں، ان سے نہ رشتہ ثابت ہو نہ ان کی بنا پر شرعی احکام جاری ہوں، چچا یا پھوپھی یا خالہ کی لڑکیوں کو عام طور پر بہن کہتے ہیں، تو کیا انھیں اخواتکم میں داخل کر کے ان سے نکاح حرام کیا جا سکتا ہے، ہرگز نہیں۔

---

[1] ص ۲۷۷، ج ۲، کتاب النکاح، فصل المحرمات، [2] ص ۴، ج ۲، باب المحرمات، قسم ثانی، مجیدی، [3] ایضاً، قسم اول، مجیدی، (امجدی)

Marfat.com

اسی طرح سوتیلی ماں کی بہن کو تصور کرنا چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** ۱۰، از پالی مرسلہ عبدالکریم حاجی ہاشم ۲۰، صفر ۱۳۴۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے اپنی ممانی سے نکاح کیا وہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب** ماموں کے مرنے یا طلاق دینے اور عدت گذرنے کے بعد ممانی سے نکاح جائز ہے کہ یہ محارم کی کسی قسم میں داخل نہیں قال اللہ تعالیٰ: و احل لکم ما وراء ذالکم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** ۱۱، مرسلہ شیخ ولی اللہ صاحب از سکندرپور ضلع بلیا، ۶ رشعبان ۱۳۴۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ سے وطی کی اور اس سے دو لڑکے موجود ہیں، ایک چار برس کا اور ایک دو برس کا اس کے بعد زید نے اپنی بیوی کی بالغہ بہن جو ابھی کنواری ہے، اس سے کسی طرح مباشرت ہوگئی، اتفاق سے حمل قرار پاگیا، مگر حمل کے آٹھ ماہ گذرنے پر وہ مرگئی، تو کیا زید کی پہلی بیوی کے ساتھ نکاح قائم رہا یا نہیں؟

**الجواب** معاذ اللہ یہ فعل بیشک حرام ہے، مگر اس کی وجہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا، وہ بدستور اس کی زوجہ ہے، زنا سے صرف چار حرمتیں ثابت ہوتی ہیں، مزنیہ زانی کے اصول و فروع پر حرام ہو جاتی ہے اور زانی پر مزنیہ کے اصول و فروع حرام، بہن نہ اصول میں ہے نہ فروع میں، تو اس کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں، بحرالرائق[1] میں ہے، اراد بحرمۃ المصاھرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی و فروعہ نسبا و رضاعا و حرمۃ اصولھا و فروعھا علی الزانی نسبا و رضاعا کما فی الوطی الحلال، درمختار[2] میں خلاصہ سے ہے، وطی اخت امرأتہ لا تحرم علیہ امرأتہ۔ صحیح بخاری شریف[3] میں ہے، قال ابن عباس اذا زنا باخت امرأتہ لم تحرم علیہ امرأتہ، ہاں وطی بالشبہ ہوئی ہو تو جب تک موطوءہ کی عدت نہ پوری ہو جائے، زوجہ سے وطی جائز نہیں، مگر نکاح میں اب بھی خرابی نہ آئے گی، ردالمحتار[4] میں ہے، قولہ لا تحرم ای لا تثبت حرمۃ المصاھرۃ فالمعنی لا تحرم حرمۃ مؤبدۃ والا فتحرم الی انقضاء عدۃ الموطؤۃ لو بشبھۃ۔ قال فی البحر لو وطی اخت امرأتہ بشبھۃ تحرم امرأتہ، مالم تنقض عدۃ ذات الشبھۃ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** ۱۲، از قصبہ سلومبر ریاست اودی پور میواڑ، مرسلہ ذوالفقار احمد عقیل نویس، ۶ رشعبان ۱۳۴۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلوں میں کہ زید و عمرو دونوں نو مسلم ہیں، منجملہ اس کے زید نے اہل سنت و جماعت میں پرورش پائی، اور عمرو نے قوم بوہاران یعنی فرقہ اسماعیلیہ میں پرورش پائی یہ دونوں اپنے اپنے مالک کے مذہب پر تھے اور ان کے عقائد

---

[1] ص ۱۰۸، ج ۳، کتاب النکاح۔ [2] ص ۲۸۱، ج ۲، فصل محرمات، نعمانیہ۔ [3] ص ۷۶۵، ج ۲، باب ما یحل من النساء و ما یحرم۔ [4] ص ۲۸۱، ج ۲، فصل محرمات، نعمانیہ،

Marfat.com

ازروئے مذہب حسب جس فرقہ میں رہے ہیں، اسی کے موافق ہیں، زید کا لڑکا مذہب اسماعیلیہ بوہرہ اور عمرو کی لڑکی اہل سنت وجماعت نو مسلم کے ساتھ نکاح کا منعقد ہونا جائز ہے یا نہیں، ازروئے شرع شریف مناکحت درمیان اہل سنت وجماعت و فرقہ شیعہ و اسماعیلیہ و اثنا عشریہ ہو سکتا ہے یا نہیں، مشرح طور سے ارقام فرمائیں، کیونکہ بعض علماء نے فرقہ بوہرہ کا کھانا ناجائز قرار دیا، ؟

**الجواب** :۔ روافض زمانہ کہ سب شیخین کرنے کی وجہ سے بحکم فقہاء کرام کافر ہیں، درمختار[1] میں ہے۔ فی البحر عن الجوہرۃ معزیاللشہید من سب الشیخین او طعن فیہما کفر ولا تقبل توبتہ وبہ اخذ الدبوسی و ابو اللیث وھو المختار للفتوی اھ وجزم بہ فی الاشباہ واقرہ المصنف۔ اور اگر قرآن مجید کو ناقص بتائے یا ائمہ کرام کو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے افضل کہتے ہوں، جیسا کہ عموماً اس زمانہ کے روافض میں پایا جاتا ہے یا ایسوں کو اپنا امام و پیشوا یا کم از کم مسلمان ہی جانتے ہوں تو بلا جاع بلاشک و شبہ کافر ہیں۔ بہر حال سنیہ کا نکاح رافضی سے نہیں ہو سکتا، فرض ہے کہ عورت اس سے فوراً جدا ہو جائے اور جدا کر دی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** :۔ از ہوڑہ کلکتہ، مرسلہ جان محمد رضوی، ۲ر ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے برادر حقیقی کے انتقال کے بعد بھاوج سے نکاح کیا جس کے دو بچے عمرو اور ربیعہ تھی، اور لڑکی مذکورہ کی شادی زید نے بکر سے کر دی کچھ عرصہ گذرنے کے بعد بھاوج کے بطن سے ایک لڑکی سکینہ پیدا ہوئی اور زید کا بھی انتقال ہو گیا، عمرو نے جو سکینہ کا بھائی ہوا اگرچہ زید کے صلب سے نہیں، ربیعہ کے شوہر بکر سے سکینہ کا بھی نکاح قصداً کر دیا، اس پر برادری والے مانع ہوئے، تب بھی کچھ خیال نہ کیا، اس وجہ سے اس کے یہاں کھانا پینا شادی بیاہ وغیرہ سب ترک کر دیئے، اس بنا پر کہ یہ دونوں بہنیں ہوئیں، اگرچہ باپ دو ہیں لیکن ماں تو ایک ہیں، ایسا کرنا برادری والوں کا درست ہے یا نہیں اور عمرو پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے، کفارہ وغیرہ لازم ہوگا یا کیا، بری الذمہ ہونے کی کیا صورت ہے، جدید مسلمان کرنا پڑے گا یا نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں شریعت مطہرہ کا جو حکم ہو، تحریر فرمائیں۔ ؟

**الجواب** :۔ جب کہ ربیعہ بکر کے نکاح یا عدت میں ہے تو سکینہ کے ساتھ اس کا نکاح نہیں ہو سکتا کہ جمع بین الاختین حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ، وان تجمعوا بین الاختین، بکر اور سکینہ پر فرض ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے علٰحدہ ہو جائیں، اور بعد تفریق و عدت کہیں اور نکاح کر لے، فتاویٰ عالمگیری[2] میں ہے، وان تزوجہا فی عقد تین فنکاح الاخیرۃ فاسد ویجب علیہ ان یفارقہا ولو علم القاضی بذالک یفرق بینہما، مسلمانوں پر لازم ہے کہ بکر کو سکینہ کے چھوڑنے پر مجبور کریں، نہ چھوڑے تو اس کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا سب چھوڑ دیں، یونہیں عمرو پر بھی لازم ہے کہ ان دونوں کی جدائی میں پوری کوشش کرے اور اپنی حرکت خبیثہ سے صدق دل سے توبہ کرے، اگر عمرو توبہ کرے اور پوری کوشش

[1] ص ۲۹۲، ج ۳، باب المرتد، نعمانیہ۔ [2] ص ۷، ج ۲، باب المحرمات، قسم رابع، مجیدی، (امجدی)

Marfat.com

جدائی میں کرے اور کامیاب نہ ہوسکے تو مؤدر کھا جائے اور اسے برادری میں شامل کرلیا جائے، اور جب تک یہ دونوں کام نہ کرے، اس کو بدستور علٰحدہ رکھیں، سلام کلام کھانا پینا سب ترک رکھیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ** :۔ دادون ضلع علی گڈھ، مرسلہ مولانا مولوی عمادالدین صاحب، یکم محرم الحرام ۱۳۴۶ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پہلے قادیانی تھا اب قادیانی ہونے سے انکار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں بہائی ہوں، یعنی بہاء اللہ کا معتقد اور اس کے مذہب پر ہوں، بہاء اللہ وہ شخص ہے جس کی نسبت اخبار وغیرہ میں لکھا ہے اور بہت مشہور ہے کہ وہ مدعی نبوت تھا جس کا زمانہ عنقریب گذرا ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایک مسلمہ سنیہ حنفیہ عفیفہ سیدانی لڑکی کا نکاح شخص مذکور سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

**الجواب** :۔ حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عز وجل نے خاتم النبیین و آخر الانبیا کیا، حضور کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں ہوسکتا، بکثرت احادیث صحیح اس پر ناطق اور خود قرآن عظیم کی نص قطعی، ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین، اس مدعا پر شاہد، جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی جدید کے آنے کا قائل ہو یا اسے جائز مانے، قطعاً یقیناً کافر و مرتد ہے، اگر وہ شخص قادیانی تھا، تو کافر تھا، اور اب بہائی ہے اور بہاء اللہ کو نبی مانا جب بھی کافر ہے، امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، شفا شریف[1] میں فرماتے ہیں، وکذ الک من ادعی نبوۃ احد مع نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام او بعدہ او من ادعی النبوۃ لنفسہ او جوز اکتسابہا فہؤلاء کلہم کفار مکذبون للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لانہ اخبر انہ خاتم النبیین لا نبی بعدہ واخبر عن اللہ تعالٰی انہ خاتم النبیین وانہ ارسل کافۃ للناس واجمعت الامۃ علی حمل ھذا الکلام علی ظاہرہ وان المفہوم المراد بہ دون تاویل ولا تخصیص فلا شک فی کفر ہؤلاء الطوائف کلہا قطعا اجماعا وسمعاً بلاشبہ ایسے شخص کا نکاح کسی مسلمہ سے نہیں ہوسکتا، خصوصاً سنیہ، جو شخص نکاح کرائے گا سخت کبیرہ شدیدہ کا مرتکب اور زنا کا دلال ہوگا، فتاوی عالمگیری احکام المرتدین میں ہے، منہا ما ھو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ ولا حرۃ ولا مملوکۃ، واللہ تعالٰی اعلم،

**مسئلہ** :۔ مرسلہ شیخ محمد شفیع صاحب منصرم محکمہ مال ریاست اودی پور میواڑ، اندرون محل مہارانا صاحب بہادر،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس امر میں کہ زید نے مسماۃ صالحہ سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے ایک لڑکا مسمی عمرو پیدا ہوا، جب یہ لڑکا چھ سال کا ہوا تب مسماۃ صالحہ بقضائے الٰہی انتقال کرگئی، قریب ایک سال کے بعد زید نے مسماۃ معینہ سے نکاح ثانی

[1] ملتقطا، ص ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، مع شرح ملا علی قاری، باب ثالث فصل ما ھو مقالات کفر،

Marfat.com

کیا جو مسماۃ صالحہ کے خاندان سے نہ تھی، اور نہ کوئی رشتہ، ازاں بعد تقریباً دس سال کے بعد مسماۃ معینہ کی چھوٹی بہن مسماۃ سلیمہ سے مسمی عمرو بسر زید کا نکاح منعقد کیا گیا، جو اس کی مجازی خالہ تھی، یہ نکاح مشرح طور سے مع دلائل قرآن و احادیث تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ سلیمہ سے عمرو کا نکاح جائز ہے، قال اللہ تعالیٰ، واحل لکم ما وراء ذالکم، اور سلیمہ عمرو کی خالہ نہیں، اگرچہ عرف میں اسے خالہ کہتے ہوں کہ شرعاً خالہ ماں کی بہن کو کہتے ہیں، حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی اور یہ سلیمہ کچھ بھی نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ ایک عورت اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اپنے خاوند کو کہتی ہے، مجھ کو طلاق دو اور میری چھوٹی بہن سے نکاح کر لو۔ فقط مجھ کو کھانے پینے کو دو، اس مکان کے دوسرے حصہ میں رہنے دو، خاوند اور عورت کی بہن راضی ہیں، لیکن شریعت کیا حکم دیتی ہے، فرمائیے، ؟

**الجواب**:۔ اگر اس عورت سے اولاد نہیں ہوتی تو اس کو طلاق دینے کی کیا حاجت ہے، کسی دوسری عورت سے نکاح کر لے جس سے نکاح جائز ہو، ان صورتوں میں نہیں ہے، جہاں طلاق دینے کی اجازت شرع نے دی ہے، پھر بھی اگر اس کو طلاق دے کر اس کی بہن سے نکاح کرنا چاہے تو عدت کے بعد نکاح ہو سکتا ہے، عدت میں ناجائز ہے اور عدت کے بعد اس مکان میں رکھنا مظنہ فتنہ ہے، خصوصاً جب کہ دونوں میں مدت تک میاں بی بی کے تعلقات رہ چکے ہیں اور حجاب اٹھ چکا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ مرسلہ عبدالحلیم خاں فصیحی از ٹیٹاگڑھ، پرانی بازار ضلع چوبیس پرگنہ، ۲۴ر شعبان ۱۳۴۶ھ،

علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ عمرو بکر باہم دوست تھے، عمرو نے اپنی لڑکی جس کی عمر آٹھ یا نو برس کی تھی بکر کے ساتھ جس کی عمر پینتالیس یا پچاس برس کی تھی عقد پڑھا دیا، عقد کے بعد لڑکی جس کا نام ہندہ ہے بکر کے ساتھ چھ یا سات برس تک اطمینان سے رہی، اس کے بعد زید کے ساتھ ہندہ کا ناجائز تعلق پیدا ہو گیا، جو ہندہ کا ماں پھوپھا تھا جس کی عمر اٹھائیس یا تیس برس کی ہے زید ایک خوبصورت نوجوان اور حافظ قرآن بھی ہے، رسم کے بموجب کچھ دنوں کے بعد ہندہ رخصت ہو کر اپنے باپ کے مکان پر آئی، بکر رخصتی کے لئے خط و پیام بھیجا، یہاں تک کہ اپنی بیوی ہندہ کی رخصتی کے لئے بکر خود عمرو کے مکان پر گیا، اس وقت ہندہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سے بالکل انکار کیا، عمرو نے بکر سے کہا کہ لڑکی تمہارے ساتھ رہنے سے انکار کرتی ہے، تو بہتر ہے کہ تم طلاق دیدو، اس پر عمرو اور بکر میں کچھ تکرار ہو گئی، یہاں تک کہ بکر نے عدالت کی بھی دھمکی دی، لیکن کچھ کارآمد نہ ہوا، ممکن ہے کہ زید نے عمرو کو کچھ طمع زر دکھلائی ہو، کچھ عرصہ کے بعد ہندہ زید کے گھر پر آگئی اور رہنے لگی تخمیناً چار برس کا عرصہ ہوتا ہے، اس درمیان میں ہندہ کو دو لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں، جب باتیں زیادہ طول ہو گئیں تو زید سے پوچھا گیا کہ تم نے بلا نکاح عورت رکھا ہے تو زید نے کہا۔ ۔ ۔ ۔ میں نے ایک مولوی صاحب سے اس مسئلہ کو دریافت کر کے نکاح خود پڑھا لیا ہے، جس کے دو گواہ بھی موجود ہیں، جب یہ باتیں قابل اطمینان نہ ہوئیں تو زید کے دوستوں نے بکر سے طلاق دلوانے کی کوشش کی، بکر قلیل معاوضہ پر راضی ہو گیا، لیکن وقت مقررہ پر

Marfat.com

بکر نے صاف انکار کیا، اور ایک شخص سے کہا، میں سات سو روپیہ لے کر طلاق دے سکتا ہوں، زید کو اس قدر زر کثیر دینے کی قوت نہ دیکھ کر واپس آئے لیکن اب بکر کی ذاتی حالت نہایت ناگفتہ ہے اور ابھی تک ہندہ زید کے ہی پاس ہے، اس حالت میں زید و بکر و ہندہ کے متعلق جو شرع شریف کا ارشاد ہو فرمائیں؟

**الجواب** : ہندہ بدستور بکر کی زوجہ ہے، جب تک تفریق نہ ہو زید یا کسی سے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء، زید جس نے اس کو اس طرح رکھا ہے، سخت فاسق فاجر ہے اور اگر واقع میں اس نے نکاح کر لیا ہے تو اور بدتر اور لزوم کفر کہ حرام کو حلال کرنا ہے اور یہ کفر، عالمگیری[1] میں ہے، من اعتقد الحرام حلالا او علی القلب یکفر، اس صورت میں خود زید اور گواہوں کو تجدید اسلام کرنی چاہئے، اور اگر زید ہندہ کا پھوپھا ہے، جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے اور ہندہ کی پھوپھی زید کے نکاح میں موجود ہے تو اگر بکر اسے طلاق بھی دیدے اور عدت کے بعد نکاح ہو جب بھی نکاح جائز نہیں، حدیث[2] میں ہے، لا تنکح المرأۃ علی عمتها والعمة علی بنت اخیها والمرأۃ علی خالتها والخالة علی بنت اختها لا تنكح الصغریٰ علی الکبریٰ ولا الکبریٰ علی الصغریٰ، اور اگر ہندہ کی پھوپھی زید کے نکاح یا عدت میں نہ ہو تو بشرطیکہ بکر اسے طلاق دے اور عدت پوری ہو جائے، زید سے نکاح ہو سکتا ہے، بکر پر شرعاً طلاق دینی لازم نہیں[3]، البتہ زید پر فرض ہے، کہ فوراً ہندہ کو اپنے مکان سے جدا کر دے، اگر زید ایسا نہ کرے تو لوگ زید کو علٰحدہ کر دیں، اس سے میل جول ترک کر دیں، اور عمرو اگر زید کا معین و طرفدار ہو تو اس کے ساتھ بھی یہی کیا جائے کہ اس صورت میں وہ دلوث ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے، ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** : مرسلہ جناب حاجی عبد اللہ علی رضا صاحب، از زکریا، اسٹریٹ کلکتہ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و بکر دونوں حقیقی بھائی ہیں، زید نے زوجہ اولیٰ کے فوت ہو جانے کی وجہ سے چند روز کے بعد عقد ثانی کیا ہے اس کے شوہر سابق سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے جو لڑکی مذکورہ بالا ہے، اس لڑکی کے تین بچے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا اور لڑکا مذکور سے ایک لڑکی ہے، اب زید چاہتا ہے کہ اپنی نتنی سے اپنے مذکورہ بھائی مسمیٰ بکر کے لڑکے سے شادی کر دے، آیا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں اور اس لڑکے سے یعنی ناتی سے زید بکر کی لڑکی سے بیاہنا چاہتا ہے، چونکہ زید سے لڑکا لڑکی پیدا نہیں ہے، بلکہ زینب ہے جس کے تین بچے ہیں دو لڑکی ایک لڑکا انھیں میں سے بیاہنا چاہتا ہے یعنی شوہر سابق سے جو لڑکی ہے اسی لڑکی کے لڑکے سے ہے؟

---

[1] ص ۲۸۵، ج ۲، فصل احکام المرتدین، مایتعلق بالحلال والحرام، مجیدی۔ [2] مشکوٰۃ ص ۲۷۴، عن ابی هریرة رضی اللہ عنه، بحوالہ ترمذی و ابوداؤد و نسائی و دارمی تنیر۔

[3] البتہ بکر پر دو باتوں میں سے ایک واجب ہے یا تو اپنی زوجہ کو حسن سلوک کے ساتھ رکھے، اور اگر رکھنا منظور نہ ہو تو طلاق دیدے، ارشاد ہے، فامسکوهن بمعروف او سرحوهن بمعروف ولا تمسکوهن ضرارا لتعتدوا، تو انھیں بھلائی کے ساتھ روک رکھو یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دو، انھیں ضرر پہنچانے کے لئے نہ روکو، تاکہ تم حد سے آگے نہ بڑھ جاؤ، واللہ اعلم۔

Marfat.com

**الجواب**: بکر کے لڑکے کا زید کی ربیبہ کی لڑکی سے اور بکر کی لڑکی کا زید کی ربیبہ کے لڑکے سے نکاح ہوسکتا کوئی وجہ ممانعت نہیں، بلکہ اگر زید کے حقیقی نواسی نواسے ہوتے جب بھی بکر کے لڑکے لڑکیوں سے نکاح ہوسکتا تھا، اور یہاں تو ان میں کوئی رشتہ ہی نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ، واحل لکم ماوراء ذالکم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از قصبہ وڈا کخانہ گوپی گنج، ضلع مرزا پور، مرسلہ جناب مولوی منظور حسین رضوی امجدی مدرس مدرسہ اسلامیہ رضویہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا باپ بکر نے زید کی عورت سے زنا کیا، یعنی زید نے خود ایک چارپائی پر زنا کرتے ہوئے پاکر باہر آیا اور شور کیا، جب کہ عبد الحمید وغیرہ نے سنا، زوجہ زید سے دریافت کیا، اس نے اقرار زنا کیا، لیکن بکر نے انکار کیا، برادری والوں نے دریافت معاملہ کیا تو زوجہ زید نے کہا، میرا پستان پکڑا تھا۔ بکر سے دریافت کیا تو اس نے بھی اقرار کیا تو اس صورت میں زوجۂ زید، زید کے لئے حرام ہوئی یا نہیں؟

(۲) اس فعل بد کے معلوم ہوتے ہوئے جو شخص زید و بکر کے ساتھ کھاتے اور پیتے ہوں۔ ان کا کیا حکم ہے، بحوالہ کتب معتبرہ جواب عطا فرما کر مزین بہ مہر فرمائیں؟

**الجواب**: صورت مستفسرہ میں زوجہ زید زید پر حرام ہوگئی کہ اولاً خود زید اپنے باپ کے زنا کا اقرار کرتا ہے، عالمگیری میں ہے، وکذا تحرم المزنی بہا علی اٰباء الزانی واجدادہ وان علوا وابنائہ وان سفلوا۔ نیز اسی میں ہے، ولو اقر بحرمۃ المصاھرۃ یواخذ بہ ویفرق بینھما، دوم خود عورت وبکر دونوں پستان پکڑنے کے معترف ہیں اور مس بشہوت سے حرمت مصاہرۃ ثابت ہوتی ہے، اگرچہ بکر شہوت سے انکار کرے جب بھی حرمت ہوگی اور اس انکار میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، عالمگیری میں ہے، ولو اخذ ثدیھا وقال ما کان عن شھوۃ لایصدق لان الغالب خلافہ۔ بہر حال زید اس عورت کو چھوڑ دے۔

(۲) زید کے ساتھ مقاطعہ کی کوئی وجہ نہیں، البتہ بکر نے یہ خبیث حرکت کی اس پر توبہ لازم ہے، توبہ نہ کرے تو اس سے میل جول ترک کردیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از دواساوارڈ، کاٹھیا واڑ، مرسلہ نور محمد حاجی عبد اللہ میاں، پیش امام ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان کی لڑکی جس کی عمر بیس برس ہے اور اس کی شادی نہیں ہوئی، ایک ہندو نے اس لڑکی سے جبراً زنا کیا اور حمل رہ گیا، تین ماہ کا حمل تھا کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح ہوا، اور چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا، اس کے

---

ص۲۷۴، ج ۱، باب المحرمات، قسم ثانی، مجیدی۔ ایضاً ص۲۷۵، ج ۱۔ ایضاً ص ۲۷۵، ج ۱۔

Marfat.com

خاوند کو معلوم نہ ہوا، اس وقت یہ سمجھا یا کہ حمل گر گیا، مگر نکاح کے تین چار ماہ بعد معلوم ہوا، عورت سے پوچھا گیا تو کہا، کہ مجھ سے فلاں ہندو نے جبراً زنا کیا اور حمل رہنے کے بعد میرے ماں باپ نے مجھ سے کہا، اس بات کو چھپا ورنہ ہماری عزت جائے گی، تو اب یہ نکاح ہوا یا نہیں، جو حکم شریعت کا ہو تحریر فرمائیے۔

**الجواب**: اولاً تو یہ ثابت کرنا کہ بوقت نکاح حمل موجود تھا، دشوار ہے کیونکہ نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا ہے اور اقل مدت حمل چھ ماہ ہے، ہو سکتا ہے کہ اسی شوہر کا بچہ ہو، ثانیاً فرض بھی کیا جائے کہ وقت نکاح عورت زنا سے حاملہ تھی، جب بھی نکاح درست ہے، البتہ اس صورت میں اگر شوہر کو یہ معلوم ہو کہ حاملہ ہے تو جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے، تو اس سے جماع جائز نہیں، وصح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیرہ ای الزنا ولو من حربی وسبیہا الملتی بہ وان حرم وطؤہا ودواعیہ حتی تضع۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: از سندھ ڈاکخانہ رانی پور شہر دراز شریف درگاہ معلی، مدرسہ عربیہ، مرسلہ جناب مولوی قمرالدین صاحب مدرس،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ فتحان کا عقد نکاح اول مسمی بچو سے تھا، جس سے فتحان مذکورہ کو ایک بیٹی مسماۃ بائی پیدا ہوئی، پھر فتحان زوجہ بچو کا عقد نکاح بچو کے مرجانے کے بعد خیرو سے کیا، اس مسماۃ خیرو سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جو کہ مسمیہ سیبانی زوجہ مسمی بڈھ کی ہے اب یہی شخص مسمی بڈھ نے دوسری عورت مسمی سلیمان بنت بائی سے نکاح کیا ہے، اب اس صورت میں شریعت کیا حکم فرماتی ہے، بدلائل فقہ معہ ترجمہ واضح فرمائیں،

زوجہ فتحان

شوہر دوم خیرو — بنت سیبانی زوجہ اول بڈھ کی ہے،

شوہر اول بچو — بنت بائی — سلیمان بنت بائی زوجہ ثانی بڈھ مذکور کی ہے،

**الجواب**: سیبانی اور بائی دونوں فتحان کی بیٹیاں ہیں دونوں آپس میں بہن ہیں، دونوں کے باپ اگرچہ دو ہیں، مگر ماں دونوں کی ایک ہے، اس رشتہ سے سیبانی سلیمان کی خالہ ہوئی، اگر سیبانی زندہ ہے اور بڈھ کی زوجیت میں ہے تو بڈھ کا نکاح سلیمان سے نہیں ہو سکتا، حدیث میں ہے،[2] لا یجمع بین المرأۃ وعمتہا ولا بین المرأۃ وخالتہا، عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع نہ کیا جائے اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو جمع کیا جائے، اس حدیث کو بخاری و مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، دوسری حدیث میں[3] ہے، لا تنکح المرأۃ علی عمتہا ولا علی خالتہا، جس عورت کی پھوپھی یا خالہ نکاح میں ہے اس سے نکاح نہیں کر سکتا اور خالہ صرف اسی کو نہیں کہتے کہ اس کی ماں اور وہ دونوں ایک ماں باپ

---

[1] در مختار ص ۲۹۱، ۲۹۲، ج ۲، علی هامش الشامی، نعمانیہ، [2] مشکوۃ ص ۲۷۳، عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ. [3] نسائی ص ۸۰، ج ۲، باب جمع بین المرأۃ وعمتها، وتحریم جمع بین المرأۃ وخالتها عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ۔

Marfat.com

ہوں، بلکہ اس کی تین صورتیں ہیں، دونوں ایک ماں باپ سے ہوں یا صرف باپ ایک ہو، مائیں دو، یا ماں ایک ہو باپ دو۔ فتاوی عالمگیری میں ہے[1]، واما الخالات فخالتہ لاب وام وخالۃ لاب وخالۃ لام، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ مولوی سراج الدین صاحب ناگپوری، ۱۳ شعبان ۱۳۴۷ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی ایک بیوی کو ایک لڑکی تھی، اس لڑکی کی نواسی جو آج موجود ہے، اس کا نام فاطمہ ہے، اور شخص مذکور کی دوسری بیوی کا ایک لڑکا ہے جس کا نام محمد عمر ہے اور فاطمہ کا باپ اپنی لڑکی کو محمد عمر سے منسوب کرنا چاہتا ہے، آیا یہ رشتہ ہو سکتا ہے یا ناجائز ہوگا؟۔

**الجواب**: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ لڑکا اسی شخص مذکور کا ہے، اس صورت میں فاطمہ کی نانی اس لڑکے کی سوتیلی بہن ہوئی، لہذا باہم نکاح حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ، وبنات الاخ۔ تنویر الابصار میں ہے[1]، حرم اصلہ وفرعہ وبنت اخیہ وبنتھا، فتاوی عالمگیری میں ہے[2]، وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از جوبیس پرگنہ ڈاکخانہ انیا گڈھ مقام کھردا، جامع مسجد، مرسلہ جناب شاہ محمد یٰسین امام، ۳ صفر المظفر ۱۳۴۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید کا جس وقت عقد ہوا ہوش وحواس درست تھا، زمانہ دو برس تک اب زمانہ چار برس کا ہوتا ہے کہ دماغ خراب ہو چکا، علاج وغیرہ سب کچھ ہوا لیکن اس کے اچھے ہونے کی صورت دکھلائی نہیں دیتی ہے، اب اس کی بیوی بہت انتظار کر چکی ہے اس کا خیال بدلا ہوا ہے، زنا کا خوف ہے آیا وہ کیا کرے، دوسرا عقد کرے یا یوں ہی بیٹھی رہے، حالانکہ مسماۃ مذکورہ کے خسر وخوشدامن کہتے ہیں کہ جو جی چاہے کر سکتی ہو، کہاں تک انتظار کرو گی۔ اب شرع شریف سے کیا حکم ہوتا ہے؟

**الجواب**: ہمارے مذہب میں جنون کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا، عورت صبر کرے، ہاں قاضی غیر حنفی[3] جس کا مذہب یہ ہو کہ ایسی صورت میں نکاح فسخ ہو سکتا ہے، وہ اگر نکاح فسخ کر دے تو فسخ ہو جائے گا، مگر ہندوستان میں قاضی ہی نہیں، لہذا جدائی ناممکن ہے، درمختار میں ہے[4]، ولا یتخیر احد الزوجین بعیب الاخر ولو فاحشا کجنون وجذام وبرص ورتق وقرن وخالف الائمۃ الثلثۃ فی الخمسۃ لو بالزوج ولو قضی بالرد صح، رد المحتار میں ہے[5]، لیس لواحد من الزوجین خیار فسخ النکاح بعیب فی الاخر عند ابی حنیفۃ وابی یوسف وھو قول عطاء والنخعی وعمر بن عبد العزیز وابی زیاد وابی قلابۃ وابن ابی لیلیٰ والاوزاعی والثوری والخطابی وداؤد الظاھری واتباعہ وفی المبسوط انہ مذھب علی وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنھم، البتہ اگر شوہر ہوش میں آنے کے بعد طلاق دے دے تو طلاق ہو سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] ص ۴، ج ۲، باب المحرمات، قسم اول، مجیدی۔ [2] ص ۷۰، ج ۲ علی ھامش الشامی، عثمانیہ فصل محرمات۔ [3] ص ۴، ج ۲، باب المحرمات، قسم اول مجیدی۔ [4] ص ۰، از ج ۲ (بقیہ حاشیہ ص ۴۳ پر)

(بقیہ حاشیہ ص ۷۹، کا) باب العنین، علی حاشیۃ الشامی، عثمانیہ۔ ؎۵ ایضاً۔ ؎۶ بحر الرائق میں ہے: ان القاضی لو قضی برد احد الزوجین بعیب نفذ قضاءہ ؎۱۳
ج ۴، باب العنین۔ درمختار میں ہے: لو قضی بالرد صح۔ اس کے تحت شامی میں ہے: ای لو قضی به حاکم یراہ فافادانه مما یسوغ فیه الاجتهاد وهذه المسألة ذکرها
فی البحر، ص ۵۹۰، ج ۲۔ ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس حاکم کا یہ مذہب ہو کہ جنون سے فسخ نکاح کا حق عورت کو ہے وہ اگر فسخ نکاح کا حکم دیدے تو صحیح ہے، واللہ
تعالیٰ اعلم۔ اقول: ہمارا اصل مذہب یہی ہے کہ جنون، جذام، برص وغیرہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں، یہی امام اعظم امام ابی یوسف رحمہما اللہ کا مذہب ہے، یہی
مختار مفتی بہ من حیث الدلیل قوی ہے۔ اس لئے کہ نکاح سے جو مقصود ہے اس میں ان بیماریوں سے خلل واقع نہیں ہوتا، شوہر ان بیماریوں کے باوجود اس پر قادر ہے، زیادہ
سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ عورت کو ان بیماریوں کی وجہ سے گھن آتی ہے، وہ شوہر سے نفرت کرتی ہے تو محض گھن اور نفرت کی بنا پر فسخ نکاح کا حکم دینا فتنۂ عظیم کا دروازہ
کھولنا ہے۔ ان امراض کے علاوہ اور بہت سی صورتیں ہیں جن میں عورت کو شوہر سے نفرت ہو سکتی ہے، گھن آ سکتی ہے، مثلاً وہ بدخلق ہے، انتہائی بدصورت ہے، شوہر کی ناک
کٹ گئی ہے، اس کے منہ یا بغل یا جسم سے بدبو آنے لگی۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شوہر میں کوئی عیب نہیں ہوتا اور عورت اس سے نفرت کرتی ہے۔ اس لئے فسخ نکاح کی بنیاد
عورت کی نفرت یا گھن قرار نہیں دی جا سکتی، بنیاد وہی ہے، ادائگی حق پر عدم قدرت جیسا کہ عنین اور مجبوب میں ہے، اس لئے ان بیماریوں کی وجہ سے عورت کو حق فسخ
نہیں دیا جا سکتا۔ مگر عالمگیری میں ہے: قال محمد ان کان الجنون حادثا یؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطبقا فهو کالجب
وبه ناخذ کذا فی الحاوی القدسی، ص ۱۳۴، ج ۱، آخر باب عنین، مجیدی۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے: ہمارے علماء میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (شوہر کے جنون کی حالت میں)
جانب خیار گئے۔ اور حاوی قدسی میں حسب عادت برخلاف عامۂ متون و شروح و فتاویٰ اس کی نسبت "به ناخذ" لکھ دیا، جیسا کہ اس سے عالمگیریہ میں منقول ہوا، فقیر کے فتاویٰ
میں بتفصیل تام واضح کر دیا گیا ہے کہ ماخوذ بہ و مختار و معتمد و واجب التعویل مذہب مہذب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، بایں ہمہ اگر جنون حادث ہے، پیش از نکاح شوہر مجنون
نہ تھا، بعد کو پیدا ہوا اور بحالت ضرورت بلامکر و فریب و پیروی نفس سچی سچی واقعی متحقق ہے تو قول امام محمد پر عمل ممکن، مگر قول امام محمد یہ نہیں کہ شوہر کو جنون ہو جائے، تو عورت
بطور خود اسے فرقت کر کے دوسرے سے نکاح کرے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں، بلکہ حکم یہ ہے کہ عورت حاکم شرع کے حضور دعویٰ کرے، وہ ثبوت جنون لے کر روز نالش
سے ایک سال کامل کی مہلت دے، اگر اس مدت میں شوہر اچھا ہو گیا، فبہا (اب تفریق نہیں ہو سکتی یہ عورت اس شوہر کی بیوی رہے گی) اور اگر شوہر اچھا نہ ہوا اور عورت
نے بعد انقضائے سال پھر دعویٰ نہ کیا، تو وہ بدستور اس کی زوجہ ہے، اور اگر پھر رجوع لائی اور حاکم کو ثابت ہوا کہ شوہر ہنوز مجنون ہے تو اب وہ عورت کو اختیار دے گا،
کہ چاہے اپنے شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کو، اور اگر عورت نے اپنے شوہر کو اختیار کیا یا بغیر کچھ کہے چلی گئی یا کھڑی ہو گئی، یا کسی نے اسے اٹھا دیا یا حاکم خود اٹھ کھڑا ہوا، تو اب
عورت کو اصلاً اختیار نہ رہا، وہ بدستور ہمیشہ اس مجنون کی زوجہ رہے گی، اور اگر مجلس بدلنے سے پہلے عورت نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو اب حاکم تفریق کر دے گا، اس
روز سے عورت طلاق کی عدت میں بیٹھے، بعدہ جس سے چاہے نکاح کرے، یہ اس صورت میں ہے کہ قاضی کو جنون ثابت ہوا اور اس کا مطبق ہونا ثابت نہ ہوا، بلکہ حادث ہونا ثابت
ہوا، اور اگر حاکم کو ثابت ہو جائے کہ واقعی مدتہائے دراز گذر گئیں کہ یہ شخص مجنون ہے اور آرام نہیں ہوتا جنون اس کا مطبق یعنی لازم اور ممتد ہے، تو اب سال کی مہلت نہ دیگا

(بقیہ ص ۸۱ پر)

Marfat.com

**مسئلہ** :- از قصبہ سمیر پور علاقہ جودھپور مرسلہ جناب حسین بخش صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک منکوحہ عورت کا نکاح شوہر سے طلاق دلوائے بغیر اس کے باپ نے دوسرے شخص سے پڑھوا دیا نہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دی نہ کوئی اس کا گواہ نہ تحریر آیا ایسا نکاح شریعت اسلامی میں جائز ہو سکتا ہے، بینوا توجروا،

**الجواب** :- شوہر والی عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا، اس سے نکاح حرام قطعی ہے، قال اللہ تعالیٰ والمحصنٰت من النساء، یہ مسئلہ ایسا نہیں جسے علما سے پوچھنے کی ضرورت ہو، مسلمان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ نکاح نہیں ہو سکتا، دوسرے کے پاس جب تک رہے گی زنا خالص ہوگا، اس عورت کا باپ اور نکاح کے وکیل و گواہ اور جتنے مجلس نکاح میں شریک ہوئے ان میں سے جسے معلوم تھا کہ وہ شوہر والی عورت ہے ان سب کو تجدید اسلام چاہئے، اور تجدید نکاح لازم، یعنی یہ سب لوگ خود اپنی اپنی عورتوں سے توبہ و تجدید اسلام کے بعد پھر نکاح پڑھوائیں اور جب تک توبہ نہ کریں مسلمان ان سے مقاطعہ کریں، میل جول سلام کلام سب ترک کر دیں، قال اللہ تعالیٰ، ولا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین، واللہ تعالیٰ اعلم،

(بقیہ حاشیہ ص ۸۰ کا) بلکہ فی الفور عورت کو اختیار دے گا، کہ چاہے شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کو، بہرحال یہ تفریق بے حکم حاکم شرع نہیں ہو سکتی، (عالمگیری کی عبارت گذری، یؤجلہ سنۃ، اس کو ایک سال کی مہلت دے گا، اور آگے ہے، فھو کالجب، اور پہلے عالمگیری ہی میں ہے فالقاضی یفرق بینھما فی الحال، قاضی ان دونوں کے درمیان فوراً تفریق کریگا اس سے ثابت کہ بے قضاء قاضی تفریق نہیں ہو سکتی) جہاں قاضی شرع نہ ہو وہاں جو عالم دین سچا عالم تمام اہل شہر میں فقہ کا اعلم ہو، ایسے امور میں حاکم شرعی ہے، کما نص علیہ فی الحدیقۃ الندیۃ عن فتاوی الامام العتابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ملخصاً، ص ۲۹۸، ۲۹۹، ج ۵، کتاب الطلاق، حدیقہ ندیہ کی عبارت یہ ہے، اذا خلا الزمان عن سلطان ذی کفایۃ فالامور مؤکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم، جب زمانہ سلطان اسلام سے خالی ہو جائے تو معاملات علماء کے سپرد ہیں، امت پر علما کی طرف رجوع لازم ہے اور علماء والی ہو جائیں گے، اگر سب کا ایک پر جمع ہونا دشوار ہو تو ہر طرف کے لوگ اپنے علما کی اتباع کریں، اگر کہیں علما کی کثرت ہو تو واجب الاتباع وہ ہے جو سب سے زیادہ علم والا ہو، اور اگر سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا جائے، ص ۳۴۰، ج ۱ مصری، اور یہ مضمون قرآن مجید سے ثابت ہے، ارشاد ہے، یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں، اس آیت میں اولی الامر سے مراد علمائے دین ہیں، ائمہ دین فرماتے ہیں یہی صحیح ہے، جیسا کہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں تصریح ہے، جنون کے ساتھ ساتھ جذام اور برص میں بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ عورت کو حق فسخ حاصل ہے، ہدایہ میں ہے، وقال محمد لھا الخیار دفعا للضرر عنھا، ص ۳۹۸، ۳۹۹، ج ۲، باب العنین، مجیدی، لیکن ہمارے بعض علما رشداً صاحب حاوی قدسی نے صرف جنون کی حالت میں فرمایا ہے کہ عورت کو حق فسخ ہے جذام اور برص وغیرہ میں نہیں اس لئے حالت جذام اور برص میں حنفی کے لئے جائز نہیں کہ کسی عالم میں فسخ کا حکم دے فرق یہ ہے کہ جنون میں بہ نسبت جذام اور برص کے فسخ کی حاجت شدید ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں، اس لئے جنون پر جذام اور برص کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ مدار حکم

(بقیہ ص ۸۲ پر)

Marfat.com

**مسئلہ:** بہار شریعت میں یہ مسئلہ دیکھا گیا کہ اگر شب کو عورت اور لڑکی ایک جگہ سو رہے ہوں اور خاوند بغرض صحبت عورت کے پاس جا کر سہواً لڑکی کو چھو دے تو عورت نکاح سے باہر ہو جائے، یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا کہ سہواً لڑکی کو صرف چھو دینے میں وہ عورت کو کھو بیٹھا، آخر غلطی انسان کا شیوہ ہے، نیز کسی قسم کا فعل اس سے سرزد نہ ہوا، اور عورت حرام ہو گئی؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** حرمت مصاہرت وطی و دواعی وطی دونوں سے ثابت ہوتی ہے یعنی مثلاً جس عورت سے جماع کیا یا اسے شہوت کے ساتھ چھوا اس کی ماں حرام ہے اور یہ بھی کتب فقہ میں مصرح ہے کہ یہ افعال اگر غلطی سے ہوں جب بھی حرمت ہو جائے گی، مثلاً فرض کیجئے کہ کسی عورت کو اپنی عورت سمجھا اور اس سے جماع کیا، عورت کی ماں حرام ہو گئی، اگرچہ اس سمجھنے میں اس سے غلطی ہوئی، لہٰذا جب اپنی مشتہات لڑکی کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے اور یہ چھونا دواعی وطی میں سے ہے، لہٰذا موجب حرمت مصاہرت ہے، اب رہا آپ کا یہ کہنا کہ انسان سے غلطی ہوتی ہے، یہ درست ہے اور اس کا اثر یہ ہے کہ قصداً نہیں ہے تو گنہگار نہ ہوگا، مگر اس فعل کا جو اثر ہے یعنی حرمت وہ تو ثابت ہی ہوگی، مثلاً شیشہ پر اگر غلطی سے بھی پتھر مارے گا جب بھی ٹوٹے گا، آگ میں غلطی سے گرے گا جب بھی جلے گا، مگر غلطی کا یہ نتیجہ ہوگا کہ مواخذۂ اخروی نہ ہوگا، حدیث میں ہے، ثلث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والعتاق[1]، اور حرمت مصاہرت بھی نکاح کے متعلقات سے ہے، لہٰذا اس میں قصد کا اعتبار نہیں، بہار شریعت میں یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے، جو سوال میں درج ہے، بلکہ چند قیود کے ساتھ مقید ہے، ایک یہ کہ لڑکی مشتہات ہو، دوم یہ کہ شہوت کے ساتھ اسے چھوا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از کاسر ضلع کھیڑا المرسل عبد المجید، ۵ ر جمادی الآخرہ ۱۳۴۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ مسماۃ زینب ہے، بہ سبب امور خانگی میاں بیوی کے درمیان انبن ہو گیا جس سبب سے زینب اپنے پدر کے گھر گئی اور زینب کے پدر نے زید کے ساتھ صلح کاری کی تجویز کی لیکن کچھ کارگر نہ ہوا، اس معاملہ میں تخمیناً سات سال گذر گئے، نہ بیوی زینب کو آباد کرتے ہیں اور نہ طلاق دیتے، بیوی مذکورہ اپنے ایام زندگی بڑی تکلیف کے ساتھ گذارتی ہے، اس لئے علمائے کرام کی خدمت میں عرض ہے جاتا ہے کہ اس عورت کے واسطے شرع محمدی کیا حکم دیتی ہے، جس سے وہ اپنے ایام تکلیف کو راحت میں بدلے اس لئے مہربانی فرما کر جواب کماحقہ موافق

(بقیہ حاشیہ ص ۸۱ کا) جب مقیس میں نسبت مقیس علیہ کے کم درجے کا ہو تو قدیہ حکم درست نہیں، لہٰذا احاث جنون میں عند الضرورت فسخ نکاح کا حکم درست اور جذام اور برص میں درست نہیں۔

[1] مسئلہ پہلے آچکا ہے وہاں ہم نے حاشیہ میں اس کی پوری تفصیل لکھدی ہے ناظرین اسے دیکھ لیں۔ (حاشیہ ص ہٰذا) [1] مشکوٰۃ شریف ج ۲، ص ۲۸۴، بر عتاق کی جگہ رجعت ہے، ترمذی ابو داؤد کا حوالہ ہے، سب میں رجعت ہی کا لفظ ہے، علاوہ ان کتابوں کے ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے، اس میں بھی رجعت کا لفظ ہے، حاکم میں بھی یہی ہے، البتہ ملا علی قاری لکھتے ہیں۔ قال ابو بکر المعافری وروی والعتق ولم یصح شئ منہ قال المنذری کان المراد انہ لیس شئ منہ علی شرط الصحیح فانہ صحیح وانہ المراد بہ انہ ضعیف ففیہ نظر، فانہ حسن کما قال الترمذی ذکرہ میرک ص ۸۰۴، ج ۳، مصری، مرقاۃ امام کے یہاں ان الفاظ کے ساتھ ہے، ثلث لیس فیھن لعب النکاح والطلاق والعتق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

Marfat.com

شریعت و مذہب حنفی تحریر فرما کر ممنون و مرہون فرمائیے؟

**الجواب**: جب تک زید طلاق نہ دے یا موت واقع نہ ہو اور عدت نہ گذر جائے، اس وقت تک زینب کسی سے نکاح نہیں کر سکتی کہ وہ اب تک زید کی زوجہ ہے، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء، زید پر لازم ہو کہ زینب کو اچھی طرح رکھے یا طلاق دے، یہ صورت کہ نہ رکھتا ہے نہ طلاق دیتا ہے اور خواہ مخواہ اسے پریشان کرتا ہے ناجائز و حرام ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے، فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقة، یعنی عورت کو معلق نہ چھوڑو، عورت کو چاہئے کہ وہ زید پر دعویٰ کرے حاکم[1] زید کو مجبور کرے گا کہ زینب کو رکھے یا طلاق دیدے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از ریاست بھاول پور محلہ موڑی دروازہ، مرسلہ مولوی محمد صادق صاحب معلم جامعہ عباسیہ، ۱۱ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے ہندہ سے نکاح کیا، کچھ عرصہ بعد قبل زفاف زید مرزائی ہو گیا، ہندہ نے عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا، زید نے عدالت میں بیان کیا کہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور مسیح موعود مانتا ہوں، میں مرزا صاحب کو اس معنی میں نبی مانتا ہوں جس معنی میں قرآن عظیم نے نبوت کو پیش کیا ہے، مرزا صاحب دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح نبی تھے، ان پر دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح نزول جبرئیل علیہ السلام ہوتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم نہ ہوئی، بلکہ حضور علیہ السلام کے بعد بھی نبی ہو سکتے ہیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ (۱) کیا شرعاً زید ایسا اعتقاد رکھنے کی وجہ سے مسلمان رہ جاتا ہے یا مرتد ہو گیا ہے؟ (۲) کیا شرعاً زید کا نکاح ہندہ سے باقی یا بوجہ ارتداد فسخ ہو گیا ہے؟

**الجواب**: جو شخص حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی جدید نبی کا قائل ہو، بلکہ اگر کسی کو نبوت ملنا جائز جانے وہ قطعاً کا

---

[1] مراد یہ ہے کہ حاکم اسلام کے یہاں دعویٰ کرے، موجودہ کچہریوں کے حکام کے یہاں دعویٰ بے کار ہے، وہ قانونی طور پر مجبور ہیں کہ موجودہ حکومت کے قانون کے مطابق فیصلہ کریں، اور اب حکومت نے یہ قانون بنا دیا ہے کہ اگر شوہر عورت کو تنگ کرتا ہے اور عورت اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو دعویٰ کے بعد حاکم فسخ نکاح کا خود حکم دیتاہے، یہ حکم شریعت کے صراحۃً خلاف ہے، سوائے معدودہ چند صورتوں کے کسی بھی حالت میں حضور فاصورت مسئولہ میں کسی بھی حاکم حتیٰ کہ حاکم اسلام کو بھی یہ اختیار نہیں کہ فسخ نکاح کا حکم کرے، اور اگر بالفرض کوئی حاکم حکم کرے بھی تو وہ حکم نافذ نہ ہوگا، حکومت کے اس قانون سے غلط فائدہ حاصل کرنے کے لئے بہت سی عورتیں حکام سے فسخ نکاح کا حکم لے کر دوسرا نکاح کر لیتی ہیں، یہ قطعاً جائز نہیں، اس نام نہاد نکاح ثانی کے بعد شوہر ثانی سے جتنی خلوت ہوگی حرام ہوگی، جتنی ہمبستری ہوگی زنائے خالص ہوگی، جو اولاد ہوگی وہ اولاد الزنا ہوگی، دعویٰ کرنا ہی ہے تو عورت نان، نفقہ کا دعویٰ کرے، اس صورت میں شوہر طلاق دینے پر مجبور ہوگا، اور اگر کوئی شریر ایسا ہو، کہ پھر بھی طلاق نہ دے اور نہ نان، نفقہ دے تو بحالت مجبوری وہ علمائے بلد کے یہاں درخواست کرے، اور یہ عالم معسر النفقہ کی صورت میں فسخ نکاح کا حکم دے سکتے ہے، حالت بلیہ میں اب ہمارے علمائے بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مذہب پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

مرتد ہے، اس کے کفر میں ہرگز شک و شبہ کی گنجائش نہیں، قرآن مجید نے ثابت کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، حدیث میں موجود ہے، لا نبی بعدی،[1] کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور فرمایا لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب،[2] جب صحابہ میں کوئی نبی نہ ہوا، خلفائے راشدین میں کسی کو نبوت نہ ملی تو اب کون نبی ہو سکتا ہے، فتاوی عالمگیری[3] میں ہے، سمعت بعضهم یقول اذا لم یعرف الرجل ان محمد اصلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء علیهم وعلی نبینا السلام فلیس بمسلم، یہاں تک اگر کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا، دوسرے نے اس سے معجزہ طلب کیا، اگر مقصود تعجیز نہ ہو یہ بھی کافر ہو جائے گا، عالمگیری[4] میں ہے، ولو انه مین قال هذه المقالة طلب غیره منه المعجزة قیل یکفر الطالب، (۲) زید چونکہ مرتد ہو گیا لہٰذا اس کا نکاح باطل ہو گیا، ہندہ پر اب اس کو کوئی حق نہیں، در مختار[5] میں ہے، ویبطل فیه النکاح، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** ۱، از مقام بسی ضلع چتور گڈھ، مرسلہ خدا بخش صاحب، ۱۶ محرم الحرام ۱۳۵۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی منگنی زید سے کی، منگنی کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ زید غیر مقلد ہے، اب اس کے ساتھ ہندہ کا نکاح کرنا درست ہے یا نہیں اور اس سے تعلق رکھا جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

**الجواب**، جب کہ زید غیر مقلد ہے تو ہندہ کا اس سے نکاح کرنا ہرگز درست نہیں، کیونکہ غیر مقلدین پر بوجوہ متعدد کفر لازم ہے، اگر منگنی کر دی ہے، تو بھی اس کو توڑ دینا ضروری ہے، ورنہ سخت گناہ کا مرتکب ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** ۱، از ہوڑہ بنیا پاڑہ، مرسلہ جناب حکیم ابو محمد عبد الرزاق صاحب، ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۳۵۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زینب و کلثوم دونوں حقیقی بہن ہیں، زینب کی شادی زید سے ہوئی اور کلثوم کی شادی عمرو سے، مگر کسی وجہ سے عمرو نے کلثوم کو تین طلاق دے دیا، اس کے بعد زینب کے شوہر سے کلثوم مل جل کر رہنا چاہی، لیکن زینب اس کے مخالف رہی، اب زید نے غصہ میں آکر زینب کو تین طلاق دیدیا، مگر زینب اس طلاق پر راضی نہ ہو کر گھر ہی میں رہی، الآخر دونوں بہنوں کی عدت گذر گئی، تب زید نے کلثوم سے شادی کر لیا اور زینب نے اپنی بہن سے صلح کر لی اور رہنے لگی، جس کا آج عرصہ بائیس سال ہوتا ہے، ان واقعات کے بعد کلثوم سے ایک لڑکی زبیدہ پیدا ہوئی جس کی عمر سترہ برس کی ہے، چونکہ ان واقعات کو محلہ والے جانتے ہیں، اس لئے زبیدہ سے کوئی شادی کرنے پر راضی نہیں، زینب کی طلاق کا

---

[1] مشکوٰۃ ج ۲، ص ۵۰۳، [2] مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۸، ج ۲، [3] ص ۲۸۳، ج ۲، مجیدی، [4] ایضاً اس کے بعد ہے، والمتاخرون من المشائخ قالوا ان کان غرض الطالب تعجیزه و افتضاحه لا یکفر، یعنی اگر کسی نے کہا کہ میں پیغمبر ہوں، اور اپنا مراد یہ بتاتا ہے کہ میں پیغام لے جانے والا ہوں تو کافر ہے اور اس نے جب یہ بات کہی تو کسی نے اس سے معجزہ طلب کیا تو کہا گیا کہ یہ کافر ہے، اور مشائخ متاخرین نے فرمایا اگر معجزہ طلب کرنے والے کی نیت اسے عاجز اور رسوا کرنا ہو تو کافر نہیں، اس عبارت کا مفہوم یہ نکلا کہ اگر معجزہ طلب کرنے والے کی نیت اسے عاجز کرنا یا رسوا کرنا نہ ہو تو معجزہ طلب کرنے والا کافر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، (امجدی) [5] ص ۳۰۱، ج ۲، باب المرتد ملخصاً

Marfat.com

حال سوا دو تین آدمیوں کے کوئی نہیں جانتا، از روئے شرع بتایا جائے کہ زبیدہ سے عقد جائز ہے یا ناجائز؟

**الجواب**: زید نے جب کہ زینب کو طلاق دے دیا اور اس کی عدت گذرنے کے بعد کلثوم سے نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح ہے اور زبیدہ کلثوم کی جائز اولاد ہے، اس کو حرامی نہیں کہا جا سکتا اور اس زبیدہ سے نکاح جائز و درست ہے، اگر ناجائز اولاد ہوتی جب بھی نکاح درست ہوتا، اور یہ تو جائز اولاد ہے، زینب کو جب کہ طلاق دے چکا ہے تو اسے ہرگز اپنے پاس نہیں رکھ سکتا، یہ بالکل حرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از شہر بلیا، درزی چوک بازار، مرسلہ محمد عمرو میاں، ۲۱ جمادی الاولیٰ یوم جمعہ ۱۳۵۴ھ۔

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیا ہے اور بکر نے زید کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے اور اس نکاح میں چند آدمی اور بھی شریک تھے، ان لوگوں کو یہ بات معلوم تھی کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیا ہے، اب عمرو کہتا ہے کہ ایسے نکاح کی مجلس میں جتنے لوگ شریک تھے، سب کی عورتیں مطلقہ ہو گئیں؟

۲۔ زید نے اپنی بیوی کو تین برس تک اس کے میکے میں چھوڑ دیا ہے اور خرچ وغیرہ بھی نہیں دیتا ہے اور نہ وہاں جاتا ہے، بکر کہتا ہے کہ اس کی عورت تین برس کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: ۱۔ جب تک شوہر طلاق نہ دے اس کا نکاح دوسرے سے ہو سکتا ہی نہیں، قال اللہ تعالیٰ: والمحصنٰت من النساء، اس سے نکاح حرام قطعی ہے، جو اس کو جائز کہے کافر ہے، کہ حرام قطعی کو حلال بتانا کفر ہے، نکاح کو شرع نے حل بضعہ کے لئے وضع کیا ہے، یہ عقد کرنا یا اس کا شاہد بننا یا اس میں شرکت کرنا بظاہر اس کو حلال جاننے کی دلیل ہے، لہٰذا جتنے لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ عورت منکوحہ ہے اور اس میں شریک ہوئے سب لوگوں پر توبہ لازم[1] اور اپنی اپنی عورتوں سے تجدید نکاح بھی کریں۔

۲۔ زید پر نفقہ واجب ہے، نہیں دیتا ہے گنہگار ہے، حق اللہ اور حق العبد میں گرفتار ہے، مگر اس کی وجہ سے عورت اس کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی، بکر غلط کہتا ہے، کہ دوسرا نکاح وہ عورت کر سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ عصمت اللہ، قصبہ مئو، محلہ گھاسی پورہ، ضلع اعظم گڑھ، ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فاطمہ بنت محمد ایوب کہ جس کا نکاح ہو چکا ہے، کچھ عورتیں اس کو کسی حیلہ سے بھگا کر لائیں اور اس کا نکاح قصداً جبراً دوسرے سے پڑھا دیا، نکاح پڑھانے والا اور گواہ اور وہ عورتیں اور خود جبراً شوہر بننے والا ان سب کو اس بات کا اچھی طرح یقین تھا اور جانتے تھے کہ اس کا نکاح ہو چکا ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ از روئے شرع شریف اس کے نکاح اول میں

[1] اس مسئلے کی تفصیل حاشیے میں گذر چکی ہے، اسے ضرور دیکھ لیا جائے

Marfat.com

کوئی خرابی ہوئی یا نہیں اور نکاح ثانی میں شرکت کرنے والوں پر شرع کیا حکم دیتی ہے، بینوا توجروا،

**الجواب**:- جب اس عورت کا نکاح ہو چکا ہے تو دوسرے سے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنت من النساء، و
بدستور پہلے شوہر کی منکوحہ ہے، اس پہلے نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئی جن لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ عورت منکوحہ ہے اور باوجود علم اس جدید نکاح
کے گواہ بنے یا نکاح پڑھایا ان سب پر توبہ لازم ہے، اور بعد توبہ یہ لوگ اپنے اپنے نکاحوں کی تجدید کریں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:- مرسلہ محمد منصور خاں ساکن بائیں، ضلع علی گڈھ، ۱۴ رجمادی الآخرہ ۱۳۵۸ھ،
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کو اپنے گھر رکھا، اولاد بھی ہوئی
پھر زید کا انتقال ہو گیا، عورت دو سال تک شوہر کے مکان پر اور کبھی اپنے باپ کے مکان پر رہی یہ زمانہ تقریباً دو سال کا ہوا پھر کسی دوسرے شخص نے
اس سے نکاح کر لیا بعد کو اس کی زوجہ کو معلوم ہوا کہ یہ عورت منکوحہ چار ماہ کی حاملہ ہے، اس لئے اس نے اس عورت کو اپنے گھر سے نکال دیا جب اس
عورت کو بچہ پیدا ہو گیا تو اس نے اس عورت کو طلاق دیدی دریافت طلب یہ امر ہے کہ حمل کی صورت میں اس شخص کا نکاح اس عورت کے ساتھ صحیح
ہے یا نہیں اور بصورت صحت نکاح اس عورت کو بعد وضع حمل طلاق دیدینے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں، جب کہ اس
شوہر نے اس عورت کو طلاق دی اور اس کی طلاق کو گیارہ ماہ گذر چکے، بینوا توجروا،

**الجواب**:- اگر زید کے مرنے سے دو سال کے اندر بچہ پیدا ہوا ہے تو یہ حمل زید کا قرار پائے گا، اور زمانہ حمل میں نکاح صحیح نہ ہوگا، کہ اس عورت
میں اس کی عدت وضع حمل ہے، اور معتدہ سے نکاح صحیح نہیں اور اگر دو سال کے بعد بچہ پیدا ہوا تو معلوم ہوا کہ بوقت موت شوہر حاملہ نہ تھی اور اس
صورت میں عدت چار ماہ دس دن ہے اور یہ حمل زنا کا ہے اور جس عورت کو زنا سے حمل ہو اس سے نکاح صحیح ہے اگرچہ غیر زانی نے نکاح کیا ہے
کما فی الدر المختار وغیرہ اور اس صورت میں جب کہ اس شوہر نے طلاق دیدی اور اس کی عدت بھی پوری ہو گئی ہو، یعنی تین حیض آکر ختم ہو گئے، اب اس کا
دوسرے سے نکاح ہو سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،،

**مسئلہ**:- مرسلہ غلام محی الدین صاحب اجمیر شریف محلہ لاکھن کوٹھری، ۴ رجمادی الآخرہ ۱۳۶۰ھ،
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایسا اتفاق ہو گیا ہے کہ ایک شخص نے ایک ایسی عورت سے نکاح کیا
جس کی ماں سے یہ شخص سونے کی حالت میں ناجائز طور پر بوس وکنار کر چکا تھا، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس شخص کو اپنی منکوحہ کو چھوڑنا پڑے گا
یا نہیں اس سلسلہ میں یہ بھی دریافت کرنا ہے کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اس مسئلہ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف فرما رہے ہیں یا اتفاق
گذارش ہے کہ شخص مذکور نے اپنی گذشتہ حرکت ناجائز سے توبہ کر لی، اور سخت شرمندہ ہے، فقہ کی کتاب جوہرہ نیرہ جلد دوم ص ۵۹ کی عبارت

Marfat.com

درج ذیل ہے جو مجھے ایک صاحب نے بتائی ہے، ان کا یہ فرمانا ہے کہ حضرت مولوی صاحب کو یہ عبارت ضرور تحریر کر دینا "ثم اذا لم یدخل بالام حل لہ تزویج البنت فی الفرقۃ والموت لان الدخول الحکمی لا یوجب التحریم"۔

اب جیسا جناب کا ارشاد ہوگا، شخص مذکور کو اس پر عمل کرایا جائے گا؟

**الجواب**:- جب یہ شخص اس عورت کی ماں کو شہوت سے چھو چکا ہے اور اس کا بوسہ لے چکا ہے تو یہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی، یہ اس کی محرمات میں ہو گئی، اور اس سے نکاح درست نہ ہوا کہ حرمت مصاہرت جس طرح نکاح سے ہوتی ہے اور وطی سے ہوتی ہے، شہوت کے ساتھ مس کرنے اور بوسہ لینے سے بھی ہوتی ہے، اگرچہ یہ کام ناجائز طور پر ہوں، توبہ کرنے سے وہ گناہ جاتا رہے گا، جو اس کے ذمہ ہے، حرمت جو ثابت ہو چکی ہے، اس کا ازالہ نہیں ہوگا، اس صورت مذکورہ میں صاحبین کا خلاف نہیں ہے، وہ بھی حرمت مصاہرت کے قائل ہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، وکما تثبت ھذہ الحرمۃ بالوطی تثبت بالمس والتقبیل والنظر الی الفرج بشھوۃ کذا فی الذخیرۃ سواء کان بنکاح او ملک او فجور عندنا کذا فی الملتقط، جوہرہ نیرہ کی جو عبارت استفتا میں منقول ہے، اس کو اس صورت مذکورہ سے تعلق نہیں، اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ منکوحہ سے اگر محض خلوت[2] ہی ہوئی تو اس عورت کی لڑکی حرام نہیں ہوگی، کہ محض خلوت حرمت کے لئے ناکافی ہے کہ اس مسئلہ میں خلوت قائم مقام وطی نہیں، چنانچہ عالمگیری[3] میں اس صورت کو اس طرح بیان کیا، واصحابنا ما اقاموا الخلوۃ مقام الوطی فی حرمۃ البنات، درمختار[4] میں ہے، ولا تکون کالوطی فی حق بقیۃ الاحکام کالغسل والاحصان وحرمۃ البنات، ردالمحتار[5] میں ہے، قولہ وحرمۃ البنات ای لم یقیموا الخلوۃ مقام الوطی فی ذالک فلو خلا بزوجتہ بدون وطئ ولا مس بشھوۃ لم تحرم علیہ بناتھا بخلاف الوطی، اس عبارت سے واضح ہے کہ اگر مس بشہوت ہو تو قائم مقام وطی ہے اور حرمت ثابت ہو جائے گی، بلکہ خود جوہرہ نیرہ میں اس عبارت منقولہ کے ایک صفحہ بعد یہ مذکور ہے، ومن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امھا وابنتھا وکذا اذا مس امرأۃ بشھوۃ حرمت علیہ امھا وابنتھا، ان تصریحات سے ثابت ہے کہ صورت مذکورہ میں وہ عورت اس شخص پر حرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] ص ۲۸، ج ۲، باب المحرمات قسم ثانی مجیدی، [2] خلوت کے معنی ہیں تنہا ہونا جوہرہ نیرہ کی عبارت میں خلوت سے مراد یہ ہے کہ عورت مرد تنہائی میں صرف اکٹھا ہوئے، ایک نے دوسرے کو شہوت سے ہاتھ تک نہیں لگایا تو صرف ایسی تنہائی سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی یعنی اس عورت کے اصول و فروع اس مرد پر اور اس مرد کے اصول و فروع اس عورت پر حرام نہ ہوں گے، یہ مراد نہیں کہ تنہائی میں اکٹھا ہونے کے بعد وطی ہوئی یا ایک نے دوسرے کو شہوت سے چھوا تو بھی حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی، سائل نے کم فہمی سے خلوت کے معنی جماع سمجھ لیا، یا شہوت کے ساتھ چھونا سمجھ لیا، اس بنا پر سوال کر بیٹھا، وطی یا شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت مصاہرت کا ثبوت احناف کے یہاں متفق علیہ ہے، خواہ نکاح کے بعد ہو یا بغیر نکاح خواہ خلوت میں ہو یا جلوت میں ہو، اس کی تصریح خود جوہرہ نیرہ میں موجود ہے، جیسا کہ جواب میں جوہرہ نیرہ کی عبارت آگے آ رہی ہے، [3] ص ۲۴۱، ۲۴۲، ج ۲، [4] علی ھامش الشامی باب المھر نعمانیہ، [5] ص ۳۴۲، ایضاً

Marfat.com

**مسئلہ**: مسئولہ ایس ایس منحی، اجمیر شریف، ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے دین ومفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ اگر زید کسی اجنبیہ کا اس اجنبیہ کے سونے کی حالت میں بوسہ لے، مگر زید کو بوسہ لیتے وقت شہوت کا یقین نہیں، یقین اس لئے نہیں کہ تقبیل سے قبل آلہ تناسل میں استادگی تھی اور زیادتی جنبش آلہ تناسل کی جس سے شہوت کا حال معلوم ہو وہ زید کو بالکل یاد نہیں، تو اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں، نوٹ: زید نے صرف ایک مرتبہ بوسہ لیا، اس میں زیادہ وقت بھی نہیں لگا ہے۔

**الجواب**: بوسہ لینے کی صورت میں اگر معلوم ہے کہ شہوت نہیں ہوئی، جب تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں، ورنہ حرمت ثابت ہو جائے گی اور چونکہ سوال میں جو صورت مذکور ہوئی وہ یہ ہے کہ شہوت کا یقین نہیں اور شہوت ہونا یاد نہیں، یہ نہیں ہے کہ شہوت کا نہ ہونا یاد ہے، لہذا حرمت کا حکم ہوگا۔ فتاوی امام قاضی خاں[1] میں ہے، ولو قبل الرجل ام امرأته ثبتت الحرمة مالم يظهر انه قبلها بغير شهوة وفي المس مالم يعلم انه كان عن الشهوة لا تثبت الحرمة لان تقبيل النساء غالبا يكون عن شهوة۔ فتاوی عالمگیری[2] میں ہے، واذا قبلها ثم قال لم يكن عن الشهوة او لمسها او نظر الى فرجها ثم قال لم يكن بشهوة فقد ذكر الصدر الشهيد رحمة الله عليه في التقبيل يفتى بثبوت الحرمة ما لم يتبين انه قبل بغير شهوة وفي المس والنظر الى الفرج لا يفتى بالحرمة الا اذا تبين انه فعل بشهوة لان الاصل في التقبيل الشهوة بخلاف المس والنظر كذا في المحيط، والله تعالى اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ شیخ رشید احمد ساکن موضع سمند پور، ضلع اعظم گڈھ، ۱۸ رجب المرجب ۱۳۶۱ھ۔

بعالی خدمت سلطان الواعظین عمدۃ العلماء المفسرین دام ظلکم بعد تحفۂ آداب وتسلیمات معروض ایں کہ ایک شخص نے کسی عورت باکرہ سے نکاح کیا تقریباً پندرہ سولہ برس تک اپنے یہاں رکھا، جس سے دو بچے بھی مولود ہوئے، بعد مدت مابین طرفین کسی وجہ سے تنازع واقع ہوگیا شوہر نے اپنی عورت منکوحہ سے دست برداری حاصل کرنے کے لئے یہ ترکیب کی کہ ایک غیر شخص کے ساتھ اپنی عورت کو زنا کا الزام وارد کیا اور اپنے گھر سے نکال دیا، اب وہ عورت اپنی ماں کے پاس چلی گئی، بعد ازاں اس کے شوہر نے عدالت میں یہ مقدمہ پیش کیا کہ فلاں شخص ملزم کے ساتھ میری عورت مبلغ سو روپیہ نقد اور بارہ عدد زیورات لے کر بھاگ گئی، غرض کہ مقدمہ جاری ہوا دونوں میاں بیوی طلب کئے گئے ان سے پوچھا گیا، تم کس کی عورت ہو، عورت نے اسی شوہر حقیقی کو اپنا شوہر تسلیم کیا اور مرد نے عورت کو اپنی بیوی تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ اگر اس میں شبہ ہو تو قاضی نکاح سے دریافت کر لیا جائے، قاضی سے جب پوچھا گیا کہ تم نے صیغہ عقد جاری کیا، کہا ہاں، جب عورت مرد منکوحین کا نام پوچھا گیا، تو جواب دیا کہ میں نام سے

[1] ص ۱۶۶، ج ۲، فصل المحرمات، [2] ص ۵، ج ۲، باب المحرمات، قسم ثانی۔

Marfat.com

واقف نہیں اس اظہار پر از روئے عدالت عقد فاسد سمجھا گیا اور عورت کی ایک طرفہ ڈگری ہوئی اور وہ شخص ملزم الزام زنا سے بری کیا گیا، اس عورت کی ماں فقط تنہا ہے، بمشکل گذر اوقات کی صورت ہوتی ہے، اس عورت مذکورہ کا شوہر حقیقی نہ تو اس کو رکھنا ہی چاہتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے، اس صورت میں عدالت شرعیہ سے کیا حکم ہوتا ہے وہ عورت کسی غیر شخص سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: جب عورت اس کو اپنا شوہر بتاتی ہے، اور مرد بھی اس کو اپنی منکوحہ کہتا ہے اور وہاں کے لوگوں کے علم میں بھی یہ بات ہے کہ یہ دونوں زوج و زوجہ ہیں تو فقط اتنی بات سے کہ نکاح خواں نے یہ کہہ دیا کہ مجھے نام معلوم نہیں، نکاح کو فاسد بتانا بالکل غلط فیصلہ ہے، جو ہرگز قابل اعتبار نہیں، وہ دونوں بدستور میاں بیوی ہیں اور عورت کو ہرگز یہ اجازت نہیں کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح کرے، جب تک شوہر سے طلاق حاصل نہ کرلے یا مر نہ جائے اور عدت پوری ہو جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: (۱) کیا زوجہ کی لڑکی سے اس کی موجودگی میں نکاح ہو سکتا ہے،

(۲) زوجہ کے لڑکے کی بیوی طلاق کے بعد اس زوجہ کے شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے،

**الجواب**: (۱) جس عورت سے نکاح کیا اور دخول بھی کر چکا، اس کی لڑکی حرام ہے نہ عورت کی موجودگی میں اس سے نکاح کر سکتا ہے اور نہ اس کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا، وربائبکم التی فی حجورکم من نساءکم التی دخلتم بھن، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اس سے نکاح ہو سکتا ہے، قال اللہ تعالیٰ احل لکم ما وراء ذالکم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں کافرہ عورت گذری ہیں یا نہیں، اگر گذری ہیں تو بعد عقد کافرہ ہوئیں یا پہلے ہی سے کافرہ تھیں، انبیاء کرام کے پردہ فرمانے کے بعد ان کی عورتیں دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتیں، کیونکہ وہ اپنی حیات تک انبیاء کرام ہی کی عقد میں رہتی ہیں، اگر بعد پردہ فرمانے کے کافرہ ہوئیں، تو اب عقد سے باہر ہو جائیں گی یا نہیں، اور دوسرے سے نکاح کرسکتی ہیں یا نہیں، مع حوالہ کے جواب کہ کس نبی کے عقد میں گذری ہیں؟

**الجواب**: انبیاء علیہم السلام کے نکاح میں کافرہ عورتیں بھی تھیں، حضرت نوح و لوط علیہما السلام کی بیویاں کافرہ تھیں، اگلی شریعتوں میں کافرہ سے نکاح کرنا جائز تھا، اس شریعت مطہرہ میں بھی کافرہ کتابیہ سے نکاح جائز ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہوا، ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امرأت نوح و امرأت لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتاھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئا و قیل ادخلا النار مع الداخلین، واللہ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ محمد صابر بر مکان مولوی حکیم محمد طاہر رضوی، ٹیابرج، سڑک خام کلکتہ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت ملا کے دو لڑکے عباس ملا اور غلام ملا، عباس ملا کی دو شادی ہوئی، ایک سے جمیلہ اور

Marfat.com

دوسرے سے سلیمان ملا اور غلام ملا سے عنایت ملا پیدا ہوا، عنایت ملا کی شادی جمیلہ سے ہوئی، بہار ملا پیدا ہوا، اور بہار ملا کی شادی دوسرے خاندان میں ہوئی جس سے تسلیمہ پیدا ہوئی، اب تسلیمہ بیوی کا عقد سلیمان ملا سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب**: تسلیمہ بیوی سلیمان ملا کی بہن کی پوتی ہے اور بہن کی پوتی سے نکاح حرام، قال اللہ تعالیٰ، وبنت الاخ وبنت الاخت بنات الاخت میں بہن کی پوتیاں بھی داخل ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# فصل فی مفقود الخبر

## مفقود الخبر کا بیان

**مسئلہ**: معرفت سید ایوب علی صاحب بریلی، محلہ کسگران۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا لڑکا اپنے مکان سے بوجہ شرمندگی علت قمار بازی زید اور اپنی منکوحہ کو اطلاع دئے بغیر سفر کو چلا گیا، عرصہ سولہ سال تک مفقود الخبر رہا، جب زید کو اپنے فرزند کے فوت ہو جانے کی خبر شہر لکھنؤ میں معلوم ہوئی، زید وہاں پہونچا، لوگوں سے جا بجا اپنا قصہ آبدیدہ ہو کر بیان کیا۔ اتفاق سے ایک شخص سے اس کا حلیہ قد وقامت، نام وپتہ اور جملہ باتیں تصدیق ہو گئیں، زید نے بریلی آکر جملہ احوال من وعن اپنے برادران سے ظاہر کیا عرصہ آٹھ سال کے بعد اپنے فرزند کے فوت ہونے کے بیوہ بہو کا نکاح ثانی اس کے کہنے سے اور اپنی غربت کی وجہ سے کر دیا نکاح خواں نے چودھری ونیز برادری کے لوگوں سے تصدیق کر کے نکاح پڑھایا، شرعاً یہ جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: اگر ثقہ نے خبر دی اور عورت کو اس کے خبر سننے کے بعد غالب گمان یہ ہوا کہ یہ خبر سچی ہے تو موت کی عدت گذارنے کے بعد نکاح کرنا جائز ہے۔ درمختار میں ہے[1]، اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات او اكبر رأيها انه حق فلا باس ان تعتد وتتزوج۔ اقول۔ جب کہ خبر دینے والے نے یہ خبر دی ہے کہ اس شخص کو مرتے ہوئے اتنا زمانہ گذر چکا ہے کہ عدت وفات پوری ہو چکی تو اب معتبر خبر ملنے کے بعد جس سے ظن غالب ہو جاتا ہو، نکاح کر لینا جائز ہے کہ عدت پوری ہو چکی اور خبر پانے کے بعد عدت گذارنے کی ضرورت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از کلکتہ مرسلہ جناب مولوی محمد عبد العزیز صاحب، ۷ر محرم الحرام ۱۳۴۷ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی مقبول احمد ڈھائی سال سے مفقود الخبر ہے

---

[1] ص ۶۱۵ - ۶۱۶، ج ۲، باب العدۃ، نعمانیہ۔

Marfat.com

اور ان کی بیوی موجود ہے اور اس مفقود الخبر کا وارث اس کی بیوی کو نان ونفقہ دیتا ہے، باوجود اس کے اس کی بیوی اسکے نکاح کو فسخ کر کے دوسری شادی کی خواہش مند ہے اگر دوسری شادی نہ ہو تو زنا کا از حد احتمال ہے، اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** جب تک مقبول احمد کی عمر سے ستر سال[1] نہ گذر لیں، اس وقت تک وہ حکم احیاء میں ہے اور اس کی عورت نکاح نہیں کرسکتی ہے، اس عورت کو حکم ہے کہ صبر کرے، درمختار میں ہے[2]: ولا یفرق بینہ وبینھا ولو بعد مضی اربع سنین۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ طفیل احمد اعظم گڑھی، مدرس مدرسہ کوکن یعقوب سیٹھ سلٹ نمبر۹ بھنڈی بازار بمبئی ۳ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا تھا بعدہ زید کچھ ایسا غائب: لاپتہ ہوا کچھ خبر نہیں، نہیں کہا جاسکتا کہ وہ زندہ ہے یا مرگیا، اس کو مفقود ہوئے تقریباً پانچ سال سے زائد ہوتے ہیں، ابتداءً ایک سال کے بعد ایک جوڑا پارچہ اور مبلغ پانچ روپیہ آیا تھا، بعد ازاں چار برس سے زیادہ ہوتا ہے کہ بالکلیہ کچھ خبر نہیں، ایسی حالت میں مسمات مذکورہ کا عقد کیا جاسکتا ہے یا نہیں، بحوالہ کتب معتبرہ جواب شافی لکھا جاوے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** زن مفقود کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ جب تک شوہر کی عمر ستر برس کی نہ ہو، اس وقت تک موت کا حکم نہ دیں گے، نہ اس کی عورت کو نکاح کرنا جائز، درمختار میں ہے: ولا یفرق بینہ وبینھا

---

[2] ص ۳۳۰، ج ۳، کتاب المفقود، نعمانیہ، [1] لیکن اگر شوہر کے مفقود الخبر ہونے کی وجہ سے عورت دوسری شادی کرنے پر اتنی مجبور ہو جائے کہ دوسرا کوئی چارۂ کار نہ ہو حالت بلجیہ پیدا ہو جائے، تو مذہب امام مالک رضی اللہ عنہ پر عمل کرنے کی اجازت ہمارے علمائے بھی دی ہے، شامی میں ہے: وقال فی الدر المنتقی لیس باولی لقول القھستانی لو افتی بہ فی موضع الضرورۃ لا باس بہ علی ما اظن اھ قلت ونظیر ھذہ المسئلۃ عدۃ ممتدۃ الطھر، وقد قال فی البزازیۃ الفتویٰ فی زماننا علی قول مالک اھ ص ۳۳۰، ج ۳، مفقود اس دور پرفتن میں ہمارے علماء کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ اس خصوص میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب پر فتوی دیا جائے، مگر اس خصوص میں چند باتیں قابل لحاظ ہیں، اول یہ کہ مذہب امام مالک رضی اللہ عنہ یہ نہیں کہ شوہر کے غائب ہونے کے دن سے چار سال گذار کر شوہر کے وفات کا حکم دیا جائے، بلکہ یوم مرافعہ یعنی قاضی کے یہاں درخواست کرنے کے دن سے چار سال انتظار کرنا ضروری ہے، جیسا کہ فتاوی رضویہ ج ۵، ص ۵۰۰ پر کتاب مدونہ کے حوالے سے مذکور ہے، دوسرے یہ کہ اس کے لئے قضائے قاضی شرط ہے، درمختار میں ہے: انما یحکم بموتہ بقضاء لانہ امر محتمل فمالم ینضم الیہ

Marfat.com

ولو بعد مضی اربع سنین، اور بہت ائمہ کرام وصحابۂ عظام رضی اللہ تعالی عنہم کا یہی مذہب. لہٰذا حنفی کو اپنے مذہب سے خروج کی اجازت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# بَابُ الرَّضَاعَةِ

## رضاعت کا بیان

**مسئلہ:** مسئولہ مولوی احسان علی طالب علم مدرسہ منظر اسلام بریلی. ۲۱ ربیع الاول شریف بروز شنبہ ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا اس بچے کو ایک غیر عورت نے دودھ پلایا. تین سال کے بعد بکر کے یہاں جو کہ زید کا قریبی رشتہ دار ہے لڑکی پیدا ہوئی. زید کی یہ رائے ہوئی کہ اس لڑکی کی شادی میں اپنے لڑکے کے ساتھ کر دوں گا، لڑکی کے والدین بھی رضامند تھے، اتفاقاً وہی عورت جس نے تین سال پیشتر زید کے لڑکے کو دودھ پلایا تھا، اپنے مکان سے آگئی اور پس غیبت لڑکی کے والدین اور زید کے اور بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے لڑکی کو دودھ پلادیا اس عورت کو یہ علم نہیں تھا کہ ان لوگوں کا آپس میں کیا مشورہ ہو گیا ہے، جس وقت اس نے لڑکی کو دودھ پلایا تھا، اس کا وہ دودھ نہیں تھا، جو زید کے لڑکے کو پلا چکی ہے بلکہ دوسرے بچہ کا دودھ تھا. زید عالمان دین مبین سے دریافت کرنا چاہتا ہے، کہ اب اس لڑکی کی شادی زید کے لڑکے کے ساتھ ہو سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** وہ لڑکا اور لڑکی آپس میں رضاعی بھائی بہن ہو گئے اور باہم نکاح حرام. رضاعت میں یہ شرط نہیں کہ ایک ساتھ ایک زمانہ میں دونوں دودھ پئیں اور زمانہ کا فاصلہ نہ ہو نہ حرمت ثابت ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ مرضعہ اپنے شوہر یا بچہ کے والدین سے اجازت حاصل کرے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب. جو عورتیں نسب سے حرام ہیں وہ رضاع سے بھی حرام، درمختار میں ہے، لا حل بین رضیعی امرأۃ لکونہما اخوین وان اختلف الزمن والاب. ردالمحتار میں ہے، کان ارضعت الولد الثانی بعد الاول بعشرین سنۃ مثلاً وکان کل منہما فی مدۃ الرضاع. واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ حاشیہ ص ۹۱ کا) القضاء لایکون حجۃ. ص ۳۳۱، ج ۳. کتاب المفقود. نعمانیہ. اس زمانے میں جب کہ یہاں حاکم اسلام نہیں علمائے بلد جو مرجع فتویٰ ہوں اس خصوص میں قاضی کے قائم مقام ہے. واللہ تعالیٰ اعلم. ۱؎ بخاری جلد ثانی، ص ۷۶۴، کتاب النکاح، مسلم باب الرضاع. ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی، کتاب النکاح، موطا باب الرضاع. ۲؎ ص ۴۰۸، ج ۲، باب الرضاع. ۳؎ ص ۴۰۸، ج ۲، ایضاً.

Marfat.com

**مسئلہ**: مسئولہ امیر اللہ محلہ نقش بند انی شہر بریلی ۷ رذی الحجہ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک لڑکی گیارہ سال کی ہے۔ زید کی ہمشیرہ کا لڑکا سولہ سال کا ہے زید اور زید کی ہمشیرہ ان دونوں کا آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں مگر زید کی ہمشیرہ کے اس لڑکے کے بعد دو لڑکی اور پیدا ہوئی جب کہ لڑکے کی عمر چار سال کی تھی، زید کی لڑکی کو زید کی ہمشیرہ نے پانچ منٹ دودھ پلایا تو اب زید کی لڑکی اور زید کی ہمشیرہ کا لڑکا، ان دونوں میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب**: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ جس وقت لڑکی کو دودھ پلایا تھا۔ اس وقت اس کی عمر چھ ماہ کی تھی، لہذا یہ دونوں آپس میں رضاعی بھائی بہن ہوئے، حدیث میں ہے، یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ ان دونوں کا باہم نکاح نہیں ہوسکتا۔ پانچ منٹ تو بہت ہوئے صرف ایک مرتبہ چوسنے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، ویثبت به وان قل کذا فی الدر المختار۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جس بچے کے پیدا ہونے کے بعد دودھ پیا، صرف اسی سے رضاعت ہو، بلکہ زید کے بہن کی تمام اگلی پچھلی اولادیں سب اس لڑکی کے بھائی بہن ہیں، درمختار میں ہے، ولا حل بین رضیعی امرأة لکونهما اخوین وان اختلف الزمن والاب، ردالمحتار میں ہے، کان ارضعت الولد الثانی بعد الاول بعشرین سنة مثلا و کان کل منهما فی مدة الرضاع، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ محمد الیاس نوادہ، ضلع گیا، ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رابعہ ہندہ کی حقیقی بہن ہے، رابعہ نے حولین کے اندر ہندہ کا دو تین مرتبہ دودھ پیا ہے، رابعہ کی ماں اپنی رویت بیان کرتی ہے، رابعہ کی ایک بہن نے اپنی ماں اور مرضعہ ہندہ سے رضاعت کا حال سنا ہے خود نہیں دیکھا ہے ہندہ کے مرنے کے بعد اس کے باپ نے رابعہ کی ماں اور بہن سے رضاعت کا حال سنا، خود مرضعہ کی زبانی سننا یا نہ سننا یاد نہیں لیکن ان سب کے کہنے پر یقین کرتا ہے کہ پلایا ہوگا۔ اب ہندہ کے شوہر سے رابعہ کا عقد جائز ہوسکتا ہے یا نہیں، ایسی صورت میں احتیاط واجب ہے یا اولیٰ ہے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: سائل نے یہ نہیں لکھا کہ شوہر ہندہ نے رضاعت کا اقرار کیا ہے یا نہیں اور اقرار کیا ہے تو اس پر ثابت رہا یا نہیں، اگر اقرار کیا اور ثابت رہا یعنی مثلاً یہ کہا کہ بلاشبہ یا بیشک رابعہ نے میری زوجہ کا دودھ پیا یا یہ کہا کہ یہ بات صحیح ہے یا درست ہے یا سچ ہے یا اسی قسم کے کچھ اور لفظ کہے ہوں تو اب اس اقرار سے پھر نہیں سکتا اور نکاح ناجائز ہوگا اور اگر اقرار نہ کیا ہو

یا اقرار کیا مگر ثابت نہ رہا یعنی اس قسم کے الفاظ سے مؤکد نہ کیا جو اس اقرار سے پھر گیا تو اس نکاح سے بچنا بہتر حدیث میں ارشاد ہوا[1] کیف وقد قیل. فتاوی عالمگیریہ میں ہے[2]، ولو اقر الزوج بهذا قبل النكاح فقال هذه اختى من الرضاع او امى من الرضاع ثم قال اوهمت او اخطأت جاز له ان يتزوجها ولو قال هو حق كما قلت لم يجز ان يتزوجها ولو تزوجها فرق بينهما ولو جحد الاقرار فشهد اثنان على الاقرار فرق بينهما كذا فى السراج الوهاج درمختار میں ہے، قال لزوجته هذه رضيعتى ثم رجع عن قوله صدق لان الرضاع مما يخفى فلا يمنع التناقض فيه ولو ثبت عليه بان قال بعضه هو حق كما قلت ونحوه هكذا فسر الثبات فى الهداية وغيرها فرق بينهما اى ولو جحد بعد ذلك[3] كذا فى رد المحتار، رد المحتار میں[4] فتاوی شیخ الاسلام زکریا سے ہے، الثبات عليه لا يحصل الا بالقول بان يشهد على نفسه بذالك او يقول هو حق او كما قلت او ما فى معناه كقوله هو صدق او صواب او صحيح او لا شك فيه عندى بالجملہ رضاع کا ثبوت اقرار سے ہوگا یا گواہان شرعیہ سے عالمگیری میں[5] ہے، الرضاع يظهر باحد امرين احدهما الاقرار والثانى البينة، كذا فى البدائع، لہذا اگر اقرار نہ ہو تو ثبوت کے لئے گواہان شرعیہ کی ضرورت ہوگی یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت درکار ہوگی (جو سب کے سب عادل ہوں) درمختار میں[6] ہے، والرضاع حجته حجة المال وهى شهادة عدلين او عدل وعدلتين، رد المحتار میں ہے، وهذا عند الانكار لانه يثبت بالاقرار مع الاصرار كما مر. لہذا اگر گواہان عدول سے ثابت نہ ہو نہ اقرار مع الثبات ہو بلکہ صرف والدہ ہندہ کی شہادت ہو تو نکاح سے احتراز اولی ہے. اگرچہ فتاوی خانیہ

---

[1] مشکوٰۃ ص ۲۷۴، پوری حدیث یہ ہے، عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ابو اہاب بن عزیز کی لڑکی سے شادی کی. ایک عورت آئی اور اس نے کہا، میں نے عقبہ اور اس کی بیوی کو دودھ پلایا ہے. اس پر عقبہ نے اس عورت سے کہا میں نہیں جانتا ہوں کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے، اور نہ تو نے (اس کے پہلے) بتایا، انھوں نے ابو اہاب کے گھر والوں کے پاس آدمی بھیجا. اس نے ان سے پوچھا. ان لوگوں نے یہ بتایا ہم نہیں جانتے ہیں کہ اس عورت نے اسے دودھ پلایا ہے جس سے عقبہ نے شادی کی ہے، تو وہ مدینہ طیبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور حضور سے پوچھا (میں کیا کروں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیسے حالانکہ کہا گیا (کیسے تم اس عورت کو بیوی بنائے رہو گے، حالانکہ یہ کہا گیا کہ وہ تمہاری رضاعی بہن ہے) اس پر عقبہ نے اس عورت سے جدائی اختیار کر لی اور کسی اور سے نکاح کیا. [2] ص ۳۴۰، ج ۲، مجیدی کتاب الرضاع. [3] یعنی اگر مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ اقرار کرے پھر بعد میں کہے میں نے غلط اقرار کیا تھا، تو معتبر نہ ہوگا، اور اگر اقرار ہی سے انکار کرے تو اس اقرار کے ثبوت کے لئے گواہ بقدر نصاب شرعی یعنی دو مرد عادل یا ایک مرد عادل اور دو عادل عورتیں اس بات کی گواہی دیں کہ اس نے ہمارے سامنے مذکورہ بالا اقرار کیا ہے

(بقیہ ص ۹۵ پر)

Marfat.com

میں ہے کہ قبل نکاح اگر ایک ثقہ عادل نے رضاعت کی خبر دی تو نکاح ناجائز ہے، مگر ترجیح روایت اولی کو ہے کہ متون سے وہی ظاہر لہٰذا وھی معتمد فی المذھب، رد المحتار میں ہے[۱] افاد انہ لایثبت بخبر الواحد امرأۃ کان او رجلا قبل العقد او بعدہ وبہ صرح فی الکافی والنھایۃ، عالمگیری میں ہے[۲] وان کان المخبر واحدا او وقع فی قلبہ انہ صادق فالاولی ان یتنزہ ویاخذ بالثقۃ وجد الاخبار قبل العقد او بعدہ ولا یجب علیہ ذالک کذا فی المحیط واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ :** مسئولہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی حقیقی بہن ہے اس زید کی بہن نے اپنے حقیقی بھائی زید کی سب سے بڑی لڑکی کو اپنے سنجھلے لڑکے کا دودھ بعد ختم ایام رضاعت پلایا، اب زید کی بہن اپنے سب سے بڑے لڑکے کی شادی زید کی اس لڑکی کے ساتھ کرنا چاہتی ہے، جس کو اس نے دودھ پلایا تھا۔

**الجواب :** بیان سائل سے معلوم ہوا کہ اس عورت نے جب زید کی لڑکی کو دودھ پلایا، اس وقت لڑکی پندرہ روز کی تھی، (سوال میں مذکور) اور ختم ایام رضاعت سے مراد اس کے لڑکے کی رضاعت پوری ہونی ہے، لہٰذا وہ لڑکی دودھ پلانیوالی کی رضاعی لڑکی ہوئی اور اس کے سب لڑکوں کی بہن اس عورت کے کسی لڑکے کا نکاح اس لڑکی سے نہیں ہو سکتا کہ رضاعی بہن ہونے کے لئے یہ شرط نہیں کہ اس کے ساتھ دودھ پیا ہو، بلکہ مختلف زمانہ میں ہو جب بھی رضاعت کا حکم ہے، درمختار میں ہے،

ولا حل بین رضیعی امرأۃ لکونھما اخوین وان اختلف الزمن والاب، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ :** مرسلہ ابرار احمد صاحب برتی چشتی از مونگیر محلہ توپ خانہ بازار بر مکان مولوی شرف الدین احمد وکیل۔ یکم ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شوہر کو بغیر کسی عذر کے اپنی بیوی کا دودھ پینا جائز ہے یا ناجائز، جواب اس کا صراحت کے ساتھ تحریر فرمائیں اور جو علما وہاں موجود ہوں مہربانی فرماکر ان کی مہریں بھی فتوی پر ثبت کروادیں گے، غایت لطف وکرم ہوگا، جواب سے جلد سرفراز فرمائیں، اشد ضرورت ہے، والسلام۔

(بقیہ ص ۹۴ کا) لیکن اگر مذکورہ بالا طور سے اقرار کرنے کے بعد اب کہتا ہے کہ میں نے اقرار ہی نہیں کیا ہے، اور گواہ قابل قبول نہیں، تو حکم یہی دیا جائے گا کہ رضاعت ثابت نہیں، [۱]ص ۴۱۲، ج ۲، باب الرضاع نعمانیہ [۲] یہ عبارت رد المحتار کی ہے، [۳] ص ۴۱۲، ج ۲، [۴] ص ۴۴، ج ۲، [۵] ص ۴۱۲، [۶] ایضاً، [۷] ص ۴۱۲، [۸] ص ۴۴-۴۵، ج ۲، کتاب الرضاع، مجیدی۔

**الجواب:** عورت کا دودھ پینے کے لئے صرف زمانۂ شیر خواری ہے، اس زمانہ کے بعد ناجائز و حرام ہے، اگرچہ ماں اپنے بچے کو دودھ پلائے لہٰذا اپنی عورت کا دودھ پینا بھی ناجائز ہے، اگرچہ جب شوہر کی عمر ڈھائی برس سے زیادہ کی ہو تو اس دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی، مگر گناہ و ناجائز ہوگا، درمختار میں ہے[1]، ولم یبح الارضاع بعد مدتہ لانہ جزء آدمی والانتفاع بہ بغیر ضرورۃ حرام علی الاصح شرح الوھبانیۃ، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** زید اور ہندہ دونوں دودھ کے شریک بھائی بہن ہیں، اب زید کا بھائی عمرو جو زید سے چھوٹا ہے وہ ہندہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے، آیا جائز ہے یا نہیں، یا زید کا بڑا بھائی بکر کی شادی ہندہ سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر ہندہ نے زید کی ماں کا دودھ پیا ہے تو اس کی ماں کی تمام اولادیں زید سے چھوٹی ہوں یا بڑی سب ہندہ کے بھائی بہن ہیں، جس طرح زید پر حرام ہے اس کے چھوٹے اور بڑے بھائی پر بھی حرام اور اگر زید نے ہندہ کی ماں کا یا دونوں نے کسی تیسری عورت کا دودھ پیا ہے تو زید پر حرام ہے، اس کے بھائیوں سے نکاح ہو سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ دو بہنیں ایک کا لڑکا اور ایک کی لڑکی تھی وہ دونوں بہنیں برابر برابر سو رہی تھیں اتفاق سے لڑکا لڑکی کی ماں کے پاس اور لڑکی لڑکے کی ماں کے پاس سو گئی، اس نے اپنا لڑکا سمجھ کر منہ میں دودھ دے دیا، اب نہ معلوم اس نے پیا یا نہیں یہ معاملہ کوئی دس منٹ رہا ہوگا، اس وقت لڑکی کی عمر دو سال اور لڑکے کی ایک سال تھی، مگر لڑکی کا دودھ اس معاملہ سے چار ماہ بیشتر چھوڑا دیا تھا اور اس لڑکے نے اپنی والدہ کی بیماری کے سبب لڑکی کی والدہ کا دودھ پیا تھا، اس میں کوئی شک نہیں، اب اس لڑکے کے بڑے بھائی کے ہمراہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** یہ معاملہ حلت و حرمت کا ہے اگر واقعہ کے خلاف ظاہر کیا جائے تو زندگی بھر حرام میں مبتلا ہوگا، اور اس کا وبال شدید ہے، مفتی کا کام صورت مستفسرہ کا جواب دینا ہے اگر سوال میں غلطی ہو تو مفتی کے حلال کہہ دینے سے حلال نہ ہوگا، اللہ عزوجل ظاہر و باطن سب کو جانتا ہے کوئی شے اس سے مخفی نہیں، صورت غلط بنا کر فتوی حاصل کرنے سے مواخذہ اخروی سے نجات نہیں مل سکتی، اگر یہ علم لڑکے کی ماں کو ہوا کہ لڑکی نے دودھ پی لیا تو یہ لڑکی اس عورت کے تمام لڑکوں پر حرام ہوگئی، کہ یہ ان سب کی رضاعی بہن ہوگئی اگرچہ لڑکی کو اس سے قبل دودھ چھڑا دیا گیا ہو بشرطیکہ اس کی عمر اس وقت ڈھائی سال کے اندر اندر ہو، درمختار[2] میں ہے، فی الجوھرۃ انہ فی الحولین والنصف ولو بعد الفطام محرم وعلیہ الفتوی، اور اگر پستان اس کے منہ میں

[1] ص ۴۰۴، ج ۲، باب الرضاع (ثانیہ)، [2] ص ۴۰۳، ج ۲، باب الرضاع، ثانیہ)۔

Marfat.com

دیا، مگر یہ علم نہ ہوا کہ پیا یا نہیں تو اس صورت میں رضاعت ثابت نہ ہوگی کہ رضاعت کے لئے صرف پستان منھ میں لینا کافی نہیں، بلکہ دودھ پینا ضرور ہے اور یہاں دودھ پینے میں شک ہے، اور شک سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، درمختار میں ہے[۱]، فلو التقم الحلمة ولم یدر أدخل اللبن فی حلقه ام لا لم یحرم لان فی المانع شکا ولوالجیة، ردالمحتار میں ہے[۲]، وفی القنیة امرأة کانت تعطی ثدیها صبیة واشتهر ذلک بینهم ثم تقول لم یکن فی ثدیی لبن حین القمتها ثدیی ولم یعلم ذلک الا من جهتها جاز لابنها ان یتزوج بهذه الصبیة الخ لو ادخلت الحلمة فی فی الصبی وشکت فی الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشک، ہاں اس صورت میں اگر کیف وقد قیل والی حدیث کے طور پر نکاح سے اجتناب کرتے تو بہتر ہے، اور احتیاط پر عمل نہ کیا اور نکاح کر لیا تو نکاح کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے[۳]، المرأة اذا جعلت ثدیها فی فم الصبی ولا تعرف امص اللبن ام لا ففی القضاء لا تثبت الحرمة بالشک وفی الاحتیاط تثبت، رہا یہ امر کہ لڑکے نے لڑکی کی ماں کا دودھ پیا ہے، اس سے یہ دونوں بھائی بہن ہو گئے اور ان میں نکاح حرام، مگر لڑکے کے بھائی پر لڑکی حرام نہ ہوگی، عالمگیری میں ہے[۴]، وتحل اخت اخیه رضاعا، واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** بچہ کسی عورت کا دودھ پی لیتا ہے تو اس عورت کی کسی اولاد سے اس بچہ کا عقد نہیں ہو سکتا، معلوم کرنے سے یہ نتیجہ ہوا کہ خون کا اثر ہوتا ہے، یہ وجہ ہے، احقر خیال کرتا ہے کہ خون اس میں بھی ہے کہ بہن کی ایک لڑکی اور بھائی کے ایک لڑکے کا عقد ہو جائے؟

**الجواب:** دودھ خون سے بنتا ہے لہٰذا دونوں میں شرکت ہو گئی اور بھائی کے بیٹے بہن کی بیٹی یا اس کے عکس میں خود ان لڑکوں لڑکیوں میں خون کی شرکت نہیں، بلکہ ان کے والد و والدہ میں ہے، واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از مرزاپور، ۸ ررجب المرجب ۱۳۴۶ھ،

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بچہ کو ایام شیرخوارگی میں دوا میں اس کی ممانی کا دودھ ملا کر پلایا گیا تو ممانی کی لڑکی سے اس لڑکے کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** دوا میں عورت کا دودھ ملا کر بچہ کو پلایا تو اس کی تین صورتیں ہیں، اگر دودھ غالب ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہے اور دوا غالب ہے تو رضاعت نہیں اور دونوں برابر ہیں جب بھی رضاعت ثابت ہے اور غلبہ کی شناخت یہ ہے کہ رنگ یا مزہ یا بو دودھ کا ہے تو دودھ کا غلبہ ہے اور رضاعت ثابت ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے[۵]، لو خلط لبن المرأة بالماء

[۱] ص ۲۰۵، ج ۲، باب الرضاع، [۲] ص ۴۲۳، ج ۲، مجیدی کتاب الرضاع [۳] ایضاً، [۴] ص ۳۴۲، ج ۲، کتاب الرضاع، [۵] ص ۳۴۳، ج ۲، کتاب الرضاع مجیدی

Marfat.com

او بالدواء او بلبن البهيمة فالعبرة للغالب كذا فى الظهيرية وتفسير الغلبة ان يرى منه طعمه ولونه وريحه او احد هذه الاشياء ولو استويا وجب ثبوت الحرمة لانه غير مغلوب كذا فى البحر الرائق، وهو تعالىٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از قصبہ فتح کھلڈا ضلع بلڈانہ ملک برار سی پی محمد اسلم خاں ولد محمد سرفراز خاں صاحب ۱۲ رجب ۱۳۴۶ھ

کھانا کھاتے وقت اپنی منکوحہ عورت کا دودھ یا دوسری غیر منکوحہ عورت کا کھانے میں گر پڑا تو وہ منکوحہ عورت کا نکاح ٹوٹا یا نہیں، اور وہ غیر منکوحہ مذکورہ عورت سے اس مرد کا نکاح درست ہے یا نہیں، یا کچھ کفارہ دینا ہوگا!۔

**الجواب**: رضاعت کی مدت ڈھائی سال ہے اس مدت کے بعد کسی عورت کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، اگرچہ دودھ پینا ناجائز ہے، مگر نکاح نہیں ٹوٹتا اور عورت اجنبیہ ہو تو اس سے نکاح کرسکتا ہے، حدیث میں ہے[۱] الرضاعة من المجاعة، والله تعالىٰ اعلم،

**مسئلہ**: از کھرودہ ضلع چوبیس پرگنہ ڈاکخانہ اینٹا گڈھ، مرسلہ جناب شاہ محمد صاحب امام مسجد، ۵ رجمادی الثانی ۱۳۴۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے ملت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ اس مسئلہ میں کہ زید کی حقیقی خالہ نے زید کی ماں کا دودھ پیا ہے تو کیا زید کے حقیقی بھائی کا نکاح زید کی اس خالہ کی لڑکی کے ساتھ ہوسکتا ہے، یا نہیں، بینوا توجروا،

**الجواب**: اگر وہ زید کا حقیقی بھائی ہے یعنی دونوں کے باپ ماں ایک ہیں تو زید کی خالہ اس کے بھائی کی رضاعی بہن ہوئی، اور جس طرح نسبی بہن کی لڑکی سے نکاح حرام ہے، قال الله تعالىٰ وبنات الاخت، اسی طرح رضاعی بہن کی لڑکی سے بھی نکاح حرام، حدیث میں ہے، یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، والله تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک آزاد منش آدمی ہے، نماز روزہ قطعی نہیں کرتا عقیدہ بھی درست نہیں زیادہ تر رافضیوں کے عقیدہ پر ہے اور بعض وقت تفضیلی خیالات معلوم ہوتے ہیں، بہرحال بدعقیدہ اور بدمذہب

---

[۱] بخاری شریف، کتاب النکاح، باب من قال لا رضاع بعد حولین، ص ۷۶۴، ج ۲، وایضاً کتاب الشہادات، مسلم، رضاع، نسائی نکاح، دارمی نکاح،، امام ترمذی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، قالت، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحرم من الرضاع الا ما فتق الامعاء فی الثدی وکان قبل الفطام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہی دودھ پلانا نکاح حرام کرتا ہے جو آنتوں کو پھاڑے، اور عورت کے پستان سے آیا ہو، اور دودھ چڑھانے کی مدت کے پہلے پہلے کا ہو، مشکوٰۃ، ص ۲۷۴، درمختار میں ہے، مص رجل ثدی زوجته لم تحرم، ص ۴۱۲، ج ۲، باب الرضاع نعمانیہ، ۔

Marfat.com

آدمی ہے، اس کی عورت بھی قریب قریب اپنے خاوند کے خیالات کی پابند ہے، نماز روزہ وہ بھی نہیں کرتی، اس نے ایک سنی صحیح العقیدہ عورت کے بچے کو دودھ پلایا، آیا اس عورت کو بچہ کے دودھ پلانے کا احسان ماننا چاہئے، شرع شریف کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

**الجواب:** دودھ پلانے کا احسان مانے، جس طرح والدین اگرچہ معاذ اللہ کافر ہیں، مگر ان کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے، یہ بھی رضاعی ماں ہے، اس کے ساتھ احسان کرے[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از موضع مدارپور، ڈاکخانہ کیشن پور، ضلع سارن، مرسلہ جناب اختر حسین صاحب، ۱۱ر صفر المظفر ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی تقدیرن نے مسماۃ جگیرن کا دودھ پیا، اب لوگ تقدیرن کا نکاح جگیرن کے دوسرے لڑکے سے کرنا چاہتے ہیں، نکاح درست ہے یا نہیں، اور یہ عذر کرتے ہیں کہ یہ لڑکا جگیرن کا دودھ پینے سے پہلے پیدا ہوا تھا؟

**الجواب:** تقدیرن اس لڑکی کی رضاعی بہن ہے اور رضاعی بہن سے نکاح حرام، قال اللہ تعالیٰ: واخواتکم من الرضاعۃ، یعنی رضاعی بہن سے نکاح حرام ہے، حدیث میں ہے، یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، رضاعی بہن یا بھائی صرف وہی نہیں جس کے ساتھ دودھ پیا، بلکہ مرضعہ کی تمام اولادیں سب اس کے بھائی بہن ہیں، بلکہ مرضعہ کے شوہر جس کا یہ دودھ ہے اس کی تمام اولادیں اگرچہ دوسری عورت سے ہوں وہ بھی اس کے بھائی بہن ہیں، تنویر الابصار میں ہے[2]،

ویثبت بہ وان قل امومیۃ المرضعۃ للرضیع وابوۃ زوج مرضعۃ لبنہا منہ لہ، درمختار میں ہے[3]، ولا حل بین رضیعی امرأۃ لکونہما اخوین وان اختلف الزمن والاب ولا حل بین الرضیعۃ وولد مرضعتہا، رد المحتار میں ہے[4]،

وشمل ایضا ما لو ولدتہ قبل ارضاعہا الرضیعۃ اربعین ولو بسنین، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از موضع مدارپور، ڈاکخانہ کشن پور، ضلع سارن، مرسلہ جناب شیخ اختر حسین صاحب،

---

[1] یہ جواب علی سبیل الترقی ہے، تفضیلیوں پر حکم کفر نہیں، وہ گمراہ اہل سنت سے خارج ہیں، مطلب یہ ہوا، جب کافر ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے، تو تفضیلیہ ماں جو کافرہ نہیں گمراہ ہے، اس کے ساتھ احسان کرنا، بدرجہ اولیٰ روا ہے، تفضیلی ان رافضیوں کو کہتے ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ حتی کہ حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی افضل ہیں، یہ عقیدہ گمراہی ہے کفر نہیں۔ تفضیلی روافض کے کفری عقائد کے معتقد کو نہیں کہتے، واللہ تعالیٰ اعلم، [2] ص ۴۰۵، [3] ۴۰۴، [4] ص ۴۰۸، ج ۲، باب الرضاع، نعمانیہ۔

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ہندہ کے مابین رضاعت ثابت ہو چکی تھی تاہم جاہلوں نے زور دیا کہ ایسا نکاح کیسے ناجائز ہے، بلکہ درست ہے تو مولانا محمد احمد صاحب امین سکندر پوری دام ظلہ نے فتویٰ دیا کہ یہ نکاح بالکل ناجائز و حرام ہوگا، مابین کے والدین نے انکار کیا اور سرکشی کی کہ ایسا فتویٰ میں نہیں مانتا، بعدہ پھر علماء دین سے فوراً گذشتہ سال استفتی کیا گیا تو چاروں جگہوں سے نکاح کے حرام ہونے کا فتویٰ آیا، اب زید کی والدہ ہندہ کو دودھ پلانے کی قسم کھاتی ہے کہ میں نے ہرگز ہندہ کو دودھ نہیں پلائی ہے، طرہ یہ ہے کہ پہلے اڑی رہی کہ ایسا نکاح تو جائز ہے، اس سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے تو قسم کا کیا اعتبار ہے، استفتی لکھنے تک بھی دونوں کے والدین نے دودھ پلانے کی قسم نہ کھائی بلکہ ذکر تک نہ کیا، اب خدا اور رسول کے ساتھ فریب کر کے قسم کھاتی ہے اور راضی ہو کر زید کو ہندہ کے ساتھ نکاح کر دیا تو اس قسم کا نکاح درست و جائز ہوا یا نہیں، سر دست برادری سے برخواست کر دیا گیا ہے، وکیل مابین کی حالت سے واقف تھا مگر ان سے نکاح پڑھوانے سے پرہیز نہ کیا، مفصل مطلع کریں؟

**الجواب:** اگر گواہوں سے رضاعت ثابت ہے تو والدہ زید کا انکار کرنا یا قسم کھانا کوئی چیز نہیں ہے، نکاح ناجائز و حرام ہے، ان کو برادری سے علٰحدہ کر دیا بہت اچھا کیا اور جب تک زید و ہندہ میں جدائی نہ ہو جائے اور یہ سب لوگ توبہ نہ کریں، تو انھیں برادری میں شامل نہ کیا جائے، وکیل جب کہ واقف تھا تو اسے بھی علٰحدہ کیا جائے اور جب تک توبہ نہ کریں اس کا بھی وہی حکم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، زید چھ ماہ کا تھا کہ اس کی والدہ فوت ہو گئی، اس کے بعد وہ اپنی ایک چچی کے دودھ سے پرورش پانے لگا، لیکن چونکہ چچی کو دو بچوں کا سنبھالنا دشوار تھا، مجبوراً زید کی دادی زید کو کبھی کبھی اپنے پاس رکھتی اور کسی وقت تسلی کے لئے اپنا پستان بھی اس کے منہ میں دے دیا کرتی زید کی دادی کی عمر اس وقت تقریباً پچاس ساٹھ سال کی تھی اگرچہ اس کا خاوند زندہ تھا، مگر اس کو دودھ بالکل نہیں آتا تھا، بچہ خالی پستان چوسا کرتا تھا، اب زید کی عمر سولہ سال کی ہو گئی ہے اور ارادہ ہے کہ اس کی شادی اس کی دوسری چچی[1] کی لڑکی سے کر دیا جائے (جس کو رضاعت سے کوئی تعلق نہیں) صرف یہ شبہ حائل ہے کہ کہیں دادی کا

[1] یہاں دو احتمال ہے زید کی دوسری چچی کی لڑکی زید کے چچا سے ہو، زید کی دوسری چچی کی لڑکی زید کے چچا کے علاوہ کسی اور سے ہو، اس دوسری شق پر مطلقاً نکاح جائز ہے، جس میں کوئی خدشہ نہیں، خواہ اس کی دادی سے رضاعت ثابت ہو یا نہ، خدشہ شق اول پر ہے کہ اگر زید کی دادی سے یہ رضاعت ثابت ہو جائے، تو زید اپنی دادی کا رضاعی بیٹا ہوگا، اور اس کا چچا اس دادی کے بطن سے ہے، اس کا رضاعی بھائی (بقیہ ص پر)

Marfat.com

خالی پستان منہ میں لینے اور چوسنے سے رضاعت نہ ثابت ہو گئی ہو، امید ہے کہ اس مسئلہ کو صاف طور پر بحوالہ کتب فقہ جلد تر حل فرما کر روانہ کریں گے؟

**الجواب**:۔ جب کہ معلوم ہے کہ زید کی دادی کو دودھ نہ تھا، خالی پستان منہ میں لیتا اور چوستا تھا اور دودھ نہیں نکلتا تھا تو رضاعت ثابت نہ ہوگی، کہ خالی پستان بغیر دودھ کے چوسنے سے رضاعت نہیں ہوتی، بلکہ دودھ پینے سے ہوتی ہے، درمختار میں ہے، ھو مص من ثدی آدمیۃ ولو بکرا او میتۃ او آئسۃ، ردالمحتار میں بحر سے ہے المراد بالمص الوصول الی الجوف من المنفذین وخصہ لانہ سبب للوصول فاطلق السبب واراد المسبب، نیز اسی میں نہر سے ہے، المص یستلزم الوصول الی الجوف لما فی القاموس مصصتہ شربتہ شربا رقیقا، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ دودھ پلانے والی کو بغیر اپنے شوہر کی اجازت سے دوسرے کے بچے کو دودھ پلانا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

**الجواب**:۔ شوہر سے اجازت لے کر پلائے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ از کلکتہ سیالدہ اپر سرکولر روڈ نمبر ۱۰، مرسلہ نور محمد باصر علی فروٹ مرچنٹس، اینڈ جنرل آرڈر سپلائرس،

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کی سگی ہمشیرہ ہندہ نے زید کی لڑکی کو بوجہ بیمار ہونے ماں کے اس کی لڑکی کو دودھ پلانا چاہا اور اس ارادہ سے لڑکی کو اپنے سینے سے لگایا جیسے ہی کہ اس نے سینے سے لگایا تھا کہ دوسرے لوگوں نے منع کیا فوراً سینہ سے جدا کر دیا، اور دودھ نہ پلایا، مگر یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ لڑکی نے دودھ پیا یا نہیں پیا اور اس لڑکی کی نسبت ہندہ کے لڑکے سے ہوتی ہے۔ لہٰذا از روئے شرع شریف ان دونوں کی شادی آپس میں ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ کو ہم نے کئی عالموں سے دریافت کیا تھا۔ بعض نے کہا ہو سکتا ہے اور بعض نے کہا نہیں ہو سکتا ہے، خلاصہ جواب سے مطلع کیا جائے؟ بینوا توجروا،

**الجواب**:۔ اگر عورت نے لڑکی کے منہ میں پستان دیا اور اس کو یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ لڑکی نے دودھ پیا یا نہیں یعنی اس میں شک ہے، تو رضاعت وحرمت کا حکم نہیں دیا جاسکتا، درمختار میں ہے، فلو التقم الحلمۃ ولم یدر اداخل اللبن فی حلقہ ام لم یحرم لان فی المانع شکا، ہاں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اجتناب کیا جائے، کما فی عالمگیریہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ حاشیہ ص گذشتہ) اس صورت میں نکاح صحیح نہ ہوگا، کہ اس صورت میں اس چچا کی لڑکی اس کی بھتیجی ہوئی، اور بھتیجی سے نکاح حرام، مگر چونکہ رضاعت ثابت نہیں اس لئے ان دونوں میں نکاح بلاشبہ جائز، جیسا کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے تحریر فرمایا، واللہ تعالیٰ اعلم، سلہ ص ۴۰۳، ج ۲، باب الرضاع، نعمانیہ، سلہ ایضاً، ـ

Marfat.com

# باب الولی

## ولی کا بیان

**مسئلہ ۱:** از شہر کہنہ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ

اس مسئلہ میں علماء دین کیا فرماتے ہیں کہ ایک عورت جو نابالغہ ہو اور اس کا نکاح صرف ماں اپنی خوشی سے کر دے اور وہ عورت اب بالغ ہو گئی ہے اور وہ اس نکاح کو منظور نہیں کرتی ہے، اب وہ عورت نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں، اور عورت کا شوہر ایک سال یا ڈیڑھ سال سے باہر ہے نہ خرچ دیتا ہے نہ گھر آتا ہے؟

**الجواب:** بیان سائل سے معلوم ہوا کہ عورت نابالغہ کے دو بھائی جوان بھی تھے، مگر وہ دونوں بوقت نکاح یہاں موجود نہ تھے۔ ایک مراد آباد گیا تھا اور ایک کہیں اور تھا، مراد آباد کچھ اتنی دور نہیں کہ وہاں سے نہ آسکتا ہو یا اس کی اجازت و رائے نہ لی جا سکے اور کفو خاطب انتظار نہ کر سکے۔ لہذا اس صورت میں ماں کو لڑکی کے نکاح کرنے کی ولایت نہ تھی، یہ نکاح فضولی ہوا، بھائی کی اجازت پر موقوف تھا، اگر بھائی نے اجازت دی ہو تو جائز ہو گیا، اور رد کر دیا ہو تو رد ہو گیا، اور اگر کچھ نہ کیا یہاں تک کہ لڑکی جوان ہو گئی تو اب اس لڑکی کی اجازت پر موقوف ہے، اگر واقع میں بھائی نے اجازت نہ دی ہو اور بلوغ کے بعد لڑکی نے جائز کیا ہو تو اب رد کر سکتی ہے، تنویر الابصار میں ہے، وللولی الابعد التزویج اذا کان الاقرب غائبا بحیث لا ینتظر الکفوء الخاطب جوابه ای جواب الاقرب فلو انتظره الخاطب لم ینکح الابعد وهذا اختیار اکثر المشائخ کما فی النهایة وفی الهدایة هو اقرب الی الفقه وفی المجتبی والمبسوط والذخیرة هو الاصح وعلیه الفتوی کما فی الحقائق لان الکفوء لا یتفق کل الوقت، رد المحتار میں ہے[1]، وقال فی الذخیرة الاصح انه اذا کان فی موضع لو انتظر حضوره او استطلاع رایه فات الکفوء الذی حضر فالغیبة منقطعة والیه اشار فی الکتاب اھ، وفی البحر عن المجتبی والمبسوط انه الاصح وفی النهایة واختاره اکثر المشائخ وصححه ابن الفضل وفی الهدایة انه اقرب الی الفقه وفی الفتح انه الاشبه بالفقه وانه لا تعارض بین اکثر المتاخرین واکثر المشائخ ای لان المراد من المشائخ المتقدمون وفی شرح الملتقی عن الحقائق انه اصح الاقاویل وعلیه الفتوی اھ وعلیه مشی فی الاختیار والنقایة ویشیر کلام النهر الی اختیاره وفی البحر والاحسن الافتاء بما علیه اکثر المشائخ

[1] ص ۳۱۵، ج ۲، نعمانیہ، باب الولی۔

Marfat.com

خیار بلوغ اس کی نسبت سائل سے معلوم ہوا کہ لڑکی کو بالغ ہوئے چار ماہ ہوئے اور ناراضی آج ظاہر کرتی ہے، لہٰذا خیار بلوغ باطل ہوگیا۔ درمختار میں ہے[1]۔ ویبطل خیار البکر بالسکوت لو مختارۃ عالمۃ باصل النکاح ولا یمتد الی آخر المجلس

واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ انوار صاحب جنت فروش عقب کوتوالی ۴ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ۔

ایک لڑکی کی عمر نو سال ہے۔ اس کی والدہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس کی ایک نانی ہے اور ایک باپ ان دونوں میں شرعاً کون ولی ہوسکتا ہے؟

**الجواب:** لڑکی کی پرورش کا حق اب باپ کو ہے نانی کو نہیں۔ البحر الرائق میں ہے[2]، وعن محمد انہا تدفع الی الاب اذا بلغت حد الشہوۃ لتحقق الحاجۃ الی الصیانۃ۔ قال فی النقایۃ وھو المعتبر لفساد الزمان وفی نفقات الخصاف وعن ابی یوسف مثلہ وفی التبیین وبہ یفتی فی زماننا لکثرۃ الفساد وفی الخلاصۃ وغیاث المفتی والاعتماد علی ھذہ الروایات لفساد الزمان فالحاصل ان الفتوی علی خلاف ظاہر الروایات وقد ذکرہ ابو اللیث بتسع سنین وعلیہ الفتوی۔ ماں اور دادی نانی کو لڑکی کا حق پرورش اس وقت تک حاصل ہے کہ جب تک مشتہاۃ نہ ہو اور جب مشتہاۃ ہوگئی تو حق پرورش جاتا رہا جس کی مقدار نو سال کی عمر ہے۔ درر میں ہے، یعنی انہا تدفع الی الاب اذا بلغت حد الشہوۃ لتحقق الحاجت الی الصیانۃ وھو الاحوط، جب لڑکی حد شہوت کو پہنچ جائے تو باپ کو دے دی جائے کہ اب اس کی حفاظت کی حاجت ہے اور یہی زیادہ احتیاط ہے۔ شرنبلالیہ میں ہے، قال فی المواہب وبہ یفتی وقال الکمال وفی غیاث المفتی الاعتماد علی روایۃ ھشام عن محمد لفساد الزمان وعن ابی یوسف مثلہ۔ رہی ولایت وہ تو باپ کے ہوتے ہوئے دادا کو بھی نہیں، بھلا نانی کو کب ہوتی۔ تنویر الابصار میں ہے[3]، الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ علی ترتیب الارث۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ انوار صاحب جنت فروش عقب کوتوالی ۴ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ۔

نابالغہ کے مال کا ولی کون ہوسکتا ہے۔

**الجواب:** مال کا ولی بھی باپ ہی ہے۔ ردالمحتار میں ہے[4]، قولہ لا المال فان الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ۔ فقط۔ یعنی نابالغ کے مال کا ولی باپ ہے۔ وہ نہ ہو تو اس کا وصی وہ بھی نہ ہو تو دادا۔ اس کے بعد دادا کا وصی اس کے

---

[1] ص ۳۱۰ - ۳۰۹، ج ۲، باب الولی، نعمانیہ۔ [2] ص ۱۸۳، ج ۲، باب الحضانۃ۔ [3] ص ۳۱۱، ج ۲، باب الولی۔ [4] ایضاً ---

بعد قاضی اور اس کا نائب۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مرسلہ نور محمد وعبد الرحمن صاحبان، از چتوڑ گڈھ، ۱۲ر جمادی الآخرہ ۴۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمیٰ چاند محمد نے اولاد نہ ہونے سے ایک لڑکے (الٰہ بخش) کو متبنیٰ رکھا جب الٰہ بخش جوان ہوا تو چاند محمد سے علٰحدہ ہو کر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوسرے قصبہ میں جاکر آباد ہوا اور وہاں شادی بھی کرلی اس الٰہ بخش کی اولاد نہ ہوئی تو اس نے بھی اپنی ہی قوم سے ایک لڑکے کو جس کا نام رحیم بخش ہے، متبنیٰ رکھ لیا، عرصہ کے بعد چاند محمد سے اولاد ہوگئی، (نور محمد وعبد الرحمن) اور الٰہ بخش سے بھی اولاد ہوگئی، (عبد اللہ وقادر بخش اور ایک لڑکی فاطمہ) اس کے بعد الٰہ بخش فوت ہوگیا اس کی بیوی نے دوسرے گاؤں جاکر نکاح ثانی کرلی، یہ خبر سنتے ہی نور محمد وعبد الرحمن باپ کے متبنیٰ الٰہ بخش کے نابالغ اولاد کو اپنا بھتیجا سمجھ کر اور رحیم بخش نے ان کو اپنا بھائی بہن سمجھ کر اس عورت کے پاس جاکر ان لڑکوں اور لڑکیوں کو طلب کیا، عورت نے ان کو سپرد کرنے سے انکار کیا تب انھوں نے کچہری میں دعویٰ کیا کہ وارث ہم ہیں پرورش کا حق ہم کو ہے، حاکم نے ان نابالغوں کو زیر حوالات کیا، اس عورت نے ایک دوسری عورت سے کہ جس کے پاس اسی عمر کا ایک لڑکا تھا، اس نابالغہ لڑکی فاطمہ سے نکاح پڑھا دینے کی رغبت دلا کر اس کا فر حاکم کو کچھ روپیہ رشوت دلا کر یہ عرضی بھی دلا دی کہ اس لڑکی کی منگنی میرے لڑکے سے ہورہی ہے، لہٰذا لڑکی مجھے سپرد کیا جائے حاکم نے لڑکی کو تو منگنی والی عورت کے سپرد کیا اور لڑکوں کو ان کی ماں کے سپرد کیا، اس عورت نے کسی جاہل فقیر بددین کو جو کلمۂ طیبہ تک نہیں جانتا تھا نابالغین کا نکاح پڑھانا کیا سمجھا، اپنے لڑکے نابالغ کے ساتھ نکاح پڑھوا لینا ظاہر کردیا، نور محمد وعبد الرحمن اور رحیم بخش کی کچھ نہ چلی لڑکی آٹھ سال اس کے یہاں رہی، اب جب سمجھنے لگی اور قریب بلوغ ہوئی ساس کی تکلیفوں سے پریشان ہو کر اپنے متبنیٰ بھائی رحیم بخش کے یہاں چلی آئی، شوہر کے یہاں جانے اور نکاح ثابت رکھنے سے انکار ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نکاح نہ تو ماں نے پڑھائی اور نہ ان متبنیٰ چچا اور بھائی کی اجازت سے ہوا اور دونوں حقیقی بھائی اور لڑکی تاہنوز نابالغ یا قریب البلوغ ہیں، آیا یہ نکاح جائز سمجھا جائے یا لڑکی کی مرضی کے مطابق دیگر آدمی سے نکاح پڑھا دیا جائے اور نکاح سابق کو فسخ سمجھا جائے شرع شریف کا جو حکم ہو، بحوالہ کتب تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

**الجواب**: سائل نے یہ نہیں بیان کیا کہ الٰہی بخش کے باپ دادا پر دادا کی اولاد میں کوئی مرد ہے یا نہیں، اگر ہو تو وہ لڑکی کا ولی ہوگا، اور ماں کو نکاح کر دینے کا حق نہ ہوگا اور اس صورت میں یہ نکاح فضولی ہوگا کہ اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور اگر اس کے خاندان میں کوئی مرد نہ ہو تو ماں کو ولایت نکاح حاصل ہے، اگر ماں کی اجازت سے نکاح ہوا یا بعد نکاح اس نے

Marfat.com

جائز کیا تو صحیح ہے۔ درمختار میں ہے۔ الولی فی النکاح العصبة بنفسه فان لم یکن عصبة فالولایة للام۔ اور ان صورتوں میں کہ نکاح صحیح ہوگیا، ہر لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہے کہ بالغ ہوتے ہی فوراً بلا توقف اپنا نکاح فسخ کرسکتی ہے، تنویرالابصار میں ہے۔ ولهما خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعده بشرط القضاء۔ اور نور محمد و عبدالرحمٰن و رحیم بخش کو لڑکی پر ولایت نہیں کہ یہ اس کے عصبہ نہیں کہ ان سے لڑکی کی کوئی قرابت سوال میں ظاہر نہیں کی گئی، اور ان کے باپ کے متبنیٰ کی لڑکی ہونا یا رحیم بخش کا لڑکی کے باپ کا متبنیٰ ہونا یہ کوئی رشتہ شرعاً نہیں، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے، وما جعل ادعیاءکم ابناءکم ذلکم قولکم بافواهکم والله یقول الحق وهو یهدی السبیل ادعوهم لاٰباءهم هو اقسط عند الله فان لم تعلموا اٰباءهم فاخوانکم فی الدین ومو الیکم ولیس علیکم جناح فیما اخطأتم به ولکن ما تعمدت قلوبکم وکان الله غفورا رحیما۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میری ہمشیرہ شروع جون ۱۹۱۲ء میں بیوہ ہوگئی اور اس کے ساتھ ایک لڑکی ہے، جس کی عمر اس وقت دو یا تین سال کی تھی، اس کے بیوہ ہو جانے پر اس کے شوہر کے بھائی، باپ نے جملہ سامان خانگی لے کر مکان سے نکال دیا چنانچہ وہ بیوہ اس دختر نابالغہ کو لے کر میرے مکان چلی آئی تو میں نے اور میرے والدین نے اس کو اور اس کی لڑکی کو اپنی پرورش میں رکھ لیا، اور اپنی برادری کے چند اشخاص کو اس کی اطلاع کر دی، ایک سال کے بعد میرے والدین نے اس اپنی بیوہ لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دیا اور اس نابالغہ نواسی کو اپنے زیر پرورش رکھا کچھ عرصہ کے بعد اس لڑکی کے چچا سے کہا گیا کہ تم اس لڑکی کو لے لو، اور پرورش کرو وہ لینے سے انکار کرتے رہے اب سال گذشتہ اس لڑکی کے چچا نے ولی بنائے جانے کا دعویٰ و ولایت نکاح عدالت دیوانی میں مجھ پر اور لڑکی پر کیا، عدالت مذکور نے بتاریخ ۱۷ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو ڈسمس کر دیا، بعد کو مجبور ہو کر اپنے حقیقی بھانجے سے یہ دعویٰ کرایا، کہ اس کی لڑکی سے میرا نکاح ہوگیا ہے، یہ میری زوجہ ہے مجھے دلائی جائے، مگر کوئی ثبوت کافی نہ ہونے کی وجہ سے عدالت میں یہ دعویٰ بھی خارج کر دیا، اب وہ لڑکی بالغہ ہے، اس صورت میں لڑکی کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر واقعی لڑکی کا نکاح نہیں ہوا ہے اور صورت واقعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح نہیں ہوا کیونکہ لڑکی کے چچا اس لڑکی کو نکاح کے لئے لینا چاہتے ہیں اور بعد خارج ہونے دعویٰ کے ان کا بھانجہ دعویٰ کرتا ہے کہ دس سال ہوئے

---

۱؎ ص ۳۱۱-۳۱۲، ج ۲، باب الولی علی هامش الشامیه نعمانیه۔ ۲؎ ص ۲۰۶، ج ۲، ایضاً۔

Marfat.com

میرا نکاح اس لڑکی سے ہو چکا ہے، پھر ثبوت کی کافی شہادتیں نہ پیش کر سکا، اگر نکاح ہوا ہوتا تو بظاہر دس سال تک اس کے چچاؤں پر مخفی نہ رہتا کہ وہ ولایت نکاح کا دعویٰ کرتے، لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر واقعی نکاح نہیں ہوا ہے تو اب نکاح کر سکتے ہیں، کوئی ممانعت شرعی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:۔ مرسلہ محمد خورشید علی صاحب از ضلع حصار صدر دروازہ۔ ۵/ جمادی الاولی ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عاقلہ بالغہ لڑکی باختیار خود اپنا نکاح بلا اجازت والد پڑھوانی ہے، مع مہر وگواہان کیا، یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز، اگر کفو میں کرے تو کیا حکم ہے اور غیر کفو میں کرے تو کیا حکم ہے، کفو سے مراد یہ ہے کہ جہاں اور جس قوم میں اس کی قوم کی لڑکیوں کا نکاح معیوب نہیں سمجھا جاتا اور غیر کفو سے مراد وہ نکاح ہے جو اس کی قوم معیوب سمجھے دو گواہ جواز نکاح کے لئے کافی ہونگے یا عام تشہیر لڑکی کی حد بلوغت کیا ہے؟ بینوا توجروا،

**الجواب**:۔ عاقلہ بالغہ اپنا نکاح بغیر اجازت ولی کفو سے کر سکتی ہے یہ نکاح صحیح ونافذ ہے، اولیاء کو نہ حق منع ہے نہ حق فسخ واعتراض، قال اللّٰہ تعالیٰ فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف، درمختار میں ہے[۱] ولا تجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ، نیز اسی میں ہے[۲]، ھو ای الولی شرط صحۃ نکاح صغیر ومجنون ورقیق لا مکلفۃ فنفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی، اور اگر غیر کفو سے عورت نے نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح نہیں، درمختار میں ہے[۳]، ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان، کفو سے مراد وہ مرد ہے کہ مذہب ونسب وپیشہ وچال چلن میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اولیاء زن کے لئے باعث ننگ وعار ہو، جواز نکاح کے لئے دو گواہ کافی ہیں، لڑکی کم سے کم نو برس کی عمر میں بالغ ہو سکتی ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ برس میں، مجمع الانہر میں ہے، وعندھما اذا تم خمس عشرۃ سنۃ فیھما وھو روایۃ عن الامام وبہ یفتی وادنی مدتہ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ولھا تسع سنین، واللہ تعالیٰ اعلم،۔

**مسئلہ**:۔ مسئولہ مسمات از بریلی از محلہ ذخیرہ، ۲۰/ جمادی الاولی ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا پدر مرگیا، ماں موجود ہے اور ہندہ نابالغہ تھی، جس کی عمر پونے چھ برس کی تھی، اس وقت ہندہ کا بہنوئی آیا اور ہندہ کو لیوا کر اپنے مکان گیا اور خود ولی بن کر ہندہ کا نکاح

[۱] ص ۲۹۸ و ۲۹۹ باب الولی علی ھامش الشامیۃ نعمانیہ [۲] ص ۲۹۶، ایضاً، [۳] ص ۲۹۷، ایضاً۔

Marfat.com

منشیا کے ساتھ کر دیا ماں اور بھائی کی اجازت کے بغیر جبریہ کر دیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ ہندہ کا ایک بالغ بھائی تھا جو اس وقت پردیس میں تھا، اسے جب اس نکاح کی خبر ہوئی تو اپنی ناراضی ظاہر کی، لہذا یہ نکاح رد ہو گیا، کہ نکاح فضولی اجازت پر موقوف رہتا ہے۔ اب اس کے بھائی کو دوسری جگہ نکاح کر دینے کا اختیار ہے یا ہندہ بالغ ہو کر اپنے کفو میں نکاح کر لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ محمد نظیر احمد صاحب تاجر عطر بازار چوک مراد آباد، یوپی، ۱۵ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی محمد نیاز اللہ خاں نے انتقال کیا اور دو لڑکے ایک زوجہ سے اور چھ لڑکے اور ایک لڑکی دوسری زوجہ سے اور ایک زوجہ لاولد وارث چھوڑے جن میں سے ایک لڑکا بعد چھ ماہ کے انتقال کر گیا، اس مرحوم نے اپنی پہلی زوجہ کے مہر اور ایک لڑکی چھوڑی اور دوسری بیوی بیوہ چھوڑی۔ اب محمد نیاز اللہ خاں مرحوم کے تین لڑکے اور پانچ بچے نابالغ ہیں، ان تینوں بالغ لڑکوں نے سب سے پہلے حصہ مارنے کی نیت سے ۲۳ دن بعد عدت کے گھر سے نکال دیا اور عدالت سے مطلقہ ثابت کرنے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے اور پانچ نابالغان کی آمدنی زر کرایہ و منافع جائداد برباد کر دیا، جو روپیہ مرحوم نے بوقت وفات لوگوں پر اپنا قرضہ چھوڑا تھا، وصول کر کے خراب کر دیا، فضول خرچی اس حد تک ہے کہ ہر ایک مقروض ہو گیا، حتیٰ کہ دو دو کانیں بابت ڈگری منافع نیاز اللہ خاں تھی، نیلام کرا دیں، اور خود اپنے نام خرید لیں، حالانکہ روپیہ مجتمع یا نقتی موجوم موجود تھا، بعد کو روپیہ وصول کر کے خورد برد کر دیا۔ اس طرح ان دکانوں سے ان نابالغان کا حق ساقط کرا دیا، ایک باغ کی مٹی فروخت کر کے باغ کو بے حیثیت کر دیا، اور چند درخت خشک بھی ہو گئے، ایک مکان توڑ پھوڑ کر اپنی دو دکانوں میں اس کا کچھ عملہ لگا لیا، باقی فروخت کر دیا، نابالغوں کی نہ تعلیم کی طرف توجہ ہے نہ ان کی پرورش عمدہ طور پر ہے، کیا ایسی حالت میں ان نابالغوں کی ولایت کے قابل رہے یا اس کی ولایت ناجائز ہے، خدائے تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

**الجواب**: اولاً تو یہ لوگ اپنے نابالغ بھائیوں کے اموال کے ولی نہیں کہ ولایت مال، باپ یا دادا یا ان کے وصی یا قاضی یا نائب قاضی کے لئے ہے بھائی اگرچہ خورد بردنہ کرے ولی نہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ فقط اھ۔ ثانیاً اگر یہ لوگ ولی ہوتے بھی تو اب کہ ان یتیموں کے اموال یہ برباد کر رہے ہیں، اور حرام طور پر اپنے تصرف میں لا رہے ہیں، ہرگز اس قابل نہیں کہ ولی ہو سکیں، اور جو کچھ ان کے اموال تلف کئے ہیں سب کا تاوان ان کے

Marfat.com

ذمہ لازم۔ قال اللہ تعالیٰ، ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ محمد کفایت اللہ صاحب، محلہ شاہ آباد، بریلی ۲۴ رجب ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اور تین نابالغ لڑکے اور ایک بالغ لڑکی اور چند بھائی چھوڑے، مرض موت میں نابالغ بچوں کا ولی اپنی عورت کو کیا، ایا ولایت بمقابلہ حقیقی چچا کے جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب:** ولایت نکاح ان نابالغوں کی چچا کو ہے۔ اس وقت تک کہ سب نابالغ رہیں اور جب ان لڑکوں میں کوئی بالغ ہوجائے تو یہی بالغ لڑکا اپنے نابالغ بھائیوں کا ولی ہوگا، تنویر الابصار میں ہے، الولی فی النکاح العصبة بنفسه بلا توسطة انثیٰ علی ترتیب الارث والحجب بشرط حریة وتکلیف[1]، اور مال کی ولایت اس صورت میں ماں کو ہے، جب کہ باپ نے اسے اس کی وصیت کی کہ ولایت مال باپ کے بعد اس کے وصی کے لئے ہے، یہاں تک کہ باپ کا وصی دادا پر بھی مقدم ہے، نہ کہ چچا، رد المحتار میں ہے، الولی فیه (ای المال) الاب ووصیه والجد ووصیه والقاضی ونائبه[2]، تنویر الابصار میں ہے، ووصی[3] ابی الطفل احق بماله من جده وان لم یکن وصیه فالجد۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ واجد اللہ صاحب ساکن محلہ صوفی ٹولہ شہر کہنہ بریلی، ۵ شوال ۱۳۴۱ھ

شرع شریف کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ بنی رضا کی لڑکی اور لڑکا بسبب تنگدستی ایک مدت سے اپنے تایا کے یہاں پرورش پاتے تھے، بنی رضا نے ایک روز لڑکی کو اپنے مکان پر بلا کر یہ کہا کہ شہر چل، تیری پھوپھی کی طبیعت اچھی نہیں ہے، اس کو دیکھ آئیں (پھوپھی رشتہ کی تھی نہ کہ سگی) تو دھوکہ سے اس لڑکی کو شہر لے جاکر اپنی سالی کے لڑکے کے ہمراہ نکاح ہونیکا اذن مانگا، لڑکی یہ بات سن کر حیران تھی اور بولی میں تو اس کے ہمراہ نکاح نہیں چاہتی ہوں، تو اس کے ماموں نے اس کے سر پر تھپڑ مارا، وہ رونے لگی، ہمراہیوں نے رونے کی آواز سن کر کہا کہ اذن دے دیا، اس کے بعد لڑکی کو گھر لے آئے گھر آتے ہی لڑکی اپنے تایا کے یہاں چلی گئی، اور سب حال کہہ سنائی، اس کے دوسرے روز اس کا بڑا بھائی آیا، اور اس نے اپنی بہن سے سب حال دریافت کیا، تو اس کے بھائی نے جب دیکھا کہ اس کے ماں باپ لڑکی کو بلاتے ہیں اور اس کے مصنوعی نکاح شدہ خاوند کے مکان پر بھیجنا چاہتے تو اس کے بڑے بھائی (طفیل احمد) نے اپنے تایا کو مقدمہ کرنے پر مجبور کیا، غرض مقدمہ شروع ہوگیا، اور محلہ والے یہ بات دریافت کرنے کو کہ ایا یہ نکاح واقعی ہوا ہے یا نہیں، لڑکی کے تایا کے مکان پر مع

---

[1] ص ۳۱۱-۳۱۲، ج ۲، باب الولی علی هامش الشامیة نعمانیه۔ [2] ص ۴۸۲، ج ۵، باب الوصی علی هامش الشامیة مصری۔

Marfat.com

ہر دو طرف کے وکیل مقدمہ کے ساتھ حاضر ہوئے اور لڑکی سے دریافت کیا تو لڑکی نے بلا کسی مبالغہ کے اپنے ہاتھوں اور سر پر کلام پاک رکھ کر قسم کھائی کہ مجھ کو لے جا کر مکان میں بٹھایا اور کہا کہ نکاح کا اذن دے جب میں نے حیران ہو کر انکار کیا تو میرے ماموں نے زور سے میرے سر پر تھپیڑ مارا، میں رونے لگی، تو جو چند اشخاص اس امر میں شامل تھے کہا، اذن دیدیا، بس نکاح ہو گیا، مگر میں نے نہ اذن دیا نہ میرا نکاح اس کے ساتھ ہوا ہے، اور نہ میں اس کے مکان پر جانا چاہتی ہوں، اس نے جب پہلی بیوی کو جس سے دو لڑکے پیدا ہوئے تھے، طلاق دیدی، تو میں اس کے مکان پر نہیں جاؤں گی، یہ تو میرا بھائی ہے، اور عدالت میں جب مقدمہ ہوا تو وہ نکاح مصنوعی ثابت ہوا، اور اس کے تایا اور بھائی اس کے ماں باپ اور خاوند سے مقدمہ جیت گئے۔ پھر ان لوگوں نے اپیل کی، ابھی مقدمہ خارج نہ ہوا تھا، کہ اس کا بھائی اس لڑکی کو نہ معلوم کس وجہ سے دھوکہ دے کر اس کے ماں باپ کے مکان پر لے گیا اور وہیں پر اس کے مصنوعی خاوند کا مکان بھی ہے۔ دو روز کے بعد اس کے ماں باپ نے اس لڑکی کو اس کے مصنوعی خاوند کے یہاں اسی ناجائز نکاح پر خود بھیجدیا، اب معلوم کرنا یہ ہے کہ وہ نکاح جائز ہوا یا ناجائز، اور اگر ناجائز ہے تو ان کے ساتھ ملنے والے اور لڑکی کی پہلے ہی نکاح شدہ دعوت میں جو کہ اسی نکاح کی وجہ سے اہل محلہ اور لوگوں کے لئے قائم کی گئی ہے شریک ہونا واجب ہے یا ناواجب اور اگر نکاح درست ہے تو کس طرح اور اگر ناواجب ہونے پر بھی جو ان لوگوں سے ملے تو اس کے واسطے شرع شریف اور علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟ ۔

**الجواب**: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ لڑکی وقت نکاح بالغ تھی، اور یہی ظاہر بھی ہے کہ نابالغہ سے اذن لینے کی کیا ضرورت، لہذا جب لڑکی نے وقت طلب اذن صاف انکار کر دیا اذن نہ ہوا، اور بغیر آواز رونا بھی اذن ہے، مگر یہاں تو طلب اذن اور گھر والوں کی جدائی پر رونا نہیں، بلکہ مار کھانے کی وجہ سے روئی اور وہ بھی آواز سے روئی، اور ایسا رونا اذن نہیں، تنویر الابصار میں ہے[1]، فان استاذنہا ھو فسکتت او ضحکت غیر مستھزئۃ او تبسمت او بکت بلا صوت فھو اذن، اور بوقت نکاح بھی وہ برابر انکار ہی کرتی رہی، لہذا یہ نکاح نہ ہوا، اب عورت

[1] ص ۲۹۸، ج ۲، ن، علی ہامش الشامی، اس کے تحت درمختار میں ہے۔ فلو بصوت لم یکن اذنا ولا ردا حتی لو رضیت بعدہ انعقد سراج وغیرہ فما فی الوقایۃ والملتقی فیہ نظر، اس کے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں، ای بمخالفتہ لما فی السراج ولا یخفی ما فیہ فانما فی الوقایۃ والملتقی ذکر مثلہ فی النقایۃ والاصلاح والمتون مقدمۃ علی الشروح وفی شرح الجامع الصغیر لقاضیخان

Marfat.com

کو اس کے پاس رخصت کرنا اور عورت کا وہاں جانا حرام، بلکہ ماں باپ اور خود لڑکی کا اپنے کو زنا کے لئے پیش کرنا ہے اور اس خوشی میں دعوت کھانا زنا کی خوشی میں دعوت کھانا ہے، یہ دعوت بھی ناجائز اور اس کا کھانا بھی ناجائز، لڑکی پر فرض ہے کہ فوراً وہاں سے چلی آئے، یوں ہی اس کے باپ اور بھائی پر لازم ہے کہ اپنی لڑکی یا بہن کو زنا کے لئے نہ دیں، اور اگر یہ نہ مانیں تو اہل محلہ ان سے میل جول ترک کریں،

**مسئلہ**: مسئولہ شیخ امانت اللہ ساکن محلہ بہاری پور، بریلی، ۲۰ ر ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کا نکاح دس، گیارہ سال کی عمر میں ہوا اور اس کے والدین کی اجازت سے پڑھایا گیا، وہ نکاح درست ہوا یا نہیں، اب وہ کس حالت سے علحدہ ہوسکتی ہے آیا طلاق ہوگی یا نہیں؟

**الجواب**: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ لڑکی وقت نکاح نابالغہ تھی اور باپ کی اجازت سے نکاح ہوا، لہذا یہ نکاح لازم ہوگیا، بغیر طلاق یا موت جدائی نہیں ہوسکتی، تنویر الابصار میں ہے[۱]، ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفوان کان الولی ابا او جدا لم یعرف منهما سوء الاختیار، واللہ تعالیٰ اعلم، -

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۹) وان بکت کان ردا فی احدی الروایتین عن ابی یوسف وعنہ فی روایۃ یکون ردا۔ قالوا ان کان البکاء عن صوت وویل لایکون ردا وان کان عن سکوت فہو رد ا۱ھ وبہ ظہر ان اصل الخلاف فی ان البکاء ھل ہو رد اولا، وقولہ قالوا الخ توفیق بین الروایتین فمعنی لایکون ردا انہ یکون ردا کما فہمہ صاحب الوقایۃ وغیرہ وصرح بہ ایضاً فی الذخیرۃ حیث قال بعد حکایۃ الروایتین وبعضھم قالوا ان کان مع الصیاح والصوت فہو رد والا فہو رضا، وھو الاوجہ وعلیہ الفتوی الاکیف والبکاء بالصوت والویل قرینۃ علی الرد وعدم الرضا، فقد ظہر لنا ان ما فی المعراج ضعیف لایعول علیہ، اس کا حاصل یہ ہوا کہ صاحب درمختار نے فرمایا تھا کہ آواز سے رونا اذن ہے نہ رد، علامہ شامی نے تحقیق فرمائی کہ اس موقع پر آواز سے رونا رد ہے، توقف نہیں، اسی کی تائید عالمگیری سے بھی ہوتی ہے، فرمایا، والصحیح ان البکاء اذا کان بخروج الدمع من غیر صوت یکون ردا وان کان مع الصوت والصیاح لایکون ردا کذا فی فتاوی قاضیخان، وھو الاوجہ وعلیہ الفتوی، کذا فی الذخیرۃ، ص ۱۱، ج ۲، مجیدی۔ ذخیرہ کا حوالہ صاف بتا رہا ہے کہ لایکون ردا کا مطلب رد ہے، اس لئے کہ ذخیرہ کی عبارت ابھی شامی سے گذری کہ اگر رونا آواز کے ساتھ ہو تو یہ رد ہے، اذن طلب کرتے وقت کنواری بالغہ کا سکوت یا بلا آواز رونا اذن اس وقت ہے جب کہ اجازت لینے والا ولی اقرب ہو، یا اس کا قاصد یا اس کا وکیل اور اگر ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد نے یا اس کے قاصد یا اس کے وکیل نے اذن طلب کیا تو سکوت اذن نہ ہوگا، درمختار میں ہے، فان استاذنہا غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرۃ لسکوتہا، بل لابد من القول او ھو فی معناہ۔ ولی بعید کے تحت ہے، کالاخ مع الاب اذا لم یکن الاب غائبا غیبۃ منقطعۃ، واللہ تعالیٰ اعلم، (امجدی) [۱] ص ۳۰۳، ۳۰۴، علی ہامش الشامیہ۔

Marfat.com

**مسئلہ**: مرسلہ عبد العزیز محلہ سکراول قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد، ۲۵ ذی الحجہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ چھ ماہ کی تھی کہ اس کا باپ مر گیا۔ جب تین سال کی ہوئی تو زید مسماۃ مذکورہ کا چچا ولی ہو کر اپنے بھانجہ مسمی بکر کے ساتھ عقد کر دیا اور بکر کے والدین زندہ نہ تھے، اس وجہ سے بکر کا ولی بھی زید ہی بنا اور بوقت عقد بکر کی عمر چار برس کی تھی، اب فی الحال ہندہ سن بلوغ میں آکر نکاح مذکورہ کو منظور نہیں کرتی اور بکر کے یہاں جانے سے انکار کرتی ہے، تو آیا ہندہ اپنا دوسرا عقد کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: چچا کا نکاح کیا ہوا ہے تو ہندہ کو خیار بلوغ حاصل ہے۔ بالغ ہوتے ہی فوراً اگر اپنے نفس کو اختیار کرے اور اس نکاح کو نامنظور کرے تو قاضی کے یہاں نکاح فسخ کرا سکتی ہے، اور اگر تھوڑا توقف کیا تو خیار جاتا رہا۔ در مختار ص۴۲۲ میں ہے، لہما خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء و بطل خیار البکر بالسکوت عالمۃ بالنکاح ولا یمتد الی آخر المجلس۔ رد المحتار میں ہے، ای اذا بلغت وھی عالمۃ بالنکاح او علمت بہ بعد بلوغھا فلا بد من الفسخ فی حال البلوغ او العلم فلو سکتت ولو قلیلا بطل خیارھا ولو قبل تبدل المجلس، اور یہاں چونکہ قاضی موجود نہیں، لہٰذا ایسے معاملات میں وہاں سب سے بڑا جو سنی عالم ہو اس کی طرف رجوع کی جائے، کہ وہ بمنزلہ قاضی ہے اور بکر کا کوئی بھائی یا چچا یا پر دادا وغیرہ کی اولاد میں کوئی مرد ہو تو وہ بکر کا ولی ہوگا، زید ولی نہ ہوگا، کہ ولایت نکاح عصبہ کے لئے ہے۔ عصبہ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا ولی نہیں ہو سکتا، اور عصبہ نہ ہوں تو ماں ولی ہے۔ ماں بھی نہ ہو تو بہن، پھر ماں کی اولاد، پھر پھوپھی، پھر ماموں غرض یہ کہ زید جو بکر کا ماموں ہے، اس وقت ولی ہو سکتا ہے، جب اس سے مقدم کسی کو ولایت نہ ہو، اور اگر کوئی ایسا موجود تھا، جو زید پر ولایت میں مقدم تھا، اور زید نے نکاح کر دیا تو یہ نکاح ولی کی اجازت پر موقوف تھا۔ اگر ولی نے جائز کر دیا، جائز ہو جائے گا۔ رد کر دیا باطل ہو گیا۔ در مختار میں ہے، الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ بلا توسطۃ انثی علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم للاخت لاب وام ثم للاخت لاب ثم لولد الام ثم لذوی الارحام العمات ثم الاخوال۔ اور اگر ولی نے نہ جائز کیا نہ رد کیا، یہاں تک کہ بکر بالغ ہو گیا تو اب خود اسی بکر کی اجازت سے نکاح کا نفاذ ہوگا، یہ سب اس صورت میں ہے کہ حسب رواج زمانہ نکاح خواں نے جو لڑکی کی جانب سے وکیل تھا، ایجاب کیا اور زید نے بکر کی طرف سے قبول کیا اور اگر صرف زید ہی نے ایجاب و قبول کیا تو نکاح ہوا ہی نہیں کہ ایک شخص دونوں طرف سے نکاح کا متولی اس وقت ہو سکتا ہے، جب کسی جانب سے

Marfat.com

فضولی نہ ہوا اور جب بکر کا کوئی عصبہ یا زید پر مقدم دوسرا ولی موجود ہو تو زید فضولی ہوگا اور طرفین کا متولی نہ ہو سکے گا ہدایہ میں ہے، الواحد لا یصلح فضولیا من الجانبین او فضولیًا من جانب و اصیلا من جانب. درمختار میں ہے، ویتولی طرفی النکاح واحد لیس بفضولی ولو من جانب وان تکلم بکلامین علی الراجح. ردالمحتار میں ہے، فاذا کان فضولیا منھما او کان فضولیا من احدھما وکان من الاخر اصیلا او وکیلا او ولیا ففی ھذہ الاربع لا یتوقف بل یبطل. لہٰذا اگر واقعہ یہ ہے تو فسخ کی حاجت ہی نہیں کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا. اگر ولی کی اجازت پر موقوف تھا اور ولی نے جائز کر دیا ہو تو فسخ ہو سکتا ہے. یعنی اسی صورت سے جو اوپر مذکور ہوئی۔

**مسئلہ**: مسئولہ مسیح اللہ ٹھیکہ دار، از محلہ تانؤں گریاں، بریلی ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ۔

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، جب کہ لڑکا نابالغ ہے یعنی پندرہ یا سولہ سال کا ہے اور لڑکی بالغہ ہے۔ یہ نکاح و دین مہر جائز ہے یا ناجائز۔ اور لڑکا صاحب جائداد ہے لیکن اس کی طرف سے ولی ایک مسماۃ ہے، جو رشتہ میں دادی ہوتی ہے۔ لڑکے کا باپ بھی باحیات ہے اور جائداد لڑکے کا دادا تحریر کر گیا ہے اور لڑکے کے ولی سے دین مہر میں کچھ جائداد لکھائی جائے تو وہ جائز ہوگی یا نہیں۔؟

**الجواب**: نکاح ہونے کے لئے بالغ ہونے کی شرط نہیں، نابالغ کا نکاح بھی ولی کر سکتا ہے اور ولی دادی اور وہ بھی رشتہ کی نہیں ہو سکتی۔ جب کہ باپ موجود ہے۔ اگر لڑکا نابالغ ہے تو ولایت نکاح اس صورت میں صرف باپ کو ہے، اور جب کہ لڑکے کی عمر پندرہ سال کی ہے تو بالغ ہے۔ اس کے نکاح کے لئے ولی کی بھی حاجت نہیں۔ اور دین مہر میں جائداد بھی لکھ سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ محمد لطیف الرحمٰن مدرسہ جامع العلوم محلہ کندھولی گنج، ضلع مظفر پور، یکم محرم الحرام ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بلا رضائے والدین زید کی والدہ کے ماموں نے اپنے گھر بلا کر اور زید کے ماموں کو زید کی طرف سے ولی بنا کر کر دی، جب اس کو معلوم ہوا تو زید کے والد سخت رنج ہوئے اور جب یہ معلوم ہوا

---

لہ یعنی ہندہ کو خیار بلوغ حاصل ہوگا، اگر ہندہ نے بالغ ہوتے ہی اپنے نفس کو اختیار کر لیا، تو قاضی کے یہاں درخواست دے کر یہ نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔

بکر کو بھی یہ حق حاصل ہوگا، کہ بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو نافذ کرے یا رد کر دے، اور بکر کو یہ حق صرف علی الفور ہی یا مجلس تک محدود نہ ہوگا جب چاہے، قبول کرے یا رد کرے، جب تک قبول یا رد نہ کرے گا، اس کو یہ حق باقی رہے گا، درمختار میں ہے، وخیار الصغیر والثیب اذا بلغ لا یبطل بالسکوت بلا صریح رد او دلالۃ علیہ ولا یبطل بقیامھما عن المجلس فیبقی حتی یوجد الرضا. ص ۳۱۰، ۲، ۲۵، ۲ ن علی ھامش الشامی۔

کہ زید کی والدہ کی خفیہ ترکیبیں تھیں، اس پر سخت غصہ ہوئے یہاں تک کہ گھر سے نکال دیا، اور جب زید کپڑا پہن کر سسرال سے آیا تو کپڑا اتروا کر جلانا چاہا، لیکن لوگوں نے ان سے کپڑے لے کر سسرال بھجوا دیا، اسی طرح تین چار سال تک رنج رہے، لیکن لوگوں نے جہالت کی باعث یہ سمجھایا کہ جب عقد ہوچکا تو رنج ہونے سے ٹوٹ نہیں سکتا، آخر رنج سے کیا فائدہ۔ زید کے والد کو سمجھا کر راضی کرلیا، دو تین سال بعد رخصتی بھی ہوگئی، اب اس صورت میں کہ زید نابالغ تھا اس طرح عقد کرادینا جائز ہوگا، یا نہیں، اور زید نے نابالغیت کی حالت میں ڈر کر ایجاب کیا تھا یعنی اس کو لوگوں نے ڈرایا کہ اگر قبول نہ کروگے تو تمہارے والد کو باندھ دیں گے، (جیسا کہ لڑکوں کے ڈرانے کا طریقہ ہے) ان سب صورتوں کو خیال کرتے ہوئے فرمائیں کہ زید کا عقد جائز ہوا یا نہیں، اگر جائز ہوا تو کس طرح اور نہیں تو کیوں باحوالہ لکھیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** صورت مستفسرہ میں زید کا ولی اس کا والد ہے، درمختار میں ہے، الولی فی النکاح العصبة بنفسه۔ یہ نکاح کہ زید کے ماموں نے زید کا کیا اس کے والد کی اجازت پر موقوف تھا، اگر والد زید نے اس نکاح کو رد کردیا تو رد ہوگیا اور لازم ہے کہ زید فوراً اس عورت کو علیحدہ کردے، مجمع الانہر میں ہے، و وقف تزویج الفضولی علی الاجازة ای اجازة من له العقد بالقول او الفعل فان اجاز ینفذ والا لا۔ اور خود زید کا ایجاب یا قبول کرنا عقد نکاح کو لازم نہ کرے گا، بلکہ اس صورت میں بھی باپ کی اجازت پر موقوف رہے گا، درمختار میں ہے، وھو ای الولی شرط صحة نکاح صغیر ومعتوہ ورقیق۔ پھر شلبیہ علی الزیلعی ردالمحتار میں ہے، لو باع الصبی ماله او اشتری او تزوج او زوج امته او کاتب عبده او نحوه توقف علی اجازة الولی۔ اور اس وقت جب کہ اس نکاح کی خبر پہونچی والد زید نے انکار کردیا ہو تو اب بعد میں اگرچہ راضی ہوجائے، اگرچہ اجازت دے کچھ نہیں ہوسکتا کہ وہ نکاح رد کرنے سے جاتا رہا، باقی نہ رہا کہ اجازت سے ٹھیک ہوجائے۔ بلکہ اب نکاح جدید کی حاجت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** ۹۰ مسئولہ فدا حسین خواجہ قطب، بریلی، ۶ / محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں از روئے شرع شریف کیا فرماتے ہیں، کہ ایک لڑکی جس کی عمر بوقت نکاح آٹھ سال تھی اور اس کا باپ بقضاء الٰہی نکاح سے پہلے فوت ہوگیا تھا، اب اس کی حقیقی والدہ اور دوسرا باپ موجود ہے، اس لڑکی کا نکاح ایک ایسے شخص سے ہوا جو محض گونگا اور بہرا ہے، نیز ماں کی رضامندی سے اس لڑکی کا نکاح نہیں ہوا تھا اور اس لڑکے کی عمر چھبیس سال کی ہے اور لڑکی کی عمر اس وقت تیرہ سال کی ہے، کسی بات کا اس کو امتیاز نہیں، محض بچہ ہے، لڑکی کے چچا نے کل

Marfat.com

اقرار نکاح و مہر کیا تھا، اب وہ مر گیا اب عرصہ قریب ایک سال کا ہوا چند اشخاص نے اس لڑکی کے والدین کو سمجھا کر اس گونگے لڑکے کے ہمراہ بھیجدیا تھا، قریب ایک ہفتہ تک وہاں رہی بعدہٗ اس کو مار کر نکال دیا، وہ پیلی بھیت سے پیادہ پا دو یوم میں بریلی آئی نہایت پریشان حال جس کو تمام لوگوں نے دیکھا تھا، اور دو کپڑے پہنے ہوئے تھے اور اس کے پاس کوئی حبہ آنہ پیسہ کا نہ تھا۔

**الجواب:** تیرہ سال کی عمر میں بلوغ و عدم بلوغ دونوں امر کا احتمال ہے، لہٰذا لڑکی اب تک نابالغہ ہے، تو جس وقت بالغ ہو اسی وقت فوراً بلا وقفہ اگر اس نکاح کو جو اس کے چچا نے کر دیا ہے نامنظور کرے اور اپنے نفس کو اختیار کرے تو قاضی کے یہاں دعویٰ کر کے نکاح فسخ کرا سکتی ہے، اور اگر کچھ دیر کرے گی تو فسخ کرانے کا اختیار نہ رہے گا، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، وان زوجہما غیر الاب والجد فلکل واحد منہما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ وہذا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ ویشترط فیہ القضاء، درمختار میں ہے، وبطل خیار البکر عالمۃ باصل النکاح ولا یمتد الی آخر المجلس لانہ کالشفعۃ، اور یہاں چونکہ قاضی نہیں، لہٰذا اس شہر میں جو سب سے بڑا سنی عالم فقیہ ہو اس کے پاس دعویٰ کرے اور شہادت پیش کرے کہ بالغ ہوتے ہی فوراً میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا وہ عالم فسخ کر دے گا، اور اگر لڑکی بالغ ہونے کے بعد شوہر کے یہاں گئی یا اب بالغ ہو گئی اور وقت بلوغ نکاح کو توڑنا نہ چاہا تو اب کچھ نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر جس وقت شوہر کے یہاں گئی نابالغہ تھی، اور اسی حالت میں شوہر نے وطی کر لی کہ یہ بکر نہ رہی تو بالغ ہونے کے بعد جب تک اس کے قول یا فعل سے اس نکاح پر راضی ہونا نہ پایا جائے، نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور اس صورت میں یہ شرط نہیں کہ اسی وقت فوراً ہی جدائی کی خواہش ظاہر کرے درمختار میں ہے، وخیار الصغیر والثیب اذا بلغا لا یبطل بالسکوت بلا صریح رضا او دلالۃ علیہ کقبلۃ ولمس ودفع مہر، ردالمحتار میں ہے، شمل ما لو کانت ثیبا فی الاصل او کانت بکراً ثم دخل بہا ثم بلغت کما فی البحر وغیرہ، عالمگیری میں ہے، ویبطل ہذا الخیار فی جانبہا بالسکوت اذا کانت بکرا ولا یمتد الی آخر المجلس حتی لو سکتت کما بلغت وہی بکر بطل الخیار وان کانت ثیبا فی الاصل او کانت بکراً الا ان الزوج قد بنی بہا ثم بلغت عند الزوج لا یبطل خیارہا بالسکوت ولا یبقیامہا عن المجلس وانما یبطل خیارہا اذا رضیت بالنکاح صریحا او وجد منہا فعل یستدل بہ علی الرضا کالتمکین من الجماع او طلب النفقۃ او ما اشبہ ذالک اما لو اکلت طعامہ او خدمتہ کما کانت فہی علی خیارہا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ:** مسئولہ نور محمد صاحب امام مسجد کمرہٹی ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سفر میں گیا اور اپنے گھر میں اپنی بیوی مسماۃ مریم اور ایک نابالغہ لڑکی مسماۃ کلثوم کو چھوڑا مسماۃ مریم نے اپنی نابالغہ لڑکی کلثوم کا نکاح بکر سے کر دیا جب زید سفر سے واپس آیا اور سنا کہ میری لڑکی کلثوم نابالغہ کا نکاح بکر سے ہو گیا ہے تو زید نے کہا ہم اس نکاح کو منظور نہیں کرتے۔ اس صورت میں نکاح ثابت رہا یا نہیں، ثابت نہ رہنے کی صورت میں مسماۃ کلثوم اپنا مقررہ دین مہر پائے گی یا نہیں، بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں؟

**الجواب:** اگر زید کا کوئی بھائی یا بھتیجا یا چچا وغیرہم عصبات وہاں موجود ہوں جب تو مریم کو اصلاً ولایت نکاح نہیں، اگر کرے گی ان کی اجازت پر موقوف رہے گا، اور اگر انھوں نے اب تک جائز نہ کیا ہو اور باپ نے آکر رد کر دیا تو رد ہو گیا، درمختار میں ہے، الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام، اور عصبات کی اجازت پر موقوف ہونا اس وقت ہے کہ زید کی غیبت، غیبت منقطع ہو، اور اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو ماں ولی ہے اور ماں کا کیا ہوا نکاح اس وقت صحیح و تام ہوگا جب کہ زید کی غیبت غیبت منقطع ہو، اور اصح وارجح و اوجہ و مختار و مفتی بہ یہ ہے کہ غیبت منقطعہ سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کے آنے یا اس کی رائے لینے کا انتظار کیا جائے گا، تو کفو خاطب فوت ہو جائے گا یعنی بکر اتنا انتظار نہیں کر سکتا کہ زید آجائے یا آدمی یا خط کے ذریعہ سے اس کی رائے دریافت کر لی جائے تو بصورت دیگر عصبہ نہ ہونے کے مریم اپنی لڑکی کلثوم کا نکاح کر سکتی ہے ورنہ نہیں، اور اگر انتظار کا موقع تھا اور انتظار نہ کیا اور نکاح کر دیا تو زید کے رد کر دینے سے رد ہو گیا، ردالمحتار میں ہے، اختلف فی حد الغیبۃ فاختار المصنف تبعا للکنز انہا مسافۃ القصر ونسبہ فی الہدایۃ لبعض المتاخرین والزیلعی لاکثرہم قال وعلیہ الفتوی اھ وقال فی الذخیرۃ الاصح انہ اذا کان فی موضع لوانتظر حضورہ او استطلاع رایہ فات الکفو الذی حضر فالغیبۃ منقطعۃ والیہ اشار فی الکتاب الی آخرہ وفی البحر عن المجتبی والمبسوط انہ الاصح وفی النہایۃ واختارہ اکثر المشائخ وصححہ ابن الفضل وفی الہدایۃ انہ اقرب الی الفقہ وفی الفتح انہ الاشبہ بالفقہ وانہ لاتعارض بین اکثر المتاخرین واکثر المشائخ ای لان المراد من المشائخ المتقدمون وفی شرح الملتقی عن الحقائق انہ اصح الاقاویل وعلیہ الفتوی الی اخرہ وعلیہ مشی فی الاختیار والنقایۃ ویشیر کلام النہر الی اختیارہ وفی البحر والاحسن الافتاء بما علیہ اکثر المشائخ، واللہ تعالی اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ** :۔ مرسلہ عید و بھائی و چانو بھائی، از احمد آباد گجرات، ۲۰ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نابالغ لڑکی کا نکاح دادی نے کر دیا، بالغ ہونے کے بعد تین سال تک اپنے شوہر کی زوجیت میں رہی اور اس لڑکی کو دادی نے شوہر کے مکان پر نہیں بھیجا، لڑکی کی دادی نے غیر مردوں سے سازکیا، اور جن مردوں سے ساز کیا انھیں میں سے ایک شخص کے ساتھ بغیر طلاق اور بغیر اطلاع شوہر کے دادی نے اس لڑکی کا نکاح پڑھوا دیا، دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں؟

**الجواب** :۔ سائل نے یہ نہیں لکھا کہ لڑکی کا کوئی عصبہ یعنی باپ، دادا، پردادا یا ان کی اولاد میں کوئی تھا یا نہیں، اگر عصبہ میں کوئی نہ تھا تو لڑکی کی ماں بھی تھی یا نہیں، اگر عصبہ تھا یا نہ تھا تو ماں تھی جب تو دادی کو نکاح کرنے کا کوئی حق نہ تھا کہ ولی عصبہ ہے، پھر ماں پھر دادی، درمختار میں ہے، (الولی فی النکاح العصبة بنفسه فان لم یکن عصبة فالولایة للام ثم لام الاب، اور اس صورت میں قبل بالغ ہونے لڑکی کے اس عصبہ یا ماں نے اس نکاح کو جائز کیا یا رد کیا یا کچھ نہ کیا یہاں تک کہ لڑکی بالغ ہوگئی، اگر جائز کر دیا تو جائز ہوگیا، رد کر دیا تو باطل ہوگیا اور اگر کچھ نہ کیا تو لڑکی نے بعد بلوغ جائز کر دیا، تو جائز ہوگیا، رد کر دیا تو باطل ہوگیا، اور اگر عصبہ میں باپ یا دادا کا جائز کیا ہوا ہے تو خیار بلوغ بھی نہیں، اور کسی دوسرے ولی کا جائز کیا ہوا تھا تو خیار بلوغ حاصل تھا اگر وقت بلوغ فوراً لڑکی نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو فسخ کرا سکتی ہے ورنہ نہیں، اور اگر نہ عصبہ تھا نہ ماں تھی دادی نے اپنی ولایت سے نکاح کیا تو نکاح ہوگیا، مگر خیار بلوغ حاصل تھا، اگر اس کے شرائط پائے گئے تو فسخ کرا سکتی ہے ورنہ نہیں، بالجملہ اگر نکاح جائز نا قابل فسخ ہوا یا فسخ نہ کرایا تو دوسرے سے نکاح نہیں ہو سکتا اور سوال سے یہی ظاہر ہے کہ اگر فسخ کراتی تو شوہر کو ضرور اطلاع ہوتی اور تین برس تک بعد بلوغ اس کی زوجیت میں کیونکر رہتی تو اگر واقعہ یہی ہے تو دوسرا نکاح نہ ہوا، بلکہ حرام و زنا، خالص ہے، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** :۔ مرسلہ رحمت اللہ از بنارس، ۲۴ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے اپنی لڑکی کا عقد جب کہ وہ نابالغ تھی اس کے چچا نے کر دیا تھا، اور اسی نابالغی کی حالت میں اس کی رخصتی بھی ہوئی تھی واپسی کے بعد آج تک شوہر کے مکان نہیں گئی، عند البلوغ اس نے اپنے لڑکپن کے نکاح کو ناپسند کرکے دو آدمی کے سامنے فسخ کر دیا چنانچہ ۱۵ ر جون ۱۹۱۹ء

Marfat.com

وہ بالغہ ہوئی اور سولہ جون کو بذریعہ نوٹس رجسٹری اپنے شوہر کو فسخ نکاح کی اطلاع کر دی تو شرعاً یہ نکاح فسخ ہوگیا یا نہیں،
اور اس لڑکی کا اب دوسرا نکاح کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

**الجواب:** اگر لڑکی نے بالغ ہوتے ہی فوراً بلا توقف اپنے نفس کو اختیار کیا تو دعویٰ کرکے نکاح فسخ کرا سکتی ہے،
اگر کچھ بھی توقف کیا تو خیار بلوغ جاتا رہا اور فسخ نکاح وہ خود نہیں کر سکتی، بلکہ فسخ کرنا قاضی کا کام ہے، درمختار میں ہے،
ولہما خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء للفسخ، ردالمحتار میں ہے،
اذا کان المزوج للصغیر والصغیرۃ غیر الاب والجد فلہما الخیار بالبلوغ او العلم بہ فان اختارا لفسخ لایثبت
الفسخ الابشرط القضاء، نیز درمختار میں ہے، ویبطل خیار البکر بالسکوت عالمۃ بالنکاح فلا یمتد الی آخر المجلس،
ہاں اگر لڑکی قبل بلوغ ثیب تھی، اور چونکہ اس کی رخصت ہو چکی تھی، لہٰذا ثیب ہونے کا بھی احتمال ہے تو اب اس کا خیار
سکوت اور توقف سے باطل نہ ہوگا، جب تک صراحتہً یا دلالۃً رضامندی نکاح ظاہر نہ کرے گی، خیار حاصل رہے گا، درمختار
میں ہے، وخیار الصغیر والثیب اذا بلغا لایبطل بالسکوت بلا صریح رضا او دلالۃ علیہ ولا یبطل بقیامہما عن
المجلس لان وقتہ العمر فیبقی حتی یوجد الرضاء، ردالمحتار میں ہے، قولہ والثیب شمل ما لو کانت ثیبا فی الاصل او
کانت بکرا ثم دخل بہا ثم بلغت کما فی البحر وغیرہ، بالجملہ اگر عورت نے صور مذکورہ کے موافق فسخ کرا لیا ہے تو دوسری
جگہ نکاح کر سکتی ہے ورنہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مسئولہ سید ضمیر الدین، محلہ گندہ نالہ، بریلی، ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی جس کی عمر تقریباً نو سال کی تھی، اس کے
والدین اس کا عقد ایک شخص کے ساتھ کر دیا، اس بات کا اطمینان دلائے اور حلف اٹھانے پر کہ اس کے پاس کوئی دوسری بیوی
نہیں ہے حسب دستور رخصتی وغیرہ کی رسم بھی ادا کی گئی، مگر جب وہ لڑکی اپنے خاوند کے مکان پر پہونچی تو معلوم ہوا کہ اس
کے پاس ایک اور بیوی ہے، لڑکی چونکہ نابالغہ تھی اس وجہ سے تخلیہ کی نوبت نہیں آئی اس لڑکی کے والدین فوراً اس کو واپس
لائے اور اس کے خاوند اور والدین کے باہم مصالحت کی باتیں شروع ہوگئیں، مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اب وہ
لڑکی تقریباً سترہ سال کی ہوگئی ہے، اس کے والدین اگرچہ مصالحت کی باتیں کرتے تھے مگر لڑکی بذات خود اپنے شوہر کے
ہمراہ جانے پر کبھی راضی نہ ہوئی، اور تقریباً پانچ سال سے اس کے شوہر نے خاموشی اختیار کر لی، قبل بلوغت اس کو والدین

Marfat.com

مجبوراً رخصت کرنے پر آمادہ تھے، مگر کچھ ایسے واقعات پیش آجاتے تھے کہ اس کی نوبت نہیں پہونچی اب بالغ ہونے پر لڑکی نے قطعی طور پر انکار کر دیا کہ میں اس شخص کے ساتھ جانے پر راضی نہیں ہوں، اگر کوئی مجبور کرے گا، تو نتیجہ اچھا نہیں ہوگا، چونکہ اب اس لڑکی کے رہنے سے والدین کو سخت تکلیف ہے اور بے عزتی کا خوف ہے۔ لہذا یہ بات دریافت طلب ہے کہ اس لڑکی کا عقد دوسرے شوہر سے بلا طلاق لئے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ۔

**الجواب**: باپ کا کیا ہوا نکاح لازم ہوتا ہے نابالغہ کو بالغہ ہونے کے بعد اس نکاح کو فسخ کرانے کا بھی اختیار نہیں بغیر طلاق لئے لڑکی کا نکاح دوسری جگہ نہیں ہو سکتا، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ رحمت حسین خاں صاحب، محلہ بڑی ٹولہ شہر کہنہ بریلی، ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مساۃ ہندہ کا نکاح بحالت نابالغی اس کی مادر حقیقی نے زید کے ساتھ بخوشی ورضامندی باہمی باجازت خود کر دیا، ہندہ کے دادا کے بھائی موجود تھے، مگر انھوں نے کوئی ناراضگی ظاہر نہیں کی، نکاح کے عرصہ ۱½ سال بعد رخصتی کر دی، ایک سال زید کے یہاں رہ کر ہندہ اپنی ماں کے یہاں چلی گئی، اب بھی نابالغ ہے، لیکن اس کی ماں اور دادا کے بھائی اور منکوحہ سب زید سے ناراض ہیں، کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا، کہ ہم رخصت نہیں کریں گے پس یہ نکاح صحیح ہوا تھا اور قائم رہا اور ہے یا نہیں، بینوا توجروا ۔

**الجواب**: جب ہندہ کے دادا کا بھائی موجود ہے تو ماں کو کچھ اختیار نہیں کہ ولایت نکاح اولاً عصبہ کو ہے، درمختار میں ہے، الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ۔ یہ نکاح کہ مادر ہندہ نے کیا، ہندہ کے دادا کے بھائی کے اذن پر موقوف ہے، اگر جائز کر دیگا جائز ہو جائے گا، رد کر دے گا باطل ہو جائے گا، لہذا اگر پیشتر کبھی جائز کر دیا ہو تو اب اسے رد کرنے کا کچھ اختیار نہیں اور اگر اب تک محض سکوت کیا تھا، اس نکاح کے متعلق کچھ نہ کہا تھا، اب رد کر دیا تو رد ہو گیا، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مسئولہ شاہ منیر خاں، میر گنج، ضلع بریلی، ۴ ر رجب المرجب ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سائل کے حقیقی چچا فوت ہوئے انھوں نے دو لڑکیاں چھوڑیں جو نابالغہ ہیں، سائل کی چچی نے بلا رضامندی میرے والد مسمّیٰ علی جاں کے لڑکی جس کی عمر تخمیناً دس یا گیارہ سال کی ہوگی، اس کا نکاح

---

لے سوال میں مذکور ہے، کہ ڈیڑھ سال بعد رخصتی کر دی اگر یہ رخصتی لڑکی کے دادا کے بھائی کی رضامندی سے ہوئی، تو یہ دلالۃً نکاح کو منظور کرنا ہے، اور اگر یہ رخصتی دادا کے بھائی کے رضامندی کے بغیر ہوئی، تو اسے رخصتی کے بعد بھی قبول یا رد کرنے کا حق رہا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

کر دیا، یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں اور ولی اس لڑکی کا کون ہے، ماں ہے یا اس کا چچا حقیقی؟

**الجواب**: نکاح کا ولی لڑکی کا چچا ہے، درمختار میں ہے، الولی فی النکاح العصبة بنفسه، اور یہ نکاح کہ لڑکی کی ماں نے بغیر اجازت اس کے چچا کے کر دیا ہے، چچا کی اجازت پر موقوف ہے، اگر جائز کر دے گا، جائز ہوگا، رد کر دے گا باطل ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ احمد حسین محلہ شاہدانہ بریلی، ۲۴ر شوال ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین سوالات ذیل میں؟

(۱) مسماۃ سروری جس کی عمر اب پندرہ سال کی ہے، تقریباً چار ماہ سے ماہواری شروع ہو چکی ہے، یہ میری حقیقی ہمشیرہ ہے، اور میں اس کا حقیقی بھائی ہوں، عرصہ ہوا باپ مر گئے ماں زندہ ہے میں دہلی میں بسلسلہ روزگار رہتا تھا، میری ماں نے بلا علم اور بلا اجازت و مرضی کے عرصہ پانچ سال ہوا شادی کر دی، لیکن اس وقت لڑکی دس سال نابالغہ تھی،

(۲) جب کہ مادر نے نکاح کی تاریخ مقرر کر دی تھی کہ دولھا اور اس کے گھر والے نکاح کے لئے آئے، لیکن میرے گھر پر کسی قاضی نے نکاح نہیں پڑھایا، تو مجبوراً میری ماں اور میری ہمشیرہ سروری کو دولھا کے باپ وغیرہ اپنے گھر لے گئے، اور وہیں نکاح پڑھوا دیا، وہیں کے لوگ گواہ ہو گئے، جس کے نام وغیرہ کو میری ماں نہ جانتی ہے نہ ان سبھوں کو پہچانتی ہے۔

(۳) مسماۃ سروری کو نکاح کے بعد دو سال تک جب اس سے گھر کا کام کاج نہ ہو سکا، مار مار کر اور سر کے بال کتر کر نکال دیا، اب تین سال سے ماں کے پاس موجود ہے؟

(۴) امور بالا کے جواب میں کیا مسماۃ سروری کا نکاح جائز تھا یا نہیں اور دوسری جگہ اس کی شادی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۵) مسماۃ سروری کے تایا زاد بھائی ننھے و سجن آئے اور رضامندی ظاہر نہ کی اس پر لڑکی کی ماں کو مع لڑکی بہلا کر باپ کے گھر لے گئے اور وہاں نکاح کر دالیا؟۔

**الجواب**: عصبہ کے ہوتے ہوئے ماں ولی نہیں ہو سکتی، درمختار میں ہے، الولی فی النکاح العصبة بنفسه، اگر بھائی حقیقی یہاں موجود نہ تھا اور اس کا انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا، تو چچا زاد بھائیوں سے اذن لیا جاتا، اور جب کہ بغیر ان سے اذن لئے نکاح پڑھوایا تو ان کی یا بھائی کی اجازت پر موقوف تھا، جائز کر دیا تو جائز ہو گیا، رد کر دیا تو باطل، اور اگر

Marfat.com

اب تک انھوں نے کچھ نہ کیا ہو تو اب لڑکی کے بالغ ہونے پر خود اس کی اجازت پر موقوف ہے، چاہے جائز رکھے یا رد کرے واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از آگرہ پلٹن ۲/۱ مرسلہ سید گلاب شاہ جمعدار، ۱۹ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین محمد و شرع متین اسلام کہ میرا مسماۃ بستان بیوی بنت سید ستار علی شاہ مرحوم کا عقد مسمی سید ستار شاہ ولد سید ماہلی شاہ کے ساتھ جو الف شاہ ولد سید مہتاب شاہ نے بحیثیت ولی ایجاب و قبول کر کے جب کہ میں نابالغہ تھی، کر دیا تھا، اب میرے سن بلوغت کو پہونچ کر قائم رہ سکتا ہے، درانحالیکہ میں (سائلہ) مسمی سید ستار جو ایک آنکھ سے کانا ہونے کے علاوہ اپنے معاش کا کوئی جائز اور مستقل وسیلہ بھی نہیں رکھتا اور اس کے ساتھ کسی وقت خلوت صحیحہ بھی نہیں ہوئی ہو، کو اپنا شوہر بنانا پسند نہیں کرتی ہوں اگر بوقت عقد شرعی میں بالغہ ہوتی تو اس کو اپنا شوہر بنانا ہرگز ہرگز منظور نہ کرتی۔ مجھ مستفیثہ کی عمر اس وقت تقریباً چودہ سال ہے، جب میرے ولی نے میرا عقد ۱۹۱۹ء میں کیا تو تقریباً میں دس سال کی نابالغہ تھی اور اب میں اس ماہ میں بموجب احکام شرعی بالغہ ہوگئی ہوں، مگر ہی فسخ عقد کا خیال جو اس سے قبل بھی دل میں جاگزیں تھا، اظہار کر کے ملتمس ہوں کہ براہ کرم صحیح فتویٰ سے آگاہ فرمائیں تاکہ میں صحیح معنوں میں اپنے کو سید ستار شاہ کی زوجہ نہ سمجھوں؟ بینوا توجروا۔

شجرۂ ولی سائلہ۔

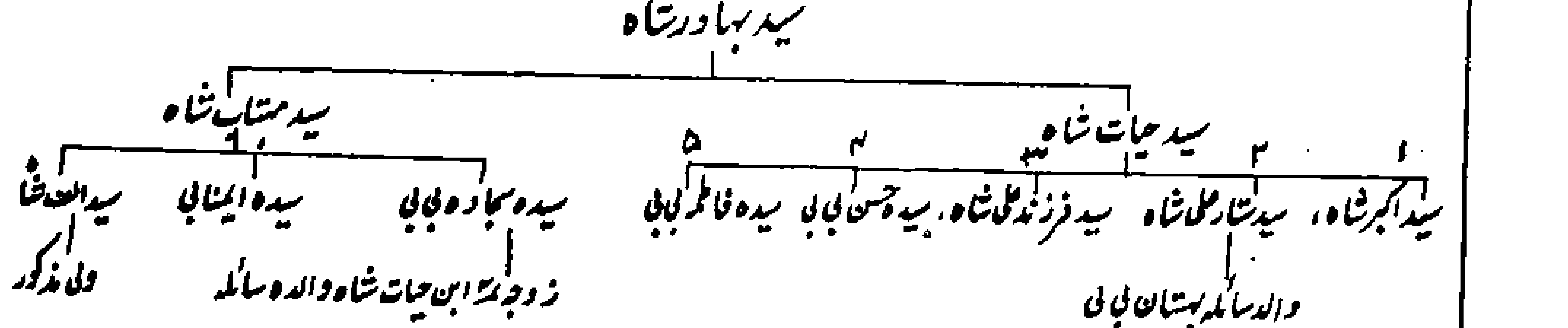


میرے والد سید ستار علی شاہ کی وفات سے قبل میرے حقیقی چچا قضا کر چکے تھے، لہذا میرا خیال ہے کہ سید الف شاہ میرا ماموں بھی ہے، اور صحیح وارث تھا۔

**الجواب:** جو نکاح باپ اور دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے کیا ہو اس میں عورت کو خیار بلوغ حاصل ہے کہ بالغہ ہونے کے ساتھ فوراً بلا تاخیر اپنے نفس کو اختیار کرے پھر اس نکاح کو فسخ کرا لے، مگر فسخ نکاح کیلئے قضاء قاضی شرط ہے، صورت مسئولہ میں جب بستان بیوی نے بالغ ہوتے ہی فوراً اپنے نفس کو اختیار کیا اور نکاح سے ناراضی ظاہر کی تو اب دعویٰ کر کے

Marfat.com

فسخ کرا سکتی ہے اور خیار بلوغ کے لئے خلوت صحیحہ تو کیا وطی بھی مانع نہیں اور یہاں تو خلوت صحیحہ بھی نہیں ہوئی، درمختار میں ہے،
ولھما خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء للفسخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مرسلہ سید محمد علی صاحب، سوار رسالہ ریاست ٹونک، راجپوتانہ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین حسب ذیل مقدمہ کے فیصلہ میں، زید کی دختر نا کتخدا عمر دس سال بحالت نابالغ زید کے سالہ کی اجازت سے بکر کے ساتھ عقد ہوا اور بکر کا اقرار تھا کہ وہ بدچلن نہیں ہے نہ دوسری عورت ہے، اور اگر ایسا ہو تو نکاح ساقط، بعد میں معلوم ہوا کہ عورت بدخو بغیر نکاح اور ایک بچہ حرام کا اس کا موجود ہے، اور اقرار و داعگی پانچ ماہ کا تھا، جس کو عرصہ قریب ۳ سال کے ہوا، زید کی دختر جب سن بلوغ کو پہونچی اور حالات مندرجہ اور معلوم ہوئے، وداعگی اور بکر کے یہاں جانے سے قطعی انکار کرتی ہے، کیا ایسی صورت میں اس کا انکار مانا جاوے اور نکاح مسدود ہو یا نہ، براہ کرم شرعی حکم سے آگاہی بخشی جاوے؟

**الجواب:** سوال سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ لڑکی کا باپ زندہ تھا یا نہ تھا، اگر نہ تھا تو اس لڑکی کا بھائی یا چچا یا دادا یا پردادا کی اولاد میں کوئی مرد تھا یا نہ تھا، یہ بھی نہ تھے تو ماں نانی دادی تھیں یا نہ تھیں، غرض عصبہ و ذوی الفروض نہ ہوں، اس وقت ولایت نکاح ذوی الارحام کے لئے ہوتی ہے اور ان میں بھی ماموں کا مرتبہ پھوپھی کے بعد ہے، درمختار میں ہے، ثم لذوی الارحام العمات ثم الاخوال، بالجملہ ماموں سے مقدم اگر کوئی ولی تھا اور نکاح کی اجازت اس سے نہ لی گئی تو اس کی اجازت پر موقوف تھا، جائز کر دیا تو جائز ہو گیا، رد کر دیا تو باطل ہو گیا اور اگر اس نے کچھ نہ کہا، یہاں تک کہ لڑکی بالغہ ہو گئی تو اب خود اسی لڑکی کی اجازت پر موقوف ہے، قولاً فعلاً جس طرح جائز کرے گی جائز ہو جائے گا، رد کرے گی باطل ہو گا، درمختار میں ہے، لو زوج الابعد حال قیام الاقرب ھو توقف علی اجازتہ ولو تحولت الولایۃ الیہ لم یجز الا باجازتہ بعد التحول، خلاصہ یہ ہے کہ اگر نکاح نافذ ہو چکا تھا تو لڑکی کو صرف خیار بلوغ حاصل تھا، جب کہ غیر اب وجد نے جائز کیا ہو اور یہ بالغہ ہوتے ہی بلا توقف اپنے نفس کو اختیار کرے، پھر قاضی کی طرف رجوع کر کے فسخ کرا سکتی ہے، اور کچھ بھی توقف کرے گی یہ خیار جاتا رہے گا، درمختار میں ہے، وبطل خیار البکر بالسکوت اصل لو مختارۃ عالمۃ باصل النکاح ولا یمتد الی اخر المجلس وان جھلت بہ، اور اگر لڑکی نے بلوغ کے بعد خود اس نکاح کو جائز کیا تھا تو اب کچھ نہیں کر سکتی، رہا اس کا اقرار کہ بدچلن نہیں ہے نہ دوسری عورت ہے، ایسا ہو تو نکاح ساقط، ظاہر یہ ہے کہ قبل نکاح اس کا

Marfat.com

اقرار کیا ہوگا، ایسا ہے تو اس قول کا کچھ اعتبار نہیں، کہ یہ تعلیق ہے اور تعلیق کے لئے ملک یا اضافت الی الملک ضروری ہے، کما ھو مصرح فی عامۃ الکتب. اور اگر وقت عقد یہ اقرار تھا یعنی ایجاب و قبول میں یہ قول داخل تھا، جب بھی مجرد اس قول سے طلاق ثابت نہیں ہوسکتی کہ نکاح ساقط ہونا اضافت سے خالی ہے، معلوم نہیں کہ اس عورت کا نکاح ساقط کردیا ہے یا دوسری کا سوال بہت مجمل ہے، ہر صورت میں متعدد شقوق ہیں اور سب کے حکم جداگانہ، چند شقیں لکھ دی گئی ہیں، واقعہ کے مطابق جو صورت ہو اس پر عمل کیا جاوے. واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ محمد علی الدین احمد چشتی فاروقی، از محلہ درگاہ پورہ، تعلقہ قندھار شریف، ضلع نانڈیڑ ریاست نظام حیدرآباد، دکن۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ حمیدہ نابالغہ کے والدین انتقال کر گئے اور وہ اپنے حقیقی پھوپھا عمرو کے زیر پرورش رہی اس کے حقیقی پھوپھا عمرو نے نابالغہ حمیدہ کا عقد اپنے قرابت دار بعیدہ بکر سے کردیا نابالغہ حمیدہ اپنے شوہر کی تکالیف و عدم نباہ سے ناراض تھی، چنانچہ نابالغہ حمیدہ بالغ ہونے کے ساتھ ہی یعنی پہلی مرتبہ اپنے حیض کے خون کو دیکھ کر چند لوگوں کے روبرو باشہد باللہ کہہ دی کہ "میں اپنے اس عقد و شوہر سے ناراض و منکر ہوں، میرے پھوپھا کو میرا عقد کروادینے کا کسی قسم کا حق نہ تھا، لہٰذا میرا عقد فسخ ہوگیا میرا شوہر مجھ پر حرام ہے، ایسی صورت میں حمیدہ مذکورہ کا عقد بکر سے کیا، فسخ ہو جائے گا، کیا اس کو بغیر اس کے شوہر کے طلاق کے نکاح ثانی کر لینا جائز ہے،

(نوٹ) مخفی مباد کہ جو نکاح حمیدہ کا بزمانہ نابالغی اس کے پھوپھا عمرو نے بکر سے کروادیا، نابالغہ کے غیر کفو میں ہے، یعنی حمیدہ اور اس کے شوہر بکر میں پہلے سے کسی قسم کی بھی قرابت داری نہیں اور نہ دونوں کا کفو مساوی اور ایک ہے براہ کرم جواب باصواب مع حوالہ کتب و اقوال مفتی بہ سے جلد نوازیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** سوال بہت مجمل ہے یہ نہیں لکھا کہ حمیدہ کا کوئی ولی شرعی وقت نکاح تھا یا نہیں، اگر اس کے دادا پردادا کی اولاد میں کوئی تھا تو اس کی اجازت سے نکاح ہوا تھا یا نہیں، اگر بغیر اجازت نکاح ہوا تو نکاح کی خبر پاکر اس نے سکوت کیا یا جائز کیا، غرض اس میں صور متعددہ ہیں اور احکام میں بھی اختلاف، اگر حمیدہ کا کوئی ولی تھا اور قبل عقد یا بعد عقد اس نے اجازت دی یا حمیدہ کا پھوپھا اس کا ولی بھی ہے تو نکاح نافذ ہوگیا، صرف حمیدہ کو خیار بلوغ حاصل ہوگا کہ بالغ ہوتے ہی فوراً اس نکاح سے علیٰحدگی چاہی تو قاضی کے پاس دعویٰ کر کے نکاح فسخ کراسکتی ہے، شوہر کے طلاق دینے کی کچھ

Marfat.com

ضرورت نہ ہوگی، تنویر الابصار میں ہے۔ لھما ای لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ بشرط القضاء، اور اگر حمیدہ کے لئے کوئی ولی شرعی ہو، مگر اس نے عقد کو رد کر دیا تو باطل ہو گیا کہ یہ عقد فضولی تھا اور اس کا یہ حکم ہے، کہ اجازت پر موقوف ہوتا ہے، جائز کر دینے سے جائز ہوتا ہے اور رد کرنے سے باطل، اور اگر ولی نہ ہو یا ہے، مگر اس نے اب تک نہ جائز کیا نہ رد، تو حمیدہ کو بالغہ ہونے کے بعد خود اختیار ہے کہ چاہے اسے رد کرکے باطل کر دے یا اجازت دے کر نافذ کر دے اور اگر اس صورت میں رد کرے گی تو انکار کرتے ہی عقد باطل ہو جائے گا، قاضی کے پاس دعویٰ کرنے یا فسخ کرانے کی کوئی حاجت نہیں، رد المحتار[۱] میں ہے، قولہ اما اذا کان ای وجد سلطان او قاض فی مکان عقد الفضولی علی المجنونۃ او الیتیمۃ فیتوقف ای ینفذ باجازتہ بعد عقدھا او بلوغھا لان وجود المجیز حالۃ العقد لایلزم کونہ من اولیاء النسب، اور بر تقدیر رد کرنے کے جس سے چاہے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے کہ پہلا نکاح اب باقی نہ رہا، اگر بکر حمیدہ کا کفو نہ ہو یعنی مذہب ونسب وپیشہ اور چال چلن میں اتنا کم ہے کہ اس سے نکاح اولیا حمیدہ کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو مذہب مختار میں یہ نکاح بالکل صحیح نہ ہوا کہ ایسا نکاح تو باپ دادا کے سوا اگر کوئی ولی بھی کرتا تو صحیح نہ ہوتا نہ کہ فضولی، درمختار میں ہے، وان کان المزوج غیرھما لا یصح النکاح عن غیر کفوء او بغبن فاحش اصلاً، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم،

**مسئلہ:** از اسٹیٹ پالن پور نارتھ گجرات، مرسلہ حکیم محسن رضا لکھنوی، بی بی اینڈ سی آئی ریلوے،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ با وجود بالغ ہونے کے اس کی ماں نے بغیر دریافت ورضامندی ہندہ کے زید سے اس کا نکاح کرا دیا، زید فاسق وفاجر ہے، نان ونفقہ بھی نہیں دے سکتا، نماز روزہ کا مانع رہتا ہے، اب لڑکی اس کے مکان سے چلی آئی ہے، دوسری بات ہندہ کا باپ بھی نہ تھا، ان کی بغیر رضامندی کے یہ نکاح ہوا، قاضی شہر جائز وناجائز کا خیال نہ کرکے نکاح پڑھ دیا ہے، اب کیا صورت ہے نکاح صحیح ہوا یا نہیں، کیونکہ بالغہ ہندہ انکار کرتی ہے، اور کہتی ہے کہ میری ماں کو ان لوگوں نے یہ کام بہکا و بھلا کے کرا دیا میں نے زبان سے اقرار نہیں کیا، بینوا توجروا۔

**الجواب:** ہندہ بالغہ ہے، تو اس پر ولایت اجبار کسی کو نہیں، ماں نے بغیر اس کی اجازت کے اگر نکاح کر دیا، تو یہ نکاح فضولی ہوا جو ہندہ کی اجازت پر موقوف تھا، اور جب ہندہ کی رخصتی ہوئی اور اس نے انکار نہ کیا، بلکہ اس کے مکان پر چلی گئی اور رہی بھی اور غالباً خلوت بھی ہوئی ہوگی، تو یہ سب امور دلیل اجازت ہیں، اگرچہ ہندہ نے قول سے اجازت نہ دی، مگر اپنے فعل سے اس نکاح کو جائز کر دیا، اب اس کو انکار کرنے کا کوئی حق باقی نہ رہا، یہ اس صورت میں ہے کہ زید

[۱] ص ۳۲۲، ج ۲، ن آخر باب الکفارۃ،

Marfat.com

ہندہ کا کفو ہو یعنی مذہب، نسب، چال چلن، پیشہ وغیرہ میں اتنا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اولیا ہندہ کے لئے باعث ننگ و عار ہو اور اگر کفو نہ ہو تو بغیر صریح اجازت ولی کے نکاح نہیں ہو سکتا، اگرچہ خود ہندہ راضی بھی ہو، کما ھو مصرح فی الدر المختار، وھو تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از اجمیر شریف، ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ،

عقد ہو جانے کے بعد بغیر اجازت شوہر والدین لڑکی کو کہیں لے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب:** اگر لڑکی چھوٹی ہے اور وہ اپنے والدین کے یہاں رہتی ہے، تو والدین اسے اپنے ساتھ لیجا سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از ہوڑہ محلہ بابو تالاب، مرسلہ جناب غلام نبی و محمد خدا دین، ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۴۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے جس سے نکاح کیا ہے، اس کے پاس دوسرے خاوند سے ایک لڑکی بھی ہے، جس کی شادی کا پیام آتا ہے خصوصًا اس کی خالہ کے یہاں سے، لیکن زید نفی میں جواب دیتا رہا، زید کی عدم موجودگی میں بیوی کی اجازت سے شادی کر دی گئی، درست ہوا یا نہیں، لڑکی نابالغہ ہے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** نابالغہ کا نکاح ولی کی اجازت سے ہوتا ہے، اگر بغیر اجازت ولی نکاح کیا گیا تو اجازت ولی پر موقوف رہے گا، ولی اجازت دے گا تو جائز ہوگا اور رد کرے گا تو باطل ہو جائے گا، اگر اس لڑکی کا کوئی عصبہ بھائی چچا یا دادا پردادا وغیرہ اصول کی اولاد میں کوئی مرد ہے تو وہ اس کا ولی ہے کہ اس کی اجازت درکار ہے اور عصبات میں سے کوئی ولی نہ ہو تو ماں ولی ہے، سوتیلا باپ اگر عصبہ ہے تو اس کے لئے ولایت ہو سکتی ہے ورنہ اس کی اجازت کی کچھ حاجت نہیں، صورت مسئولہ میں اگر عصبہ موجود نہ ہوں تو ماں کو نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، شوہر سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اگر وہ انکار بھی کرے جب بھی ماں نکاح کر سکتی ہے، اس کو منع کرنے کا حق حاصل نہیں، درمختار میں ہے، الولی فی النکاح العصبة ثم الام، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** ۱۹ نومبر ۱۹۲۹ء،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی لڑکی ہندہ کا نکاح بلا اجازت زید کی لڑکی کا بحالت نابالغی زید کے نانا کے لڑکے یعنی اس نابالغہ کے نانا زاد چچا نے زبردستی عمرو سے کرا دیا، جب ہندہ کے والد زید کو اطلاع ملی

Marfat.com

ماں نے علی الفور کہدیا کہ ابھی میری لڑکی نابالغہ ہے۔ اس کا نکاح کہیں بھی مجھے منظور نہیں لڑکے کے تایازاد چچا نے اس فسخ عقد کو تسلیم کرتے ہوئے، ہندہ کو جبراً عمرو کے گھر لے جانا چاہا، ہندہ کے والدین اور بھائی وغیرہ نے اسے نہ لے جانے دیا اور لڑکی نے بھی صاف جانے سے انکار کر دیا، آخرش فریق ثانی نے دعویٰ کر دیا، اثنائے مقدمہ میں لڑکی بالغ ہوئی، وقت بلوغ چند گواہوں کے سامنے اپنے تایازاد چچا کا کیا ہوا عقد فسخ کر دیا اور نکاح کے وقت سے لڑکی اب تک اپنے والدین کے گھر ہے، جس سے یہ فرضی نکاح کیا تھا، اس کے گھر کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے۔ اب سوالات طلب مندرجہ ذیل امور ہیں؟

(۱) ولی اقرب یعنی والدین کے ہوتے ہوئے تایازاد چچا لڑکی کا عقد بلا اجازت والدین کر سکتا ہے یا نہیں،

(۲) اگر ولی بعید مثل تایا یا تایازاد چچا کے نابالغہ لڑکی کا کوئی عقد کر دے جس میں والدین کی رضامندی تو درکنار بعض خبر بھی نہ ہو تو اس عقد کے فسخ کرنے کا والدین کو بھی حق حاصل ہے یا نہیں،

(۳) اگر والدین کو اس نکاح کے فسخ کا مجاز نہ ہو تو وقت بلوغ لڑکی اس نکاح کے فسخ کی مجاز ہے یا نہیں؟

(۴) والدین کے ہوتے ہوئے بلا اجازت والدین نابالغہ لڑکی کے نکاح کا کس کو مجاز ہے براہ کرم ہر سوال کا جواب مفصل مدلل عنایت ہو،

(۵) اگر لڑکی کی والدہ یا بھائی بلا رضامندی واطلاع والد اذن نکاح دیدے تو کیا یہ نکاح قابل فسخ نہ رہے گا، بینوا توجروا۔

**الجواب:** یہ مسئلہ بہت واضح ہے، چنداں تفصیل کی حاجت نہیں، اگر یوہیں نکاح ہو جایا کرے تو جس کا جی چاہے جس کی لڑکی سے نکاح کر لیا کرے اسے کوئی اختیار ہی نہ رہے۔ یہ نکاح کاہے کو ہے زبردستی کسی کی لڑکی اٹھالے جانا ہے، نابالغہ کے نکاح کے لئے ولی شرط ہے، درمختار میں ہے، وھو ای الولی شرط صحۃ نکاح صغیر ومجنون، والد کے ہوتے ہوئے تایازاد چچا کو نکاح کرنے کا حق نہیں، اس کا مرتبہ تو باپ سے کئی درجہ بعد کو ہے کیونکہ باپ نہ ہو تو ولایت دادا کے لئے ہے، وہ بھی نہ ہو تو بھائی کو ہے، بھائی نہ ہو تو بھائی کی اولاد ذکور کو ہے، یہ بھی نہ ہو تو چچا کو یہ بھی نہ ہو، تو ان کی اولاد ذکور کو یہ بھی نہ ہو تو باپ کے چچا تایا کو یہ بھی نہ ہو تو ان کے لڑکوں کو لہذا جس کا مرتبہ باپ سے اتنے درجے بعد ہو وہ کب باپ کی موجودگی میں نکاح کر سکتا ہے، باپ کے ہوتے ہوئے تو دادا اور بھائی بھی نکاح نہیں کر سکتے، نہ کہ باپ کے چچا کا لڑکا۔ درمختار وغیرہ عامہ کتب فقہ میں ہے، الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ علی ترتیب الارث والحجب،

Marfat.com

بالجملہ یہ نکاح جو باپ کے تایازاد بھائی نے کر دیا ہے، ہندہ کے باپ زید کی اجازت پر موقوف تھا کہ جائز کر دے تو جائز ہوگا رد کر دے تو باطل، پس جب کہ زید نے نکاح نامنظور کر دیا تو یہ نکاح باطل ہوگیا، اب زید یا خود ہندہ بھی بعد بلوغ اسے جائز کرنا چاہے تو عود نہیں کر سکتا کہ الباطل لا یعود، صورت مسئولہ کے جواب کے لئے اتنا کافی ہے، مگر سائل نمبر وار جواب چاہتا ہے لہٰذا ہر نمبر کا جواب علٰحدہ علٰحدہ ذکر کیا جاتا ہے،

(۱) ولی اقرب بھی باپ کے ہوتے ہوئے ولی ابعد یعنی باپ کے چچا یا اس کے لڑکے کو ولایت نہیں ہے، اگر اس ولی ابعد نے کر دیا تو باپ کی اجازت پر موقوف تھا اور اس کے رد کر دینے سے باطل ہوگیا، درمختار میں ہے، فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ،

(۲) عقد فسخ کرنا اس وقت ہوتا ہے، جب کہ وہ تمام بھی ہو جائے یہاں تو عقد موقوف ہے کہ بلا اجازت والد تمام ہی نہ ہوگا، اور جب باپ نے رد کر دیا وہ عقد موقوف جاتا رہا، اس کے فسخ کی حاجت ہی نہیں کہ نامنظور کرنے سے باطل ہوگیا،

(۳) ہم نے پہلے بیان کر دیا کہ نابالغہ کا نکاح صحیح ہونے کے لئے ولی شرط ہے، اور جب باپ موجود ہے تو وہی ولی ہے، اس نے جب نامنظور کر دیا تو باطل ہوگیا، اب وہ موقوف نکاح بھی باقی نہیں، لڑکی بالغ ہو کر فسخ جب کرتی کہ نکاح ہو بھی اور اب تو کچھ رہا ہی نہیں پھر فسخ کس چیز کو کریگی، ہاں اگر باپ نے اپنے قول و فعل سے نہ رد کیا ہوتا نہ جائز کیا ہوتا، یہاں تک کہ لڑکی بالغ ہو جاتی، تو اب خود اس لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوتا اور رد کرنے سے باطل ہوتا اور یہاں تو پہلے ہی معدوم ہو چکا ہے۔

(۴) باپ کے ہوتے ہوئے کسی کو اختیار نہیں،

(۵) یہ نکاح بھی والد کی اجازت پر موقوف رہے گا اور اس کے نامنظور کرنے کے بعد جاتا رہے گا، کیونکہ بھائی کا مرتبہ باپ اور دادا کے بعد ہے اور ماں کا مرتبہ تو تمام عصبات کے بعد ہے، تنویر الابصار میں ہے، فان لم یکن عصبة فالولایة للام، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر لڑکی رضامند نہ ہو اور لڑکی بالغ ہو تو باپ کو کیا شرعی طور پر اختیار حاصل ہے کہ بلا رضامندی لڑکی کا نکاح کر دے، ؟

**الجواب:** ولایت اجبار کہ وہ چاہے یا نہ چاہے نکاح صحیح نافذ ہو جائے یہ صرف نابالغ پر ہے بالغ و بالغہ پر ولایت اجبار نہیں، بلکہ ان سے اجازت لینی ہوگی، اجازت دیں تو نکاح کر سکتا ہے ورنہ نہیں، اور بغیر اجازت نکاح کر دیا تو اجازت

Marfat.com

پر موقوف ہوگا جائز کرے تو جائز ہے رد کردے تو باطل، البتہ کنواری کا سکوت بھی اذن سمجھا جائے گا، صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور نے فرمایا، لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن قالوا یارسول اللہ وکیف اذنہا قال ان تسکت، اور اس مضمون کی بکثرت احادیث صحاح ستہ میں مذکور ہیں۔ ابوداؤد ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی، ان جاریۃ بکرا اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان اباہا زوجہا وھی کارھۃ فخیرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ایک کنواری لڑکی حاضر خدمت اقدس ہوئی اور عرض کی اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے اور اسے ناپسند ہے، حضور نے اسے اختیار دیا یعنی تو چاہے تو نکاح کو جائز کر دے، نہ چاہے تو رد کر دے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از بمبئی مدنپورہ، حسینی باغ کے روبرو، غلام حسین کی چال پہلا منزلہ، مرسلہ فاطمہ زوجہ ولی محمد صاحب ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح اس کی نابالغی میں اس کی والدہ نے کر دیا، ہندہ جوں بالغہ ہوئی اور خون دیکھی اسی وقت ہندہ نے اس نکاح کو فسخ کیا، ہندہ کے گواہ بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں ہندہ بعد بلوغ اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں، اگر فسخ کی تو عدت واجب ہے یا نہیں؟

**الجواب**: نابالغہ کا ولی عصبہ ہوتا ہے وہ نہ ہو تو ماں ولی ہوتی ہے، لہٰذا ہندہ کا نکاح جو اس کی ماں نے کیا اگر یہ عصبہ کی موجودگی میں تھا تو عصبہ کی اجازت پر موقوف تھا کہ یہ نکاح فضولی ہوا، اگر ولی نے جائز کر دیا ہو تو جائز ہوگا اور رد کر دیا ہو تو باطل ہوگیا اور اب تک ولی نے جائز نہ کیا تو خود ہندہ کے رد کرنے سے باطل ہوگیا، اور اگر عصبہ کا جائز کیا ہوا ہو یا ماں خود ولی ہو اور عصبہ باپ دادا کا غیر ہو تو اس نکاح میں خیار بلوغ حاصل ہوگا بالغ ہوتے ہی جب کہ نکاح کو نامنظور کیا تو دعویٰ کر کے فسخ کرا سکتی ہے اور اگر خلوت نہیں ہوئی ہے تو عدت بھی نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از کراچی، مرسلہ مولوی ظہور الحسن درس صدر کراچی، ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ خالد نے اپنی لڑکی ہندہ عاقلہ بالغہ کی منگنی زید سے کی ہندہ کو اس منگنی کا اچھی طرح علم تھا، خالد اور بکر کے درمیان لڑائی ہوئی اور سرکاری آدمیوں نے خالد کے طرفداروں کو گرفتار کرنا شروع کیا، خالد نے اس سخت مشکل کو دفع کرنے کی لالچ میں ہندہ کا نکاح بکر سے کیا، ہندہ کو اس کا مطلق علم نہیں، ہندہ سوئی ہوئی تھی

Marfat.com

ہندہ کی بھاوج نے بیدار کر کے کہا کہ فلاں فلاں شخص (شاہدوں کے نام لے کر) تجھ سے پوچھنے آئے ہیں کہ تیرا وارث کون ہے، بکر کے ساتھ نکاح کا ذکر نہ تھا، اس سے قبل گھر میں شادی یا نکاح وغیرہ کی بات چیت تھی، ہندہ نے سمجھا شاید سرکاری تحقیق ہو رہی ہے، اس خیال سے ہندہ نے جواب دیا کہ میرا وارث میرا باپ ہے، جس وقت ہندہ کو یہ علم ہوا کہ میرا نکاح بکر سے کر دیا گیا ہے اسی وقت ہندہ نے انکار کیا اور کہا کہ میرا نکاح اس سے ہوگا جس سے میری منگنی ہوئی ہے، بکر سے نکاح ہونے کا نہ مجھے علم ہے نہ میں قبول کرتی ہوں اور آج تک ہندہ انکار پر قائم ہے آیا اس صورت میں ہندہ کا نکاح بکر سے جائز ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو شرعاً ہندہ کو زید سے نکاح کی اجازت ہے یا نہیں؟

**الجواب**: جب کہ ہندہ بالغہ ہے تو اس کے باپ خالد کو اس پر ولایت اجبار حاصل نہیں کہ چاہے وہ راضی ہو یا ناراض ہو جس سے چاہے اس کا باپ نکاح کر دے ایسا نہیں، بلکہ اس کا اذن ضروری ہے، درمختار میں ہے، ولا تجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ، البتہ اگر نکاح کی خبر سن کر اور یہ معلوم کر کے کہ میرے باپ نے فلاں سے نکاح کر دیا ہے، ساکت رہتی تو یہ دلالۃً اذن ہوتا اور نکاح صحیح ہو جاتا، حدیث میں ہے، واذنہا صماتہا، مگر جب کہ صراحۃً اس نے انکار کر دیا تو نکاح باطل ہو گیا کہ اب اس نکاح کو ہندہ جائز کرنا چاہے تو بھی نہیں کر سکتی ہے، لہٰذا صورت مستفسرہ میں ہندہ کو اختیار ہے کہ زید سے نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ (۱)**: مرسلہ عبد الحمید پورہ کوٹھی، ڈاکخانہ شمیر نگر، ضلع گیا، ۲۴؍ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح نابالغیت میں چچا حقیقی لے کیا اب کہتی ہے کہ میں راضی نہیں ہوں، بالغ ہونے پر میں نے انکار کر دیا میں اس کو پسند نہیں کرتی ہوں، یہ مسئلہ چند جگہوں سے دریافت کیا گیا ہر ایک جگہ سے جواب آیا تھا کہ قاضی یا حاکم مجاز یا جو عالم دیندار قرب وجوار میں ہوں لوگ اس کو مانتے ہوں، ان کی طرف رجوع کیا جائے اگر فسخ کا حکم دیں تو نکاح کر سکتی ہے، مسئلہ مذکورہ سے پوری واقفیت رکھتے ہوئے زعم میں آکر حاصل یہ ہے کہ ناکح وحضار مجلس وغیرہ جان بوجھ کر ہندہ کا نکاح کرایا، اب بدون رجوع کئے اور بلا فسخ نکاح ہندہ کا نکاح کر دیا گیا، آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں اگر ناجائز ہوا تو قاضی گواہ وحضار مجلس کے لئے کیا حکم ہوگا، ان کی بیویاں ان پر حرام ہوں گی یا نہیں، عمل ماقبل باطل ہوئے یا نہیں، ان کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں، ان لوگوں سے سلام وکلام جائز ہے یا نہیں، ازروئے شرع شریف جو حکم ہو صادر فرمایا جائے؟ -

Marfat.com

(۲) اگر از روئے شرع شریف قاضی، گواہان وحضار مجلس کے نکاح باطل ہوئے تو کون سی صورت ہوگی کہ ان لوگوں کی بیویاں ان پر حلال ہوسکیں؟

**الجواب**: (۱-۲) ہندہ کا نکاح نابالغی میں جب کہ چچا نے کیا تو اسے خیار بلوغ حاصل تھا کہ بالغ ہوتے ہی فوراً بلا توقف اپنے نفس کو اختیار کرکے نکاح فسخ کرا سکتی تھی، مگر خود عورت ہی فسخ کرے یہ نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے لئے قضاء قاضی شرط ہے جب تک قاضی فسخ نہ کرے وہ نکاح باقی رہتا ہے اور اس کے احکام جاری ہوتے ہیں، فتاوی عالمگیری میں ہے، وان زوجھا غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ وھذا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالی ویشترط فیھا القضاء بخلاف خیار العتق کذا فی الھدایۃ فان اختار الصغیر او الصغیرۃ الفرقۃ بعد البلوغ فلم یفرق القاضی بینھما حتی مات احدھما توارثا ویحل للزوج ان یطأھا لم یفرق القاضی بینھما کذا فی المبسوط۔

اس عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جب تک قاضی تفریق نہ کرے وہ دونوں زوج وزوجہ ہیں۔ لہذا بغیر تفریق ہندہ کسی دوسرے سے اپنا نکاح نہیں کرسکتی ہے، اگر نکاح کردیا گیا ہے تو یہ نکاح ناجائز ہے کہ منکوحہ غیر سے نکاح نہیں ہوسکتا، جو لوگ اس سے واقف تھے اور اس نکاح میں شریک ہوئے سخت گنہگار ہوئے ان پر توبہ لازم ہے اور اپنی اپنی عورتوں سے تجدید نکاح کریں، بطلان نکاح اور حبط عمل کا حکم نہیں دیا جاسکتا کہ یہ وہاں ہے جہاں کفر قطعی ویقینی ہو، یہاں تجدید کا حکم ہے اگر یہ لوگ تائب ہوکر تجدید نکاح کرلیں فبہا ورنہ ان سے میل جول ترک کیا جائے اور ان کو امام نہ بنایا جائے، واللہ تعالی اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ حاجی لیاقت علی خاں صاحب محلہ سوداگران بریلی، ۲۹ر جمادی الآخر ۱۳۵۹ھ،

زید کا نکاح بکر کی لڑکی کے ساتھ جب کہ لڑکی کی عمر بارہ یا تیرہ سال کی تھی بہ موجودگی وباجازت بکر ہوا، نکاح کو چار سال سے زیادہ ہوگئے ہیں، رخصتی کی رسم ابھی باقی ہے، بغیر کسی رنجش کے اس درمیان میں فریقین کی جانب سے اچھا اور بہتر برتاؤ رہا، اب رخصتی کے بغیر چار سال سے زیادہ اس حالت میں گذر جانے کے بعد لڑکی نے بموجب قانون جدید انفساخ نکاح جو ۱۹۳۹ء میں گورنمنٹ سے پاس ہوا ہے ایک نوٹس میعادی پندرہ یوم اپنے شوہر کو دیا کہ بموجب قانون جدید میں انفساخ کرتی ہوں، اس لئے کہ میں بروقت نکاح نابالغ تھی، میرے کسی جائز ولی نے نکاح نہیں کرایا، اور اب میری عمر سترہ سال

Marfat.com

ہے اور قانون جدید کے مطابق اٹھارہ سال تک نابالغ ہوں اور فسخ نکاح کر اسکتی ہوں. لہذا تم ایک ایسا اقرار نامہ جس سے انفساخ نکاح کا جواز ظاہر ہو مصدق بہ رجسٹری کرا دو اور مجھ سے دست بردار ہو جاؤ اور مجھے اپنی زوجہ منکوحہ نہ سمجھو ورنہ بعد گذرنے میعاد میں عدالت میں تم پر نالش کر دوں گی. اور بموجب قانون جدید انفساخ نکاح کرا لوں گی اور تم زیر بار ہرجاو خرچہ کے ہوگے. زید کسی طرح طلاق دینے پر رضامند نہیں ہے. لہذا صورت مسئولہ میں شریعت مطہرہ کا جو حکم ہو، بیان فرمائیں؛

**الجواب**: جب کہ یہ نکاح لڑکی کے باپ نے کیا ہے تو لازم ہوگیا اور اس نکاح کو فسخ نہیں کیا جا سکتا. نابالغہ بکر کا نکاح باجماع ائمہ اربعہ باپ اپنی ولایت سے کر سکتا ہے، تنویر الابصار متن درمختار میں ہے، ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفوان کان الولی ابا او جدا، جب یہاں عورت کو خیار بلوغ حاصل ہی نہیں ہے جس کی وجہ سے نکاح فسخ کیا جاتا تو کسی حاکم کو اس نکاح کے فسخ کرنے کا حق ہی نہیں ہے اور اگر بزعم خود کسی نے فسخ کر دیا تو نکاح بدستور باقی رہے گا، فسخ نہیں ہوگا، اس فسخ سے عورت کو یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ دوسرے سے نکاح کر سکے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# بابُ الکفوٴ
# کفو کا بیان

**مسئلہ**: مرسلہ حافظ عبدالعزیز صاحب از ٹانڈہ، ضلع فیض آباد، ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح عمرو کے نابالغ لڑکے کے ساتھ کر دیا. اب لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہوئے اور لڑکا مبتلا بمرض برص ہوگیا. لڑکی یہ کہتی ہے میں شوہر کے گھر نہیں جاؤں گی اور اپنا نکاح فسخ کرا لوں گی تو اس صورت میں از روئے شرع شریف لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار ہے یا نہیں اور درصورت عدم فسخ لڑکی کے ماں باپ رخصت نہ کریں تو وہ عند اللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں، مع عبارت کتب فقہ تحریر فرمائیں گے۔

**الجواب**: برص کوئی ایسا امر نہیں کہ اس سے سالم ہونا کفاءت میں شرط ہو اور اس کا ہونا سبب فسخ نکاح ہو، درمختار میں ہے، ولا بعیوب یفسخ بھا البیع، ردالمحتار میں ہے، ای ولا یعتبر فی الکفاءۃ السلامۃ من العیوب التی یفسخ بھا البیع کالجذام والجنون والبرص والبخر واللہ فنہ بحر. کفاءت میں ان عیوب سے سلامت کا اعتبار نہیں،

Marfat.com

جس سے بیع فسخ ہوا کرتی ہے، جیسے جذام اور جنون اور برص، اور گندہ دہنی اور گندہ بغلی، ہاں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اس مسئلہ میں خلاف ہے کہ ان کے نزدیک جذام و جنون و برص سے سالم ہونا کفاءت میں شرط ہے، جب کہ یہ اس مقدار پر ہوں کہ عورت کو اس مرد کے ساتھ رہنے کی طاقت نہ ہو، امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں، ولا تعتبر فی الکفاءۃ عندنا لسلامۃ من العیوب التی یفسخ بہا البیع کالجذام والجنون والبرص والبخر والدفر الاعند محمد فی الثلثۃ الاول اعنی الجنون والجذام والبرص اذا کان بحال لا تطیق المقام معہ، مگر یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ بلا ضرورت قول امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عدول نہ کیا جائے گا اور یہ امر کہ کہاں ضرورت ہے کہاں نہیں، یہ علمائے سابقین طے کر چکے ہیں، جہاں اصحاب فتویٰ قول صاحبین پر فتویٰ دیں گے، وہاں قول صاحبین پر عمل ہوگا، ورنہ قول امام ہی پر عمل ہوگا، نیز سوال سے یہ ظاہر ہے کہ وقت عقد یہ مرض نہ تھا بعد میں لاحق ہوا تو اگر مان بھی لیا جائے کہ برص کفاءت کے منافی ہے، جب بھی بعد عقد نکاح اس میں مبتلا ہونے سے حق فسخ حاصل نہ ہوگا کہ کفو، میں جن امور کا اعتبار ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ وقت عقد ان میں سے کوئی مفقود نہ ہو اور بعد میں اگر اس کا زوال ہو تو اس کی وجہ سے فسخ عقد کا حق حاصل نہ ہوگا، درمختار میں ہے، والکفاءۃ اعتبارھا عند ابتداء العقد فلا یضر زوالھا بعدہ فلو کان وقتہ کفوا ثم فجر لم یفسخ، ردالمحتار میں فرمایا، قولہ ثم فجر الاولیٰ ان یقول ثم زالت کفائتہ لان الفجور یقابل الدیانۃ وھی احدی ما یعتبر فی الکفاءۃ، لہٰذا لڑکی کے والدین کو محض اس وجہ سے روکنے کا حق حاصل نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ مولوی احسان علی طالب علم مدرسہ اہل سنت، ۱۳، جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ

کفو کے لئے کیا شرط ہے؟

**الجواب:** کفاءت بالغین[1] میں صرف زوج کی جانب معتبر ہے عورت کی جانب سے نہیں یعنی اگر عورت میں کسی امر کی کمی ہے تو اس کی وجہ سے فسخ وغیرہ کا خیار نہ ہوگا، اور کفاءت میں ان امور کا لحاظ ہے، نسب، حریت، اسلام، یعنی جو شخص خود مسلمان ہوا اس عورت کا کفو نہیں جس کا باپ بھی مسلمان ہے، دیانت، مال، پیشہ، علامہ حموی نے ان امور کو ایک شعر میں جمع

[1] نابالغ اور نابالغہ میں کفاءت دونوں طرف سے معتبر ہے، اس بنا پر اگر کسی نابالغ لڑکے کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی ولی نے اپنی ولایت سے کسی ایسی لڑکی سے کیا، جو اس لڑکے کی کفو نہ ہو، اس سے کم درجہ کی ہو، تو نکاح صحیح نہ ہوا، شامی میں ہے، تقدم ان غیر الاب والجد لو زوج الصغیر او الصغیرۃ غیر کفو لا یصح ومقتضاہ ان الکفاءۃ للزوج معتبرۃ ایضاً، ص ۳۱۰ ج ۲، شروع باب کفاءۃ۔

Marfat.com

فرمایا ہے،

ان الکفاءۃ فی النکاح تکون فی　　ستۃ لھا بیت بدیع قد ضبطہ
نسب و اسلام کذا الدین حرفۃ　　حریۃ و دیانۃ ومال فقط۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ مولوی احسان علی طالب علم مدرسہ اہل سنت، ۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ۔

غیر کفو میں شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر غیر کفو میں برضائے والدین دلھا و دلھن و نیزان کے شادی ہوجائے تو درست ہے یا نہیں، جیسے خان شیخ ہیں، نداف وشیخ یا سید وشیخ، غرض کہ مختلف قوم اسلام سے ہو تو جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب:** شیخ سے مراد غالباً وہ شیوخ ہیں جو قرشی ہیں، یعنی صدیقی، فاروقی، عثمانی، عباسی وغیرہم یہ سادات کے کفو ہیں، کہ تمام قریش باہم کفو ہیں، اور پٹھان[1] ان شیوخ کے کفو نہیں، تو نداف کیونکر ہوگا اور انصار قریش کے کفو نہیں تو سادات کے بھی نہیں، عرب کی مختلف قومیں سوا قریش کے سب باہم کفو ہیں، اور قریش کا کفو سوا قریش کے دوسرا نہیں، اور عجم کی قوموں میں نسب کے علاوہ باقی امور مذکورہ کا کفاءت میں لحاظ کیا جائے گا، اور عجمی قوموں کا اکثر مدار پیشہ پر ہے تو یہ خیال کیا جائے گا کہ پیشہ میں اتنا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اولیائے زن کے لئے باعث عار ہو، عورت اگر خود غیر کفو سے نکاح کرے تو نکاح نہ ہوگا، درمختار میں ہے، ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان، یہ اس صورت میں ہے، جب کہ عورت کا کوئی ولی ہو اگر ولی نہ ہو اور عورت نے غیر کفو سے نکاح کرلیا تو صحیح ہے، یوہیں اگر ولی ہو اور وہ غیر کفو سے نکاح پر راضی ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، جب بھی صحیح ہے ردالمحتار میں ہے، ھذا (ای عدم جواز النکاح) اذا کان لھا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضا بعدہ، بحر، واما اذا لم یکن لھا ولی فھو صحیح

[1] خانیہ میں ہے، فقریش بعضھم اکفاء لبعض کیف کان حتی ان القرشی الذی لیس بھاشمی یکون کفوا للھاشمیۃ وغیر القرشی من العرب لایکون کفوا للقرشی، والعرب بعضھم اکفاء لبعض والانصاری والمھاجری فیہ سواء، والموالی لایکونون اکفاء للعرب۔ بعض قریش بعض کے کفو ہیں حتی کہ قریش غیر ہاشمی، ہاشمی کا کفو ہے، عربی غیر قرشی، قریشی کا کفو نہیں، بقیہ عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، انصاری و مہاجری سب برابر ہیں، عجمی عربی کے کفو نہیں، پٹھان اور نداف دونوں قومیں عجمی ہیں، اس لئے یہ سادات یا کسی شیخ کے کفو نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

Marfat.com

نافذ مطلقا اتفاقاکمایاتی لان وجد عدم الصحۃ علی عدہ الروایۃ دفع الضرر عن الاولیاء اما ھی فقد رضیت باسقاط حقہا فتح، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ مولوی احسان علی صاحب طالب علم مدرسہ اہل سنت، ۱۳ر جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ۔

ہندہ قوم سیدہ کو بکر قوم شیخ کا حرام حمل قرار پایا تھا، حمل ساقط کرادیا، اب وہ بکر زانی ہندہ سیدہ زانیہ سے نکاح کرلے تو جائز ہے یا نہیں اور اسقاط حمل کا گناہ ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** اگر زانی زانیہ کا کفو ہے تو نکاح جائز ہے ورنہ بغیر رضا اولیا کے جائز نہیں، کما بیناہ، اور حمل ساقط کرنا گناہ ہے، قہستانی میں ہے، انہا تاثم صمیہ التوبۃ والاستغفار، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ نصرت حسین صاحب معروف بہ فقیر بخش، وزیر آبادی، ۵ر ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبیلہ قریش میں اولاد اصحاب کبار و حسنین رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما ایک ہی کفو ہیں یا نہیں اور یہ کہ دختران سادات کا نکاح اصحاب کبار رضی اللّٰہ عنہم کی اولاد سے جائز ہے یا نہیں، نیز بروئے احادیث صحیحہ و کتب معتبرہ مسئلہ ہذا کے متعلق عرب و ہند میں قبیلہ قریش کا کیا رواج رہا، بینوا توجروا۔

**الجواب:** قریش سب باہم کفو ہیں، لہٰذا جو اصحاب کرام قرشی تھے، ان کی اولاد کا نکاح دختران سادات کرام سے ہوسکتا ہے، درمختار وغیرہ عامہ کتب میں ہے، فقریش بعضھم اکفاء بعض، ردالمحتار میں ہے، اشار بہ الی انہ لاتفاضل فیما بینھم من الھاشمی والنوفلی والتیمی والعدوی وغیرھم ولھذا زوج علی رضی اللّٰہ عنہ بنتہ ام کلثوم بنت فاطمۃ لعمر وھو عدوی قہستانی فلو تزوجت ھاشمیۃ قرشیا غیرھاشمی لم یرد عقدھا وان تزوجت عربیا غیر قرشی لھم ردہ کتزویج العربیۃ عجمیا بحر، وقولہ لم یرد عقدھا ذکر مثلہ فی التبیین وکثیر من شروح الکنز والھدایۃ وغالب المعتبرات، قریش ہند میں رہتے ہوں یا عرب میں سب کا ایک حکم ہے کہ اس مسئلہ میں عجم سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی عربی قبیلہ کی طرف نسبت نہ رکھتے ہوں، ردالمحتار میں ہے، المراد بالعجم من لم ینتسب الی احدی قبائل العرب، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ حکیم محمد عثمان صاحب از چوک مسجد، آگرہ، ۱۰ر جمادی الاولی ۱۳۴۱ھ۔

حضرات علمائے دین مسئلہ ذیل میں از روئے قانون شرع کیا فرماتے ہیں، یہ کہ زید مرض قبیح متوارثہ از قسم جذام و برص

Marfat.com

اسود وغیرہ کے مکروہ و قبیح مرض میں مبتلا تھا اور اس نے کسی نوع وحیلہ سے اپنے اس مرض قبیح اور مکروہ کو بہ نیت فریب دہی ہندہ یا اس کے ولی سے مخفی و پوشیدہ رکھا اور ہندہ و اس کے ولی کو فریب و دھوکہ دیکر اپنا نکاح ہندہ سے بولایت ولی کرلیا اور زید کو اس فریب دہی سے ہندہ و اس کے ولی بالکل لاعلم رہے اور بہ سبب لاعلمی زید کو ہر طرح پاک وصاف منزہ و مبرا سمجھ کر ہندہ کے ولی نے ہندہ کا نکاح زید سے کر دیا، مگر ہنوز اپنے ہی گھر تھی اور علٰحدہ رہی نیز خلوت صحیحہ بھی واقع نہیں ہوئی کہ زید کا سارا فریب کھل گیا، اس سبب سے ہندہ اور اس کے ولی نے بالاعلان فسخ نکاح کر دیا جس کو چند سال گذر گئے ہنوز ہندہ ابتدا سے ہمیشہ اپنے ہی گھر پر برابر علٰحدہ رہتی چلی آرہی ہے، ایسی حالت میں ہندہ کو حسب منشا خود یا بولایت ولی کسی اور سے عقد نکاح کر لے کا حق و اختیار کامل حاصل ہے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: امراض برص و جذام وغیرہا سے سالم ہونا شرط کفاءت نہیں، درمختار میں ہے، ولا بعیوب یفسخ بہا البیع، ردالمحتار میں ہے، ای ولا یعتبر فی الکفاءۃ السلامۃ من العیوب التی یفسخ بہا البیع کالجذام والجنون والبرص والبخر والدفر، فتح القدیر میں ہے، ولا یعتبر فی الکفاءۃ عندنا السلامۃ من العیوب التی یفسخ بہا البیع کالجذام والجنون والبرص والبخر والدفر، لہذا زید کا امراض مذکورہ میں مبتلا ہونا باعث فسخ نکاح نہیں، نیز سوال سے ظاہر کہ زید نے اس امر کو ہندہ و اولیا ہندہ سے مخفی رکھا نہ یہ کہ ان امراض سے اپنی براءت ظاہر کی ہو تو اگر ان امراض سے سالم ہونا شرط کفائت ہوتا جب بھی حق فسخ حاصل نہ تھا، درمختار میں ہے، لو زوجوہا برضاہا ولم یعلموا بعدم الکفاءۃ ثم علموا لا خیار لاحد الا اذا شرط الکفاءۃ او اخبرہم بہا وقت العقد فزوجوہا علی ذلک ثم ظہر انہ غیر کفاء کان لہم الخیار ولوالجیہ، صورت مسؤلہ میں نہ ہندہ اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے نہ دوسری جگہ بغیر طلاق یا موت زوج نکاح کر سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ مولوی محمد عنایت اللہ صاحب افسر مدرس مدرسہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ، ۸ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کفائت نسب شرعاً کن امور میں قابل اعتبار ہے؟

(۲) ایک شخص زید نے ایک عورت نومسلمہ سے جس کا باپ مشرک ہے، نکاح کیا اس کی اولاد ہوئے وہ اولاد اور ایک شخص والدین کی جانب سے صدیقی ہے، ان میں کون از روئے نسب افضل ہے اور اگر ایک شخص سید ہو کہ جس کی ماں نومسلمہ ہو تو اس کی لڑکی کا کفو عربی النسل غیر قریشی ہو سکتا ہے یا نہیں اور قریشی اس کا کفو ہے یا نہیں؟

Marfat.com

(۳) جس جگہ عربی النسل غیر قریشی باعزت سمجھا جاتا ہے اس جگہ وہ شخص کہ جس کی ماں مشرکہ ہے بعد میں مسلمان ہوگئی اور باپ سید ہے باعزت از روئے نسب ہے یا نہیں؟

(۴) ایک شخص جس کے والدین سید ہیں اور ایک شخص کا باپ سید ہے، وہ اس کا کفو ہو سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب**: (۱) غالباً سائل کی مراد یہ ہوگی کہ کفاءت نسب میں کن کن امور کا اعتبار ہے، اگر یہی مقصد ہے تو جواب یہ ہے کہ مرد باعتبار نسب ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اولیاء زن کے لئے باعث ننگ و عار ہو، مگر جہاں نص سے ایک قوم کا دوسری کے لئے کفو ہونا ثابت ہو اگرچہ کہیں کا عرف اسے کفو نہ سمجھے تو غیر کفو نہ ہوگا، مثلاً بعض جگہ کے سادات کرام اپنی لڑکیاں قرشی غیر سید کو دینا ننگ جانتے ہیں، بلکہ اپنے خاندان کے سوا دوسرے سادات کو بھی دینا ان کے یہاں معیوب ہے، اس ننگ و عار کا اعتبار نہیں، عامہ کتب میں ہے، القریش اکفاء، علامہ سید ابن عابدین شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں، لاتفاضل فیما بینهم من الهاشمی والنوفلی والتیمی والعدوی وغیرهم ولهذا زوج علی وهو هاشمی ام کلثوم بنت فاطمة لعمر وهو عدوی قهستانی فلو تزوجت هاشمیة قرشیا غیرها شمی لم یرد عقدها وان تزوجت عربیا غیر قرشی لهم رده کتزوج العربیة عجمیا بحر. واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) سائل نے یہ نہیں ظاہر کیا کہ زید کس خاندان کا شخص ہے، اگر سید ہے تو بیشک اس کی اولاد کو صدیقی پر نسباً فضیلت ہے اور اگر وہ بھی صدیقی ہے تو دونوں نسباً برابر ہیں، اگرچہ جس کی ماں صدیقیہ ہے اس کو اس شخص پر کچھ مزیت ہے جس کی ماں نومسلمہ ہے، مگر اس کی وجہ سے یہ شخص صدیقی ہونے سے خارج نہ ہوگا کہ نسب میں صرف باپ کا اعتبار ہے، ماں سے نسب نہیں سوا اولاد بنات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے یہاں نسب ماں سے ہے، فتاویٰ خیریہ میں ہے، فان العلماء رحمهم الله تعالیٰ ذکروا ان من خصائصه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان ینسب الیه اولاد بناته ولم یذکروا مثل ذالک فی اولاد بنات بناته فالخصوصیة للطبقة العلیاء فقط فاولاد فاطمة الاربعة الحسن والحسین وام کلثوم وزینب ینسبون الیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم واولاد الحسن والحسین ینسبون الیهما فینسبون الیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم واولاد زینب وام کلثوم الی ابیهم عمر وعبد الله لا الی الام ولا الی ابیها صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لانهم اولاد بنت بنته لا اولاد بنته یجری الامر فیهم علی قاعدة الشرع الشریف فی ان الولد یتبع اباه فی النسب لا امه وانما خرج اولاد فاطمة وحدها للخصوصیة التی ورد الحدیث بها وهی مقصورة

Marfat.com

علی ذریۃ الحسن والحسین، نیز اسی میں ہے، اما اھل النسب فمخصوص بالآباء، اور سید کی ماں اگرچہ نومسلمہ ہے، غیر قرشی اس کا کفو نہیں، صرف قرشی ہی اس کا کفو ہے، کما مر۔

(۳) غیر قرشی کو قرشی غیر ہاشمی پر بھی نسباً فضیلت نہیں اگرچہ غیر قرشی عربی النسل ہو اور اگرچہ قرشی کی ماں نومسلمہ ہو نہ کہ اولاد رسول سے نسب میں بڑھ جائے، کہ یہ نسبت جزئیت غیر کو کب مل سکتی ہے، اگرچہ علم وغیرہ دیگر فضائل میں دوسرا بڑھ جائے یا مال وغیرہ کسی وجہ سے باعزت مانا جائے، مگر اس سے نسب بدل نہیں سکتا، اس شخص کا تو باپ سید ہے، جس سے نسب کا اعتبار ہے، جس کی ماں سیدہ ہو اور باپ سید نہ ہو، اس کو بھی فی الجملہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت سے شرف حاصل ہو جاتا ہے، فتاوی خیریہ میں ہے، سئل فی ابن الھاشمیۃ بل ھو ھاشمی ام لا اذا قلتم لا ھل یثبت لہ شرف ام لا اذا قلتم نعم ھل یثبت فی اولادہ ام لا اجاب لاشبھۃ فی ان لہ شرفا ما ولکن الاولاد اما اھل النسب فمخصوص بالآباء والقائل بھذا قد نھج المنھج الواضح اتبع الوجہ اللائح اذ بادنی نسبۃ الیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یثبت الشرف والسیادۃ فاذا ثبت ھذا القدر لابن الھاشمیۃ ثبت لاولادہ و اولاد اولادہ الی آخر الدھر لوجود نسبۃ ما من النسب۔

(۴) کفو ہے کہ دونوں قرشی بلکہ ہاشمی بلکہ سید ہیں کہ جب باپ سید ہے تو بیٹا بھی سید ہی ہے، اگرچہ ماں غیر قوم کی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ مولوی عبد العزیز امام مسجد کلس داخلی سیر ضلع ہزارہ، ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد جاہل اور بے دین فاسق کے ساتھ نیک صالحہ تقوی دار عورت کا عقد ہو سکتا ہے یا نہ، اگر لاعلمی سے ہو جائے تو موقوف ہے یا نہ، اگر نکاح فاسد ہے تو وہ بلا اجازت دوسری جگہ نکاح کروانے کی مستحق ہے یا نہ؟۔

**الجواب:** بے دین مرد سے مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا کہ مسلمان عورت کے نکاح کے لئے مرد مسلمان ہونا ضرور ہے، اور مرد فاسق صالحہ کا کفو نہیں کہ عورت اگر بطور خود بغیر اجازت ولی اس سے نکاح کرلے گی تو مذہب مفتی بہ میں نکاح ہوگا ہی نہیں، اور اگر ولی کی اجازت سے ہوا تو ہو جائے گا کہ یہ اس کا حق تھا، اس نے خود ہی زائل کر دیا، در مختار میں ہے، فلیس فاسق کفوا الصالحۃ او فاسقۃ بنت صالح معلنا کان او لا علی الظاھر، نیز اسی میں ہے،

Marfat.com

ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان۔ اور اگر پہلے اس کا فاسق ہونا معلوم نہ تھا اب معلوم ہوا یا پہلے فاسق نہ تھا اب فاسق ہوگیا تو نکاح فسخ نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اگر غیر فاسق ہونا مشروط تھا یا مرد نے کفو ہونا ظاہر کیا تھا اور اب معلوم ہوا کہ وقت عقد فاسق تھا تو ولی کو اختیار ہے، درمختار میں ہے، ولو زوجوھا برضاھا ولم یعلموا بعدم الکفایۃ ثم علموا لاخیار لاحد الا اذا شرطوا الکفائۃ او اخبرھم بھا وقت العقد فزوجھا علی ذالک ثم ظھر انہ غیر کفو کان لھم الخیار ولوالجیہ۔ ردالمحتار میں نوازل سے ہے، لو زوج بنتہ الصغیرۃ ممن ینکر انہ یشرب المسکر فاذا ھو مدمن لہ وقالت بعد ماکبرت لاارضی بالنکاح ان لم یکن یعرفہ الاب بشربہ وکان غلبتہ اھل بیتہ صالحین فالنکاح باطل لانہ انما زوج علی ظن انہ کفوء اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ماں نے اپنی لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کر دیا اور چچازاد بھائی رضامند نہیں تھا۔ انکار کرتا تھا اس صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟۔

**الجواب:** جب چچازاد بھائی موجود ہے تو یہی ولی ہے، بغیر اس کی اجازت کے غیر کفو سے نکاح نہیں ہوسکتا، بہ یفتی لفساد الزمان کذا فی الدر، بلکہ کفو میں بھی اس کی اجازت پر موقوف ہوتا جب کہ لڑکی نابالغہ ہو کہ نکاح فضولی اجازت ولی پر موقوف رہتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از ستواس ریاست اندور مرسلہ مولوی غلام جیلانی ۱۷ر صفر المظفر ۱۳۴۲ھ۔

حرامی لڑکے کو لڑکی دینا جائز ہے یا نہیں، وہ وارث ہوسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** ولد الزنا کفو نہیں، اگر کوئی اسے اپنی لڑکی دے تو نکاح ہوسکتا ہے وہ اپنی ماں کا وارث ہوسکتا ہے باپ تو اس کا ہے نہیں جس کا وارث ہوسکے۔ حدیث میں فرمایا، الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از ہوڑہ کرشان پارا، مرسلہ حکیم ابو محمد عبدالرزاق آروی امام مسجد ۲۷،۴،۳ر صفر المظفر ۱۳۴۲ھ۔

ہندہ نے بروقت نکاح خود زید سے یہ شرط کیا کہ اگر تم ہماری برادری (ہم قوم ہم ذات) کے ہو تو نکاح ہے ورنہ نہیں بعد نکاح دو تین سال کے زید اس کی برادری کا نہیں نکلا۔ اب ہندہ اس کے شامل رہنا نہیں چاہتی ہے تو اس شرط پر بغیر طلاق نکاح فسخ ہوگیا یا طلاق کی ضرورت ہے، اگر فسخ ہوگیا تو عدت بھی ہوگی یا نہیں۔ اور طلاق دینے کی ضرورت پر عدت ہوگی یا نہیں، کیونکہ نکاح معلق بہ شرط ہے؟۔

Marfat.com

**الجواب**:۔ سائل نے یہ نہیں ظاہر کیا کہ زید ہندہ کا کفو بھی ہے یا نہیں، اگر کفو ہے یعنی مذہب ونسب وپیشہ اور چال چلن میں اتنا کم نہیں کہ اس سے نکاح اولیا ہندہ کے لئے باعث ننگ وعار ہو اگرچہ اس کی برادری کا نہ ہو مثلاً ہندہ سیدانی ہے اور وہ صدیقی جب تو نکاح صحیح وتام ہوگیا، ہندہ واولیا ہندہ کو ہرگز حق فسخ نہیں، اور اگر کفو نہ ہو اور بروقت نکاح کفو ہونا بیان کیا اور اسی شرط پر نکاح ہوا تو حق فسخ حاصل ہے، درمختار میں ہے، اذا شرطوا الکفاءۃ او اخبرہم بہا وقت العقد فزوجوہا علی ذالک ثم ظہر انہ غیر کفو کان لہم الخیار ولوالجیہ، یہ حکم بربنار قول متقدمین ہے اور مختار متاخرین یہ ہے کہ غیر کفو سے نکاح صحیح ہی نہیں ہوتا، درمختار میں ہے، ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وہو المختار للفتوی لفساد الزمان، لہٰذا اس صورت میں فسخ وغیرہ کی کچھ حاجت نہیں، کہ فسخ کا حکم نکاح جائز کے لئے ہے اور یہ ناجائز ہے، اور وطی ہوچکی ہو تو بعد متارکہ عدت واجب ہوگی کہ نکاح فاسد میں بھی عدت کا وجوب ہے، کذا فی کتب الفقہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:۔ از ریاست بہاول پور دربار معلیٰ حضرت سجادہ نشین چاچڑاں شریف مرسلہ مولانا مولوی سراج احمد صاحب ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ اللہ بخش مسماۃ عزیزن کو مفرور کرکے بغیر رضا والد لڑکی بالغہ مذکورہ کے اپنا نکاح پڑھایا، اب والد منکوحہ دعویٰ تنسیخ نکاح بدیں وجہ دائر کیا ہے کہ میں متقی نمازی روزہ دار زمیں دار ہوں اور اللہ بخش ناکح فاسق بے نمازی میرے قریبی عصبہ کا چرواہا ہے، اس لئے بوجہ غیر کفو وعدم رضا ہندہ یہ نکاح باطل ہے کیا شرعاً یہ نکاح باطل ہے اور چرواہا ہونا عرف عام میں ایک ذلیل پیشہ ہونے کے علاوہ شرعاً بھی کوئی نص اس میں وارد ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ کفاءت کا مدار عرف پر ہے کہ اگر ناکح میں اتنی کمی ہو کہ اولیا زن کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو کفو نہیں ردالمحتار میں ہے، وفی الفتح ان الموجب ہو استنقاص اہل العرف فیدور معہ۔ اور ناکح جب کہ چرواہا ہے اور منکوحہ کا باپ زمیں دار تو اتنی کمی ضرور ہے کہ عرفاً عار ہو۔ ردالمحتار میں ہے، وفی البنایۃ عن الغایۃ الکناس والحجام والدباغ والحارس والسائس والراعی والقیم ای البلان فی الحمام لیس کفوا لبنت الخیاط۔ اور جب خیاط کا کفو نہیں تو زمیں دار کا بھی نہ ہوگا کہ زمیں دار خیاط سے کم نہیں یوں ہی جب کہ ناکح فاسق ہے اور یہ صالح ومتقی تو وہ اس کا

Marfat.com

کفو نہیں، درمختار میں ہے، فلیس فاسق کفو الصالحۃ اوفاسقۃ بنت صالح معلنا کان اولا علی الظاھر، اور جب کہ عورت نے غیر کفو سے نکاح کیا تو صحیح یہ ہے کہ یہ نکاح ناجائز ہے، درمختار میں ہے، ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلاً وھو المختار للفتویٰ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** ۱۱ از بلیا درزی چوک، بازار، مرسلہ محمد عمرو صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی لڑکی سے بکر کے لڑکے کی نسبت لگی، نکاح کا دن مقرر ہوا تاریخ مقررہ پر بذریعہ خط لڑکی کے باپ زید کو یہ خبر معلوم ہوئی، کہ بکر کا لڑکا جس سے زید کی لڑکی سے نسبت لگی ہے، حرامی ہے، مگر جو شخص نسبت لگانے میں درمیانی تھا، زید کو اطمینان دلایا کہ یہ بات بالکل غلط ہے، لڑکا حرامی نہیں ہے، شام کو زید کے گھر بارات آئی، اور لڑکی کا نکاح ہو گیا، مگر زید نے چونکہ نکاح ہونے سے پہلے لڑکے کا حرامی ہونا سنا تھا، لڑکی کو رخصت نہیں کیا، اب لڑکی کے باپ کو پانچ سات روز کے بعد تحقیق ہوا کہ واقعی لڑکا حرامی ہے، اس جھگڑے کے سبب لڑکی اب تک اپنے میکہ میں ہے، مگر اب لڑکی بھی بالغہ ہے، اور وہ بھی کہتی ہے کہ میں حرامی کے ساتھ نہیں رہونگی، اور نہ اس کے یہاں جا سکتی ہوں، اور اگر لڑکی نکاح کے وقت بالغہ ہوئی تو کیا حکم ہے،

(۲) حرامی لڑکے کا نکاح حلالی لڑکی سے جائز ہے یا نہیں؟

(۳) حرامی لڑکے کا نکاح حرامی سے جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**:- (۱) سوال میں دو متناقض باتیں ذکر کی ہیں، اس کو بکر کا لڑکا بھی بتایا اور حرامی[1] بھی کہا، اگر وہ حرامی بمعنی ولد الزنا ہے تو ثابت النسب نہیں کہ ولد الزنا کا نسب ثابت نہیں، حدیث میں فرمایا، الولد للفراش وللعاھر الحجر، بہرحال جس سے نکاح ہوا اگر وہ ولد الزنا ہو تو وہ لڑکی کا کفو نہیں، جو ثابت النسب ہے اور جب کہ بوقت نکاح اس کو صحیح النسب ظاہر کرتے ہوئے نکاح ہوا تو لڑکی اور اس کے اولیا کو نکاح فسخ کرانے کا شرعاً حق حاصل ہے، درمختار میں ہے، لوتزوج علی انہ فلان ابن فلان فاذا ھو لقیط او ابن زنا کان لھا الخیار، نیز اسی میں ہے، اخبرھم بھا وقت العقد

[1] غالباً سائل نے اپنے شک یا ظن یا افواہ کی بنا پر ایسا لکھا، عوام کا حال یہ ہے کہ وہ محض شک وشبہ کی بنا پر بھی حرامی ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں، مثلاً کوئی پردیس تھا گھر آیا، پھر پردیس چلا گیا، پردیس جانے کے بعد چھ مہینہ پر اس کے عورت کے لڑکا پیدا ہوا، یا پردیس جانے کے مثلاً سال بھر پر لڑکا پیدا ہوا تو عوام ایسے لڑکوں کو حرامی کہنے لگتے ہیں، حالانکہ یہ حرامی نہیں، بلکہ ثابت النسب ہے، جیسا کہ حدیث اسی فتوی میں مذکور ہے، الولد للفراش، لڑکا اس کا ہے، جس کی وہ بیوی یا باندی ہے غالباً اسی قسم کی کوئی بات ہوگی کہ لوگوں نے بکر کے لڑکے کو حرامی کہدیا ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم، (امجدی)

Marfat.com

فزوجها علی ذالک ثم ظهر انه غیر کفو کان لهم الخیار، واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) نکاح جائز ہو سکتا ہے اور جب کہ لڑکی کے اولیاء نے جان بوجھ کر اجازت دی ہو تو فسخ کا اختیار نہیں ہے ورنہ فسخ کرا سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

یہ اس وقت ہے کہ باپ یا دادا نے نکاح کیا ہو جن کا سوء اختیار معلوم نہ ہو اور اگر ان کا سوء اختیار ثابت ہو چکا ہو یا باپ دادا کے سوا دوسرے ولی نے نکاح کیا ہو تو یہ نکاح صحیح نہیں۔ درمختار میں ہے، ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفو ان کان ولی المزوج ابا او جدا لم یعرف منهما سوء الاختیار وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا ان کان المزوج غیرهما لا یصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) جائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# باب المہر

## مہر کا بیان

**مسئلہ**: مسئولہ عبد الغنی متعلم مدرسہ منظر اسلام بریلی۔ ۸ ربیع الاول شریف ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کی لڑکی کو نکاح کرنے کے ارادہ سے زید نے عمرو کو براتیوں کی مہمان داری کے لئے کچھ روپیہ دیا آیا یہ لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: براتیوں کے کھلانے کے لئے یا اپنے عزیز و اقربا و احباب کے کھلانے یا ان کے یہاں مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنے کے کچھ روپیہ لیا تو یہ لینا دینا جائز ہے، فتاویٰ خیریہ میں ہے، سئل فی رجل خطب من اخر اخته ودفع له شیئا سمی ملاکا ودراهم ایضا من عادة اهل الزوجة اتخاذ طعام به ولم یتم امر النکاح هل للخاطب ان یرجع فیه ام لا اجاب نعم له ان یرجع بذالک بشرط عدم الاذن منه فان اذن لهم باتخاذه واطعامه للناس صار کانه اطعم الناس بنفسه طعاما له وفیه لا یرجع واللہ اعلم۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ روپیہ بطور رشوت نہیں دیا جاتا ورنہ واپسی کو اس سے مشروط کرنے کہ روپیہ دیا اور نکاح نہ ہوا اور اجازت خرچ کرنے کی نہ دی ہو، بلکہ اگر بطور رشوت ہوتا تو بہر حال واپس کر سکتا کہ وہ دینا لینا حرام ہے لہذا آخر اسی فتاویٰ خیریہ میں فرمایا، سئل فی امراۃ ابی اقاربها

Marfat.com

ان یزوجوھا الا ان یدفع لھم الزوج کذا فوعدھم بہ ھل یلزم ام لا اجاب لایلزم ولودفع فلہ ان یاخذہ قائما اوھالکا لانہ رشوۃ کما فی البزازیۃ وغیرھا، درمختار میں ہے، اخذ اھل المرأۃ شیئا عند التسلیم فللزوج ان یستردہ لانہ رشوۃ، ردالمحتار میں ہے، عند التسلیم ای بان ابی ان یسلمھا اخوھا اونحوہ حتی یاخذ شیئا وکذا لوابی ان یزوجھا فللزوج الاسترداد قائما اوھالکا لانہ رشوۃ بزازیہ، جب یہ روپے اولیاء زن نے اپنے لئے نہیں لئے کہ دے گا تو لڑکی دیں گے، نہ دے گا تو نہ دیں گے تو رشوت نہیں. لہذا اپنے دینے میں حرج بھی نہیں. اور صورت مسئولہ میں تو لڑکی کے باپ نے مانگا بھی نہیں، بلکہ زید نے خود براتیوں کے کھلانے کے لئے دیا ہے اسے رشوت سے کچھ علاقہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ فیض بخش صاحب. گندہ نالہ. بریلی ۱۳ر جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید کا نکاح ہندہ مریضہ سے ہوا اور مہر بارہ سو روپیہ قرار پایا جس میں کچھ زیورات بوقت نکاح دیے گئے، جو تعدادِ مہر سے کم تھے. اور یہ کہا گیا کہ اس کی کمی شوہر کے ذمہ ہے. ہندہ سے بوجہ مرض خلوت صحیحہ اور بوس وکنار نہیں ہوا اور ہندہ کا انتقال ہوگیا. اس کے ورثہ میں صرف والدین اور شوہر ہیں. پس ترکہ ہندہ کا کس طرح تقسیم ہوگا. زیور کی بابت صرف بیان مرد کا یا اس کا حلف کہ یہ زیور مہر میں دیا کافی ہوگا یا نہیں ہوگا. تو مرد سے ثبوت لیا جائے گا یا کیا؟ -

**الجواب**: شوہر پر پورا مہر واجب الادا ہوگیا، اگرچہ خلوت نہ ہوئی ہے، ہدایہ میں ہے، ومن سمی مھرا عشرۃ فما زاد فعلیہ المسمی ان دخل بھا اومات عنھا لانہ بالدخول یتحقق تسلیم المبدل وبہ یتاکد البدل وبالموت ینتھی النکاح نھایتہ والشئ بانتھائہ یتقرر ویتاکد فیتقرر بجمیع مواجبہ، درمختار میں ہے، ویتاکد عند وطی اوخلوۃ صحۃ اوموت احدھما، اور زیور جو مہر کہہ کر دئے مہر میں شمار ہوں گے اور عورت کے ورثہ اگر اس میں خلاف کرتے ہوں تو گواہ سے ثابت کریں ورنہ شوہر کا بحلف بیان کرنا کہ میں نے مہر میں دئے. کافی ہے اور زوج کا قول معتبر ہے، درمختار میں ہے، ولوبعث الی امرأتہ شیئا ولم یذکر جھۃ عند الدفع غیر جھۃ المھر، فقالت ھو ھدیۃ وقال ھو من المھر او من الکسوۃ اوعاریۃ فالقول لہ بیمینہ والبینۃ لھا. فتاویٰ عالمگیری میں ہے، ومن بعث الی امرأتہ شیئا فقالت ھو ھدیۃ فقال ھو من المھر فالقول قولہ فی غیر المھیئ للاکل. اب ترکہ ہندہ جو کچھ ہو یہ زیور اور بقیہ مہر اور اس کے

Marfat.com

علاوہ جو شے اس کی ملک میں تھی، چھ سہام پر منقسم ہو کر تین سہام شوہر اور ایک ماں اور دو باپ کو ملیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ فیض بخش صاحب، گندہ نالہ، بریلی، ۱۳؍ جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ۔

نکاح کے وقت جو زیور ہر دو طرف سے چڑھایا جاتا ہے وہ دنیاوی زیبائش کے واسطے اس کی ملکیت ہر دو طرف اپنی اپنی رہتی ہے، یعنی فروخت کرنا از اندکرنا اپنا اپنا اختیار ہوتا ہے ہمارے یہاں جملہ اہل برادران میں یہی قاعدہ ہے، اگر ان میں سے کوئی لاولد مر جائے تو ہر دو طرف کی چیز اپنے اپنے ورثہ کو دے دی جاتی ہے، چنانچہ چند عرصہ کے بعد ہندہ کا انتقال ہو گیا، اب وہ زیور کس طرح تقسیم ہونا چاہیئے؟

**الجواب:** اگر اس قوم میں یہ رواج ہے کہ جو کچھ زیور دیا جاتا ہے، عورت کو اس کی مالک نہیں کیا جاتا تو دینے والے کی ملک ہے، عورت سے واپس لے سکتا ہے اور بعد انتقال عورت وہ زیور ترکہ میں شمار نہیں کیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ مولوی اکبر علی متعلم مدرسہ خاص، ۱۷؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا اور رخصت نہیں کی بعد کو معلوم ہوا کہ لڑکا بہت بدچلن زانی اور بدکار ہے لڑکی جانے پر رضامند نہیں ہے اول مہر ادا کیا جائے، جب رخصت کی جائے ہر چند لڑکی کو سمجھاتے ہیں، لڑکی راضی نہیں ہے، لڑکی کا باپ لڑکی کو چھوڑانا چاہتا ہے، لڑکی کے رضامند نہ ہونے کے سبب سے اس صورت میں مہر بھی ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** اگر قبل خلوت صحیحہ طلاق دے دے گا تو نصف مہر لازم آئے گا، اللہ عزوجل فرماتا ہے، وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ بابو حفیظ الرحمٰن صاحب ازرانی کھیت، ۲۶؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ مسئولہ میں کہ زید کی زوجہ سے زید کے ماں باپ نے جبر واکراہ سے زید کی زندگی میں دین مہر معاف کروا دی، جب کے شاہد بجز اس گھر کی عورتوں کے دوسرا نہ ہو کیا یہ معافی شرع شریف جائز قرار دے سکتی ہے، اگر ہو سکتی ہے تو کس کتاب کے حوالہ سے؟

(۲) اگر عورت کسی وجہ سے اپنے شوہر کو برضا ورغبت دین مہر معاف کر دے اور چند دن کے بعد اپنا دین مہر

Marfat.com

چاہے اور شوہر نہ دے تو شریعت مطہرہ کی رو سے وہ دین مہر کا مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** اگر واقعی جبر و اکراہ سے معاف کرایا کہ اس نے زدوکوب وغیرہ کی دھمکی دی اور انھیں مارنے وغیرہ پر قدرت بھی تھی کہ عورت کو صحیح اندیشہ تھا کہ اگر معاف نہ کرے گی تو جو کہتے ہیں کر گزریں گے تو معاف نہ ہوا اور اگر جبر و اکراہ سے یہ مراد ہے کہ انھوں نے بار بار عورت سے کہا اور اس پر ناراض ہوئے یا عورت کو ناراضی کا خوف ہوا اور معاف کر دیا تو یہ اکراہ نہیں، اور ایسا ہوا تو مہر معاف ہو گیا۔ ردالمحتار میں ہے، ولابد من رضاها ففی هبة الخلاصة خوفها بالضرب حتی وهبت مهرها لم یصح لو قادرا علی الضرب اھ، عالمگیری میں ہے، وان حطت عن مهرها صح الحط کذا فی الهدایة ولابد فی صحة حطها من الرضا حتی لو کانت مکرهة لم یصح ومن ان لاتکون مریضة مرض الموت هکذا فی البحر الرائق۔ اور معاف کرنے کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری نہیں، ہاں اگر عورت معافی سے انکار کرتی ہو تو اب شوہر یا اس کے وارثوں کو گواہوں سے ثابت کرنا ہوگا اور صرف عورتوں کی شہادت معتبر نہیں، بلکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، اور گواہوں میں وہ شرائط بھی ہوں جو معاملات کے اثبات کے لئے ضرور ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جب برضا و رغبت معاف کر دیا تو معاف ہو گیا، اور اب وہ مستحق نہ رہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ مولیٰ بخش محلہ بہاری پور، بریلی، ۲۲ رشعبان ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ رواج ہے کہ عورتوں کے واسطے جو زیور پہننے کی غرض سے شوہر کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ ملکیت شوہر کی ہے یا نہیں؟

(۲) بالغ شوہر کے والد سے جو مہر طلب کیا جاتا ہے، شوہر کے والد کے ذمہ مہر دینا قائم ہوتا ہے یا نہیں، حالانکہ لڑکا بالغ ہے زوج و زوجہ کے والدین کے درمیان ایک اقرارنامہ برادری تحریر کرا کے فیصلہ کر دیا تھا، آمد و رفت کی بابت جب اقرارنامہ کی نقل شامل سوال ہے، دونوں نے بخوشی منظور کر لیا تھا، زوجہ کا والد بھیجنے پر کافی رضامند تھا مگر زوجہ کے والد نے اب یہ عذر پیش کیا کہ لڑکی بالغہ ہے۔ خود مہر طلب کرتی ہے، حالانکہ لڑکی اپنے شوہر کے یہاں بیس یوم رہ چکی ہے وہ کہتی ہے کہ میرا مہر ادا کر دو تو جاؤں گی ورنہ نہیں، ایسی حالت میں یہ امر دریافت طلب ہے کہ لڑکی کا والد اس کے ولی ہونے سے انکار کرے اور اس معاملہ کو لڑکی کے سپرد کرے اور لڑکی بغیر مہر وصول کئے نہ آوے، شریعت میں جائز ہے یا نہیں۔ نکاح کو عرصہ تین سال ہوا؟ بینوا توجروا۔

Marfat.com

**الجواب**: (۱) جو زیور صرف پہننے کے لئے دیے گئے عورت کو اس کا مالک نہیں کیا گیا وہ شوہر کی ہی ملک ہے، عورت صرف پہن سکتی ہے ان کو نہ بیع کر سکتی ہے نہ دوسرے کو دے سکتی ہے، (واللہ تعالیٰ اعلم)

(۲) شوہر کے باپ کے ذمہ مہر نہیں ہے بلکہ مہر شوہر پر واجب ہے عورت کا مہر کل یا جز اگر معجل[1] نہ تھا تو وہ شوہر کے یہاں جانے سے انکار نہیں کر سکتی ہے، اس کو اپنے نفس کے روکنے کا حق حاصل نہیں اور اگر معجل تھا تو اس کے وصول کرنے تک اپنے کو روک سکتی ہے، شوہر اس کو اپنے یہاں لانے پر مجبور نہیں کر سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ حاجی علی حسین صاحب، ساکن باغ احمد علی خاں بریلی، ۱۱ رشوال ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شرع شریف میں کم از کم مہر کی کیا مقدار ہے اور زیادہ کی کیا، اور کتنا مہر ہونا بہتر ہے؟

**الجواب**: کم سے کم مہر کی مقدار دس[2] درہم شرعی ہے، اس سے کم نہیں ہو سکتا، اور زیادہ کے لئے شریعت نے کوئی حد نہیں رکھی، جو باندھا جائے گا وہی لازم ہوگا، اور بہتر یہ کہ شوہر اپنی حیثیت ملحوظ رکھے کہ یہ اس کے ذمہ دین ہے یہ نہ سمجھے کہ کون دیتا ہے کون لیتا ہے، اگر یہاں نہ دیا تو آخرت کا مطالبہ سر پر رہا، اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اپنی ازواج مطہرات و بنات مکرمات کا مہر پانچ سو[3] درہم باندھا اگر چاہے تو یہ مقدار رکھے کہ سنت بھی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] باعتبار میعاد کے مہر کی تین قسمیں ہیں، معجل، مؤجل، مطلق، معجل یہ کہ خلوت سے پہلے ادا کرنا طے ہوا ہو، اس کا حکم فتویٰ میں مذکور ہوا، مؤجل یہ کہ ادائگی کے لئے کوئی وقت مقرر تھا، اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک میعاد نہ پوری ہو، عورت اپنے آپ کو نہیں روک سکتی، میعاد پوری ہونے پر اسے اختیار ہے چاہے تو اپنے آپ کو روک لے، مطلق یہ کہ نہ فوراً ادا کرنے کی شرط ہے، اور نہ ادائیگی کی کوئی میعاد مقرر ہے، اس کا حکم بھی فتویٰ میں مذکور ہوا کہ مطلقاً کبھی بھی اپنے آپ کو نہیں روک سکتی، اس کی ادائیگی موت یا جدائی کے بعد واجب ہوتی ہے، مگر ہمارے ملک کا عموماً یہ عرف ہے کہ مہر معجل سے یہ سمجھتے ہیں کہ موت یا جدائی کے بعد وصول کرنے کا حق ہوگا، اس لئے اگر مؤجل کہا اور کوئی میعاد مقرر نہیں کی تو بھی عورت کو اپنے آپ کے روکنے کا حق نہ ہوگا، (بہار شریعت، ص ۴۴۔ ۴۶، ج ۷، امجدی) [2] دس درہم کی مقدار دو روپیہ بارہ آنے ۹ ۳/۵ پائی کے ہم وزن چاندی ہے، فتاویٰ رضویہ ص ۳۱۸، ج ۵، [3] پانچ سو درہم کے ایک سو ۱۴۰ چالیس روپیہ بھر چاندی ہوئی، یہ مہر ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا جملہ ازواج مطہرات کا تھا، ان کا مہر ایک روایت کی بنا پر چار ہزار ۴۰۰۰ درم تھا، کما فی سنن ابو داؤد، اور دوسری روایت کے مطابق چار ہزار ۴۰۰ دینار تھا جیسا کہ مستدرک میں ہے، اور ان کا یہ مہر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں تھا، بلکہ شاہ حبشہ سیدنا نجاشی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھا، فتاویٰ رضویہ ص ۳۱۸، ج ۵

Marfat.com

**مسئلہ**: مسئولہ محمد بخش، محلہ شاہدانہ، بریلی، یکم ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کی شادی ہوئی جو کہ تین سال سے اپنے مکان پر بیٹھ رہی اور دومرتبہ اپنے شوہر کے مکان بھی ہو آئی ہے، جس کا مہر پانچ سو روپیہ قرار پایا تھا، جس میں نصف معجل اور نصف غیر معجل تھا، اب وہ مسماۃ چاہتی ہے کہ میرا مہر مجھ کو ملنا چاہئے مجھ کو جانے سے کوئی انکار نہیں ہے، لہٰذا اس کو اپنا مہر مل سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب**: جتنا مہر معجل ہے اسے وصول کرنے کے لئے عورت اپنے نفس کو روک سکتی ہے، اگرچہ عورت اپنی خوشی سے شوہر کے یہاں جا چکی ہو بلکہ شوہر کے پاس رہ چکی ہو، درمختار میں ہے، ولها منعه من الوطى ودواعيه شرح مجمع، والسفر بها ولو بعد وطى وخلوة رضيتهما لان كل وطأة معقود عليها فتسليم البعض لايوجب تسليم الباقى لاخذ ما بين تعجيله من المهر كله او بعضه، فتاوی عالمگیری میں ہے، كل موضوع دخل بها او صحت الخلوة وتاكد كل المهر لو ارادت ان تمنع نفسها لاستيفاء المعجل لها ذالك عنده، بلکہ اگر معجل میں سے ایک روپیہ بھی باقی رہ گیا ہے، تو اس کے لینے کے لئے عورت اپنے کو روک سکتی ہے اور شوہر کو دینا پڑے گا، اسی فتاوی ہندیہ میں سراج وہاج سے ہے، فان اعطاها المهر الا درهما واحدا فلها ان تمنعه عن نفسها وليس له استرجاع ما قبضت كذا فى السراج الوهاج، لہٰذا صورت مسئولہ میں عورت نصف مہر کا فی الحال مطالبہ کر سکتی ہے اور جب تک وصول نہ کرے شوہر اسے رخصتی پر مجبور نہیں کر سکتا واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ محمد بخش ساکن محلہ شاہدانا شہر کہنہ، بریلی، ۲ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ،

یہ فتویٰ صحیح ہے یا نہیں اور ہم کل برادری اس پر کاربند ہو سکتے ہیں یا نہیں اور جو شخص اس فتوے کو جو پشت سوال پر مندرج ہے نہ مانے اس کو اہل برادری بند کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب**: یہ فتویٰ محض غلط ہے، سوال میں نہ مہر معجل ہے نہ غیر معجل، اگر غیر معجل قرار دے کر جواب دیا، تو یہ کہنا کہ "چونکہ

---

ف کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تین سال کا ہوا شادی کرے ہوئے پہلی رخصت میں ایک شبانہ روز رہ کر چلی گئی، دوسری رخصت میں بیس روز رہ کر چلی گئی، اس کے بعد باہمی جھگڑے پیدا ہوئے اب وہ اپنا مہر گھر بیٹھے طلب کر سکتی ہے، اس وجہ پر برادروں نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ نہ تو لڑکی والا اپنی لڑکی کو بلا عذر شرعی کے روک نہیں سکتا، اور نہ لڑکے والا بلا عذر شرعی کے لڑکے کی بیوی کو روک سکتا ہے، اب لڑکی نے یہ عذر کیا کہ میرا مہر دلوایا جائے، لہٰذا کس شکل پر وہ مہر لے سکتی ہے؟ **الجواب**: صورت مسئولہ میں چونکہ عورت نے دو مرتبہ اپنے نفس کو خاوند

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۶)

Marfat.com

عورت نے دو مرتبہ اپنے نفس کو خاوند کے سپرد کر دیا ہے، لہذا اب مطالبہ مہر کے لئے نفس کو روک نہیں سکتی ہے" ہرگز صحیح نہیں کہ جب غیر معجل ہے تو نفس کو سپرد کیا ہو یا نہ کیا ہو، بہر حال مطالبہ مہر کے لئے نفس کو روک نہیں سکتی، پھر یہ سپرد کرنے کی قید بیکار و بیجا ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ ولو کان المھر کلہ مؤجلا لیس لھا ان تمنع نفسھا لاسقاطھا حقھا بالتاجیل، تو جب میعاد مقرر کے لئے یہ حکم ہے تو جس میں میعاد کا وجود ہی نہ ہو جیسے یہاں، تو بدرجۂ اولیٰ مطالبہ کے لئے نفس کو روکنے کا حق تھا ہی نہیں، شوہر کو تسلیم نفس کیا ہو یا نہ کیا ہو، پھر تسلیم کی شرط عجب ہے۔ اور اگر مہر معجل سمجھ کر جواب دیا جب بھی غلط ہے کہ تسلیم نفس کرنے سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک عورت کو جو روکنے کا حق تھا باطل نہیں ہوتا، ہدایہ میں ہے:

وللمرأۃ ان تمنع نفسھا حتی تاخذ المھر و تمنعہ ان یخرجھا حتی یوفیھا المھر کلہ ای المعجل منہ وان دخل بھا فکذلک الجواب عند ابی حنیفۃ اھ ملتقطاً، کنز الدقائق میں ہے ولھا منعہ من الوطی والاخراج للمھر وان وطیھا، بحر الرائق میں ہے، ای للمرأۃ منع نفسھا من وطی الزوج واخراجھا من بلدھا حتی یوفیھا مھرھا وان کانت قد سلمت نفسھا للوطی فوطیھا، تبیین الحقائق میں ہے، واعلم ان المھر المذکور ھٰھنا ما تعورف تعجیلہ نیز اسی میں ہے، اما اذا نصا علی تعجیل جمیع المھر او تاجیلہ فھو علیٰ ماشرطا حتی کان لھا ان تحبس نفسھا الیٰ ان تستوفی کلہ فیما اذا شرط تعجیل کلہ ولیس لھا ان تحبس نفسھا فیما اذا کان کلہ مؤجلا لان التصریح اقویٰ من الدلالۃ فکان اولیٰ، ملتقی الابحر میں ہے، وللمرأۃ منع نفسھا من الوطی والسفر حتی یوفیھا قدر ما بین تعجیلہ من مھرھا کلا او بعضا وھذا قبل الدخول وکذا بعدہ، غرر الاحکام میں ہے، لھا منعہ من الوطی والسفر بھا بعد وطی او خلوۃ رضیتھا لاخذ ما بین تعجیلہ،

اور طرفہ یہ کہ مفتی نے اس کے بعد لکھا "اب مہر معجل ہو گیا"، یعنی اب تک مہر معجل نہ تھا، لڑکی نے جب دو بار تسلیم نفس کر دیا تو اب معجل ہو گیا، حالانکہ غیر معجل کبھی معجل نہیں ہو سکتا یہ بالاتفاق باطل محض ہے۔ پھر جب خود کہا کہ اب مہر معجل ہو گیا، تو لڑکی کو مطالبہ کا حق کیوں فی الحال نہیں، کیا مہر معجل اسی کو کہتے ہیں، جس میں مطالبہ کا فی الحال حق نہ ہو، اگر یہ کہتے کہ چونکہ دو بار تسلیم نفس کر چکی ہے، لہذا مطالبہ نہیں کر سکتی ہے تو اولاً یہ امام اعظم کے مذہب کے خلاف، ثانیاً، آپ تو یہ کہتے ہیں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۵ کا) کے سپرد کر دیا ہے لہذا اب مطالبہ مہر کے لیے نفس کو روک نہیں سکتی ہے، اب مہر معجل ہو گیا ہے آخر وقت موت خاوند کے مطالبہ کا حق ہے، فی الحال نہیں، البتہ خاوند کو اختیار ہے جب وقت چاہے مہر ادا کر دے عورت کی طرف سے حق مطالبہ نہیں رہا، ہکذا فی کتب الفقہ، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ محمد یسین

Marfat.com

کہ اب معجل ہوگیا اور معجل ہونے کے بعد عورت نے تسلیم نفس نہیں کی تسلیم نفس تو پہلے کر چکی تھی جب کہ بقول آپ کے معجل نہ تھا تو تسلیم نفس حق مطالبہ کو کیوں ساقط کرے گی پھر یہ کہنا کہ "فی الحال مطالبہ کا حق نہیں رہا" باطل باطل ہے۔ غرض یہ مسئلہ اپنے اوہام تراشیدہ پر مبنی ہے، حنفیہ کے خلاف۔ اور طرہ یہ کہ آخر میں لکھ دیا کذا فی کتب الفقہ، حالانکہ کتب فقہ متون و شروح و فتاویٰ کا حکم وہ ہے جو بیشتر مذکور ہوا کہ مہر معجل کے مطالبہ کا ہر وقت عورت کو اختیار ہے۔ بالجملہ یہ فتویٰ بالکل غلط ہے۔ اس پر عمل نہ کیا جائے۔ اور جس نے اس فتویٰ کو نہ مانا اس نے اچھا کیا اور اہل برادری اگر ایسے شخص کو جس نے غلط مسئلہ کو نہ مانا بند کردیں تو بیجا ظلم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ حافظ علی احمد خاں صاحب، محلہ جسولی، بریلی، ۲۶ رذی الحجہ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مہر معجل و مؤجل کی ادائیگی کا کیا حکم ہے، اور مہر درجہ اول کی تعداد کتنی ہونی چاہیئے اسی طرح درجہ دوم اور درجہ سوم کی؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** مہر معجل کا مطالبہ عورت ہر وقت کرسکتی۔ رخصت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی جب تک پورا وصول نہ کرلے اپنے کو شوہر کے یہاں جانے سے یا شوہر کو وطی و بوس و کنار سے روک سکتی ہے، اور مہر مؤجل وہ جس کی ادا کے لیے کوئی وقت مقرر ہے مثلاً چھ ماہ یا سال بھر کی میعاد ہو۔ مگر عرف میں مہر مؤجل سے مراد مہر مؤخر ہوتی ہے یعنی جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہو، مہر میں کمی کی جانب حد مقرر ہے۔ دس درم سے کم نہیں ہوسکتا اور زیادہ کے لیے کوئی حد معین نہیں۔ نہ شریعت میں درجہ اول و دوم و سوئم وغیرہ درجات پر مہر کی تقسیم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ مرزا محمد اسمٰعیل بیگ بیچ ناتھ پارہ رائے پور ممالک متوسط، ۱۸ رصفر المظفر ۱۳۴۲ھ۔

زید نے اپنے دو بیٹوں بکر و عمر کی شادی کردی بعد انتقال زید بکر اور عمرو متحد رہے اور زید کے سرمایہ نیز اپنی مشقت سے جائداد پیدا کی اور اپنی بیبیوں کو زیورات بنواکے دیا عمرو کا انتقال ہوگیا اور اس کی بیوی نے عقد ثانی کرلیا، عمرو کے انتقال کے وقت اس کی بیوہ نے رواجاً مہر بھی معاف کردیا۔ اب بکر بیوہ عمرو سے وہ زیورات واپس مانگتا ہے، آیا یہ درست ہے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** زوجہ عمرو نے جب مہر معاف کردیا تو معاف ہوگیا اس کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔ البتہ اپنا حصۂ شرعی کہ ربع یا ثمن ہے اس کی حقدار ہے۔ اگر عمرو کی کوئی اولاد بروقت انتقال نہ ہو تو ترکہ میں بعد امور متقدمہ علی المیراث اس کا چہارم حصہ

Marfat.com

ہے اور اولاد ہو تو آٹھواں رہے زیور اگر عمرو نے صراحۃً عورت کو زیور کا مالک کر دیا یا وہاں کا عرف ایسا ہو کہ عورت کو جو زیور بنا کر دیتے مالک ہی کرتے ہیں تو عورت کی ملک ہے، بکر واپس نہیں لے سکتا اور صرف پہننے کے لئے دیا اور مالک نہ کیا تو عمرو کی ملک تھا بعد انتقال ترکہ میں شمار ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** ؛ مرسلہ مولوی نجیب الرحمٰن صاحب، ساکن موضع بیوار گھاٹ ضلع پٹنہ، ۸ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ

زید نے ہندہ سے یہ سمجھ کر نکاح کیا کہ اس کا شوہر نہیں ہے کچھ زمانہ کے بعد ہندہ کا پہلا شوہر آگیا ہندہ زید پر مہر کا دعویٰ رکھتی ہے شرعاً زید پر مہر واجب ہے یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ نکاح نہیں ہوا مہر کیوں واجب ہوگا مگر ہندہ اور زید کو کسی طرح معلوم ہوگیا تھا کہ ہندہ کا شوہر مرگیا تھا حالانکہ وہ زندہ ہے؟

**الجواب** ؛ یہ نکاح فاسد ہوا جب کہ یہ جان کر نکاح کیا ہو کہ بے شوہر والی ہے، ردالمحتار میں فساد نکاح کی صورتوں میں ایک یہ صورت بھی مذکور ہے ونکاح امرأۃ الغیر بلا علم بانہا متزوجۃ، اور نکاح فاسد میں اگر شوہر نے جماع کرلیا ہے تو مہر مثل و مہر مسمٰی میں جو کم ہو اس کی مستحق ہے، یعنی بوقت نکاح جو مہر مقرر ہوا اگر وہ مہر مثل سے کم یا برابر ہے، جب تو وہ لازم ہے ورنہ مہر مثل درمختار میں ہے، ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطء فی القبل لا بغیرہ کالخلوۃ لحرمۃ وطئہا ولم یزد مہر المثل علی المسمی لرضاء بالحط ولو کان دون المسمی لزم مہر المثل لفساد التسمیۃ بفساد العقد ولو لم یسلم او جہل لزم بالغا ما بلغ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** ؛ مرسلہ عبدالرزاق خاں صاحب رضوی شہر دہلی، مقام رسینہ وے کلوزروڈ کوٹھی ۱۳۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے اپنی شادی کسی نیک بیوی سے کی اور شادی کے چار ماہ بعد بیوی انتقال کرگئی اور زید اپنا مہر اس بیوی سے نہ بخشوا سکا اب کون سی ایسی شکل ہے کہ اس کا مہر معاف ہو عورت کی ماں اور بھائی زندہ ہے، کس صورت سے معاف کرایا جائے اور اس وقت شرعی مہر عورتوں پر کتنی بندھائی جاتی ہے؟ اور زیادہ سے زیادہ کتنا ہوتا ہے، اگر لڑکے کی اتنی حیثیت نہ ہو تو کیا کیا جائے، مثلاً پانچ ہزار باندھے، اور اتنی حیثیت نہیں ہے تو کیا حکم ہے اور اس شخص کا جبراً ایک ہزار مہر باندھا ہے؟

**الجواب** ؛ جب کہ عورت مرگئی اور مہر معاف نہیں کیا تو اب یہ عورت کا ترکہ ہے اور اگر اولاد یا باپ نہ ہو صرف ماں اور بھائی ہے تو چھ سہام میں سے دو سہام ماں کے ہیں، اور ایک بھائی کا اور تین حق شوہر اب معاف کرنا اس کی ماں

Marfat.com

اور بھائی کے اختیار میں ہے، اگر یہ دونوں معاف کر دیں تو معاف ہو سکتا ہے اور چاہیں تو بقدر اپنے حصہ کے وصول کر سکتے ہیں کہ وہ شوہر کے ذمہ دین واجب الادا ہے، مہر کی تعداد کمی کی جانب مقرر ہے کہ دس درہم سے کم نہیں ہو سکتا، اور زیادہ کے لئے کوئی حد نہیں، دس درم یا زیادہ جو باندھا گیا وہی مہر ہے، اگرچہ شوہر کی حیثیت اتنے کی نہ ہو، درمختار میں ہے، ویجب الاکثر منہا ان سمی الاکثر، ردالمحتار میں ہے، ای بالغا ما بلغ، وھو تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ مولوی ممتاز علی صاحب از کانپور، ۱۳ رشعبان ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا عقد ہندہ سے ہوا، ۶ رمہ تک آپس میں میل جول رہا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد آپس میں نا اتفاقی ہوئی اور ہندہ کو طرح طرح کی تکلیفیں ہونے لگیں، چنانچہ ہندہ نے زید کو اس مضمون کا نوٹس دیا کہ میرا مہر معجل ۲۵ ہزار جو تمہارے ذمہ ہے ادا کر دو ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی، زید نے اپنی سبکی سمجھ کر ہندہ کو اس بات پر راضی کیا کہ پنچایت میں اس کا تصفیہ ہو جائے، ہندہ نے اس کو منظور کر لیا، پنچایت کے جلسہ میں تین مسلمان شخص تھے یہ فیصلہ کیا کہ زید کی جائداد جو تخمیناً پچیس ہزار کی ہے، ہندہ کو دے دی جائے، زید کو پچیس ہزار مہر کا اقرار تھا، پنچوں نے یہ فیصلہ کر کے عدالت میں داخل کر دیا، عدالت نے اس فیصلہ کو منظور کر کے ہندہ کو ڈگری دے دی، چنانچہ اس کے بعد برابر اس جائداد پر ہندہ کا قبضہ رہا، اور بیع بھی کرتی رہی، زید پر کچھ قرضہ تھا ہندہ نے اس جائداد کے ایک جز کو ضمانت میں دے دیا، جب زید قرضہ نہ دے سکا، تو ہندہ نے اس جائداد کا ایک جز فروخت کر کے اپنے شوہر کا قرضہ ادا کیا، زید نے اپنے ایک بیان میں یہ بھی ظاہر کیا کہ دین مہر کے مقابلہ میں ہندہ کو جو جائداد میں نے دی ہے، وہ فرضی ہے، لیکن اسی مجلس اور اسی بیان میں یہ بھی کہہ دیا کہ فرضی سے میری مراد یہ ہے کہ مجھ پر فرض ہے، اس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا، زید کے پاس اس جائداد کے علاوہ اور بھی تھوڑی سی جائداد تھی اس کو فروخت کر کے زید کا قرضہ ادا کیا گیا، بعدہ زید کے لڑکے عمرو کا انتقال ہوا، زید کے چچازاد بھائیوں نے دعویٰ کیا کہ زید سے جو جائداد ہندہ کو دین مہر کے مقابلہ میں دی گئی ہے، وہ فرضی ہے (حالانکہ زید کی موجودگی میں جائداد کا ایک جز ہندہ کے نام سے زید کے ایک چچازاد بھائی نے رہن رکھا تھا) اس لئے عمرو کے انتقال کے بعد ہم لوگوں کو چچازاد بھتیجے کے ترکہ سے حصہ ملنا چاہئے (کیونکہ یہی لوگ عمرو کے عصبہ تھے، بھائی وغیرہ اور کوئی عصبہ نہ تھا) لہذا یہ مقدمہ عدالت میں گیا، عدالت نے دونوں فریق کو سمجھا کر پنچایت سے تصفیہ کرانے کو کہا لہذا پنچایت میں دو ہندو شخص نے اس فیصلہ کو جو اس سے قبل کی پنچایت میں ہوا تھا، فرضی قرار دے کر صرف ایک جز

Marfat.com

میں چچاؤں کو حصہ دلوادیا اس کے بعد ہندہ نے اس جائداد کو اپنی چار لڑکیوں کو ہبہ کر دیا، لیکن یہ ہبہ کئی وجوہ سے شرعًا ناجائز قرار پایا، لہذا دریافت طلب یہ ہے کہ کوئی شخص ہندہ کو پچیس ہزار کی جائداد کا دین مہر میں دیا جانا فرضی بتلادے درانحالیکہ اس کے پاس اس کا کچھ ثبوت نہ ہو اس شخص کا یہ قول معتبر ہوگا اور کیا کسی مہر خواہ کو اس کا مہر دے دینا بھی فرضی ہوسکتا ہے اگر ہوسکتا ہے تو شرعًا اس کی کیا صورت ہوگی؟

**الجواب**: ہندہ کا مہر جب زید کے ذمہ واجب الادا تھا اور ہندہ نے زید سے مطالبہ کیا اور دونوں نے پنچایت میں فیصلہ کرانا چاہا، پنچوں نے بعوض پچیس ہزار مہر معجل زید کی جائداد کو دلوادی تو اب ہندہ ہی اس جائداد کی مالک ہوگئی، زید کا اس جائداد سے کچھ تعلق نہ رہا، زید کا کسی بیان میں اسے فرضی کہنا ہندہ کے لئے اصلاً مضر نہیں، اگرچہ فرضی کے جو معنی اس نے بیان کئے نہ بھی بیان کرتا، مہر واجب الادا کے بدلے کسی جائداد کو دینا ہرگز فرضی نہیں ہوسکتا، اولًا تو خود زید نے بطور خود دیا نہیں کہ فرضی کا احتمال ہوسکے، بلکہ یہ پنچائتی فیصلہ ہے جس سے زید و ہندہ دونوں نے تسلیم کیا۔ فیصلہ کا فرضی ہونا عجب بات ہے، ثانیًا، زید نے خود دیا ہوتا اور فرضی ہی سمجھ کر دیتا جب بھی فرضی نہ ہوتا کہ جو شئی مطالبہ واجبہ کے بدلے دی جائے وہ فرضی نہیں ہوسکتی ورنہ قرض خواہوں کو قرضے وصول کرنا محال ہوجائے، ثالثًا، زید خود کہہ رہا ہے کہ فرضی بمعنی فرض ہے تو اس کے کلام کو دوسرے معنی پر حمل کرنا خلاف انصاف ہے، رابعًا، دینے کے بعد اب لاکھ مرتبہ اسے فرضی قرار دے فرضی نہیں ہوسکتا اگرچہ دیتے وقت فرضی کی نیت بھی ہو کہ عقود میں لفظ کا اعتبار ہے۔ نیت کا نہیں اس جائداد میں زید کے چچازاد بھائیوں کا اصلاً حق نہیں یہ فیصلہ باطل محض و صریح ظلم ہے اور اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ یہ کاروائی فرضی ہوئی اور یہ قابل اعتبار بھی ہے، جب بھی ان کو ترکہ نہیں پہونچ سکتا کہ دین مہر منجملہ دیون ہے، اور دیون میراث پر مقدم پہلے ہندہ اپنا کل مہر وصول کرے گی، پھر جو بچے اس میں میراث جاری ہوگی، اور پچیس ہزار کی کل جائداد تھی اب تو فروخت ہوکر اتنے کی رہی بھی نہ ہوگی تو ساری جائداد مہر معجل ہی کے مطالبہ کے لئے کافی نہیں پھر اگر کچھ غیر معجل ہے تو یہ ویسا ہی باقی رہا الغرض یہ فیصلہ بہمہ وجوہ باطل محض ہے زید کے چچازاد بھائیوں کو اس جائداد سے کچھ نہیں پہونچتا، واللہ تعالی اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ مناولد امیر اللہ۔ محلہ بہاری پور، بریلی، ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کی شادی ہوئی، جس کو عرصہ تین سال ہوا ایک سال آنے

Marfat.com

جانے میں ختم ہوا اور اس تحقیق سے ختم ہوا کہ گویا جان کے لالے پڑ گئے، چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اس لڑکی کو کوٹھری کے اندر بند کیا اور بہت مار لگائے یہاں تک کہ لڑکی کے بدن پر نیل پڑ گئے، اسی حال میں ایک شخص لڑکی کی ماں سے آکر کہا لیکن ماں نہیں گئی، پھر خبر پائی کہ لڑکی کو بہت تنگ کیا جا رہا ہے، تب اہل محلہ کے ساتھ لڑکی کی ماں گئی، ماں نے حالت سن کر کہا لڑکی کو میرے شامل کر دو انھوں نے کہا کہ لڑکی کو لے جاؤ جب ماں نے لڑکی کو دیکھا تاب نہ آئی اور لڑکی کو لے کر وہاں سے چل دی اور کوتوالی میں آکر فوراً رپٹ لکھوائی اور شوہر کو تار دیا کہ ایسا معاملہ ہے تم فوراً گھر چلے آؤ جب لڑکی کو مکان پر لائی تو سبھوں نے لڑکی کی چوٹ دیکھی لڑکی سے چوٹ وغیرہ کی حالات پوچھے گئے تو لڑکی نے بتایا اور جس شخص نے ماں کو خبر کی تھی اس سے معلوم ہوا تھا کہ اسٹامپ پر نہیں سادے کاغذ پر انگوٹھا لگایا گو یا مار کی یہی ابتدا رہے لڑکی انکار کرتی تھی وہ انگوٹھا لگاتا تھا، اسی بنا پر لڑکی دو سال تک اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھی رہی اس اثنا میں کوئی بلانے بھی نہیں آیا یہاں تک کہ دو سال کے اندر لڑکی کا انتقال ہوگیا، چونکہ ماں باپ کا دل پکا ہوا ہے، اب لڑکی کے ماں باپ لڑکی کا جہیز اور مہر لینا چاہتے ہیں؟۔

**الجواب**:۔ صورت مستفسرہ میں جب کہ عورت سے سادے کاغذ پر انگوٹھے کا نشان لیا گیا اس کا کچھ اعتبار نہیں، اگر اس کاغذ پر اب شوہر وغیرہ مہر کی معافی لکھائیں تو اس سے مہر معاف نہ ہوگا اور اب چونکہ لڑکی کا انتقال ہوگیا لہذا مہر واجب الادا ہے، عورت کے ورثہ وصول کر سکتے ہیں، بلکہ اگر سادہ کاغذ بھی ہوتا اور اس کاغذ میں مہر کی معافی لکھی ہوتی اور اس جبر و تشدد زدوکوب سے انگوٹھے کا نشان لیا گیا تو معاف نہ ہوا کہ اکراہ کے ساتھ مہر معاف نہیں ہو سکتا، رد المحتار میں ہے، ولابد من رضاھا ففی ھبۃ الخلاصۃ خوفھا بضرب حتی وھبت مھرھا لم یصح لو قادرا علی الضرب الخ، اور جہیز عورت کی ملک تھی اس کے مرنے کے بعد وراثت جاری ہوگی ہر وارث کو بقدر سہام فرائض ملے گا، رد المحتار میں ہے، کل احد یعلم ان الجھاز للمرأۃ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:۔ سید رونق علی محلہ ملوک پور بریلی، ۲۲ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میری ہمشیرہ کا عقد جس کو عرصہ دو سال ہوا مسمیٰ امیر جان کے ساتھ ہوا وہ لڑکا نامرد ہے دس ہزار مہر دین ہے جس میں نصف معجل اور نصف غیر معجل ہے اور وہ لڑکا دیگر شخص کے مکان پر رہتا ہے، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ اس کی معشوقی میں ہے کوشش کی گئی کہ اس فعل بد سے باز آجائے اور اپنا گھر

Marfat.com

سمجھے، لیکن ناکامیابی رہی اور اب لڑکی کی جان کا اندیشہ ہے۔ ایسی حالت میں کتنا مہر واجب ہے۔ از روئے شرع شریف جو حکم عالی ہو فرمایا جائے؟

**الجواب:** نصف مہر کہ معجل ہے، اس کا مطالبہ عورت ہر وقت کر سکتی ہے اور نصف جو غیر معجل ہے اس میں تفصیل ہے اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہے یعنی دونوں ایک مکان میں تنہا جمع ہوئے ہوں اور کوئی مانع حسی یا طبعی یا شرعی نہ ہو، اگرچہ شوہر نے جماع نہ کیا ہو تو بعد طلاق یہ نصف بھی لے سکتی ہے اور اگر خلوت صحیحہ بمعنی مذکور نہ ہوئی ہو تو بعد طلاق پورے مہر کا نصف ہی لے سکتی ہے، یعنی اب تک کچھ وصول نہ ہوا ہو تو نصف لے گی اگر کچھ وصول ہو چکا ہو تو نصف میں جتنا باقی ہے وہ پائے گی اور اگر نصف وصول کر چکی ہے تو اب کچھ نہ پائے گی، اور نصف سے زیادہ وصول ہوا ہو تو نصف پر جتنا زائد ہے واپس کرے اور اگر طلاق نہ ہوئی بلکہ دونوں میں سے کوئی مر گیا تو بہرحال پورا مہر واجب الادا ہوگا، عالمگیری میں ہے، المہر یتاکد باحد معان ثلثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین، نیز اسی میں ہے، والخلوۃ الصحیحۃ ان یجتمع فی مکان لیس ھناک مانع یمنعہ من الوطی حسا او شرعا او طبعا کذا فی فتاویٰ قاضی خاں، نیز اسی میں ہے، وخلوۃ العنین والخصی خلوۃ صحیحۃ کذا فی الذخیرۃ، تنویر الابصار میں ہے، والخلوۃ بلا مانع حسی وطبعی وشرعی کالوطی ولو مجبوبا او عنینا او خصیا فی ثبوت النسب وتاکد المہر اھ ملتقطا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ — ۴ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ

**مسئلہ:** از اندور کچی مسجد رانی پورہ معرفت محمد عبد اللہ پیش امام مرسلہ رحمت بی بی، یکم جمادی الاولیٰ

(۱) اگر بیوی نے شوہر متوفی کو مرتے وقت اپنی دین مہر معاف کیا پھر اگر واپس لینا چاہے تو لے سکتی ہے یا نہ؟

(۲) اگر بیوی نے جبر واکراہ سے دین معاف کیا تو اس کو مل سکتی ہے یا نہ، بینوا توجروا۔

**الجواب:** (۱) جب عورت نے مہر معاف کر دیا تو معاف ہو گیا اب نہیں لے سکتی اور شوہر کی بیماری کو اس میں کچھ دخل نہیں، ہاں اگر عورت اپنے مرض الموت میں معاف کرے تو حکم وصیت میں ہے، درمختار میں ہے، صح حطھا لکلہ او بعضہ عنہ قبل اولا، ردالمحتار میں معافی کی شرائط میں ایک شرط یہ لکھی، وان لاتکون مریضۃ مرض الموت۔

(۲) اگر واقع میں جبر واکراہ کیا گیا مثلاً مارنے کی اسے دھمکی دی گئی اور اکراہ کرنے والا اس پر قادر بھی تھا عورت کو گمان ہوا کہ معاف نہ کروں تو مارے گا، ایسی صورت میں معاف نہ ہوا کہ اس میں رضا شرط ہے اور اکراہ کی

Marfat.com

صورت میں رضا موجود نہیں، ردالمحتار میں ہے، ولابد من رضاھا ففی ھبۃ الخلاصۃ خوفھا بضرب حتی وھبت مھرھا لم یصح لو قادرا علی الضرب، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از مدرسہ مطلع الاسلام موضع جادئی ضلع درنگ، آسام، مرسلہ دیدار الدین احمد قادری رضوی، ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کابین کسے کہتے ہیں، اور لڑکی کی شادی کے وقت جو دولھن کے ولی یا ماں باپ کابین لے لیتے ہیں وہ کابین شرعاً کیسی ہونی چاہیئے اور اس میں جو شرائط لکھواتے ہیں کہ ان شرائط کو لفظ بہ لفظ ناکح کو اقرار کرانا چاہیئے یا نہیں، اب ان میں اگر شرائط طلاق لکھوالیں تو وہ شرائط پائے جانے سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں اگر واقع ہوگی تو وہ شرائط ایجاب وقبول کے وقت مذکور ہونا چاہیئے یا نہیں، اگر بغیر اقرار کرائے اور مذکور کئے مطلق نکاح پڑھا دیں اور نکاح ہو جانے کے بعد دولھا کو سنایا جائے اور دستخط لے لی جائے تو اس صورت میں کوئی شرائط پائے جانے سے اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں اور اس عورت کا کسی دوسرے کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا بسند الکتاب والدلیل۔

**الجواب:** کابین مہر کو کہتے ہیں، مہر جو کچھ مقرر ہوا اگر کل یا بعض اس میں کا معجل ہے یا کسی مقدار خاص کا قبل رخصت لینا وہاں کا عرف ہو تو عورت یا اس کے اولیاء معجل یا اس معروف کو قبل رخصت وصول کر سکتے ہیں، تنویر الابصار میں ہے، ولھا منعہ من الوطی والسفر بھا ولو بعد وطی وخلوۃ رضیتھا لاخذ ما بین تعجیلہ او قدر ما یعجل لمثلھا عرفاً، کابین نامہ میں جو شرائط لکھے ہوں وہ یا تو شوہر نے لکھوائے ہوں یا بعد لکھنے کے اس کی تصدیق کی اور اقرار کیا ہو ورنہ شوہر پر اس کا کچھ اثر نہ ہوگا اگر کسی شرط کے پائے جانے پر طلاق واقع ہونا مرقوم ہے اور قبل نکاح اس کو شوہر نے لکھوایا تو طلاق واقع نہ ہوگی، مگر اس صورت میں کہ نکاح کرنے کو طلاق کے لئے شرط کیا ہو اس لئے کہ تعلیق کے لئے ملک یا اضافت الی الملک ضرور ہے، تنویر میں ہے، شرطہ الملک او الاضافۃ الیہ، اور اگر عقد یعنی ایجاب وقبول میں وہ شرط داخل کی یا بعد عقد شوہر نے وہ لکھی یا اس کا اقرار کیا تو شرط کے پائے جانے پر طلاق واقع ہوگی جس صورت میں طلاق ہوگی اگر وطی یا خلوت ہو چکی ہے تو اس میں عدت گزر لے پر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ:** مرسلہ کفایت حسین صاحب حنفی رضوی قادری بریلوی، ساکن صالح نگر بریلی،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و وارثان انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیٰ نبینا وعلیہم اجمعین، مسائل ذیل میں کہ شروع نسبت منگنی سے نکاح تک اکثر یہ معاہدے ہوتے رہے ہیں کہ ایک مکان لڑکی کے نام لکھویا ماہواری روپیہ لڑکی کے نام اور زیور وغیرہ تحریر کر دیں بعض جگہ تحریر ہو بھی جاتے ہیں اور بعض موقعہ پر رجسٹری بھی ہوجاتی ہے، ایسے معاملوں میں سخت سخت حجتیں ہوتی ہیں، اور لڑکی رجسٹری کے لئے کچہری تک جاتی ہے ایسے واقعات میں حکم شرع کیا ہے،

(۲) نکاح میں مہر کی بابت سخت حجت اور جھگڑے ہوتے ہیں اور وہ مہر وارث خود یا لڑکی سے کہلواتے ہیں، کہ لڑکے کی حیثیت سے کبھی ممکن نہیں ہوسکتا، اگر لڑکا یا وارث قبول نہیں کرتے تو نکاح نہیں ہوتا ہے، ایسی صورت میں نکاح کرنا چاہیئے یا نہیں؟

(۳) قاعدہ ہے کہ اگر لڑکی والے نہیں مانتے تو لڑکا و وارث سمجھ لیتے ہیں کہ ہمیں کہیں دینا تھوڑا ہی ہے، کون دیتا ہے اور کون لیتا ہے، جو یہ کہیں وہی مان لو جھگڑا تو ختم ہوجائے، کیا یہ خیال جائز ہے؟،

(۴) چونکہ بعض اوقات مہر کی ضرورت پڑتی ہے، جیسے بعد طلاق یا عند طلب مہر زوجہ طلب کر بیٹھے؟

(۵) اس زمانہ میں دیکھا جاتا ہے کہ مہر بالغہ کے نکاح میں یہی وارث یا غیر آدمی طے کر لیتے ہیں، اکثر لڑکی تک نوبت نہیں پہونچتی، کوئی کہتا ہے کہ ہم اتنا مہر باندھ رہے ہیں اور کوئی یہ بھی نہیں کہتا کیا یہ جائز ہے اور اس میں حجت کرنا!

بینوا توجروا،

**الجواب:** جائز معاہدے مثلاً مکان لکھوانا یا زیور کا طلب کرنا جائز ہے اور اس کی رجسٹری بھی کرائی جاسکتی ہے، رجسٹری میں لڑکی کو جانے کی کیا ضرورت ہے اور فرض بھی کیا جائے تو پردہ کے ساتھ جاسکتی ہے،

(۲) بہتر تو یہی ہے کہ اتنا مہر ہو جو شوہر ادا کر سکے اور اگر اس کی وسعت سے زیادہ ہو تو یہ نیت ضرور رکھے کہ خدا مجھے عطا فرمائے اور میں ادا کردوں نہ یہ کہ کون دیتا ہے کون لیتا ہے اور اگر مہر کی استطاعت نہ ہو اور نفس پر قابو ہو تو بہتر نکاح نہ کرنا ہے اور اس صورت میں روزہ کی کثرت کرے، حدیث میں فرمایا، من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء، ۔

(۳) یہ خیال ناجائز ہے، جیساکہ اوپر مذکور ہوا، ۔

Marfat.com

(۴) بعد طلاق یا مہر معجل جب عورت طلب کرے تو دینا ہی پڑے گا اس کا حق ہے نہ دینے کا کیا معنی۔

(۵) لڑکی کا تو ہاں کہنا دشوار ہوتا ہے وہ خود مہر کیونکر طے کرے گی دوسرے لوگ یعنی اس کے اولیا و اقربا طے کر سکتے ہیں، مگر جو طے ہو جائے اسے خبر کر دیں تاکہ وہ اپنی رضامندی ظاہر کر سکے، یا ولی و وکیل نے اگر اختیار عام لے لیا ہے کہ جو مقدار طے کر دے عورت کو منظور ہے تو اس وقت خبر کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از قصبہ جھالو ضلع بجنور، محلہ سادات مرسلہ جناب سید ابن علی صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکا جس کی عمر اندازاً نکاح کے وقت ۱۳-۱۴ سال کی تھی، اس وقت ولی لڑکی نے دین مہر کا ضامن لڑکے کے باپ اور بھائی کو بنایا، بھائی اور باپ نے برضامندی اپنی ضمانت دین مہر کی قبول کی تھی، اور اسی شرط پر آپس میں عقد نکاح منعقد ہوا تھا بعد کو لڑکے نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی، آیا اس صورت میں دین مہر ضامنان یعنی باپ اور بھائی ادا کریں گے یا کون؟ بینوا بالکتاب توجروا الیوم الحساب۔

**الجواب:** تیرہ چودہ سال کی عمر میں احتمال ہے کہ بالغ ہو یا نابالغ بہر حال ضمان صحیح ہے اور عورت کو اختیار ہے کہ ولی ضامن سے مطالبہ کرے یا اپنے شوہر سے کہ شوہر اگرچہ وقت نکاح نابالغ بھی ہو تو اب جب کہ طلاق دی ہے نابالغ نہیں اور نابالغ بھی ہوتا جب بھی باپ سے بوجہ ضمان مطالبہ کر سکتی ہے، تنویر الابصار میں ہے، ولا یطالب الاب بمھر ابنہ الصغیر الفقیر اذا زوجہ امرأۃ الا اذا ضمنہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** ایک لڑکا جس کی عمر تخمیناً سولہ سال چھ ماہ تھی اب بروقت نکاح دین مہر کا ضامن لڑکے کا ولی یعنی باپ اور بھائی ہوا اور اسی شرط پر آپس میں عقد نکاح منعقد ہوا بعد کو شوہر نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی، اس صورت میں زوجہ اپنا دین مہر شوہر سے وصول کرے گی یا اپنے ضامنان یا شوہر و ضامنان ہر دو سے، بینوا بالکتاب وتوجروا الیوم الحساب۔

**الجواب:** جب لڑکے کے باپ اور بھائی مہر کے ضامن ہوئے تو عورت کو اختیار ہے کہ چاہے مہر کا مطالبہ شوہر سے کرے یا اس کے بھائی یا باپ سے کہ یہ ضمان صحیح ہے اور لڑکا سولہ برس کی عمر میں بالغ تھا، بلکہ اگر نابالغ ہوتا جب بھی یہ ضمان صحیح ہے اور ضامن سے مطالبہ کر سکتی ہے۔ درمختار میں ہے، وصح ضمان الولی مھرھا ولو المرأۃ صغیرۃ ولو عاقدا الانہ سفیر وتطالب ایا شاءت من زوجھا البالغ او الولی الضامن، ردالمحتار میں ہے، قولہ صح الخ ای

Marfat.com

سواء کان ولی الزوج او الزوجۃ صغیرین کانا او کبیرین اما ضمان الکبیر منھما فظاھر لانہ کاجنبی ثم ان کان بامرہ رجع والالا واما ولی الصغیرین فلانہ سفیر و معبر، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: از اجمیر شریف ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ،

لڑکی کے والدین نے عقد کے قبل اپنے داماد سے کار ضروری کے لئے مبلغ سو روپیہ قرض کے طور پر مانگا داماد نے سو روپیہ مہاجن سے لاکر دیدیا بیاج پر، جس وقت لڑکی کے والدین نے اپنے قبضہ میں روپیہ کر لیا تو اپنے خیال سے یہ فرماتے ہیں کہ پچاس روپیہ مہر میں اور پچاس روپیہ شادی خرچ، روپیہ دینے سے قبل اس کا نہ ذکر تھا نہ وعدہ۔ قرض مانگا تھا قرض لے کر دیا گیا، لہذا خسر کو یہ دین داماد کو ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

**الجواب**: جو روپیہ قرض لیا تھا وہ واجب الادا ہے، سودی قرضہ ہی لینا حرام تھا، اس گناہ سے توبہ کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ مصباح الحسن، ریاست،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین احمدی و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو اس اقرار کے ساتھ اپنے عقد میں قبول کیا کہ علاوہ مہر کے مبلغ صعہ روپیہ قرضہ شوہر اول کا ادا کرے گا اور اس عقد کے بعد زید اور ہندہ ساتھ رہنے لگے تین ماہ بعد ہندہ کے بطن سے ولد حرام پیدا ہوا اور ہندہ نے اپنے پرانے کفیل کے مکان میں وضع حمل کیا کیونکہ زید کو یہ علم ہو جانے پر کہ وہ حاملہ ہے، جس کا اس کو بوقت نکاح علم نہ تھا، اس کے دل میں رنج ہوا اور کشیدگی اختیار کی لیکن پھر بعد فراغت حمل زید نے کفیل سے رخصت کا تقاضہ کیا اور انکار پر اعلیٰحضرت نواب صاحب بہادر کے اجلاس میں درخواست دے کر ہندہ کو رخصت کرایا ہے اور اپنے گھر لے آیا ہے اور مثل زن و شوہر کے تعلق قائم ہو گیا ہے، ایسی صورت میں کیا زید اقرار کے موافق ایفاء معاہدہ کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟

**الجواب**: صورت مستفسرہ میں علاوہ مہر کے صعہ شوہر اول کا قرض ادا کرنے کا اقرار کیا ہے، یعنی نکاح میں یہ شرط قرار پائی ہے کہ زید قرضہ بھی ادا کرے گا، لہذا یہ رقم زر مہر سے خارج ہے، مگر چونکہ زید نے اس کی ادا کی ذمہ داری لی ہے، اس وجہ سے اس کو کفیل اور ضامن قرار دیا جائے گا، کہ شوہر اول کے قرض خواہ اب زید سے مطالبہ دین کریں گے، اور چونکہ یہ کفالت مدیون کے وفات کے بعد ہوئی ہے لہذا اس کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت میں کفالت

Marfat.com

صحیح ہے اور دوسری صورت میں صحیح نہیں ہے اگر وہ دین جو شوہر اول پر تھا اس کے مرنے سے ساقط ہو چکا ہے یعنی حالت افلاس میں اس کا انتقال ہوا ہے ادائے دین کے لئے کوئی ترکہ از قبیل نقد وجنس نہیں چھوڑا ہے اور نہ اس کی زندگی میں اس دین کی کسی نے کفالت کی تھی، اور نہ کوئی چیز رہن رکھی تھی، تو اب زید کی کفالت بھی لازم نہ ہوگی یعنی اس سے جبراً یہ دین وصول نہیں کیا جاسکتا اور اگر شوہر اول نے مال یا کفیل یا رہن چھوڑا تھا تو زید کی کفالت صحیح ولازم ہے یہ مہر کی رقم ادا کرنی پڑے گی، درمختار میں ہے، ولا تصح بدین ساقط ولو من وارث عن میت مفلس الا اذا کان بہ کفیل او رھن معراج. او ظھر لہ مال فتصح بقدرہ بوملک او تحقہ دین بعد موتہ فتنقطع الکفالۃ، ہدایہ وغیرہ میں بھی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس باب میں یہی قول بیان کیا. واللہ تعالیٰ اعلم.

**مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ صاحب اولاد اپنی حیات میں چند عزیز مردوں اور عورتوں کے سامنے وقتاً فوقتاً زبانی اپنے برادر حقیقی کی نسبت کہتی ہے اور پھر تحریر کر دیتی ہے، جس سے مافی الضمیر کا صاف پتہ چلتا ہے، چونکہ مرحومہ سیدھی سادھی شریفانہ دینی تعلیم رکھتی تھی. لہذا مضمونی بناوٹ اور انشا پردازی سے پاک وصاف ہے، محض صداقت بھرے بلا کم وکاست چند جملے ہیں جو اس کے دینی ودنیوی معاملات پر ساری ہیں. وھو ھذا،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، (۱) بعد سلام کے سب سے پہلے اپنے بزرگوں کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ میں نے مہر اللہ کے واسطے معاف کیا اس سے زیادہ اللہ ورسول معاف کرے، آپ سب گواہ رہیں؟ -

(۲) اور بھائی صاحب پر جو جو حقوق ہیں میں نے سب معاف کئے اللہ کے واسطے مگر بھائی صاحب اتنا حق مجھے ضرور دیں کہ باغ میں کسی جگہ دفنائیں باقی اور سب معاف،

(۳) اب ان کی (شوہر سے خطاب) خدمت میں عرض ہے کہ بچوں کو اپنے سے کبھی علحدہ نہ ہونے دیں، مجبوری اور بات ہے (تقسیم سامان) مشین ننھی (لڑکی کا عرف) کی ہے، اس کو دی جائے میں مجبور ہوں نہ بیٹھا جاتا ہے نہ قلم پکڑا جاتا ہے اس لئے عزیز نفیسی سے (چھوٹی بہن کا نام) لکھوا رہی ہوں کپڑا جس قدر ہے بغیر سلا ہے، سب بر جیسی (لڑکی کا نام) ہے سلا ہوا کپڑا جا ہے اللہ کے واسطے دو یار کھو زیور سب بر جیس کا ہے باقی میرا کہا سنا سب معاف کر دیں؟ والسلام،

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا مرحومہ جب کہ اپنی ملکیت زبانی اور تحریری حیات میں بھائی کے حق معاف

Marfat.com

کرتی ہے تو یہ حقیقت ہوئی یا ہبہ اور اس میں بروئے شرع شریف کس پر اور کیا عمل ہونا چاہیے؟

**الجواب**: عورت نے چونکہ مرض الموت میں مہر معاف کیا ہے جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے، لہٰذا مہر معاف نہیں ہوا کہ اس کے لئے مرض الموت نہ ہونا شرط ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے، لابد فی صحتہ حطہا من الرضا حتی لو کانت مکرھۃ لم یصح ومن ان لاتکون مریضۃ مرض الموت ھکذا فی البحر الرائق، ردالمحتار میں ہے، لابد من رضاھا وان لاتکون مریضۃ مرض الموت۔ اور مسماۃ نے اپنے بھائی کو جو حقوق معاف کئے ہیں، اس میں یہ تفصیل ہے کہ جتنے حقوق غیر مالیہ ہیں وہ سب معاف ہوگئے اور حقوق مالیہ میں دو صورتیں ہیں اگر وہ حقوق مالیہ عورت کے مورث کا ترکہ ہے، جس کی وہ عورت حقدار تھی اور بھائی نے اب تک نہیں دیا ہے، اس کو معاف کرتی ہے تو معاف نہ ہوا عورت کے ورثہ شوہر واولاد اس کے بھائی سے وصول کر سکتے ہیں، فتاویٰ بزازیہ میں ہے، ذکر صدر الاسلام ابرأ احد الورثۃ الباقیین ثم ادعی وبعض باقی الورثۃ الترکۃ لایسمع ان اقروا بالترکۃ وامر وابالرد علیہ۔ اور اگر حقوق مالیہ اس قسم کے نہ ہوں تو اگر یہ کل مال مسماۃ کے ترکہ کا ثلث یا ثلث سے کم ہے تو معاف ہوگیا، اور اگر اس کے متروکہ کے ثلث سے زاید ہے تو بقدر ثلث معاف اور باقی حق ورثہ ہے جو اس کے ذمہ واجب الاداہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ محمد اسمٰعیل ولد الفو ڈونا نکنی ڈنکن روڈ لاہوری، دربار ہوٹل، ۲۰۲ بمبئی،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل سوال میں کہ ہمارے علاقوں میں بہت دنوں سے رسم چلی آرہی ہے کہ لڑکی کا والد نوشہ کے پاس سے مہر کے پیسے لے کر لڑکی کو زیور وغیرہ بنا کر دیتے ہیں اس میں مہر کے جتنے پیسے ہوتے ہیں، اس میں بھی کم وبیش لگاتے ہیں یہ کسی کو معلوم نہیں کیونکہ ہماری طرف معلوم نہیں کہ مہر پر ہمارا کتنا حق ہے اور مہر کیا ہے اور لڑکی کا والد اپنا نام بڑا کرنے کے لئے یہ زیور بنوا کر سب لوگوں کے سامنے دیتے ہیں، اور لوگوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ باپ نے یہ زیور دیا ہے، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں، اس طرح کے مسائل اپنی عقل سے نکال کر لوگوں کو بتانے والے شخص پر کیا حکم ہے؟

**الجواب**: لڑکی کا والد اس کے مہر کا روپیہ لے کر اگر اس کے زیور بنوا کر لڑکی کو دیدے تو حرج نہیں مہر کی مالک لڑکی ہوتی ہے اور اس کو مل گئی اور اس میں سے کچھ دینا اور کچھ رکھ لینا ناجائز ہے، اٹکل سے مسائل بتانا ناجائز، حدیث میں فرمایا، اتخذ الناس رؤساجہالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ:** مسئولہ جناب غلام نبی صاحب اشرفی قصبہ مبارک پور، اعظم گڑھ، ۵ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی خالدہ رخصت ہوکر زید کے گھر آئی رات میں زید اپنی بیوی کے پاس گیا، جہاں خالدہ تنہا تھی، مگر جب زید نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بیوی اس لائق نہیں ہے کہ اس کے ساتھ زن وشوہر کے تعلقات برتے جائیں، چنانچہ وہ سو گیا صبح کو اس کمرہ سے نکلا پھر چند ماہ کے بعد زید نے طلاق دے دی، اور اس کے ساتھ نصف مہر بھی بھیج دیا، مگر چند ماہ کے بعد سسرال والے مدعی ہیں کہ خلوت صحیحہ ہوئی اور پورا مہر ملنا چاہئے اور زید کو اس سے انکار ہے، ان جھگڑوں کو سن کر زید نے اپنی طرف سے چند عورتوں کو خالدہ کے پاس بھیجا کہ معلوم ہو سکے کہ وہ لڑکی اب رخصتی کے پندرہ ماہ بعد بھی بالغ ہوئی یا نہیں تو عورتوں نے آکر بتایا کہ کم وبیش دو سال میں ابھی جاکر بالغ ہوگی تو صورت مسئولہ میں دریافت ہے کہ زید پورا مہر ادا کرے یا نصف واضح رہے کہ یہ رخصتی محض رسمی طور پر ہوئی تھی رخصتی سے پہلے خالدہ کے والدین رخصتی کرنے پر راضی نہ تھے، مگر جب یہ کہا گیا کہ زید کے والدین حج کرنے جارہے ہیں، تو مجبور ہوکر رخصت کر دیا تو اس صورت میں کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

**الجواب:** سوال کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سائل نے خلوت صحیحہ سے جماع اور وطی مراد لیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ خلوت صحیحہ کا یہ مطلب ہے کہ زوج وزوجہ دونوں کا اجتماع ہو اس طرح پر کہ وطی سے شرعاً یا طبعاً یا حسًّا کوئی مانع نہ پایا جاتا ہو یہ خلوت وطی کے حکم میں ہے، یعنی جس طرح وطی کرنے کے بعد طلاق دینے میں پورا مہر واجب ہوتا ہے، اسی طرح اس خلوت کے بعد بھی پورا مہر واجب ہوگا، اگرچہ وطی نہ ہوئی ہو۔ وقایۃ الروایہ میں ہے، وخلوة بلامانع وطی حسا او شرعا او طبعا کمرض او صوم رمضان واحرام بفرض او نفل وحیض ونفاس تؤکدہ، عالمگیری میں ہے، الخلوة الصحیحة ان یجتمعا فی مکان لیس هناك مانع یمنع من الوطی حسا او شرعا او طبعا کذا فی فتاویٰ قاضی خاں، نیز اسی عالمگیری میں ہے، والمهر یتوکد باحد معان ثلثة الدخول والخلوة الصحیحة وموت احد الزوجین سواء کان مسمی او مهر المثل حتی لا یسقط منه شی بعد ذالك الا بالابراء من صاحب الحق کذا فی البدائع۔

پس صورت مستفسرہ میں اگر وہ لڑکی اتنی چھوٹی تھی جس سے جماع نہیں کیا جاسکتا ہے تو خلوۃ صحیحہ نہیں ہوئی کہ صغر بھی موانع خلوت صحیحہ سے ہے اور اگر جماع کے قابل تھی تو اگرچہ نابالغہ تھی خلوت صحیحہ ہو جائے گی، عالمگیری

Marfat.com

میں ہے، ولا تصح خلوۃ الغلام الذی لا یجامع مثلہ ولا الخلوۃ بصغیرۃ لا یجامع مثلہا،

صحیح یہ ہے کہ نابالغہ سے خلوت صحیحہ کے متعلق عمر کی کوئی قید نہیں، بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس سے جماع کیا جاسکتا ہے یا نہیں یعنی اس میں اس کی طاقت ہے یا نہیں اور اس جیسی لڑکی سے جماع کیا جاتا ہے یا نہیں، درمختار میں ہے، ومن الحسی رتق وقرن وعقل وصغر ولو بزوج لا یطاق معہ الجماع، ردالمحتار میں ہے، قال فی البحر وفی خلوۃ الصغیرۃ الذی لا یقدر علی الجماع قولان وجزم قاضیخان بعدم الصحۃ فکان ہو المعتمد ولذا قید فی الذخیرۃ بالمراہق قولہ لا یطاق معہ الجماع وقدرت الاطاقۃ بالبلوغ وقیل بالتسع والاولی عدم التقدیر کما قدمناہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

# حُقُوقُ الزَوجَین
## شوہر و عورت کے حقوق

**مسئلہ**: جوڑی پٹی دیناج پور، مرسلہ جناب حاجی شیخ عظیم اللہ انصاری صاحب، ۵ر صفر المظفر ۱۳۴۶ھ،

بیوی کے اوپر شوہر خلاف شرع لاکھوں زیادتیاں کیا کرے، یعنی بیوی کو مارنا، پیٹنا مغلظات بکنا کھانے پینے میں تکلیف دینا، خود شراب پینا بدمست رہنا، رنڈی بازی کرنا وغیرہ وغیرہ ان تمام حالتوں میں تاوقتیکہ بیوی طلاق نہیں لے لیتی وہ ہمیشہ شوہر کی مطیع رہے یا نافرمانی کرے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: زوج و زوجہ دونوں پر اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے حقوق رکھے ہیں ہر ایک پر لازم ہے، کہ دوسرے کے حقوق کی پابندی کرے ورنہ جس طرح عورت حقوق ادا نہ کرنے میں ماخوذ ہوگی شوہر بھی ماخوذ ہوگا حدیث میں ہے، لا یجلد احدکم امرأتہ جلد العبد، تم میں کا کوئی شخص عورت کو کوڑے نہ مارے جیسے غلام کو مارتا ہے، رواہ البخاری ومسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نیز فرمایا، خیرکم خیرکم لاہلہ وانا خیرکم لاہلی، تم میں اچھے وہ ہیں جو اپنی بی بی کے ساتھ بھلائی کریں اور میں سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے حق میں اچھا ہوں، رواہ الترمذی والدارمی عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حکیم بن معاویہ قشیری اپنے باپ معاویہ بن جدہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا، قلت یا رسول اللہ ما حق زوجۃ احدنا علیہ قال ان تطعمہا اذا طعمت

Marfat.com

وتکسو ھا اذا اکتسیت ولا تضرب الوجہ، میں نے عرض کی یارسول اللہ عورت کے شوہر پر کیا حقوق ہیں، فرمایا کہ، تو کھائے تو اسے بھی کھلائے اور تو پہنے تو اسے بھی پہنائے اور چہرہ پر نہ مار، رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ، بالجملہ ایسی احادیث بکثرت ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو عورتوں کی مراعات ضروری ہے، اور خوش خلقی سے پیش آنا اہل ایمان کا کام ہے رہا یہ کہ صورت مذکورہ میں عورت کیا کرے، اس کے لئے یہی حکم ہے کہ اطاعت کرے اور نہ کرسکے تو طلاق لے کر پیچھا چھڑائے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**:- از اودے پور میواڑ، مرسلہ جناب اختر صاحب، ۱۰ر شعبان ۱۳۴۹ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ صالحہ کو بیجا تشدد اور بہت زدوکوب کرتا ہے، جس کی وجہ سے صالحہ کی زندگی خطرہ میں رہتی ہے، صالحہ کسی حیلہ سے اپنی والدہ کے مکان پر چلی گئی ہے، اور چاہتی ہے کہ اب شوہر کے پاس واپس نہ جائیں، کیا ایسی صورت میں صالحہ کو از روئے شریعت حق حاصل ہے کہ اب وہ شوہر کے مکان پر نہ جائے اور اپنی والدہ کے پاس رہے، اور کیا شوہر کو حق حاصل ہے کہ وہ صالحہ کو جبراً اپنے گھر واپس لے جائے؟

**الجواب**:- اگر واقعی زید اپنی زوجہ صالحہ پر بیجا تشدد کرتا ہے اور اس قدر زدوکوب کرتا ہے، جس کی شرع نے اجازت نہیں دی ہے اور شوہر کا مکان اتنے فاصلہ پر ہے کہ صالحہ کے گھر والے اس کی اعانت نہیں کرسکتے تو اس صورت میں زید جبراً صالحہ کو اپنے گھر نہیں لے جاسکتا اور جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، کہ صالحہ کی زندگی خطرہ میں ہے، اگر یہ واقعہ ہے تو زید کے گھر اسے مجبوراً بھیج کر کیونکر زندگی خطرہ میں ڈالی جاسکتی ہے، قرآن میں جہاں یہ بیان ہوا کہ شوہر عورتوں کو اپنے گھروں میں رکھیں، اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم، وہاں یہ بھی فرمادیا کہ مرد عورتوں کو ایذا نہ دیں ولا تضاروھن، کہ اپنے گھر میں لے جاکر انھیں بیجا تکلیف پہونچائیں، ردالمحتار میں ہے، لوعلم المفتی انہ یرید نقلھا من محلۃ الی محلۃ اخری فی البلد تا بعیدۃ عن اھلھا لقصد اضرارھا لا یجوز لہ ان یفتیہ علی ذالک، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# باب الجھاز
# جہیز کا بیان

Marfat.com

**مسئلہ**:- مرسلہ سید کار دولی، از مراد آباد، ۴ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ میرے نکاح میں جو سامان جہیز میرے خسر نے اپنی دختر کو دیا تھا اس کا ایک کاغذ مجھ سے تحریر کرایا تھا، اس میں لکھا تھا کہ یہ کل سامان برائے خرچ دیا جاتا ہے، حفاظت سے رکھنا اب میری بیوی کا انتقال ہو گیا یہ سامان میرے خسر واپس مانگتے ہیں، پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ میرے خسر یہ سامان واپس لے سکتے ہیں یا نہیں؟،

**الجواب**:- جہیز میں جو کچھ سامان ملا تھا سب کی مالک عورت تھی بعد انتقال عورت وہ سب اس کے ترکہ میں ہے تمام ورثہ کو بقدر حصص ملے گا، اور وہ تحریر کہ لکھائی گئی، اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ داماد اسے ضائع نہ کرے نہ یہ کہ لڑکی بھی مالک نہیں، رد المحتار میں ہے، کل احد یعلم ان الجهاز للمرأة اذا طلقها تاخذه کله واذا ماتت یورث عنها، درمختار میں ہے، جهز ابنته ثم ادعی ان ما دفعه لها عارية وقالت هو تمليك او قال الزوج ذالك بعد موتها ليرث منها وقال الاب او ورثته بعد موته عارية فالمعتمد ان القول للزوج و لها اذا كان العرف مستمرا ان الاب يدفع مثله جهازا لا عارية، واللہ تعالیٰ اعلم -

Marfat.com

# کتاب الطلاق

## طلاق کا بیان

**مسئلہ:** مرسلہ احمد یار صاحب چشتی از شیر وضلع ڈیرہ غازی خان، ڈاکخانہ مانہ احمدانی، ۳۰ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین متین درصورت ناکح نابالغ ومنکوحہ بالغہ بتاخیر ازدواج امکانی زنا وفرار وغیرہ از و اگر مفسدات بشریہ بظہور آیند موجب وبال دارین وشرمساری شود دریں صورت مذکورہ طلاق صغیر جائز است یا نہ ہم چنیں طلاق مراہق جائز است یانہ؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** طلاق صغیر صحیح نیست، اگرچہ مراہق باشد، در تنویر الابصار وغیرہ عامہ متون مذکور است، لا یقع طلاق الصبی، در در مختار فرمود، ولو مراھقا، او احتمال زنا رابوقوع طلاق صغیر وعدم وقوع ہیچ تعلق نیست، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ ملا قاسم میاں عیسٰی میاں، صدریہ والا از دھوراجی کاٹھیاوار گھانی کوٹھ، ۴ رجادی الآخرہ ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بن بکر نے جھوٹے ٹیلی گراف اور جھوٹے خط اپنے داماد عمر ابن صالح کی طرف سے جماعت میں پیش کر کے اپنی لڑکی ہندہ کو طلاق لے لی، باوجود اس کے شوہر کے طلاق نہ دینے اور خط اور ٹیلی گراف جماعت میں جعلی ثابت ہونے کے اس کا انفصال کورٹ سے مقدمہ چلا کر جھوٹے گواہ پیش کر کے طلاق ثابت کرلی کورٹ نے حنفی اور سنی کی گواہی کی ضرورت نہیں کر کے طلاق ثابت کرالی، یہ طلاق عند الشرع جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** جب شوہر خط اور ٹیلی گراف سے انکار کرتا ہے، تو اب جب تک گواہان عادل سے یہ ثابت نہ ہولے کہ یہ خط اسی شوہر نے لکھا ہے یا ٹیلی گراف اسی نے دیا ہے، یا کسی کو اس کا وکیل کیا، یا یہ کہ میں نے اپنی فلاں عورت کو طلاق دے دی تو ٹیلی گراف سے اس سے اطلاع کردے، غرض جب تک گواہوں سے ثابت نہ ہو طلاق کا حکم نہیں

Marfat.com

دیا جاسکتا اور وہ عورت بدستور اس کی زوجہ قرار پائے گی کہ الخط یشبہ الخط، رد المحتار میں فتح القدیر سے ہے، اما الکتاب فیصح بلا اشہاد وانما الاشہاد لتمکن المرأۃ من اثبات الکتاب اذا جحد الزوج، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ عزیز الدین منڈن پوری از موضع مونڈیا جاگیر ضلع بریلی ۲۵ رجمادی الآخرہ ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوج اگر اپنی زوجہ کے حقوق تمام وکمال ادا کرتا ہو کیا شریعت مطہرہ اس سے طلاق دینے پر مجبور فرماتی ہے، جو لوگ اسے طلاق دینے پر مجبور کریں ان کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: بغیر کسی وجہ شرعی کے طلاق دینا ممنوع ہے اور اللہ عزوجل کو ناپسند ہے، حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، ابغض الحلال الی اللہ الطلاق رواہ ابوداؤد عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دوسری روایت یوں ہے، ما احل اللہ شیئا ابغض الیہ من الطلاق، یعنی کوئی حلال چیز اللہ عزوجل کے نزدیک طلاق سے زیادہ ناپسند نہیں، امام ابن ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں، والاصح حظرہ الا لحاجۃ للادلۃ المذکورۃ ویحمل لفظ المباح علیٰ ما ابیح فی بعض الاوقات اعنی اوقات تحقق الحاجۃ المبیحۃ، اصح یہ ہے کہ بغیر حاجت طلاق ممنوع ہے کہ دلیلوں سے یہی ثابت ہے، اور مباح سے مراد یہ کہ بعض وقت مباح ہے، یعنی جس وقت حاجت پائی جائے، یہ کلام تو زوج کے متعلق تھا کہ بغیر حاجت اسے طلاق دینا ناجائز، رہا عورت کا طلاق طلب کرنا اگر بغیر ضرورت شرعیہ ہو تو حرام ہے حدیث میں ارشاد فرمایا ہے، ایما امرأۃ سئلت زوجہا طلاقا فی غیر ما باس فحرام علیہا رائحۃ الجنۃ، جو عورت اپنے شوہر سے بغیر ضرورت طلاق کا سوال کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے، رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شیخ محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ لمعات میں فرماتے ہیں، ای فی غیر شدۃ وضرورۃ تدعوھا وتلجئھا الی المفارقۃ، یعنی طلاق طلب کرنے کی اس وقت عورت کو اجازت ہے کہ ایسی ضرورت پائی جائے کہ اسے جدائی پر مجبور کرے، دوسری حدیث میں ہے، ایما امرأۃ اختلعت من زوجہا بغیر نشوز فعلیہا لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین، جو عورت اپنے شوہر سے خلع طلب کرے اور شوہر کی جانب سے کوئی بدخلقی نہ ہو تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب آدمیوں کی لعنت، اور جب شوہر حقوق زوجیت تمام وکمال ادا کرتا ہے تو جو لوگ طلاق پر مجبور کرتے ہیں، وہ گنہ گار ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے، ولکن الشیطن کفروا یعلمون الناس السحر الی قولہ فیتعلمون منہما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ، شیاطین کافر ہیں لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں جس سے

Marfat.com

مرد اور اس کی عورت میں جدائی ڈالتے ہیں، حدیث شریف میں ارشاد ہوا لیس منامن خبب علی امرئ زوجتہ، جو شخص کسی مرد سے اس کی عورت کو برگشتہ کرے وہ ہمارے گروہ سے نہیں، رواہ ابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن ابی ھریرۃ والطبرانی فی الصغیر والاوسط بنحوہ عن ابن عمر وابویعلی بسند صحیح والطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ مولوی اکبر علی طالب علم درجہ اول، ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بیوی چھپ کر بھاگ گئی، تین سو قدم تک نکل گئی تھی پھر لوگ جمع ہوگئے اور اس کو شوہر کے گھر پہونچا دیا، اس کا شوہر پردیس میں تھا، جب آیا اور اس قصہ کو سنا تو یہ کہا کہ میری بیوی نکاح سے باہر ہوگئی دوبارہ نکاح ہونا چاہئے تو اب شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

**الجواب**: عوام کا یہ خیال غلط ہے کہ عورت بے اجازت شوہر اگر گھر سے چلی جائے تو نکاح سے نکل جاتی ہے لہذا شوہر کا یہ کہنا کہ میری بیوی نکاح سے باہر ہوگئی اگر اسی خیال غلط کی بنا پر ہے تو کچھ نہیں، ورنہ یہ لفظ خود الفاظ طلاق سے ہے، جب باہر نہ ہوئی تھی تو اب اس کہنے سے باہر ہوگئی، اگر طلاق کی نیت سے کہا، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مرسلہ صفدر حسین صاحب از بریلی محلہ ذخیرہ، ۱۰ رجمادی الاول ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ طلاق دیتے وقت عورت کا موجود رہنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر غیبت میں طلاق دی تو طلاق ہوئی یا نہیں، بینوا توجروا،

**الجواب**: بوقت طلاق عورت کا وہاں ہونا کچھ ضرور نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ طلاق کی عورت کی طرف اضافت کرے، مثلاً یہ کہ میں نے اپنی زوجہ مسماۃ فلاں بنت فلاں کو طلاق دی، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: ایک مسلمان مرد کی عورت جو آوارہ پھرتی ہے اور اپنے شوہر کا حکم نہیں بجالاتی، بلکہ دوسرے مردوں سے یارانہ کرلیا ہے تو اب مرد اس عورت کو طلاق دے کر مہر ادا کرے یا نہیں کیا حکم ہے؟

**الجواب**: ایسی عورت کو بالاتفاق طلاق دینا جائز ہے، بلکہ ایسی عورت کو طلاق دینا ہی بہتر ہے، درمختار میں ہے، بل یستحب لو موذیۃ، ردالمحتار میں ہے، اطلقہ فشمل الموذیۃ لہ او لغیرہ بقولہا او بفعلہا، اور بصورت طلاق مہر ادا کرنا لازم ہوگا، اگر مدخولہ ہے تو کل مہر اور غیر مدخولہ ہے یعنی خلوت صحیحہ نہیں ہوئی ہو تو نصف مہر، اور عورت معاف کردے

Marfat.com

کل یا جز، تو اتنا معاف ہو جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مسئولہ حبیب اللہ ساکن لوادہ شیخان شہر کہنہ بریلی، ۱۴ ر شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اپنے شوہر کے یہاں سے بلا اجازت غیر جگہ چلی گئی اور ایک رات رہی اس کے بعد ہندہ کے رشتہ دار نے ہندہ کو اپنے یہاں لے گیا، اس پر اہل محلہ شوہر کو برادری سے خارج کرتے ہیں اور بھنگی بھشتی بند کرتے ہیں، تو اس صورت میں برادری سے خارج کرنا اور بھنگی بھشتی کا بند کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس عورت کو رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ عورت اگر بغیر اجازت شوہر کہیں چلی جائے تو طلاق ہو جاتی ہے، یہ غلط ہے، اور شاید اہل برادری کا شوہر کو بند کرنا اسی بنا پر ہو، صورت مسئولہ میں شوہر کا کوئی ایسا قصور ثابت نہیں ہوتا جس سے اس کو برادری سے خارج کیا جائے اور اس عورت کو طلاق دینا ضروری نہیں، شوہر اس کو رکھ سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مسئولہ عبد الرحیم ساکن پیلی بھیت محلہ فیل خانہ، ۲۸ ر شوال ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے دوسرے کی عورت کو اپنی نفسانی غرض کی وجہ روپوش کر دیا، اور کسی طرح ظاہر نہیں کرتا ہے، جب اس سے یہ کہا گیا کہ ہم شوہر سے طلاق دلوا دیتے ہیں تو اس سے نکاح کر لینا تو اس نے ظاہر کرنے اور عورت کو حاضر لانے کا اقرار کیا اور شوہر سے طلاق نامہ لکھوایا گیا جو درج ذیل ہے، مگر اس طلاق نامہ سے اصل مقصود یہ تھا کہ کسی طرح وہ شخص اس عورت کو حاضر لائے اور طلاق نامہ پر شوہر کا نشان انگوٹھا لیا گیا، شوہر نے طلاق وغیرہ کے الفاظ نہیں کہے، لہذا سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

## ،نقل طلاق نامہ،

میں کہ غلام حسین ولد بھورے ساکن موضع دھنکولا کا ہوں جو کہ میرا نکاح مسماۃ بتولن بنت حبیب ساکن موضع جنڈولی کے ساتھ ہوا تھا، اب باہم میرے اور مسماۃ مذکورہ کے نااتفاقی رہتی ہے، اس وجہ سے میں اس کو اپنی زوجیت میں رکھنا پسند نہیں کرتا ہوں، اور بوجہ نااتفاقی آج کی تاریخ سے رفع نزاع باہمی کے مسماۃ مذکورہ کو طلاق دے کر اقرار کرتا ہوں اور لکھے دیتا ہوں کہ آئندہ مجھے مسماۃ مذکورہ سے کسی وقت کچھ سروکار نہ ہوگا، مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہے کہ جس جگہ چاہے اپنا نکاح کر لیوے اور مسماۃ مذکورہ نے مجھ سے اپنا دین مہر بذریعہ رسیدی ٹکٹ تاریخ امروز میں وصول پالیا، لہذا یہ طلاق نامہ لکھ دیا تاکہ سند ہو،

Marfat.com

**الجواب**: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ کاتب طلاق نامہ نے لکھنے کے بعد پڑھ کر شوہر کو سنا دیا اور شوہر نے سن کر نشان لگایا لہذا صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہو گئی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، رجل استکتب من رجل آخر الی امرأته کتابا بطلاقها وقرأه علی الزوج فاخذه وطواه وختم وکتب فی عنوانه وبعث به الی امرأته فاتتها الکتاب واقر الزوج انه کتابه فان الطلاق یقع علیها، مگر اس طلاق نامہ سے دو ہی طلاقیں واقع ہوں گی ایک لفظ صریح ہے اور دوسرا کنایہ یعنی یہ لفظ کہ مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہے، جس جگہ چاہے اپنا نکاح کر لیوے، اور یہ لفظ کہ مجھ کو مسماۃ مذکورہ سے کسی وقت کچھ سروکار نہ ہوگا، الفاظ طلاق سے نہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، رجل قال لامرأته، مرا بکار نیستی ونوی به الطلاق لا یقع. لہذا شوہر بغیر حلالہ اس سے نکاح کر کے اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مسئولہ مبارک حسین خلف محمد خاں مراد آباد، محلہ نواب پورہ، ۳۰ رشوال سنہ ۱۳۴۱ھ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ علی حسین کا نکاح میری ہمشیرہ خورشنودی کے ساتھ ہوا تھا، قریباً تین سال تک انتظام رخصت نہ ہو سکا، اس وجہ سے تا ہنوز یکجائی نہ ہو سکی تھی کہ میرے نام علی حسین کا بذریعہ ڈاک بمبئی سے اپنے قلم کا لکھا ہوا اور اس کا خاص انگوٹھا لگا ہوا خط حسب ذیل الفاظ میں آیا جس کے شاہد بمبئی میں دو مسلمان بھی ہیں:

"برادر عزیز بعد سلام علیک، واضح ہو کہ ہم خیریت سے ہیں اور خیر و عافیت آپ کی چاہتے ہیں، دیگر احوال یہ ہے کہ ہم نے بہت سی باتیں آپ لوگوں میں اس قسم کی دیکھی کہ ہمیں بہت سخت ناگوار گذرا بعد نکاح میرے والد رخصت کرنے آئے لیکن آپ نے رخصت نہ کیا اور نکاح کو بھی قریباً چار سال ہوئے اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ہم تحریر نہیں کر سکتے ہیں، لہذا یہی تحریر میری تلاق (طلاق) اب میں شادی کرنا نہیں چاہتا ہوں، اب آپ اپنی ہمشیرہ کی کہیں اور تجویز کیجئے، بخدا خدا کو حاضر و ناظر کر کے یہ صاف اور ٹھیک تحریر کرتا ہوں، آپ کو اس پر یقین ہونا چاہیے، دیگر اب اس کے جواب کی بھی ضرورت نہیں اور یہ میں نے سوچ سمجھ کر لکھا ہے، اب مجھے شادی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اب میں اپنا حق ادا کر چکا ہوں اب آپ کو اختیار ہے کہ اس کو مانیں یا نہ مانیں" ایک دوسرا پرچہ جو اس خط کے ساتھ ہے، اس کی عبارت حسب ذیل ہے، دیگر اس بات کی خبر میری والدہ کو ہونی چاہیئے، بال بچوں کو دعا، خالہ صاحبہ کو سلام، دیگر ہماری اور آپ کی محبت میں فرق نہیں آسکتا، مگر ہاں اس رشتہ کو میں منظور نہیں کرنا چاہتا، آپ اس بات کو منظور کریں گے، زیادہ تحریر کرنا فضول ہے اس

Marfat.com

خط کے موصول ہونے کے بعد بمبئی میں دو آدمیوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ خط میرا ہی ہے، اور میں نے طلاق دی ہے، ان دونوں شخصوں نے ایک تیسرے آدمی سے اس کی تصدیق کی اس تیسرے شخص نے مراد آباد آ کر مجھ سے کہا، اب علی حسین خود آ کر اس خط کے لکھنے اور بھیجنے سے انکار کرتا ہے، مگر خط ملانے کے لئے نہ اپنی تحریر دیتا ہے نہ انگوٹھا کا نشان نہ حلف لیتا ہے، نہ قسم کھاتا ہے، ایسی حالت میں یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز، اور شرعاً طلاق جائز ہے یا نہیں، خدائے تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، بینوا توجروا۔

**الجواب**: جو خط علی حسین نے لکھا اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس پر طلاق کا حکم دیا جائے، ایک جگہ یہ ہے کہ یہی تحریر میری طلاق اس تحریر کو طلاق کہا ہے اور تحریر طلاق نہیں ہو سکتی نیز یہ کہ عورت کی طرف اضافت طلاق نہیں، اور بغیر اضافت حکم نہیں دیا جا سکتا جب تک وہ یہ نہ کہے کہ میری مراد اپنی زوجہ کو طلاق دینا ہے، فتاویٰ خانیہ میں ہے، لا تطلق لانہ ما اضاف الطلاق الیہا، بحر الرائق میں ہے، لم یقع لترکہ الاضافۃ الیہا، ہاں اگر لوگوں نے جب اس سے دریافت کیا کہ تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی، اس نے کہا میں نے طلاق دی ہے تو اس لفظ سے طلاق واقع ہو گئی، اگر گواہوں[1] سے ثابت ہو جائے تو طلاق کا حکم دیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ ننھے شہر کہنہ بریلی محلہ کانکر ٹولہ، ۱۲ ر ذلقعدہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی عورت مسماۃ ہندہ کو اہل محلہ نے چند مرتبہ بتلایا کہ یہ بدچلنی کرتی ہے حالانکہ کسی نے بچشم خود اس کو زنا یا حرام کرتے نہیں دیکھا، اس پر اس کے خاوند زید نے مسماۃ ہندہ کو سخت سست برا بھلا کہا اور تنبیہ و تادیب کی اخیر مرتبہ پھر مسماۃ ہندہ کو اہل محلہ نے ایک شخص کے یہاں رات کو جاتے ہوئے پکڑا اور کہا کہ یہ بدفعلی کے لئے گئی تھی، اور جایا کرتی ہے، اس پر اس کے شوہر زید نے بہت برا بھلا کہا اور سختی کی اور کہا مجھ کو تجھ سے کام نہیں ہے، اس پر عورت کہتی ہے کہ میں نے کوئی بدچلنی نہیں کی اور اگر کوئی قصور مجھ سے ہو گیا ہے تو میں توبہ اور عہد کرتی ہوں، چونکہ کسی آدمی نے زید کے سامنے عورت کی بدچلنی اور حرام کاری کا چشم دید ثبوت نہیں دیا، ایسی صورت میں کیا زید پر فرض یا واجب ہے کہ عورت کو طلاق دے دے یا عورت سے یہ کہہ دینا کہ تو میرے کام کی نہیں، طلاق

[1] بشرطیکہ یہ گواہ عادل ثقہ متدین قبول شہادت کے لائق ہوں اور بقدر نصاب ہوں، یعنی کم از کم دو مرد یا ایک مرد، دو عورتیں ہوں، قرآن مجید میں ہے واشہدوا ذوی عدل منکم، اور فرمایا، فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشہداء، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

میں شمار ہو سکتا ہے یا عورت کو طلاق نہ دینے پر زید گنہ گار یا اسلام سے خارج ہو سکتا ہے یا محض عورت کی بدچلنی سے جس کا کوئی چشم دید ثبوت نہ ہو بلکہ برادری کے خوف سے عورت توبہ اور عہد بھی کر چکی ہو، اس کا خاوند زید باوجودیکہ تنبیہ اور سختی کرتا رہا ہو، شرعاً مجرم اور گنہ گار ہے اور اس قابل ہے کہ وہ برادری سے علٰحدہ کر دیا جائے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: بندہ کو ایسی جگہ جانا کہ لوگوں کو بدگمانی کا موقعہ ملے ناجائز ہے، حدیث میں ہے، اتقوا مواضع التھم، اور لوگوں کو خواہ مخواہ بدگمانی بھی حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ، یاایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم، حدیث میں فرمایا ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث، اگر واقعہ یہی ہے کہ زید نے فقط اتنے ہی لفظ کہے کہ مجھ کو تجھ سے کام نہیں ہے تو اس لفظ سے طلاق واقع نہ ہوئی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، رجل قال لامرأته برا بکار خویش، ولو نوی بہ الطلاق لا یقع، شوہر پر طلاق دینا واجب[1] نہیں، ہاں اگر عورت میں بدچلنی کے آثار پاتا ہو تو طلاق دے دینا بہتر ہے، پھر بھی اگر نہ دے تو گنہ گار نہیں، جب کہ شوہر ایسے افعال سے منع کرتا اور بقدر وسعت تنبیہ کرتا ہے۔ درمختار میں ہے، بل یستحب لو موذیة، ردالمحتار میں ہے، الطلقه فشمل الموذیة له اولغیرہ بقولها او بفعلها اھ، اور شوہر کی جب یہ حالت ہے کہ عورت کے حرکات پر راضی نہیں اور اسے روکتا ہے اور بقدر وسعت اس کا انتظام بھی رکھتا ہے تو اسے برادری سے خارج کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ، شیخ محمد یعقوب علی موضع سام پور ڈاکخانہ سلیم پور گورکھپور، ۷ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو بحالت غصہ بایں لفظ طلاق دیا کہ خدا اور رسول کو درمیان دے کر طلاق دیا طلاق، طلاق، طلاق، پڑ گئی یا نہ پڑی اور اگر طلاق پڑی تو کے طلاق، اس واقعہ کو دو سال ہوئے بوجہ لاعلمی رجعت نہیں کی گئی، اگر طلاق پڑی تو رجعت کی کیا صورت ہے؟

**الجواب**: طلاق دیتے وقت جتنے الفاظ زبان سے نکلے پورے بغیر رد و بدل کے لکھئے پھر جو حکم شرع ہوگا، اطلاع دی جائے گی، وہو تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ محمد بخش محلہ بانس منڈی بریلی، ۹ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ

مجھ غریب کی گذارش یہ ہے کہ ایک لڑکی جس کو عرصہ تین برس ہوا اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر مکان چلی آئی ہے،

---

[1] درمختار میں ہے، ولا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة ص ۲۸۳، ج ۱، ۵۔

Marfat.com

اب اس کا خاوند نہ اس کو بلانے آتا ہے نہ وہ لڑکی جانے پر آمادہ ہے، بلکہ خاوند یہ کہتا ہے کہ جب وہ میری اجازت کے بغیر چلی گئی تو اب مجھ کو بلانے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہ لڑکی میرے نکاح سے باہر ہے، جہاں لڑکی کا جی چاہے نکاح کرلے، تو کیا واقعۃً لڑکی نکاح سے باہر ہے؟ اگر لڑکی نکاح سے باہر ہے تو اس کا نکاح کہیں اور کردیا جائے؟ کیونکہ لڑکی بہت جوان ہے؟

**الجواب**: عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ بغیر اجازت شوہر اگر عورت چلی جائے تو نکاح سے باہر ہو جاتی ہے، یہ بالکل غلط ہے، شوہر نے جو یہ لفظ کہے کہ وہ لڑکی میرے نکاح سے باہر ہے، جہاں لڑکی کا جی چاہے نکاح کرلے، یہ دونوں الفاظ کنایہ سے ہیں، اگر شوہر کی نیت ان الفاظ سے طلاق دینے کی ہے تو نکاح سے باہر ہوگئی، بعد عدت نکاح کرسکتی ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے، لو قال لها لا نکاح بینی و بینک او قال لم یبق بینی و بینک نکاح یقع الطلاق اذا نوی، واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ عبد السبحان درزی جامع مسجد چنار ضلع مرزا پور، ۲۰ر صفر المظفر ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی منکوحہ کو مختلف اور متعدد لوگوں کے ساتھ زنا کرنے پر مجبور کرکے یہ فعل قبیح کرا دیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں نقدی یا کوئی شے لے کر خود فائدہ اٹھاتا ہے اور زوجہ کی تکرار کرتا ہے، اس وقت منکوحہ ایک سال سے فرار ہوکر دوسری جگہ مقیم ہے تاکہ اس فعل بد سے بچے اور دوسرے شخص سے نکاح کرلیوے زید کسی نوع سے طلاق نہیں دیتا ہے عورت کے پاس بجز اپنے بیان حلفی اور ایک شخص کے جو اس سے اکثر زنا کرچکا ہے اور اب بھی تعلق رکھتا ہے کوئی دوسری عینی شہادت نہیں، کیا ایسی صورت میں مذکورہ عورت کا نکاح اس کے دیوث شوہر زید کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے اور کیا بغیر طلاق کے بنظر خوف خدا انھیں لوگوں میں سے کسی ایک کے ساتھ عورت نکاح کرسکتی ہے، جو پہلے اس کے ساتھ زید کی ترغیب سے زنا کرچکا ہو، یا ہنوز حرام تعلق رکھتا ہو، بینوا توجروا۔

**الجواب**: اس فعل شنیع وامر فظیع کے کرنے یا کرانے سے وہ عورت نکاح سے باہر نہ ہوئی، البتہ عورت پر لازم ہے کہ جس طرح ممکن ہو اپنے کو حرام سے بچائے اور زید اگر باز نہ آئے تو طلاق حاصل کرے، بغیر طلاق لئے دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ:** مسئولہ علی مردان خاں صاحب، ساکن بریلی، مورخہ ۹ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ،

میرا ایک عزیز مسمیٰ عبد الستار اپنی اہلیہ کو لینے کی غرض سے سسرال گیا لڑکی کی نانی نے عذرات پیش کئے، مگر عبد الستار نے اصرار کیا نوبت باینجا رسید کہ لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کہا چل مگر لڑکی کی نانی اس وقت بھی مانع ہوئی، نتیجہ یہ نکلا کہ عبد الستار ناراض ہو کر چلا آیا اور باہر آکر ایک نابالغ لڑکے سے جو لڑکی کا ماموں ہوتا ہے، کہا کہ اگر اس وقت نہ بھیجا تو میں طلاق دے دوں گا، ایسی صورت میں احکام شریعت کیا ہیں؟ آیا طلاق ہو گی یا نہیں؟

**الجواب:** اگر واقعی میں یہی لفظ کہے تھے کہ طلاق دے دونگا تو طلاق نہ ہوئی کہ یہ طلاق دینا نہیں ہے، بلکہ آئندہ طلاق دینے کا اظہار ہے اور محض اس ارادہ یا وعدہ پر طلاق نہیں ہوتی، لان ھذا اللفظ متعین لاستقبال لا یقع به الطلاق کما فی الفتاوی الخیریۃ وغیرھا، واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ جناب محمد شکر اللہ خاں نقشبندی رضوی اعظمی انجمن اصلاح عقائد، گرانڈ ٹریک روڈ ہوڑہ، کلکتہ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو عرصہ پانچ برس کا ہوا کہ والدین کی اجازت سے کسی غیر جگہ گیا اور وہیں زید کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے حصول اولاد غیر ممکن ہے۔ اور اس جگہ زید مقروض بھی ہو گیا، اور زید اپنے مکان یعنی ماں باپ کے پاس عورت مذکورہ کو اس وجہ سے نہیں لے جاتا ہے کہ عورت کی عمر زید کی عمر سے دوگنی ہے، زید چاہتا ہے کہ اس عورت کو طلاق دے دے، بشرطیکہ خدا اور رسول کے حکم کے خلاف نہ ہو اور عورت مذکورہ اکثر شوہر کی نافرمانی بھی کرتی ہے، جو شرعاً خلاف ہے بہر صورت اطاعت والدین فرض، ایسی حالت میں زید کو کیا کرنا چاہیئے؟

**الجواب:** جب اس نے نکاح کر لیا ہے تو اسے گھر بھی لے جا سکتا ہے اور یہ کہ اس کی عمر زیادہ ہے، یہ گھر لے جانے سے مانع نہیں، پھر اگر واقع میں عورت بوڑھی ہے، اس سے اولاد کی امید نہیں ہے تو طلاق دے سکتا ہے، یوں ہی اگر شوہر کی نافرمانی کرتی ہے تو شوہر کو اختیار ہے، در مختار میں ہے، وایقاعہ مباح عند العامۃ لاطلاق الآیات اکمل وقیل لا الا لحاجۃ کریبۃ وکبر، وھو تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ مستری امام الدین صاحب، سگنل ٹرک باسی کیولری، برگیڈ چھاونی، سیالکوٹ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمیٰ زید عرصہ نو سال کا ہوا کہ ایک عورت مسماۃ ہندہ سے نکاح

Marfat.com

کیا اس عرصہ میں اس نے نہ ہندہ کو آباد کیا نہ نان ونفقہ کا ہی کفیل ہوا ہندہ کے والد نے نان ونفقہ کے وصول کے لئے اس پر دعویٰ کیا، مسمی زید نے اس کو عدالت میں تسلیم کر لیا، اور آیندہ کے لئے اقرار نامہ لکھ دیا، مگر پھر وہی کیفیت رہی، اب ہندہ کے والد نے چند احباب کے ذریعہ اسکو سمجھانا چاہا، مسمی زید کوٹہ میں کسب معاش کیا کرتا تھا، بجائے آبادی کے اس نے اپنے خسر کے نام دو خطوں میں ہندہ کو طلاق بھیجدی، ہندہ کے والد نے عدالت میں مہر کا دعویٰ دائر کر دیا، دعویٰ دائر کرنے سے پہلے ایک رجسٹری نوٹس دی گئی جس کو زید نے وصول کیا، دعویٰ کرنے پر وہ طلاق والا خط پیش کیا گیا، عدالت نے زید کو چھ ماہ تک بذریعہ سمن واشتہار طلب کیا، مگر وہ روپوش ہوگیا، طویل انتظار کے بعد عدالت میں ایک طرفہ فیصلہ کرتے ہوئے طلاق تسلیم کی اور مہر کی ڈگری ہندہ کو دے دی، اب مسمی زید طلاق والے خطوں سے انکاری ہے، کہ میرے نہیں اور نہ میں تمام عمر آباد کروں گا اور نہ طلاق دوں گا، تو کیا طلاق مذکور شرعی طلاق ہے یا نہیں اور سرکاری عدالت کے فیصلہ پر ہندہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

**الجواب**: تحریر سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے جب کہ مرسوم[1] ہو یا نیت طلاق ہو کہ القلم احدی اللسانین مگر جب شوہر اس تحریر سے منکر ہے تو حکم طلاق کے لئے ثبوت ضرور ہے اور محض اس کا ساخط ہونا کام نہ دے گا کہ الخط یشبہ الخط، اگر گواہوں سے ثابت ہو کہ یہ خط اسی نے لکھے ہیں تو طلاق مان لی جائے گی، اور کچہری کے محض ایک طرفہ ڈگری دینے یا طلاق مان لینے سے شرعاً یہ طلاق قابل اعتبار نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مرسلہ حاجی محمد ابراہیم صاحب مبارک پور، اعظم گڈھ، ۶ر شعبان ۱۳۴۲ھ،

گذارش یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو بذریعہ ڈاک طلاق لکھ کر بھیج دیا ہے اور جس نے طلاق دیا ہے، اس کی عمر ۱۴؍ برس کی ہے اور اس کی عورت اسی روز اس کے مکان پر گئی تھی جس روز نکاح ہوا انھوں نے منہ دکھائی میں اسی روز دو ایک چیز دی تو وہ چیز شوہر کی ہوتی ہے یا لڑکی کی پھر دوبارہ نہیں گئی اور اس لڑکی کا مہر کیا ہوتا ہے، اور کس کا ہوتا ہے اس بارے میں جو علمائے دین نے فرمایا ہے تحریر فرما دیں؟

---

[1] مرسوم سے مراد یہاں یہ ہے کہ خط کے مضمون پر مطلع ہونے کے بعد اس پر شوہر نے دستخط کئے ہوں اور نیت طلاق سے مراد یہ ہے کہ اس نے کسی کاغذ پر یہ لکھا کہ میری فلاں بیوی یا فلانا بنت فلانا کو میں نے طلاق دی، اور اس پر دستخط نہ کئے ہوں، اور خط بیوی کو طلاق دینے کی نیت سے لکھا ہو، ایسا نہ ہو کہ مثلاً اپنے خط کی پختگی کے لئے لکھ دیا ہو، یہ عبارت نقل کی یا صرف مشاقی کے لئے عبارت لکھی، تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی، کہ یہ لکھنا ایقاع طلاق کے لئے نہیں، صرف مشاقی کے لئے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم، امجدی۔

Marfat.com

**الجواب** :- اگر وہ نابالغ ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی اور بالغ ہے اور اس نے طلاق لکھ کر بھیجی تو طلاق ہو گئی، مگر جب کہ خط سے انکار کرے اور گواہوں سے ثابت نہ ہو کہ یہ اسی کا خط ہے تو حکم طلاق نہیں دیا جا سکتا، اگر طلاق واقع ہوئی اور خلوت صحیحہ ہو چکی ہو تو پورا مہر واجب اور خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو تو نصف مہر اور جو زیور وغیرہ عورت کو رونمائی میں ملا، اس کا مالک وہی عورت ہے، مگر جب کہ دیتے وقت تصریح کر دی ہو یا وہاں کا چلن یہ ہو کہ فقط پہننے کے واسطے دیتے ہیں، عورت کو مالک نہیں کرتے تو شوہر واپس لے سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** :- مرسلہ محمد فصیح اللہ گوٹال پوکھر ضلع دمکا ۲۴ ؍ شوال المکرم ۱۳۴۲ھ ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بحالت بیماری غصہ ہو کر زبردستی اپنے بیٹے عمرو سے کہا تم اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دو، اس پر عمرو نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دیا، بعدہ زید نے اپنے بھائی بکر کو بلا کر بیان کیا کہ ہمارے بیٹے عمرو نے اپنی بیوی ہندہ کو تین طلاق دے دیا بعدہ چند روز میں زید انتقال کر گیا، انتقال کے بعد بکر نے اپنے بھتیجہ عمرو سے کہا تم اپنی بیوی کو بغیر حلالہ نہیں رکھ سکتے، اس پر عمرو نے جواب دیا ہم نے تو اپنی بیوی کو دو طلاق دیا ہے مجھ کو حلالہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس پر بکر نے کہا تو جھوٹا ہے، تیرا باپ ہم سے کہہ گیا ہے کہ ہمارے بیٹے عمرو نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیا ہے، عمرو نے کہا ہمارے باپ نے غلط بیان کیا ہے، ہم نے تو صرف دو طلاق دیا ہے، طلاق کے وقت ایک عورت بھی موجود تھی، اس کے بیان سے بھی معلوم ہوا کہ دو طلاق دیا ہے اور اٹھ کھڑا ہوا اور یہ

---

؎ بلوغ کی اقل مدت لڑکے کے لئے بارہ سال ہے، اور لڑکی کے لئے نو سال، اس کا مطلب یہ ہے کہ بارہ سال کا لڑکا اور نو سال کی لڑکی اگر یہ کہے کہ میں بالغ ہوں، تو مان لیا جائے گا، اگر وہ بلوغ کی وجہ بھی بتائے یا ان دیار میں اس عمر کے لڑکے یا اگر لڑکی کا دعویٰ ہے تو اس عمر کی لڑکی بالغ ہوں، اور اس عمر سے کم اگر کہیں کہ ہم بالغ ہیں تو نہ مانا جائے گا، تنویر و درر میں ہے، ادنی مدتہ له اثنا عشرۃ سنۃ ولها تسع سنین فان راهقا بان بلغا هذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم یکذ بهما الظاهر، اس کے تحت شامی میں ہے، هو معنی قوله الاتی وهو ان یکون بحال یحتلم مثله، قال شیخ الاسلام وانما یقبل قوله مع التفسیر وکذا اجابۃ اقرت بحیض اھ والظاهر ان المراد بقوله وانما یقبل مع التفسیر ای تفسیر ما بلغ به من احتلام او احبال فقط بلا هذا الاستقصاء، اکثر مدۃ بلوغ دونوں کے لئے پندرہ سال ہے، فحق تیم لکل منهما خمس عشرۃ سنۃ به یفتی، خواہ علامات بلوغ پائی جائیں خواہ نہ پائی جائیں، اس پر دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنگ احد میں شریک ہونا چاہتے تھے جب کہ ان کی عمر چودہ سال کی تھی لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں واپس کر دیا، اور غزوۂ خندق میں جب وہ پندرہ سال کے ہو گئے تو شریک فرمالیا، واللہ تعالیٰ اعلم،۔

Marfat.com

کہا میں نے اپنی بیوی کو بائن طلاق دی ہے یعنی دو طلاق دیا ہے، اور یہ کہہ کر بھاگ گیا لہٰذا صورت مذکورہ میں کس کے قول پر فتویٰ ہوگا، اور عمرو کس طرح اپنی بیوی کو رکھ سکتا ہے، بینوا بالحدیث توجروا یوم الحساب۔

**الجواب**: جب تک گواہوں سے تین طلاق کا ثبوت نہ ہو تین طلاق کا حکم نہیں دیا جاسکتا، بکر کا بیان کہ زید نے اس سے تین طلاق دینا بیان کیا تھا یہ کوئی ثبوت نہیں، ہاں اگر واقع میں عمرو نے تین طلاقیں دی ہوں تو عمرو پر لازم ہے کہ بغیر حلالہ اس عورت کو نکاح میں نہ رکھے کہ اللہ عزوجل عالم الغیب والشہادہ ہے، اس سے کچھ مخفی نہیں گواہوں کا نہ ہونا قیامت کے دن اسے مفید نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: محلہ ملوک پور بریلی مسئولہ عوض خاں، ۲۵ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ مجھ کو نشہ پلا کر طلاق نامہ کی ایک تحریر لے لی گئی اور مجھ سے یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ اس بات کی رسید ہے کہ میں اپنی زوجہ کو کبھی اپنے ماں باپ سے ملنے کو نہ روکوں گا، اور جب بلائیں گے، میں بھیج دوں گا، اب میں نے ناجائز فعلوں سے توبہ کرلی ہے، بینوا توجروا۔

**الجواب**: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ نشہ اس نے خود پیا تھا کسی نے پلایا نہیں، نہ پینے پر مجبور کیا، لہٰذا اگر نشہ میں اس نے طلاق دی تو واقع ہوگئی، درمختار میں ہے، ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو تقدیرا بدائع لیدخل السکران. فتاویٰ عالمگیری میں ہے، وطلاق السکران واقع اذا سکر من الخمر او النبیذ وھو مذھب اصحابنا رحمھم اللہ تعالیٰ. کذا فی المحیط، ہاں اگر جس پرچہ پر دستخط کرائے اس کو دوسرا کاغذ ظاہر کیا اور یہ شخص بے پڑھا تھا کہ نہ جان سکا، اور سائل کا بیان صحیح ہے تو حکم طلاق نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از محلہ کانکر ٹولہ بریلی، ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۴۳ھ مسئولہ عبدالنبی،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالد و عمرو چچا بھتیجہ دونوں شکل میں داڑھی منڈے ہیں، بھتیجہ کی بیوی سے چچا نے زنا کیا رات میں اس کا بھتیجہ اپنی بیوی کے پاس گیا اور صحبت کرنا چاہی تو عورت نے کہا تم ابھی میرے پاس سے گئے ہو اور پھر آگئے اس نے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑا اور کہا سچ بتا دوسرا شخص کون تھا، جب اس نے تشدد کیا تو معلوم ہوا کہ چچا صاحب تھے، جب بھتیجہ نے اپنی بیوی کو مارنے کا ارادہ کیا تو چچا نے افیون کھالی، اب چچا بھتیجہ آپس میں ایک ہیں، ان دونوں کے بارے میں کیا حکم ہے، اور جو اولاد ہوئی اس کے لئے کیا حکم ہے؟

Marfat.com

**الجواب**: بھتیجے کا تو اس میں کچھ قصور نہیں اور عورت نے اگر اسے اپنا شوہر سمجھا تھا، جیسا صورت سوال سے بھی ظاہر ہے تو وہ بھی بری ہے، البتہ چچا نے زنا کیا، اس پر وبال ہے وہ گنہ گار اور مستحق نار و فاسق و فاجر ہوا مگر بھتیجے کا نکاح نہیں ٹوٹا جو اولاد ہوگی وہ بھتیجے ہی کی ہوگی، حدیث میں فرمایا۔ الولد للفراش وللعاہر الحجر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: چہ می فرمایند علمائے دین شرع متین اندریں مسئلہ مسمیٰ قبول ولد محمد بہ عمر دو نیم سال بہ مسماۃ حلیمہ بہ عمر بست سال بالغہ بیوہ نکاح کردہ یعنی منجانب قبول مذکور پدرش محمد ایجاب وقبول نمود و مسماۃ مذکورہ برغبت کمال و رضا خود بروبروگواہان و مجلس عام بزبان خود منظور کرد واکنوں بعد شش ماہ مسماۃ حلیمہ مذکورہ نیز دراں یک سال کہ نکاح بہ مسمیٰ قبول ولد محمد بعمر دو نیم سالہ کردہ بود می خواہد کہ شوہر من صغیر دو نیم سالہ مرا طلاق دہد آیا طلاق ناکح صغیرہ دو نیم سالہ در شرع شریف بہ ثبوت آیات قرآن شریف و علماء و فقہاء و بقول ائمہ دین جائز است یا نہ؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: ایں نکاح کہ بعمر دو نیم سال با زن بست سالہ واقع شدہ است جائز و صحیح است۔ اکنوں تا وقتیکہ مسمیٰ قبول شوہر مسماۃ حلیمہ بالغ نہ شود طلاق ناممکن است کہ طلاق را بلوغ شوہر شرط است نابالغ طلاق را اہل نیست در در مختار است۔ واھلہ زوج عاقل بالغ۔ در تنویر فرمودہ۔ لایقع طلاق الصبی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از بریلی دفتر ٹی۔ ایس۔ آفس ڈاکخانہ آئی زٹ نگر، مسئولہ بابو سید مشاق علی، ڈسپیچر، ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح زید کی خالہ نے اپنی بیٹی ہندہ کے ساتھ بلا خوشی اور بلا موجودگی اپنے شوہر کے کر دیا، مگر رخصت نہیں کی، زید بعد نکاح پردیس چلا گیا اور پردیس میں ایک بدچلن عورت سے ناجائز تعلق ہوگیا، زید کے بھائی نے سمجھایا کہ اپنی نکاحی بی بی کو چھوڑ کر جو کہ تمہارے خالہ کی لڑکی ہے اور اس سے ناجائز تعلق پیدا کرلیا، تو زید نے جواب دیا کہ ہندہ میری بہن ہے اور میں بہن کے برابر خیال کرتا ہوں، میری خالہ کیوں اس کی جوانی خراب کرتی ہیں، کہیں اور شادی کیوں نہیں کر دیتیں، میں بھی خود شریک ہو کر اور کھڑا ہو کر ہندہ کا نکاح کردوں گا وہ اب میری بہن جیسی تھی ویسی ہی ہے، اور ایک مرتبہ طلاق تحریر کر کے رکھا، تو زید کے بھائی نے اس خیال سے کہ یہ خالہ کو پہنچ نہ جائے پھاڑ کر پھینک دی، آیا ہندہ کی والدہ کا بلا مرضی و بلا موجودگی اپنے شوہر کے ہندہ کا نکاح کر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کا یہ کہنا کہ وہ میری بہن ہے میری خالہ کیوں نہیں کہیں اور نکاح کر دیتیں، اور میں خود شریک ہوں گا، کہاں تک نکاح کو قائم رکھتا ہے، مفصل طور پر جواب معہ مہر و دستخط عنایت ہو جلد عنایت ہو!۔

Marfat.com

**الجواب:** سائل نے یہ تحریر نہیں کی کہ ہندہ وقت نکاح بالغہ تھی یا نابالغہ اگر بالغہ تھی تو اس سے اذن لیا گیا تھا یا نہیں، اور نابالغہ تھی تو باپ اس کا کہاں تھا، کتنے فاصلہ پر تھا اسی شہر میں تھا یا کہیں اور گیا تھا، اور ہندہ کا کوئی بھائی چچا یا دادا پردادا کی اولاد میں کوئی مرد موجود تھا یا نہیں اور اگر تھا تو اس سے اجازت لی گئی یا نہیں، اور زید نے جو طلاق تحریر کی اس کی عبارت کیا تھی، ان امور کا جواب آنے پر سوال کا جواب دیا جائے گا۔

**مسئلہ:** از جاورہ ضلع نیمچ محلہ نیگن پورہ، مرسلہ نور محمد عبدالکریم، ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو تین طلاق ساتھ خطاب کے دی، اور کہا کہ تو اب میرے کام کی نہیں ہے، اور تو میرے مکان سے چلی جا، ہندہ نے جواب میں کہا کہ کہاں جاؤں؟ زید نے کہا میری طرف سے کہیں جا، چاہے تیرے باپ کے یہاں جا، مگر میرے مکان میں نہیں رہنے دوں گا، جب ہندہ نے کہا کہ تم نے مجھ کو طلاق دے دی تو میرا مہر مجھ کو دے دو، زید نے کہا کہ مہر تیرا جو تیرے پاس زیور ہے وہ میں نے تجھ کو دیا، ہندہ نے کہا اس پر تمھارا باپ دعویٰ کرے گا، کہ زیور تو میرا ہے، زید نے کہا کہ اس بات کی تحریر طلاق نامہ لکھ دوں کہ نہ میں دعویٰ کروں گا نہ میرے باپ دعویٰ کریں گے، ہندہ نے کہا کہ لکھ دو، زید نے اس مضمون کی تحریر ہندی میں لکھ دی جس کی اردو میں نقل تحریر طلاق نامہ یہ ہے،

میری طرف سے طلاق ہے، اقمال مہر کے بالعوض جس کا کسی طرح کا دعویٰ جھگڑا نہیں جو کرے جھوٹا میرے والد کریں تو جھوٹا، دستخط علاء الدین یہ تحریر لے کر ہندہ اپنے باپ کے یہاں گئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھ کو طلاق دے دی، اور یہ طلاق نامہ بھی لکھ دیا، ہندہ کا باپ ہندی پڑھا ہوا تھا، اس نے طلاق نامہ کو پڑھ کر کہا کہ اس میں تو ایک طلاق لکھی ہے، تجھ کو کتنی طلاق دی، ہندہ نے کہا کہ تین طلاق دی ہیں، ہندہ کے باپ نے کہا کہ پھر جا اور اس سے کہہ کہ جب تو نے تین طلاق دی ہے، تو تحریر میں بھی تین طلاقیں لکھ، زبان سے تو تین طلاقیں دی ہیں، اور تحریر میں ایک طلاق لکھی ہے، زید نے ہندہ سے کہا کہ اچھا تین طلاق کا طلاق نامہ اور دوسرا لکھ دوں، زید نے دوسرا طلاق نامہ لکھ دیا جس کی نقل یہ ہے، میری طرف سے طلاق، طلاق، طلاق ہے، رقمال مہر میں گئی ہیں کسی قسم کا دعویٰ کروں تو جھوٹا میرے والد کریں تو جھوٹا میرا کچھ اختیار نہیں میں چھوڑ چکا ہوں، دستخط علاء الدین،

لیکن اس تحریر میں نہ نام لکھا، نہ خطاب ہے، اور ہندہ کو خطاب کے ساتھ طلاق دینے کا ہندہ کی طرف سے کوئی

Marfat.com

گواہ نہیں ہے، مگر زید تحریر طلاق نامہ کا اقراری ہے، اس صورت بالا مذکورہ میں کیا حکم ہے،

صورت دوم یہ ہے کہ زید کا چچا زید کو لے کر ایک دیگر قصبہ جہاں ایک مولوی صاحب رہتے تھے گیا، اور ان مولوی صاحب سے کہا کہ اس زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی ہے، زید سے مولانا نے دریافت کیا، تم نے ایک طلاق دی ہے، زید نے کہا ہاں، پھر مولانا نے فرمایا کتنا عرصہ ہوا، زید نے کہا چھ ماہ، مولانا نے فرمایا اس کی عدت گزر گئی نکاح دوبارہ لو، اس حال کی خبر زید کے خسر کو ہوئی، زید کا خسر مولانا کے پاس پہونچا، اور عرض کیا کہ زید ایک طلاق کو غلط کہتا ہے ایک طلاق تو ایک تحریر میں لکھی ہے، اور ایک دوسری تحریر لکھ کر دی ہے، اس میں تین طلاق لکھی ہے، اور اول سے آخر تک جو حال گذرا تھا وہ سب من وعن مولانا کے سامنے بیان کیا، جب دوسری مرتبہ زید اور اس کے چچا مولانا کے پاس گئے، تو مولانا نے زید سے فرمایا کہ تو کہتا تھا کہ میں نے میری بیوی کو ایک طلاق دی ہے، اور تیرا خسر کہہ گیا ہے کہ تین طلاق دی ہے اور تین طلاق کی تحریر بھی لکھ دی ہے، سچ کہہ تو نے تیری بیوی کو کتنی طلاق دیں، زید نے کہا ہاں صاحب سچ تو یہ ہے کہ میں نے میری عورت کو تین طلاقیں دی ہیں، اسی طرح سے ایک اور شخص کو زید کے باپ اپنے مکان پر بلا کر لے گیا، اور زید سے کہا کہ اس کے ساتھ سچ سچ کہہ دے، زید سے اس شخص نے دریافت کیا کہ تحریر طلاق نامہ میں تین طلاق کی اور ایک طلاق کی تم نے تیری عورت کو لکھ کر دیا ہے، یہ بھی سچ ہے، کہا ہاں سچ ہے، اس گفتگو کو زید کے باپ نے سن کر بہت رویا اور یہ کہا مجھے نہیں معلوم کہ اس نے ایسا ظلم کیا، بلا وجہ ماں باپ کے یہاں آنے جانے پر زیور کے بارے میں ایسا کرے گا، اس قسم کے اور بھی گواہ ہیں، اس صورت دوم میں زید سے دریافت کرنے پر زید کا تین طلاق کا اقرار کرنا اور دریافت پر ہاں کہنے پر طلاق ہوئی یا نہیں، اور زید پر عورت ہندہ بلا حلالہ حلال ہے یا حرام اس کا جواب قرآن وحدیث اور کتب فقہ سے مع عبارت اور ہر عبارت کا ترجمہ اردو میں مفصل جواب عطا ہو؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: جب اس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں تو تینوں واقع ہو گئیں، خواہ یوں کہے کہ تجھ کو میں نے تین طلاقیں دیں، یا یوں کہ لفظ طلاق کو تین مرتبہ ذکر کیا ہو، فتاوی عالمگیری بیان طلاق بدعی میں مذکور ہے، الذی یعود الی العدد ان یطلقها ثلاثا فی طهر واحد بکلمة واحدة او بکلمات متفرقة فاذا فعل ذالک وقع الطلاق وکان عاصیا، وقوع طلاق کے لئے گواہ ہونا بھی ضرور نہیں، گواہ نہ بھی ہوں جب بھی طلاق پڑ جاوے گی اور تین طلاقیں دی ہیں تو عورت حرام ہو جاوے گی، اور جب کہ زبان سے تین طلاقیں دے چکا ہے تو تحریر میں ایک لکھے یا تین لکھے تام وغیرہ

Marfat.com

لکھے یا نہ لکھے بہر حال تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر زید طلاق دینے سے انکار کرتا ہو اور وقت طلاق کے کوئی نہ تھا کہ گواہی دے تو جن کے سامنے اس نے اقرار کیا ہے، اس کی شہادت سے بھی طلاق ثابت ہو جاوے گی، یوں ہی اگر پوچھنے پر اس نے ہاں کہہ دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو گئیں جب کہ اقرار کرنے اور ہاں کرنے کے گواہ موجود ہوں، در مختار میں ہے، لو قیل له طلقت امرأتك فقال نعم او بلی بالهجاء طلقت بحر۔ نیز یہ بات قابل غور ہے کہ بظاہر سوال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زید طلاق سے انکار نہیں کرتا بلکہ انکار کرتا ہوگا تو تین سے انکار کرتا ہوگا اور جب کہ عدت گذر چکی ہے اور اب نکاح کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں عورت کا لوگوں کے سامنے اقرار کرنا کہ زید نے اسے تین طلاقیں دی ہیں، اسے زید پر حرام کر رہا ہے[1] اگرچہ زید تین طلاق سے انکار کرے مگر ہندہ کو بغیر حلالہ اس سے نکاح کرنا حرام ہے بالجملہ صورت مسئولہ میں ہندہ اس کے نکاح سے خارج ہو چکی اور جب تک حلالہ نہ ہو باہم نکاح نہیں ہو سکتا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے، فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** میں کہ غلام صابر نور محمد ولد رحیم خاں قوم پٹھان ساکن آگرہ حال موجود اجمیر شریف جو کہ میری شادی مسماۃ اختری بیگم دختر احمد بخش ٹکٹ ماسٹر کے ساتھ ہوئی تھی جس کو عرصہ قریب تین سال کا ہو گیا، جو کہ بوجہ نا اتفاقی و جھگڑے کے میرے ساتھ نہیں رہتی ہے، اس لئے یہ اقرار نامہ میں لکھ دیتا ہوں تاکہ میں اپنی زوجہ کے شامل رہوں اس میں یہ شرائط قرار پائی ہیں، جس کو میں بخوشی و رضا منظور کرتا ہوں، تفصیل شرائط یہ ہیں، اول میں اپنی زوجہ کو کسی قسم کی تکلیف نہ دوں گا دوسرے مار پیٹ نہیں کروں گا اور نہ کسی قسم کی ضرر جسمانی پہونچاؤں گا، تیسرے روٹی کپڑے کی تکلیف نہ دوں گا، بلکہ روٹی کپڑے کے واسطے مبلغ دس روپیہ ماہوار برابر دوں گا خواہ بسبب ملازمت دوسرے شہر میں رہوں لیکن مبلغ دس روپیہ ماہ بماہ پہنچاتا رہوں گا، چوتھے زوجہ کو اس کے رشتہ داروں کے یہاں آنے جانے سے ہرگز نہ روکوں گا، پانچویں زوجہ کی حیات میں دوسری عورت سے نکاح یا تعلق ناجائز ہرگز نہ کروں گا، اور نہ خانہ انداز کروں گا، چھٹے زوجہ کو اس کے والدین کے یہاں سے عرصہ دو سال تک ہرگز نہ لیجاؤں گا، اور بعد انقضائے میعاد بھی اس کے والدین کی مرضی یا اس کی اجازت سے اجمیر شریف سے باہر لے جاؤں گا، اگر میں شرائط مندرجہ بالا کے خلاف عمل میں لاؤں تو اول یہ میری زوجہ کو اختیار ہوگا کہ بذریعہ عدالت مبلغ دس روپیہ ماہوار میری ذات و جائداد منقولہ و غیر منقولہ سے جس طرح چاہے مجھ سے علحدہ رہ کر وصول کر لیوے، اور وارثوں کو کسی طرح کا حیلہ نہ ہوگا، دوم یہ کہ اگر میری زوجہ روپیہ وصول

[1] در مختار میں ہے، وفی البزازیة قالت طلقنی ثلثا ثم ارادت تزوجه لنفسها منه لیس لها ان اقامت علیه ام الکذب لنفسها ص ۲۳ ج ۲، علی هامش الخانیة۔

Marfat.com

نکرے یا نہ کرسکے تو میری پابند نہ رہے گی، میری جانب سے اس تحریر کے ذریعہ سے اس کو طلاق سمجھی جاوے گی۔ اور وہ اپنا شرع دوسری جگہ کرسکے گی، میرا کوئی دعوی یا حق شرعی نہ ہوگا۔ اس پر، لہذا یہ اقرار نامہ بدرستی ہوش و حواس اپنے کے لکھ دیا ہے کہ سند رہے، اور وقت ضرورت کام آئے، تحریر بتاریخ ۲ر جولائی ۱۹۲۲ء بگفتہ غلام صابر لونر محمد ولد رحیم خاں کے تحریر کردیا حرف بحرف پڑھ کر سنادیا؟

**الجواب**: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ شوہر نے شرائط مندرجہ کے خلاف عمل کیا تحریر لکھنے کے بعد سے نہ اس نے نفقہ دیا نہ اس کے مکان پر رہا بلکہ اس کے مکان پر گیا بھی نہیں، لہذا اس صورت میں بموجب تحریر ہذا عورت کو دس روپئے ماہوار کے حساب سے وصول کرنے کا اختیار تھا مگر چونکہ عورت نے وصول نہ کیا تو جب دونوں شرطیں متحقق ہوگئیں تو جزا کا بھی ترتب چاہیئے مگر شوہر کے یہ الفاظ کہ میری جانب سے اس تحریر کے ذریعہ سے طلاق سمجھی جاوے گی، الفاظ طلاق سے نہیں، یہ لفظ بیکار ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے، امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده فقال الزوج داده گیر او کرده گیر ان نوی یقع ویکون رجعیا وان لم ینو لا یقع ولو قال داده انگار او کرده انگار لایقع وان نوی، شوہر کا یہ لفظ کہ وہ اپنا شرع دوسری جگہ کرسکے گی یہ کنایہ طلاق ہے کہ شرع کرنا عرف میں بمعنی نکاح کرنا ہے اور یہ کنایہ ہے۔ عالمگیری میں ہے، ولو قال تزوجی ونوی الطلاق او الثلث صح وان لم ینو شیئا لم یقع کذا فی العتابیہ، لہذا شوہر کی نیت معلوم ہونے پر طلاق یا عدم طلاق کا حکم ہوسکتا ہے، اگر وہ حلف سے بیان کرے کہ اس لفظ سے میری نیت طلاق کی نہ تھی تو طلاق کا حکم نہیں دیا جاسکتا اور اگر بہ نیت طلاق یہ لفظ لکھے گئے یا دستخط کرتے وقت اس کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ اس سے طلاق ہوجاوے گی، تو طلاق واقع ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زبردستی سے طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں اگر واقع ہوجائے تو کس مذہب میں حنفیہ میں یا شافعیہ میں، بینوا توجروا بالکتاب والدلیل۔

**الجواب**: حنفیہ کے نزدیک حالت اکراہ یعنی زبردستی میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا، ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والعتاق۔ درمختار میں ہے، ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبدا او مکرھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: جناب عبدالجلیل صاحب از سکندر پور ضلع بلیا، ۲۰ر جمادی الآخرہ ۱۳۴۶ھ،

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں اس کی طلاق نافذ ہوگی یا نہیں، اگر نہیں تو کیا اس کا باپ یا ولی اس کی جانب سے طلاق دینے میں مختار ہے یا نہیں خواہ لڑکے کی رضا سے یا بغیر رضا خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس نکاح کے باقی رکھنے میں خوف مضرت ہو، مثلاً لڑکی بالغہ ہوگئی اور لڑکے کے بلوغ میں چار پانچ سال کی دیر ہے، اور خوف ہے کہ شاید لڑکی اپنے نفس پر صبر نہ کر سکے اور اسے لغزش ہو جائے، اس صورت میں جب کہ لڑکا اور اس کے ولی میں سے کوئی شخص طلاق دینے کا مجاز نہیں نہ ان کی طلاق نافذ ہو سکتی ہے اور لڑکی کی جانب سے بھی احتمال لغزش ہو کوئی صورت نکاح کے فسخ کی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** نہ تو نابالغ خود طلاق دے سکتا ہے نہ اس کا ولی یا باپ نہ رضامندی سے نہ بغیر رضامندی کے کہ یہ اس کو ضرر پہونچا تا ہے، اور اس کا کسی کو حق نہیں، درمختار میں ہے، لا یقع طلاق الصبی ولو مراھقا او اجازہ بعد البلوغ، حدیث میں ہے، الطلاق لمن اخذ بالساق، اگر دونوں میں عمر کا اتنا تفاوت تھا تو پہلے سے نکاح ہی کیوں کیا تھا جواب اندیشہ پیدا ہوا لڑکی صبر کرے اور یہ کوئی نادر بات نہیں اکثر لڑکیوں کی شادی اٹھارہ بیس برس کی عمر یا اس کے زائد میں ہوتی ہے، اگر باپ دادا کے غیر کا نکاح کیا ہوتا تو خیار بلوغ حاصل ہوتا، مگر بظاہر سوال سے ایسا نہیں معلوم ہوتا اور ہو بھی تو اب جب کہ بالغ ہو چکی ہے اور اب تک اپنے نفس کو اختیار نہ کیا تو اب خیار بلوغ کی بھی صورت باقی نہ رہی کوئی صورت نکاح فسخ ہونے کی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ

**مسئلہ:** از ہوڑہ، ایم، سی، گھوس لائن نمبر ۳۵/۲۰ بانو تالاب مرسلہ جناب محمد وزیر علی خاں صاحب ۱۲، جمادی الاولیٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی سسرال گیا اور اپنے خسر سے اپنی بیوی کی رخصتی چاہی انھوں نے کہا آج رہو کل صبح رخصت کر دوں گا، مگر زید کہنے لگا ابھی رخصت کر دو خسر نے کہا رات زیادہ ہوگئی ہے ابھی رخصت نہیں کروں گا تو فوراً زید نے غصہ میں آکر کہا تمہاری لڑکی کو طلاق ہے، اتنے میں زید کی بیوی سامنے آنکلی، اس وقت زید اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا، تم کو طلاق ہے، طلاق ہے، حتیٰ کہ اس لفظ کو تقریباً دس مرتبہ تک تکرار کیا، بعد ازاں پنچایت ہوئی، اس میں اس نے قول کا اقرار کیا، کیا اس کی بیوی نکاح سے نکل گئی اور اس پر طلاق واقع ہوئی تو کون سی طلاق؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوئی اور مدخولہ ہے تو تین طلاقیں پڑیں اور

Marfat.com

تین سے زائد جتنی مرتبہ کہا یہ گناہ ہوا، بلکہ ایک مجلس میں تین بار طلاق دینا بھی گناہ ہے۔ اگرچہ واقع ہو جائیں گی۔ حدیث میں ہے، اخبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأتہ ثلث تطلیقات جمیعا فقام غضبان ثم قال ایلعب بکتاب اللہ عزوجل وانا بین اظہرکم الحدیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دیں، حضور غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کرتا ہے۔ مؤطا میں ہے، ان رجلا قال لعبد اللہ بن عباس انی طلقت امرأتی مائۃ تطلیقۃ فماذا تری علی فقال ابن عباس طلقت منک بثلث وسبع وتسعون اتخذت بہا آیات اللہ ھزوا، ایک شخص نے عبد اللہ بن عباس سے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو سو طلاقیں دے دیں آپ کے نزدیک مجھ پر کیا حکم ہے، ابن عباس نے فرمایا کہ وہ عورت تین طلاقوں سے مطلقہ ہو گئی اور ستانوے سے تو نے کتاب اللہ کے ساتھ ٹھٹھا کیا، اس صورت میں مغلظ طلاق ہوئی بغیر حلالہ اس شخص کو اس عورت سے نکاح کرنا حرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** اگر کوئی شخص غصہ کی حالت میں طلاق دے تو وہ طلاق نافذ ہو گی یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب:** بیشتر طلاق غصہ ہی میں دی جاتی ہے ایسے غصے میں جس سے عقل زائل نہ ہو جو طلاق دی جاتی ہے واقع ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از ناگور شریف علاقہ جودھپور مرسلہ جناب احمد بخش صاحب ۵ صفر المظفر ۱۳۴۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو دو تین بار کہا کہ میں نے تجھ کو چھوڑا اور وہ عورت ابھی نابالغہ ہے اور لڑکا بھی ہوشیار تو نہیں ہے نابالغ ضرور ہے، اور یہ دونوں طلاق وغیرہ نہیں سمجھتے ہیں، اس لڑکی کے وارث کہتے ہیں طلاق ہو گئی ہے یہ کہہ کر لڑکی کو لے گئے اور لڑکا کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی اور اپنے رشتہ داروں کو لینے کے لئے بھیجا تو وہ بھیجنے سے انکار کرتے ہیں اور کہنے لگے اگر تم کو لے جانا ہے تو ایک اپنی لڑکی اس کے عوض میں ہم کو دو تو البتہ ہم بھیج دیں۔ از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟

**الجواب:** یہ لفظ کہ میں نے تجھ کو چھوڑا الفاظ طلاق سے ہے اور عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہوتا ہے، لہٰذا بغیر نیت بھی اس سے طلاق ہوتی ہے، پھر اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق واقع ہو گی اور ایک ہی سے بائن ہو جائے گی، اور یہ شوہر اس عورت سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے اور اگر مدخولہ ہے اور دو بار کہا ہے تو دو ہوں گی اور تین بار کہا ہے

Marfat.com

تو تین ہوں گی اور اگر تین بار کہا ہے تو بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، ورنہ حلالہ کی ضرورت نہیں، بلکہ عدت میں رجعت کر سکتا ہے اور بعد عدت رجعت نہیں کر سکتا مگر نکاح کر سکتا ہے، یہ حکم اس وقت ہے کہ شوہر بالغ ہو اور اگر نابالغ ہو تو طلاق کا اہل نہیں ہے، اس کے طلاق دینے سے طلاق نہ ہوگی، درمختار میں ہے۔ لایقع طلاق الصبی ولو مراھقا، لڑکی والوں کا یہ کہنا کہ اس کی عوض اپنی لڑکی ہم کو دو تو ہم بھیج دیں گے یہ باطل محض ہے، اگر طلاق نہیں ہوئی ہے تو کسی طرح اس لڑکی کو بغیر حکم شرع روک نہیں سکتے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان دین متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا وہ ہندہ چند روز تک زید کے مکان پر آتی جاتی رہی، بوجہ نزاع ہندہ کا زید کے مکان پر آنا جانا بند ہوگیا، ہندہ نے اپنے میکے میں زنا کرانا شروع کیا اور زید بھی پرائی عورتوں پر دست درازی کرنے لگا، زید کی یہ حالت دیکھ کر اہل محلہ نے کہا تم اپنی بیوی کو بلا کر رکھو یا اسے طلاق دے دو، مگر زید نے اہل محلہ کے کسی بات پر عمل درآمد نہ کیا، جس کے سبب اہل محلہ نے زید کے ساتھ ترک معاملہ کر دیا تب زید نے دوسرے محلہ والوں سے مراسم پیدا کئے اور ہندہ عمرو کے ساتھ زنا کراتی رہی، جس سے دو لڑکے پیدا ہوئے، تیسرے کی امید ہے، اہل محلہ نے زید سے کہا تم اس کو طلاق دے دو مگر وہ طلاق نہیں دیتا ہے، لہٰذا ایسے شخص کے ساتھ دنیاوی امور بجا لانا اور اس کو فاجر و فاسق اور دیوث کہنا از روے شرع شریف کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب** :- زید پر واجب ہے کہ ہندہ کو اپنے یہاں رکھے اور اس کے نفقہ وغیرہ کی خبرگیری کرے اسے معلق چھوڑ دینا کہ نہ خود رکھے نہ اسے طلاق دے کہ کسی اور سے نکاح کر لے یہ جائز نہیں، مگر جب کہ زید ہندہ کو رکھنا چاہتا ہو اور ہندہ آنے سے انکار کرے تو زید پر مواخذہ نہیں، کہ زید نے اسے معلق نہ چھوڑا اور اس صورت میں زید پر طلاق دینا بھی واجب نہیں، کہ عورت اگر شوہر کے یہاں نہ جائے تو شوہر پر طلاق دینا واجب نہیں ہوتا، رہا ہندہ کا زنا کرانا اگر زید اس کے اس فعل سے ناراض ہے اور اسے یہ بات بری معلوم ہوتی ہے کہ لوگ ہندہ کے اس فعل پر مطلع ہوں اور اسے اپنی بے عزتی اور بے آبروئی تصور کرتا ہے اور وہ اپنی طاقت کے موافق اسے منع کرتا ہے اور اسے روکتا ہے، مگر ہندہ اپنی خباثت کی وجہ سے باز نہیں آتی تو زید دیوث نہیں، کہ دیوث وہ ہے کہ اپنی اہل کے فواحش پر مطلع ہو کر منع نہ کرے اور اگر زید اس کو ان حرکات سے باوجود قدرت منع نہیں کرتا تو بیشک دیوث ہے۔ اور اس پر بھی مواخذہ ہے،

Marfat.com

قال اللہ تعالیٰ، یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا، اور اس صورت میں اس سے میل جول، سلام کلام منع ہے، قال اللہ تعالیٰ، فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظلمین، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو زبردستی مار مار کر یہ کہلادیا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیا ایسی حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

**الجواب:** صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوگئی، تنویر الابصار میں ہے، ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ ولو عبدا او مکرھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ حافظ عبدالعزیز صاحب بھوجپوری،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی ہندہ زید کی بلا اجازت اپنی بہن کے ہمراہ اپنے والد کے مکان کو چلی گئی تھی جس سے زید بہت ناخوش ہوا اور غصہ میں یہ کہا کہ میں نہیں رکھوں گا اور اسی ناراضی میں کئی مہینہ تک بلا کر نہ لائے وہ خود اس خوف سے نہ آئی کہ شاید مجھے مارے، پیٹے، زید کو لوگوں نے بہت سمجھایا کہ اس کی خطا معاف کردو اور اس کو بلالو، مگر زید نے نہ مانا، اور یہ کہا کہ میں نہیں لاؤں گا اور نہیں رکھوں گا اور یہ بھی کہا کہ تم اس سے مہر معاف کرادو میں طلاق دے دوں گا، بلکہ دو شخصوں نے ہندہ کے پاس جاکر اس سے کہا کہ تم مہر معاف کردو وہ تجھے طلاق دے دیں گے، ہندہ اس بات پر راضی نہ ہوئی اور انکار کردیا اس دوران میں ہندہ اپنے باپ ہی کے مکان پر رہی، کئی مہینہ کے بعد لوگوں نے زید کو پھر سمجھایا کہ خطا معاف کرنا خدا کی خوشنودی کا باعث ہے، تب زید نے ہندہ کے لانے کا اقرار کیا اور بلالائے چنانچہ اس وقت ہندہ زید ہی کے مکان پر ہے، کیا زید کے اس قول سے کہ نہیں رکھوں گا، طلاق دے دوں گا، ہندہ پر زید کی طلاق واقع ہوگئی زید ایک مسجد کا پیش امام بھی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ زید کے ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگئی، اور پھر اس کو رکھ لیا، لہٰذا زید لائق امامت نہ رہا، اس کو امامت سے معزول کردیا جائے، اس کی امامت جائز نہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ زید کے والد اور بھائی کی امامت بھی جائز نہیں، کیونکہ وہ ایک چولھے کا پکا کھانا کھاتے ہیں، لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید باوجود اپنے اس قول وفعل کے قابل امامت رہا یا نہیں، اور ہندہ زید کے نکاح سے خارج ہوگئی یا نہیں اور بالفرض اگر زید قابل امامت نہ رہا تو زید کے والد اور بھائی بھی قابل امامت

Marfat.com

ہیں یا نہیں، ان کی امامت شرعاً جائز ہے یا نہیں، بحوالہ کتب معتبرہ بیان فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** صورت مستفسرہ میں ہندہ زید کی بدستور زوجہ ہے، ان الفاظ سے جو زید نے کہے طلاق واقع نہیں ہوئی، زید نے دو لفظ استعمال کئے ہیں، ان میں پہلا لفظ نہیں رکھنا ہے یہ الفاظ طلاق سے ہی نہیں اور دوسرا لفظ چونکہ صیغہ مستقبل ہے، اس سے بھی طلاق نہیں ہوئی، مستقبل تو محض ارادہ پر دلالت کرتا ہے کہ آئندہ میں ایسا کروں گا وہ تحقیق پر دلالت ہی نہیں کرتا اسے طلاق کیونکہ واقع ہوسکتی ہے، اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ آئندہ میں طلاق دوں گا اور جب آئندہ زمانہ میں طلاق نہ دی تو طلاق نہ ہوئی، مستقبل تو مستقبل ہے صیغہ مضارع جو حال اور استقبال دونوں کے لئے ہوتا ہے، اس سے بھی طلاق نہیں ہوتی، جب تک معنی حال میں غالب نہ ہوجائے، فتاوی خیریہ میں ہے، صیغۃ المضارع لایقع بہا الطلاق کما صرح بہ الکمال ابن الہمام الا اذا غلب فی الحال، رد المحتار کی عبارت بھی اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے، وکذا المضارع اذا غلب فی الحال مثل اطلقك، کما فی البحر، اسی وجہ سے کتب میں جتنے الفاظ طلاق ذکر کئے گئے، ان میں کوئی بھی مستقبل کا صیغہ نہیں ہے۔ اور زید کے کلام میں یہ مستقبل بھی معلق بالشرط ہے کہ جب مہر معاف کردے گی تو یہ طلاق دے گا مگر نہ ہندہ نے مہر معاف کیا نہ زید نے طلاق دی پھر طلاق کیونکر ہوسکتی ہے کہ یہاں تو شرط ہی پائی نہیں گئی، بلکہ اگر وہ مہر معاف کرتی جب بھی طلاق دینے سے طلاق پڑتی۔ اس کلام سے طلاق نہیں پڑتی اور اس سے کہا جاتا کہ تو نے مشروط وعدہ کیا تھا، اور شرط پائی گئی لہٰذا وعدہ پورا کر یعنی طلاق دے دے، اور یہاں شرط پائی نہیں گئی، لہٰذا اس سے طلاق دینے کو کہا بھی نہیں جاسکتا، جو شخص یہ کہتا ہے کہ طلاق ہوگئی وہ غلط کہتا ہے، اور مسئلہ سے ناواقف ہے اور باوجود ناواقفی کے مسئلہ بیان کرتا ہے، یہ اس کی جرأت ہے جس سے بچنا ضروری ہے، اور جب طلاق ہی نہ ہوئی تو اس پر یہ متفرع کرنا کہ زید لائق امامت نہ رہا یہ بھی غلط ہے کہ اولاً طلاق ہی نہیں ہوئی تو زید کو ہندہ کا رکھ لینا کون سا جرم ہے، کہ زید لائق امامت نہ رہے۔ ثانیاً طلاق ہوتی بھی تو رجعی، بائن مغلظہ اس کی قسمیں ہیں، اس کہنے والے کو دیکھنا پڑتا کہ یہاں کون سی طلاق ہے، اور عورت کو رکھ لینا کہاں جرم ہے اور کہاں نہیں ان امور سے ناواقف ہوتے ہوئے ان بعض لوگوں کا حکم دینا سخت غلطی ہے، پھر یہ کہنا کہ زید کے بھائی باپ بھی لائق امامت نہ رہے کہ ایک چولھے کا پکا ہوا کھاتے ہیں، یہ بنائے فاسد علی الفاسد ہے اور بلاوجہ قطع رحم کا حکم دینا ہے، الحاصل اس وجہ سے زید کی امامت میں کوئی نقصان نہیں، پھر اس کے باپ بھائی کی امامت میں کیونکر اس وجہ سے نقصان آئے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ**: از کلکتہ ۱۶ مسجد پانچوں خاں مان لائن، مرسلہ محمد رفیق صاحب، ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اسماعیل اپنے داماد کی نسبت چاہتا ہے کہ ہمارے گھر رہے اور لڑکی بھی ہمارے گھر رہے مگر داماد سسرال میں رہنا پسند نہیں کرتا ہے، اس بنا پر زبردستی لڑکے سے ایک تحریر کرا لیا ہے کہ ہماری لڑکی کو تو اپنے گھر لے جاؤ گے اور مار پیٹ کرو گے یا گھر سے نکال دو گے تو لڑکی پر تین طلاق ہو جائے گی، کیا اس قسم کی زبردستی تحریر سے اگر شوہر اپنی بیوی کو گھر لے جائے اور مار پیٹ کرے یا گھر سے نکال دے تو تین طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

**الجواب**: زبردستی سے اگر مراد اکراہ شرعی ہے کہ اس کو جان جانے یا عضو کاٹے جانے کا صحیح اندیشہ تھا اور تحریر لکھ دی تو اس تحریر سے طلاق واقع نہیں ہوئی، ردالمحتار میں ہے، وفی البحر ان المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق فلو اکراہ علی ان یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا تطلق لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھھنا کذا فی الخانیۃ، اور اگر زبردستی سے مراد محض اصرار سے کہنا یا زور ڈالنا جو حد اکراہ شرعی کو نہ پہونچا ہو تو اس زبردستی کا کوئی اعتبار نہیں اور طلاق شرط کے پائے جانے سے واقع ہو جائے گی، وہو تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ سکینہ کا شوہر عرصہ چار پانچ برس سے چھوڑ کر علحدہ ہے اور کسی قسم کی خبرگیری نہیں کرتا ہے اب تک مسماۃ چوڑی بیچ کر اوقات بسر کرتی رہی، اب مجبور ہو کر ہائی کورٹ میں استغاثہ دائر کیا کہ میرا شوہر چار پانچ برس سے نان و نفقہ نہیں دیتا، ہائی کورٹ کے حاکم نے نائب قاضی کو حکم نافذ کیا کہ ان کو ائری کرکے رپورٹ دو، نائب قاضی نے تحقیق اور انکوائری کی اور شوہر سکینہ سے دریافت کیا، اس نے جواب دیا کہ ہم کو بیوی سے کام نہیں اور کچھ بہکی بہکی باتیں کرکے خاموش ہو گیا قاضی نے رپورٹ دی کہ بیشک مسماۃ سکینہ کا شوہر آوارہ ہے اور اپنی بیوی کی خبرگیری نہیں کرتا اور اس پر دو مسلمان گواہ لے کر حاکم کو دے دیا اس کے بعد حاکم ہوڑہ نے تفریق کا حکم دیا اور اجازت دی کہ مستغیثہ جس سے چاہے اپنا نکاح کرلے تو از روئے شرع بتایا جائے کہ اس عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں، علاوہ اس کے شوہر مذکور کے دماغ میں کچھ خلل بھی ہے امید کہ مسماۃ کی خلاصی کے لئے کوئی صورت بتائی جائے، بینوا توجروا،

**الجواب**: یہ حکم تفریق شرعاً[1] باطل و ناجائز ہے، البتہ اگر اس کی حالت دماغی کبھی کبھی درست رہتی ہو تو ایسی

---

[1] اس تفریق کے باطل ہونے کا سبب یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں شوہر پر تین الزام ہے، پہلا یہ کہ وہ مستغیثہ کو نان نفقہ نہیں دیتا، معلق چھوڑے ہوئے ہے، اور دوسرا
(بقیہ ص ۱۸۶ پر)

Marfat.com

حالت میں اسے کہا جائے، اگر طلاق دے دے تو واقع ہو جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ہمشیرہ سے کہا کہ اگر بیوی اپنا اپنا مطالبہ جو میرے ذمہ باقی ہے نہ بتلادے یا نہ لے تو ہم طلاق مغلظہ دیتے یا دے دیتے یا دے دیں گے، ان تینوں میں یہ معلوم کیا کہا، لیکن دے دینے ہیں یا دے دیا نہیں کہا اس کہنے کے بعد زید کو پورا جملہ یاد نہیں رہا، جو عورتیں وہاں موجود تھیں وہ کہتی ہیں کہ زید نے یہ کہا اگر اپنا مطالبہ نہیں لے گی تو طلاق دے دیں گے، جس پر بیوی بھی گواہ ہے اور نہ زید نے یہ کہا کہ ابھی اپنا مطالبہ نہ لے بعدہٗ ایک بیوی نے اپنا مطالبہ بتلایا اور زید نے ایک ہفتہ کے اندر دے دیا اور دوسری زوجہ نے کہا میرا کوئی مطالبہ نہیں ہے، اب ان صورتوں میں شرع شریف کا کیا حکم ہے، دونوں بیبیوں کے بارہ میں یعنی

(بقیہ ص ۱۸۵ کا) یہ کہ وہ آوارہ بدچلن ہے، جیسا کہ نائب قاضی کے رپورٹ میں تصریح ہے، تیسرا یہ کہ وہ دماغی بیمار ہے، کبھی کبھی اس کا دماغی توازن خراب ہوجاتا ہے، اگر ان تینوں الزام کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی انگریزوں کے مقرر کردہ حاکم تو کچھ نہیں، اگر قاضی شرع جو سلطان اسلام کی طرف سے مقرر ہو، وہ بھی اگر تفریق کرے گا وہ تفریق باطل ہوگی، شریعت نے طلاق کا حق صرف شوہر ہی کو دیا ہے، حدیث میں ہے، انما الطلاق لمن اخذ بالساق، قرآن کریم نے فرمایا، بیدہ عقدۃ النکاح، شریعت نے صرف چند مخصوص صورتوں میں قاضی اسلام کو تفریق کا حق دیا ہے، اور ان مخصوص صورتوں میں یہ صورت مذکورہ نہیں، علاوہ ازیں اگر ہائی کورٹ کا جج غیر مسلم ہو، تو اس کی تفریق مطلقًا باطل ہے، اگرچہ وہ صورت ہو جس میں شریعت نے تفریق کا حکم حاکم اسلام کو دیا ہو، قرآن کریم میں فرمایا گیا، لن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا، اس سب سے قطع نظر اگر سوال میں غور کیا جائے تو صریح تعارض موجود ہے سائل نے شروع میں یہ لکھا، سکینہ کا شوہر عرصہ چار پانچ سال سے چھوڑ کر علٰحدہ ہے اور کسی قسم کی خبر گیری نہیں کرتا، اب تک مسماۃ جوڑی بیچ کر اوقات بسر کرتی رہی، اور اخیر میں سائل نے لکھا، اس کے شوہر مذکورہ کے دماغ میں کچھ خلل بھی ہے، سائل کی ان دونوں باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سکینہ کا شوہر چونکہ دماغی خلل کا بیمار ہے، اس لئے سکینہ کی خبر گیری نہیں کرتا، اور نائب قاضی کی رپورٹ میں یہ ہے کہ سکینہ کا شوہر آوارہ بدچلن ہے، اگر واقعی سکینہ کا شوہر آوارہ بدچلن تھا تو سائل اس کو ضرور لکھتا، بات صرف اتنی رہی ہوگی کہ دماغی خلل کی وجہ سے وہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہوگا تو جب سوال ہی میں تطابق نہیں، تو تفریق کا حکم کیسے صحیح ہوگا، جو شوہر اپنے زوجہ کو نان نفقہ نہیں دیتا اور اس کی خبر گیری نہیں کرتا اس کے بارے میں اب علمائے اہل سنت نے متفقہ طور پر یہ فتویٰ دیا ہے کہ بحالت مجبوری قاضی شرع تفریق کر سکتا ہے اور یہ بارہا بتایا جا چکا ہے کہ عالم علمائے بلد جو سنی صحیح العقیدہ مرجع فتویٰ ہو، قاضی شرع کے قائم مقام ہے، خاص اس قسم کے معاملات کے فیصلہ کے لئے حضرت علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی نے محلہ سلطان گنج پٹنہ میں ادارہ شرعیہ قائم فرمایا ہے، اس قسم کی ضرورتوں میں مسلمان اس ادارے کی طرف رجوع کریں، نائب قاضی نے شوہر نے یہ کہا ہے، ہم کو بیوی سے

(بقیہ ص ۱۸۷ پر)

Marfat.com

جس بیوی نے اپنا مطالبہ بتایا اور دیا اور جس بیوی نے کہا ہمارا کوئی مطالبہ نہیں ہے، کیا حکم ہے، اور زید کی نیت طلاق کی نہیں محض تہدید کے طور پر تھا، نیز بیوی کے علاوہ دو عورتوں کی شہادت گذر چکی ہے؟ بینوا توجروا،

**الجواب** :۔ صورت مذکورہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی کہ اولاً اس کو خود شک ہے کہ کیا الفاظ بولے تھے۔ اور گواہوں سے بھی ایسے لفظ کا ثبوت نہیں، جس سے طلاق واقع ہو، درمختار میں ہے، علم انہ حلف ولم یدر بطلاق اوغیرہ لغا کما لوشک اطلق ام لا، ثانیاً جو لفظ اس نے استعمال کیا وہ تین لفظوں میں دائر ہے، اگر وہ لفظ دے دیں گے ہے، جیسا کہ زوجہ اور دوسری عورتیں بیان کرتی ہیں تو یہ ایک وعید ہے، اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ آئندہ طلاق دینے کی دھمکی ہے، نہ کہ فی الحال طلاق دینا اور اس سے طلاق نہیں ہوئی، فتاویٰ خیریہ میں ہے، صیغۃ المضارع لا یقع بہا الطلاق کما صرح بہ کمال ابن الہمام الا اذا غلب فی الحال، اور اگر وہ دیتے یا دے دیتے ہے، اگرچہ اردو محاورہ کے بالکل خلاف ہے، کہ ایسی جگہ یہ لفظ بولا جائے، جب بھی طلاق نہ ہوگی کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ طلاق نہیں دی اور کبھی یہ لفظ تمنی کے لئے بولا جاتا ہے، بہرحال دونوں عورتوں میں سے کسی کی طلاق نہ ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** :۔ مرسلہ فقیر اللہ وسلامت اللہ کلا کھ مرچنٹ، مبارک پور، اعظم گڈھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مسئولہ ذیل میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کے نان ونفقہ دینے کے بارہ میں اقرار نامہ لکھا جو درج ذیل ہے، اس کے بعد زید بمبئی چلا گیا زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو شروع شروع مبلغ پانچ پانچ روپیہ تین مرتبہ اور مبلغ دس روپیہ ایک مرتبہ سات ماہ کے اندر بمبئی سے روانہ کیا اور اب چھ ماہ سے زید نے ہندہ کے لئے نان ونفقہ کے واسطے خرچ نہ بھیجا اور نہ خود بمبئی سے آیا اور نہ ایسی سبیل مقرر کی جس سے ہندہ کا نان ونفقہ چل سکے زید کو بمبئی گئے ہوئے قریب قریب چودہ ماہ ہوتے ہیں، حالانکہ زید نے صرف ایک سال اور ماہ بماہ خرچ اور بوجہ علالت ومجبوری تین ماہ کا اقرار کیا تھا زید اپنے اقرار کے مطابق نہ تو سال کے اندر آیا اور نہ ہر ماہ میں خرچ روانہ کیا تو ایسی صورت میں ہندہ اس کے نکاح میں باقی رہی یا نہیں؟ بینوا بالدلیل،

(بقیہ ص ۱۸۶) کام نہیں، یہ جملہ طلاق کنائی کا بھی نہیں، اگر شوہر بدرستی حواس بھی کہتا تو طلاق واقع نہ ہوتی، عالمگیری میں ہے، رجل قال لامرأتہ من ابکار نیستی ونوی بہ الطلاق لا یقع، یہ جملہ، وہ میرے کام کی نہ رہی، یا وہ میرے کام کی نہیں، کنایہ طلاق سے ہے، جیسا کہ فتاویٰ رضویہ حصہ پنجم ص ۵۲۸، اور بہار شریعت حصہ ہشتم میں تصریح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

Marfat.com

**اقرارنامہ:** ہم کہ ذاکر حسین ولد ہدایت اللہ قوم شیخ ساکن محلہ لوادہ متعلقہ قصبہ مبارکپور کے ہیں، چونکہ میں پنچ لوگوں کے سامنے اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ میں بمبئی ایک سال کے لئے جاتا ہوں اور اپنی بیوی مسماۃ مجیدن کو ہر ماہ میں خرچ خانگی نان ونفقہ کے واسطے بھیجا کروں گا، اگر میں اپنے اقرار اور معاہدہ کے مطابق نہ کروں گا، خدانخواستہ اگر میں بیمار پڑ گیا تو ایک ماہ کے بعد تیسرے ماہ تک خرچہ ضرور روانہ کروں گا اگر اس اقرار کے خلاف ہوگا، طلاق سمجھا جاوے گا، اس لئے چند کلمہ بطریق اقرارنامہ کے لکھ دیتا ہوں کہ وقت پر کام آوے۔

**الجواب:** صورت مذکورہ میں طلاق واقع نہ ہوئی کہ اولاً طلاق سمجھا جاوے گا، الفاظ طلاق سے نہیں، اگر یہ الفاظ طلاق سے ہوتا تو تحقق شرط سے وقوع طلاق کا حکم دیا جاسکتا، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے، امرأۃ قالت لزوجها طلاق ده فقال داده انگار او كرده انگار لا يقع وان نوى، ثانیاً تحریر زوج اضافت سے خالی ہے، یعنی اپنی عورت کا مطلقہ ہونا اس میں نہیں تحریر ہے، بلکہ یہ لفظ مطلق ذکر کرتا ہے کہ طلاق سمجھا جاوے گا یہ نہیں ظاہر کرتا کہ کس کو طلاق ہے اور حکم وقوع طلاق کے لئے اضافت ضروری ہے[1]، کما ہو مصرح فی کتب الفقہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

[1] یہ مسئلہ طلاق کے اہم مسائل میں سے ہے، طلاق واقع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ طلاق کی اضافت عورت کی طرف ہو، اور اگر یہ شرط ملحوظ نہ ہو تو لازم آئے گا کہ جو بھی لفظ طلاق کسی طرح بولے، اس کی عورت کو طلاق واقع ہوجائے اور یہ بداہت کے خلاف ہے، اس لئے طلاق واقع ہونے کے لئے عورت کی طرف اضافت ضروری ہے، خواہ صراحۃً اضافت مذکور ہو جیسے کسی نے کہا میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیا، یا بیوی کا نام لے کر کہا میں نے فلانی کو طلاق دیا، یا عورت سے مخاطب ہو کر کہے، میں نے تجھے طلاق دیا، یا عورت کی طرف اشارہ کرکے کہے اس کو طلاق دیا، خواہ تقدیراً مثلاً عورت نے سوال کیا مجھے طلاق دے شوہر نے کہا میں نے طلاق دی یا کسی نے اس سے کہا اپنی بیوی کو طلاق دے یا فلانی کو طلاق دے، اس نے کہا میں نے طلاق دی، فان السوال معادفی الجواب، یا اضافت نیت میں ہو، مثلاً شوہر نے کہا، یہی ہے کہ میں نے طلاق دیا، اور اس کی نیت بیوی ہی کو طلاق دینے کی ہوتی ہے اور یہی صورت کثیر الوقوع ہے، سیکڑوں بار کا یہ تجربہ ہے کہ شوہر نے صرف یہی کہا، میں نے طلاق دیا اور پوچھنے پر اس نے اقرار کیا کہ بیوی ہی کو طلاق دی، اس لئے کہ طلاق بیوی کے علاوہ کسی اور کو نہیں دی جاتی، عوام اس کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں، اس لئے اگر لفظ میں نیت نہ ہو نہ لفظاً نہ تقدیراً، تو نیت میں اضافت ضرور ہوتی ہے، اس لئے اس قسم کے سائل میں شاید باید ہی کبھی ایسا ہوتا ہے، کہ نیۃً بھی اضافت کا تحقق نہ ہو، بلکہ یہ صرف اس صورت میں ہوگا، کہ سائل اضافت طلاق کے مسئلے سے بخوبی واقف ہو ورنہ لفظ میں اضافت خواہ نہ ہو، نیت میں اضافت ضرور ہوتی ہے، بہرحال اگر لفظ میں نیت نہیں نہ صراحۃً نہ تقدیراً، اور نہ نیت پر کوئی قرینہ ہے اور شوہر یہی کہتا ہے کہ میری نیت عورت کی طرف طلاق کی اضافت کی نہ تھی

Marfat.com

**مسئلہ:** از بانس منڈی بریلی مسئولہ محمد اسحاق صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کچھ عرصہ سے رقت وضعف باہ ومرض جریان میں مبتلا ہے، علاج برابر جاری ہے، اطبا کی بھی رائے ہے کہ صحت ہو جائے گی، ایسی صورت میں زید کی زوجہ اور اس کے اقربا یہ چاہتے ہیں کہ زید اپنی زوجہ کو طلاق دے دے، نان نفقہ زید برابر دیتا ہے، باوجود اس کے زوجہ کے والدین اپنی لڑکی اپنے گھر بیٹھا رکھا ہے اور طلاق دلوانے پر مصر ہیں، ایسی حالت میں زید کو کیا صورت اختیار کرنی چاہئے، اگر طلاق نہ دی جائے تو زید پر کوئی الزام شرعی تو نہیں، نیز اس کے والدین سامان جہیز اور مہر لینا چاہتے ہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ زید کی والدہ نے کچھ زیور اپنا بہو کو بطور استعمال دیا تھا وہ اب واپس لینا چاہتی ہے، اگر وہ مہر میں مجرا کرنا چاہتے ہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

**الجواب:** اگر محض ضعف باہ اور رقت کی بیماری ہے اور مباشرت پر قدرت رکھتا ہے تو ایسی صورت میں طلاق دینا لازم نہیں ہے اور اگر بیماری اس حد کی ہے کہ حقوق زوجیت ادا نہیں ہوتے تو زید پر طلاق دینا واجب ہے، درمختار میں ہے، ویجب لوفات الامساک بالمعروف، رد المحتار میں ہے، کما لو کان خصیا او مجبوبا او عنینا او شکازا او مسحرا، لہٰذا زید کو خود اس کا خیال کرنا چاہئے کہ اگر عورت کے حقوق پورے ادا نہ ہوتے ہوں، علیحدہ ہی کر دینا چاہئے ورنہ اس میں بہت مفاسد کا دروازہ کھلتا ہے، جہیز عورت کی ملک ہے، شوہر اس کے روکنے کا حق نہیں رکھتا وہ جب چاہے جہاں چاہے لے جائے، ممانعت کا اختیار نہیں، زیور جو پہننے کو دیا گیا ہے، عورت کو مالک نہیں کیا ہے، وہ واپس لیا جا سکتا ہے ورنہ اگر چڑھاوے کا زیور ہے یا رونمائی میں دیا گیا ہے، عورت مالک ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

لہ ص ۱۸۹ (کا) نہ تھی، تو حکم یہی دیا جائے گا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی، اس صورت میں حلف کی ضرورت نہیں، عالمگیری میں خلاصہ سے ہے، سکران حربت منہ امرأتہ فتبعہا ولم یظفر بہا فقال بالفارسیۃ بسہ طلاق، ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئا لا یقع، اور اگر عورت کی طرف اضافت پر کوئی قرینہ ہو تو قضاءً طلاق کا حکم ہوگا، ہاں اگر شوہر بقسم کہدے، کہ میری نیت طلاق سے اپنی بیوی کی طرف اضافت کی نہ تھی، تو طلاق کا حکم نہ دیں گے، عالمگیری میں ہے، فی الفتاوی رجل قال لامرأتہ اگر تو زن من سہ طلاق، مع حذف الیاء لا یقع اذا قال لم انو الطلاق، لانہ لما حذف فلم یکن مضیفا الیہا، نیز اسی میں محیط سے ہے، سئل شیخ الاسلام فقیہ ابو نصر عن سکران قال لامرأتہ اتریدین ان طلقک قالت نعم، فقال بالفارسیۃ، اگر تو زن من یک طلاق دو طلاق سہ طلاق، قومی

Marfat.com

**مسئلہ:** مرسلہ سید اشفاق صاحب بریلی، ۲۳ر اگست ۱۹۲۵ء،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ مجھ کو معتبر ذرائع سے ظاہر وتحقیق ہو چکا ہے، کہ میری زن منکوحہ کا چال چلن ایک عرصہ سے خراب ہو گیا ہے اور تا حال خراب ہے تحقیقات وغیرہ سے ظاہر ہوا کہ وہ ایک غیر شخص سے ناجائز تعلق رکھتی ہے، چنانچہ حال ہی میں شخص مذکور اور زن مذکورہ دونوں کو ایسی حالت میں دیکھا گیا جو تعلقات ناجائز ہونے کا بین ثبوت ہے، جس کا علم اہل محلہ کو بھی ہو چکا ہے، تو ایسی صورت میں شرع شریف سے میرے واسطے کیا حکم ہے، نیز زن مذکورہ اور رنجہ سے عرصہ چار یا پانچ سال سے تعلقات زنی وشوی نہیں ہے کیونکہ اس کا طرز عمل عرصہ سے میرے خلاف ومشتبہ تھی، اور اس وقت تک ہے وہ میری ہدایت وحکم کے خلاف طرز عمل رکھتی ہے، اس کا کافی ثبوت اور شہادتیں مل چکی ہیں ایسی حالت میں شرعی احکام دربارہ زن مذکورہ کیا ہوں گے؟،

**الجواب:** عورت پر شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری واجب ہے، نافرمانی سخت ترین جرم ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا، ثلثة لا یقبل لهم الصلوٰة ولا تصعد لهم حسنة (الی ان قال) المرأة الساخطة علیها زوجها

(بقیہ ص ۱۸۹ کا) واخرجی من عندی وهو یزعم انه لم یرد به الطلاق فالقول قوله، نیز خانیہ بزازیہ میں ہے، قال لها لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکر حلفه بطلاقها ویحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول له، هذا الملخص ما فی الرضویة،
ص ۱۸۹ کا حاشیہ،

لہ سوال سے ظاہر ہے کہ دونوں کے مابین خلوت صحیحہ بالکلیہ وطی بھی ہو چکی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو زید کے ذمہ کل مہر واجب ہے، طلاق دے یا نہ دے پورا مہر واجب ہو چکا، البتہ ادائیگی طلاق کے بعد واجب ہوگی، اس لئے کہ ہندوستان میں عموماً مہر مطلق ہوتا ہے معجل یا مؤجل نہیں ہوتا، بالکلیہ بہت سے دیار میں مؤجل بول کر مطلق ہی مراد لیتے ہیں، درمختار میں ہے، ویتاکد عند وطی او خلوة صحت من الزوج او موت احدهما، ردالمحتار میں ہے قوله صحت احتراز عن الخلوة الفاسدة کما سیاتی بیانها، اور جو زیور پہننے کے لئے دیا تھا، اس کو مہر کے عوض از خود نہیں رکھ سکتے جب تک فریق ثانی اس پر راضی نہ ہو، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک زید مہر نہ دے اس وقت تک اس زیور کو روکے رہیں، اس لئے کہ خدا ترسی اور دیانت آج کل دلوں سے اٹھ گئی ہے، اگر وہ لوگ زیور پا جائیں گے تو مہر بھی نہ دیں گے، اس اندیشہ کے ماتحت ادائیگی مہر تک زیور روکے رہ سکتے ہیں، اور اگر بالفرض خلوت یا وطی نہیں ہوئی ہے تو شوہر کے ذمہ آدھا مہر واجب ہے، قرآن مجید میں ہے، وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فریضة فنصف ما فرضتم، اس کے ماتحت تفسیرات احمدیہ میں ہے، وینبغی ان یعلم ان الخلوة الصحیحة فی حکم الوطی فان لم یطئ المرأة ولکن خلی بها خلوة الصحیحة یجب لها کمال المهر، واللہ تعالیٰ اعلم،

Marfat.com

تین شخص وہ ہیں جن کی نہ نماز قبول ہو نہ کوئی نیکی مرتبہ قبول تک پہونچے، ان میں ایک وہ عورت ہے جس کا شوہر اس سے ناراض ہو۔ شوہر کو عورت مذکورہ کے متعلق جب ایسی خبریں پہونچ چکی ہیں جن کی بنا پر کافی طور پر شتبہ ہو چکا ہے، اور پانچ سال سے تعلقات بھی منقطع ہو چکے ہیں، تو ایسی حالت میں اسے طلاق دینا جائز بلکہ مستحب ہے، جو علماء وفقہاء طلاق میں خطر کو اصل کہتے ہیں، وہ بھی ایسی حالت میں طلاق دینے کو جائز کہتے ہیں، درمختار میں ہے، وایقاعہ مباح وقیل الاصح حظرہ الا لحاجۃ کریبۃ. ردالمحتار میں ہے، ھی الظن والشک ای ظن الفاحشۃ، نیز اسی درمختار میں ہے، بل یستحب لوموذیۃ. واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ سید اشفاق صاحب، مورخہ ۲۳ راگست ۱۹۳۵ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس حالت میں کہ سائل کی شادی مسماۃ ہندہ کے ساتھ ۱۹۲۰ء میں ہوئی، سائل نے بسلسلۂ معاش پردیس میں شادی کے قبل سے ہی رہتا ہے، بعد شادی کے سائل نے اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ بی کو اپنے ساتھ مقام پردیس لے جانا چاہا، مگر زن مذکورہ اپنے والدین کے اغوار سے نہیں گئی، سائل ہر دفعہ برابر ہمراہ لے جانے کی کوشش کرتا رہا، یہاں تک کہ ۱۹۲۹ء میں بہت زیادہ کوشش اپنے ہمراہ لے جانے کے لئے کی، مگر زن مذکورہ برابر حکم عدولی اور نافرمانی کر کے جانے کی بابت دفع الوقتی کرتی رہی، سائل نے جس وقت لے جانے کی کوشش کی تو زن مذکورہ نے حیلہ حوالہ کرتے وقت کو ٹال دیا اور مجھ کو تنہا پردیس جانا پڑا، ۱۹۳۱ء میں بذریعہ تصفیہ اور ۱۹۳۲ء میں بذریعہ پنچایت یہ بھی بات طے ہوئی کہ زن مذکورہ کو اپنے شوہر کے ساتھ پردیس جانا اور رہنا چاہئے مگر وہ پردیس جانے پر رضامند نہ ہوئی، اس پر سائل نے چند معزز لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اس امر کو پیش کیا، چنانچہ سب لوگوں نے اس کو سمجھایا اور کہا کہ بروئے تصفیہ اور معاہدہ تم کو اپنے شوہر کے ساتھ پردیس جانا چاہیئے تمہاری بدنامی محلہ اور خاندان میں ہو رہی ہے، اس سمجھانے کا بھی مسماۃ پر کچھ اثر نہ ہوا، یہ بات میری سمجھ میں کچھ نہ آئی زن مذکورہ کو بریلی سے اس درجہ کیوں محبت ہے جس کی وجہ سے میرے ساتھ جانے سے انکار کر دیا جب سائل نے مکرر سہ کرر ساتھ لے جانے کے واسطے اصرار کیا، اور کوشش کی تو زن مذکورہ نے یہ الفاظ ادا کئے، کہ اگر سائل زن مذکورہ کو پردیس نہ لے جاوے تو وہ اپنا کل دین مہر معاف کر کے دست بردار ہوتی ہے، اس پر انھیں لوگوں نے زن مذکورہ کو پھر مکرر سمجھایا اور دریافت کیا، تو اس نے صاف الفاظ میں یہی ظاہر کیا اور کہا کہ اگر سائل زن مذکورہ کو

Marfat.com

پردیس نہ لے جائے، تو دین مہر معاف کر کے دست بردار ہوتی ہے، چنانچہ سب کے مواجہہ میں مسماۃ ہندہ نے یہ الفاظ اپنی زبان سے تین مرتبہ میں ادا کی کہ اگر میرا شوہر مجھ کو اپنے ہمراہ پردیس کو نہ لے جاوے تو میں اپنا کل دین مہر بخوشی خاطر معاف کر کے دست بردار ہوتی ہوں، اس معافی اور دست برداری کا آپ صاحبان کے سامنے اعلان کرتی ہوں آپ لوگ اسکے شاہد رہیں۔ اس پر سائل راضی ہوگیا، اور تنہا بلا مسماۃ مذکورہ کے پردیس چلا گیا، مجھ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ زن مذکورہ کا چال چلن ایک عرصہ سے خراب تھا، اور تا حال خراب ہے، جس کا علم زن مذکورہ کے والدین کو بھی بخوبی ہے، لیکن انھوں نے اس کا تدارک اس وقت تک نہیں کیا، اور مجھ کو اب مزید تحقیقات سے ظاہر ہوا، اور میں نے بچشم خود دیکھا کہ زن مذکورہ ایک غیر شخص سے ناجائز تعلق رکھتی ہے، جس کا حال وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا رہتا ہے، چنانچہ ایسی حالت میں سائل کی بے عزتی ہونے کے علاوہ خطرۂ جان بھی ہے، جس نے سائل کو روحانی صدمات میں مبتلا کر کے سائل کی زندگی کو تلخ اور برباد کر دیا، اب دریافت طلب یہ امور ہیں،

(۱) زن مذکورہ اور اس کے والدین کی وجہ سے مجھ کو جو کچھ روحانی صدمات اور میری بے عزتی اور بدنامی ہوئی ہے، اس کے ذمہ دار زن مذکورہ اور اس کے والدین ہیں یا نہیں اور شرعاً ان پر کیا الزام وارد ہوتا ہے؟

(۲) مہر کی معافی شرعاً ہوئی یا نہیں؟

(۳) زن مذکورہ اپنی بدچلنی کے باعث شرعاً اپنے حقوق سے محروم ہوگئی یا نہیں، سائل کے جو اسباب وزیور بلا اجازت سائل زن مذکورہ کے پاس ہے ایا وہ زن مذکورہ سے سائل واپس لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

(۴) عرصہ چار پانچ سال سے زن مذکورہ قطعاً حقوق زوجیت سے اور سائل سے بالکل علحدہ ہو کر آزادانہ اور بدچلن روش علانیہ اختیار کئے ہوئی ہے، پس ایسی حالت میں شرعاً زن مذکورہ کے بارے میں کیا حکم ہے، بینوا توجروا،

**الجواب**:- اگر عورت کے والدین نے اسے اغوا کر کے شوہر سے جدا رکھا ہو تو وہ گنہ گار ہیں، حدیث میں ارشاد ہوا، لیس منا من خبب امرأۃ علی زوجہا عبدا علی سیدہ، عورت کی بدچلنی معلوم ہونے ہوئے اگر اس کے والدین تا حد قدرت اس کا انسداد نہ کرتے ہیں تو یہ ان کا دوسرا جرم ہے، جو نہایت درجہ قبیح ہے، عورت اور اس کے والدین پر صورت مذکورہ میں ان مذکورہ امور سے باز آنا اور توبہ کرنا لازم ہے،

(۲) صورت مذکورہ میں عورت نے مہر کی معافی کو شرط پر معلق کیا ہے، اور یہ شرط بھی متعارف نہیں، لہذا یہ معافی

Marfat.com

صحیح نہیں، درمختار میں ہے، ما یبطل بالشرط الفاسد ولا یصح تعلیقه به البیع الی قال والابراء عن الدین لانه تملیك من وجه الا اذا کان الشرط متعارفا او علقه بامر کائن، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) اگر شوہر عورت کو رکھنا چاہے تو دونوں پر حقوق زوجیت لازم ہیں، اور جدا کر دے تو طلاق کے احکام ثابت ہوں گے، جو اسباب و زیور شوہر کے ملک ہیں، وہ شوہر جب چاہے واپس لے سکتا ہے عورت کو انکار کا حق نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

(۴) جس حد کی بدچلنی ہے اسی حد کا گناہ ہے اور ایسی حالت میں شوہر عورت کو طلاق دے سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ**: از بھرت پور بڑا بازار، ایس، ایم عبد القیوم گھڑی ساز، ۲۲ ستمبر ۱۹۳۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ طلاق کے جائز و ناجائز ہونے کی نسبت زید و بکر کے درمیان صلح کی گفتگو ہوئی، زید کہتا ہے کہ اس کی نسبت علماء کرام سے بعد تحقیقات شرعی فیصلہ کرا لیا جائے جو کچھ بھی وہ حکم دیں ناطق ہوگا، مگر بکر اس کو نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ میرا دل اس طلاق کو جائز تسلیم کر چکا ہے، اب میں اس کے خلاف کسی بھی عالم کا کوئی فیصلہ ماننے کو تیار نہیں ہوں، کہ بحیثیت جج ہو سکتے ہیں، نہ ان کا فیصلہ میرے لئے ناطق ہے، اپنی ذاتی رائے کے مقابلہ میں جملہ علمائے کرام اور احکام شرعی کے لئے ایسی ناموزوں باتیں کہتا ہے اور شوہر اپنی ضد پر قائم ہے، لہذا ایسی صورت میں اس ضدی بکر کے لئے شرع شریف کا کیا حکم ہے۔

**الجواب**: طلاق وغیرہ کے الفاظ کے متعلق بہت سی صورتوں میں ایسے دقائق ہیں کہ بظاہر لوگ سمجھتے ہیں کہ طلاق ہوگئی، حالانکہ نہیں ہوتی، یوہیں، اس کا عکس عوام کو اپنے علم وفہم پر اتنا بھروسہ کر لینا، ہرگز روا نہیں، حکم شرع قول فقہاء و کتب دین سے حاصل کیا جاتا ہے، نہ کہ اپنے ذہن سے تراشا جائے، بکر اس قول میں سخت خطاکار ہے، اس کو اپنی ضد سے باز آنا چاہئے، اور اپنے قول سے توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مرسلہ عبد القیوم گھڑی ساز از مقام بھرت پور،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی پردہ نشین زوجہ بر بنا تکرار خانہ داری ناراض ہو کر زید کی مرضی کے خلاف پوشیدہ طور پر بوقت شب مکان مسکونہ سے نکل کر چلی جاتی ہے جب تلاش کیا جاتا ہے تو دوسرے محلہ اور بازار کی جانب سے واپس لائی جاتی ہے، لہذا اس صورت میں اس مسماۃ کے لئے شرع شریف کا کیا حکم ہے، یہ بھی

Marfat.com

ارشاد فرمایا جائے کہ آیا یہ زید کے نکاح میں رہی یا نہیں، بینوا توجروا،

**الجواب**:۔ بلا اجازت شوہر عورت کو اس طرح گھر سے نکل جانا ناجائز، عورت گنہ گار اور حق شوہر میں گرفتار ہے، عورت اس حرکت سے توبہ کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے، گھر سے نکل جانے پر عوام میں مشہور ہے، کہ نکاح سے باہر ہو جاتی ہے، یہ غلط ہے، اس فعل سے خارج از نکاح نہیں ہوتی، عورتوں کو دھمکی دینے کے لئے لوگوں نے یہ بات مشہور کر رکھی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:۔ مرسلہ عبد القیوم گھڑی ساز از بھرت پور،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تحریر مندرجہ ذیل مضمون کے جس میں درپے تین مرتبہ لفظ طلاق بلا کسی خطاب و بلا کسی مزید عبارت کے درج ہے، بحالت انکار زوج یا حلف و عدم کتابت از قلم خود باوجود ہونے خواندہ و نہ ہونے کبھی کوئی نیت یا ارادہ طلاق صرف مغالطہ کی بنا پر کرا لیتے دستخط ورثا مسماۃ کا تحریر پر کیا شرعاً یہ طلاق بصورت جائز عورت پر پڑ جائے گی، عبارت تحریر کے ہر پہلو کو بغور ملاحظہ فرما کر جواب مفصل مع حوالہ کتب معتبرہ جلد مرحمت فرمایا جائے، نقل تحریر:۔ میں عبد القیوم ولد سراج الدین بتاریخ ۷ رجون ۱۹۳۵ء اپنی بیوی کو مار پیٹ کیا اور اسی غصہ کی حالت میں یہ کہہ دیا کہ طلاق طلاق طلاق اگر یہ میرا کہنا شرعاً طلاق ہو گیا تو اپنی بیوی سے میں دست بردار ہو جاؤں گا، ورنہ واپس لا کر اپنے گھر رکھوں گا، اس وقت عنایت رضا میرے خسر و صوبیدار مدد علی میری بیوی کو لئے جاتے ہیں اور میرا کوئی مال زیور اس وقت بیوی کے پاس نہیں ہے، مگر یہ ہے کہ وقت تکرار محمد اسحاق نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ مار پیٹ ٹھیک نہیں ہے یا تو اپنی کو اس کے گھر بھیج دو ورنہ طلاق دے دو، اس پر میں نے تین مرتبہ طلاق کا لفظ محمد اسحاق کی طرف مخاطب ہو کر کہا تھا،

**الجواب**:۔ سوال کی عبارت بہت پیچیدہ ہے، پہلے تو تحریر کرتا ہے کہ بحالت انکار زوج یا حلف جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس تحریر سے منکر ہے نہ اس نے وہ تحریر خود لکھی نہ کسی سے لکھوائی، نہ اس پر دستخط کئے، پھر لکھتا ہے کہ صرف مغالطہ کی بنا پر کرا لینے دستخط ورثا مسماۃ کا تحریر پر اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریر پر سائل کے دستخط ہیں اور وہ اس سے منکر نہیں ہے، صرف مغالطہ کا عذر کرتا ہے، مگر یہ نہیں بیان کرتا کہ کیا مغالطہ دیا گیا جب وہ اپنے کو خواندہ بتاتا ہے تو بظاہر یہ مغالطہ نہیں ہوگا کہ تحریر کا مضمون کچھ اور بتایا گیا ہو اور دھوکہ دے کر اس سے

Marfat.com

دستخط کرائے گئے، بہر حال شوہر اگر تحریر سے بالکل منکر ہے کہ یہ تحریر نہ اس نے لکھی نہ لکھوائی، نہ بلا اکراہ شرعی اس پر دستخط کئے، تو اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ اس نے لکھی یا لکھوائی ہے، گواہوں کی ضرورت ہوگی، الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم۔ اور اگر دستخط کا اقرار کرتا ہے مگر یہ بھی کہتا ہے کہ اکراہ شرعی سے اس نے دستخط کئے ہیں تو اسے خود اکراہ کے گواہ پیش کرنے ہوں گے، البینۃ علی المدعی کما فی الحدیث المشہور، رہا یہ عذر کہ وہ خود خواندہ ہے اور یہ تحریر اس کے ہاتھ کی نہیں ہے، اس عذر سے وہ تحریر باطل نہ ہوگی کہ بہتیرے خواندہ اس قسم کی تحریریں دوسروں سے لکھواتے ہیں اور اس پر دستخط کردیتے ہیں، وہ تحریریں انھیں کی قرار پائیں گی، مگر جب دستخط سے انکار کریں ہاں اگر شوہر نے اس تحریر پر دستخط اکراہ شرعی کی وجہ سے کئے یا اکراہ شرعی سے اس نے تحریر لکھی اور زبان سے کچھ نہ کہا تو طلاق واقع نہ ہوگی، اور تحریر بیکار ہوگی، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے، رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأتہ فلانۃ بنت فلان ابن فلان فکتب امرأتہ فلانۃ بنت فلان بن فلان طالق لاتطلق امرأتہ کذا فی الفتاوی قاضیخان، یہ تمام صورتیں اس وقت ہیں کہ شوہر نے زبان سے عورت کو طلاق نہ دی ہو اور اگر شوہر نے زبان سے طلاق دے دی اور کسی نے وہ الفاظ تحریر کئے پھر شوہر سے اس پر دستخط لئے کہا کراہ یا بلا اکراہ یا بالکل دستخط نہ کرائے، بہر صورت طلاق واقع ہوگی، شوہر کو اس تحریر سے انکار ہو یا اقرار مغالطہ سے دستخط کرائے گئے یا بلا مغالطہ کہ وقوع طلاق تحریر سے نہیں ہے، بلکہ زبان سے جو الفاظ کہے، ان سے ہے، ہاں اگر شوہر جس طرح تحریر سے منکر ہے الفاظ طلاق بولنے سے بھی منکر ہے، تو جب تک گواہان شرعی سے طلاق دینا ثابت نہ کیا جائے، محض وہ تحریر جس کا شوہر کی تحریر ہونا یا اس پر شوہر کے دستخط ہونا ثابت نہ ہو، کوئی چیز نہیں سائل اس سے بیشک انکار کیا ہے، کہ وہ تحریر اس کی ہے، مگر اپنے دستخط سے منکر نہیں ہے، اگرچہ دستخط کرنے میں مغالطہ کا عذر کرتا ہے، جس کی کوئی تفصیل درج سوال نہیں کہ یہ مغالطہ کیا تھا، یوں ہی سائل نے اس مضمون سے انکار نہیں کیا جو اس تحریر میں مندرج ہے لہٰذا صورت مستفسرہ میں حکم کا دارومدار اس مضمون پر ہے، جو تحریر میں مندرج ہے، اگر ان الفاظ سے منکر ہے، جب تو ظاہر کہ مدعیان طلاق کو گواہ پیش کرنا ہوگا، بغیر ثبوت طلاق کا حکم نہیں دیا جاسکتا اور اگر ان الفاظ سے منکر نہیں، بلکہ مقر ہے یا بصورت انکار گواہوں سے ثابت ہو تو یہ امر زیر غور ہوگا کہ آیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں، غصہ میں وہ الفاظ کہے اس کا حکم یہ ہے کہ عموماً طلاق غصہ ہی میں ہوا کرتی ہے، رضامندی کی حالت میں نہیں ہوتی، ہاں اگر غصہ ایسا ہو کہ آسمان و زمین میں امتیاز باقی نہ رہے عقل تکلیفی زائل ہوجائے تو وہ شخص حکم مجنون میں ہے،

Marfat.com

اس کی طلاق واقع نہ ہوگی، یہاں جو امر اہم ہے وہ یہ کہ شوہر کے الفاظ میں اضافت موجود نہیں ہے، اور وقوع طلاق کے لئے اضافت کی ضرورت ہے، کما فی الدر المختار وغیرہ، رد المحتار میں ہے، لابد فی وقوعہ قضاءً اودیانۃ من قصد اضافۃ الطلاق الیہا عالم بمعناہ ولم یصرفہ الی ما یحتملہ، مگر تحریر طلاق نامہ میں اخیر میں یہ الفاظ مندرج کہ محمد اسحاق کے جواب میں شوہر نے تین بار لفظ طلاق کہا، استفتیٰ میں جو تحریر کی نقل درج کی گئی، اس میں اپنے کو لکھا ہے غالبًا یہ نقل کی غلطی ہے یہاں محمد اسحاق کے یہ الفاظ ہوں گے، اپنی زوجہ یا بیوی یا عورت کو یا اسی قسم کا اور کوئی لفظ ہوگا، اگر محمد اسحاق نے اس قسم کے الفاظ کہے اور اس کے جواب میں عبد القیوم نے لفظ طلاق تین بار کہا تو طلاق واقع ہوگئی، اور شوہر کا یہ کہنا کہ میری نیت نہ تھی مسموع نہ ہوگا، صریح الفاظ میں نیت کی ضرورت نہیں، درمختار وغیرہ میں ہے، لو نوی اولم ینو شیئًا، رد المحتار میں ہے، الصریح لا یحتاج الی النیۃ، اور عبد القیوم کے یہ الفاظ چونکہ محمد اسحاق کے الفاظ کے جواب میں ہیں، اور فقہا اپنی کتابوں میں تصریح فرماتے ہیں، السوال معاد فی الجواب، لہذا اضافت نہ ہونا نہیں کہا جا سکتا، فتاوی عالمگیریہ میں خانیہ سے ہے، دخلت علیہ ام امرأتہ فقالت طلقتہا دلم تحفظ حق ابیہا وعاتبتہ فی ذالک فقال ہذہ ثانیۃ اوثالثۃ تقع اخریٰ ولو عاتبتہ ولم تذکر الطلاق فقال ہذہ المقالۃ لا تقع الزیادۃ الا بالنیۃ، یعنی ساس نے داماد سے کہا تو نے اسے طلاق دے دی اور اس کے باپ کے حقوق کا خیال نہ کیا شوہر نے کہا یہ دوسری ہے یا تیسری ہے تو یہ طلاق بھی پڑ جائے گی، اور اگر ساس نے طلاق کا ذکر نہ کیا ہو تو بغیر نیت واقع نہ ہوگی، نیز اسی عالمگیری میں ہے، "طلاق بدست تست مرا طلاق کن فقال می کنم وکرر ثلاثا طلقت ثلاثا" عورت نے کہا تیرے ہاتھ میں طلاق ہے، مجھ کو طلاق دے دے، اس نے کہا طلاق دیتا ہوں، اس لفظ کو تین بار کہا، تین طلاقیں ہوگئیں، نیز اسی میں ہے، قالت لزوجہا لو کانت طلاق بیدک طلقت نفسی الف تطلیقۃ فقال الزوج من نیز ہزار دادیم ولم یقل دادم تر ا یقع الطلاق، عورت نے کہا میرے ہاتھ میں طلاق ہوتی تو میں اپنے کو ہزار طلاق دے لیتی، مرد نے کہا میں نے ہزار دی یہ نہ کہا کہ میں نے تجھ کو دی جب بھی طلاق واقع ہوگی، ان عبارات کتب سے ظاہر کہ سوال کے جواب میں شوہر اگر اضافت کو ذکر نہ کرے جب بھی اضافت ہے اور طلاق واقع ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مرسلہ ماسٹر سید اکبر علی بدوح خاں کا منارہ، ناگپور، سی، پی۔

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے مکان سے کچھ فاصلہ پر کسی گاؤں میں ملازمت پر تھا اور اس کی بیوی سے اور شخص مذکور کی ماں سے کچھ جھگڑا ہوا جس پر اس شخص کو طلب کر کے تمام واقعہ بیان کیا گیا جس کی وجہ سے غصہ ہو کر اس نے اپنی بیوی کو زد و کوب کیا اور دو یا تین مرتبہ کہہ دیا کہ میں نے تجھے طلاق دی یا دو دفعہ لفظ طلاق کہا اور ایک دو دفعہ یوں کہا کہ تو مثل میری ماں یا بہن کے ہے اور غصہ فرو ہونے کے بعد ہی اپنے رشتہ داروں سے کہہ دیا کہ میں نے کیا کہا مجھے کچھ خبر نہیں میں اپنی عورت کو اس طرح سے کہہ دوں یہ میرا ارادہ نہ تھا افسوس؟

**الجواب:** طلاق اکثر غصے ہی میں ہوتی ہے اور غصہ میں جو طلاق دی جاتی ہے واقع ہوتی ہے، مگر جبکہ غصہ اس حد کا ہو کہ عقل تکلیفی زائل ہو جائے کہ غصہ کی شدت میں مجنون اور پاگل کی طرح ہو جائے کہ اسے کچھ امتیاز ہی باقی نہ رہے، جو کچھ کہے اس کا علم نہ رہے کہ کیا کہتا ہے تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی، مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر واقع میں اس حد کا غصہ نہ ہوا اور لوگوں پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ مجھے بالکل خبر نہیں کہ کیا کہا تو اپنے اس جھوٹے بیان سے مواخذۂ اخروی سے بری نہ ہوگا، اور وہ بیان طلاق کو عند اللہ منع نہ کرے گا اور اگر معمولی غصہ تھا تو جتنی طلاقیں دی ہیں واقع ہیں، اگر دو دی ہیں دو واقع ہوں گی تین دی ہیں تو تین واقع ہوں گی اور اگر تین اور دو میں تردد ہو تو احتیاطاً تین سمجھے اور اگر دو دفعہ لفظ طلاق کہا، اور ایک مرتبہ یہ کہا کہ تو مثل میری ماں کے ہے، تو دو طلاقیں ہیں، اور چونکہ بائن نہیں ہے، لہذا یہ لفظ کہ، تو مثل میری ماں کے ہے، ظہار ہے[1] ۔

[1] یہ جملہ کہ. تو مثل میری ماں کے ہو. طلاق کے بھی کنایہ سے ہے اور ظہار کے بھی، شوہر نے اگر اس جملہ کو بہ نیت ظہار کہا. تو ظہار ہے اور اگر بہ نیت طلاق کہا تو طلاق ہے، تنویر الابصار اور در مختار میں ہے، وان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف علی، خانیۃ، برا او ظهارا او طلاقا صحت نیتہ و وقع مانواہ لانہ کنایۃ، وان لا ینوی شیئا او حذف الکاف لغا، وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامۃ رد المحتار میں ہے، قولہ لانہ کنایۃ ای من کنایات الظہار والطلاق قال فی البحر واذا نوی بہ الطلاق کان بائنا کلفظ الحرام وان نوی الایلاء فہو ایلاء عند ابی یوسف وظہار عند محمد، والصحیح انہ ظہار عند الکل، لانہ تحریم مؤکد بالتشبیہ وقال الخیر الرملی وکذا لو نوی الحرمۃ المجردۃ ینبغی ان یکون ظہارا، وینبغی ان لا یصدق قضاء فی ارادۃ البر اذا کان فی حال المشاجرۃ و ذکر الطلاق، بہار شریعت حصہ ہشتم ص ۹۹ پر ہے" عورت سے کہا مجھ پر میری ماں کے مثل ہے تو نیت دریافت کی جائے اگر اس کے اعزاز کے لئے کہا تو کچھ نہیں اور طلاق کی نیت ہے تو بائن طلاق واقع ہوگی، اور ظہار کی نیت ہے تو ظہار ہے

(بقیہ ص ۱۹۸ پر)

Marfat.com

اور اس کا حکم یہ ہوگا کہ جب تک کفارۂ ظہار ادا نہ کرے عورت سے جماع نہیں کر سکتا، اور اگر کفارہ ادا کرنے سے پہلے رجعت نہ کرے گا یہاں تک کہ عدت گذر جائے تو دو بائن ہوجائے گی، اگر صورت یہ ہو اور جانتا ہو کہ قبل کفارہ ادا کرنے کے عدت گذر جائے گی تو زبانی رجعت کرلے تاکہ طلاق بائن نہ ہونے پائے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مرسلہ مولوی مسعود الرحمٰن خاں صاحب گنج، ۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد مسلمان نے بحالت غفلت بخار میں طلاق دے دی اور ایسی حالت میں ایک اور شخص کے سامنے کہدیا کہ میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں، اس آدمی سے جس کے سامنے کہا اس شخص کی دشمنی تھی، اس نے اس کی منکوحہ کو ورغلا بہکا کر اس کی والدہ کے یہاں پہونچا دیا، جس وقت ہوش میں آیا تو اپنی بیوی کو تلاش کیا، معلوم ہوا کہ تم نے طلاق دے دی اور وہ اپنے میکے چلی گئی، اس شخص نے ہر چند یہ کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی، اس شخص کو ہمیشہ دوسرے تیسرے سال خاطر الفعلی کا موسم گرما میں دورہ ہوجاتا ہے، جس وقت طلاق دی دورہ کی شروع حالت تھی؟،

**الجواب:** اگر واقعی غفلت[1] کی حالت تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی، درمختار میں ہے، ولا یقع الطلاق

(بقیہ ص ۱۹) اور تحریم کی نیت ہے تو ایلا ہے، اور کچھ نیت نہ ہو تو کچھ نہیں، (جوہرہ نیرہ) بہار شریعت کے اسی حصہ میں طلاق کنائی کے الفاظ میں شمار کیا، تو مثل میری ماں یا بہن یا بیٹی کے ہے، فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۳۱، ۶۴۳ پر ہے، ہاں اگر یوں کہا ہو کہ تو مثل یا مانند یا بجائے ماں، بہن کے ہے، تو اگر بنیت طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہوگئی، اور عورت نکاح سے نکل گئی، اور بہ نیت ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں، بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہوگیا، اور اگر ان میں سے کوئی نیت نہ تھی تو یہ لفظ بھی لغو اور مہمل ہوگا جس سے طلاق اور کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا، اسی سے ظاہر ہوگیا کہ اگر اس لفظ سے تحریم مراد ہو تو بھی ظہار ہی ہوگا، ایلا نہ ہوگا، جیسا کہ صاحب بحر اور علامہ خیر الرملی کا قول گذر چکا، اب یہاں ۴ صورتیں ہوئیں، اول یہ کہ شوہر اس کا اقرار کرے کہ میری نیت اس لفظ سے طلاق کی تھی، تو صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئی، دوسرے یہ کہ شوہر یہ کہے کہ میری نیت ظہار یا تحریم کی تھی، تو ظہار ہوگا، تیسرے یہ کہ وہ یہ کہے کہ میری نیت اعزاز کی تھی کہ یہ میرے نزدیک میری ماں کے مثل معزز ہے، چوتھے یہ کہ وہ کہے میری نیت کچھ نہ تھی، تو چونکہ حالت مذاکرہ طلاق کی ہے، اس لئے اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی، جیسا کہ شامی سے منقول علامہ خیر الرملی کے کلام سے مستفاد ہے اب پھر تین طلاق ہوجائے گی، تیسری صورت میں طلاق کا حکم قضاءً ہے اور عورت حکم قضا پر عمل کرنے کی مکلف، واللہ تعالیٰ اعلم، [1]

[1] غفلت سے یہاں مراد بیماری کی ایسی غفلت ہے جس میں ہوش و حواس باقی نہ رہے جیسا کہ محاورہ ہے اتنا زیادہ بخار ہے کہ غفلت طاری ہوجاتی ہے، اس معنی پر قرینہ یہ ہے کہ سوال میں تصریح ہے کہ اس نے غفلت بخار میں طلاق دی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

المغی علیہ وھو لغۃ المغشی والمدھوش، ردالمحتار میں ہے، وفی القاموس قال بعدہ او ذھب عقلہ من ذھل او ولہ اھ بل اقتصر علی ھذا فی المصباح فقال دھش دھشا من باب تعب ذھب عقلہ حیاء او خوفا اھ وھذا ھو المراد ھنا، ولذا جعلہ فی البحر داخلا فی المجنون، اور جب کہ یہ بات معلوم ہے کہ اس شخص کی کبھی کبھی ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ اس کو ذاہب العقل کہا جاسکتا ہے، تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور حکم طلاق نہیں دیا جائے گا، ردالمحتار میں ہے، واذا کان یعتادہ بان عرف منہ الدھش مرۃ یصدق بلا برھان، خصوصاً ایسی صورت میں کہ ایک ہی شخص اس کی شہادت دیتا ہے اور وہ بھی ایسا شخص ہے جس سے دشمنی ہے، لہٰذا اس کی گواہی نامقبول ہے، حدیث میں ہے، ولا لذی غمر علی اخیہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** : مرسلہ عبدالرحیم طالب علم از مقام بھرچوندی ڈاکخانہ ڈھرکی ضلع سکھر سندھ، ۱ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین صورت ہذا میں کہ ایک شخص منکوحہ کو چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے، دو تین ماہ تک تو اس کے خطوط ایک شہر سے آتے رہے ہیں، بعد ازاں اس نے اپنی منکوحہ کو طلاق دے کر لکھ بھیجا ہے، اب وہاں سے مفقود الخبر ہوگیا ہے، جس کو عرصہ ایک سال گذر چکا ہے، مخفی نہ رہے کہ اس نے اپنے خسر کو خط لکھا ہے کہ میں نے تمہاری لڑکی مسماۃ فلاں کو طلاق دے دی ہے، اب عرض یہ ہے کہ طلاق واقع ہوگئی یا نہ، اگر واقع ہوگئی تو وہ دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں، اگر نہیں واقع ہوئی تو مفقود الخبر ہونے کی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے یا کس طرح خط کی شناخت اس کے احباب وغیرہ کرسکتے ہیں کہ یہ اسی کے قلم سے ہے، قول محقق ومنقح بحوالہ کتب روانہ فرمادیں؟۔

**الجواب** : جب گمان غالب یہ ہو کہ خط اسی کا ہے تو بعد عدت عورت کو دوسرے سے نکاح کرنا جائز ہے، درمختار میں ہے، اخبرھا ثقۃ ان زوجھا الغائب مات او طلقھا ثلثا او اتاھا منہ کتاب علی ید ثقۃ بالطلاق ان اکبر رأیھا انہ حق فلا باس ان تعتد وتتزوج، ردالمحتار میں ہے، قولہ علی ید ثقۃ ھذا غیر قید لما فی التجنیس، نیز اسی میں ہے، اخبرھا عدل او غیر عدل فاتاھا بکتاب من زوجھا بطلاق ولا تدری انہ کتابہ او لا الا ان اکبر رأیھا انہ حق فلا باس بالتزوج، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** : مرسلہ محمد وحید الدین قاسمی حال مقیم دفتر جمعیۃ علماء ہند، گلی قاسم جان دہلی،

ماہرین علوم اسلامیہ ومفتیان شرع متین سے حسب ذیل سوالوں کا مدلل جواب کتاب وسنت اور فقہ کی روشنی میں

Marfat.com

جلد مطلوب ہے،

(۱) اگر کوئی غیر مسلم حاکم یا غیر مسلم ثالث و پنچ مسلمان مرد و عورت کے نکاح کو اسلامی احکام کے مطابق فسخ کر دے یا غیر مسلم حاکم غیر مسلم ثالث و پنچ عورت پر مرد کا ظلم ثابت ہو جانے کی صورت میں مرد کی طرف سے عورت کو طلاق دے دے جیسا کہ بعض صورتوں میں مسلمان قاضی کو یہ حق حاصل ہے تو کیا نکاح فسخ ہو جائے گا، اور عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی، اور عورت کو شرعاً یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ غیر مسلم کے فسخ کردہ نکاح اور ایقاع طلاق کو شرعاً درست سمجھ کر بعد عدت یا جیسی صورت ہو دوسرے مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے؛

(۲) اگر سوال مذکورۃ الصدر کا جواب نفی میں ہو یعنی شرعاً غیر مسلم کے حکم فسخ نکاح اور ایقاع طلاق کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور غیر مسلم کے حکم فسخ نکاح یا ایقاع طلاق کے بعد بھی وہ عورت شوہر اول کی زوجیت میں باقی رہتی ہے تو اس صورت میں جو عورت دوسرے مرد سے نکاح کرے گی اور اس دوسرے مرد کو یہ علم بھی ہو کہ اس عورت نے غیر مسلم حاکم یا غیر مسلم ثالث و پنچ کے ذریعے طلاق حاصل کی ہے، تو وہ نکاح باطل و فاسد ہوگا یا نہیں؛ اور دوسرے مرد سے نکاح کے باوجود اس عورت کا زن و شو کا تعلق رکھنا حرام ہوگا یا نہیں؛ اور دونوں شرعاً زنا کے مرتکب سمجھے جائیں گے یا نہیں؛

(۳) اور دوسرے مرد سے نکاح باطل ہونے کی صورت میں جب اس دوسرے مرد سے کوئی اولاد ہوگی تو وہ ولد الحرام ہوگی یا نہیں، اور یہ اولاد اس دوسرے مرد کے ترکہ سے محروم ہوگی یا نہیں؛

**الجواب**: نکاح، طلاق، خلع، فسخ، تفریق، یہ اسلامی شرعی چیزیں ہیں، ان کا وجود و ثبوت اسی مخصوص طریقے کے ساتھ ہوگا، جس کو شرع مطہر نے مقرر فرمایا ہے، اگر شرع کے مقررہ اصول کے ماتحت یہ چیزیں عمل میں لائی جائیں، تو ہو جائیں گی ورنہ کالعدم بلکہ معدوم سمجھی جائیں گی، جس طرح نکاح میں وہ تمام باتیں ملحوظ ہوتی ہیں، جو شرع نے بیان کی ہیں، وہ نہ ہوں تو نکاح نہیں، اسی طرح فسخ و تفریق میں بھی ان تمام قیود کا اعتبار ہوگا، جو شرع میں مذکور ہیں، نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں، قرآن مجید میں فرمایا گیا، بیدہ عقدۃ النکاح، شوہر کو[۱] اختیار دیا گیا کہ اس گرہ کو برقرار رکھے یا کھول ڈالے، دوسرے سے اس کو تعلق نہیں، مگر بعض مخصوص صورتوں میں جہاں اس نکاح کے ازالہ کی صورت

[۱] اور حدیث میں ہے، انما الطلاق لمن اخذ بالساق، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

پیش آئے، اور شوہر کی جانب سے جدائی نہ ہو تو یہ چیز شریعت نے اس کے ہاتھ میں دے رکھی ہے جس کو زوج وزوجہ پر ولایت شرعیہ حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو اصول مقررہ کے ماتحت فسخ یا تفریق کر دے، اور اس کا مسلم ہونا ضروری ہے، غیر مسلم کو مسلم پر ولایت شرعیہ حاصل نہیں، قرآن مجید میں ارشاد ہوا، ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلاً یہ فسخ یا تفریق یا تو قاضی کرے گا یا نائب قاضی کہ یہ بھی حکم قاضی میں ہے، یا حکم اور پنچ بہرحال ان میں سے کوئی بھی کرے اس کا مسلم ہونا ضرور ہے، قاضی میں اسلام کی شرط ایسی واضح اور بدیہی چیز ہے، جس کا بیان ہر کتاب میں ہے بعض کتابوں کی عبارت پر اکتفا کیا جاتا ہے، ہدایہ میں ہے، ولا تصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولی شرائط الشہادۃ لان حکم القضاء یستقی من حکم الشہادۃ لان کل واحد منہما من باب الولایۃ فکل من کان اھلا للشہادۃ یکون اھلا للقضاء وما یشترط لاھلیۃ الشہادۃ یشترط لاھلیۃ القضاء تنویر الابصار و درمختار میں ہے، واھلہ اھل الشہادۃ وشرط اھلیتہا شرط اھلیتہ فان کلا منہما من باب الولایۃ والشہادۃ اقوی لانہا ملزمۃ علی القاضی والقضاء ملزم علی الخصم فلذا قیل حکم القضاء یستقی من حکم الشہادۃ ابن کمال، ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ قاضی میں وہ تمام شرائط درکار ہیں جو شہادت کے لئے ضروری ہیں، اور چونکہ شہادت علی المسلم میں شاہد کا مسلم ہونا ضروری ہے، لہذا قاضی کا مسلم ہونا بھی ضروری، قرآن مجید میں ارشاد ہے، فاستشہدوا شہیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشہداء، اول یہ کہ رجالکم کی اضافت سے ہی معلوم ہوا کہ شاہد تمھیں میں سے ہوں، دوم یہ کہ ممن ترضون نے بتایا کہ اس کا مسلم ہونا ضروری ہے غیر مسلم کو من رجالکم بھی نہیں کہا جا سکتا اور نہ وہ ممن ترضون میں داخل ہو سکتا ہے، دوسری جگہ قرآن پاک میں فرمایا واشہدوا ذوی عدل منکم، غیر مسلم کو عدل نہیں کہا جا سکتا کہ عدالت کی پہلی شرط اسلام ہے اور نہ اسے منکم میں شمار کیا جا سکتا، پس معلوم ہو کہ قاضی جس کو ولایت شرعیہ حاصل ہے، صرف مسلم ہی ہو سکتا ہے، غیر مسلم قاضی نہیں ہو سکتا، فتاوی عالمگیری میں صاف طور پر بیان کر دیا کہ اس کا مسلم ہونا ضروری ہے، عبارت یہ ہے، ولا تصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولی شرائط الشہادۃ کذا فی الہدایۃ من الاسلام والتکلیف والحریۃ الخ، فتاوی امام قاضی خاں میں ہے، اھلہ من یکون اھلا للشہادۃ ومن لا یکون اھلا للشہادۃ کالعبد والصبی والاعمی والمرأۃ والکافر لا یکون اھلا للقضاء حتی لو قلد نفقضی لا ینفذ قضاؤہ، مجمع الانہر میں ہے، وشرط اھلیتہ ای القضاء شرط اھلیتہا ای الشہادۃ من العقل والبلوغ والاسلام شرائط شہادت کے بیان میں عالمگیری میں ہے، والاسلام اذا کان المشہود علیہ مسلما، درمختار میں ہے، فیشترط

Marfat.com

الاسلام لو المدعی علیہ مسلما، درر غرر میں ہے، لامن کافر علی مسلم، جس طرح قاضی کا مسلم ہونا ضروری ہے پنچ کا مسلم ہونا بھی ضروری ہے، بلکہ یہاں اس سے بھی بڑھ کر وہ یہ کہ کافر کو حکم بنادیا اگر وہ مسلمان ہوجانے کے بعد فیصلہ کرے یہ فیصلہ بھی نافذ نہ ہوگا، درمختار میں ہے، وشرطہ من جھۃ الحکم بالفتح صلاحیتہ للقضاء ویشترط الاھلیۃ المذکورۃ وقتہ ای التحکیم و وقت الحکم جمیعا فلوحکما ذمیا فاسلم ثم حکم لاینفذ حکمہ، ہدایہ میں ہے، وینفذ حکمہ علیھما وھذا اذا کان المحکم بصفۃ الحاکم لانہ بمنزلۃ القاضی فیما بینھما فیشترط اھلیۃ القضاء ولا یجوز تحکیم الکافر والعبد والذمی الخ، تبیین الحقائق میں ہے، وشرط ان یکون صالحا للقضاء لانہ بمنزلۃ القاضی فیما بینھما فیشترط فیہ مایشترط فی القاضی حتی لوحکما کافرا او عبدا المحجورا او محدودا فی قذف او صبیا لایجوز لانہ لایصلح قاضیا لانعدام اھلیۃ الشھادۃ، پس ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ غیر مسلم اس معاملہ میں نہ قاضی کی حیثیت رکھتا ہے اور نہ ثالث یا حکم اور پنچ کی اس کا جو کچھ بھی حکم ہو کالعدم اور بے سود ہے نہ اس کے فسخ کرنے سے نکاح فسخ ہوگا، اور نہ طلاق دینے سے طلاق پڑے گی، نہ عورت کے لئے کوئی عدت ہوگی، اس حاکم غیر مسلم کا فسخ یا طلاق دینا ویسا ہی ہے، جیسا کہ کوئی عامی شخص کسی کا نکاح فسخ کردے، یا کسی کی عورت کو طلاق دے دے، جس طرح اس صورت میں فسخ وطلاق کے احکام مترتب نہیں ہوں گے، اس حاکم کے فسخ وطلاق دینے کی صورت میں بھی احکام کا ترتب نہیں ہوگا، اور اس عورت کو جس طرح پہلے دوسرے سے نکاح کرنا حرام وباطل تھا، اب بھی حرام وباطل ہے، کیونکہ وہ بدستور سابق اسی پہلے شوہر کی زوجہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، والمحصنٰت من النساء، حرام ہے تم پر شوہر والی عورتیں۔

(۲) یہ دوسرا نکاح باطل ہے، جب کہ شوہر دوم کو اس کا علم ہے، تعلقات زوجیت حرام اور دونوں مرتکب زنا سمجھے جائیں گے، اور اگر مرد کو اطلاع نہ تھی، جب بھی عورت گنہ گار اور مرتکب حرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

---

لہ حاکم اسلام کو بھی مخصوص صورتوں میں صرف فسخ نکاح یا تفریق کا اختیار ہے، طلاق دینے کا حق مسلمان حاکم شرعی قاضی کو بھی نہیں جیسا کہ گزر چکا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا، بیدہ عقدۃ النکاح اور حدیث میں فرمایا انما الطلاق لمن اخذ بالساق، اس لئے اگر بالفرض کوئی حاکم مسلمان یا قاضی جو سلطان اسلام کی طرف سے مقرر ہو، وہ کسی کی عورت کو طلاق دیدے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ لہ اگر مرد کو اس کی خبر نہ تھی کہ یہ دوسرے کی بیوی ہے، تو یہ نکاح فاسد ہوگا، مرد پر کوئی گناہ نہ ہوگا، اولاد ثابت النسب ہوگی علم میں آنے کے بعد شوہر پر فرض ہے کہ اس عورت سے علٰحدہ ہوجائے، اور اگر شوہر کو یہ معلوم ہو کہ اس کا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا اور غیر مسلم حاکم یا غیر مسلم پنچ نے نکاح فسخ کردیا ہے یا طلاق

(بقیہ ص ۲۰۳ پر)

Marfat.com

(۳) ایسے نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ ولد الحرام ہوگی، اور وہ اس دوسرے مرد کے ترکہ سے محروم ہوگی، کہ شرعاً یہ اس کی جائز اولاد ہی نہیں، درمختار میں ہے، ویرث ولد الزنا وولد الملاعنة من جهة الام فقط لانه لا اب لهما، عالمگیری میں ہے، ولد الزنا وولد الملاعنة موالی امهما لانه لا اب له فترثه قرابة امه ويرثهم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو تقریباً دو ماہ ہوئے کہ طلاق دے چکا تھا لیکن کوئی شہادت نہ تھی اتفاق سے ۱۹؍رجب المرجب ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء اسرہی چند اشخاص کے سامنے مندرجہ بالا واقعہ کا تذکرہ آیا تو زید نے اعتراف کیا کہ ہاں میں نے قریب دو ڈھائی ماہ ہوئے کہ طلاق دیا تھا، مگر ہم دونوں میاں بیوی کے سوا کوئی شخص نہ تھا ایسی صورت میں طلاق ہوگئی یا نہیں، اگر طلاق ہوگئی تو ہندہ اپنے شوہر یا اس کے عزیز سے اپنا مہر اور عدت کا نان ونفقہ اور جہیز جو والدین کے یہاں سے پائی تھی، لے سکتی ہے یا نہیں جواب مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں، مکرر یہ کہ گواہوں کے سامنے زید نے لفظ طلاق مکرر سہ کرر کہا ہے؟

**الجواب:** طلاق واقع ہونے کے لئے گواہ ضروری نہیں، اگر بالکل تنہائی میں طلاق دے جب بھی طلاق واقع ہو جائے گی، البتہ اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرتا ہو تو جب تک گواہ نہ ہوں طلاق ثابت نہیں ہو سکتی، صورت مذکورہ میں جب کہ خود زید نے چند اشخاص کے سامنے طلاق دینے کا اقرار کیا تو اب طلاق کا ثبوت بھی ہو گیا، اب اگر زید انکار کرے تو ان گواہوں کے ہوتے ہوئے اس کا انکار نامسموع ہوگا، پھر اگر اس نے ایک طلاق دی ہے تو ایک واقع ہوگی دو دی ہے تو دو واقع ہوگی، تین دی ہے تو تین واقع ہوگی، زید نے اگر گواہوں کے سامنے بار بار اقرار کیا ہو تو چند بار اقرار کرنے سے متعدد طلاقیں نہ ہوں گی، جب کہ طلاق دیتے وقت اس نے ایک طلاق دی ہو اور ایک ہی طلاق دینے کا اقرار کیا ہو، اور اگر متعدد مرتبہ طلاقیں دینے کا اس نے اقرار کیا تو متعدد طلاقیں واقع ہوں گی، اگرچہ ایک مرتبہ اقرار کیا ہو، صورت مذکورہ میں اگر طلاق بائن یا مغلظ ہو تو ہندہ اپنا مہر اور نفقہ عدت اور جہیز کا کل سامان شوہر سے وصول کر سکتی ہے اور اگر رجعی طلاق تھی اور اندرون عدت شوہر نے رجعت کر لی ہو تو وہ بدستور اس کی زوجیت میں رہے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ ص ۲۰۲ کا) دیدی ہے، پھر نکاح کیا تو اب بھی نکاح باطل ہوگا، جتنی قربت ہوگی زنا، اور اولاد اولاد زنا، اور مرد بھی زنا کا مرتکب۔ ؎ بشرطیکہ یہ لوگ عادل ہوں اور بقدر نصاب ہوں یعنی کم از کم ان میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں عادل ثقہ متدین لائق قبول شہادت ہوں، اور یہ لوگ گواہی بھی دیتے ہوں کہ شوہر نے ہمارے سامنے طلاق دینے کا اقرار کیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ**: آمدہ از ریاست بیکانیر، مرسلہ صوفی یوسف شاہ وارثی،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک پیر کے مرد اور عورت دونوں مرید ہیں تو وہ دونوں شخص ہم بستر ہوسکتے ہیں یا نہیں، ہکن پور سے یہ اعتراض ہوا ہے کہ ایک پیر کے مرید ہونے سے نکاح ٹوٹ گیا ہے؟

**الجواب**: میاں بیوی دونوں ایک پیر سے مرید ہوسکتے ہیں، نکاح پر کسی قسم کا اثر نہیں آئے گا، جو شخص نکاح لوٹ جانا بتاتا ہے وہ احکام شرع سے بالکل جاہل ہے، صحابۂ کرام اور ان کی ازواج سبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوئے جس طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مردوں سے بیعت لیتے، عورتوں سے بھی اور یہ طریقہ آج تک بلانکیر مسلمانوں میں جاری رہا، شاید اس فتویٰ دینے والے نے سمجھا ہوگا کہ دونوں بھائی بہن ہوگئے، لہٰذا نکاح جاتا رہا، اور یہ نہ سمجھا کہ نکاح انھیں بھائی بہن میں ناجائز ہے، جو نسبت سے بھائی بہن ہوں یا رضاعت سے ویسے تو سبھی مسلمان آپس میں بھائی ہیں، اور مسلمان عورتیں بہنیں ہیں، قرآن مجید میں فرمایا، انما المومنون اخوۃ، تو جس طرح یہ اخوت اسلامی مانع مناکحت نہیں، اسی طرح ایک شیخ کے مرید ہونے میں یا ایک استاذ کے شاگرد ہونے میں جو اخوت ہے، یہ باعث فساد نکاح نہیں اور نہ مانع مناکحت، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ مولوی نور محمد صاحب از اجین، مالوہ، ۲۴ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ،

جیل خانہ میں ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق ثلاثہ تحریری دی اس پر شاہد ایک مسلمان اور کافر ہے، کیا کافر کی شہادت طلاق کے معاملہ میں تسلیم کی جاسکتی ہے یا نہیں، دوسرا شاہد مسلمان ملا نہیں یا اس وقت حاضر نہیں تھا، عند الشرع کافر کی شہادت مسلمان کے ہمراہ طلاق واقع ہونے کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

**الجواب**: طلاق واقع ہونے کے لئے شہادت شرط نہیں ہے، اگر کوئی بھی گواہ نہ ہو جب بھی واقع ہوجاتی ہے مگر شوہر اگر طلاق دینے سے منکر ہو تو، اس صورت میں گواہوں کی ضرورت ہوگی کہ بغیر گواہ طلاق کا ثبوت نہیں ہوسکتا، اور شہادت میں وہی تمام شرائط ہیں، جو دیگر معاملات کے لئے ہیں، یعنی دو مرد عادل یا ایک مرد اور دو عورتیں، کافر کی شہادت مسلم کے خلاف مردود ہے، اس صورت میں اگر وہ شخص طلاق دینے سے انکار کرتا ہو تو کافر کی شہادت سے اگرچہ اس کے ساتھ ایک مسلم بھی ہے ثابت نہ ہوگی اور طلاق کا حکم نہیں دیا جاسکتا، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مسئولہ یار علی وارثی از مہداول، ضلع بستی، ۵ جمادی الاول ۱۳۶۷ھ،

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق بائن دیا لیکن طلاق بائن اسی صورت سے دیا کہ زید ہندہ کو خرچ وغیرہ نہیں دیتا تھا، ہندہ بہت پریشان تھی کیونکہ زید گھر پر برابر رہتا بھی نہیں تھا، اور زید کا پیشہ چوری کرنے کا تھا، جس سے زیادہ تر جیل ہی میں رہنا پڑتا تھا اسی لئے زید کے گاؤں والوں نے ہندہ کے کہنے سے زید سے اس کی پریشانی اور خرچ وغیرہ کے لئے کہا تو زید نے ایک کاغذ پر ان لفظوں میں اقرارنامہ لکھ دیا کہ اگر میں ۱۶ راگست ۱۹۴۷ء کو مبلغ پچیس روپیہ ہندہ کو خرچ نہ دوں تو طلاق بائن تصور فرمایا جائے، اور میری جائداد سے عدت کا نان نفقہ لے لے، زید نے تاریخ مقررہ پر روپیہ نہیں دیا، جس کو عرصہ پانچ ماہ ہوا اور ابھی تک زید نے ہندہ کی کوئی خبر نہیں لی اور لوگوں کی زبانی ہندہ کو معلوم ہوا ہے کہ زید جیل میں ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ اب ہندہ دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے، بعض لوگ منع کرتے ہیں کہ دوسرے کے ساتھ عقد ناجائز ہے، جب تک زید طلاق مغلظہ نہ دے، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہندہ کو زید رکھنے سے انکار کردے، تب دوسرے کے ساتھ جائز ہے اور ہندہ اب زید کے ساتھ نکاح کرنے پر راضی نہیں ہے، ؟

**الجواب**: شوہر کا یہ لفظ کہ طلاق بائن تصور فرمایا جائے، اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی کہ طلاق کا تصور طلاق نہیں اگر یہ لفظ ہوتا کہ اگر ۱۶ راگست کو مبلغ پچیس روپیہ ہندہ کو خرچ نہ دوں تو اسے طلاق بائن ہے، تو بلاشبہ ایک طلاق بائن واقع ہو جاتی اور ہندہ کو عدت کے بعد دوسرے سے نکاح کر لینا جائز ہو جاتا، فتاویٰ عالمگیری میں ہے،

امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده، فقال الزوج داده گیرا و کرده گیر لا يقع وان نوى انتهى، ملتقطاً،

ہر ایک قسم کی طلاق خواہ بائن ہو یا رجعی ایک یا دو ہوں یا تین جب اس کی عدت پوری ہو جائے، یعنی وقوع طلاق کے بعد تین حیض شروع ہو کر ختم ہو جائے، اور آئسہ یا صغیرہ ہو تو تین مہینے گذر جائیں اور حمل والی ہو تو وضع حمل ہو جائے بالجملہ عدت پوری ہونے کے بعد عورت کو دوسرے سے نکاح کرنا درست ہے، جو لوگ مغلظہ کی شرط لگاتے ہیں، یا شوہر کا رکھنے سے انکار کرنے کو شرط ٹھہراتے ہیں، ان کا قول غلط ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# صریح کا بیان

**مسئلہ**: مرسلہ جناب جان محمد صاحب رضوی از ہوڑہ، ۸ر محرم الحرام ۱۳۴۱ھ

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا والد بیمار تھا کسی رنجش سے زوجہ زید کے متعلق کہا تمھاری بیوی طلاق کے قابل ہے، باپ کے کہنے پر زید کو غصہ ہوا اور کہا میں نے اس کو طلاق بائن[1] دیا، لیکن اس وقت بیوی موجود نہ تھی، بجز دو شخص کے کچھ دیر بعد اس واقعہ پر بیوی مطلع ہوئی، اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو زید کے لئے وہ بیوی کس طرح حلال ہو سکتی ہے، بینوا توجروا۔

**الجواب**:۔ اگر یہ لفظ تین بار کہے تو تین طلاقیں ہو گئیں، بغیر حلالہ اس کے نکاح میں وہ عورت نہیں آسکتی اور اگر ایک یا دو بار کہے تو حلالہ کی حاجت نہیں، اس سے دوبارہ نکاح کر لے، عدت کے اندر یا بعد، نکاح کے بعد وہ عورت حلال ہو جائے گی، بشرطیکہ پیشتر طلاق نہ دی ہو کہ وہ اور یہ مل کر تین ہو جائیں گی، درمختار میں ہے، لا یلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخبارا عن الاول کانت بائن بائن او ابنتک بتطلیقۃ فلا یقع لانہ اخبار فلا ضرورۃ فی جعلہ انشاء بخلاف ابنتک باخری او انت طالق بائن او قال نویت البینونۃ الکبری لتعذر حملہ علی الاخبار فیجعل انشاء، نیز اسی میں ہے[2]، قال امرأتہ طالق ولم یسم ولہ امرأۃ معروفۃ طلقت امرأتہ استحسانا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:۔ مسئولہ نذیر حسین بریلی، محلہ بازار صندل خان، ۱۴ / شعبان ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی اور زید میں کسی وجہ سے کچھ جھگڑا ہوا زید کے پدر نے زید کی بیوی کی حمایت اور جانب داری کی زید کی مرضی کے خلاف اس پر زید نے باین الفاظ کہ اگر تم اس کی حمایت کرتے ہو تو میں نے اس کو طلاق دی اور زید نے صرف ایک مرتبہ اپنی زبان سے طلاق کہا، اس کے

---

[1] سوال میں صرف اتنا ہے، اس کو طلاق بائن دیا، چونکہ عوام میں یہ مشہور ہے، تین بار سے کم طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اس لئے جب عوام طلاق دیتے ہیں تو تین سے کم نہیں دیتے، سوال میں جو گھپلا ہوتا ہے، وہ مفتی حضرات پر خوب اچھی طرح ظاہر ہے، اسلئے اسی کا احتمال تھا کہ سائل نے تین طلاق دی ہو، اور لکھا ایک ہی بار، اس بنا پر حضرت نے دونوں شقوں پر کلام فرمایا، اس جواب سے ظاہر ہو گیا کہ اگر کوئی اپنی بیوی سے کہے میں نے تجھ کو طلاق بائن دیا، طلاق بائن دیا، طلاق بائن دیا، تو اس کی زوجہ پر تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی، [2] اس عبارت کے نقل کرنے کی یہ ضرورت پیش آئی کہ سائل نے بیوی کا نام نہیں لیا، یہ کہا ہے، اس کو طلاق بائن دیا، اس کو اسم اشارہ مبہم ہے، اگرچہ یہاں یہ بات ہے کہ شوہر کے باپ نے یہ کہا تھا تمھاری بیوی طلاق کے قابل ہے، اس کے جواب میں شوہر نے وہ جملہ کہا، اس سے متعین ہے کہ اس کو کا اشارہ بیوی ہی کی طرف ہے، اور اس کو،

(بقیہ ۲۰۷ پر)

Marfat.com

بعد زید کا باپ زید کی بیوی کو سواری میں سوار کرا کر اپنی لڑکی کے یہاں لے گیا، سوال یہ ہے کہ صورت بالا میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** صورت مستفسرہ میں اگر صرف ایک ہی بار یہ لفظ کہے تو ایک طلاق رجعی ہوئی، شوہر اگر چاہے عدت کے اندر رجوع کرے شوہر کا فقط یہ کہنا کافی ہے کہ میں نے اسے رجوع کر لیا یا وطی وغیرہ کرنے سے بھی رجعت ہو جائیگی مگر اب وہ صرف دو طلاق کا مالک رہا، آئندہ اگر کبھی دو طلاقیں دے گا، مغلظہ ہو جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ نبی بخش، پیلی بھیت محلہ بکھریا، ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اقرار کیا، میں نے لڑائی کی حالت میں اپنی بیوی کو اس طرح کہا، میں نے تجھ کو طلاق دی نکل جا میں نے تجھ کو طلاق دی نکل جا، ان الفاظ کے کہنے سے شریعت مطہرہ کا جو حکم ہو، بیان فرمائیں۔؟

**الجواب:** فقیر کے پاس اس واقعہ کے متعلق پیشتر استفتار آیا، سوال میں تھا کہ دو مرتبہ طلاق دی سائل سے دریافت کیا کہ شوہر نے کیا کہا تھا، اس نے بیان کیا کہ یہ کہا، میں نے تجھ کو طلاق دی، میں نے تجھ کو طلاق دی، اس پر دو طلاق رجعی کا حکم دیا، اب پھر اسی واقعہ کے متعلق دوبارہ بایں الفاظ سوال آیا، اور اس کے ساتھ ایک فتویٰ بھی ہے، مفتی کا کام صورت مستفسرہ کا جواب دینا ہے، واقعہ کی کیا خبر کہ شوہر نے کیا الفاظ کہے تھے، اور معاملہ طلاق میں لفظ کے تغیر سے اکثر حکم بدل جاتا ہے، اب جو لوگ سوال لے کر آئے، ان سے جتنی بار پوچھا گیا، ہر بار بیان بدلتا گیا، کبھی کہا کہ یہ لفظ تھے میں نے طلاق دی نکل جا اور کبھی یہ کہا کہ طلاق دی نکل جا، اور کبھی یہ کہا کہ نکل جا میں نے طلاق دی جا، اور کبھی یہ کہ شوہر کو یاد نہیں کہ اس نے کیا الفاظ کہے تھے، اور اہل فہم پر روشن کہ ان تغیرات سے احکام میں کس قدر اختلاف ہوگا، اب اگر صورت وہ ہے، جو پیشتر بیان کی گئی تو حکم وہی ہے جو لکھ دیا گیا، اور اگر الفاظ کچھ اور ہیں تو حکم وہ ہوگا جو ان الفاظ سے نکلے، مگر استفتا میں اب جو الفاظ نقل کئے گئے، ان کے متعلق حکم شرع بیان کیا جاتا ہے، اور غالباً طلاق دینے والے کے یہی الفاظ ہوں گے کہ سائل سے معلوم ہوا کہ شوہر نے اپنے الفاظ وہاں

(بقیہ صفحہ) سے مراد اس کی بیوی ہی ہے، اور اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی بیوی کا نام نہ لے اور ایسے لفظ سے ذکر کرکے طلاق دے کہ وہ متعین ہو جائے تو اس کی زوجہ پر طلاق پڑ جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

ایک عالم کے سامنے بیان کئے اور عالم نے خود سوال مرتب کیا اور جواب[1] لکھا،

فقیر کے پاس یہ سوال و جواب تصحیح کے لئے پیش کیا، مگر بعض امور تصحیح سے مانع ہوئی، اور مستقل جواب کو مناسب جانا، اثنا جواب میں ان امور کی طرف بھی ضمناً اشعار ہوگا، فاقول وباللہ التوفیق، شوہر نے جو الفاظ کہے ان میں دو لفظ صریح ہیں، ان سے بہر حال دو طلاقیں واقع ہوئیں، خواہ اس نے طلاق دینے کی نیت سے کہے یا نہیں، تنویر الابصار میں ہے،

صریحہ مالم یستعمل الافیہ کطلقتک وانت طالق ومطلقۃ ویقع بہا واحدۃ رجعیۃ وان نوی خلافہا اولم ینو شیئاً، اور دوبارہ یہ لفظ کہے کہ نکل جا، یہ الفاظ کنایہ سے ہے، اور محتمل رد ہے اور اس میں بہر حال نیت کی ضرورت ہے، اگر شوہر نے اس لفظ نکل جا، سے طلاق کی نیت کی تو اس سے بھی طلاق ہوگی، اور اب تین طلاقیں ہوگئیں، اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بغیر حلالہ نکاح میں نہیں آسکتی، اور لفظ نکل جا، سے اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو صرف دو رجعی طلاقیں ہوئیں، زمانہ عدت میں رجعت کرسکتا ہے اور بعد عدت نکاح جدید اور حلالہ کی اس صورت میں ضرورت نہیں، اگر شوہر بقسم بیان کرے کہ میں نے لفظ نکل جا، سے نیت طلاق نہ کی تو اس کا قول مان لیا جائے گا، غضب کی

---

[1] الموفق للصواب الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین، اما بعد، شریعت باہرہ میں زید کے اس کی زوجہ پر تین طلاقیں پڑیں اور یہ طلاق مغلظہ ہوگئی جس کے بعد بغیر حلالہ ان میاں بیوی میں نکاح ناجائز ہے، اس لئے کہ زید نے چار لفظ طلاق کے بولے دو لفظ صریح (میں نے تجھ کو طلاق دی) دو مرتبہ دیں طلاقیں رجعی ہوتیں، اگر یہی تنہا ہوتیں، لفظ طلقتک، کو طلاق رجعی فرمایا ہے، خواہ طالق تین طلاق کی نیت کرے خواہ ابانت کی یا نیت نہ ہو، وطلقتک ویقع واحدۃ رجعیۃ وان نوی الاکثر او الابانۃ اولم ینو شیئا، عالمگیری، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں، لفظ اخرجی اور اذھبی سے اگر نیت طلاق ہے یا دو کی نیت تو ایک طلاق بائن اور تین کی نیت کی تو تین طلاق بائن پڑیں گی، مگر مذاکرہ اگر طلاق کا ہو تو بغیر اظہار نیت طلاق قضاءً طلاق ہو جائے گی، بقیۃ الکنایات اذا نوی بہا الطلاق کانت واحدۃ بائنۃ وان نوی ثلثا کان ثلثا وان نوی ثنتین کانت واحدۃ بائنۃ اخرجی اذھبی وقومی فلا بد من النیۃ الا ان یکون فی حالۃ مذاکرۃ الطلاق فیقع بہا الطلاق فی القضاء، اور مذاکرہ طلاق ثابت اور غضب بھی موجود، پھر طلاق صریح کا صریح اور بائن سے لحوق شرع شریف میں معتبر اگرچہ زمانہ عدت مشروط وہ بھی موجود اور لحوق بائن صریح کے ساتھ بھی موجود، الصریح یلحق الصریح والبائن بشرط العدۃ والبائن یلحق الصریح، درمختار ان تمام عبارات کتب فقہیہ معتبرہ پر نظر کرنے سے حکم مرقوم بالا ثابت، بنا بریں زوج و زوجہ کے درمیان جدائی لازم و ضروری اور زمانۂ عدت تک کہ تین ماہ ہیں اور

(بقیہ ص ۲۰۹ پر)

Marfat.com

صورت میں نیت پر موقوف نہ ہونا۔ اس کنایہ میں ہے جو محتمل رد وسب نہ ہو، جواب کے لئے متعین ہو اور مذاکرہ طلاق میں جو محتمل سب ہے، یا محتمل رد وسب کسی کا نہ ہو یہ دونوں نیت پر موقوف نہیں، اور یہ لفظ نکل جا محتمل رد ہے، لہذا مذاکرہ یا غضب کا ذکر کر فتویٰ میں واقع ہوا، اور اس بنا پر نیت پر موقوف نہ جاننا اور بغیر علم نیت شوہر تین طلاق کا حکم دیا صحیح نہیں، تنویر الابصار میں ہے، فنحو اخرجی واذھبی وقومی یحتمل ردا، درمختار میں فرمایا، تتوقف الاقسام الثلثۃ علی نیۃ للاحتمال والقول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ ویکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ وفی الغضب توقف الاولان ان نوی وقع والا لا وفی مذاکرۃ الطلاق یتوقف الاول فقط ویقع بالاخرین وان لم ینو، اور ہدایہ سے استناد کیا کہ اخرجی اور اذھبی اگر مذاکرہ طلاق کے وقت بولے جائیں تو بغیر اظہار نیت قضاءً طلاق ہو جائے گی، حالانکہ صاحب ہدایہ نے یہ قول قدوری اولاً ذکر کیا، اس کے بعد بتادیا کہ اس قول میں اگرچہ تمام الفاظ کی نسبت ایک حکم رکھا، مگر اس میں یہ تفصیل ہے جو محتمل رد ہے، اس سے اس میں بغیر نیت حکم طلاق نہیں فرماتے ہیں، سوّی بین ھٰذہ الالفاظ (ای ان قال) وفی حالۃ مذاکرۃ الطلاق لم یصدق فی ما یصلح جوابا ولا یصلح ردا فی القضاء فیصدق فیما یصلح جوابا ورداً مثل قولہ اذھبی اخرجی قومی، صاحب ہدایہ نے یہ جو تفصیل ذکر کی اور قاعدۂ کلیہ ذکر فرمایا، ان سب سے چشم پوشی نہ چاہیے تھی، پھر قدوری نے صرف مذاکرہ کے لئے یہ حکم دیا، مجیب نے اس پر غضب کا اضافہ فرمایا، شاید بغیر غضب مذاکرہ کو نا کافی سمجھا، اور عجب یہ کہ عدت تین ماہ اور وضع حمل بتائی، حالانکہ مطلقہ غیر حاملہ کی عدت تین حیض ہے، تین حیض کے لئے تین ماہ[1] ہونا کیا ضرور، ہاں اگر آئسہ یا صغیرہ ہو تو البتہ عدت تین ماہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(بقیہ ص ۲۰۸، کا) وضع حمل ہے۔ اگر زوجہ حاملہ ہو طلاق دینے والے پر زوجہ مطلقہ کا نفقہ شرعاً واجب۔ میں نے جو لکھا ہے، امید کہ صحیح حکم ہوتا ہم نفاذ حکم کے اول مزید اطمینان کے لئے اس مسئلہ کی تصحیح ضروری ہے۔ [1] درمختار میں کنایات طلاق کی تین قسمیں کیں، ایک وہ جو رد کا احتمال رکھے دوسرے وہ جو سب وشتم کا احتمال رکھے، تیسرے وہ جو نہ رد کا احتمال رکھے، اور نہ سب وشتم کا، بلکہ جواب کے لئے متعین ہو، عبارت یہ ہے۔ والکنایات ثلث ما یحتمل الرد او ما یصلح للسب او لا ولا۔ اب جہاں صاحب درمختار اول فرمائیں گے، اس سے مراد وہ قسم ہے، جو رد کا احتمال رکھے، اور جہاں اولان فرمائیں گے، ان سے مراد وہ کنایات ہیں جو رد کا احتمال رکھیں، یا سب وشتم کا احتمال رکھے، اور جہاں اخیر بولیں گے، اس سے مراد وہ قسم ہے جو نہ رد کا احتمال رکھے نہ سب کا، حالت مذاکرہ طلاق میں دو بعد والی قسموں میں نیت کی ضرورت نہیں، البتہ پہلی قسم میں مذاکرۂ طلاق میں بھی نیت کی حاجت ہے، اور جب خود صاحب تنویر الابصار نے یہ تصریح کر دی کہ نکل جا، چلی جا، کھڑی ہو جا، رد کا احتمال رکھتا ہے

Marfat.com

**مسئلہ:** مرسلہ شیخ محمد یعقوب علی، ڈاکخانہ سلیم پور، موضع شام پور، ضلع گورکھپور، ۲۶ رذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو بحالت غصہ باین لفظ طلاق دیا کہ خدا اور رسول کو درمیان دے کر تم کو طلاق دیا، طلاق، طلاق، طلاق، پڑگئی یا نہ پڑی اور اگر طلاق پڑی تو کتنی طلاق،

(۲) یہ کہ اس واقعہ کو دو سال سے زاید ہوئے بوجہ لاعلمی کے رجعت نہیں کی گئی اگر طلاق پڑی تو رجعت کی کیا صورت ہے؟

**الجواب:** تین طلاقیں پڑگئیں اب بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی یعنی عورت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ اس سے صحبت بھی کرے، پھر اگر طلاق دے یا مرجائے اور عدت پوری ہوجائے تو اب شوہر اول سے نکاح ہوسکتا ہے،

(۲) رجعت طلاق رجعی میں ہوتی ہے اور یہ تو مغلظہ ہے، اس میں رجعت کی کوئی صورت ہی نہیں بلکہ حلالہ کی ضرورت ہے، وہو تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مسئولہ نور احمد رائے پور ضلع پیلی بھیت، ۲۸ رصفر المظفر ۱۳۴۲ھ،

(بقیہ ص ۲۰۹ کا) تو اگرچہ یہاں حالت مذاکرہ طلاق کی ہے، بے غیر نیت طلاق، طلاق واقع نہ ہوگی، ؎ تین حیض تین ماہ کم میں بھی پورے ہوسکتے ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تین ماہ بلکہ تین سال میں بھی تین حیض پورے نہ ہوں، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ عورت کو ساٹھ ہی دن میں تین حیض پورے ہوجائیں، مثلاً طلاق دیتے ہی عورت کو حیض آنا شروع ہوا، اکثر مدت حیض دس دن ہے، اور اقل مدت طہر پندرہ دن، اس صورت میں تین حیض کے درمیان دو طہر پڑے گا، دو طہر کے تیس دن اور تین حیض کے تیس دن، یہ امام حسن کی تخریج پر ہے، امام محمد کی تخریج پر یوں ساٹھ دن ہوں گے کہ یہ فرض کیا جائے گا کہ شوہر نے حیض کے بعد ابتدائے طہر میں وطی کے بعد طلاق دی اب عدت میں تین طہر پڑیں گے جس کا مجموعہ ۴۵ ر دن اور اوسط حیض ۵ ر دن رکھا جائے، اس طرح تین حیض کے ۱۵ ر دن، ۴۵ ر طہر کے اور ۱۵ ر حیض کے، کل ساٹھ دن ہوئے، اقل عدت ساٹھ دن ہے یہ ہے امام صاحب کا قول، اور صاحبین نے فرمایا کہ ۳۹ ر دن میں ۳ ر حیض پورے ہوسکتے ہیں اس طرح کہ اقل مدت حیض ۳ ر دن ہے، تو تین حیض کے ۹ ر دن ہوئے، اور دو اقل طہر کے تیس دن، تیس نو، انتالیس، رد المحتار میں ہے فیجعل کانہ طلقہا فی الطہر بعد الوطی ویؤخذ لہا اقل الطہر خمسۃ عشر، لانہ لاغایۃ لاکثرہ داوسط الحیض خمسۃ لان اجتماع اقلہما

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو اپنے گھر سے نکال دیا اور زنا کا الزام لگایا اور یہ کہا کہ تو میرے کام کی نہیں ہے، تو فاحشہ ہے، بدیں وجہ میں تجھ کو اپنے گھر میں یعنی اپنی زوجیت میں نہیں رکھتا، یہ کہہ کر عورت کو مار پیٹ کر نکال دیا۔ عورت ایک ہفتہ تک اس شخص کے بھائی کے گھر رہی بعدہ والدین اس عورت کو اپنے گھر لے آئے، عرصہ تک اس نے عورت کی کوئی پروا نہ کی، اور چند اشخاص کے سامنے یہ کہا کہ وہ عورت میرے کام کی نہیں ہے، فاحشہ ہے، اسی وجہ سے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اب میں اس کو نہیں لے جاؤں گا، اس کے بعد اس شخص نے اپنا دوسرا نکاح کر لیا، کچھ عرصہ بعد عورت جدید کو طلاق دے دی۔ بعدہ اس پہلی عورت کو جسے نکال چکا تھا اور چند اشخاص کے سامنے یہ لفظ کہہ چکا ہے کہ میں نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔ اب تقریباً سال ڈیڑھ سال کے بعد اس عورت کو لے جانے کی کوشش کی عورت نے جانے سے انکار کیا، کہ مجھ کو نکال دیا اور چھوڑ دیا۔ اب میں نہیں جاؤں گی، کیونکہ مجھے چھوڑ دیا، اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟،

**جواب**: صورت مستفسرہ میں طلاق ہو گئی کہ چھوڑ دینے کا لفظ اردو زبان میں مثل لفظ طلاق صریح ہے، دوسرے الفاظ جو شوہر نے کہے وہ کنایہ طلاق تھے، کہ ان سے وقوع طلاق کے لئے نیت کی ضرورت تھی، اور اس لفظ چھوڑ دینے کے لئے نیت کی بھی حاجت نہیں۔ اس لفظ کے کہنے کے بعد اگر عدت پوری ہو چکی ہے، یا ان الفاظ[1] سے اگر طلاق کی نیت کی ہے تو عورت بائن ہو گی اور اب اسے واپس نہیں کر سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم،

بقیہ ص ۲۱۰) نادر. فثلاثة اطهار بخمسة واربعين وثلث حيض بخمسة عشر فسار الستين وهذا على تخريج محمد لقول الامام على تخريج الحسن له يجعل كانه طلقها في آخر الطهر احترازا عن تطويل العدة عليها ويؤخذ لها اول الطهر واكثر الحيض ليعتدل فتطهر ان ثلثين ثلثين ايضا، وعند هما اقل مدة تصدق فيها الحرة تسعة وثلاثون يوما ثلث حيض بتسعة ايام وطهران بثلثين نادرة . ن.

[1] یعنی تو میرے کام کی نہیں، یہ طلاق کنائی کے الفاظ میں سے ہے یہ جملہ اس نے دو مرتبہ کہا ہے، اگر دونوں سے یا صرف ان میں سے کسی ایک سے اس کی نیت طلاق کی تھی تو اس سے ایک طلاق بائن پڑ گئی، چھوڑ دیا ہے،، یہ طلاق صریح کا اقرار ہے، اقرار طلاق سے طلاق ثابت ہو جاتی ہے اگرچہ اس کے پہلے واقع میں طلاق نہ دی ہو، چونکہ یہ صریح کا صیغہ ہے، اس سے ایک طلاق رجعی کا حکم ہو گا، عدت گذرنے کے بعد رجعت نہیں ہو سکتی اسی طرح اگر ان دو جملوں میں سے کسی ایک سے طلاق کی نیت رہی ہو تو اس سے ایک طلاق بائن پڑے گی، اس تقدیر پر اس عورت پر دو طلاق واقع ہوئی، ایک بائن ایک رجعی، اب اگر دونوں راضی ہوں، تو بغیر حلالہ ان دونوں کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم (بدری)

Marfat.com

**مسئلہ**: مسئولہ طفیل احمد بریلی، ۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ،

کیا حکم ہے شریعت مطہرہ کا اس صورت میں کہ ایک شخص دس بجے رات میں اس مکان میں آیا جس میں اس کی بیوی عاریۃً رہتی تھی، اس کی بیوی نے کہا، کہاں تھے، آج تین چار روز میں آئے، اس نے کچھ جواب نہیں دیا، اس کی عورت نے اپنی بیٹی سے کہا کھانا نکالے وہ بولا مجھے بھوک نہیں، میں نہیں کھاؤں گا اور اپنی بیوی سے کہا میرے مکان پر چل، بیوی نے جواب دیا میں نہیں جاؤں گی، اس جواب پر شوہر گالی بکنے لگا اور جوتا سے مارنے لگا اور کہا میرے کپڑے دے اس کی بیوی نے کہا اس صندوق میں ہے، شوہر کپڑے لے کر جاتے وقت کہا میں نے تجھے چھوڑا میں نے تجھے چھوڑا۔ اب اپنی ماں کے پاس رہ، تو طلاق ہوگی یا نہیں، اور در صورت طلاق عدت پوری ہوگئی یا نہیں، کیونکہ اس واقعہ کو تقریباً ایک سال ہوگیا؛ بینوا توجروا،

**الجواب**: دو طلاقیں واقع ہوگئیں کہ یہ لفظ اردو زبان میں صریح طلاق ہے، کنایہ نہیں کہ نیت وغیرہ کی حاجت پڑے، کما حقق شیخنا قدس سرہ فی فتاواہ، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، لوقال الرجل لامرأتہ بہشتم او بلہ کردم ترا او پایہ کشادہ کردم ترا فھذا کلہ تفسیر قولہ طلقتک عرفا حتی یکون رجعیا ویقع بدون النیۃ کذا فی الخلاصۃ وکان الشیخ الامام ظہیر الدین مرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ یفتی فی قولھم بہشتم بالوقوع بلا نیۃ ویکون الواقع رجعیا ویفتی فی ماسواھا باشتراط النیۃ ویکون الواقع بائنا کذا فی الذخیرۃ، لہٰذا اگر شوہر نے عدت کے اندر رجعت نہ کی ہو تو بعد عدت عورت نکاح کر سکتی ہے، اور اگر عورت حیض والی ہے تو عدت تین حیض ہے۱؎، قال اللہ تعالیٰ والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ حافظ عبدالکریم صاحب، محلہ ذخیرہ بریلی، ۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی بیوی کو مار رہا ہے اور گالی دے رہا ہے اور اسی حالت میں کہہ رہا ہے، تجھے طلاق ہے، تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۲) غصہ کی حالت کی طلاق ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

۱؎ یہ ضروری نہیں کہ ایک سال میں تین حیض آچکے ہوں، اگرچہ عورتوں کی عام عادت کے مطابق جب کہ عورت مرضعہ نہ ہو، تین مہینے میں تین حیض آجاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**واب:** اگر ایک بار یہ لفظ کہے، تو ایک طلاق واقع ہوگئی اور دو بار کہے تو دو اور ان دونوں صورت میں
روں عدت رجعت ہو سکتی ہے، فتاوی عالمگیریہ میں ہے، الطلاق صریح وھو کانت طالق ومطلقۃ وطلقتک وتقع
حدۃ رجعیۃ، نیز اسی میں ہے، ولو قال لھا انت طالق طالق اوانت طالق انت طالق او قال قد طلقتک قد طلقتک
قال انت طالق وقد طلقتک تقع ثنتان اذا کانت المرأۃ مدخولا بھا، اور اگر تین بار کہے تو مغلظہ ہوگئی، اور اب
حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، واللہ تعالیٰ اعلم،

(۲) غصہ میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، وقوع طلاق کے لئے رضامندی اور خوشی کی حاجت نہیں، غصہ تو غصہ
ہنسی، دل لگی میں طلاق کے لفظ کہہ دیئے تو واقع ہو جائے گی، بلکہ اگر کہنا کچھ اور چاہتا تھا زبان سے بلا قصد یہ نکل
تجھے طلاق، تو طلاق واقع ہوگئی، عالمگیری میں ہے، یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا سواء کان حرا او
طائعا او مکرھا کذا فی الجوھرۃ النیرۃ وطلاق اللاعب والھازل بہ واقع وکذا اللّٰہ لو اراد ان
یتکلم بکلام فسبق لسانہ بالطلاق فالطلاق واقع کذا فی المحیط، ردالمحتار میں غائیہ سے ہے، ویقع طلاق من غضب
خلافا لابن القیم، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مسئولہ یعقوب علی خاں صاحب، محلہ جسولی، بریلی، ۵ رجمادی الآخر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جس کی شادی کو عرصہ دس یا بارہ سال کا
ا اس وقت سے اب تک اتفاق نہ تھا، ہم لوگوں کو خلاصہ معلوم نہیں ہوا کہ ان دونوں میں کس وجہ سے نااتفاقی رہتی
، آج وہ شخص تین آدمیوں کو ہمراہ لے کر اپنی بیوی کے مکان پر آیا، یہاں بھی اس وقت پانچ یا چھ آدمی بیٹھے تھے،
ب کے سامنے اس نے اپنے خسر کو بلا کر بہت سی باتیں کیں، اور اٹھتے وقت اس نے کہا، میں اپنے ساتھ تین آدمیوں کو
لئے لایا ہوں کہ وقت ضرورت میری گواہی دیں، میں خوشی سے اس کو طلاق دیتا ہوں، اور میں آج گھر جاکر چین سے
ہوں گا، جاتے وقت دوبارہ پھر کہا، اب مجھ سے کچھ واسطہ نہ رہا، اب میں جاتا ہوں، اور فوراً چلا گیا، اس صورت میں
لاق جائز ہوئی یا نہیں، صرف ایک مرتبہ اس نے لفظ طلاق کہا، دوسری مرتبہ پھر کہا، اب میں جاتا ہوں مجھ سے کچھ
اسطہ نہ رہا، اور اب گھر چین سے سوؤں گا اور یہ بھی کہا کہ قلم دوات دو تو میں لکھ بھی دوں، مگر کسی نے قلم دوات
ہیں دی، ؟

Marfat.com

**الجواب:** طلاق واقع ہوگئی، بعد عدت عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہے، مگر چونکہ مغ
نہیں ہے، لہٰذا اس شوہر سے بھی نکاح ہوسکتا ہے اور یہی شوہر اگر نکاح کرنا چاہے تو اندر عدت نکاح بھی ہو
اور حلالہ کی حاجت نہیں کہ حلالہ کی ضرورت تین طلاقوں کے بعد ہوتی ہے، اور تین طلاقیں اس صورت میں نہیں۔ و
تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از شہر کہنہ بریلی محلہ کانکر ٹولہ مسئولہ عبدالمجید خاں ۱۵ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے خاوند کے مکان پر تھی، اس سے محلہ کی ایک
نے آکر کہا کہ فلاں شخص کی بری حالت ہے، اس پر اس عورت نے کہا کہ خدا ہی مارتا ہے اور خدا ہی جلاتا ہے
دعا قبول کرتا ہے، وہی نہیں کرتا ہے، اس بات پر اس کے خاوند نے کہا کہ تو وہابڑی ہے، اور وہابیوں کی
کرتی ہے، عورت نے کہا کہ تمہارے کہنے کے بموجب ہی میں وہابڑی ہوں ورنہ میں وہابڑی تھوڑی ہی ہوں
بات کا اس عورت کو بھی گواہ بنالیا، اس کے خاوند نے اس بات کی چڑھ پیدا کرلی، اس پر اس نے اپنی زبا
یہ بات نکالی، اس بات پر اس کے خاوند نے عورت کو دو مرتبہ طلاق دی، اور چپ ہوگیا، جب اس کی والدہ
پاس گئی تو اس نے کہا میں اس کو طلاق دے چکا، اس کے بعد وہ عورت تین یوم تک شوہر کے مکان پر رہی
روز جب عورت کا بھائی پہونچا تو خاوند نے اس عورت کو بھائی کے ساتھ کردیا اور وہ عورت حمل سے ہے ا
پانچواں مہینہ ہے، اس میں شرع شریف کا کیا حکم ہے، ارشاد فرمایا جائے؟

---

۱؎ بلکہ صرف دو طلاقیں واقع ہوئیں، ایک رجعی دوسری بائن، اس کا قول، اب مجھ سے اس کا کچھ واسطہ نہ رہا، طلاق کنائی کے الفاظ میں
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فتاوی رضویہ جلد ششم ص ۲۷۶ و ۳۰۷ پر اسی جملے کو "میرا اس سے تعلق نہیں" طلاق کنائی سے شمار کیا ہے
اور اس کو معنی میں، خلیت سبیلک، فارقتک لا سبیل لی، علیک لا ملک لی علیک، کے معنی میں قرار دیا ہے، اور دلیل یہ دی ہے، لاحتمال کل
علی التبری عنہا والتخلی والانقطاع وترک الاشتغال بہا فہو مما یحتمل معنی المذکرۃ کما لایخفی، اور ظاہر ہے تعلق نہیں کے ہم معنی
بھی ہے، یہ ان کنایات میں سے ہے جو سب کا احتمال رکھتے ہیں، اور ایسے الفاظ سے حالت مذاکرہ طلاق میں بلانیت طلاق واقع ہوجاتی
وتنویر الابصار میں ہے، وفی مذاکرۃ الطلاق یتوقف الاول فقط ویقع بالاخرین وان لم ینوی، تنویر و در میں ہے، او دلالۃ الحا
مذاکرۃ الطلاق او الغضب اس کے تحت شامی میں ہے، المراد بہا الحالۃ الظاہرۃ المفیدۃ المقصودۃ ومنہا تقدم ذکر الطلاق
(بقیہ ص ۲۱۵ پر)

Marfat.com

**الجواب**:- اس عورت نے ٹھیک کہا تھا، مارنا، جلانا اور دعا قبول کرنا نہ کرنا اللہ عزوجل کی ہی شان ہے اس کہنے پر اسے دہابیہ بتانا سخت جرم ہے، شوہر کو توبہ کرنی چاہئے اگر واقع میں دو ہی بار طلاق دی، تو دو طلاقیں ہوگئیں پھر تیسری بار شوہر کا یہ کہنا کہ میں اس کو طلاق دے چکا، ظاہر یہ ہے کہ اس سے تیسری طلاق واقع نہ ہوگی، یہ لفظ اردو میں اخبار کے لئے بولا جاتا ہے، لہذا اگر اس تیسرے لفظ سے اس کی نیت خبر دینے کی ہے، یعنی پہلے جو طلاقیں دے دی ہیں ان کی خبر دیتا ہے تو اس کا قول مان لیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم ۔

**مسئلہ**:- مسئولہ کلن بریلی، ۲۲ر صفر المظفر ۱۳۴۳ھ ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے تنازع کے وقت اپنی عورت سے کہا میں نے تجھ کو چھوڑا، میں نے تجھ کو چھوڑا، میں نے تجھ کو چھوڑا، اور کوئی طلاق کا لفظ زبان سے نہ نکالا، دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں، غصہ کی حالت میں یہ لفظ کہے ان الفاظ سے طلاق مقصود نہ تھی بینوا توجروا

**الجواب**:- خود یہ لفظ طلاق کے لئے ہے، اور عرف میں یہ بمنزلہ لفظ طلاق صریح ہے، اس سے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت و ارادہ کی بھی حاجت نہیں اور جب اس نے تین بار کہے تو تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اب بغیر حلالہ وہ عورت زید کے نکاح میں نہیں آسکتی، فتاویٰ عالمگیری ص ۴۰۵ میں ہے، اذا قال الرجل لامرأته هشتم ترا ان نوى فاعلم بان هذه اللفظة استعملها اهل خراسان و اهل عراق فى الطلاق و انها صريحة عند ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ حتى كان الواقع بها رجعيا و يقع بدون النية و فى الخلاصة و به اخذ الفقيه ابو الليث و فى التفريد و عليه الفتوىٰ كذا فى التتارخانية و اذا قال بهشتم ترا ام يقل ازنى فان كان فى حالة غضب و مذاكرة الطلاق فواحدة يملك الرجعة و ان نوى بائنا او ثلثا فهو كما نوى و قول محمد رحمه الله تعالىٰ فى هذا كقول ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ كذا فى المحيط و لو قال الرجل لامرأته ترا چنگ بازداشتم او بهشتم او يله كردم ترا او پائے كشاده كردم ترا، فهذا كله تفسير قوله طلقتك عرفا حتى يكون رجعيا و يقع بدون النية كذا فى الخلاصة و كان شيخ الاسلام ظهير الدين المرغينانى رحمه الله تعالىٰ يفتى فى قوله بهشتم بالوقوع بلا نية و يكون الواقع رجعيا

(بقیہ ص ۲۱۴ کا) هذا التفسير حالة مذاكرة الطلاق، فقط، چونکہ پہلے یہ کہہ چکا ہے "میں خوشی سے اس کو طلاق دیتا ہوں"، اس لئے حالت مذاکرۂ طلاق ابھی ہوئی، اور کچھ واسطہ نہیں، ہے دوسری طلاق بائن پڑ گئی، اسی لئے حضرت نے اندرون عدت رجعت کا حکم نہیں فرمایا نکاح کے لئے تحریر فرمایا، هذا ما ظهر لى و العلم بالحق عند ربى، و هو جل مجده اعلم،

Marfat.com

واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** از بنارس محلہ کٹیہر مرسلہ سردار مولوی حفیظ اللہ صاحب، ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۴۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ولی محمد نیند سے بیدار ہوا تو بچہ رو رہا تھا غصہ معلوم ہوا تو بچہ کو دو تین طمانچہ مارا، بچہ کی ماں نے منع کیا اس پر مجھ کو اور غصہ آیا اور اس کو بھی مارا اس اثنا میں ہمارے بھائی امانت اللہ آئے اور مجھ کو روکا میں نے بھائی سے کہا آپ سے کیا مطلب میں ماروں گا، انھوں نے کہا اگر ایسا کرنا ہی ہے تو مکان سے نکل جاؤ، میں نے کہا میں نہیں نکلوں گا۔ تب بھائی امانت اللہ نے کہا، اگر تم سے نہیں پیرتا تو چھوڑ دو۔ اس کے جواب میں ہم نے کہا کہ طلاق دے دیا، بعدہ تھوڑی دیر تک تکرار اور باتوں میں ہوتی رہیں اس کے بعد سلامت اللہ آگئے اور مجھ سے کہنے لگے، کیا کرتے ہو چپ رہو یہ سب کیا بک رہے ہو، تو ہم نے سلامت اللہ سے کہا جو کہا سو کہا، سلامت اللہ نے کہا کیا کہا، تو ہم نے کہا کہ طلاق دیا، سلامت اللہ نے کہا کوئی گواہ بھی ہے ہم نے کہا امانت اللہ سے پوچھ لو، پھر سلامت اللہ نے پوچھا کئی مرتبہ کہا، ہم نے کہا دو مرتبہ اتنا کہہ کر میں باہر چلا گیا، سلامت اللہ دونوں بھائی لڑ رہے تھے، اتنے میں میں پہونچا ولی محمد کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم چلے جائیں گے، میں نے کہا، کہاں چلے جاؤ گے تو کہنے لگے ہم نہ رہیں گے، طلاق دے دیا، عورتوں نے اوپر سے ہاتھ سے اشارہ دیا کہ نہیں، پھر میں نے ولی محمد سے کہا کیا ہنسی مذاق سمجھے ہو، پھر ولی محمد نے کہا، ہم نے طلاق دے دیا، اس کے بعد باہر چلے گئے، چند منٹ کے بعد ان کے بھائی امانت اللہ نے مجھ سے کہا کہ اس سے پوچھو، سچ کہا یا جھوٹ، میں نے پوچھا جس کے جواب میں ولی محمد نے کہا، دو مرتبہ طلاق دیا، اتنا کہہ کر باہر چلے گئے؟

**الجواب**: صورت مستفسرہ میں کئی مرتبہ ولی محمد نے لفظ طلاق دیا، بیان کیا، اور سلامت اللہ گواہ بھی اس کا قول اتنا ہی بیان کرتا کہ طلاق دیدیا، دو مرتبہ طلاق دیا، اول سے آخر تک کہیں طلاق کی اضافت نہیں ذکر کی اور وقوع طلاق کے لئے اضافت ضروری ہے، درمختار میں ہے، لو قال ان خرجت یقع الطلاق او لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لم یقع لترکہ الاضافۃ الیہا، اس کلام سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر صراحۃً اضافت سے خالی ہو تو طلاق اصلا واقع نہ ہوگی، مگر حق یہ ہے کہ صراحۃً اضافت ہونا ضرور نہیں، بلکہ اضافت اگر نیت میں ہو جب بھی کافی ہے، ہاں اگر شوہر قسم کے ساتھ یہ بیان کرے کہ میں نے اپنی اس عورت کو طلاق دینا مراد نہ لیا تھا تو وقوع

Marfat.com

طلاق کا حکم نہیں دیں گے کہ اضافت نہ لفظا ہیں ہے نہ نیت ہیں، ردالمحتار ہیں بحرالرائق سے ہے، لو قال امرأة طالق او طلقت امرأة ثلثا وقال لم اعن امرأتی یصدق اھ ویفھم منہ انہ لو لم یقل ذالک تطلق امرأتہ لان العادة ان من لہ امرأة انما یحلف بطلاقھا لا بطلاق غیرھا، خصوصًا اس مقام میں جب کہ وہ اپنی عورت کو مارتا تھا اور اس کا بھائی امانت اللہ کہتا ہے کہ چھوڑ دو۔ اس کے جواب ہیں یہ کہتا ہے کہ طلاق دے دیا، یہ صریح اور صاف قرینہ ہے کہ اسی عورت کو امانت اللہ نے چھوڑنے کو کہا اور اس نے اسی عورت کو طلاق دینا کہا، ایسی صورت میں انکار کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی، اور بہ نظر ظاہر اس کا انکار قابل سماعت نہیں اور جب کہ وہ اس سے انکار نہ کرتا ہو، تو دو طلاق کا حکم دیں گے، کہ وہ خود بھی دو مرتبہ طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے، اب رہا یہ معاملہ کہ سلامت اللہ کے سامنے اس لفظ کو کئی بار کہا اور یہ بھی کہتا ہے کہ دو مرتبہ طلاق دیا، اگرچہ حکم یہ ہے کہ جتنی مرتبہ اس لفظ کو زبان سے کہے، اتنی ہی طلاقیں واقع ہوتی ہیں، یعنی تین مرتبہ تک، مگر چونکہ یہ سوال کے جواب میں ہے، لہذا یہ خبر ہے، انشا نہیں، تو اس لفظ سے جدید طلاق واقع نہ ہوگی، وہی دو رہیں گی، فتاوے عالمگیری میں ہے، لو قال لامرأتہ انت طالق فقال لہ رجل ما قلت فقال طلقتھا او قال قلت ھی طالق فھی واحدة فی القضاء کذا فی البدائع اھ صورت مسئولہ میں اگر پیشتر کبھی اس عورت کو ایک یا دو طلاق دے چکا ہے، تو اب مغلظہ ہوگئی۔ ورنہ یہ دو ہی ہیں، اگر عدت ختم نہ ہوچکی ہو تو رجعت کرسکتا ہے اور عدت ختم ہوچکی ہے، تو اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے حلالہ کی حاجت نہیں، مگر یہ معلوم رہے کہ آئندہ جب کبھی اسے ایک طلاق دے گا، تو ایک ہی سے مغلظہ ہوجائے گی کہ دو یہ ہوچکی ہیں، اس وقت تین جدید کی حاجت نہ ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** از جودھپور مارواڑ پوکھرن ٹھاکر صاحب کی دوکان، مرسلہ حاجی غلام محمد عبدالعزیز صاحب ۲۹ رجمادی الآخر ۱۳۴۸ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ بسم اللہ بنت الہ دین کا نکاح مسمّی میرو سے ہوا اور میرو اپنی اہلیہ بسم اللہ کے ساتھ جودھپور ہی میں رہنے لگا، چونکہ بسم اللہ صوم وصلوٰۃ اور تلاوت قرآن کی پابند تھی اور اس کا شوہر صوم وصلوٰۃ کا پابند نہ تھا، اس لئے وہ اکثر بسم اللہ کے صوم وصلوٰۃ کے لئے مانع ہوتا تھا، شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہونچی کہ شخص مذکور نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اور صاف کہدیا کہ

Marfat.com

میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے، یہ میرے کام کی نہیں ہے۔ اس وقت بسم اللہ حاملہ تھی، لیکن اس نے اپنے گھر سے نکال دیا اور خود تمام سامان لے کر بنیا شہر چلا گیا، تین سال تک اس نے بسم اللہ کی کوئی خبر نہیں لی، بعدہ چند اشخاص نے واپس لانے کے لئے کہا، اس پر بھی اس نے وہی جواب دیا کہ میں اس کو طلاق دے چکا ہوں، وہ اب کیسے واپس آسکتی ہے، مگر اس کے مشیروں نے کہا، ہم اس کو برادری کے ذریعہ سے تیرے ساتھ کروا دیں گے، بالآخر اس نے جودھ پور آکر پنچایت کی، پنچایت نے بھی بسم اللہ کو اور اس کے والد سے بسم اللہ کو ساتھ جانے کے لئے مجبور کیا، چونکہ چار معتبر شخصوں نے بھی اس کے طلاق دے دینے کی تصدیق کی، اس لئے بسم اللہ طلاق ہو جانے کی وجہ سے ساتھ چلنے کو انکاری ہے، لہٰذا صورت حال میں عند الشرع کیا حکم ہے، بینوا توجروا،

**الجواب**: سائل نے یہ تحریر نہیں کیا کہ میرو نے بسم اللہ کو کتنی طلاقیں دیں، اگر تین طلاقیں دی ہیں، جب تو بسم اللہ کا جانا درکنار بغیر حلالہ بسم اللہ کا میرو کے ساتھ نکاح بھی نہیں ہو سکتا اور اگر ایک یا دو طلاقیں دیں اور عدت پوری ہو گئی اور میرو نے رجعت نہ کی، یا وہ طلاق بائن تھی تو اب بسم اللہ اس کے نکاح سے باہر ہو گئی، اس صورت میں بھی بغیر نکاح جدید اس کے یہاں نہیں جا سکتی، بظاہر یہی دو صورتیں معلوم ہوتی ہیں، اور بلا شبہ ان صورتوں میں بسم اللہ کا اس کے یہاں جانا حرام ہوگا اور جو لوگ اسے مجبور کرتے ہیں، وہ حرام پر مجبور کرتے ہیں، ہرگز ان کے کہنے پر بسم اللہ عمل نہ کرے ورنہ آخرت کے سخت مواخذہ کی مستحق ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۳۵۸ھ

**مسئلہ**: مرسلہ دلدار علی ڈاکخانہ جھریا، مقام انٹ کھگڑیا نیا، کلوڑی جانک کے پاس ۳ محرم الحرام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو گواہوں کے سامنے یہ بات کہی کہ ہم اس عورت کو نہیں رکھیں گے، اور ہم کو اس عورت سے اب کوئی غرض و تعلق باقی نہیں رہا اور ہم یہ بات کہدیتے ہیں، اپنی زبان سے کہ ہم نے اس عورت کو چھوڑ دیا، ہم نے اس عورت کو چھوڑ دیا، ہم نے اس عورت کو چھوڑ دیا، اسی طرح سے زید نے تین مرتبہ کہہ کر چھوڑ دیا، آیا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ -

**الجواب**: صورت مذکورہ میں کہ زید نے تین مرتبہ یہ کہا کہ "ہم نے اس عورت کو چھوڑ دیا، اس سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں، طلاق کی عدت پوری کر کے دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے، یعنی زید نے جب یہ لفظ

Marfat.com

کہا، اس کے بعد سے عورت کو اگر تین حیض ہو چکے ہوں تو عدت پوری ہوگئی اور اب نکاح کر سکتی ہے، اور ابھی تین حیض نہ ہوئے ہوں تو جب پورے ہوجائیں نکاح کرے، فتاوی عالمگیری میں ہے، ولو قال الرجل لامرأتہ تراچنگ باز داشتم او بہشتم او یلہ کردم ترا او پای کشادہ کردم، ترا، فھذا کلہ تفسیر قولہ طلقتک عرفا حتی یکون رجعیا و یقع بدون النیۃ کذا فی الخلاصۃ وکان الشیخ الامام ظہیر الدین المرغینانی رحمہ اللہ تعالی یفتی فی قولہ بہشتم بالوقوع بلا نیۃ ویکون الواقع رجعیا و یفتی فی ماسواھا باشتراط النیۃ ویکون الواقع بائنا کذا فی الذخیرۃ، واللہ تعالی اعلم۔

# اضافت کا بیان

**مسئلہ:** آمدہ از نواب گنج، ۱۲ر جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے سسر سے کہا، میرا زیور مجھ کو دیدے، تیری لڑکی سے کچھ تعلق نہیں ہے تو اس صورت میں کیا حکم ہے، طلاق ہوئی یا نہیں؟

**الجواب:** اگر فقط اتنے ہی لفظ کہے جو سوال میں درج ہے تو طلاق نہیں کہ تیری لڑکی سے تعلق نہیں ہے یہ لفظ مجمل ہے، یہ نہیں کہا کہ کس کو لڑکی سے تعلق نہیں ہے، زیور کو یا مجھ کو یا کسی اور کو اور یہ بھی نہیں بتایا کہ اپنی زوجہ کے نسبت کہتا ہے یا کسی اور کی نسبت کیوں کہ سائل سے معلوم ہوا کہ زوجہ کی اور بھی تین بہنیں ہیں، لہذا تعیین نہیں ہوئی تو طلاق نہیں ہوئی، واللہ تعالی اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ جناب حبیب اللہ صاحب، شہر کہنہ، ۱۸ر جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور زید کی زوجہ سے آپس میں زبانی تکرار ہوئی، جب عورت نے زبان درازی زیادہ کی تو زید کو غصہ زیادہ بڑھا آپس میں لڑائی بھی زیادہ بڑھ گئی، اسی وقت زید نے ایک مرد اور دو عورت کی موجودگی میں تین مرتبہ زبان سے ادا کیا، طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، اب ایسی صورت میں عورت نکاح سے باہر ہوگئی یا نہیں؟۔

**الجواب:** اگر صورت واقعہ یہی ہے اور زید نے یہی لفظ کہے، جو سوال میں ہیں اور اتنے کہے تو

Marfat.com

طلاق واقع نہ ہوئی کہ اضافت سے خالی ہے، اور طلاق بغیر اضافت[1] واقع نہیں ہوتی، فتاویٰ خانیہ ص ۳۲۳ پھر خلاصہ پھر عالمگیری ص ۴۰۸ میں ہے، رجل قال لامرأ تافی الغضب اگر تو زن منی سہ طلاق وحذف الیاء لاتطلق لانہ ما اضاف الطلاق الیہا، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

**مسئلہ:** از سکندرپور ضلع بلیا مرسلہ نور علی شاہ، ۱۲ر جمادی الاولی ۱۳۴۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گوہر علی شاہ اور ان کی بیوی میں جھگڑا ہوا اسی وقت گوہر علی شاہ کے بھائی نور علی شاہ آئے ان کے سامنے گوہر شاہ کی بیوی نے گوہر شاہ کو فحش گالیاں دینی شروع کی، اس پر نور علی شاہ نے اپنے بھائی سے پوچھا بتاؤ اب کیا ہوگا، اس پر گوہر شاہ نے کہا، میں نے اس کو طلاق دے دیا، نور علی شاہ نے منع کیا، مگر پچیسوں مرتبہ یہی کلمہ کہتے رہے، جناب مولوی عبدالعظیم صاحب کے پاس بھی آکر یہی کلمہ کہا، کہ میں نے اس کو چھوڑا، اب سکندرپور میں منھ نہ دکھاؤں گا، پچیسوں مرتبہ کہتے رہے، اور وہاں سے حافظ وارث علی صاحب کی خدمت اقدس میں گئے، وہاں بھی یہ کہا میں اپنی بیوی کو طلاق دیکر آیا ہوں، اور اب حافظ صاحب کے ساتھ جاؤں گا اور پھر سکندرپور نہیں لوٹوں گا، پھر سکندرپور پہونچے، لوگوں سے یہ خیال ظاہر کیا کہ میں نے اس کو طلاق نہیں دی، میں اس کو رکھوں گا، اس پر نور علی شاہ نے محلہ کے چند آدمیوں کو جمع کر کے یہ مسئلہ پیش کیا تو لوگوں نے طلاق کی بابت گوہر شاہ سے پوچھا تو گوہر شاہ نے انکار کیا کہ میں نے طلاق نہیں دی، یوں ہزاروں لاکھوں مرتبہ طلاق طلاق کہا، مگر کسی کا نام نہیں لیا، اس کے بعد نور علی شاہ نے طلاق کے ثبوت میں لوگوں سے کہا کہ عبدالرحمٰن میاں سے انھوں نے اپنا طلاق دینا ان لفظوں کے ساتھ بیان کیا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے کر آیا ہوں، گوہر شاہ نے کہا عبدالرحمٰن کی بات کا کچھ اعتبار نہیں، وہ میرے دشمن ہیں، لال محمد اسی مجلس میں موجود تھے، نور علی شاہ نے مجمع سے کہا، لال محمد موجود ہیں، ان سے دریافت کریں، مجمع نے لال محمد سے دریافت کیا، انھوں نے جواب دیا، میں نے اتنا سنا کہ عبدالرحمٰن نے گوہر شاہ سے کہا کہ اب

---

[1] اضافت کی بحث اس مسئلے میں جو ص ۔۔ ، اسے منقول ہے کہ خود حضرت نے تحریر فرمائی ہے اور اس خادم نے اس کے تحت حاشیہ میں ذکر کی ہے، اور آئندہ مختلف مسائل میں حضرت نے اس کی تفصیل فرمائی ہے، وہ ساری تفصیل یہاں اور اضافت کے جملہ مسائل میں جاری ہوگی یہاں حضرت نے بہ نظر اختصار صرف ایک شق پر حکم صادر فرمایا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

Marfat.com

تو تمھاری بیوی تم پر حرام ہوگئی، گوہر شاہ نے کہا، ہاں تب نور علی شاہ نے کہا، ان واقعات سے انکا طلاق دینا میرے نزدیک ثابت ہو چکا ہے، میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا، تب گوہر شاہ نے اپنی بیوی کی طرف اشارہ کرکے مجمع کے سامنے نور علی شاہ سے کہا، لیجئے اب میں چھوڑتا ہوں، آپ لوگ گواہ رہیں، اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ طلاق ہوئی یا نہیں، طلاق ہو جانے کے بعد اس کو رکھ لینا کیسا ہے، نور علی شاہ ان کی کچھ مدد کریں تو کیا حکم ہے، اور جو لوگ گوہر شاہ کو اس بیوی کو رکھنے کی ترغیب دیں، اور اس طلاق کو طلاق نہ سمجھیں ان لوگوں کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

**الجواب**:- طلاق میں اضافت کی ضرورت ہے، اگر اضافت بالکل نہ ہوتی تو طلاق واقع نہ ہوتی، درمختار میں ہے، لم یقع لترکہ الاضافۃ الیھا، مگر گوہر علی شاہ کے الفاظ میں اضافت موجود ہے کیونکہ اس نے یہ کہا ہے کہ میں نے اس کو طلاق دے دیا، اگرچہ بعد میں اپنے ان الفاظ سے انکار کرتا ہے، مگر نور علی شاہ کے سامنے یہی الفاظ کہے اور مولوی عبد العظیم کے سامنے انھیں الفاظ سے بیان کیا، اور دوسرے لوگ بھی ان الفاظ کے شاہد موجود ہیں، پھر یہ انکار قطعًا نامعتبر ہے، اس کی عورت کو تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اور بغیر حلالہ اس سے نکاح بھی نہیں کر سکتا، رہا یہ کہ بی بی کا نام نہ لیا، مگر جب کہ عورت سے جھگڑا ہو رہا تھا، اور نور علی شاہ نے اسی عورت کے متعلق سوال کیا تھا، اس پر گوہر علی شاہ نے کہا، میں نے اس کو طلاق دے دیا، تو "اس کو" سے مراد وہی عورت ہوگی، اور طلاق ضرور واقع ہوگی، نیز لوگوں کے سامنے گوہر علی شاہ کا یہ کہنا کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دیدیا بالکل صاف ہے، ان الفاظ کے ہوتے ہوئے نام لینے کی حاجت نہیں، صورت مذکورہ میں بغیر حلالہ اس عورت کو تصرف میں لانا حرام اور جو ایسی ترغیب دینے والے ہیں، وہ بھی حرام کے مرتکب ہیں، اس وطی حرام کے وبال میں وہ بھی شریک ہیں، قال اللہ تعالیٰ، ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، گوہر علی شاہ پر فرض ہے کہ اس عورت سے فورًا جدا ہو جائے اور توبہ کرے ورنہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ گوہر علی شاہ کا مقاطعہ کریں، اس سے میل جول، سلام کلام سب ترک کردیں، قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظٰلمین، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**:- مسئولہ نیاز علی خاں، محلہ بازار صندل خاں، بریلی، ۳۰ر شوال ۱۳۴۱ھ،

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، چار شخصوں اور بیوی کے روبرو اور طلاق نامہ لکھا گیا جس پر چار شخصوں کی گواہی ہوئی، مہر بخشنے کا علاحدہ کاغذ لکھا گیا، اور کاغذات پھاڑ ڈالے گئے اور اب چاہتے ہیں کہ دونوں کے باہم پھر نکاح ہو جائے، اگر جائز ہے، تو کس طرح جائز ہے، مہر کر دی جائے اگر ناجائز ہے تو کس طرح ناجائز ہے، مہر کر دی جائے، اور لوگوں کے کہنے سے (طلاق دی، طلاق دی) کہنے سے پہلے رو یا بھی، تب شوہر کہتا ہے کہ دو مرتبہ طلاق دی؟

**الجواب**: شوہر نے حلف کے ساتھ بیان کیا کہ میں نے صرف اتنے ہی لفظ کہے تھے کہ میں نے طلاق دی نہ اپنی عورت کا نام لیا تھا، نہ اس کی طرف اشارہ تھا، نہ اس لفظ سے میری مراد بیوی کو طلاق دینا تھی، اور گواہ مسمٰی کفایت علی ولد صادق علی ساکن محلہ کٹھگر نے بھی یہی بیان کیا کہ صرف اتنے ہی لفظ کہے تھے، بیوی کا نہ نام لیا نہ اس کی طرف اشارہ کیا، لہٰذا صورت مذکورہ میں چونکہ یہ کلمہ اضافت سے خالی ہے، طلاق واقع نہ ہوئی بحرالرائق میں ہے، لم یقع لترکہ الاضافۃ الیھا، ہاں بیان شوہر سے معلوم ہوا کہ جو طلاق نامہ لکھا گیا تھا جس کو کاتب نے پڑھ کر شوہر کو سنایا تھا اور شوہر نے اس پر انگوٹھے کا نشان لگایا اور وہ کاغذ پھاڑ ڈالا گیا، اس میں یہ لکھا تھا کہ مسماۃ انوری بنت خادم حسین بیگ اپنی زوجہ کو میں نے طلاق دی، اس طلاق نامہ میں صرف ایک بار طلاق کا ذکر تھا پس اگر واقع یہی ہے، تو اس طلاق نامہ کی رو سے ایک طلاق رجعی ہوگی، اور شوہر اس عورت کو پھیر سکتا ہے اور چونکہ اس صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی، لہٰذا شوہر کا دو شخصوں کے سامنے اتنا کہدینا کہ میں نے اس عورت کو واپس لیا، کافی ہے، جدید نکاح کی بھی حاجت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ ڈاکٹر محمود صاحب، شہر کہنہ، بریلی، ۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو ایک جلسہ میں دو مرتبہ طلاق دی، کچھ لوگوں نے پہلے ہی سے اس امر کی کوشش کی تھی کہ آپس میں نفاق ہو جائے، اور طلاق دلوا دیں، کیونکہ پہلے ہی سے زید کے سسرال سے نااتفاقی کرا چکے تھے، اب طلاق کے بعد زید کی ساس اور زید میں اتفاق ہو گیا، تب خوش دامن نے یہ کہا کہ لوگوں نے مجھ کو بہت دھوکہ دیا اور زید کی طرف سے ایک پرچہ دیا، جس کا یہ مضمون تھا کہ تمھارا داماد تمھاری بیٹی کو مارپیٹ کے کپڑے اتارے گا اور نکال دے گا حالانکہ

Marfat.com

زید کو اس پرچہ کی اب تک خبر نہ تھی، آج چار سال کا زمانہ ہوا لیکن اس درمیان میں سسرال سے برابر زید کی آمد ورفت رہی، اور اب تک ہے، بہت سے لوگوں نے زید کی بیوی سے نکاح کی خواہش کی بیوی نے انکار کر دیا اور یہ کہاکہ دوسرا نکاح نہیں کروں گی، میں اپنے پہلے ہی خاوند کے گھر جاؤں گی، یہ حال تمام لوگوں پر روشن ہے، اب بیوی چلی آئی اور زید نے نکاح کر لیا، اب زید یا زید کی بیوی پر کیا حکم شرع ہوتا ہے، بینوا توجروا،

**الجواب**: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ زید نے صرف یہ لفظ کہ میں نے طلاق دی، دو بار کہے، اگر واقع میں یہ بیان صحیح ہے اور عورت کا نہ نام لیا نہ اس کی طرف اشارہ کیا کہ اسے طلاق یا تجھ کو طلاق دی، تو یہ اضافت سے خالی ہے اور حکم وقوع طلاق کے لئے اضافت ضرور ہے، کما فی الخانیہ وغیرھا، اور اگر اضافت تھی تو دو طلاقیں واقع ہوگئیں، اگرچہ رجعی تھیں کہ عدت کے اندر رجعت کر سکتا تھا، مگر جب عدت گذر چکی تو رجعت نہیں ہو سکتی، ہاں نکاح جدید ہو سکتا ہے کہ اب بائن ہوگئی، رجعی کا حکم صرف زمانۂ عدت تک رہتا ہے، اور چونکہ طلاقیں دو ہی دی ہیں، لہٰذا حلالہ کی حاجت نہیں، بغیر حلالہ نکاح ہو سکتا ہے، قال اللہ تعالیٰ، الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان، ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر ایک طلاق اب کبھی دے گا تو مغلظہ ہو جائے گی یعنی پورے تین ہو جائے گی، اور اس وقت حلالہ کے بغیر زید سے نکاح نہ ہو سکے گا، قال اللہ تعالیٰ، فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: از ریاست الور محلہ نواب پورہ مرسلہ جناب سید محمد احمد صاحب، ۷ رشعبان ۱۳۴۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت طلاق کا دعویٰ کرتی ہے، اور شوہر منکر طلاق ہے، عورت نے جو گواہ ثبوت طلاق میں پیش کئے ہیں، ان کے بیانات کی نقل اور عورت کا بیان اور خط بھی منقول از اصل ارسال ہے،

**بیان محمد یوسف**: میں ایک روپیہ ماہوار کرایہ بیٹھک مرزا جی کا دیتا ہوں، شاید تاریخ ۱۹ یا ۱۸ استمبر ۱۹۲۸ء کو دن کے دو بجے جھگڑا ہوا مدعی مسعود حسن اور ان کی ساس کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا مسعود نے کہا میری عورت کو بھیج دو ساس نے کہا جہلم بعد بھیجوں گی، پھر مدعی نے برقعہ بالی منگوایا میں نے اندر سے لاکر دے دیا، میں نے طلاق کا لفظ نہیں سنا، نہ میرے سامنے کہا، میں اندر بیٹھک ہی میں بیٹھا ہوا تھا، میں مسعود حسن سے دو ہاتھ کے

Marfat.com

فاصلہ پر بیٹھا ہوا تھا، سب لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، بسوال مدعی کے مختار کا جواب دیا، انور خاں اس وقت موجود تھے، یہ میرے چچازاد بھائی ہوتے ہیں، یہ میرے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے، ایک ہاتھ کے فاصلہ پر کرسیاں پڑی ہیں، وہاں بیٹھے تھے، ان کی ساس نے برقع دبالی لادی، وہ میں نے مدعی کو دے دی، مدعی خاکی ڈریس پہنے ہوئے تھا،

بیان انور خاں کی ایہ داد:- مدعی نے اپنی ساس سے کہا میں اپنی عورت لے جاؤں گا اسے بھیج دو اس نے کہا چہلم ہو جانے دو لے جانا، مدعی نے کہا میں ضرور لے جاؤں گا، تم کو بھیجنا ہوگا، اس نے کہا، بغیر چہلم ہوئے میں نہیں بھیجوں گی، اس بات پر جھگڑا ہو رہا تھا، مدعی نے کہا، میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، پانچ چھ دفعہ یہ لفظ کہے اور کہا تم ساری عمر اپنے گھر رکھو، یہ لفظ مدعی نے تیزی میں آکر کہے تھے،

بیان خدا بخش:- مدعی نے کہا ساری عمر رکھو، میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، میرے کپڑے دیدو یہ لفظ تین چار دفعہ طلاق کے کہے،

بیان نجیب الدین:- مدعی نے کہا کہ تو نہیں بھیجے گی، تو میرے کام کی نہیں ہے، میں چھوڑ چکا دو تین دفعہ یہ کہا اور اپنا مال مانگا،

بیان امیر:- مدعی نے چار دفعہ کہا، طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی،

بیان ھیتو:- پھر مسعود نے کہا، میں نے طلاق دی، ساری عمر رکھو، تین چار دفعہ تیزی میں آکر یہ لفظ کہے،

بیان جمیلہ بیگم:- خط جو مسعود حسن نے حضور کو دکھایا وہ مجھے دکھایا، میں نے دیکھا، یہ خط میرے ہاتھ کا ہے یہ خط مجھے یاد نہیں کس کو لکھا ہے، خط کی عبارت میرے ہاتھ کی نہیں ہے، مگر میں ایسا ہی لکھتی ہوں، میں نے خط کو غور کر کے دیکھ لیا ہے، میرے ہاتھ کا نہیں ہے قرآن شریف کی رو سے کہتی ہوں، میرے ہاتھ کا نہیں ہے، نہ اس پر میرے ہاتھ کے دستخط ہیں، میں نے چھ ٹکڑے کاغذ کے جو مجھے دکھلائے ہیں، یہ بھی میرے ہاتھ کے نہیں ہیں، میں نے اپنے شوہر کو کبھی خط نہیں لکھا، عرضی دعویٰ مختار نامہ کو دیکھا، ان پر میرے دستخط ہو رہے ہیں، میرے ہاتھ کے ہیں، میں نے اپنے خاوند سے کہا تھا، میرے بھائی کا چہلم ہو جائے گا، اس کے بعد میں تمھارے گھر آؤں گی، اس کے دوسرے دن پھر میرا خاوند آیا، اور بیٹھک میں رہا اندر سے نہیں آنے دیا، لڑائی جھگڑا ہوا، میری والدہ نے

Marfat.com

یہ کہا جب چالیسواں ہو جائے گا جب بھیجوں گی، بسوال عدالت جواب دیا، میرے خاوند نے کہا جب تم آتی ہو لڑائی جھگڑا ہوتا ہے، تم پتر بالی واپس کردو، میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، اب اپنے خاوند کے ساتھ ہرگز جانا نہیں چاہتی، کیونکہ مجھے طلاق دئے گئے، مفصل جواب عنایت ہو کہ ان بیانات سے شرعاً طلاق ہوگی یا نہیں، بینوا توجروا،

**الجواب**:۔ اللّٰھم بک نستعین، مفتی کا کام صورت مستفسرہ کا جواب دینا ہے، اب رہا کہ واقعہ کی تحقیق کرنا کہ اس صورت معاملہ میں کیا واقعہ ہے، یہ مفتی سے متعلق نہیں، بلکہ یہ کام قاضی کا ہے، وہی واقعات کی تحقیق کرتا ہے اور جیسا گواہوں سے ثابت ہو اس کے موافق فیصلہ کرتا ہے، اور اس سوال میں چونکہ کسی خاص صورت کا حکم نہیں دریافت کیا گیا ہے، بلکہ چند گواہوں اور عورت کے بیان پیش کر کے سوال کیا گیا ہے، لہٰذا یہ معاملہ متعلق بقضا ہے، اور فیصلہ کے لئے چند امور کی ضرورت ہے، صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ گواہوں کے بیان پیش کردئے اور اس پر فیصلہ کردیا جائے، سب سے پہلے اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ گواہوں کے متعلق یہ دیکھا جائے کہ آیا یہ اس قابل ہیں یا نہیں کہ ان کی گواہی قبول کی جائے، اگر یہ بات نہ ہو تو ہر جھوٹے دعوی کو جھوٹے گواہوں سے ثابت کیا جاسکتا ہے، تو ایسے فیصلے سے مظلوم کی دادرسی کیا ہوگی، بلکہ ظلم کرنا ہوگا، جن گواہوں کے بیانات بھیجے گئے، ان کے متعلق کوئی ایسی تحریر نہیں ہے جس سے ان کا ثقہ عادل ہونا ثابت ہو، نہ ان کے حالات کی کچھ تفصیل ہے جس سے تبصرہ کیا جاسکے، صرف ایک خدا بخش کی نسبت البتہ اتنا ہے کہ قمار بازی میں اسے سزا ہو چکی ہے، اور اس کا یہ بھی اقرار ہے کہ شراب بھی پیتا تھا، باقی گواہوں کے متعلق کوئی نہ جرح ہے نہ تعدیل سائل کو چاہئے تھا کہ سوالات کی ترتیب درست کرتا تاکہ جواب کے لئے آسانی ہوتی، مگر سوال کرنا معمولی کام نہیں، اسی واسطے فقہاء نے فرمایا ہے کہ، السوال نصف العلم، اور کاغذات بھی بھیجے گئے، تو نامکمل عرضی دعوی جس کا جیلہ بیگم اپنے بیان میں اقرار کرتی ہے، وہ نہیں آیا تاکہ معلوم ہوتا کہ عرضی دعوی اور زبانی بیان میں موافقت ہے، یا مخالفت، شوہر کا نہ تحریری بیان ہے نہ زبانی ان سب امور سے گذر کر جو کچھ ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے اس کے متعلق حکم شرعی ظاہر کیا جاتا ہے، و باللہ التوفیق، خدا بخش چونکہ ایک قمار باز اور شراب خور شخص ہے جس کی توبہ اور اصلاح کار کا کچھ پتہ نہیں ہے، لہٰذا اس کی گواہی مردود، نجیب الدین نے جو الفاظ بیان کئے

Marfat.com

وہ یہ ہیں" تو نہیں بھیجے گی، تو میرے کام کی نہیں میں چھوڑ چکا" اولاً یہ الفاظ اس کے تنہا ہیں، نہ جمیلہ بیگم یہ الفاظ بیان کرتی ہے، نہ کوئی دوسرا گواہ اس کی تائید کرتا ہے۔ دوم یہ لفظ کہ گو نہیں بھیجے گی، ظاہر ہے کہ یہ لفظ مسعود نے اپنی ساس سے کہا ہے، کیونکہ جمیلہ سے اس کے کہنے کے کوئی معنی نہیں، اب اس کے بعد کا جملہ "تو میری کام کی نہیں" اس سے ساس مراد ہے تو ساس کو کہا کرے، اس سے کیا ہوتا ہے اور جمیلہ کو کہا تو اوپر کا کلام اس کے منافی ہے" ان وجوہ سے بھی یہ گواہی قابل اعتبار نہیں، امیر گواہ یہ کہتا ہے کہ طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس نے طلاق دی نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس کو طلاق دی فقط اتنے لفظ کے کہنے پر طلاق کا حکم نہیں دیا جا سکتا، اب صرف دو گواہ انور خاں وہبتو، باقی ہیں، انور خاں کے لفظ یہ ہیں، میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، اور ہبتو کے الفاظ یہ ہیں" میں نے طلاق دی ساری عمر رکھو، تین چار دفعہ تیزی میں آکر یہ لفظ کہے، ان دونوں کے الفاظ بھی مختلف ہیں اور یوسف گواہ وہیں موجود ہے، وہ یہاں تک دخیل ہے کہ برقعہ اور بالیاں وہی لاکر دیتا ہے، اور تمام واقعات اس کے سامنے ہوئے ہیں، وہ الفاظ طلاق سے بالکل انکار کرتا ہے تعجب ہے کہ مسعود دو ہاتھ کے فاصلہ پر رہے، سب طلاقیں سنیں اور یوسف نہ سنے حالانکہ یہ گواہ بیان کرتے ہیں کہ کئی مرتبہ یہ لفظ کہے، انور خاں اور ہبتو اگر فرض کیا جائے کہ متفق اللفظ ہوں، جب بھی ان دونوں نے جو لفظ بیان کئے، ان میں یہ نہیں کہ کس کو طلاق دی، بلکہ خود جمیلہ بیگم کے بیان میں بھی یہ تصریح نہیں، اور ظاہر یہ ہے، کہ شوہر طلاق سے منکر ہے، ورنہ گواہوں سے ثابت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور حکم وقوع طلاق کے لئے اضافت ضرور ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے، لوقال ان خرجت یقع الطلاق اولا تخرجی الاباذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لم یقع لترکہ الاضافۃ الیہا۔ لہٰذا اگر یہ قول ثابت بھی ہو تو جب تک شوہر سے اضافت کا ثبوت نہ ہو وقوع طلاق کا حکم نہ دیں گے، مسماۃ جمیلہ بیگم کے بیان کی حاجت بھی قابل توجہ ہے، اولاً اس تحریر کا صاف اقرار کرتی ہے، جس میں اس کے بھائی وغیرہ کی خواہش ہے کہ جدائی ہو جائے، پھر یہ کہتی ہے کہ میرا یہ خط نہیں ہے، مگر میں لکھتی ایسا ہی ہوں، اس سے ترشح ہوتا ہے کہ یہ انکار کسی کے بتانے اور کہنے سے کرتی ہے، خود یہ کچھ نہیں ہے" جیسا کوئی کہتا ہے وہی یہ بھی کہتی ہے، لہٰذا اس کا قول قابل اعتبار نہیں، بالجملہ ان کاغذات کے دیکھنے پر جو نتیجہ میں نے اخذ کیا وہ یہ ہے جو تحریر کیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ:۔** از پراری اسکول ضلع بھاگل پور، مرسلہ جناب عبد الغفور شاہ ماسٹر،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے وطن کو چھوڑ کر آٹھ ماہ سے اپنے سسرال میں سکونت پذیر تھا، بیان کرتا ہے کہ ایک روز میں نے اپنی بیوی کو جو ایک کمرے کے دروازے کی چوکھٹ سے متصل کھڑی تھی، کسی قصور پر چوکھٹ سے ٹکرا دیا، جس کی وجہ سے اس کی پیشانی پر ورم آگیا، یہ کل باتیں میری ساس کے غائبانہ میں ہوئی، دوسرے روز میری ساس نے مجھ سے کہا کہ تم نے اس طرح کیوں مارا، میں نے مارکیا اور کہا کہ تم اپنی لڑکی سے دریافت کرو، لیکن وہ برافروختہ ہو کر مجھ کو سخت سست کہتی رہی اور یہ بھی کہا، مار پیٹ کیوں کرتے ہو، میری بیٹی کو طلاق دے کر میرے یہاں سے نکل جاؤ، اس بات کو سن کر مجھے ایک جنون کی کیفیت طاری ہوئی اور بے ساختہ میرے منھ سے نکل گیا، طلاق، طلاق کہتی ہو تو لو طلاق طلاق جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں، اس وقت میری بیوی دوسرے گھر کے صحن میں بیٹھی کام میں مشغول تھی، جو تقریباً پچیس ہاتھ کے فاصلہ پر ہے زید کے خویش و اقارب اس کے بیان کو سن کر مناسب و ضروری سمجھا کہ اس کی بیوی اور ساس کے بیان کو بھی معلوم کرلیں، چنانچہ ان لوگوں نے جو بیان کیا، اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے، زید کی ساس کا بیان ہے، کہ میری بیٹی کچھ کھا رہی تھی، کہ یکایک میری نظر اس کی پیشانی کے ورم پر پڑی، میں نے اس سے دریافت کیا، یہ پھولن کیسا ہے، لڑکی نے جواب دیا، کواڑ کی چوٹ لگی ہے، ہم نے کہا، اگر چوٹ لگی ہے تو میری قسم کھا کر کہو کہ چوٹ لگی ہے، لیکن بجائے قسم کھانے کے خاموش بیٹھی رہی، اس پر یقین ہوا کہ اس کو اس کے شوہر نے مارا ہے، تو مجھ کو غصہ آگیا، اور جب زید حویلی کے اندر آیا، تو ہم نے زید کو کہا یہ کیا کمینہ پن ہے، کوئی اپنی بیوی کو اس طرح نہیں مارتا ہے، تم یہاں سے نکل جاؤ، یہ سن کر کہا کہ طلاق دیا، طلاق دیا، اس وقت زید کی بیوی اپنے چچا کے مکان کے سائبان میں تھی اور زید اور زید کی ساس دوسرے مکان کے سائبان میں تھی جس کا فاصلہ تخمیناً بیس پچیس ہاتھ تھا، زید کی بیوی کہتی ہے، کہ ہم نے صرف اپنی جگہ سے طلاق، طلاق کی آواز سنی، اور کسی مرتبہ بھی لفظ دیا نہیں سنا، اب اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

**الجواب:۔** زید کا جب یہ بیان ہے کہ اس کی ساس نے کہا کہ میری بیٹی کو طلاق دے کر میرے

Marfat.com

یہاں سے نکل جاؤ۔ اس پر زید نے کہا۔ طلاق۔ طلاق کہتی ہو تو لو طلاق۔ طلاق۔ اگرچہ زید کے ان الفاظ میں اضافت نہیں ہے، اور وقوع طلاق کے لئے اضافت ضروری ہے، مگر چونکہ یہ ساس کے جواب میں کہا، اور اس کی ساس نے یہی کہا تھا کہ میری بیٹی کو طلاق دے کر نکل جاؤ، لہذا زید کے الفاظ کے معنی یہی متعین ہیں کہ تمھاری بیٹی کو طلاق۔ اس بیان سے دو طلاقیں پڑ گئیں، رہا زید کی ساس یا زوجہ کا بیان، اس میں اگرچہ نہ اضافت مذکور ہے نہ کسی سوال کا جواب معلوم ہوتا ہے، کہ اس سے اضافت ماخوذ ہو، اور یہ کلام ضرور محتمل تھا، مگر جب کہ زید کا بیان خود صاف و صریح ہے، تو دیگر بیانوں کی کچھ حاجت نہیں۔ البتہ ان دونوں کے بیانوں میں لفظ طلاق تین مرتبہ ہے، لہذا اگر زید تین بار کا اقرار کرے یا گواہوں سے تین بار لفظ طلاق ثابت ہو تو تین طلاقیں ہوں گی، ورنہ دو طلاق میں تو کلام ہی نہیں، پھر اگر تین بار کہنا ثابت ہو، جب تو وہ عورت نکاح سے نکل گئی، اور بغیر حلالہ زید کے نکاح میں نہیں آسکتی اور اگر دو ہی بار کہا ہے تو رجوع کرسکتا ہے، اور آئندہ کے لئے صرف ایک طلاق کا مالک رہے گا، کہ ایک طلاق دینے سے مغلظہ ہو جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ مولوی عبد العظیم صاحب از گوری پور ضلع چوبیس پرگنہ، ۸ محرم الحرام ۱۳۴۹ھ

باپ اپنے جوان آوارہ بیٹے کی فہمائش کرتا ہے کہ تم اپنی بیوی کی خبر گیری کرو، اس کے نان و نفقہ کا انتظام کرو۔ بیٹا جواب دیتا ہے کہ میرا نکاح ہی نہیں ہوا یا یہ کہ مجھے معلوم ہی نہیں۔ میں جانتا ہی نہیں کہ میرا نکاح ہوا ہے اور فلاں میری بیوی ہے، باپ نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر تم طلاق دیدو لڑکے نے جواب میں کہا، طلاق۔ طلاق، طلاق، بس صرف لفظ طلاق تین مرتبہ کہا، نہ اس نے اس کی نسبت و اضافت کسی طرف کی نہ کسی نے اس سے پوچھا، آیا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اگر واقع ہوئی تو کس لفظ سے اور کون سی؟

**الجواب:** انکار نکاح یا نکاح سے ناواقفیت کے اظہار سے طلاق نہیں پڑتی، اگرچہ یہ الفاظ بہ نیت طلاق کہے، فتاوی عالمگیری میں ہے، وان قال لم اتزوجک ونوی الطلاق لایقع الطلاق بالاجماع کذا فی البدائع ولو قال مالی امرأة لایقع وان نوی، البتہ بعد میں جو اس نے سوال کے جواب میں طلاق، طلاق، طلاق کہا، اس سے طلاق ہو جائے گی، اگرچہ شوہر کے الفاظ میں اضافت نہیں، مگر طلاق واقع ہوگی، کہ صریح اضافت وقوع طلاق کے لئے ضرور نہیں، رد المحتار میں ہے، قولہ بترکہ الاضافۃ ای المعنویۃ فانھا الشرط، چونکہ اس کے باپ نے

Marfat.com

اس کی عورت کے نفقہ کے متعلق کہا تھا جس پر اس نے نکاح سے انکار کیا، پھر اس نے کہا ایسا ہے تو طلاق دیدو جس کا مطلب یہی ہے کہ اس عورت کو طلاق دے دو، اس کے بعد اس کا یہ لفظ کہنا، اس کے یہی معنی ہیں کہ اس عورت کو طلاق ہے، لہذا طلاق ہوگئی، پھر اگر وہ عورت مدخولہ ہے، تو تین ہوئیں، اور غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق سے بائن ہوگئی، باقی دو بیکار گئیں، صورت اولیٰ میں حلالہ کی ضرورت ہے صورت دوم میں نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ الطاف حسین متولی مسجد کاس گنج، محلہ نواب گلی، نیاریان، ۲۲ رشوال المکرم ۱۳۶۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو غصہ کی حالت میں لفظ طلاق کو تین مرتبہ استعمال کیا، جس میں زید بالقسم کہتا ہے کہ میں نے شروع میں لفظ میں اور آخر میں لفظ تجھ کو یا تجھے (یعنی میں نے طلاق دی تجھ کو یا تجھے) استعمال کرنے سے اجتناب کیا، اور صرف لفظ طلاق طلاق طلاق، تین مرتبہ بھاگتے ہوئے کہا، زید کی بیوی بھی، اس کی تصدیق کرتی ہے، اور فریقین اس رشتہ کے قائم رکھنے کے متدعی ہیں، ہندہ اپنے بھائیوں کے یہاں ہے، اور زید کے ہمراہ بھیجنے سے اس وقت تک منکر ہیں، جب تک ان کو شریعت مطہرہ سے ثبوت نہ ملے، لہذا جواب باصواب سے مطلع فرمائیں، کہ ایسی صورت میں ہندہ اور ہندہ کے عزیزوں کو کیا کرنا چاہئے، بینوا توجروا،

**الجواب:** طلاق واقع ہونے کے لئے اپنی عورت کی طرف اضافت ضروری ہے، درمختار میں ہے ولم یقع لترکہ الاضافۃ الیہا، مگر اضافت کا لفظ میں ہونا ضروری نہیں، مثلاً تجھ کو یا تجھے طلاق ہے، یا اس کا نام لے کر کہا کہ اسے طلاق ہے، بلکہ اضافت اگر لفظوں میں نہ ہو، مگر شوہر کی نیت اور مراد میں ہو جب بھی طلاق ہو جائے گی، ردالمحتار میں ہے، ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ لمافی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ، لہذا صورت مستفسرہ میں اگرچہ زید کے کلام میں صراحۃً عورت کی طرف اضافت مذکور نہیں، مگر اس کہنے سے اگر اس کی مراد اپنی زوجہ کو طلاق دینا ہے تو اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی، اور اگر یہ مراد نہ ہو تو وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مسئولہ عثمان خاں، بھیکہ پور، ۱۹ رذی الحجہ ۱۳۶۰ھ،

بخدمت علمائے دین متین معروض ہے کہ ایک مرد مسلمان ایک عرصہ سے مع اپنے اہل وعیال اپنی سسرال

Marfat.com

میں مقیم تھا، اتفاق سے آپس میں جھگڑا ہوا، نوبت مار پیٹ کی آگئی. لوگ جمع ہوگئے، چند اشخاص کے سامنے کہ
اس نے کہا، میں نے طلاق دی اور کہہ کر اپنی سسرال سے اپنے قدیمی مکان چلا گیا اور بھی بھاوج سے جاکر
میں طلاق دے آیا ہوں، تم چل کر میرا سامان لے آؤ، شام کو اسی دن مع اپنی بھاوج کے آکر سامان لے گیا
کو تیسرے دن اپنے والد سے جاکر کہا کہ میں قصہ ختم کر آیا، یعنی طلاق دے آیا، اب سوال یہ ہے کہ ایسی صو
میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

**الجواب:** سوال میں اول سے آخر تک کہیں بھی عورت کی طرف طلاق کی اضافت کا ذکر نہیں، یعنی نہ عورت
کا نام ہے نہ ضمیر ہے نہ یہ کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دی، اگرچہ قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مراد
ہے، مگر ذکر نہ ہونے سے ایک اشتباہ پیدا ہوتا ہے، پھر اگر مراد مطلق نے ذکر کیا ہے، مگر لکھنے میں رہ گئی ہے، جب
تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اگر واقع میں شوہر نے اضافت ذکر نہ کی ہو، تو اس کی نیت دریافت کی جائے، اگر
اس کی مراد اپنی زوجہ ہی ہے، جب بھی تین طلاق کا حکم ہوگا، اور اگر حلف کے ساتھ کہے کہ اپنی زوجہ کو مراد نہیں
لیا، تو حکم طلاق نہیں دیا جائے گا، درمختار میں ہے، لو قال ان خرجت یقع الطلاق او لا تخرجی الا باذنی فانی حلف
بالطلاق لم یقع لترکہ الاضافۃ، ردالمحتار میں ہے، ای المعنویۃ فانھا معتبرۃ والخطاب من الاضاف
المعنویۃ وکذا الاشارۃ نحو ھذہ طالق وکذا نحو امرأتی طالق وزینب طالق، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** ۱۳۶۶ آمدہ از منگل ڈی، ضلع درانگ آسام، مرسلہ محمد سعید ولد عبدالرحمٰن، ۴ ربیع الاول
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ میرے دانت میں درد ہے، تو میر
لئے دوا گرم کر کے لاؤ، عورت نے جواب دیا جب میں بیمار تھی، تو میرے لئے کوئی تدبیر نہیں کی، اس بات میں
دونوں کا مخاصمہ ہوا شوہر غصہ میں آکر عورت کو زدوکوب کیا، پھر جاکے بستر پر بیٹھا، اور کہا، ایک طلاق، دو طلا
تین طلاق، جاؤ، عورت کی طرف نہ اضافت کی نہ اسناد بعض یہ کہتے ہیں کہ اخیر میں لفظ جاؤ ہے، اسے اسناد ثابت
ہوتا ہے کہ نیت اس کی یہی ہے، اور بعض کہتے ہیں، اسناد نہیں۔ اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** طلاق واقع ہونے کے لئے اضافت ضروری ہے، خواہ صراحۃً ہو یا دلالۃً شوہر نے اگر ان
الفاظ سے اپنی اسی عورت کو طلاق دینے کی نیت کی ہے، جب تو طلاق واقع ہوجائے گی، ورنہ نہیں، جاؤ کے

Marfat.com

لفظ سے جو عورت کو خطاب کیا ہے، اس سے یہ ثابت نہیں کہ طلاق بھی اسی عورت کے لئے ہے، زید اگر قسم شرعی کھاکر اپنی نیت کا حال بیان کردے گا کہ میں نے ان الفاظ سے اپنی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا، تو وقوع طلاق کا حکم نہیں دیں گے، اگر جھوٹ کہے گا تو وبال اس پر رہے گا، ہندیہ و خلاصہ میں ہے، رجل قال لامرأته اگر تو زنان منی سہ طلاق مع حذف الیاء لایقع اذا قال لم انو الطلاق لانہ لما حذف فلم یکن مضیفا الیہا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# غیر مدخولہ کا بیان

**مسئلہ:** مسئولہ عبدالکریم، محلہ بانس منڈی بریلی، ۵ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بالغہ لڑکی کا جس کی عمر اٹھارہ سال ہے، ایک بالغ شخص کے ساتھ جو صاحب عقل ہے اور کسی قسم کا دماغی فتور نہیں ہے۔ عرصہ ایک ماہ ہوا کہ عقد ہوا دختر کی ہنوز رخصت نہیں ہوئی ہے کہ بلا کسی جھگڑا اور تنازع کے دختر کا شوہر اپنے خسرال کے دروازہ پر آیا اور چند اشخاص اور چند مستورات کے روبرو بالاعلان تین چار مرتبہ اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کئے، کہ میں نے اپنی زوجہ کو دختر عبدالعزیز کو طلاق دی، ایسی صورت میں نکاح درست رہا، یا نہیں، اگر نہیں رہا تو پھر دوبارہ نکاح کی کیا صورت ہے؟ —

**الجواب:** چونکہ عورت غیر مدخولہ ہے، لہذا ایک طلاق بائن واقع ہوئی اور باقی الفاظ لغو اور

---

ف یعنی یہ تو طے ہے کہ جاؤ، کہ مخاطب اس کی بیوی ہی ہیں اس نے اپنی بیوی ہی سے کہا ہے کہ، جاؤ، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے پہلے جو طلاق طلاق کہا ہے، یہ بھی اپنی بیوی ہی کے لئے کہا ہے، اس کا احتمال ہے کہ بیوی کی طرف اضافت کی نیت کے بغیر طلاق طلاق بولا ہو، اس لئے بعد میں 'جاؤ' کہنے سے قطعی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پہلے جو طلاق طلاق بولا ہے، وہ بھی اپنی اس بیوی ہی کے لئے بولا ہے، ہاں اس کا احتمال ہے کہ اس نے طلاق اپنی بیوی کے لئے کہا ہو، اسی لئے مدار حکم قسم پر رکھا گیا۔ "جاؤ" کنایات طلاق سے ہے، اس سے بھی طلاق واقع ہونے کے لئے نیت شرط ہے، تنویر الابصار میں ہے فنحو اخرجی واذھبی وقومی یحتمل ردا، تتوقف الاقسام الثلثۃ تاثیرا علی نیۃ وفی الغضب الاولان وفی مذاکرۃ الطلاق الاول فقط دای مایحتمل ردا) جب شوہر بقسم یہ کہدے گا کہ ان الفاظ سے میری نیت طلاق کی نہیں تھی، تو طلاق واقع نہ ہوگی، اس میں 'جاؤ' بھی داخل ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

عورت پر عدت بھی نہیں، درمختار میں ہے، وان فرق بوصف او خبر او جمل او بعطف او غیرہ بانت بالاولی لاالی عدۃ و لذا لم تقع الثانیۃ بخلاف الموطؤۃ حیث یقع الکل، اب عورت کو اختیار ہے جہاں چاہے نکاح کرلے اور اگر اسی شوہر سے پھر نکاح کرنا چاہتی ہے تو دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے اور حلالہ کی حاجت نہ ہوگی، کہ حلالہ کی ضرورت تین طلاق کے بعد ہے اور یہاں ایک ہی واقع ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# کنایہ کا بیان

**مسئلہ:** مسئولہ محمد مطلوب علی حنفی غازی پور، ۲۷ر شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ زید کی زوجہ ہے اور وہ دین و ایمان کی قسم کھاکر کہتی ہے کہ اس کے شوہر نے اس کو سناکر اور اس سے مخاطب ہوکر برہمی کی حالت میں تین تین چار چار مرتبہ سے زیادہ فقرات ذیل زبان سے ادا کئے، ہم سے یہ معاملہ (مراد عقد نکاح) نہیں نبھ سکتا، ہم خوشی سے کہتے ہیں کہ اس بات کا فیصلہ ہوجاتا تو بہتر تھا یہ تعلق طے ہوجاتا تو اچھا تھا، ہم دین و ایمان سے کہتے ہیں کہ یہ معاملہ طے ہوجائے تو بہتر ہے، کوئی اس کو طے کرادے تو اچھا ہے۔ مفت میں میری جان آفت میں پڑی ہے، ہم کو لوگوں نے آفت میں ڈال دیا ہے، ہم خدا اور رسول کی قسم کھاکر کہتے ہیں کہ ہم سے یہ تعلق نہیں نبھ سکتا، ہم کو مجبور کرکے کیا گیا ہے، ہم تو چاہتے ہیں کہ اس بات کی چھوڑ چھوڑیا ہوجائے تو اچھا ہے، ہم سامنا کرنا نہیں چاہتے ہیں، تم ہمارے پاس سے ہٹ جاؤ، چلی جاؤ، دور ہوجاؤ، ہم کو تمھاری صورت سے نفرت ہے، ہم تمھارا سامنا نہیں کرنا چاہتے ہیں، بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ تم دور رہا کرو، ہمارے قریب نہ آیا کرو، خدا کے واسطے دور رہا کرو، ہٹ جاؤ، ہم سے تم سے کوئی تعلق نہیں، کوئی واسطہ نہیں، تم ہماری کوئی نہیں ہو، نہ ہم تم کو کچھ سمجھتے ہیں کہ تم کون ہو، ہم کو تمھاری ہر بات سے نفرت ہے، بولی، بات چال چلن صورت سب سے نفرت ہے، ہم چاہتے ہیں کہ علٰحدگی ہوجائے تو بہتر ہے، تم ہمارے پاس نہ آیا کرو، تمھاری صورت سے غصہ آتا ہے، میں نے تم کو طلاق دیا، میں نے تم کو طلاق دیا، میں نے تم کو طلاق دیا، فقرات بالا ایک ہی جلسہ میں نہیں، بلکہ متعدد جلسوں میں جزواً و کلاً ادا کئے گئے ہیں، اور انھیں الفاظ کو سن کر ہندہ

Marfat.com

اپنے کو مطلقہ سمجھ کر دو تین مہینوں سے اپنے شوہر سے علٰحدہ ہو گئی ہے، ایسی حالت میں ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اگر طلاق واقع ہوئی تو دین مہر شوہر کے ذمہ واجب الادا ہے، یا نہیں، اور اب تک سسرال سے جو نئے یا پرانے کپڑے آئے، جس میں سے کچھ پھٹ گئے اور کچھ باقی ہیں، یا جو زیورات سسرال سے اس کو ملے ہیں ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** ابتدا کے بہت سے الفاظ ڈرانے دھمکانے کے ہیں، پھر ان کے بعد چند الفاظ کنایات سے ہیں، مگر آخر کے الفاظ صریح طلاق ہیں، لہٰذا صورت مستفسرہ میں بلاشبہ تین طلاقیں ہو گئیں، اب اگر مدخولہ ہے یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہے اور ظاہر سوال سے یہی ہے تو پورا مہر واجب الادا، ہدایہ میں ہے، ومن سمی مھرا عشرۃ فما زاد فعلیہ المسمی ان دخل بھا او مات عنھا، اور اگر خلوت صحیحہ نہ ہوئی تو نصف مہر لینے کی عورت مستحق ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے، وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم، کپڑے یا زیور جو سسرال سے آئے ہیں، ان میں بنائے کار عرف پر ہے، اگر اس شہر یا قوم میں بطور تملیک دیتے ہیں تو ان کی مالک عورت ہے، یوں ہی اگر صیغہ تملیک کہا، مثلاً مالک کر دیا، یا دے دیا جب بھی عورت ہی مالک ہے، اور اگر رواج یہ ہو کہ صرف پہننے کے لئے دیتے ہیں اور ملک شوہر یا اعزۂ شوہر کی ہوتی ہے یا دیتے وقت اس کی تصریح کر دی ہو تو عورت کی ملک نہیں، بلکہ دینے والے کی ملک میں ہے اور عورت کے پاس بطور عاریت ہے اور اس صورت میں ان میں سے جو کچھ قبل طلاق تلف ہو گیا، مثلاً چور لے گیا، گر پڑا دولھن کے پہننے برتنے میں ٹوٹا بگڑا، خراب ہو گیا، بشرطیکہ وہیں تک اپنے استعمال میں لائی ہو، جہاں تک کے پہننے پر عرفاً رضامندی سمجھی جاتی ہو تو دولھن پر تاوان نہیں، فان العواری لاتضمن بالھلاک من غیر تعد کما فی التنویر، عالمگیری میں ہے، اذا انتقص عین المستعار فی حالۃ الاستعمال لایجب الضمان بسبب نقصان اذا استعملہ استعمالاً معھودا، اور اگر خلاف عرف و عادت بے طوری سے پہننے میں خراب کیا یا بے احتیاطی سے گنوا دیا یا بعد طلاق اپنے گھر لائی اور یہاں کسی طرح تلف ہو گیا تو تاوان دینا پڑے گا، جامع الفصولین میں ہے، لوکانت العاریۃ موقتۃ فامسکھا بعد الوقت مع امکان الرد ضمن وان لم یستعملھا بعد الوقت ھو المختار سواء توقتت نصا او دلالۃ، اور ظاہر کہ یہ عاریت عرفاً اسی وقت تک

Marfat.com

کے لئے ہے، جب تک تفریق مابین الزوجین نہ ہو۔ لہٰذا واپس دینا واجب، لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر شق اول پائی جاتی ہے، تو کپڑے اور زیور سب عورت کے ہیں، شوہر کا اس میں کچھ حق نہیں، اور اگر شق ثانی متحقق ہے تو جو موجود ہیں واپس دے اور جو پھٹ گئے ان میں دو صورتیں ہیں، اگر بطور معتاد پہنے تو کچھ نہیں ورنہ تاوان دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ طفیل احمد خاں، سوداگر، ساکن حسن پور، ۱۰ر شوال ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے غضب کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا، کہ اب میں تجھ کو رکھنا نہیں چاہتا، تو میرے یہاں سے چلی جا، تو میری ماں ہے، تو میری ماں ہے، تو میری ماں ہے، تو میری بہن ہے، تو میری بہن ہے، تو میری بہن ہے، تیرا میرا کچھ واسطہ نہیں تو اس حالت میں اس پر طلاق پڑ گئی یا نہیں، اور اس کو اپنے پاس کس صورت سے رکھ سکتا ہے؟

**الجواب:** یہ لفظ کہ "میں تجھے رکھنا نہیں چاہتا"، الفاظ طلاق سے نہیں، بلکہ ایک قسم کی دھمکی ہے اور نہ رکھنے کا ارادہ ہے، اور ارادۂ طلاق، طلاق نہیں، یوں ہی تو میری ماں ہے، تو میری بہن ہے، یہ بھی الفاظ طلاق سے نہیں، ہاں اس کہنے سے گنہگار ہوا کہ اس کی ممانعت آئی، درمختار میں ہے، ویکرہ قولہ انت امی، ہاں یہ لفظ کہ تو میرے یہاں سے چلی جا، الفاظ کنایہ سے ہے، اگر بہ نیت طلاق کہا، ایک طلاق بائن ہو گئی، یہ لفظ کہ "تیرا میرا کچھ واسطہ نہیں"، بھی الفاظ کنایہ سے ہے، کہ بمعنی قطع تعلق بکثرت مستعمل ہے، مگر چونکہ بائن کے بعد ہے، لہٰذا اس سے جدید طلاق واقع نہ ہوگی، درمختار میں ہے، لا یلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخبارا عن الاول، صورت مستفسرہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوئی، اگر بہ نیت طلاق کہا، اب اگر اس عورت کو رکھنا چاہتا ہے، تو نکاح کرلے، حلالہ کی ضرورت نہیں، وہو تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ اراکین انجمن اصلاح القوم قصبہ گھوسی، محلہ بیسواڑہ، ضلع اعظم گڈھ، ۱۵ر شوال ۱۳۴۱ھ

کیا ارشاد فرماتے ہیں رہنما، صراط مستقیم اس مسئلہ میں کہ ایک عورت سے اس کا شوہر دو برس سے بالکل بے تعلق ہے، اور اس دو برس کے اندر نہ تو اس نے طلب کیا اور نہ یہ اس کے پاس گئی اور ادھر ادھر پھرتی رہی، بعدہ اس نے اپنا عقد کر لیا، چونکہ اس کی و نیز اس کے شوہر کی حقیقت سے واقفیت نہیں، اس لئے

Marfat.com

محض اس عورت کے بیان پر نکاح کر دیا گیا، لہذا عورت کا بیان درج ذیل کر کے دریافت طلب ہے کہ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اور یہ نکاح صحیح ہو گا یا نہیں، بیان عورت حسب ذیل ہے،

مجھ کو میرے شوہر نے محض یہ کہہ کر نکال دیا کہ تم میرے گھر سے چلی جاؤ، لہذا اس کے گھر سے چلی آئی، اور نکالنے کے وقت سوا اس لفظ مذکورہ بالا کے اور کچھ نہیں کہا، نکالنے کا سبب یہ ہوا کہ برادری میں کوئی جھگڑا تھا، پس ایسی صورت بالا کی رو سے از روئے شرع شریف کیا حکم ہو سکتا ہے، بینوا توجروا،

**الجواب:** شوہر کا یہ لفظ کہ "تم میرے گھر سے چلی جاؤ" طلاق کنایہ سے ہے، اگر اس لفظ سے شوہر نے طلاق کی نیت کی تھی، تو ایک طلاق بائن واقع ہوئی، ورنہ کچھ نہیں، بغیر دریافت نیت شوہر نکاح نہیں کیا جا سکتا فتاوی خیریہ میں ہے، لایقع علیہ الطلاق الا اذا نوی لا بقولہ روحی لان روحی مثل اذھبی کما صرح بہ صاحب البحر، اور چونکہ یہ لفظ محتمل رد ہے، لہذا غضب بلکہ مذاکرۂ طلاق کے وقت بھی بغیر نیت اس سے طلاق واقع نہ ہو گی، تنویر الابصار میں ہے، فنحو اخرجی واذھبی وقومی یحتمل ردا، پھر فرمایا، فتتوقف الاقسام الثلثۃ علی نیۃ وفی الغضب الاولان وفی مذاکرۃ الطلاق الاول فقط، واللہ تعالی اعلم،

**مسئلہ:** مرسلہ کلن خاں جمعدار صفائی نجیب آباد ضلع بجنور، ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کہ زید اپنی بیوی سے جو اپنے والدین کے گھر ملنے کے لئے آئی ہوئی تھی، کہا اپنے گھر چلو اس پر اس کی بیوی اور والدین نے کہا کہ دو ایک روز ہم چھوڑ دیں گے، پس اتنا کہنے پر زید درہم برہم ہو کر بولا، میں تم کو تھوکتا ہوں، اور میں تم کو ہمیشہ کے لئے آزاد کرتا ہوں اب میں تجھ کو کبھی اپنے گھر نہیں لے جاؤں گا، میں اپنے عمر بھر تم سے کلام بھی نہیں کروں گا، اگر تم سونے کی بھی بن کر دکھائی دو، تو بھی میں تم کو نہیں دیکھوں گا، بس میں نے تم کو تھوک دیا، یہ کلمات اس نے مکرر سہ کرر کہے، چند دفعہ چند مستورات کے روبرو، اور یہ بھی کہا کہ میں شادی کا اپنا دوسرا انتظام کر لوں گا، اور تم اب عمر بھر اپنے والدین کے یہاں رہو، کیا ان الفاظ سے عورت مطلقہ ہو سکتی ہے، اگر ہو سکتی ہے تو بروئے قرآن و حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مطلع فرمائیں؟

**الجواب:** زید نے جو یہ الفاظ استعمال کئے، "میں آزاد کرتا ہوں" کنایۂ طلاق ہے، اگر بہ نیت

Marfat.com

طلاق کہے، تو بائن طلاق واقع ہوئی، بلکہ اگر نیت طلاق نہیں کی جب بھی اس لفظ سے اس حالت میں طلاق واقع ہو گی کہ یہ لفظ نہ محتمل رد ہے، نہ سب اور حالت حالت غضب ہے، لہذا نیت پر توقف نہیں، درمختار میں کنایہ کی قسم ثالث یہ بیان کی، نحو اعتدی و استبرئی رحمک انت واحدۃ انت حرۃ لا یحتمل الرد والسب پھر فرمایا، وفی الغضب توقف الاولان (ای علی النیۃ) ان نوی وقع والا لا، ردالمحتار میں ہے، بخلاف الفاظ الاخیر ای ما یتعین للجواب لانہا وان احتملت الطلاق وغیرہ ایضًا لکنہ لما زال عنہا احتمال الرد والتبعید والسب والشتم اللذین احتملہما حالۃ الغضب تعینت الحال دالۃ علی ارادۃ الطلاق فترجح جانب الطلاق فی کلامہ ظاہرا فلا یصدق فی الصرف عن الظاہر فلذا وقع بہا قضاء بلا توقف علی النیۃ کما فی صریح الطلاق اذا نوی بہ الطلاق عن وثاق، عالمگیری میں ہے، ولو فی حرۃ او اعتق مثل انت حرۃ کذا فی البحر الرائق، اور اس کے بعد کے الفاظ یعنی اپنے گھر نہیں لے جاؤں گا، تم سے کلام بھی کروں گا، تم کو نہیں دیکھوں گا، یہ الفاظ کنایہ سے نہیں اور ہوتے بھی تو ان سے طلاق نہ ہوئی کہ یہ محض وعدے ہیں، یوں ہی یہ کہ میں نے تم کو تھوک دیا، کنایہ نہیں، عالمگیری میں ہے، ص ۴۰۱، امرأۃ قال لہا زوجہا انا استنکف عنک فقالت المرأۃ کالبزاق فی الفم فان کنت تستنکف عنہا فارم بہا فقال الزوج تف تف رمی بالبزاق وقال رمیت ونوی بہ الطلاق لا تطلق، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از سکندر پور، ضلع بلیا، مرسلہ نور علی شاہ، ۱۰ رشعبان ۱۳۴۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یوسف شاہ اور ان کے خسر مہرن شاہ میں بسلسلہ رخصتی تنازع تھا، مہرن شاہ یہ کہتے تھے، میں رخصت نہیں کروں گا، بلکہ یوسف شاہ سکندر پور ہی مکان بنوا کر رہے اور ماہوار کچھ خرچ دیتے رہے تاوقتیکہ مکان تیار ہو جیسا کہ بوقت نکاح شرط ہوئی تھی، یوسف شاہ خرچ دینے اور مکان بنوانے سے انکار کرتے تھے، آخر کار ان دونوں نے چند مسلمانوں کو جمع کیا، چار مسلمان جمع ہوئے، فریقین نے ان چاروں کو حکم مان لیا اور اقرار کیا کہ یہ جو فیصلہ کریں، ہم کو منظور ہے، ان لوگوں نے یہ حکم سنایا کہ یوسف شاہ اپنی بیوی ظہیرہ کو دس روپیہ ماہوار کے حساب سے چھ ماہ تک خرچ دے اور اس چھ ماہ کے عرصہ میں ایک مکان بنوالے اگر یوسف شاہ نے چھ ماہ تک دس

Marfat.com

روپیہ ماہوار نہ دیا، اور اس عرصہ میں مکان نہ بنوایا تو اس حالت میں ظہیرہ بیوی کو طلاق ہے، یوسف شاہ نے کہا ہم خرچ نہیں دیں گے نہ مکان بنوائیں گے۔ اس کے بعد مجمع نے کہا اب طلاق مکمل ہوگئی، یوسف شاہ نے کہا، طلاق ہی سہی۔ میں نے جو بکس در ونمائی وغیرہ دیا ہے، واپس ملنا چاہئے، چاروں حکم سے بھی بعض نے یوسف شاہ کے انکار پر یہ کہا کہ مکمل طلاق ہوگئی مجمع کے بار بار اس کہنے پر پھر ایک مرتبہ یوسف شاہ نے کہا کہ ہاں مکمل طلاق، مہرن شاہ نے بکس وغیرہ جتنی چیزیں تھیں۔ اسی مجمع میں واپس لاکر دے دیا، اور یوسف شاہ نے لے لیا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا طلاق ہوئی یا نہیں؟

**الجواب:** جو لفظ یوسف شاہ نے پہلے کہے تھے، یعنی طلاق ہی سہی، اس سے طلاق ہونا اس کی نیت پر موقوف تھا کہ یہ لفظ بمعنی فرض کرنے کے مستعمل ہوتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده، فقال الزوج، داده گیر وکرده گیر، اوقال داده باد وکرده باد، ان نوی یقع ویکون رجعیا وان لم ینو لا یقع، مگر دوسری مرتبہ جو یوسف شاہ نے کہا، ہاں مکمل طلاق، اس میں نیت کی حاجت نہیں کہ لفظ بالکل صریح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از قصبہ بچھار پور ڈاکخانہ جنکپور روڈ، ضلع مظفر پور، مرسلہ جناب عبدالعزیز صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جب کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک وقت میں یہ باتیں کہیں، کہ تم کو ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے، تم سے ہم کو کوئی تعلق نہیں ہے تا قیامت تم سے ہم کو کوئی تعلق نہیں ہے، جب یہ الفاظ کہہ چکا تو اس کو یہ خیال ہوا کہ ان الفاظ سے تو میرا نکاح ٹوٹ گیا، اسی بنا پر انھوں نے یہ باتیں کہیں کہ اب تم کو ہم سے پردہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ جیسی غیر عورت ہے، ایسے ہی تم ہو، تمھارے ساتھ ہر کام ناجائز ہے، اگر تمھارے ساتھ وطی کریں تو اولاد حرامی پیدا ہوگی، ہم یہ ناجائز فعل نہیں کر سکتے ہیں، ہم تم کو نہیں رکھیں گے۔ ان الفاظ سے نکاح باقی رہا یا ٹوٹ گیا، از روئے شرع اس کا جواب تحقیق کے ساتھ تحریر فرمادیں؟

**الجواب:** یہ الفاظ جو سوال میں مذکور ہیں کہ ہم کو تم سے کوئی تعلق نہیں، الفاظ کنایہ سے ہیں، کہ اگر بہ نیت طلاق یہ الفاظ کہے، طلاق ہوگی، ورنہ نہیں، مگر اس کے بعد کا لفظ کہ ہم سے پردہ کرنا چاہئے، اس سے

Marfat.com

ظاہر یہ ہے کہ طلاق بائن بلانیت بھی واقع ہو جائے، رد المحتار میں ہے، لوقال استتری منی خرج عن کونہ کنایۃ وھل المراد عدم الوقوع بہ اصلاً او انہ یقع بلانیۃ والظاھر الثانی وعلیہ فھل الواقع بائن او رجعی والظاھر البائن لکونہ قولہ منی قرینۃ لفظیۃ علی ارادۃ الطلاق بمنزلۃ المذاکرۃ تامل، اور بعض دیگر الفاظ بھی طلاق کنایہ کے ہیں، جن سے بشرط نیت طلاق ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** از شکر گڑھ، میواڑ، ضلع جہاز پور، قاضی یعقوب محمد تھانہ دار، ۲۰ شوال ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ زید نے مسمی وزیر خاں کی لڑکی کے ساتھ شادی کی، اس وقت لڑکی کی عمر آٹھ سال کی تھی، اور زید کی عمر چودہ سال کی تھی، لڑکی کے ایام بلوغت سے پہلے ہی زید نے ایک دوسری عورت قوم سے مالن اہل ہنود سے ناجائز تعلق کر لیا، اور شادی شدہ لڑکی وزیر خان کو ایک روز کے لئے بھی اپنے یہاں نہیں لے گیا، اور بعدہٗ اس مالن کو اپنی زوجیت میں لے لی ہے جس سے اولاد بھی ہے،

(۲) والد لڑکی نے زید کے پاس جا کر اپنی لڑکی کو لے جانے یا طلاق دینے کی خواہش کی، جس پر زید نے چند معتبر گواہان کے روبرو ایک نوشت کر دی ہے، جس میں حسب ذیل عبارت درج ہے،

چار مہینے کے اندر اندر تمہاری لڑکی کو میں آکر لے جاؤں گا، اگر اس عرصہ میں نہیں لے جاؤں تو میری طرف سے تمہاری لڑکی کو طلاق سمجھی جاوے، میرا تو میری عورت کی بابت کوئی عذر نہیں، کوئی دعویٰ نہیں اور آپ کی لڑکی کو مہر کا دعویٰ نہیں، اور میرا میری عورت آپ کی لڑکی جنت کے لئے کوئی دعویٰ نہیں، آپ کی مرضی آوے اس کے ساتھ نکاح پڑھا دینا، یہ دستاویز میں نے میری راضی خوشی عقل ہوشیاری سے لکھ دی ہے، جو صحیح ہے، چار ماہ ختم ہو کر عرصہ دراز ہو چکا، ہنوز لڑکی کو نہیں لے گیا،

(۳) اب والد لڑکی اپنی لڑکی کو دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، کیونکہ لڑکی بالغ ہو چکی ہے، سو بروئے شرع شریف حکم فرمایا جاوے، کہ زید کی اس تحریر مندرجۃ الصدر سے طلاق واقع ہو گئی یا نہیں، اور والد لڑکی اب لڑکی کا دوسرے کے ساتھ نکاح کرا سکتا ہے یا نہیں، اگر زید کے کوئی رشتہ دار لڑکی کو دوسرے کے ساتھ نکاح پڑھانے میں کوئی عذر کریں تو ان کا عذر بمقابلہ تحریر زید کے واجب

Marfat.com

ہے یا نا واجب براہ کرم جواب سے آگاہی فرما کر عند اللہ ثواب دارین حاصل فرمائیں؟

**الجواب:** یہ لفظ کہ میرا عورت کی بابت کوئی دعویٰ نہیں، اور یہ کہ اس کے ساتھ نکاح پڑھا دینا یہ دونوں الفاظ کنایہ طلاق سے ہیں، اور پہلے لفظ میں نہ احتمال رد ہے اور نہ گالی کا احتمال ہے، اور دوسرے میں گالی کا احتمال ہے۔ مگر بنیت طلاق یا مذاکرہ طلاق کے وقت شوہر نے یہ لفظ کہے، یا لکھے، تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں، اور یہ لفظ کہ تمھاری لڑکی کو طلاق سمجھی جاوے، اگرچہ اس میں طلاق کا صریح لفظ موجود ہے مگر چونکہ سمجھی جاوے کا لفظ ملا دیا۔ اس وجہ سے یہ لفظ طلاق ہونے سے خارج ہوگیا، اور اس سے طلاق نہیں ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے، امرأۃ قالت لزوجها مر اطلاق بدہ، فقال دادہ انگار او کردہ انگار لا یقع وان نوی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ — ۱۳۲۹ھ

**مسئلہ:** از بمبئی ۹ مرسلہ حلیمہ بی معرفت منشی محمد علی صاحب، مدرس مدرسہ محمدیہ ۲۳ رشوال، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو زد و کوب کیا، اور مکان سے نکال دیا اور کہا کہ چلی جا میرے کام کی نہیں، جماعت کے چار شخص بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں، زوجہ ایسی حالت میں مکان کے روبرو ٹھہری لیکن شوہر نے مکان میں نہیں لیا، تب لاچار ہو کر اپنے والدین کے مکان پر چلی آئی، تین سال گذر گئے کہ مرد اپنی زوجہ کو نہیں بلاتا اور نان نفقہ بھی نہیں دیتا، سوال طلب یہ ہے کہ مرد نے کہا، چلی جا میرے کام کی نہیں، لفظ کنایات ہیں، شرعاً ان الفاظ سے طلاق ہوتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** یہ الفاظ کنایات طلاق سے ہیں، اگر شوہر نے ان سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگئی، واللہ تعالیٰ اعلم،

---

ف اور چونکہ یہاں حالت مذاکرہ ہے، اس لئے طلاق واقع ہوئی، شوہر کا پہلے یہ لکھنا طلاق سمجھی جائے" نیز لڑکی کے باپ کا اپنی لڑکی کے طلاق کا سوال کرنا، حالت مذاکرہ ہے، شامی میں ہے، قولہ او دلالۃ الحال المراد بها الحالۃ الظاہرۃ المفیدۃ لمقصودہ ومنها تقدم ذکر الطلاق بحر عن المحیط، پھر اسی میں نہر سے ہے، المذاکرۃ ان تسأل هی او اجنبی الطلاق۔

واللہ تعالیٰ اعلم، ——

Marfat.com

# تفویض کا بیان

**مسئلہ:** مرسلہ مولوی عبدالحئی سلمہ از ہلدوانی منڈھ، ضلع نینی تال، ۱۵ صفر ۱۳۴۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کا نکاح نابالغی میں اس کی نانی نے بوجہ پرورش کرنے کے کیا۔ اور ہندہ کا باپ نکاح میں شریک نہ ہوا، مگر اس سے انکار ثابت نہ ہوا، بعدہٗ اس کے شوہر مسمیٰ زید نے ہندہ کو تکلیف دینا شروع کیا، بلکہ ایک عورت اور بلا نکاح کے رکھ لیا، ہندہ کو اس کے ورثا نے بوجہ تکلیف دینے کے اپنے یہاں روک لیا، بعدہٗ اس کے شوہر نے ایک تحریر اس مضمون کی دی، کہ اگر اب میں اس کو تکلیف دوں تو ہندہ کو اختیار ہے۔ میرے یہاں رہے یا نہ رہے، اور دوسری داشتہ عورت کو نکال دوں گا، اس اقرار کے بعد ہندہ کے ورثا نے مسمیٰ زید کے یہاں رخصت کر دی، مگر زید نے اقرار سابقہ کے خلاف کیا۔ اور ہندہ کو تکلیف دینے لگا۔ اور دوسری داشتہ عورت کو کبھی نہیں نکالا، ہندہ بوجہ تکلیف دینے کے اپنے ورثا کے یہاں چلی آئی، اور ہندہ حاملہ ہے، مگر زید انکار کرتا ہے، کہ یہ میرا حمل نہیں ہے، ان صورتوں میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے۔ اور ہندہ اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی اور طلاق کا حکم فقط اتنے الفاظ سے نہیں دیا جا سکتا کہ زیادہ سے زیادہ اسے تفویض طلاق کہہ سکتے ہیں۔ اور جب مجلس میں اختیار نہ کیا، تو اب تفویض جاتی رہی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ مہتمم دارالانعام لکھنؤ، ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء

میں کہ ..... ابن ..... قوم ..... ساکن ..... کا ہوں، جو کہ میرا نکاح مسماۃ ..... بنت ..... قوم ..... ساکن ..... کے ساتھ بعوض مہر مبلغ ..... سکہ رائج الوقت کے جس کا نصف مبلغ ..... ہوتے ہیں قرار پایا ہے لہٰذا میں بدرستی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ طائعاً و راغباً مندرجہ ذیل اقرار نامہ لکھتا ہوں، تاکہ میں اس کا پابند رہوں، اور درصورت عدم پابندی مسماۃ مذکورہ کے لئے رہائی کی صورت ہو سکے۔ پس میں اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ تاریخ امروز سے (نکاح کے بعد سے) جب تک وہ میرے نکاح میں رہے

Marfat.com

شرائط مندرجہ ذیل میں سے اگر کوئی ایک شرط بھی پائی جائے اور اس خلاف شرط ہونے کو زید، عمرو، بکر، خالد وغیرہ وغیرہ دس اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی یا دو مستند عالم یا برادری کے دو تعلیم یافتہ معزز اشخاص تسلیم کرلیں، تو مسماۃ مذکورہ کو اسی وقت یا ایک مہینہ کے اندر اندر اختیار کامل حاصل ہوگا، کہ اگر چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرکے اس نکاح سے الگ ہو جائے۔ اور جب کبھی کسی شرط کا خلاف وقوع پذیر ہو تو ہر بار ایک ایک مہینہ کے لئے اختیار حاصل ہوتا رہے گا، (مدت معینہ ایک ماہ کے اندر) طلاق نہ واقع کرنے سے یہ اختیار اس دفعہ کا حق میں سلب ہو جائے گا، اور زوجیت سے علٰحدہ نہ ہو سکے گی، بلکہ پھر دوبارہ کسی شرط کے خلاف ورزی کا انتظار کرے گی اور یہ جملہ شرائط صرف ایک نکاح تک محدود رہیں گے، اور اگر کسی وجہ سے فرصت و علٰحدگی ہو جائے اور نکاح کا اعادہ ہو تو اس کے بعد یہ اختیار کالعدم ہوں گے بلکہ اس وقت جو کچھ دوبارہ طے ہو، اس کے موافق عمل درآمد ہوگا، شرائط حسب ذیل ہیں،

(۱) مسماۃ مذکورہ کے نان و نفقہ کی (موافق عرف عام بحسب حیثیت) ادائیگی میں دانستہ طور پر کوتاہی نہیں کروں گا، عام ازیں کہ اپنے وطن خاص میں رہوں یا بیرون از وطن رہتے ہوئے بھی کبھی ایسا نہ کروں گا، بلا عذر معقول بعد مطالبہ صریحہ بھی مسلسل چار ماہ نہ دوں۔

(۲) موافق حکم شریعت اسلامیہ مسماۃ مذکورہ کو مطیع فرماں بردار رہنے کی حالت میں بلا وجہ معقول زد و کوب کبھی نہ کروں گا،

(۳) مسماۃ مذکورہ سے علٰحدہ وطن سے باہر اس طور پر کبھی نہ رہوں گا کہ مفقود الخبر ہو جاؤں حتی کہ چار سال چھ ماہ مسلسل گذر جائیں،

(۴) اگر متعدد دو سال تک میں عنین رہوں اور حق شرعی معلوم کی ادائیگی سے قاصر رہوں (جس کا فیصلہ دو حاذق طبیب کریں گے، جس کو متذکرہ بالا ہر دو اشخاص بھی تسلیم کریں،)

(۵) خطرناک مرض جنون یا جذام یا برص میں مبتلا رہ کر ناقابل علاج ہو جاؤں،

(۶) بدوں ثبوت شرعی مسماۃ مذکورہ پر زنا کی تہمت نہ لگاؤں گا۔

مذکورہ بالا چھ شرطوں میں سے کسی ایک کے وجود پر اختیار طلاق معلق رہے گا، اس اقرار نامہ کو

Marfat.com

منظور کرتے ہوئے اور لکھوا کر سننے دیکھنے کے بعد آج بتاریخ ..... دستخط کرتا ہوں، ؟

**الجواب:** یہ صورت جو تحریر کی گئی تفویض طلاق کی ہے اور تفویض طلاق کو شرط پر معلق کرنا بھی صحیح مگر قبل از نکاح نہ تفویض طلاق ہو سکتی ہے نہ اس کو قبل از نکاح بغیر نکاح پر معلق کیا جا سکتا، بلکہ ایجاب میں اگر عورت کو طلاق دے لینے کی شرط ذکر کی، اور ایجاب مرد کی طرف سے ہے، جب بھی تفویض صحیح نہیں، ہاں اگر ایجاب عورت کی طرف سے ہے، اور اس میں عورت کو اختیار دینا مذکور ہوا، اور مرد نے قبول کیا تو تفویض صحیح ہے، مثلاً عورت نے یہ کہا کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا، اس شرط پر کہ فلاں صورت میں مجھ کو یہ اختیار ہوگا کہ اپنی طلاق دے دوں، یا عورت کے وکیل نے کہا، میں اپنی مؤکلہ کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ اسے اپنے کو طلاق دینے کا اختیار ہے اور مرد نے قبول کیا تو یہ تفویض درست ہے، درمختار میں ہے، نکحها على ان امرها بيدها صح، ردالمحتار میں ہے، مقيد بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي على ان امرى بيدى اطلق نفسي كلما اريد اوعلى انى طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لاتطلق ولا يصير الامر بيدها كما في البحر عن الخلاصة والبزازية، لہٰذا اس قسم کے اختیارات عورت کو اس وقت حاصل ہوں گے، جب عقد نکاح میں ان شروط کا ذکر ہوا اور ایجاب عورت کی طرف سے ہو، اور اگر قبل از نکاح شوہر نے زبان سے کہا یا کاغذ پر لکھ دیا تو عورت کو طلاق دینے کا اختیار حاصل نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مرسلہ مولوی عبدالعزیز خاں صاحب، زکریا اسٹریٹ، کلکتہ، ۷، صفر المظفر ۱۳۵۹ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی زوجہ کی خبر گیری نہیں لیتا تھا، کئی مرتبہ اس کو ہدایت کی گئی، برابر اقرار کرتا رہا، کہ اب ضرور خبر لیں گے، اگر چھ ماہ یا برس روز خبر نہ لیں تو عورت کو اختیار ہے، طلاق لے لے، ماہ جون میں اس سے ایک اقرار نامہ لکھا گیا اور اس کے دس ماہ بعد عورت نے اپنے اوپر طلاق واقع کر دیا، اور اس کے بھی چند شخص کے سامنے واقع کر کے ایک کاغذ لکھ دیا وہ بھی ذیل میں مندرج ہے، اب صورت مذکورہ میں طلاق ہوئی یا نہیں شوہر اب تک لاپتہ ہے، عورت جوان ہے، نکاح کرنا چاہتی ہے، جواب سے جلد سرفراز فرمایا جائے،

**نقل اقرارنامہ شوہر:** میں ..... ابن ..... ساکن ..... کا رہنے والا ہوں، میں ناکح

Marfat.com

اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا تیسرا مرتبہ ہے، دو مرتبہ زبانی اقرار کیا ہوں، اور یہ تیسری مرتبہ تحریر کرتا ہوں کہ اب میں کہیں بھاگ جاؤں یا سفر میں چلا جاؤں یا کسی طرح اپنی بیوی۔ ۔ ۔ کی خبر گیری نہ کروں یا خورد و نوش نہ دوں چھ ماہ تک آج کی تاریخ سے لے کر تو بعد عدت گذر جانے کے بیوی۔ ۔ ۔ کو اختیار ہوگا کہ اپنے نفس پر تین طلاق بائن واقع کرا سکتی ہے، میرا کوئی دعویٰ و حق بیوی۔ ۔ ۔ پر نہ رہے گا۔ طلاق تفویض کا میں نے اختیار دیا۔ فقط،

**تحریر زوجہ کی طرف سے**:۔ میں کہ مسماۃ بیوی۔ ۔ ۔ ۔ بنت۔ ۔ ۔ ساکن۔ ۔ ۔ ہوں، میرا شوہر مسمیٰ۔ ۔ جس کی زوجیت میں ہوں، مجھ سے الگ ہوتے وقت اقرار نامہ تحریر کر کے گیا ہے، آج سے چھ ماہ تک اگر میں تمہارے خورد و نوش کی خبر نہ لوں، تو تم کو طلاق تفویض کا اختیار ہے اور یہی مذکورہ بالا شرائط متعدد مرتبہ چند میرے عزیز و اقارب کے روبرو زبانی کیا تقریباً دس ماہ کے میرے شوہر مذکورہ کو مجھ سے الگ ہوئے ہوتا ہے، نہ تو اب تک اس نے میری خبر لی اور نہ نان و نفقہ ہی بھیجا، لہذا اس کے دیئے اختیار کے بموجب مذکورہ ذیل گواہوں کے سامنے اپنے اوپر تین طلاق بائن واقع کرتی ہوں، اور اس مضمون کو لکھوا کر انگوٹھے کا نشان کر دیتی ہوں کہ سند رہے اور وقت پر کام آئے۔ اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں، اور عورت عدت گذر جانے کے بعد نکاح کر سکتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

**الجواب**: صورت مذکورہ میں کہ شوہر نے عورت کو تفویض طلاق کی ہے، اس تفویض سے عورت اپنے کو صرف اسی مجلس میں طلاق دے سکتی ہے، جس میں یہ شرط پائی گئی، کیونکہ تفویض کی وجہ سے طلاق دینا مجلس تک محدود رہتا ہے، مگر جب کہ عموم کا کوئی لفظ ہو، یا اس کے لئے کوئی وقت مقرر کر دیا ہو، عموم کی صورت یہ ہے کہ یہ کہہ دیتا کہ جب کبھی وہ چاہے، درمختار میں ہے، ولا تطلق بعدہ ای المجلس الا اذا زاد علی قولہ طلقی نفسک واخواتہ متیٰ شئت او متی ماشئت او اذا شئت او اذا ما شئت فلا یتقید بالمجلس، وقت کی یہ صورت ہے کہ شوہر نے طلاق دینے کے لئے کوئی وقت محدود کر دیا ہے، مثلاً ایک دن ایک ماہ، درمختار میں ہے، ولا یبطل الموقت بالاعراض بل بمضی الوقت علمت اولا، مگر یہاں یہ دونوں صورتیں نہیں

Marfat.com

ہیں، لہذا جس وقت چھ ماہ پورے ہوئے اسی وقت فوراً بغیر مجلس ختم ہوئے اپنے کو طلاق دیتی تو واقع ہو مگر اس نے چار ماہ بعد طلاق دی، لہذا واقع نہ ہوئی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فامرھا بیدھا اذا علمت فی مجلسھا الذی قدم فیہ وان کان موقتا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک یوما او قال الیوم الذی فیہ فاذا قدم فلھا الخیار فی ذالک الوقت کلہ اذا علمت بالقدوم غیر انہ اذا ذکر الیوم منکرا یقع علی یوم تام وان عرفہ یقع علی بقیۃ الیوم الذی یقدم فیہ ولا یبطل بالقیام عن المجلس ولیس لھا ان تختار لنفسھا فی الوقت کلہ الامرۃ واحدۃ ولو لم تعلم بقدومہ حتی مضی الوقت ثم علمت فلا خیار لھا بھذا التفویض ابدا ھکذا فی البدائع، نیز اسی میں ہے، ولو قال اذا مضی ھذا الشھر فامرھا بید فلان فمضی الشھر فامرھا بیدہ فی مجلس علمہ وان علم بعد شھرین لان التفویض بمضی الشھر والمعلق بالشرط یصیر مرسلا عند وجود الشرط ولو ارسل التفویض بعد مضی الشھر یقتصر علی مجلس علمہ، یہ تمام باتیں اس وقت ہیں کہ عورت کو تفویض طلاق کی ہو، مگر شوہر کی تحریر یہ ہے کہ تین طلاق واقع کرا سکتی ہے یہ نہیں کہ اپنے کو تین طلاقیں دے سکتی ہے یا اپنے پر تین طلاق واقع کر سکتی ہے، طلاق کرنے اور واقع کرانے میں فرق ہے اور تحریر میں یہ بھی ہے، بعد عدت گذر جانے کے جب تک طلاق نہ ہو عدت نہیں پھر عدت گذر جانے کا کیا مطلب رہا، بالجملہ یہ تحریر ناکارہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# توکیل کا بیان

**مسئلہ**: مسئولہ مولوی عبد الاحد صاحب از پیلی بھیت محلہ منیر خاں مدرسۃ الحدیث مورخہ ۱۹ رجب المرجب ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین درمیان ان مسائل کے کہ زید نے اپنی عورت کے طلاق دینے کا اختیار وکیل کو دیا ساتھ ان الفاظ کے کہ تجھ کو اختیار ہے میری عورت کے طلاق دینے کا یا یوں کہا کہ میری عورت

Marfat.com

کے طلاق کا امر تیرے ہاتھ میں ہے یا یوں کہا کہ اگر تو چاہے تو میری عورت کو طلاق دے دے ان ہر سہ الفاظ کے کہنے کے بعد زید وکیل کو طلاق دینے سے معزول کرسکتا ہے یا نہیں، اور الفاظ مذکورہ بالا میں تقیید مجلس وکیل کے واسطے ہے یا نہیں اور زید نے جو الفاظ طلاق وکیل کو کہے ہیں، وہ الفاظ تفویض کے ہیں یا توکیل کے؟

(۲) زید نے اپنی جماعت کے اراکین سے یہ عہد کیا کہ میں بغیر اجازت تمہارے اپنی عورت کو طلاق نہ دوں گا، اور اراکین کی اجازت کے بغیر میں اپنی عورت کو طلاق دوں تو جماعت کا گنہ گار ہوں، بعدہ زید نے بغیر اجازت اراکین اپنی عورت کو تین طلاق دے دیں، پس کیا زید کی عورت مطلقہ ہوگئی یا نہیں اگر مطلقہ ہوگئی تو کیا حکم اراکین جماعت زید اپنی عورت کو زوجیت میں بغیر حلالہ یا نکاح جدید کے رکھ سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا اجرکم اللہ تعالیٰ فی الدارین،

**الجواب:** یہ تینوں صورتیں جو سوال میں مذکور ہیں، تفویض کی ہیں، توکیل نہیں، اگرچہ وکیل کرنے کی تصریح بھی کر دی ہو، لہذا اس شخص کو صرف اسی مجلس تک اختیار رہے گا، بعد اختتام مجلس اگر طلاق دیگا تو طلاق نہ ہوگی، اور جب تفویض ہے، تو معزول بھی نہیں کرسکتا، درمختار باب تفویض الطلاق میں ہے، والفاظ التفویض ثلاثة تخیر و امر بید و مشیئة، نیز اسی میں ہے، قوله لاجنبی طلق امرأتی فیصح رجوعه عنه ولم یتقید بالمجلس لانه توکیل محض الا اذا علقه بالمشیئة فیصیر تملیکا لا توکیلا، رد المختار ص ۴۵۵ میں ہے، قوله فیصیر تملیکا فلا یملك الرجوع لانه فوض الامر الی رایه والمالك هو الذی یتصرف عن مشیئته والوکیل مطلوب منه الفعل شاء او لم یشاء ط عن المنح قوله لا توکیلا ای وان صرح بالوکالة بحر عن الخانیه، نیز درمختار باب مذکور میں توکیل وتفویض میں یہ فرق بیان کیا، والفرق بینهما فی خمسة احکام ففی التملیك لا یرجع ولا یعزل ولا یبطل بجنون الزوج ویتقید بمجلس لا یعقل، واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) معاہدہ تو معاہدہ اگر قسم بھی کھالیتا کہ طلاق نہ دوں گا، پھر طلاق دے دی، تو طلاق واقع ہوگئی صورت مستفسرہ میں تین طلاقیں ہوگئیں، اب بے حلالہ اس کے نکاح میں وہ عورت نہیں آسکتی اور جماعت کو یہ حکم دینا حرام اشد حرام ہے، کہ بغیر حلالہ اس عورت کو اپنے پاس رکھے، یہ زنا کا حکم دینا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

# تعلیق کا بیان

**مسئلہ:** مرسلہ جناب حکیم الدین صاحب پنشنر از پنجاب، ۲۲ رجمادی الآخرہ ۱۳۴۰ھ،
زید اپنی منکوحہ عورت کو طلاق دینے کے لئے بکر سے یہ معاہدہ کیا کہ اگر بکر مبلغ تین سو روپیہ ادا کرے تو زید طلاق دے دے، جس کو فریقین نے تسلیم کیا اور زید نے طلاق نامہ لکھ دیا، جس کے لئے کاتب طلاق نے شرعی طور پر زید سے طلاق ثلثہ کا اقرار کرا کر طلاق نامہ تحریر کر دیا، مگر بعدہ جب مقررہ شدہ روپیہ دینے کا وقت آیا تو بکر بجائے تین سو روپیہ کے دو سو روپیہ دینے لگا، لہذا معاملہ بگڑ گیا اور زید طلاق نامہ واپس لے کر عورت کو بھی اپنے گھر لے آیا۔ صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ پر طلاق وارد ہو سکتی ہے یا نہیں اور زید کے ساتھ شرعاً کیا معاملہ ہونا چاہیئے، بینوا توجروا۔

**الجواب:** سوال مجمل ہے طلاق نامہ لکھنے کے وقت جو زید نے طلاق کے الفاظ کہے، وہ بلاکم و بیش تحریر کئے جائیں اور یہ کہ اس وقت کوئی شرط تھی یا نہیں غرض جو معاملہ ہوا ہو مفصل بیان کیا جائے اور طلاق نامہ کی نقل بھی بھیجی جائے تو جو حکم ہوگا بیان کیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ حافظ عبدالغنی صاحب، از ہوڑہ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف عمرو کی بیٹی سے اپنا عقد کیا اور عقد سے پہلے زید نے پنچ کے روبرو ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ میں عمرو کی لڑکی کو عمرو کے مکان سے کہیں نہیں لے جاؤں گا، بلکہ عمرو ہی کے مکان میں میں بھی رہوں گا، اور اپنی کمائی سے اپنی زوجہ کو نان ونفقہ دوں گا، اور اپنے والدین کی خدمت کروں گا، اگر میں اپنی زوجہ کو چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں اور اپنی زوجہ کو نان ونفقہ نہ دوں تو اس کے والدین کو اختیار ہے کہ اپنی لڑکی کا عقد کسی دوسری جگہ کر دیں، چنانچہ چند سال اپنے اقرار نامہ کے بموجب عمرو کے مکان میں رہ کر عرصہ ڈیڑھ سال کا ہوا کہ زید اپنی زوجہ یعنی عمرو کی لڑکی کو عمرو کے گھر میں چھوڑ کر اس شہر سے

Marfat.com

چلاگیا، نہ کچھ خبر لیتا ہے نہ یہاں آتا ہے نہ نان ونفقہ دیتا ہے، بذریعہ خطوط ونوٹس زید کو اطلاع بھی دی گئی کچھ جواب تک نہیں دیتا، لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت مسطورہ میں عمرو کی بیٹی بغیر طلاق دیئے ہوئے ازروئے شرع شریف دوسرے شخص سے عقد کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: صورت مسئولہ میں طلاق نہ ہوئی، عورت دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی، اولاً یہ تعلیق قبل نکاح ہے، اور اس کی اضافت ملک نکاح کی طرف نہیں، اور ایسی تعلیق سے طلاق نہیں ہوتی، درمختار میں ہے، شرطہ الملک او الاضافۃ الیہ ثانیاً اگر قبل نکاح تعلیق نہ بھی ہوتی، بلکہ بعد نکاح ہوتی جب بھی ان لفظوں سے طلاق نہ ہوتی کہ یہ تفویض طلاق ہے اور تفویض میں طلاق اس وقت ہوسکتی ہے جب اسی مجلس میں مفوض لہ طلاق دے دیتا، اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں ایسا نہ ہوا، درمختار میں ہے، قال لہا اختاری او امرک بیدک ینوی تفویض الطلاق لانہما کنایۃ فلا یعملان بلا نیۃ او طلقی نفسک فلہا ان تطلق فی مجلس علمہا بہ وان طال مالم تقم لتبدل مجلسہا حقیقۃ او حکما بان تعمل ما یقطعہ لا تطلق بعدہ ای المجلس، ثالثاً اگر تفویض نہ ہوتی، بلکہ بالفرض ایقاع ہوتا جب بھی طلاق نہ ہوتی، کہ یہ کنایہ ہے اس میں نیت طلاق شرط ہے اور نیت معلوم نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ امیر احمد صاحب ازموضع سرول، ڈاکخانہ کھا، ضلع نینی تال، ۲۹ شوال ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ہوا نکاح سے پہلے اقرارنامہ کے شرائط کے ساتھ جو آٹھ آنہ کے اسٹامپ پر تحریر ہے، جو پیش ہے اور بعد نکاح زید چند روز کے اپنی بیوی کو اس کے بھائی کے مکان پر چھوڑ کر دیگر جگہ چلا گیا تھا، لہٰذا بموجب شرع شریف زید کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

**نقل اقرارنامہ**: میں کہ عبدالحق ولد محمد حسین جو کہ میں آج اپنے نکاح میں مسماۃ زینب کو لاتا ہوں، اس کے بابت اقرار کرتا ہوں کہ میں ہمیشہ برادر مسماۃ کے مکان پر رہ کر خواہ مزدوری خواہ کاشتکاری کرکے اپنی بیوی کو خورد ونوش کی تکلیف نہیں ہونے دوں گا، اور تاحیات مسماۃ مذکورہ کے بھائی کے مکان ہی پر رہوں گا، اور دوسری جگہ اپنی بیوی کو لیجا کر نہیں رکھوں گا، اگر خلاف ورزی اقرارنامہ

Marfat.com

کروں تو یہی تحریر اقرار نامہ استعفیٰ سمجھی جاوے، لہذا یہ چند کلمے لکھ دئے کہ سند ہو قبل از نکاح یہ اقرار نامہ تحریر ہوا، اور مسماۃ بیوی اپنی کو زید نے بدستور بھائی کے مکان پر چھوڑ دی تھی، اور اب تک موجود ہے،

**الجواب:** صورت مذکورہ میں طلاق واقع نہ ہوئی، کہ یہ اقرار نامہ قبل نکاح ہے اور طلاق کو نکاح پر معلق بھی نہیں کیا، اور تعلیق میں شرط ہے کہ وقت تعلیق عورت نکاح میں ہو یا تعلیق نکاح پر ہو۔ تنویر الابصار میں ہے وشرطه الملك او الاضافة اليه، نیز یہ کہ اقرار نامہ کے یہ لفظ کہ یہی تحریر اقرار نامہ استعفار سمجھی جاوے، اگر منکوحہ کی نسبت یہ لکھتا، جب بھی طلاق نہ ہوتی کہ اقرار نامہ کو استعفا کہہ رہا ہے اور یہ اقرار نامہ استعفا نہیں ہو سکتا، بلکہ اگر یہ کہتا کہ اگر خلاف ورزی کروں تو طلاق سمجھی جائے، جب بھی طلاق نہ ہوتی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، امرأة قالت لزوجها طلاق ده، فقال الرجل داده انگار او کرده انگار لا يقع وان نوى، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ غلام محی الدین ساکن جھانسی محلہ بیرون تنگی دروازہ، ۱۰ ر صفر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اس شرط پر ایک اقرار نامہ لکھا کہ اگر میں اپنے اس تحریر اور اقرار کے بموجب عمل نہ کروں اور بال بچوں کی پرورش وغیرہ میں کوتاہی کروں تو ایسی صورت میں میری بیوی ہر فعل کی مختار ہے اور میرے نکاح سے باہر ہے یعنی شرعی طلاق ہے، جس کو قطعی طلاق طلقتک، طلقتک، طلقتک، تین مرتبہ کہتے ہیں، دیگر یہ ہے کہ ہر دو بچوں سے لادعویٰ ہوں، علاوہ اس کے ہر حال میں مہر کا دین دار ہوں گا، مذکورہ بالا اقرار کے بعد دو ماہ تک نصف تنخواہ بھیجا۔ اس کے بعد عرصہ چھ ماہ کا ہوا، کوئی خبر گیری نہیں کی اور نہ خرچ بھیجا، ایسی حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے، آیا طلاق ہوگئی، بینوا توجروا،

**الجواب:** جب کہ خبر گیری نہ کرنے پر طلاق کو معلق کیا تھا، پھر خبر نہ لی اور بال بچوں کو خرچ نہ دیا تو حسب اقرار نامہ طلاق واقع ہوگئی، والمسئلة مصرحة بهافی غیر ما كتاب، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ جناب ارشاد علی، محلہ ملوک پور، بریلی، ۲۲ ر صفر المظفر ۱۳۴۲ھ،

جب کہ زوجہ گھر پر آئی، اس وقت اس کے شوہر نے اس کی بچی سے کہا کہ جب کہ میں منع کر چکا تھا،

Marfat.com

اور خط میں لکھ چکا تھا کہ طلاق ہوگئی، پھر کیوں لے کر آئیں، اور مکرر سہ کرر یہ لفظ چند لوگوں کے رو برو کہا گیا، کہ میں طلاق دے چکا ہوں، اب ان کو لے جاؤ میرے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں، میرے کام کی نہیں رہی، اس صورت میں کیا طلاق رجعی ہوئی یا مغلظہ؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** یہ سب الفاظ کہ شوہر نے عورت کے آنے پر کہے ان سے ظاہر اخبار ہے کہ وہ طلاق جو شرط پر معلق تھی، اب چونکہ شرط پائی گئی، لہذا واقع ہوگئی، لکھ چکا تھا دے چکا ہوں، اخبار ہی کے لئے بولے جاتے ہیں، لہذا ان سے کوئی جدید طلاق نہ ہوگی، ہاں اگر شوہر نے ایقاع طلاق کی نیت سے کہے ہوں، تو جدید طلاق کا حکم دیا جا سکتا ہے، اور جب جدید طلاق کا حکم نہیں تو وہی ایک رجعی رہی اور یہ لفظ کہ میرے کام کی نہیں، الفاظ کنایہ سے ہے۔ اگر طلاق کی نیت سے کہا ہو تو ایک بائن طلاق اس سے بھی واقع ہوگی[1]، اور اب دو ہوگئیں، اور رجعت نہ ہو سکے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ مولوی غلام جان رضوی از شہیلہ ضلع ہزارہ، تحصیل مانسہرہ، ۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص یوں کہے کہ میں نے یا میری بیوی نے یا میرے بچوں نے اگر فلاں چیز چرائی ہو تو مجھ پر اپنی بیوی تین طلاقوں سے طلاق ہے، تین مجلسوں میں اسی طرح اس نے کہا، پھر وہ چیز ان کے گھر سے برآمد بھی ہوگئی، اور اس شخص کی بیوی مقر بھی ہوگئی کہ بیشک فلاں چیز میں نے چرائی ہے، سچ کہتی ہوں، اب اس صورت میں طلاق مغلظہ جو معلق بالشرط تھی، واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا بسند الکتاب و توجروا بیوم الحساب۔

---

[1] واقول۔ تو میرے کام کی نہیں، کنایات کے ان الفاظ سے ہے، جو رد کا احتمال نہیں رکھتے، بلکہ سب کا، ایسے الفاظ سے مذاکرہ طلاق کی حالت میں بغیر نیت بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور پہلے طلاق کے ذکر سے مذاکرہ طلاق کی حالت ہو جاتی ہے، جیسا کہ شامی وغیرہ میں تصریح ہے، اسی صورت مسئولہ میں دو طلاق بائن بہر حال واقع ہوگئی، پہلی اگرچہ رجعی تھی، مگر چونکہ دوسری بائن ہے اور بائن صریح کو لاحق ہوتی ہے، اسکے لحوق سے وہ بھی بائن ہوگئی، فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۵۵۴، پر خاص اس لفظ (تو میرے کام کی نہیں) کے بارے میں فرمایا، وذا للّٰہ لان لفظ الاول صریح فوقع بہ طلاق وان لم ینو وصار الحال بہ حال المذاکرۃ، واللفظ الثانی (میرے کام کی نہیں) لایحتمل الرد بل السب فاستغنی من النیۃ لاجل المذاکرۃ والواقع بہ بائن لانہ من الکنایات غیر الثلث المعلومۃ اعتدادی، وافتیہا فلحوقہ جعل الرجعی الاول ایضا بائن لامتناع الرجعۃ بالثانی فبانت بثنتین۔

**الجواب** :- یہ صورت مذکورہ حقیقۃً تعلیق نہیں کہ تعلیق امر مستقبل پر ہوتی ہے، اور یہاں گذشتہ پر ہے۔ درمختار میں ہے، وشرط صحتہ کون الشرط معدوما علی خطر الوجود فالمحقق کان کان السماء فوقنا تنجیز۔ عالمگیری میں ہے، واما الحلف بالطلاق والعتاق وما اشبہ ذالک فمایکون علی امر فی المستقبل فھو کالیمین المعقودۃ ومایکون علی امر فی الماضی فلا یتحقق اللغو والغموس ولکن اذا یعلم خلاف ذالک اولا یعلم فالطلاق واقع، لہٰذا واقع میں اگر عورت نے وہ چیز چرائی ہے تو طلاق واقع ہوگئی، فتاویٰ خانیہ میں ہے وفی الیمین بالطلاق والعتاق والنذر وما اشبہ ذالک اذا کان کاذبا یلزمہ المحلوف علیہ، پھر عورت کا چرانا اگر گواہوں سے ثابت ہو یا مرد عورت کے اس کہنے کی تصدیق کرتا ہو، جب تو ظاہر ہے کہ وقوع طلاق کا حکم دیا جائے گا۔ اور اگر یہ دونوں باتیں نہیں، صرف عورت کا اقرار ہے اور شوہر اس کی تصدیق نہیں کرتا تو حکم نہیں ہوگا، مگر عورت نے اگر واقع میں چرایا ہے تو جس طرح ممکن ہو شوہر سے جدائی حاصل کرے، ردالمحتار میں ہے، لوکان یعلم من غیرھا توقف الوقوع علیٰ تصدیقہ اوالبینۃ کما لا یخفیٰ

والکلام، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ** :- مرسلہ مولوی محمد سعید خاں صاحب، مدرسہ فیض عام، محلہ بیسواڑہ، ڈاکخانہ گھوسی، اعظم گڈھ

۲۸ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اقرار نامہ طلاق جو اس کے شامل ہے، جس میں مذکور ہے کہ ماہ اکتوبر ۱۹۲۲ء سے مبلغ پانچ روپیہ ماہوار برائے نان و نفقہ ادا کرتا رہوں گا مقر عبدالحمید خاں نے اخیر ماہ نومبر ۱۹۲۲ء میں مبلغ پانچ روپیہ مساۃ کے پاس روانہ کیا، مساۃ نے بایں خیال کہ میں مبلغ دس روپیہ کی مستحق ہوں، (پانچ روپیہ ماہ اکتوبر اور پانچ روپیہ ماہ نومبر) روپیہ مرسلہ کو واپس کر دیا، اس کے بعد مقر عبدالحمید خاں نے حسب وعدہ مساۃ کے پاس روپیہ نہیں روانہ کیا، دریافت طلب یہ امر ہے کہ ناقض شرط مذکورہ اقرار نامہ کون ہوگا، اور ایسی صورت میں حسب اقرار نامہ طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۲) اقرار نامہ میں درج ہے کہ قیام مکان کی صورت میں مبلغ مذکور کی ادائگی لازم نہیں، لیکن اس

Marfat.com

قیام سے حضار مجلس نے وہ قیام طے کیا تھا کہ یہ قیام مکان وہ ہے کہ زن وشوہر باہم اتفاق واتحاد کے ساتھ ایک جگہ اور ایک مکان میں مل کر رہیں، لیکن یہ مضمون درج اقرار نامہ نہیں، اس لئے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر چند معتبر گواہ اس کی شہادت دے تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی یا نہیں، چونکہ مقر عبدالحمید خاں زوجہ مذکورہ کے ساتھ مل کر نہیں رہا، بلکہ وہ اقرار نامہ کے لکھنے کے بعد برابر نانی ہال میں مقیم رہا، پس یہ قیام بھی حسب اقرار نامہ قیام مکان سمجھا جائے گا یا نہیں، اب ان صورتوں میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

**نقل اقرار نامہ:** ہم کہ عبدالحمید خاں ولد عبدالمجید خاں ساکن دریا دیال پور، ضلع اعظم گڈھ، وارد حال موضع مسنہ قوم پٹھان ہے میں بحالت صحت نفس وثبات عقل بخوشی ورضامندی اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ اپنی اہلیہ عائشہ بیوی بنت مبارک خاں موضع فتح پور تال نرجا کو ماہ بماہ نان ونفقہ کے لئے مبلغ پانچ روپیہ ادا کرتا رہوں گا، اگر بلا عذر وحیلہ ادائیگی میں تساہلی ہو تو دوسرے مہینہ میں ادا کریں گے، اگر دوسرے مہینہ میں ادا نہیں کریں گے تو مسماۃ مذکورہ پر تین طلاق ہے، لہٰذا یہ چند کلمہ بطور اقرار نامہ کے لکھ دیا کہ وقت پر کام آئے اور بصورت قیام مکان جس زمانہ تک رہنا اس وقت تک ادائیگی ماہواری ہم پر لازم نہیں ہے، اور نہ طلاق سمجھی جائے گی، واضح ہو کہ یہ شرط مذکورہ بالا ماہ اکتوبر ۱۹۲۲ء سے عمل درآمد سمجھی جائے گی، فقط بقلم عبدالحمید خاں تاریخ ۱۶ اگست ۱۹۲۲ء

**الجواب:** عبدالحمید خاں نے تین طلاق واقع ہونے کو دوسرے مہینہ میں نہ ادا کرنے پر معلق کیا، اور بعد واپس کرنے زوجہ کے اب تک پھر نہ بھیجا، اور اب مارچ ۱۹۲۳ء ہے نومبر سے اس وقت تک تین ماہ سے زیادہ کا زمانہ گذر گیا اور بموجب اقرار نامہ ادا متحقق نہ ہوئی، لہٰذا تین طلاقیں واقع ہوگئیں، قیام مکان سے ظاہر یہی ہے کہ عورت شوہر کے مکان پر رہے کہ اس صورت میں خورد ونوش اس کے ساتھ رہے گا، نقدی دینے کی کچھ حاجت نہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس لفظ سے عورت کے باپ کا مکان مراد ہو کہ اسے بھی کبھی عورت کا مکان کہتے ہیں، اور مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ اپنے مکان یعنی میکے میں قیام رکھے گی تو نفقہ میرے ذمہ نہیں کہ استحقاق نفقہ اسی وقت ہوتا ہے، جب عورت

Marfat.com

شوہر کے یہاں رہے اگر معنی اول مراد ہونے پر قرینہ پایا جاتا ہو کہ اس وقت اس کا ذکر تھا، اور گواہ بیان کریں تو مان لیں گے اور مکان سے مملوک مکان ہونا ضروری نہیں، خواہ وہ مکان شوہر کا مملوک ہو یا کرایہ پر لیا ہو یا عاریۃً ہو، سب کو مراد لے سکتے ہیں، اور قیام مکان سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے، کہ میں جب تک اپنے مکان پر مقیم رہوں گا، نفقہ نہ دوں گا، جب کہیں چلا جاؤں گا، تو پانچ روپیہ ماہوار دیتا رہوں گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: از پھلواری شریف، مرسلہ سید علی اسلم صاحب، ۲۱ر شعبان ۱۳۴۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بوجہ عداوت دیرینہ بکر پر زنا کی تہمت لگائی، زید اور بکر نے مسجد میں یہ قسم کھائی کہ اگر تو سچا ہے تو جب جب میں نکاح کروں میری بیوی مطلقہ مغلظہ ہو جائے، اگر تو جھوٹا ہے، اور میں سچا ہوں تو تو جب جب نکاح کرے، تیری بیوی بھی مطلقہ مغلظہ ہے، یہاں تک کہ زید نے بھی یہی قسم کھائی۔ اب اس کی نجات کے لئے کوئی حیلہ شرعی نکل سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

**الجواب**: زنا کی تہمت لگانا بہت بڑا گناہ ہے، اس سے توبہ کرے اور بکر سے معافی مانگے، ورنہ حق اللہ وحق العبد میں گرفتار رہے گا، اور حیلۂ بقائے نکاح ایک یہ ہے کہ فضولی اس کا نکاح کر دے یعنی نہ خود کرے نہ کسی کو وکیل کرے، بطور ہمدردی دوسرا شخص عقد کر دے اور زید اس نکاح کو اپنے کسی فعل سے جائز و نافذ کرے، مثلاً مہر بھیج دے یا جماع وغیرہ کرے اجازت کے الفاظ زبان سے نہ کہے، تو ایسی صورت میں نکاح ہو جائے گا۔ اور طلاق واقع نہ ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے، اذا قال کل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق فزوجہ فضولی واجاز بالفعل بان ساق المھر ونحوہ لا تطلق بخلاف ما اذا وکل بہ لانتقال العبارۃ الیہ، فتاویٰ خانیہ میں ہے، لوکان حلف قبل نکاح الفضولی ان لا یتزوج امرأۃ ثم زوجہ الفضولی امرأۃ واجاز الحالف نکاحہ بالقول حنث فی یمینہ وان اجاز بالفعل من سوق مھر اونحوہ اختلفوا فیہ واکثر المشائخ علی انہ لا یحنث، واللہ تعالیٰ اعلم، -

**مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مع اپنی زوجہ کے سسرال میں رہتا ہے

Marfat.com

زوجہ کے والد کی لے پالک ایک لڑکی ہے جس کا نکاح عمرو جو اس کے ایک عزیز کا ملازم ہے، کر دیا گیا ہے
زید سے وہ ملازم کسی معاملہ میں گستاخی سے پیش آیا جس کی وجہ سے زید بہت ناخوش ہوا اور اپنی بیوی سے
کہا کہ اگر عمرو اپنی عورت ہندہ سے زن وشوہر کا تعلق رکھتے ہوئے اس مکان میں رکھا گیا اور ایسی حالت
میں تم بھی رہی تو تم کو تین طلاق ہے، اس کے بعد زید کی بیوی کا قیام اس مکان یعنی اپنے میکے میں شام تک یا
دوسرے روز تک رہا، بعد کو وہ اپنے سسرال چلی گئی، ایسی حالت میں کتنے عرصہ تک قیام کر سکتی تھی،
اور جتنا قیام کیا، اس میں وہ نکاح سے نکل گئی یا نہیں؟ بکر کہتا ہے کہ اگر طلاق کے بعد دس پانچ منٹ بھی
ٹھہری تو نکاح جاتا رہا، اور بکر یہ بھی کہتا ہے کہ جس شخص کے سامنے یہ الفاظ کہے ہیں وہ اور سخت تھے، تو یہ بھی
دریافت طلب ہے کہ اگر گواہ کچھ اور بیان کرے۔ مجرم کچھ اور کہے، تو وہ کہتا ہے کہ میرا یہ مطلب نہیں تھا
جو بکر کہتا ہے تو آیا کس کی بات کا شرع شریف میں اعتبار ہوگا،

**الجواب:** زید کی بی بی جو اس مکان میں اس کہنے کے بعد رہی آیا اس زمانہ میں عمرو اور اس کی
زوجہ بھی رہی یا نہیں، اگر عمرو اس کہنے کے بعد مکان میں اس وقت تک نہ آیا جب تک زید کی زوجہ رہی تو
شرط پائی نہ گئی، لہٰذا طلاق واقع نہ ہوئی، اور اگر آیا، مگر کسی اور کام کے لئے آیا ہے، اس حیثیت سے نہیں
آیا ہے کہ میری عورت اس مکان میں ہے، جب بھی شرط نہیں پائی گئی، کہ شرط رکھا جانا ہے، جس کے معنی سکونت
کے ہیں، نہ محض آنا اور اگر یہ باتیں نہ ہوں، بلکہ بطور سکونت آیا، جس کو رکھا جانا کہیں تو طلاق ہوگئی، اس معاملہ
میں زید کی بات کا کچھ اعتبار نہیں، جب کہ گواہ اس کے خلاف بیان کرتے ہیں، گواہ جو بیان کریں، وہی
اعتبار کی جائے گی اور اسی کے موافق حکم دیا جائے گا. واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** زید نے صالحہ سے نکاح کیا، بعد نکاح بلاوجہ اس قدر زدوکوب کرتا رہا جو ناقابل برداشت
تھی، آخر موقعہ پاکر زید کی والدہ نے صالحہ کو ہلاک کرنا چاہا، اور صالحہ جان چکی تھی کہ اب موت قریب ہے،
لہٰذا وہ جان بچا کر اپنے باپ کے گھر والدہ کے پاس چلی آئی، اور زید کو یقین تھا کہ میں تشدد بیجا کرتا ہوں
چنانچہ اس نے اپنی زوجہ صالحہ سے کہہ دیا تھا، تو اپنے باپ کے گھر اگر چلی گئی تو تجھے تین طلاق ہے، ان الفاظ کے سننے
والے زید کے ہمسایہ ہیں، اور وہ شہادت دے رہے ہیں، صالحہ بخوف جان اپنے باپ کے گھر چلی آئی ایسی

Marfat.com

صورت میں صالحہ طلاق پاچکی یا نہیں، بینوا توجروا،

**الجواب**: اگر زید کے ان الفاظ کے کہنے کے بعد صالحہ اپنے باپ کے گھر گئی تو تین طلاقیں ہوگئیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: از گھوسی چھاؤنی، ضلع اعظم گڈھ، مرسلہ جناب محمد امیر خاں صاحب، ۲۵ رجب المرجب ۱۳۵۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شوہر بیان کرتا ہے کہ ہم سے اور میری بیوی سے جھگڑا ہوتا تھا میری بیوی نے کہا، ہم کو طلاق دیدو، میں نے کہا میں ایسے طلاق نہیں دونگا تمھارے باپ کے ذمہ جو روپیہ ہے لے آؤ تب طلاق دوں گا، بیوی نے کہا، طلاق دے دو تو روپیہ لے آؤں گی، تب میں نے کہا کہ روپیہ لے آؤ، تب طلاق طلاق طلاق، اور اس کی عورت کا بیان ہے کہ ہم سے اور شوہر سے جھگڑا ہوتا تھا، ہم نے جب طلاق مانگا تب شوہر نے کہا کہ ہمارا روپیہ جو تمھارے باپ کے یہاں باقی ہے، لے آؤ تو طلاق دوں گا، تب ہم نے کہا، جب طلاق دوگے، روپیہ لے آؤں گی، تو شوہر نے کہا، پہلے روپیہ لے آنا، تب طلاق لیکن زوجہ روپیہ نہیں ادا کیا، ایک گواہ مسمی مصدی کا بیان ہے کہ میں گھر میں آیا، جھگڑا ہوتا تھا، یہ نہیں معلوم کہ کیا جھگڑا ہوتا تھا، اتنے میں ان کی بیوی نے کہا، ہم کو طلاق دے دو، بس کہا طلاق، طلاق، طلاق، دیا، پھر میں چلا گیا، میں مکان کے باہر تھا، کھور میں سراج الدین کو نہیں دیکھا۔

(نوٹ) شوہر کے مکان کے باہر ایک کھور قریب آٹھ ہاتھ کے چوڑا ہے، اس کھور سے راستہ جاتے ہوئے، ٹھہر کر سوتا ہے اور گواہ نماز وغیرہ بھی نہیں پڑھتا تاڑی، شراب برابر پیتا ہے، دوسرے گواہ سراج الدین کا بیان ہے میں اپنے آنگن میں تھا، جھگڑا ہوتا تھا، ان کی بیوی نے کہا کہ ہم کو چھوڑ دے تو کہا کہ طلاق دیا، طلاق دیا، پھر جھگڑا ہوتا تھا، پھر بعد کو میں نہیں جانتا کہ کیا ہوا، میں نے مصدی کو نہیں دیکھا،

(نوٹ) شوہر کے مکان کے بعد ایک کھور ہے، پھر اس کے بعد اس کا مکان ہے اور اپنے آنگن سے سننا بیان کرتا ہے، تیسرے گواہ نعمت اللہ کا بیان ہے کہ میں اپنے آنگن سے سنتا تھا، جھگڑا ہوتا تھا، ان کی بیوی نے کہا کہ ہم کو طلاق دے دو، تب شوہر نے کہا کہ تمھارے باپ کے ذمہ جو روپیہ باقی ہے، دے تب طلاق دوں گا، تب عورت چپ ہوگئی، پھر کہا، اچھا طلاق دو، شوہر نے کہا کہ روپیہ لے آؤ تب طلاق دیا،

Marfat.com

طلاق دیا، طلاق دیا، بلکہ کئی مرتبہ کہا، طلاق دیا، نوٹ، شوہر کے مکان سے اس کے مکان یعنی آنگن کے درمیان صرف ایک دیوار قد آدم ڈیڑھ فٹ چوڑی ہے اور یہ اپنے آنگن سے سننا بیان کرتا ہے، اور چوتھا گواہ محمد میاں بیان کرتا ہے کہ میں شوہر کے مکان پر موجود تھا، میرے روبرو میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوتا تھا، عورت نے کہا، ہم کو طلاق دے دو، میاں نے کہا، جو تمہارے باپ کے ذمہ روپیہ باقی ہے، لے آؤ تب طلاق دونگا پھر عورت اپنے بدن کا کپڑا پھاڑنے لگی، تب میں چلا گیا، آیا صورت مذکورہ میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

**الجواب**: شوہر اور عورت اور گواہوں کے بیانات دیکھے، یہ بیانات اگر صحیح ہیں تو طلاق ثابت نہیں، زوج و زوجہ دونوں اپنے بیان میں طلاق کو شرط پر معلق ہونا بیان کرتے ہیں، اور شرط کا وجود اب تک ہوا نہیں، لہٰذا طلاق بھی واقع نہ ہوگی، گواہ اول مسدی کے بیان میں اگرچہ طلاق کسی شرط پر معلق نہیں، مگر چونکہ وہ ایک بے نمازی اور شرابی آدمی ہے، لہٰذا ایسے شخص کی شہادت قابل قبول نہیں، ہدایہ میں ہے، ولا فمن الشراب على اللهو لانه ارتكب محرم دينه، گواہ دوم سراج الدین یہ بھی شرط کو نہیں ذکر کرتا، مگر اپنے مکان میں سے آواز سننا بیان کرتا ہے، شوہر اس کے سامنے موجود نہ تھا، اور ایسی شہادت جس میں پس پردہ سننا بیان کیا جاتا ہو، نا مقبول ہے، مگر صرف ایک صورت میں وہ یہ کہ گواہ مکان کے اندر جاکر دیکھ آیا ہو، کہ ان دونوں کے سوا، وہاں کوئی دوسرا نہیں، پھر دروازہ پر بیٹھ گیا، اور مکان کے اندر جانے کا کوئی راستہ نہ ہو، تو اگرچہ کتنے وقت اس نے نہیں دیکھا ہو، مگر شہادت جائز ہے، اس کے علاوہ باقی صورتوں میں ناجائز ہدایہ میں ہے، ولو سمع من وراء الحجاب لايجوز له ان يشهد ولو فسر للقاضي لا يقبله لان النغمة تشبه النغمة فلم يحصل العلم الا اذا كان داخل البيت وعلم انه ليس فيه احد سواه ثم جلس على الباب وليس في البيت مسلك غيره فسمع اقرار الداخل ولا يراه له ان يشهد لانه حصل العلم في هذه الصورة گواہ سوم بھی شوہر کے سامنے نہ تھا، نیز اس کا بیان بھی طلاق کو ثابت نہیں کرتا، اور گواہ چہارم طلاق کو مشروط بتاتا ہے، لہٰذا اس کے بیان سے وقوع طلاق ثابت نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ، حاجی امیر اللہ و رحیم بخش از بالی،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس معاملہ نکاح میں کہ زید کی منکوحہ نے عمرو سے

Marfat.com

نکاح کیا اور عمرو کی منکوحہ سابقہ کا نکاح ثانی بکر سے ہوا، اور بکر کی منکوحہ اول کا نکاح ثانی خالد سے ہوا، اور حالانکہ زید و بکر نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی تھی۔ تفصیل یہ ہے کہ زید کی منکوحہ نے بسبب ناواقفیت اپنے شوہر زید کو چھوڑ کر عمرو سے نکاح کر لیا، یہ نکاح خفیہ طور سے ہوا، سوا شاہدین و عاقدین و نکاح خواں قاضی کے دوسرا واقف نہیں ہوا، مگر عمرو اور اس کی منکوحہ جو زید کی بیوی ہے، ان کے اقرار سے نکاح ثابت ہوا تھا، اور اب یہ دونوں انکاری ہوتے ہیں کہ ہم نے نکاح نہیں کیا، اور نکاح کی شہادت دینے والے کہتے ہیں، کہ نکاح ہوگیا، ایک شاہد تو صاف صاف بیان دیتا ہے، دوسرا صاف بیان نہیں دیتا، اس وجہ سے کہ مخالفین نے ڈرادیا ہے، کہ اگر تو گواہی دے گا تو سرکار میں مجرم قرار دیا جاوے گا،

الغرض عمرو کی پہلی بیوی سے بھی موافقت نہیں تھی، بکر کا ارادہ عمرو کی بیوی سے نکاح کرنے کا ہوا، دو شخص عمرو کے پاس بھیجا، کہ کچھ روپیہ لے کر اپنی عورت کو طلاق دے دے، لہٰذا اسٹامپ سرکاری پر طلاق نامہ لکھا گیا، اور وہ اسٹامپ لے کر بکر کے پاس ایک شخص آیا کہ تین سو روپیہ ہم کو دو، اور یہ طلاق نامہ لو، بکر نے کہا کہ تین سو روپیہ میرے پاس نہیں ہے، وہ شخص طلاق نامہ لے کر چلا گیا، اب بکر کو خیال ہوا کہ عمرو نے طلاق دیدی ہے، لڑکی کے والدین سے مل کر لڑکی یعنی عمرو کی بیوی سے بکر نے نکاح کر لیا، جب یہ نکاح ہوا تو یہ بات مشہور ہوئی کہ بلا طلاق والی عورت سے نکاح کر لینے سے بکر کی پہلی بیوی منکوحہ مطلقہ ہوگئی، بکر نے کہا کہ عمرو نے بلا طلاق والی عورت یعنی زید کی بیوی سے نکاح کیا، تو عمرو کی پہلی بیوی مطلقہ ہوگئی اور اس مطلقہ کو بعد عدت اپنے نکاح میں لایا ہوں، مگر بکر کی یہ بات کسی نے نہیں سنی، اور بکر کے سسرال والوں نے بکر کی عورت کا نکاح خالد کے ساتھ کر دیا، اب اس مسئلہ کا کیا حکم ہے، یہ نکاح درست ہیں یا نہیں؟ اور ان شوہروں پر کفر عاید ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

**الجواب:** دوسرے کی منکوحہ سے نکاح نہیں ہو سکتا، باطل محض ہے، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنت من النساء (۱ھ) عمرو نے زید کی منکوحہ سے بلا طلاق نکاح کیا، یہ نکاح نہیں ہوا، اگرچہ گواہوں سے ثابت بھی ہو نہ کہ اس صورت میں کہ صرف ایک ہی گواہ ہے، البتہ اگر گواہوں سے یہ ثابت ہو تو عمرو اور زوجہ زید کو سزادی جائے، اور وہ دونوں توبہ کریں، اور عمرو اپنی زوجہ اولیٰ سے اور زوجہ زید، زید سے تجدید نکاح

Marfat.com

کریں مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ زوجہ عمرو کسی دوسرے سے نکاح کرے۔ عمرو نے جو طلاق نامہ لکھا ہے۔ اگر اس میں یہ ہو کہ اتنا روپیہ ملنے پر عورت کو طلاق ہے تو چونکہ روپیہ نہیں دیا گیا، طلاق بھی نہیں ہوئی، اور اگر بلا شرط طلاق دیدی ہے تو طلاق واقع ہوگئی، اگر یہ صورت ہوئی ہے تو بکر کا نکاح صحیح ہے۔ ورنہ وہ عورت بدستور عمرو کی عورت ہے اور خالد کا نکاح زوجہ بکر کے ساتھ بھی باطل محض ہے، منکوحہ غیر سے نکاح کرنے کی صورت میں تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ اس کا نکاح دوسرے سے کردیا جائے، جب تک اس نکاح کو جائز نہ سمجھے، اور اگر اس نے دوسرے کی منکوحہ سے نکاح کو جائز کہا ہو تو یہ بیشک کفر قطعی ہے، اور ایسی صورت میں دوسرے سے نکاح ہوسکتا ہے۔ کہ وہ مرتد ہو جائے گا، اور اس کا نکاح باطل ہو جائے گا، مگر بظاہر وہ نکاح کنندگان اس نکاح کو جائز نہیں کہتے ہونگے، لہذا صورت متفسرہ میں اگر ارتداد کی حد کو نہ پہونچا ہو تو یہ سب نکاح باطل ہیں۔ اور سب مستحق سزا ہیں، ان سب کو مسلمان برادری سے علٰحدہ کردیں، اور ان سے میل جول سلام کلام سب کچھ ترک کردیں۔ واللہ تعالٰی اعلم،

**مسئلہ** ۹۰، از چوبیس پرگنہ ڈاکخانہ مقام کاگنارہ نمبر ۵، گلی مدرسہ ناظریہ۔ مرسلہ حافظ مولوی احمد حسین صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین کہ زید کسی وجہ سے غصہ میں آیا اور ایک اپنی اہلیہ ہندہ پر قید شرعی لگاکر خبردار آج کی تاریخ سے میری عدم موجودگی تک یا جب تک میں یہاں سے بذات خود اجازت نہ دوں، اپنے میکے نہ جانا اور اگر یہ میرے حکم کی نافرمانی کیا تو یاد رہے کہ زید کی طرف سے تم ہندہ پر تین طلاق جس وقت یہ خط زید کے مکان پر پہونچا اور ہندہ کو خبر ہوئی، ہندہ سن کر سہم گئی اور اپنے بھائی بکر کو بلاکر کہا کہ میرا شوہر زید کی طرف سے یہ خط آیا ہے، آپ اس کی چارہ جوئی کیجئے، ہندہ کا بھائی بکر سن کر یہ تنبیہ کیا کہ بموجب حکم زید خبردار جب تک کوئی اجازت کا خط زید کی طرف سے نہ آئے۔ گھر سے قدم نہ نکالنا اور میں بھی زید کو آج خط لکھوں گا، بکر کا خط زید کے نام بھائی صاحب آپ نے جو یہ قید شرعی میری بہن ہندہ پر لگایا ہے بہت سخت اور دشوار ہے، براہ مہربانی اپنے قول کی تردید کیجئے کیونکہ کسی کا میکہ چھوٹ نہیں جاتا، جس وقت یہ خط

---

نہ ہاں اگر عمرو نے جو طلاق نامہ لکھا تھا اس میں طلاق روپیہ دینے پر معلق نہ رہا ہو۔ بلا شرط طلاق لکھی ہو، تو بکر کا نکاح عمرو کی زوجہ سے درست ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم،

Marfat.com

زید کو ملا۔ زید نے اس کو پڑھ کر اس کے جواب میں یہ تحریر کیا جو نمبر ۲ سے ظاہر ہے۔ دوسرا خط زید کا اپنے سالے کے نام ساتھ اجازت کے برادر جو کچھ آپ نے لکھا درست ہے لیکن یہ قید اس کو اس واسطے تحریر کیا تا کہ دہشت آئے اور اپنی گذشتہ حالت سے درگذر رہے۔ لہذا میں ایک خط اپنے مکان پر لکھ رہا ہوں، اور اپنی اس قید میں تخفیف کئے دے رہا ہوں، ساتھ اجازت کے اگر میری اہلیہ ہندہ مہینہ پندرہ روز میں اپنے میکہ جانا چاہے تو گھنٹہ دو گھنٹہ یا زائد سے زائد بھور میں جائے اور شب کو چلی آئے، اتنی اجازت میری طرف سے ہے، تم بھی دیدینا یا تمھاری اجازت بھی عین میری اجازت ہے۔ یہ مضمون لکھ کر زید نے اپنے بھائی عمرو کے پاس روانہ کر دیا، جب یہ خط زید کا عمرو کو ملا ہندہ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ زید کی طرف سے اتنی اجازت ہوئی ہے، ہندہ کو یہ اجازت سن کر اطمینان ہوا۔ اتفاق سے ہفتہ عشرہ کے بعد زید کا بھائی عمرو بھی سفر میں چلا گیا اور گھر میں بھائیوں سے یہ کہدیا کہ ہندہ اگر بموجب بھائی زید کے لکھنے کے پندرہ روز مہینہ بھر پر اپنے میکہ جانا چاہے تو جانے دینا۔ لہذا زید کے کہنے کے بموجب یعنی دو تین ہفتہ کے بعد زید کے گھر والوں سے نزاعی صورت پیدا ہوگئی اور ہندہ علی الصباح اپنے میکہ چلی گئی، اور شب کو ہمراہ اپنی والدہ کے زید کے مکان پر آئی لیکن رات کچھ زائد جا چکی تھی، اور زید کے مکان کا دروازہ بند ہو چکا تھا، ہندہ اور ہندہ کی والدہ نے بہت کچھ کوشش کی لیکن دروازہ کھلا اور نہ اندر سے کوئی جواب ملا۔ واللہ اعلم، ہندہ کے آنے کی خبر زید کے مکان والوں کو ملی یا نہ ملی۔ لیکن جب ہندہ مجبور ہوئی دروازہ کھولنے سے تو ماں کے ہمراہ پھر اپنے میکہ لوٹ آئی چونکہ زید کے مکان سے ہندہ کی ماں کا مکان بھی بالکل قریب ہے، اب دوسری شب پھر ہندہ اپنی ماں کے ہمراہ زید کے مکان پر آئی۔ لیکن زید کے عزیزوں نے زید کے مکان پر قفل چڑھا دیا اور کہا، جو شرط زید نے رکھا تھا، وہ رات اور دن گذرنے سے جاتی رہی یعنی تجھے طلاق پڑگئی۔ لہذا ہم لوگ مکان کھول نہیں سکتے۔ ہندہ اور ہندہ کی ماں نے اول روز آنے کی اور دروازہ نہ کھولنے کو بتلایا، لیکن کسی نے باور نہ کیا اور کہا یہ بغیر زید کے حکم کے قفل نہ کھلے گا، لہذا اس روز بھی دونوں ماں بیٹی لوٹ کر چلی آئیں اور اس کی خبر زید کو پہونچی، زید مکان پہونچ کر اس معاملہ کی تحقیق شروع کی تو ہندہ اور ہندہ کی ماں کا یہ حلفیہ بیان ہوا کہ ہم لوگ بموجب شرط کے مکان پر گئے لیکن دروازہ بند تھا مجبور ہو کر لوٹ آئے۔ لہذا التماس ہے کہ براہ کرم اس مسئلہ کو بحوالہ قرآن و حدیث بیان فرمایا جائے کہ ہندہ زید پر حلال ہے یا حرام،

Marfat.com

**الجواب**: صورت مذکورہ میں شوہر نے تین طلاق کو اس پر معلق کیا ہے کہ عورت بوقت عدم موجودگی شوہر میکے جائے یا بغیر اجازت جائے اور شوہر نے چونکہ اجازت دیدی لہذا وہ تعلیق ختم ہوگئی، رہی یہ بات کہ شوہر نے اجازت میں یہ قید لگائی ہے کہ مہینہ یا پندرہ روز میں اتنی دیر کے لئے جائے اس سے زیادہ جائے گی، جب بھی طلاق واقع نہ ہوگی کہ جب جانے کی اجازت ہوگئی تو تعلیق کا حکم ختم ہو چکا کہ اس تعلیق میں نہ عموم تھا نہ یہ کہ جتنی دیر کے لئے اجازت ہو اس کے علاوہ جانے میں طلاق ہے، یہ اجازت میں ایک جدید قید ہے، جس کا نتیجہ صرف اتنا ہوگا کہ اس سے زیادہ جانا عورت کو ناجائز ہوگا جب کہ ہفتہ میں ایک بار سے زیادہ جانے یا دن کے علاوہ رات بھی وہیں گذارے مگر اس سے طلاق واقع نہ ہوگی کہ وقوع طلاق کی شرط نہ پائی گئی، بلکہ وہ تعلیق اب باقی بھی نہ رہی نیز اگر تعلیق باقی بھی ہوتی، جب بھی صورت مستفسرہ میں طلاق نہ پڑتی کہ طلاق کو بغیر اجازت جانے پر معلق کیا تھا، اور عورت کا جانا اجازت کے موافق ہوا وہاں ایک دو دن رہنے پر طلاق کو معلق نہیں کیا، لہذا جب کہ جانا اجازت سے ہوا اور جب تحریر زوج وقت معین کے اندر مکان شوہر میں داخل نہ ہوگی تو وقوع طلاق کی شرط کے بغیر اجازت جانا تھی نہ پائی گئی، پس صورت مذکورہ میں طلاق واقع نہ ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ مولانا مولوی غلام محی الدین الجیلانی صاحب صدر مدرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ محلہ اندر کوٹ میرٹھ،

(۱) ایک شخص کی دو بیبیاں ہیں، ان میں سے ایک نے شوہر کو پینے کے واسطے پانی رکھا، شوہر نے پانی کا پیالہ اٹھایا بچھونے جو پیالہ کے نیچے تھا، کاٹ لیا شوہر نے کہا کہ جس نے پانی رکھا، اس کو طلاق، اب دونوں عورتیں پانی رکھنے سے انکار کرتی ہیں تو طلاق کس پر واقع ہوگی اور آیا یہ قول تعلیق ہے یا نہیں بصورت تعلیق فقہاء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ شرط کا معدوم فی الحال ہونا ضروری ہے زمانہ آئندہ میں پائی جا سکے۔ اور اس صورت میں شرط زمانہ گذشتہ میں موجود ہو چکی ہے،

(۲) اگر کسی شخص نے اپنی دو بیویوں میں ہر ایک کو ایک ساتھ دوپٹہ بنایا ایک نے اپنا کھو دیا، شوہر نے کہا کہ جس نے اپنا دوپٹہ کھو دیا، اس پر طلاق۔ اور ہر ایک انکار کرتی رہی، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

**الجواب**: اگر شوہر کو معلوم ہے کہ فلاں عورت نے پانی رکھا تھا یا فلاں نے دوپٹہ گمایا ہے، جب تو

Marfat.com

ظاہر ہے کہ اسی کو طلاق ہے، اس کے انکار کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، اور اگر شوہر کو بھی معلوم نہیں وہ خود مشتبہ ہے کہ کس نے ایسا کیا، مگر یہ معلوم ہے کہ انھیں دونوں میں سے ایک نے پانی رکھا ہے، اس صورت میں حکم یہ ہے کہ جب تک دونوں میں سے ایک کو معین نہ کرے اور اشتباہ جاتا نہ رہے، کسی سے قربت نہیں کر سکتا اگر وہ طلاق بائن ہو یا عدت گذر چکی ہو۔ اگر رجعی ہے تو دونوں سے رجعت کرے، اور اگر بائن مادون الثلث ہے تو دونوں سے نکاح کرے اور مغلظہ ہو تو بالکل قربت نہیں کر سکتا، جب تک تحلیل نہ ہو جائے یعنی ہر ایک کو ایک ایک طلاق دیدے تاکہ وہ دوسرے سے نکاح کر سکے، پھر اگر وہ طلاق دیدے، اور عدت گذر جائے تو شوہر اول نکاح کر سکتا ہے، اگر شوہر نے کوئی ایسا فعل کیا جس سے ایک کا مطلقہ ہونا معین ہو جائے تو اسی پر طلاق کا حکم ہوگا، فتاوی عالمگیری میں ہے، ولو اطلق احدی نسائه الاربع ثلاثا ثم اشتبهت و انكرت كل واحدة ان تكون هي المطلقة لايقرب واحدة منهن لانه حرمت عليه احداهن ويجوز ان تكون كل واحدة وقد قال اصحابنا رحمهم الله تعالٰى كل ما لايباح عند الضرورة لايجوز التحري فيه والخروج من هذا الباب، ولهذا قالوا اذا اختلطت الميتة بالمذبوحة انه يتحرى لان الميتة تباح عند الضرورة واستعدين عليه الى الحاكم فی النفقة والجماع اعدی عليه وجبه حتى يتبين التي طلقها منهن وتلزمه نفقتهن و ينبغي ان يطلق كل واحدة طلقة واحدة فاذا تزوجن بغيره جاز له التزوج بهن وان لم يتزوجن فالافضل ان لايتزوج بواحدة ولو تزوج بالثلاث صح نكاحهن وتعينت الرابعة للطلاق وكذا قالوا في الوطئ لايقرب هن احتياطاً فان قرب الثلاث تعينت الرابعة للطلاق وليس له ان يتزوج بالكل قبل ان يتزوج بزوج آخر فان تزوجت واحدة منهن بزوج ودخل بها ثم تزوج الكل ذكر في الجامع انه يجوز نكاح الكل ولو ادعت كل واحدة انها المطلقة ثلاثا يحلف الزوج فان نكل وقع على كل واحدة الثلاث وان حلف لهن فالحكم كما قلنا قبل اليمين كذا في الاختيار شرح المختار، وكذا اذا كانتا اثنتين فتزوج احداهما تعينت الاخرى للطلاق هذا اذا كان الطلاق ثلاثا فان كان بائنا ينكحن جميعا نكاحا جديدا ولا يحتاج الى الطلاق وان كان رجعيا يراجعهن جميعا واذا كان الطلاق ثلاثا فماتت واحدة منهن قبل البيان فالاحسن ان لايطأ الباقيات الا بعد بيان مطلقة وان

Marfat.com

وطنہن قبل البیان جاز کما فی البدائع. واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ محمد یوسف عبد الغفور از مالیگاؤں، محلہ اسلام پور، ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ کے درمیان کچھ تنازع تھا اس بنا پر پنچوں نے اقرار نامہ پر صحیح لیا کہ اگر اب اپنی بیوی کو چھوڑ کر کسی شہر جاؤ گے تو تمہاری بیوی پر طلاق از زید نے مجبوراً صحیح کر دیا اور دو گواہوں کے سامنے اپنی بیوی سے براضی و خوشی مشورہ لے کر کسی دوسرے شہر چلا گیا۔ تو اس صورت میں طلاق ہوتی ہے یا نہیں۔ اس کا جواب بحوالہ کتب شرعیہ عنایت فرمایئے؟

**الجواب:** ظاہر یہی ہے کہ مجبوری سے مراد عرفی مجبوری ہے۔ نہ کہ اکراہ شرعی، لہٰذا صورت مستفسرہ میں طلاق واقع ہوگئی کہ وقوع طلاق کو دوسرے شہر میں جانے پر معلق کیا تھا، اس میں رضامندی یا ناراضی کی قید نہ تھی پھر اگر طلاق نامہ میں اتنا ہی ہے نہ لفظ طلاق تین مرتبہ ہے اور نہ تین کا عدد ہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ کہ اندرون عدت شوہر رجعت کر سکتا ہے۔ اس میں حلالہ کی حاجت نہ ہوگی اور اگر تین طلاقیں ہیں تو بغیر حلالہ نکاح نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، مدرسہ اشرفیہ مرسلہ عبد الغفار متعلم مدرسہ، ۹ رجمادی الآخر ۱۳۵۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق مشروط دیا، اور کہا کہ میں اگر اپنی زوجہ کو اس کے میکے سے بلا کر لاؤں یا بلاؤں تو اس کو طلاق ہے۔ اس کو طلاق بائن ہے۔ اس کو طلاق بائن ہے تو اس صورت میں اگر زید نے کسی دوسرے شخص کے ذریعہ سے بلایا تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں، اور اگر خود بلایا تو کون سی طلاق ہوگی اور اس کے بعد اگر زید رکھنا چاہے تو بغیر حلالہ کے رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** صورت مذکورہ میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں کیونکہ شرط متحقق ہوگئی کہ اس نے آدمی بھیج کر بلا لیا۔[1] اور تیسری طلاق اگرچہ بائن کے بعد بائن ہے۔ مگر چونکہ یہاں لفظ طلاق بھی مذکور ہے، لہٰذا وجود شرط کی صورت میں یہ طلاق بھی واقع ہوگی، کیونکہ لفظ صریح موجود ہے اگرچہ بائن کو لغو بھی کیا جائے تو صریح صریح کو لاحق ہوگی۔ اور اس سے بھی طلاق پڑے گی۔ درمختار میں ہے۔ لا یلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخبارا عن الاول

---

[1] اس صورت میں اگر عورت خود آجاتی تو طلاق واقع نہ ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

کانت بائن بائن (الی ان قال) بخلاف ابنتک باخری او انت طالق بائن، رد المحتار میں ہے، وقولہ او انت طالق بائن لان وقوعہ بانت طالق وھو صریح ویلغو قولہ بائن لعدم الحاجۃ الیہ لان الصریح بعد البائن بائن کذا فی شرح المنار لصاحب البحر وھو اشارۃ الی ما ذکرہ فی البحر عن الذخیرۃ من الفرق بین ھذا وبین قولہ للمبانۃ ابنتک بتطلیقۃ وھو انہ اذا الغینا بائناً یبقی قولہ طالق وبہ یقع ولو الغینا ابنتک یبقی قولہ بتطلیقۃ وھو غیر مفید، جب اس صورت میں تین طلاقیں ہوگئیں تو بغیر حلالہ اس مرد کے لئے یہ عورت حلال نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب،

**مسئلہ:** مسئولہ حاجی عبد الرحمٰن صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی چچازاد بھائی کے یہاں وہاں ایک عورت نے کہا کہ یہاں آتی ہو تو ہمارے گھر جانے سے کیوں پرہیز کیا گیا، ہم بھی اپنے ہیں، اس پر ہندہ نے کہہ دیا، تمہارا اگر ایسا نہیں جو ہم جائیں، یہ بات زید کی والدہ سے کچھ (اضافہ کرکے کہا کہ زید کی والدہ زید سے یہ واقعہ بیان کررہی تھی کہ ہندہ نے وہاں جاکر ایسا ایسا کہا، اس واقعہ کو سن کر زید غصہ میں آگیا اور کہا کہ یہ عورت (ہندہ جو بغل کے کمرہ میں تھی) فلاں یعنی اپنے باپ کے سوا دوسرے کے سامنے جائے تو تین طلاق، زید کہتا ہے کہ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ عورت اپنے باپ یا محرم کے گھر کے سوا دوسرے کے گھر جائے تو تین طلاق اس میں شریعت کا کیا ارشاد ہے، ہندہ اب تک اپنی والدہ کے پاس پردہ کے ساتھ ہے، بینوا توجروا،

**الجواب:** غلطی سے اگر دوسرے الفاظ نکل گئے تو طلاق بحکم محض الفاظ پر دیا جائے گا، جو زبان سے نکلے قضاءً اس کا لحاظ نہیں ہوگا کہ اس کا کیا ارادہ تھا کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو جس کا جی چاہے طلاق کے الفاظ بکر پھر یہ کہے کہ میں یہ کہنا چاہتا تھا غلطی سے زبان سے طلاق کا لفظ نکل گیا، درمختار میں ہے، او مخطئا بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علی لسانہ الطلاق یقع قضاءً فقط اھ ملتقطا، قضاءً اسی کا لحاظ ہوگا جو اس کی زبان سے لفظ نکلے، مگر دیانۃً[1] اگر دوسرے الفاظ کا تلفظ کرنا چاہتا تھا تو گنجائش ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

[1] مگر عورت حکم قضاء کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کی جائے گی، فتاوی رضویہ میں ہے "یہی تفصیل جو حکم قضائی ہے، عورہ کو اسی پر عمل واجب ہے، فان المرأۃ کالقاضی کما فی الفتح وغیرہ، فتاوی رضویہ جلد پنجم ص ۵۵۸، فتح القدیر میں ہے، وکل ما یدینہ القاضی اذا سمعتہ (بقیہ ص ۲۶۳ پر)

Marfat.com

**مسئلہ:** آمدہ از کولھو ٹولہ اسٹریٹ کلکتہ مرسلہ شیر محمد اصغر،

ما قول العلماء الکرام ومفتیان الزمان فی مسئلة الذیل فقال زید قد اخذ منی عمرو مائة وعشرین قرضا فلما طلبت من المقروض فقال انی ارد الیک عن قریب فلما مضیٰ علیه مدة کثیرة فارسلت الیه رجلا فاخبرنی الرجل المرسل انه اجابنی انی قد کنت اخذت منه مائة واحدة وقد ادیت الیه سبعین فادی الیه ما بقی من قریب فذهب المدعی الی رئیس فطلب رئیس مقروضا فحاد کل واحد بیانه ان قال مدعی انی اعطیت مقروضا قرضا حسنا مائة وعشرین وما ادی الی شیئا من قرضه وقال مقروض انی قد کنت اخذت منه مائة واحدة وادیت الیه سبعین فما بقی علیه من قرضه الا ثلثون فقال مدعی ان کنت فی دعوی کاذبا فعلی امرأتی ثلثة تطلیقات مغلظة ثم قال مقروض ان کنت کاذبا فی بیانی فعلی امرأتی ثلثة تطلیقات مغلظة ثم ذهبا من عنده ثم ذهب مدعی عند رئیس اخری فلما سمع مقروض من ذهابه عند رئیس هذا فذهب عند قوم فارسل قوم رجلا الی هذا الرئیس لان یقول له لا تدخل فی معاملتهما انا نحن نفصل بینهما فاتفق القوم علی ثمانین فذهب قوم بثمانین مدعی فاخذ المدعی ثمانین ورمی علیه فوقع الاختلاف بین المسلمین فی وقوع الطلاق علی امرأة المقروض اختلافا شدیدا فهل قد وقعت الطلاق علی امرأة المقروض فی صورة المسئولة ام لا. بینوا توجروا۔

**الجواب:** لما علق المدعی علیه طلاق امرأته علی کذبه فی هذا البیان فما لم یثبت انه کاذب لا یحکم بوقوع الطلاق ومصالحت قوم بان یدعی ثمانین روپیہ لا تقتضی انه کان کاذبا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** آمدہ از بازار شکلڈیہ ضلع بنارس مرسلہ محمد شفیع رنگ ریز ۲۴ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ،

علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کیا فرماتے ہیں، عمرو نے زید کی دختر سے اپنی شادی کرنی چاہی لیکن عمرو کے پاس کوئی ملکیت یا رہنے کے لئے مکان نہیں پایا، اس لئے زید نے دو آدمی کے سامنے عمرو سے عہد لیا کہ میں تمہاری شادی اس شرط پر کروں گا جب تک تم اپنے رہنے کے لئے مکان نہ بنوالو رخصتی کا نام نہ لینا، اگر بغیر

(بقیہ ص ۲۶۲ کا) منه المرأة او شهد به عندها عدل لا یسعها ان تدینه لانها کالقاضی لا تعرف منه الا الظاهر، مطبوعہ نولکشور، ج ۲ ص ۱۵۵، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

مکان بنوائے رخصتی کا نام لیا تو تمھارا نکاح ٹوٹ جائے گا اور طلاق ہوگی، اور جب تک خداوند کریم تجھے مکان بنانے کی توفیق عطا فرمائے تب تک میرے (زید کے) مکان کو اپنا مکان سمجھنا روزی کمانے کے لئے ہندوستان میں کہیں رہنا مگر مکان پر آتے جاتے رہنا عمرو نے مذکورہ بالا عہد کا اقرار دونوں آدمی کے سامنے کیا، بلکہ تحریر لکھنے پر آمادہ ہوا لیکن گواہوں نے کہا کہ کوئی ضرورت نہیں زبانی اقرار کافی ہے جب عمرو کی بارات زید کے مکان پر آئی تو زید کی دختر نے دین مہر میں علاوہ نقد سکہ ونان ونفقہ ایک قطعہ زنانہ مکان بھی رکھا جس کو قاضی وگواہان اور مجلس کے تمام لوگوں نے سنا اور کہنے لگے کہ دین مہر میں مکان نہ رکھا جائے لیکن عمرو نے کہا مجھے یہ سب قبول ہے، اور کچھ لوگ اس لڑکی کو سمجھا بجھا کر دین مہر سے مکان نکلوا کر قبول کرایا نکاح ہونے کے بعد حسب وعدہ عمرو کبھی کبھی زید کے گھر آتا جاتا رہا اور اپنی منکوحہ سے نسبت بھی رکھا، بعد کو کلکتہ چلا گیا، گیارہ ماہ کے بعد کلکتہ سے واپس آیا نو ماہ آئے ہوگیا تب سے لڑکی سے کوئی نسبت نہیں ہے عمرو اپنے وعدہ کے خلاف مکان نہ بنوا کر رخصتی کے لئے تقاضا کرتا رہتا ہے، عرصہ پانچ ماہ سے جا بجا رخصتی نہ کرنے کی خبر دے کر زید کو بدنام کرتا ہے، فروری ۱۹۴۷ء میں زید اور زید کی دختر کے نام نوٹس بھیجا، پھر زید اور زید کی بیوی کے نام بذریعہ تھانہ سمن بھیجا، عرصہ دو سال نکاح کو ہوگیا، مگر عمرو نے لڑکی کے کھانے کپڑے کا کوئی خیال نہیں کیا، کہنے پر کہتا ہے کہ خرچہ کپڑا ہم پر فرض نہیں، زید کو ڈر ہے کہ حسب وعدہ نکاح ٹوٹ گیا، رخصت کرنے سے میں زانی ٹھہرونگا اور قہر خداوندی میں گرفتار ہوں گا، عذاب الٰہی کا مستحق ہوجاؤں گا، کتب فقہ وغیرہ سے بیان فرمائیں؟ فی الحقیقت طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: عبارت سوال سے یہ ظاہر ہے کہ عمرو نے مطالبہ رخصت پر اس عورت کی طلاق کو معلق کیا ہے جس سے ابھی نکاح نہیں ہوا ہے، بلکہ نکاح ہو نا طے پایا ہے، اگر صورت یہی ہے جو عبارت سوال سے سمجھ میں آتی ہے تو طلاق واقع نہ ہوئی کہ غیر منکوحہ کو طلاق نہیں دی جاسکتی۔ نہ اس کی طلاق کو نکاح یا ملک کے سوا کسی اور شرط پر معلق کیا جاسکتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، ولا تصح اضافۃ الطلاق الا ان یکون الحالف مالکا او یضیفہ الی ملک والاضافۃ الی سبب الملک کالتزوج کالاضافۃ الی الملک

واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ جناب یاد علی صاحب وارثی قصبہ مہداول ضلع بستی،

حضرت صدر الشریعہ جناب مولانا محمد امجد علی صاحب دام اقبالہ سلام مسنون کے بعد گذارش ہے کہ زید جاہل تھا لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا لوگوں کے سامنے اپنی زبان سے یہ اقرار کیا تھا کہ اگر میں ۱۶ اگست کو پینتالیس روپیہ نہ دوں تو ہندہ کو یعنی میری بیوی کو طلاق بائن ہے لیکن لوگوں نے کہا کہ اقرار نامہ لکھوا لیا جائے جس سے کہ آئندہ زید کسی قسم کا عذر و انکار نہ کر سکے۔ لہذا جن صاحب نے اقرار نامہ لکھا تو یوں لکھ دیا کہ اگر میں تاریخ مقررہ پر روپیہ نہ دوں تو طلاق بائن تصور فرمایا جائے۔ اب دریافت یہ امر ہے کہ زید نے روپیہ نہیں دیا اور عرصہ پانچ یا چھ ماہ کا ہو گیا۔ اب ہندہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں اور طلاق واقع ہوئی یا نہیں بینوا توجروا۔

**الجواب:** اگر واقعہ یہی ہو جو اس سوال میں بیان کیا گیا ہے کہ شوہر ہندہ نے زبان سے یہ کہا تھا کہ طلاق بائن ہے مگر لکھنے والے نے اپنی طرف سے یہ لفظ لکھ دیا کہ۔ طلاق بائن تصور فرمایا جائے۔ تو ہندہ پر شرط پائے جانے کی صورت میں یعنی اس تاریخ مذکورہ پر روپیہ نہ دینے کی صورت میں ایک طلاق بائن واقع ہو گئی اور عدت پوری ہونے پر ہندہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

# طلاقِ مریض کا بیان

**مسئلہ:** مسئولہ عبد المتین ساکن موضع چکلہ ڈاکخانہ بائسی ضلع پورنیہ ۸ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بحالت نزاع ایک گواہ کے سامنے اپنی بیوی منکوحہ کو دو مرتبہ کہا تم کو طلاق دیتے ہیں اور ایک مرتبہ کہا کہ آج سے تم ہم سے چھٹکارا ہو گئی چلی جاؤ تم کو طلاق دیتے ہیں جو تمہارے دل میں تھا ہو گیا۔ از روئے شرع طلاق ہوئی یا نہیں،

**الجواب:** اگر زید ہوش میں تھا تو ان الفاظ سے اس کی زوجہ پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں، اگرچہ اس کی حالت نزع کی تھی مگر یہ عورت زید کے ترکہ میں سے اپنا حصہ شرعی پائے گی، میراث سے محروم نہیں ہو گی کہ مرض الموت میں طلاق کا یہی حکم ہے۔ کذا فی عامۃ کتب الفقہ۔ یہ حکم وقوع طلاق کا ہے کہ اگر واقع میں اس نے اس حالت میں طلاق دی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، رہا اس کے طلاق دینے کا ثبوت تو اگر عورت

Marfat.com

اس کے طلاق دینے کی منکر ہے تو فقط ایک گواہ سے طلاق ثابت نہیں ہوگی، ثبوت کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں درکار ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

# رجعت کا بیان

**مسئلہ:** مسئولہ نبی بخش از پیلی بھیت، ۸ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ

ماں بیٹے اور بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا اور جھگڑا ہونے پر ایک دوسرا شخص بیٹھا ہوا تھا، تب لڑکے نے اٹھ کر دو مرتبہ طلاق دی اور ماں کو بھی مارا، مگر دوسرا شخص کہتا تھا کہ میں نے نہیں سنا کہ طلاق دی، یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

**الجواب:** جب وہ شخص خود طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے تو صورت مستفسرہ میں دو رجعی طلاقیں واقع ہوگئیں۔ دوسرے شخص نے سنا ہو یا نہ سنا ہو کہ وقوع طلاق کے لئے دوسرے کا سننا شرط نہیں، اب اگر شوہر اسے رکھنا چاہتا ہے تو رجعت کرلے، وہ بدستور اس کی زوجہ ہے۔ اگر عدت پوری نہ ہوئی ہو تو فقط اتنا کہہ لینا کہ میں نے اپنی عورت مسماۃ فلاں کو واپس لیا، رجعت کے لئے کافی ہے، یا چاہے تو جدید نکاح کرلے اور حلالہ کی اس صورت میں کچھ حاجت نہیں، مگر یہ واضح رہے کہ اب آئندہ اگر ایک طلاق دے گا تو مغلظہ ہو جائے گی۔ بے حلالہ اس کے نکاح میں نہ آسکے گی، اور اس شخص نے ماں کو مارا یہ بہت برا کیا، توبہ کرے اور ماں سے معافی مانگے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے، ولا تقل لھما اف ولا تنھرھما، ماں باپ کو اف کہنے اور جھڑکنے تک کی ممانعت آئی نہ کہ مارنا، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مرسلہ ارشاد علی محلہ ملوک پور بریلی، ۲۰ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو ان لوگوں کے روبرو آنے سے منع کیا تھا جس سے شرعاً پردہ کا حکم ہے، جب وہ باز نہ آئی تو زید نے یہ جملہ کہا کہ اگر فلاں فلاں شخص کے سامنے آوگی تو میری طرف سے تجھ کو طلاق ہے، اب جب کہ وہ عورت ان لوگوں کے سامنے آتی ہے اور پردہ کا لحاظ نہ کیا، اس صورت میں وہ عقد میں رہی یا نہیں، جب زید کو معلوم ہوا کہ ان لوگوں

Marfat.com

کے سامنے آئی اس وقت ایک خط بایں مضمون علاوہ شکوہ وشکایت کے عورت کو روانہ کیا، میں نے پردہ کرنے کو کہا تھا، لہٰذا تم نے خود اپنے واسطے بھی اچھا سمجھا، جو تم نے میرے کہنے پر عمل نہ کیا اور ان لوگوں کے سامنے آکر خود قصہ پاک کر لیا، کیا اب تم میرے عقد میں رہ گئیں، مگر یہ کہ عورت حاملہ بھی ہے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی کہ اندرون عدت رجعت کر سکتا ہے اور اگر رجعت نہ کرے گا، تو بعد عدت یعنی وضع حمل رجعت نہ ہو سکے گی ہاں عقد جدید ہو سکتا ہے، اور حلالہ کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ ولایت حسین محلہ بہاری پور بریلی، ۲ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو گھر میں بہت مارا اور مار کر دروازہ پر کھڑا ہو گیا، تین شخص کھڑے ہوئے کنکیاں اڑا رہے تھے، داڑھی منڈھی ہوئی اور نہ پابند صلوٰۃ تھے۔ ان کے سامنے اس شخص نے کہا میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں، غصہ کی حالت میں طلاق دی، اور نہ تین مرتبہ کہا جب ہم نے ان لوگوں سے تصدیق کیا تو کسی نے کہا ایک مرتبہ، کسی نے کہا دو مرتبہ اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: اگر ایک مرتبہ کہا تو ایک طلاق ہوئی، دو مرتبہ کہا تو دو طلاقیں ہوئیں، مگر عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے، یعنی اتنا کہہ دے کہ میں نے اسے واپس لیا، نکاح جدید کی بھی ضرورت نہیں۔ البتہ عدت گذر جانے پر دوبارہ نکاح کرنا ہوگا، مگر حلالہ کی حاجت نہ پڑے گی اور یہ ضرور ہے کہ آئندہ جب کبھی اس کو طلاق دے گا تو تین طلاقوں کا اختیار نہ ہوگا، جو باقی رہ گئی اسی سے مغلظہ ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: مرسلہ محمد نذیر حسین صاحب، ہیڈ مولوی، ای، بی، ایچ، ٹی، اینہٹی ٹیوشن مالدہ، بنگال، ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ مسماۃ زینب کو بتاریخ ۱۱ ماہ اگہن ۱۳۲۹ سنہ بنگلہ ایک طلاق دی اور بتاریخ ۲۸ طلاق مذکورہ کی رجعت کر لی، بعدہ بتاریخ تین ماہ پوس میں ایک طلاق دی اور اس طلاق کی بھی بتاریخ ۱ ماہ پھاگن رجعت ہوئی، طلاق اور ہر رجعت کی تحریر و شواہد بھی موجود ہیں، ایسے طلاق سے زید نے ہرگز نہ استہزا، یا شرعیہ کی نیت کی نہ زینب کی ایذا رسانی منظور تھی بلکہ

Marfat.com

کسی خاص مصلحت سے وہ ایسا کرنے پر مجبور ہوا لہذا دریں صورت مسئولہ زینب زید کے نکاح میں باقی ہے یا نہیں بینوا توجروا،

**الجواب:** پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجعت جائز تھی جب کہ طلاق رجعی دی ہو، قال اللہ تعالیٰ الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان، اور اب اگر تیسری طلاق دے گا، یہ مغلظہ ہو جائیگی اور رجعت نہیں ہو سکے گی، بغیر حلالہ زید کے نکاح میں نہیں آسکتی، قال اللہ تعالیٰ، فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مسئولہ مولوی ابوالحسن متعلم مدرسہ اہل سنت بریلی، ۱۴ر جمادی الاولی ۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ کو ایک مجلس میں دو مرتبہ طلاق دی اور ایک ماہ کے بعد رجعت ہو گئی اب زید نے نکاح کر لیا ہے، ایسی صورت میں کیا ہونا چاہئے اور طلاق بھی غصہ سے دی تھی؟ بینوا توجروا،

**الجواب:** اگر واقع میں دو ہی طلاقیں دی تھیں، تو رجعت صحیح ہے، عدت کے اندر فقط اتنا کہہ لینا کہ میں نے اسے واپس لیا، یا رجعت کر لی کافی تھا، جدید نکاح کی بھی حاجت نہ تھی، ہاں عدت پوری ہونے کے بعد بیشک بغیر نکاح اس کی زوجیت میں نہ آتی، قال اللہ تعالیٰ الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان ہاں یہ بات البتہ ضرور قابل لحاظ ہے کہ اب جب کبھی اسے ایک طلاق دے گا تو مغلظہ ہو جائے گی، مغلظ ہونے کے لئے تین کی حاجت نہیں کہ دو ہو چکیں، اب شوہر کے اختیار میں صرف ایک ہی طلاق باقی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** از سابھر لیک راجپوتانہ علاقہ جے پور، جودھپور، بتوسط جناب منشی نور احمد صاحب ٹھیکیدار،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، ما قولکم رحمکم اللہ فی ھذہ المسئلۃ، کہ زید اپنی زوجہ ہندہ کو بہ تہمت زنا یہ کہتا ہے کہ تو میری مثل ماں بہن کے ہے، اگر تجھ کو گھر میں رکھوں اور ہاتھ لگاؤں تو جیسے اپنی ماں بہن کو ہاتھ لگاؤں اور ہندہ کو اپنے میکے بھیج دیتا ہے، ایک ہفتہ بعد زید جب خالد سے ملتا ہے تو مذکورہ بالا لفظوں کا اعادہ کرتے ہوئے مفصل واقعہ بیان کرتا ہے، خالد نے کہا کہ تم نے غصہ میں ڈرانے اور دھمکانے کے لیے بلا کسی نیت کے کہہ دیا ہوگا، انھیں تو کیا اپنی آنکھ سے دیکھا تھا، ناحق الزام لگاتے ہو کسی پر بہتان

Marfat.com

باندھنا اچھا نہیں، بالخصوص اپنی بیوی پر تم کو ایسے الفاظ نہیں کہنا چاہئے، زید جواباً کہتا ہے کہ میں نے خود ہندہ سے دریافت کیا تھا اور اس نے ارتکاب زنا کا اعتراف کرتے ہوئے کہا میں کیا کروں وہ متعدد اشخاص تھے، اور میں تنہا مجبور تھی، وہ لوگ مکان میں گھس آئے، میرے ملازم نے بھی ہندہ کے بیان کی تائید کی اس طرح تحقیق و تصدیق ہو جانے پر میں نے یہ کہا تھا، اور میری غیرت اس کی مقتضی نہیں کہ میں اب بھی ہندہ کو بحیثیت بیوی رکھوں، میری نیت طلاق کی تھی، اور عمداً بہ نیت طلاق ہی یہ کہا تھا، مگر اب تشویش یہ ہے کہ مہر کی معافی نامہ پر ہندہ کے دستخط باوجود کوشش کے بھی نہ ہو سکے اب یہ چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ صلح کرکے میں ہندہ کو اپنے مکان پر لے جاؤں اور پھر کسی حیلہ سے مہر معاف کرا کر نکال دوں، ڈیڑھ سال بعد زید دعویٰ دخل زوجیت دائر عدالت کر دیتا ہے، حالانکہ اس عرصہ میں نہ زید نے رجعت کی نہ خلوت صحیحہ ہوئی، لہذا ایسی صورت میں عند الشرع طلاق واقع ہوئی یا نہیں، بینوا توجروا۔

**الجواب**: اگر زید نے یہی الفاظ کہے، جو سوال میں مذکور ہے اور بہ نیت طلاق کہے تو ایک طلاق بائن واقع ہو گئی۔ یہ رجعی طلاق نہیں جس میں عدت کے اندر رجعت ہوتی ہے، درمختار میں[1] ہے، وان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لوحذف علی خانیہ برا افظہار او طلاقا صحت نیتہ و وقع مانواہ لانہ کنایۃ، ردالمحتار میں ہے، قال فی البحر واذا نوی بہ الطلاق کان بائنا کلفظ الحرام، ہاں اس صورت میں حلالہ کی ضرورت نہیں، اگر وہ دونوں باہم پھر نکاح کرنا چاہیں، تو بغیر حلالہ نکاح کر سکتے ہیں کہ ایک ہی طلاق واقع ہوئی ہے۔ بشرطیکہ اس سے پہلے اس زوجہ کو دو طلاقیں نہ دے چکا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از علی پور ضلع مظفر گڑھ مرسلہ جناب نیاز احمد صاحب، مدرس عربی، گورنمنٹ ہائی اسکول ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص کسی اجنبیہ سے ناجائز تعلق قائم کرتے ہوئے اپنی منکوحہ سے بے اعتنائی اختیار کر لیتا ہے، چند آدمی اس کو ایک دن اس کے مکان کی دہلیز میں بیٹھ جاتے ہیں اور اسے سمجھاتے بجھاتے ہیں کہ تو اپنی عورت سے حسن سلوک رکھ وغیرہ وغیرہ، تو وہ غضبناک

[1] باب الظہار ص ۵۰۶ ج ۲ نعمانیہ۔

Marfat.com

ہوکر کہتاہے کہ میری اس کو (منکوحہ کو) بھی طلاق ہے اور اس کو (غیر منکوحہ) بھی یہ کہتے ہوئے باہر نکل جاتاہے اور دو سال تک زوجین ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، دو سال کے بعد مطلقہ پھر اپنی عورت کو جو میکے چلی گئی تھی، واپس اپنے گھر لاتاہے تو اب سوال یہ ہے کہ کیا اس عورت پر طلاق واقع ہوگئی، اور اگر واقع ہوئی تو کون سی اگر رجعی واقع ہوئی تو دو سال تک جب اس شخص نے رجوع نہیں کیا تو وہ بائنہ نہیں بن جائے گی، اگر مرد ایسا کلمہ غضب کی حالت میں اپنی عورت سے کہدے، جس سے سب وشتم مقصود نہ ہوسکے جیسا کہ صورت ھذا میں، تو کیا طلاق واقع ہوجاتی ہے، مطلقہ ہونے کی صورت میں دو سال تک میکے میں رہی، کیا اس کی عدت اس میں شمار ہوجائے گی، کیا وہ فوراً دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے اور اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟

**الجواب**: صورت مذکورہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، کہ اگر عدت کے اندر شوہر رجوع کرے تو وہ بدستور اس کی عورت رہے گی، ورنہ عدت پوری ہونے پر اس کے نکاح سے خارج ہوجائے گی، جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، اور مطلقہ کی عدت تین حیض ہے، اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو کہ سن ایاس کو پہونچ گئی یا ابھی آیا ہی نہ ہو تو عدت تین ماہ ہے، بہر حال عدت کے اندر رجوع کرسکتاہے، بعد عدت رجعت کا اختیار نہیں، البتہ عورت کی رضامندی سے اس سے نکاح کرسکتاہے، عورت چاہے تو میکے میں رہے یا شوہر کے مکان میں رہے یا کہیں دوسری جگہ رہے عدت ہر حال میں پوری ہوجائے گی اور اگر شوہر نے رجعت نہیں کی ہے اور عدت پوری ہوچکی ہے، تو دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ**: از مبارک پور، ضلع اعظم گڈھ، مرسلہ شیخ محمد امین صاحب، صدر مدرسہ اشرفیہ،

۵ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ منکوحہ زید جو نہایت بدمزاج اور جس کی بدخلقی اور بدمزاجی کی وجہ سے اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان اکثر جھگڑا ہوجایا کرتاتھا، ایک دفعہ اپنے شوہر سے اس کی تندرستی وصحت کی حالت میں جھگڑا کرنے کے درمیان اپنے استعمال کے سامان لے جانے کے واسطے نکالتے ہوئے دو معتبر ثقہ آدمیوں کے سامنے اپنے شوہر زید سے کہا تم مجھ کو چھوڑ دو شوہر نے جواب میں کہا کہ جا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا پھر ہندہ نے مجھ محبت وکلام کے بعد زید سے کہا کہ تم مجھ کو طلاق دیدو، زید نے کہا کہ جا میں نے تجھ کو طلاق دیدیا پھر دونوں ثقہ آدمیوں کے چلے جانے کے بعد ہندہ نے زید کو مخاطب کیا اور زید نے کہا خاموش

Marfat.com

ہو جانے کی وجہ سے ہندہ نے کہا، بولتے کیوں نہیں، میری آہ و فغاں نہیں جائے گی اور تمہارے مرنے پر تم پر کوئی رونے والا نہیں ملے گا، زید نے کہا کہ خیر اب تو میں نے تجھ کو چھوڑ ہی دیا ہے۔ اور طلاق دے دیا ہے۔ اور تو جا ہی رہی ہے پھر ہندہ نے اپنا مہر طلب کیا، زید نے کہا میرے زیور تیرے پاس ہیں، ہندہ نے انکار کیا اور سامان مذکورہ لے کر اپنی لڑکی کے یہاں چلی گئی، اب سوال یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

**الجواب**: صورت مذکورہ میں عورت پر دو طلاقیں رجعی واقع ہو گئیں، ایک پہلا لفظ چھوڑ دیا ہے کہ یہ بھی ہمارے یہاں کے محاورہ میں صریح الفاظ طلاق سے ہے، اور اس سے رجعی طلاق ہوتی ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے، وکان شیخ الامام ظہیر الدین المرغینانی رحمہ اللہ تعالی یفتی فی قولہ بہشتم بالوقوع بلانیۃ ویکون الواقع رجعیا (اگرچہ لفظ رجا) الفاظ کنایہ میں سے ہے اور اس سے بائن طلاق ہوتی ہے، جب کہ طلاق کی نیت ہو، مگر صریح لفظ کے ساتھ جب اس کا استعمال ہو تو اس سے طلاق نہیں ہوتی، فتاوی خیریہ میں ہے، سئل فی رجل قال لزوجتہ روحی[1] طالق اجاب بانہ رجعی لان قولہ روحی طالق صریح فیہ، اور دوسرے اس لفظ سے کہ جا،

[1] روحی، امر من الرواح، بمعنی الذھاب فی المنجد ویستعمل لمطلق الذھاب والمضی وتحصل الخبریۃ ھھنا انہ اذا لم ینو لقولہ روحی طلاقا جدیدا لانہ قد صرح نفسہ فیہ قبل وریقات انہ کاذھبی مانصہ لان روحی کاذھبی ھی من قسم ما یصلح جوابا وردا. ولابد فیہ من النیۃ مطلقا سواء کان فی حالۃ مذاکرۃ الطلاق اولا، وسواء کان فی حالۃ الغضب اوالرضا. وھو محتاج الی النیۃ. والقول قولہ فی ذالک ولانہ عللہ بان فی قولہ روحی طالق معناہ روحی بصفۃ الطلاق ووقع بالصریح بخلاف روحی (ای وحدہ) فان وقوعہ بلفظ الکنایۃ فاستفید منہ اذا ینوی فی قولہ روحی طالقا بقولہ روحی طلاقا جدیدا یقع طلاقا بائنا. واذا لم ینو لا یقع بھا طلاق. لکن ما افتی بہ صدر الشریعۃ مخالف لما فی الرضویۃ حیث قال، سوال۔ شوہر نے کہا تجھ کو طلاق دی میں نے، جا تجھ کو طلاق دی میں نے، اس کا نتیجہ یہ ہے جا۔ الجواب: تین طلاقیں ہو گئیں بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، لان (جا) وان کان یحتمل ردا وغایۃ تقدم الطلاق ان الحال صار حال المذاکرۃ لکن ما یحتمل الرد ینوی فیہ مطلقا، غیر ان ایقاعہ الطلاق یرد ارادۃ الرد، فکان خلاف الظاھر فلا یصدق فیہ قضاء والمرأۃ کالقاضی، کما فی الفتح والبحر۔ قال فی الدر المختار، اذھبی وتزوجی تقع واحدۃ بلانیۃ قال الشامی لان تزوجی قرینۃ فان نوی الثلاث، فثلاث. (بزازیہ) لا لما نازعہ بان تزوجی ایضا کنایۃ، فکیف یکون قرینۃ. وان القرینۃ لابد لھا

(بقیہ ص ۲۷۲ پر)

Marfat.com

میں نے تجھ کو طلاق دے دیا، اور اس کے بعد کے الفاظ اب تو میں نے چھوڑ ہی دیا ہے اور طلاق دے دیا ہے الظاہر یہ الفاظ اخبار ہیں، اس سے وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا، واللہ تعالٰی اعلم،

**مسئلہ:** مرسلہ حافظ محمد ابراہیم صاحب، ڈونگری والے مقام بیاور ضلع اجمیر، یکم شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ

س کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں باب رحمکم اللہ تعالٰی کہ محمد عثمان نے اپنی سسرال پالی جا کر اپنی زوجہ مسماۃ مریم کو بوجہ حکم عدولی غصہ میں آکر ایک طلاق نامہ لکھ دیا، جس کی نقل بعینہ ذیل میں درج ہے، ملاحظہ فرما کر بہت جلد جواب روانہ فرمائیں؟

## نقل طلاق نامہ،

میں کہ محمد عثمان . . . . جو کہ مسماۃ مریم . . . . عرصہ تین سال سے میرے عقد میں تھی اب میں نے بحالت صحت نفس ثبات عقل مسماۃ مذکورہ کو بوجہ میرے حکم عدولی طلاق دی اور جس قدر مہر تھا، حوالہ مسماۃ مذکورہ کیا، لہذا مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہے کہ جس کے ساتھ جب چاہے اپنا نکاح کر لے، مجھ کو مسماۃ مذکورہ سے کچھ سروکار نہیں، اور نہ ہوگا، اس واسطے یہ چند کلمہ بطور طلاق نامہ لکھ دیئے کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے،

بقلم خود محمد عثمان،

طلاق نامہ لکھ دینے کے چار روز بعد ہی محمد عثمان نے ایک نوٹس بیاور سے اپنی عورت مریم کو دے دیا کہ تم میری جائز عورت ہو میں نے جو تم کو غصہ میں آکر لکھ دیا ہے کہ طلاق دی، میں اس طلاق کو واپس لے کر بذریعہ نوٹس تم سے رجعت کرتا ہوں، تم فوراً میرے مکان پر چلی آؤ، مگر مسماۃ مریم اپنے والدین کے ورغلانے سے یا اپنی خوشی سے کہتی ہے کہ میں اب اپنے شوہر سے رجعت نہیں چاہتی، کیا مسماۃ مریم کا یہ کہنا کہ رجعت نہیں چاہتی، از روئے شرع شریف معتبر ہوگا، اور یہ رجعت بذریعہ نوٹس صحیح ہوئی یا نہیں اور نوٹس دینے کے بعد مسماۃ مریم عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح ثانی کر سکتی ہے؟ جو حکم ہو شرعاً تحریر فرمائیں؟ اور ہر فقرہ کا جواب مفصل عنایت فرما دیں بہت ہی ضروری ہے؟،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۱) من التقدم وھو ھھنا متاخر لا محصلہ، ولام، و دلتھ منھا فیما نحن فیہ لتقلم الفتاح المنتھی ص ۲، ۴، ج ۵ اقول فیما نحن فیہ ایضا الطلاق الصریح مقدم فیرد اسہادۃ الی دفیقع ثلث قضاء فلابہ ان یحل جواب الخیریۃ علی ان لا یراد بقولہ ردی طلاقا جلیلا، واما اذ یراد بھا طلاقا جدیدا فیقع بھا واحدۃ بائنۃ سواء کان وحل لا اور بقولہ طالق او طلقتک وغیرھا، واللہ تعالٰی اعلم۔

Marfat.com

**الجواب:** طلاق نامہ کا پہلا لفظ کہ طلاق دی، یہ صریح ہے، اس سے ایک طلاق واقع ہوگی، دوسرا لفظ کہ جس سے چاہے نکاح کرے، یہ کنایہ ہے، اگر اس سے بھی طلاق کی نیت ہے تو بائن طلاق ہوگی، اور اس صورت میں رجعت نہیں ہوسکتی، اور اگر اس سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے، تو صرف وہی ایک طلاق ہوگی اور رجعی ہوگی، اور اس صورت میں رجعت اندرون عدت ہوسکتی ہے، اور رجعت تحریر کے ذریعہ بھی ہوسکتی ہے، اور دو گواہوں کے سامنے اگر رجعت کے الفاظ کہہ دیئے، اگرچہ عورت وہاں موجود نہیں ہے، جب بھی رجعت ہوجائے گی، رجعت میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں، بلکہ عورت انکار کرے جب بھی رجعت ہوجائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مسئولہ مولوی محمد صدیق صاحب خیرآبادی۔ از مالیگاؤں، مدرسہ عربیہ حنفیہ ۸ محرم ۱۳۶۷ھ
زید کی ساس نے کہا میری لڑکی کو چھوڑ دو، کچھ دیر کے بعد سالی نے کہا میری بہن کو چھوڑ دو، زید نے اس وقت کچھ نہ کہا، وہاں سے ہٹ گیا، چار پانچ گھنٹے کے بعد باہر سے آیا سوٹ اتارنے لگا، زید کی بیوی نے کہا، کھانا کھالو، زید نے کہا، میں کھا چکا، اور جو تمہاری ماں بہن نے کہا میں نے کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو رجعی یا بائن، کیا اس میں نیت کی بھی حاجت ہے، اس واقعہ کو ایک سال گذر گیا ہے، اب اگر طلاق واقع ہوگئی تو اس کو عقد میں لانے کی صورت کیا ہے، حتی الامکان اس جزئیہ کو تلاش کیا، مگر بوجہ پریشانی و تردداث کامیاب نہ ہوا؟

**الجواب:** چھوڑ دینا بھی اردو زبان میں بمعنی طلاق دینا ہے، اور یہ الفاظ صریح سے گنا جاتا ہے، اگر زید نے اسی وقت جب کہ اس کی ساس اور سالی نے چھوڑ دینے کو کہا تھا، یہ لفظ کہا ہوتا، جب تو بالکل ظاہر تھا کہ اس لفظ سے طلاق واقع ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا، اگر جب کہ ایک طویل و ممتد زمانہ گذر چکا، نہ وہ مجلس رہی نہ وہ مذاکرہ رہا، اس وقت اس کا یہ لفظ کہنا اس بات کو نہیں بتاتا کہ اس کی مراد وہی طلاق اور چھوڑنا ہے، ممکن ہے اس کی ساس اور سالی نے کوئی دوسری بات بھی چھوڑنے کے سوا کہی ہو جس کو وہ کرنا بتاتا ہے، لہذا زید سے دریافت کیا جائے، اگر اس کی مراد اس لفظ سے طلاق دینا ہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، اگر اس نے اندرون عدت وطی وغیرہ کرلی ہے، یا کوئی لفظ رجعت کا استعمال کرلیا ہے تو رجعت ہوگئی، ورنہ اب اس سے جدید نکاح کرسکتا ہے، اس میں حلالہ کی کوئی ضرورت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

Marfat.com

# حلالہ کا بیان

**مسئلہ:** مرسلہ رمضانی محلہ شاہ آباد عقب کوتوالی بریلی ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے غصہ کی حالت میں دو عورتوں کے روبرو اپنی زوجہ کو تین بار طلاق دی عدت گذر جانے کے بعد بکر کے ساتھ عورت مذکورہ کا عقد ہوا بکر نے باہم ایک شب گذارنے کے بعد دوسرے دن طلاق دے دی، عدت گذارنے کے بعد عورت مذکورہ کا عقد اس کے پہلے شوہر زید کیساتھ کیا گیا، نکاح کے وقت بکر اور عورت نے حلفاً قاضی اور برادری کے لوگوں کے سامنے اقرار کیا کہ باہم جماع ہوا جسکے پندرہ سولہ گواہ موجود ہیں، اب عقد کے تین ماہ گذرنے کے بعد دو آدمی جو زید سے عداوت رکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ بکر میں اور اس عورت میں اجتماع نہیں ہوا، اس لئے زید کا عقد دوسرا عقد جائز نہ ہوا، ایسی حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے، اور ان دو شخصوں کے واسطے کوئی شرعی سزا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جب عورت اور بکر دونوں خود اقرار کر رہے ہیں کہ باہم صحبت ہوئی تو نکاح زید جائز قرار پائے گا، ان لوگوں کی بات ہرگز قابل اعتبار نہیں کہ یہ امر ایسا نہیں کہ لوگوں کے سامنے ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد، مرسلہ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب، ۲۸ر شوال ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیش امام نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، اور عرصہ ڈیڑھ سال کے بعد پھر نکاح پڑھا کر عورت کو لے گئے، اب شرع کا کیا حکم ہے، آیا یہ فعل جائز ہے یا نہیں، اور اگر ناجائز ہے تو عورت مرد میں جدائی ہونی چاہئے یا کسی اور صورت سے ساتھ رہ سکتے ہیں، یا یوں ہی ساتھ رہنے میں کوئی حرج نہیں، اور ایسے شخص کو امام مقرر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا حکم شرع ہے، مہربانی کر کے جلد جواب سے سرفراز فرمادیں، اور جو نمازیں پیش امام کے پیچھے پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ اب وہ امام کہتا ہے کہ دو طلاقیں دی گئی ہیں تو رجوع کر سکتا ہے، اور ایک اردو کی کتاب دکھائی جس میں لکھا ہے کہ دو طلاق دینے تک بغیر دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کے رجعت کر سکتے ہیں، یہاں کی بستی میں غریب مسلمان ہیں، اکثر علم سے ناواقف اور یہی لوگ نکاح وطلاق میں بھی بطور گواہ وغیرہ موجود رہتے ہیں، مہربانی کر کے جلد جواب سے نوازیں۔

Marfat.com

**الجواب** :- اگر دو معتبر گواہوں سے تین طلاق دینا ثابت ہو تو بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی اور اگر گواہ نہ ہوں تو امام کے بیان کو غلط ماننے کی کوئی وجہ نہیں مگر یہ واضح رہے کہ اگر امام نے تین طلاقیں واقع میں دی ہیں تو گواہ نہ ہونے سے وہ عورت حلال نہ ہوگی، عند اللہ مواخذہ ہوگا، اور غلط بیان عذاب آخرت سے بچا نہیں سکتا پھر اگر تین طلاقیں ثابت ہوں تو عورت مہر دے پر حلالی لازم، اور اس کو امامت سے معزول کرنا بھی ضروری اور جو نمازیں لاعلمی میں پڑھی ہیں، ان کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** :- از شہر پٹنیا، مرسلہ جناب شمس العالم صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ زید نے اپنی زوجہ (جو حاملہ بھی ہے) بوجہ تکرار کہ یہ کہا کہ زید نے اس کو چھ مہینہ کے لئے طلاق دیا پھر اس کے بعد یہ کہا کہ زید نے تجھ کو ایک ہفتہ کے لئے طلاق دیا پھر اس کے بعد یہ کہا کہ زید نے تجھ کو طلاق قطعی دیا، ان صورتوں میں طلاق ہوگئی یا نہیں، اگر ہوگئی تو کون سی ؟

(۲) عمرو نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ کو چھ مہینے کے لئے طلاق دیا، پھر کہا کہ قطع کیا، میں نے ایک ہفتہ کے واسطے پس اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں اگر ہوگی تو کون سی ؟

**الجواب** :- صورت مستفسرہ بالا میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اب بغیر حلالہ شخص اس عورت سے نکاح نہیں کرسکتا ہے طلاق کسی زمانہ خاص کے لئے نہیں ہوتی بلکہ جو طلاق دی جاتی ہے وہ واقع ہو جاتی ہے ایسی قید کا کچھ اثر نہیں اور نہ حمل ہونا مانع وقوع طلاق ہے، درمختار میں ہے، الصریح یلحق الصریح ویلحق البائن لبنہ ط العدۃ والبائن یلحق الصریح۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ایک طلاق رجعی ہوئی اور دوسرا لفظ کہ قطع کیا، یہ طلاق کے الفاظ سے نہیں، اور اس سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کس چیز کو قطع کیا لہٰذا اس سے کوئی حکم نہیں دیا جاسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ** :- مرسلہ یاد علی صاحب وارثی از مہدادل ضلع بستی ۷ رمحرم الحرام ۶۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بحالت غصہ اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ اے عمرو کی بیٹی رضیہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں خدا بھی تجھے طلاق دے۔ اے عمرو کی لڑکی رضیہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں خدا بھی تجھے طلاق دے۔ اے عمرو کی لڑکی تجھے طلاق دیتا ہوں خدا بھی تجھے طلاق دے۔ لہٰذا ایسے کہنے سے رضیہ پر طلاق پڑگئی یا نہیں۔ اگر طلاق پڑگئی ہو تو رضیہ کو رکھنے کیلئے کوئی صورت ہے یا نہیں کیونکہ زید اپنا یعنی مذکورہ بالا الفاظ کہنے کے بعد اب پھر رضیہ کو رکھنا چاہتا ہے کیونکہ رضیہ کے بطن سے زید کے دو بچے ہیں اور دونوں دودھ پیتے ہیں اس لئے زید رضیہ کو پھر رکھنا چاہتا ہے حضور سے مکررات دعا ہے کہ اگر رضیہ کو طلاق ہوگئی ہو تو زید رضیہ کو بغیر حلالہ کئے نہیں رکھ سکتا تو حلالہ کی صورت حضور نے بہار شریعت حصہ ہشتم صفحہ ۶۹ د میں تحریر فرمایا ہے کہ "اگر عورت مدخولہ ہے تو طلاق کی عدت پوری ہونے کے بعد عورت کسی اور سے نکاح صحیح کرلے اور یہ شوہر ثانی اس عورت سے وطی بھی کرلے اب اس شوہر ثانی کے طلاق یا موت کے بعد عدت پوری ہونے پر شوہر اول سے نکاح ہو سکتا ہے"۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ شوہر ثانی اس عورت سے وطی نہ کرے اور کچھ روز کے بعد عورت کو طلاق دیدے پھر عدت پوری ہونے پر شوہر اول نکاح کرے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ہر باتوں کا جواب مفصل تحریر فرمائیے گا اور حوالہ عربی میں ہو تو اردو میں ترجمہ بھی لکھ دیجئے گا۔ بینوا توجروا

**الجواب** :- صورت مذکورہ میں رضیہ پر تین طلاقیں مغلظہ واقع ہوگئیں ردالمحتار میں بحرالرائق کے حوالے سے ہے وکذا المضارع

Marfat.com

اذا غلب فی الحال مثل الطلقک عربی زبان میں لفظ مضارع حال واستقبال دونوں کے لئے آتا ہے مگر چونکہ لفظ اطلقک کا غالب استعمال حال میں ہے اس واسطے اس سے بھی وقوع طلاق کا حکم دیا گیا۔ اور اردو زبان میں طلاق دیتا ہوں حال ہی کیلئے متعین ہے۔ استقبال کا اس میں اصلا احتمال نہیں لہٰذا اس لفظ سے طلاق واقع ہونے میں کوئی شبہہ نہیں اور جبکہ اس لفظ کو تین مرتبہ اس نے مکرر کیا تو تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور زبیدہ پر ہندیہ حرام ہوگئی بغیر حلالہ زید کا اس سے نکاح نہیں ہو سکتا اللہ عزوجل فرماتا ہے فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ حلالہ کی صورت یہ ہے کہ اس طلاق کی عدت گذرنے کے بعد عورت دوسرے سے نکاح صحیح کرے پھر وہ دوسرا شوہر اس سے وطی کرنے کے بعد طلاق دیدے یا مر جائے پھر اس طلاق یا موت کی عدت گذر جانے کے بعد شوہر اول سے نکاح جائز ہوگا حلالہ کیلئے دوسرے شوہر کا وطی یعنی دخول کرنا ضروری ہے بغیر اس کے شوہر اول کیلئے حلال نہیں ہو سکتی حدیث عسیلہ جو ایک مشہور حدیث ہے جس کو بخاری و مسلم و دیگر محدثین نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا فرماتی ہیں۔ جاءت امرأۃ رفاعۃ القرظی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقالت انی کنت عند رفاعۃ فطلقنی فبت طلاقی فتزوجت بعدہ عبد الرحمن بن الزبیر وما معہ الا کھدبۃ الثوب فقال اتریدین ان ترجعی الی رفاعۃ قالت نعم قال لا حتی تذوقی عسیلتہ ویذوق عسیلتک۔ رفاعہ قرظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیدی تھی اس کے بعد اس عورت نے عبد الرحمن ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کیا پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے شوہر ثانی کی نامردی کی شکایت کی اور شوہر اول سے پھر نکاح کرنا چاہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تو شوہر ثانی کا مزہ نہ چکھے اور وہ تیرا مزہ نہ چکھے یعنی جب تک دخول اور جماع نہ ہو تو شوہر اول سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے۔

لا ینکح مطلقہ بہا ای بالثلث حتی یطأ غیرہ اھ ملتقطا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ**:۔ مرسلہ یاد علی صاحب وارثی از مہداول ضلع بستی ۲ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ناچیز نے جو طلاق والا فتویٰ حضور سے دریافت کیا ایک استفتی مع جواب مہر درج ہے حضور نے جواب سے سرفراز فرمایا لیکن ایک مولوی صاحب نے حضور کے خلاف فتوی دیا ہے[1] جو مع جواب ارسال خدمت ہے۔ لہٰذا حضور سے استدعا ہے کہ اگر مولوی مذکور کا جواب حق و درست ہو تو حضور بھی دستخط فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں گے اور اگر کوئی غلطی ہو تو اصلاح فرما کر شکریہ کا موقعہ عنایت فرمائیں گے دوسرے مولوی سے جو سوال کیا گیا ہے اس میں اتنا زیادہ ہے کہ زید کہتا ہے میری نیت یہ نہ تھی کہ چھوڑ دوں بلکہ دھمکانا اور عادت چھڑانا پھر تو نگا عورت نے معافی مانگی اور میں افسوس کرنے لگا اور ہم دونوں راضی ہوگئے اور ہم دونوں میں علحدگی سخت دشوار ہے کیونکہ اس بیوی سے دو لڑکے ہیں علحدگی میں لڑکوں کیلئے حیرانی ہے اس لئے سوال ہے کہ از روئے شرع شریف کسی صورت سے اس عورت کو رکھ سکتا ہوں یا نہیں اپنے امام یا دوسرے امام ائمہ ثلثہ سے کسی امام کے نزدیک اگر کوئی صورت ہو اور اس پر عمل کرنا جائز ہو تو تحریر فرمایا جائے؟

(۲) سگی چچی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] الجواب:۔ ایسی صورت میں اپنے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک مجلس میں تین طلاق تین ہی واقع ہوگی لیکن دوسرے ائمہ کی رائے ہے کہ ایک مرتبہ یا ایک مجلس میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی خواہ تین مرتبہ دے یا زیادہ، اور اشد ضرورت میں دوسرے مذہب پر مذاہب اربعہ سے عمل کر لینا جائز ہے جیسا کہ عمدۃ الرعایہ میں بالتفصیل موجود ہے۔ لہٰذا زید دوسرے مذہب پر ایسی پریشانی میں عمل کرے۔ الدرجعت صحیح ہے۔ زیادہ سے زیادہ طلاق بائن مان کر عورت کو نکاح پڑھا کر رکھ لے، ۔ محمد ذکر اللہ بر سوتیا نوی بستوی سنی حنفی،

Marfat.com

**الجواب** :۔ حکم شرع وہی ہے جو فقیر نے پہلے فتوے میں تحریر کیا کہ صورت مذکورہ میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب بغیر حلالہ یہ شخص اس عورت سے نکاح نہیں کرسکتا یہی مذہب ائمہ اربعہ امام اعظم ابو حنیفہ و امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے بلکہ جمہور اسی کے قائل ہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین واقع ہوجاتی ہیں اللہ عزوجل قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ، جو اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ خود اپنی جان پر ظلم کریگا، حکم شرع تو یہ تھا کہ تین طلاقیں تین طہروں میں دی جائیں مگر اس نے اس حکم شرع سے تجاوز کیا کہ ایک مرتبہ تینوں طلاقیں دے دیں اس کا وبال خود اسی کو بھگتنا پڑیگا جو فتوی آپ نے بھیجا ہے وہ بالکل غلط ہے ہیں اس کی تصدیق نہیں کرسکتا مسلم شریف کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کے متعلق فرماتے ہیں، وقال الشافعی ومالک وابوحنیفۃ واحمد وجماھیر العلماء من السلف والخلف یقع بہ الثلث یہ مسئلہ تو وہ ہے جس میں چاروں امام متفق ہیں، اگر ائمہ میں اختلاف بھی ہوتا تو ایک حنفی کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک سے عدول کرنا کب جائز ہوتا یہ اتباع شرع نہیں، بلکہ ہوائے نفس کی پیروی ہے جس میں اپنا فائدہ نظر آیا اسی کو اختیار کرلیا۔ ضرورت کا محض ایک حیلہ ہے، بچے والی عورت کا ہونا کوئی عذر نہیں اسی طرح جدائی کا شاق ہونا بھی کوئی عذر نہیں، آج کل بہت لوگ طلاق دے کر پشیمان ہوتے ہیں اور یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح وہ عورت بغیر حلالہ کئے ہمارے لئے حلال ہوجائے مگر شریعت نے جو حدیں مقرر کردیں ہیں ایک مسلم پر اس کی پابندی لازم ہے اگر صورت مذکورہ میں ضرورت کا خیال کیا جائے تو شریعت نے حلالہ کو اس موقع پر دفع ضرورت کے لئے مقرر فرمایا ہے اس کے ذریعہ اپنی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے، شوہر کا یہ کہنا کہ چھوڑنے کی نیت نہیں تھی مسموع نہیں کہ صریح میں بغیر نیت بھی طلاق واقع ہوتی ہے، کذا فی سائر الکتب، واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) سگی چچی کے ساتھ جبکہ چچا نے طلاق دیدی ہو یا مرگیا ہو اور عدت گذر گئی ہو، نکاح درست ہے، قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ماوراء ذالکم، واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ** :۔ مرسلہ احمد سورتی معرفت سید خیرالدین زکریا مسجد بمبئی،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے سخت غصہ میں اپنی عورت سے کہا کہ چل جا میرے گھر سے، جب یہ عورت نے برافروختہ ہوکر کہا لا میرا فیصلہ اس پر مرد نے مشتعل ہوکر کہا کہ ہاں لے تیرا فیصلہ جا میں نے طلاق طلاق دی، تیسری مرتبہ کہا مگر ایک شخص نے منہ بند کردیا۔ نیز یہ بات قابل لحاظ ہے کہ مرد کا عقیدہ عرصہ سے اور بروقت واردات بھی یہی تھا کہ طلاق بائن دینے سے تجدید نکاح میں کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا اب اس صورت میں مرد عورت کیا کریں، کیونکہ ایک بچہ بھی ہے اور وہ علٰحدگی بھی نہیں چاہتے لہذا اس صورت میں شرعی فیصلہ بتلا کر عنداللہ ماجور ہوں ؟

**الجواب** :۔ شوہر کا یہ لفظ کہ چل جا میرے گھر سے یہ الفاظ کنایہ سے ہے، اگر اس سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق واقع ہوجائے گی اور نیت طلاق نہیں کی ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی، یونہیں لے تیرا فیصلہ یہ بھی الفاظ

Marfat.com

کنایہ سے ہے کہ بغیر نیت اس سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی، جا میں نے طلاق طلاق دی، یہ صریح ہے، اس سے ایک طلاق[1] یقیناً واقع ہے، یہ اسی تقدیر پر ہے کہ جس طرح سائل نے لفظ نقل کیے، شوہر کی زبان سے بھی اسی طرح نکلے اور اگر کتابت کی غلطی ہے، شوہر کے الفاظ یہ تھے کہ میں نے طلاق دی، طلاق دی، پہلی طلاق کے بعد لفظ (دی) لکھنا رہ گیا، تو اس لفظ سے دو طلاقیں واقع ہوئیں، سائل کا یہ لفظ کہ تیسری مرتبہ کہا، مگر ایک شخص نے منھ بند کر دیا، اگر باوجود منھ بند کرنے کے شوہر نے کہدیا تو اس سے بھی طلاق ہو جائے گی اگر پہلے تین طلاقیں نہ ہو چکی ہوں، بالجملہ اگر تین طلاقیں ہو چکی ہوں خواہ یوں کہ تین بار صریح لفظ کہے یا یوں کہ کنایہ[2] سے طلاق کی نیت کی طلاق مغلظہ ہو گئی، اب بدون حلالہ شوہر اس سے نکاح نہیں کر سکتا، شوہر کے خیال کا کوئی اعتبار نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

[1] فتاویٰ رضویہ میں ہے، اگر اس نے اتنے ہی لفظ کہے کہ طلاق، طلاق، طلاق نہ یہ کہا کہ دی، نہ یہ کہا کہ تجھ کو، یا اس عورت کو نہ یہ الفاظ کسی ایسی بات کے جواب میں تھے، کہ جس سے عورت کو طلاق دینا مفہوم ہو تو طلاق اصلاً نہ ہوئی، اور اگر اس کے ساتھ یا اس بات میں کہ جس کے جواب میں یہ الفاظ تھے، وہ لفظ موجود تھے جن سے یہ مفہوم ہو، کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دی یا وہ اقرار کرے، کہ میں نے یہ الفاظ عورت کو طلاق دینے کی نیت سے کہے تھے، تو تین طلاقیں ہو گئیں، بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، ص ۷۴ ج ۵، نیز اسی میں ہے، ایک شخص نے کہا، جا ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق دادم، اس کے جواب میں تحریر فرمایا، کلام زوجہ میں سوال طلاق نہ تھا، نہ کلام زوج الفاظ "ایک طلاق، دو طلاق الخ" عورت کی طرف اضافت ہے، اور "جا" احتمال مذکور سائل کے علاوہ خود کنایات سے ہے، صریح الفاظ سے نہیں، کہ تقدم طلاق ہو کر خود مذاکرہ ثابت ہو جائے، ان وجوہ سے عدم نیت کا احتمال باقی ہے، اگر زوج بحلف شرعی کہدے، کہ میں نے نہ لفظ جا بہ نیت طلاق کہا، نہ طلاق دادم سے زوجہ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو اس کا قول مان لیں گے، اور اصلاً طلاق نہ ہونے کا حکم دیں گے، اگر جھوٹا حلف کرے گا، اپنے زنا اور زوجہ کے زنا کا سخت شدید عظیم وبال اس کی گردن پر ہے، اور اگر ان میں سے کسی بات پر حلف نہ کرے یا صرف امر دوم پہ حلف نہ کرے تو تین طلاقیں ہو گئیں، بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، ص ۳۰۷، ۳۰۸ ج ۵، اس سے ظاہر میں نے طلاق، طلاق دی، سے دو طلاق صریح واقع ہوگی، اگرچہ پہلے لفظ "طلاق" کے ساتھ "دی" نہیں بولا ہے، شوہر کے پہلے والے جملے میں، "ہاں لے تیرا فیصلہ" میں اضافت موجود ہے، اسی لئے ترک اضافت کی تفصیل یہاں جاری نہ ہوگی، [2] یعنی طلاق کنائی کے جزو جملے تھے، چل جا میرے گھر سے، "لے تیرا فیصلہ" ان دونوں سے یا دونوں میں سے کسی ایک سے طلاق کی نیت رہی ہو، اور حضرت کے ارشاد کے بموجب پہلے لفظ طلاق کے بعد، دی، شوہر بولا تھا، مگر لکھنے میں رہ گیا

(بقیہ ص ۲۷۹ پر)

Marfat.com

# ایلا کا بیان

**مسئلہ:** مرسلہ یاد علی وارثی صاحب از قصبہ مہداول ضلع بستی، ۷ ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ

سید العلماء رئیس الفقہاء تاج الاصفیاء امام الاتقیاء حامی توحید و سنت حضرت مولانا شاہ محمد امجد علی صاحب دام ظلہم العالی القدسی مدفیوضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ادائے آداب کے بعد مؤدبانہ گذارش یہ ہے کہ یہ استفتیٰ حضور کی خدمت میں ارسال ہے، امید ہے کہ حضور جواب سے سرفراز فرمائیں گے؟ اور جواب باصواب سے محروم نہ کریں گے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو کہدیا کہ اگر تجھے رکھوں تو ماں کے ساتھ زنا کروں، اس کہنے سے زید کی بیوی پر طلاق پڑ گئی یا نہیں، اور جس وقت زید نے یہ لفظ کہا اس وقت اس کی نیت بھی تھی کہ اس کو نہیں رکھوں گا، لہٰذا ابھی تک اپنی بیوی کو پہلے ہی کی طرح رکھے ہوا ہے، آیا اس کو اپنی بیوی کا رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** یہ لفظ جو شوہر نے اپنی عورت کے لئے کہا، اس سے مقصود زوجہ کو حرام کرنا ہے، اور اس کا حکم وہی ہے، جو لفظ حرام اور اس کے مثل کا ہے کہ یہ لفظ ایلاء ہے اور اگر طلاق کی نیت ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی. فتاویٰ عالمگیری میں ہے، لو قال انت علی کالمیتۃ ولو نوی الیمین یکون مؤلیا و قال لامرأتہ ان قربتک فانت علی حرام ونوی الیمین یصیر مؤلیا عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ، درمختار میں ہے، قال لامرأتہ انت علی حرام ونحو ذالک ایلاء ان نوی التحریم اولم ینو شیئا وظہار ان نواہ وہدر ان نوی الکذب دیانۃ واما قضاء فایلاء (قہستانی) وتطلیقۃ بائنۃ ان نوی الطلاق ومثلہ کانت معی فی الحرام (الی ان قال) او انت علی کالحمار او کالخنزیر بزازیہ انتہیٰ مختصراً۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ ص ۲۷۸ کا حاشیہ) جب تین طلاقیں واقع ہوں گی، اور بر بنائے تحقیق اگر شوہر پہلے لفظ طلاق کے بعد دی، تہ بھی لو لا ہو جب بھی تین طلاقیں ہو جائیں گی، اگر کنایہ کے جملوں سے یا کم از کم ایک جملے سے طلاق کی نیت رہی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

# خلع کا بیان

**مسئلہ:** جس عورت کا خلع مقرر کیا جائے تو طلاق بائن ہو سکتی ہے یا نہ۔ اگر بائن واقع ہو گی تو بعد عدت دوسری جگہ نکاح کر واسکتی ہے یا نہ؟

**الجواب:** خلع طلاق بائن ہے، بعد عدت عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، درمختار میں ہے، وحکمہ ان الواقع بہ ولو بلا مال وبالطلاق الصریح علی مال طلاق بائن۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از ریاست اودے پور میواڑ محلہ قاضی واڑہ، مرسلہ جناب قاضی رفیع الدین صاحب ۲۲ محرم الحرام ۱۳۴۹ھ،

مسماۃ ہندہ کا عقد مسمّٰی زید کے ساتھ ہوا جس کو عرصہ چھ سال ہوتا ہے اور شادی کے وقت سے بلاوجہ طرفین کی رنجش نے اس قدر زور پکڑا کہ مسماۃ ہندہ کو زید اور اس کے والدین نے اس قدر خورد و نوش اور پارچہ کی تکلیف و زد و کوب اور تشدد بیجا کا برتاؤ برتا جس کو وہ ضبط نہ کرسکی، آخر میں زید اور اس کے والدین نے چاہا کہ کسی چیز سے ہندہ کو ہلاک کر دیں، چنانچہ وہ اپنی جان بچا کر باپ کے گھر (بوجہ) والدہ کے پاس چلی آئی۔ اب وہ خلع چاہتی ہے، ایسی حالت میں جب کہ زید وغیرہ اس کی ہلاکت کے درپے ہیں، خلع ہو سکتا ہے یا نہیں اور اگر زید طلاق نہ دے تو کیا عدالت دلوا سکتی ہے یا نہیں مشرح طور سے تحریر فرمائیں؟

**الجواب:** جب کہ ہندہ کو زید اس قسم کی تکلیفیں پہنچاتا ہے یہاں تک کہ اس کو اپنی جان کا خوف ہے، اس صورت میں خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر وہ خود طلاق نہ دے تو حاکم[1] اس سے طلاق دلوا سکتا ہے، قال اللہ

---

[1] اس مسئلے کی صورت صرف یہ ہے کہ کوئی بھی حاکم شوہر کو کسی طرح اس بات پر مجبور کرے کہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دے، یہ مراد نہیں کہ شوہر سے حاکم طلاق نہ دلائے، خود فسخ نکاح کا حکم دیدے، جیسا کہ آج کل کچہریوں میں ہو رہا ہے، اگر شوہر طلاق نہ دے تو کسی حاکم کے حکم سے نکاح فسخ نہ ہوگا، قرآن مجید میں ہے، بیدہ عقدۃ النکاح، حدیث میں ہے، انما الطلاق لمن اخذ بالساق، ہاں چند محدود صورتوں میں شریعت نے حاکم اسلام کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ نکاح فسخ کر سکتا ہے، شوہر راضی ہو یا نہ راضی ہو، مثلاً شوہر نامرد ہے یا مجنون ہے وہ بھی ان شرائط کے ساتھ جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، وہ بھی صرف مسلمان حاکم کو، غیر مسلم حاکم کو مطلقاً فسخ نکاح کا حق نہیں، قرآن مجید میں ہے، لن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

تعالیٰ. وان امرأۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ، درمختار میں ہے، ولا باس بہ عند الحاجۃ للشقاق بعد الوفاق، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** از قصبہ بھوجپور ڈاکخانہ تلسانہ ضلع مراد آباد، مرسلہ اللہ بخش مومن زادہ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بیوی مر گئی، عرصہ پانچ چھ ماہ کے بعد دوسرا عقد باہر گاؤں میں کیا، جس میں مبلغ ڈیڑھ سو روپیہ صرف ہوئے، عرصہ چھ مہینہ تک وہ گھر میں رہی کسی آدمی نے اس عورت کو بہکا لیا، اس کا شوہر مکان پر بھی نہ تھا، وہ اس کے یہاں چلی گئی، چار پانچ مہینہ تک باہر رہی، بذریعۂ عدالت وہ اپنے شوہر کے یہاں آگئی، چونکہ شوہر کو نفرت ہوگئی تھی، اس لئے آزاد کر دیا، کچھ لوگوں نے اس عورت کا نکاح عدت شرعی گذرنے کے بعد دوسری جگہ کرا دیا، اور اس کا جو روپیہ صرف ہوا تھا، اس کو دلا دیا، یہ شخص قرآن پاک پڑھا ہوا ہے اردو وغیرہ بھی دیکھ لیتا ہے، اور کبھی کبھی ہم اس کے پیچھے نماز بھی پڑھ لیتے ہیں، از روئے شرع شریف ایسے شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** عورت کا دوسرے شخص کے وہاں اس طرح چلا جانا اور کئی ماہ تک اس کے وہاں رہنا ناجائز وحرام تھا، مگر یہ فعل عورت کا ہے، وہی گنہگار ہوگی، شوہر پر اس کی وجہ سے کوئی الزام نہیں، البتہ شوہر نے جو روپیہ لیا ہے، اگر یہ طلاق کے عوض میں ہے، یعنی بطور خلع طلاق ہوئی، تو اس کا لینا جائز ہے، اگرچہ مہر سے زیادہ لیکر طلاق دینے میں کراہیت ہے، اور اگر طلاق بلاعوض ہوئی، مگر جب عورت نے نکاح کرنا چاہا، اس نے نکاح کرنے والے سے یہ روپیہ وصول کیا، یہ ناجائز ہے[1]، پہلی صورت میں اس کی امامت میں حرج نہیں، دوسری صورت میں کہ اس نے ناجائز پر روپیہ حاصل کیا، اس کو امام نہ بنایا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم، -

[1] کہ یہ رشوت ہوئی حدیث میں ہے، الراشی والمرتشی کلاھما فی النار، اور پہلی صورت میں عورت سے طلاق کا عوض وصول کرنا ہے اور یہ جائز ہے، سوال سے ظاہر ہے کہ شوہر نے پہلے طلاق دے دی تھی، بعد میں جب اس شخص نے نکاح کرنا ہوا تو لوگوں نے دوسرے شخص سے وہ روپے دلوائے جو شوہر کے خرچ ہوئے تھے، یہ یقیناً حرام ہوا، یہ طلاق کا عوض نہ ہوا، صریح رشوت ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم. -

Marfat.com

# ظہار کا بیان

**مسئلہ:** مرسلہ مولوی سید حبیب الرحمٰن رضوی از موضع بیوار گھاٹ، ڈاکخانہ بنپن ضلع پٹنہ،
۲۷ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و بکر آپس میں تکرار کرتے ہیں کہ ظہار طرفین سے واقع ہوتا ہے یا نہیں، زید کہتا ہے کہ ظہار حق زوجہ نہیں جیسا کہ طلاق حق زوجہ نہیں، اگر عورت کہے انت علی کظھر امی، تو لغو ہوگا، بکر اس کے خلاف ہے، بینوا توجروا،

**الجواب:** ظہار صرف زوج کی طرف سے ہے، زوجہ اگر الفاظ ظہار استعمال کرے تو ظہار نہیں، بلکہ لغو ہیں، اصحاب متون نے جو اس کی تعریف تحریر فرمائی ہے، خود اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شوہر ہی کے الفاظ ظہار ہیں نہ کہ عورت کے بھی، تنویر الابصار میں ہے، ھو تشبیه المسلم زوجة او جزء شائع منھا بمحرم علیه تابیدا، الملتقی الابحر میں ہے، ھو تشبیه زوجته او عضو منھا یعبر عن جملتھا او جزء شائع منھا بعضو یحرم علیه النظر الیه من محارمه ولو رضاعا، کنز میں ہے، ھو تشبیه المنکوحة بمحرمة علیه علی التابید، ان عبارتوں سے یہ امر بخوبی ظاہر ہے کہ عورت کو ظہار کا حق نہیں، بحر الرائق میں ہے، واشار بقوله بمحرمة الی ان المشبه الرجل لانه لو کان المرأة بان قالت انت علی کظھر امی او انا علیك کظھر امك فالصحیح کما فی المحیط انه لیس بشیء فلا حرمة ولا کفارة، یعنی متن کی عبارت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تشبیہ دینے والا وہ مرد ہی ہے اور اگر عورت مرد کو یہ کہدے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کے مثل ہے یا میں تجھ پر مثل تیری ماں کی پیٹھ کے ہوں، تو صحیح یہ ہے کہ یہ کچھ نہیں، اس صورت میں نہ حرمت ہے نہ کفارہ، ہاں اس مسئلہ کے متعلق ایک روایت اس قسم کی بھی ہے جیسا کہ بکر کا خیال ہے کہ عورت نے اگر الفاظ ظہار کہے تو ظہار ہوگیا، اور ایک روایت یہ ہے کہ یمین ہے، مگر یہ دونوں قول مفتی بہ نہیں، فتویٰ اس پر ہے کہ وہ لغو ہے، درمختار میں ہے، وظھارھا منه لغو فلا حرمة علیھا ولا کفارة به یفتی، ردالمحتار میں ہے، قوله وظھارھا منه لغو ای اذا قالت انت علی کظھر امی او انا علیك کظھر امك فھو لغو لان التحریم لیس علیھا، قوله فلا حرمة بیان لکونه لغوا ای فلا حرمة علیھا

اذا امکنتہ من نفسہا ولا کفارۃ ظہار ولا یمین، جوہرہ نیرہ میں ہے، ولا تکون المرأۃ مظاہرۃ من زوجہا عند محمد وقال ابو یوسف تکون مظاہرۃ والفتوی علی قول محمد وھو الصحیح وعند الحسن بن زیاد علیہا الکفارۃ تجب لان الظہار یقتضی التحریم فکانہا قالت انت علی حرام فیجب علیہا کفارۃ یمین اذا وطئہا ولمحمد انہا لاتملک التحریم کالطلاق کذا فی الکرخی، تو جب اصحاب فتویٰ اسی قول پر فتویٰ دے رہے ہیں، اور یہی قول من حیث الدلیل بھی قوی ہے، تو حکم یہی ہوگا کہ ظہار نہیں، نیز کافی میں امام شہید نے اس مسئلہ میں خلاف نقل نہیں فرمایا، تو یہی ظاہر الروایہ بھی ہے، یوں بھی اس قول کو ترجیح ہے، امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں، وفی کافی الحاکم رحمہ اللہ المرأۃ لاتکون مظاہرۃ من زوجہا من غیر ذکر خلاف وفی الدرایۃ لو قالت ھی انت علی کظہر ابی او انا علیک کظہر امک لایصح الظہار عندنا، امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی کافی میں ہے کہ عورت اپنے شوہر سے ظہار نہیں کرسکتی ہے، انھوں نے اس مسئلہ میں کوئی خلاف نہیں ذکر کیا، اور درایہ میں ہے اگر عورت کہے تو مجھ پر میرے باپ کی پیٹھ کے مثل ہے یا میں تجھ پر مثل تیری ماں کی پیٹھ کے ہوں تو ہمارے نزدیک یہ ظہار صحیح نہیں، بلکہ اس عبارت درایہ سے بھی بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ ہمارے نزدیک مسئلہ میں خلاف نہیں، اس کے بعد وہ دونوں قول اور ان میں اضطراب اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تصحیح نقل فرماتے ہیں، وفی المبسوط عن ابی یوسف علیہا کفارۃ یمین وقال الحسن بن زیاد ھو ظہار، وقال محمد لیس بشئ وھو الصحیح وفی شرح المختار حکی خلاف ابی یوسف والحسن علی العکس لکن فی غیرہ وفی الینابیع والروضۃ کالاول قال ھو یمین عند ابی یوسف ظہار عند الحسن لہٰذا زید کا قول صحیح ہے کہ ظہار حق زوجہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مسئولہ سکندر موضع ماہ چندی تھانہ نیوریا ضلع پیلی بھیت، ۲۵ جمادی الاولی ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ماں کہدیا، اب شرع پاک کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

**الجواب:** اس لفظ سے طلاق واقع نہ ہوئی، مگر ایسا کہنا منع ہے، عالمگیری میں ہے لو قال لہا انت امی لایکون مظاہرا وینبغی ان یکون مکروہا، درمختار میں ہے، ویکرہ قولہ انت امی، ردالمحتار میں ہے، جزم بکراھتہ تبعا للبحر والنہر والذی

Marfat.com

فی الفتح وفی انت امی لایکون مظاهرا وینبغی ان یکون مکروها، اس شخص نے برا کیا توبہ کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور زید کی منکوحہ کے درمیان کچھ گفت وشنید ہوئی، زید کی عورت غصہ ہوکر اپنے خویش واقربا کے یہاں چلی گئی، چند روز کے بعد زید سے ایک اقربا کے ساتھ کچھ بات چیت ہوئی، زید نے اس سے کہا (میں اس کا بھائی وہ میری بہن) اب میں اس کو (اپنی عورت کو) رکھنے والا نہیں، لہذا عمر کہتا ہے کہ زید نے اپنی عورت کو بہن کہا، اور اپنے آپ کو بھائی بنایا اور پھر رکھنے کو بھی نہیں کہا، لہذا طلاق ہوگئی، اور زید کہتا ہے کہ میں نے جو بہن کہا تھا تو غصے کی حالت میں کہا تھا، چند روز کے بعد دو ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تم اپنی عورت کو بلاتے کیوں نہیں، تو زید نے کہا کہ ابھی میں نہیں بلاؤں گا، لوگوں نے پوچھا کیوں؟ تو زید نے کہا کہ ایک بات مجھ سے ہوگئی ہے، یعنی میں اس کو بہن بول دیا ہوں لہذا زید کے نکاح سے اس کی عورت نکل گئی یا نہیں، اور اگر نکاح باطل ہوگیا ہو تو زید مذکور پھر اسی عورت سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں اور اگر کرسکتا ہے تو عدت کے بعد یا عدت کے درمیان اس کا مفصل خلاصہ حال مطابق شریعت تحریر فرماکر اجر حاصل کیجئے، بینوا توجروا۔

**الجواب:** یہ لفظ کہ وہ میری بہن ہے، کہنا مکروہ وبرا ہے، مگر اس سے طلاق یا ظہار نہیں ہوتا کہ اس کے لئے تشبیہ کا لفظ ہونا ضروری ہے، درمختار میں ہے، والا ینو شیئا او حذف الکاف لغا ویکرہ قولہ انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوہ، ردالمحتار میں ہے، فی الفتح وفی انت امی لایکون مظاهرا وینبغی ان یکون مکروها فقد صرحوا بان قولہ لزوجتہ یا اخیتہ مکروہ وفیہ حدیث رواہ ابوداؤد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول لامرأتہ یا اخیۃ فکرہ ذالک ونہی عنہ ومعنی النہی قربہ من لفظ التشبیہ ولولا هذا الحدیث لامکن ان یقال هو ظهار الخ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# عدت کا بیان

**مسئلہ:** مسئولہ جناب علی جان صاحب، بانس منڈی، ۱۵ رجب المرجب ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا بعد انتقال خاوند کسی غیر محرم

Marfat.com

کے سامنے مثل خالہ زاد بھائی بے پردہ رہنا اور اس کے گھر جانا اور وہاں پر چار یا پانچ روز رہنا اور ایک چارپائی پر ساتھ ساتھ بیٹھنا اور اپنے گھر بلانا جائز ہے یا نہیں، اور جو شخص اس کو پسند کرے، وہ شخص کیسا ہے، اور کس سزا کا مستحق ہے اور عدت کے دن بھی پورے نہیں کیے گئے، اور بارات وغیرہ میں گئی اور اوبار جو اس کے خاوند کا تھا، اس کو وصول کرنے خالہ زاد بھائی کے ہمراہ گئی؟

**الجواب**: عورت کو زمانہ عدت میں گھر سے نکلنا حرام ہے ہاں اگر عدت موت کی ہو اور اس کے پاس کھانے کو نہ ہو بغیر گھر سے نکلے کام نہ چل سکے گا یا نقصان پہنچے گا تو اس ضرورت سے اس کے لئے جاسکتی ہے، اور رات اسی گھر میں گزارے اور بغیر ضرورت شرعیہ نکلنا حرام ہے، درمختار میں ہے ص ۸۵۳، ومعتدة موت تخرج فی الجدیدین وتبیت اکثر اللیل فی منزلها لان نفقتها علیها فتحتاج للخروج حتی لو کانت عندها کفایتها صارت کالمطلقة فلا یحل لها الخروج، فتح وجوز فی القنیة خروجها لاصلاح مالا بد لها کزراعة ولا وکیل لها، اور شادیوں میں تو ویسے بھی جانے کی اجازت نہیں، نہ کہ زمانہ عدت میں اور غیر محرم کے ساتھ اس بے تکلفی سے اور بے پردہ رہنا بھی حرام ہے، حدیث شریف میں فرمایا، اتقوا مواضع التهم، تہمت کی جگہ سے بچو اور فرمایا، ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل یا رسول الله ارأیت الحمو قال الحمو الموت، عورتوں کے پاس جانے سے بچو، ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ دیور کا کیا حکم ہے، فرمایا کہ دیور موت ہے، رواہ البخاری والمسلم عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ، اور فرمایا، لا یخلون رجل بامرأة الا کان ثالثهما الشیطان، کوئی مرد جب کبھی عورت کے ساتھ تنہا ہوتا ہے، تو ان میں کا تیسرا شیطان ہوتا ہے، رواہ الترمذی عن عمر رضی اللہ تعالی عنہ، اور فرمایا، لا تلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم، ان عورتوں کے پاس نہ جاؤ جن کے شوہر غائب ہیں کہ شیطان تمہارے اندر خون کی طرح تیرتا ہے، رواہ الترمذی عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ بالجملہ اس مرد کو اس عورت سے اجتناب چاہیے اور ہرگز اس طرح نہ رہنا چاہیے، اور اس کو پسند رکھنے والا ناجائز کو پسند رکھنے والا ہے، واللہ تعالی اعلم۔

**مسئلہ**: مسئولہ امیر بخش محلہ بہاری پور، ۲۸ رجب المرجب ۱۳۴۱ھ،

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک دیہات میں لڑکا اور لڑکی میں بحالت نابالغی شادی ہوئی تھی، اب وہ دونوں بالغ ہوگئے، مگر ایک دوسرے سے الگ رہے نہ ہمبستری ہوئی حتیٰ کہ رخصتی بھی نہیں ہوئی، اب طلاق ہوگئی، تو اب اس عورت کی عدت ہے یا نہیں، اگر ہے تو کتنی ہے؟۔

**الجواب**:۔ اگر خلوت صحیحہ نہ ہوئی تو صورت مذکورہ میں عدت نہیں، قال اللہ تعالیٰ اذا نکحتم المومنٰت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا، واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ**:۔ مرسلہ حاجی قدرت اللہ صاحب از موضع گرڑو اڈاکخانہ مہراج گنج گورکھپور، ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کے ساتھ نابالغیت کے ایام میں عقد کیا اور قبل وطی بعلت زنا نہیں بلکہ خسر ال کے کسی نااتفاقی کی وجہ سے سن بلوغ میں زید نے ہندہ کو تین طلاق شرعی دے دیا، اب ہندہ کو عقد ثانی میں تین ماہ عدت کا انتظار ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا بالحدیث والکتاب وتوجروا یوم الحساب،

**الجواب**:۔ اگر ایک لفظ میں تین طلاقیں دیں مثلاً یہ کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہوگئیں، اور گنہ گار ہوا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا گناہ ہے، اگرچہ واقع ہوجائیں گی، اور اگر یوں کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی اور اسی لفظ کو تین بار کہا تو غیر مدخولہ میں صرف ایک ہی واقع ہوگی اور وہ بائن ہوگی، بعد کی دو فضول ہیں، تنویر الابصار میں ہے، فال لزوجتہ غیر المدخول بہا انت طالق ثلثا وقعن وان فرق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیۃ، ردالمحتار میں ہے، وفی محمد رحمہ اللہ تعالیٰ قال واذا طلق الرجل امرأتہ ثلثا جمیعا فقد خالف السنۃ واثم وان دخل بہا اولم یدخل سواء بلغنا ذالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن علی وابن مسعود وعن ابن عباس وغیرھم رضوان اللہ تعالیٰ علیھم، بہرحال اگر خلوت صحیحہ سے قبل طلاق دی تو عدت نہیں بعد طلاق فوراً عورت جہاں چاہے نکاح کرے، قال اللہ تعالیٰ اذا نکحتم المومنٰت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا، اور جس صورت میں عدت ہے یعنی جس سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہو اور طلاق دی تو عدت تین حیض ہے، خواہ یہ تین ماہ میں ہو یا کم میں یا زائد میں، قال تبارک وتعالیٰ والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء،

Marfat.com

ہاں اگر حیض نہ آتا ہو خواہ بوجہ صغر سنی یا بڑھاپے کے، تو اس کی عدت تین ماہ ہے، درمختار میں ہے، والعدۃ فی من لم تحض لصغر او کبر بان بلغت سن الایاس او بلغت بالسن ولم تحض ثلثۃ اشہر ان وطئت، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مسئولہ حافظ علی احمد خاں صاحب محلہ جسولی بریلی، ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کو خاص عید الفطر کے دن طلاق دی جس کو چار دن کم تین ماہ ہوئے اب اس عورت کا نکاح ثانی جائز ہے یا نہیں اور زندہ شوہر جو اپنی عورت کو طلاق دے، اس کی عدت کتنے دن ہیں اور جس کا شوہر فوت ہو جائے اس کی عدت کے کتنے دن ہیں؟ بینوا توجروا،

**الجواب:** بیان سائل سے معلوم ہوا کہ بعد طلاق عورت کو تین حیض آچکے ہیں لہذا عدت پوری ہو گئی، اب وہ نکاح کر سکتی ہے، طلاق کی عدت حائض کیلئے تین حیض ہیں، قال اللہ تعالیٰ والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء، اور جس کو بوجہ صغر سنی یا بڑھاپے کے حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین مہینہ ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے، والّٰئی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ اشھر والّٰئی لم یحضن، اور عدت وفات یعنی شوہر کے مرنے کے عدت چار ماہ دس روز ہے، قال عزوجل، والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا، اور اگر عورت حاملہ ہے تو طلاق و موت دونوں کی عدت وضع حمل ہے، بعد وضع حمل نکاح کر سکتی ہے، قال عز اسمہ، واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن، واللہ تعالیٰ اعلم، ـ

**مسئلہ:** مسئولہ ہدایت اللہ، محلہ سہوانی ٹولہ شہر کہنہ بریلی، ۲۲ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ وحیدن کا نکاح جب کہ اس کی عمر دس برس کی تھی، اس کے باپ کی اجازت سے ہوا تھا، بعدہ اس کے شوہر نے وحیدن سے ایک سو ساٹھ روپیہ لے کر طلاق دیدیا اور وحیدن اب تک اپنے شوہر کے ساتھ کبھی نہیں رہی اس صورت میں مسماۃ وحیدن کو عدت گذارنی ہو گی یا نہیں؟ ـ

Marfat.com

**الجواب**: اگر واقعہ یہی ہے تو اس صورت میں عدت نہیں، قال اللہ تعالیٰ، یاایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

**مسئلہ**: مرسلہ سید کار دعلی از مراد آباد، ۲۴ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید سے تیرہ سال کی عمر میں ہوا، بوجہ تکرار باہمی ہندہ اپنے شوہر کے گھر سے والد کے گھر آگئی، ہندہ کے والد نے ایک غیر شخص بکر سے کہا کہ میری لڑکی بہت تکلیف میں ہے، تم دوسو روپیہ دے کر زید سے ہندہ کو آزاد کرادو ہیں اس کا نکاح تم سے کر دوں گا، بکر اس پر راضی ہوگیا، ہندہ کے والد نے زید سے کہا تم دوسو روپیہ لے لو اور میری لڑکی کو آزاد کر دو، چنانچہ زید اس پر راضی ہوگیا، دوسو روپیہ نقد لے کر اور زیور کپڑا و مہر معاف کرا کے زید نے ہندہ کو طلاق دیدی اور طلاق نامہ لکھ دیا، دریافت یہ کرنا ہے کہ بکر ہندہ سے نکاح کرے آیا ہندہ پر اس صورت میں عدت لازم ہوگی یا نہیں، جب کے اس کے شوہر نے اس قدر روپیہ لے کر طلاق دی؟

**الجواب**: اگر وطی یا خلوت ہو چکی ہو تو عدت واجب ہے، جب تک عدت نہ گذرے نکاح نہیں ہوسکتا روپیہ لے کر طلاق دینے سے عدت نہیں ساقط ہوتی، درمختار میں ہے، وسبب وجوبھا عقد النکاح المتاکد بالتسلیم وما جریٰ مجراہ من موت او خلوۃ، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

**مسئلہ**: مسئولہ احمد علی خاں متصل جامع مسجد بریلی، ۲۵ / جمادی الآخر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارہ میں کہ کوئی عورت اپنے میکے یا رشتہ داری میں تھی اور اس کا شوہر اپنے مکان پر فوت ہوگیا تو وہ عورت شوہر کے انتقال کی خبر سن کر شوہر کے مکان پر آسکتی ہے یا نہیں یعنی آنے میں عدت تو مانع نہ ہوگی؟

**الجواب**: اگر میکے یا رشتہ داری میں گئی تھی اور وفات شوہر کی خبر ملی تو فوراً شوہر والے گھر میں جہاں رہتی تھی چلی آئے کہ اسی مکان میں عدت پوری کرنے کا حکم ہے، درمختار میں ہے، طلقت او مات وھی زائرۃ فی غیر مسکنھا عادت الیہ فوراً لوجوبہ علیھا، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

Marfat.com

**مسئلہ:** گڑھیا بریلی مسئولہ زوجہ علی محمد خاں صاحب، ۱۵ر صفر المظفر ۱۳۴۳ھ،
علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں. ایک ماہ ہوا کہ ایک عورت بیوہ ہوگئی ہے اور وہ کرایہ کے مکان میں رہتی ہے. خدا کی ذات کے سوا کوئی اس کا سرپرست نہیں جس مکان میں وہ رہتی ہے. اس کا کرایہ تین روپیہ ہے. مرحوم کی کوئی چیز ایسی نہیں جسے وہ فروخت کر کے کرایہ مکان ادا کر سکے. تو اس حالت میں وہ بیوہ اپنے کسی عزیز یا کم کرایہ کے مکان میں جا سکتی ہے یا نہیں مرحوم نے اپنی نشانی ایک ڈیڑھ سال کی لڑکی چھوڑی ہے۔

**الجواب:** اگر واقعی عورت کی حیثیت اتنی نہیں کہ تین روپے ماہوار کرایہ مکان دے سکے. تو اس کے قریب جو کم کرایہ کا مکان دستیاب ہو یا قریب میں کسی عزیز کا مکان ہو جس میں بے کرایہ رہ سکتی ہے تو اس قریب تر مکان میں چلی جائے، اور وہاں عدت کے دن پورے کرے، عزیز کا مکان یا کم کرایہ والا دونوں میں جو زیادہ نزدیک ہو اس میں جا سکتی ہے، درمختار میں ہے، وتعتدان فی بیت وجبت فیہ الا ان تخرج او ینہدم المنزل او تخاف تلف مالھا او لا تجد کراء البیت ونحو ذالک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** عدت طلاق کی تکمیل سے پہلے کچھ روپیہ قاضی کو دے کر یا اس کے نائب کو دے کر نکاح پڑھا لینا اور نائب کو بذریعہ رشوت طلاق کی تاریخ کو رجسٹر میں غلط درج کر دینا کیسا ہے. اور ایسا کرنے اور کرانے والا قاضی یا نائب کا کیا حکم ہے؟
(۲) مذکورہ طلاق کی عدت کی تاریخ بدلنے کے کاموں میں جو لوگ اس قاضی کی مدد کرتے ہیں، ان کا از روئے شرع کیا حکم ہے؟

**الجواب:** (۱)، (۲)، عدت کے اندر نکاح نہیں ہو سکتا، جس نے ایسا کیا حرام کیا اور وہ حرام کاری کا دلال ہے اور اس کے مدد کرنے والوں کا بھی یہی حکم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از باسنی مارواڑ متصل ناگور مرسلہ جناب حکیم نصیر الدین صاحب نعمانی حامدی،
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ صغیر وصغیرہ کا نکاح ہوا اور قبل دخول وقبل خلوت صغیر کا انتقال ہوگیا، اب تحقیق طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں صغیرہ پر عدت واجب ہے؟

Marfat.com

یا نہیں، بہار شریعت میں بحوالہ جوہرہ جو صورت تحریر فرمائی گئی ہے اس میں دخول کا ذکر ہے خلوت یا عدم خلوت کا نہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نابالغ ہے اور ایک بالغہ، اور اس صورت میں زوج و زوجہ دونوں نابالغ ہیں، آپ کی تحریر سے ملتی ہوئی تحریر فتاویٰ عالمگیری و قاضیخاں کی بھی ہے، مگر پورے طور سے تشفی نہیں ہوئی، اس لئے جناب سے رجوع کیا گیا؟

**الجواب:** صورت مذکورہ میں عدت واجب ہے زوجہ یا شوہر کا صغیرہ یا صغیر ہونا مانع عدت موت نہیں ہے اور موت میں دخول یا خلوت ہونا بھی وجوب عدت کے لئے شرط نہیں کہ اس عدت کا سبب موت ہے۔ قرآن مجید میں ہے، والذین یتوفون، درمختار میں ہے، والعدۃ للموت اربعۃ اشہر وعشر مطلقا وطئت اولا ولو صغیرۃ فلم یخرج عنہا الا الحامل، بہار شریعت[1] کی عبارت سے مقصود تعمیم ہے یہ نہیں کہ ایک نابالغ ہو اور ایک بالغ اور خلوت چونکہ دخول کے حکم میں ہے۔ لہذا دخول کا ذکر کافی ہے اور اگر خلوت بے دخول ہوئی اور عبارت بہار شریعت میں حقیقی دخول مراد لیجئے تو یہ صورت عدم دخول میں داخل ہوگی، بالجملہ وہ عبارت تمام صور کو شامل ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** عورت کے لئے عدت کیوں ہے مرد کے لئے عدت کا حکم کیوں نہیں؟ بیان فرمادیں؟

**الجواب:** عورت کے لئے عدت اس لئے ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ اس کو حمل نہیں ہے کہ اگر حمل ہوا

[1] پوری عبارت یہ ہے۔ موت کی عدت چار مہینہ دس دن ہے یعنی دسویں رات بھی گذرے، بشرطیکہ نکاح صحیح ہو، دخول ہوا ہو یا نہیں، دونوں کا ایک حکم ہے، اگرچہ شوہر نابالغ ہو، یا زوجہ نابالغہ ہو ص ۱۲۵، ج ۸، سائل کو شبہ یہ تھا، کہ جب صرف دخول کا ذکر ہے، تو اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہو اور دخول نہ ہوا ہو تو کیا حکم ہے، بہار شریعت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا، جواب یہ ارشاد فرمایا کہ یہاں دخول سے مراد صرف جماع نہیں، بلکہ عام مراد ہے' جو جماع اور خلوت صحیحہ دونوں کو شامل ہے، اور کتب فقہ میں دخول کے یہ معنی شائع ذائع ہیں، تمام کتب فقہ میں یہ باب ہے، طلاق غیر مدخول بہا، یہاں مدخولہ عام ہے، عدت کے بیان میں تنویر الابصار میں ہے، بعد الدخول حقیقۃ او حکما، غرض کہ فقہا کا عام محاورہ ہے کہ دخول بول کر وطی اور خلوت صحیحہ دونوں مراد لیتے ہیں، یہ مسئلہ بہار شریعت میں جوہرہ نیرہ سے لیا ہے، اس میں بھی صرف دخول ہی کا ذکر ہے، دوسرا جواب یہ ارشاد فرمایا، کہ اگر دخول کو بمعنی جماع خاص رکھا جائے تو عدم دخول کا مطلب یہ ہوگا، کہ عورت سے صحبت نہ ہوتی ہو، تو یہ اس صورت کو بھی شامل ہے، کہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو اور وطی نہ ہوئی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

اور نکاح ہوگیا تو بچہ کے نسب میں دشواری پیدا ہوگی اور عدت کے دیگر اسباب[1] بھی ہیں جو مرد میں نہیں پائے جاتے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مرسلہ محمد اسمٰعیل ولد الفو دو ٹانکی ڈونگن روڈ لاہوری دربار ہوٹل بمبئی ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے بیمار شوہر کو علاج کے واسطے اپنے باپ کے گھر لے گئی قضاء الٰہی سے شوہر سسرال میں گذر گیا۔ اس عورت کو اپنے باپ کے گھر عدت پوری کرنی ہے یا اپنے شوہر کے گھر، بیان فرمادیں؟

**الجواب:** عدت اس مکان میں واجب ہے، جو بوقت وفات اس کی جائے سکونت ہے، لہذا اگر وہاں جانا محض عارضی ہو تو شوہر کے مکان پر واپس آکر عدت گذارے اور اگر کچھ دنوں کے لئے وہیں سکونت کرلی ہے تو وہیں عدت گذارے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# نسب کا بیان

**مسئلہ:** مرسلہ عبد العزیز محلہ سکراول قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد، ۲۵ ذی الحجہ

کیا حکم ہے شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زن مفقود الخبر نے نکاح کرلیا اور اولاد بھی پیدا ہوئی، کچھ زمانہ کے بعد شوہر اول آیا تو اب یہ لڑکے اور عورت شوہر اول کو ملیں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** عورت شوہر اول کو ملے گی کہ یہ اسی کی عورت ہے اور اولاد شوہر ثانی کو کہ اولاد اسی کی ہے، در مختار میں ہے، غاب عن امرأته فتزوجت باٰخر وولدت اولادا ثم جاء الزوج الاول فالاولاد

---

[1] مثلاً طلاق کسی وقتی غصہ وغیرہ کی وجہ سے دے دیا تھا، بعد میں شوہر پچھتایا، اور چاہتا ہے کہ یہ عورت میرے نکاح میں رہے، تو عدت سے یہ فائدہ ہوگا کہ اگر طلاق رجعی ہے تو رجعت کرسکتا ہے، اور اگر طلاق بائن تین سے کم ہے تو نکاح جدید کرسکتا ہے، اگر بالفرض عورت کی عدت نہ ہوئی، اور طلاق کے بعد عورت کو فوراً نکاح کا حق حاصل ہوتا، جس کی بنا پر طلاق کے بعد ہی بلا تاخیر عورت دوسرا نکاح کرلیتی تو نہ رجعت ہوسکتی، نہ نکاح جدید ہوسکتا، عورت کے ایام میں سوچنے، غور کرنے اور مستقبل کا فیصلہ کرنے کا کافی موقع ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

للثانی علی المذھب الذی رجع الیہ الامام وعلیہ الفتویٰ کما فی الخانیۃ والجوھرۃ والکافی وغیرھا

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

**مسئلہ:** ولد الزنا کا نسب زانی سے جب کہ زانی معلوم ومقرر ہو ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں نیز بصورت ثبوت زانی کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** ولد الزنا کا نسب زانی سے نہیں ثابت ہوسکتا۔ اگرچہ وہ اقرار بھی کرے، حدیث صحیح میں ارشاد فرمایا، الولد للفراش وللعاھر الحجر، جس حدیث کا یہ ٹکڑا ہے[1] اس میں زانی کا اقرار بھی موجود ہے، پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نسب ثابت نہ فرمایا جب نسب ہی نہیں تو وارث کیونکر ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو بیویاں ہیں ایک قومی اور دوسری غیر قومی اور دونوں کے بطن سے اولاد ہے، زید کا انتقال ہوگیا اور ان کی دونوں زوجہ کا بھی انتقال ہوگیا، غیر قومی بیوی کی اولاد کی عمر تقریباً چالیس برس ہے، اب قومی بیوی کی اولاد غیر قومی بیوی کی اولاد سے کہتی ہے کہ ہمارے باپ نے تمہاری ماں سے نکاح نہیں کیا تھا، بلکہ ناجائز فعل کرتا رہا، حالانکہ جو اولاد غیر قومی بیوی کے بطن سے ہے اس کی رسوم ومعاملات دیگر برادری کے ساتھ ویسے ہی ہیں جیسے دوسری بیوی کی اولاد کے اور لوگ بھی دونوں کو زید کی اولاد سمجھتے ہیں اور اسی سے پکارتے ہیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ اولاد زید کی

---

[1] پوری حدیث یہ ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ لونڈیوں سے اجرت پر زنا کراتے تھے، ان کے مالک بھی ان لونڈیوں سے ہمبستری کرتے، اگر کوئی لڑکا پیدا ہوتا، اور زانی کہتا کہ میرا ہے تو اس کا مان لیا جاتا، یا لونڈی کا مالک کہتا کہ میرا ہے تو اس کا مانا جاتا، اور اگر کسی لڑکے کے بارے میں زانی اور لونڈی کے مالک میں تنازع ہوجاتا، تو قیافہ شناس کے پاس معاملہ جاتا وہ جس کے حق میں فیصلہ کر دیتا، اسی کا لڑکا مانا جاتا، اسی کے مطابق حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے حضرت سعد سے یہ کہا تھا کہ زمعہ کی لونڈی کا فلاں بیٹا میرا ہے، اس کو تم لے لینا، جب مکہ فتح ہوا، تو حضرت سعد نے اس لڑکے کے بارے میں دعویٰ کیا کہ یہ میرے بھائی عتبہ کا بیٹا ہے، اور عبد بن زمعہ نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بھائی ہے، دونوں خدمت اقدس میں فیصلے کے لئے حاضر ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ دیا کہ یہ زمعہ کا بیٹا ہے، اور عبد بن زمعہ کو دے دیا، اسی وقت یہ ارشاد فرمایا، الولد للفراش وللعاھر الحجر، لڑکا بچھونے والے کا ہے، اور زانی کے لئے پتھر ہے، اس کے باوجود کہ فیصلہ یہ فرمایا کہ یہ زمعہ کا بیٹا ہے، مگر چونکہ یہ لڑکا عتبہ کے مشابہ تھا، اس لئے احتیاطاً ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم دیا کہ اس لڑکے سے پردہ کرو۔ (مشکوٰۃ ص ۲۸۰)

Marfat.com

اولاد ہے یا نہیں، اور جو شخص یہ کہے کہ زید کی اولاد نہیں اس پر شرعاً کیا حکم ہے، بینوا توجروا،

**الجواب:** عورت کا غیر قوم سے ہونا اس کی دلیل نہیں کہ نکاح نہیں ہوا، البتہ جب قوم والی عورت کی اولاد جب نکاح سے انکار کرتی ہے تو غیر قوم والی عورت کی اولاد کو اپنی ماں کا نکاح ثابت کرنا ہوگا بغیر اس کے میراث کی مستحق نہ ہوگی، اگر وہ لوگ موجود ہوں جن کے سامنے نکاح ہوا تھا تو وہ گواہی دیں، بلکہ جو لوگ نکاح میں شریک نہ تھے، مگر انھوں نے معتبر لوگوں سے نکاح ہونا سنا وہ بھی نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں، بلکہ وہ لوگ بھی نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں، جنھوں نے ان دونوں زن و مرد کو اس طرح رہتے دیکھا ہو جس طرح میاں بیوی رہتے ہیں، ان کی گواہی سے بھی نکاح ثابت ہو جائے گا، اہل برادری کا ان لوگوں کو زید کی اولاد کہنا یہ کھلا قرینہ ہے کہ زید کی جائز اولاد ہوگی، حدیث میں ارشاد فرمایا، الولد للفراش وللعاھر الحجر، ہدایہ میں ہے، ولا یجوز للشاھد ان یشھد بشی لم یعاینہ الا النسب والموت والنکاح والدخول وولایۃ القاضی فانہ یسعہ ان یشھد بھذہ الاشیاء اذا اخبرہ بھا من یثق بہ وھذا استحسان وجہ الاستحسان ان ھذہ الامور تختص بمعاینۃ اسبابھا خواص من الناس ویتعلق بھا احکام تبقی علی القضاء القرون فلو لم تقبل فیھا الشھادۃ بالتسامع ادّی الی الحرج وتعطیل الاحکام نیز اسی میں ہے، ولکن اذا رای رجلاً وامرأۃ یسکنان بیتاً وینبسط کل واحد منھما الی الاخر انبساط الازواج، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** از شہر بمبئی پوسٹ مقام آئسکریم ہوٹل، مرسلہ جناب منیر احمد صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے وطن سے پردیس چلا گیا، وہ کہتا ہے کہ قبل روانگی میری اہلیہ ۵-۶ روز پیشتر حیض سے فارغ ہوئی، بعد حیض مواصلت ہوتی رہی، بعد ازاں ۱۵ ذی الحجہ کو میں پردیس چلا گیا میرے جانے کے بعد ماہ محرم الحرام میں میری زوجہ کو گم ہیضہ ہو گیا، امید زیست باقی نہ رہی، تین مرتبہ دم بھی رک گیا، لیکن بفضلہ تعالیٰ چھ یوم کے بعد رو بہ صحت ہوئی، مگر صحت کلی نہیں ہوئی کبھی اسکی حالت اچھی اور کبھی طبیعت ناساز ہو جایا کرتی رہی، نہایت سعی و کوشش کے ساتھ علاج ہوتا رہا لیکن مرض کا دفعیہ نہیں ہوا حیض میری عدم موجودگی میں کبھی نہیں آیا یہ کیفیت مسلسل ایک سال چھ ماہ تک رہی، مرض وبا پھر ترقی پذیر ہو گیا، پھر بعد کو مجھے مطلع کیا، میں پردیس سے پورے ایک برس ۵ ماہ ۲۰ یوم کے بعد اپنے وطن پر پہونچا، پھر

Marfat.com

اعظم گڈھ کے اسپتال میں اس کا علاج کرایا، مگر ایک لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ چونکہ مریضہ حمل سے ہے، اس لئے تا وضع حمل علاج میں تردداد ہیں، ورنہ بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، اہلیہ نے کہا تا وضع حمل علاج ملتوی رکھا جائے، یہ سوچ کر اہلیہ کو مکان پر لایا اور پردیس چلا گیا، اور میرے واپس جانے کے ۴۔۵ یوم کے بعد دختر تولد ہوئی، میں نے ہر طرح حساب کیا تو میرے پہلے سفر کو ایک برس گیارہ ماہ کئی دن ہوتے ہیں، اور دوسری مرتبہ مکان جانے پر صرف ۵ ماہ ۱۸ یوم قیام رہا، اس عرصہ میں بھی صحبت ہوتی تھی، اب عرض یہ ہے کہ یہ لڑکی حرامی ہے یا حلالی؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** مدت حمل کم سے کم چھ ماہ ہے، اور زیادہ سے زیادہ دو سال درمختار وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے، واکثر مدۃ الحمل سنتان واقلہا ستۃ اشہر، بہت ممکن ہے کہ حمل پہلے ہی کا ہو اور بوجہ عورت کی بیماری کے بچہ کو شکم میں نمو کم ہوا اور ایک سال گیارہ مہینہ میں پیدا ہوا، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسری مرتبہ کا حمل ہو، اور شاید انگریزی مہینہ سے حساب کیا اس وجہ سے چھ ماہ میں کئی دن کم ہیں، اور اگر چاند کے مہینے سے حساب کرنے پر بھی چھ ماہ پورے نہ ہوں تو وہی پہلی صورت ہے، بالجملہ یہ ایسی صورت نہیں کہ عورت کو خواہ مخواہ متہم کیا جائے، اور بیشک یہ لڑکی حلالی ہی قرار دی جائے گی، حرامی نہیں قرار دی جا سکتی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳۵۵ھ

**مسئلہ:** مرسلہ محی الدین عرف لال محمد ڈاکخانہ قصبہ منڈوا، ضلع فتح پور، ۲۵ جمادی الاولیٰ

حضرات علمائے کرام اہل سنت و جماعت کیا ارشاد فرماتے ہیں، اللہ بخش کے بھائی کا انتقال ہو گیا، اللہ بخش کے بھائی کی بیوی اور اللہ بخش ایک ہی مکان میں رہتے ہیں، دو برس کے بعد وہ عورت اللہ بخش سے ملوث ہو کر حاملہ ہو گئی، اسی حالت حمل میں اس عورت نے اللہ بخش سے نکاح کر لیا، اور اس موجودہ حمل سے جو بچہ پیدا ہوا اس کا نام زید رکھا؟ نکاح درست ہوا یا نہیں، اور زید کا تولد خلاف شرع ہوا یا موافق؟

(۲) زید بالغ ہونے پر اپنا نکاح باقاعدہ کیا، اس سے ایک لڑکی ہندہ پیدا ہوئی، بکر نے جو صحیح النسب ہے ہندہ سے نکاح کیا، اب اس سے جو اولاد پیدا ہوئی یا ہوگی وہ صحیح النسب و صحیح الطرفین ہوئی اور ہو سکتی ہے یا نہیں؟

Marfat.com

**الجواب:** جس عورت کو زنا کا حمل ہے اس حالت حمل میں نکاح درست ہے پھر اگر نکاح اسی سے ہوا ہے جس کا حمل ہے تو وہ وطی بھی کرسکتا ہے اور دوسرے سے ہوا تو نہیں کرسکتا، یہ لڑکا اگر وقت نکاح سے چھ مہینہ یا زیادہ میں پیدا ہوا ہے تو اسے ولدالزنا نہیں کہہ سکتے، اور چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا ہے تو ناجائز اولاد ہے یعنی اللہ بخش کا لڑکا نہیں قرار پائے گا، حدیث میں ہے، الولد للفراش وللعاھر الحجر،

(۲) زید اگرچہ کچھ بھی ہو مگر اس کی اولاد جو نکاح صحیح سے پیدا ہوگی وہ بیشک صحیح النسب ہے یعنی زید کی ہی اولاد قرار پائے گی، مگر زید کا نسب اگر ثابت نہ ہو تو یہ اولاد اس خاندان میں شمار نہیں ہوگی جس میں سے زید اپنے کو بتاتا ہے کہ جب زید ہی اس میں نہیں تو اس کی اولاد کیونکر ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ علی محمد عطار محلہ قضیارہ شہر سیتاپور اودھ، ۲۴ر جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ مسماۃ ہندہ کو چار ماہ کا حمل ہے اور مسمیٰ زید شوہر ہندہ کا قول ہے کہ یہ حمل میرا نہیں ہے، ہندہ سے دریافت کیا گیا کس کا ہے اس نے کہا کہ یہ حمل عمرو کا ہے، مگر عمرو انکار کرتا ہی ہے بجز قول ہندہ کے اور کوئی ثبوت نہیں ہے، آیا شرعاً قول ہندہ معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

**الجواب:** یہاں دو امر قابل بیان ہیں، اس لئے کہ سائل نے یہ تصریح نہیں کی کہ اس واقعہ کے متعلق کیا بات دریافت کرنا چاہتا ہے، اول یہ کہ زید نے حمل کے متعلق کہا کہ وہ میرا نہیں ہے، اور عورت بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ لہٰذا یہ بچہ جو پیدا ہوگا وہ زید کا قرار پائے گا یا نہیں، اول کا جواب یہ ہے کہ وہ بچہ زید و ہندہ کا ہی مانا جائے گا، ان دونوں کے اس طرح کہنے سے نسب نہیں منتفی ہوسکتا، حدیث میں ہے، الولد للفراش' فتاویٰ عالمگیری[1] میں ہے، رجل لہ امرأۃ فجاءت بولد فنفاہ وقال ھذا الولد لیس منی او قال ھذا الولد من الزنا وسقط اللعان بوجہ من الوجوہ فانہ لاینتفی النسب سواء وجب علیہ الحد اولم یجب وکذلک اذا کان من اھل اللعان فلم یتلاعنان فانہ لاینتفی النسب کذا فی شرح الطحاوی، ولونفی ولد زوجتہ الحرۃ فصدقتہ فلاحد ولالعان وھوابنہما لایصدقان علی نفیہ کذا فی الاختیار شرح المختار، امر دوم کا جواب یہ ہے کہ ثبوت زنا کے لئے چار مرد کی شہادت درکار ہے یا خود زانی کا اقرار، ہندہ کے محض کہہ دینے سے عمرو کے

[1] باب اللعان۔

Marfat.com

متعلق زنا کا ثبوت نہیں، صحیح بخاری شریف وغیرہ کی حدیث ہے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا (. . بیا ص فی الاصل . . . . . . ) جس طرح مرد کے لئے کہدینے سے کہ میں نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے عورت کا زنا ثابت نہیں، اسی طرح عورت کے کہنے سے مرد کا زنا ثابت نہیں، درمختار میں ہے، ولو کان مع ذالک اجنبیۃ بیاض یعنی مرد نے عورت کو زانیہ کہا عورت نے کہا میں نے تیرے ساتھ زنا کیا ہے، اس صورت میں اجنبی مرد کا زانی ہونا ثابت نہیں، وہو تعالیٰ اعلم،

# حضانت کا بیان

**مسئلہ:** مسئولہ مولوی عبد الاحد صاحب از پیلی بھیت محلہ منیر خاں مدرسۃ الحدیث، ۱۹ رجب

صغر سن کا حق پرورش و نفقہ اس کے والد کی معذوری و غربت کی حالت میں کس پر واجب ہے، اور تا بہ بلوغ کس کے ساتھ رہ سکتا ہے؟

**الجواب:** لڑکا سات برس کی عمر تک اور لڑکی نو برس تک ماں کی تربیت میں رہیں گے، اس کے بعد باپ یا ولی احق ہے اور اگر ماں نہ ہو یا اس نے اجنبی سے نکاح کر لیا ہو تو حق حضانت نانی کو ہے پھر دادی کو تنویر الابصار ص ۱۷۸ میں ہے، تثبت (ای الحضانۃ) للام ثم ای بعد الام بان ماتت اولم تقبل او اسقطت حقہا او تزوجت باجنبی (کذا فی الدر) ثم ام الام وان علت ثم ام الاب، درمختار میں ہے، والحاضنۃ اما او غیرہا احق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی لانہ الغالب والام والجدۃ احق بہا حتی تحیض ای تبلغ فی ظاہر الروایۃ وغیرہما احق بہا حتی تشتہی وقدر بتسع وبہ یفتی، وعن محمد ان الحکم فی الام والجدۃ کذالک[1] وبہ یفتی لکثرۃ الفساد زیلعی اھ ملتقطا، اور باپ اگر مفلس ہے،

[1] ردالمحتار میں ہے، قولہ لابنت احدی عشر، مشتہاۃ اتفاقا بل فی محرمات بنت تسع فصاعدا مشتہاۃ اتفاقا سائحانی، قولہ کذالک، ای فی کونہا احق بہا حتی تشتہی قولہ وبہ یفتی، قال فی البحر بعد نقل تصحیحہ والحاصل ان الفتوی علی غیر ظاہر الروایۃ، البحر الرائق میں ہے، وعن محمد انہا تدفع الی الاب اذا بلغت حد الشہوۃ لتحقق الحاجۃ، الی الصیانۃ، قال فی النقایۃ وھو المعتبر لفساد الزمان وفی نفقات الخصاف وعن ابی یوسف مثلہ وفی التبیین

(بقیہ ص ۲۹۷ پر)

Marfat.com

اور نابالغ خود بھی مال نہیں رکھتا نہ کما کر کھانے وغیرہ کے مصارف حاصل کر سکے تو نفقہ دادا کے ذمہ ہے یا بچے کی ماں اسے کھلائے، ردالمحتار میں ہے، قال فی الذخیرۃ ولو کان للفقیر اولاد صغار و جد موسر لم تفرض نفقتھم علی الجد بالاتفاق صیانۃ لولد الولد ویکون دینا علی والدھم ھکذا ذکر القدوری فلم یجعل النفقۃ علی الجد حال عسرۃ الاب وھذا قول الحسن بن صالح والصحیح فی المذھب ان الاب الفقیر یلحق بالمیت فی استحقاق النفقۃ علی الجد وان کان للاب ضمنا یقضی بھا علی الجد بلا رجوع اتفاقا لان نفقۃ الاب حینئذ علی الجد فکذا نفقۃ الصغار اھ وقال فی الذخیرۃ ایضا قبل ھذا ولو لھم ام موسرۃ امرت ان تنفق علیھم فیکون دینا ترجع بہ علی الاب اذا ایسر، وھی اولی بالتحمل من سائر الاقارب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ احمد علی خاں متصل جامع مسجد بریلی، ۲۵ رجمادی الآخر ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارہ میں کہ زید فوت ہوا اور زوجہ اور ایک لڑکا عمر دو سال اور ایک لڑکی عمر چار سال اور ایک لڑکی عمر آٹھ سال چھوڑی، بیوہ کی جانب سے اندیشہ ہے کہ وہ تبدیل مذہب کرلے یا عقد ثانی کرے، زید کے باپ اور چچا اور بھائی اور دادی اور پھوپھی اور بہنیں موجود ہیں نابالغان کا حق ولایت کس کو پہنچتا ہے تاکہ نابالغان کو اپنے پاس رکھے؟

**الجواب:** اگر وہ معاذاللہ تبدیل مذہب کرے یا اجنبی سے نکاح کرے تو بچے اس سے فوراً علٰحدہ کرلئے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۶ کا) وبہ یفتی فی زماننا لکثرۃ الفساد وفی الخلاصۃ وغیاث المفتی والاعتماد علی ھذہ الروایۃ لفساد الزمان، فالحاصل ان الفتوی علی خلاف ظاھر الروایۃ واختلف فی حد الشھوۃ وفی الولوالجیہ، ولیس لہا حد مقدر لانہ یختلف باختلاف حال المرأۃ وفی التبیین وغیرہ بنت احدی عشرۃ سنۃ مشتھات فی قولھم جمیعا وقدرہ ابو اللیث بتسع سنین وعلیہ الفتوی، اس سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ لڑکا سات سال کی عمر تک پرورش کرنے والی کے پاس رہے گا خواہ پرورش کرنے والی ماں ہو یا کوئی اور، اور لڑکی کی پرورش کرنے والی ماں یا نانی یا دادی ہو تو اس وقت تک رہے گی، جب تک کہ بالغ نہ ہوجائے یہی ظاہر الروایۃ ہے، البتہ امام محمد کا قول یہ ہے کہ ماں وغیرہ کے پاس بھی اسی وقت تک رہے گی جب تک مشتہات نہ ہو، اور زمانہ کے فساد کی وجہ سے فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے، اگر پرورش کرنے والی ماں، نانی، دادی کے علاوہ کوئی اور ہو تو بالاتفاق ان کے پاس اسی وقت تک رہے گی جب تک مشتہات نہ ہو، مشتہات کی حد میں اختلاف ہے، علامہ زیلعی نے تبیین میں فرمایا کہ ۱۱ سال کی عمر ہے، اور امام فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے فرمایا کہ نو سال ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

جائیں اور اب حق تربیت دادی کو ہوگا، درمختار میں ہے، الحضانۃ تثبت للام الا ان تکون مرتدۃ او متزوجۃ بغیر محرم الصغیر، اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو لڑکا سات برس کی عمر تک ماں کی پرورش میں رہے گا اور لڑکی نو برس کی عمر تک، درمختار میں ہے، والحاضنۃ احق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** قدرت اللہ، ساکن محلہ اعظم نگر بریلی، یکم ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ میں ایک غریب اور کمزور آدمی ہوں اور میرے پاس صرف ایک مکان ہے اور کچھ مال زر نہیں، میرے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے، جس میں سے ایک لڑکا عرصہ بائیس ۲۲ سال سے لاپتہ ہے، اب دونوں لڑکوں میں سے بڑا لڑکا جو کہ تندرست ہے اور اپنا روزگار کرتا ہے، مگر میرے کھانے پینے کا قطعی خیال نہیں کرتا ہے اور نہ کبھی کیا، عرصہ گیارہ سال سے چھوٹا لڑکا مجھ کو کھلاتا ہے پہناتا ہے اور میری بیوی کو اور خدمت بھی اچھی طرح کرتا ہے، لہذا اس حالت میں یہ مکان کس کو دوں؟

**الجواب:** ماں باپ کا نفقہ اولاد پر اس وقت واجب ہے کہ تنگ دست ہوں اور اولاد مالک نصاب ہو اور جب سائل کے پاس مال و زر نہیں تو اولاد پر اس کا نفقہ واجب، عالمگیری میں ہے، ویجب الولد الموسر علی نفقۃ الابوین المعسرین، درر و غرر میں ہے، وعلی الموسر یسارا الفطرۃ لاصولہ لقولہ تعالیٰ وصاحبہما فی الدنیا معروفا، اور جب چند اولادیں ہیں تو سب پر والدین کا نفقہ برابر واجب اسی میں ہے بالسویۃ بین الذکور والاناث فی ظاہر الروایۃ وھو الصحیح لان استحقاق الابوین انما ھو بحق الملک فی مال الولد لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انت ومالک لابیک، ماں باپ کو چاہئے کہ اپنی سب اولاد کو یکساں دے، ہاں اگر ان میں ایک علم دین میں مشغول ہے اور کماتا نہیں، اور دوسرا ایسا نہیں تو اس کو زیادہ دے سکتے ہیں، یا ایک کو دوسرے پر دینی فضیلت ہے تو اس کو زیادہ دے سکتے ہیں، اور ایسا نہ ہو تو مکروہ و ممنوع ہے، درمختار میں ہے، لاباس بتفضیل بعض الاولاد فی العطایا اذلم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ یسوی بینہم، طحطاوی میں ہے، ویکرہ ذالک عند تساویہم فی الدرجۃ کما فی المنح والہندیۃ

Marfat.com

اما عند عدم التساوی کما اذا کان احدھم مشتغلا بالعلم لا بالکسب لا باس ان یفضلہ علی غیرہ کما فی الملتقط ای ولا یکرہ وفی المنح روی عن الامام انہ لا باس بہ اذا کان التفضیل لزیادۃ فضل بہ فی الدین،

واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مسئولہ صدر الدین خاں محلہ شہامت گنج بریلی، ۳۱ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ،

والدین نے اپنے پسر زید کی پرورش اور تعلیم علم کی، بفضلہ تعالیٰ جوان ہوگیا اور شادی بھی ہوگئی، اور دو تین بچے بھی پیدا ہوئے، اب وہ ملازم ہوگیا چنانچہ مبلغ بیس روپیہ کا ملازم ہے والدین بہت ضعیف ہوگئے، کسی کام کے لائق نہ رہے، سبب خورد ونوش میں وقت آگئی، زید پسر پر کس قدر حق ہے، مبلغ بیس روپیہ میں کیا ملنا چاہیئے، جو والدین کو بسر اوقات ہو، زید یہ بھی کہتا ہے کہ جو حکم خدا اور رسول کا ہو میں اس کو ادا کرنے کو تیار ہوں، اب خدمت میں علمائے دین کے گذارش ہے کہ جو حق والدین ذمہ زید ہو، بموجب شرع شریف ظاہر کر دیا جائے تاکہ ثواب ہو؟

**الجواب:** ماں باپ جب محتاج ہوں تو ان کا نفقہ اولاد پر واجب ہے، جب کہ اولاد مالدار یعنی صاحب نصاب ہو، فتاویٰ عالمگیری میں ہے ویجبر الولد الموسر علی نفقۃ الابوین المعسرین، صورت مستفسرہ میں اگر لڑکا صاحب نصاب ہو تو والدین کو ان کے مناسب خرچ کے لائق دیتا رہے اس میں روپیہ کی تعداد شرع کی جانب سے مقرر نہیں اور اگر اتنی وسعت نہ ہو کہ والدین کے اخراجات دیتا رہے تو والدین کو کھانے پینے میں اپنے ساتھ شریک کرے، عالمگیری میں ہے، قال ابو یوسف اذا کان الابن فقیرا کسوبا والاب زمنا یشارکہ الابن فی القوت بالمعروف لانہ اذا لم یشارکہ یخشی علی الاب التلف، نیز اسی میں ہے وان کان لہ زوجۃ واولاد صغار یجبر الابن علی ان یدخل الاب فی قوتہ ویجعلہ کاحد من عیالہ ولا یجبرہ علی ان یعطی شیئا علی حدۃ، بظاہر صورت مسئولہ میں لڑکے کی حالت ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ والدین کے اخراجات علٰحدہ دے سکے کہ صرف بیس روپئے کا ملازم ہے اور بی بی بچے بھی رکھتا ہے، بیس روپئے میں خود ان کی بسر اوقات وقت سے ہوتی ہوگی، لہذا چاہیئے کہ والدین کو خورد ونوش میں شریک کرے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** از دھوراجی راج کاٹھیاوار مرسلہ حبیب عبد الغنی، ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ،

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق ثلاثہ دے دیا، اس کی گود میں ایک سال تین ماہ کا بچہ ہے، اور اس کی ماں کی عادتوں سے عاجز آنے پر بچہ کا چار ماہ قبل دودھ چھوڑا دیا گیا تھا، اب حق پرورش ماں کا ہے یا باپ کا اگر ماں کا ہے تو اس کے رشتہ داروں کی طرف سے بچہ کی جان کا خوف ہے اس لئے از روئے شرع شریف اس بچہ کو ماں سے اس کا باپ لے سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حضانت یعنی حق پرورش سب سے مقدم بچہ کی ماں کے لئے ہے، مگر جب کہ اس کے پاس رکھنے میں بچہ کے ضائع ہونے کا صحیح اندیشہ ہو تو ماں کا حق ساقط ہو جائے گا، درمختار میں ہے، ثبتت للام الا ان یکون مرتدۃ او فاجرۃ فجورا یضیع الولد بہ کزنا وغناء وسرقۃ ونیاحۃ او غیر مامومنۃ بان تخرج کل وقت وتترک الولد ضائعا، اور جب ماں کا حق ساقط ہو گیا تو یہ حق نانی وغیرہ کو حاصل ہو گا، اور اگر وہ عورتیں نہ ہوں جن کو حق حضانت ہوتی ہے تو باپ کا حق ہے۔ کما فی الدر المختار، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# نفقہ کا بیان

**مسئلہ:** مسئولہ عنایت حسین، از مراد آباد، ۹ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ

عشرہ محرم پر میری زوجہ کے بہنوئی (مولا بخش) و میری بیوی کا بھتیجہ داماد احمد بخش یعنی مولا بخش کا لڑکا آیا اور مجھ سے کہا کہ اپنی بیوی کو بریلی بھیجدو میں نے حاملہ ہونے کی وجہ سے انکار کیا، انھوں نے اشتعال دلایا کہ ہم ضرور لے جائیں گے، میں رضامند نہ ہوا میرے مکان سے مولا بخش کا مکان قریب تھا، میری بیوی بلا میری اطلاع کے شب میں چلی گئی اور مولا بخش و احمد بخش وغیرہ بریلی اپنی ہمراہی میں لے گئے، میری رضامندی ہرگز نہ تھی ایسی صورت میں وہ نان و نفقہ کی حقدار ہے یا نہیں، جب کہ میرے مکان پر نہ آئے؟

**الجواب:** جب عورت مکان شوہر سے بغیر اس کی اجازت چلی گئی تو جب تک واپس نہ ہو، مستحق نفقہ نہیں، درمختار میں ہے، لانفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود، فتاوی عالمگیری میں ہے

---

ماں کے بعد پرورش کا حق نانی کو ہے پھر دادی کو، پھر حقیقی بہن کو، پھر ماں جائی بہن کو، پھر علاتی کو پھر بھانجیوں کو پھر خالاؤں کو پھر پھوپھیوں کو، پھر ماں کی خالاؤں کو، پھر باپ کی خالاؤں کو، پھر ماں کی پھوپھیوں کو، پھر باپ کی پھوپھیوں کو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

وان نشزت فلا نفقۃ لہا حتی تعود الی منزلہ والناشزۃ ھی الخارجۃ عن منزل زوجہا المانعۃ نفسہا منہ، نیز ایام گذشتہ میں اگر عورت نے اپنے پاس سے خرچ کیا ہو تو اس کے مطالبہ کا حق عورت کو اس وقت ہوتا ہے جب کہ پیشتر قاضی نے بذمہ شوہر نفقہ کی ایک مقدار معین کر دی ہو یا زوج و زوجہ کی رضامندی سے مقرر ہو چکا ہو اب عورت جو کچھ خرچ کرے گی وہ شوہر پر دین ہوگا کہ وصول کر سکتی ہے اور یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو گذشتہ کے نفقہ کا استحقاق نہیں، یعنی اگر عورت کی جانب سے کوئی ایسا امر نہ ہوتا کہ نفقہ ساقط ہو پھر بھی بغیر ان دونوں صورتوں کے شوہر کے ذمہ دین نہ ہوگا، بخلاف صورت مسئولہ کے کہ یہاں تو استحقاق ہی نہیں، درمختار میں ہے والنفقۃ لا تصیر دینا الا بالقضاء او الرضاء ای اصطلاحہما علی قدر معین اصنافا او دراھم فقبل ذالک لا یلزم شئی وبعدہ ترجع بما انفقت ولو من مال نفسہا بلا امر قاضی، ردالمحتار میں ہے اذا لم ینفق علیہا بان غاب عنہا او کان حاضرا فامتنع فلا یطالب بہا بل تسقط بمضی المدۃ، نیز اسی میں ہے، بعد القضاء او الرضاء ترجع لانہا بعدہ صارت ملکا لہا کما قدمناہ، یہ حکم نفقہ کا ہے رہا عورت کا بغیر اجازت شوہر بلا وجہ شرعی چلا آنا اس کا گناہ علحدہ[1] ہے، اور وہ بھی مراد آباد سے بریلی کی مسافت سفر ہے، غیر محرم[2] کے ساتھ جانا دوسرا گناہ کہ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ احمد بخش اس عورت کا حقیقی بھائی نہیں، بلکہ رشتہ کی بہن کا لڑکا ہے، عورت کو چاہئے کہ توبہ کرے اور شوہر کی نافرمانی سے باز آئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** کسی شخص کی زوجہ بھاگ گئی غیر مرد کے ساتھ نکاح بھی کر لی، نکاح تو صحیح نہ ہوا، مگر اس زنا کا وبال شوہر پر بھی آئے گا یا نہیں، جب کہ شوہر اب تک طلاق نہ دیا، اس کا سبب یہ ہے، اگر خط وغیرہ کے ذریعہ سے طلاق روانہ بھی کر دے تو مزید حق زوجیت مدت گذشتہ کی خوراکی کے لئے مقدمہ دائر کر دے گی؟

---

[1] حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب مرد اپنی بیوی کو بچھونے کی طرف بلائے اور وہ نہ آئے اور شوہر خفا ہو کر رات گذارے اس پر فرشتے صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، متفق علیہ، مشکوٰۃ، دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تین شخص کی نہ کوئی نماز قبول ہوتی ہے اور نہ کوئی نیکی، بھاگا ہوا غلام جب تک مالک کے پاس نہ لوٹے، اور وہ عورت جس کا شوہر اس سے ناراض ہو اور نشے میں بدمست جب تک کہ اس کا نشہ نہ دور ہو۔ [2] صحیحین میں ہے، لا تسافر امرأۃ ثلثا الا ومعہا ذو محرم وفی لفظ البخاری ثلثۃ ایام، کوئی عورت تین دن کی مسافت پر بغیر محرم کے سفر نہ کرے، محرم ہو یا شوہر، تین دن کی مسافت کی مقدار ساڑھے ستاون میل، تقریباً ۹۲ کیلو میٹر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**الجواب:** شوہر پر طلاق دینا واجب[1] نہیں اور نہ اس کے زنا کا شوہر پر گناہ، کہ اس میں شوہر کو دخل نہیں[2] لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ، اور شوہر طلاق دے دے تو اس میں بھی حرج نہیں، اس مدت کے نفقہ کا عورت مطالبہ نہیں کرسکتی کہ نفقہ اس وقت واجب ہوتا ہے، جب عورت شوہر کے یہاں رہنے سے انکار نہ کرے اور جتنے دنوں شوہر کے یہاں رہی نہیں، اس کا نفقہ شوہر پر نہیں، نیز ایام گذشتہ کا مطالبہ بغیر قاضی کے مقرر کئے یا آپس میں طے کئے بغیر نہیں ہوسکتا، بلکہ ساقط ہوجاتا ہے، درمختار میں ہے، لانفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود، نیز اسی میں ہے، والنفقۃ لاتصیر دینا الا بالقضاء او الرضاء ای اصطلاحھما علی قدر معین اصنافا او دراھم فقبل ذالک لا یلزمہ شئ، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** ایک مرد نے ایک باعصمت لڑکی سے نکاح کیا لڑکی جب گھر گئی تو دیکھا کہ خاوند کا تعلق ایک بے نکاحی عورت سے ہے اور خاوند کا ذریعہ معاش بھی نظر نہیں آتا، ذریعہ معاش تو وہی بے نکاحی عورت ہے، مرد نے چند روز کے بعد مار پیٹ کر باعصمت لڑکی کو اپنے گھر سے نکال دیا، جسے عرصہ سات آٹھ سال کا ہوتا ہے، لڑکی نے کچہری میں نان ونفقہ کا دعویٰ کیا ہے شوہر کو پانچ روپیہ ماہانہ ادا کرنے کا حکم ہوا ہے، اسے عرصہ چار سال کا ہوتا ہے باعصمت لڑکی نے رقم وصول کرنے کی بہت کوشش کی مگر مرد کے پاس کچھ نہ ہونے سے وصول نہ کرسکی، ایسی حالت میں جب کہ مرد طلاق بھی نہیں دیتا اور نان ونفقہ بھی نہیں دیتا، اور لڑکی کے لئے ذریعہ معاش بھی نہیں، تو لڑکی کو کیا کرنا چاہئے؟

**الجواب:** جب مرد نان نفقہ دینے سے عاجز ہے تو عورت دعویٰ کرے حاکم اس مرد سے جبراً طلاق دلوائے یا نان نفقہ دلوائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** آمدہ از راجکوٹ کاٹھیاواڑ، مرسلہ مسجد نواب صاحب سید عبد الاول میاں قادری،

کیا فرماتے ہیں، علمائے دین ذیل کے مسائل میں کہ زید نے اپنی عورت کو طلاق دیا عورت کو حمل ہے تو اب

---

[1] درمختار میں ہے، لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ، ہاں بدکار عورت کو طلاق دینا مستحب ہے اور مختار میں ہے، بل یستحب لو موذیۃ وتارکۃ

غایۃ ومفادہ ان لا اثم بمعاشرۃ من لا تصلی صلواۃ ، اسی کے تحت شامی میں ہے، الطلقۃ فشمل الموذیۃ لہ او لغیرہ بقولہا او بفعلہا، الخ

[2] ان ترک الفرائض غیر الصلوٰۃ کالصلوٰۃ، اور ظاہر ہے کہ زنا ایسا فعل ہے کہ اس سے شوہر کو اور شوہر کے متعلقین کو ضرور ایذا پہنچے گی ،

نیز معاصی سے بچنا فرض ہے، تو معاصی کا ارتکاب ضرور ترک فرض ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم، -

Marfat.com

اس عورت کے وضع حمل تک نان ونفقہ کا ذمہ اس کے مرد پر ہے یا نہیں اور بچہ پیدا ہونے کے بعد دودھ پلانے کے کتنے وقت تک مرد پر عورت کا نان ونفقہ دینا چاہیے، کیونکہ یہاں پر دیگر عورت کو دودھ پلانے کو دینے کا یا دائی وغیرہ سے پرورش کرانے کا رواج نہیں ہے، تو اگر عورت وضع حمل کے بعد اگر دوسرا نکاح نہ کرے تو دودھ پلانے کے زمانے کا نان ونفقہ مرد سے مانگ سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اسی طرح اگر مرد کا انتقال ہوا اور عورت کو حمل ہے تو مرحوم کے مال میں سے وضع حمل تک اور دودھ پلانے کے زمانہ تک عورت خرچہ لینے کی حقدار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

**الجواب:** مطلقہ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے، قال اللہ تعالیٰ، واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن، اور مطلقہ کی عدت کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، درمختار میں ہے، وتجب لمطلقۃ الرجعی والبائن وضع حمل کے بعد اگر بچہ کو عورت دودھ پلائے گی تو زمانہ رضاعت کے دودھ پلانے کی اجرت شوہر سے لے گی، اللہ عزوجل فرماتا ہے، وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن، تفسیر جلالین میں ہے، رزقھن اطعام الوالدات و کسوتھن علی الارضاع اذا کن مطلقات، درمختار میں ہے، وھی احق بارضاع ولدھا بعد العدۃ اذا لم تطلب زیادۃ علی ما تاخذہ الاجنبیۃ وللرضیع النفقۃ والکسوۃ وللام اجرۃ الارضاع بلا عقد اجارۃ، ۔

(۲) موت کی عدت کا نفقہ شوہر کے مال میں واجب نہیں، درمختار میں ہے، لا تجب النفقۃ بانواعھا لمعتدۃ موت مطلقا ولو حاملا، دودھ پلانے کی اجرت بچہ کے مال سے دلائی جائے گی، اگر بچہ اپنے باپ کے ترکہ کا وارث ہوا ہو، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے، وعلی الوارث مثل ذالک، تفسیر جلالین میں ہے، ای وارث الاب وھو الصبی ای ولیہ مثل ذالک الذی علی الاب للوالدۃ من الرزق والکسوۃ، اور اگر بچہ کسی مال کا مالک نہیں، تو جس کے ذمہ اس کا نفقہ واجب ہے، وہی رضاعت کی اجرت بھی دے گا، واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

# باب الیمین

## قسم کا بیان

**مسئلہ:** رمضانی محلہ، بہاری پور، ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان حاجی کسی بات کو اس طرح قسم کھا کر بیان کرتا ہے کہ میں حاجی تو نہیں یا حاجی ہوں، لیکن اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کا طواف کیا ہے، تو شرعاً کیا حکم ہے؟ اس کا یقین کریں یا نہیں، اور جو لوگ اس قسم کے بعد بھی اسے جھوٹا کہیں، ان کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** کعبہ معظمہ کی قسم شرعاً قسم نہیں، درمختار میں ہے «لا یقسم بغیرہ تعالیٰ کالکعبۃ» پھر بھی بلاوجہ جھوٹا نہیں کہا جا سکتا، جب تک ان کا جھوٹا ہونا ثابت نہ ہو، ان کی بات کا اعتبار کرنا چاہیے، اور خواہ مخواہ مسلمان کی طرف برے گمان سے احتراز لازم، حدیث میں فرمایا «ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث»

واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسؤلہ عبد الرحیم، محلہ سفر علی شاہ، بریلی، ۸ رجمادی الآخر ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہم اہل برادری خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب کبھی اپنی یا اپنے لڑکے کی شادی کریں گے تو آپس میں کھائیں گے اور کھلائیں گے اور اگر نہ ہو سکے گا تو برادری میں ظاہر کر دیں گے، تو ایسی صورت میں اس قسم کا پورا کرنا لازم ہو گا یا نہیں؟

**الجواب:** جن لوگوں نے کھانا کھلانے کی قسم کھائی ہے ان پر قسم کا پورا کرنا لازم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسؤلہ مولوی نجیب الرحمٰن صاحب ساکن موضع بہوارگھاٹ، ڈاکخانہ واسٹیشن پن پن، ضلع پٹنہ، ۴ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ اگر اس پرندہ کا گوشت نہ کھاؤں تو

Marfat.com

بی بی مجھ پر حرام، پرندہ شکار کیا گیا مگر مرگیا، ایک مولوی صاحب نے کہا، اس کو کاٹ کر مرغ کو کھلادو اور کھانے والے مرغ کو ذبح کرکے کھائے، قسم پوری ہو جائے گی۔ اور بی بی نکاح سے باہر نہیں ہوگی، شرع شریف کیا حکم فرماتی ہے؟

**الجواب:** مرغ کا گوشت کھانے سے قسم پوری نہ ہوگی کہ مرغ کا گوشت اس پرندکا گوشت نہیں کہ مرغ نے جب وہ گوشت کھالیا تو وہ گوشت ہضم ہوکر اس پرند کا گوشت نہ رہا، اگرچہ بعد ہضم اس کے بعض اجزا سے گوشت بنا ہو، مگر یہ اجزا گوشت نہیں، بلکہ اخلاط و رطوبات ہیں، تو مرغ کے گوشت کھانے سے اس جانور کا گوشت کھانا کیونکر ہوگا، نیز یمین کا مدار عرف پر ہوتا ہے، مرغ کا گوشت کھانے سے یہ کوئی نہ کہے گا کہ اس جانور کا گوشت کھایا، اور یہاں تو استحالہ[1] ہوکر وہ گوشت رہا ہی نہیں، ورنہ لازم آئے کہ مرغ کا گوشت کھانا، ان تمام چیزوں کا کھانا ہو جنھیں مرغ نے کھایا ہے، ولا یقول بہ احد، بالجملہ نہ یہاں حقیقت ہے نہ عرف اور ہمارے مذہب میں یمین کا مدار عرف ہی پر ہے، اگرچہ حقیقت کے خلاف عرف ہو تو سب کے نزدیک حانث ہوا، فتاویٰ ہندیہ میں ہے' الاصل ان الالفاظ المستعملۃ فی الایمان مبنیۃ علی العرف عندنا کذا فی الکافی، واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ رحمت حسین، محلہ بڑی ٹولہ، شہر کہنہ بریلی، شوال ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مقدمہ مطابق شریعت کرنا چاہتے ہیں، اس مقدمہ کے اندر کسی قسم کا اگر شک وشبہ ہو تو وحشت دلوانے کے لئے مدعی و مدعا علیہ سے قسم دلائی جائے، اس کی اولاد کا ہاتھ پکڑ کر، یا اس کے ہاتھ پر کلام پاک رکھ کر، اس لئے کہ شاہد اگر جھوٹ ہو تو اس کی وحشت کی وجہ سے اس قسم سے باز آجاوے، تو یہ قسم شریعت کے خلاف تو نہیں ہوے گی؟

**الجواب:** مدعی پر حلف نہیں، حلف صرف مدعیٰ علیہ پر ہے، مدعی کے ذمہ یہ ہے کہ جس چیز کا اس نے دعویٰ کیا، گواہوں سے ثبوت دے، اگر گواہ نہ پیش کر سکے، تو مدعیٰ علیہ سے حلف لیا جائے، حدیث میں ارشاد ہوا،

[1] یہاں استحالہ کے معنی ہیں، بدل جانے کے، مراد یہ ہے کہ اس پرند کا گوشت مرغ کے پیٹ میں جاکر ہضم ہوکر تحلیل ہوگیا، اس میں سے کچھ فضلات ہے کچھ خون، بلغم، سودا، صفرا بنا، اس کی مقدار قلیل گوشت میں بھی پہنچی، پھر یہاں ایک خاص بات یہ بھی ہے، کہ جان بوجھ کر قصداً مردار گوشت مرغ کو کھلانا جائز نہیں، اور اگر کسی نے کھلادیا، تو واجب ہے کہ جب تک اس بات کا یقین نہ ہو جائے، کہ یہ حرام گوشت تحلیل ہوگیا ہو گا، اس کو کھانا منع ہے، واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر، قرآن مجید اس لئے آیا ہے کہ مسلمان اس پر عمل کریں، نہ یہ کہ اپنے جھوٹے سچے معاملات میں اسے اٹھائیں، اولاد کا ہاتھ پکڑنا کوئی چیز نہیں، قسم سے زیادہ اولاد کا ہاتھ پکڑنا نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مسئولہ مولوی شفاء الرحمٰن طالب علم مدرسہ اہل سنت بریلی، ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین، مسئلہ ذیل میں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا قرآن شریف کی قسم کھائے کہ ہم فلاں کے یہاں کھانا دانہ نہ کھائیں گے، اب وہ شخص باصرار تمام صاحب قسم کی دعوت کرتا ہے، ایسی حالت میں اس کا کھانا چاہیے یا نہیں، اگر کھائے تو اس پر حرج شرعی کیا لازم آئے گا؟

**الجواب:** اگر قسم کھانا کسی مصلحت شرعی کی بنا پر نہ ہو محض ضد یا دنیوی معاملہ میں آپس کی نفسانیت کی بنا پر قسم کھائی اور بظاہر قسم توڑنے میں نفع ہو، کم از کم ایک مسلمان کی دلداری تو ایسی قسم توڑ دے، اس کے یہاں کھانا کھائے، اور قسم کا کفارہ دے دے، حدیث میں ہے، من حلف علی یمین فرأی غیرها خیرا منها فلیأت الذی هو خیر ولیکفر عن یمینه، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک مسلمان شخص نے ایک ہندو کو کچھ روپیہ دیا، اور اس سے رس خرید کیا، اس ہندو نے روپیہ دینے والا جو کہ مسلمان ہے اس سے بدعہدی کر کے نہ اس مسلمان خریدار کو رس دیا، اور نہ اسکا روپیہ واپس کیا، اور دوسری جگہ ایک ہندو کے پاس زیادہ داموں کو رس فروخت کر دیا، اس مسلمان خریدار نے جس سے کہ اس ہندو نے بدعہدی کی اس پر نالش کی اور نالش میں زیادہ روپیہ دکھلایا، اس روپیہ سے جتنا کہ اس ہندو فروشندہ نے اس کو دیا تھا بروقت پیشی مقدمہ اجلاس میں حاکم کے روبرو جو کہ ایک ہندو حاکم تھا، اس ہندو حاکم و فروشندہ رس نے اس بات پر زور دیا کہ وہ مسلمان خریدار قرآن پاک ہاتھ میں لے کر اس امر کی قسم کھالیں کہ جتنے مطالبے دینے کی بابت نالش کی ہے، اس قدر روپیہ دیا گیا، اس مسلمان شخص نے اس مجبوری سے کہ اگر وہ قسم نہیں

---

لہ یعنی از روئے شرع اولاد کا ہاتھ پکڑ کر یا اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کسی بات کے کہنے سے بات کی سچائی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور اس کا یقین نہیں حاصل ہوتا کہ یہ سچی ہی بات کہہ رہا ہے، البتہ قسم کھا کر کسی بات کے کہنے سے مزور بات کی سچائی میں قوت پیدا ہوتی ہے، بالکلہ جن صورتوں میں مدعیٰ علیہ پر قسم ہے، اس پر اگر مدعیٰ علیہ قسم کھالے تو اس کے مطابق فیصلہ کرنا واجب، اگر اولاد کا ہاتھ پکڑ کر یا اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کوئی جھوٹی بات کہے، تو اس پر صرف جھوٹ بولنے کا وبال ہوگا، اور اگر جھوٹی قسم کھائے تو جھوٹ بولنے کے ساتھ ساتھ جھوٹی قسم کا بھی وبال ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم،

Marfat.com

کھاتا ہے تو مقدمہ کل خارج ہو جائے گا، اور اس کا اصلی روپیہ بھی نہ ملے گا، اور اس پر مقدمہ فوجداری چلے گا، قرآن شریف کی قسم اس ہندو حاکم وہندو فروشندہ کے مجبور کرنے پر کھالی، اور کل مقدمہ ڈگری ہو گیا، اس ڈگری شدہ مطالبہ میں علاوہ اس روپیہ کے جو کہ روپیہ دینے سے زیادہ دکھلایا گیا، حرجہ اس بات کا بھی شامل تھا کہ جو اس نے اس مسلمان خریدار سے زیادہ نرخ پر فروخت کیا تھا، اب یہ امر دریافت طلب ہے کہ وہ مسلمان خریدار اس ہندو بدعہد فروشندہ رس سے وہ روپیہ جو کہ اس کو دینے سے زیادہ کچہری میں دکھلایا ہے، وصول کرے یہ نہ کرے، دوسری وہ حرجہ کا روپیہ جو کہ اس ہندو فروشندہ پر خرید نرخ سے زیادہ نرخ پر دوسرے ہندو خریدار کے پاس فروخت کرنے سے اس مسلمان خریدار کو دلایا گیا ہے، لے یا نہ لے تیسری اس جھوٹی قسم کا کیا کفارہ ہے، مفصل جواب مرحمت فرمائیں گے، اجر حاصل ہوگا؟

**الجواب:** جھوٹا حلف اٹھانا خصوصًا ایسے حالات میں قرآن مجید ہاتھ میں لے کر جھوٹ بولنا حرام ہے، اور اس پر لعنت الزام ہے، اس پر توبہ فرض ہے، جھوٹا حلف نہ اٹھانے میں مقدمہ خارج ہونا غلط عذر ہے، بالجملہ اس کو اتنا ہی روپیہ لینا جائز ہے جتنا دیا ہے، زیادہ لینا ناجائز ہے، اس قسم میں کفارہ نہیں ہے، اس کا کفارہ توبہ ہے جو خالص دل سے ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** کسی بات کا اطمینان کرنے کی وجہ سے قرآن عظیم فرقان حمید کی قسم کھانا درست ہے؟ بینوا توجروا

**الجواب:** بلاوجہ قسم کھانا نہ چاہئے، ضرورت ہو تو قسم کھا[1] سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# بَابُ النذر

## منت کا بیان

**مسئلہ:** مرسلہ سید حسین صاحب، از کیمپ میرٹھ، بازار لال کرتی کوٹھی خان بہادر رضا حب یکم صفر ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نذر اللہ مانی کہ اگر میرا فلاں کام حسب خواہش ہو گیا تو

---

[1] قرآن مجید کی قسم کھانی جائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

میں اتنا روپیہ مصرف خیر میں صرف کروں گا چنانچہ وہ کام اس کا پورا ہو گیا، اور اس نے اپنی منت کے موافق جتنا روپیہ مانا تھا نکالا اور اس میں سے مستحقین کو دیا، اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ آیا اس روپئے میں سے کچھ روپیہ سادات کو بھی دیا جاسکتا ہے یا نہیں، اگر دیا جاسکتا ہے تو کس حالت سے ان کو دیا جائے یعنی ان کی کیسی حالت ہو، کہ یہ روپیہ ان کو دیا جائے تو خلاف شرع نہ ہو، اگر سادات اس کے مستحق نہیں ہیں تو اس سے بھی مطلع کیا جائے، اور یہ سنا گیا ہے کہ حرمین شریفین میں فی زمانہ نار فتار زمانہ کے لحاظ سے زکوٰۃ بھی سادات پر حلال کر دی گئی ہے، غرض جو سچی بات ہو اس سے تکلیف فرما کر آگاہی بخشی جائے؟

**الجواب:** حدیث میں ارشاد فرمایا، ان ھذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وانھا لا تحل لمحمد ولا لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم، بیشک یہ صدقات آدمیوں کے میل ہیں، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل کے لئے حلال نہیں، رواہ مسلم عن عبد المطلب بن ابی ربیعۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ان الصدقۃ لا تحل لنا، زکوٰۃ و صدقات واجبہ سادات کو دینا ناجائز ہے اور نذر بھی صدقۂ واجبہ ہے، لہذا ناجائز، رد المحتار میں تحت قول تنویر الابصار وجازت التطوعات من الصدقات فرمایا، قید بھا یخرج بقیۃ الواجبات کالنذر والعشر والکفارات وجزاء الصید، عالمگیری میں ہے، ولا یدفع الی بنی ھاشم ھذا فی الواجبات کالزکوٰۃ والنذر والعشر والکفارات فاما التطوع فیجوز الصرف الیھم کذا فی الکافی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ جناب محمد حنیف مدرسہ مدرسہ نور الہدیٰ مقام پوکھر برا ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور

۲۷ شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ وقت مصیبت عوام منت مانتے ہیں، اور مسجد کے اندر بھیجتے ہیں، جس کی نیت یوں کرتے ہیں کہ اچھا ہو جائے گا تو جان کا صدقہ خصی یا مرغ مسجد کے اندر بھیجیں گے، اگر ایسی منت کی چیز بھیجے تو آیا اس کو محتاج غنی مصلی ہر دو کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب:** منت کا کھانا صرف فقرا کھا سکتے ہیں، اغنیاء کے لئے حلال نہیں، رد المحتار باب مصرف الزکوٰۃ میں ہے، وھو مصرف ایضا لصدقۃ الفطر والکفارۃ والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبۃ کما فی القہستانی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ:** مسئولہ نعمت اللہ موضع بھگوتنا پور، پرگنہ فرید پور، ضلع بریلی، ۸ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نذر تو اللہ کو ہے اور نیاز اس کے رسول کی ہے جیسے فاتحہ کھانا پر پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ نذر اللہ، نیاز رسول ہے، اور جیسے ماہ محرم نیاز حسین کہہ کر سبیل کرتے ہیں، ان لوگوں کا کہنا ٹھیک ہے یا غلط، اور سبیل کا پینا جائز ہے یا ناجائز، اور بعض شخص کہتے ہیں کہ نذر اور نیاز دونوں اللہ ہی پاک کے لئے ہے، اور کسی کو نہیں اور بعض شخص کہتے ہیں کہ نذر اللہ کو ہے اور نیاز رسول کو ہے، ان دونوں باتوں میں کون سی صحیح اور کون سی نہیں؟

**الجواب:** نذر شرعی اللہ عزوجل کے لئے خاص ہے، غیر خدا کی نذر اس معنی میں نہیں ہو سکتی، نذر لفظ عربی ہے اور لفظ نیاز فارسی ہے، جو نذر ہی کے معنی میں ہے، جس طرح نذر شرعی اللہ کے ساتھ مخصوص ہے نیاز شرعی بھی اسی کے ساتھ خاص ہے، مگر عرف میں بڑے اور بزرگ کی خدمت میں کسی چیز کے پیش کرنے کو بھی نذر کہتے ہیں، مثلاً بادشاہ کو نذر گزاری، پیر یا استاد کو نذر دی اور یہ معنی بھی مسلمانوں میں دائر و سائر ہیں۔ بزرگان دین کو جو ایصال ثواب کیا جاتا ہے اسے مسلمان براہ ادب نذر و نیاز کہتے ہیں، یہ فعل بھی جائز و مستحسن ہے۔ اسے نذر و نیاز کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایصال ثواب کے لئے سبیل لگانا، پانی شربت مسلمانوں کو پلانا جائز اور اس کا پینا بھی جائز۔ شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی، رسالہ نذور میں لکھتے ہیں کہ "نذرے کہ ایں جا مستعمل می شود نہ بر معنی شرعی ہست چہ عرف آن ست کہ آنچہ پیش بزرگاں می برند نذر و نیاز می گویند"۔ علامہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدس "حدیقہ ندیہ" میں فرماتے ہیں، ومن ھذا القبیل زیارۃ القبور والتبرک بضرائح الاولیاء والصالحین والنذور لھم بتعلیق ذالک علی حصول شفاء او قدوم غائب فانہ مجاز عن الصدقۃ علی الخادمین لقبورھم، شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں، حضرت امیر و ذریۂ طاہرۂ او را تمام امت بر مثال پیران و مرشداں می پرستند و امور تکوینیہ را بایشاں وابستہ می دانند و فاتحہ و درود و صدقات و نذر بنام ایشاں رائج و معمول گردیدہ، چنانچہ با جمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ ست فاتحہ و درود و نذر و عرس و مجلس واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از بھگوتنا پور ڈاکخانہ فرید پور ضلع بریلی مسئولہ نعمت اللہ صاحب، ۱۰ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

افضل العلماء جناب مولوی بدر الاسلام محمد امجد علی صاحب زاد عنایتکم بعد سلام کے عرض یہ ہے کہ شرعی نذر و نیاز کا مسئلہ نعمت اللہ اور سراج الدین کہتا ہے کہ نذر و نیاز شرعی اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کو جائز نہیں اور فقیر سے

Marfat.com

پیش امام کہتے ہیں کہ نیاز رسول کو ہے اور اسی بات پر جھگڑا ہے، بعد اس کے فقیر نے کہا کہ کتابوں کو دیکھ لیا جائے اگر ان میں نذر و نیاز اللہ تعالیٰ کو ہو تو منظور کیا جائے، اور اگر نہ ہو تو منظور نہ کیا جائے، بعد اس کے کتابیں منگائیں، جس میں تفسیر سورہ فاتحہ اور شرع محمدی اور مترجم کلام مجید تھا، پھر جب ان کتابوں کو دیکھا تو کہا کہ تفسیر سورہ فاتحہ جھوٹی کتاب ہے اور شرع محمدی بھی جھوٹی ہے، اور شرح وقایہ کو جھوٹی بتلاتے ہیں، اور مروان کی کتابیں بتلاتے ہیں، کہ مروان کی جھوٹی حدیث ہے اور انھیں کے کہنے کے مطابق عام لوگ کہنے لگے اگرچہ ان کو اتنا علم نہیں کہ حق و باطل میں فرق کر سکیں، شک اور شبہ سے جھوٹی کتابیں بتلاتے ہیں، تب ان لوگوں نے کہا، کتابوں کی مت مانو قرآن شریف کی مانو گے تو کہا، ہم قرآن شریف کی بھی نہ مانیں گے، کیونکہ قرآن مجید کیا ابھی تو نہ تھا جواب ہم نئی بات مانیں ہم وہی مانیں گے جو بزرگوں ہمارے سے چلی آئی ہے، تفسیر سورۂ فاتحہ اور شرع محمدی و شرح وقایہ جھوٹی کتابیں ہیں کہ صحیح، نیاز اللہ تعالیٰ کو ہے کہ رسول کو، قرآن شریف کو نہ ماننا کیسا ہے؟

**الجواب:** شریعت میں نذر اسے کہتے ہیں کہ یوں کہے کہ اللہ کے لئے مجھ پر فلاں کام کرنا ہے، مثلاً نماز پڑھنا یا روزہ رکھنا، یا خیرات کرنا وغیر ذالک، یا یوں کہے، اگر فلاں کام ہو جائے گا، تو نماز پڑھوں گا، مثلاً اور اس کے لئے چند شرطیں ہیں، جو بہار شریعت میں فقیر نے لکھ دی ہیں، نذر بایں معنی غیر خدا کے لئے نہیں ہو سکتی، کما فی کتب الفقہ، مگر عرف میں بڑے اور معظم کی خدمت میں جو چیز پیش کرتے ہیں، اسے بھی براہ ادب نذر کہتے ہیں، اسی معنی کے لحاظ سے بادشاہ کو نذر دینا، پیر یا عالم کو نذر دینا بولتے ہیں، لہٰذا کسی عمل خیر کا ثواب اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور پیش کریں تو اسے نذر کہیں گے، لوگوں کو چاہئے تھا کہ اگر فرق نہ جانتا تھا تو اسے دونوں معنی میں فرق سمجھاتے اور بتاتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے نذر کہنا نذر عرفی ہے، نذر شرعی نہیں، اس نے نذر عرفی و شرعی کے فرق کو نہ جانا، اور انکار کر دیا، پھر انکار میں اس حد تک بڑھا کہ اسلام سے باہر ہو گیا، فقیر کے پاس سائل یہ کتاب تفسیر سورۂ فاتحہ لایا فقیر نے اس کو جا بجا سے دیکھا، اس کا مصنف وہابی معلوم ہوتا ہے اس کے مضامین میں بعض باتیں وہابیت کی ہیں، شرح وقایہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے، اپنی جہالت سے اسے جھوٹی کتاب بتانا، یہ اس کتاب کی بے ادبی ہوئی، پھر مروان سے اس کو کیا نسبت، اور مروان جھوٹی حدیثیں نہیں بناتا تھا، یہ بھی غلط کہا کہ مروان کی جھوٹی حدیث ہے سب سے شدید خباثت یہ کی کہ قرآن مجید کے ماننے سے انکار کر دیا اور یہ کھلا کفر ہے، بیشک قائل کافر ہو گیا، ایمان نام ہے

Marfat.com

تصدیق ماجاء بہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اور جب قرآن کو نہ مانا تو ایمان کہاں، اگرچہ یہ مضمون جو بیان کیا گیا قرآن مجید میں نہیں ہے، بالجملہ یہ شخص ایمان سے خارج ہوگیا، اور ان کی جورو نکاح سے باہر ہوگئی، از سر نو مسلمان ہو، اور عورت راضی ہو تو اس سے دوبارہ نکاح کرے، اس کے پیچھے نماز بالکل نہ ہوگی، بلکہ جو اس کے اس قول پر مطلع ہوکر اسے مسلمان جانے یا اس کے پیچھے نماز پڑھے وہ بھی کافر، اس کو فوراً فوراً برادری سے خارج کردیں، اس سے میل جول حرام، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از کلکتہ ۲۱ زکریا اسٹریٹ، مرسلہ منور حسین، ۲ ذی القعدہ ۱۳۴۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے حالت پریشانی و عجلت میں روزانہ دس رکعت نفل نماز ادا کرنے کی منت مانی، اور اس کی مراد بھی پوری ہوگئی، لیکن اب اس کا ادا کرنا بہت دشوار اور گراں معلوم ہوتا ہے، مثلاً حالت تندرستی میں ادا کرتی ہے لیکن بیماری اور حیض و نفاس کے حالت میں مجبور ہو جاتی ہے اور جب مذکورہ وجہ سے فراغت پاتی ہے تو روزانہ دس کے حساب سے ایک روز میں یا دو روز میں ادا کر دیتی ہے، لیکن ادا کرنا بہت ہی گراں اور بوجھ معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ اگر خدانخواستہ چھ ماہ یا برس روز بیمار رہے تو بہت نمازیں قضا سر پر رہ جاتی ہیں، جو ادا کرنا نہایت ہی دشوار اور مشکل نظر آتا ہے، لہٰذا براہ کرم جناب کتب معتبرہ سے آسان صورت ادا کرنے کی بتلاویں، اور یہ منت معاف ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یا فدیہ وغیرہ دینے سے اتر سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ ادا نہ کرسکے تو اس کا شوہر یا اور کوئی عزیز ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے بتایا ہے کہ استغفار روز پڑھا کرے، اگر ادا نہ کرسکتی ہے تو یہ مولوی صاحب کا قول صحیح ہے یا غلط؟ اور اگر صحیح ہے تو اس کے پڑھنے کی ترکیب جناب بتادیں، براہ کرم جناب والا اس کا جواب جلد از جلد عنایت فرمادیں؟ بے حد مشکور و ممنون ہوں گا؟

**الجواب:** صورت مذکورہ میں ہر روز دس رکعات نماز واجب ہے اور ایام حیض و نفاس کی نمازیں یا جن دنوں میں کسی عذر مرض وغیرہ کی وجہ سے نہ پڑھی ہوں، ان کی قضا واجب ہے اس سے بچنے کی کوئی صورت فقہ کی کتابوں میں مذکور نہیں، یوہیں استغفار بھی نماز کا قائم مقام نہیں ہوسکتا، جب تک زندہ ہے، یہی حکم ہے کہ پڑھے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ:** از بانس بریلی شریف ڈاکخانہ انبر بیٹ نگر، ساکن صالح نگر، مرسلہ جناب کفایت حسین صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ خاکروب اگر کوئی دعا ومنت مانگے مانیں اور وہ مقبول ہوجائے، بعد کو خاکروب مسلمانوں کے اہتمام سے شیرینی یا کھانا مرتب کرا کے نیاز دلوائے بعد کو وہ شیرینی یا کھانا مسلمانوں میں ہی تقسیم ہو تو مسلمانوں کو یہ فعل وخرچ کرنا کیسا ہے؟

**الجواب:** اگر خاکروب کافر ہو تو اس کے مال کی نیاز نہیں ہوسکتی، کیونکہ نیاز نام ہے ایصال ثواب کا اور کافر کے کسی فعل میں ثواب نہیں، پھر ایصال ثواب کے کیا معنی نہ اس کے مال سے نیاز دینا جائز نہ اس میں شرکت جائز، اور اس کا کھانا بھی اچھا نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** از اجمیر شریف، مرسلہ جناب سید الطاف حسین صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ کیا حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد کوئی چیز از قسم نقدی وجنس از روئے شرع محمدی ان کی نذر ہوسکتی ہے؟

(۲) اور حضرت موصوف کے مزار مقدس پر جو چیز کہ زائرین پیش کرتے ہیں، اس کو نذر کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) اور کون ان چیزوں کے لینے کا مستحق ہے، بینوا توجروا،

**الجواب:** نذر اصطلاح شرعی میں وہ عبادت مقصودہ ہے جو جنس واجب سے ہو اور وہ خود بندہ پر واجب نہ ہو، مگر بندہ نے اپنے قول سے اسے اپنے ذمہ واجب کرلیا، رد المحتار ج ۳ ص ۹۱ میں ہے، واعلم ان النذر قربۃ مشروعۃ اما کونہ قربۃ فلما یلزم منہ من القرب کالصلوٰۃ والصوم والحج والعتق ونحوھا، واما شرعیتہ فللاوامر الواردۃ بایصائہ وتمامہ فی الاختیار بدائع الصنائع، جلد ۵، صفحہ ۸۲، شرائط نذر میں فرماتے ہیں، ومنھا ان یکون قربۃ فلا یصح بما لیس بقربۃ راسا کالنذر بالمعاصی الخ ومنھا یکون قربۃ مقصودۃ فلا یصح النذر بعیادۃ المرضی الخ، درمختار جلد ۲، صفحہ ۱۲۹ میں ہے، ومن نذر نذرا مطلقا او معلقا بشرط وکان من جنسہ واجب ای فرض کما سیصرح بہ تبعا للبحر والدرر وھو عبادۃ مقصودۃ فیخرج الوضوء وتکفین المیت ووجد الشرط المعلق بہ لزم النذر، پس جب کہ نذر عبادت وقربت کا نام ہے، اور ظاہر ہے کہ کوئی عبادت غیر خدا کے لئے نہیں ہوسکتی، لہذا نذر شرعی خدا کے ساتھ مخصوص ہے کسی غیر خدا کی نذر شرعی نہیں ہوسکتی،

Marfat.com

(۲) زائرین جو چیزیں مزارات بزرگان دین پر حاضر لاتے ہیں، ان سے مقصود صاحب مزار کی روح کو ایصال ثواب ہوتا ہے اور اس کو براہ ادب عرف میں نذر بولتے ہیں، یہ نذر، نذر شرعی نہیں، بلکہ نذر عرفی ہے کہ عرف میں جو چیز بڑے یا بزرگ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، اسے نذر کہتے ہیں، مثلاً بادشاہ کو نذر دی، فلاں حاکم کو نذر دی، اور یہ عرف مسلمانوں میں بہت زمانے سے جاری ہے، کہ بزرگان دین کی خدمت میں جو چیز پیش کرتے ہیں، اسے نذر کہتے ہیں، کتاب مستند بہجۃ الاسرار شریف میں بسند صحیح ایک واقعہ نقل فرمایا، ابوعمرو عثمان صریفینی و ابومحمد عبدالحق حریمی فرماتے ہیں کہ ہم دونوں ۳ صفر ۵۵۵ھ کو حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تھے، حضور نے وضو کر کے کھڑاویں پہنیں، اور دو رکعتیں پڑھیں، بعد نماز ایک نعرہ مارا اور ایک کھڑاؤں ہوا میں پھینکی پھر دوسرا نعرہ مارا اور دوسری کھڑاؤں پھینکی وہ دونوں ہماری نگاہوں سے غائب ہوگئیں، ہیبت کے سبب کسی کو پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی، ۲۳ روز بعد عجم سے ایک قافلہ آیا، اور کہا، ان معنا للشیخ نذرًا، ہمارے پاس حضور کی ایک نذر ہے، فاستاذناہ فقال خذوہ منھم، ہم نے ان سے اجازت مانگی حضور نے فرمایا لے لو اور اس سامان میں وہ دونوں کھڑاؤں بھی تھیں ہم نے واقعہ دریافت کیا، قافلہ نے بیان کیا، ۲۳ روز ہوئے کہ ہم پر ڈاکہ پڑا، تمام مال لٹ گیا، جان بھی کچھ ضائع ہوئیں، فقلنا لو ذکرنا الشیخ عبد القادر فی ھذا الوقت و نذرنا لہ شیئا من اموالنا ان سلمنا، ہم نے کہا بہتر ہو کہ اس وقت حضور کو یاد کریں، اور نجات پانے پر حضور کو کچھ مال نذر کریں، نیز اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۲ میں شیخ منصور بطائحی کے متعلق فرماتے ہیں، قصد بالزیارات والنذور من کل جھۃ، ہر طرف سے لوگ ان کی زیارت کو آتے اور نذریں لاتے۔

(۳) ان نذروں کے لینے کے مستحق خادمان قبور ہیں کہ اس نذر سے صاحب مزار کو مالک کرنا مقصود نہیں ہوتا کہ تملیک کے احکام حیات ظاہری کے ساتھ مخصوص ہیں، بعد وفات وہ احکام جاری نہ ہونگے جو احیاء کے ساتھ خاص ہیں، بلکہ اس سے مقصود متوسلین آستانہ کی خدمت کر کے صاحب مزار کو ثواب پہنچانا ہے، امام اجل سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدس حدیقہ ندیہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ میں فرماتے ہیں، ومن ھذا القبیل زیارۃ القبور والتبرک بضرائح الاولیاء والصالحین والنذر لھم بتعلیق ذالک علی حصول شفاء او قدوم غائب فانہ مجاز عن الصدقۃ علی الخادمین لقبورھم کما قال الفقھاء فیمن دفع الزکاۃ لفقیر وسماھا قرضا صح لان العبرۃ

بالمعنیٰ لا باللفظ، یعنی اسی قبیل سے ہے زیارت قبور اور مزارات اولیاؤ صلحاء سے برکت لینا اور بیمار کی شفا یا مسافر کے آنے پر اولیاء گذشتہ کے لئے منت ماننا کہ وہ ان کے خادمان قبور پر صدقہ سے مجازی ہے، جیسے فقہانے فرمایا ہے، کہ فقیر کو زکوٰۃ دے، اور قرض کا نام لے تو صحیح ہوجائے گی، کہ اعتبار معنیٰ کا ہے لفظ کا نہیں[سلہ]؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

# باب اللقطہ

## لقطہ کا بیان

**مسئلہ:** مسئولہ فقیر احسان علی، ۱۸ / صفر ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانا لقطہ کا کیا حکم ہے؟ عام ازیں کہ لقطہ روپے پیسے ہوں، یا پارچہ یا جانور یا . . . یا طعام مفصل جواب سے شاد فرمائیں؟

**الجواب:** لقطہ حکم امانت میں ہے، اس پر لازم ہے کہ کہدے جو کوئی لگی چیز ڈھونڈھتا ہو، اسے مرے پاس بھیجدینا اور اس کی تعریف کرے، یعنی جہاں وہ چیز پائی وہاں اور بازاروں اور مجمعوں میں اعلان کرے، اگر مالک مل جائے اسے دیدے ورنہ اتنا زمانہ گذرنے پر کہ ظن غالب ہوجائے کہ اب اس کا مالک تلاش نہ کرے گا، یا وہ چیز کھانے یا پھل کی قسم سے ہے تو یہ گمان ہونے پر کہ اب اگر رکھی رہے گی تو خراب ہوجائے گی، یہ شخص خود اپنے صرف میں لاسکتا ہے، اگر فقیر ہے اور اگر غنی ہو تو تصدق کردے کسی فقیر کو دیدے، پھر اگر مالک مل گیا اور وہ چیز صرف کرچکا ہے، تو مالک کو اختیار ہے، اس کے تصرف کو جائز کردے تو مستحق ثواب ہے یا تاوان لے، درمختار میں ہے،

فان اشهد علیه عرف ای نادی علیها حیث وجدها وفی الجامع الی ان علم ان صاحبها لا یطلبها او انها تفسد ان بقیت کالاطعمة والثمار کانت امانة فینتفع الرافع بها لو فقیرا والا تصدق بها علی فقیر ولو علی اصله وفرعه وعرسه فان جاء مالکها بعد التصدق خیر بین اجازة فعله ولو بعد هلاکها وله ثوابها او تضمینه

---

[سلہ] اس سے ظاہر ہوگیا کہ حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز یا کسی بھی ولی کی نذر ماننی، کہ اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو میں یہ نذر پیش کروں گا جائز ومستحسن اور تمام امت میں رائج اور معمول ہے، اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

اھ ملتقطا، جانور کا بھی یہی حکم ہے اور اس کی تعریف بھی اس مدت تک کی جائے کہ اب اس میں اگر تصرف نہ کریگا تو ضائع ہو جائے گا، اسی میں ہے، وندب التقاط البھیمۃ الضالۃ وتعریفھا مالا یخف ضیاعھا، اور غنی مال لقطہ کو مسجد میں نہیں صرف کر سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

# باب الشرکۃ

## شرکت کا بیان

**مسئلہ:** از ذخیرہ بریلی مسئولہ حافظ عبد الکریم صاحب، ۲۲، ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو کا گھر برابر ہے اور زید کے گھر میں پھل دار درخت ہے، اس کا کچھ حصہ عمرو کے گھر میں بھی آ گیا ہے ایا اس سارے درخت کے پھل کا زید مستحق ہے یا عمرو بھی؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** درخت اگر زید کا ہے اور صرف بعض شاخیں عمرو کے مکان میں آ گئی ہیں تو پھل زید ہی کے ہیں عمرو کو کچھ استحقاق نہیں اور اگر درخت کا تنہ عمرو کی بھی زمین میں ہے اور درخت زید ہی نے لگایا ہے، جب بھی پھل کا مالک زید ہی ہے، اگرچہ عمرو کو اختیار ہے کہ اپنی زمین میں اس درخت کے تنے کو نہ رہنے دے، واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک حقیت مشترکہ میں نمبردار مقرر ہوا مگر نمبردار مذکور بوجہ اپنی ضروریات دینی کے گاؤں کی تحصیل اپنے بھائی کو سپرد کر دی تھی، اس حقیت میں نابالغان بڑے حصہ کے مالک تھے، نمبردار نے تین سال تحصیل وصول کر کے نابالغان کو کچھ نہیں دیا، اور طلب پر کہدیا، کہ تمہارے بزرگوں پر قرضہ تھا، اس میں مجرا کر لیا، ایسی صورت میں حصہ نابالغان کا باقی رہا یا جاتا رہا، اور یہ نابالغان کی رقم نمبردار کے ذمہ رہی یا ان کے بھائی کے ذمہ رہی؟ بینوا توجروا ۔

**الجواب:** اگر زید نے اپنے بھائی کو صرف تحصیل وصول ہی کا اختیار دیا ہے تو اس کو صرف تحصیل وصول ہی کا حق ہے یعنی آمدنی کے خرچ کا اسے اختیار نہیں، اور زید کے بزرگوں پر جو قرض تھا، اسے اس آمدنی سے ادا کرنے کا اختیار اس کے بھائی کو حاصل نہیں، البتہ اگر وہ جائداد زید کے بزرگوں کی ہے، تو قرض کا بار جائداد پر ہے کہ قرض

Marfat.com

ادا کرنے کے بعد بقیہ جائداد ورثہ پر تقسیم ہوگی، اور سب ورثہ اگر یہ چاہیں کہ جائداد کی آمدنی سے قرضہ ادا کر دیا جائے اور بعد ادائے دین اب جو آمدنی ہوگی، وہ ورثہ پر تقسیم ہوگی، تو اس کا انھیں اختیار ہے، بالجملہ نابالغان کا مطالبہ زید سے ہوگا، جب کہ ان کا حصہ زید کے قبضہ میں ہے، اور زید کا مطالبہ اس کے بھائی پر ہے، جب کہ بلا اذن صرف کیا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از ڈاکخانہ روڈوال کاٹھیاواڑ، مرسلہ جناب مولوی حاجی سید عبد الخالق صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ، اگر ایک شخص استاد ہے اور اس نے اپنی کوشش سے میلاد کی جماعت بنائی اور وہ شہر میں میلاد پڑھنے لگے اور وہاں سے جو حق میلاد یعنی عہدہ ملتا ہے تو یہ استاد لیوے یا شاگرد لیوے اور جبراً شاگرد لیوے تو وہ شرع کے بموجب کیسا قرار دیا جائے گا، اور اس شاگرد نے استاد کو میلاد پڑھنے سے بھی روک دیا ہے، شرع شریف کیا حکم فرماتی ہے؟۔

**الجواب:** اگر استاد وشاگرد کے مابین عقد شرکت ہوا ہے کہ جو کچھ ملے گا باہم تقسیم کریں گے، تو دونوں تقسیم کریں، اور اگر عقد شرکت نہیں ہے اور اصل میلاد خواں استاد ہے، اور شاگرد اس کے پاس سیکھتے ہیں اور ساتھ میں پڑھتے ہیں، تو جو کچھ دینے والا استاد کو دے گا، وہ استاد ہی کا ہے، شاگرد کو اس میں سے حصہ نہیں ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از بلیا، مرسلہ مولوی عبد العظیم صاحب، ۶ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ،

ما قولکم ایھا العلماء الکرام فی ھذہ المسائل رحمکم اللہ الملک العلام۔

چند بالغ اولاد باپ کے ساتھ ہیں اور سب کے سب کارگذار ہیں تو اس صورت میں اولاد کے کسب سے جو مال حاصل ہوتا ہے، اس کا مالک باپ ہی ہے، اور اولاد مثل اجیر یا اولاد اپنے کسب کے مال کا خود مالک ہے، نیز یہ قربانی صرف باپ پر ہے یا اولاد کے ذمہ بھی جب کہ مال اس قدر ہے کہ اگر باپ ہر ایک کو برابر مال دے کر الگ کر دے تو ہر ایک صاحب نصاب ہو جائے گا؟ نیز یہ کہ اگر مال اس قدر نہ ہو بلکہ کم ہو تو اس صورت میں کسی کے ذمہ قربانی واجب ہے یا نہیں؟

(۲) چند بھائی ہی بھائی ہیں اور سب اکٹھے ہیں، اور مال مشترکہ اس قدر ہے کہ بعد تقسیم ہر ایک کے حصے میں

Marfat.com

قدر نصاب آجائے گا، تو اب ہر ایک کے ذمہ قربانی واجب ہے یا صرف ایک قربانی سبھوں کی طرف سے کفایت کرے گی، یوں ہی مال قدر مذکور سے کم ہونے پر کیا حکم ہے، بینوا توجروا،

**الجواب:** بیٹے جب کہ باپ کے ساتھ کام کرتے ہیں اور بیٹے باپ کے عیال میں ہوں یعنی اس کے ساتھ کھاتے پیتے ہوں تو جو کچھ آمدنی ہوگی سب کا مالک باپ ہی ہے، اور بیٹے اجیر بھی قرار نہیں پائیں گے، بلکہ محض مددگار تصور کئے جائیں گے، اور اس حالت میں باپ سے علحدہ ہونا چاہیں تو صرف وہ کپڑے جو ان کے بدن پر ہیں لے جاسکتے ہیں۔ ان کے علاوہ کسی شے کے مستحق نہیں۔ البتہ باپ اپنی مرضی سے جو چاہے دے سکتا ہے، اس پر حرج نہیں، رد المحتار میں ہے، الاب والابن یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لہما شیٔ فالکسب کلہ للاب ان کان الابن فی عیالہ لکونہ معینا وفی الخانیۃ زوج بنیہ الخمسۃ فی دارہ وکلہم فی عیالہ واختلفوا فی المتاع فہو للاب وللبنین الثیاب التی علیہم لاغیر پس جب کہ اس صورت میں مالک صرف باپ ہے تو قربانی صرف باپ پر ہے، اس مال کی وجہ سے بیٹوں پر قربانی واجب نہیں، ہاں اگر بیٹوں کے پاس اپنا ذاتی مال ہو تو حسب شرائط قربانی وزکوٰۃ ان پر واجب ہوگا،

(۲) چند بھائی شرکت میں کام کرتے ہیں، مثلاً باپ نے ترکہ چھوڑا اور اس کو تقسیم نہیں کیا، بلکہ یکجائی کاروبار ہے، تو برابر کے شریک ہیں، رد المحتار میں ہے، یقع کثیرا فی الفلاحین ونحوہم ان احدہم یموت فتقوم اولادہ علی ترکتہ بلاقسمۃ ویعملون فیہا من حرث وزراعۃ وبیع وشراء واستدانۃ ونحو ذالک وتارۃ یکون کبیرہم ھو الذی یتولی مہماتہم ویعملون عندہ بامرہ وکل ذالک علی وجہ الاطلاق والتفویض لکن بلا تصریح بلفظ المعاوضۃ ولا بیان جمیع مقتضیاتہا مع کون الترکۃ اغلبہا او کلہا عروض لا یصح فیہا شرکۃ العقد ولا شک ان ھذہ لیست شرکۃ معاوضۃ خلافا لما افتی بہ فی زماننا من لا خبرۃ لہ بل ھی شرکۃ ملک کما حررتہ فی تنقیح الحامدیۃ ثم رأیت التصریح بہ بعینہ فی فتاوی الحانوتی فاذا کان سعیہم واحدا ولم یتمیز ما حصلہ کل واحد منہم بعملہ یکون ما جمعوا مشترکا بینہم بالسویۃ وان اختلفوا فی العمل والرأی کثرۃ وصوابا کما افتی بہ فی الخیریۃ، نیز اسی میں ہے، لو اجتمع اخوۃ یعملون فی ترکۃ ابیہم ونما المال فہو بینہم سویۃ ولو اختلفوا فی العمل والرأی، اس صورت میں بعد تقسیم اگر ہر ایک کا حصہ بقدر نصاب ہے تو ہر ایک پر قربانی

Marfat.com

واجب اور بقدر نصاب نہ ہو اور دوسرا مال بھی نہ ہو جس سے مل کر نصاب ہو تو واجب نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مرسلہ خیراتی حجام محلہ علاء الپور، ریاست اترولہ ضلع گونڈہ،

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام کہ زید اپنے ماں باپ اور بھائیوں کے ساتھ رہ کر کسب و اکتساب کرتا رہا، تمام اموال و جائداد میں شریک ملک تھا، جیسا کہ عرف ہے کہ باپ بیٹے بھائی سب ساتھ رہ کر کسب و اکتساب کرتے ہیں، اور تمام زر و مال میں شریک ملک رہتے ہیں، حتیٰ کہ وقت ضرورت تمام جائداد و مال تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ لے کر علٰحدہ ہو جاتے ہیں، اب زید کا انتقال ہو چکا ہے، اس کے ماں باپ تین بھائی، دو بہن، ایک بیوی، ایک لڑکی اور ایک لڑکا، دوسری بیوی سے جس کا انتقال زید مذکور کی زندگی میں ہو چکا ہے، زید مذکور کی بیوی کو اس جائداد و اموال مشترکہ سے جو مابین زید اور اس کے ماں باپ بھائیوں کے ہے کیا حصہ ملے گا؟ بینوا توجروا،

**الجواب:** اگر اصل کام باپ کا ہے اور لڑکا اس کا معین و مددگار ہے یہ بھی اس کے کام میں ہاتھ بٹاتا ہے جب تو جو کچھ حاصل ہوگا، سب باپ کا ہے، لڑکا مالک نہیں ہے، بشرطیکہ لڑکا باپ کے عیال میں ہو اوسی کے ساتھ کھاتا پیتا رہتا سہتا ہو، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، اب وابن یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لہما مال فالکسب کلہ للاب اذا کان الابن فی عیال الاب لکونہ معینا لہ الاتری انہ لو غرس شجرۃ تکون للاب، اور اگر لڑکا معین و مددگار کی حیثیت نہ رکھتا ہو، بلکہ مستقل طور پر کام کرتا ہو تو کسب میں شریک ہوگا، اس صورت میں زید کو جو کچھ حصہ ملے گا، ان میں سے آٹھواں حصہ اس کی زوجہ کا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، -

# کتاب الحدود والتعزیر

## حدود و تعزیر کا بیان

**مسئلہ:** آمدہ از بنگال،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو بحالت زنا مثل قلم در دوات تین شخصوں نے دیکھا اور وہ تین شخص عند القوم صادق راست گو اور دیانت دار ہمیشہ سے شمار کئے جاتے ہیں،

Marfat.com

ان کا قول وفعل کبھی خلاف شرع وخلاف وقوع نہیں سمجھا جاتا ہے، یہ تین شخص زانی پر زنا کی شہادت دیتے ہیں اور قبل اس کے یہ لوگ نصاب شہادت زنا کو نہیں جانتے تھے کہ کتنے شخص سے نصاب ہوتا ہے، اب صورت مذکورہ میں تینوں شخص کی شہادت تصدیق کر کے حاکم مسلم یا قاضی یا مفتی بطور زجر و توبیخ کچھ سزا شخص زانی پر قائم کرنی چاہیے یا اس کو توبہ پر مجبور کریں تو شرعاً جائز ہوگا یا نہیں، کیوں کہ حد شرعی کے لئے نصاب کامل کی ضرورت ہے اور یہاں نصاب کامل پایا نہیں جاتا، اور بصورت عدم جواز ان تین شخص شاہدین پر حد قذف لازم آئے گی یا نہیں بصورت لازم تین شخص معتبر کے سامنے زنا کرنا شرعاً جائز ہوگا، کیونکہ ان کی شہادت سے زانی پر کوئی جرم ثابت نہیں، بلکہ ان پر الٹا جرم عائد ہوگا، جب اس صورت میں شخص زانی پر جرم ثابت نہ ہوا تو گویا شرعاً تین یا کم اشخاص کے سامنے وقوع زنا کا کوئی خوف باقی نہ رہا، اس سے لازم آئے گا کہ شریعت اسلامیہ میں ایسے زنا کا سدباب کے لئے کوئی فیصلہ نہیں، اور یہ بات یقینی ہے کہ شریعت اسلامیہ کسی صورت میں اجراء زنا کی متحمل نہیں، ضرور کوئی فیصلہ ہوگا، بینوا توجروا۔

**الجواب:** شریعت مطہرہ نے زانی پر حد مقرر فرمائی، اور اس کے ثبوت کے دو طریقے بتائے چار مرد گواہان عادل کی شہادت یا خود زانی کا اقرار بغیر ان کے زنا کا ثبوت نہیں ہو سکتا اور جب ثبوت نہ ہو تو حد کیونکر قائم ہو، اگر بغیر ثبوت فیصلے ہوا کریں تو جو شخص جس کی چیز چاہے دعوی کر کے لے لیا کرے، اور یہ سخت ظلم ہے، اب رہا یہ کہ واقع میں وہ شخص مجرم ہے یا نہیں، اگر مجرم ہے تو مستحق عذاب ہے، مگر قاضی یا حاکم تو اس کے مجرم ہونے کا اسی وقت حکم دے گا جب کافی ثبوت پیش ہو، قرآن مجید مسلمانوں کیلئے ہدی و نور ہے، ہماری نجاح و فلاح کے لئے نازل ہوا جو اس کی روشنی میں چلے گا مقصود تک پہونچے گا، ورنہ گڑھے میں گرے گا، دیکھئے قرآن نے یہ فرمادیا کہ زانی پر یہ سزا ہے، الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ، اور دوسری آیت رجم جس کی تلاوت منسوخ ہے اور حکم باقی ہے، اسی نے یہ بھی فرمادیا کہ اگر کوئی کسی پر زنا کی تہمت لگائے تو کس سزا کا مستحق ہے، ارشاد فرماتا ہے، والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمنین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولئک ھم الفسقون الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم، جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ نہ لائیں، تو انھیں اسّی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، اور وہ لوگ

Marfat.com

فاسق ہیں، مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کریں، اور اپنے حال کو درست کریں، تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور فرماتا ہے، لولاجاء واعلیہ باربعۃ شہداء، فاذلم یاتو بالشہداء فاولئک عند اللہ ھم الکذبون، چار گواہ اس پر کیوں نہ لائے، اور جب چار گواہ نہ لائیں، تو خدا کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں، قرآن کریم کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ جب تک چار گواہ نہ پیش کرے، اسّی کوڑے کا مستحق ہے، لہذا صورت مستفسرہ میں یہ گواہ ضرور قاذف ہیں، اور حد قذف کے مستحق، مگر حد زنا یا حد قذف قائم کرنا بادشاہ اسلام یا اس کے نائب کا کام ہے، کما صرح بہ الامام صدر الشریعۃ اور جہاں نہ بادشاہ اسلام ہو نہ اس کا نائب، وہاں حدود کون جاری کرے، بلکہ ہندوستان میں اگر کوئی ایسا کرے تو خود ماخوذ ہو، اور حکومت کی جانب سے سزا پائے، حدیث میں ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، ادرأو الحدود ما استطعتم، تم سے جہاں تک ہو سکے حدود کو دفع کرو، کہاں یہ اور کہاں وہ کہ ثبوت نہ ہو اور حد قائم کر دی جائے، اسی وجہ سے ائمہ کرام نے فرمایا کہ مواقع شبہ میں حد ساقط ہے، اور حاکم اسلام کے سامنے ایسی ناکافی شہادت گذرے، جس میں نصاب کامل نہ ہو تو بیشک حد قذف قائم ہو گی جب کہ وہ شخص مطالبہ کرے جس کے متعلق تہمت لگائی گئی، اور گواہوں کا یہ نہ جاننا کہ نصاب شہادت کیا ہے، بری نہ کرے گا، رہا سائل کا یہ سمجھنا کہ چار گواہ نہ ہوں تو حد نہیں، لہذا تین شخصوں کے سامنے زنا کا کوئی خوف ہی نہیں، یہ محض غلط ہے، بلکہ شرع مطہر نے بروجہ اتم اس کی بندش فرما دی ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہا مکان میں ہو تو، گرچہ فعل قبیح میں اسے مبتلا نہ دیکھے، مگر یہ گمان ہے کہ برے کام کے لئے جمع ہوئے ہیں، تو انھیں سختی کے ساتھ روک دے، اور اگر جانتا ہے کہ شور و غل کرنے سے بھی باز نہ آئیں گے، تو جان سے مار ڈالنے کی بھی اجازت ہے، درمختار میں ہے، ویکون التعزیر بالقتل کمن وجد رجلا مع امرأۃ لا تحل لہ ان کان یعلم انہ لا ینزجر بصیاح وضرب بادون السلاح والا لا وان علم انہ ینزجر بما ذکر لا یکون بالقتل وان کانت المرأۃ مطاوعۃ قتلہما، ردالمحتار میں ہے، ظاہرہ ان المراد الخلوۃ بہا وان لم یرمنہ فعلا قبیحا کما یدل علیہ ما یاتی عن منیۃ المفتی کما نعرفہ فافہم، مگر یہ حکم صرف اسی وقت کے لئے ہے، جس وقت اس نے اپنی آنکھ سے دیکھا، اس کے بعد یہ دیکھنے والا کچھ سزا نہیں دے سکتا، بلکہ اب حاکم کے سامنے پیش کرے، وہ جو مناسب سمجھے سزا دے، درمختار میں ہے، وہذا کلہ حال مباشرۃ المعصیۃ وامابعدہ فلیس ذالک لغیر الحاکم والزوج والمولی کما سیجئ، اور حاکم مناسب جانے تو

Marfat.com

انتالیس درے لگائے، اسی میں ہے، ویبلغ غایتہ کما لو اصاب من اجنبیۃ محرم غیر جماع، مگر یہ سزا اسی وقت ہوگی کہ دیکھنے والے نے زنا کا دعویٰ نہ کیا ہو، مثلاً یہ کہا کہ میں نے ان دونوں کو ایک مکان میں تنہا دیکھا، یا زنا کے علاوہ اور کوئی ان کی حرکت قبیحہ بیان کی اور اگر زنا کا دعویٰ کیا تو اب بغیر چار گواہ پیش کئے حد قذف سے بری نہیں ہو سکتا، درمختار میں ہے، بخلاف دعوی الزنا فانہ اذا لم یثبت یحد، ۔لہذا صورت مستفسرہ میں اس شخص پر کوئی سزا نہیں ہو سکتی کیونکہ گواہوں نے زنا کرنا بیان کیا ہے، ہاں اگر وہ خود اقرار کرتا ہو تو جو مناسب سمجھیں سزا دیں،

واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ**: مسئولہ مسماۃ بنی،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پر الزام لگایا جاتا ہے اور وہ شخص قسم قرآن شریف کی کھاتا ہے کہ نہ میں نے کیا ہے اور نہ میں کرتا ہوں اور خدا اور رسول کو درمیان کر کے اس شخص نے چاہا کہ میرے اوپر سے الزام دور کیا جائے اور میری قسم پر اعتبار کیا جائے لیکن ان لوگوں نے اس کی قسم پر اعتبار نہیں کیا، لہذا جو لوگ قسم قرآن مجید کے اوپر اعتبار نہ کریں، ان کے واسطے کیا حکم ہے؟

---

[1] یہاں دو باتیں قابل لحاظ ہیں، ایک مسلمان کی عزت وآبرو اور اس کی جان اور دوسرے زنا کا سد باب، مسلمان کی عزت وآبرو کوئی معمولی چیز نہیں، حدیث میں فرمایا گیا، من قتل دونہ عرضہ فھو شہید، جو اپنی آبرو بچانے کے لئے مارا گیا وہ شہید ہے، اور فرمایا، لزوال الدنیا اھون عند اللہ من قتل مسلم واحد، تمام دنیا کا نیست ہو جانا ایک مسلمان کے قتل سے ہلکا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زنا کی سزا سو کوڑے مارنا ہے، یا سنگسار کرنا ہے، وہ بھی گھر میں نہیں، کھلے میدان میں، مجمع عام میں، قرآن مجید میں ہے، ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین، ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود رہے، سوچئے اس کی کتنی ذلت وخواری ہوگی، اور سنگسار کرنے میں تو اس کی جان کا جانا یقینی ہے، کوڑے کی مار سے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مرجائے، اتنی بڑی سزا کا حکم معمولی گواہی سے دینا مقتضائے عقل کے خلاف بھی ہے، زنا کا جرم چونکہ بہت سنگین ہے، اس لئے اس کی سزا بھی بہت سخت رکھی گئی، اور جس حیثیت کی سزا ہے اسی حیثیت کا ثبوت بھی لازم کیا گیا، تاکہ مسلمانوں کی عزت وآبرو وجان کھلونا نہ بن جائے، عداوت میں نا خدا ترس لوگ کیا کیا کر جاتے ہیں، یہ سب کو معلوم ہے، رہ گیا زنا کے سد باب کا مسئلہ، اس کا علاج یہ ہے، جو فتوی میں مذکور ہوا، اس زمانے میں قتل تو نہیں کر سکتا، مگر جب کسی اجنبی مرد وعورت کو تنہائی میں اکٹھا دیکھے، تو شور تو کر سکتا ہے، اور حاکم اسلام کے یہاں یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہم نے ان دونوں کو تنہائی میں اکٹھا دیکھا، جس پر حاکم اسلام کوڑے کی سزا دے سکتا ہے، جن کی مقدار ۳۹ کوڑے تک ہے، کیا اس سے زنا کا سد باب نہیں ہو سکتا؟ رہ گیا یہ کہ زنا کرتے دیکھا، اور چار مرد نہیں، تو کیا

(بقیہ ص ۳۲۲ پر)

Marfat.com

**الجواب:** الزام لگانے والے جو الزام لگاتے ہیں، انھیں چاہئے کہ شہادت شرعیہ سے اس کا ثبوت دیں، اور ثبوت نہ دے سکیں، تو اس شخص سے قسم لیں، اور جب یہ قسم کھا رہا ہے تو ضرور اس کا اعتبار کیا جائے گا، قسم کا اعتبار نہ کرنا نہایت سخت جرأت و بے باکی ہے، خصوصًا یہاں کہ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ اس شخص پر زنا کا الزام لگاتے ہیں، کہ یہاں تو قسم لینے کی بھی اجازت [1] نہیں، بلکہ ان لوگوں پر شرعًا لازم کہ چار مرد عادل کی شہادت سے زنا کا ثبوت دیں جنھوں نے آنکھ سے خاص یہ فعل کرتے دیکھا ہو، اور ایسا ثبوت نہ دے سکیں، تو یہ الزام لگانے والے ہر ایک شرعًا اسّی اسّی کوڑے کے مستحق ہیں، قال اللہ تعالیٰ، والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوھم ثمنین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شہادۃ ابدا واولٰئک ھم الفٰسقون، یعنی جو لوگ پارسا عورتوں کو تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں، تو ان کو اسّی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، اور یہ لوگ فاسق ہیں، ایسی بیجا تہمت اٹھانے والے جو شرعی ثبوت نہ دے سکیں، اسّی کوڑے کے مستحق اور ہمیشہ کے لئے مردود الشہادۃ، اور جب تک توبہ نہ کریں فساق ہیں، اور خدا کے نزدیک جھوٹے ہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے، لولا جاؤا علیہ باربعۃ شہداء فاذلم یاتوا بالشہداء فاولٰئک عند اللہ ھم الکٰذبون، یعنی وہ تہمت لگانے والے چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب گواہ نہ لائیں تو وہی خدا کے نزدیک جھوٹے ہیں، لہٰذا ان کو بغیر گواہ پیش کئے سچا جاننا اور اس شخص کی قسم کا بھی اعتبار نہ کرنا اس کو سچا جاننا ہے جو خدا کے نزدیک جھوٹا ہے اور یہ مسلمان کا کام نہیں کہ خدا جسے جھوٹا فرمائے یہ اسے سچا جانے یہ حکم شرع ہے، اور اب کہ حاکم شرع نہیں کہ حکم شرع جاری کرے، مسلمانوں پر لازم کہ ایسے بیجا اور بے ثبوت الزام لگانے والوں کی حسب مقدور پوری سزا کریں، اور جب تک توبہ نہ کریں اور اس شخص سے معافی نہ چاہیں ان کو بند کریں، واللہ تعالیٰ اعلم،

(بقیہ صفحہ ۳۲۱ کا) کرے، اس کا علاج بھی یہی ہے کہ بروقت شور مچائے اور حاکم اسلام کے یہاں یہ دعوی کرے کہ ہم نے ان کو تنہائی میں اکٹھا دیکھا، یہ دعویٰ غلط بھی نہیں ہوگا، اور مجرمین کچھ سزا بھی پالیں گے، بلا مکمل ثبوت سزا کا دروازہ کھولنا، امن عامہ کو غارت کرنا ہے جس کی اجازت شریعت تو شریعت دنیا کا کوئی قانون نہیں دے سکتا، [1] فتح القدیر میں ہے، صفحہ ۲۴۸، جلد ۲، ولا یستحلف فی القذف اذا انکرہ ولا فی شئی من الحدود بخلاف التعزیر والقصاص فانہ یستحلف علی سببھما ویستحلف فی السرقۃ لاجل المال فان نکل ضمن المال ولا یقطع، ص ۲۴۸ باب حد القذف، اس سے معلوم ہوا کہ حدود میں مدعی علیہ پر قسم نہیں، اور پہلے جو فرمایا، اگر ثبوت نہ دے سکیں تو اس سے قسم لیں، یہ اس بنا پر تھا، کہ سوال میں زنا مذکور نہیں، سوال میں ہے کہ ایک شخص پر الزام لگایا جاتا ہے، الزام عام ہے کسی بھی گناہ کا الزام ہو سکتا ہے، مگر جب بعد میں بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہ الزام زنا کا تھا، اس کا حکم الگ بیان فرمایا، اور یہی بیان پہلے کے لئے مخصص ہے، کہ جواب میں مراد یہ ہے کہ الزام ایسا ہو، جو موجب حد نہ ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ:** مسئولہ مدار بخش ساکن ٹھریا ضلع بریلی، ۸ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص اس کے مکان میں ایک عورت ہے جس کو عرصہ آٹھ ماہ کا ہوا، اس کے ساتھ حرام کرتا ہے اور اہل برادری کہتے ہیں کہ اس عورت کو نکال دے، نہ تو نکالتا ہے اور نہ نکاح کرتا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اس عورت کا شوہر زندہ ہے کچھ لوگ برادری کے کہتے ہیں کہ طلاق دے دی ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ طلاق نہیں دی؟،

**الجواب:** اس شخص کو جس نے بغیر نکاح عورت رکھ لی ہے اہل برادری بند کر دیں اور جب تک سچی توبہ نہ کرے، برادری میں شامل نہ کریں، عورت پر بھی فرض ہے کہ فوراً اس کے گھر سے نکل جائے، ورنہ اسے بھی لوگ اپنے یہاں آنے جانے سے روک دیں، شوہر جب زندہ موجود ہے تو اس سے دریافت کریں، اگر طلاق کا اقرار کرے فبہا ورنہ گواہان عادل سے طلاق کا ثبوت ہو سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مسئولہ چھیٹن ساکن ضلع پیلی بھیت، ماہ چندی، ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت رانڈ تھی اور حرام سے حاملہ ہوئی، اس کے حرام کا بچہ پیدا ہوا، جس گاؤں میں وہ عورت تھی، اس گاؤں کے اور دوسرے گاؤں کے آدمیوں نے عالم سے فتویٰ لیا اور جو شرع نے حکم دیا، اس کے موجب عمل کیا گیا، بستی اور بستی والوں نے منظور کر لیا، اس کے دو مہینہ کے بعد تین آدمیوں نے اس بات کو لوٹ دیا اور وہ آدمی پہلے اس شرع کو منظور کر چکے تھے، علمائے دین سے یہ سوال ہے کہ جن شخصوں نے شریعت کو لوٹ دیا ان کے لئے کیا حکم ہے؟

**الجواب:** بیان سائل سے معلوم ہوا کہ مرد و عورت دونوں کو توبہ کرائی گئی اور مرد کا عورت سے نکاح ہو گیا، اور اب یہ تین شخص کہتے ہیں کہ اس شخص کا حمل نہ تھا، بلکہ اس کے لڑکے کا تھا، جو اس عورت کا داماد بھی ہے، حالانکہ عورت بھی اس کا انکار کرتی ہے، اور داماد بھی اور اس کا باپ بھی اور ان تینوں شخصوں کے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں محض بیجا طور پر الزام لگاتے ہیں، لہٰذا اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو وہ تینوں شخص شرعاً اسّی اسّی کوڑے مارے جانے کے مستحق ہیں، مگر چونکہ یہاں حد شرع جاری نہیں، لہٰذا فرض ہے کہ توبہ کریں اور عورت اور اس کے داماد سے معافی مانگیں، ورنہ مسلمان ان کو بند کریں اور برادری سے خارج کر دیں، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

Marfat.com

**مسئلہ:** مسئولہ رحیم بخش ساکن شیوپوری، تحصیل فرید پور ضلع بریلی، ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تخمیناً دو سال کا ہوا ہوگا کہ ایک شخص عورت بغیر نکاح کو اپنے گھر میں رکھتا ہے اور اس کے ساتھ ناجائز کام کرتا ہے، اس کو پیش امام مسجد نے سمجھایا اور منع کیا کہ ایسا ناجائز کام شرع کے خلاف ہے، وہ نہیں مانتا ہے اور یہ لوگ اس کے شریک ہیں؟

**الجواب:** جس شخص نے بغیر نکاح عورت کو اپنے گھر میں ڈال رکھا ہے، اس سے تمام لوگ قطع تعلق کریں اور جب تک سچی توبہ[1] نہ کرلے، اس کو اپنے میں نہ ملائیں، اور جو لوگ اسے روکنے اور باز رکھنے پر قدرت رکھتے ہوں، اور نہ روکیں وہ بھی گنہ گار عذاب کے سزاوار ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان سوالات کے جواب میں، ایک شخص رنڈی سے زنا کرتا ہے اور اس کے زنا کی اولاد پیدا ہو، اس شخص کے لئے کیا حکم ہے اور مسلمانوں کو اس کے ساتھ میں کیا برتاؤ کرنا چاہئے اور اس کو کیا سزا شرعی دی جائے؟

(۲) جو شخص مسلمان ہوکر جان بوجھ کر رمضان شریف کے روزہ نہ رکھے اور نہ نماز پڑھے، ایسے شخص کے لئے کیا حکم شریعت ہے، اور اگر اس شخص نے رمضان شریف کا کوئی روزہ رکھ لیا ہو اور لوگوں کو افطار کے لئے اور کھانا کھانے کو بلوایا، تو ایسے شخص کے گھر کا کھانا کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے گھر کے کھانے سے روزہ افطار کرنا درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** زانی کے لئے جو شرعی سزا ہے وہ یہاں کون جاری کرسکے، اس کے لئے بادشاہ اسلام درکار اب مسلمان اتنا کرسکتے ہیں کہ اس کے ساتھ میل جول چھوڑ دیں، اس سے بالکل قطع تعلق کریں، جب تک توبہ نہ کرلے۔

(۲) ایک وقت بھی قصداً نماز کا چھوڑنے والا فاسق ہے، یوہیں بلاعذر سفر ومرض وغیرہما ونہٗ رمضان کا تارک فاسق ہے، اگرچہ ایک ہی روزہ چھوڑا ہو، ایسے شخص کے یہاں روزہ افطار کرنا یا کھانا کھانا درست نہیں، مگر نہ کھانے میں اگر مصلحت ہو کہ اسے تنبیہ ہوگا اور آئندہ امید ہوکہ روزہ رکھنے لگے تو اس کے یہاں نہ کھایا جائے، یوہیں اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس سے ملنے والوں پر اسی کا اثر پڑے گا، دیکھا دیکھی دوسرے بھی روزے نہ رکھیں گے، تو اس سے مقاطعہ کریں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

[1] یعنی توبہ کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اس عورت کو اپنے گھر سے نکال دے، یا اگر اس سے نکاح صحیح ہوسکتا ہے تو نکاح کرے، اور توبہ کرے، اور جو بدکاری کی وجہ سے عورت کے جن جن رشتہ داروں کو ملال پہنچا ہے سب سے معافی مانگے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**مسئلہ:** مرسلہ عبد الغنی اسماعیل اینڈ سنس کیوتھ مرچنٹ صدر بازار رائے پور، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

(۱) حیوان سے زنا کرنے والے کی کیا سزا ہے؟

(۲) زید کہتا ہے کہ لواطت اور زلق مارنے والے کی امامت درست نہیں ہے؟

(۳) یہ تین گناہ کبیرہ ایک ہی شخص نے کیا، ان کے واسطے شریعت میں کیا سزا ہے، حدیث اور آیات کے ساتھ سزا ثابت کیجئے تاکہ حکم جاری کیا جائے، عمرو کا گناہ معاف کرانے کے واسطے کیا تدبیر کرنا چاہیے کہ خدائے پاک معاف کرے، زید کہتا ہے کہ غسل بالکل نہیں اترتا ہے؟

**الجواب:** جانور کے ساتھ برا کام کرنے پر تعزیر ہے کہ بادشاہ اسلام جو مناسب سمجھے سزا دے، حدیث میں ارشاد ہوا، من وقع علی بھیمۃ فاقتلوہ[1] واقتلوا البھیمۃ، جو جانور سے وطی کرے اسے مار ڈالو اور جانور کو قتل کر ڈالو، درمختار میں ہے، ولا یحد بوطی بھیمۃ بل یعزر وتذبح وتحرق ویکرہ الانتفاع بھا حیۃ ومیتۃ، جانور سے وطی کرنے والے کو سزا دی جائے گی اور جانور کو ذبح کر کے جلا دیا جائے، اور اس سے نفع اٹھانا مکروہ، جوہرہ نیرہ میں ہے، ومن وطی بھیمۃ فلا حد لانہ لیس بزنا ویعزر لانہ منکر واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) لواطت حرام وکبیرہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ملعون من عمل عمل قوم لوط ملعون ہے وہ جس نے قوم لوط علیہ السلام کا کام کیا، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کو جلا دیا، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان پر دیوار ڈھا دی، درمختار میں ہے، قال فی الدرر ویعزر بنحو الاحراق بالنار وھدم الجدار والتنکیس من محل مرتفع باتباع الاحجار

[1] اس کے معارض دوسری حدیث ترمذی شریف اور ابوداؤد میں ہے کہ فرمایا، من اتی بھیمۃ فلا حد علیہ، جو کسی جانور سے بدفعلی کرے، اس پر حد نہیں، اور امام ترمذی نے اس حدیث کو پہلی حدیث سے اصح فرمایا، اور فرمایا، اسی پر اہل علم کا عمل ہے، امام ابن ہمام نے اس کے راویوں کی تضعیف کی، اس لئے ہمارے فقہائے احناف نے قتل کا حکم نہیں دیا، بلکہ تعزیر کا حکم دیا، رہ گیا جانور کو جلانے کا معاملہ تو خود پہلے والی حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ جانور کو کیوں ذبح کیا جائے، انھوں نے فرمایا کہ اس کی علت میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں سنی ہے، لیکن میرا گمان یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا کہ جب اس کے ساتھ ایسا فعل شنیع کیا گیا، تو اس کا گوشت کھایا جائے یا اس سے نفع حاصل کیا جائے، صاحب ہدایہ نے اس کی یہ علت بیان فرمائی، کہ اگر وہ جانور زندہ رہے گا تو اسے دیکھ کر تشہیر ہوتی رہے گی، لوگ کہیں گے، یہی وہ جانور ہے جس کے ساتھ فلاں نے ایسا کیا، بعض شراح نے یہ علت بیان کی، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس جانور سے ایسا بچہ پیدا ہو جو خلقت میں انسان کے مشابہ ہو، جو اس کے بعض اعضاء انسان جیسے ہوں، واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

فی الحاوی والجلد اصح وفی الفتح یعزر ویسجن حتی یموت او یتوب ولو اعتاد اللواطۃ قتلہ الامام سیاسۃ، زلق بھی حرام ہے جو ہرہ نیرہ میں ہے، والاستمناء حرام وفیہ تعزیر، اگر یہ دونوں فعل بالاعلان ہوں تو اسے امام بنانا گناہ، اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی، کہ پڑھنی گناہ اور پڑھی ہو تو پھیرنی واجب، واللہ تعالیٰ اعلم،

(۳) سزائیں مذکور ہو چکیں، صدق دل سے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، زید کا یہ کہنا کہ غسل نہیں اترتا غلط ہے، جب سارے بدن پر پانی بہائے گا، اور اس طرح کلی کرے کہ منہ کا ہر گوشہ ہر پرزہ دھل جائے اور ناک میں پانی چڑھائے کہ نرم بانسے تک ہر جگہ پانی بہ جائے غسل ہو جائے گا، اور طہارت باطن بغیر توبہ نہیں ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مسئولہ ہتھو علمگیری گنج ٹکیہ، سفر علی شاہ ضلع بریلی، ۲ محرم ۱۳۴۱ھ،

اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا لڑکا جو ناجائز فعل اختیار کرتا ہے اور چکلے میں بیٹھتا ہے، اور وہاں پر ناجائز فعل اختیار کرتا ہے اور اس کی کمائی اپنے والدین کو دیتا ہے اور وہ اس کو کھلاتے پلاتے اور اپنے مکان میں رکھتے ہیں اور وہ لڑکا چوڑیاں پہنتا ہے ناچتا اور گاتا بھی ہے، اب اس کے والدین سے برادروں کو کس طرح پر میل رکھنا چاہیئے،؟

**الجواب:** اگر یہ واقعہ صحیح ہے کہ وہ چکلے میں بیٹھتا ہے اور وہاں حرام کام کرتا اور اس کی کمائی اپنے والدین کو دیتا ہے وغیرہ وغیرہ جو باتیں سوال میں مذکور ہیں، جن کا خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ والدین اس کو ایسے افعال سے نہیں روکتے، بلکہ راضی ہیں تو برادری کے لوگ ان کو خارج کر دیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

**مسئلہ:** مسئولہ بوعلی بخش، محلہ ملوک پور، بریلی، ۱۱ صفر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں ایک شخص نے اپنی بی بی کو زنا کراتے اپنی آنکھ سے دیکھا اس نے جا کر اپنی برادری کے چودھری سے کہا، پنچوں نے بموجب شرع شریف کے حکم کے موافق اس کو برادری میں بند کر دیا، اب ایک روز اس کے بھتیجوں نے میلاد شریف پڑھوایا، اس میں چند لوگ برادری کے بلائے اور محلہ والوں کو بھی بلایا، جب میلاد شریف ختم ہوا تو ایک بھائی نے حصہ تقسیم کیا، چند آدمیوں کو حصہ تقسیم کر دیا تھا، اور چند آدمی حصہ کو باقی رہ گئے تھے، تو دوسرے بھائی نے جو قریب کے رشتہ دار تھے، کھانا ان کے واسطے لا کر رکھا، اس شخص کو بھی بلا کر بیٹھا لیا تھا جس پر کہ شرع شریف کا حکم تھا اور اس کو پنچوں نے بند کر دیا تھا، اس وجہ سے نہ حصہ لیا تھا نہ کھانا لیا

Marfat.com

اور ہم پنچوں نے کہا کہ تم نے ان کو بلا کر بیٹھا لیا ہے، ان پر شرع شریف کے بموجب ان کو برادری سے خارج کر دیا ہے، ہم نوسو پنچوں کو کیا جواب دیں گے، تو اس شخص کے بھتیجوں نے کہا کہ نوسو تو دوزخ میں جائیں گے، تو تم بھی دوزخ میں جاؤ گے، تو ہم سب نے کہا کہ شرع کے خلاف اگر کوئی کام دوزخ میں جانے کا نوسو پنچ کریں گے، تو ہم بھی ان کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے، اور اگر کوئی کام شرع کے خلاف نہیں کریں گے تو ہم اور نوسو کیسے دوزخ میں جائیں گے، یہ کہہ کر ہم چلے آئے نہ حصہ لیا نہ کھانا کھایا؟ ۔

**الجواب:** اگر وہ شخص جو خارج از برادری کیا گیا، اسی قابل تھا کہ خارج کیا جاتا تو اسے کھانے میں شریک نہ کرنا اس کے ساتھ کھانا نہ کھانا کچھ بری بات نہیں، بلکہ یہی کرنا چاہئے، بلکہ برادری سے خارج کرنا اسی کو کہتے ہیں اور یہ سزا جس مقصد کے لئے نکالی گئی ہے، نہایت محمود ہے اور اس صورت میں ان لوگوں کا یہ کہنا کہ نوسو دوزخ میں جائیں گے، نہایت سخت کلمہ ہے یعنی اس کو خارج کرنا دوزخ میں جانے کا کام ہے، اگر وہ مجرم ہے اور اس کو خارج کیا تو یہ دوزخ کا کام نہیں، پھر اس نے کیوں مستحق جہنم کیا۔ لہٰذا معافی مانگے اور توبہ کرے اور اس کے جواب میں یہ کہنا، اگر کوئی کام نوسو دوزخ میں جانے کا کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے، اگرچہ اس کا مقصد یہ ہے کہ انھوں نے ایسا کام نہیں کیا ہے، مگر طرز ادا بہت خراب ہے، اس طرح نہیں کہنا چاہئے، یہ شخص بھی توبہ کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ رفیق الدین، طالب علم، مدرسہ منظر اسلام بریلی، ۱۲ ر صفر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح ایک جگہ ہوا وہ وہاں چند روز رہ کر چلی آئی، اور اپنے ماں باپ کے یہاں رہی اور مدت تک رہی، اور زنا کراتی رہی، اس عرصہ میں چند مرتبہ اس کا شوہر بلانے کو آیا، مگر وہ نہیں گئی، اور حرام کرتی رہی، لہٰذا دق ہو کر اس کے شوہر نے طلاق دے دی اور ہندہ اس حالت میں حرام کاری کرتی رہی، کچھ مدت کے بعد لوگوں نے ہندہ کے ماں باپ کو لعنت ملامت کر کے ہندہ کا نکاح بعد عدت کے دوسری جگہ کروا دیا، وہاں سے بھی ہندہ کچھ روز رہ کر چلی آئی اور حسب معمول فعل بد کرتی رہی، حتی کہ بہت جھگڑے فساد ہوئے، مگر ہندہ نہیں گئی اور حرام کرواتی رہی، جس کا انجام یہ ہوا کہ ہندہ کے حرام کا نطفہ قرار پا گیا، اس خبر کو سن کر اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی، اور ہندہ اس صورت میں بھی حرام کرتی رہی ہے، اور باز نہیں آئی ہے اور اس کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کے ماں اور بھائی وغیرہ ہندہ کے شریک حال ہیں، اور ان لوگوں نے یہ شیوہ اختیار کیا۔

Marfat.com

کہ ہر کس و ناکس کو پہچانتے ہیں اور اس کے ہمراہ ہندہ کو کر دیتے ہیں، اور ہندہ کے ماں اور بھائی وغیرہ کے چند اشخاص اور ہمدرد ہیں، اور ساتھ دیتے ہیں، لہذا جوان کا ساتھ دے ان کا کیا حکم ہے؟ اور ہندہ اور اس کے ماں بھائی وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ اور یہ بھی فرمادیا جاوے کہ ہندہ کس صورت میں صاف اور نکاح کے قابل ہو سکتی ہے، اور مسلمان ان سب لوگوں کے ساتھ کس وقت تعلقات رکھ سکتے ہیں، صاف اور صریح فرمایا جاوے؟ بینوا توجروا،

**الجواب:** ہندہ اگر تہمت کی جگہ آمد و رفت رکھتی ہے اور اس کی ماں بھائی کو خبر ہے اور حسب استطاعت اسے روکتے نہیں بلکہ ان کی رضا سے ہندہ کے یہ افعال ہیں تو یہ دیوث ہیں، اور ایسے کام میں ان کی اعانت بھی حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ، ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، ایسے لوگوں سے قطع تعلق کیا جائے، جب یہ لوگ توبہ کرلیں، اس وقت ان سے تعلق رکھ سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مرسلہ علی بخش صاحب قوم شیخ ساکن بریلی، محلہ کانکر ٹولہ، ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ برادران سے کسی گناہ کا جرمانہ لے کر کھانا کیسا ہے؟

**الجواب:** جرمانہ لینا ناجائز ہے، بحر الرائق میں ہے، التعزیر[1] بالمال منسوخ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** مسئولہ محمد بخش محلہ زکاتی، بریلی، ۳ رجب ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ولی محمد اپنی ضمانت سے مسماۃ اختری کو رخصت کرا لے گئے اور منجملہ دین مہر کے ...... کی بابت ضمانت نامہ تحریر کر دیا، بعد رخصت ولی محمد اور وصی اللہ نے بہت کوشش دست برداری اور منسوخی ضمانت نامہ کی ناکامیاب رہے، آخر کار مسماۃ اختری فوت ہو گئی، اس کو زہر دیا گیا، بعد دینے زہر کے اس کو کوٹھری میں بند کر دیا، پانی تک نہیں دیا، چکی چلادی کہ آواز بھی کوئی نہ سنے اور ولی محمد وغیرہ اور پیلی بھیت والوں نے پیچے معاملہ کو ثابت نہیں ہونے دیا ان لوگوں کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟،

[1] قال فی الفتح عن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان باخذ المال وعندھما وباقی الائمۃ لا یجوز اھ ومثلہ فی المعراج وظاہرہ ان ذالک روایۃ ضعیفۃ عن ابی یوسف، قال فی الشرنبلالیہ لا یفتی بھذا لما فیہ من تسلیط الظلمۃ علی اخذ مال الناس فیاکلونہ ومثلہ فی شرح الوھبانیۃ عن ابن وھبان نیز اسی میں ہے، والحاصل ان المذھب عدم التعزیر باخذ المال، وسیذکر الشارح فی الکفالۃ عن الطرطوسی ان مصادرۃ السلطان لارباب الاموال لا تجوز، الا لعمال بیت المال، ای اذا کان یردھا لبیت المال اقول وجہ المصادرۃ لعمال بیت المال علی ما ادی الیہ فکری انہ انما لانھم خانوا فی اموال بیت المال فجاز اخذ اموالھم، لیکون بدلا من خیانتھم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

**الجواب:** جس نے زہر دیا ہے اس نے نہایت سخت ظلم کیا، مار ڈالنے سے زیادہ اور کیا ظلم ہوگا، یہ شخص مستحق نار وغضب جبار اور حق اللہ وحق العبد میں گرفتار ہے، اہل برادری کو اگر معلوم ہو کہ فلاں شخص زہر دینے والا ہے تو اس کو اپنی برادری سے خارج کر دیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے، ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار، ظالموں کی طرف میل نہ کرو، ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی، اور مسماۃ کا دین مہر اور جو کچھ ترکہ ہے حسب شرائط فرائض ورثہ پر تقسیم ہوگا، اور اہل برادری پر یہ بھی لازم ہے کہ اس ترکہ کو بحصص شرعیہ تقسیم کریں، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

**مسئلہ:** مسئولہ مولوی شفاء الرحمٰن، طالب العلم مدرسہ منظر اسلام، ۶ ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عوام کا خیال ہے کہ عورت ساحرہ جس کو یہاں ڈائن کہتے ہیں، آدمی کو مار ڈالتی ہے، تو اس کو بھی جان سے مار ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** ساحرہ جو لوگوں کو ایذا دیتی ہے یا مار ڈالتی ہے، شرعاً مستحق قتل ہے، بادشاہ اسلام اسے قتل کر ڈالے اور بعد گرفتاری اس کی توبہ بھی مقبول نہیں، درمختار میں ہے، والکافر بسبب اعتقاد السحر لاتوبۃ لہ ولوامرأۃ فی الاصح اذا اخذ الساحر قبل توبتہ ثم تاب لم تقبل توبتہ ویقتل ولو اخذ بعدھا قبلت، ردالمحتار میں فتح سے ہے، وعن اصحابنا ومالک واحمد یکفر الساحر بتعلمہ وفعلہ سواء اعتقد الحرمۃ اولا ویقتل وفیہ حدیث مرفوع حد الساحر ضربۃ بالسیف، نیز اسی میں ہے، ساحر یسحر وھو جاحد لایستتاب منہ ویقتل اذا ثبت سحرہ دفعا للضرر عن الناس، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

**مسئلہ:** از موضع بچومی، ڈاکخانہ فریدپور، ضلع بریلی، ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ بابت خط تحریر کیا، پیش امام موضع بچومی مندرجہ ذیل تحریر کیا جاتا ہے، کہ قصبہ موہن پور ٹھسر یا کی دو لڑکی ہمارے موضع بچومی شادی ہوئی تھی، ایک لڑکی کے خاوند نے دوسری یعنی تیسری لڑکی اور کرائی تھی، یعنی چھوٹی لڑکی کے خاوند کی نارضامندی سے وہ شخص میرے پاس آیا تو کہا کہ

---

۱؎ قرآن کریم میں ہے، ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما، جو کسی مومن کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے، مدتوں اس میں رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے، اور اللہ نے اس کے لئے بھاری عذاب تیار کر رکھا ہے، حدیث میں ہے، لزوال الدنیا اھون عند اللہ من قتل مسلم واحد، پوری دنیا کا تباہ ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے کم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

Marfat.com

پیش امام صاحب آپ ہمارے لئے ایک کارڈ لکھ دو، تو میں نے کہا کیا لکھدوں، تو کہا کہ یہ شادی جو ہمارے بڑے کراتے ہیں وہ ہماری رضامندی نہیں ہے، کیونکہ اس کے افعال خراب ہیں، اور درحقیقت جو وہ کہتا ہے افعال خراب تھے، میں نے خیراتی سے کہا کہ بھائی خیراتی ہم خط نہیں لکھیں گے، تو کہا ہم تمھارے ہاتھ جوڑیں لکھدو، حالانکہ عاجزی کی تو میں نے لکھدیا، اور میں نے یہ کہا تھا کہ میں خط لکھوں گا تو بھائی عیدو کہیں گے کہ آپ نے کیوں خط لکھا ہے، تو کیا جواب دوں گا، خیراتی نے کہا کہ آپ اپنا خط میں نام نہ لکھیں، بلکہ دوسرا نام ڈال دینا، تو میں نے لکھدیا، تو لکھدینے پر مجھ سے پوچھا کہ آپ نے خط لکھا ہے، تو میں نے صاف کہدیا کہ بھائی میں جھوٹ نہیں بولوں گا، میں نے ضرور لکھدیا، اور پنچوں نے یہ بھی کہا کہ اللہ کے واسطے جھوٹ نہ بولنا، میں نے جھوٹ نہیں کہا، تو پنچوں نے پیش امام پر تحریر خط کی وجہ سے مبلغ دس روپیہ خطاواری بول دئے، اور خیراتی پر مبلغ پانچ روپئے خطاواری کے بول دئے، خیراتی سے لے لئے گئے اور پیش امام سے یعنی محمد شفیع سے جو طلب کئے تو میں نے کہا کہ بھائی راہ خدا پر اللہ کے واسطے خدا اور رسول کو سمجھ کر معاف کرو تو کہا کہ ہم نہیں جانتے یا تو روپیہ دے دو یا امامت چھوڑ دو، اور یہ کہا کسی شخصوں نے کہ چاہے خدا اور رسول خود اتر آویں، مگر روپیہ نہیں چھوڑیں گے، اور پیش امام نے بہت کچھ عاجزی کی اور میں نے یہ بھی کہا کہ بھائیوں مجھ سے کچھ خطا نہ ہوئی ہے، معافی چاہتا ہوں اور بہت سے اور گاؤں کے لوگوں نے کہا کہ بھائیوں روپیوں کی کوئی بنیاد نہیں کیونکہ راہ خدا پر مانگتے ہیں، تو کہا نہیں پائیں گے، میں نے کہا کہ بھائیوں شرع سے جو حکم ہوے میں وہی کروں گا، اور امامت کا چھوڑنا میں نے پسند نہ کیا، اور جو لوگ کہتے ہیں وہ نمازی نہیں ہیں اور نہ دین کو جانتے ہیں کہ ہمارا دین کیا ہے اور ہمارا خالق و مالک کون ہے جو حکم ہونے اس پر عمل کیا جاوے، بینوا توجروا۔

**الجواب:** واقعہ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آیا کہ خط لکھنے پر کیوں جرمانہ کیا، بہرحال اگر امام مستحق سزا تھا بھی جب بھی جرمانہ ناجائز و حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ، لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل، بحرالرائق میں ہے، التعزیر بالمال منسوخ، لوگوں پر لازم ہے کہ اس جرمانہ سے باز آئیں ورنہ خود مجرم ہیں، پھر امام عاجزی کرتا ہے اور اللہ کا واسطہ دیتا ہے اور معافی چاہتا ہے، اور لوگ نہیں مانتے، یہ نہایت درجہ کی زیادتی ہے اور جس نے یہ کلمہ خبیث کہا کہ "چاہے خدا اور رسول خود اتر آویں ہم روپیہ نہیں چھوڑیں گے، اس پر کفر لازم کہ یہ کلمہ کفر ہے، عالمگیری میں ہے، کما لوقال امرنی اللہ بامرلم افعل، اسے حکم ہے کہ پھر سے مسلمان ہو اور جورو رکھتا ہو تو اس سے دوبارہ نکاح کرے ورنہ لوگ میل جول

Marfat.com

سلام و کلام تمام معاملات ترک کردیں، جو لوگ نماز نہیں پڑھتے فساق و فجار مستحق نار ہیں، فوراً توبہ کریں اور نماز شروع کردیں، نماز نہ پڑھنے والا بہت سخت عذاب کا مستحق ہے، جلد ایسے اعمال سے باز آئے ورنہ موت کا وقت معلوم نہیں اور سب سے پہلے اس کا حساب ہوگا، حدیث میں فرمایا، اول ما یحاسب بہ العبد الصلوٰۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از شہر کہنہ گھر مولوی مسؤلہ عبد الرحمن، ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے کہا کہ تم مجھ کو روپیہ میرے لڑکے کی شادی ہے دے دو، میں تم کو ادا کر دوں گا، جملہ سامان ہوگیا ہے، صرف بارات کا خرچ باقی ہے، جب نیوتہ پڑے گا تو ہم کل کو دے دیں گے، لہٰذا عمرو نے زید کو روپیہ دے دیا، زید نے اپنے وعدہ پر روپیہ عمرو کو نہیں دیا، عمرو نے خود تقاضہ کیا اور چند معتبر شخصوں کی معرفت تقاضہ کرایا تو وعدہ عید الضحیٰ کا کیا، جب عید الضحیٰ کو روپیہ وصول نہیں ہوا، عمرو نے معتبر شخصوں کے معرفت تقاضہ کرایا، تو محرم الحرام کا وعدہ کیا، اس وقت بھی زید نے روپیہ ادا نہیں کیا، اس وعدہ پر پھر حاجی محب اللہ و محمد حنیف کو واسطے تقاضہ کو بھیجا تو زید نے چہلم یعنی ماہ صفر کا وعدہ کیا، زید روپیہ دینے کو تیار تھا، مگر اس کے بہنوئی اور بہنوئی کی ماں و چچا نے بہکا دیا کہ تم روپیہ مت دو، تمہاری کوئی دستاویز یا رسید نہیں ہے، تمہارا کیا کریں گے، لہٰذا روپیہ نہیں دیا، مجبور ہو کر عمرو نے زید پر نالش عدالت مجاز میں کر دی، عدالت مجاز نے اس پر فیصلہ کیا کہ قرآن شریف مدعا علیہ اٹھائے کہ ہم پر روپیہ نہیں چاہئے یا روپیہ دیدے، لہٰذا زید نے جھوٹا قرآن شریف جو موجود تھا اٹھالیا، اور کہہ دیا کہ ہم پر روپیہ نہیں چاہئے، کچہری نے مقدمہ خارج کر دیا، اب ایسے شخصوں نے جو جھوٹا قرآن شریف اٹھایا ہے، اور اس کی شرکت کریں تو ان لوگوں سے ملنا جلنا اور کھانا اور کھلانا اور پلانا اور حقہ پانی وغیرہ کھلانا درست ہے یا نہیں، ان کے یہاں جانا یا ان سے میل جول رکھنا درست ہے یا نہیں، اور جو لوگ ایسے لوگوں سے ملیں، تو ان کی بابت بھی کیا حکم شرع شریف کا ہے، کیا یہ روپیہ ساقط ہوگیا اور اس روپیہ کا حال عمرو کے دینے کا دس پانچ محلہ کے لوگوں کو معلوم ہے؟

**الجواب:** دوسرے کا مال مار لینا حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ، لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل، اور کچہری سے اگر خلاف واقعہ فیصلہ ہو جائے تو آخرت کے مواخذہ سے چھٹکارا نہ ہوگا، جب تک صاحب حق معاف نہ کرے، اور یہ جہنم کا انگارا ہے کہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے، حدیث صحیح میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، اقضی لہ علی نحو ما اسمع منہ فمن قضیت لہ بشئی من حق اخیہ فلا یاخذ لہ فانما اقطع لہ قطعۃ من النار، غرض یہ شخص

Marfat.com

مستحق نار و غضب جبار ہے، لازم ہے کہ توبہ کرے، اور مال واپس دے، قرآن مجید اس لئے نازل نہیں ہوا کہ جھوٹے سچے معاملات میں لوگ اٹھایا کریں، بلکہ عمل کرنے کے لئے اترا، قرآن مجید اٹھانا سخت جرأت ہے، پھر اس مقصد کے لئے اٹھانا کر پرایا مال ماریں، چند روپے مارنے کے لئے اس کتاب کریم کو درمیان میں لانا بہت بڑی بے باکی ہے، جب تک یہ شخص توبہ نہ کرے، اس سے میل جول ترک کردیں، اس کا حقہ پانی بند کردیں، اور جو لوگ زید کے شریک ہیں اور جانتے تھے کہ زید نے ایسی حرکت کی، وہ بھی اسی کے حکم میں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، لاترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار، ظالموں کی طرف میل نہ کرو، ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی، واللہ تعالیٰ اعلم ۔

**مسئلہ:** مسئولہ جناب عبد العزیز صاحب محلہ سکراول، قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد، ۲۸ رجب ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان مرد ایک شخص کی عورت کو خفیہ طور سے کسی دوسرے ملک بھگالے گیا، عورت کے معدوم ہو جانے کے بعد اس کے شوہر کو معلوم ہوا جو کہ بروقت مکان پر موجود نہ تھا کہ فلاں شخص میری عورت کو بھگالے گیا، شوہر تلاش کے لئے نکلا جس کو آج سترہ اٹھارہ سال کا زمانہ گذرا کہ مفقود الخبر ہے، اور جو شخص عورت کو بھگالے گیا تھا وہ اپنی منکوحہ کو پردیس ہی سے طلاق نامہ بھیج دیا تھا، تو عورت نے دوسری شادی کرلی، اب وہ دونوں جو بھاگ گئے تھے، سترہ اٹھارہ برس کے بعد آج ہفتہ عشرہ ہوتا ہے کہ مکان پر آئے ہیں، اور برادری میں شامل ہونا چاہتے ہیں، تو اب برادری کے لوگ کس طرح شامل کریں، کیا از روئے شرع شریف اس کو کوئی کفارہ ادا کرنا ہوگا یا نہیں؟،

**الجواب:** دونوں اپنے اپنے ناجائز فعل اور اس حرکت قبیحہ سے بالاعلان توبہ کریں، حدیث میں ہے، توبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ، جو گناہ مخفی ہو اس کی توبہ بھی خفیہ ہو اور جو گناہ علانیہ ہو اس کی توبہ علانیہ رواہ الطبرانی والبیہقی عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور یہ گناہ چونکہ ایسا ہے کہ وہاں کے سب لوگ اس پر مطلع ہوں گے، لہذا علانیہ لوگوں کے سامنے توبہ کر کے[1] برادری میں شامل ہو اور یہ توبہ یوں ہوگی کہ اس عورت کو اپنے سے علٰحدہ کردے، ورنہ دونوں ویسے ہی رہیں صرف زبان سے توبہ کریں، تو یہ توبہ نہیں، حدیث میں ہے،

[1] زنا حق اللہ بھی ہے اور حق العباد بھی، اس لئے زنا سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل سے استغفار بھی کرے، اور زنا سے عورت کے جن جن رشتہ داروں کو عار لاحق ہو سب سے معافی بھی مانگے، واللہ تعالیٰ اعلم ۔

Marfat.com

المستغفر من الذنب و ھو مقیم علیہ کالمستھزی بربہ، گناہوں پر قائم رہ کر توبہ کرنے والا گویا اپنے رب سے ٹھٹھا کر رہا ہے، رواہ ابن ابی الدنیا و البیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔ اور زن مفقود اسی کی عورت ہے جب تک اس مفقود کی عمر سے ستر برس گذر نہ جائیں، اور توبہ کے سوا کوئی مالی کفارہ لازم نہیں، صدق دل سے توبہ کفارہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از مقام جگدل، ضلع ۲۴ پرگنہ، مرسلہ جناب حافظ فتح محمد صاحب، امام مسجد بڑی، ۸ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو نے بھینس سے وطی کی، جس کو مسلمانوں نے

---

ﺳﮧ مذہب احناف یہی ہے، از روئے قواعد شرع یہی قوی ہے اور اسی ۔ میں احتیاط ہے، بارہا ایسا ہوا کہ کچھ لوگوں نے مفقود کی زوجہ کا عقد ثانی کر دیا، اور اس کے بعد اصل شوہر آگیا تھا، لوگ عقد ثانی کے لئے طرح طرح کے بہانے بناتے ہیں، زمانہ کا حوالہ دیتے ہیں حتی کہ مفتیوں کو دھوکا دینے سے بھی نہیں چوکتے۔ حالانکہ مفقود کی زوجہ کے نکاح کے لئے جلدی مچانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے گھروں میں بیوہ عورتیں بیٹھی رہتی ہیں، مگر اپنی جھوٹی آن بچانے کے لئے مدت العمر اس کا نکاح نہیں کرتے، بلکہ سیکڑوں ایسے واقعات ہیں کہ ماں باپ اپنی ضد میں آکر لڑکی کو شوہر کے یہاں نہیں جانے دیتے، زندگی بھر بٹھائے رکھتے ہیں، ہاں اگر واقعی کوئی مفقود ہو اور اس کی زوجہ کے لئے کوئی چارۂ کار نہ ہو اور عقد ثانی کی ضرورت ہی ہو تو ہمارے علماء نے بھی حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، ان کا مسلک یہ ہے جیسا کہ علامہ عبد الباقی زرقانی نے شرح مؤطا میں تصریح کی ہے کہ مفقود کی زوجہ قاضی شہر کے یہاں درخواست کرے، قاضی شہر تحقیق کے بعد مفقود کی زوجہ کو چار سال مزید انتظار کا حکم کرے۔ اگر ان چار سالوں میں اس کے شوہر کا کچھ پتہ نہ چلے تو چار سال پورا ہونے پر یہ عورت پھر قاضی شہر کے یہاں مرافعہ کرے، اور قاضی شہر کو اجازت ہے کہ وہ مفقود کی موت کا حکم کرے اور اس کی زوجہ کو حکم دے کہ آج سے عدت وفات چار ماہ دس دن گذار کر دوسرا عقد کر سکتی ہے، قاضی شہر سے مراد وہ قاضی نہیں جو بعض شہروں میں نکاح پڑھانے کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں بلکہ مراد وہ قاضی ہے جو حاکم اسلام کی طرف سے مقدمات کے فیصلہ کے لئے مقرر ہو، اس زمانہ میں جب کہ نہ حاکم اسلام ہے اور نہ اس کے مقرر کئے ہوئے قاضی، اعلم علمائے بلد جو مرجع فتویٰ ہو، اس خصوص میں قائم مقام قاضی کے ہے، حدیقہ ندیہ میں ہے، اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور مؤکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم (صفحہ ۳۴۲ ج ۱) جب زمانہ ایسے سلطان اسلام سے خالی ہو جائے، جو ان کے امور کے لئے کافی ہو تو یہ امور علماء کے سپرد ہیں، امت پر علماء کی طرف رجوع لازم ہے اور علماء حاکم ہونگے، اور جب کسی ایک پر جمع ہونا دشوار ہو تو ہر طرف کے لوگ اپنے علماء کی اتباع کریں، اور اگر کہیں متعدد علماء ہوں تو ان میں جو سب سے زیادہ علم والا ہو، اس کی اتباع کریں اور اگر علم میں سب برابر ہوں تو ان کے مابین قرعہ ڈالا جائے" مفقود الخبر

Marfat.com

دیکھا، اور جس کی بھینس ہے وہ مسلمان ہے، اس ہندو ذات برہمن کو جس نے وطی کیا، بھینس سے پکڑ کر اس حال میں زدو کوب کیا، اور اس بھینس کا دودھ اکثر لوگ مسلمان ہندو سب ہی پیتے کھاتے ہیں جواب بادلائل طلب یہ ہے کہ اس بھینس کا دودھ از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص کھائے اس کا کیا حکم ہے، اور بھینس مذکور کو کیا کریں گے؟

**الجواب:** جس جانور کے ساتھ یہ خبیث حرکت کی گئی ہے، اس کا گوشت کھانا یا اس کے دودھ وغیرہ سے نفع اٹھانا مکروہ ہے، مگر دودھ کا کھانا حرام نہیں، حدیث میں ہے، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اتی بہیمۃ فاقتلوہ واقتلوھا معہ قیل لابن عباس ماشان البہیمۃ قال ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی ذالک شیئا ولکن اراہ کرہ ان یوکل لحمہا او ینتفع بہا وقد فعل بہا ذالک، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جانور کے ساتھ وطی کی اسے قتل کر ڈالو، اور اس جانور کو بھی اس کے ساتھ قتل کر ڈالو، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال ہوا کہ جانور کو کیوں قتل کرنے کا حکم دیا گیا، فرمایا کہ میرا گمان یہ ہے کہ ایسے جانور کا گوشت کھانا یا اس سے نفع لینے کو مکروہ سمجھا، رواہ الترمذی وابو داؤد وابن ماجہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از ضلع چوبیس پرگنہ ڈاکخانہ اینٹا گڈھ، مقام کھردہ جامع مسجد جناب شاہ محمد بشیر امام ۲ ربیع صفر ۱۳۴۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے حقیقی بھتیجے کی بی بی سے زنا کیا اس کے بھتیجے نے دیکھا کہ میرا چچا میری بی بی کے پلنگ پر ہے، دیکھ کر افسوس کیا، اس کی خبر پنچوں میں پہونچی، پنچوں نے مل کر کفارہ ساٹھ فقیر کا کھانا لگایا زانی اور زانیہ پر، تو زانی نے تو دے دیا لیکن زانیہ کی جانب سے اس کا شوہر دیگا یا کہ کیونکر کیا جاوے گا؟

**الجواب:** زنا سخت کبیرہ ہے اور شریعت میں اس کی سزا رجم یا سو کوڑے مارنا ہے، مگر یہاں ہندوستان میں نہ بادشاہ اسلام ہے نہ احکام اسلام جاری یہاں کون سزا دے، یہاں ایسوں کو صرف یہی سزا دی جاسکتی ہے، کہ ان کو برادری سے علٰحدہ کر دیا جائے، اور مقاطعہ کیا جائے، اور یہ جو پنچوں نے سزا مقرر کی، یہ کوئی شرعی سزا نہیں ہے، شوہر نے

(بقیہ ص ۳۳۳ کا) کی زوجہ کے لئے نکاح ثانی کے واسطے قضاء قاضی شرط ہے، بغیر قضاء قاضی محض اپنے جی سے عقد ثانی کرنا جائز نہیں، امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب میں چار سال کے بعد نکاح ثانی کی جو اجازت ہے، اس میں بھی یہ شرط ہے کہ قاضی کے حکم کے بعد چار سال انتظار کرے پھر قاضی کے حکم کے بعد عقد ثانی کرے اپنے جی سے مدتوں انتظار کرنا بیکار ہے، والتفصیل فی فتاوانا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

کیا گیا ہے کہ اس پر کفارہ مقرر کیا جائے اور عورت کے قصور کا وہ ذمہ دار نہیں کہ عورت کی طرف سے کفارہ دے خصوصًا جب کہ وہ کفارہ شرعی نہیں ہے، ایک کے گناہ کی سزا دوسرے پر نہیں ہوتی، لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ، عورت سے توبہ کرائی جائے۔ بعد توبہ اس سے مواخذہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از موضع برمہولی، ڈاکخانہ مانگ، ضلع سلطان پور، مرسلہ جناب خدا بخش صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دو برس کے واسطے اپنے مکان سے کہیں سفر میں چلا گیا، بعد مراجعت کے دیکھا کہ اس کی زوجہ حاملہ ہے، دریافت کرنے سے جواب دی کہ تمھارے برادر خورد کا حمل ہے، پھر وہ واپس سفر میں چلا گیا، اور اس کی زوجہ میکہ میں چلی گئی، بعد چند یوم کے وہیں پر لڑکی جنی، پھر زید کے گھر والے اس کو وہاں سے لائے، اور زن و شوہر بخوشی ایک ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں، تو کیا ان لوگوں کو ایسا کرنے سے روکا جائے گا، اور جبریہ شوہر سے طلاق دلوایا جائے گا یا نہیں یا پھر نکاح ثانی کی حاجت پڑے گی یا کچھ کفارہ بھی دینا پڑے گا، مفصل تحریر فرمائیں، جہاں تک جلد ممکن ہو کیونکہ زید کے دو لڑکوں کی شادی ہے اور گاؤں والے اس کو روکے ہوئے ہیں، کہ پہلے اپنی عورت کے قصور کے عوض جرمانہ و کھانا دو بعد میں شادی کرو، ایسا گاؤں والوں کا کرنا کیسا ہے، اور ایسا کھانا ان پر کچھ گناہ عائد ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** ایسی عورت کو جو زنا کی مرتکب ہوئی طلاق دے دینا واجب نہیں، ہاں اس فعل کی وجہ سے اگر شوہر کو اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے تو طلاق دے سکتا ہے، مگر طلاق دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ شوہر پر لازم ہے کہ اس عورت سے توبہ کرائے، شرعًا طلاق دینا اس وقت واجب ہے، جب کہ امساک بالمعروف نہ کر سکے، اور سوال سے ظاہر ہے کہ دونوں ایک ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں، پھر امساک بالمعروف فوت نہ ہوا تو طلاق واجب نہیں، درمختار میں ہے یستحب لو موذیۃ و یجب لوفات الامساک بالمعروف، ردالمحتار میں ہے، الملقۃ فشمل المؤذیۃ لہ او لغیرہ بقولہا و بفعلہا نکاح اول باطل نہیں ہوا، لہٰذا نکاح ثانی کی ضرورت نہیں اور اس صورت میں کوئی کفارہ شوہر پر واجب نہیں کہ شوہر نے یہ فعل نہیں کیا، اور عورت پر بھی توبہ فرض ہے کفارہ نہیں، گاؤں والوں کا جبرًا کھانا طلب کرنا ناجائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ:** از مقام براٹھ، پوسٹ غازی کا تھانہ، ریاست الور، راجپوتانہ، مرسلہ نذیر خاں چھوٹے خاں، ۲ صفر ۱۳۴۸ھ

Marfat.com

مندرجہ ذیل سوال کے جواب علمائے دین متین تحریر فرمائیں، زید مسلمان ہے اس کا ناجائز تعلق کسی ہندو چماری عورت سے ایک عرصۂ کثیر سے ہے، مسلمانوں نے زید سے اس عورت سے ناجائز تعلق چھوڑنے کے لئے کہا، تو زید نے تین بار ناجائز تعلق منقطع کرنے کے لئے توبہ کی، بلکہ عید اضحیٰ کے روز علانیہ صدہا مسلمانوں کے سامنے اس فسق و فجور و زنا سے توبہ کی لیکن اس توبہ کے بعد پھر اس عورت سے جس کے ساتھ ناجائز تعلق تھا، زید کا تکلم و اختلاط وغیرہا ثابت ہوا جس کو دو چار بالغ و عاقل مسلمانوں نے دیکھا، پس اب ایسے شخص کے لئے جس نے کئی بار توبہ کی اور توبہ پر قائم نہ رہا، اور ناجائز حرکت کے درپے بدستور سابق رہا، شرعاً کیا حکم ہے، ایسی ناجائز حرکت کرنے والے کے مدد و معاون جو لوگ ہیں ان مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہے؟ -

(۲) سوال نمبر۱ میں جو زید کے بارہ میں لکھا گیا ہے، اگر زید اپنی کاوش سے عمرو پر ایسا جھوٹا بہتان باندھے، کہ جو نہ صداقت کے مرتبہ کو پہونچے اور نہ اس کی شہادت گذرے، ایسی حالت میں زید اور اس کے معاون کے لئے کیا حکم شرعی ہے؟ -

**الجواب:** زنا کی سزا یہاں غیر اسلامی سلطنت میں کیا دی جاسکتی ہے سوا اس کے کہ اس سے تمام مسلمان مقاطعہ کریں، اور سلام و کلام ترک کریں، تاوقتیکہ سچی توبہ کے آثار ظاہر نہ ہوں، اس سے نہ ملیں، ایسے کی اعانت حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ. ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، اگر یہ لوگ اعانت سے باز نہ آئیں تو انکا بھی مقاطعہ کیا جائے،

(۲) بہتان باندھنا سخت کبیرہ ہے، ان لوگوں پر توبہ فرض ہے، اور معافی مانگنا لازم، واللہ تعالیٰ اعلم، -

**مسئلہ:** مرسلہ نذیر احمد از بانس بریلی، محلہ ملوک پور، تھانہ قلعہ، ۲۷ نومبر ۱۹۲۹ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سائل ایک برادری کا آدمی ہے، اور سنی صحیح العقیدہ ہے، ہماری برادری کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ اگر پنچائت میں کوئی بات طے ہوتی ہے، تو اس کا باقاعدہ اعلان کردیا جاتا ہے، اس وقت میں اہل برادری پر اس حکم کا ماننا اگر وہ دائرۂ شریعت کے اندر ہے لازم ہوجاتا ہے، اس موقعہ پر سائل کو یہ اتفاق ہوا کہ ایک تقریب میں ایک پٹھان نے سبیل کا انتظام کیا تھا جس میں عام طور پر مسلمانوں کو شربت پلایا جاتا تھا، سائل نے بھی اتفاق سے شربت اس سبیل سے پیا، اور اس کو خبر نہ تھی، آج چند لوگ جس میں برادری کے چودھری بھی تھے، یہ بات کرچکے ہیں کہ اس سبیل کا کوئی برادری والا شربت نہ پئے، اس سبیل کا شربت حضور سیدنا حضرت

Marfat.com

غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی نیاز کا شربت تھا، جسے مسلمان تبرکاً پی رہے تھے، سائل نے بھی حصول برکت کے لئے اسے پیا، محض اس بات پر جو چودھریوں کا سائل پر عتاب ہوا کہ یہ طے کر چکے تھے کہ اس سبیل کا شربت ہماری برادری والے نہ پئیں، سائل نے جواب دیا کہ ہمیں اس کا علم نہ تھا، اور اگر آپ نے یہ طے کیا تھا تو آپ نے اس کا اعلان کیا ہوتا، اس پر چودھری بولے کہ ہم تمھارے باپ کے نوکر نہ تھے جو گھر گھر اعلان کرتے پھرتے، اور سائل کو تنبیہ کی گئی اور خطاوار ٹھہرا کر سزا دی گئی۔ سائل اس واقعہ سے متاثر ہوا اور یہ کہہ کر چلا آیا کہ ہم ان باتوں کا تحمل نہیں کر سکتے، چند دن کے بعد پھر یہ اتفاق ہوا کہ سائل کے اہل محلہ سے ایک شخص نے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی نیاز کی جس میں سائل کو و نیز سائل کے دوسرے اہل برادری کو شرکت کی دعوت دی۔ سائل بہ نیت حصول ثواب و دیگر برادری کے لوگ اس میں شریک ہوئے اور نیاز کا کھانا کھایا۔ اس سائل پر و نیز ان دیگر اہل برادری پر جو کہ سائل کے ہمراہ اس نیاز میں شامل تھے، پھر ان چودھریوں کا عتاب ہوا، پھر انھوں نے پنچایت کی اور سائل و نیز ان دیگر لوگوں کا حقہ پانی بند کر دیا، اور برادری سے خارج کر دیا، اس پر سائل نے یہ کہا کہ ان کی یہ کیا زیادتیاں ہیں، اس قسم کی باتوں سے روکا جاتا ہے اور پنچائت کا بلاوجہ ہم پر عتاب ہوتا ہے، آپ کو ہم نے چودھری بنا کر اپنا سردار مانا ہے، آپ کو چاہئے کہ ہمیشہ حق پر رہیں اور ہمیشہ ایمان کی بات کہا کریں، اس پر برادری کے چودھری بولے کہ ہم جا اور بیجا جو کچھ بھی کریں وہی حق ہے، ہم دین اور ایمان کو کچھ نہیں مانتے، اب سائل کا و نیز ان اہل برادری کا جنھوں نے نیاز کا کھانا کھایا تھا حقہ پانی بند ہے، اور چودھریوں نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر سائل برادری میں شامل ہونا چاہے تو سائل مبلغ صہ جرمانہ داخل کرے اور دوسرے لوگ عہ عہ، جب تک یہ جرمانہ داخل نہ ہو جائے گا برادری میں نہیں داخل کیا جائے گا، اب دریافت طلب یہ امر ہے، کہ چودھریوں کی یہ ضد اور ان کا یہ فیصلہ کہ اس برادری کے لوگ پٹھان وغیرہ دوسری قوموں سے میل جول اور کھانے پینے کے تعلقات نہ رکھیں، بلا مانع شرعی ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، اگر اتفاق سے کوئی برادری کا شخص کسی پٹھان کے پیچھے نماز پڑھنے کو کھڑا بھی ہو جائے تو جماعت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیں، ایا یہ لوگ اس قابل ہیں کہ انھیں برادری کا سردار یا چودھری مانا جائے یا نہیں؟ اور پھر یہ بھی فرمائیے کہ چودھریوں کا اہل برادری کو اس بات پر مجبور کرنا کہ وہ اپنی قوم کے علاوہ دوسری قوموں سے بلاوجہ شرعی ترک تعلق کر لیں خواہ وہ امامت کے اعتبار کے قابل بھی کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی مسلمانوں کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکیں، شرعاً کیسا ہے، اور ایسے لوگوں کے حق میں شریعت مطہرہ کیا

Marfat.com

حکم دیتی ہے۔ اس کا بھی جواب دیجئے کہ ہماری برادری میں جو جرمانہ کی سزا رائج ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ۔

**الجواب:** اللھم اعوذبک من ھمزات الشیطٰن واعوذبک رب ان یحضرون، حق حق ہے اور باطل باطل کسی کو یہ حق نہیں کہ حق باطل کرے یا باطل کو حق، جس امر کو خدا اور رسول نے جائز کیا، ہر وہ جائز ہے، ہر کوئی چودھری یا سردار اسے ناجائز نہیں کر سکتا، چودھری کا یہ کہنا کہ "ہم جا اور بیجا جو کچھ کریں وہی حق ہے" بہت سخت کلمہ ہے، بھلا بیجا بھی کہیں حق ہو سکتا ہے، مگر ایسے کلمہ کا اس شخص سے صادر ہونا کیا مستبعد ہے، جو یہ کہے کہ "ہم دین و ایمان کو کچھ نہیں مانتے" جب وہ شخص خود اپنی زبان سے ایسا کہتا ہے تو اس کے بارے میں فتویٰ پوچھنے کی ضرورت نہیں، کہ جب وہ خود دین و ایمان سے دست بردار ہو رہا ہے تو اب اہل ایمان کا کسی طرح سردار نہیں ہو سکتا۔ ایسے شخص کو چودھری ماننا بالکل ناجائز، اور خود اس کو برادری سے خارج کر دینا لازم۔ اس نفسانیت کا کیا ٹھکانا کہ پٹھان وغیرہ دیگر اقوام کے پیچھے نماز مت پڑھو، ان سے ترک تعلق کرو، ایسا جوش تعصب قطعی حرام ہے، آجکل اسلام پر مخالفین کے طرح طرح کے حملے ہو رہے ہیں، ہر مذہب والا اسی فکر میں ہے کہ کسی طرح اسلام کو نیست و نابود کر دیا جائے، اس کو صفحۂ ہستی سے فنا کر دیا جائے اور اس کے لئے وہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں، آپس میں اتفاق و اتحاد کا سبق دے رہے ہیں، اور اپنی جماعت کو منظم کر رہے ہیں مگر افسوس کہ مسلمانوں پر یہ غفلت چھائی ہے کہ آپس میں لڑے جاتے ہیں، اور مخالف کی ایسی گرم بازاری کہ اتفاق و مؤدت سے دور بھاگے جا رہے ہیں۔ ایسے جھگڑوں قصوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ یہ رہے گا نہ وہ، بلکہ اغیار مسلط ہو جائیں گے۔ ایسی بیجا ضد اور ہٹ سے باز آؤ، اور اسلام کی مضبوط رسی کو مضبوط پکڑلو، آپس میں خلوص و محبت سے پیش آؤ، ہماری عزت و فلاح اسلام سے ہے، اور بہبودی و صلاح اتباع شریعت میں ہے، بالجملہ ایسے لوگوں پر توبہ لازم اور جسنے دین و ایمان سے انکار کیا، اسے تجدید اسلام ضرور، ورنہ اسے فوراً برادری سے خارج کیا جائے، جرمانہ ہماری شریعت نے منسوخ کر دیا ہے، اس پر عمل ناجائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۔

**مسئلہ:** از مبارک پور ضلع اعظم گڈھ، مرسلہ جناب محمد امین صاحب انصاری، ۲۴ شوال ۱۳۴۹ھ۔

علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ قوم زید مسلم نے یہ وعدہ تمام مسلمانوں سے کیا کہ بعد شب برات ہم لوگ اپنا مال بجائے ۴ سیر ۶ سیر فروخت کریں گے، اس وعدہ پر چند لوگوں نے عمل کیا اور بعض نے عمل نہیں کیا، بنابریں بعض مسلمانوں نے ان سے ایفائے وعدہ کا مطالبہ کیا، جس کے جواب میں نہایت خشونت و درشتی سے

Marfat.com

کہا گیا کہ اگر تمھیں ۱۴ ر سیر، خرید نا منظور ہے تو خرید و، ورنہ ہمارے باڑہ (قوم زید کی قومی تجارتی عمارت) سے باہر نکل جاؤ، اس توہین کی وجہ سے باہم سخت سب و شتم کی نوبت آئی اور قریب تھا کہ ہاتھا پائی ہو جائے، اس خیال سے کہ آئندہ مزید بدمزگی نہ ہو، سرداران قوم نے فریقین کو بعد جملہ قوم زید و جملہ فرق و اقوام اسلامیہ اطلاع دی کہ فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر آپ لوگ تشریف لاویں اور جس کی زیادتی ہو انھیں فہمائش کر کے فیما بین مسلمین صلح کرادی جائے، جس کو سب لوگوں نے بطیب خاطر منظور کیا، لیکن جب اجتماع ہوا تو تمام اقوام مسلمین نے قوم زید کے ممتاز افراد کے پاس آدمی بھیجے کہ آپ مطابق وعدہ مع اپنی قوم کے تشریف لے چلیں، جب آنے میں کافی دیر ہوگئی تو پنچوں کی طرف سے دوبارہ آدمی بلانے گیا، تو جواب دیا کہ ہماری قوم ہمارے اختیار میں نہیں ہے، پھر پنچوں نے سہ بارہ آدمی بھیجا کہ جب آپ کی قوم آپ کے اختیار میں نہیں ہے اور مسلمانوں کے مجمع میں جانا نہیں چاہتے، تو آپ میں سے صرف ایک ممتاز شخص چلے لیکن پھر بھی انکار کر دیا، اس کے بعد ہی مدرسہ مصباح العلوم کے صدر سے قوم زید کے بعض ممتاز افراد کی ملاقات ہوئی، ان سے وعدہ کیا کہ صدر صاحب آپ پنچایت چلئے، ہم لوگ بھی آتے ہیں، مگر پھر بھی ان کا کوئی فرد شریک جماعت مسلمین نہ ہوا، اس کے بعد پنچان کے سامنے یہ شہادت گذری کہ قوم زید کے بعض آدمی ہم سے کہتے تھے کہ ہماری قوم کا ایک بچہ بھی اس پنچایت میں نہیں جا سکتا، حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ جب فیما بین مسلمین قصبہ ھٰذا میں کوئی سخت ناگوار واقعہ پیش آتا ہے تو اکثر ذریعہ پنچایت مسلمین طے کیا جاتا ہے، بارہا اس سے قبل مسلمانوں کی پنچایت نے قوم زید کے معاملات کو خوش اسلوبی کے ساتھ طے کیا ہے اور باہمی نزاع کے طے کرنے کا قوم زید کے یہاں بھی یہی پنچایتی طریقہ مروج ہے، واقعات بالا سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہے کہ قوم زید نے نہایت سرکشی کی اور تمام فرق اسلامیہ و اقوام مسلمین کی مصلحانہ کوششوں کو ذلت آمیز طریقہ سے ٹھکرادیا، اور بارہا وعدہ شکنی کر کے جماعت مسلمین کی شرکت سے انکار کر دیا اور علحدگی اختیار کی جس سے تمام جماعت مسلمہ کی سخت توہین و آبرو ریزی ہے، اس کے بعد پنچان اس نتیجہ پر پہونچے کہ اگر اس سرکشی کا تدارک نہ کیا گیا اور پنچایتی اصول سے کام نہ کیا گیا، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آئندہ اسی سرکشی و تمرد میں اضافہ و ترقی ہوگی جس کا نتیجہ عام مسلمانوں کے حق میں اچھا نہ ہوگا، بنا علیہ تمام جماعت مسلمہ نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ جب قوم زید نے ہم سے کنارہ کشی اختیار کی تو ہمیں بھی لازم ہے کہ تاوقتیکہ قوم زید تمام جماعت مسلمہ سے خود اتحاد نہ پیدا کرے، اس وقت تک ہم بھی اس سے علحدہ اور دست کش رہیں، کیونکہ اب ہم کس منہ سے ان کے دروازہ پر مال خریدنے و مدرسہ کا چندہ لینے و سلام کرنے و جنازہ میں شرکت کرنے جائیں گے،

Marfat.com

اسی خیال سے اپنے مدرس کو بھی قوم زید کے مدرسہ سے ہٹا لیا گیا، اور قوم زید کے بچوں کو اپنے مدرسہ سے خارج کرنے کا حکم دیا گیا، ہمیشہ سرکش افراد کے متعلق پنچایتوں کے فیصلہ کا یہی دستور ہے، حتیٰ کہ قوم زید ملزم افراد سے جرمانہ وصول کر کے آپس میں کھاتے پیتے ہیں، اس کے بعد قوم زید کے سردار نے جماعت مسلمہ کو جمع کر کے معافی چاہی، حالانکہ وہ ابتدا نزاع سے تا فیصلہ پنچایت نہ قصبہ میں موجود تھے نہ ان کو علم تھا۔ بلکہ بعد فیصلہ پنچایت ان سب واقعات کا ان کو علم ہوا، پنچان نے آخر میں ان کو یہ جواب دیا کہ آپ کی قوم جو اس وقت پنچایت سے الگ قریب ہی بیٹھی ہوئی ہے، اگر یہ کہدے کہ آپ ان سب کی جانب سے وکیل ہیں تو معاملہ ختم کیا جاوے تو قوم زید کے سردار کے استفسار پر انھوں نے اثبات وکالت سے انکار کیا اور کہا کہ جائیے آپ مسلمانوں کے ہمراہ رہئے، ہمارا خدا حافظ ہے، لہذا معاملہ طے نہیں ہوا، اور قوم زید کے سردار کو تمام مسلمانوں نے اپنے ہمراہ لے لیا، دریافت طلب یہ امر ہے کہ جمیع فرق اسلامیہ و اقوام مسلمہ سے کنارہ کشی و قطع تعلق و علٰحدگی و عامہ مسلمین کی بلاوجہ سخت توہین اور بار بار وعدہ شکنی اور اپنی قومی تجارتی عمارت سے خارج کرنا اور ان کی بیجا حمایت میں قومی فیصلہ و عہد و پیمان کے توڑنے والے شرعاً خاطی و ظالم ہیں یا نہیں؟ اور تمام اقوام مسلم مظلوم ہیں یا نہیں؟ اور یہ فیصلہ پنچایت شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** جب کوئی شخص کسی قسم کا وعدہ کرے تو اپنے وعدہ کو پورا ہی کرنا چاہیے، خصوصاً ایسا وعدہ جس کے پورا نہ کرنے سے مسلمانوں میں اختلاف و شقاق پیدا ہوتا ہو، وعدہ کر کے اس کے خلاف کرنا ناجائز ہے، حدیث صحیح میں فرمایا، اٰیۃ المنافق ثلث اذا وعد اخلف، الخ، وعدہ کر کے اس کے خلاف کرنا مسلمانوں کا طریقہ نہیں، اور یہ بات کہ اپنے جھگڑے خود پنچایت کر کے طے کر لیتے ہیں، یہ بہت اچھا طریقہ ہے۔ قوم زید کو جب تمام جماعت مسلمین بلاتی تھی تو اسے آنا چاہئے تھا اور حق و ناحق کا فیصلہ کرنا چاہنا تھا، عامہ مسلمین سے علٰحدگی کرنا اور محض ضد و نفسانیت کو کام میں لانا مذموم طریقہ ہے، بالجملہ صورت مذکورہ میں قوم زید نے جو کچھ کیا، ان کی غلطی ضرور ہے، خصوصاً ایسے زمانہ میں کہ کفار سنگٹھن قائم کر کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کر رہے ہیں، اور مسلمانوں کو اپنی خانہ جنگی سے فرصت نہیں ملتی، اور اپنی نفسانیت میں مسلمانوں کے وقار کو کھو رہے ہیں، نہایت شدید غلطی ہے، مگر قوم زید کے لڑکوں کو مدرسہ سے خارج کر دینا یا مدرس کو ہٹا لینا یہ بھی اچھا کام نہیں، اولاً تعلیم سے روکنا کب ٹھیک ہو سکتا ہے، ثانیاً اس سے نفسانیت میں اضافہ ہوتا ہے، سربرآوردہ اشخاص کو لازم ہے کہ مصالحت کا طریقہ اختیار کریں، اور اس جھگڑے کو رفع دفع کر کے مسلمانوں میں اتحاد کرا دیں، قال اللہ تعالٰی:

Marfat.com

لا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم۔ وقال تعالیٰ۔ والصلح خیر۔ واللہ الموفق۔

**مسئلہ:** از شہر رائے پور ممالک متوسط محلہ چھوٹا پارہ متصل مسجد، مرسلہ جناب شیخ شمس الدین حنفی چشتی ۱۹ ربیع الاول

کنوارا یا رنڈوہ مرد اور کنواری یا مطلقہ یا بیوہ عورت اگر زنا کریں یا کراویں تو شریعت میں ان کے لئے کیا سزا ہے۔ اور کیا بغیر سزائے شرعی ان کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟

(۲) شادی والا مرد یا شادی والی عورت جن کا از روئے شرع نکاح ہو چکا ہے، اگر زنا کرے یا زنا کراوے تو شریعت میں ان کے لئے کیا سزا ہے۔ اور کیا بغیر سزا شرعی ان کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، عورت کہتی ہے کہ جب از روئے شرع میرا نکاح تمہارے ساتھ ہو گیا ہے۔ اور تم زنا کرتے ہو اور تم پر شرعاً سزا رجم ہے۔ اور رجم کے لگانے سے آدمی مر جاتا ہے، پھر اس کی عورت بیوہ ہو جاتی ہے اور عدت کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ اور یہ معاملہ مسلمانوں میں ثابت ہو گیا ہے کہ اس کا شوہر زنا کرتا ہے تو کیا عورت اپنے خاوند کو یہ نہ سمجھ لے کہ از روئے شریعت یہ رجم کر دیا گیا ہے اور میں بیوہ ہو گئی۔ لہٰذا اپنے خاوند سے علٰحدہ ہو کر بعد عدت کے دوسرے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے، کیا شریعت ایسی صورت میں دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی اجازت دیتی ہے؟

**الجواب:** زنا اگر ثابت ہو جائے تو اس کی سزا جلد یا رجم ہے محصن اور محصنہ کو رجم کیا جائے اور غیر محصن اور غیر محصنہ کو سو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ، وقال۔ الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما۔ اور یہ سزائیں بادشاہ اسلام دے سکتا ہے۔ آج کل جب کہ نصاریٰ کی سلطنت ہے، یہ سزا کون دے سکے۔ اس زمانہ میں مسلمان جو سزا دے سکتے ہیں، یہ ہے کہ ایسوں سے مقاطعہ کریں۔ ان سے میل جول سلام کلام ان کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیں۔

(۲) زندہ کو مردہ کیونکر فرض کیا جائے گا۔ اگر وہ شخص زانی ہے تو شریعت میں عورت کے لئے اجازت ہے کہ اس سے خلع کرائے۔ مہر یا کچھ زیادہ دے کر اس کے بدلے میں طلاق حاصل کرے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بغیر طلاق دوسرے سے نکاح کرے کہ یہ حرام قطعی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

# تمت بالخیر

Marfat.com

# فہرست مضامین فتاویٰ امجدیہ جلد ثانی


| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| **کتاب النکاح** از ص۱ تا ص۴۶ | |
| ولی کی اجازت سے مجنون کا نکاح صحیح ہے۔ | ۱ |
| نکاح خواں کا مسلمان ہونا شرط نہیں۔ کافر بھی اگر ایجاب وقبول کرادے تو نکاح ہوجائیگا۔ | ۲ |
| بالغہ پر ولایت اجبار نہیں ہے | ۳ |
| گونگا اگر لکھنا جانتا ہو تو تحریر کے ذریعہ سے اس کا نکاح ہوگا ورنہ اشارے سے۔ | ۴ |
| ہندوانی نام سے یاد کیا جانا اس کی دلیل نہیں کہ وہ عورت مشرف بہ اسلام نہ ہوئی | ۴ |
| مرد وعورت کا اس طرح رہنا جیسے میاں بیوی رہا کرتے ہیں۔ یہ بھی دلیل نکاح ہے اور ان کے نکاح پر گواہی دینا جائز ہے | ۵ |
| نکاح نامہ سے ثبوت نکاح نہیں ہوتا۔ | ۵ |
| عجم کی کفارت میں اگرچہ اسلام کا اعتبار ہے مگر صرف باپ دادا کا اسلام معتبر ہے ماں کے اصول کا مسلم ہونا شرط نہیں۔ | ۵ |
| اگر صرف یہ وعدہ کیا تھا کہ لڑکی کا نکاح کردے گا پھر اس نے دوسری جگہ نکاح کردیا تو بھی نکاح ہوا لیکن ایسا نہ چاہیئے۔ | ۶ |
| پہلی عورت کو یہ کہنا نہ چاہیئے کہ شوہر زوجہ ثانیہ کو طلاق دیدے۔ | ۷ |
| جو عورت بلا ضرورت شوہر سے طلاق لینا چاہے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ | ۷ |
| دوسرا نکاح کرلینا کوئی جرم نہیں | ۷ |
| جو شخص دو بیویوں کے حقوق پورے نہ کرسکتا ہو تو ایک کو طلاق دے سکتا ہے۔ | ۷ |
| کافرہ نے مسلمان ہونے کے تین حیض یا حیض نہ آتا ہو تو تین ماہ گذرنے کے بعد نکاح کیا تو نکاح صحیح ہے۔ | ۸ |
| جب عورت مسلمان ہوگئی تو اب اس کے کافر شوہر اول کا کچھ حق نہ رہا۔ | ۱۰ |
| اگر زید نے اپنی بیوی کو طلاق نہ دی اور عورت نے دوسرے سے نکاح کرلیا تو بدستور وہ عورت زید کی زوجہ ہے | ۱۰ |
| جو شخص جان بوجھ کر کسی باطل نکاح میں شریک ہوا وہ سخت کبیرہ کا مرتکب ہے اسے چاہیئے کہ تجدید اسلام وتجدید نکاح کرے۔ | ۱۰ |
| گونگے اور بہرے کا نکاح کس طرح کیا جائے | ۱۱ |
| نکاح کی تاریخ مقرر کرنا جائز اور دعوت ولیمہ سنت اور اس تقریب میں خویش واقارب کو دعوت دینا اور مہمانوں کو کھانا کھلانا مستحسن اور بغیر جھانجھ کا دف بجانا بھی جائز ہے۔ | ۱۱ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| دف کے علاوہ اور باجے حرام ہیں مگر اس کی وجہ سے نکاح میں خلل نہ آئے گا۔ | ۱۱ |
| کسی نے یہ وصیت کی تھی کہ میری لڑکی کی شادی فلاں سے نہ کی جائے تو یہ وصیت واجب العمل نہیں ہے | ۱۲ |
| ثبوت نکاح کے لئے گواہان عادل کا ہونا ضروری ہے۔ | ۱۳ |
| گواہی صرف وہی نہیں جو بروقت نکاح نام زد کر دئے جائیں بلکہ ہر وہ شخص عورت یا مرد جن کے سامنے اذن لیا گیا یا عقد کیا گیا ہو گواہ ہیں۔ | ۱۴ |
| عورت کے زنا کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا ہاں بہتر ہے کہ ایسی عورت کو طلاق دیدی جائے۔ | ۱۴ |
| شوہر والی عورت کی نسبت یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا حمل زنا ہی کا ہے اگرچہ اس کا شوہر تین سال سے وہاں سے غائب ہو۔ | ۱۴ |
| جب ایک جگہ ہندہ کی منگنی ہوگئی تو دوسرے کو نکاح کا پیغام دینا منوع ہے۔ | ۱۶ |
| وہ مطلقہ عورت جو حاملہ ہے اس کی عدت وضع حمل ہے | ۱۶ |
| کنیز کے احکام | ۱۷ |
| بلا وجہ شرعی عورت کو شوہر کے یہاں جانے سے روکنا اسے جانے نہ دینا ناجائز وحرام ہے | ۱۸ |
| وہ عورت جس کا نکاح اس کے باپ کے اذن پر موقوف تھا اگر باپ نے اس کو رخصت کردی تو یہ دلالۃً اذن ہے اور اس عورت کا نکاح بھی صحیح ہے۔ | ۱۸ |
| بالغہ لڑکی سے اجازت لیے بغیر باپ نے اس کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف رہے گا اور جب لڑکی نے خبر پاکر انکار کر دیا تو یہ نکاح باطل ہو گیا۔ | ۱۹ |
| کسی بیوہ کو کام کاج کے لئے رکھنے میں وقوع زنا کا اندیشہ ہو تو ہرگز اس کو اپنے مکان میں نہ رکھے۔ | ۲۰ |
| شادی کے موقعہ پر خدمت گذار قوم کو انعام دینا جائز ہے۔ | ۲۰ |
| عورت بالغہ ہے تو ولی کی کچھ حاجت نہیں۔ بالغہ کا نکاح خود اسی کے اذن سے ہوگا۔ | ۲۰ |
| خلوت صحیحہ یعنی زن وشوہر ایک جگہ تنہا جمع ہوئے ہوں اور وطی سے کوئی مانع حسی طبعی شرعی نہ ہو۔ اگرچہ وطی نہ ہوئی ہو۔ عدت واجب ہے۔ | ۲۰ |
| خلوت فاسدہ میں بھی عدت واجب ہوتی ہے۔ | ۲۰ |
| روافض زمانہ جو سب شیخین وغیرہ کرتے ہیں ان سے نکاح باطل محض و زنائے خالص ہے۔ | ۲۱ |
| حقیقۃً بکر وہ ہے جس سے اب تک جماع نہ کیا گیا ہو خون کے آنے نہ آنے پر بکارت کا مدار نہیں ہے۔ | ۲۱ |
| زنا کی وجہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا ہے | ۲۱ |
| نکاح کا انعقاد ایجاب وقبول سے ہوتا ہے خواہ دونوں ماضی ہوں یا ان میں ایک ماضی ہو دوسرا حال یا استقبال ہو۔ | ۲۲ |
| نکاح کے لئے دو آزاد مکلف | |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا اور ان کا سننا شرط ہے تنہائی میں نکاح نہیں ورنہ امان اٹھ جائے گا۔ | ۲۲ |
| جو نکاح اللہ و رسول کو گواہ کرکے کیا گیا وہ نکاح صحیح نہیں کیونکہ حکم باعتبار ظاہر ہوتا ہے۔ | ۲۲ |
| دوسری کی منگنی پر پیغام دینا جفا و خیانت ہے | ۲۳ |
| بیوہ کا نکاح جائز ہے صرف زمانہ عدت تک ٹھہرنا فرض ہے اس کے بعد جب چاہے نکاح کرلے | ۲۳ |
| شوہر کا اٹھارہ برس باہر رہنے سے نکاح نہیں ٹوٹے گا۔ | ۲۴ |
| اگر عورت و مرد باہم خود ہی ایجاب و قبول کرلیں تو نکاح پڑھانے والے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ | ۲۴ |
| ایسے شروط جو قبل نکاح ہوں نکاح میں موثر نہیں۔ ہاں اگر شرط عقد میں مذکور ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر نکاح کو شرط پر معلق کیا ہو تو نکاح صحیح نہیں اور اگر بطور تعلیق نہ ہو محض شرط کے ساتھ اقتران ہو نکاح صحیح ہے۔ | ۲۴ |
| شاہدوں کے روبرو ناکح نے اس طرح ایجاب و قبول کیا اور میں اپنی وکالت سے فلاں کی لڑکی فلانہ کو ایک سو روپیہ مہر کے عوض تیرے ساتھ نکاح کردیا"، ناکح نے قبول کیا"، تو نکاح صحیح ہے۔ | ۲۵ |
| مہر ایک طرح کا عوض ہے۔ | ۲۵ |
| نکاح کے لئے اعلان ضروری ہے اور یہ گواہوں سے ہوتا ہے | ۲۵ |
| یہاں اگر کوئی مسلم بلا اطلاع شوہر مشرکہ کو مسلمان کرکے تین حیض گذارنے کے بعد اس سے نکاح کرے تو صحیح ہے۔ عرض اسلام کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ | ۲۵ |
| نکاح کے لئے عرض اسلام کی ضرورت صرف دار الاسلام کے لئے ہے جہاں قاضی موجود ہو اور دار الحرب اور وہ جگہ جہاں قضاۃ نہ ہوں عرض کی حاجت نہیں۔ | ۲۵ |
| اگر عورت نے اذن طلب کرنے پر اجازت دیدی یا خبر سن کر اسے منظور کرلیا تو نکاح ہوگیا اگرچہ دل میں راضی نہ تھی۔ | ۲۷ |
| اگر لڑکی کا ولی اقرب یا اس کا وکیل یا قاصد اذن کے لئے گیا تو لڑکی کا چپ رہنا یا ہنسنا یا مسکرانا یا بغیر آواز کے رونا بھی اذن ہے۔ | ۲۷ |
| اگر نابالغ نے اپنے والد کی اجازت سے قبول کیا تو نکاح ہوجائے گا۔ | ۲۷ |
| نابالغ کے نکاح کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ باپ کہے میں نے اپنے فلاں لڑکے یا اس لڑکے کے لئے قبول کیا۔ | ۲۷ |
| نکاح کے بعد شوہر سے پردہ کے کوئی معنی نہیں۔ | ۲۸ |
| جو مہتر مسلمان ہو اگر اس سے نکاح کو لوگ ناجائز قرار دیتے ہیں تو یہ اسلام کے خلاف ہے۔ | ۲۸ |
| مجنون اپنی زوجہ کو نہ خود طلاق دے سکتا ہے نہ اس کی طرف سے کوئی دوسرا دے سکتا ہے بلکہ قاضی بھی تفریق نہیں کرسکتا۔ عورت کو صبر کرنا | ۲۸ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| چاہیئے۔ | |
| اگر نکاح کے بعد شوہر اہل قرآن ہوگیا تو لڑکی کو اختیار ہے جہاں چاہے دوسرا نکاح کرے۔ پھر اگر خلوت نہ ہوئی ہو تو عدت نہیں اور وقت نکاح زید کے یہی عقائد تھے تو یہ نکاح باطل ہے اور نکاح باطل میں عدت نہیں۔ | ٣١ |
| ایک پشاوری مفتی سے سوال وجواب۔ | ٣١ |
| زنا کرانے سے عورت نکاح سے باہر نہیں ہوئی گنہگار بیشک ہوئی اور سخت گنہگار ہوئی۔ | ٣٤ |
| عورت کو معلق رکھنا حرام ہے۔ شوہر کو چاہیئے کہ اپنی عورت کو اپنے یہاں رکھے اور نان ونفقہ دے یا طلاق دیدے۔ | ٣٥ |
| ولایت اجبار کہ بغیر اجازت ولی نکاح نہ ہو یہ صرف نابالغ یا مجنون پر ہے۔ | ٣٥ |
| اگرچہ قبل نکاح عورت سے اجازت نہیں لی گئی مگر بعد نکاح | |
| عورت کا ایسا فعل کرنا جس سے اجازت سمجھی جائے ایسے نکاح کو جائز کردیتا ہے مثلاً عورت کا رخصت ہوکر شوہر کے یہاں چلا آنا۔ | ٣٦ |
| صغیرین کا نکاح نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ مباح ہے۔ | ٣٧ |
| اگر باپ اپنی بیٹی کے نکاح میں موجود نہ تھا اور انکار کرکے چلا گیا تھا۔ اس کی غیبت میں اس کے بھائی نے نکاح پڑھوا دیا تو یہ نکاح نکاح فضولی ہے۔ | ٣٩ |
| معاذ اللہ کسی نے محرم کے ساتھ نکاح کیا تو اس میں شریک ہونا حرام ہے اور اگر باوجود علم کوئی شریک ہوا تو توبہ اور تجدید نکاح کرنا چاہیئے۔ | ٤١ |
| ایسے شخص سے نکاح نہیں پڑھوانا چاہیئے جو حلال وحرام کی تمیز نہ رکھے | ٤١ |
| اگر ولی نے نکاح فضولی کو نہ جائز کیا ہے نہ رد کیا ہے۔ یہاں تک کہ لڑکی بالغ ہوگئی تو اب خود اس لڑکی کی اجازت پر یہ نکاح موقوف ہوجائے گا۔ | ٤١ |
| عرض اسلام قاضی کا کام ہے یہاں یہ چیز ناممکن سی ہے۔ ایسی جگہ کے لئے حکم یہ ہے کہ عورت مشرف باسلام ہو تو جب تک تین حیض نہ گذار لیں فرقت نہیں ہوگی۔ یا غیر حائض کے لئے جب تک تین ماہ نہ گذر جائے۔ | ٤٢ |
| نکاح کی خبر پانے کے بعد ہندہ نے ناراضی کا اظہار کردیا تو وہ نکاح جاتا رہا۔ اس کے بعد برابر مہینوں برسوں تک رضامند رہی تو یہ رضامندی بیکار ہے کہ نکاح باطل ایسا رضامندی سے عود نہیں کرتا۔ | ٤٣ |
| نکاح کا پیغام دینے والا کفو سے ہے تو نکاح کو مؤخر کرنا اچھا نہیں ہے۔ حدیث میں فرمایا کہ تین چیزوں میں تاخیر نہ کی جائے اس میں سے ایک یہ بھی ہے۔ | ٤٤ |
| ایسا شخص جس کا عضو تناسل | |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| جس سے کٹا ہوا ہے اس کا نکاح اگرچہ لاعلمی میں ہوا ہو صحیح ہے ہاں اگر عورت کو قبل نکاح اس کا علم نہ ہو تو جب اسے معلوم ہو قاضی کے پاس دعویٰ کر کے تفریق کرا سکتی ہے۔ | ۴۴ |
| اگر منکوحہ نے رانڈ ہونا ظاہر کر کے نکاح کیا تو قاضی و گواہ و حاضرین مجلس و ناکح بری ہیں البتہ عورت سخت گنہگار ہوئی اور مرد کو علم کے بعد قطع تعلق فرض ہے | ۴۴ |
| بیوہ غیر حاملہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اندرون عدت نکاح تو نکاح کا پیغام بھی دینا حرام ہے۔ | ۴۵ |
| وہ گواہ جس کی شہادت پر معاملہ کا ثبوت ہو اور وہ گواہی نہ دے تو اس سے نکاح نہ پڑھوائیں۔ | ۴۶ |
| ایسا نکاح جس کا عدم جواز ہونا لوگوں کو معلوم ہے تو ایسی صورت میں فتویٰ کے انتظار کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ | ۴۶ |

## باب المحرمات
از صـ ۴۶ تا صـ ۹۰

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| ممسوسہ بشہوت حکم میں موطوءہ کے ہے اور موطوءہ کی بیٹی واطی پر حرام ہے۔ | ۴۶ |
| اگر کسی نے اپنی عورت کو طلاق دی اور اس عورت کو دودھ ہے پھر بعد عدت اس نے دوسرے شخص سے نکاح کیا پھر کسی بچہ کو دودھ پلا دیا تو عورت کا پہلا شوہر بچہ کا رضاعی باپ ہوگا نہ کہ دوسرا ہاں یہ عورت اگر زمانہ حمل میں دودھ پلائے تو اس میں اختلاف ہے۔ | ۴۷ |
| اگر ہندہ کا دودھ زید سے ہے تو اب اس کی رضاعی لڑکی زید کے بیٹے پر حرام ہے یا نہیں اس میں دو روایتیں ہیں۔ | ۴۸ |
| علامہ شامی کے ایک قول کی تنقیح | ۵۱ |
| بیوہ کی جب تک عدت پوری نہ ہو نکاح نہیں ہو سکتا اگر حمل ہو تو بچہ پیدا ہونے کے بعد ورنہ چار مہینے دس دن گذرنے کے بعد نکاح کر سکتی ہے | ۵۲ |
| امام بخش کا نکاح حالت صغر میں زینب بالغہ کے ساتھ کر دیا گیا اللہ بخش نے امام بخش کو راضی کر کے خود اپنا نکاح زینب کے ساتھ کر لیا تو یہ نکاح صحیح نہیں ہے۔ | ۵۳ |
| عدت کے اندر نکاح نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں کو معلوم تھا کہ ابھی عدت پوری نہیں ہوئی اور نکاح میں شریک ہوئے تو سب پر توبہ فرض ہے۔ | ۵۴ |
| اگر زید نے اپنی عورت کو طلاق نہیں دی تو وہ بدستور زید کی زوجہ ہے اگرچہ پچیس سال کا عرصہ کیوں نہ گذر گیا ہو | ۵۵ |
| جس عورت کو زنا کا حمل ہے اس سے نکاح ہو سکتا ہے پھر اگر وہ حمل اس ناکح کا ہے تو وطی بھی جائز ورنہ جب تک وضع حمل نہ ہو وطی و دواعی وطی حرام۔ | ۵۵ |
| حیض یا نفاس میں نکاح صحیح | |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
| --- | --- |
| ہے مگر جب تک پاک نہ ہووے جماع حرام ہے۔ | ۵۵ |
| کسی شخص کا نکاح بیوہ سے ہوا اس عورت کے پاس اگلے مرد سے ایک لڑکا ہے اور اس شخص کی پہلی عورت سے ایک لڑکی ہے تو دونوں میں باہم نکاح ہو سکتا ہے۔ | ۵۵ |
| جو شخص وہابیہ کے کفریہ عقائد رکھتا ہے یا ایسے کو اپنا پیشوا یا کم از کم مسلمان جانتا ہے تو وہ کافر و مرتد ہے اور مرتد سے نکاح درست نہیں۔ | ۵۶ |
| جب عورت مسلمان ہوگئی اور اس سے نکاح بھی کر لیا گیا تو اب ترک تعلق کی کوئی وجہ نہیں ہاں اگر ناکح نے اس سے زنا کیا ہے تو توبہ کرے۔ | ۵۷ |
| روافض زمانہ بوجوہ کثیرہ کافر و مرتد ہیں سنیہ سے ہرگز کسی رافضی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ | ۵۷ |
| بیک وقت زید اپنے نکاح میں دو چچا کی لڑکی کو رکھ سکتا ہے۔ | ۵۷ |
| اگر ہندہ کے عصبات میں کوئی بالغ نہیں ہے تو ولایت نکاح ماں کو حاصل ہے اور ماں کا کیا ہوا نکاح صحیح ہے | ۵۸ |
| زید ایک ایسی عورت سے نکاح کیا جس کے ہمراہ ایک لڑکی تھی بعدہ زید کو اس عورت منکوحہ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ زید نے اس لڑکی کا نکاح اپنے نواسے سے جو زید کی بھتیجی کا لڑکا تھا کر دیا نواب زید کے اس نواسہ کے والد کا نکاح اس لڑکی سے جائز ہے جو منکوحہ کے ساتھ آئی تھی۔ | ۵۸ |
| ایسی عورت جس کا شوہر زندہ ہے اور طلاق نہیں ہوئی ہے نکاح درست نہیں ہے۔ | ۵۸ |
| زید کی اولاد اگر ولد الزنا ہے تو اس پر کچھ الزام نہیں جو کچھ الزام ہے وہ زید پر ہے۔ | ۵۹ |
| سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ | ۵۹ |
| لڑکے کی سالی سے نکاح جائز ہے | ۵۹ |
| لڑکے کی زوجہ کو اگر شہوت کے ساتھ چھوا تو وہ عورت اب لڑکے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔ | ۵۹ |
| متبنیٰ سے بھی پردہ شرعاً لازم ہے کہ یہ بیٹے کے حکم میں نہیں ہے۔ | ۶۰ |
| کچھ لوگ رات میں جا کر ایک عورت کو لے آئے اور اس کا نکاح بلا طلاق ایک شخص سے کر دیا تو یہ باطل محض ہے اور ایسا کرنے والے نہایت سخت فساق و فجار ہیں۔ | ۶۰ |
| جب تک بہن بہنوئی کے نکاح میں ہے اس سے کسی دوسری بہن کا نکاح حرام ہے۔ | ۶۱ |
| زید و عمرو آپس میں باپ بیٹے ہیں۔ اور یہ دونوں دو حقیقی بہنوں سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو یہ دونوں نکاح جائز ہیں۔ | ۶۱ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| زوجہ کے انتقال کے بعد اس کی خالہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ حقیقی خالہ ہو۔ | ۶۲ |
| زوجہ کی موجودگی میں اس کی خالہ سے نکاح باطل محض ہے | ۶۲ |
| رحمت اللہ کا نکاح حمیدن کے ساتھ جائز ہے اگرچہ ناجائز تعلق تھا اور معاذ اللہ قبل نکاح زنا واقع ہو گیا ہو بشرطیکہ کوئی امر دیگر مانع نہ ہو۔ | ۶۳ |
| طلاق کی عدت تین ماہ دس دن نہیں بلکہ عورت حیض والی نہ ہو تو تین ماہ اور حیض والی ہو تو تین حیض خواہ یہ تین ماہ یا کم میں پوری ہوں یا تین برس میں اور اس کی تصدیق عورت کے بیان سے ہو گی۔ | ۶۴ |
| زید نے اپنی لڑکی کی شادی عمرو سے کر دی چار سال رہنے کے بعد عمرو پردیس چلا گیا۔ یہ ضرور معلوم رہا کہ عمرو فلاں شہر میں ہے عمرو کا خسر مجبور ہو کر چھ ماہ بعد دوسری جگہ شادی کر دی تو یہ نکاح فاسد ہے۔ | ۶۵ |
| اگر زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ حاملہ تھی تو اگر یہ حمل شوہر کا تھا جس نے اسے طلاق دی یا مر گیا تو نکاح صحیح نہ ہوا اور اگر معاذ اللہ زنا کا حمل تھا تو نکاح ہو گیا مگر جب تک وضع حمل نہ ہو قربت جائز نہیں۔ | ۶۵ |
| عدت کے اندر نکاح باطل محض ہے اور اگر طلاق اکراہ و زبردستی سے لی گئی اور شوہر نے زبان سے طلاق نہ دی صرف لکھ دیا تو طلاق بھی نہ ہوئی۔ | ۶۶ |
| اگرچہ منکوحہ کا غیر شخص سے تعلق ہو گیا اور منکوحہ اس کے ساتھ رہنے بھی لگی لیکن اگر شوہر نے طلاق دیدی تو اس غیر شخص سے نکاح درست ہے اگرچہ منکوحہ نے عدت غیر شخص ہی کے یہاں کیوں نہ گذاری ہو لیکن ایسا کرنا حرام ہے۔ | ۶۷ |
| ایسی بیوہ عورت سے نکاح جو حاملہ ہو باطل ہے۔ | ۶۷ |
| ہمارے نزدیک اکثر مدت حمل دو سال ہے۔ | ۶۷ |
| جبکہ حمل زنا کا ہو تو اس حالت میں نکاح جائز ہے۔ اور خود اس زانی سے نکاح ہوا تو یہ اسی حالت میں صحبت بھی کر سکتا ہے۔ | ۶۸ |
| زید رات کو اپنی بیوی کے دھوکے میں خوش دامن کے پاس چلا گیا تو بیوی حرام ہو گئی | ۶۸ |
| زید رات کو اپنی بیوی کے دھوکے میں اپنی لڑکی کے پاس چلا گیا تو بیوی حرام ہو گئی۔ | ۶۸ |
| زید اگر اپنی ربیبہ کے ساتھ زنا کیا تو اس کی ماں زید پر حرام ہو گئی لیکن ربیبہ کی لڑکی زید کے لڑکے پر حرام نہ ہو گی۔ | ۶۹ |
| اس زمانہ کے نصاریٰ اب اس قسم کے نہیں ہیں جو زمانہ سابق میں تھے آج کل تو بالکل دہریہ و نیچریہ | ۶۹ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| ہیں لہٰذا ان کے وہ احکام نہیں جو نصاریٰ کے تھے کہ مسلمان کا نکاح نصرانیہ سے ہو جائے اور ان کا ذبیحہ جائز ہو۔ | |
| لڑکے پر باپ کی موطوءہ حرام ہے۔ | ۷۰ |
| لڑکے سے باپ کی موطوءہ کی بہن کا نکاح ہو سکتا ہے۔ | ۷۰ |
| نظر بشہوت سے حرمت مصاہرت اس وقت ہوتی ہے جبکہ نظر فرج داخل کی طرف ہو۔ | ۷۱ |
| عمرو نے جب اپنی سوتیلی ماں ہندہ سے زنا کیا تو ہندہ عمرو کے باپ پر حرام ہو گئی نہ اس کا نکاح عمرو سے ہو سکتا ہے نہ عمرو کے باپ سے | ۷۱ |
| دو حقیقی بہنیں ہیں ایک سے باپ نے نکاح کیا دوسری سے بیٹے نے تو یہ دونوں نکاح صحیح ہیں | ۷۱ |
| سوتیلی خالہ کا اطلاق اور اس کا حکم۔ | ۷۱ |
| ماموں کے مرنے یا طلاق دینے اور عدت گذارنے کے بعد ممانی | ۷۲ |
| سے نکاح جائز ہے۔ | |
| زید نے اپنی سالی سے زنا کیا تو اس کا نکاح نہیں ٹوٹے گا لیکن یہ فعل سخت حرام ہے۔ | ۷۲ |
| زنا سے صرف چار حرمتیں ثابت ہوتی ہیں۔ | ۷۲ |
| سنیہ کا نکاح رافضی سے نہیں ہو سکتا۔ | ۷۳ |
| جب ربیعہ بکر کے نکاح میں ہے تو اس کی بہن سکینہ کے ساتھ ہرگز بکر کا نکاح نہیں ہو سکتا کہ جمع بین الاختین حرام ہے۔ | ۷۳ |
| بلا شبہ قادیانی کا نکاح کسی مسلمہ سے نہیں ہو سکتا۔ جو شخص نکاح کرائے گا سخت کبیرہ شدیدہ کا مرتکب اور زنا کا دلال ہو گا۔ | ۷۴ |
| زید کا لڑکا عمرو کا نکاح جو صالحہ سے ہے زید کی دوسری بیوی معینہ کی بہن سلیمہ سے جائز ہے اگرچہ عرف میں اس کو بھی خالہ کہتے ہیں۔ | ۷۵ |
| اگر عورت سے اولاد نہیں ہوتی | |
| ہے تو اس کو طلاق دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کسی دوسری عورت سے نکاح کرے۔ | ۷۵ |
| بیوی جب مطلقہ ہو تو اس کو عدت کے بعد اپنے مکان میں رکھنا مظنۂ فتنہ ہے لہٰذا اس سے اجتناب چاہئے۔ | ۷۵ |
| اگر ہندہ کی پھوپھی زید کے نکاح میں موجود ہے تو اگرچہ ہندہ کا شوہر اس کو طلاق دیدے ہندہ کا نکاح زید سے نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر ہندہ کی پھوپھی زید کے نکاح یا عدت میں نہ ہو تو بعد طلاق و عدت ہندہ کا نکاح زید سے ہو سکتا ہے۔ | ۷۶ |
| بکر کے لڑکے کا زید کی ربیبہ کی لڑکی سے اور بکر کی لڑکی کا زید کی ربیبہ کے لڑکے سے نکاح ہو سکتا ہے۔ | ۷۷ |
| جب زید اپنی بیوی سے باپ کے زنا کا اقرار کرتا ہے تو اب زید کی بیوی اس پر حرام ہو گئی۔ | ۷۷ |
| جب زید کی بیوی سے اس کے باپ نے زنا کیا تو زید کے ساتھ مقاطعہ کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ | ۷۷ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| اگر عورت بوقت نکاح زنا سے حاملہ تھی جب بھی نکاح درست ہے | ۷۸ |
| جس عورت کی پھوپھی یا خالہ نکاح میں ہے اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ | ۷۸ |
| خالہ صرف اسی کو نہیں کہتے ہیں کہ اس کی ماں اور وہ دونوں ایک ماں باپ سے ہوں۔ بلکہ اس کی تین صورتیں ہیں۔ دونوں ایک ماں باپ سے ہوں یا صرف باپ ایک ہو مائیں دو۔ یا ماں ایک ہو باپ دو۔ | ۷۹ |
| صورت مسئولہ میں فاطمہ کی نانی اس لڑکے کی سوتیلی بہن ہوئی لہذا باہم نکاح حرام ہے۔ | ۷۹ |
| ہمارے مذہب میں جنون کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا عورت صبر کرے ہاں قاضی غیر حنفی جس کا مذہب یہ ہو کہ ایسی صورت میں نکاح فسخ ہو سکتا ہے وہ اگر نکاح فسخ کر دے تو فسخ ہو جائے گا۔ | ۷۹ |
| محشی کی تحقیق | ۸۰ |
| شوہر والی عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جسے علماء سے پوچھنے کی ضرورت ہو مسلمان کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ | ۸۱ |
| بہار شریعت کے ایک مسئلہ کی تنقیح | ۸۲ |
| زید پر لازم ہے کہ اپنی بیوی زینب کو اچھی طرح رکھے یا طلاق دے یہ صورت کہ نہ رکھتا ہے نہ طلاق دیتا ہے اور خواہ مخواہ اسے پریشان کرتا ہے ناجائز و حرام ہے۔ | ۸۳ |
| زید جب مرتد ہو گیا اس کا نکاح باطل ہو گیا اب ہندہ مسلمہ پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ | ۸۴ |
| جب زید غیر مقلد ہے تو ہندہ کا اس سے نکاح کرنا ہرگز درست نہیں اگر منگنی کر دی ہے تو بھی اس کو توڑ دینا ضروری ہے۔ | ۸۴ |
| جب زید نے زینب کو طلاق دینے اور اس کی عدت گذرنے کے بعد اس کی بہن کلثوم سے نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح ہے اور اس کی لڑکی زبیدہ سے نکاح جائز و درست ہے | ۸۵ |
| ناجائز اولاد سے نکاح درست ہے | ۸۵ |
| جب تک عورت کو شوہر طلاق نہ دے اس سے نکاح حرام قطعی ہے جو اس کو جائز کہے کافر ہے۔ | ۸۵ |
| نکاح کو شرع نے حل بضعہ کیلئے وضع کیا ہے۔ | ۸۵ |
| زید اگر اپنی بیوی کو میکے میں چھوڑ دے اور خرچ وغیرہ نہ دے تو اس سے نکاح نہیں ٹوٹتا اگرچہ زید نے تین سال تک ایسا کیا ہو۔ | ۸۵ |
| جن لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ عورت منکوحہ ہے اور باوجود علم اس جدید نکاح کے گواہ بنے یا نکاح پڑھایا ان سب پر توبہ لازم ہے اور بعد توبہ یہ لوگ اپنے اپنے نکاحوں کی تجدید کریں | ۸۶ |
| اگر زبیدہ کے مرنے سے دو سال کے اندر اس کی عورت کو بچہ پیدا ہوا ہے تو یہ حمل زید کا قرار پائے گا اور زمانہ حمل میں نکاح صحیح نہ ہوگا کہ اس صورت میں اس کی عدت وضع حمل ہے اور معتدہ سے نکاح صحیح نہیں۔ | ۸۶ |
| جوہرہ نیرہ کی ایک عبارت کی تنقیح | ۸۷ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| کسی اجنبیہ کا بوسہ لینے کی صورت میں اگر معلوم ہے کہ شہوت نہیں ہوئی جب تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ورنہ حرمت ثابت ہوجائیگی | ۸۸ |
| جب عورت مرد کو اپنا شوہر بتاتی ہے اور مرد بھی اس کو اپنی منکوحہ کہتا ہے اور وہاں کے لوگوں کے علم میں بھی یہ بات ہے تو فقط اتنی بات سے کہ نکاح خواں نے یہ کہہ دیا کہ مجھے تمام معلوم نہیں۔ نکاح کو فاسد بتانا غلط ہے۔ | ۸۹ |
| جس عورت سے نکاح کیا اور دخول بھی کر چکا اس کی لڑکی ہر حال میں شوہر پر حرام ہے۔ | ۸۹ |
| زوجہ کے لڑکے کی بیوی طلاق کے بعد اس زوجہ کے شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے۔ | ۸۹ |
| انبیاء علیہم السلام کے نکاح میں کافرہ عورتیں بھی تھیں۔ | ۸۹ |
| اگلی شریعتوں میں کافرہ سے نکاح کرنا جائز تھا۔ | ۸۹ |
| بہن کی پوتی سے نکاح حرام ہے | ۹۰ |
| **فصل فی مفقود الخبر** | |
| از ص۹۰ تا ص۹۲ | |
| اگر ثقہ نے شوہر کی موت کی خبر دی اور عورت کو اس خبر کی سچائی کا غالب گمان ہو گیا تو موت کی عدت گذارنے کے بعد اب وہ عورت نکاح کر سکتی ہے۔ | ۹۰ |
| صورت مسئولہ میں مقبول احمد مفقود الخبر کی عمر سے جب تک ستر سال نہ گذرلیں وہ احیاء کے حکم میں ہے اور اس کی عورت کو حکم ہے کہ صبر کرے۔ | ۹۱ |
| زن مفقود کے بارے میں امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ جب تک شوہر کی عمر ستر برس کی نہ ہو اس وقت تک موت کا حکم نہ دیں گے نہ اس کی عورت کو نکاح کرنا جائز | ۹۱ |
| محشی کی تحقیق | ۹۱ |
| **باب الرضاعۃ** | |
| از ص۹۲ تا ص۱۰۱ | |
| ثبوت رضاعت کے لئے یہ شرط نہیں کہ ایک ساتھ ایک زمانہ میں دونوں دودھ پئیں اور نہ یہ شرط ہے کہ مرضعہ اپنے شوہر یا بچہ کے والدین سے اجازت حاصل کرے۔ | ۹۲ |
| جو عورتیں نسب سے حرام ہیں وہ رضاع سے بھی حرام ہیں۔ | ۹۲ |
| ثبوت رضاعت کے لئے پانچ منٹ تو بہت ہے صرف ایک مرتبہ چوسنے سے بھی رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔ | ۹۳ |
| ثبوت رضاعت کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جس بچے کے پیدا ہونے کے بعد دودھ پیا صرف اسی سے رضاعت ثابت ہو | ۹۳ |
| اگر شوہر ہندہ نے رضاعت کا اقرار کیا اور اس پر ثابت رہا مثلاً یہ کہا کہ بلاشبہ یا بے شک رابعہ نے میری زوجہ کا دودھ پیا یا یہ کہا کہ یہ بات صحیح یا درست ہے یا سچ ہے تو اب اس اقرار سے وہ پھر نہیں سکتا اور رابعہ سے | ۹۳ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| اس کا نکاح ناجائز ہوگا اور اگر اقرار نہ کیا یا اقرار کیا مگر ثابت نہ رہا تو اس نکاح سے بچنا بہتر ہے جبکہ والدہ ہندہ دودھ پینے کی شہادت دیتی ہو۔ | ۹۳ |
| رضاعت کا ثبوت اقرار سے ہوگا یا گواہان شرعیہ سے۔ | ۹۴ |
| فتاویٰ خانیہ کی ایک روایت | ۹۵ |
| زید کی حقیقی بہن نے اپنے سنجھلے لڑکے کا دودھ زید کی بڑی لڑکی کو پلایا تو وہ لڑکی اس کی بیٹی اور اس کے تمام لڑکوں کی بہن ہوگئی لہذا اب اس لڑکی کا زید کی بہن کے کسی لڑکے سے نکاح درست نہیں ہے۔ | ۹۵ |
| عورت کا دودھ پینے کے لئے صرف زمانہ شیرخواری ہے اس زمانہ کے بعد ناجائز وحرام ہے اگرچہ ماں اپنے بچے کو دودھ پلائے۔ | ۹۶ |
| شوہر کو اپنی عورت کا دودھ پینا ناجائز ہے۔ اگرچہ جب شوہر کی عمر ڈھائی برس سے زیادہ کی ہو | ۹۶ |
| تو رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ اگر ہندہ نے زید کی ماں کا دودھ پیا ہے تو اس کی تمام اولاد میں ہندہ کے بھائی بہن ہیں اور اگر زید نے ہندہ کی ماں کا یا دونوں نے کسی تیسری عورت کا دودھ پیا ہے تو ہندہ زید پر حرام ہے اس کے بھائیوں سے نکاح ہو سکتا ہے۔ | ۹۶ |
| اگر لڑکے کی ماں کو علم ہوا کہ لڑکی نے دودھ پی لیا تو یہ لڑکی اس عورت کے تمام لڑکوں پر حرام ہوگئی اگرچہ لڑکی کو اس سے قبل دودھ چھڑا دیا گیا ہو بشرطیکہ اس کی عمر اس وقت ڈھائی سال کے اندر اندر ہو۔ | ۹۶ |
| رضاعت کے لئے صرف پستان منہ میں لینا کافی نہیں بلکہ دودھ پینا ضروری ہے۔ | ۹۷ |
| دودھ پینے میں اگر شک ہو تو رضاعت نہیں ثابت ہوگی۔ | ۹۷ |
| بچہ جب کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس عورت کی کسی اولاد سے اس بچہ کا عقد نہیں ہو سکتا کیونکہ دودھ خون سے بنتا ہے لہذا دونوں میں شرکت ہوگئی اور بھائی کے بیٹے یا بہن کی بیٹی یا اس کے عکس میں خود ان لڑکوں لڑکیوں میں خون کی شرکت نہیں بلکہ ان کے والد و والدہ میں ہے۔ | ۹۷ |
| دوا میں عورت کا دودھ ملا کر بچہ کو پلایا تو اس کی تین صورتیں ہیں۔ | ۹۷ |
| رضاعت کی مدت ڈھائی سال ہے اور اس مدت کے بعد کسی عورت کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اگرچہ دودھ پینا ناجائز ہے۔ | ۹۸ |
| شوہر نے اپنی منکوحہ عورت کا دودھ پیا تو نکاح نہیں ٹوٹا اگر عورت اجنبیہ ہے تو نکاح بھی ہو سکتا ہے۔ | ۹۸ |
| جس طرح نسبی بہن کی لڑکی سے | |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی بہن کی لڑکی سے بھی نکاح حرام ہے | ۹۸ |
| عورت اگرچہ سنی صحیح العقیدہ نہیں ہے مگر اس نے جب کسی بچہ کو دودھ پلادی ہے تو اس کا احسان ماننا چاہئے۔ یہ بھی رضاعی ماں ہے۔ | ۹۹ |
| رضاعی بہن یا بھائی صرف وہی نہیں جس کے ساتھ دودھ پیا بلکہ مرضعہ اور مرضعہ کے شوہر جس کا یہ دودھ ہے اس کی تمام اولادیں اگرچہ دوسری عورت سے ہوں وہ بھی اس کے بھائی بہن ہیں۔ | ۹۹ |
| اگر گواہوں سے زید و ہندہ کے درمیان رضاعت ثابت ہے تو زید کی والدہ کا انکار کرنا یا قسم کھانا کوئی چیز نہیں ہے۔ | ۱۰۰ |
| خالی پستان بغیر دودھ کے چوسنے سے رضاعت نہیں ہوتی بلکہ دودھ پینے سے ہوتی ہے۔ | ۱۰۱ |
| اگر عورت نے لڑکی کے منھ میں پستان دیا اور اس کو یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ لڑکی نے دودھ پیا یا نہیں یعنی اس میں شک ہے تو رضاعت و حرمت کا حکم نہیں دیا جا سکتا ہاں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اجتناب کیا جائے۔ | ۱۰۱ |
| **باب الولی** | |
| از صفحہ ۱۰۲ تا صفحہ ۱۳۰ | |
| بھائی کی موجودگی میں ماں کو لڑکی کے نکاح کرنے کی ولایت نہیں ہے۔ اگر کر دیا تو یہ نکاح فضولی ہوا۔ بھائی کی اجازت پر موقوف رہے گا اور اگر کچھ نہ کہا یہاں تک کہ لڑکی جوان ہو گئی تو اب اس لڑکی کی اجازت پر یہ نکاح موقوف رہے گا۔ | ۱۰۲ |
| نو سال کی ایک لڑکی ہے اور اس کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے صرف ایک نانی اور ایک باپ ہے تو اب حق پرورش باپ کو ہے نہ کہ نانی کو۔ | ۱۰۳ |
| ماں۔ دادی اور نانی کو حق پرورش اس وقت تک حاصل ہے جب تک لڑکی مشتہاۃ نہ ہوئی ہو جس کی مقدار نو سال کی عمر ہے۔ | ۱۰۳ |
| نابالغہ لڑکی کی ولایت باپ کے ہوتے ہوئے دادا کو بھی نہیں ہے چہ جائیکہ نانی کو ہو جائے۔ | ۱۰۳ |
| نابالغ کے مال کا ولی باپ ہے وہ نہ ہو تو اس کا وصی وہ بھی نہ ہو تو دادا اس کے بعد دادا کا وصی اس کے بعد قاضی اور اس کا نائب۔ | ۱۰۴ |
| نابالغہ کو خیار بلوغ حاصل ہے کہ بالغ ہوتے ہی بلا توقف اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ | ۱۰۵ |
| متبنّٰی ہونا شرعاً کوئی رشتہ نہیں ہے۔ | ۱۰۵ |
| صورت مسئولہ میں اگر واقعی لڑکی کا نکاح نہیں ہوا ہے جیسا کہ صورت واقعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے تو اب اس لڑکی کا نکاح کر سکتے ہیں۔ | ۱۰۵ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| عاقلہ بالغہ اپنا نکاح بغیر ولی کی اجازت کے کفو سے کرسکتی ہے اولیاء کو نہ حق منع ہے نہ حق فسخ داعتراض۔ | ۱۰۶ |
| اگر غیر کفو سے عورت نے نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح نہیں ہے۔ | ۱۰۶ |
| کفو کی تعریف | ۱۰۶ |
| لڑکی کم سے کم نو برس اور زیادہ سے زیادہ پندرہ برس کی عمر میں بالغ ہوتی ہے۔ | ۱۰۶ |
| ہندہ نابالغہ کا نکاح اس کی ماں اور بھائی کی موجودگی میں اس کے بہنوئی نے کردیا۔ تو جب بھائی کو اس نکاح کی خبر ہوئی اور اپنی ناراضی ظاہر کردی تو یہ نکاح باطل ہوگیا۔ | ۱۰۷ |
| بھائی اپنے نابالغ بھائیوں کے اموال کا ولی نہیں ہوگا بلکہ اس کی ماں باپ یا دادا یا ان کے وصی یا قاضی یا نائب قاضی ولی ہونگے۔ | ۱۰۷ |
| اگر ولی یتیموں کے اموال برباد کرتے ہوں اور اپنے تصرف میں لارہے ہوں تو ہرگز یہ ولی کے قابل نہیں بلکہ اس سے تلف شدہ اموال کا تاوان لیا جائیگا | ۱۰۷ |
| زید نے تین نابالغ لڑکے اور ایک بالغ لڑکی چھوڑا تو ولایت نکاح چچا کو ہے اس وقت تک کہ سب نابالغ رہیں اور جب ان میں کوئی بالغ ہوجائے گا تو یہی بالغ لڑکا اپنے نابالغ بھائیوں کا ولی ہوگا۔ اگرچہ زید نے مرض الموت میں اپنی عورت کو ان کا ولی بنایا تھا۔ | ۱۰۸ |
| صورت مسئولہ میں لڑکی وقت نکاح بالغ تھی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے۔ لہذا جب لڑکی نے اذن طلب کرتے وقت صاف انکار کردیا تو اذن نہ ہوا اور جب اذن نہ ہوا تو نکاح بھی نہ ہوا۔ | ۱۰۹ |
| اذن طلب کرتے وقت بغیر آواز کے لڑکی کا رونا بھی اذن ہے مگر مار کھانے کی وجہ سے رونا وہ بھی آواز سے یہ اذن نہیں ہے۔ | ۱۰۹ |
| لڑکی وقت نکاح نابالغہ تھی اور باپ کی اجازت سے نکاح ہوا تو یہ نکاح لازم ہوگیا۔ | ۱۱۰ |
| صورت مسئولہ میں چچا کا نکاح کیا ہوا ہے تو ہندہ کو خیار بلوغ حاصل ہے۔ بالغ ہوتے ہی فوراً اگر اپنے نفس کو اختیار کرے اور اس نکاح کو نامنظور کرے تو قاضی کے یہاں نکاح فسخ کراسکتی ہے۔ | ۱۱۱ |
| نابالغ بکر کے والدین زندہ نہ ہوں تو اس کا کوئی بھائی یا چچا یا پردادا وغیرہ کی اولاد میں کوئی مرد ہو تو وہ بکر کا ولی ہوگا۔ زید جو بکر کا ماموں ہے ولی نہ ہوگا۔ | ۱۱۱ |
| ایک شخص دونوں طرف سے نکاح کا متولی اس وقت ہوسکتا ہے جب کسی جانب سے فضولی نہ ہو | ۱۱۱ |
| نکاح ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط نہیں۔ نابالغ کا نکاح بھی ولی کرسکتا ہے۔ | ۱۱۲ |
| اگر لڑکا نابالغ ہے تو باپ کی موجودگی میں ولایت نکاح صرف | ۱۱۲ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| باپ کو ہے۔ | |
| نابالغ کے نکاح کی خبر ولی کو پہنچی اور اس نے رد کر دیا تو نکاح باطل ہو گیا بعد میں اگرچہ راضی ہو جائے یا اجازت دیدے اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ | ۱۱۳ |
| باپ کے مرجانے کے بعد حالت نابالغی میں چچا نے لڑکی کا نکاح کر دیا اور اس وقت سترہ سال کی عمر ہے تو بلوغ و عدم بلوغ دونوں امر کا احتمال ہے اگر ابھی تک نابالغہ ہے تو اسے خیار بلوغ حاصل ہے۔ | ۱۱۴ |
| باپ کے مرجانے کے بعد حالت نابالغی میں چچا نے لڑکی کا نکاح کر دیا اور حالت نابالغی ہی میں شوہر کے یہاں گئی اور اسی حالت میں شوہر نے وطی بھی کر لی تو بالغ ہونے کے بعد جب تک اس کے قول یا فعل سے اس نکاح پر راضی ہونا نہ پایا جائے نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور اس صورت میں یہ شرط نہیں کہ اسی وقت فوراً ہی جلدی کی خواہش | ۱۱۴ |
| ظاہر کرے۔ | |
| زید سفر میں گیا اور اپنے گھر میں بیوی مریم اور ایک نابالغہ لڑکی کلثوم کو چھوڑا مریم نے کلثوم کا نکاح بکر سے کر دیا۔ تو اگر زید کا کوئی بھائی یا بھتیجا یا چچا وغیرہ عصبات موجود ہوں تو مریم کو اصلاً ولایت نکاح نہیں ان عصبات کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر انہوں نے اب تک جائز نہ کیا ہو اور باپ نے آکر رد کر دیا تو رد ہو گیا۔ ہاں عصبات کی اجازت پر اس نکاح کا موقوف ہونا اس وقت ہے جب زید کی غیبت غیبت منقطعہ ہو۔ | ۱۱۵ |
| اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو نابالغہ کے نکاح کی ماں ولی ہے جب باپ کی غیبت غیبت منقطعہ ہو۔ | ۱۱۵ |
| غیبت منقطعہ کی اصح تعریف | ۱۱۵ |
| نابالغ لڑکی کا نکاح دادی نے کر دیا تو کیا حکم ہے۔ | ۱۱۶ |
| فسخ نکاح کا حق عورت کو | ۱ |
| نہیں ہے بلکہ فسخ کرنا قاضی کا کام ہے۔ | ۱۱۷ |
| باپ کا کیا ہوا نکاح لازم ہوتا ہے نابالغہ کو بالغہ ہونے کے بعد اس نکاح کو فسخ کرانے کا بھی اختیار نہیں ہے۔ | ۱۱۸ |
| جب نابالغہ ہندہ کے دادا کا بھائی موجود ہے تو ماں کو کچھ اختیار نہیں۔ اگر مادر ہندہ نے ہندہ کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح ہندہ کے دادا کے بھائی کے اذن پر موقوف رہے گا۔ | ۱۱۸ |
| نابالغہ لڑکی کے نکاح کا ولی اس کا چچا ہے اگر لڑکی کی ماں نے چچا کی اجازت کے بغیر نکاح کر دیا تو یہ چچا کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ | ۱۱۹ |
| عصبہ کے ہوتے ہوئے ماں ولی نہیں ہو سکتی ہے لہذا صورت مسئولہ میں اگر حقیقی بھائی موجود نہ تھا اور اس کا انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا تو چچازاد بھائیوں سے اذن لینا چاہئے۔ ان سے اذن لئے بغیر نکاح پڑھوا دیا تو ان کی یا بھائی کی اجازت | ۱۱۹ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| پر یہ نکاح موقوف رہے گا۔ | |
| جو نکاح باپ اور دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے کیا ہو اس میں عورت کو خیار بلوغ حاصل ہے اور خیار بلوغ کے لئے خلوت صحیحہ تو کیا وطی بھی مانع نہیں۔ | ۱۲۱ |
| عصبہ اور ذوی الفروض کے نہ ہونے کی صورت میں ولایت نکاح ذوی الارحام کے لئے ہے اور ان میں ماموں کا مرتبہ پھوپھی کے بعد ہے۔ | ۱۲۱ |
| اگر حالت نابالغی میں حمیدہ کا نکاح اس کے پھوپھا نے کر دیا تو اگر حمیدہ کا کوئی ولی تھا اور قبل عقد یا بعد عقد اس نے اجازت دی یا حمیدہ کا پھوپھا اس کا ولی بھی ہے تو نکاح نافذ ہو گیا صرف حمیدہ کو خیار بلوغ حاصل رہے گا۔ | ۱۲۲ |
| ہندہ بالغہ ہے تو اس پر ولایت اجبار کسی کو نہیں۔ ماں نے بغیر اس کی اجازت کے اگر نکاح کر دیا تو | ۱۲۳ |
| یہ نکاح فضولی ہوا جو ہندہ کی اجازت پر موقوف ہو گا۔ | |
| اگر ہندہ بالغہ سے اجازت لیے بغیر اس کی ماں نے نکاح کر دیا اور ہندہ کی رخصتی ہوئی اور اس نے انکار نہ کیا بلکہ اس کے مکان پر چلی گئی اور رہی بھی تو یہ سب امور دلیل اجازت ہیں اگرچہ ہندہ نے قول سے اجازت نہ دی ہو۔ | ۱۲۳ |
| اگر لڑکی چھوٹی ہے اور وہ اپنے والدین کے یہاں رہتی ہے تو والدین اسے اپنے ساتھ باہر لے جا سکتے ہیں۔ | ۱۲۴ |
| سوتیلا باپ اگر عصبہ ہے تو اس کو نابالغہ لڑکی کی ولایت حاصل ہے ورنہ اس کی اجازت کی کوئی حاجت نہیں۔ | ۱۲۴ |
| والد کے ہوتے ہوئے تایا یا ناد چچا کو نابالغہ کے نکاح کا حق نہیں اس کا مرتبہ باپ سے کئی درجہ بعد ہے۔ | ۱۲۴ |
| باپ نہ ہو تو نابالغہ کی ولایت دادا کو ہے وہ بھی نہ ہو تو بھائی کو ہے وہ بھی نہ ہو تو اس کی اولاد کو ہے وہ بھی نہ ہو تو اس کی اولاد ذکور کو ہے وہ بھی نہ ہو تو باپ کے چچا تایا کو ہے وہ بھی نہ ہو تو اس کے لڑکوں کو ہے۔ | ۱۲۵ |
| ولایت اجبار باپ کو صرف نابالغ پر ہے۔ | ۱۲۶ |
| بالغہ سے متعلق دو حدیثیں اگر ماں نے نابالغہ کا نکاح کر دیا تو اگر یہ نکاح عصبہ کا جائز کیا ہوا ہو یا ماں خود ولی ہو اور عصبہ باپ دادا کا غیر ہو تو اس میں خیار بلوغ حاصل ہو گا اور اگر خلوت نہیں ہوئی ہے تو عدت بھی نہیں۔ | ۱۲۷ |
| جب ہندہ بالغہ ہے تو جس سے چاہے اس کا باپ نکاح کر دے ایسا نہیں بلکہ بالغہ کا اذن ضروری ہے | ۱۲۸ |
| جب ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے باپ نے بلا اذن کر دیا اور بالغہ نے صراحتۃً انکار کر دیا تو یہ نکاح | ۱۲۸ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| باطل ہوگیا۔ اب اس نکاح کو بہلا جائز بھی کرنا چاہے تو نہیں کرسکتی۔ | |
| جب بندہ کا نکاح حالت نابالغی میں چچا نے کردیا تو اسے خیار بلوغ حاصل ہے۔ | ۱۲۹ |
| جب لڑکی کا نکاح باپ نے کیا ہے تو لازم ہوگیا۔ اس نکاح کو فسخ نہیں کیا جاسکتا۔ | ۱۳۰ |
| نابالغہ کا نکاح باجماع ائمہ اربعہ باپ اپنی ولایت سے کرسکتا ہے۔ | ۱۳۰ |
| **بابُ الکفوُ** | |
| از صفحہ ۱۳۰ تا صفحہ ۱۴۰ | |
| برص کوئی ایسا امر نہیں ہے کہ اس سے سالم ہونا کفارت میں شرط ہو اور اس کا ہونا سبب فسخ نکاح ہو۔ ہاں امام محمد رحمہ اللہ کا اس مسئلہ میں خلاف ہے کہ ان کے نزدیک جذام وجنون و برص سے سالم ہونا کفارت میں شرط ہے جب کہ یہ اس مقدار پر ہوں کہ عورت کو اس مرد کے ساتھ رہنے کی طاقت نہ ہو۔ | ۱۳۰ |
| کفو میں جن امور کا اعتبار ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ وقت عقد ان میں سے کوئی مفقود نہ ہو اور بعد میں اگر اس کا زوال ہو تو اس کی وجہ سے فسخ عقد کا حق حاصل نہ ہوگا۔ | ۱۳۱ |
| کفارت بالغیں میں صرف زوج کی جانب معتبر ہے عورت کی جانب سے نہیں۔ | ۱۳۱ |
| کفارت میں نسب، حریت، اسلام دیانت۔ مال اور پیشہ کا لحاظ کیا جائے گا۔ | ۱۳۱ |
| کفارت سے متعلق علامہ حموی کا شعر | ۱۳۲ |
| وہ شیوخ جو قرشی ہیں یعنی صدیقی فاروقی۔ عثمانی۔ عباسی وغیرہم۔ سادات کے کفو ہیں۔ | ۱۳۲ |
| پٹھان قرشی شیوخ کے کفو نہیں ہیں۔ | ۱۳۲ |
| عرب کی مختلف قومیں سوا قریش کے سب باہم کفو ہیں۔ | ۱۳۲ |
| عجمی قوموں کی کفارت میں نسب کا اعتبار نہیں ہے بقیہ اور باتوں کا اعتبار ہے۔ | ۱۳۲ |
| عورت اگر خود غیر کفو سے نکاح کرے تو نکاح نہ ہوگا | ۱۳۲ |
| عورت کا اگر ولی نہ ہو اور اس نے غیر کفو سے نکاح کرلیا یا ولی ہے اور وہ غیر کفو سے نکاح کرنے پر راضی ہے تو نکاح صحیح ہے۔ | ۱۳۳ |
| اگر زانی زانیہ کا کفو ہے تو نکاح جائز ہے۔ ورنہ بغیر رضاء اولیاء جائز نہیں ہے۔ | ۱۳۳ |
| جو اصحاب کرام قرشی تھے ان کی اولاد کا نکاح دختران سادات کرام سے ہوسکتا ہے۔ | ۱۳۳ |
| قریش ہند میں رہتے ہوں یا عرب میں سب کا ایک حکم ہے۔ | ۱۳۳ |
| امراض برص وجذام وغیرہما سے سالم ہونا شرط کفارت نہیں۔ | ۱۳۴ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
| --- | --- |
| کفارت نسب میں یہ ضروری ہے کہ مرد باعتبار نسب ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اولیاء زن کے لئے باعث ننگ و عار ہو۔ | ۱۳۵ |
| بعض جگہ کے سادات کرام اپنی لڑکیاں قرشی غیر سید بلکہ اپنے خاندان کے سوا دوسرے سادات کو بھی دینا معیوب سمجھتے ہیں، ان امور کا اعتبار نہیں ہے۔ | ۱۳۵ |
| نسب میں صرف باپ کا اعتبار ہے سوا اولاد بنات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے۔ | ۱۳۵ |
| سید کی ماں اگرچہ تو مسلمہ ہے غیر قرشی اس کا کفو نہیں۔ | ۱۳۶ |
| جب باپ سید ہے تو بیٹا بھی سید ہی ہے اگرچہ ماں غیر قوم کی ہو | ۱۳۶ |
| بے دین مرد سے مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا کہ مسلمان عورت کے نکاح کے لئے مرد مسلمان ہونا ضروری ہے۔ | ۱۳۶ |
| فاسق مرد صالحہ عورت کا کفو نہیں ہے۔ | ۱۳۶ |
| عورت اگر بطور خود بغیر اجازت ولی غیر کفو سے نکاح کرے تو مذہب مفتی بہ میں نکاح ہی نہیں ہوگا۔ | ۱۳۶ |
| اگر مرد کا فاسق ہونا معلوم نہ تھا اب معلوم ہوا یا پہلے فاسق نہ تھا اب ہو گیا تو نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر غیر فاسق ہونا مشروط تھا یا مرد نے کفو ہونا ظاہر کیا تھا اور اب معلوم ہوا کہ وقت عقد فاسق تھا تو ولی کو اختیار ہے۔ | ۱۳۷ |
| جب لڑکی کا چچا زاد بھائی موجود ہے تو یہی ولی ہے بغیر اس کی اجازت کے غیر کفو سے نکاح نہیں ہو سکتا بلکہ کفو میں بھی اسی کی اجازت پر نکاح موقوف رہے گا | ۱۳۷ |
| ولد الزنا کفو نہیں اگر کوئی اسے اپنی لڑکی دے تو نکاح ہو سکتا ہے۔ | ۱۳۷ |
| اگر کفو نہ ہو اور بروقت نکاح کفو ہونا بیان کیا اور اسی شرط پر نکاح ہوا تو حق فسخ حاصل ہے۔ | ۱۳۸ |
| متقدمین کے نزدیک غیر کفو سے نکاح کی صورت میں اولیاء کو حق فسخ حاصل رہتا ہے لیکن مختار متاخرین یہ ہے کہ غیر کفو سے نکاح ہی صحیح نہیں ہوتا۔ | ۱۳۸ |
| اگرچہ متاخرین کے نزدیک غیر کفو سے نکاح صحیح نہیں لیکن جب نکاح ہو گیا اور وطی بھی ہو چکی تو بعد متارکہ عدت واجب ہوگی کہ نکاح فاسد میں بھی عدت کا وجود ہے۔ | ۱۳۸ |
| ناکح چرواہا ہے اور منکوحہ کا باپ زمین دار ہے تو دونوں باہم کفو نہیں ہیں۔ | ۱۳۸ |
| جب عورت نے غیر کفو سے نکاح کیا تو صحیح یہ ہے کہ یہ نکاح ناجائز ہے۔ | ۱۳۹ |
| جب ولد الزنا کا بوقت نکاح صحیح النسب ظاہر کرتے ہوئے نکاح ہو تو لڑکی اور اس کے اولیاء کو نکاح فسخ کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے | ۱۳۹ |
| حرامی لڑکے کا نکاح حلالی لڑکی سے جائز ہو سکتا ہے۔ | ۱۴۰ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
| --- | --- |
| حرامی لڑکے کا نکاح حرامی لڑکی سے جائز ہے۔ | ۱۴۰ |
| **باب المہر** — از صفحہ ۱۴۰ تا صفحہ ۱۶۰ | |
| براتیوں یا اپنے عزیز و اقربا و احباب کے کھلانے یا ان کے یہاں مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنے کے لئے کچھ روپیہ لیا تو یہ لینا دینا جائز ہے جبکہ بطور رشوت نہ ہو۔ | ۱۴۰ |
| منکوحہ کا انتقال ہوگیا تو شوہر پر پورا مہر واجب الادا رہوگیا اگرچہ خلوت نہ ہوئی ہو | ۱۴۰ |
| جو زیور مہر کہہ کر عورت کو دیے گئے وہ مہر میں شمار ہوں گے اور عورت کے ورثہ اگر اس میں خلاف کریں تو گواہ سے ثابت کیا جائیگا ورنہ شوہر کا بحلف بیان کرنا کافی ہے۔ | ۱۴۱ |
| اگر یہ رواج ہو کہ جو کچھ زیور عورت کو دیا جاتا ہے عورت کو اس کا مالک نہیں کیا جاتا تو یہ دینے والے کی ملک ہے بعد انتقال عورت وہ زیور ترکہ میں نہیں شمار کیا جائے گا۔ | ۱۴۲ |
| اگر خلوت صحیحہ سے پہلے عورت کو طلاق دیدے تو شوہر پر نصف مہر لازم ہوگا۔ | ۱۴۲ |
| اگر شوہر نے جبر و اکراہ سے مہر معاف کرایا تو مہر معاف نہ ہوا۔ | ۱۴۲ |
| جبر و اکراہ کا مطلب۔ | ۱۴۳ |
| اگر عورت مہر کی معافی سے انکار کرتی ہو تو شوہر یا اس کے وارثوں کو گواہوں سے ثابت کرنا ہوگا | ۱۴۳ |
| جب عورت نے برضا و رغبت مہر معاف کردیا تو معاف ہوگیا اب وہ لینے کی مستحق نہ رہی۔ | |
| کم ازکم مہر کی مقدار دس درہم شرعی ہے اور زیادہ کے لئے شریعت نے کوئی حد نہیں رکھی ہے۔ | ۱۴۴ |
| مہر جو باندھا جائیگا لازم ہوگا۔ | ۱۴۴ |
| بہتر یہ ہے کہ شوہر اپنی حیثیت ملحوظ رکھ کے مہر رکھے کہ یہ دین ہے۔ | ۱۴۴ |
| مہر کے بابت یہ نہ سمجھے کہ کون دیتا ہے۔ کون لیتا ہے اگر یہاں نہ دیا تو آخرت کا مطالبہ سر پر رہے گا۔ | ۱۴۴ |
| نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات و بنات مکرمات کا مہر پانچ سو درہم باندھا ہے | ۱۴۴ |
| جتنا مہر معجل ہے اسے وصول کرنے کے لئے عورت اپنے نفس کو روک سکتی ہے اگرچہ عورت اپنی خوشی سے شوہر کے یہاں جا چکی ہو بلکہ رہ چکی ہو۔ | ۱۴۵ |
| اگر مہر معجل میں سے ایک روپیہ بھی باقی رہ گیا ہے تو اس کے لینے کے لئے عورت اپنے کو روک سکتی ہے | ۱۴۵ |
| ایک فتویٰ کی تصحیح | ۱۴۵ |
| مہر مؤجل وہ ہے جس کی ادائیگی کے لئے کوئی وقت مقرر ہو مگر عرف میں مہر مؤجل سے مراد مہر مؤخر ہوتی ہے جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوتا ہے۔ | ۱۴۷ |
| بیوہ نے جب مہر معاف کردیا تو معاف ہوگیا اس کا مطالبہ نہیں کرسکتی ہاں شوہر کے ترکہ سے اپنا حصہ شرعی لے سکتی ہے۔ | ۱۴۷ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| نکاح فاسد میں اگر شوہر نے جماع کر لیا ہے تو مہر مثل و مہر مسمیٰ میں جو کم ہو عورت اس کی مستحق ہے | ۱۴۸ |
| جب عورت مر گئی اور مہر معاف نہیں کیا تو یہ عورت کا ترکہ ہے جس کے وارثین مستحق ہیں۔ | ۱۴۸ |
| ہندہ کا مہر جب زید کے ذمہ واجب الادا تھا اور ہندہ نے زید سے مطالبہ کیا اور دونوں نے پنچایت میں فیصلہ کرانا چاہا پنچوں نے بعوض پچیس ہزار مہر معجل زید کی جائداد کو دلوادی تو اب ہندہ ہی اس جائداد کی مالک ہے زید کا کسی بیان میں فرض کہنا ہندہ کے لئے مضر نہیں ہے۔ | ۱۵۰ |
| جب عورت سے سادے کاغذ پر انگوٹھے کا نشان لیا گیا اس کا کچھ اعتبار نہیں اگر اس کاغذ پر شوہر وغیرہ مہر کی معافی لکھائیں تو اس سے مہر معاف نہ ہوگا۔ | ۱۵۱ |
| اگر کاغذ پر مہر کی معافی لکھی ہو اور جبر و تشدد و زد و کوب سے عورت کے انگوٹھے کا نشان لیا گیا تو مہر معاف نہ ہوگا کہ اکراہ کے ساتھ مہر معاف نہیں ہوتا۔ | ۱۵۱ |
| صورت مسئولہ میں عورت کا مہر معجل و غیر معجل دونوں تھا تو مہر معجل کا مطالبہ عورت ہر وقت کر سکتی ہے۔ اور نصف جو غیر معجل ہے اس میں تفصیل ہے۔ | ۱۵۲ |
| عورت اگر مرض الموت میں مہر معاف کرے تو یہ وصیت کے حکم میں ہے۔ | ۱۵۲ |
| مہر کی معافی کے لئے عورت کی رضا شرط ہے اور اکراہ کی صورت میں رضا مفقود ہے۔ | ۱۵۲ |
| کابین مہر کو کہتے ہیں۔ | ۱۵۳ |
| مہر جو کچھ مقرر ہوا اگر کل یا بعض اس میں کا معجل ہے یا کسی مقدار خاص کا قبل رخصت لینا وہاں کا عرف ہو تو عورت یا اس کے اولیاء معجل یا اس معروف کو قبل رخصت وصول کر سکتے ہیں۔ | ۱۵۳ |
| نکاح کے لئے لڑکی کی جانب سے جائز معاہدے مثلاً مکان لکھوانا یا زیور کا طلب کرنا جائز ہے اور مکان کی رجسٹری کے لئے پردہ کے ساتھ لڑکی کچہری بھی جا سکتی ہے۔ | ۱۵۴ |
| مہر اتنا ہو جو شوہر ادا کر سکے اگر اس کی وسعت سے زیادہ ہو تو شوہر یہ نیت ضرور رکھے کہ خدا مجھے عطا فرمائے اور میں ادا کردوں۔ | ۱۵۴ |
| اگر مہر کی استطاعت نہ ہو اور نفس پر قابو ہو تو نکاح نہ کرنا بہتر ہے اور اس صورت میں روزہ کی کثرت کرے۔ | ۱۵۴ |
| اس خیال سے مہر زیادہ رکھنا کہ مجھے دینا نہیں ہے ناجائز ہے | ۱۵۴ |
| بعد طلاق یا مہر معجل جب عورت طلب کرے تو شوہر کو دینا ہوگا۔ | ۱۵۵ |
| جب لڑکی کا اذن نکاح کے وقت ہاں کہنا دشوار ہوتا ہے تو وہ خود مہر کیسے طے کر سکتی ہے لہذا اس کے اولیاء و اقربا طے کر سکتے ہیں مگر جو طے ہو جائے لڑکی کو خبر کردیں تاکہ | ۱۵۵ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| وہ اپنی رضامندی ظاہر کرسکے۔ | |
| اگر ولی و وکیل نے لڑکی سے اختیار عام لے لیا ہے کہ یہ مہر کی جو مقدار طے کر دے عورت کو منظور ہے تو اب مہر کے بارے میں نکاح کے وقت عورت کو خبر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ | ١٥٥ |
| نابالغ لڑکے کے نکاح میں باپ اور بھائی نے جب مہر کی ضمانت لی تو لڑکی ان سے اپنا مہر طلب کرسکتی ہے۔ | ١٥٥ |
| جب لڑکے کے باپ اور بھائی مہر کے ضامن ہوئے تو عورت کو اختیار ہے چاہے مہر کا مطالبہ شوہر سے کرے یا اس کے بھائی یا باپ سے۔ | ١٥٥ |
| جو روپیہ قرض لیا گیا وہ واجب الادا ہے۔ مہر میں نہیں وضع ہوگا۔ | ١٥٦ |
| نکاح میں جب یہ شرط قرار پائی کہ زید عورت کا قرضہ بھی ادا کریگا تو یہ رقم زر مہر سے خارج ہے اور زید کو اس قرضہ کا ضامن قرار دیا جائے گا۔ | ١٥٦ |
| جب عورت نے مرض الموت میں مہر معاف کیا ہے تو معاف نہ ہوا۔ | ١٥٨ |
| لڑکی کا والد اس کے مہر کا روپیہ لے اور اس کا زیور بنوا کر لڑکی کو دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ | ١٥٨ |
| جس طرح وطی کے بعد طلاق دینے میں پورا مہر واجب ہوتا ہے خلوت کے بعد بھی پورا مہر واجب ہوگا اگرچہ وطی نہ ہوئی ہو۔ | ١٥٩ |
| **حقوق الزوجین** | |
| از صـ١٦٠ تا صـ١٦١ | |
| جس طرح عورت حقوق کے نہ ادا کرنے میں ماخوذ ہوگی شوہر بھی ماخوذ ہوگا۔ | ١٦٠ |
| حقوق زوجہ سے متعلق حدیثیں | ١٦٠ |
| اگر زید اپنی زوجہ صالحہ پر بیجا تشدد کرتا ہے اور اس قدر زد وکوب کرتا ہے جس کی شرع نے اجازت نہیں دی ہے تو زید جبراً صالحہ کو اپنے گھر نہیں لے جاسکتا ہے۔ | ١٦١ |
| **باب الجہاز** | |
| از صـ١٦١ تا صـ١٦٢ | |
| عورت کے جہیز میں جو کچھ سامان ملا سب کی مالک عورت ہے بعد انتقال عورت وہ سامان ترکہ میں شمار ہوگا۔ | ١٦٢ |
| جہیز کے سامان کی جو تحریر لکھی جاتی ہے اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ داماد اسے ضائع نہ کرے نہ یہ کہ لڑکی بھی مالک نہیں۔ | ١٦٢ |
| **کتاب الطلاق** | |
| از صـ١٦٣ تا صـ٢٠٥ | |
| صغیر کا طلاق صحیح نہیں ہے اگرچہ وہ مراہق ہو۔ | ١٦٣ |
| جب شوہر طلاق سے متعلق خط اور ٹیلی گراف سے انکار کرتا ہے تو جب تک گواہان عادل سے یہ ثابت نہ ہوئے کہ یہ خط یا ٹیلی گراف اسی شوہر نے لکھا یا دیا ہے طلاق کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ | ١٦٣ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
| --- | --- |
| بغیر کسی وجہ شرعی کے طلاق دینا ممنوع اور اللہ عزوجل کو ناپسند ہے۔ | ۱۶۴ |
| طلاق دینے اور طلب کرنے سے متعلق احادیث کریمہ و ارشادات سلف۔ | ۱۶۴ |
| عوام کا یہ خیال غلط ہے کہ عورت بے اجازت شوہر اگر گھر سے چلی جائے تو نکاح سے نکل جاتی ہے۔ | ۱۶۵ |
| شوہر کا یہ کہنا کہ میری بیوی نکاح سے باہر ہوگئی الفاظ طلاق سے ہے بوقت طلاق عورت کا وہاں ہونا کچھ ضروری نہیں ہاں عورت کی طرف طلاق کی اضافت ضروری ہے مثلاً یہ کہ میں نے اپنی زوجہ مسماۃ فلاں بنت فلاں کو طلاق دی۔ | ۱۶۵ |
| ایسی عورت کو جو آوارہ پھرتی ہو اپنے شوہر کا حکم نہ بجالاتی ہو اور دوسرے مردوں سے یارانہ کرلیا ہو طلاق دینا بالاتفاق جائز بلکہ بہتر ہے۔ | ۱۶۵ |
| عورت اگر بلا اجازت شوہر کے گھر سے چلی جائے تو شوہر قصوروار ہے نہ عورت کو طلاق دینا ضروری ہے۔ | ۱۶۶ |
| اگر کاتب طلاق نامہ نے لکھنے کے بعد شوہر کو سنا دیا اور شوہر نے سن کر نشان لگایا تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ | ۱۶۷ |
| شوہر کا اپنی عورت کے بارے میں یہ لفظ مسماۃ فلاں کو اختیار ہے جس جگہ چاہے اپنا نکاح کرے یا مسماۃ فلاں سے کسی وقت کچھ سروکار نہ ہوگا، الفاظ طلاق سے نہیں ہے۔ | ۱۶۷ |
| جس خط میں شوہر نے تحریر کو طلاق کہا یا عورت کی طرف طلاق کی اضافت نہیں کی تو ایسی صورت میں طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا جب تک کہ وہ اپنی مراد زوجہ کو طلاق دینا نہ بتائے یا لوگوں کے دریافت کرنے پر یہ نہ کہے میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے۔ | ۱۶۸ |
| اگر زید نے اپنی عورت سے کہا مجھ کو تجھ سے کام نہیں ہے، تو اس لفظ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ | ۱۶۹ |
| اگر شوہر عورت میں بدچلنی کے آثار پاتا ہو تو طلاق دیدینا بہتر ہے پھر بھی اگر نہ دے تو گنہگار نہیں جبکہ شوہر ایسے افعال سے منع کرتا اور بقدر وسعت تنبیہ کرتا ہو۔ | ۱۶۹ |
| شوہر نے جب اپنی عورت سے کہا وہ لڑکی میرے نکاح سے باہر ہے جہاں لڑکی کا جی چاہے نکاح کرے، یہ دونوں الفاظ کنایہ سے ہیں اگر شوہر کی نیت ان الفاظ سے طلاق دینے کی ہے تو نکاح سے باہر ہوگئی بعد عدت دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہے۔ | ۱۷۰ |
| زید اپنی منکوحہ کو متعدد لوگوں کے ساتھ مجبور کرکے زنا کرادے تو عورت نکاح سے باہر نہ ہوگی۔ البتہ عورت پر لازم ہے کہ جس طرح ممکن ہو اپنے کو حرام سے بچائے اگر زید باز نہ آئے تو طلاق حاصل کرلے۔ | ۱۷۰ |
| اگر شوہر نے کسی بات پر عورت سے کہا، میں طلاق دے دوں گا | ۱۷۱ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ | |
| زید پردیس گیا اور کسی سن رسیدہ عورت سے شادی کر لی تو زید اس عورت کو اپنے گھر لا سکتا ہے۔ | ۱۷۱ |
| عورت بوڑھی ہو اور اس سے اولاد کی امید نہ ہو تو شوہر طلاق دے سکتا ہے۔ یوں ہی اگر شوہر کی نافرمانی کرتی ہو تو شوہر کو اختیار ہے | ۱۷۱ |
| تحریر سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے جبکہ مرسوم ہو یا نیت طلاق ہو مگر جب شوہر تحریر کا منکر ہو تو حکم طلاق کے لئے ثبوت ضروری ہے۔ | ۱۷۲ |
| یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ کچہری کا فیصلہ شرعی فیصلہ ہو۔ | ۱۷۲ |
| صورت مسئولہ میں اگر شوہر نابالغ ہے تو اس کے طلاق دینے سے طلاق واقع نہ ہوگی اور بالغ ہے اور اس نے طلاق لکھ کر بھیجی تو طلاق ہوگی۔ | ۱۷۳ |
| صورت مسئولہ میں جب تک گواہوں سے تین طلاق کا ثبوت نہ ہو تین طلاق کا حکم نہیں دیا | ۱۷۴ |

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| جا سکتا بکر کا یہ بیان کہ زید نے اس سے تین طلاق دینا بیان کیا تھا یہ کوئی ثبوت نہیں۔ | |
| اگر زید نے خود نشہ پیا کسی نے پینے پر مجبور نہ کیا تو اگر نشہ کی حالت میں طلاق دی تو طلاق واقع ہو گئی۔ | ۱۷۴ |
| اگر کسی نے دوسرا کاغذ ظاہر کر کے طلاق نامہ پر شوہر سے دستخط کرایا اور شوہر بے پڑھا تھا نہ جان سکا تو طلاق کا حکم نہ ہوگا۔ | ۱۷۴ |
| اگر چچا بھتیجہ کی عورت سے زنا کرے تو بھتیجہ کا نکاح نہیں ٹوٹے گا اور جو اولاد ہوگی بھتیجہ کی مانی جائے گی۔ | ۱۷۵ |
| طلاق کے لئے شوہر کا بالغ ہونا شرط ہے۔ | ۱۷۵ |
| صورت مسئولہ میں جب شوہر نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں تو تینوں واقع ہو گئیں خواہ یہ کہے کہ تجھ کو میں نے تین طلاقیں دیں یا یوں کہ لفظ طلاق کو تین مرتبہ ذکر کیا ہو۔ | ۱۷۶ |

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| وقوع طلاق کے لئے گواہ کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ | ۱۷۷ |
| جب شوہر زبان سے تین طلاقیں دے چکا ہے تو تحریر میں ایک لکھے یا تین لکھے نام وغیرہ لکھے یا نہ لکھے بہر حال تین طلاقیں واقع ہونگی۔ | ۱۷۸ |
| اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرتا ہو اور وقت طلاق کوئی نہ تھا۔ د گواہی دے تو جن کے سامنے اس نے اقرار کیا ہے اس کی شہادت سے بھی طلاق ثابت ہو جائے گی۔ یوں ہی اگر پوچھنے پر اس نے ہاں کہہ دیا جب بھی طلاق ثابت ہو جائے گی۔ | ۱۷۸ |
| شوہر کا یہ لفظ "میری جانب سے اس تحریر کے ذریعہ سے طلاق سمجھی جاوے گی"؟ الفاظ طلاق سے نہیں یہ لفظ بے کار ہے۔ | ۱۷۹ |
| شوہر کا یہ لفظ کہ "وہ اپنا شرع دوسری جگہ کر سکے گی" کنایہ طلاق ہے کہ شرع کرنا عرف میں بمعنی نکاح ہے | ۱۷۹ |
| حنفیہ کے نزدیک حالت اکراہ یعنی زبردستی میں بھی طلاق واقع | ۱۷۹ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
| --- | --- |
| ہو جاتی ہے۔ | |
| نابالغ خود طلاق دے سکتا ہے نہ اس کا ولی یا باپ نابالغ کی رضامندی سے ہو یا بغیر رضامندی کے | ۱۸۰ |
| زید نے خسر سے کہا تمہاری لڑکی کو طلاق. اتنے میں زید کی بیوی سامنے آنکلی اس وقت زید اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا تم کو طلاق ہے طلاق ہے حتی کہ اس لفظ کو تقریباً دس مرتبہ کہا تو اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوئی اور مدخولہ ہے تو تین طلاقیں پڑ گئیں | ۱۸۰ |
| ایک مجلس میں تین بار طلاق دینا گناہ ہے اگرچہ واقع ہو جائیں گی۔ | ۱۸۱ |
| ایک مجلس میں تین سے زیادہ طلاق دینے سے متعلق حدیثیں۔ | ۱۸۱ |
| ایسے غصے میں جس سے عقل زائل نہ ہو جو طلاق دی جاتی ہے واقع ہوتی ہے۔ | ۱۸۱ |
| یہ لفظ "میں نے تجھ کو چھوڑا" الفاظ طلاق صریح سے ہے اور عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہوتا ہے لہذا بغیر نیت بھی اس سے طلاق ہو جائے گی۔ | ۱۸۱ |
| شوہر پر واجب ہے کہ عورت کو اپنے یہاں رکھے اور اس کے نفقہ وغیرہ کی خبرگیری کرے اسے معلق چھوڑ دینا کہ نہ خود رکھے نہ اسے طلاق دے کہ کسی اور سے نکاح کرے جائز نہیں ہے۔ ہاں جب شوہر عورت کو رکھنا چاہتا ہو اور عورت رہنے سے انکار کرے تو اب شوہر پر مواخذہ ہے نہ اس پر طلاق دینا واجب ہے | ۱۸۲ |
| زید نے عمرو کو زبردستی مار مار کر یہ کہلا دیا "میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیا" تو طلاق واقع ہو گئی۔ | ۱۸۳ |
| شوہر کے اس قول سے کہ نہیں رکھوں گا۔ طلاق دے دوں گا طلاق واقع نہ ہوگی کہ یہ مستقبل کے صیغے ہیں جو ارادے پر دلالت کرتے ہیں تحقیق پر نہیں۔ | ۱۸۴ |
| صورت مسئولہ میں زبردستی سے مراد اگر اکراہ شرعی ہے کہ شوہر کو جان جانے یا عضو کاٹے جانے کا صحیح اندیشہ تھا اور تحریر لکھ دی تو اس تحریر سے طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر زبردستی سے مراد محض اصرار سے کہنا یا زور ڈالنا ہو تو اس زبردستی کا کوئی اعتبار نہیں۔ | ۱۸۵ |
| ہندہ کو نان و نفقہ نہ ملنے اور شوہر کا آوارہ ہونے کی بناء پر کورٹ کا حکم تفریق شرعاً باطل و ناجائز ہے۔ | ۱۸۵ |
| اگر شوہر مجنون کی حالت دماغی کبھی کبھی درست رہتی ہو تو ایسی حالت میں اگر طلاق دے دے تو واقع ہو جائے گی۔ | ۱۸۵ |
| زید نے اپنی ہمشیرہ سے کہا "اگر بیوی اپنا اپنا مطالبہ جو میرے ذمہ باقی ہے نہ بتلا دے یا نہ دے تو ہم طلاق مغلظہ دیتے یا دے دیتے یا دیدیے" تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ | ۱۸۶ |
| زید نے ایک اقرار نامہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا: "اگر اس اقرار کے | ۱۸۸ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
| --- | --- |
| خلاف ہوگا! طلاق سمجھا جاوے گا تو طلاق واقع نہ ہوگی کہ یہ الفاظ طلاق سے نہیں ہے۔ | |
| اگر محض ضعف باہ اور رقت کی بیماری ہے اور مباشرت پہ قدرت رکھتا ہے تو ایسی صورت میں شوہر پر طلاق دینا لازم نہیں ہے اور اگر بیماری اس حد کی ہے کہ حقوق زوجیت ادا نہیں ہوتے تو شوہر پر طلاق دینا واجب ہے۔ | ۱۸۹ |
| اگر شوہر سے عورت کے حقوق پورے ادا نہ ہوتے ہوں تو عورت کو علیحدہ ہی کر دینا چاہئے ورنہ اس میں مفاسد کا دروازہ کھلے گا۔ | ۱۸۹ |
| صورت مسئولہ میں جب عورت بدچلن ہے اور پانچ سال سے تعلقات بھی منقطع ہو چکے ہیں تو طلاق دینا جائز بلکہ مستحب ہے جو علماء وفقہاء طلاق میں اصل خطر کو کہتے ہیں وہ بھی ایسی حالت میں طلاق دینے کو جائز کہتے ہیں۔ | ۱۹۱ |
| اگر شوہر عورت کو رکھنا چاہتا ہے تو دونوں پر حقوق زوجیت لازم ہیں اور جدا کر دے تو طلاق کے احکام ثابت ہوں گے۔ | ۱۹۳ |
| الفاظ طلاق کی بہت سی صورتوں میں ایسے دقائق ہیں کہ بظاہر لوگ سمجھتے ہیں کہ طلاق ہو گئی حالانکہ نہیں ہوتی یا ہیں اس کا عکس لہذا عوام کو اپنے علم وفہم پر بھروسہ کرکے حکم لگانا ہرگز روا نہیں ہے۔ | ۱۹۳ |
| عورتوں کو دھمکی دینے کے لئے لوگوں نے یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ عورت اگر گھر سے نکل جائے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ | ۱۹۴ |
| تحریر طلاق سے متعلق ایک اہم فتویٰ۔ | ۱۹۴ |
| اگر غصہ اس حد کا ہو کہ عقل کلیۃً زائل ہو جائے تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ | ۱۹۶ |
| معمولی غصہ میں جتنی طلاقیں دی جائیں گی واقع ہوں گی | ۱۹۶ |
| اگر طلاق کے تین اور دو میں تردد ہو تو احتیاطاً تین سمجھی جائے گی۔ | ۱۹۶ |
| طلاق کے ساتھ اگر یہ کہا "تو مثل میری ماں کے ہے" تو کیا حکم ہے | ۱۹۷ |
| اگر بخار میں غفلت کی حالت میں مرد نے عورت کو طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہوگی | ۱۹۸ |
| ایک شخص منکوحہ کو چھوڑ کر کہیں چلا گیا دو تین ماہ تک ایک شہر سے اس کے خطوط آتے رہے بعد ازاں اس نے اپنی منکوحہ کو طلاق دے کر لکھ بھیجا اور وہاں سے مفقود الخبر ہو گیا تو اگر گمان غالب ہو کہ خط اسی کا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی بعد عدت عورت کو دوسرے سے نکاح کرنا جائز ہے۔ | ۱۹۹ |
| نکاح۔ طلاق۔ خلع۔ فسخ تفریق یہ اسلامی اور شرعی چیزیں ہیں ان کا وجود وثبوت اسی مخصوص طریق کے ساتھ ہوگا جس کو شرع نے مقرر فرمایا ہے۔ | ۲۰۰ |
| نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہے اس کو اختیار ہے اس گرہ کو | |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| برقرار رکھے یا کھول ڈالے دوسرے سے اس کو تعلق نہیں مگر ہاں بعض مخصوص صورتوں میں استثنا ہے | ۲۰۰ |
| غیر مسلم کو مسلم پر ولایت شرعی حاصل نہیں ہے۔ | ۲۰۱ |
| فسخ یا تفریق قاضی کرے گا یا نائب قاضی جس کا مسلم ہونا شرط ہے۔ | ۲۰۱ |
| شرعی فیصلہ کے لئے جس طرح قاضی کا مسلم ہونا شرط ہے پنچ کا بھی مسلم ہونا ضروری ہے۔ بلکہ کافر کو اگر کسی امر کا حکم بنایا اور وہ مسلمان ہو جانے کے بعد فیصلہ کرے تو یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ | ۲۰۲ |
| غیر مسلم حکم، یا ثالث یا پنچ نے کسی مسلم کا نکاح فسخ کر دیا اور اس نے کسی دوسرے مرد سے نکاح کیا تو یہ نکاح باطل اور ایسا کرنے والا گنہگار اور مرتکب حرام ہے اور اس سے جو اولاد ہوگی ولد الحرام ہوگی اور یہ عورت دوسرے مرد کے ترکے سے محروم ہوگی۔ | ۲۰۲ |
| طلاق واقع ہونے کے لئے گواہ ضروری نہیں۔ اگر بالکل تنہائی میں شوہر طلاق دے جب بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔ | ۲۰۳ |
| اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرتا ہو تو جب تک گواہ نہ ہوں طلاق ثابت نہ ہوگی۔ | ۲۰۳ |
| میاں بیوی ایک پیر سے مرید ہوں تو نکاح نہیں ٹوٹتا جو ایسا کہتا ہے وہ احکام شرع سے بالکل جاہل ہے۔ | ۲۰۴ |
| شہادت طلاق میں وہی تمام شرائط ہیں جو دیگر معاملات کے لئے ہیں۔ | ۲۰۴ |
| اگر مرد طلاق دینے سے انکار کرتا ہو تو کافر کی شہادت سے اگرچہ اس کے ساتھ ایک مسلم بھی ہو طلاق ثابت نہ ہوگی۔ | ۲۰۴ |
| شوہر کا یہ لفظ کہ "طلاق بائن تصور فرمایا جائے" اس سے طلاق واقع نہ ہوگی کہ طلاق کا تصور طلاق نہیں ہے۔ | ۲۰۵ |
| جو لوگ وقوع طلاق کے لئے مغلظہ یا شوہر کا رکھنے سے انکار کی شرط قرار دیتے ہیں۔ غلط ہے۔ | ۲۰۵ |


## صریح کا بیان

از ص۲۰۵ تا ص۲۱۹


| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| اگر زید نے اپنی بیوی سے یہ لفظ "میں نے اس کو طلاق بائن دیا" تین بار کہا تو تین طلاقیں واقع ہو گئیں بغیر حلالہ اس کے نکاح میں اب وہ عورت نہیں آسکتی | ۲۰۶ |
| زید اور اس کی بیوی میں جھگڑا ہوا۔ زید کے پدر نے اس کی بیوی کی حمایت کی تو زید نے کہا "اگر تم اس کی حمایت کرتے ہو تو میں نے اس کو طلاق دی" تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوئی شوہر اگر چاہے عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے۔ | ۲۰۷ |
| طلاق رجعی میں رجوع کے لئے شوہر کا فقط یہ کہنا کافی ہے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا اگر | ۲۰۷ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| وطی وغیرہ کرے تو اس سے بھی رجعت ہو جائے گی ۔ | |
| ایک طلاق رجعی میں شوہر صرف دو طلاق کا مالک رہ جاتا ہے اب جب کبھی عورت کو دو طلاق دی جائے گی عورت مغلظہ ہو جائے گی | ۲۰۷ |
| ایک فتوی کی تصحیح | ۲۰۷ |
| زید نے بحالت غصہ اپنی بیوی کو بایں الفاظ طلاق دیا "خدا و رسول کو درمیان دے کر تم کو طلاق دیا۔ طلاق۔ طلاق۔ طلاق۔ تو تین طلاقیں واقع ہو گئیں ۔ | ۲۱۰ |
| رجعت طلاق رجعی میں ہوتی ہے مغلظہ میں نہیں۔ | ۲۱۰ |
| ایک شخص نے زنا کا الزام لگا کر اپنی عورت کو گھر سے نکال دیا اور یہ کہا "تو میرے کام کی نہیں ہے تو فاحشہ ہے" اور چند اشخاص کے سامنے یہ کہا "وہ عورت میرے کام کی نہیں ہے فاحشہ ہے اسی وجہ سے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اب میں اس کو نہیں لے جاؤں گا"، تو اس میں چھوڑ دینا طلاق صریح ہے جس سے ایک طلاق واقع ہو گی اور بقیہ الفاظ طلاق کنایہ ہے اگر ان الفاظ سے طلاق کی نیت تھی تو عورت بائن ہو گی ورنہ نہیں۔ | ۲۱۱ |
| شوہر نے اپنی عورت سے دو بار کہا "میں نے تجھے چھوڑا میں نے تجھے چھوڑا" تو دو طلاقیں واقع ہوں گی کہ یہ لفظ اردو زبان میں صریح طلاق ہے کنایہ نہیں کہ نیت وغیرہ کی حاجت پڑے ۔ | ۲۱۲ |
| ایک شخص اپنی بیوی کو مار رہا تھا اور گالیاں دے رہا تھا اور اسی حالت میں کہہ رہا تھا "تجھے طلاق ہے" تو اگر ایک بار یہ لفظ کہا تو ایک طلاق واقع ہو گی اور دو بار کہا تو دو۔ اور ان دونوں صورتوں میں اندرون عدت رجعت ہو سکتی ہے اور اگر تین بار کہا ہے تو طلاق مغلظ ہو گی بغیر حلالہ اس عورت کو شوہر نہیں رکھ سکتا ہے۔ | ۲۱۳ |
| وقوع طلاق کے لئے رضامندی اور خوشی کی حاجت نہیں غصہ تو غصہ اگر ہنسی۔ دل لگی میں طلاق کے لفظ کہہ دئے تو واقع ہو جائے گی بلکہ اگر کہنا کچھ اور چاہتا تھا زبان سے بلا قصد یہ لفظ نکل گیا "تجھے طلاق" تو طلاق ہو جائے گی ۔ | ۲۱۳ |
| ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا "میں خوشی سے اس کو طلاق دیتا ہوں، اب مجھے کچھ واسطہ نہ رہا" دو طلاق بائن پڑ گئیں۔ | ۲۱۴ |
| اب مجھ سے کچھ واسطہ نہ رہا طلاق کنائی کے الفاظ سے ہے ۔ | ۲۱۴ |
| عورت کو دو طلاق دینے کے بعد شوہر کا یہ کہنا: میں اس کو طلاق دے چکا، اس سے تیسری طلاق واقع نہ ہو گی کہ یہ لفظ اردو میں اخبار کے لئے بولا جاتا ہے ۔ | ۲۱۵ |
| زید نے تنازع کے وقت اپنی | |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| عورت سے تین مرتبہ "میں نے تجھ کو چھوڑا" کہا تو تین طلاقیں واقع ہو گئیں اگرچہ طلاق کی نیت و ارادہ نہ ہو۔ | ۲۱۵ |
| وقوع طلاق کے لئے اضافت ضروری ہے اور اضافت کا صراحۃً ہونا کوئی ضروری نہیں ہے اگر نیت میں بھی ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ | ۲۱۶ |
| صورت مسئولہ میں جب شوہر اپنی عورت کو مارتا تھا اس کے بھائی نے کہا "اگر تم سے نہیں بسنا چھوڑ دو" اس کے جواب میں شوہر کہتا ہے "طلاق دے دیا" تو یہ صریح اور صاف قرینہ ہے کہ اسی عورت کو اس کے بھائی نے چھوڑنے کو کہا اور اسی کو شوہر نے طلاق دینا کہا لہذا ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی اور شوہر کا انکار قابل سماعت نہ ہوگا۔ | ۲۱۷ |
| اگر شوہر نے تین طلاقیں دی ہیں تو بغیر حلالہ ہندہ شوہر کے نکاح میں نہیں آسکتی اور اگر ایک یا دو طلاقیں دیں اور عدت پوری ہو گئی اور شوہر نے رجعت نہ کی یا جو طلاق دی بائن تھی تو ہندہ شوہر کے نکاح سے باہر ہو گئی اس صورت میں بھی بغیر نکاح جدید کے ہندہ شوہر کے ساتھ نہیں رکھ سکتی۔ | ۲۱۸ |
| جب تین طلاقیں واقع ہو گئیں تو طلاق کی عدت پوری کر کے عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ | ۲۱۸ |
| **اضافت کا بیان** از ص ۲۱۹ تا ص ۲۳۱ | |
| زید نے اپنے سسر سے کہا "میرا زیور مجھ کو دیدے تیری لڑکی سے کچھ تعلق نہیں ہے" تو اس سے طلاق نہیں ہوگی۔ | ۲۱۹ |
| زید اور اس کی زوجہ میں جھگڑا ہوا غصہ کی حالت میں زید نے اسی وقت تین مرتبہ زبان سے ادا کیا "طلاق دی" طلاق دی" طلاق دی"، تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ | ۲۱۹ |
| وقوع طلاق کے لئے اضافت ضروری ہے اور صورت مسئولہ میں گوہر علی شاہ کے الفاظ طلاق میں اضافت موجود ہے لہذا طلاق ہو گئی | ۲۲۱ |
| گوہر علی شاہ کا یہ کہنا "میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا" بالکل صاف ہے اس لفظ کے ہوتے ہوئے نام لینے کی حاجت نہیں ہے | ۲۲۱ |
| ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا "طلاق دی" طلاق دی" طلاق دی" تو اگر شوہر نے حلف کے ساتھ اتنے ہی الفاظ کہنا بیان کیا نہ اپنی عورت کا نام لیا نہ اس کی طرف اشارہ تھا نہ اس لفظ سے مراد بیوی کو طلاق دینا تھی اور گواہ نے بھی اتنے ہی الفاظ کہنا بیان کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ | ۲۲۲ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| صورت مسئولہ میں زید نے صرف یہ لفظ "میں نے طلاق دی" دو بار کہے تو اگر واقع میں یہ بیان صحیح ہے یعنی عورت کا نام لیا نہ اس کی طرف اشارہ کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اگر اضافت کے ساتھ کہا تو دو طلاقیں واقع ہوگئیں۔ | ۲۲۴ |
| رجعی کا حکم صرف زمانہ عدت تک رہتا ہے عدت کے بعد وہ طلاق بائن ہو جاتی ہے جس میں نکاح جدید کی ضرورت ہوتی ہے۔ | ۲۲۴ |
| صورت مسئولہ میں عورت طلاق کا دعویٰ کرتی ہے اور شوہر طلاق کا منکر ہے تو کیا حکم ہے۔ | ۲۲۵ |
| شوہر کا جب یہ بیان ہے کہ اس کی ساس نے کہا میری بیٹی کو طلاق دے کر میرے یہاں سے نکل جاؤ اس پر زید نے کہا، طلاق، طلاق کہتی ہو تو لو، طلاق، طلاق، تو دو طلاقیں پڑ گئیں۔ | ۲۲۸ |
| انکار نکاح یا نکاح سے ناواقفیت کے اظہار سے طلاق نہیں پڑتی اگرچہ یہ الفاظ بہ نیت طلاق کہے جائیں | ۲۲۸ |
| لڑکے نے باپ سے کہا میں جانتا ہی نہیں کہ میرا نکاح ہوا ہے اور فلاں میری بیوی ہے باپ نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر تم طلاق دیدو۔ لڑکے نے جواب میں کہا، طلاق۔ طلاق۔ طلاق، تو تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ | ۲۲۸ |
| وقوع طلاق کے لئے لفظ میں ہی اضافت ہونا ضروری نہیں ہے شوہر کی نیت اور مراد میں ہو جب بھی طلاق واقع ہو جائیگی | ۲۲۹ |
| شوہر نے طلاق دی اور اضافت ذکر نہ کی تو اس کی نیت دریافت کی جائے اگر حلف کے ساتھ کہے کہ میری مراد اپنی زوجہ نہیں ہے تو طلاق کا حکم نہ ہوگا۔ | ۲۳۰ |
| شوہر نے عورت کو زدوکوب کیا پھر جا کے بستر پر بیٹھا اور کہا ایک طلاق۔ دو طلاق تین طلاق جاؤ، تو اگر ان الفاظ سے شوہر نے اپنی عورت کو طلاق دینے کی نیت کی ہے تو طلاقیں واقع ہوں گی ورنہ نہیں۔ | ۲۳۰ |
| **غیر مدخولہ کا بیان** | |
| از ص ۲۳۱ تا ص ۲۳۲ | |
| شوہر نے اپنی غیر مدخولہ عورت کو تین چار مرتبہ کہا "میں نے اپنی زوجہ کو طلاق دی"، تو ایک طلاق بائن واقع ہوئی اور باقی الفاظ لغو ہوئے۔ | ۲۳۱ |
| غیر مدخولہ عورت پر عدت نہیں ہے۔ | ۲۳۲ |
| غیر مدخولہ عورت جس کو شوہر نے تین چار مرتبہ طلاق دی ہے وہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے اگر اسی شوہر سے پھر نکاح کرنا چاہے تو اس سے بھی دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ حلالہ کی حاجت نہ ہوگی۔ | ۲۳۲ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
| --- | --- |
| **کنایہ کا بیان** | |
| از صـ ۲۳۲ تا صـ ۲۳۹ | |
| صورت مسئولہ میں ابتدا کے بہت سے الفاظ ڈرانے دھمکانے اور طلاق کنایہ کے ہیں مگر آخر کے الفاظ "میں نے تم کو طلاق دیا" "میں نے تم کو طلاق دیا۔ میں نے تم کو طلاق دیا" صریح طلاق ہیں | ۲۴۳ |
| شوہر کا یہ لفظ "میں تجھ کو رکھنا نہیں چاہتا" الفاظ طلاق سے نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی دھمکی ہے۔ | ۲۴۳ |
| ارادۂ طلاق طلاق نہیں ہے۔ | ۲۴۴ |
| "تو میری ماں ہے" "تو میری بہن ہے" الفاظ طلاق سے نہیں ہے لیکن بیوی کو اس طرح کہنا گناہ ہے۔ | ۲۴۴ |
| "تو میرے یہاں سے چلی جا" الفاظ کنایہ سے ہے اگر شوہر نے بہ نیت طلاق کہا تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی | ۲۴۴ |
| "تیرا میرا کچھ واسطہ نہیں" الفاظ کنایہ سے ہے۔ | " |
| طلاق بائن کے بعد الفاظ کنایہ سے جدید طلاق نہیں واقع ہوتی ہے۔ | ۲۴۴ |
| شوہر کے اس لفظ "تم میرے گھر سے چلی جاؤ" سے طلاق واقع ہوگی نہ عورت کا دوسرے سے نکاح کرنا جائز ہوگا جب تک کہ شوہر کی نیت اس لفظ سے طلاق دینے کی نہ ہو۔ | ۲۴۵ |
| طلاق کنایہ میں شوہر کی نیت معلوم ہوجانے کے بعد ہی عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ | " |
| جو لفظ محتمل رد ہے اس سے غضب بلکہ مذاکرۂ طلاق کے وقت بھی بغیر نیت طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ | " |
| شوہر کا یہ لفظ "میں تم کو ہمیشہ کے لئے آزاد کرتا ہوں" کنایہ طلاق ہے۔ | " |
| "اپنے گھر نہیں لے جاؤں گا" "تم سے کلام بھی نہیں کروں گا" "تم کو نہیں نہیں دیکھوں گا" "میں نے تم کو تھوک دیا" یہ سب الفاظ کنایہ سے نہیں ہیں۔ | ۲۴۶ |
| مسلمانوں نے فیصلہ کیا اگر زید نے چھ ماہ تک دس روپیہ ماہوار نہ دیا اور مکان نہ بنوایا تو اس کی بی بی ظہیرہ کو طلاق ہے۔ زید نے کہا ہم خرچ دیں گے نہ مکان بنوا دیں گے اس کے بعد مجمع نے کہا اب طلاق مکمل ہوگئی تو زید نے کہا "طلاق ہی سہی" تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ | ۲۴۷ |
| طلاق کنایہ کے کچھ الفاظ | " |
| "میرا عورت کی بابت کوئی دعویٰ نہیں، اس کے ساتھ نکاح پڑھا دینا" الفاظ کنایہ ہیں۔ | ۲۴۹ |
| "تمہاری لڑکی کو طلاق سمجھی جائے" سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ | " |
| "چلی جا میرے کام کی نہیں" الفاظ کنایہ سے ہے۔ | " |
| **تفویض کا بیان** | |
| از صـ ۲۴۴ تا صـ ۲۴۵ | |
| ان الفاظ کے ساتھ زید نے وکیل کو طلاق دینے کا اختیار دیا | |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| "مجھ کو اختیار ہے میری عورت کے طلاق دینے کا" "میری عورت کے طلاق کا امر تیرے ہاتھ میں ہے" "اگر تو چاہے تو میری عورت کو طلاق دیدے" تو یہ تینوں صورتیں تفویض کی ہیں توکیل کی نہیں اگرچہ وکیل کرنے کی تصریح بھی کردی ہو۔ | ۲۴۵ |
| طلاق نہ دینے کا معاہدہ تو معاہدہ اگر شوہر قسم بھی کھائے اور طلاق دیدے تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ | ″ |
| **تعلیق کا بیان** از ص ۲۴۶ تا ص ۲۶۵ | |
| زید نے نکاح سے پہلے اپنے اقرار نامہ میں تحریر کیا "اپنی زوجہ کو نان ونفقہ نہ دوں تو اس کے والدین کو اختیار ہے اپنی لڑکی کا عقد کسی دوسری جگہ کردیں" تو اس سے طلاق نہ ہوگی۔ | ۲۴۷ |
| ایسی تعلیق جو قبل نکاح ہو اور اس کی اضافت ملک نکاح کی طرف نہ ہو تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ | ۲۴۷ |
| تعلیق میں شرط ہے کہ وقت تعلیق عورت نکاح میں ہو یا تعلیق نکاح پر ہو۔ | ۲۴۸ |
| شوہر کے اقرار نامہ کا یہ لفظ "یہی تحریر اقرار نامہ استعفاء سمجھی جاوے" سے طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اگر شوہر یہ کہتا "اگر خلاف ورزی کروں تو طلاق سمجھی جائے" تو بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ | ″ |
| شوہر نے جب اپنی عورت کی خبرگیری نہ کرنے اور بال بچوں کو خرچ نہ دینے پر طلاق کو معلق کیا پھر خبر نہ لی تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ | ″ |
| طلاق دینے کے بعد شوہر کے ان الفاظ "لکھ چکا تھا دے چکا ہوں" سے جدید طلاق واقع نہ ہوگی کہ یہ الفاظ اخبار کے لئے ہوئے جاتے ہیں ہاں اگر شوہر نے ایقاع طلاق کی نیت کی ہو تو جدید طلاق ہوسکتی ہے۔ | ۲۴۹ |
| جو شخص یوں کہے "میں نے یا میری بیوی نے یا میرے بچوں نے اگر فلاں چیز چرائی ہو تو مجھ پر اپنی بیوی تین طلاقوں سے طلاق ہے" پھر وہ چیز ان کے گھر سے برآمد ہوگئی اور اس شخص کی بیوی مقر بھی ہوگئی تو طلاق واقع ہوگئی۔ | ۲۵۰ |
| تعلیق امر مستقبل پر ہوتی ہے گزشتہ پر نہیں۔ | ″ |
| صورت مسئولہ میں عبدالحمید خاں نے جب اپنے اقرار نامہ میں تین طلاق واقع ہونے کو دوسرے مہینے میں نان ونفقہ نہ ادا کرنے پر معلق کیا ہے اور نہیں ادا کیا تو تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ | ۲۵۱ |
| زید نے بکر پر زنا کی تہمت لگائی اور دونوں نے مسجد میں قسم کھائی کہ "اگر تو سچا ہے تو جب جب میں نکاح کروں میری بیوی | ۲۵۲ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| مطلقہ مغلظہ ہوجائے" تو نجات کی کیا صورت ہے۔ | |
| زید نے سسرال کے مکان کے بارے میں اپنی بیوی سے کہا "اگر عمرو اپنی عورت ہندہ سے زن و شوہر کا تعلق رکھتے ہوئے اس مکان میں رکھا گیا اور ایسی حالت میں تم بھی رہی تو تم کو تین طلاق ہے"۔ اس کے بعد زید کی بیوی کا قیام اس مکان میں شام تک یا دوسرے روز تک رہا تو کیا حکم ہے۔ | ۲۵۳ |
| زید نے اپنی بیوی سے کہا "تو اپنے باپ کے گھر اگر چلی گئی تو تجھے تین طلاق ہے"۔ تو اگر ان الفاظ کے بعد بیوی اپنے باپ کے گھر گئی تو تین طلاقیں ہوگئیں | ۲۵۴ |
| صورت مسئولہ میں زوج و زوجہ کے بیانات صحیح ہیں تو طلاق ثابت نہ ہوگی۔ | ۲۵۵ |
| صورت مسئولہ میں عمرو نے جو طلاق نامہ لکھا ہے اگر اس میں یہ ہو کہ اتنے روپیہ ملنے پر عورت کو طلاق ہے تو چونکہ روپیہ نہیں دیا گیا طلاق بھی نہیں ہوئی اور اگر بعد شرط طلاق دیدی ہے تو طلاق واقع ہوگئی اور پھر اس عورت کا بکر سے نکاح ہوا تو یہ نکاح صحیح ہے۔ | ۲۵۷ |
| صورت مسئولہ میں شوہر نے تین طلاق کو اس پر معلق کیا ہے کہ عورت بوقت عدم موجودگی شوہر میکے جائے یا بغیر اجازت جائے۔ پھر جب شوہر نے اجازت دے دی تو تعلیق ختم ہوگئی۔ | ۲۵۹ |
| ایک شخص کی دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک نے شوہر کے پینے کے لئے پانی رکھا۔ شوہر نے جب پانی کا پیالہ اٹھایا تو بچھو نے کاٹ لیا۔ شوہر نے کہا جس نے پانی رکھا اس کو طلاق، اور دونوں عورتیں پانی رکھنے سے انکار کرتی ہیں تو کیا حکم ہے۔ | ۲۶۰ |
| کسی نے اپنی دونوں بیویوں کے لئے دو دوپٹہ بنایا۔ ایک نے کھودیا تو شوہر نے کہا: جس نے اپنا دوپٹہ کھودیا اس پر طلاق ہے اور دونوں انکار کرتی ہیں تو کیا حکم ہے۔ | ۲۶۰ |
| اگر شوہر کے اقرار نامہ میں صرف یہ ہے "اگر اب اپنی بیوی کو چھوڑ کر کسی شہر جاؤ گے تو تمہاری بیوی پر طلاق" تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ | ۲۶۱ |
| شوہر نے کہا: میں اگر اپنی زوجہ کو اس کے میکے سے بلا کر لاؤں یا بلاؤں تو اس کو طلاق ہے۔ اس کو طلاق بائن ہے۔ اس کو طلاق بائن ہے"۔ اور شوہر نے کسی دوسرے شخص کے ذریعہ سے بلا لیا تو تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ | 〃 |
| صریح طلاق صریح کو لاحق ہوتی ہے اور اس سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ | 〃 |
| غلطی سے اگر دوسرے الفاظ زبان سے نکل گئے تو طلاق میں قضاءً انہیں الفاظ پر حکم ہوگا | ۲۶۲ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| ہاں دیانتہً اگر دوسرے الفاظ کا تلفظ کرنا چاہتا تھا تو گنجائش ہے۔ | |
| تعلیق میں جب شرط نہیں پائی گئی تو طلاق واقع نہ ہوگی | ۲۶۴ |
| صورت مسئولہ میں رخصت پر اس عورت کی طلاق کو معلق کیا ہے جس سے ابھی نکاح نہیں ہوا ہے بلکہ نکاح ہونا طے پایا ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ | ۲۶۴ |
| غیر منکوحہ کو طلاق نہیں دی جا سکتی ہے۔ | " |
| شوہر نے زبان سے کہا طلاق بائن ہے، مگر لکھنے والے نے اپنی طرف سے لکھ دیا "طلاق بائن تصور فرمایا جائے"، تو بھی ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ | ۲۶۵ |

## طلاق مریض کا بیان

از ص ۲۶۵ تا ص ۲۶۶

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| اگر شوہر بحالت نزاع ہوش کے عالم میں عورت کو طلاق دے تو واقع ہو جائے گی۔ | ۲۶۵ |

## رجعت کا بیان

از ص ۲۶۶ تا ص ۲۷۳

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| ماں بیٹے میں جھگڑا ہوا بیٹے نے اٹھ کر اپنی عورت کو دو مرتبہ طلاق دی تو دو رجعی طلاقیں واقع ہوئیں کسی نے سنا ہو یا نہ سنا ہو۔ | ۲۶۶ |
| وقوع طلاق کے لئے دوسرے کا سننا شرط نہیں ہے۔ | " |
| طلاق رجعی میں رجعت کیلئے یہ کہہ لینا کافی ہے، "میں نے اپنی عورت فلانہ کو واپس لیا"، یا چاہے تو جدید نکاح کرے۔ | " |
| زید نے اپنی عورت سے کہا، "اگر فلاں فلاں شخص کے سامنے آؤ گی تو میری طرف سے تجھ کو طلاق ہے" اور عورت ان لوگوں کے سامنے آتی رہی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔ | ۲۶۷ |
| صورت مسئولہ میں ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا: "میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں"۔ تو اگر شوہر نے ایک مرتبہ کہا تو ایک طلاق واقع ہوگی اور دو مرتبہ کہا دو طلاقیں ہوں گی۔ | ۲۶۷ |
| زید نے اپنی منکوحہ کو بتاریخ ۱۱ ر ماہ اگہن ایک طلاق دی اور بتاریخ ۲۸ ر رجعت کر لی۔ بعدہ بتاریخ ۳ ر ماہ پوس ایک طلاق دی اور اس طلاق کی بھی تاریخ ۱ ر ماہ پھاگن رجعت ہوگئی تو پہلی اور دوسری طلاق کے لیے رجعت جائز ہوگئی جب کہ طلاق رجعی دی ہو۔ لیکن اب اگر تیسری طلاق دے گا تو مغلظہ ہو جائے گی۔ | ۲۶۸ |
| زید نے اپنی منکوحہ کو ایک مجلس میں دو مرتبہ طلاق دی اور دو ماہ کے بعد رجعت ہوگئی تو یہ رجعت صحیح ہے ہاں عدت پوری ہونے کے بعد بغیر نکاح جدید کے یہ عورت زید کی زوجیت میں نہیں آسکتی ہے | " |
| زید نے اپنی زوجہ سے کہا: | |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| تو میری مثل بہن کے ہے اگر تجھ کو گھر میں رکھوں اور ہاتھ لگاؤں تو جیسے اپنی ماں بہن کو ہاتھ لگاؤں! ایک ہفتہ بعد پھر زید نے کہا: میری غیرت اس کی مقتضی نہیں کہ میں اب بھی ہندہ کو بحیثیت بیوی کرلوں۔ میری نیت طلاق کی تھی اور عمدًا بہ نیت طلاق ہی یہ کہا تھا؛ تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ | ۲۶۹ |
| شوہر کو کسی اجنبیہ سے ناجائز تعلق کی بنا پر لوگوں نے سمجھایا تو وہ غضبناک ہو کر کہتا ہے: میری اس (منکوحہ) کو بھی طلاق ہے اور اس (غیر منکوحہ) کو بھی؛ تو ایسی صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ | ۲۷۰ |
| صورت مسئولہ میں عورت پر دو رجعی طلاقیں واقع ہوگئیں ایک لفظ چھوڑ دیا ہے اور دوسرا اس لفظ سے کہ "جا میں نے تجھ کو طلاق دے دیا۔" | ۲۷۱ |

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| لفظ "جا" الفاظ کنایہ سے ہے اور اس سے بائن طلاق ہوتی ہے جب کہ طلاق کی نیت ہو مگر صریح لفظ کے ساتھ جب اس کا استعمال ہو تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ | ۲۷۱ |
| یہ الفاظ "میں نے چھوڑ دیا ہے۔ اور طلاق دے دیا ہے" بظاہر اخبار طلاق ہیں۔ | ۲۷۲ |
| صورت مسئولہ میں طلاق نامہ کا پہلا لفظ "کہ طلاق دی" صریح ہے اس سے ایک طلاق واقع ہوگی اور دوسرا لفظ "کہ جس سے چاہے نکاح کرے" کنایہ ہے اگر اس سے طلاق کی نیت ہے تو بائن طلاق واقع ہوگی۔ | ۲۷۳ |
| رجعت تحریر کے ذریعہ بھی ہوسکتی ہے۔ | " |
| رجعت میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں ہے بلکہ عورت انکار کرے جب بھی رجعت ہو جائے گی۔ | " |

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| زید کی ساس نے کہا: میری لڑکی کو چھوڑ دو۔ کچھ دیر کے بعد سالی نے کہا: میری بہن کو چھوڑ دو۔ زید نے اس وقت کچھ نہ کہا۔ چار پانچ گھنٹے کے بعد باہر سے آیا۔ سوٹ اتارنے لگا۔ زید کی بیوی نے کہا کھانا کھالو۔ زید نے کہا میں کھا چکا اور جو تمہاری ماں بہن نے کہا میں نے کر دیا۔ تو ایسی صورت میں زید کی نیت معلوم کی جائے گی۔ | ۲۷۳ |


## حلالہ کا بیان

از ص ۲۷۴ تا ص ۲۷۸


| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| حلالہ کی صورت میں جب عورت اور بکر دونوں خود اقرار کر رہے ہیں کہ باہم صحبت ہوئی ہے تو زید کا نکاح بعد طلاق و عدت اس عورت سے جائز ہے۔ | ۲۷۴ |
| صورت مسئولہ میں اگر دو معتبر گواہوں سے تین طلاق دینا ثابت ہو تو بغیر حلالہ پیش امام کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ اور اگر گواہ نہ ہوں | " |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| تو امام کے بیان کو غلط ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ | ″ |
| زید نے اپنی زوجہ کو کہا: زید نے اس کو چھ مہینہ کے لئے طلاق دیا پھر کہا زید نے تجھ کو ایک ہفتہ کے لئے طلاق دیا پھر کہا زید نے تجھ کو طلاق قطعی دیا، تو تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ | ۲۷۵ |
| طلاق کسی زمانہ خاص کے لئے نہیں ہوتی۔ بلکہ جو طلاق دی جاتی ہے واقع ہو جاتی ہے۔ | ″ |
| عمرو نے اپنی بیوی سے کہا میں نے تجھ کو چھ مہینے کے لئے طلاق دیا، پھر کہا قطع کیا، تو صرف ایک طلاق رجعی واقع ہو گی اور دوسرا لفظ الفاظ طلاق سے نہیں ہے۔ | ″ |
| ائمہ اربعہ بلکہ جمہور اس کے قائل ہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین واقع ہو جاتی ہیں۔ | ۲۷۶ |
| امام نووی کا قول | ″ |
| چچا جب اپنی عورت کو طلاق دیدے یا مر جائے تو بعد عدت اس عورت سے نکاح درست ہے | ۲۷۷ |
| "چل جا میرے گھر سے، لے تیرا فیصلہ" الفاظ کنایہ سے ہے | ″ |
| شوہر نے اپنی بیوی سے کہا: جا میں نے طلاق طلاق دی؟ تو اس سے ایک طلاق واقع ہو گی۔ لیکن اگر یہ کہا: میں نے طلاق دی۔ طلاق دی؛ تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ | ۲۷۸ |
| **ایلا کا بیان** | |
| از صـ ۲۷۹ تا صـ ۲۸۰ | |
| شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "اگر تجھے رکھوں تو ماں کے ساتھ زنا کروں"، تو یہ لفظ ایلاء ہے اور اگر طلاق کی نیت ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہو گی۔ | ۲۷۹ |
| **خلع کا بیان** | |
| از صـ ۲۸۰ تا صـ ۲۸۳ | |
| خلع طلاق بائن ہے بعد عدت عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے | ۲۸۰ |
| ہندہ کو جب شوہر اپنی تکلیفیں پہنچاتا ہے جس سے جان کا خوف ہے تو ایسی صورت میں عورت خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے اور وہ طلاق نہ دے تو حاکم اس سے طلاق دلوا سکتا ہے۔ | ″ |
| صورت مسئولہ میں اگر شوہر نے خلع کے عوض میں روپیہ لیا ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ | ۲۸۱ |
| خلع میں مہر سے زیادہ عوض لے کر طلاق دینا مکروہ ہے۔ | ″ |
| **ظہار کا بیان** | |
| از صـ ۲۸۲ تا صـ ۲۸۴ | |
| ظہار کا شوہر کی طرف سے ہونے کی تحقیق۔ | ۲۸۲ |
| اگر شوہر نے اپنی بیوی کو ماں کہہ دیا | ″ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| تو اس لفظ سے ظہار نہ ہوگا مگر ایسا کہنا منع ہے ۔ | ۲۸۳ |
| شوہر کا اپنی بیوی کے بارے میں یہ لفظ " وہ میری بہن ہے " کہنا مکروہ و برا ہے مگر اس سے طلاق یا ظہار نہیں ہوتا کہ اس کے لئے تشبیہ کا لفظ ہونا ضروری ہے | ۲۸۴ |
| **عدت کا بیان** | |
| از صفحہ ۲۸۴ تا صفحہ ۲۹۱ | |
| عورت کو زمانہ عدت میں گھر سے نکلنا حرام ہے ۔ | ۲۸۵ |
| اگر عدت موت کی ہے اور اس کے پاس کھانے کو نہیں ہے کہ بغیر گھر سے نکلے کام نہیں چلے گا یا نقصان پہونچے گا تو گھر سے نکل سکتی ہے لیکن رات اسی گھر میں گذارے ۔ | " |
| اگر میاں بیوی میں خلوت صحیحہ نہیں ہوئی تو عورت پر عدت نہیں ہے ۔ | ۲۸۶ |
| اگر شوہر نے خلوت صحیحہ سے قبل طلاق دی ہے تو بعد طلاق عورت جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے ۔ | ۲۸۶ |
| حائض کی عدت تین حیض ہے | ۲۸۷ |
| جس عورت کو بوجہ صغر سن یا بڑھاپے کے حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین مہینہ ہے ۔ | " |
| وہ عورت جس کے شوہر کی وفات ہوگئی اس کی عدت چار ماہ دس روز ہے ۔ | " |
| طلاق و موت کی دونوں صورتوں میں حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے ۔ | " |
| وہ عورت جو اپنے شوہر کے ساتھ کبھی نہ رہی اور طلاق ہوگئی تو اس کی عدت نہیں ہے ۔ | ۲۸۸ |
| روپیہ لے کر طلاق دینے سے عدت نہیں ساقط ہوتی ہے ۔ | " |
| عورت اگر میکے یا رشتہ داری میں گئی تھی اور وفات شوہر کی خبر ملی تو فوراً عورت شوہر والے گھر میں جہاں رہتی تھی چلی آئے اور اسی مکان میں عدت گذارے ۔ | " |
| عورت و مرد کرایہ کے مکان میں رہتے تھے کہ شوہر کا انتقال ہوگیا اور اس مکان کا کرایہ تین روپیہ ماہوار تھا تو اگر عورت کی حیثیت اتنی نہیں کہ تین روپے ماہوار کرایہ دے سکے تو اس کے قریب جو کم کرایہ کا مکان دستیاب ہو یا قریب میں کسی عزیز کا مکان ہو جس میں بے کرایہ رہ سکتی ہے تو اس قریب تر مکان میں چلی جائے اور وہاں عدت پوری کرے ۔ | ۲۸۹ |
| قاضی ہو یا نائب قاضی عدت کے اندر نکاح نہیں کر سکتا جو بھی ایسا کرے وہ حرام کاری کا دلال ہے ۔ | " |
| زوجہ یا شوہر کا صغیرہ یا صغیر ہونا عدت موت کے لئے مانع نہیں ہے اسی طرح موت میں دخول یا خلوت ہونا بھی وجوب عدت کے لئے شرط نہیں ۔ | ۲۹۰ |
| بہار شریعت کے ایک مسئلہ کی تنقیح | " |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| عورت ہی کے لئے صرف عدت کیوں ہے۔ | ۲۹۰ |
| عدت اس مکان میں واجب ہے جو شوہر کی وفات کے وقت اس کی جائے سکونت ہے۔ | ۲۹۱ |


## نسب کا بیان

از ص ۲۹۱ تا ص ۲۹۶


| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| زن مفقود الخبر نے نکاح کیا اور اولاد بھی پیدا ہوئی کچھ زمانہ کے بعد شوہر اول آگیا تو عورت شوہر اول کو ملے گی اور اولاد شوہر ثانی کی ہوگی۔ | ″ |
| ولد الزنا کا نسب زانی سے نہیں ثابت ہوگا اگرچہ زانی اقرار بھی کرے۔ | ۲۹۲ |
| ولد الزنا زانی کا وارث نہیں ہوسکتا ہے۔ | ″ |
| عورت کا غیر قوم سے ہونا اس کی دلیل نہیں کہ نکاح نہیں ہوا اور جو اس سے اولاد ہوئی صحیح النسب نہیں ہے۔ | ۲۹۳ |
| نکاح کی گواہی وہ لوگ بھی دے سکتے ہیں جو نکاح میں شریک نہ تھے مگر انہوں نے معتبر لوگوں سے نکاح ہونا سنا ہے بلکہ وہ لوگ بھی نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں جنہوں نے زن و مرد کو اس طرح رہتے دیکھا ہو جیسے میاں بیوی رہتے ہیں۔ | ۲۹۳ |
| مدت حمل کم سے کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال ہے | ۲۹۴ |
| بیماری کے سبب شکم مادر میں نمو کم ہو تو پیدائش دیر میں بھی ہوسکتی ہے۔ | ″ |
| جس عورت کو زنا کا حمل ہے اس حالت حمل میں نکاح درست ہے پھر اگر نکاح اسی سے ہوا ہے جس کا حمل ہے تو وطی بھی کرسکتا ہے۔ | ۲۹۵ |
| لڑکا اگر نکاح سے چھ مہینہ یا زیادہ میں پیدا ہوا ہے تو اسے ولد الزنا نہیں کہیں گے اور چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا ہے تو ناجائز اولاد ہے۔ | ″ |
| زید کچھ بھی مگر جب اس کی اولاد نکاح صحیحہ سے پیدا ہوئی ہے تو صحیح النسب ہے۔ | ۲۹۵ |
| زید جب ثابت النسب نہیں ہے تو اس کی اولاد اس خاندان سے شمار نہ ہوگی جس سے زید اپنے کو ہونے کا دعوی کرتا ہے۔ | ″ |
| زید نے حمل کے متعلق کہا وہ میرا نہیں ہے اور عورت نے بھی اس کی تصدیق کی، تو بھی یہ بچہ زید وہندہ کا ہی مانا جائے گا۔ | ″ |
| ثبوت زنا کے لئے چار مرد کی شہادت یا خود زانی کا اقرار درکار ہے۔ | ″ |
| جس طرح مرد کے کہنے سے کہ میں نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے۔ عورت کا زنا ثابت نہیں ہوگا اسی طرح عورت کے کہنے سے مرد کا زنا ثابت نہ ہوگا۔ | ۲۹۶ |
| مرد نے عورت کو زانیہ کہا عورت نے کہا میں نے تیرے ساتھ زنا کیا | ″ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
| --- | --- |
| ہے تو اس صورت میں اجنبی مرد کا زانی ہونا ثابت نہ ہو گا۔ | م |

## حضانت کا بیان

از ص ۲۹۶ تا ص ۳۰۰

| مضامین | صفحہ |
| --- | --- |
| لڑکا سات برس کی عمر تک اور لڑکی نو برس تک ماں کی تربیت میں رہیں گے اس کے بعد باپ یا ولی احق ہے اور اگر ماں نہ ہو یا اس نے اجنبی سے نکاح کر لیا ہو تو حق حضانت نانی کو ہے پھر دادی کو۔ | ۲۹۶ |
| باپ اگر مفلس ہے اور نابالغ کے پاس مال ہے نہ خود کما کر کھا سکتا ہے تو نفقہ دادا کے ذمہ ہے۔ | ۲۹۷ |
| بیوہ کی جانب سے اندیشہ ہو کہ معاذ اللہ تبدیلی مذہب کرے یا اجنبی سے نکاح کرے تو بچے اس سے فوراً علیحدہ کر لئے جائیں اور اب حق تربیت دادی کو ہو گا۔ | " |
| ماں باپ کا نفقہ اولاد پر اس وقت واجب ہے جب تنگ دست ہوں اور اولاد مالک نصاب ہو۔ | ۲۹۸ |
| اولاد میں جب چند ہوں تو سب پر والدین کا نفقہ واجب ہے۔ | " |
| ماں باپ کو چاہیے کہ اپنی سب اولاد کو یکساں دے ہاں اگر ان میں اگر کوئی علم دین میں مشغول ہے اور کماتا نہیں اور دوسرا ایسا نہیں تو اس کو زیادہ دے سکتے ہیں یا ایک کو دوسرے پر دینی فضیلت ہے تو اس کو زیادہ دے سکتے ہیں۔ اور ایسا نہ ہو تو مکروہ و ممنوع ہے۔ | " |
| اگر لڑکا صاحب نصاب ہو تو والدین کو ان کے مناسب خرچ دیتا رہے اس میں روپیہ کی تعداد شرع کی جانب سے مقرر نہیں ہے | ۲۹۹ |
| اگر اولاد کو اتنی وسعت نہ ہو کہ والدین کے اخراجات دیتا رہے تو والدین کو کھانے پینے میں اپنے ساتھ ضرور شریک کرے۔ | " |
| حق پرورش سب سے مقدم بچہ کی ماں کے لئے ہے مگر جب اس کے پاس رکھنے میں بچہ کے ضائع ہونے کا صحیح اندیشہ ہو تو ماں کا حق ساقط ہو جائے گا۔ | ۳۰۰ |

## نفقہ کا بیان

از ص ۳۰۰ تا ص ۳۰۳

| مضامین | صفحہ |
| --- | --- |
| جب عورت مکان شوہر سے اس کی اجازت کے بغیر چلی گئی تو جب تک واپس نہ ہو مستحق نفقہ نہ ہو گی۔ | " |
| اگر عورت نے نفقہ میں اپنے پاس سے خرچ کیا ہو تو اس کے مطالبہ کا حق عورت کو اس وقت ہوتا ہے جب کہ پیشتر قاضی نے بذمہ شوہر نفقہ کی ایک مقدار معین کر دی ہو یا زوجین کی رضامندی سے مقرر ہو چکا ہو۔ | ۳۰۱ |
| شوہر پر عورت کا نفقہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب عورت شوہر کے یہاں رہنے سے انکار | ۳۰۲ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| نہ کرے۔ | |
| جتنے دنوں عورت شوہر کے یہاں نہیں رہی اس کا نفقہ شوہر پر نہیں ہے۔ | ۳۰۲ |
| جب مرد نان نفقہ دینے سے عاجز ہے تو عورت دعوی کرے حاکم جبراً اس مرد سے طلاق دلوائے گا یا نان نفقہ دلوائے گا۔ | ″ |
| مطلقہ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور مطلقہ کی عدت کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔ | ۳۰۳ |
| وضع حمل کے بعد اگر بچہ کو عورت دودھ پلائے گی تو زمانہ رضاعت کے دودھ پلانے کی اجرت شوہر سے لے گی۔ | ″ |
| موت کی عدت کا نفقہ شوہر کے مال میں واجب نہیں ہے۔ | ″ |
| حالت حمل میں اگر شوہر کا انتقال ہو گیا تو بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت بچہ کے مال سے دلائی جائے گی اگر بچہ اپنے باپ کے ترکہ کا وارث ہوا ہو۔ اور اگر بچہ کسی مال کا مالک نہیں تو جس کے ذمہ اس کا نفقہ واجب ہے وہی رضاعت کی اجرت بھی دے گا۔ | ″ |


## قسم کا بیان

از ص۳۰۴ تا ص۳۰۷


| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| کعبہ معظمہ کی قسم شرعاً قسم نہیں ہے ـــــ | ۳۰۴ |
| جن لوگوں نے کھانا کھلانے کی قسم کھائی ہے ان پر قسم کا پورا کرنا لازم ہے۔ | ″ |
| کسی نے قسم کھائی کہ "اگر اس پرند کا گوشت نہ کھاؤں تو بی بی مجھ پر حرام ہے۔ پرندہ نکالا گیا مگر مرگیا تو اب اگر اس پرندہ کو کاٹ کر مرغ کو کھلا دے اور اس کو ذبح کرکے کھائے تو قسم پوری نہ ہوگی۔ | ۳۰۵ |
| مدعی پر حلف نہیں حلف صرف مدعی علیہ پر ہے۔ | ″ |
| اپنے جھوٹے سچے معاملات میں قرآن شریف کو نہیں اٹھانا چاہئے | ۳۰۶ |
| وحشت دلانے کے لئے اولاد کا ہاتھ پکڑانا کوئی چیز نہیں ہے۔ | ″ |
| قسم سے زیادہ اہم اولاد کا ہاتھ پکڑنا نہیں ہے۔ | ″ |
| اگر قسم کھانا کسی مصلحت شرعی کی بنا پر نہ ہو محض ضد یا دنیوی معاملہ میں آپس کی نفسانیت کی بنا پر قسم کھائی اور بظاہر قسم توڑنے میں نفع ہو تو ایسی قسم توڑ دے اور قسم کا کفارہ دیدے۔ | ″ |
| مقدمہ خارج ہونے کے خوف سے عدالت میں جھوٹی قسم کھانا اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر جھوٹ بولنا حرام ہے۔ | ۳۰۷ |
| کسی بات کا اطمینان کرنے کی وجہ سے قرآن مجید کی قسم کھانا درست ہے۔ | ″ |


## منّت کا بیان

از ص۳۰۷ تا ص۳۱۴

Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
| --- | --- |
| سادات کرام کو زکوٰۃ وغیرہ دینے سے متعلق حدیثیں۔ | ۳۰۷ |
| زکوٰۃ وصدقات واجبہ سادات کو دینا ناجائز ہے اور نذر بھی صدقہ واجبہ ہے لہذا یہ بھی سادات کے لئے ناجائز ہے۔ | ۳۰۸ |
| منت کا کھانا صرف فقراء کھا سکتے ہیں اغنیاء کے لئے حلال نہیں ہے۔ | " |
| نذر شرعی اور نذر عرفی کی بحث | ۳۰۹ |
| منت کا ادا کرنا اگر دشوار و گراں ہو تو کیا حکم ہے۔ | ۳۱۱ |
| خاکروب کافر ہو تو اس کے مال کی نیاز نہیں ہو سکتی کیونکہ نیاز نام ہے ایصال ثواب کا اور کافر کے کسی فعل میں ثواب نہیں۔ | ۳۱۲ |
| کافر کے مال سے نیاز دینا اور اس میں شرکت کرنا ناجائز ہے اور اس کا کھانا بھی اچھا نہیں ہے۔ | " |
| نذر کے مسائل واحکام | " |

## لقطہ کا بیان

از ص۳۱۴ تا ص۳۱۵

| مضامین | صفحہ |
| --- | --- |
| لقطہ ایک طرح کی امانت ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جو شخص جہاں جو چیز پائے وہاں اور بازاروں اور مجمعوں میں اعلان کرے اگر مالک مل جائے اسے دیدے ورنہ اتنا زمانہ گذرنے پر کہ ظن غالب ہو جائے کہ اب اس کا مالک تلاش نہ کرے گا یا وہ چیز کھانے یا پھل کی قسم سے ہے تو یہ گمان ہونے پر کہ اب اگر رکھی رہے گی تو خراب ہو جائے گی تو یہ شخص اگر فقیر ہے تو اپنے صرف میں لا سکتا ہے اور اگر غنی ہو تو فقیر کو دیدے پھر اگر مالک مل گیا اور وہ چیز صرف کر چکا ہے تو مالک کو اختیار ہے۔ اس کے تصرف کو جائز کردے یا تاوان لے۔ | ۳۱۴ |
| لقطہ کے جانور کا وہی حکم ہے جو اور چیزوں کا ہے۔ | ۳۱۵ |

## شرکت کا بیان

از ص۳۱۵ تا ص۳۱۸

| مضامین | صفحہ |
| --- | --- |
| درخت اگر زید کا ہے اور صرف بعض شاخیں عمرو کے مکان میں آگئی ہیں تو پھل زید ہی کے ہیں عمرو کا کچھ استحقاق نہیں۔ | ۳۱۵ |
| اگر درخت کا تنہ عمرو کی بھی زمین میں ہے اور درخت زید ہی نے لگایا ہے جب بھی پھل کا مالک زید ہی ہے ہاں عمرو کو اختیار ہے اپنی زمین میں درخت کے تنے کو رہنے دے یا نہیں۔ | " |
| زید ایک حقیت مشترکہ میں نمبردار تھا مگر اس نے کسی وجہ سے گاؤں کی تحصیل اپنے بھائی کے سپرد کردی۔ تو اب اس کو صرف تحصیل وصول ہی کا حق ہے یعنی آمدنی کے خرچ کا اسے اختیار نہیں | " |
| اگر کوئی جائداد زید کے بزرگوں کی ہے تو ان کے قرض کا بار جائداد پر ہے کہ قرض ادا کرنے کے بعد | ۳۱۶ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| بقیہ جائداد ورثہ پر تقسیم ہوگی اور سب ورثہ اگر یہ چاہیں کہ جائداد کی آمدنی سے قرضہ ادا کر دیا جائے اور بعد ادائے دین اب جو آمدنی ہوگی وہ ورثہ پر تقسیم ہوگی تو اس کا انہیں اختیار ہے۔ | |
| اگر استاد و شاگرد کے مابین نذرانہ میلاد خوانی کے بابت عقد شرکت ہوا ہے تو دونوں تقسیم کرلیں اور اگر عقد شرکت نہیں ہے اور اصل میلاد خواں استاد ہے اور شاگرد اس کے پاس سیکھنے اور ساتھ میں پڑھتے ہیں تو جو کچھ دینے والا استاد کو دے گا وہ استاد ہی کا ہوگا۔ | ۳۱۶ |
| بیٹے جب باپ کے ساتھ کام کریں اور باپ کے عیال میں ہوں تو جو کچھ آمدنی ہوگی سب کا مالک باپ ہی ہے اور بیٹے اجیر بھی قرار نہیں پائیں گے محض مددگار تصور کئے جائیں گے۔ | ۳۱۷ |
| چند بھائی شرکت میں کام کرتے ہوں مثلاً باپ نے ترکہ چھوڑا اور اس کو تقسیم نہیں کیا بلکہ یکجائی کاروبار ہے تو اس مال میں سب برابر کے شریک ہیں۔ | ۳۱۷ |
| اگر کاروبار میں باپ بیٹا دونوں باہم شریک ہوں تو دو صورتیں ہیں۔ | ۳۱۸ |


## حدود و تعزیر کا بیان

از ص۳۱۸ تا ص۳۴۱


| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| شریعت نے حد زنا کے قیام کے لئے چار شخصوں کی گواہی کیوں رکھی۔ | ۳۱۹ |
| الزام لگانے والوں پر ضروری ہے کہ شہادت شرعیہ سے ثابت کریں اگر ثبوت نہ دے سکیں تو جس پر الزام لگایا گیا ہے اس سے قسم لیں اور جب قسم کھالے تو اس قسم کا اعتبار کریں۔ | ۳۲۰ |
| ثبوت زنا کے لئے چار مرد عادل کی شہادت ضروری ہے جنہوں نے اپنی آنکھ سے یہ فعل کرتے دیکھا ہو | ״ |
| ثبوت زنا کے لئے اگر چار مرد عادل نہ ہوں تو الزام لگانے والے ہر ایک اسّی اسّی کوڑے کے مستحق اور ہمیشہ کے لئے مردود الشہادۃ ہیں | ۳۲۲ |
| جہاں حدود شرع قائم کرنا میسر نہ ہو وہاں مسلمان اپنے طور پر جو سزا دے سکتے ہیں۔ دیں۔ | ״ |
| اس شخص کو جس نے بغیر نکاح عورت رکھ لی ہے اہل برادری بند کر دیں اور جب تک سچی توبہ نہ کرے برادری میں شامل نہ کریں۔ عورت پر بھی فرض ہے کہ فوراً اس کے گھر سے نکل جائے ورنہ اسے بھی لوگ اپنے یہاں آنے جانے سے روک دیں۔ | ۳۲۳ |
| تین شخصوں کی شہادت سے زنا کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ | ״ |
| جو شخص بغیر نکاح عورت کے رکھنے والے کو روکنے اور باز رکھنے پر قدرت رکھتے ہوں اور نہ روکیں تو وہ بھی گنہگار عذاب کے سزاوار ہیں۔ | ۳۲۴ |
| جو شخص رنڈی سے زنا کرے | ۱ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| اولاد پیدا کرے۔ اس کے لئے بھی حد زنا ہے۔ | ٣٢٤ |
| ایک وقت بھی قصداً نماز کا چھوڑنے والا فاسق ہے یونہیں بلا عذر سفر و مرض وغیرہ روزہ رمضان کا تارک فاسق ہے اگرچہ ایک ہی روزہ چھوڑا ہو۔ | ؍؍ |
| جانور سے برا کام کرنے پر تعزیر ہے | ٣٢٥ |
| جانور سے وطی کرنے والے کو سزا دی جائے گی اور جانور کو ذبح کرکے جلا دیا جائے گا۔ | ؍؍ |
| حضرت علی نے لواطت کرنے والوں کو جلا دیا اور حضرت ابوبکر نے ان پر دیوار ڈھا دی۔ | ؍؍ |
| زلق حرام اور ایسا کرنے والے پر تعزیر ہے۔ | ٣٢٦ |
| زید کا یہ کہنا کہ جانور سے وطی اور لواطت و زلق کرنے سے غسل نہیں۔ اُس کا غلط ہے۔ | ؍؍ |
| ایسا لڑکا جو چکلہ میں بیٹھتا ہو اور حرام فعل کرتا ہو اور اس کی کمائی اپنے والدین کو دیتا ہو اور | ؍؍ |
| اس کے والدین اس فعل سے راضی ہوں اور نہ روکتے ہوں تو برادری کے لوگ ان کو اپنے سے خارج کر دیں۔ | |
| آج کے دور میں کسی شرعی مجرم کو برادری سے خارج کرا کیا ہے۔ | ٣٢٧ |
| ہندہ اگر تہمت کی جگہ آمد و رفت رکھتی ہے اور اس کی ماں بھائی کو خبر ہے اور حسب استطاعت نہیں روکتے ہیں تو دیوث ہیں اور ان کی اعانت حرام ہے۔ | ٣٢٨ |
| جرمانہ لینا حرام ہے۔ | ؍؍ |
| اگر کسی نے کسی کو زہر دیا تو اس نے نہایت سخت ظلم کیا ایسا شخص مستحق نار و غضب جبار اور حق اللہ و حق العبد میں گرفتار ہے۔ | |
| اہل برادری ایسے شخص کو برادری سے خارج کر دیں۔ | ٣٢٩ |
| ساحرہ جو لوگوں کو ایذا دیتی ہے یا مار ڈالتی ہے شرعاً مستحق قتل ہے۔ بادشاہ اسلام اسے | ؍؍ |
| قتل کر ڈالے اور بعد گرفتاری اس کی توبہ بھی مقبول نہیں ہے۔ | |
| کسی بھی معاملہ میں اگرچہ امام مستحق سزا تھا جب بھی جرمانہ ناجائز و حرام ہے لوگوں پر لازم ہے کہ اس جرمانہ سے باز آئیں ورنہ خود مجرم ہیں۔ | ٣٣٠ |
| اگر کسی مسلمان نے کہا۔ خدا و رسول خود اتر آویں ہم روپیہ نہیں چھوڑیں گے تو یہ کلمہ کفر ہے قائل پھر سے مسلمان ہو اور جو رو رکھتا ہو تو دوبارہ نکاح کرے۔ | ؍؍ |
| دوسرے کا مال مار لینا حرام ہے۔ | ٣٣١ |
| کچہری سے اگر خلاف واقعہ فیصلہ ہو جائے تو آخرت کے مواخذہ سے چھٹکارا نہ ملے گا جب تک صاحب حق معاف نہ کر دے۔ | ؍؍ |
| جھوٹے معاملات میں قرآن کریم کو درمیان میں لانا سخت جرأت اور بہت بڑی بے باکی ہے جب تک ایسا شخص توبہ نہ کرے مسلمان اس سے میل جول ترک کر دیں۔ | ٣٣٢ |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| ایسا شخص جو کسی کی منکوحہ کو بھگا لے گیا تو جب تک یہ دونوں اپنے اپنے ناجائز فعل سے توبہ نہ کریں برادری میں شامل نہیں ہو سکتے اور توبہ یوں ہوگی کہ مرد عورت کو اپنے سے علیحدہ کر دے۔ | ۳۳۲ |
| مخفی گناہ کی توبہ خفیہ اور علانیہ گناہ کی توبہ علانیہ ہونی چاہیے۔ | ؍؍ |
| جہاں شرعی حدود قائم نہیں کیے جا سکتے وہاں توبہ کے سوا کوئی مالی کفارہ لازم نہیں ہے صدق دل سے توبہ کفارہ ہے۔ | ۳۳۳ |
| جس جانور کے ساتھ وطی کی گئی اس کا گوشت کھانا یا اس کے دودھ وغیرہ سے نفع اٹھانا مکروہ ہے مگر دودھ کا کھانا حرام نہیں ہے۔ | ۳۳۴ |
| زنا سخت کبیرہ ہے اور شریعت میں اس کی سزا رجم یا سو کوڑے مارنا ہے۔ | ؍؍ |
| زانی اور زانیہ پر پنچوں نے | ۱ |
| ساٹھ فقیروں کا کھانا کھلانا کفارہ مقرر کیا تو یہ کوئی شرعی سزا نہیں ہے جس پر عمل کرنا ضروری ہو۔ | ۳۳۴ |
| عورت کے قصور کا شوہر ذمہ دار نہیں ہے کہ وہ عورت کی طرف سے کفارہ دے خصوصاً جب کہ وہ کفارہ شرعی نہ ہو۔ | ۳۳۵ |
| ایسی عورت جو زنا کی مرتکب ہوئی اسے طلاق دے دینا واجب نہیں ہے ہاں اس فعل کی وجہ سے اگر شوہر کو نفرت ہو جائے تو طلاق دے سکتا ہے مگر طلاق دینے پر مجبور نہیں کیا جائیگا البتہ شوہر پر لازم ہے کہ اس عورت سے توبہ کرائے۔ | ؍؍ |
| زانی اور زانیہ کے کفارہ میں گاؤں والوں کا جبراً کھانا طلب کرنا ناجائز ہے۔ | ؍؍ |
| ہندو چمارٹی عورت سے جس نے تعلق پیدا کر لیا اس کی اعانت حرام ہے۔ | ۳۳۶ |
| بہتان باندھنا سخت کبیرہ ہے اور ایسے لوگوں پر توبہ فرض ہے اور جن پر بہتان باندھا ہے ان سے معافی مانگنا لازم ہے۔ | ۳۳۶ |
| گاؤں کے پنچوں اور چودھری کی ذمہ داریاں۔ | ۳۳۸ |
| پنچوں کے فیصلوں کی حقیقت | ۳۴۰ |
| زنا اگر ثابت ہو جائے تو اس کی سزا جلد یا رجم ہے۔ محصن اور محصنہ کو رجم کیا جائے گا اور غیر محصن اور غیر محصنہ کو سو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ | ۳۴۱ |
| شوہر نے زنا کیا تو عورت کا یہ سمجھنا کہ "میرے خاوند کو از روئے شریعت رجم کر دیا گیا ہے اور میں بیوہ ہو گئی۔ لہٰذا اپنے خاوند سے علیحدہ ہو کر بعد عدت دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہوں" باطل ہے۔ ہاں اگر عورت ایسے زانی شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے تو خلع کرائے۔ | ؍؍ |


٭

Marfat.com

# فہرست مسائل ضمنیہ فتاویٰ امجدیہ، جلد ثانی


| مسائل | صفحہ | عنوان |
|---|---|---|
| **کتاب النکاح** | | |
| کافر کی تعظیم حرام ہے۔ | ۲ | حظر |
| عرف میں نجابت شرافت نسب کے معنی میں ہے۔ | ۶ | شتیٰ |
| دف کے علاوہ اور باجے حرام ہیں | ۱۱ | حظر |
| مفتی کا کام صورت سوال پر حکم لکھ دینا یا بیان کر دینا ہے۔ گواہوں سے ثبوت لے کر فیصلہ کرنا قاضی کا منصب ہے۔ | ۱۳ | قضاء |
| اگر گواہ فاسق۔ فاجر اور قابل قبول شہادت نہ ہو تو اس کی شہادت رد کر دی جائے گی۔ | " | " |
| روافض زمانہ جو معاذ اللہ سب شیخین کرتے قرآن مجید کو ناقص بتاتے ائمہ کرام کو انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دیتے یا ایسوں کو اپنا مقتدا یا مسلمان جانتے ہیں بالاجماع کافر و مرتد ہیں۔ | ۲۰ | سیر |
| بیشک اللہ عزوجل عالم الغیب والشہادۃ ہے اور اس کی عطا سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو علم ما کان و ما یکون حاصل ہے | ۲۲ | عقائد |
| مومن کی اصلاح سے متعلق چند آیات واحادیث | ۲۳ | حدیث |

| مسائل | صفحہ | عنوان |
|---|---|---|
| فرقہ اہل قرآن آیات واحادیث کی روشنی میں۔ | ۲۹ | تاریخ |
| شوہر کو اپنی عورت کا زانیہ ہونا معلوم ہے اور بقدر طاقت منع نہیں کرتا ہے تو دیوث ہے۔ | ۳۴ | سیر |
| امر مباح کے کرنے میں اگر شرعی قبائح پیدا ہونا مظنون ہو تو مباح کو ترک کریں بلکہ واجب وسنت کے عمل میں اگر حرام کا ارتکاب ہوتا ہو تو انہیں بھی ترک کر دیں | ۳۷ | قضاء |
| گواہ کو گواہی چھپانا اور جب معاملہ کا ثبوت اسی کی شہادت پر موقوف ہو تو گواہی نہ دینا حرام ہے۔ ایسے شخص پر توبہ فرض ہے۔ | ۴۵ | سیر |
| **باب المحرمات** | | |
| اگر عمرو وہندہ میں ناجائز تعلق تھا اس وجہ سے عمرو ہندہ کو چار آنے روز دیتا تھا تو لینا دینا دونوں حرام ہے۔ اور عورت کی ماں بھائی جان بوجھ کر کھاتے | ۶۴ | حظر |


Marfat.com

| مسائل | صفحہ | عنوان |
|---|---|---|
| ہوں تو حرام کھانے والے بلکہ عمرو کا آنا جانا مشکوک تھا اور عورت کا بھائی منع نہ کرتا تھا تو دیوث ہے۔ | | |
| • روافض زمانہ سب شیخین کی وجہ سے بحکم فقہاء کرام کافر ہیں۔ | ۷۳ | سیر |
| • ختم نبوت کی بحث۔ | ۷۴ | عقائد |
| • حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی جدید نبی کے قائل کا حکم | | |

## باب الرضاعۃ

| مسائل | صفحہ | عنوان |
|---|---|---|
| • مفتی کا کام صورت منفسرہ کا جواب دینا ہے اگر سوال میں غلطی ہو تو مفتی کے حلال کہہ دینے سے حلال نہ ہوگا۔ | ۹۶ | افتاء |
| • غلط سوال مرتب کر کے فتوی حاصل کرنے سے مواخذہ اخروی سے نجات نہیں مل سکتی ہے۔ | 〃 | شتی |

## باب الولی

| مسائل | صفحہ | عنوان |
|---|---|---|
| • ہندوستان میں علاقہ کا جو بڑا سنی عالم ہے وہ وہاں کا بمنزلہ قاضی ہے۔ | ۱۱۱ | قضا |
| • بطلان نکاح اور حبط عمل کا حکم وہاں ہے جہاں کفر قطعی ویقینی ہو۔ | ۱۲۹ | نکاح |

## باب الکفو

| مسائل | صفحہ | عنوان |
|---|---|---|
| • قاعدہ کلیہ ہے کہ بلا ضرورت قول امام اعظم سے عدول نہ کیا جائے گا ہاں جہاں اصحاب فتوی قول صاحبین پر فتوی دیں گے وہاں قول صاحبین پر عمل ہوگا۔ | ۱۳۱ | افتاء |
| • حمل ساقط کرنا گناہ ہے۔ | ۱۳۳ | حظر |
| • غیر قرشی کو قرشی غیر ہاشمی پر نسباً فضیلت نہیں ہے اگرچہ غیر قرشی عربی النسل اور قرشی کی ماں نومسلمہ ہو۔ | ۱۳۶ | شتی |
| • جس کی ماں سیدہ ہو اور باپ سید نہ ہو اس کو بھی فی الجملہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت سے شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ | 〃 | 〃 |
| • ولد الزنا اپنی ماں کا وارث ہو سکتا ہے | ۱۳۷ | ارث |

## باب المہر

| مسائل | صفحہ | عنوان |
|---|---|---|
| • تعلیق کے لئے ملک یا اضافت الی الملک ضروری ہے۔ | ۱۵۳ | اصول |
| • سودی قرضہ لینا حرام ہے | ۱۵۶ | حظر |
| • جو کفالت ماریوں کی وفات کے بعد | 〃 | کفالت |

Marfat.com

| مسائل | صفحہ | عنوان |
|---|---|---|
| ہو اس کا کیا حکم ہے۔ | ۱۵۶ | کفالت |
| • مرض الموت میں حقوق کی معافی کا بیان۔ | ۱۵۸ | وصیت |
| • اٹکل سے مسائل بتانا ناجائز ہے۔ | 〃 | افتار |
| • اتنی چھوٹی لڑکی جس سے جماع نہیں کیا جا سکتا اس سے خلوت صحیحہ بھی نہ ہوگی۔ | ۱۵۹ | |
| • صحیح یہ ہے کہ نابالغہ سے خلوت صحیحہ کے متعلق عمر کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس سے جماع کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ | | طلاق |
| **کتاب الطلاق** | | |
| • بصورت طلاق شوہر پر مہر ادا کرنا لازم ہے اگر عورت مدخولہ ہے تو کل مہر اور غیر مدخولہ ہے تو نصف مہر۔ | ۱۶۵ | مہر |
| • جو زیور وغیرہ عورت کو رونمائی میں ملا اس کی مالک وہی عورت ہے مگر جبکہ تصریح کردی ہو یا وہاں کا چلن یہ ہو کہ صرف پہننے کے لئے عورت کو دیا گیا ہے تو اب اس کی مالک عورت نہیں ہے۔ | ۱۷۳ | جہیز |
| • لڑکا لڑکی کی عمر میں اتنا تفاوت جس سے کوئی اندیشہ پیدا ہو تو باہم نکاح نہیں ہونا چاہئے۔ | ۱۸۰ | نکاح |

| مسائل | صفحہ | عنوان |
|---|---|---|
| • دیوث کا مطلب | ۱۸۲ | شتی |
| • زید نے اپنی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ کیا اور اس کو رکھے رہا تو مقتدیوں کا یہ سمجھ کر زید کو امامت سے معزول کردینا کہ یہ مطلقہ کو اپنے ساتھ رکھے ہوا ہے جہالت ہے۔ | ۱۸۴ | امامت |
| • جہیز عورت کی ملک ہے شوہر اس کے روکنے کا حق نہیں رکھتا وہ جب چاہے جہاں چاہے لے جائے ممانعت کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ | ۱۸۹ | جہیز |
| • عورت پر شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری واجب ہے۔ | ۱۹۰ | حقوق |
| • نافرمان عورت سے متعلق وعید | 〃 | 〃 |
| • اگر عورت کے والدین نے اسے اغوا کرکے شوہر سے جدا رکھا تو گنہگار ہیں | ۱۹۲ | سیر |
| • عورت کی بدچلنی معلوم ہوتے ہوئے اس کے والدین تا حد قدرت انسداد نہ کریں تو یہ نہایت درجہ کا قبیح جرم ہے عورت اور اس کے والدین پر ان امور سے باز آنا اور توبہ کرنا لازم ہے۔ | 〃 | 〃 |
| • جب عورت نے مہر کی معافی کو شرط پر | | |


Marfat.com

| مسائل | صفحہ | عنوان |
|---|---|---|
| معافی کی ہو اور شرط متعارف نہ ہو تو یہ معافی صحیح نہیں ہے | ۱۹۲ | مہر |
| • قاضی کے لئے وہ تمام شرائط درکار ہیں جو شہادت کے لئے ضروری ہیں۔ | ۲۰۱ | قضا |
| • میاں بیوی ایک پیر سے مرید ہوسکتے ہیں | ۲۰۴ | حظر |
| • صحابہ کرام اور ان کی ازواج سبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوتے تھے۔ | ۶ | تاریخ |
| **اضافت کا بیان** | | |
| • واقعہ کی تحقیق کرنا قاضی کا کام ہے اور مفتی کی ذمہ داری صورت مسئولہ کا جواب دیدینا ہے | ۲۲۵ | قضا |
| **کنایہ کا بیان** | | |
| کپڑے یا زیور جو عورت کے پاس بطور عاریت ہیں اگر ان میں سے قبل طلاق تلف ہو گیا مثلاً چھوڑ دے گیا۔ گر پڑا پہننے برتنے میں ٹوٹا بگڑا، خراب ہو گیا تو اس پر کچھ تاوان نہیں بشرطیکہ وہیں تک استعمال میں لائی ہو جہاں تک پہننے میں عرفاً رضامندی سمجھی جاتی ہے۔ | ۲۴۳ | ضمان |

| مسائل | صفحہ | عنوان |
|---|---|---|
| **تعلیق کا بیان** | | |
| • عورت اسی وقت نان ونفقہ کی مستحق ہوتی ہے جب شوہر کے یہاں رہے | ۲۵۲ | نفقہ |
| • مرض الموت میں اگر شوہر عورت کو طلاق دے تو وہ میراث سے محروم نہ ہوگی۔ | ۲۶۵ | ارث |
| **حلالہ کا بیان** | | |
| • حنفی کو امام اعظم کے مسلک سے عدول کرنا جائز نہیں ہے۔ | ۲۷۷ | افتاء |
| • بلا ضرورت شرعی اپنے امام کے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے کے مسلک پر چلنا ہوائے نفس کی پیروی ہے نہ کہ اتباع شریعت | 〃 | افتاء |
| **عدت کا بیان** | | |
| • اجنبی عورت سے متعلق حدیثیں۔ | ۲۸۵ | حدیث |
| **حدود وتعزیر کا بیان** | | |
| • جو شخص بالاعلان لواطت اور زلق کرتا ہو اسے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ | ۲۳۶ | امامت |

Marfat.com

مولانا ایوب صابر القادری مصباحی

# صدر الشریعہ — ایک زندۂ جاوید شخصیت

بلند حوصلگی، اولوالعزمی، جہد مسلسل، عمل پیہم، ایمان محکم کی زندۂ جاوید شخصیت صدر الشریعہ بدر الطریقہ الحاج حضرت علامہ حکیم محمد امجد علی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وقت کے جلیل القدر خداترس بزرگ اور دیندار، علامۂ روزگار و عابد شب بیدار، شیخ طریقت باوقار اور بہت بڑے متقی و پرہیزگار تھے۔ ترویج سنت و تشکیل ملت اور استحکام اسلام کے لیے جو نمایاں خدمات آپ نے انجام دی ہیں وہ تاریخ عالم کے اوراق میں آب زر سے ثبت کرنے کے لائق اور قابل صد تحسین ہیں؟

آپ کی تصنیفات میں بہار شریعت ہر پڑھے لکھے فرد کے لئے گرانمایہ سرمایہ اور بیش بہا عطیہ ہے جسمیں نہ صرف توحید و رسالت کے بنیادی عقائد کو اُن کی افہام و تفہیم کے لئے نرالے انداز اور نہایت دلکش و مؤثر طور پر عام فہم زبان میں پیش کئے گئے ہیں بلکہ وہ تمام تر مسائل انتہائی عالمانہ بصیرت سے مندرج کردیئے گئے ہیں جو زندگی کے تمام شعبوں میں روز و شب کام آنے والے ہیں میرا مشاہدہ اور ذاتی تجربہ ہے کہ کم سے کم تر علم رکھنے والے لوگ بھی جو اس سے استفادہ کرتے ہیں انھیں اکثر و بیشتر مسائل علمائے کرام و فقہائے عظام سے دریافت کرنے کی حاجت نہیں ہوتی ہے سترہ حصوں پر مشتمل بہار شریعت میں احکام ربانی احادیث نبوی اور اقوال ائمہ کے بیش بہا خزانے اس طرز نگارش سے بھر دیئے گئے ہیں کہ بے ساختہ قاری پکار اٹھتا ہے مبارک باد اے صدر الشریعہ آپ نے سمندر کو کوزے میں بند کر ڈالا ہے خداوند قدوس آپ کی اس مساعی جمیلہ کو اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں مقبول فرمائے۔ آمین

اس کتاب کے مستند اور ثقہ ہونے کی دلیل تو یہ ہے کہ بڑے بڑے علمائے دین و مفتیان شرع متین سند میں اس کتاب کا حوالہ پیش فرماتے ہیں اپنوں کا تو تذکرہ کیا غیر بھی اس سے استفادہ کر کے مصنف علیہ الرحمہ کے ممنون احسان ہیں گویا بہار شریعت علوم دینیہ و احکام شرعیہ کا گنجینہ ہے جس سے اس بات کی غمازی ہوتی ہے کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو علوم دینیہ میں بیحد عبور اور فقہی مسائل میں بے اندازہ دسترس حاصل تھی۔

آپ خداترسی و سادگی، عجز و انکساری اور شفقت و رافت خلوص و محبت کے مجسم پیکر تھے۔ حق بات قبول فرمانے میں ذرا بھی آپ کو کسرِ شان کا احساس نہ ہوتا تھا بزرگوں کی ہدایت و نصیحت آپ کے لئے قابل احترام و نقش کالحجر ہوتی تھیں آپ یقیناً خداترس، عالم باعمل اور دیندار بزرگ تھے آپ نے اپنے کچھ واقعات بیان فرمائے ہیں جن سے آپ کی خداترسی قبولیت حق و بلند حوصلگی خوب خوب نمایاں ہوتی ہیں! ناظرین کے ذوق کی تسکین کے لئے چند واقعات درج کئے جارہے ہیں!

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجدد دوراں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ علیل تھے میں عیادت کو گیا حسب محاورہ پوچھا حضور اب شکایت کا کیا حال ہے؟ فرمایا شکایت کس سے ہو؟ اللہ سے نہ تو شکایت پہلے تھی اور نہ اب ہے بندہ کو خدا سے کیسی شکایت؟ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے زندگی بھر کے لئے اس محاورہ سے توبہ کرلیا۔

دوسرا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ لوگ اکثر بولا کرتے ہیں "فلاں چیز کافی ہے" جیسے چائے میں شکر ہے؟ جی ہاں! کافی ہے! اگر اعلیٰ حضرت کی بزم میں کسی نے ایسے الفاظ استعمال کئے تو ٹوکتے تو نہیں مگر تنبیہ ضرور فرماتے اس لئے کہ لفظ کافی اسمائے الٰہی

Marfat.com

میں سے ہے اس لیے اس کا استعمال مناسب نہیں ہے اگویا آپ کا اس پر بھی احتیاطی عمل تھا۔ ممکن ہے کہ آپ کے معاندین ومخالفین باطنی بغض وحسد سے آپ کی ان باتوں کو تصنع پر محمول کریں لیکن جس مکتبہ فکر سے دنیا کو تزکیہ قلب وراست گوئی کا سبق ملا وہاں تصنع کا گذر کہاں۔

آپ مسلک امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے بے غرض امین ووارث تھے اور حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کے لائق وفائق جانشین اور حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوری علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید تھے۔

اگر مجدد دوراں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں تو حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کی بھی شخصیت ایسی نہیں کہ قلمکار حضرات نظر انداز کر سکیں آپ حضرات علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد رشید اور حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوری علیہ الرحمہ کے اُستاذ اور باوقار شخصیت کے مالک تھے مغلیہ دور کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر دہلوی کے عالیشان دربار میں مسند قاضی القضاۃ پر فائز و رونق افروز تھے شاہ کے خاص مشیر کار و دست راست تھے آزادی ہند کے علمبردار و مرد غازی اور بیباک مجاہد تھے آپ کی عمر رواں کے آخری حصے میں جب مغلیہ حکومت کا زوال اور انگریزی تسلط و اقتدار کا ظہور ہوا تو آپ نے جابر و ظالم انگریز حکمراں کے خلاف ببانگ و دہل مجاہدانہ اقدام فرمایا اور انگریزی تسلط و اقتدار اور اُسکے اثر و رسوخ کے استیصال کے لئے سعی بلیغ کی اور مجاہدہ شاقہ کی زحمت گوارہ فرمائی یہاں تک کہ جزیرۂ انڈمان میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد فرمائی لیکن نصاریٰ کی طاغوتی حکومت کو تسلیم نہ فرمایا جابر و ظالم انگریز جرنیلوں کے ظلم و تشدد، شقاوت و بربریت کا نشانہ بنتے رہے لیکن ظالم حکمراں سے رحم و کرم کی بھیک نہ مانگی انگریزوں کے متاع قلیل پر نہ بکے اُس کی دولت و ثروت سے مرعوب نہ ہوئے دنیاوی جاہ و حشمت کے لئے ضمیر فروشی نہ کی بلکہ اپنی جان دے کر دنیا کو حصول بقاء و دوام کا درس دیا اور خود مسرت جاودانی و آسائش دوامی حاصل کر کے دنیا والوں کے لئے انمٹ یادگار اور اہم نقش و نگار چھوڑے جو دنیا والوں کے لئے مشعل راہ ہیں یوں آپ کا نام زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا۔

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

اسی بیباک مرد مجاہد عارف باللہ کے شاگرد رشید حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوری قدس سرہٗ جیسی، جزرس و باکمال ہستی سے صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت مولانا حکیم محمد امجد علی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحصیل علوم دینیہ و فنون عقلیہ فرمائی آپ کی ذہانت و خداداد صلاحیت کو دیکھ کر آپ کے استاذ محترم علیہ الرحمہ ارشاد فرمایا کرتے کہ شاگرد ملا تو ایک وہ بھی پیرانہ سالی میں اور اپنی خاص الخاص توجہات آپ کی تعلیم و تربیت میں مرکوز مبذول فرمایا آپ نے بھی شفیق استاد کی خاص توجہ و شفقت دیکھی تو بے اندازہ محنت و مشقت کے ساتھ حصول تعلیم میں منہمک ہوئے اور اپنی انفرادی حیثیت حاصل کرلی غرضیکہ مہربان اُستاد سے علوم دینیہ و فنون عقلیہ کی تکمیل فرما کر علوم دینیہ کے درخشاں آفتاب ہوئے ذروں کو چمکایا اور فنون عقلیہ کے تابندہ ماہتاب ہوئے شعور و احساسات سے ناآشنا افراد کو احساس و شعور کی راہ پر گامزن فرمایا۔

آپ کے علمی کارناموں، دینی و ملی خدمات، زہد و تقویٰ کے واقعات اور تدریسی خصوصیات الگ الگ ضبط تحریر میں لائی جائیں تو تقریباً دو سَو صفحات منقوش ہو جائیں تاہم ناظرین کی تواضع طبع کے لئے اجمالی طور پر قلمبند کر رہا ہوں۔

آپ نے کچھ دنوں مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت عالیہ میں رہ کر اکتساب فیض فرمایا

Marfat.com

اور فن حدیث میں کافی عبور حاصل کرلیا جب محدث سورتی علیہ الرحمہ نے آپ کو سند فراغت عطا فرمادیا تو آپ نے اس کے بعد ہی تدریسی خدمات کا آغاز فرمادیا تقریباً گیارہ سال تک دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں بحیثیت صدر المدرسین تدریسی خدمات انجام دیتے رہے پھر مجدد دوراں امام العصر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نوازش و شفقت، خلوص و محبت کی کشش نے آپ کو کچھ دنوں بریلی شریف میں رہنے پر مجبور کردیا وہاں رہ کر کچھ ممتاز دینی خدمات انجام دیں مثلاً قرآن پاک کا ترجمہ کرنے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے شروع سے آخر تک معاون رہے بلکہ بیچ میں ایک بار کسی کام سے اپنے وطن گھوسی ضلع اعظم گڑھ تشریف لے آئے تو ترجمہ کا کام بند ہوگیا پھر جب واپس بریلی تشریف آئے تو بعض اہم دینی امور کے پیش نظر کچھ اور دنوں تک یہ کام ملتوی رہا یہاں تک کہ موسم گرما ختم ہوکر برسات کا موسم شروع ہوا تو ترجمہ کا کام شروع کیا گیا ایک طرف برسات کی گرمی قریب میں لالٹین اور اس پر کیڑوں اور پتنگوں کی یورش متعدد دشواریوں کے باوجود گھنٹوں اس کام کو روزانہ انجام دیا جاتا۔

ترجمہ کی تحریری نوعیت یہ ہوتی کہ پہلے آپ پوری آیت پڑھتے تھے اس کے بعد اعلیٰ حضرت ترجمہ املا فرماتے بعض مرتبہ مسلسل دو تین سطر کی عبارت ایک ساتھ بلا توقف بول دیا کرتے تھے جس روز جتنا ترجمہ کیا جاتا اسکی مقدار معہ تاریخ نوٹ کرلی جاتی! ابتدا میں چند روز یہ طریقہ رہا کہ آیت پڑھی جاتی اور اعلیٰ حضرت اس کا ترجمہ لکھواتے اس کے بعد حضرت شیخ سعدی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، ڈپٹی نذیر احمد اور مرزا حیرت دہلوی وغیرہم کے ترجمے سنائے جاتے ان میں جہاں جہاں غلطی ہوتی اعلیٰ حضرت تنبیہ فرماتے چند روز کے بعد محسوس ہوا کہ اس طرح وقت زیادہ صرف ہوتا ہے اور کام کم ہوتا ہے دوسرے مترجمین کے اغلاط پر تنبیہات تو ایک جداگانہ کام ہے اس ترجمے کے بعد اگر موقع ملا تو اس پر توجہ کی جائے گی لہٰذا تمام ترجموں کا سنانا تو موقوف کردیا گیا صرف حضرت سعدی علیہ الرحمہ کا فارسی ترجمہ اور شاہ عبدالقادر کا اردو ترجمہ سنایا جاتا اور یہ سلسلہ آخر تک جاری رہا اس سلسلے میں لطف کی بات تو یہ ہے کہ جب آپ نے زمانہ کے بدلے ہوئے حالات ضلالت کی کثرت اور اس کے اسباب کی فراوانی دیکھی تو آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ بدمذہب عوام کو گمراہ کرنے کیلئے ایک ذریعہ قرآن پاک کے ترجموں کو بھی بنائے ہوئے ہیں اسلئے کہ الفاظ قرآن میں توردوبدل کی جسارت نہیں کرسکتے لیکن ترجمے اور تفسیر میں ایسی بات لکھ دیتے ہیں جس سے عوام کو گمراہ کرنے اور بہکانے کا موقع مل جاتا ہے البتہ اردو ترجموں میں شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ قرآن پاک صحیح قرار دیا جاسکتا ہے لیکن شاہ کا ترجمہ بالکل پرانی اردو میں ہے جو ہندوستان میں متروک ہوچکی ہے اس لئے ایک صحیح اور اغلاط سے منزہ احادیث نبویہ و اقوال ائمہ کے مطابق ترجمہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے آپ نے ترجمہ قرآن پاک کے لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ عالیہ میں درخواست پیش کی تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا یہ تو بہت ضروری ہے مگر چھپنے کی کیا صورت ہوگی اس کی طباعت کا کون اہتمام کرے گا باوضو کاپیوں کو لکھنا باوضو کاپیوں اور حرفوں کی تصحیح کرنا اور تصحیح بھی ایسی ہو کہ اعراب نقطے یا علامتوں کی بھی غلطی نہ رہ جائے پھر یہ سب چیزیں ہوجانے کے بعد سب سے بڑی مشکل تو یہ ہے کہ پریس مین ہمہ وقت باوضو رہے بغیر وضو نہ پتھر کو چھوئے اور نہ کاٹے پتھر کاٹنے میں بھی احتیاط کی جائے اور چھپنے میں جو جوڑیاں نکلی ہیں انکو بھی بہت احتیاط سے رکھا جائے اور میں دیکھتا ہوں کہ ان کا پورا ہونا بظاہر دشوار اور ناممکن سا معلوم ہوتا ہے اور جب چھپنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو پھر ترجمہ لکھنے سے کیا فائدہ اس کا مقصد عوام کو فائدہ پہنچانا ہے نہ کہ کتب خانے کی الماری کی زینت بنانا ہے آپ نے عرض کیا انشاء اللہ جو باتیں ضروری

Marfat.com

ہیں ان کو پوری کرنے کی کوشش کی جائے گی بالفرض مان لیا جائے کہ ہم سے ایسا نہ ہو سکا تو جب ایک چیز موجود ہے تو ہو سکتا ہے آئندہ کوئی شخص اس کے طبع کرنے کا انتظام کرے اور مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے میں کوشش کرے اور اگر اس وقت یہ کام نہ ہو سکا تو آئندہ اس کے نہ ہونے کا ہم کو بڑا افسوس ہوگا آپ کے اس معروض کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دوسرے لوگوں کے ترجمے بھی حاصل کر لیے جائیں تاکہ اس ضمن میں بھی اُن کے اغلاط پر تنبیہ کی جائے نیز قرآن پاک ڈاک وغیرہ سے نہ منگوایا جائے کیوں کہ اس طرح سے منگوانے میں بے ادبی ہوتی ہے بلکہ اس کے لیے جہاں سے دستیاب ہوتے ہوں جا کر ایسے طریقے سے لایا جائے کہ بے ادبی نہ ہو غرض کسی طرح انہیں شرائط کے ساتھ اس زمانہ میں جتنے ترجمے طبع ہو کر منظر عام پر آ چکے تھے حاصل کیے گئے اور انتہائی حوصلہ مندی اور احتیاط کے ساتھ ترجمہ کا کام شروع کر دیا گیا بحمداللہ آپ کی مساعی جمیلہ سے خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور آج مسلمانوں کی کثیر تعداد ایک مجدد دوراں امام وقت کے لکھے ہوئے قرآن پاک کے صحیح ترجمہ سے مستفید ہو کر آپ کی ممنون احسان ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اس کے علاوہ اور بھی دیگر دشوار ترین امور دینیہ و ممتاز خدمات ملیہ آپ نے انجام دیں چنانچہ آپ کی خدمات و کارہائے نمایاں سے خوش ہو کر مجدد دوراں امام وقت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے فیوض و برکات سے مستفیض فرما کر سند خلافت عطا فرمائی۔

حیات مقدسہ کے آخری دور میں دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ علی گڑھ ریاست دادوں میں علم و عرفان کی پیہم بارش فرمائی چودہویں صدی کے اوائل میں ہندوستان علوم دینیہ کے اعتبار سے انحطاطی دور سے گذر رہا تھا علمی بصیرت افروز شخصیتوں سے ہندوستان قریب قریب خالی ہو رہا تھا جو علمائے کرام موجود تھے اُن میں سے اکثر سیاسی انجمنوں میں محصور ہو چکے تھے اکثر درسگاہیں سُنسان ہو چکی تھیں ایسے ناسا عد حالات میں جن دور اندیش اساتذہ نے تمام ہنگاموں سے بے نیاز ہو کر درسگاہوں کو آباد کیا اور درس و تدریس کے سلسلے کو جاری رکھا ان میں آپ یعنی صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست نظر آتے ہیں آپ نے اپنی علمی صلاحیت اور روحانی بصیرت و ادراک سے کام لیکر سیکڑوں افراد کو عمل کے سانچے میں ڈھال دیا اور علم کی دولت سے مالا مال فرما دیا۔

آپ فیضان علم کی تقسیم میں علمائے سلف کے صحیح مظہر تھے۔ مولانا عبدالحکیم شرف آپ کی تدریسی خوبیوں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں آپ نے ابتدائے شباب سے تدریس کا کام شروع کیا اور آخر حیات تک جاری رکھا اور ایسے نابغہ روزگار افراد تیار کیے جن پر علم و فن کو ناز ہے! حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کا قول ہے مولانا امجد علی صاحب پورے ملک میں ان چار پانچ مدرسوں میں ایک ہیں جنہیں میں منتخب جانتا ہوں؟ حق تو یہ ہے کہ آپ اپنے ہم عصر علماء میں جو اہم تدریسی خدمات انجام دی ہیں وہ بے نظیر ہیں آپ کی درسگاہ میں زانوئے ادب تہ کرنے والے تمام طلباء علم و فضل کی دولت سے مالا مال ہوئے زہد و تقویٰ خلوص و مروت سے لبریز ہوئے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور اور جذبۂ دین و ملت سے سرشار ہوئے! آپ نے بلا تفریق ہند و پاک مشترک ملک کی سرزمین پر علوم دینیہ و احکام شرعیہ کے بلند مینارے نصب فرما دیئے۔

آپ کی تدریسی خدمات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات صاف عیاں ہو جاتی ہیں کہ علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ سے مستفید ہونے والوں اور مولانا ہدایت اللہ صاحب رام پوری علیہ الرحمہ سے مستفیض ہونے والوں میں آپ سے زیادہ علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کرنے والا کوئی دوسرا نہیں آپ نے اسلام کے فروغ و استحکام کے لیے بے لوث دینی خدمات انجام دی ہیں اور قوم و ملت کی تعمیر و ترقی کے لیے وہ کارہائے نمایاں

Marfat.com

انجام دیئے ہیں جس نے آپ کو زندہ جاوید شخصیت کا مالک بنادیا ہے آپ کے ارشد تلامذہ کرام نے آپ ہی کے طرز عمل پر اپنی اپنی شالی درسگاہوں سے بے شمار علمائے کرام و مفتیان شرع متین اور عمائدین اسلام کی جماعتیں نکالی ہیں جو قوم و ملت کو فروغ دینے اور ترویج سنت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

آپ کے جانشین و شاگرد رشید استاذ العلماء حضرت حافظ ملت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کی عظیم الشان یادگار الجامعۃ الاشرفیہ اور امام النحو مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی مولانا قاضی شمس الدین صاحب جونپوری مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب ازہری مولانا سلیمان صاحب بھاگلپوری مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی مولانا رفاقت حسین صاحب کانپوری کی (ملک و بیرون ملک میں) عظیم الشان درسگاہیں آپ کی بقاء دوام کی ضامن ہیں اور دیگر اکابر تلامذہ کی اہم دینی خدمات نے آپ کی شخصیت کو زندہ جاوید بنادیا ہے مثلاً حضرت مولانا سردار احمد صاحب محدث پاکستان علیہ الرحمہ نے پاکستان میں

نابکاروں کی اصلاح کی نابلدوں کو علوم شرعیہ سے روشناس کرایا اور مردہ ماحول کو اسلامی تعلیمات سے نئی زندگی بخشی اسطرح سے آپ کے تلامذہ کرام اور تلامذہ کے تلامذہ فروغ اسلام کے لئے رہتی دنیا تک آپ کے طرز عمل و اطوار پر کام کرتے رہیں گے اور تاقیام قیامت آپ کا نام چلتا رہے گا اور آپ کی شخصیت زندہ جاوید بنی رہے گی۔

زندہ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ
امت مرحومہ سو سکتی ہے مر سکتی نہیں

قارئین کرام! جو کچھ میں نے اپنے سادے اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اپنے دادا استاد حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا الحاج حکیم محمد امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں خراج تحسین و نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے دعا فرمائیں کہ پروردگار عالم بطفیل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اسے سند قبولیت عطا فرمائے آمین۔

Marfat.com